خدا بخش لائبریری

جرنل پٹنہ

۹۶ - ۹۷ - ۹۸

خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ

فہرست

تحقیق

○

فرقہ واریت

○

سفرنامے

○

جہانِ پریم چند

جہانِ آزاد

جہانِ ودود

فہرس

جہان سرسید

جہان اقبال

تحقیق

○ علامہ سید سلیمان ندوی کی تحقیقاتِ الفاظِ اردو

—— مرتبہ ڈاکٹر سید حامد حسین

مراسلات

حصۂ انگریزی

علامہ سید سلیمان ندوی

کی

تحقیقاتِ الفاظِ اُردو

مرتبہ
ڈاکٹر سیّد حامد حسین

فہرست

پیش لفظ

اردو زبان کو جن مصنفین نے علمی اعتبار بخشا ہے، ان میں سید سلیمان ندوی کا نام ایک نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ ان کی دلچسپی کا خاص میدان اسلامی علوم اور تاریخی تحقیقات سے متعلق موضوعات ہیں۔ مگر ان کی تحریرات کے سرسری مطالعے سے بھی یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ انھیں لسانی موضوعات خاص طور پر الفاظ کے مطالعے سے گہرا شغف تھا۔ "عربوں کی جہاز رانی" میں انھوں نے اپنی تحقیق کا آغاز ہی عربی میں بندر، جہاز اور جہاز رانی سے متعلق قدیم الفاظ کی چھان بین سے کیا ہے۔ اسی طرح "عرب و ہند کے تعلقات" میں بھی انھوں نے ہندی اصل کے عربی الفاظ پر بحث کے ذریعے مفید نتائج تک رسائی حاصل کی ہے۔ یہاں تک کہ "سیرت النبی" میں بھی جابجا مختلف الفاظ کے معانی، ان کی اصل، ان کے اشتقاقات اور مترادفات پر مباحث دیکھنے کو ملتے ہیں۔ چھٹی جلد میں "فحش گوئی" کے موضوع پر لکھتے ہوئے ایک جگہ سید صاحب یہ بھی بتاتے ہیں کہ لفظ "پاخانہ" کس طرح اولاً بطور استعارہ وجود میں آیا تھا۔

کسی بھی زبان کے مطالعے کا ایک اہم شعبہ الفاظ کے معانی کے ساتھ ساتھ خود الفاظ کی تشکیل و ارتقا کی تاریخ سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ خواہش رکھنا کہ کوئی لفظ کہاں سے نکلا ہے اور اس کی شکل و معنی میں وقتاً فوقتاً کیا تبدیلیاں آئی ہیں ایک عام علمی تجسس کا حصہ ہے، یہی وجہ ہے کہ بیشتر قدیم و جدید لغتوں میں جہاں معانی سے بحث کی جاتی ہے، وہیں اس جانب بھی اشارہ کیا جاتا ہے کہ لفظ کا مخرج کیا ہے۔ دوسری زبان کی لغتوں میں ماخذ و مصدر کے بارے میں معلومات فراہم کرنا ایک ضروری روایت بن گیا ہے۔ "آکسفرڈ انگلش ڈکشنری" کی طرح بعض ایسی لغتیں بھی تیار کی گئی ہیں جن میں الفاظ کی عہد بہ عہد تاریخ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اردو زبان کی لغتوں میں ابھی تک اس طرف صرف جزوی طور پر توجہ کی گئی ہے۔ بڑی بڑی لغتوں میں کہیں کہیں تو الفاظ کی اصل کی جانب اشارہ کر دیا گیا ہے لیکن اس کو ہر لفظ کی توضیح کے لیے لازمی اصول نہیں بنایا گیا ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ التزام رکھا جاتا ہے کہ یہ بتا دیا جائے کہ زیر بحث لفظ عربی، فارسی، ترکی، سنسکرت، انگریزی، پرتگالی

تعارفِ مرتب

نام : سید حامد حسین

پیدائش : جنوری ۱۹۳۵ء

تعلیم : ایم۔اے (انگلش)، ایم۔اے (معاشیات)، پی ایچ ڈی (انگلش)۔ روسی اور جرمن زبانوں میں ڈپ

تصانیف (اردو): اردو شاعری میں مستعمل تلمیحات و مصطلحات (۱۹۷۷ء)

اردو ترجمہ "اسرار خودی" (۱۹۷۸ء)

مشرقی علوم والسنہ پر تحقیق (۱۹۷۸ء)

اردو، ہندی دانشوروں کی نظر میں (۱۹۸۴ء)

نثر اور انداز نثر (۱۹۸۴ء)

تصانیف (انگریزی)۔ کولرج کی نظمیں تشریح و تبصرہ (۱۹۶۵ء)

ای ایم فارسٹر کے خطوط (۱۹۷۹ء)

ہندستانی یونیورسٹیوں میں تحقیق کی ببلیوگرافی، ۲ جلدوں میں (۸۱ — ۱۹۸۰ء)

مشغلہ : صدر شعبۂ انگریزی۔ گورنمنٹ موتی لال پوسٹ گریجویٹ سائنس کالج، بھوپال۔

پتہ : ای ۲/۱۸۴۔ پروفیسر کالونی بھوپال۔ ۴۶۲۰۰۲۔

فراہم ہوئی ہیں تو انھیں بھی ضمیمے کے نوٹس میں شامل کر دیا گیا ہے۔ بعض الفاظ کے بارے میں سید صاحب کی تحقیقات پر ڈاکٹر عبدالستار صدیقی نے تفصیلی بحث کی تھی۔ ان کی بحث بڑی قدر کی نظر سے دیکھتے ہوئے سید صاحب نے ڈاکٹر صاحب کے نوٹ کو معارف کے ستمبر ۱۹۲۶ء کے شمارے میں شائع بھی کیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کی تصریحات کو بھی متعلقہ الفاظ کے ساتھ حواشی میں درج کیا گیا ہے۔

سید صاحب کی جن تصانیف سے حوالے لیے گئے ہیں ان کے حوالے اندراجات کے ساتھ بریکٹ میں دیے گئے ہیں۔ مختصر عنوانات سے جو تصانیف مراد ہیں ان کی تفصیل اشارات کے زیر عنوان آگے دی جا رہی ہے۔ کہیں کہیں خود سید صاحب کے دیے گئے حوالے بھی اندراجات کے درمیان بریکٹوں کے اندر تحریر کیے گئے ہیں۔

سید حامد حسین

بھوپال ۱۰ جنوری ۱۹۷۵ء

••

وغیرہ کس زبان سے آیا ہے۔ لفظ کے اصل ماخذ اور اس ماخذ کے لغوی معنی کی جانب کوئی رہبری نہیں کی جاتی۔ اس نوعیت سے الفاظ کی تحقیق کا جو کام ہوا ہے وہ اکثر اتفاقی نوعیت کا ہے اور محققین کے مقالوں اور رسالوں میں پھیلا ہوا ہے۔

مولانا سید سلیمان ندوی نے الفاظ کے ماخذ و مخرج کے بارے میں مفید تحقیقات کی ہیں لیکن یہ اشارے بھی ان کے مختلف مضامین اور تصانیف میں بکھرے ہوئے ہیں چنانچہ سید صاحب نے اردو زبان میں مستعمل الفاظ کے ماخذ و مخارج پر مشتمل ایک Etymological Dictionary کے لیے ابتدائی نقوش فراہم کرکے اس زبان کی جو ایک اہم خدمت سر انجام دی ہے۔ اُس کے اعتراف کی ایک شکل یہ ہو سکتی ہے کہ ان منتشر توضیحات کو ایک لغت کی شکل میں مرتب کیا جائے اور اگلے صفحات پر چھ سو سے زیادہ ایسے ہی الفاظ حروف تہجی کی ترتیب سے پیش کیے جا رہے ہیں۔

زیرِ نظر تالیف کو سید صاحب کی تحقیقات الفاظ کا نمائندہ بنا کر پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس میدان میں سید صاحب کی تحقیقات کے تین خاص پہلو ہیں:-

(۱) الفاظ کی اصل، ان کے اصل معانی اور ان کے مشتقات و مرادفات۔

(۲) الفاظ کا تاریخی جائزہ اور۔

(۳) ناموں کے بارے میں تحقیق اور ان کی تاریخ۔

اس تالیف میں ان پہلوؤں سے تعلق رکھنے والی ایسی ساری توضیحات کو یکجا کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو اردو قارئین کے لیے افادیت کی مالک ہیں۔ کیوں کہ سید صاحب نے اپنی تصانیف میں اردو کے علاوہ عربی زبان میں مستعمل الفاظ سے بھی بحث کی ہے اسلیے بعض ایسے اندراجات کو بھی شامل کر لیا گیا ہے جن سے عربی الفاظ سے متعلق سید صاحب کی تحقیقات کی بھی نمائندگی ہو سکے (مثال کے لیے ملاحظہ فرمائیے "صنم" اور "قاموس") بعض مباحث کی طوالت کو کم کرنے کی غرض سے ایسی عربی عبارتیں حذف کر دی گئی ہیں جن کا اردو ترجمہ موجود تھا کہیں کہیں اصل تصانیف میں مثال کے طور پر دی گئی آیات قرآنی یا اشعار کو بھی چھوڑ دیا گیا ہے۔ کچھ مقامات پر مباحث کا خلاصہ پیش کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے۔ (مثلاً "حکمت" اور "وحی" سے متعلق اندراجات میں) لیکن زیادہ تر سید صاحب کی عبارت کو ہی برقرار رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔

میں نے اپنی رائے یا مزید معلومات کو اصل متن سے مخلوط نہیں ہونے دیا ہے اور اسے ضمیمہ ۱ کے تحت اپنے "نوٹس" میں پیش کیا ہے۔ اس غرض سے کہ یہ تالیف ایک مخارجی (Etymological) ڈکشنری کی شکل اختیار کر سکے۔ میں نے اپنے نوٹس میں جہاں جہاں ضروری ہوا ہے ان الفاظ کے ماخذ و مخارج کی جانب اشارہ کیا ہے جن کی تشریح کسی وجہ سے سید صاحب کے اندراج میں شامل نہیں ہو سکی ہے۔ اسی طرح اردو، ہندی یا انگریزی زبانوں کی لغتوں سے ان مباحث کے سلسلے میں کوئی اور معلومات

فہرست الفاظ

اشارات

اندراجات کے ساتھ بریکٹ میں سید صاحب کی تصانیف کے درج ذیل مختصر عنوانات کے ساتھ جہاں ضروری ہوا ہے وہاں جلد نمبر اور پھر صفحہ نمبر دیدیا گیا ہے۔

مثلاً (سیر ۶، ۲۷۳) سے مراد "سیرۃ النبی" کی جلد ۶ کا صفحہ نمبر ۲۷۳ ہے۔ جن تصانیف کیساتھ مطبع یا ناشر کا حوالہ درج نہیں کیا جا رہا ہے وہ سب مطبع معارف، اعظم گڑھ میں چھپی ہیں۔ آخر میں اس ایڈیشن کا سنہ درج ہے جس کے صفحات کا حوالہ دیا گیا ہے۔

ارض ۱: "ارض القرآن"، جلد اول، طبع چہارم۔ ۱۹۵۵ء۔ ارض ۲: "ارض القرآن" جلد دوم۔ طبع چہارم ۱۹۵۶ء۔ اقبال: "اقبال سید سلیمان ندوی کی نظر میں"۔ مرتبہ اختر راہی۔ بزم اقبال لاہور۔ ۱۹۷۸ء۔ تعلقات: "عرب و ہند کے تعلقات"۔ ۱۹۷۹ء۔ جہاز: "عربوں کی جہاز رانی"۔ ناشر اسلامک ریسرچ ایسوسی ایشن، بمبئی۔ بار دوم۔ (بلا تاریخ)۔ خیام: "خیام" طبع دوم عکسی۔ ۱۹۶۹ء۔ سیر ۳: "سیرت النبی"۔ جلد سوم۔ طبع چہارم۔ ۱۹۶۶ء۔ سیر ۴: "سیرت النبی"۔ جلد چہارم۔ طبع چہارم ۱۹۶۸ء۔ سیر ۵: "سیرت النبی" جلد پنجم۔ طبع پنجم۔ ۱۹۶۴ء۔ سیر ۶: "سیرت النبی" جلد ششم۔ طبع چہارم۔ ۱۹۶۲ء۔ شبلی: "حیات شبلی" طبع ثانی۔ ۱۹۷۰ء۔ عائشہ: "سیرت عائشہ۔ طبع اول۔ لغات: "لغات جدید مع اضافہ جدید از مسعود عالم ندوی، طبع سوم۔ ۱۹۲۷ء۔ مقالات ۱: "مقالات سلیمان" حصہ اول مرتبہ سید صباح الدین عبدالرحمن۔ ۱۹۶۶ء۔ مقالات ۲: "مقالات سلیمان" حصہ دوم۔ مرتبہ شاہ معین الدین احمد ندوی۔ ۱۹۶۸ء۔ مقالات ۳: "مقالات سلیمان" حصہ سوم۔ مرتبہ شاہ معین الدین احمد ندوی۔ ۱۹۷۱ء۔ مکتوبات ۱: "مکتوبات سلیمانی" حصہ اول۔ مرتبہ عبدالماجد دریا آبادی: ناشر صدق جدید بک ایجنسی، لکھنو۔ ۱۹۶۳ء۔ نقوش: "نقوش سلیمانی"، طبع اول۔ ۱۹۳۹ء۔

الف

لما: اس کی اصل ہندی لفظ "اٹ" ہے۔ (نقوش، ۲۵۰)

ثار: دیکھیے "اثر"

خرت: "آخرۃ" کے معنی "پچھلی" کے ہیں اور یہ لفظاً صفت ہے۔ عربی میں اوصاف کو موصوف کا قائم مقام کرکے اکثر موصوف کو حذف کر دیتے ہیں۔۔۔ "الآخر" اور "الآخرۃ" کا مفہوم الیوم الآخر والحیوۃ الآخرۃ والدار الآخرۃ (پچھلا دن اور پچھلی زندگی اور پچھلا آنے والا گھر) ہے۔ یعنی موجودہ زندگی کے بعد آنے والی دوسری دنیا کی زندگی اور گھر (سیرت ۴، ۶۳۲، ۶۳۳)

س: اس کی اصل ہندی لفظ "آشا" ہے۔ (نقوش، ۳۳۱)

گ: اس کی اصل ہندی لفظ "اگنی" ہے۔ (نقوش، ۲۵)

مین: قبول کر، امان دے۔ یہ عبرانی لفظ ہے۔ (لغات ۲۱۵)

نسہ: مس، ناکتخدا لڑکی کا لقب جو باپ کے نام کے ساتھ اب مستعمل ہوتا ہے۔ قدیم عربی زبان میں یہ لفظ حسین عورتوں کے وصف میں آتا تھا۔ (لغات۔۱)

ر: آہار آلے کی اس لیئی کو کہتے ہیں جو کاغذ اور کپڑے پر اس لیے چڑھائی جاتی ہے کہ وہ مضبوط ہو جائے۔۔ آہار غذا کو کہتے ہیں جو بدن کی تقویت کا باعث ہوتی ہے۔ اس لیے اس لیئی کو بھی کہنے لگے جو کاغذ اور کپڑے

کی خدمت پر مامور رہتا ہے۔ اکبر نے اس کو احدی (اکیلا) کا لقب بخشا۔ یہ احدی کھاتے تھے اور ڈیوڑھی پر پڑے رہتے تھے۔ کوئی کام کاج ان سے متعلق نہ تھا۔ اس لیے زبان خلق نے اس کو سست و کاہل کے معنوں میں کہہ کر پکارا (نقوش ۳۴۷)۔

احسان: عربی میں "احسان" کے معنی اچھا کام کرنے اور کسی کام کو اچھے طریقے سے کرنے کے ہیں... قرآن پاک میں جہاں جہاں "محسن" یا "محسنین" یا "محسنون" کے لفظ... آئے ہیں ان سے حسب موقع احسان کرنے اچھے کام کرنے یا کام کو اچھائی سے کرنے کے معنی لیے جائیں گے۔ اس اچھے کام کرنے یا اچھائی سے کام کرنے کی وسعت میں احسان و کرم بھی داخل ہوسکتا ہے لیکن وہ اسی پر محدود نہیں ہے۔ (سیرت ۱۵ حاشیہ ۲۷۷)۔

احوال: عربی میں جمع ہی کیوں نہ ہو مگر وہ ہماری زبان میں واحد کے طور پر بولا جاتا ہے۔ (نقوش ۳۳۱)

ادارہ: یہ "دور" سے مولد ہے (الغات ۵)۔ اس کے قدیم معنی ہیں "گردش دنیا"۔ (الغات دیباچہ ۵)

ادبار: عربی میں اس کے معنی "پیچھے ہونا" ہیں اور اردو میں "تنزل"۔ (نقوش ۳۴۵)۔

ادھیلہ: دام کا آدھا "ادھیلہ" کہلاتا ہے (مزید دیکھیے "دام")۔ (نقوش ۲۹۱)

اردو: "اردو" ترکی لفظ ہے جس کے معنی لشکر سپاہی یعنی لشکر گاہ اور کیمپ کے ہیں اور اس معنی میں اس کا استعمال بہت قدیم ہے یہاں تک کہ تغلقوں کی تاریخ میں بھی یہ لفظ ان معنوں میں بولا گیا ہے۔ پھر تیموریوں اور خصوصاً شاہجہاں کے عہد میں "اردوے معلیٰ" شاہی لشکر گاہ اور دہلی کے قلعہ معلیٰ کو کہنے لگے۔ مغلیہ سلطنت کے زوال کے ساتھ ساتھ فارسی کا شاعرانہ تسلط بھی کمزور ہوتا جارہا تھا اور اس نئی زبان کی طاقت روز بروز ابھر رہی تھی۔ عام بازاروں، گلیوں اور معمولی گھروں سے نکل کر شاہی دربار تک اس کا اثر پھیل رہا تھا۔ اس لیے شروع شروع میں اس کو لوگوں نے "زبان اردوے معلیٰ" کا خطاب دیا۔ چنانچہ بارھویں صدی ہجری کے اواخر کی تصنیفات "نکات الشعرا" میر (صفحہ ا) اور تذکرۂ میر (صفحہ ۶۲) اور "نوطرز مرصع" "مرقع رقم تحسین میں یہ نام یعنی "زبان اردوے معلیٰ" کی لغوی اضافت کے ساتھ استعمال پاتا ہے۔ تیرھویں صدی کے اوائل سے کثرت استعمال کے سبب یہ اضافت جاتی رہی اور خود زبان کا نام اردو ہو جاتا ہے۔ "تذکرہ مخزن الغرائب" میں جو ۱۲۱۸ھ کی تالیف ہے۔ مرزا مظہر جان جاناں کے حال میں ہے:

"در زبان ہندی کہ مراد از اردو است خیلے فصیح و بلیغ بود۔"

کی قوت کو بڑھا دیتی ہے۔ (ابر بان قاطع لہ نقوش ۳۱۵)

آیت: "آیت" کے معنی "نشانی" اور "علامت" کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو علم اور احساس کے جو ذ
عطا کئے ہیں وہ حقیقت میں صرف آیات و علامات کی شناخت و یاد ہیں۔ (سیرت ۳،۲۱۴) "آیۃ" عربی میں
(اور اوہ عبرانی میں) لغت نشان و علامت کے مرادف ہے۔ اصطلاحاً عبرانی میں تورات کے ایک حرف
کو بھی اوہ کہتے ہیں کہ وہ اپنے مدلول علیہ کے لیے صرف ایک قسم کا نشان اور علامت ہے۔ لیکن عربی اصطلا
اس سے زیادہ وسیع قرار دی گئی ہے اور وہ قرآن کے پورے ایک فقرہ پر حاوی ہے۔ آیت یا فقرہ کس کو
کہتے ہیں؟ کسی کلام مسلسل کے اس مختصر ٹکڑے کو جو ادائے مطلب اور تفہیم میں مستعمل ہو۔ (مقالات ۲۷)

اثر: عربی میں "اثر" کے معنی زمین پر قدم کے نشان کے ہیں۔ قرآن میں ان ہی معنوں میں یہ لفظ آیا ہے۔ اہل فلس
کو اپنے لیے لفظوں کی ضرورت پڑی۔ انھوں نے اس کو لیا اور اس سے تاثیر اور تأثر بمعنی نتیجہ کے
لفظ بنالیے۔ اس سے فارسی اور اردو میں اثر نتیجہ کے معنی میں آگیا یعنی جس طرح قدم اٹھ جانے کے بعد قدم کا
نشان رہ جاتا ہے اسی طرح کسی شے کے ہٹ جانے یا مٹ جانے کے بعد جو نشان رہ جائے اس کو اس کا
اثر کہیں گے۔ اب اس کے بعد اثر خاصیت کے معنی دینے لگا۔ جیسے فلاں دوا کا اثر یہ ہے۔ میری بات کا یہ
اثر ہے۔ ملک میں ان کا اثر ہے۔

اب جمع میں آئیے۔ اس کی عربی جمع آثار ہی۔ لیکن اردو میں اس کے معنی قرینہ کے ہوں گے۔ جیسے آثا
سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ یا پھر دیوار کا آثار ہے یا پرانی یادگاروں کے معنی میں جیسے آثار قدیمہ۔ اس لیے اثر نتیجہ
تاثیر کے معنی میں جب بولیں گے تو اس کی جمع اثرات بنائی جائے گی خواہ وہ عربی کے لحاظ سے کتنی ہی بے قا
ہو۔ (نقوش، ۳۳۴)

اِجلاس: جلوس کے معنی بیٹھنے کے ہیں... جب بادشاہ اور حاکم دربار میں بیٹھے تو ہم نے جلسہ سے اجلاس
بنالیا جس کے معنی بٹھانے کے ہیں اور اب نئے زمانہ میں انجمنوں اور جلسوں کے بھی اجلاس ہونے لگے۔ (نقوش ۳۹

اچھا: اس کی اصل ہندی لفظ "اوچت" ہے۔ (نقوش ۲۵۶)

احاطہ: عربی میں اس کے معنی "گھیرنا" ہیں اور اردو میں "گھیرا"۔ (نقوش ۲۴۶)

احدی: اس کے معنی ہماری زبان میں سست اور کاہل کے ہیں۔ مگر ان سست اور کاہلوں کی پیدا وا
تاریخی ہے۔ اَحدی اَحدی ہے۔ اَحد کے معنی عربی میں "ایک" ہیں۔ وہ سپاہی جو فوج سے الگ اکیلا ڈیوٹی

یہودی اور عیسائی اس کے اجزائے تورات کو اسفار بحالت جمع اور سفر بحالت مفرد کہتے ہیں۔ (مقالات ۵۲)۔

سلام: اسلام کے لفظی معنی "اپنے آپ کو کسی دوسرے کے سپرد کردینا اور اطاعت و بندگی کے گردن جھکا دینا" ہیں۔

اشتہا: عربی میں لفظ "شہوت" مطلق خواہش کے معنی میں ہے جو کھانے پینے، مطالعہ کتاب ہر ایک کے ساتھ بولا جاتا ہے۔۔۔ اس سے "اشتہا" بنایا گیا ہے جو کھانے کی رغبت کو کہتے ہیں۔ یہ بھی اس معنی میں عربی نہیں (نقوش ۹۸)۔

اشرفی: اشرفی کا نام بھی باہر سے آیا ہوا ہے۔۔۔ جس بادشاہ کی طرف وہ منسوب ہے وہ اشرف تھا۔۔۔ مصر کے چرکسی بادشاہوں میں سے ایک برسبائی تھا۔ اس نے ۸۲۵ھ سے ۸۴۱ھ تک حکومت کی ہے۔ اس کا شاہی لقب الملک الاشرف تھا۔ یہی اشرف اشرفی کا مصدر ہے۔ مشہور عرب جہازراں ابن ماجد اسد البحر نے جس نے ۹۰۴ھ (۱۴۹۸ء) میں واسکوڈی گاما کو ہندستان پہنچایا تھا "الفوائد فی اصول البحر والقواعد" کے نام سے جہازرانی پر ایک کتاب لکھی ہے جو چند سال ہوئے کہ فرانس سے چھپ کر شائع ہو چکی ہے۔ اس کا زمانہ نویں صدی ہجری کا اخیر اور دسویں صدی ہجری کا شروع تھا۔۔۔ ابن ماجد ایک خاص سلسلہ میں لکھا ہے:

والحادی عشر برسبی الاشرف ضارب سکۃ الاشرفی (ص ۴۰ طبع پیرس) "گیارہویں بادشاہ برسبائی اشرف ہے جو اشرفی سکہ کا چلانے والا ہے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ اشرفی کا سکہ مصر سے چل کر بحر ہند میں داخل ہوا تھا اور وہاں سے پورے ہندستان میں پھیل گیا۔ ابن ماجد نے اپنی یہ کتاب ۸۹۵ھ میں لکھی ہے۔ (نقوش ۲۹۳، ۲۹۶)۔

سونے کے سکے کے لیے اشرفی کا لفظ ہندستان میں نورالدین جہانگیر کے زمانہ میں استعمال میں آیا ہے۔ چنانچہ فرشتہ نے اپنی تاریخ میں حسن گنگو بہمنی کے خزانہ پانے کی اتفاقی سرگزشت کے بیان میں لکھا ہے:

"زنجیررا در گردن ظرفے مملو از اشرفی علائی و طلائے غیر مشکوک دید" (فرشتہ نولکشوری ص ۲۷۴)۔

فرشتہ کی تصنیف کا زمانہ ۱۰۱۵ھ سے ۱۰۳۳ھ تک ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ گجرات و دکن کی راہ یہ اشرفی ہندستان وارد ہوئی۔ (نقوش ۲۹۴)۔

طلائی سکہ کے لیے سب سے پرانا نام دینار ہے۔۔۔ تغلق کے زمانہ میں ہم کو اشرفی کے لیے دو لفظ ملتے ہیں ایک تنکۂ زر اور۔۔۔ دوسرا مُہر زر اگرچہ اکبر نے اشرفی کے لیے سہنسہ، رہس، آتمہ، چگل، لعل جلالی، آفتابی وغیرہ الفاظ بنائے اور چلائے مگر مہر کا نقش بھی نہیں مٹا۔۔۔ دکن میں طلائی سکہ کا نام "ہون"

باغ و بہار وغیرہ فورٹ ولیم کالج کی تصنیفات میں یہ لفظ زبان کے معنوں میں عام طور پر بولا گیا ہے (نقوش
ارم: دنیا کی پہلی دریائی تاجر قوم کا نام فینیشین ہے۔ یہ یونانی نام ہے۔ عبرانی میں ان کا نام کنعانی ہے اور
آرامی بھی ان کو کہتے ہیں۔ اہل عرب ان کو رام کہتے ہیں اور یہی نام قرآن پاک میں ہے" یہ پہلی آیت کے آخری کا ایک لفظ ہے ارم ذات
العماد کے ساتھ اس کو جوڑنا مناسب نہیں ہے چونکہ یہاں بحث ارم سے ہے۔ "عاد ارم ذات العماد" بڑے بڑے ستونوں
اور عمارتوں والے عاد ارم) اور اسی مناسبت سے عربی تخیل کے ذریعہ سے "بہشت ارم" ہماری ز
میں بولتے ہیں (تعلقات، ۸) عربی میں ارم کے معنی بلند و مشہور" کے ہیں... ان معنوں کا بقیہ اثر عربی
میں بھی موجود ہے۔ ارم کے معنی پہاڑی اور نشان راہ کے پتھر کے لغت میں مذکور ہیں (ارض ۱، ۱۲۸)۔
اساطیر: اساطیر، اسطور کی جمع ہے جس کے معنی داستان اور قصہ کے ہیں... اسی لفظ کو انہی معانی کے
ساتھ لاطینی اور جرمن میں ہسٹوری (HISTORY) اور انگریزی میں ہسٹری اور اسٹوری
STORI کی صورت... پڑھا ہے۔ (مقالات ۹، ۲۱۰)۔
اسباب: "اسباب" کے معنی سامان کے نہ عربی میں ہیں نہ فارسی میں، خالص ہندستانی ہیں جب اس کو مفرد
بولیں گے تو سامان سمجھیں گے اور جب جمع بولیں تو وہ "سبب" کی جمع ہے۔ (مزید دیکھیے "سبب") (نقوش ۳۳۳)
استاذ: پروفیسر، ماہر فن۔ پہلے معنی (استاذ) میں کسی قدر خصوصیت آگئی ہے۔ یہ لفظ عربی الاصل نہیں ہے (لغات
استبداد: بادشاہ یا حاکم کی خود مختاری، خود رائی، شخصی حکومت، قدیم لغت میں "استبداد" کے معنی باشرکت غیر
کسی کام میں منفرد ہونے کے ہیں۔ غالباً سب سے پہلے اس لفظ کو ابن خلدون نے موجودہ معنی کے قریب استعمال کیا۔ (لغات ۸)
استعداد: اس کے اصلی معنی طیاری یا طیار ہونا ہیں۔ (لغات ۸)۔
استعمار: نوآباد کرنا، کسی مجہول مقام یا وحشی ملک پر کسی سلطنت کا قابض ہونا اور وہاں آبادی بڑھانا، علم و تمدن
پھیلانا، محض "جوع الارض" کی بنا پر کسی آزاد ملک کو غلام بنا لینے کو بھی اب "استعمار" کہتے ہیں۔
"عمران" بمعنی آبادی سے یہ لفظ مولود ہے۔ (لغات ۸)
استقامت: استقامت کے لفظی معنی "سیدھا رہنے یا سیدھا چلتے چلنے" کے ہیں اور اس سے مقصود یہ ہے کہ جس بات ک
حق سمجھا جائے اس پر قائم رہا جائے۔ (سیرت ۶، ۵۶)۔
استقلال: عربی میں اس کے معنی "کم سمجھنا" ہیں اور اردو میں "مضبوطی، ثابت قدمی"۔ (نقوش ۳۴۴)۔
اسفار: یہودی اپنی مذہبی کتاب کو "سفر" کہتے تھے۔ "سفر" کتاب کو کہتے ہیں۔ اس کی جمع "اسفار" ہے

: اس کی اصل یونانی لفظ "اوپیان" (OPION) ہے۔ (لغات ۲۳۹)

: عربی میں اس کے معنی "سامنے آنا" ہیں اور اردو میں "خوش قسمتی"۔ عربی میں اقبال کرنے یا قبول کرنے

معنی میں یہ لفظ نہیں ہے۔ (نقوش ۳۴۵)۔

: یہ لفظ ابتدائے ترجمۂ علوم یونانی کے زمانہ میں عربی میں آیا۔ لیکن اس وقت اس کے معنی جغرافی اقلیم کے

تھے جو روئے زمین کے اقسامِ سبعہ میں سے ہر ایک پر بولا جاتا تھا۔ (لغات ۱۳)۔ اس کی اصل یونانی لفظ

"کلیما" (KLIMA) ہے۔ (لغات ۲۳۸)۔

: اس کی اصل یونانی لفظ "کسیرون" (XERION) ہے۔ (لغات ۲۳۸)۔

: کارومنڈل اور ملیبار کے بیچ میں ایک راس کا نام راس ہیلی ہے۔ (ابن بطوطہ جلد دوم و تقویم البلدان ابوالفدا ص ۳۵۴)

الائچی کا یہی مخزن ہے۔ خیال یہ ہے کہ سنسکرت میں اس کو "ایل" اور فارسی میں اس کو جو "ہیل" کہتے ہیں

نام اسی راس ہیلی سے لیا گیا ہے۔ اسی "ایل" سے اردو ایلائچی (الائچی) کہتے ہیں (تعلقات ۶۲)۔

: اللہ کی اصل تو "الالٰہ" ہے۔ "الٰہ" تو صرف عربی میں نہیں بلکہ تمام سامی زبانوں میں خدا تعالیٰ ہی کے لیے

مستعمل ہے۔ (ارض ج ۲، ۲۲۸)۔ یہ وہ نام ہے جو قرآن پاک میں بطور عَلَم ہر جگہ استعمال کیا گیا ہے۔ اسلام سے پہلے

بھی یہ عرب میں خدائے برحق کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ اس لفظ کی لغوی تحقیق میں بہت کچھ اختلاف کیا گیا ہے۔

کسی نے کہا ہے کہ اس کے معنی اس ہستی کے ہیں جس کی پرستش کی جائے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ وہ جس کی حقیقتِ

معرفت میں عقل انسانی حیران و سرگرداں ہو۔ دوسروں کی تحقیق ہے کہ اس کے معنی ہیں وہ جو اپنی مخلوقات

کے ساتھ ایسی شفقت اور محبت رکھے جو ماں کو اپنے بچوں کے ساتھ ہوتی ہے۔ اس اخیر تعبیر کی بنا پر اللہ کے

معنی پیار کرنے والے یا پیارے کے ہیں۔ (سیرت ج ۴، ۵۰۵) ایک گروہ کثیر کا یہ خیال ہے کہ یہ "ولاہ" سے نکلا ہے۔

"ولاہ" اور "ولہ" کے اصل معنی عربی میں اس غم، محبت اور تعلق خاطر کے ہیں جو ماں کو اپنی اولاد کے ساتھ

ہوتا ہے۔ اسی سے بعد کو مطلق "عشق و محبت" کے معنی پیدا ہو گئے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کے معنی محبوب اور پیارے

کے ہیں جس کے عشق و محبت میں کائنات کے دل سرگرداں متحیر اور پریشان ہیں۔ (مقالات ج ۳، ۱۲۸)

علم: لفظی معنی "دل میں ڈالنے" کے ہیں اور اس سے مراد وہ علم ہے جو محنت، تلاش، تحقیق، غور اور ترتیب

مقدمات کے بغیر دل میں آجاتا ہے۔ (سیرت ج ۴، ۶۳)۔

امانت: انسان اپنے کاروبار میں ایماندار ہو اور جس کا جس کسی پر جتنا ہو اس کو پوری دیانت سے رتی رتی

تھا جو آخر میں مخفف ہو کر "ہُن" ہو گیا۔ (نقوش، ۲۹۲ تا ۲۹۴) مزید: دیکھیے "دینار"، "دام"، "ٹکا" اور "مُہر"۔

اصطبل: اس کی اصل لاطینی لفظ "اسٹابلم" ہے۔ (لغات، ۲۲۶)۔

اصطرلاب: اس کی اصل یونانی لفظ "اسٹرولیبان" ہے۔ (لغات، ۲۳۸)۔
جس کے معنی "میزان الشمس"، یا "ترازوئے آفتاب" کے ہیں۔ "اصطر" کے معنی ستارے کے ہیں۔ ا
جس کے معنی علم ہیئت کے ہیں اسی "اصطر" سے مشتق ہے۔ مسلمانوں میں اصطرلاب کا استعمال مامو
عہد سے شروع ہوا۔ سب سے پہلا ابراہیم بن حبیب فرازی نے تیار کیا۔ (ابن ندیم، ص ۳۷۳)۔
میں اصطرلاب کا رواج ہمایوں نے دیا۔ مقالات ۲، ۲۴۳)۔

اصل: دیکھیے "اصول"۔

اصول: یہ عربی میں "اصل" کی جمع ہے۔ "اصل" کے معنی عربی میں "جڑ" کے ہیں۔ اس لیے جس ایک بات ک
پر مسئلوں کے بہت سے تنے کھڑے ہوں اس بات کو اصل کہنے لگے اور اس کی جمع "اصول" بنائ
جب ہم ہندستانیوں نے اس کا استعمال کیا تو واحد کی صورت میں تو "اصل" کے معنی "حقیقی اور وا
" کے کر دیئے اور جمع کی صورت میں اصول کے معنی قاعدوں کے کر دیئے اور کہنے لگے ایک اصول یہ ہے۔ دوسرا اصول
اور جب اس کی جمع کی ضرورت ہوئی تو اردو کے قاعدے سے اصولوں کو کر دیا اور کہا کہ ان اصولوں سے ہم کو انکار نہیں
(نقوش، ۲۴۰) حکیم برہم مرحوم (مشرق گورکھپور کے ایڈیٹر) نے مجھ سے کہا تھا کہ "اصول" اور "عاد" ان دو لفظوں
سب سے پہلے مولانا شبلی مرحوم نے ان نئے معنوں میں استعمال کیا۔ (نقوش، ۲۴۱)۔

اضحی: "تضحیہ" کا اصل معنی جانوروں کی قربانی۔ (لغات، ۳۷)۔

اطریفل: اس کی اصل سنسکرت لفظ "تری پھل" ہے۔ (لغات-۲۲۱)

اطلاق: "اطلاق" کے معنی رہا کرنے، چھوڑنے کے ہیں۔ (لغات، ۱۱)۔

اعتراض: عربی میں اس کے معنی "آگے آجانا، سامنے پھیل جانا" ہیں۔ (نقوش، ۳۴۳)۔

اعظم گڑھ: دیکھیے "گڑھ"

افطار: ناشتہ کے لیے اکثر زبانوں میں بھوک توڑنے کی اصطلاح بن گئی ہے... عربی میں اس کو "فطور" کہتے
ہیں۔ اسی سے مسلمانوں کا افطار نکلا ہے۔ اور جس سے افطار کریں اس کو افطاری کہتے ہیں۔ "فطور" کے معنی توڑنے
کے ہیں یعنی روزہ کی بھوک کو توڑنا۔ (نقوش، ۳۱۴)۔

ص ۱۹۱ مصر)... "جانو کہ بحرِ محیط جو دنیا کو گھیرے ہے... وہ سیاہ سمندر ہے جس کا نام بحرِ ظلمات ہے
یں جہازات نہیں جاتے" (تحفۃ الالباب از ابو حامد اندلسی المتوفی ۵۶۵ھ ص ۹۱ مطبوعہ پیرس جلد ۸۴، ۸۶، ۸۸۔
: عربی میں اس کے معنی "غم کھاتے" کے ہیں۔ (نقوش ۳۴۳)۔

ب

اس کی اصل ہندی لفظ "وارتا" ہے۔ نقوش ۲۵۷)۔
: اس کی اصل ہندی لفظ "بادر" ہے۔ (نقوش ۲۵۷)۔
شاید سنسکرت یا فارسی سے آیا ہے۔ سلیمان (سلیمان تاجر اپنے سفرنامے میں) مدراسی سواحل کے ذکر میں
مقام کلاہ بار کا ذکر کرتا ہے: والساحل کل یقال لعبار (ص ۱۸ پیرس) اور کل (؟) ساحل کو بار کہتے ہیں۔
فارسی لغت نویسوں نے اس کے معنی "انبوہ اور جمعیت" کے لکھے ہیں (دیکھو فرہنگ جہانگیری) مگر لنفار و دبار
رجوئے بار ادھر اشارہ کرتے ہیں۔ پھر افریقہ کی سمت "زنجبار" جنوبی ہندستان میں ملیبار، کلاہ بار ساحل ملکوں
ر شہروں کے نام کا جزو ہے سنسکرت کا "واڑ" جیسے کاٹھیاواڑ، کارواڑ بھی شاید انہی معنوں میں ہو۔ (جلد ۲، ۱۳۰)۔

د: سریانی لفظ ہے۔ (لغات ۱۹)۔
اہی: اس کی اصل شاید "والاشاہی" ہے۔ (نقوش ۲۸)۔
ی: اس کی اصل "بندی" ہے۔ بندہ بمعنی غلام۔ (نقوش ۲۵۸)۔
چی: "با" پرانی فارسی میں کھانے کو کہتے تھے۔ چنانچہ اسی سے ہماری زبان میں شکنبا، باورچی، نان بائی وغیرہ
لفظ ہیں جن میں "با" کا جز ان ہی معنوں میں ہے۔ (نقوش، استدراک ص الف)۔ [1]
ت: اس کو عام طور پر ایک فارسی لفظ سمجھا جاتا ہے۔ لیکن حقیقت میں یہ لفظ "بدھ" سے "بُد" اور "بد"
سے "بُت" بنا ہے۔ چونکہ بدھ کی مورتی کی پوجا ہوتی تھی اس لیے "بُد" کے معنی ہی فارسی میں "بت" ہو گئے
اسی لیے عربی میں اس بت کو "بد" کہتے ہیں اور اس کی جمع "بددہ" آتی ہے۔ (فہرست ابن ندیم ص ۳۴۷ و
سفرنامۂ سلیمان ص ۵۵، ۵۷ و کتاب البدء والتاریخ ص ۱۹ و ملل و نحل شہرستانی ص ۴۴۰) (تعلقات ۲۳)۔
ار: اس کی اصل ہندی "ویچار" ہے۔ (نقوش ۲۵۷)۔

---

[1] ڈاکٹر عبدالستار صدیقی: با کے معنی کھانا یا کھانا پکانا۔ اس لیے باور کے معنی ہوئے کھانا پکانے کے فن کا ماہر یا استاد جیسے دشوھر،
ور... باورچی کے معنی ابتدا میں پکانے والے ہی کے تھے۔ کھانا چکھنے والے یا دسترخوان کے معنی بعد کو ہوئے۔" (معارف۔ ستمبر ۱۹۲۹ء ص ۱۸۱، ۱۸۴)

دے دے۔ اسی کو عربی میں امانت کہتے ہیں۔ (سیرت ج ۶، ۴۲۶)

املاک: جائداد، مِلک کی جمع۔ یہ جمع عربی میں مستعمل نہ تھی اور نہ یہ خاص معنی رکھتی تھی۔ فارسی سے آئی ہے۔ (لغات ۱۰

امیر: عربی میں اس کے معنی "حاکم" ہیں اور اردو میں "دولت مند"۔ (نقوش۔ ۲۴۵)

امیر البحر۔ امیر الرحل: ان عربی الاصل الفاظ نے اسپینی و پرتگالی کے ذریعے یورپ کی زبانوں میں پہنچ کر یہ شکلیں اختیار کیں۔ AMIRALH (PORTUGESE) AMIRAL (FRENCH)

-ADMIRAL ENGLISH) - (جہاز ۱۸)-

انتظام: عربی میں اس کے معنی "دھاگے میں پرایا جانا" ہیں۔ (نقوش ۲۴۳)

انجیل: اصل یونانی لفظ "انگلیاں" ہے جس کے لفظی معنی بشارت اور مژدہ کے ہیں۔ عیسائیوں کے خیال کے مطابق انجیل کا نام مژدہ اس لیے ہے کہ حضرت عیسیٰؑ خدا کی بادشاہت کا مژدہ سناتے تھے۔ مسلمان کہتے ہیں کہ انجیل مژدہ اس لیے ہے کہ وہ پیغمبر اسلامؐ کی آمد آمد کی بشارت ہے۔ (مقالات ج ۳، ۱۴۱)

انکسار: عربی میں اس کے معنی "ٹوٹنا" ہیں اور اردو میں "خاکساری"۔ (نقوش۔ ۱۴۱)

اوج: ہیئت کی اصطلاح میں سب سے اونچے نقطۂ بلندی کا نام ہے۔ یہ ہندی لفظ "اوچ" ہے جو عربی جا کر "اوج" ہو گیا۔ (حاشیہ) بعضوں کی رائے ہے کہ اس کی اصل فارسی "اوگ" ہے جیسا کہ خوارزمی نے مفاتیح العلوم ص ۲۲۱ (لیڈن) میں لکھا ہے اور اسدی طوسی کی قدیم فارسی لغت میں بھی یہ لفظ موجود ہے۔ مگر خیال یہ ہے کہ خود فارسی میں بھی یہ لفظ سنسکرت ہی سے لیا گیا ہے۔ مدت سے جو عربی فارسی اور اردو میں اس لفظ کا استعمال اس طرح "اوج کمال" پر ہے کہ کسی کو اس کے ہندی ہونے کا شبہ بھی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خالص عربی لغتوں میں یہ مادہ نہیں ملتا۔ (تعلقات، ۴۲)

اودھ: یہ اصل میں اس شہر کا نام تھا جس کو رام اور لچھمن کے مولد بننے کا فخر حاصل ہے۔ جو اب بھی فیض آباد کے پاس اجودھیا کے نام سے مشہور ہے۔ مسلمانوں نے اس کو اپنے تلفظ میں اودھ کیا اور ایک پورے صوبہ کا نام اودھ رکھا۔ (شبلی)۔

اوقیانوس: محیط اعظم کے معنی میں عربی میں مستعمل اس لفظ کی اصل یونانی لفظ "ایکیانوس" ہے۔ (جہاز ۱۵)۔ (اس لفظ کو عرب جہاز رانوں نے اٹلانٹک کے لیے استعمال کیا ہے اور کبھی کبھی اس کی جگہ بحر محیط اور ظلمات کے الفاظ بھی استعمال کیے ہیں)۔ آباد دنیا کے مغرب میں اور طنجہ اور اسپین کے سواحل پر جو بحر محیط ہے اسی کا نام بحر محیط ہے جس کو یونانی اوقیانوس کہتے ہیں۔ اس کے بیچ میں نہیں گھسا جاتا۔ (مقدمہ معجم البلدان

قائم کیا اور "برید" اس کا نام پڑا۔ ہمارے عجمی اہل لغت نے اس کو فارسی میں "بریدن" سے لیا اور بتایا کہ
چونکہ ڈاک کے لیے دم بریدہ یعنی دم کٹے گھوڑے کام میں لائے جاتے تھے اس لیے ڈاک کو برید
کہنے لگے حالاں کہ اگر یہ اشتقاق درست ہوتا تو زبر کے بجائے "ب" کو پیش ہونا چاہیے تھا۔ اب صحیح
تحقیق یہ ہے کہ یہ یونانی اور لاطینی سے عربی میں آیا اور "وریڈ" اس کی اصل ہے۔ ہندستان میں مسلمانوں
کے ساتھ پہلے یہی لفظ آیا۔ (نقوش، ۳۹۹) اس کی اصل لاطینی لفظ "وریڈس" ہے جس کے معنی ڈاک[1]
ڈاک کا گھوڑا ہیں۔ (لغات، ۲۲۶)۔ (مزید دیکھیے "ڈاک")۔

ط: "بسط" سے ماخوذ ہے جس کے معنی بچھانے کے ہیں۔ (لغات، ۴۴)۔

اعت: قدیم معنی یہ ہیں کہ تھوڑا سا مال جو کسی کو دے کر بغرض تجارت کہیں بھیجا جاتا ہے۔ لفظ "بضع" سے
مشتق ہے ——— (لغات، ۲۵)۔

: بمعنی گٹھڑی۔ اس کی اصل ترکی "بقچہ" ہے۔ (لغات، ۲۲۶)۔

ض: دل میں کسی کی دشمنی اور عداوت کا دیرپا جذبہ رکھنا بغض اور کینہ کہلاتا ہے۔ (سیرت، ۲۳۷)۔

: اس کی اصل یونانی لفظ "فلگما" (PHLEGMA) ہے (لغات، ۲۴۱)

درگاہ: بمعنی بندرگاہ۔ بندر کا لفظ فارسی سے عربی میں آیا ہے۔ (جہاز۔ ۹)۔

یا: اس ہندی لفظ نے عربی میں پہنچ کر "بانانی" کی شکل اختیار کی۔ پہلے اس کے معنی ہندی سوداگر تھے۔ پھر یہ
جہاز کے عام مسافر کے معنوں میں مستعمل ہونے لگا۔ (جہاز، ۱۴)۔

تام: "بٹن" کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ (نقوش، ۳۲۱)۔ [1]

ھاتی: بھات سے بھاتی کا لفظ نکلا ہے جو میت کے کھانے کو کہتے ہیں۔ (نقوش، ۳۰۷)۔

ہار: بہار کا لفظ اصل "ویہار" ہے جس کے اصلی معنی... خانقاہ و معبد کے ہیں اور چونکہ وہ درس و تدریس
کے کام میں بھی آتا تھا اس لیے اس سے درس گاہ کا مطلب سمجھنا بھی درست ہے۔ (مقالات ۱، ۲۸۵)۔

ھانت بھانت: اس کی اصل ہندی لفظ "بھن بھن" ہے۔ (نقوش، ۲۵۷)۔

ہتان: بہتان یہ ہے کہ جان بوجھ کر کسی بے گناہ کو مجرم ٹھہرایا جائے یا اس کی طرف کوئی ناکردہ گناہ یا برائی

---

[1] ڈاکٹر عبدالستار صدیقی: "جس زمانہ میں فرانسیسی ہندستان آئے ان کی زبان سے پہلے پہلے شاید ہندستانی سپاہیوں نے بوتوں سنا۔
... بہت بعد انگریز لوگ لائے۔" (معارف، ستمبر ۱۹۳۹ء ص ۱۶۷)۔

بحر: عربی زبان میں "بحر" دریا اور سمندر دونوں کو کہتے ہیں۔ (جہاز ۴) قدیم عرب جہاز رانوں کی تصنیفات میں لفظ بحر کے ساتھ سمندروں کے مختلف حصوں کے نام ملتے ہیں۔
بحر خزر (کیسپین سی)، بحر زنج و بربر (موزنبیق چینل)، بحر ظلمات (اٹلانٹک)، بحر قلزم (بحر احمر)، بحر کلاہ (خلیج بنگال)، بحر متوسط (بحر روم)، بحر محیط (اٹلانٹک)، بحر نیطس (بحر اسود)، بحر ہرگند (بحر ہند)۔ (جہاز۔ مختلف صفحات۔)

بخار: عربی میں اسکے معنی "بھاپ" ہے اور اردو میں "تپ" کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ (نقوش ۳۴۶)۔

بدعت: اس کے معنی نئی بات کے ہیں اور ہمیشہ سنت اور بدعت یہ دونوں لفظ مقابل اور ضدین کی حیثیت سے بولے جاتے ہیں کیوں کہ سنت کے معنی ہیں وہ طور طریق جو آنحضرت کا تھا اور بدعت کے معنی ہیں اس کو چھوڑ کر اور اس سے الگ ہو کر اپنے لیے کوئی نئی راہِ عمل اختیار کرنا۔ (مقالات ۱، ۱۷۹)۔

بادولت: دیکھیے "دولت"۔

بربریت: بربر شمالی افریقہ کا قبیلہ ہے جو آوارہ گرد وشقی تھا۔ رومیوں نے اس نام کو صفت بنا کر بربرزم اور بربریت کو وحشت اور عدم تمدنی کے معنی میں مشہور کر دیا۔ (مقالات ۱، حاشیہ ۴۰۹)۔

بربط: اس کی اصل یونانی لفظ "بربطیان" ہے۔ (لغات ۳۴۱)۔

برج: اس کی اصل لاطینی لفظ "برگس" ہے۔ (لغات ۲۲۶)۔

برزخ: برزخ کا لفظ قرآن پاک میں تین جگہ استعمال ہوا ہے اور ہر جگہ اس سے دو چیزوں کے درمیان کا پردہ، حاجب اور حائل مراد ہے۔ چنانچہ سورہ رحمٰن میں دو دریاؤں کا ذکر ہے جن میں ایک میٹھا اور دوسرا کھاری ہے۔ اور ان کے بیچ میں ایک پردہ حائل ہے جو ان کو آپس میں ملنے نہیں دیتا (رحمٰن۔۱)... اسی عجیب وغریب بحری منظر کا ذکر سورۂ فرقان میں ہے۔ (فرقان ۵)... اسی بنا پر موجودہ زندگی اور آئندہ زندگی کے درمیان جو مقام حائل اور حاجب ہے اس کا نام برزخ ہے... (مومنون ۶)۔ (آیات محذوف)۔ (سیرت ۴، ۲۳)۔

برس: اس کی اصل ہندی لفظ "ورش" ہے۔ (نقوش ۲۵۶)۔

برسات: اس کی اصل ہندی لفظ "ورشارُت" ہے۔ (نقوش ۲۵۷)۔

برہمن: لفظ "برہمنڑ" تھا جو ذرا بھاری تھا۔ اس کو ہماری زبان نے "برہمن" کر دیا۔ (نقوش ۳۴۸)۔

برید: عربی میں ڈاک کیلئے "برید" کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ مسلمانوں میں امیر معاویہ نے سب سے پہلے اس نظام

رسانیدہ بمالکان عائد می نماند و آں را بزبانِ ایں مردم بیما گویند"

۔ خیال ہوتا ہے کہ یہ کوئی ہندی یا سنسکرت کا لفظ ہوگا مگر میں نے ہندی اور سنسکرت کے عالموں
سے اس کی تحقیق چاہی تو کوئی اس کا پتہ بتا نہ سکا۔ اس سے وہم ہو جاتا ہے کہ یہ فارسی لفظ "بیم"
معنی خوف سے نہ لیا گیا ہو۔ سُجان رائے نے اس بیان کا آغاز بھی ان لفظوں سے کیا ہے:

"وطرفہ آنکہ بنا بر خوف مسالک بمالک شخصے مبلغہائے نقد بمسافت دور و نزدیک تواند برد"

اس لفظ "خوف" سے بھی ادھر ہی خیال جاتا ہے۔ مشکل یہ ہے کہ فارسی لغت کی کتابوں میں یہ لفظ نہیں ملتا۔
بیسویں صدی عیسوی کے آخر میں سید تصدق حسین نامی ایک بزرگ نے "لغات کشوری" کے نام سے
ایک فارسی لغت منشی نولکشور صاحب کے نام سے لکھا ہے اور نولکشور پریس میں ۱۹۰۰ء میں چھپا ہے۔
مولف نے مقدمہ میں یقین دلایا ہے کہ تمام لغات دیکھ کر بڑی احتیاط سے یہ لغت لکھا گیا ہے۔ اس
میں "بیمہ" کے لفظ کے نیچے اس کو فارسی بتا کر یہ تشریح لکھی ہے:

"بخوف رہزنی جو کسی ساہوکار کو محصول کسی نقد یا مال کے پہنچانے کا دیں اور وہ اس کی حفاظت کا ذمہ دار ہو"

"لغات کشوری" کی امانت و دیانت کا اگر اعتبار کیا جائے تو پھر بیمہ کے فارسی ہونے میں کوئی شک نہیں
رہ جاتا۔ (نقوش، ۲۹۶ تا ۲۹۸)۔

پ

...انہ: پائخانہ بھی ایک استعارہ ہے جس کی اصل "پائیں خانہ" ہے۔ چونکہ پائخانے عموماً مکانوں کے کنارے
بنائے جاتے ہیں اس لیے استعارۃً ان کو پائیں خانہ کہا گیا پھر تخفیف کے اصول کے مطابق پائخانہ ہو گیا
اور کثرت استعمال سے اس میں استعارہ کی شان باقی نہ رہی۔ (سیرت ۶، ۷۷۸)۔

...ں: اس کی اصل ہندی لفظ "پائیں" ہے۔ (نقوش، ۲۵۷)۔

...ک: دیکھئے "پیک"

...: "لیکن" کے معنی ہیں "پرنتو" ایک ہندی لفظ ہے۔ وہ اردو میں کٹ چھنٹ کر "پر" ہو گیا۔ (نقوش، ۹۶)۔

...ست: پرستیدن کے دو معنی ہیں: پوجنا اور خدمت کرنا۔ (شبلی، حاشیہ ۱۰۷)۔

...ک: اس ہندی لفظ نے عربی میں پہنچ کر جہاز کے کمرہ کے معنی میں "بلنج" کی شکل اختیار کی۔ (جہاز ۱۴)

...را: اس کی اصل ہندی لفظ "پورن" ہے۔ (نقوش، ۲۵۷)۔

منسوب کی جائے . . . بعض بہتان ایسے ہوتے ہیں کہ جن کا سرے سے وجود ہی نہیں ہوتا۔ لیکن شرارت کی راہ سے کسی بے گناہ کے سر اس لیے تھوپا جاتا ہے کہ اس کی بدنامی ہو۔ قرآن پاک میں اسکا نام "افک" لکھا ہے (ریختہ ۷۶)

بھتہ: انگریزی ملازموں کا بھتہ "بھات" سے تو نہیں ہے جس کا آغاز بنگال کے انگریزی نوکروں سے ہوا ہو اور اس کے معنی خرچ خوراک کے ہوں۔ ۱۷۶۵ء ۱۷۶۷ء میں لارڈ کلایو نے جو اصطلاحات کیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی سپاہیوں کو تنخواہ کے علاوہ "بھتہ" دیا کرتی تھی کلایو نے اس زمانہ میں اس کو بند کر دیا۔ اس واقعہ سے بھی اس لفظ کا اصل تعلق بنگال سے ثابت ہوتا ہے (نقوش)

بیاض: اس نئے عہد سے پہلے جب ہندستان کی ادبی زبان فارسی تھی، ہر لکھے پڑھے آدمی کے پاس "سفینہ" یا "بیاض" کے نام سے کاغذوں کے چند سادہ اوراق ہوتے تھے جن میں ہر صاحب ذوق اپنی پسند سے دوران مطالعہ یا باہم صحبتوں میں جو اچھے اشعار پڑھتا یا سنتا تھا ان کو وقتاً فوقتاً قلم بند کر لیتا تھا اور اس طرح ہر قدر شناس کے پاس شعرا کے اچھے اور منتخب شعروں کا ایک الگ مجموعہ تیار ہو جاتا تھا۔ (نقوش، ۴۶۵)

بیان: "بیان" اور "تبیین" کے لفظی معنی کھولنے اور واضح کرنے کے ہیں اور ان کا استعمال دو معنوں میں ہوتا ہے ایک اعلان اور اظہار کے معنی میں یعنی اخفا کے مقابل دوسرے توضیح و تفسیر کے معنی میں۔ (ریختہ ۱۸۰)

بیاہ: اس کی اصل ہندی لفظ "وواہ" ہے۔ (نقوش، ۲۵۶)۔

بیڑا: اس ہندستانی لفظ نے عربی میں پہنچ کر "بارجہ" اور "بیرجہ" کی شکل اختیار کی۔ (جہاز ۱۴) اس کی جمع "بوارج" آتی ہے اور چونکہ سواحل ہند کے بحری ڈاکو انہیں کشتیوں پر ڈاکے ڈالتے تھے اس لیے بعد کو "بوارج" ہندستانی بحری ڈاکوؤں کو کہنے لگے (کتاب الہند بیرونی، ص ۱۰۳، لندن، عجائب الہند بزرگ ص ۱۱۴، پیرس) جس طرح بحر روم کے دریائی ڈاکوؤں کو "قرصان" کہتے ہیں۔ اور آج کل کی عربی زبان میں "بارجہ" جنگی جہازوں کے بیڑہ کو کہتے ہیں۔ (تعلقات ۶۳)۔

بیساکھ: اس کی اصل ہندی لفظ "ویشاکھ" ہے۔ (نقوش، ۲۵۷)۔

بیمہ: وہ طریقہ . . . جس سے قیمتی چیزیں محفوظ کر کے ایک شہر سے دوسرے شہر بذریعہ ڈاک بھیجتے ہیں . . . سجان رائے کی خلاصۃ التواریخ . . . ۱۱۰۷ھ میں عالم گیر کی تخت نشینی کے چالیسویں سال مرتب ہوئی۔ سجان رائے . . . یہاں کے مہاجنوں کے ذریعہ سے ترسیل زر کا حال لکھتا ہے:

عجیب تر آں کہ اگر تاجران بسبب طرق ہائلہ اقمشہ و امتعہ و دیگر اموال آنہا بجنس در قرارگاہ سلامت

ڈالتے تھے تو وہ اس عمل کو "تعریب" کہتے تھے۔ (نقوش ۳۲۹)۔

...قات: "تعلیق" لٹکانے کو کہتے ہیں۔ (نقوش ۳۸)۔

...: عربی میں اس کے معنی "آباد کرنا" ہیں اور اردو میں "بڑی عمارت بنانا" (نقوش ۳۴۴)۔

...لق: ایک ترکی لفظ ہے جس کے معنی پہاڑی کے ہیں۔ یہ پشتو لفظ رُہیلہ کے مرادف ہے۔ تغلق کے متعلق سب سے قدیم بیان ابن بطوطہ کا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

"شیخ رکن الدین قریشی ملتانی سے میں نے سُنا ہے کہ تغلق ترک قوم کے قبیلہ قرونہ سے تھا اور یہ لوگ ترکستان اور سندھ کے بیچ کے پہاڑوں میں رہتے تھے۔"

لفظ "قرونہ" کی نسبت آٹھویں صدی کا مشہور سیاح مارکوپولو اس طرح تشریح کرتا ہے:

"قرونہ" ان لوگوں کو کہتے ہیں کہ جن کے باپ تاتاری اور ماں ہندی ہوں، ان لوگوں کا پیشہ لوٹ مار اور قزاقی ہے، جہاں یہ چلے جاتے ہیں اس ملک کو بے چراغ کر ڈالتے ہیں۔۔۔۔

"خلاصۃ التواریخ" کا مصنف لکھتا ہے کہ: "سلطان کا باپ تغلق ایک ترک سلطان غیاث الدین بلبن کے غلاموں میں سے تھا اور اس کی ماں پنجاب کی قوم جٹ سے تھی۔ بہرحال "خلاصۃ التواریخ" کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ قرونہ کے لفظ سے ابن بطوطہ کے راوی شیخ قریشی نے یہی مراد لی ہے اور مارکوپولو کا بیان بھی صحیح معلوم ہوتا ہے اور صاف صاف یہ پتہ چلتا ہے کہ تغلق قوم کا نام نہ تھا بلکہ شخص کا نام تھا۔ اس خیال کی تصدیق بعض سکوں سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ غیاث الدین کے ایک سکہ پر ہے:

"السلطان الغازی غیاث الدنیا والدین المظفر تغلق شاہ السلطان ناصر امیر المومنین"

اور اس کے لڑکے کے سکہ پر: "المجاہد فی سبیل اللہ محمد بن تغلق شاہ"

نقش ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تغلق شخص کا نام ہے خاندان کا نہیں۔ اب تغلق نام یا تو خود ملک غازی غیاث الدین کا ہے یا اس کے باپ کا اور اغلب یہی ہے کہ خود اس کا نام تھا۔ (مقالات ج ۱، ۴۰۸ تا ۴۱۰)۔

...یس: دیکھیے "تہنید"۔

...وی: تقویۃ کی جمع۔ تقاوی جو تخم غریب کاشتکاروں کو دیا جاتا ہے۔ (لغات ۳۹)۔

...یب: "تقریب" کے معنی نزدیک کرنا، پھر جو کسی مقصد سے قریب کرنے کا ذریعہ ہو، اس کو تقریب کہا۔ اب ہندستانی ملاقات کے ذریعہ کو تقریب کہنے لگے: ؎ تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہیے

پاؤں: جس کو ڈبل روٹی کہتے ہیں، جس کو غلطی سے کبھی پاؤ روٹی سمجھا جاتا ہے کہ شاید وہ روٹی پاؤ بھر آٹے کی بنتی ہو۔ بعض شستہ لوگ جو اپنی فارسی دانی کا ثبوت دینا چاہتے ہیں وہ نان پنبہ کہتے ہیں کہ یہ روئی کی طرح نرم ہوتی ہے حالانکہ یہ پون لفظ ہے جو پرتگالی میں روٹی کو کہتے ہیں۔ (نقوش، ۶۰)۔

پہنچا: اس کی اصل، ہندی لفظ "پونچا" ہے۔ (نقوش، ۲۵۶)۔

پیک: دھاوکے پیادے کو "پائک" کہتے ہیں جو "پیک" کی صورت میں محرم کی تقریب میں امام کے نقلی قاصدوں کا ہم نے نام رکھا ہے۔ (نقوش، ۳۰۰)۔

ت

تالیفِ قلب: اس کے لفظی معنی "دلوں کو ملانا" اور اس سے مقصود اس شخص کے ساتھ جس کو اسلام کی طرف مائل کرنا ہو لطف و محبت، امداد و اعانت اور غم خواری اور ہمدردی کرنا ہے۔ (سیرت ۳۵۶)۔

تبادلہ: لفظ "تبادلہ" عربی کے لحاظ سے غلط ہی کیوں نہ ہو لیکن ہماری زبان میں یہ صحیح ہے۔ اس کو چھوڑ کر مبادلہ یا تبادُل بلوانے کی کوشش زبردستی ہے۔ (نقوش، ۳۳۱)۔

تبدیلی: "تبدیل" کے مقابلہ میں "تبدیلی" غلط ہی ہو مگر وہ ہمارے یہاں صحیح ہے۔ (نقوش، ۳۳۱)۔

تبلیغ: لفظی معنی "پیغام پہنچانے" کے ہیں اور اصطلاح میں اس کے معنی یہ ہیں کہ جس چیز کو ہم اچھا سمجھتے ہیں اس کی اچھائی اور خوبی کو دوسرے لوگوں اور دوسری قوموں اور ملکوں تک پہنچائیں۔ (سیرت ۳۷۵)۔

تجہیز: "جہاز" مردہ کے کفن دفن کے سامان کو بھی عربی میں کہتے ہیں جس سے مصدر "تجہیز" بنا یعنی سامان کرنا اس سے ہماری زبان میں تجہیز و تکفین کا لفظ پیدا ہو گیا۔ (نقوش، ۳۴۴)۔

تربت: عربی میں اس کے معنی "مٹی" ہیں اور اردو میں "قبر"۔ (نقوش، ۳۴۵)۔

تریاق: اس کی اصل، یونانی لفظ "تھریاکی" ہے۔ (لغات، ۲۳۹)۔

تزکیہ: "تزکیہ" کے لفظی معنی پاک صاف کرنا، نکھارنا، میل کچیل دور کرنا ہیں۔ قرآن پاک نے اس لفظ کو ان معنی میں استعمال کیا ہے کہ نفس انسانی کو ہر قسم کی نجاستوں اور آلودگیوں سے نکھار کر صاف ستھرا کیا جائے۔ (سیرت ۵)۔

تشریف: اصلی معنی "مشرف کرنا" کیونکہ بڑوں کا آنا مشرف کرنا ہے۔ (لغات، ۸۸)۔

تضرع: تضرع کے معنی زاری اور عاجزی اور عاجزی کے ساتھ درخواست کرنے کے ہیں۔ (لسان العرب، سیرت ۱۲۵)۔

تعریب: عرب جب کسی دوسری زبان کے لفظ کو اپنی زبان کے اصول پر خراد کر اس کو عربی بنا

: عربی کا صحیح لفظ تمنی ہے۔ مگر فارس والوں نے اس کو لیا اور تمنا کر دیا اور ہم نے بھی اسی کو قبول کیا۔(نقوش ۳۴۴)۔

ل : اس کی اصل سنسکرت لفظ "تامبول" ہے۔(لغات ۲۲۱)۔

اہ : تنخواہ کے معنی "بدن کا چاہنے والا" یہ اسم فاعلی ترکیب کے معنی ہیں۔ اگر ہم اسم مفعولی ترکیب لیں تو اس کے معنی ہوں گے "بدن کا چاہا ہوا" جیسے "دل خواہ" کے معنی دل کا چاہا ہوا۔(نقوش اسد اکس ب) معنی یوں پیدا ہوئے کہ مغلوں کے زمانہ میں سرکاری امیروں کو خوراک وغیرہ کے لیے جو معاوضہ ملتا تھا اس کا نام تنخواہ رکھا گیا۔ اب تنخواہ کے معنی مشاہرہ کے ہیں۔ ایرانی اس تنخواہ کے حرف سے بھی واقف نہ ہوں گے۔(نقوش ۳۴۸)۔

یہ : اصلی معنی کسی چیز کے اندر سے خراب و فاسد مادہ کو الگ کر دیا جائے تاکہ وہ پوری طرح نکھر جائے۔(ترجمہ ۱۷۱)۔

ت : عبرانی لفظ TORAH ہے۔ تورات کے اصلی معنی احکام، اوامر اور قوانین کے ہیں چونکہ تورات سراپا قانون ہے۔(مقالات ۳، ۴۲)۔ تورات ایک عبری لفظ ہے جس کے معنی شریعت اور قانون کے ہیں۔ اس نام کا اطلاق حضرت موسیٰؑ کی پانچ کتابوں پر ہوتا ہے یعنی سفر تکوین (در ذکر بدء کائنات، آدم و حواؑ، نوحؑ، ابراہیمؑ، اسحٰقؑ، اسمٰعیلؑ، یعقوبؑ، یوسفؑ) سفر خروج (در ذکر موسیٰؑ، فرعون، بنی اسرائیل و تفصیل قانون)، سفر الاحبار (شریعت و قانون حلال و حرام)۔ سفر العدد (در ذکر تعداد بنی اسرائیل وقت خروج از مصر غزوات موسیٰؑ و بعض احکام شریعت)۔ سفر الاستثناء (در ذکر قوانین و احکام شریعت)۔(ارض ۱، ۲۳)۔

: پس ماندہ کرنا۔ (SAVING) مولد۔ مسعودی اور مقریزی نے اس معنی میں استعمال کیا ہے۔(لغات ۱، ۴۲)۔

یعات : بات چیت کو کاغذوں میں محفوظ رکھنے کا دستور بہت پرانا ہے۔ بادشاہوں اور وزیروں کے حکم احکام کے چھوٹے چھوٹے فقرے جو بلاغت کی جان ہوتے تھے اور توقیعات کہلاتے یاد رکھے جاتے تھے۔(نقوش ۳۰۵)

ل : "توکل" کے لفظی معنی بھروسہ کرنے کے ہیں اور اصطلاح میں خدا پر بھروسہ کرنے کو کہتے ہیں۔(ترجمہ ۵، ۴۴۰)۔

یب : دیکھیے "مہذب"

ید : "تہنید" کے اگر ہم ٹھیٹ معنی کریں تو "ہندیانا" کہہ سکتے ہیں۔ یہ اصطلاح اصل میں عربوں سے چلی۔ وہ جب کسی دوسری زبان کے لفظ کو اپنی زبان کے اصول پر خراد کر اس کو عربی بنا ڈالتے تھے تو وہ اس عمل کو تعریب کہتے تھے۔ یہی قاعدہ فارسیوں نے اپنی زبان میں جاری کیا تو اس کو تفریس کہا یعنی فارسی بنا لیا۔ اب جب اہل ہند یہی کریں یعنی وہ کسی دوسری زبان کے لفظ کو اپنی زبان کے اصول پر تراش خراش کر کے اپنی زبان میں ملا لیں تو اس کو تہنید کہیں گے۔(نقوش ۳۲۹)۔

ملنے ملانے کا سب سے عمدہ موقع کسی شادی اور خوشی کے مراسم کا موقع ہے اس لیے ہم شادی اور خوشی کے موقعوں کو تقریب کہنے لگے۔ (نقوش، ۲۲، ۲۸ ، ۳ ۲)۔

تقریر: عربی میں اس کے معنی "ثابت کرنا" ہیں۔ (نقوش ۵، ۳۴۵)۔

تقویٰ: "تقویٰ" اصل میں "وقویٰ" ہے۔ عربی زبان میں اس کے لغوی معنی بچنے، پرہیز کرنے اور لحاظ کرنے کے ہیں لیکن وحی محمدی ؐ کی اصطلاح میں یہ دل کی اس کیفیت کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہمیشہ حاضر و ناظر ہونے کا یقین پیدا کر کے دل میں خیر و شر کی تمیز کی خلش اور خیر کی طرف رغبت اور شر سے نفرت پیدا کر دیتی ہے۔ (سیرت ۵، ۲۲۸)۔

تکبُّر: انسان میں جب کوئی وصف یا کمال پایا جاتا ہے تو قدرتی طور پر اس کے دل میں اس کا خیال پیدا ہوتا ہے اور کوئی اخلاقی عیب نہیں ہے۔ لیکن جب یہ خیال اس قدر ترقی کر جاتا ہے کہ وہ اور لوگوں کو جن میں یہ وصف نہیں پایا جاتا یا کم پایا جاتا ہے۔ اپنے سے حقیر سمجھنے لگتا ہے تو اس کو کبر اور اس کے اظہار کو تکبُّر کہتے ہیں۔ دنیا میں سب سے پہلے اس بد اخلاقی کا ظہور شیطان سے ہوا۔ اس نے آدمؑ کے مقابلہ میں اپنے کو بالاتر سمجھا اور پکارا "انا خیر منہ" (اعراف ۔۲) میں اس سے بہتر ہوں۔ وہ مٹی سے بنا ہے اور میں آگ سے بنا ہوں۔ عام لفظ تو استکبار اور اس کے مشتقات ہیں، بعض جگہ ان کو "عزت" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے: بل الذین کفروا فی عزۃٍ و شقاق (ص ۔۱)۔ لیکن جو لوگ منکر ہیں (ناحق کی) ہیکڑی اور مخالفت میں پڑے ہیں... دو موقعوں پر اس کے لیے "مختال" کا لفظ آیا ہے۔ یہ اس شخص کو کہتے ہیں جس کو گھمنڈ ہو۔ (سیرت ملہ ۔۳۴، ۲۲)۔

تلمیح: تلمیح کا فلسفہ یہ ہے کہ ایک خاص شخص یا واقعہ کے متعلق صدیوں سے خیالات کی موروثی رفتار جو تفصیلات اور جزئیات کا ذخیرہ پیدا کرتی رہتی ہے، وہ پورا کا پورا اس ایک لفظ یا واقعہ کے اندر اس طرح سمٹا رہتا ہے جیسے میلوں تک پھیلنے والی خوشبو بند کلیوں ہیں۔ کھولیے تو سطروں کی سطریں اور صفحے کے صفحے درکار ہوں۔ (نقوش ۳۸۶)۔

تماشا: لفظ تو عربی ہے۔ لیکن معنی عجمی ہیں۔ یہ مَشْیٌ سے بنا ہے جس کے معنی چلنے کے ہیں۔ اس کو باب تفاعل میں لے گئے تو تماشی ہوا اور معنی باہم مل کر چلنا ہوئے۔ عجمیوں نے تماشی کو اپنے قاعدہ سے تماشا بنالیا، جیسے تمنّی کو تمنّا بنا دیا۔ چونکہ سیر و تفریح کے لیے چند احباب ساتھ مل کر چلتے ہیں اس لیے خود سیر و تفریح کو تماشا کہنے لگے۔ اس کے بعد آگے بڑھے تو سیر و تفریح کے سامان کو بھی تماشا نام رکھا۔ (نقوش، ۳۲۸)۔

تمدن: متمدن بننا۔ اصلی معنی شہر آباد کرنا۔ (لغات، ۴۰)۔

تمرین: مشق۔ اصلی معنی عادی کرنا۔ (لغات، ۴۰)۔

بی ترجمہ' جامعہ ملیہ اسلامیہ" بھی کر دیا۔ پھر بعد کو یہ لفظ چل گیا۔ "جامعہ" مصر کی نئی عربی زبان میں یونیورسٹی
ہتے ہیں جو یونیورسٹی کا گو لفظی ترجمہ ہے۔ لیکن چونکہ "جامع" عربی میں مسجد اعظم کو کہتے ہیں اور شروع
سجدیں ہی درس گاہیں تھیں اس لیے "جامع" کے ساتھ "جامعہ" کا لفظ خاص مناسبت رکھتا ہے۔ (شبلی حاشیہ ۲۹۹)
: معنی "دی ہوئی جگہ" بادشاہ کی طرف سے امیروں کو جو گاؤں ملتے تھے وہ جائے داد تھی۔ رفتہ رفتہ
ادنے زمینداری اور ملکیت کے معنی پیدا کر لیے۔ (النقوش، ۳۴۸)۔
: عبرانی لفظ ہے جس کے لغوی معنی "مرد خدا" کے ہیں۔ لیکن یہ اصطلاح شریعت میں اس فرشتہ کا نام ہے
دا اور خاصان خدا کے درمیان پیامبری کی خدمت انجام دیتا ہے۔ تورات اور انجیل میں بھی یہ نام
حیثیت سے مستعمل ہوا ہے۔ (سیرت ۳، ۳۴۷)۔
: (جیسے جاہل جٹ) سندھ کا قبیلہ تھا جو غیر متمدن اور جنگجو اور نوشت و خواند سے عاری تھا اسی
ہندستان میں جٹ کی اصطلاح پیدا ہوئی۔ ہو سکتا ہے کہ جٹ اور جاٹ ایک لفظ ہوں۔ پنجابی
یخ کا لفظ الف اکثر گر جاتا ہے جیسے کھاٹ سے کھٹ وغیرہ۔ جٹ کے نام سے پنجاب سے زیادہ
رھ کے لوگ واقف ہیں کہ انھوں نے سندھ کی جنگی تاریخ میں کافی حصہ لیا ہے اور ان کا اصل
شتر بانی ہے جس سے وہ کبھی کبھی جہاں بانی تک پہنچے۔ (مقالات ۱، حاشیہ ۴۰۹)۔
: نقشہ، فہرست۔ اصلی معنی کھیتوں کی کیاری کے جو اکثر بشکل جدول ہوتی ہیں۔ (لغات ۴۴)۔
ساحل بحر کے لیے قدیم (عربی) لفظ "جد" ہے۔ اسی سے حجاز کے مشہور ساحلی شہر کا نام جدہ ہے (حجاز ۱)
: جورب فارسی ہے۔ لغات ۸۸)۔
: واحد جرثومہ۔ جرمس، چھوٹے چھوٹے کیڑے جو فضا میں یا چیزوں میں ہوتے ہیں یا وبائی پیدا
یاتے ہیں اور خوردبین سے نظر آتے ہیں۔ عربی میں اس لفظ کے معنی "اصل" ہیں۔ (لغات ۴۵)۔
: اخبار، عربی میں اس کے قدیم معنی "نوشتہ" اور "مکتوب" کے ہیں۔ (لغات ۴۷)۔
م: اس کی اصل یونانی لفظ "جیوگریفیا" ہے۔ (لغات ۲۴۸)۔
ندھنا: "جلد" سے متعلق ہے جس کے معنی چمڑے کے ہیں۔ (لغات ۴۷)۔
: ایک بادشاہ کی جگہ پر جب دوسرا بادشاہ تخت پر بیٹھتا تھا تو اس کے لیے عربی کا لفظ "جلوس"
ربوں نے استعمال کیا جس کے معنی بیٹھنے کے ہیں اور سال جلوس تخت نشینی کے سال کی اصطلاح

تیار : عربی میں کسی لفظ کی اصلیت کچھ ہو اور اس کا املا بھی کچھ ہو، مگر ہماری زبان کے استعمال میں اگر اس کا تلفظ اور املا بدل گیا ہے تو وہی غلط تلفظ اور املا ہماری زبان میں صحیح ہوگا اب جیسے ... "طیار" "تیار" ہو گیا ہے۔ (نقوش، ۹۲)۔

ٹ

ٹکا : تغلق کے زمانہ میں ہم کو اشرفی کے لیے دو لفظ ملتے ہیں۔ ایک تنکۂ زر اور دوسرا مُہرِ زر۔ یہ تنکہ سکّہ کے معنی میں عام طور سے بولا جاتا تھا۔ (برنی ص ۳۱۴، ۳۱۵)۔ (ڈاکٹر تاراچند نے بتایا ہے کہ تنکہ سنسکرت میں سکّہ کو کہتے ہیں) ... خلجی کے زمانہ میں ایک تنکۂ زر ایک تولہ سونے کا ہوتا تھا اور تنکۂ نقرہ ایک تولہ چاندی کا (فرشتہ ص ۱۱۴)۔ روپیہ کو تنکۂ نقرہ اور اس سے کم درجہ سکّہ کو صرف تنکہ کہتے تھے ... خیال ہوتا ہے کہ یہی تنکہ تو آج "ٹکے" کی صورت میں ہمارے سامنے نہیں؟ (نقوش، ۲۹۳)۔

ث

ثواب : "ثواب" کا لفظ "ثوب" سے لیا گیا ہے۔ جس کے معنی لوٹنے کے ہیں۔ اس لیے یہ کسی اچھے کام کے لوٹنے والے کے نتیجہ اور جزا کے معنی میں بولا گیا ہے۔ (سیرت ۲/۲۵۷)۔

ج

جاداد : فارسی لفظ کی اصل صورت "جائداد" ہے۔ (نقوش، ۳۴۸)۔ (دیکھیے "جائداد")۔

جاگیر : جاگیر کے لغوی معنی تو جگہ لینے والا ہیں۔ بادشاہ اپنے امیروں کو منصب کے ساتھ جو گاؤں دیتے تھے جہاں جا کر امرا اکثر قیام کرتے تھے اس کو جاگیر کہنے لگے۔ رفتہ رفتہ جاگیر کے خاص معنی ہو گئے یہاں تک کہ غریب طالب علموں کے کھانے کے ٹھکانے کو بھی جاگیر کہنے لگے۔ (نقوش، ۳۴۷، ۳۴۸)

جامعہ : "جامعہ" کا لفظ جامعہ ملیہ دہلی کے بعد سے تو عام ہے۔ مگر یہ لفظ ہماری زبان میں اس معنی میں پہلے مولانا شبلی ہی کے قلم سے نکلا اور ان کو اشاعت پذیر ہوا۔ علامہ شبلی نے مولوی مسعود علی کو غالباً اکتوبر ۱۹۱۴ء میں تحریر کیا تھا: دار المصنفین، درجۂ تکمیل، سرائے میر درجہ ابتدائی، پورا جامعہ اسلامیہ کا مصالحہ ہے "شبلی، ۶۸۸)۔ جامعہ ملیہ کے نام کی تاریخ بھی ایک اتفاقی واقعہ ہے۔ مسلم یونیورسٹی سے ٹوٹ کر اس کے بالمقابل جو نئی قومی مسلم یونیورسٹی قائم کی گئی اس کا لیٹر پیپر یعنی خط کا کاغذ مولانا ابوالکلام نے چھپوایا تھا۔ انھی نے نیشنل مسلم یونیورسٹی کے انگریزی لفظوں کے ساتھ اس

...علوم کے زمانہ میں عربی میں آیا (لغات، ۴۳)۔ جنس منطق کی اصطلاح میں اس کلی (عام) چیز کو کہتے ہیں جس کے تحت میں کئی ...حقیقتوں کی اشیاء داخل ہوں جیسے حیوان کہ یہ انسان اور گھوڑے گدھے گائے بھینس بکری وغیرہ جاندار کو کہتے ہیں۔ ...ادبی جنس پیدا ہوئی یعنی کسی حقیقت مشترکہ کے مختلف افراد اسے ابنائے جنس (ایک جنس کے بیٹے) یعنی ایک حقیقت کے ...شریک جیسے سارے انسان ابنائے جنس ہیں۔ اب اس سے بھی خاص ہو کر ہم جنس بنا۔

کند ہم جنس باہم جنس پرواز   کبوتر با کبوتر، باز با باز

...اس سے آگے بڑھ کر ہندستان میں جنس کے معنی قسم ہو گئے اور خاص طور سے غلہ کی قسم کے ہو گئے۔ ...کہتے ہیں "نقد و جنس" نقد کے معنی روپیہ پیسے کے اور جنس غلہ یا سامان۔ اس کی جمع اجناس ...بنی تو یہ غلوں کے اقسام پر مشتمل ہو گئی اور "نرخ اجناس" کی صورت میں اس کی جنس ہی بدل گئی۔ (نقوش، ۳۳۵، ۳۳۶)

...: "جہاد" کا لفظ "جہد" سے نکلا ہے۔ جہاد اور مجاہدہ، فعال اور مفاعلت کے وزن پر اسی "جہد" ...سے مصدر ہیں اور لغت میں اس کے معنی محنت اور کوشش کے ہیں۔ اسی کے قریب قریب اس کے اصطلاحی معنی بھی ہیں یعنی حق کی بلندی اور اس کی اشاعت اور حفاظت کے لیے ہر قسم کی جد و جہد ...قربانی اور ایثار گوارہ کرنا، اور تمام جسمانی و مالی و دماغی قوتوں کو جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کو ملی ہیں اس راہ میں صرف کرنا، یہاں تک کہ اس کے لیے اپنی، اپنے عزیز و قریب کی اہل و عیال کی، خاندان و قوم کی جان تک قربان کر دینا اور حق کے مخالفوں اور دشمنوں کی کوششوں کو توڑنا اور ان کی تدبیروں کو رائیگاں کرنا، ان کے حملوں کو روکنا اور اس کے لیے جنگ کے میدان میں اگر ان سے لڑنا پڑے تو اس کیلئے بھی پوری طرح تیار رہنا۔ (سیرت ۵، ۴۰۴، ۴۰۵)۔

ز: یہ وسط ایشیا سے ہندستان آیا ہے ... جہاز دیکھنے میں تو عربی ہے۔ مگر جس معنی میں یہ ہماری زبان میں بولا جاتا ہے وہ قطعاً ہندستانی یا ہندستانی فارسی ہے۔ اصل میں اس کے لفظی معنی "توسامان کرنے" کے ہیں۔ اس سے تجہیز بنا، جس کے جہازیوں میں یہ معنی پیدا ہوئے کہ کشتی میں سامان رکھ کر کہیں بھیجنا، یہ اصطلاح تیسری صدی ہجری میں پھیل چکی تھی بزرگ بن شہریار کے سفر نامہ میں ہے۔

انّہ جہّز مرکباً لہ الی الزابیج (ص ۸)۔ اس نے اپنا ایک جہاز سامان لاد کر جاوہ بھیجا۔

یہ تو دریائی اصطلاح ہوئی۔ لیکن اس کے سو برس بعد یہ لفظ وسط ایشیا میں خشکی کے سامانِ تجارت کے معنوں میں سننے میں آتا ہے۔ حدود العالم میں جو ۳۷۲ھ کی تصنیف ہے۔ یہ لفظ ان معنوں میں بار بار

بنی اور چونکہ جب نیا بادشاہ پہلی دفعہ تخت پر بیٹھتا تھا تو تزک و احتشام اور لاؤ لشکر کے ساتھ نکلتا تھا تو ہم ہندستانی تزک و احتشام کے ساتھ کسی مجمع کے نکلنے کو جلوس کہنے لگے۔ اسکو عربی سے کوئی تعلق نہیں۔ (نقوش ۲۸)

جمعیت: انجمن، کمیٹی، مشتق از جمع و جماعت۔ (لغات، ۴۷)۔

جن: اہل لغت کہتے ہیں کہ عربی میں "جن" کا لفظ "جن" سے مشتق ہے۔ جس کے معنی "چھپنے اور چھپانے" کے ہیں کیوں کہ یہ مخلوق انسانوں کی آنکھوں سے عموماً مستور رہتی ہے اس لیے اس کو جن کہتے ہیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ یہ لفظ اسی معنی میں اسی کے قریب قریب مختلف قوموں کی زبانوں میں پایا جاتا ہے۔ فرنچ میں "جنی" (GENEE) اور انگریزی میں (GENII) اسی مفہوم میں ہے جس میں عربی میں "جنی" (دیو، بھوت، پریت) ہے۔ لاطینی میں جینیوس (GENIUS) اور جینی (GENII) وہ مفہوم رکھتا ہے جو ہمارے یہاں ہمزاد کا ہے اور روح نوعی کے معنی میں یہ لفظ رومی اساطیر میں استعمال ہوا ہے۔ فارسی میں "جان" کے معنی "مطلق روح" کے ہیں۔ (سیرت ج ۳، ۵۴۷)۔

جناب: "جناب" کے اصل معنی صحن خانہ کے ہیں۔ ابتداءً یہ لفظ اس طرح مستعمل ہوا کہ عجم میں تعظیم بجائے ممدوح کے جناب ممدوح کی طرف انتساب کرنے لگے جس طرح کہ اب بھی آستانہ کی طرف انتساب کرتے ہیں۔ رفتہ رفتہ جناب خود لفظ تعظیمی بن گیا اور عجم سے مصر و شام میں مستعمل ہو گیا۔ (لغات، ۴۷)۔ "جناب" کے معنی چوکھٹ کے ہیں۔ بادشاہوں سے براہ راست مخاطب نہیں ہوا جاتا تھا۔ اس لیے ان کے آستانہ اور چوکھٹ کی طرف نسبت کر کے بات کہی جاتی تھی، اس سے "جناب" تعظیمی خطاب کا لفظ ہو گیا۔ (نقوش، ۳۳۸)۔

جنت: اس مقام کا نام جو نیکوکار انسانوں کا دائمی گھر ہوگا۔ قرآن پاک میں عموماً "الجنۃ" (باغ) بتایا گیا ہے اور کبھی کبھی اس کو مناسب اضافتوں کے ساتھ بھی ادا کیا گیا ہے مثلاً جنۃ النعیم (نعمت کا باغ) جنۃ الخلد (بقائے دوام کا باغ)، جنتُ عدنٍ (دائمی سکونت کے باغ)، جنۃُ الماویٰ (پناہ کا باغ) ان کے علاوہ اور دوسرے لفظوں سے بھی اس کی تعبیر کی گئی ہے مثلاً فردوسٌ (باغ)، روضۃٌ (چمن) دار الخلد (ہمیشگی کا گھر)، دار المقامہ (قیام کا گھر)، دار السلام (امن و سلامتی کا گھر) (سیرت ج ۴، ۸۱۳)۔

جنس: عربی میں منطق کی اصطلاح ہے اور یونانی لفظ "جینس" کا معرب ہے۔ مگر عرب میں آکر یہ جنس، مجانست تجنیس مختلف بابوں میں مستعمل ہو گیا۔ حالانکہ قدیم عربی میں اس کا مطلق پتہ نہیں۔ (تعلقات، ۱۴۳) یونانی

ـ یعنی جس طرح لکڑیاں بیچنے والے لکڑیاں چن چن کر لاتے ہیں اور ایندھن کے لیے گھوم گھوم کر بازار میں فروخت کرتے ہیں، اسی طرح یہ لوگ اس قسم کی باتوں کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر پھیلاتے ہیں اور آتش فتنہ و فساد کے لیے ایندھن بہم پہنچاتے ہیں۔ قرآن مجید میں ابولہب کی بی بی کو مفسرین کی رائے کے مطابق "حمالۃ الحطب" یعنی ہیزم بردار کا خطاب اسی لیے دیا گیا ہے کہ وہ لوگوں کی چغلی کھاتی پھرتی تھی۔

ان میں بعض لوگ ... چھپ چھپ کر لوگوں کی باتیں سنتے ہیں اور پھر ان کو دوسروں تک پہنچاتے ہیں۔ اس قسم کے لوگوں کو لغت میں "قتات" کہتے ہیں ... اس قسم کی باتیں خوب نمک مرچ لگا کر نہایت چرب زبانی کے ساتھ بیان کی جاتی ہیں تاکہ ان کا اثر بڑھ جائے اسی لیے عربی زبان میں چغل خوری کو "وشایہ" کہتے ہیں جس کے معنی نقش ونگار کے ہیں اور ادھر کی ادھر لگانے کے لیے چغل خوروں کو دوڑ دھوپ بھی کرنی پڑتی ہے۔ اسی کی مناسبت سے چغل خوری کو "سعایہ" بھی کہتے ہیں جس کے معنی دوڑ دھوپ کرنے کے ہیں۔ (سیرت ۶، ۶۳۷، ۶۴۰، ۶۴۱)۔

: اس کی شکل تو ہندی ہے مگر ہے ایرانی۔ برہان قاطع میں ہے۔

"چُلبُلا بضم اول و بائے ابجد بر وزن سُنبلہ شتاب و اضطراب را گویند"

ہم سمجھتے تھے کہ اس کا تعلق ہمارے ہندی لفظ "چھل بل" سے ہے۔ اب غور کرنا پڑے گا۔ (نقوش ۳۳)

م: "چھپے" اور "دام" دو لفظوں سے بنا ہے۔ (مزید دیکھیے "دام")۔ (نقوش ۹۰)

ح

ں: عربی میں لفظ "حبش" کے معنی اختلاط و امتزاج کے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عربوں کے نزدیک یہ ایک مخروج النسل اور مختلط النسب قوم تھی... اسی "حبش" کی مسخ شدہ صورت "ابی سینیا" ہے (ارض ۱، ۲۹۹)

اس کے لفظی معنی "قصد اور ارادہ" کے ہیں اور اس سے مقصود خاص مذہبی قصد ارادہ سے کسی مقدس مقام کا سفر ہے۔ لیکن اسلام میں یہ ملک عرب کے شہر مکہ میں جاکر وہاں کی حضرت ابراہیمؑ کی بنائی ہوئی مسجد خانہ کعبہ کے ارد گرد چکر لگانے اور مکہ کے مختلف مقدس مقامات میں حاضر ہو کر کچھ آداب اور اعمال بجالانے کا نام ہے۔ (سیرت ۵، ۳۲۹)۔

: تہامہ اور نجد کے درمیانی اور کوہستانی حصہ کو حجاز اس لیے کہتے ہیں کہ وہ دونوں ملکوں کے درمیان ایک حاجز (حجاب) اور پردہ ہے ... حجاز بحر احمر کے ساحل پر ایک مستطیل صوبہ ہے جس کا نام توراۃ میں

آیا ہے۔ شروع میں تو مجھے تعجب ہوا کہ یہ جہاز خشکی میں کیسے چلا۔ بعد کو سمجھ میں آیا کہ ابھی یہ لفظ سامان کے
کے معنی سے قطع مسافت کر کے فقط "سامان" کی منزل میں پہنچا ہے ۔۔۔ یہی جہاز ہو کو خشکی سے
میں آگیا اور سامان تجارت کے بجائے سامان تجارت لے جانے والے جہازوں کو خود جہاز کہنے
ہندستان میں اکبر کے زمانہ میں فرشتہ نے اس لفظ کو اس معنی میں استعمال کیا ہے :

"و بگفتۂ فرنگیاں جہازات متردد ساختند" (ج ۲۔ ص ۱۷۳۔ نولکشور)۔

اب ہماری زبان میں یہ لفظ مطلق جہاز کے معنی میں بولا جانے لگا اور سامانِ تجارت اس سے رخصت ہو گیا۔ (نقوش ۲۳)

جہنّم: یہ عبرانی اصل کا لفظ ہے۔ (لغات ۲۱۵)۔

جھول: زین پوش" ترکی لفظ "چول" سے بنا ہے۔ اور خود "چول" قدیم لفظ "جُلّ" کی متغیر صورت ہے
(لغات۔ ۹۴)۔ یہ لفظ "جُل" کی خرابی ہے جو مسلمانوں کے ساتھ ہندستان میں آیا۔ (نقوش ۲۹)۔

جہیز: اس سامان کو کہتے ہیں جو شادی میں باپ کی طرف سے لڑکی کو ملتا ہے۔ اس معنی میں یہ لفظ
بھی خالص ہندستانی ہے۔ اس کی اصل جہاز ہے۔ سامان وینا سامان کرنا۔ فارسی کے قاعدہ
سے الف میں امالہ ہو کر جہاز سے جہیز ہو گیا ہے۔ (نقوش ۳۲۴)۔

جی: اس کی اصل ہندی لفظ "جیو" ہے۔ (نقوش ۲۵۶)۔

جیب: جیب، تھیلی اصلی معنی "گریبان" (لغات ۴۸)۔

جیٹھ: اس کی اصل ہندی لفظ "جیشٹھ" ہے۔ (نقوش ۳۵۶)

چ

چغل خوری: چغل خور کا کام یہ ہے کہ دو آدمیوں کے درمیان جھوٹی سچی باتیں بیان کر کے ایک دوسرے
کے خلاف بھڑکائے اور اپنا رسوخ جتائے اور چونکہ ایسے لوگ چل پھر کر ایک ایسی بات دوسرے
کو پہنچاتے ہیں جس سے دوسرے کو پہلے پر غصہ آئے اور اس سے نفرت پیدا ہو اس لیے قرآن
نے ان لوگوں کے اوصاف میں جن کی بات نہیں ماننی چاہیے یہ لفظ کہے ہیں:

مشاءٍ بنمیم (قلم ۱۱) جو چغلی کھاتا پھرتا ہے۔۔۔

اور جو لوگ اس بداخلاقی میں مبتلا ہوتے ہیں وہ اس قسم کی ناپسندیدہ باتوں کی ٹوہ میں لگے رہتے
ہیں تاکہ ان کو پھیلا کر فتنہ و فساد کی آگ بھڑکائیں۔ اسی بنا پر اہل عرب چغل خوروں کو ہیزم بردار کہتے

ے روکے وہ حکمت اور حکم ہے" (جلد ۲، ص ۱۹۶ حیدر آباد) لغت کا امام جوہری اپنی "صحاح اللغۃ" میں لکھتا ہے:

"حکمت یعنی علم اور حکیم یعنی عالم اور حکمت والا اور حکیم کاموں کو خوبی سے کرنے والا" (جلد ۲، ص ۲۷۶ مصر)۔

ربی کی مبسوط و مستند کتاب "لسان العرب" میں ہے:

اور حکمت بہترین چیز کو بہترین علم کے ذریعے سے جاننے کو کہتے ہیں"۔ (ج ۱۵، ص ۲۰ مصر)

ات القرآن کے مشہور امام راغب اصفہانی "مفردات القرآن" میں کہتے ہیں:

"اور حکمت، علم اور عقل کے ذریعے سے سچی اور صحیح بات کو پہنچنا ہے تو اللہ تعالیٰ کی حکمت چیزوں کو جاننا اور ان کو بکمال خوبی پیدا کرنا ہے اور انسان کی حکمت موجودات کو جاننا اور اچھی باتوں کا کرنا ہے" (ص ۱۲۸ مصر)

. "حکمت"، عقل و فہم کی اس کامل ترین حقیقت کا نام ہے جس سے صحیح و غلط، صواب و خطا، حق و باطل ور خیر و شر کے درمیان تمیز و فیصلہ بذریعہ غور و فکر، دلیل و برہان اور تجربہ و استقراء کے نہیں بلکہ منکشفانہ طور سے ہو جاتا ہے۔ (سیرت ج ۴، ۱۵۳ تا ۱۵۷)۔

ومت: قدیم معنی "فیصلہ" (لغات، ۵۳)۔

: عربی میں اس کے معنی "ڈبیا" ہیں۔ (نقوش، ۳۴۶)۔ یہاں (انکلیشور، گجرات، میں) ایک مجموعہ میں ایک صفحہ پر چند واقعات کی تاریخیں لکھی ہوئی نظر پڑیں جن میں سب سے اہم ہندستان میں حقہ کے رواج کی تاریخ ہے۔ یہ تاریخ "ناخوشئ ہنی" کے الفاظ سے نکالی گئی ہے جس سے ۱۰۲۹ھ نکلتے ہیں۔ چونکہ یہ چیز گجرات ہی کے راستے سے ہندستان میں وارد ہوئی ہے اس لیے عجب نہیں کہ تاریخی بیان صحیح ہو۔ ۱۰۲۹ھ جہانگیر کا عہد ہے (نقوش، ۲۷۶ و ۲۷۷)۔ (مزید دیکھیے "سلفہ")۔

لم: حلم و بردباری کے معنی یہ ہیں کہ انتقام کی قدرت کے باوجود کسی ناگوار یا اشتعال انگیز بات کو برداشت کر لیا جائے اور قصور وار سے اس کے لیے کوئی تعرض نہ کیا جائے (سیرت ج ۶، ۵۰۲)۔

لوا: عربی میں اس کے معنی "میٹھا" ہیں۔ (نقوش، ۳۴۶)۔

نیف: "حنیف"، حنف سے مشتق ہے۔ عربی میں اس کے معنی مڑنے اور جھکنے کے ہیں۔ اس لیے حنیف وہ شخص ہے جو ایک طرف سے جھک کر اور مڑ کر دوسری طرف جائے۔ یہ لفظ اچھے اور برے دونوں معنوں میں مستعمل ہو سکتا ہے (لسان العرب) اگر یہ فرض کیا جائے کہ اس نے اچھی بات کو چھوڑ کر بری بات اختیار کی ہے تو "حنیف" کے معنی وہ ہو سکتے ہیں جس میں عبرانی و سریانی میں وہ مستعمل ہے یعنی

فاران بتایا گیا ہے اور جہاں سے تجلی ربانی کے ظاہر ہونے کی بشارت دی گئی تھی۔ (ارض ط ۸۸، ۸۹)۔

حزب: سیاسی پارٹی۔ اصلی معنی جماعت۔ (لغات ۵۴)

حضرت: "حضرت" کے اصلی معنی حاضر ہونے کے ہیں۔ اس سے حضرت کے معنی عربی میں بادشاہ کے حضور اور بیٹھک گاہ کے ہوئے۔ ہمارے ہندستان میں اب یہ بھی تعظیمی لفظ ہوگیا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ مغلوں کے زمانہ میں بنا۔ اس سے پہلے بندگی اور خدمت کے لفظ تھے۔ ان دونوں کے ایک ہی معنی ہیں۔ (نقوش، ۳۴۸) ۔ اردو میں "حضرت" سے شانِ تقدس ظاہر ہوتی ہے۔ مگر عربی میں ایسا نہیں ہے (لغات ۵۰)

حضور: "حضرت" کی ہی دوسری صورت "حضور" ہے۔ اس کے بھی وہی معنی اور وہی روداد ہے۔ (دیکھیے نقوش ص ...)

حظ: قدیم اور محفوظ زبان عرب میں "حظ" بمعنی مسرت وشادمانی نہیں آیا۔ لیکن تطور وتقلب سے زبان بھی خالی نہیں جیسا کہ علم الالسنہ میں محقق ہے۔ "حظ" کے اصلی معنی بہرہ اور حصہ کے ہیں۔ اس کے لیے بمعنی قسمت مستعمل ہوا۔۔۔۔ آج کل عام طور سے سوء الحظ اور حسن الحظ بولتے ہیں۔ فارسی میں بھی حظ بمعنی قسمت وتقدیر آیا اور یہیں سے مخصوصاً حسنِ قسمت وتقدیر میں مستعمل ہوکر خوشی ومسرت کے معنی میں آگیا اور اس پر صائب کا وہ مصرع دال ہے۔۔۔ یعنی۔ "حظوظ نفس کے یا بد"

(حاشیۂ عبدالماجد دریابادی: صائب کا وہ مشہور شعر پورا یوں ہوا ہے:

ثنائے خود بخود گفتن نمی زیبد ترا صائب   حظوظ نفس کے یا بد چو زن پستان خود مالد)

(مکتوبات ج ۱، ۱۲، ۱۳)

حکم: "حکم" کے معنی لغت میں فیصلہ اور حق وباطل میں تمیز کرنے کے ہیں جس کا ترجمہ اردو میں سمجھ بوجھ کا نتیجہ (یعنی فیصلہ) کرسکتے ہیں۔ امام راغب اصفہانی "مفردات القرآن" میں لکھتے ہیں:

کسی شے پر حکم کرنا' یہ فیصلہ کرنا ہے کہ یہ شے ایسی ہے یا ایسی نہیں ہے۔ عام اس کے اس فیصلہ کا تم دوسرے کو پابند کرسکو یا نہ کرسکو"۔ (ص ۱۲۶۔ مصر)۔

عربی لغت کی مشہور کتاب "لسان العرب" میں ہے:

حکم کے معنی علم، سمجھ اور منصفانہ فیصلہ کرنا" (ج ۱۵، ۳۰)۔ (سیرت ج ۴، ۱۶۸)۔

حکمت: لغوی معنی "دانائی کی بات اور کام کے ہیں۔۔۔ سب سے قدیم لغت نویس ابن درید المتوفی ۳۲۱ھ اپنی کتاب "جمہرۃ اللغۃ" میں حکمت کے حسب ذیل معنی لکھتا ہے:

"ہر وہ بات جو تجھ کو سمجھائے یا تجھ کو تنبیہ کرے یا کسی اچھی خصلت کی طرف بلائے یا کسی بری چیز

...: بمعنی نقشہ، جغرافیہ۔ اس کی اصل لاطینی لفظ "چارٹا" ہے۔ (لغات، ۲۲۶)۔

...ع: "خشوع" کے لغوی معنی یہ ہیں۔ بدن جھکا ہونا، آواز پست ہونا، آنکھیں نیچی ہونا یعنی ہر ادائے سکنت، عاجزی اور تواضع ظاہر ہونا (لسان العرب)۔ (سیرت ۵، ۱۶۳، ۱۶۴)۔

...: "خفا" فارسی میں "خفہ" ہے اور معنی ... گلے میں اٹکنے اور پھنسنے کے ہیں۔ ہندستان میں خفا ہونا، ناراض ہونے کے معنی میں ہے۔ (نقوش، ۱۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳)۔

...ص: فارغ ہونا، چھٹی پا جانا، اصلی معنی رہا ہونا۔ (لغات، ۵۷)۔

...ی: ایک عجیب و غریب لفظ "خلاصی" ہے جس کو ہم غلطی سے "خلاصی" سمجھتے ہیں اور جہازوں کے ...دنی ملازموں اور ملاحوں پر اس کا اطلاق کرتے ہیں۔ "خلس" عربی میں ملے جلے سیاہ و سپید کو کہتے ہیں اور اس سے "خلاسی" اس بچہ کو کہتے ہیں جس کی ماں کالی اور باپ گورا یا باپ کالا اور ماں گوری ہو۔ "لسان العرب" میں ہے:

"والخلاسی الولد بین ابیض وسوداء او بین اسود و بیضاء" (جہاز، ۷۸)۔

...افت: "خلافت" کے لغوی معنی جانشینی کے ہیں۔ مسلمانوں کا اعتقاد یہ ہے کہ "نوع انسانی" اس سطح خاکی پر خداوند تعالیٰ کی طرف سے جانشین ہے۔ (مقالات ۲، ۹۷، ۳۸۹)۔

...ر: "خمر" کہتے ہیں "چھا جانے" کو۔ اس لیے ہر وہ شے جس کا کھانا یا پینا عقل و ہوش کو چھالے وہ خمر میں شامل ہے۔ (سیرت ۳، ۷۸)۔

...اق: (ڈپتھیریا "گلے کی بیماری)۔ اصلی معنی پھانسی کا پھندا۔ (لغات، ۵۸)۔

...ان: فارسی بواسطہ ترکی جس کے اصلی معنی دسترخوان کے ہیں۔ (لغات، ۵۸)۔

...گیر: گیر (لینے والا) لگا کر فارسی میں اسم مرکب بنائے جاتے ہیں۔ جیسے دلگیر، جہاں گیر، ہم نے اس سے لفظ بنا کر بہت سی چیزوں کے نام رکھ دیے جیسے خوگیر، "خو" کے معنی فارسی میں پسینہ کے ہیں۔ (نقوش، ۳۴۷)۔

...یانت: ایک کا جو حق دوسرے کے ذمہ واجب ہو اسکے ادا کرنے میں ایمانداری نہ برتنا خیانت اور بددیانتی ہے۔ (سیرت ۶، ۲۲۳)۔

...یر ...یرات: ...یریت: } خیر عربی کا لفظ ہے۔ اس کے معنی بھلے اور نیک کے ہیں۔ ہماری زبان میں یہ لفظ ایک تکیہ کلام کی صورت میں ہے اور اکثر ذرا وقفہ کے طور پر یہ بول دیا جاتا ہے۔ پھر ہم نے اس میں "ی" اور "ت" لگا کر اس کو "خیریت" بنا دیا اور اس کے معنی "اچھی خبر" کے ہو گئے۔ "تات"

کافر و منافق۔ اور اگر یہ سمجھا جائے کہ برے کام کو ترک کر کے اس نے کوئی اچھا کام پسند کیا ہے تو اس کا وہ مفہوم ہوگا جس میں اہل عرب اس کو بولتے ہیں یعنی دین دار اور خدا پرست۔ (ارض ملا، ۲۹، ۲۱۰)۔

خ

خاطر: عربی میں اس کے معنی "دل میں کھٹکنے والا" ہیں اور اردو میں "مہمان کی عزت کرنا"۔ (نقوش ۲۴۶)۔ اصل معنی "کل ما یخطر بالقلب من امر او تدبیر"، (لغات ۸۵)۔

خانم: اس کی اصل، ترکی لفظ "ہانم" ہے۔ (لغات، ۲۳۶)۔

خانہ: "خانہ" لگا کر ظرف اور مقام کے معنی کے لفظ بنائے گئے ہیں جن کی صورت تو فارسی کی ہے۔ مگر معنی اور استعمال سراسر ہندی ہیں، جیسے پاخانہ، غسل خانہ، باورچی خانہ، بنڈی خانہ (نقوش، ۲۴۷)۔

ختم: "ختم" کے لغوی معنی کسی چیز کو اس طرح بند کرنے کے ہیں کہ نہ اس کے اندر کی چیز باہر نکل سکے اور نہ باہر کی چیز اس کے اندر جا سکے۔ (دیکھو لسان العرب وصحاح جوہری و اساس البلاغۃ زمخشری) اسی سے اس کے دوسرے معنی "کسی شے کو بند کر کے اس پر مُہر کرنے" کے ہیں جو اس بات کی علامت ہے کہ اس کے اندر سے نہ کوئی چیز باہر نکلی ہے اور نہ کوئی چیز باہر اس کے اندر گئی ہے اور چونکہ یہ عمل مہر سب سے آخر میں کیا جاتا ہے اس کے معنی انتہا اور ختم کرنے کے بھی آتے ہیں یہ قرآن مجید میں تمام معنی مستعمل ہوئے ہیں۔ (یٰسین، بقرہ، جاثیہ اور مطففین کی آیات)۔ (سیرت ج۳، ۸۵۲)۔

خراب: عربی میں اس کے معنی "ویران" ہیں اور اردو میں "بُرا، مست"، (نقوش ۲۴۵)۔

خراد: یہ خاص عربی لفظ "خرط" ہے۔ عربی میں اس کے معنی لکڑی کے اس طرح چھیلنے کے ہیں کہ اس کی اوپری پرت اتر جائے۔ اس سے خرّاط بنا یعنی وہ آلہ جس سے لکڑی کو اس طرح چھیلا جائے۔ وہ خراط ہمارے ہاں خراد ہوا۔ (نقوش، ۲۲۱)۔

خرافات: کبھی کبھی دل بہلانے کو آپؐ کہانی بھی کہا کرتے تھے۔ ایک دفعہ اثنائے گفتگو میں خرافہ کا نام آیا (حضرت عائشہؓ سے) پوچھا کہ خرافہ کو جانتی ہو کون تھا؟ قبیلہ عذرہ کا ایک آدمی تھا۔ اس کو جن اٹھا کر لے گئے۔ وہاں اس نے جو بڑے بڑے عجائبات دیکھے تھے واپس آکر ان کو لوگوں سے بیان کیا تھا۔ اس بنا پر جب کوئی عجیب بات لوگ سنتے ہیں تو کہتے ہیں یہ تو خرافہ کی بات ہے۔ (شمائل ترمذی باب حدیث خرافہ و مسند احمد جلد ۶، ص ۱۵۷)۔ ہماری زبان میں اس کی جمع "خرافات" مستعمل ہے۔ (عائشہ، ۵۳)۔

سنگ" خرید و فروخت کی تول میں باٹ کے معنی میں بولا جاتا تھا (فیروز شاہی، ضیا برنی، ص ۳۱۹، نقوش ۹۳/۴۹)

دیکھیے "درم"۔

: عربی میں اس کے معنی "باریکی" ہیں اور اُردو میں "مشکل"۔ (نقوش، ۳۴۵)۔

اصل معنی "راہبر" (لغات، ۶۳)۔

: دیکھیے "دمڑی"۔

دنیا" کے لفظی معنی "قریب ترین" کے ہیں اور یہ صفت ہے۔ اس کا موصوف الحیاۃ (زندگی) یا الدار
) ہے۔ اس لیے "الدنیا" کا مفہوم "الحیاۃ الدنیا" (قریب ترین زندگی یعنی اس عالم کی موجودہ زندگی)
الدار الدنیا" قریب ترین گھر یعنی موجودہ عالم) ہے (سیرت، ۶۳۲)۔

: اس کی اصل ہندی لفظ "دُودھ" ہے۔ (نقوش، ۲۵۰)۔

: عربی لفظ ہے۔ معنی ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں جانا۔ عربی میں جب مختلف سلطنتیں یکے بعد دیگرے
اور ملکوں میں تو سلطنت کو دولت کا نام دیا گیا اور جمع دُوَل بنائی گئی۔ ان معنوں میں آج بھی دولت برطانیہ
دُوَل یورپ ہم بولتے ہیں۔ سلطنت اور بادشاہی خوش قسمتی سے ہاتھ آتی ہے۔ اس لیے ایرانی دولت
خوش قسمتی کے معنوں میں بولنے لگے جس کی یادگار فارسی کے بدولت ہماری ہندستانی میں بھی لفظ "بدولت"
لا جاتا ہے جیسے کہتے ہیں آپ کے بدولت یہ ملا اور پھر "بدولت" ذریعے کے معنی میں ہوگیا۔ خوش قسمتی کی
ی نشانی زر و مال ہے اس لیے یا اس لیے کہ یہ زر و مال ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں جاتا ہے
ں کو بھی دولت کہنے لگے اور اس سے دولت، دولت مند اور دولت مندی کے لفظ ہندستانی کو ہاتھ آئے۔ (نقوش، ۳۴۱)

وا: تغلقوں کی تاریخ میں یہ لفظ بولا گیا ہے۔ ابن بطوطہ نے سفر نامہ میں بعینہ یہی لفظ لکھا ہے۔
ص ۲، ۱۸۱) برنی نے فیروز شاہی میں اسی لفظ کا استعمال کیا ہے۔ (ص ۴۴۴، کلکتہ) ... ابن بطوطہ ...
لکھتا ہے کہ "دھاوا" کے معنی اہل ہند میں تہائی میل کے ہیں چونکہ یہ ہرکارے ہر تہائی میل پر مقرر ہوتے
تھے اس لیے اس کو "دھاوا" کہتے تھے اور استعمال سے راستے کے بجائے خود راستے والے پیادے
کو دھاوا کہنے لگے۔ لیکن غریب ناآشنائے زبان کو اس میں غلط فہمی ہوئی ہے۔ "دھاوا" کے معنی سنسکرت
میں دوڑنے کے ہیں۔ چوں کہ یہ دوڑ کر چلتے تھے اس لیے ان کی چال کو "دھاوا" کہنے لگے۔ پھر وہ دھاوا
ہوگئے اور تہائی میل پر جہاں ٹھہرتے تھے وہ دھاوا ہوگیا۔ دھاوے کے ان پیادوں کی چوکیاں ہر

لگا کر اس کی بے قاعدہ جمع "خیرات" بنا دی تو "صدقہ" کے معنی ہو گئے۔ (نقوش، ۳۳۶)۔

د

دار الصناعہ: جنگی جہازات جہاں بنتے تھے۔ ان کو عربی میں "دار الصناعۃ" کہتے تھے۔ یہی لفظ ہے جو اسپین کی راہ سے یوروپین زبانوں میں جا کر "ڈارسنا" اور "ارسنل" بن گیا ہے۔ DARSEEN (FRENCH) (د) ARSENAL (ENGLISH) (جہاز، ۱۸)۔

دام: اس لفظ کی تاریخ کے لیے آج سے دو ہزار برس پہلے ہم کو لوٹ کر جانا ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ یونان کے کشور کشا اور سوداگر پورے ایشیا پر چھا گئے تھے۔ مصر و شام و عراق سے ایران اور ہندستان تک کے ڈانڈے مل گئے تھے۔ ان ملکوں میں یونانی حکم اور یونانی سکے چلتے تھے اور اُن کے یونانی نام زبان پر تھے۔ یونانیوں کے چاندی کے سب سے کم قیمت سکّہ کا نام درخم (DRACHMA) تھا اس نے عربی میں "درہم" اور فارسی میں بیچ سے ایک حرف گرا کے "درم" کی صورت اختیار کی اور ہندستان میں ایک حرف اور گرا کر اور اس کی جگہ ایک لمبی آواز بڑھا کر "دام" ہو گیا۔۔۔ اکبر کے زمانہ میں دام چاندی کے سب سے چھوٹے سکّہ کے بجائے تانبے کے سکّہ کا نام تھا۔ (آئین اکبری، ص ۱۸۔ نولکشور) اس کو پہلے پیسہ کہتے تھے اور اب بھی کہتے ہیں۔ یہ روپیہ کا چالیسواں حصّہ تھا۔ پھر ایک دام کے ۲۵ حصّے کر کے ہر حصّہ کو "جیتل" کہتے تھے۔ اب اس کو "گنڈہ" کہتے ہیں۔ اکبر کے زمانہ میں بھی اس کا نام ملتا ہے (ص ۱۲)۔ اسی تقسیم سے ایک محاورہ پورب کی زبان میں اور چلا ہے۔ ہر گاؤں یا ہر زمیندار کی ملکیت ۱۶ آنے فرض کی جاتی اور یہ آنے پھر پائی اور دام پر بانٹے جاتے۔ ایک دام کا آدھا "ادھیلہ" اور ¼ "پاؤلہ" اور ⅛ "دمڑی" کہلاتا ہے۔۔۔ آئین اکبری کے مطابق ایک من تانبے میں ایک ہزار چوالیس دام ایسے تیار ہوتے تھے (نقوش ۹۲، ۹۱)۔

دان: فارسی میں "دان" لگا کر بھی ظروف بنتا ہے جیسے "خاکدان" یعنی زمین، ہندستانی اس سے اپنے بیسیوں لفظ بنائے جیسے پاندان، اگالدان، خاصدان، عطردان، گلدان، جزدان، چائے دان، دودھ دان، شکردان، روشن دان، نابدان، سندگارہ دان، شمع دان۔ تصغیر کے لیے "دان" کو ہم نے کبھی "دانی" بھی کر دیا جیسے سرمہ دانی، گوندانی، مچھردانی، تیلے دانی (سوئی تاگا رکھنے کے لیے) (نقوش، ۳۴۷)۔

درم: یونانیوں کے چاندی کے سب سے کم قیمت سکّہ کا نام درخم (DRACHMA) تھا۔ اس نے عربی میں "درہم" اور فارسی میں بیچ سے ایک حرف گرا کے "درم" کی صورت اختیار کر لی۔۔۔ تغلقوں کے زمانہ میں۔

کپڑا خراب نہ ہو۔ اب اس لیمپ کو کہتے ہیں جو دیوار میں لٹکایا جائے۔ (نقوش ۳۴۴)۔

ڈ

: فرشتہ نے جہانگیر کے زمانہ میں اپنی کتاب لکھی تو... ڈاک چوکی کا لفظ پیدا ہو چکا تھا۔..
لطان علاء الدین کے حال میں لکھتا ہے :

از دہلی تا آنجا ڈاک چوکی کہ بزمانِ سلف یام می گفتند می نشاند"

۔ ڈاک کا لفظ جہانگیر کے عہد میں یا اس سے کچھ پہلے سے بولا جانے لگا... میرا خیال ہے کہ اس کے
عنی منزل کے ہوں گے چوں کہ یہ منزل بمنزل جاتے تھے۔ اس لیے اس کو ڈاک کہنے لگے اور اس کے
پڑاؤ کو ڈاک چوکی۔ چوکی بمعنی پہرہ جس کی ایک یادگار چوکیدار ہمارے پاس موجود ہے۔ اسی لیے
گریزوں نے اسی اصول پر بنگال سے الہ آباد تک اپنے منزل بمنزل سفروں کے لیے جو مختصر
یام گاہیں بنائیں ان کو ڈاک بنگلہ کہا اور اب بھی وہ یہی کہے جاتے ہیں۔ اور اگر لغت
ڑھنے کا الزام نہ قائم کیا جائے تو جی چاہتا ہے کہ یہ کہوں کہ ہندستان و افغانستان کے سر پر ڈکہ اور
بنگال کی حد پر ڈھاکہ اور دوسری طرف موتی ہاری میں نیپال کے پاس دوسرا ڈھاکہ اسی منزل گاہ کے
باقی نشان ہیں۔ بہر حال منزل نے راستے کی اور راستے نے خط و لفافہ اور اشیائے ڈاک کی صورت
ختیار کی اور اب وہ ریل گاڑی جو بہت کم منزل کرتی ہے مگر ڈاک لے کر چلتی ہے ڈاک گاڑی کہلاتی ہے۔
ڈاک کے پچھلے معنی کی یادگار ڈاک بٹھانا، ڈاک لگانا یعنی جلدی جلدی منزل بمنزل یا ہاتھوں ہاتھ چیزوں
کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا رہ گیا ہے۔ ع فیضِ ساقی نے مرے ڈاک لگا رکھی ہے (راسخ)

روح ہے ہر جسم میں مشتاق اخبار اجل — اس لیے یہ آمد و رفتِ نفس کی ڈاک ہے (ناسخ)

اسی سے ڈاک بولنا بھی ایک محاورہ ہے یعنی نیلام میں منزل بمنزل کسی چیز کی قیمت بڑھانا۔

کچھ دن ہوئے ایک قلمی ہندستانی فارسی لغت برادرم پروفیسر سید نجیب اشرف ندوی (اسماعیل
کالج بمبئی) کے پاس نظر سے گذرا۔ یہ لغت کسی ایرانی یا پارسی نے لکھا ہے۔ تالیف کا سن نہیں معلوم۔
اس میں ایک لفظ "ڈانکیہ" دیکھا جس کے معنی "نقیب" کے لکھے ہیں۔ نقیب شاہی درباروں میں درباریوں
کو باادب رہنے کے لیے زور سے آواز لگایا کرتے تھے۔ ڈانکنا کے معنی زور سے آواز لگانے کے ہیں۔
اس سے دوسرا خیال یہ ہوتا ہے کہ "ڈاک" کی اصل "ڈانک" اور "ڈاکیہ" کی "ڈانکیہ" ہے۔ چونکہ ڈاک کا

تہائی میل پر دلّی سے لے کر دولت آباد تک بنی ہوئی تھیں۔ پیادہ گھنگرو دار لاٹھی کو کندھے پر رکھ کر
سے دوڑتا ہوا اگلے دھاوے پر پہنچتا تھا۔ وہاں دوسرا پیادہ گھنگرو کی آواز سن کر تیار رہتا تھا وہ
اس سے ڈاک لے کر آگے کے دھاوے کو دوڑتا تھا۔ اس طرح سندھ سے دلّی پانچ دن میں ڈاک پہنچ
تھی (ابن بطوطہ)۔ اس دھاوے کی یادگار ہماری زبان میں دھاوا کرنا 'دھاوے پر چڑھنا' دھاوا بول
دینا اور دھاوا مارنا آج بھی موجود ہے ... مگر معلوم ہوتا ہے کہ آل تیمور نے جب ہندستان پر دھاوا کر
تو یہ لفظ یہاں سے مٹ چکا تھا۔ چنانچہ اکبر کے زمانہ میں جب بدایونی نے اس لفظ کا استعمال کیا تو
کو اس کے ترجمہ کی ضرورت ہوئی۔ سلطان محمد تغلق کے حال میں کہتا ہے:

" در ۷۲۷ھ سلطان محمد تغلق عزیمت دیوگر کردہ از دہلی تا آنجا بر سر کروہے دھاوا
یعنی پایکان خبردار نشاندہ "

فرشتہ نے جہانگیر کے زمانہ میں اپنی کتاب لکھی تو " دھادہ " کا لفظ مٹ کر ڈاک چوکی کا لفظ پید
ہو چکا تھا (نقوش، ۲۹۹ / ۳۰۰)۔

دہشت: عربی میں اس کے معنی 'تعجب' حیرانی " ہیں اور اُردو میں 'خوف'۔ (نقوش، ۲۴۶)۔

دہی: اس کی اصل ہندی لفظ " دوہے " ہے۔ (نقوش، ۲۵۷)۔

دیدبان: خالص فارسی ہے اور عرب جہازرانوں میں عام طور پر مستعمل ہے۔ جہاز کے بلند ستون پر ایک
چھوٹا سا صندوق بنا رہتا تھا۔ اس پر ایک آدمی بیٹھ کر جہاز کا سامنا دیکھا رہتا تھا کہ سامنے سے
کوئی دوسرا جہاز یا طوفان یا پہاڑ یا کوئی اور آفت تو نہیں آرہی ہے۔ اس کو "دیدبان" کہتے تھے (جہاز، ۹۸)۔

دلیس: اس کی اصل ہندی لفظ " دیش " ہے۔ (نقوش، ۲۵۶)۔

دینار: طلائی سکہ کے لیے سب سے پرانا نام " دینار " ہے اور یہ بھی یونانی ہے۔ جرجی زیدان نے اس کو لاطینی
لکھا ہے (تاریخ تمدن اسلامی ص ۱۱۹ ج ۱) مگر چونکہ عربوں میں یہ سکہ جاری تھا اس لیے انھوں نے عبدالملک
کے زمانہ میں ۷۴ھ یا ۷۵ھ میں (مقدمہ ابن خلدون ص ۲۱۸) جب اپنا سکہ ڈھالا تو اس کا نام دینار
ہی رہنے دیا۔ جب ان کے قدم ہندستان پہنچے تو ان کا دینار بھی ان کے ساتھ آیا۔ (نقوش، ۲۹۲ -
۲۹۳)۔ اس کی اصل لاطینی لفظ " ڈیناریوس " ہے۔ (لغات، ۲۲۷)۔

دیوارگیر: پہلے اس کپڑے کو کہتے تھے جو دیوار پر آرائش کے لیے لگاتے تھے تاکہ دیوار سے پیٹھ ٹیکنے

ی کی تصنیف ہو۔ مصنف کا نام اور زمانہ نہیں دیا ہے۔ رسالہ کا نام "لسانِ فارسیات" لکھا ہے۔
یف کا مقام گجرات ہے۔ اس میں پیشہ وروں کا باب دیکھ رہا تھا کہ لفظ "راجگر" پر نظر پڑی جس
معنی اس کے "کریا" یعنی کرنے والے کے لکھے تھے۔۔۔ معلوم ہوا کہ صحیح لفظ "راجگر" ہے۔۔۔
ف رشیدی عبدالرشید ٹھٹھوی میں یہ عبارت نکلی!
راز" معمار و سردارن گلکاران بہ ہندی راج گویند لیکن بدیں معنی عربی است، عسجدی گوید:

به یکے تیر ہدفاش کند سر حصار — در بر و کردہ بود قیر گل کار راز

"برہانِ قاطع" میں دیکھا تو یہ لکھا پایا:
دبنا و گل کار را نیز گویند و بعربی طیان خوانند و بعضے گفتہ اند راز در عربی کلانتر و بزرگِ بنایان باشد"
جس معنی میں ہم "مستری" کا لفظ بولتے ہیں۔ (النقوش ۳۱۹-۳۲۰)۔

: اعظم گڑھ کے نومسلم خاندانوں میں۔۔۔ دو قومیں پیدا ہوئیں۔ ایک وہ لوگ جو اپنی اصل و نسل میں
ل خالص رہے ان میں قابل ذکر اعظم گڑھ کے راجاؤں اور سر ہاری متصل اعظم گڑھ کے بابوؤں
خاندان ہیں۔۔۔ دوسری قوم وہ ہے جو مغلوں، پٹھانوں، شیوخ اور دوسرے خاندانوں میں شادی
کرنے لگی۔ ان کو عرفِ عام میں عام طور سے "روتارہ" کہتے ہیں جو حقیقت میں اصلی ہندی لفظ
وت" کی خرابی ہے۔ "راوت" کا لفظ پہلے راجپوتوں کے لیے بولا جاتا تھا اور اب بھی کہیں کہیں
جاتا ہے۔ امیر خسرو دہلوی "قرآن السعدین" میں کہتے ہیں ع "راوت زدمیں زن و خارہ شگاف" (ص ۳۔ علیگڑھ)
ی میں "راوت" سوار سپاہی کو کہتے ہیں اور وہ بہت سے خاندانوں کا سرنام ہے۔ (شبلی ۱۵)۔

: "رباعی" عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی "چار والے" کے ہیں۔ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ چونکہ
چار مصرعوں سے مرکب ہوتا ہے اس لیے اس کو رباعی کہتے ہیں۔ لیکن محمد بن قیس رازی نے
سعدی کے معاصر ہیں "معجم فی معائر اشعار العجم" (ص ۹۰) میں یہ لکھا ہے کہ اہل عرب اس کو رباعی اس
کہتے ہیں کہ بحر ہزج جس میں رباعی کہی جاتی ہے چار اجزا سے مرکب ہوتا ہے اور اس لیے اس کا
مصرعہ عربی میں دو دو جز کا ایک شعر ہو جاتا ہے۔ اس طرح چار مصرعوں میں چار شعر ہو جاتے
ں۔ لیکن دولت شاہ کا بیان اس وجہ تسمیہ کی نسبت وہی ہے جو عام خیال ہے یعنی یہ کہ "تا فضلاً
لفظ دوبیتی را نکو ندیدند گفتند کہ ایں چہار مصرع است رباعی می شاید گفتن"۔

چوبدار آواز دیتا ہوا چلتا تھا اس لیے اس کو "ڈانکیہ" اور اس کے کام کو "ڈانک" کہا گیا اور "ڈانک" نے
ڈاک کی صورت بدل کر منزل بمنزل رفتار کے معنی اختیار کر لیے۔ (النقوش ۳۰۰ تا ۳۰۲)۔
ڈاک کے لیے ہندستان میں پہلے مسلمانوں کے ساتھ "برید" کا لفظ آیا۔ پھر ترکی لفظ "ادلاغ" چ
(برنی ص ۲۴۴ کلکتہ) مگر فوراً ہی اس کی جگہ ایک ہندستانی لفظ نے رواج پایا اور وہ لفظ "ڈھا
ہے چنانچہ مغلوں کی تاریخ میں یہ لفظ بولا گیا ہے... دکن میں مدراس سے لے کر پوناتک اس کے لیے
ٹپہ، ٹپال اور ٹپہ خانہ بولا جاتا ہے۔ ریاست حیدرآباد کا سرکاری لفظ یہی ہے۔ (النقوش ۲۹۹ تا ۳۰۱)۔

ڈرام: عربی طب میں دواؤں کا وزن "درہم" اور فارسی طب میں "درم" سے بتایا جاتا تھا۔ اسی لفظ
نے جب فرنگستان کی ٹوپی پہنی تو "ڈرام" ہوگیا۔ (النقوش ۲۹۰)۔

دمڑی: ایک دام کا ... ⅛ دمڑی ہے اور یہ ... لفظ "دام" کی تصغیر یا تحقیر ہے۔ (النقوش ۲۹۱)۔

ڈونگی: عربوں کے ہندستانی سواحل پر دریائی آمد و رفت کا اثر ہوا کہ عربی سفرناموں اور جغرافیوں
میں اور عرب اور فارسی ملاحوں کی زبانوں پر جہاز اور متعلقات جہاز کے ہندی نام زبانوں پر چڑھ
گئے۔ ان میں سے ایک... لفظ "دونیج" ہے جس کی جمع "دوانیج" آتی ہے۔ (یاقوت حموی کی
معجم البلدان لفظ قیس ج ۷، عجائب الہند بزرگ ص ۶۹ مطبع بریل لیڈن) یہ ہندی "ڈونگی"
کی عربی شکل ہے۔ (تعلقات ۶۳)۔

ڈھاکہ: دیکھیے "ڈاک"۔

ذ

ذرا: کیا یہ عربی کا "ذرہ" نہیں جس کو آپ "ذرۂ بے مقدار" کی صورت میں اچھی طرح پہچانتے ہیں۔ مگر
استعمال کی کثرت سے مخفف ہو کر "ذرا" کے بہت ہی تھوڑے کے معنی ہوگئے۔ (النقوش ۳۲۴)

ذیابیطس: اس کی اصل یونانی لفظ "ڈیابیٹیس" ہے۔ (لغات ۲۴۱)۔

راج: ایک دفعہ میں عربی کا مشہور لغت "تاج العروس" دیکھ رہا تھا کہ لفظ "راز" پر نظر پڑی۔ اس کے
معنی اس میں استاد اور ماہر کے لکھے تھے۔ دفعۃً میرا دھیان اپنے ہندی راج اور راجگیر (معمار) کی طرف
گیا... پروفیسر نجیب اشرف ندوی سے پٹنہ میں "نصاب الصبیان" کی طرح کا ایک قلمی رسالہ فار
عربی ہندی کا ملا جس میں فارسی اور عربی الفاظ کے مقابل ہندی الفاظ جمع کیے گئے ہیں اور شاید کسی

ولت شاہ کا اعتبار کیا جائے تو ابودلف عجلی اور ابن الکعب نے جو یعقوب صفار المتوفی ۲۹۷ھ کے
اری شاعر تھے، سب سے پہلے رباعی موزوں کی۔ اگر قیس رازی کی "معجم فی معائر اشعار العجم" کی روایت
اظ کیا جائے تو اس کے گمان میں سب سے پہلے جس نے رباعی کہی وہ رودکی المتوفی ۳۰۴ھ ہے (مقالات ص ۱۸۱ تا ۲۸۴)۔

"ریپورٹ" انگریزی لفظ ہے۔ تھانے والوں کی زبان میں یہ "رپٹ" ہو گیا اور اس کے خاص معنی
لئے یہاں تک کہ لسان العصر اکبر نے کہا:

رپٹ لکھوائی ہے یاروں نے جا جا کر یہ تھانے میں ؛ کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں
(نقوش، ۹۷ و ۹۸)۔

دیکھیے "رحیم"

خدا کے لیے رحمٰن کا لفظ اسلام سے پہلے عام طور پر عربوں میں مستعمل نہ تھا۔ اصل میں یہ عبرانی لفظ ہے،
رف یہود و نصاریٰ اور بعض دیگر ارباب مذہب اس کو بولتے تھے۔ چنانچہ یمن کے آخری کتبات
ں رحمٰن ہی کا نام ملتا ہے۔ سدِ عرم کے عیسائی کتبہ کا آغاز "بنعمۃ الرحمٰن الرحیم" سے ہوتا ہے۔
ی لیے اسلام نے جب ابتداءً رحمٰن کا نام لیا تو قریش کو اچنبھا ہوا کہ یہ کون نیا نام ہے۔ (سیرت ابن ہشام)
لح حدیبیہ میں جب حضرت علیؓ نے عہد نامہ کی پیشانی پر "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" لکھا تو قریش نے ماننے سے
کار کیا کہ ہم رحمٰن کو نہیں جانتے (صحیح بخاری)۔ (ارض ص ۲، ۳۴۲)۔ اللہ کے بعد یہ دوسرا لفظ ہے جس کو عَلَم
حیثیت حاصل ہے۔ اس کے معنی رحم والے کے ہیں۔ ... رحمٰن کا لفظ اسلام سے پہلے صرف عیسائی
بوں میں مستعمل تھا۔ عام اہل عرب میں اللہ کا لفظ مستعمل تھا۔ قرآن مجید کے ہر سورہ کے شروع میں
ور مقامات میں اللہ کو الرحمٰن کہہ کر سینکڑوں جگہ استعمال کیا ہے۔ بظاہر تو یہ وصف موصوف کی
مولی ترکیب ہے مگر درحقیقت یہ بدل و مبدل منہٗ ہیں اور اس سے اس رمز کی طرف اشارہ ہے کہ
م عربوں کا اللہ اور عرب عیسائیوں کا رحمٰن دو اجنبی ذاتیں اور دو بیگانہ ہستیاں نہیں بلکہ ایک ہی
قیقت کی دو تعبیریں اور ایک ہی ہستی کے دو نام ہیں۔ (سیرت ص ۴، ۵۰۶)۔

"رحم کرنے والا"۔ "رحم" کا لفظ اس "رِحَم" سے نکلا ہے جس سے بچہ کی پیدائش ہوتی ہے۔ اس لیے لغت
ے لحاظ سے اس لفظ میں بھی مربیانہ محبت کا جذبہ نمایاں ہے۔ (سیرت ص ۴، ۵۰۶)۔

اصل "رتھ" تھا۔ "رُخ" ہندستان کی ایک سواری ہے جو شطرنج کا ایک مہرہ ہے۔ (لغات، ۲۲۲)۔

"رزم" کے معنی جمع کرنے اور باندھنے کے ہیں۔ (لغات، ۶۸)۔

رباعی کا ابتدائی نام دوبیتی ہے کہ یہ دو ہم قافیوں سے مرکب ہوتی ہے اور عجیب بات ہے کہ عربی میں اس کو آج تک دوبیتی ہی کہتے ہیں اور رباعی جو عربی نام تھا اس نے زبانِ عجم میں فروغ پایا۔

صاحب معجم نے ذرہ ذرہ سے فرق سے اس کے حسب ذیل نام بتائے ہیں:

قول: "ہرچہ ازاں جنس بر ابیات تازی (عربی) سازند آں را قول خوانند"

غزل: "وہرچہ بر مقطعاتِ فارسی باشد آں را غزل خوانند"

ترانہ: اہل دانش ملحونات ایں وزن را ترانہ نام کردند"۔

دوبیتی: "شعر مجرد آں را دوبیتی خوانند از برائے آنکہ بنا آں ہر دو بیت بیش نیست"۔

رُباعی: "ومستند بہ آں را رباعی خوانند از بہر آنکہ بحر ہزج در اشعار عرب مربع الاجزا آمدہ است۔ پس ہر بیت ازیں وزن دو بیت عربی باشد"

محمد بن قیس رازی کی تصریح کے مطابق اس کا پہلا نام "ترانہ" رکھا گیا (معجم فی معائر اشعار العجم ص ۹۰ گب) اور دوسرے نام بعد کو رکھے گئے۔ لیکن دولت شاہ کا بیان ہے کہ پہلے اس کا نام "دوبیتی" رکھا گیا (تذکرہ دولت شاہ ص ۳۰ گب) پھر رباعی، دوبیت یا دوبیتی کا لفظ تو عربی میں ہمیشہ کے لیے رہ گیا (ابن خلکان)۔ مگر فارسی میں چھٹی صدی تک اس لفظ کا استعمال رباعی کی جگہ نمایاں نظر آتا ہے۔ محمد بن علی راوندی نے "راحۃ الصدور" ۵۹۹ ھ میں ہر جگہ "دوبیتی" لکھا ہے۔ انوری نے سلطان سنجر کی مدح میں جو رباعیاں لکھی ہیں ان کو بھی دوبیتی کہا ہے۔ (راحۃ الصدور ص ۲۰۲ گب) لیکن یہ صحیح نہیں ہے کہ قدما عربی میں رباعی کو صرف دوبیتی کہتے تھے۔ رباعی نہیں کہتے تھے۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ رباعی بھی کہتے تھے۔ چنانچہ "نشوار المحاضرہ" میں جو چوتھی صدی کے وسط کی مستند عربی تصنیف ہے۔ رباعیات کا لفظ موجود ہے۔۔۔ باخرزی المتوفی ۴۶۸ ھ نے بھی "خریدۃ القصر" میں رباعیات کا لفظ استعمال کیا ہے (ص ۱۷۴)۔۔ صورتِ واقعہ کچھ بھی ہو اور وہ شاعر کوئی بھی رہا ہو۔۔۔ تیسری صدی ہجری کے اواخر میں رباعی کی صنف پیدا ہوئی۔ رباعی "موصوفیہ بلکہ شعرا کے ضمن میں تذکروں میں سب سے پہلا نام حضرت بایزید بسطامی المتوفی ۲۴۳ ھ کا ملتا ہے۔ چنانچہ "مجمع الفصحا" میں تین رباعیاں ان کے نام سے ہیں۔ لیکن زبان کی صفائی اور رباعی کا وزن جو تیسری صدی کے خاتمہ تک غیر معروف تھا اس نسبت کی صحت میں شک پیدا کرتا ہے۔ اور اس شک کی تائید والہ داغستانی کے بیان سے ہوتی ہے۔۔۔ رباعی گو شعرا میں

۔ عربی میں حساب اور ریاضیات کی کتابوں کے ترجمے ہوئے تو عدد کے نشان کے لیے "رقم"
ند کیا گیا اور اس پسندیدگی کی وجہ شاید یہ ہے کہ "رقم" اور "قلم" ایک قافیہ کے لفظ ہیں اور
یا اسکرپٹ کے معنی میں استعمال ہو چکا تھا۔ اسی لیے اسی کے وزن کا لفظ "رقم" اعداد کے
سب معلوم ہوا۔ یہ جمع کے ساتھ اقلام اور ارقام بولے جاتے تھے۔ بیرونی نے "کتاب الہند"
اور ارقام استعمال کیا ہے (ص ۸) اسی سے اعداد کے علامات خصوصاً روپیے کے اعداد کے
کے لیے جو خاص ہندستان کی چیز ہے "ارقام ہندیہ" مستعمل ہوا اور جب حساب کی اصطلاح میں
ور رقم کا لفظ آ گیا تو نقد روپیے کے لیے اس کا استعمال پا جانا کتنی بڑی بات تھی۔ (نقوش ۳۰۸)۔

دیکھیے "رکابی"۔

رکاب" فارسی میں ہشت پہل پیالہ کو کہتے ہیں۔ اسی سے "رکابی" بنی اور اب وہ پھیلے ہوئے
ظرف کو کہتے ہیں اور اسی سے ہندستانی امرا کے لیے "رکابدار" پیدا ہوئے جو کھانے کا انتظام کرتے
عمدہ عمدہ کھانے تیار کرتے تھے۔ (نقوش ۳۱۶)[1]

س کی اصل ہندی لفظ "رکھشا" ہے۔ (نقوش ۲۵۶)۔

روپیہ کا لفظ اور سکہ شیر شاہ کا چلایا ہوا ہے۔ (آئین اکبری ص ۱۸) اور عجب نہیں ہے کہ "روپا" سے
۔ (نقوش ۲۹۴) خلجی کے زمانہ میں ۔ ۔ ۔ روپیہ کو تنکہ نقرہ کہتے تھے اور تنکہ نقرہ ایک تولہ چاندی
تا تھا۔ (فرشتہ ص ۱۱۴)۔ نقوش ۲۹۳)۔

: یہ لفظ "رافت" سے نکلا ہے۔ "رافت" کے معنی اس محبت اور تعلق خاطر کے ہیں جو باپ کو اپنی اولاد سے ہوتا ہے۔ (سیرۃ ۵۴۴)

: یہ پشتو لفظ ہے جس کے معنی "پہاڑی" کے ہیں۔ (مقالات ۲۰۸)۔

ریا" کے لغوی معنی دکھاوا اور نمائش کے ہیں۔ (سیرت ۷۹)۔

عربی میں روض کے دو معنی ہیں؛ زمین کی سرسبزی و شادابی۔ اس نے باغ و بہار کا مفہوم پیدا
ت کیا اور ریاضِ جنت کے پھول کھلائے۔ دوسرا مفہوم سواری کے جانوروں اور خصوصاً
وڑے سدھانے، سکھانے اور پھیرنے کا ہے۔ عربی میں فعالۃ کا وزن پیشہ، فن، اور صنعت کے کام
تا ہے۔ اس سے "ریاضۃ" بن کر گھوڑا پھیرنے کا فن یا پیشہ پیدا ہوا۔ گھوڑے کو پھیر کر سیدھا اور

---

[1] عبدالستار صدیقی: "رکابی اس سفر دم میں بھی جو ہندستان میں معروف ہے۔ فارسی میں موجود ہے۔" (معارف۔ ستمبر ۱۹۳۹ء ص ۱۷۱)۔

رسم: "رسم" کے اصلی معنی نشان اور آئین کے ہیں۔ (لغات ۶۸)۔

رسم خط: ابوریحان بیرونی نے جو سلطان محمود غزنوی کا معاصر تھا اور جس نے ہندستان میں سالہا سال رہ کر یہاں کے علوم و فنون اور زبانوں کو سیکھا تھا۔ ایک موقع پر ہندستان کے رسم خطوں کے سلسلہ میں لکھا ہے:

"ہندی خط بائیں طرف سے چلتا ہے۔ ان کے مشہور رسم کا نام سدھ ماترک ہے جو کشمیر کی طرف منسوب ہے اور یہی بنارس میں جاری ہے اور یہی مدھ دیس یعنی صوبہ متوسط میں جو قنوج کے اطراف کا ہے جس کو آریاورت کہتے ہیں چلتا ہے۔ مالوہ کے حدود میں ایک خط جاری ہے جس کو ناگر کہتے اور اس کے بعد اردناگری خط ہے یعنی آدھا ناگر کیونکہ یہ ناگرا اور دوسرے خطوں سے ملا جلا ہے اور یہ بھاتیہ اور کچھ سندھ میں مروج ہے۔ اس کے بعد ملواری خط ہے۔ جو ملوشا یعنی جنوبی سندھ میں رائج ہے اور کنڑی کرناٹک میں اور انتری (آندھری) انتر (آندھر) میں اور درواڑی دراوڑ دیش میں اور لاری لار دیش (گجرات وکاٹھیاواڑ) میں اور گوڑی (بنگالی) پورب دیش میں اور بیکشک اور دنپور میں اور یہ بودھوں کا خط ہے"۔ (ص ۸)۔ نقوش ۲۲، ۲۳)۔

رسول: لفظی معنی پیغامبر اور قاصد کے ہیں۔ (سیرت ۴، ۱۹۴)۔

رشوت: کسی کے مال سے ناجائز طریقہ سے فائدہ اٹھانے کی ایک عام صورت رشوت ہے۔ رشوت کے معنی یہ ہیں کہ کوئی اپنی باطل غرض اور ناحق مطالبہ کے پورا کرنے کے لیے کسی ذی اختیار یا کارپرداز شخص کو کچھ دے کہ اپنے موافق کرے (مجمع البحار، علامہ فتنی) (سیرت ۶، ۱۷۰)۔

رفیق: رفق و لطف کے معنی یہ ہیں کہ معاملات میں سختی اور سخت گیری کے بجائے نرمی اور سہولت اختیار کی جائے۔ جو بات کی جائے نرمی سے، جو سمجھایا جائے وہ سہولت سے اور جو مطالبہ کیا جائے وہ میٹھے طریقہ سے کہ دلوں کو موہ لے اور پتھر کو بھی موم کر دے ... حدیثوں میں اس کا (اللہ کا) نام رفیق آیا ہے۔ (صحیح مسلم کتاب البر والصلہ باب فضل الرفق۔ ۱۲)۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنے ہر قسم کے بندوں کے ساتھ ان کی خبر گیری اور رزق کا سامان پہنچانے میں رفق و لطف فرماتا ہے۔ (سیرت ۶، ۵۰۹، ۵۱۰)۔

رقم: آج ہم "رقم" روپیے کی ایک مقدار کو کہتے ہیں۔ "رقم" کا لفظ یقیناً عربی ہے مگر اس معنی میں نہ عربی میں مستعمل ہے نہ فارسی میں بلکہ یہ خالص ہندستانی ہے۔ "رقم" کے معنی عربی میں نشان بنانے کے اور کپڑے کی دھاری کے ہیں۔ حدیث میں ہے: الا رقما فی ثوب۔ اس سے لکھنے کے معنی ہوئے جیسے

زمیندار اور زمینداری بھی لفظوں میں فارسی ہیں اور معنی میں سراسر ہندی۔ (نقوش، ۳۴۸)۔

(سونٹھ یا ادرک) اس کی اصل سنسکرت لفظ "زرنجابیرا" ہے۔ (تعلقات ۶۹) یہ قرآن پاک میں
تعریف میں استعمال ہونے والے تین ہندستانی الفاظ میں سے ایک ہے۔ (دوسرے الفاظ "مسک"
فور" ہیں)۔ (تعلقات، ۷۲)۔

ابوعلی محسن تنوخی المتوفی ۳۸۴ھ نے اپنی کتاب "نشوار المحاضرہ" میں ... "زورق" کا بھی ذکر
۔ (ص ۳۶، طبع مارگولیتھ)، جو چھوٹی سی تفریحی کشتی ہوتی تھی۔ (حجاز ۲) اس کی اصل فارسی لفظ "زورقہ" ہے (حجاز ۳)

س

شہر سامرہ جس کی عربی اصل "سرّ من رائے" (جو اس کو دیکھے وہ خوش ہو) ہے۔ یہ شہر معتصم عباسی
۲۲۳ھ) بسایا تھا۔ (مقالات ۱ ۴۲۲)۔

: معماروں کے ایک ضروری آلہ کا نام ہماری زبان میں "ساہول" ہے۔ لمبے تاگے میں ایک وزنی لوہا
دھات گول سی بندھی ہوتی ہے۔ اس کو نیچے لٹکا کر اونچائی سے دیوار کی سیدھ دیکھتے ہیں۔ خوارزمی
مفاتیح العلوم" میں ایک آلہ کا نام "شاقول" لکھا ہے اور اس کی تشریح یہ کی ہے ... "وہ ایک بوجھل چیز جو
کنارے باندھ کر نیچے لٹکائیں اس کی ضرورت بڑھیوں اور معماروں کو ہوتی ہے" (لیڈن ص ۲۵۵)۔
اس تشریح سے یہ تو معلوم ہو گیا کہ ہندی "ساہول" کی عربی صورت "شاقول" ہے۔ عربی میں "شقل" کے
وزن" کے لکھے ہیں۔ مگر کہیں ایسا نہ ہو کہ "شاقول" ش سے نہیں "ثاقول" ث سے ہو۔ یعنی ثقل اور
معنی۔ مگر ہیئت کی کتابوں میں بھی "شاقول" ہی دیکھا گیا ہے۔ کیا وہاں بھی تصحیف ہوئی ہے؟ (نقوش ۳۲۲)۔

مانگنے والے کو کہتے ہیں۔ لیکن عام شہرت کی بنا پر سائل کے معنی صرف "بھیک منگے" کے لینا ٹھیک
ہے بلکہ اس سے ہر وہ ضرورت مند مراد ہو سکتا ہے جو تم سے کسی چیز کا خواستگار ہو۔ (سیرت ۶ ۱۰۱-۳۰۲)۔

: اس کا اصل مادہ "سوس" ہے ... "سوس" کے اصل معنی نگرانی و انتظام کے ہیں۔ اسی مناسبت سے
ہے کو بھی "سوس" ابتداً کہتے ہوں گے جس سے منتقل ہو کر گلہ بانی سے جہاں بانی کے لیے عربی میں یہ
مستعمل ہوا ... گلہ بانی و چوپانی کا اثر صرف ایک لفظ میں ہمارے یہاں باقی ہے یعنی "سئیس" خادم اسپ
نہیں کہ عربی میں یہیں سے لفظ "صوص" گھوڑے کے لیے مستعمل ہوا ہو۔ (ارض ۱ ۱۴۹)۔ ہماری زبان
سائیس اور سئیس کا لفظ اسی "سیاست" سے بنا ہے۔ اس کی اصل "سائس" ہے۔ مگر پیسے اور نوکری

شائستہ بنانے سے صوفیہ نے نفس کو رام کر کے شائستہ بنایا اور "ریاضتِ روحانی" اس کا نام رکھا۔
گوشت پوست اور جوڑ بند کے حسن کے شائقوں نے جسمانی مشق و ورزش کو "ریاضت جسمانی" کہا۔
جاہل اہل پیشہ نے کہا کہ ہم کو بھی اپنے کاموں میں محنت کم نہیں پڑتی۔ انھوں نے بھی اپنی صنعت کا
اور دیدہ ریزی کا نام "ریاض" رکھا۔ لیکن اس معنی میں یہ خالص ہندستانی ہے۔ (النقوش ۳۱۰)۔

ریاضیات : (اس کی اصل کے لیے دیکھیے "ریاض"، "ریاضت")۔ ریاضت بن کر گھوڑا پھیرنے کا
یا پیشہ پیدا ہوا۔ گھوڑے کو پھیر کر سیدھا اور شائستہ بنانے سے صوفیہ نے نفس کو رام کر کے شائستہ
اور "ریاضت روحانی" اس کا نام رکھا... اہل علم کیوں چپ رہتے انھوں نے حساب و ہندسہ وغیرہ
مشقی علوم کو "ریاضیات" کا خطاب دیا... اصلیت یہ ہے کہ ہندیوں کی طرح یونانیوں میں بھی
کی تعلیم کا آغاز ریاضیات سے ہوتا تھا۔ اسی لیے جب شروع شروع میں عربی میں یونانی علوم آئے
ریاضیات کا نام تعلیمات پڑا کیوں کہ تعلیم کا آغاز اسی سے ہوتا ہے... لیکن تعلیمات کی جگہ بہت
اس سے بہتر لفظ "ریاضیات" نے لے لی۔ (نقوش ۳۱۰)۔

ز

زاویہ : اصلی معنی "گوشہ" (لغات ۲۷)۔

زبور : عبرانی ہے یا حبشی الاصل ہے۔ اصل لفظ مزمور یا زمور ہے۔ عربی زبان میں "زمور" کی میم ب
سے بدل گئی ہے۔ "زمور" گیت کو کہتے ہیں۔ "زبور" جن کو "مزامیر داؤد" کہتے ہیں چونکہ وہ حضرت داؤد کی
مناجاتوں کا مجموعہ ہے اس بنا پر اس کا نام "زبور" رکھا گیا۔ (مقالات ۳ ، ۴۲)۔

زخمہ : آہستہ آہستہ ٹھوکر یا ضرب جیسے ستار یا ہارمونیم پر بجانے والے کی ضربات۔ "زخم" سے ماخوذ ہے جس کے اصل معنی ڈھکیلنا ہیں (لغات ۴۲)

زعیم : (DEMAGOGUE) کے لیے ایک لفظ مشکل سے ملے گا... ایک لفظ "زعیم" ہے۔ یہ کسی قدر اردو
میں معروف بھی ہے۔ اسی کو اس معنی میں استعمال کرنا چاہیے... اس کے لغوی معنی یہ ہیں:
"سردار جماعت و سخن گو بن۔ از طرف ایشاں"۔ (مکتوبات ۲۹)۔

زکوٰۃ : زکوٰۃ کے لغوی معنی "پاکی" اور "صفائی" کے ہیں۔ یعنی گناہ اور دوسری روحانی، قلبی اور اخلاقی
برائیوں سے پاک و صاف ہونا، قرآن پاک میں یہ لفظ اسی معنی میں بار بار آیا ہے:
قد افلح من تزکّیٰ (اعلیٰ-۱) مراد پا یا وہ جو پاک صاف ہوا۔ (سیرت ۵، ۲۴۲)۔ (مزید دیکھیے "تزکیہ")

دسترخوان پر تو بار نہ پاسکا۔ مگر پینے کی یارانہ محفل میں ایک ہزار برس کے بعد اس کو جگہ مل گئی۔ نورالدین
ں گیر کے زمانہ میں تمباکو امریکہ سے ہندستان آیا اور حکیم گیلانی کی پرحکمت ترکیبوں سے توا، چلم، حقہ اور
کی شکل پیدا ہوئی۔ یہ تو امیروں کی باتیں تھیں، اس حقہ کی تیاری کے لیے بڑا وقت، بڑا سامان اور
دو ملازم چاہیے اور غریبوں کے پاس نہ اتنا وقت، نہ اتنا سامان، نہ ملازم، انھوں نے اپنے
تھ سے بھر کر سلفہ جلدی جلدی تیار کر لیا اور پی پلا کر اپنے کام پر روانہ ہوگئے۔ (نقوش ۳۱۵)۔

: روش، اخلاق، اس لفظ کا ٹھیک ترجمہ "چال چلن" ہے۔ (لغات ۸)۔

: اس کی اصل، ہندی لفظ "سمے" ہے۔ (نقوش ۲۵۶)۔

ی : اس کی اصل، ہندی لفظ "سمبندھی" ہے۔ (نقوش ۲۵۶)۔

ند : رواۃ عرب، تبابعۂ یمن کی نسبت بڑے بڑے عظیم الشان فتوحات اور ملک گیری ... کے عجیب
غریب واقعات بیان کرتے ہیں ... شمر یرعش کی تیغ کشورکشا عرب سے ترکستان تک بلند ہو کر ایک شہر کو
ویران کر دیتی ہے اور اس کا نام "سمرکند" پڑتا ہے یعنی شمر نے اس کی بیخ و بنیاد کھود ڈالی ....
انھوں نے "کند" کو فارسی لفظ "کندن" سے مشتق سمجھا۔ حالانکہ قدیم ترکستانی زبان میں "کند"
شہر کو کہتے ہیں۔ سمرکند، تاشکند، خوکند، یہ سب ترکستانی شہروں کے نام ہیں۔ ترکستان کی زبان بہ زمانۂ اسلام
فارسی ہوگئی تھی۔ لیکن شمر یرعش کے زمانہ میں تو فارسی نہ تھی جو "کند" فارسی "کندن" سے ماخوذ ہوتا۔
(ارض ۲۹۲)۔ شمر یرعش کا زمانۂ حکومت ۲۸۶ تا ۳۱۵ء (ارض ۲۸۹)۔

ت : "سنت خالص عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس کے لفظی معنی رستے کے ہیں۔ لیکن بول چال میں اس کے
معنی اس طریقۂ عمل کے ہیں جس پر ہمیشہ کوئی عمل جاری رہے۔ قرآن پاک میں یہ لفظ اسی معنی میں مستعمل ہے۔
قد مضت سُنَّةُ الاولین (انفال) گذشتہ قوموں کا طریقِ عمل گذر چکا ... "سُنَّةُ اللہ" کا لفظ قرآن مجید میں اس
معنی میں کئی دفعہ آیا ہے۔ ولن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللہِ تبدیلا (احزاب و فتح) خدا کے طریقِ عمل میں تم تبدیلی نہ پاؤ گے۔
... اصطلاح میں اس کے معنی وہ طریق ہے جس پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام عمر قائم رہے۔ (مقالات ۱۹۰، ۱۹۱ و ۱۹۲)۔

ند : سارٹیفکٹ، دستاویز، اصلی معنی تکیہ گاہ جس پر ٹیک لگایا جائے۔ (لغات ۸۱)۔
سوڈان : سودان، اسود کی جمع ہے۔ حبشی چونکہ کالے ہوتے ہیں۔ عرب ان کو سودان کہتے تھے اور ان کے
ملک کو "بلاد السودان" کہتے ہیں۔ کثرت استعمال سے اب خود ملک کو بھی سوڈان کہنے لگے۔ (لغات ۸۲)۔

کے لحاظ سے "سائیس" کا یہ مفہوم خالص ہندستانی ہے، نہ عربی ہے اور نہ فارسی ... سیاسی اور سئیس دونوں کی اصل ایک ہی ہوئی، دونوں نگرانی اور نگہبانی کرتے ہیں۔ (النقوش، ۲۱۳)۔

سبب : عربی میں اس کے معنی رسّی اور ڈوری کے ہیں جس سے کسی کو باندھا جائے۔ اس سے عربی میں ذریعہ کے معنی پیدا ہو گئے۔ اس سے اہل فلسفہ اور فارسی اور اردو والوں نے اس کو علت اور وجہ کے معنی میں بول دیا... اس کی جمع اسباب بنائی اور اس کے دو معنی قرار دیے، جب اس کو مفرد کے طور بولیں تو سامان سمجھیں اور جب جمع بولیں تو وہ سبب کی جمع ہے۔ (النقوش، ۲۲۲)۔

سچ : اس کی اصل، ہندی لفظ "ست" یا "سانچ" ہے۔ (النقوش، ۲۵۰)۔

سرخی : پہلے زمانہ میں قلمی کتابوں میں باب اور عنوان کو امتیاز کے لیے سرخی سے لکھا کرتے تھے۔ اب ہمارے زمانہ میں جب چھاپہ ایجاد ہوا تو خود باب کے یا مضمون کے عنوان کو سرخی کہنے لگے چاہے آپ اس کو سیاہی ہی سے لکھیں... شیخ نصیر محمود چراغ دہلی کے مرید سید محمد حسنی اپنے مکتوبات میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

"کیفیت دیباچہ کہ بقلم مبارک آں محبوب نبشتہ بودند برائے سرخی نبشتن آں سپیدی بنشستہ عین فرستادہ شدہ است در دیباچہ بنویسند... ذات لفظ صلوٰۃ سرخی بنویسند" (النقوش، ۲۲۵)

سفینہ : خالص عربی لفظ ہے "سفن" کے معنی لبسولے (تیشہ) سے لکڑی چھیلنے کے ہیں۔ سفین وسفینہ کے معنی لبسولے سے چھیلی ہوئی لکڑی۔ اس سے ظاہر ہے کہ کشتی کا نام سفینہ کیوں پڑا۔ (جہاز، ۵)، (بیاض کے معنی میں "سفینہ" کے لیے دیکھیے "بیاض")

سکت : اس کی اصل، ہندی لفظ "شکتی" ہے۔ (النقوش، ۲۵۶)۔

سلطان } عرب کی صحیح روایات میں فاتح مصر کا نام "شدّاد" ظاہر کیا گیا ہے۔ مانیتو (مصر کا قدیم مورخ
سلطنت } جس نے مسیح سے ۲۶۰ برس پیشتر یونانی میں مصر کی تاریخ لکھی تھی) نے "سلاط" لکھا ہے حقیقت میں یہ دونوں لفظوں کے معنی ایک ہی ہیں۔ "شدّاد" کے معنی "قوی" اور "جابر" کے ہیں اور "سلاط" بھی سامی زبانوں میں یہی معنی رکھتا ہے جس سے عربی زبان میں "سلطان" اور "سلطنت" نکلے ہیں۔ (ارض القرآن، ۱۲۹)

سُلفہ : ناشتہ کے طور پر جلد ہی جلد ہی جو کھانا پہلے تیار کر کے مہمان کے سامنے رکھ دیا جائے عربی میں اس کو "سلفہ" کہتے ہیں یہ اسی سے سَلَف (اگلے لوگ) کا لفظ نکلا ہے[1]۔ عربی کا یہ سُلفہ ہمارے ملک میں کھانا

---

[1] ڈاکٹر عبدالستار صدیقی: "یہ کہنا کچھ ٹھیک نہیں ہے کہ سُلفہ سے سلف نکلا ہے۔" (معارف ستمبر ۱۹۳۹ء - ص ۱۷۱)۔

ہو کے ظلم نے اس کے معنی بدل دیے۔ اسی سے "سیاست کرنا" "سزا دینے کے" اور "قہر و غضب" کے معنوں میں استعمال ہوا ہے:
ش اللہ اس کا محکمہ میں حشر کے لے گا کرے گا جو سیاست، حاکم ظالم رعیت پر (صبا)
پروفیسر ٹی، ڈبلو آرنلڈ کی تحقیق سے اختلاف مقصود تھا۔ "سواد السبیل فی معرفت المولد"
میں وہ کہتے ہیں کہ "سیاست" ترکی سے ہے۔ چنگیز خاں نے اپنی اولاد کے لیے جو چند ملکی قاعدے
تھے ان کا نام "سہ یاسہ" تھا۔ اسی سے عربی میں سیاست آیا۔ مگر یہ خیال قطعاً غلط ہے۔
عربی میں اتنا پرانا ہے کہ حدیث تک میں موجود ہے: ان الناس کان یسوسھم الانبیاء (صحیح مسلم)۔
صدی ہجری کے آخر میں محمد بن قاسم نے جب ۱۷ برس کی عمر میں سندھ فتح کیا تو ایک شاعر نے
مدح میں کہا: ساس الرجال لسبع عشرۃ حجۃ اس نے ۱۷ برس کی عمر میں لوگوں کی سیاست کی۔
یم نے "فہرست" میں جو ۳۷۵ھ میں تاتاریوں سے صدیوں پہلے لکھی گئی "سیاسیات" کا لفظ سیاسی
ابوں کے معنوں میں استعمال کیا ہے۔ پھر قدیم کتب لغت میں اس کی اصل موجود ہے۔ النقوش (۳۱۲، ۳۱۳)۔
بمعنی طشت، عربی میں "صینی" جو ظاہر کرتا ہے کہ یہ چینی اصل کا لفظ ہے (لغات، ۲۱۳)۔ (مزید)
ں "پہلے" "طبق" کو کہتے تھے۔ (لغات، ۹۹)۔

ش

ں: شاد باش، مرحبا، فارسی۔ (لغات، ۷۵)۔
دھوکا دینے والا... (مصدر کے) قدیم معنی شوخی و بیباکی۔ (لغات، ۹۰)۔
پیشہ: "گلستاں"... میں وہ حکایت آئی جس میں پردہ اور علم کا مناظرہ ہے:
ایں حکایت شنو کہ در بغداد رایت و پردہ را خلاف افتاد
شاہی نے جھک کر پردۂ شاہی سے شکایت کی کہ سفر میں اور لڑائیوں میں تو مارا مارا میں پھرتا ہوں
قرب سلطانی تم کو حاصل ہے۔ تم نازنین کنیزوں کے ہاتھوں میں رہتے ہو اور "من فتادہ بدست
رداں"۔ اس سے خیال آیا کہ شاہی ملازم اور خدم و حشم کے معنوں میں یہ "شاگرد" پرانا لفظ ہے اور
سے "شاگرد پیشہ" ہے اور ہماری زبان میں محلوں کے اس حصہ کو کہنے لگے جو خاص طور سے ان کے لیے
ے جاتے ہیں (النقوش، ۳۱۹)۔ "شاگرد" بمعنی شاہی خدام کی اصل مولانا شروانی "شاگرد" بتاتے
یعنی جو لوگ بادشاہ کے اردگرد رہتے ہوں۔ (النقوش، استدراک من الف)۔

سوسی: ہمارے ملک میں رنگین باریک دھاریوں کا ایک سوتی کپڑا ہوتا جس کو "سوسی" کہتے ہیں... شمالی افریقہ کے ایک صنعتی مقام کا نام... سوسہ ہے۔ یہ عربوں کی ترقی کے عہد میں پارچہ بافی کا بڑا مرکز تھا اور یہاں کے بنے ہوئے کپڑے کو سوسی کہتے تھے۔ پھر اس نمونہ پر جہاں جہاں کپڑے بُنے جانے لگے ان کو سوسی کہنے لگے۔ یہ گویا ایک طرز کا نام ہو گیا۔ یہ کپڑے کبھی اس شان کے بُنے جاتے تھے کہ ان کے ایک ایک تھان کی قیمت آٹھ آٹھ اشرفی ہوتی تھی۔ جغرافی ڈکشنری "معجم البلدان" کا مصنف یاقوت حموی رومی جس نے ۶۲۶ھ میں وفات پائی ہے سوسہ کے ذکر میں لکھتا ہے:

"صحیح یہ ہے کہ سوسہ ایک چھوٹا سا شہر افریقہ کے اطراف میں ہے... یہاں کے اکثر باشندے کپڑے بننے والے ہیں۔ یہ بیش قیمت (باریک) سوسی کپڑے بنتے ہیں اور جو کپڑا دوسری جگہوں پر ایسا بنا جاتا ہے وہ ان ہی کی نقل ہے (یا ان ہی کے مشابہ ہے)۔ ان میں سے ایک تھان کی قیمت وہاں دس دینار ہے... اور جو دھاگا وہاں کتتا ہے اس کے ایک مثقال کی قیمت دو مثقال سونا ہے۔"

لیکن ہماری ہندستانی سوسی بہت سستی ہے اور غریبوں کی ستر پوش ہے۔ اکثر غریب عورتوں کے پاجاموں میں کام آتی ہے۔ چیز وہ نہیں رہی، طرز رہی ہے۔ وہ ریشمی ہوگی یہ سوتی ہے۔ (نقوش ۳۰۵، ۳۰۶)۔

سہی: "صحیح" کو ہم نے "سہی" کر دیا ہے اور اس سے ایک نئے معنی پیدا کر لیے ہیں۔ (نقوش ۱۳۳)۔

سیاس: "سیاسی" آج کل جس کو کہتے ہیں، ہمارے تازہ دماغ نوجوانوں نے اس کے لیے "سیاس" کا ایک نیا لفظ گھڑا ہے مگر بالکل بے اصل اور بے قیاس ہے۔ یہ لفظ داوی ہے یائی نہیں۔ دھوکا سیاست اور سیاسی کی "ی" سے ہوا ہے۔ مگر واؤ کی جگہ یہ "ی" قاعدہ سے ہے اور "سیاس" میں واؤ کی جگہ "ی" بے قاعدہ ہے۔ اگر یہ لفظ بن سکتا تو "سواس" ہوتا "سیاس" نہیں۔ اب یہ "سیاس" جب تک چل نہ جائے غلط العام فصیح کے حدود میں نہیں آ سکتا۔ (نقوش ۳۱۲)۔

سیاست: "سیاست" کا اصل مادہ لغت میں "سوس" ہے... "سوس" کے اصلی معنی نگرانی و انتظام کے ہیں۔ اسی مناسبت سے چرواہے کو بھی "سوس" ابتداءً کہتے ہوں گے جس سے منتقل ہو کر گلہ بانی سے جہاں بانی کے لیے عربی میں یہ لفظ مستعمل ہوا۔ اسی ماخذ سے "سیاست" کا لفظ اب عام طور سے اس معنی میں بولتے ہیں۔ (ارض القرآن ۱۴۹)۔ لغت میں اس کے اصلی معنی جانوروں کی دیکھ بھال اور نگرانی ہے اور اسی سے امیر کی اپنی جماعت کی اور بادشاہ کی اپنی رعایا کی نگرانی اور خدمت کا مفہوم پیدا ہوا۔

ی معرفۃ المولد والدخیل پروفیسر آرنلڈ) ۔(املعات ۱۸۴)۔

ر : اصلی معنی ''شاخ درخت'' (لغات ۹۱)۔

شعہ: چمکنا، درخشاں ہونا، قدیم معنی پراگندہ ہونا۔ موجودہ معنی اس لفظ سے اس طور سے پیدا ہوئے۔
شعرائے مولدین نے روشنی کی صفت میں اس لفظ کو پہلے استعمال کیا۔ علامہ شامی کا شعر ہے ؎

نشاهد فی عدن ضیاء مشعشعاً یزید علی الانوار فی النور والضو

یاء مشعشع یعنی بہ ضیاءٍ منتشراً۔ اس استعمال سے رفتہ رفتہ چمکنے کے معنی پیدا ہوگئے۔ (لغات ۹۱)۔

عت : اصل لغت میں ''شفع'' میں سے نکلا ہے جس کے معنی جوڑا بننے، ایک ساتھ دوسرے کے ہونے
کے ہیں۔ چونکہ ''شفاعت'' اصل میں یہی ہے کہ درخواست کنندہ اور عرضگذار کے ہم آہنگ ہوکر کسی
رے کے سامنے اس کی عرض و درخواست کو قبول کرلینے کی خواہش کا اظہار کرنا۔ آپؐ کی شفاعت
ی یہی ہوگی کہ آپ گنہگاروں کی زبان بن کر ان کی طرف سے خداوند ذوالجلال کے اذن سے اس کے
سامنے ان کی بخشائش و مغفرت کی درخواست پیش کریں گے۔ (سیرت ۳، ۸۶۲، ۸۴۴)۔

لغت میں ''شکر'' کے اصلی معنی یہ ہیں کہ:

''جانوروں میں تھوڑے سے چارہ ملنے پر بھی تروتازگی پوری ہو اور دودھ زیادہ دے''۔

س سے انسانوں کے محاورہ میں یہ معنی پیدا ہوئے کہ کوئی کسی کا تھوڑا سا بھی کام کردے تو دوسرا
س کی پوری قدر کرے۔ (سیرت ۵، ۴۸۴)۔ (مزید دیکھیے ''شکریہ'')۔

ہ : اصل عربی ہے مگر شکل عربی نہیں۔ اب اس سے ہم نے دو لفظ بنائے ہیں، ''شکر'' اور ''شکریہ''
دا کا شکر ادا کرتے ہیں اور انسانوں کا شکریہ۔ (نقوش ۹۸)۔ (مزید دیکھیے ''شکر'')۔

ل : عربی میں اس کے معنی ''مثل''، ''مشابہ'' ہیں اور اردو میں ''صورت''۔ (نقوش ۳۴۴)

ل : عربی میں اس کے معنی ''ہم مثل'' ہیں اور اردو میں ''خوبصورت''۔ (نقوش ۳۴۴)۔

با : عربی کا ''شربہ'' ہے مگر معنی بدل گئے ہیں۔ عربی میں شُربۃ اس کو کہتے ہیں جتنا ایک دفعہ پی لیا جائے۔
س سے ایرانیوں نے ''شوربا'' بنالیا اور گوشت کے پانی کو کہنے لگے۔ انھوں نے ''شوربا'' کو پھر
شورباج'' بنالیا مگر ہماری ہندستانی میں ''شوربا'' ہی رہا۔ بگڑا تو ''شروا'' ہوگیا۔ (نقوش ۳۱۶)۔ ڈاکٹر
الستار صدیقی نے بڑی قابلیت سے ''معارف'' میں یہ تحقیق فرمائی ہے کہ ''شوربا'' فارسی لفظ و ترکیب ہے۔

شاہد: لفظ "شہد" کے لغوی معنی کسی مقام یا زمانہ میں موجود اور حاضر رہنے کے ہیں۔ اسی سے "شہادت" اور "شہ
کے الفاظ نکلے ہیں۔ (سیرت ۵، ۳۰۱)۔

شبلی: شبلی مشہور صوفی بزرگ حضرت شیخ شبلی بغدادی المتوفی ۳۳۴ھ کا نام مشہور ہے۔ مگر درحقیقت
یہ نام نہیں۔ ان کا نام ابوبکر دلف بن محجدر بتایا جاتا ہے اور شبلی ان کے وطن شبلیہ (واقع از
ترکستان) کی طرف منسوب ہے (انساب سمعانی) یہ نسبت ان پر ایسی غالب آئی کہ اس نے نام کی جگہ لے لی۔ (شبل

شخص: اصل معنی سواد الانسان من بعید۔ (لغات، ۸۷)۔

شدّاد: دیکھیے "سلطان، سلطنت"۔

شدید: (قرآن میں) "شدید" کے مشترک معنی یہ ہیں کہ جو اپنی مخالف قوت کے سامنے نہ جھکے بلکہ اس کے
مقابلے میں مضبوط اور سخت رہے۔ (سیرت ۶، ۱۷۲)۔

شذرات: شذرہ کی جمع ہے۔ عربی میں سونے کے ٹکڑوں کو "شذرہ" کہتے ہیں۔ مصر کے بعض
استعارۃً متفرق نوٹس کو شذرات کہتے ہیں۔ (لغات، ۸۷)۔

شراب، شربت: عربی میں "شرب" (پینا) سے ایرانیوں نے "شراب" اور "شربت" تیار کیا اور ہم ہندستانیوں نے
قبول کر لیا۔ "شراب" کے عربی معنی ہیں جو چیز پی جائے۔ یہاں تک کہ قرآن میں دودھ کو بھی
شراب کہا ہے۔ ایرانیوں نے جس کو شراب کہا اس سے متوالی شراب مراد ہے۔ اسی سے یورپی زبانوں میں
"سیرپ" (SYRUP) تیار ہوا جو شکر پڑ کر میٹھا ہو گیا۔ لیکن ایرانیوں کے اثر سے ہم نے پانی میں شکر گھول کر
جو چیز تیار کی اس کو "شربت" کا نام دیا۔ لفظ عربی اور معنی عجمی۔ عربی میں اسکے معنی فقط پینے کے ہیں۔ (نقوش ۲۱۹)

شرح: "شرح" کے لغوی معنی عربی میں "چیرنے پھاڑنے" کے ہیں۔ اسی سے طب کی اصطلاح "علم تشریح اجسام"
نکلی ہے۔ چونکہ چیرنے پھاڑنے سے اندر کی چیز کھل کر نمایاں ہو جاتی ہے۔ اس لیے اس سے "تشریح"
اور "تشریح کلام"، "شرح بیان" اور "شرح کتاب" وغیرہ مجازی معنی پیدا ہوگئے ہیں۔ اسی سے ایک اور
محاورہ "شرح صدر" کا پیدا ہوا ہے جس کے معنی "سینہ کھول دینے" کے ہیں اور کلام عرب میں اس سے
مقصودبات کا سمجھا دینا اور اس کی حقیقت واضح کر دینا ہوتا ہے۔ (سیرت ۳، ۴۹۹)۔

شرک: "شرک" کے یہ معنی ہیں کہ ایک خدا کو مان کر اُسکی اعانت و امداد کے لیے اسکے اعوان و انصار کا یقین رکھا جائے۔ (ارض ۲، ۲۱۶)۔

شطرنج: شطرنج کا نام بھی ہندستان کا مقبوضہ ہے۔ اس کی اصل "چترنگ" (چار عضو والا) ہے۔ (سواء السبیل

درخواست اور التجا ہے۔ (سیرت ص ۴۴۲)۔

عربی زبان میں قرابت کا حق ادا کرنے کو وصلِ رحم (رحم ملانا) کہتے ہیں۔ اسی لفظ کی دوسری معروف
صلۂ رحم (رحم ملانا) ہے اور قرابت کے حق کو نہ ادا کرنے کو قطع رحم (رحم کاٹنا) کہتے ہیں کہ رحم مادری
تعلقاتِ قرابت کی جڑ ہے۔ (سیرت ص ۴۴۲)۔ آپس کے تعلقات میں ایک دوسرے کے ساتھ نیکی کا برتاؤ
ہے اس کو صلۂ رحم کہتے ہیں کیونکہ قرابتوں کے سارے رشتے رحمِ مادری سے پیدا ہوئے ہیں۔ (سیرت ص ۴۴۲)۔

کے معنی لغت میں اونچی پتھریلی زمین یا چٹان کے ہیں جو کسی ایسے علاقہ میں ہو جہاں سیلاب آتا ہو تو
چڑھتا ہو اور لوگ اس وقت دوڑ دوڑ کر اسی پر چڑھ کر اپنی جانیں بچائیں۔ پھر "صمد" کے اس
نی سے اس سردار کے معنی پیدا ہوئے جو بزرگی اور شرافت میں انتہائی معراجِ کمال پر ہو اور اس
بھی کہنے لگے جس کی موجودگی کے بغیر مجلس میں کوئی فیصلہ نہ ہو سکتا ہو اور اس سردار کو بھی کہتے
کے اوپر کوئی سردار نہ ہو اور اس جائے پناہ کے معنی میں بھی مستعمل ہوا جو سب کو مصیبت کے
اپنے دامن میں پناہ دے سکے۔ اور اس مرجع و مرکز کے معنی میں بھی آیا جس کی طرف ہر شخص
ر کر جاتا ہے۔ "صمد" ٹھوس کو بھی کہتے ہیں جس کے اندر جوف نہ ہو۔ اسی سے اس کو بھی کہتے ہیں
یتا نہ ہو اور جس کے آل و اولاد نہ ہو۔ اس کو بھی کہتے ہیں جس سے کوئی بے نیاز نہ ہو، اس بہا
ے ہیں جس کو لڑائی میں بھوک اور پیاس نہ لگتی ہو۔ "صمد" اس اونٹنی کو کہتے ہیں جس کو حمل
حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ "صمد" وہ سردار ہے جو اپنی بزرگی اور سرداری میں درجۂ کمال
شریف جس کی شرافت کامل ہو۔ وہ بڑا جس کی بڑائی میں کوئی نقص نہ ہو۔ وہ بردبار جس کی بردباری
م ہو۔ وہ بے پرواہ و بے نیاز جس کی بے پروائی و بے نیازی کی کوئی حد نہ ہو۔ وہ زبردست جس
ت کی انتہا نہ ہو۔ وہ علم والا جس کا علم بدرجۂ اتم ہو۔ وہ حکیم جس کی دانائی بمرتبۂ کمال ہو یعنی
ی اور بزرگی کی ہر صنف میں کامل ہو۔ (کتاب الاسماء والصفات۔ امام بیہقی۔ ص ۴۳)۔

معنوں کے علاوہ صحابہ و تابعین نے اس کی تفسیر میں حسب ذیل معانی بھی لکھے ہیں:
ش" وہ جس کی طرف مصیبت کے وقت لوگ رجوع کریں۔ "حسن بصریؒ" "وہ حی وقیوم
وال نہ ہو اور جو باقی ہو۔ "ربیع بن انسؓ" "جس کے اولاد نہ ہو، نہ ماں باپ۔ "عبداللہ بن مسعودؓ"،
ندر معدہ وغیرہ جسمانی اعضا نہ ہوں۔ "بریدہؓ" "جس میں جوف نہ ہو۔ "عکرمہ و شعبیؓ"

"شور" نمکین اور "با" پرانی فارسی میں کھانے کو کہتے ہیں چنانچہ اسی سے ہماری زبان میں شکنبا یا نان بائی وغیرہ لفظ ہیں جن میں "با" کا جز ان ہی معنوں میں ہے [1] (نقوش، استدراک ص الف)۔

شہادت : دیکھیے "شاہد"۔

شہوت : عربی میں لفظ "شہوت" مطلق خواہش کے معنی میں ہے جو کھانے پینے، مطالعہ کتاب وغیرہ کے ساتھ بولا جاتا ہے۔ مگر ہماری ہندستانی میں ایک خاص معنی میں بولا جاتا ہے۔ (نقوش، ۹۸) اردو میں اس کے معنی "جنسی خواہش" ہوتے ہیں۔ (نقوش ۲۴۶)

ص

صاحب : "صاحب" کے عربی معنی "ساتھی" کے ہیں۔ اس سے عربی میں "والا" کے معنی پیدا ہوئے جیسے صاحب علم (علم والا)۔ اس کے بعد وزیروں کو جو بادشاہوں کے ساتھی اور مصاحب ہوتے تھے "صاحب" کہنے لگے جیسے صاحب ابن عباد وغیرہ۔ اب "صاحب" کے معنی آقا کے ہوئے اور ہر نام کے آخر میں تعظیم کے لیے لگنے لگا۔ انگریز آئے تو وہ سارے ہندستانیوں کے آقا ٹھہرے۔ اس لیے وہ صاحب ہوئے (نقوش ۳۰)۔

صادر : "صدور" سے مشتق ہے جس کے قدیم معنی مویشی کا گھاٹ سے پانی پی کر واپس جانا ہے۔ (لغات ۳۶)۔

صبر : "صبر" کے لغوی معنی "روکنے" اور "سہارنے" کے ہیں یعنی اپنے نفس کو اضطراب اور گھبراہٹ سے روکنا اور اس کو اپنی جگہ ثابت قدم رکھنا۔ (سیرت ۵، ۳۵۷)۔

صحافت : اخبار نویسی "صحیفہ" سے مشتق ہے جس کے معنی "کاغذ" ہیں۔ (لغات ۶۰)۔

صحن : پہلے بڑے طبق کو کہتے تھے۔ (لغات ۹۹)۔

صدر : انسان کے دھڑ کا اوّل اور اعلیٰ حصّہ ہے۔ (لغات ۱۰۰)۔

صدور : کسی اخبار یا رسالہ کا نکلنا۔ حکم کا جاری ہونا۔ "صدر" کے قدیم معنی گھاٹ سے اونٹ کا واپس ہونا۔ عجمی زبانوں میں "صدور" کے معنی آنے اور صادر ہونے کے پیدا ہو گئے اور اسی سے موجودہ معنی نکلے ہیں۔ (لغات ۱۰۰)

صفیر : حقیقت میں پرندوں کی آواز کو کہتے ہیں۔ (لغات ۱۰۱)۔

صلوٰۃ : "صلوٰۃ" کے معنی عربی اور عبرانی زبانوں میں "دُعا" کے ہیں۔ اس لیے نماز کی لفظی حقیقت ا

---

[1] ڈاکٹر عبدالستار صدیقی: "عربی مادہ ش ر ب سے ذرا بھی تعلق نہیں... دو لفظوں "شور" اور "با" سے مل کر بنا ہے اور یہ دونوں فارسی اور ٹھیٹ فارسی میں "با" کے معنی محض کھانے کے ہیں" (معارف ستمبر ۱۹۳۹ء - ص ۱۷۴)۔

ضبط: "ضبط" کے اصل معنی کسی چیز کی خبرداری کے ساتھ حفاظت کرنے کے ہیں۔ (لغات، ۱۰۲)۔

پہلے ضدّ الشیٔ نقیضہ کے معنی میں آتا تھا۔ (لغات، ۱۰۲)۔

: "ضرب" کے معنی سکہ ڈھالنے کے بھی ہیں۔ (لغات، ۱۰۳)۔

انسان کی نفسیاتی کیفیت کا وہ زندہ احساس جس کے ذریعہ سے وہ بُرائی اور بھلائی میں تمیز کر لیتا ہے اور جس کے سبب سے اس کے دل کے اندر سے خود نیکی کی دعوت کی آواز اٹھتی ہے۔ (سیرت ۵)۔

ط

: لغت میں ہر اس شے کو کہتے ہیں جس کو خدائے تعالیٰ کو چھوڑ کر معبود بنایا جائے۔ کل معبود من دون اللہ۔ اور اہل تفسیر نے شانِ نزول کا لحاظ کر کے اس سے کاہنوں اور جادوگروں کو اور کبھی بڑے بڑے دی حاکموں کو مراد لیا ہے۔ (مقالات ۲، ۲۷)۔ یہ لفظ سریانی اصل کا ہے۔ (لغات، ۲۲۲)۔

اصلی معنی محراب وغیرہ کی طرح کمان دار حصۂ عمارت، فارسی۔ (لغات، ۱۰۴)۔

: "طاقت" کے معنی "لسان العرب" اور "تاج العروس" وغیرہ میں یہ لکھے ہیں:

"طوق کے معنی طاقت کے ہیں یعنی قوت کی انتہائی غایت اور وہ اس مقدار کا نام ہے جس کو کوئی مشقت و مشکل کے ساتھ کر سکے۔" (سیرت ۵، حاشیہ ۳۰۴)۔

ت: "طبع" کے اصل معنی مُہر کرنا ہیں۔ چھاپنا مُہر کرنے کے قریب قریب ہے اس لیے فن طبع ایجاد ہونے پر اس کو بھی طبع کہنے لگے۔ (لغات، ۹۷)۔

اصلی معنی ـــــ پیشانی کے بالوں کی لٹ۔ (لغات، ۱۰۶)۔

ت: "طوطمیت (ٹوٹمزم) اس کا نام ہے کہ "اشخاص و قبائل کا اپنے کو دیویوں، ستاروں، حیوانوں اور درختوں کی طرف منسوب کرنا"۔ قدیم زمانہ میں جب انسان بچہ تھا۔ جب کوئی بڑا شخص پیدا ہوتا تھا تو وہ انسانوں کی ولدیت سے نکل کر، دیویوں کی نسل قرار پاتا تھا۔ وہ دیویاں خواہ ستارے ہوں حیوانات ہوں یا درخت ہوں، ہندوؤں میں سورج بنسی اور چندر بنسی وغیرہ قبائل تھے جو اپنے انسانوں کے نہیں بلکہ آفتاب و ماہتاب کے بیٹے کہتے تھے۔ (ارض ۱، ۲۱، ۲۲)۔

: اس کی اصل یونانی لفظ "طوماریاں" بمعنی کاغذ ہے۔ (لغات، ۲۴۲)۔

ن: طیلسان ایک چھوٹی سی چادر ہوتی ہے۔ جو عمامہ کے اوپر سے دونوں کندھوں پر اوڑھ لی جاتی

جو کبھی آنہ ہو۔ "مکرمہ" جس میں سے کوئی دوسری چیز نہ نکلے۔ "قتادہ" باقی وغیرہ فانی۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام معانی اس ایک لفظ کے اندر پوشیدہ ہیں اور یہ سب حرف ایک حقیقت کی مختلف تعبیریں ہیں ... اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ اس لفظ کے اصلی معنی چٹان کے ہیں جو لڑائی کے وقت جائے پناہ کا کام دے۔ (سیرت ج ...)

صندل: اس کی اصل ہندی لفظ "چندن" ہے۔ (لغات ۲۲۱)۔

صنم: اصنام و اوثان جن کا واحد صنم اور وثن ہے، یہ انسانی شکل و صورت کے بت تھے۔ اگر دھات کے ہوتے تو نعیم کہلاتے اور اگر رنگ اور مسالہ سے بنتے تو ان کو دمیہ کہتے۔ اور انصاب ... ان گھڑے پتھر ہوتے تھے جن کو کھڑا کرکے ان پر چڑھاوے چڑھاتے اور جانور ذبح کرتے تھے۔ ... جس کا واحد بیت ہے۔ چند گھر تھے جیسے رضا، رئام، قلیس وغیرہ جن میں بت پرستانہ رسوم ادا کی جاتی تھیں۔ جن بتوں کے ارد گرد چکر لگاتے تھے ان کو دوار کہتے تھے اور ان پر جو قربانی کی جاتی اس کو عتیرہ کہتے تھے۔ پتھروں کا ڈھیر لگا کر اس کے چاروں طرف چکر لگاتے۔ اس ڈھیر کو رجمہ کہتے۔

صُور: "صور" کے لفظی معنی نرسنگھا کے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ قدیم الایام میں بابلیوں، کنعانیوں، آرامیوں اور عبرانیوں وغیرہ تمام پرانی قوموں میں بادشاہی جلال و جلوس اور اعلانِ جنگ کے موقعوں پر نرسنگھا پھونکا جاتا تھا۔ اس لیے نرسنگھا پھونکنے کے معنی شاہی جلال کا اظہار یا غیر معمولی خطرہ کا اعلان۔ چنانچہ توراۃ میں یہ محاورہ بکثرت استعمال کیا گیا ہے۔ قرآن میں ہے کہ اس دن (روزِ قیامت) ندا ہوگی:

لِمَنِ المُلکُ الیوم۔ آج کس کی بادشاہی ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ خود ہی جواب دے گا: لِلّٰہِ الواحدُ القہار۔ اس ایک سب پر غالب آنے والے کی۔

غرض وہ دن آسمان و زمین اور نظم کائنات کے شہنشاہِ مطلق کے اظہارِ جلال اور شدید خطرۂ حساب کے اعلان کا ہوگا۔ اس لیے نفخ صور اور نرسنگھا پھونکنے کا قدیم محاورہ اس کے لیے استعمال کیا گیا۔ (سیرت ج ۴ ۶۹۲)

صوم: لفظی معنی "رکنے اور چپ رہنے" کے ہیں۔ (سیرت ج ۵ ۲۸۳)۔

ض

ضابطہ: عربی میں اس کے معنی "نگاہ رکھنے والا" ہیں اور اردو میں "قاعدہ" (نقوش ۳۴۴)۔

ضبط: عربی میں اس کے معنی "نگاہ رکھنا" ہیں اور اردو میں "ضبط کر لینا، حاکم کا چھین لینا"۔ (نقوش ...)

ہم اس لفظ کو اپنی زبان میں بولتے ہیں یعنی جو بات ہم کہیں یا جو کام کریں اس میں سچائی کی میزان
ی طرف جھکنے نہ پائے۔ (سیرت ص ۴۵۲)۔

یمن و حضر موت کے حدود پر عدن کا نام ایک مشہور شہر واقع ہے ... عہد قدیم میں عموماً سامی مذاق
ہا ہے کہ شہر کا نام بعینہ بانی شہر کے نام پر رکھتے تھے۔ عرب کے شہر رقیم، سبا، حضر موت، عمان، مدین،
ر، حویلہ، تیما، وغیرہ کے اسی قسم کے نام ہیں۔ اس بنا پر اگر یمن کے قدیم شہر "عدن" کو جس کے قریب
تمام عمارات واقع ہیں جن کو عرب عادیات کہتے ہیں اور تاریخ جس کے قریب عاد کی آبادی کا نشان
تی ہے۔ اگر ہم "عادیین" کا مخفف سمجھیں تو کیوں غلط ہوگا؟ عادیین کی جمعیت پر اعتراض نہ کرنا
گا قدیم طریقہ یہی ہے کہ پدر قبیلہ کے نام کی جمعیت سے قبیلہ کا نام پیدا کر لیتے ہیں مثلاً لودیم، مدایم،
ہیم وغیرہ... فارسٹر عدن کو عدنان سے نسبت دیتا ہے حالانکہ عدنان کو یمن سے کوئی تعلق نہیں ہے
ن کا مسکن تو عرب کا شمالی حصہ تھا۔ (جلد ۲ ص ۲۷۴)۔ نیو بھر (NEW BHER) اٹھارویں صدی کا ایک
روپین سیاح عدن کو نبیم کے ددن (یسعیاہ ۲۱-۱۳) کے ساتھ تطبیق دیتا ہے۔ لیکن شاید نیو بھر
حزقیال کے اس درس کی خبر نہیں جس میں عدن اور ددان ایک ساتھ واقع ہیں۔ (حزقیال ۲۷...
۲)۔ (ارض ص ۱۸۴، ۱۸۵)۔ اہل جنت کے دوام کی نسبت... (خدا نے) عدن فرمایا ہے جس کے معنی "قیام"
ر "بسنے" کے ہیں۔ (سیرت ص ۲۸۴)۔

لفظ "عراق" کے معنی اس شاداب چراگاہ کے ہیں جو ساحل پر واقع ہو۔ (لسان العرب) (جہانہ...)۔
: عرب "اعراب" سے مشتق ہے جس کے معنی زبان آوری اور اظہار مافی الضمیر کے ہیں۔ چونکہ عرب کی
م نہایت زبان آور اور فصیح اللسان تھی اس لیے اس نے اپنا نام عرب رکھا اور اپنے سوا تمام دنیا
و اس نے عجم یعنی "بے زبان" کے نام سے پکارا۔ لیکن حقیقت میں یہ صرف نکتہ آفرینی اور دقت رسی
ہے۔ دنیا میں ہر قوم اپنی زبان کی اسی طرح جوہری ہے جس طرح عرب۔
علمائے انساب کہتے ہیں کہ اس ملک کا پہلا باشندہ یعرب بن قحطان تھا جو یمنی عربوں کا پدر اعلیٰ
ہے۔ اس لیے اس ملک کے باشندوں کو اور نیز اس ملک کو عرب کہنے لگے۔ لیکن یہ بالکل خلاف قیاس
ر معلومات تاریخی کے مخالف ہے۔ نہ یعرب اس ملک کا پہلا باشندہ تھا۔ اور نہ عرب لفظ کسی قاعدہ
سانی کے موافق یعرب کی طرف منسوب ہو سکتا ہے... یعرب کا مسکن یمن تھا۔ اس لیے سب سے پہلے خود یمن

ہے۔ شیعہ مجتہدین کو تو آپ نے دیکھا ہوگا۔ مغربی علماء (تونس والجزائر میں اب تک مروج ہے۔ طریقۂ لباس علماء کے امتیاز کی غرض سے قاضی ابویوسف صاحب نے اختیار کیا تھا۔ بعد کو علماء نے کی تقلید کی۔ اس طرح "طیلسان" عالم کے معنی میں مستعمل ہوا۔ مد کے موجودہ لٹریچر میں اس کا استعمال کم تر ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کو حیدرآباد والوں نے کیوں اختیار کیا۔ (حاشیۂ عبدالماجد دریابادی) حیدرآباد میں یہ لفظ بطور "گریجویٹ" کے ترجمہ کے چلا ہوا تھا)۔ (مکتوبات سلیمانی ۲۳۶، ۲۳۷)۔

ظ

ظلم: "ظلم" کا لفظ قرآن پاک میں کئی معنوں میں آیا ہے۔ یہاں تک کہ کفر و شرک اور عصیان کے معنوں پر کثرت سے آیا ہے مگر یہاں مراد اس ظلم سے ہے جو بندے بندوں پر کرتے ہیں۔ قرآن میں اس کے دو اور لفظ "البغی" (سرکشی) اور "عدوان" (التعدی) آئے ہیں۔ (سیرت ۲۲)۔

ظلمات: عرب جہازرانوں نے یہ لفظ اٹلانٹک کے لیے استعمال کیا ہے جیسے انھوں نے بحرمحیط کہا "جانو کہ بحرمحیط جو دنیا کو گھیرے ہے اور زمین سمندر کے بیچ میں اس طرح ہے جیسے گیند تالاب میں۔ یہ وہ سیاہ سمندر ہے جس کا نام بحرظلمات ہے"۔ (تحفۃ الالباب از ابوحامد اندلسی المتوفی ۵۶۵ھ۔ ص ۹۱۔ مطبوعہ پیرس (۱جلد ۱۰)۔

ع

عبادت: عبادات کے معنی عام طور سے وہ مخصوص اعمال سمجھے جاتے ہیں جن کو انسان خدا کی عظمت و کبریائی کی بارگاہ میں بجالاتا ہے۔ لیکن یہ عبادات کا نہایت تنگ مفہوم ہے۔۔۔ "عبادت" کے لغوی معنی اپنی عاجزی اور درماندگی کا اظہار ہے اور اصطلاح شریعت میں خدائے عزوجل کے سامنے اپنی بندگی اور عبودیت کے نذرانہ کو پیش کرنا اور اس کے احکام کو بجالانا ہے۔ اسی لیے قرآن پاک میں عبادت کے مقابل اور بالضد لفظ استکبار اور غرور استعمال ہوا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِیْنَ (مومن ۶) جو میری عبادت سے غرور کرتے ہیں وہ جہنم میں ذلیل ہو کر جائیں گے۔ (سیرت ۵، ۱۷ و ۴۵، ۴۶)۔

عدل: کسی بوجھ کو دو برابر حصوں میں اس طرح بانٹ دیا جائے کہ ان دو میں سے کسی میں ذرا بھی کمی بیشی نہ ہو تو اس کو عربی میں "عدل" کہتے ہیں (مفردات راغب اصفہانی) اور اس سے وہ معنی پیدا ہوتے ہیں

ص ۱۲۱)۔ اسلام سے پہلے ہی یہ لفظ پورے ملک کو جو یمن سے شام تک وسیع ہے محیط تھا۔ (ارض ق ۵۰، ۵۹)۔

عربی میں اس کے معنی "میدان" ہیں اور اردو میں "مدت"۔ (نقوش، ۵۴۴)۔

عربی میں اس کے معنی "پھیلانا" ہیں اور اردو میں "پیش کرنا"۔ نقوش ۳۴۳)۔

"عزیز" کے معنی ہیں عزت والا اور غالب۔۔۔ "عزت" کا لفظ قرآن میں شدت، غلبہ، عزت و شرف

نخوت (حمیت) کئی معنوں میں آیا ہے۔۔۔ اس کا اصل مفہوم جو اس کے سب معنوں میں مشترک ہے یہ ہے:

کا ایسی حالت و منزلت میں ہونا کہ اس کو کوئی دبا نہ سکے۔ (دیکھو لسان العرب و مفردات راغب اصفہانی

تفسیر طبری)۔ (سیرت ۳، ۳۴۴، ۵۳۵، حاشیہ ۵۳۵)۔

: قدیم معنی "ارادہ"۔ (لغات ۱۲۱)۔

فارسی لفظ "لشکر" کا معرب ہے۔ (لغات ۱۱۲)۔

"عقد" کے معنی گرہ اور گرہ لگانے کے ہیں اور اس سے مقصود لین دین اور معاملت کی باہمی پابندیاں

رہ ہے اور اصطلاح شرعی میں یہ لفظ معاملات کی ہر قسم کو شامل ہے۔ (سیرت ۶، ۳۷۴)۔

ہندوستانی میں زمینداری کے گاؤں کو کہتے ہیں۔ عربی میں اس کے معنی "لگاؤ" کے ہیں۔ اسی لگاؤ

ہر چیز جس سے آپ کو لگاؤ ہے آپ کا علاقہ ہے۔ (نقوش، ۷۴۳)۔

: ہر وہ شے جو انسان کی ذاتی محنت، کوشش اور جد و جہد وغیرہ معمولی ذرائع کے بغیر حاصل ہوتی

وہ من جانب اللہ کہی جاتی ہے۔ اسی طرح خدا کے پاس سے علم عطا ہونے کے معنی اس علم کے

کے ہیں جو انسان کے طبعی ذرائع علم و استدلال اور تلاش و تحقیق کے بغیر خود بخود عطا ہو۔ یہی علم خداداد

اور اسی لیے صوفیہ کی اصطلاح میں اس کو علم لدنی (پاس والا علم) کہتے ہیں۔ (سیرت ۴، ۱۶۶)۔

: عربی میں اس کے معنی "آبادی" ہیں اور اردو میں "بڑا مکان"۔ (نقوش، ۳۴۴)۔

ود چونکہ کارومنڈل سے جاتی تھی اس لیے عربوں نے اس کا نام ہی "مندل" رکھ دیا —

ار البلاد قزوینی ص ۸۲۔ گوٹنجن ۱۸۴۸ء)۔ (تعلقات، ۷۰)۔

عام طور پر لوگ "عہد" کے معنی صرف قول و قرار کے سمجھتے ہیں لیکن اسلام کی نگاہ میں اس کی حقیقت بہت

ع ہے۔ وہ اخلاق، معاشرت، مذہب اور معاملات کی ان تمام صورتوں پر مشتمل ہے جن کی پابندی

ان پر عقلاً، شرعاً، قانوناً اور اخلاقاً فرض ہے۔ (سیرت ۶، ۴۶۷)۔

یعنی جنوبی عرب کو عرب کہنا چاہیے لیکن ا ع کے برخلاف "عرب" کا لفظ پہلے شمالی عرب کے لیے مستعمل ہوا۔۔۔

اہل جغرافیہ کہتے ہیں اور بالکل صحیح کہتے ہیں کہ عرب کا پہلا نام "عَربہ" اور "عربہ" تھا جو تخفیف

بعد کو عموماً "عرب" بولا جانے لگا اور اس کے بعد ملک کے نام سے خود قوم کا نام بھی قرار پاگیا۔ جاہلی

شعرائے عرب کے اشعار سے بھی جو عرب کی تنہا ڈکشنری ہیں۔ اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ (اسد بن حمزہ

بن منقذ ثوری، ابوسفیان اور ابوطالب کے اشعار)۔

۔۔۔ اصل یہ ہے کہ تمام سامی زبانوں میں "عربہ" صحرا اور بادیہ کا مفہوم رکھتا ہے۔ عبرانی میں

"عربا" بیابان اور میدان کو کہتے ہیں اور خود عربی زبان میں اس مفہوم قدیم کے بقایا موجود ہیں۔

"عرابۃ" کے معنی بدویت کے ہیں اور "اعراب" اہل بادیہ اور صحرانشینوں کے لیے اب تک مستعمل

چونکہ عرب کا ملک زیادہ تر ایک بیابان بے آب و گیاہ ہے۔ اور خصوصاً وہ حصہ جو حجاز سے

بادیۂ عرب و شام اور سینا تک پھیلا ہوا ہے۔ اس لیے اس کا نام "عربا" قرار پا

اور پھر رفتہ رفتہ وہاں کے باشندوں کو عرب کہنے لگے۔

قرآن مجید میں لفظ "عرب" ملک عرب کے لیے کہیں نہیں بولا گیا ہے۔ حضرت اسماعیلؑ کی سکونت

کے ذکر میں وادٍ غیر ذی زرعٍ یعنی "وادی ناقابل کاشت" اس کو کہا گیا ہے۔ اکثر لوگ اس

کو عرب کی حالتِ طبعی کا بیان سمجھتے ہیں۔ لیکن اوپر جو تحقیقی بیان ہے اس سے واضح ہے کہ یہ لفظ

"عرب" کا بعینہٖ ترجمہ ہے۔ چونکہ اس عہد میں اس غیر آباد ملک کا کوئی نام نہ تھا، اس لیے خود لفظ

"غیر آباد ملک" اس کا نام پڑ گیا۔ توراۃ میں بھی اسماعیل کا مسکن "مُدبار" بتایا گیا ہے جس کے معنی

اور غیر آباد قطعہ کے ہیں اور جو بالکل "عرب" کا ترجمہ اور "وادی غیر ذی زرع" کے مرادف ہے۔

توراۃ میں لفظ "عربا" عرب کے ایک خاص قطعۂ زمین کے معنی میں متعدد بار آیا ہے۔ لیکن لفظ

اس وسعت کے ساتھ اطلاق نہیں ہوا ہے جس وسعت کے ساتھ اب یہ کہا جاتا ہے۔ لفظ "عربا" سے وہ

وہ قطعۂ زمین مراد لیا گیا ہے جو حجاز سے شام و سینا تک وسیع ہے (استثناء ۱-۱، و ۲-۱)۔

'لفظ "عرب" سب سے پہلے ۔۔۔ اق م میں حضرت سلیمانؑ کے عہد میں سننے میں آتا ہے

(سفر الملوک ۱۰-۱۵) اور پھر اس کے بعد عام طور سے اس کا استعمال عبرانی، یونانی اور رومانی تاریخوں میں

نظر آتا ہے۔ اسیریا کے کتبات میخی میں ۸۰۰ ق م میں عرب کا نام "عریبی" لیا گیا ہے۔ (تاریخ بابل و اسور

: عربی میں اس کے معنی "مسافر" ہیں اور اردو میں "مفلس"۔ (نقوش ۳۴۵)۔

: عربی میں "غصّہ" کے معنی حلق میں کسی چیز کے اچھو ہوجانے یا اٹک جانے کے ہیں۔ ہندستانی
اس کے معنی غیظ و غضب کے ہوگئے۔ (نقوش ۳۴۵)۔

: عربی میں اس کے معنی "لڑکا" ہیں اور اُردو میں "بندہ"۔ (نقوش ۳۴۴)۔

پیداوار۔ اصلی معنی "الداخل من کرا۔ دار۔ واحد غلام وفادار ... اسی آخری معنی کی مناسبت
سے غالباً موجودہ معنی پیدا ہوگئے۔ (لغات ۱۱۹)۔

عربی میں اس کے معنی "موٹا" ہیں اور اُردو میں "نجس"۔ (نقوش ۳۴۵)۔

انگریزی گنی کا مولد افریقہ کا ملک گانا یا گینی قرار پایا ہے جس کو عرب "غانہ" کہتے تھے اور بلاد التبر
(سونے کا ملک) کے نام سے پکارتے تھے اور وہیں سے سونا لاتے تھے۔ وہم پہنچتا ہے کہ
غانہ کا تعلق عربی کے "غنی" اور "غنا" سے تو نہیں۔ (نقوش ۳۴۹ ... ۳۵۰)۔

اصلی معنی الکثیر المختلط من الناس (لغات ۱۲۰)۔

قدیم زبان میں صحرائی بھوت، چڑیل کو کہتے تھے۔ (لغات ۱۲۰)۔ یہ مسافروں کو اپنی صورتیں یا لباس
بدل کر دھوکا دیتے تھے... یہ مذکر بھی ہوتے تھے اور مونث بھی، مونث کو سعلاۃ کہتے تھے۔ (... ۳۰)۔

: انسانی علم کے طبعی ذریعے وجدان، حواس اور عقل و استدلال وغیرہ ہیں۔ ان طبعی ذریعوں سے
ہر انسان کو ملے ہیں۔ جو علم حاصل نہیں ہوتا اس کو "علم غیب" کہتے ہیں یعنی اس شے یا اُن اشیا کا علم
انسان کے ظاہری و باطنی حواس اور دماغی قویٰ کی نگاہوں کے سامنے سے غائب ہیں اور اس کے مقابل
لفظ "شہادت" ہے جس کے معنی حاضر کے ہیں۔ یعنی وہ اشیا جو ہر انسان کے حواس اور قوئ دماغی کے سامنے ہیں۔

: لغت کی رو سے غیبت کسی شخص کی غیر موجودگی میں اس کی برائی کے بیان کو کہتے ہیں۔ مگر مذہبی تعلیم
شخص کی غیر موجودگی غیبت کے لیے کوئی ضروری قید نہیں ہے... اس لفظ کے اشتقاق کی مناسبت سے
لغت کے نزدیک غیبت صرف اس بدگوئی کا نام ہے جو کسی کے پیٹھ پیچھے یعنی اس کی عدم موجودگی میں
جائے۔ باقی کسی کے سامنے اس کے عیوب بیان کرنا تو یہ غیبت نہیں ہے بلکہ سبّ و شتم میں داخل ہے۔
اسی طرح غیبت صرف زبان تک محدود نہیں ہے بلکہ ہاتھ پاؤں اور آنکھ کے ذریعہ سے بھی غیبت کی
جا سکتی ہے۔ کسی شخص کی نقل کرنا، مثلاً ایک شخص لنگڑا ہے تو اس کے اس عیب کے نمایاں کرنے کے لیے لنگڑا کر

عیادت : عام طور سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ "عیادۃ المریض" کے معنی صرف بیمار پرسی کے ہیں یعنی کسی بیمار کی حالت میں دیکھنے کو جانا لیکن واقعہ ایسا نہیں ہے۔ بیمار کی عیادت کے معنی بیمار پرسی کے بھی ہیں اور تیمارداری، غم خواری اور خدمت گزاری کے بھی ہیں۔۔۔ عرب کا ایک قدیم شاعر جو حجاج کے زمانہ میں تھا کہ

ذھب الرقاد فما یحس رقاد   مما شجاک و نامت العواد

تجھے جو غم پہنچا اس سے نیند چلی گئی تو نیند نہیں معلوم ہوتی اور عیادت کرنے والے سو گئے۔۔۔ اگر "عیادت" کے معنی صرف بیمار پرسی کے ہوتے تو عیادت کرنے والوں کے سو جانے کا کوئی مطلب نہ ہوتا۔ اس سے ہوا کہ "عیادت" کی وسعت میں خدمت گزاری اور تیمارداری سے لیکر بیمار پرسی تک سب مدارج داخل ہیں۔

غ

غارت : عربی میں اس کے معنی "لوٹ" کے ہیں اور اردو میں "بربادی"۔ (النقوش ۳۴۲)۔

غالیچہ : جس چیز کو ہم "غالیچہ" کہتے ہیں عجب نہیں کہ وہ "قالیچہ" ہو یعنی چھوٹا قالی۔ اب آخر کا نون جو "قالین" میں ہے وہ "ین" ہے جو نسبت کے معنی بخشتا ہے جیسے رنگ سے رنگین۔ "قالین" کے معنی وہ فرش جو قالی کی طرح ہو۔ ایک "ی" چونکہ پہلے سے موجود تھی اس لیے دوسری "ی" نہیں لگی۔ یہ تحقیق میری ہے۔ معلوم نہیں صحیح ہے یا غلط[1] (النقوش ۳۱۸)۔ (مزید دیکھیے: قالین)۔

غایت : عربی میں اس کے معنی "گھوڑدوڑ کی آخری حد" ہیں اور اردو میں "غرض" آخری حد۔ (النقوش ۳۴۵)

غدّاری : غداری اور دغابازی کے معنی یہ ہیں کہ کسی کو زبان دے کر اطمینان دلایا جائے اور پھر موقع پا کر خلاف کیا جائے۔۔۔ عربی میں اس کو عام طور سے "غدر" کہتے ہیں۔ (تبصرے ۲۲۸)۔ (مزید دیکھیے "غدر")

غدر : "غدر" کے معنی عربی میں بے وفائی کرنے کے ہیں۔ اس سے اس بے وفائی کو کہنے لگے جو فوج عہد کو توڑ کر اپنے افسروں سے کرے۔ اس فوجی بے وفائی کا نتیجہ بدامنی ہے۔ یہ دونوں معنی ہندستان میں ہوئے اور بڑے شہروں میں بدامنی کے واقعے زیادہ پیش آتے ہیں تو بڑے شہر کو ہم نے غدار شہر کر دیا۔ (نقوش)

غربال : بمعنی چھلنی: اس کی اصل لاطینی لفظ "کریبولم" ہے۔ (لغات ۲۲۰)۔

غرض : عربی میں اس کے معنی "نشانہ" ہیں اور اردو میں "مقصد"۔ (النقوش ۳۴۵)۔

غرور : عربی میں اس کے معنی "دھوکا" ہیں۔ (النقوش ۳۴۴)۔

---

[1] ڈاکٹر عبدالستار صدیقی: "ق فارسی حرف نہیں۔ عربی اور ترکی لفظوں کے ساتھ فارسی میں داخل ہو گیا۔ مگر عام طور پر ایرانی اسے غ کر دیتے ہیں۔ اس لیے آقا آغا ہوا۔ قالی سے غالی اور چہ لگا کر غالیچہ" (معارف، ستمبر ۱۹۳۹ء، ص ۱۸۴)۔

ی اسی معنی میں آتے ہیں۔ ۔ ۔ بعض علمائے اسلام کہتے ہیں کہ "فرقان" کے معنی حصّہ کرنے اور تقسیم
ے کے ہیں۔ چونکہ قرآن مجید منزل، پارہ، سورہ، رکوع اور آیت پر منقسم ہے اس لیے اس کو فرقان
ہیں۔ ہم اس سے انکار نہیں کرتے کہ فرقان کے یہ معنی نہیں ہیں لیکن ہم اس کو کچھ زیادہ مناسب وجہ
ھتے۔ ہمارا اعتقاد ہے کہ قرآن اپنے ہر معنی کی تفصیل آپ کرتا ہے۔ اس لیے فرقان کے معنی بھی ہم کو
قان میں ڈھونڈنا چاہیے۔ یہ ظاہر ہے "فرقان" مصدر ہے۔ اب اس کے مشتق قرآن مجید میں دیکھو۔

رقات فرقاً (مرسلات) قسم ہے ان چیزوں کی جو حق و باطل میں فیصلہ کرنے والی ہیں۔

اس آیت سے "فارق" کے معنی فیصلہ کن یا ممیز کے ثابت ہوتے ہیں۔ "فرقان کے معنی کی توضیح کے لیے
ہ انفال کی یہ آیت پڑھو:

ان کنتم آمنتم باللہ وما انزلنا علی عبدنا یوم الفرقان (انفال ۵) اگر تم ایمان لائے ہو خدا پر اور اس چیز پر جو ہم نے
ے پر اس دن اتاری جو دن حق و باطل میں فیصلہ کرنے کا تھا۔

۔ ۔ اس بنا پر یہاں "فرقان" کے معنی فیصلہ کن یا حق و باطل میں فیصلہ کرنے والی قوت اور ممیز یا
میزہ کے ہیں۔ (مقالات ۳، ۴۷ تا ۴۹)۔

عرب کے تعلقات اہل یورپ میں سے فرنج کے ساتھ زیادہ تھے اور ان ہی سے ان کو زیادہ تعارف
س لیے وہ تمام یورپ کو "فرنج" اور "افرنج" کہتے ہیں۔ بعض لوگ اس کو فارسی لفظ "فرنگ"
ب سمجھتے ہیں اور ہماری رائے میں صحیح یہ ہے کہ خود "فرنگ" "فرنج" سے بنا ہے۔ (لغات ۱۲)۔

: ملا قطب الدین (سہالوی) کی شہادت کے بعد شاہ عالمگیر نے ان کی اولاد کو لکھنؤ میں شاہی مقبوضات
ے ایک بڑا امکان مرحمت کیا جس میں کبھی ایک فرنگی سوداگر رہا کرتا تھا اور اسی مناسبت سے وہ فرنگی محل
تھا۔ یہی فرنگی محل ہے جو آگے چل کر پورب کا سب سے بڑا دارالعلوم بنا۔ ملا قطب الدین کے کئی صاحبزادے
مران میں سب سے نامور ملا نظام الدین ہوئے جن کی نسبت سے عربی کا "درس نظامی"
رہے (اور جنھوں نے ۱۱۶۱ھ میں وفات پائی) (شبلی ۲، ۲۱)۔

قہ" کو فارسی میں "دانش" کہہ سکتے ہیں۔ اس لیے علم فقہ کا نام علم دانائی اور فقیہ کا دانا اور
ہمند قرار پایا۔ (مقالات ۲، ۵، ۶)

: "عربی میں "فلک" آسمان کو کہتے ہیں۔ چونکہ نجوم اور جوتش نے ہم کو یہ یقین دلایا ہے کہ ہماری ساری

چلنا بھی غیبت ہے... قرآن مجید میں متعدد آیتوں میں غیبت کے ان ہی مخفی طریقوں کی برائی بیان کی ہے...

ویلٌ لِکُلِّ ھُمَزَۃٍ لُمَزَۃٍ (ھمزہ) ہر شخص جو لوگوں کی عیب چینی کرتا ہے (اور ان پر) آوازے کستا ہے اسکی کمبختی ہے

... اس کے لیے اہل لغت کی تصریحات پیش نظر رکھنی چاہئیں جو حسب ذیل ہیں:

(۱) "همز" سامنے اور "لمز" پیٹھ پیچھے برائی کرنا (۲) "همز" خاص طور پر لوگوں کے نسب کی برائی کرنا (۳) همز" ہاتھ کے اشارے سے اور" لمز" زبان سے غیبت کرنا (۴) "همز" زبان سے اور "لمز" آنکھ کے اشارے سے غیبت کرنا (۵) همز" برے لفظوں سے ہم نشینوں کی دل آزاری کرنا (۶) "لمز" آنکھ، ہاتھ، سر اور ابرو کے اشارے سے ہم نشینوں کی برائی بیان کرنا۔ (سیرت ج ۶ ۶۴۹ تا ۶۵۱)۔

غیرت: عربی میں "غیرت" کا لفظ "حیا" سے خاص ہے... "غیرت" کے اصلی معنی رقابت کے جذبے کے ہیں جو محبت میں شرکت کو نہیں چاہتی۔ (سیرت ج ۶ حاشیہ ۴۴۳)۔

ف

فحش: اصلی معنی حد سے بڑھ جانے کے ہیں (الصحاح جوہری)۔ اور اس کے دوسرے لازمی معنی قبح یعنی برائی کے ہیں کیوں کہ جس چیز کی جو حد خالقِ فطرت نے مقرر کردی ہے اس کے آگے بڑھنا قبح یعنی برائی ہے۔ (سیرت ج ۶

فراست: لفظی معنی "تاڑ جانے" کے ہیں... یہ کیفیت ایک ملکہ کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے جو تجربہ کی کثرت اور عمل کی مہارت اور کمال کے بعد انسان کو حاصل ہو جاتا ہے اور جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کسی چیز کے دیکھنے، سننے، چکھنے یا چھونے کے ساتھ ہی صرف بعض علامتوں کے جان لینے سے دوسری متعلقہ ضروری علامتوں پر تفصیلی نظر ڈالے بغیر اتنی جلدی انسان صحیح نتیجہ تک پہنچ جاتا ہے کہ دیکھنے والوں کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ غیب کی بات بیان کر رہا ہے۔ (سیرت ج ۶، ۶۱)۔

فرج: "فروج" کے اصلی معنی دو چیزوں کے درمیان خلا کے ہیں اور اسی لیے اس سرحدی مقام کو بھی کہتے ہیں جدھر سے دشمنوں کے حملہ کا ڈر ہو۔ اس بنا پر یہ انسانوں کے اعضا میں سے اس خلا کا نام ہے جو اُن کے دونوں پاؤں کے بیچ میں ہے اور جدھر سے دشمنوں کی آمد کا خطرہ ہر وقت لگا ہوا اور جس پر پہرہ چوکی بٹھا کر ہر دم پاسبانی اور نگرانی کی ضرورت ہو۔ (سیرت ج ۶ ۴۰۴)۔

فرض: عربی میں اس کے معنی "واجب کرنا" ہیں اور اردو میں "ذمہ داری"۔ (نقوش ۳۴۳)۔

فرقان: جس طرح عبرانی میں "فرقہ" اور "فرق" حصہ اور ٹکڑے کے معنی میں ہیں... بعینہ یہ دونوں لفظ

"قعود" کے معنی عربی میں بیٹھنے کے ہیں۔ اس سے عربی میں لفظ "قاعدۃ" بنا اس کے معنی بنیاد کے
ے یعنی دیوار کا وہ حصہ جو زمین کے اندر بیٹھے۔ چونکہ بنیاد ہی کے اوپر ساری عمارت کھڑی ہوتی
اس لیے اہل علم نے اپنی اصطلاح میں ان اصول کو جن پر بہت سے مسئلوں کی بنیاد ہو قاعدہ
اور اب ہماری زبان میں قاعدہ قانون کے معنی دینے لگا اور اس کی جمع قواعد بنائی اور اس کو جمع
کے طور پر استعمال کیا تو اس کے معنی جزئی قانون کے ہوئے۔ (نقوش ۳۲۹ ۳۴ ۳۴) ۔ (مزید دیکھیے قواعد ۱)۔

ں: ایشیائے کوچک میں آرمینیہ کے علاقے میں ایک شہر کا نام قالیقلا ہے۔ چوتھی صدی ہجری میں یہ
لامی حکومت کا آخری شہر تھا۔ اس کی طرف جب نسبت کی جاتی تھی تو "قالی" کہتے تھے۔ عربی زبان
ایک مشہور ادیب اور لغوی اسی نسبت سے ابو علی قالی کہلاتا ہے۔ یہ فرش قالین اسی شہر کی صنعت
کاری گری ہے۔ اسی لیے اس کو 'فرش قالی' پہلی نسبت کے ساتھ کہا گیا پھر استعمال کی کثرت سے
کا نام ہی قالی پڑ گیا۔ یاقوت رومی متوفی ۶۲۶ھ اپنے جغرافیہ "معجم البلدان" میں 'قالیقلا' کے نیچے لکھتا ہے:

"یہ فرش جس کا نام قالی ہے قالیقلا میں بنایا جاتا ہے۔ لفظ میں ہلکے پن کے لیے نسبت میں اختصار مدنظر رکھا ہے" (یعنی قالیقلائی کی جگہ صرف قالی کہا ہے)۔

ؤید الفضلا' میں جو فارسی کا قدیم لغت ہے اس کو "قالی" لکھا ہے اور ایک شعر نقل کیا ہے فارسی شعرا
ے بھی قالی ہی باندھا ہے۔۔۔ اب آخر کا نون جو "قالین" میں ہے وہ "ین" ہے جو نسبت کے معنی
تا ہے جیسے رنگ سے رنگین۔ "قالین" کے معنی وہ فرش جو قالی کی طرح ہو۔ ایک "ی" پہلے سے
جود تھی' اس لیے دوسری "ی" نہیں لگی۔ یہ تحقیق میری ایجاد ہے' معلوم نہیں صحیح ہے یا غلط۔ نقوش ۱۰۰۔۲۱۷) مزید دیکھیے غالیچہ

ں: "قاموس" سمندر کے معنی میں ہے۔ اس سے عربی کے مشہور لغت نویس مجد الدین فیروز آبادی المتوفی
۸۱۰ھ نے اپنے لغت کی کتاب کا نام "القاموس المحیط" رکھا اور وجہ یہ بتائی "لانہ البحر الاعظم"۔ اس
لفظ کا ماخذ "قمس" ہے جس کے معنی غوطہ لگانے کے ہیں۔ "قموس" اس گہرے کنوئیں کو کہتے ہیں جس میں
ڈول ڈوب جائے۔ "قمیس" سمندر کو کہتے ہیں۔ اس کی جمع "قمامیس" ہے۔ اسی لفظ کی دوسری صورت
"قومس" ہے۔ ایک اور لفظ "قلمس" ہے جس کے معنی بھی اس کنوئیں اور دریا کے ہیں جس میں پانی بہت ہو۔
"خضم" دریا اور "خضرم" سمندر کو کہتے ہیں۔ (دیکھو قاموس للفیروز آبادی)۔ (جہاز ۴)۔

ن: یونانی سے ترجمۂ علوم کے زمانہ میں عربی میں آیا۔ یونانی میں اس کے معنی صرف قاعدہ و دستور کے تھے۔ (لغات ۱۲۵)

مصیبتیں آسمان کی گردش کا نتیجہ ہیں، اس لیے ہم نے "فلک" سے "فلاکت" بنایا اور اسی ت
کی ترکیب دے کر "فلاکت زدہ" "فلاکت کا مارا" کیا اور پھر اس کو عربی لفظ سمجھ کر اس کا مفعول
بنا لیا اور عربی اضافت دے کر "مفلوک الحال" کہہ دیا حالانکہ اس کے ان معنوں کو عرب جانتا بھی نہیں۔ (ایضاً)

فلسفہ: اس کی اصل یونانی لفظ "فیلاسافیہ" ہے۔ (لغات ۲۳۰)۔

فلفل: (گول مرچ) اس کی اصل سنسکرت الفاظ "پپلی" "پپالا" ہیں۔ (لغات ۲۲۱)۔ اسی سے
انگریزی لفظ "پیپر" بھی ہے۔ (تعلقات ۹۰)۔

فُلک: "فُلک" کے معنی سمندر کی موج کے ہیں۔ اسی سے "فُلک" بمعنی جہاز کو شاید کوئی تعلق ہو۔
(جہاز ۵)۔ اس نے یورپ میں پہنچ کر ۔۔۔۔۔ کی شکل اختیار کی۔ (جہاز ۱۰)۔

فوارہ: مشتق از "فور" بمعنی جوش و ہیجان۔ (لغات ۲۲۲)۔

فوج: عربی میں اس کے معنی "گروہ" "جھنڈ" ہیں اور اردو میں "لڑائی کا لشکر"۔ (لغت ۲۴۳)۔

فیرنی: "فرنی" اصل میں فُرنی (بالضم) ہے۔ چوتھی صدی کا مصنف محمد خوارزمی جو عربی نو یوں کا معاصر تھا
اپنی کتاب "مفاتیح العلوم" میں (ص ۱۶۰ لیڈن) بیماروں کی غذاؤں کے سلسلہ میں فرانی نام لیتا ہے
اور لکھتا ہے کہ اس غذا کی تیاری کی صورت یہ ہے کہ وہ مختلف شکلوں کی موٹی تنوری پھولی ہوئی (یا
سمجھیے) روٹی کو دودھ میں بھگو کر شکر ڈال کر تیار کی جاتی ہے (نان بہ شیر کہیے)۔ اس کا واحد فرنی۔
اس کو فُرنی اس لیے کہتے ہیں کہ یہ موٹی روٹی تنور میں جس کو عربی میں "فُرن" کہتے ہیں تیار ہوتی ہے
گویا فُرنی کو تنوری کے معنوں میں سمجھیے۔ ہندستان کا اثر یہ ہے کہ موٹی پھولی ہوئی روٹی کے بجائے
اس میں چاول ڈالنے لگے اور اب شکر قند ہو، سابودانہ ہو، جس چیز کو آپ دودھ شکر میں پتلا کر کے بنائیں
وہ فُرنی ہے۔ مگر اس کے ساتھ اتنی ترمیم اور کیجیے کہ "ف" کو پیش کی جگہ زبر دیجیے۔ (النقوش ۳۰۶، ۳۰۷)۔

فیلسوف: اس کی اصل یونانی لفظ "فیلاسفر" ہے۔ (لغات ۲۲۸)

ق

قاب: عربی میں لفظ "قَعْب" ہے۔ اس کے معنی لکڑی کے پیالہ کے ہیں جو لکڑی کو بیچ میں کھود کر بنایا جائے
(لسان العرب)، لیکن ترکی میں اور اس سے فارسی میں "قاب" کے معنی ظرف یا خانہ کے ہیں۔ اسی لیے
عینک کے خانہ کو اور قلم دان کو قاب کہتے ہیں اور پھر اسی سے کھانے کے بڑے برتن کو بھی
ہمارے ملک میں "قاب" کہنے لگے۔ (النقوش ۳۱۵، ۳۱۶)۔

نہیں ہے۔ فرا کی رائے قطعی غلط ہے۔ اگر اس کی رائے کا اعتبار کیا جائے تو اس کی تعلیل کی بنا پر صحیح لفظ قران ہوگا جو عام متواتر روایت کے خلاف ہے۔ اسی بنا پر زجاج نے فرا کی اس تحقیق کی ہنسی اڑائی ہے۔

ان چند اشخاص کے علاوہ تمام ائمۂ لغت، قرا، اور مفسرین قرآن بر وزن فعلان پڑھتے ہیں اور اس امر پر بھی ان کا اتفاق عام ہے کہ "قرآن" نقصان، غفران وغیرہ کی طرح مصدر ہے۔ زجاج اور ان کے بعض ہم زمانوں کی رائے ہے کہ "قرآن" صیغۂ وصف ہے۔ لیکن بہرحال یہ کوئی جوہری اختلاف نہیں ہے جو لوگ اس کو مصدر سمجھتے ہیں وہ بھی معنی اس کو صیغۂ وصف مانتے ہیں۔ لیکن اشکال یہ ہے کہ از روئے لغت "قرآن" دو لفظوں سے ماخوذ ہو سکتا ہے۔ پہلا قرء، قراءۃ، قرآناً ہے۔ اس کے معنی پڑھنے کے ہیں۔ دوسرا قرء، قرءاً، قراناً ہے جس کے معنی جمع کرنے کے ہیں ارباب علم نے دونوں راہیں اختیار کی ہیں اور لفظ قرآن کی تحقیق کے متعلق درحقیقت یہی دونوں راہیں درست ہیں۔ (ان مختلف اقوال کے لیے دیکھو الاتقان فصل ۱۷، اور تفسیر کبیر ج ۱ ص ۱۶۳)۔

(۱) پہلے معنی کے طرفدار قدما میں حضرت ابن عباسؓ (ابن جریر طبری، جلد ۲۹، ص ۱۰۲)۔ اور متاخرین میں (الاتقان فصل مذکور) لحیان (ایک مشہور لغوی) اور چند اشخاص ہیں۔ ان کے نزدیک یہاں مصدر وصف مفعول کے معنی میں ہے۔ یعنی قرآن مقروء کے معنی میں ہے۔ اس بنا پر اس گروہ کی تحقیق میں قرآن کو قرآن اس لیے کہتے ہیں کہ وہ بار بار پڑھا جاتا ہے...

(۲) قرآن کے دوسرے معنی یعنی جمع کرنے کے معنی میں لینے پر جمہور مفسرین اور ماہرین لغت کا اتفاق ہے اور درحقیقت یہی صحیح بھی ہے۔

"اکثر لوگ اس بات کی طرف گئے ہیں کہ قرآن قرء سے مشتق ہے جس کے معنی جمع کرنے کے ہیں۔"

(تفسیر فتح البیان جلد ۱، ص ۳۳...)

"حضرت قتادہ نے قرآن کے معنی کی توجیہ جمع کرنے کے ساتھ کی ہے۔" (تفسیر طبری ج ۲۹، ص ۱۰۲)۔

"ابو اسحاق زجاج نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ قرآن کے معنی جمع کرنے کے ہیں۔" (تاج العروس ج ۱ ص ۱۰۳)۔

"زجاج اور ابوعبیدہ نے کہا ہے کہ قرآن قرء سے ماخوذ ہے جس کے معنی جمع کرنے کے ہیں۔" (تفسیر کبیر ج ص ۱۶۲)

"ابن اثیر نے کہا ہے کہ قرآن کے اصل معنی جمع کرنے کے ہیں۔" (نہایہ ابن اثیر ج ۳ ص ۲۶۳)۔

"راغب اصفہانی نے لکھا ہے: قرآن کو قرآن اس لیے کہتے ہیں کہ اس نے جمع کیا ہے۔" (اتقان ص ۱۱۹، کلکتہ)...

قائد: اصل لغت کی رو سے "قائد" اس شخص کو کہتے ہیں جو خود آگے چل رہا ہو اور پیچھے سے گھوڑے کی باگ کھینچ کر گھوڑے کو کھینچے لیے جا رہا ہو۔ اس مناسبت سے مقتدائے گروہ کے معنی پیدا ہوئے۔ اس معنی میں حضرت علیؓ کا قول موجود ہے۔ زمانۂ عباسی میں اس کی متابعت سے سردار فوج اور سپہ سالار کے معنی پیدا ہوئے۔ (لغات)

قِران: مفاعلہ سے مصدر ہے بمعنی باہمی قرب و ملاقات۔ (لغات، ۱۳۹)۔

قرآن: عربی زبان کے ائمۂ لغت لفظ "قرآن" کی تحقیق میں مختلف الآراء ہیں۔ سب سے پہلا اختلاف یہ ہے کہ "قرآن" کا صحیح تلفظ بروزن فعلان ہے یا قُران بروزن فعال ہے۔ جو گروہ شقِ ثانی کا طرف دار ہے اس کی بھی دو جماعتیں ہیں۔ امام شافعی کہتے ہیں کہ صحیح قرأت قُرآن بروزن فعال ہے اور نیز قران کسی مصدر یا اصل سے مشتق نہیں ہے بلکہ خدا نے یوں ہی ایک لفظ کلام مجید کے نام کے لیے وضع کر دیا ہے۔ اس لیے سوائے نام ہونے کی حیثیت کے اور سوائے علمیت کے قرآن کے کوئی اور لغوی معنی نہیں ہیں جس کی مناسبت سے قران کا قران نام رکھا گیا۔ فرار اور امام اشعری امام شافعی کے ساتھ یہاں تک تو شریک ہیں کہ صحیح لفظ قران بلا ہمزہ ہے لیکن یہ تسلیم نہیں کرتے کہ اس لفظ کی از روئے لغت کوئی اصل نہیں یا بجز علمیت اس کے کوئی اور مناسب معنی نہیں۔ اسی کے ساتھ فرار اور امام اشعری کی یہ بھی رائے ہے کہ قرآن میں نون اصلی نہیں ہے۔ یہاں پہنچ کر فرار اور اشعری میں ایک اور اختلاف شروع ہوتا ہے۔ امام اشعری کہتے ہیں "قران" "قرن" سے مشتق ہے۔ "قرن" کے لغوی معنی ملانے کے ہیں۔ چونکہ قرآن سُور، آیات اور حروف کو باہم ملاتا ہے اس لیے اس کا نام "قران" رکھا گیا۔ فرار کی رائے ہے قران "قرائن" سے ماخوذ ہے۔ "قرائن" قرینہ کی جمع ہے۔ "قرینہ" کے معنی "دلیل اور شبیہ" کے ہیں چونکہ قرآن کی ایک آیت دوسری آیت کے اکثر مشابہ ہے اس لیے اس کو قران کہتے ہیں۔

امام شافعی کی رائے جمہور ائمہ لغت کے خلاف ہے۔ اس لیے قابل تسلیم نہیں۔ تمام کتب لغت میں قرآن کے معنی اور تحقیق موجود ہے جس سے اس قول کی پوری تردید ہوتی ہے۔ امام اشعری کی تحقیق اولاً صرف اسی حالت میں صحیح ہو سکتی ہے۔ جب قرآن کا صحیح تلفظ قران ہو۔ حالانکہ قرأت مشہورہ میں صحیح روایت قرآن ہے اور زجاج نحوی کی تحقیق کی بنا پر جس قرأت میں لفظ قران ہے وہ بھی دراصل قرآن ہے۔ ہمزہ تخفیفاً ساقط کر کے اس کی حرکت ماقبل کو منتقل کر دی گئی ہے ثانیاً حروف، آیات اور سُور کے اجتماع اور اتصال کی بنا پر قران کہنا کوئی مستحسن اور قبول خاطر وجہ

ست: اس کے اصل معنی درحقیقت "حصّہ" کے ہیں۔ (مکتوبات ۱۲)۔

ر: اس کی اصل لاطینی لفظ "کسٹرم" ہے۔ (لغات ۲۲)۔

او قدر: دنیا میں جو کچھ اب تک ہوا، جو کچھ اب ہو رہا ہے اور جو کچھ آئندہ ہوگا وہ اللہ تعالیٰ کے علم سابق اور فیصلۂ ازلی کے مطابق ہوا ہے، ہوتا ہے اور ہوگا... وحی محمدی نے اس اصطلاح کے لیے "لفظ" اختیار کیے ہیں۔ ایک "قدر" ہے جس کے معنی اندازہ کرنے کے ہیں اور دوسرا "قضا" جس کے معنی فیصلہ کرنے کے ہیں۔ (سیرت ۸۶ و ۶۶۲)۔

ب: "قطب" اصل میں چکی کی اس کیل کو کہتے ہیں جس پر چکی گھومتی ہے۔ (لغات ۱۳)۔

ب نما: قطب نما سے مقصود وہ مقناطیسی آلہ ہے جس سے سمت دریافت کی جاتی ہے۔ اس کی صحیح تاریخ قدامت کی تاریکی میں گم ہے۔ تاہم اگر اس کی ایجاد کے دعویٰ کا کوئی تحریری ثبوت پیش کر سکتا ہے تو اہلِ عرب ہی ہیں.. قطب نما کو بحر روم کے عرب جہاز راں اگر کمپاس کہتے تھے تو اس لیے نہیں کہ اس کو انھوں نے رومیوں سے لیا تھا بلکہ اس لیے کہ وہ شروع میں کمپاس اس بحری نقشہ کو کہتے تھے جس میں دریا، ساحل جزیرے اور ان کے طول البلد اور عرض البلد لکھے ہوتے تھے۔ بعد کو یہی نام وہ قطب نما پر بھی اطلاق کرنے لگے۔ نویں صدی ہجری تک کے بحرِ عرب کے عرب ملاح اس کو دائرہ اور بیت الابرہ (سوئی کا گھر) کہتے تھے۔ (جہاز ۱۲۶، ۱۲۷)۔ کنپاس کی پوری تحقیق ابن فضل اللہ عمری المتوفی ۷۴۹ھ ۱۳۴۷ء نے "مسالک الابصار فی ممالک الامصار" کی دوسری جلد کے پہلے باب میں لکھی ہے۔ یہ لاطینی لفظ (CAMPAS) کا معرب ہے اور غالباً یہ رومی جہاز رانوں سے ماخوذ ہے۔ بحرِ عرب اور خلیج فارس کے ملاح اس نقشہ کو "رہنامہ" کہتے ہیں۔ (جہاز ۱۲۲)۔

طعاً: عربی میں اس کے معنی ہیں "کاٹ کر یعنی ہر شک کو کاٹ کر" اور اردو میں "یقینی طور سے"۔ (نقوش ۲۴۲)۔

لعی: یہ لفظ گو پرانی عربی کا نہیں پھر بھی عربی لغتوں میں ملتا ہے۔ "قلعی" عربی میں (لسان العرب) اور اس سے فارسی میں (مؤید الفضلا) رانگے کو کہتے ہیں۔ مگر رانگے کو قلعی کیوں کہتے ہیں۔ "لسان العرب" کا بیان ہے کہ قلع ایک کان کا نام ہے جس سے رانگے کی بہترین قسم نکلتی تھی۔ اس لیے اس کی طرف نسبت کر کے اچھے رانگے کو قلعی کہتے ہیں اور چونکہ اسی رانگے سے تانبے کے برتنوں پر سپیدی پھیری جاتی ہے۔ اس لیے اس کو قلعی کرنا کہنے لگے۔ پھر چونے سے بھی اگر مکانوں پر سپیدی پھیری جاتی ہے۔ اس لیے اس کو قلعی پھیرنا کہہ دیا۔ ہماری زبان میں ان استعمالوں سے یہ معنی پیدا ہوئے کہ کسی داغ دھبے اور عیب کو ظاہر کر کے سب کو

مفسرین کے اقوال، ائمہ لغت کی تصریحات اور شعرائے جاہلیت کے استعمال سے گو قران کے معنی بالکل واضح ہو گئے ہیں، لیکن قرآن مجید اپنے ... معنی کی توضیح آپ کرتا ہے ...

(انّ علینا جمعہ و قرانہ (قیامہ) بیشک اس کا اکٹھا اور جمع کرنا ہم پر ہے۔

اس تفصیل کے بعد کہ "قرآن" کے معنی جمع کے ہیں اور نیز جیسا کہ ہم پہلے کہہ آئے ہیں کہ قرآن یا مصدر بمعنی وصف ہے یا خود صیغۂ وصف ہے۔ یہ ثابت ہو گیا کہ "قرآن" کے معنی جامع (جمع کرنے والا) کے ہیں۔ (مقالات ۳ ص ۵۶ تا ۶۲)۔

قرطاس: کاغذ۔ عربی میں یونانی سے آیا۔ (لغات ۱۴۰)۔ اس کی اصل یونانی لفظ "کارتیس" ہے (لغات ۲۴۲)۔

قرعہ: لاٹری۔ یعنی چِٹھی ڈال کر لوگوں کے فوج میں داخل ہونے کے لیے اسم نویسی۔ اکثر سلطنتوں میں یہ طریقہ رائج ہے ...

قرمز: (رنگ) اس کی اصل ہندی لفظ "کرمج" ہے (تعلقات ۷)۔

قرنطینہ: اس کی اصل اطالوی لفظ "کورنٹینا" ہے۔ (لغات ۲۲۳)۔

قرنفل: "لونگ۔ اس کی اصل سنسکرت لفظ "کنتک پھل" ہے۔ (لغات ۲۲۱)۔

قریش: فہر کا لقب قریش تھا۔ اس بنا پر اس کی نسل قریش اپنا خاندانی عَلَم قرار دیا۔ لفظ "قریش" کے عربی میں متعدد معنی ہیں۔ اس کا ایک ماخذ تقریش و تقرش ہے جس کے معنی "اکتساب و تحصیل" ہیں ... خیال ہے کہ چونکہ اس خاندان کا اصلی پیشہ تجارت تھا۔ اس لیے قریش کے نام سے موسوم ہے۔ قریش ایک دریائی درندہ جانور کا بھی نام ہے جو دریائی جانوروں کا شکار کرتا ہے۔ فہر نے اپنے استیلاء و قوت کے اظہار کے لیے یہ لقب اختیار کیا۔ حضرت ابن عباسؓ نے اسی دوسری تاویل کو اختیار کیا۔ (ارض ۲ ص ۹۸)

قرینہ: عربی میں "قرن" کے معنی ملانے کے ہیں۔ "قرین" ان دونوں جانوروں میں سے ہر ایک کو کہتے ہیں جن کے پاؤں ایک رسّی میں ملا کر باندھ دیے جائیں۔ اس سے "قرین" کے معنی عربی میں "ہمسر" کے اور "قرینہ" کے معنی بیوی کے ہو گئے۔ لیکن اُردو میں "قرین" کے معنی قریب، نزدیک اور پاس کے ہیں اور "قرینہ" کسی شے کے ہونے کے قیاسی لوازم۔ جیسے قرینہ یہ کہتا ہے، قرینہ سے یہ معلوم ہوتا ہے (نقوش ۲۴)

قزاق: قازق کی صورت میں روس کے ایک مسلمان قبیلہ کا نام جس کا پیشہ لوٹ مار تھا۔ اس سے "قزاق" ڈاکو کے معنی پیدا ہو گئے۔ (مقالات ۱ حاشیہ ۸۰۴)۔

قسم: اصل معنی "حصّہ" (لغات ۱۴۱)۔

"قمری" عربی کا قدیم لفظ ہے۔ اس کی جمع قُمر۔ ابو عامر نام ایک جاہلی عرب شاعر کے کلام میں ہے:

ما فی قمر قمر الواد بالشاھق ۔ مگر اس کا کوئی دوسرا شاہد نہیں۔

قمری کے آخر میں جو "ی" ہے اس کو کوئی صاحب یائے مبالغہ سمجھتے ہیں مگر اکثروں کی رائے یہی ہے کہ یہ یائے نسبت ہے۔ اب رہی یہ بات کہ کس کی طرف نسبت ہے تو بعض لوگ اس کو اس نام کے ایک پہاڑ کی طرف نسبت سمجھتے ہیں اور بعض اس نام کے کسی مقام کا ذکر کرتے ہیں۔ علامہ مرتضیٰ زبیدی نے "تاج العروس" میں اوپر کی تفصیل بتا کر لکھا ہے کہ ان کے استاذ نے "شرح کفایہ" میں اس کی تحقیق کی ہے۔

اب اہل لغت کے دربار سے اٹھ کر ہم آوارہ گرد جغرافیہ نویسوں کے مسافر خانوں میں پہنچتے ہیں یاقوت رومی "معجم البلدان" میں "قمر" نام کے ایک مصری شہر کا ذکر کرتا ہے اور ابن الفارس سے نقل کرتا ہے کہ قمری پرندہ اسی شہر کی طرف منسوب ہے۔ مقریزی "خططِ مصر" میں دریائے نیل کے منبع کی تلاش میں نکلتا ہے اور بحر ہند کے جزیروں کو دیکھتا بھالتا چلتا ہے اور اسی اثنا میں جزیرۂ قمر کا ذکر کرتا ہے اور جس کا دوسرا نام جزیرۂ ملائی بتایا ہے جس کو آج ہم ملایا کہتے ہیں۔ ان ہی میں سے ایک جزیرے کا نام قمریہ بتایا ہے اور اس کے بعد کہتا ہے:

وَالیھا ینسب الطائر القمری (ص۔۱۸ مصر) اور اسی جزیرہ کی طرف قمری پرندہ منسوب ہے۔

البیرونی نے "کتاب الہند" میں ملایا کے کچھ جزیروں کا قمیر بتایا ہے (ص ۱۰۲) (ہمارے دوست ڈاکٹر تارا چند نے بتایا ہے کہ انگریزی و فرنچ میں اس کو اب بھی کھمیر KHMER کہتے ہیں)۔

پرندوں کے نام ان مقاموں کی نسبت سے رکھنا جہاں پہلے پہل وہ پرندے کسی خوش مذاق کے ہاتھ آئے ہوں۔ عام بات ہے۔ ترکی، چینی، شیرازی وغیرہ اس کی مثالیں ہیں۔ (نقوش ۳۰۲ تا ۳۰۵)۔

...س: اس کی اصل، لاطینی لفظ "کامیسا" ہے۔ (لغات، ۲۲۷)

...: اس کی اصل لاطینی لفظ "گونڈیٹم" ہے۔ (لغات ۲۲۷)۔

...یل: اس کی اصل لاطینی لفظ "کنڈیلا" ہے۔ (لغات ۲۲۷)۔

...عد: "قاعدہ" کی جمع قواعد بنائی۔ اور اس کو جمع مذکر کے طور پر استعمال کیا تو اس کے معنی جزئی قانون کے ہوئے۔ لیکن ہم نے فوج کے نظم و ضبط اور ترتیب کے ساتھ چلنے، آگے بڑھنے، پیچھے ہٹنے کے قاعدے بنائے تو ان کا نام بھی قواعد رکھا اور وہ ان معنوں میں واحد مونث ہے اور خالص ہندستانی ہے۔
(نقوش، ۳۳۹، ۳۴۰)، (مزید دیکھیے "قاعدہ")

دکھایا جائے تو وہ قلی کھولنا ہوا۔ (نقوش، ۲۲۷، ۳۲۸)۔

قلق: (دل کی) بے چینی۔ ایجی ٹیشن ... واصل القلق ان لا یستقر الشی فی مکان واحد۔ (لغات ۱۴۴)۔

قلیہ: قلیہ کی شکل عربی ہے لیکن عربی نہیں۔ قلیہ کی عربی شکل قلیہ ہو سکتی ہے۔ عربی میں قلی بھوننے کو کہتے ہیں۔ اس سے قلیہ بن سکتا ہے اور بھونے ہوئے گوشت کو کہہ سکتے ہیں۔ ہماری زبان میں قلیہ اس شوربے دار گوشت کو کہتے ہیں جس میں کوئی ترکاری پڑی ہو بلکہ اسی ترکاری کو قلیہ کہنے لگے ہیں۔ (نقوش، ۳۱۶)[1]

قُمری: یہ نام عربی و فارسی سے آیا ہے۔ مگر اس کی اصلیت کے بتانے سے یہ دونوں زبانیں قاصر ہیں۔ فارسی کے خالص لغتوں میں یہ لفظ سرے سے نہیں۔ "مؤید الفضلا" میں جو عربی آمیز فارسی کا پرانا لغت ہے یہ لفظ ملتا ہے اور "تاج" نام کسی لغت کے حوالے سے لکھا ہے کہ فاختہ کو کہتے ہیں پھر اس سے اختلاف کیا کہ فاختہ اور چڑیا ہے اور قمری اور۔ فاختہ کا رنگ خاکستری ہوتا ہے اور اس کی آواز "یکے تو" یا "کوکوکو" کی ہوتی۔ گلے میں طوق ہوتا ہے اور قمری کی دو قسمیں ہیں ایک سفید کافوری اور دوسری صندلی اور اس کی آواز سے یا غوث کی صدا نکلتی۔

"تاج" کے نام سے تو جوہری کی "تاج اللغۃ" کی طرف خیال جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جوہری نے قمری کا ذکر کیا ہے۔ مگر یہ نہیں لکھا ہے کہ فاختہ کو کہتے ہیں۔ بہرحال یہ فارسی نہیں۔ عربی بھی نہیں کیونکہ اوّل تو عرب اس سے واقف نہ تھے۔ ان کے شعروں میں اس کا ذکر نہیں۔ قدیم عربی لغت میں یہ مذکور نہیں۔ اس کی ساخت اصل عربی لفظ کی نہیں۔ اس کے اخیر میں جو یائے مشدد ہے وہ نسبت کو ظاہر کرتی ہے اور اسی نسبت کی طرف اکثر اہلِ لغت گئے ہیں۔

جوہری کی تحقیق یہ ہے کہ یہ "قمر" سے مشتق ہے جس کے معنی سپیدی کے ہیں اور اس سے صفت بنی "اقمر" بمعنی سپید۔ اس قمر کی جمع ہوئی "قُمر" جیسے احمر سے حُمر اور اب یہ ہوا کہ سپید پرندوں کی جمع کے ساتھ یوں بولے "طیر قمر" اب اس جمع کا واحد جب مراد ہوا تو جمع کی طرف یائے نسبت لے کر "قمری" واحد بنا لیا جیسے روم سے رومی، زنج (زنگ) سے زنجی۔ مگر اس تحقیق میں بڑی کھینچ تان معلوم ہوتی ہے۔ عربی میں اس محنت سے کسی اور پرندے کا نام نہیں رکھا گیا۔

مجد فیروز آبادی نے "قاموس" میں "قمریہ" لکھا ہے۔ اور بتایا ہے کہ کبوتر کی ایک قسم ہے۔ مرتضیٰ زبیدی (بلگرامی) نے "تاج العروس" میں لکھا ہے کہ مجد نے یہ محکم زمخشری سے لیا ہے۔ بعضوں کا دعویٰ ہے کہ

---

[1] ڈاکٹر عبدالستار صدیقی: "قلیہ بلاشبہ عربی ہے۔ البتہ فارسی میں آکر (ی) کی تشدید گر گئی ہے۔" (معارف۔ ستمبر ۱۹۳۹ء۔ ص ۱۷۲)۔

یعنی مثالی صورت میں نظر آتی ہے۔ عام لوگوں کے سمجھنے کے لیے اس کی بہترین مثال خواب کی ہے۔
...نا ہے کہ خواب عالم خواب کی بات ہے اور کشف عالم بیداری کی۔ (سیرت ۶، ۲۲)۔

...: محاضرات کی کتابوں میں بعض کتابیں تصنیف کی گئی ہیں جن کو "کشکول" کہتے ہیں۔ ان کتابوں کا
...تمام موضوع نہیں ہوتا بلکہ ان تمام علوم و فنون کے متعلق نادر اور لطیف نکتے جمع کر دیے جاتے
اس لیے انسان ان سے دل بھی بہلا سکتا ہے اور علمی فوائد بھی حاصل کر سکتا ہے۔ (الشبلی ۹۰)۔

...کے لغوی معنی "چھپانے" کے ہیں اور محاورہ میں کسی کام یا احسان پر پردہ ڈالنے اور زبان و دل
...اس کے اقرار اور عمل سے اس کے اظہار نہ کرنے کے ہیں۔ اسی سے ہماری زبان میں "کفران نعمت"
...لفظ استعمال میں ہے۔۔۔ اللہ پاک کے احسانوں اور نعمتوں کو بھلا کر دل سے احسان مند نہ بننا
...ن سے اس کا اقرار، اور عمل سے اپنی اطاعت شعاری اور فرماں برداری ظاہر نہ کرنا کفر ہے۔ (سیرت ۴، ۳۴۵)

...: اس کی اصل یونانی لفظ "اکلیسیا" ہے۔ (لغات ۲۴۳ / ۲)۔

...: دیکھیے "قطب نما"۔

...ب: یہ لفظ چینی اصل کا ہے۔ (لغات ۲/ ۳۱۳)۔

...: خوارزمی کی کتاب "مفاتیح العلوم" میں بڑھیوں کے ایک اوزار کا نام "الکونیا" بتایا گیا ہے اور اس کی تشریح یہ ہے:

یقدر ون بہا الزاویۃ القائمۃ (ص ۲۵۵)۔ یعنی "اس سے زاویۂ قائمہ نکالتے ہیں"۔

...وئی کچھ کہے۔ ہو نہ ہو یہ لفظ ہمارا "کونیا" ہے جس کو آج بھی ہمارے کاریگر بولتے اور برتتے ہیں اور اس
...کا تلفظ "کنیا" ہے یعنی وہ آلہ جس سے کونہ (زاویہ) ناپیں۔ یہ ہاتھ ڈیڑھ ہاتھ کی دو لکڑیاں ہوتی ہیں
جن کو بخط مستقیم جوڑ کر کونہ (زاویہ قائمہ) نکالتے ہیں اور اس کی صورت یہ ہوتی ہے ⌐۔

...ٹ: اصل معنی "قلعہ"، (نقوش ۳/ ۲۲۳)۔ (مزید دیکھیے "گڑھ")

...تری: اس کی اصل ہندی لفظ "کھشتری" ہے۔ (نقوش، ۳۵۷)۔

...یر: کھیر اور شیر (دودھ) ایک ہی چیز ہے۔ سنسکرت میں دودھ کو "کشیر" اور سندھی میں "کھیر" کہتے ہیں
جس سے ہماری یہ کھیر پکتی ہے اور اسی لیے کھیر کہلاتی ہے۔ (نقوش، ۳۰۷)۔

...رانت: اودھ کے دیہاتی کاغذوں میں ۱۶ آنے کی تقسیم آنوں پر اور آنوں کی پائیوں پر اور اس کے بعد
"کیرانت" اور جو پر ہوتی ہے۔ لفظی بہروپیوں کے پہچاننے والوں کو اس کے پہچاننے میں دقت نہیں ہو سکتی

قوّال: "رباعی" کا ایک نام "قول" تھا اور غالباً اسی سے مشتق کر کے صوفیوں میں "قوّال" کے معنی "گویّے"
ہیں۔ کیونکہ غالباً اس کے ابتدائی معنی "قول" (رباعی) گانے والے ہوں گے۔ بعد کو ہر صوفیانہ مطرب کو "قوّال" کہنے لگے۔

قورمہ: "قورمہ" تو ترکی معلوم ہوتا ہے۔ (النقوش ۳۱۶)[1]

قولنج: اس کی اصل یونانی لفظ "کولیکی" ہے۔ (لغات ۲۴۱)۔

قہر: "قہر" کے معنی غالب آنا، زبردستی کرنا۔ (لغات ۲۰۳)۔

قیامت: اس کے معنی کھڑے ہونے کے ہیں ۔۔۔ اس سے مقصود ۔۔۔ موجودہ دنیا کے خاتمہ کے بعد دوسری
دنیا کی زندگی ہے۔ (سیرت ۴ ۱۴۵) ۔ یہ لفظ سریانی ہے۔ (لغات ۲۲۳)۔

قیراط: دیکھیے "کیرانت"۔

قیصر: اس کی اصل لاطینی لفظ "کیسر" ہے۔ (لغات ۲۲۷)۔

ک

کاغذ: چینی اصل کا لفظ ہے۔ شاید بواسطہ فارس آیا ہے۔ (لغات ۲۲۳)۔

کافور: اس کی اصل سنسکرت لفظ "کپور" ہے۔ (لغات ۲۲۱)۔ قرآن پاک میں استعمال ہونے والے
ہندی لفظوں میں سے یہ ایک ہے۔ دوسرے الفاظ ہیں: "زنجبیل" اور "مسک"۔ (تعلیقات ۲۷)۔

کباب: صورت عربی ہے۔ معنی عربی نہیں۔ "کبّ" عربی میں اوندھے کرنے کو کہتے ہیں۔ اب گوشت
اوندھا کر کے آگ پر رکھیے اس کو کباب کہیے۔ (النقوش ۳۱۷)[2]۔

کبر: دیکھیے "تکبّر"

کُٹُم: (خاندان) اس کی اصل ہندی لفظ "کٹنب" ہے۔ (النقوش ۲۵۷)۔

کسر: عربی میں "کسر" کے معنی "توڑنا" ہیں اور اردو میں "کسر" کے معنی "عیب" "کمی"۔ (النقوش ۳...)

کشف: لفظی معنی تو کھولنے اور پردہ اٹھانے کے ہیں۔ مگر اس سے مقصود یہ ہے کہ مادیت کے ظلمانی
پردہ کو چاک کر کے مادی چیز روحانی علم میں مشاہدہ کے سامنے آجاتی ہے ۔۔۔ وہ کبھی اصلی صورت میں

---

[1] ڈاکٹر عبدالستار صدیقی: قورمہ بھی ترکی ہے۔ ترکی مصدر قاورمق (یا قاوُرمَق) کے معنی ہیں بھوننا، تلنا (دم پر پکانا) قاورمہ اس طرح
پکائی ہوئی چیز ۔۔۔ اسی سے ہمارا قورمہ بنا۔ فارسی لغت کی کتابوں میں قورمہ نہیں تھا۔ (معارف ستمبر ۱۹۳۹ء ص ۱۷۲)۔ [2] ڈاکٹر عبدالستار
صدیقی: "حقیقت بھی عربی ہے۔ کبّ کے معنی ہیں اوندھا کیا۔ مگر اسی کے ساتھ لوٹا پوٹا، الٹا پلٹا" (معارف ستمبر ۱۹۳۹ء ص

ل

دیکھیے "لوازم"

"لالٹین" کی اصل "لنٹرن" ہے۔ (النقوش ۱۳۳)۔

آتش فشاں پہاڑ کا مادہ۔ اس کی اصل عبرانی لفظ "لابہ" ہے۔ (لغات ۲۱۶)۔

اس کی اصل، ہندی لفظ "لکھشن" ہے۔ النقوش ۶۵۶)۔

اللہ تعالیٰ نے کئی آیتوں میں اپنے کو "لطیف" فرمایا ہے۔ راغب اصفہانی "لطیف" کے مختلف معنوں میں سے ایک معنی یہ بتاتے ہیں:
"وہ اپنے بندوں کی رہنمائی میں نرمی (رفق) فرماتا ہے۔" (المفردات لطف)

بیہقی ان کی کتاب "الاسماء والصفات" میں نقل کرتے ہیں:

"خدا کا نام لطیف اس لیے ہے کہ وہ اپنے بندوں کے ساتھ بھلائی اور آسانی چاہتا ہے اور ان کے لیے صلاح اور نیکی کے اسباب کا فیضان کرتا ہے۔ لطیف اس لیے کہ وہ اپنے بندوں کے ساتھ بھلائی فرماتا ہے ان کے ساتھ اس طرح لطف کرتا ہے جس کا علم بھی ان کو نہیں ہوتا۔ ابن الاعرابی کا قول ہے۔ لطیف وہ ہے جو تمہاری ضرورت کو تم تک ملائمت (رفق) سے پہنچا دیتا ہے۔" (ص ۴۷، الہ آباد)۔

امام غزالی کہتے ہیں:

"اس صفت کا مستحق وہی ہے جو نازک اور باریک مصلحتوں کو جانتا ہے۔ پھر ان کو نرمی کے طریق سے، سختی سے نہیں، اس تک پہنچاتا ہے جس کے حق میں وہ مفید ہیں۔ جب عمل میں نرمی اور ادراک میں لطافت ہو تو لطیف کے معنی پورے ہوتے ہیں اور اس کمال کا تصور خدا ہی کے لیے ہے۔" ("روح المعانی"۔ تفسیر سورۂ شوریٰ) (سیرت ۵۰۹ و حاشیہ ۵۰۹)۔

لعنت: "لعنت" کے معنی "اللہ کی رحمت سے دوری اور محرومی" کے ہیں۔ (سیرت ۶۰۰)۔

: عربی میں اس کے معنی "لپیٹ" اور اردو میں "خول" کے ہیں۔ (النقوش ۳۴۴)۔

لکھنؤ: لکھنؤ پہلے گومتی کے کنارے ایک گاؤں تھا۔ چونکہ قنوج اور جونپور کے بیچ وہ ایک منزل تھی اس لیے رفتہ رفتہ اس کی آبادی بڑھنے لگی۔ تاریخوں میں سب سے پہلے اس کا نام میری تلاش میں تیمور کے حملہ

کہ کیرات "عربی" قیراط" کی خرابی ہے۔ ایک عربی دینار میں ۲۰ یا ۲۴ قیراط ہوتے تھے (لسان العرب
عربی میں "قیراط" یونانی سے آیا ہے۔ آج کل انگریزی میں یہی لفظ کیرٹ (CARAT) کی صورت میں
ہے اور انگریزی سونے کے بنے ہوئے زیوروں اور چیزوں میں اتنے کیرٹ گولڈ کی اصطلاح کا عام رواج ہے۔ (نقوش ۱۲۔

کیوں کہ: اس کی اصل، ہندی لفظ "کنتو" ہے۔ (نقوش، ۲۵۶)۔

گ

گڑھ: "گڑھ" ہندی لفظ ہے جس کے معنی قلعہ کے ہیں۔ ہندستان کے اکثر وہ شہر جن کے نام کا
جز گڑھ ہے ان کی آبادی کا آغاز درحقیقت کسی فوجی آبادی سے ہوا یعنی کسی زمیندار یا رئیس نے
اور اپنی رعایا کے لیے کوئی گڑھ بنایا اور اس کو اپنے نام کی طرف منسوب کر دیا۔ اعظم گڑھ بھی اسی
کا شہر ہے۔ راجہ اعظم جن کے نام کی طرف یہ نسبت ہے اعظم گڑھ کے مسلمان راجپوت راجاؤں میں
تھے۔ اس راجہ کا خاندان یہاں اب بھی موجود ہے اور اس کا قلعہ عرف عام میں کوٹ قلعہ کہلاتا ہے
اس کے آس پاس کی آبادی کا نام محلہ کوٹ ہے... اعظم خاں نے ۱۶۶۵ء میں اعظم گڑھ کی بنیاد ڈالی۔ (منتخب ا۵،

گفش: موٹے کپڑے کو ہم گفش کہتے ہیں... فارسی میں اس کی صورت "گبز" ہے۔

"بفتح اول وسکون ثانی وزائے نقطہ دار۔ ہر چیز گندہ وقوی وسطبر را گویند" (برہان قاطع)

اس کی دوسری شکل غفص کی ہے۔ صورت تو عربی ہے مگر عربی نہیں۔ (نقوش، ۲۲۷)۔[1]

گُن: اس کی اصل ہندی لفظ "گنڑ" ہے۔ (نقوش ۲۵۶)۔

گنڈہ: ایک دام کے پچیس حصے کر کے ہر حصہ کو جیتل کہتے تھے۔ اب اس کو گنڈہ کہتے ہیں۔ اکبر کے
میں بھی اس کا نام ملتا ہے۔ (آئین اکبری جلد اول ص ۱۲)۔ (نقوش، ۲۹۱)۔

گِنّی: انگریزی گِنّی کا مولد افریقہ کا ملک گاینا یا گینی قرار پایا ہے جس کو عرب "غانہ" کہتے تھے اور بلاد التبر
کا ملک) کے نام سے پکارتے تھے اور وہیں سے سونا لاتے تھے۔ (نقوش، ۲۹۴، ۲۹۵)۔

گھی: اس کی اصل، ہندی لفظ "گھرت" ہے۔ (نقوش، ۲۵۷)۔

گیر: گیر (لینے والا) لگا کر فارسی میں اسم مرکب بنائے جاتے ہیں جیسے دلگیر، جہانگیر۔ ہم نے اس سے لفظ
بہت سی چیزوں کے نام رکھ دیے جیسے خوگیر، عرق گیر، کفگیر، نم گیر، دیوارگیر، جاگیر۔ (نقوش، ۲۴۷)۔

---

[1] ڈاکٹر عبدالستار صدیقی: "غفص جب عربی لفظ نہیں تو "ص" سے کیوں لکھا جائے۔ غفس چاہیے۔ "گفت" بھی بولتے ہیں۔ یہ سب اسی "گبز" کے
مختلف تلفظ ہیں"۔ (معارف، ستمبر ۱۹۳۹ء ص ۱۸۷)۔

چیز بھری ہوتی ہے اس کے لیے بولا جانے لگا۔ انگریزی میں "مادہ" کو "میٹر" کہتے ہیں اور کسی مضمون
وتا کو بھی "میٹر" کہتے ہیں اس لیے ہماری زبان میں "میٹر" کا ترجمہ بھی "مواد" ہوا اور بولا جانے لگا۔ (نقوش ۳۴۳)

اس کی اصل یونانی لفظ "ملنکولیا" ہے۔ (لغات ۲۴۱)۔

س کی اصل ہندی لفظ "مائی" ہے۔ نقوش ۲۵۲)۔

یسے بھلامانس۔ اس کی اصل ہندی لفظ "منش" ہے۔ (النقوش ۲۵۷)۔

ربی میں اس کے معنی "کسی حد تک پہنچا ہوا۔" اور اردو میں "روپیوں کی تعداد" (النقوش ۳۴۲)۔

قرآن مجید میں) دو موقع پر "لسانٌ عربیٌ مبین" کہا گیا ہے۔ (نمل، شعرا) ... "مبین" کے لغوی معنی
اہر کرنے والا" واضح کرنے والا" کھولنے والا" اکثر مفسرین نے ان آیتوں میں "بیان" کے
وی معنی مراد لیے ہیں یعنی قرآن ایسی زبان میں اتارا گیا جو نہایت فصیح ہے ... (لیکن) "مبین"
ہاں مراد اس کے لغوی معنی نہیں بلکہ یہ لفظ بطور علَم کے ہیں ... ظہور اسلام کے وقت بھی عربی
مختلف بولیوں اور لہجوں میں منقسم تھی۔ ان میں جو فصیح ترین اور شیریں ترین زبان تھی۔
نام "لسانٌ عربیٌ مبین" تھا۔ مثلاً اردو زبان کا اطلاق لاہور، دلی، لکھنؤ، بنارس، پٹنہ، کلکتہ
ہ، حیدرآباد، بمبئی اور مدراس کی تمام اردو زبانوں پر ہوتا ہے ... لیکن ان میں سے بہترین اور
ترین زبان کو ہم "اردوئے معلّٰی" کہتے ہیں جو قلعۂ دہلی میں بولی جاتی تھی یا جو اب ہمارے
ور شاعر کی زبان ہے۔ (ارض ۱۴۴)۔ (مزید دیکھیے "بیان")۔

: عربی میں اس کے "بھاری ہونا" ہیں اور اردو میں "مہذب ہونا" (نقوش ۳۴۳)۔

: "تداول" سے مشتق ہے جس کے اصل معنی "دست بدست لینے" کے ہیں۔ (لغات ۳۳)۔

عربی میں اس کے معنی "بھاری" ہیں اور اردو میں "مہذب" (النقوش ۳۴۳)۔

س جگہ بیٹھیں عربی میں اس کو "مجلس" کہتے ہیں۔ بعض علما اور صوفیہ نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ
دنوں میں بیٹھ کر لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتے یا درس دیتے۔ اس سے اس قسم کی نشست کو
ھر اس نشست کی تقریروں کو "مجلس" کہنے لگے۔ ہندستان میں ایسی نشستوں کو کہتے ہیں جن
وگ مذہبی اور علمی تقریریں کریں یا مرثیے پڑھیں اور اسی سے ہم نے علمِ مجلس بنایا۔ جس میں تہذیب و شائستگی کے
مجلسوں میں اٹھنے بیٹھنے اور سلیقہ اور دلچسپی کی باتیں کرنے کے ڈھنگ سکھائے گئے۔ (النقوش ۳۳۹)۔

کے بعد ۸۰۲ھ میں ملتا ہے۔ تیمور کی واپسی کے بعد جب ملک میں طوائف الملوکی کا دور ہوا او
نے گجرات میں، خواجہ جہاں کے بیٹے مبارک شاہ نے قنوج واودھ وکڑہ اور جونپور میں اور
نے لاہور و دیبال پور میں اپنی اپنی حکومتیں قائم کیں تو اقبال خاں نے دوآبہ میں اپنی ر
چاہی، مبارک شاہ نے پورب میں اس کے پاؤں جمنے نہ دیے۔ اس سلسلے میں لکھنؤ کا نام
سننے میں آتا ہے۔ فرشتہ میں ہے:

"ملو اقبال خاں بہ قنوج رفتہ خواست کہ بہ جونپور و لکھنؤ در آید" (ص ۵۰۵، نولکشور)۔ (شبلی

لمبر: ہمارے نامور شاعر غالب نے "نمبر" کو "لمبر" باندھا۔ مجھ کو ڈر ہے کہ نہ چھینے ترا لم
اس سے محاورہ بنا: لمبر لے جانا "لمبر چھینا" لمبر لگانا۔ (نقوش، ۹۷)۔

لنگر: عربی میں اس کے لیے "انجر" اور "انجر" استعمال ہوتے ہیں۔ "انجر" کی اصل فارسی "لنگر"
نے یورپ میں پہنچ کر "اینکر" (ANCHOR) کی شکل اختیار کی۔ (جہاز، ۱۴، ۱۸۹)۔

لوازم: عربی "لزم" اور "لزوم" سے نکلا ہے۔ "لازمہ" کی جمع ہے۔ کسی شے سے چپک جانے کو "ل
ہیں۔ اس سے اہل منطق نے ایسے مفہوم و معنی میں جس کا کسی دوسری شے سے چپکا رہنا ضروری ہے یا
الگ نہیں ہوسکتا، اس کو استعمال کیا ہے۔ اسی سے ہماری اردو میں "لازم" کے معنی "ضروری"
اس کی جمع کسی طرح "لوازم" بنی۔ اب اردو میں اس کی جمع "لوازمات" بنائی گئی اور اس کے م
کے ضروری سامان واسباب کے ہوگئے۔ "لوازمات" کے اس معنی کا اردو واحد سننے "لوا
جس کو عربی سے ادنیٰ تعلق نہیں۔ (نقوش، ۳۳۴، ۳۳۵)۔

لیمون: اس کی اصل ہندی لفظ "لیمو" ہے۔ اسی سے انگریزی "لیمن" ہے۔ (تعلقات، ۱۷)۔

م

ماتحت: عربی کے لحاظ سے بے معنی ہے۔ مگر ہماری زبان کا وہ نہایت صحیح و فصیح اور بامعنی لفظ ہے

ماتم: عربی میں اس کے معنی "میت پر غم کرنے کے لیے جمع ہونے کی جگہ" ہیں اور اردو میں "میت کا غم"، (نقوش، ۴۶

مادہ: "مادہ" "مد" سے اسم فاعل مونث ہے۔ اس کے معنی پھیلنے پھیلانے کے ہیں اور "مادہ" کے معنی پ
کے لیے۔ یونانی زبان سے فلسفہ کا ترجمہ جب عربی میں ہوا تو جسم کی صورت میں جو چیز پھیلی ہوئی ہے
نام گھڑ کر رکھا اور اس کی جمع "مواد" بنائی۔ ہماری زبان میں یہ لفظ "مواد" واحد کی صورت میں

محلہ : اصل معنی "منزل" (لغات ۱۷۱)۔ یہ لفظ "حل" مشتق ہے جس کے معنی کسی شخص یا قوم کا کسی مقام پر وارد ہونا ہیں۔ (لغات ۴)۔

محنت : عربی میں اس کے معنی "رنج و تکلیف" ہیں اور اردو میں "جسمانی کوشش" (نقوش ۳۴۳)۔

مدت : عربی میں اس کے معنی "درازی" ہیں اور اردو میں "زمانہ" (نقوش ۳۴۵)۔

مدمغ : اردو میں اس کے معنی "مغرور" ہیں لیکن عربی میں یہ لفظ نہیں ہے۔ (نقوش ۳۴۴)۔

مدینہ : قبل ہجرت نبوی اس شہر کا نام "یثرب" تھا۔ ہجرت کے بعد اس کا نام بدل کر مدینۃ النبی صلعم یعنی "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شہر" ہوا اور کثرت استعمال سے "ال" قائم مقام مضاف الیہ ہو کر "المدینہ" رہ گیا۔۔۔ محققین حال کا بیان ہے کہ "یثرب" مصری لفظ "اتھربیس" کی تعریب ہے۔ ہمارے یہاں کے مورخین کا بیان ہے کہ سب سے پہلے یہاں عمالیق آباد ہوئے تھے اور اب یہ ثابت ہو گیا ہے کہ عمالیق ۲۲۰۰ ق م میں مصر کے حکمران تھے اور ۱۶۰۰ ق م میں وہاں سے نکالے گئے۔ اس بنا پر شہر کی تعمیر کا زمانہ ۱۶۰۰ ق م اور ۲۲۰۰ ق م کے درمیان ہے۔ عمالیق کے بعد یہاں سب سے اول یہود آکر آباد ہوئے۔ اس کے بعد قبیلہ ازد کی دو شاخیں اوس اور خزرج یہاں آباد ہوئیں۔ یہ اوس و خزرج وہی قبائل ہیں جن کا لقب اسلام میں انصار ہوا اور جنھوں نے اسلام کی دعوت اولین قبول کی اور مسافرین اسلام کو اپنے گھر میں اتارا۔ (ارض ۹۸، ۹۹)۔

مذاق : عربی میں اس کے معنی "چکھنا" ہیں اور اردو میں "ظرافت"۔ (نقوش ۳۴۳)۔

مرہم : اس کی اصل یونانی لفظ "ملگما" ہے۔ (لغات ۲۴۰)۔

مسالا : "مسالے" کی اصلیت عربی میں "مصالح" ہے اور وہ "مُصلح" کی جمع ہے یعنی وہ چیزیں جو کسی کھانے کی اصلاح کے لیے اس میں ملائی جائیں۔ مگر اب وہ ہماری زبان میں "مسالا" لکھا جاتا ہے اور لکھا جانا چاہیے اور اب وہ کھانے کے مسالے کے ساتھ ہر مضمون کا مسالا بن گیا ہے۔ (نقوش ۹۱، ۹۲)۔

مستری : یہ اصل میں "مسطری" ہے۔ "مسطر" اس آلہ کو کہتے ہیں جس سے سطر سیدھی کی جاتی ہے۔ پرانے زمانہ میں ایک موٹے کاغذ پر موٹے تاگے کو سیدھ سے ناپ کر آج کل کے رول دار کاغذ کی طرح سی دیتے تھے اور اس پر لکھنے کے کاغذ کو دبا کر سطروں کو ابھارتے تھے تاکہ لکھنے میں سطریں سیدھی ہوں۔ یہ تو کاغذ کی بات چیت ہوئی۔ عمارتوں میں دیواروں کی سیدھ قائم کرنے کے لیے جس آلہ سے کام لیا جاتا تھا وہ بھی "مسطر" ہوا اور اس مسطر سے جو ماہر فن دیکھ بھال اور ناپ کر عمارت کی دیواروں کی سیدھ درست کرتا تھا وہ "مسطری" کہلایا اور پھر جب وہ ہندستانی زبانوں سے ادا ہوا تو "مسطری"

مجوسی: عربی میں "مجوس" کا لفظ یونانی سے آیا ہے۔ یونانی ان کو "میجوس" کہتے ہیں۔ اصل فارسی لفظ "مُغ" ہے۔ مجوس، یزداں اور اہرمن دو خداؤں کے قائل تھے۔ ایک فاعلِ خیر (یزداں) اور دوسرا فاعلِ شر (اہرمن)۔ یزداں کو نور اور اہرمن کو ظلمت سے بھی تعبیر کرتے تھے۔ (ارض ﷺ ۱۹۲)۔

محاذ: "محاذ" کی عربی اصل "محاذی" ہے۔ (نقوش ۳۳۱)۔ عربی میں محاذ کے معنی "مقابل" ہیں اور اردو میں "لڑائی کا میدان"۔ (نقوش ۳۳۳)۔

محروم: "محروم" کی تشریح میں اہلِ تفسیر کا اختلاف ہے۔ بعض اس کو محروم کہتے ہیں جس کا مالِ غنیمت میں کوئی حصّہ نہیں۔ کسی نے اس کے ظاہر معنی لیے ہیں کہ جو دولت سے محروم ہو۔ کوئی متعفف کے معنی لیتا ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ اُن سے مراد وہ مصیبت زدہ ہے جس کی کمائی یا کھیتی پر کوئی آسمانی افتاد پڑ گئی ہو اور اب وہ دوسروں کی مدد کا محتاج ہو گیا ہو۔ اسی معنی کی تائید اہلِ لغت اور بعض اہلِ تفسیر کے بیان اور قرآن پاک سے ہوتی ہے (دیکھو "لسان العرب" لفظ محروم و معارف اور تفسیر ابن جریر)۔ (سیرتؐ ۳۰۲)۔

محصنات: "عفت و پاکبازی کے لیے ("حفظ فروج" کے علاوہ) قرآن کا دوسرا لفظ "احصان" ہے جو "حصن" سے بنا ہے جس کے معنی قلعہ یا محفوظ مقام کے ہیں۔ اس سے "حصان"، "احصان"، "مُحصِن"، "مُحصَن"، اور "مُحصَن" الفاظ بنائے گئے ہیں۔ پہلا لفظ قرآن میں نہیں آیا۔ مگر عربوں کے اشعار میں آیا ہے۔ اس کے معنی پاک دامن عورت کے ہیں۔ دوسرے کے معنی حفاظت میں لینے یا حفاظت میں رکھنے کے ہیں۔ قرآن میں تین موقعوں پر آیا ہے۔ (تحریم ۲۔ نساء ۔ اور نساء ۴)۔ ... اسی سے اس کا اسم فاعل "محصن" (حفاظت میں لانے والا) اور اسم مفعول "محصنۃ" (حفاظت میں لائی گئی) نکاح کے سلسلہ میں قرآن میں آیا ہے۔ (نساء ۴)۔ ... قرآن پاک میں اس کے علاوہ "مُحصَنٰت" (حفاظت میں رکھی ہوئی بیبیاں) دو معنوں میں آیا ہے۔ ایک بیاہی عورتوں کے معنی میں:

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَاءِ (نساء ۴) ۔ اور بیاہی عورتیں (یعنی جو عورتیں کسی کے نکاح میں ہیں اور وہ دوسرے مرد پر حرام ہیں)۔

دوسرے شریف آزاد بی بیوں کے معنی میں جیسے:

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ (نساء ۴) ۔ اور جس کو تم میں سے مسلمان شریف اور آزاد بی بیوں کے نکاح کا مقدور نہ ہو (تو مسلمان باندی سے نکاح کرے)۔ (سیرتؐ ۲۰۴ تا ۲۰۸)۔

محصول: عربی میں اس کے معنی "جس کا حصول ہو" ہیں اور اردو میں "ٹیکس"۔ (نقوش ۳۴۰)۔

محل: اصل معنی "جگہ"۔ (لغات ۱۷۱)۔

صحیح لفظ "شاکر" یا "متشکر" بولنا چاہتے ہیں۔ مگران کی یہ اصلاح شکریہ کے ساتھ واپس کرنی چاہیے۔(نقوش ۹۸)۔

مصحف: صحابہؓ میں سے وہ لوگ جنھوں نے حبشہ کا سفر کیا تھا انھوں نے اہل حبشہ کو اپنی مذہبی کتاب کو "مصحف" کہتے سنا تھا اس لیے (باختلاف روایات) ان حضرات نے عموماً... یا ان میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے یا سالم غلام ابوحذیفہ نے کہا کہ اس (قرآن) کا نام مصحف رکھا جائے۔ لوگوں نے پسند کیا اور اس وقت سے قرآن مجید کو مصحف کہا جانے لگا... مسٹر آرنلڈ نے اپنی کتاب سوار السبیل فی معرفۃ المعرب والدخیل" میں لکھتے ہیں کہ "مصحف" حبشی لفظ ہے... "مصحف" حبشی زبان میں کتاب کو کہتے ہیں... اصل وجہ یہ ہے کہ مصحف اصحاف کا صیغہ مفعول ہے۔ اصحاف صحیفہ سے ماخوذ ہے۔ صحیفہ چند اوراق کو کہتے ہیں۔ اصحاف کے معنی اوراق بندی یعنی منتشر اوراق کو ایک کتاب کی صورت میں جمع کرنے کے ہیں۔ اس بنا پر مصحف ان منتشر اوراق کو کہتے ہیں جو مرتب کرکے کسی کتاب کی صورت میں جمع کر دیے جائیں۔ عربی زبان کا مستند لغوی ابن مکرم مصنف "لسان العرب" لکھتا ہے:

"مصحف اس کو کہتے ہیں جو لکھے ہوئے اوراق کو دو دفتیوں میں جمع کرے" (لسان العرب جلد ۱۲ ص ۸۸)۔

یہی مصنف آگے چل کر "مصحف" کے متعلق مشہور نحوی فرار کی رائے نقل کرتا ہے:

"مصحف صحف سے ماخوذ ہے یعنی اس کے اوراق جمع کیے گئے"۔

مشہور لغوی ازہری کی تحقیق ہے:

"مصحف کا مصحف اس لیے نام ہے کہ اس کی اوراق بندی کی گئی یعنی دو دفتیوں میں لکھے ہوئے اوراق کا جامع ہے" (لسان العرب جلد ۱۲، ص ۸۸)۔

ان ائمہ لغت کی شہادت سے "مصحف" کے معنی بالکل واضح ہو گئے۔ قرآن مجید عہد رسالت میں تحریری حیثیت سے اجزا اور اوراق میں یکجا مرتب نہ تھا۔ اس لیے حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں جب قرآن اجزا اور اوراق میں تحریری حیثیت سے مرتب ہو کر کتاب کی صورت میں آیا تو مقتضائے واقعہ کے لحاظ سے اس کے لیے "مصحف" سے زیادہ موزوں نام نہیں ہو سکتا تھا۔ اب یہ عقدہ بھی نہایت آسانی سے حل ہو سکتا ہے کہ قرآن مجید میں قرآن کا نام "مصحف" کیوں نہیں آیا۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید کا عہد رسالت میں نزول ہو رہا تھا وہ اس وقت مصحف نہ تھا یعنی مرتب کتابی نہ تھا۔ (مقالات ج ۵، ص ۳۰)۔

مطلق: "اطلاق" کے معنی رہا کرنے، چھوڑنے کے ہیں۔ (لغات-۱۱)۔

کا "مستری" ہوگیا اور اب وہ ہماری زبان کا لفظ ہے اور ماہر کاریگر کے معنی میں بولا جاتا ہے۔ (النقوش ۳۲۱)

"مستری" کے لفظ کو ڈاکٹر عبد الستار صدیقی عربی کے بجائے پرتگالی فرماتے ہیں۔ اس کی اصل شکل MI-STRE[1] ہے۔ مگر پرتگالی میں خود بہت سے عربی لفظ ہیں۔ (النقوش، استدراک ص الف)۔

مسل: اس کی اصل عربی لفظ "مثال" ہے۔ سرکاری شاہی کاغذات کی اصل تو دفتر میں رہی تھی اور اس کی بقیہ نقل (مثال) لوگوں کے پاس بھیجی جاتی تھی۔ اس سے "مثال" کے دوسرے معنی فارسی میں شاہی فرمان کے پیدا ہوئے اور اس کی جمع "امثلہ" اور "مثل" بنی۔ "مثال" اور "مثل" نے "مِسل" کی ہندی شکل اختیار کی۔ "مثل" اور "امثلہ" کا استعمال غالباً سلجوقیوں کے زمانے میں رواج پایا۔ تاریخوں میں کثرت سے یہ لفظ آتا ہے۔ (النقوش ۳۲۵)۔ "مسل" اور "مثال" کی تحقیق میں ہے کہ سرکاری کاغذات کی اصل دفتر میں رہتی تھی اور نقل (مثال) لوگوں کے پاس بھیجی جاتی تھی۔ اس کی دلیل کے لیے اقتباسات کتاب "آداب الحرب والشجاعہ" مبارک شاہ معروف بہ فخر مدبر شائع کردہ عربک اینڈ پرشین سوسائٹی پنجاب یونیورسٹی ص ۲۱ (غزنویوں کے عہد کی تصنیف) پیش ہے:

"مثالِ توقیع برسانیدند کہ ہرچہ تبعجیل تر بیاید۔" (النقوش، استدراک ص الف)۔

مُسلِم: "مسلم" کے اصلی معنی "سونپنے والے" ہیں۔ کوئی شخص اپنے دوست کو کسی دشمن کے حوالہ کردے تو عربی میں اسے "مسلم" کہیں گے اور یہ مذموم معنی ہوں گے۔ اس کا ابتدائی استعمال "مُسلِم للّٰہ" اپنے کو خدا کے ہاتھ میں سونپ دینے والا تھا۔ جیساکہ قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

بلیٰ مَن اسلمَ وجہہٗ للّٰہ   ہاں جس نے اپنے کو خدا کے سپرد کیا۔

لیکن کثرتِ استعمال سے صرف "مسلم" رہ گیا اور معنی وہی "مسلم للّٰہ" کے سمجھے جانے لگے اور اب کسی کو خطور نہیں ہوتا کہ اس کا کوئی برا مفہوم بھی ہے۔ (ارمن ۲۰۔۲۱)۔

مُشک: اس کی اصل سنسکرت لفظ "موشکا" ہے۔ (مقالات ۱/۱۱)۔ "مشک کے لیے عربی لفظ "مِسک" ہندی اصل کے ان تین لفظوں میں سے ایک ہے جو قرآن پاک میں استعمال ہوئے ہیں۔ دوسرے الفاظ "زنجبیل" اور "کافور" ہیں۔ (تعلقات ۷۲)۔

مشکور: عربی میں "مشکور" اس کو کہتے ہیں جس کا شکریہ ادا کیا جائے۔ مگر ہماری زبان میں اس کو کہتے ہیں جو کسی کا شکریہ ادا کرے۔ اسی لیے "مشکور" کی جگہ بعض عربی کی قابلیت جتانے والے اس کو غلط سمجھ کر

---

[1] ڈاکٹر صدیقی کے مضمون میں اس کے ہجے MESTRE چھپے ہیں۔ (معارف ستمبر ۱۹۳۹ء۔ ص ۱۸۵)۔

مقالہ: مضمون، آرٹیکل، اصل معنی القطعۃ من الکتاب۔(رافات ۱۸۳)۔

مقدمہ: عربی میں اس کے معنی "آگے کیا ہوا" ہیں اور اردو میں "جو جھگڑا عدالت میں پیش ہو"۔ (نقوش ۔۔۔)۔

مقرر: عربی میں اس کے معنی "ثابت کرنے والا" ہیں اور اردو "تقریر کرنے والا"۔ (نقوش ۳۲۵)۔

مکان: عربی میں اس کے معنی "ہونے کی جگہ" ہیں اور اردو میں "گھر"۔ (نقوش ۳۴۶)۔

مکہ: قدیم زبانوں کے بعض محققوں کے نزدیک بابلی یا کلدانی لفظ ہے جس کے اصلی معنی "گھر" کے ہیں۔ (تاریخ العرب قبل الاسلام"، جرجی زیدان۔ ص ۱۲۴۴ مصر)۔۔۔ قدیم شامی زبان میں "بک" کے معنی آبادی یا شہر کے ہیں جیسا کہ آج بھی شام کے ایک نہایت قدیم شہر کا نام بعلبک ہے۔ بعل کا شہر (بعل دیوتا کا نام)۔ یہ اس آبادی کی قدامت کی لغوی شہادت ہے اور کعبہ کی ابتدائی تعمیر کے وقت بھی نام "بکہ" قرآن پاک میں آیا ہے: ان اول بیت وضع للناس ببکۃ (آل عمران ۱۰) ۔۔۔ مکہ کا نام دوسری صدی مسیحی میں بطلیموس کے یہاں سب سے پہلے "مکاربا" (سیرت ۔۔۔) کی شکل میں نظر آتا ہے۔۔۔ توراۃ میں اس مقام کا نام اوّلاً صرف "مدبار" یعنی بادیہ بتایا ہے اور قرآن نے اسی کو وادی غیر ذی زرع (بن کھیتی کی زمین) کہا ہے۔ (ارض ۔۔۔)۔ یونانی لفظ "مکاربا" ۔۔۔ میں "ربہ" کے معنی اعظم کے ہیں۔ (ارض ملہ، ۲۷)۔

ملاح: چونکہ سمندر کا پانی کھاری اور نمکین ہوتا ہے اور عربی میں کھاری اور نمکین کو "ملح" کہتے ہیں اس لیے سمندر کے پانی سے نمک بنانے والے کو اوّلاً "ملاح" کہا گیا۔ پھر سمندر میں جہاز چلانے والے کو ملاح کہنے لگے۔ (جہاز۔۶)۔

ملائکہ: لفظ "ملائکہ" کا واحد "ملاک" ہے جو عربی قاعدہ سے ملک ہوگیا ہے۔ یہ "الوکہ" سے مشتق ہے جس کے معنی پیغام کے ہیں۔ اس لیے "ملائکہ" کے معنی پیغام رساں اور قاصد کے ہیں۔ (سیرت ۳۴)۔ ملائکہ کا لفظ جمع ہے۔ اس کا واحد ملک، ملاک اور مالک تین طرح مستعمل ہے۔ اس کے لغوی معنی "قاصد" اور "رسول" کے ہیں۔ اسی لیے قرآن پاک میں ملائکہ کے لیے "رسل" کا لفظ بھی آیا ہے جس کے معنی قاصد اور پیام رساں کے ہیں۔ ان سے مراد وہ غیر مادی مگر مخلوق نیک ہستیاں یا ارواح ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق عالم اور اس کے اسباب و علل کے کاروبار کو چلا رہی ہیں۔۔۔ یونانی مصری (اسکندری) فلسفہ میں ان کا نام "عقول عشرہ" (دس عقلیں) رکھا گیا ہے اور ساتھ ہی نو آسمانوں کے اندر بھی الگ الگ ذی الارادہ نفوس تسلیم کیے گئے ہیں۔ بلکہ نمالص یونانی فلسفہ میں بھی بعض غیر مادی ارواحِ مجردہ کا پتہ لگتا ہے جن میں سب سے اہم "لوگس" کا تخیل ہے جس سے

معاش: تنخواہ، مزدوری، اصلی معنی ما تعیش بہ من المطعم والمشرب۔ (لغات، ۱۸۰)۔

معجزہ: ہمارے متکلمین کے نزدیک معجزہ وہ امر ہے جس کو اللہ تعالیٰ کسی پیغمبر کے دعوے کی صداقت کے لیے دنیا پر ظاہر کرتا ہے۔ اس کے لیے چند شرائط ہیں۔ من جملہ ان کے ایک یہ ہے کہ وہ خارقِ عادت ہو تو گویا معجزہ کی عام تعریف یہ سمجھنی چاہیے کہ معجزہ اس خارقِ عادت چیز کو کہتے ہیں جو خدا کی طرف سے پیغمبر کی تصدیق کے لیے صادر ہو۔ (سیرت، ۳۹)۔

معجم: لغت کی کتاب، ڈکشنری۔ اس دور سے پہلے اس لفظ کا اس کتاب پر اطلاق ہوتا تھا جس کی ترتیب بہ ترتیب حروفِ ہجا ہوتی تھی۔ (لغات، ۱۸۰)۔ عربی زبان میں ابتداءً حروفِ ہجا میں نقطے نہیں ہوتے تھے اس لیے اکثر اہلِ عجم کی نظر میں حروف باہم متشابہ معلوم ہوتے تھے اور وہ ان کو صحیح نہیں پڑھ سکتے تھے۔ حجاج بن یوسف ثقفی۔۔۔ نے چند علما کی مدد سے نقطے ایجاد کرائے۔ اس پر بھی غلطی رفع نہ ہوئی تو قرآن کے الفاظ پر شکل یعنی زبر، زیر، پیش لگائے۔ اکثر عربی کتابوں میں تم نے "اعجام" اور "حروفِ معجم" پڑھا ہوگا۔ اس کے اصلی معنی یہ ہیں کہ "لفظ عربی کو عجمی بنانا"۔ چونکہ یہ نقطے عجمیوں کی خاطر ایجاد کیے گئے تھے اس لیے حروفِ ہجا پر نقطے لگانا گویا "اعجام" ہونا تھا یعنی عربی لفظ کو عجمی بنانا تھا۔ (مقالات، ۲۴)۔

معراج: "عروج" سے نکلا ہے جس کے معنی اوپر چڑھنے کے ہیں۔ چونکہ احادیث میں آپ سے "عُرِجَ بِی"، مجھ کو اوپر چڑھایا گیا، مروی ہے۔ اس لیے اس کا نام معراج پڑا۔ (سیرت، ۳۹۲)۔

معروف: احسان کے اسی وسیع معنی میں اسلام نے ایک اور جامع لفظ "معروف" استعمال کیا ہے۔ یعنی ہر وہ چیز جس کی خوبی عقلاً و شرعاً معلوم ہو معروف میں داخل ہے۔ قرآن کا حکم ہے کہ:

"وأمُر بالمعروف" (اعراف، ۲۴)۔ اور نیکی کرنے کو کہہ۔

(سیرت، ۴۹۲)۔ جو کام لوگوں میں عام طور سے پسند کیا جاتا ہے اور جس کا کرنے والا لوگوں میں ممدوح ہوتا ہے وہ تو جانا پہچانا کام ہے۔ اسی لیے اس کو معروف (شناسا) کہتے ہیں۔ (سیرت، ۵۹۲)۔

معنی: "معنی" کا لفظ عربی میں واحد ہے مگر اردو والے اس کو جمع بولتے ہیں۔ (نقوش، ۳۳۱)۔

مغرور: عربی میں اس کے معنی "دھوکا کھایا ہوا" ہیں۔ (نقوش، ۳۴۴)۔

مفلوک الحال: دیکھیے "فلاکت"۔

مقابلہ: اصلی معنی "آمنے سامنے ہونا"۔ (لغات، ۱۸۲)۔

سب کی نگاہ سے گر جاتا ہے وہ منکر یا ناشناسا ہے ۔۔۔ منکر وہ کام ہیں جن کو ہر شخص فطرۃً اور بداہۃً ناپسند کرتا ہے اور ان کی برائی ایسی کھلی ہوتی ہے کہ اس پر کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہی سبب ہے کہ ہر مذہب، ملت اور ہر طبقے، تمدن و تہذیب میں وہ یکساں برے سمجھے جاتے ہیں۔ (سیرت ۵۰۰،۵۰۱)۔

مواد: دیکھیے "مادّہ"۔ حکیم برہم مرحوم (مشرق گورکھپور کے اڈیٹر) نے مجھ سے کہا تھا کہ اصول اور مواد ان دونوں لفظوں کو سب سے پہلے مولانا شبلی مرحوم نے اردو میں ان نئے معنوں میں استعمال کیا۔ (نقوش ۳۴۲)۔

مورت: اس کی ہندی لفظ "مورتی" ہے۔ (نقوش ۳۵۷)۔

موریہ: بہت سے عرب خاندان سندھ میں آباد ہوگئے ۔۔۔ اور آہستہ آہستہ وہ مخلوط معاشرت کے خوگر ہوگئے اور پھر خاندان کے نام سندھی تلفظ میں ایسے ہوگئے کہ شناخت مشکل ہوگئی، مثلاً مغیرہ سے موریہ۔ (مقالات ۲۱۴)۔

موز: اس کی اصل سنسکرت لفظ "موشہ" ہے۔ (مقالات ۔۔۔)

موسیقی: اس کی اصل یونانی لفظ "موسیکی" ہے۔ (۔۔۔ ۲۲)۔

موضع: عربی میں اس کے معنی "رکھنے کی جگہ" ہیں اور اردو میں "گاؤں"۔ (نقوش ۳۴۰)۔

مؤتمر: کانفرنس، کانگریس، انجمن۔ اصلی معنی "مشورہ گاہ"۔ (رحمت ۱۹۵)۔

مہتم: عربی میں یہ لفظ "مُتّہم" ہے اور اس کے معنی "غم کھانے والا" ہیں۔ (نقوش ۳۴۳)۔

مہذب: مصدر "تہذیب" ہے۔ تہذیب کے لغوی معنی یہ ہیں کہ درختوں کی شاخیں اس لیے چھانٹ دی جائیں تاکہ ان میں سرسبزی و شادابی پیدا ہو اور ترقی کی نئی زندگی ان کو مل جائے۔ (سیرت ۱۷۷)۔

مہر: تغلق کے زمانہ میں اشرفی کے لیے دو لفظ ملتے ہیں۔ ایک تنکۂ زر ۔۔۔ اور دوسرا مُہرِ زر ہے۔ اس کو مُہر اس لیے کہتے تھے کہ اس پر شاہی نام نقش ہوتا تھا۔ مہر زر کی اصطلاح برنی میں ملتی ہے:

"سلطان محمد مہر مس پیدا آورد و فرماں داد کہ مہر مس را خرید و فروخت۔ چنانچہ مہر زر و نقرہ جاری است" (ص ۵۰۷)۔
یہی مہر زر اکبر کے زمانہ میں بھی زبان و قلم پر تھا۔ آئین اکبری میں اکبری سکّوں کے بیان میں بھی یہ لفظ ملتا ہے۔ (ص ۱۷)۔ اگرچہ اکبر نے اشرفی کے لیے سہنسہ، رہس، آتمہ، چگل، لعل جلالی، آفتابی وغیرہ الفاظ بنائے اور چلائے مگر مہر کا نقش بھی مٹا نہیں بلکہ پرانی شاہی اشرفی کو آج بھی مہر کہتے ہیں۔ (نقوش ۲۹۳، ۲۹۴)۔

مہنال: "منھ" ہندی ہے، "نال" نالی اور نلی لمبی سوراخ دار چیز کو کہتے ہیں جیسے بندوق کی نال۔ ویسے ہی نیچہ کی نالی کے منھ پر جو لگایا جائے وہ "مہنال" ہے۔ (نقوش ۳۴۸)۔

مقصود وہ اولین ہستی ہے جس کو خدا نے تمام کائنات کی پیدائش کا ذریعہ اور واسطہ قرار دیا ہے اور جس کو اہل فلسفہ عقل اول سے تعبیر کرتے ہیں۔ پارسیوں میں ان ہستیوں کا نام امشا سپند ہے اور ان کی بے شمار تعداد قرار دی گئی ہے۔ یہودی ان کو "کروبیم" کہتے ہیں اور ان میں سے خاص خاص کے نام جبریل اور میکائیل وغیرہ رکھتے ہیں۔ عیسائی بھی انہی ناموں سے یاد کرتے ہیں اور جبریل و روح القدس وغیرہ سے بعض کی تعبیر کرتے ہیں۔ (سیرت ۵۵۴، ۵۵۵)۔

ملت: قوم۔ اس لفظ کو اس معنی میں اول اہل فارس نے استعمال کیا۔ وہاں سے ٹرکی ہوتا ہوا مصر پہنچا۔ (لغات ۱۸۵)۔

ململ: انگریزی میں "ململ" کو جو "مسلین" کہتے ہیں وہ موصل کی طرف نسبت ہے۔ (نقوش ۳۰۵)۔

منارہ: لائٹ ہوس، روشنی خانہ۔ دریا میں جہاز کو روشنی دکھانے کے لیے ایک بلند مینارہ پر روشنی کرتے ہیں۔ پہلے معنی میں "منارہ" نور کا اسم ظرف ہے۔ دوسرے معنی میں یہ لفظ اس طرح ہے کہ منارہ پہلے نشان راہ کے ستون کو کہتے تھے۔ پھر ستون کی مناسبت سے مسجد کے اذان خانہ کو جو بشکل منارہ ہوتا ہے منارہ کہنے لگے۔ پھر عام مینارہ کو منارہ کہتے ہیں۔ انگریزی میں بھی لفظ MINARET ہے۔ (لغات ۱۸۶، ۱۸۹)۔

مناقشہ: واصل المناقشۃ الاستقصاء فی الحساب۔ (لغات [illegible])۔

منت: عربی میں اس کے معنی "احسان" ہیں اور اردو میں "عاجزانہ خوشامد"۔ (نقوش ۳۴۶)۔

منتظم: عربی میں اس کے معنی "دھاگے میں پرایا جانے والا" ہیں اور اردو میں "انتظام کرنے والا"۔ (نقوش ۳۴۳)۔

منجنیق: اس کی اصل یونانی لفظ "میگینیگن" ہے۔ (لغات ۲۲۸)۔

مندوب: ڈیلی گیٹ، قائم مقام قوم یا قائم مقام رعایا۔ نائب نمائندہ، اصلی معنی "بلایا گیا"۔ (لغات ۱۸۷)۔

منذر: "منذر" کا ترجمہ خبردار اور ہشیار کرنے والا... "منذر" عربی زبان میں وقت سے پہلے آنے والی مصیبت کو بیان کرکے اس سے بچنے کی تدبیر کے لیے تیار کرنے والے کو کہتے ہیں۔ (مقالات ۳۰۹)۔

منشی: از "انشا" (لکھنا)۔ (لغات ۱۹۸)۔

منصہ: مصر میں... اسٹیج کو... "منصہ" کہتے ہیں۔ لفظ "منصہ" قدیم ادب میں بھی مستعمل ہے۔ شلاً منصۂ قدرت، منصۂ ظہور، اس لفظ کے حقیقی معنی وہ بلند چبوترہ جس پر عروس رونما ہوتی ہے۔ (مکتوبات ۱، ۴۰، ۴۱)۔

منظور: عربی میں اس کے معنی "دیکھا گیا" ہیں اور اردو میں "قبول"۔ (نقوش ۳۴۴)۔

منکر: اس کے لغوی معنی ناشناسا کے ہیں... جو کام ہر طبقہ میں ناپسند کیا جاتا ہے اور اس کا کرنے و

اب دیکھیے کہ یہ نام تو اس آدمی کا تھا جس کے منھ میں صبح سے کچھ نہ پڑا ہو۔ اور اب ہم اس چیز کو کہتے ہیں جو صبح سویرے ایسے آدمی کو کھلا دی جائے یعنی شخص کے بجائے چیز کا نام ہو گیا۔ (نقوش [illegible])[1]

موس: "ناموس" کے معنی محرمِ اسرار اور راز داں کے ہیں۔ (رپ [illegible] ۲۴۴)۔ اس کی اصل یونانی لفظ "نومس" ہے جس کے معنی رسم، رواج، قاعدہ ہیں۔ (لغات ۲۴۴)۔

ن بائی: "با" پرانی فارسی میں کھانے کو کہتے تھے۔ چنانچہ اسی سے ہماری زبان میں "کنبا" باورچی نان بائی وغیرہ لفظ ہیں جن میں "با" کا جز ان ہی معنوں میں ہے۔ (نقوش [illegible])[2]

ی: ڈاکٹر اقبال: "راغب اصفہانی نے "مفردات" میں لفظ نبی کی تشریح میں لکھا ہے کہ لفظ نبی کے دو معنی ہیں: خبر دینے والا اور مقام بلند پر کھڑا ہونے والا۔ اوّل الذکر نبی ہمزے کے ساتھ اور دوسرا بغیر ہمزے کے۔ اس ضمن میں راغب نے ایک حدیث بھی نقل کی ہے یعنی حضور رسالت مآب نے فرمایا کہ میں نبی بغیر ہمزے کے ہوں۔ یہ حدیث صحاح ستہ میں ہے یا نہیں؟" (مکتوب [illegible] ستمبر [illegible])۔

مولانا سلیمان ندوی: "یہ حدیث صحاح میں نہیں ہے۔ آپ نے اس لیے نبی کہنے سے منع فرمایا۔ لغت کے رو سے منصب دار نبوت کے لیے نبی لفظ ہے نبی نہیں۔" (اقبال [illegible])

اور دوسری شامی زبانوں میں "نبی" "یا" "نابی" جو پیغمبر کے معنی میں مستعمل ہے اس کے لغوی معنی مخبر اور پیشین گو کے ہیں اور نبوت کے معنی مخبری اور پیشین گوئی کے ہیں۔ ([illegible] ۲۹۹)۔

جات: ڈاکٹر اقبال: "لفظ نجات کا روٹ کیا ہے اور روٹ کی رو سے اس کے معنی کیا ہیں؟" (مکتوب [illegible])

مولانا سلیمان ندوی: "ن ج و۔ معنی بلندی کے یعنی جو سیلاب کے وقت پناہ بن سکے۔ اسی سے 'نجوۃ' ہے۔ اسی سے موجودہ 'نجات' ہے۔" (اقبال ۔ ۲۱۵ [illegible] ۲۱۹)۔

نجد: (عرب کا) مشرقی حصہ عموماً بلند اور فراز ہے۔ اور وہ کوہ سراوت سے اتر کر وسط ملک کو طے کرتا ہوا عراق تک چلا گیا ہے۔ اس حصۂ مشرقی کا نام "نجد" ہے جس کے معنی فراز و بلند کے ہیں۔ ([illegible] ۱۰)

نستعلیق: ایک خاص فارسی خط کا نام ہے۔ یہ اصل میں "نسخ" اور "تعلیق" کی ہندی ترکیب ہے۔ ہندی تر[illegible]

---

[1] [illegible] ستمبر ۱۹۳۵ء ص [illegible]

[2] ڈاکٹر عبدالستار صدیقی: [illegible] لفظوں کے قیاس پہ نان باکو لوگ [illegible] بھی بولنے لگے۔ وہی آگے بڑھ کر [illegible] نان بائی ہو گیا [illegible] "با" [illegible] وغیرہ کے معنی کھانے کے ہیں [illegible] ستمبر ۱۹۳۵ء حاشیہ ۹۷)۔

میدہ: حکیم سنائی غزنوی (۴۶۴ھ - ۵۴۵ھ) جو بہرام شاہ غزنوی کے معاصر تھے وہ اپنے ایک قصیدہ میں زبانوں کے اختلاف کو غیر اہم بتا کر فرماتے ہیں:

تو ... مرگ ہرگز بجائے نہ یابی — زتسکِ لغتہائے اینی وآنی
اسامی دریں عالم است از نہ حاشا — چہ آب وچہ نان وچہ میدہ چہ پانی
(کلیاتِ سنائی، بمبئی۔ ص ۹۶)

لفظ "میدہ" فارسی لغات میں گو ملتا ہے (مؤید الفضلا) مگر خیال ہوتا ہے کہ یہ ہندی ہے کیوں کہ یہاں شاعر نے آب اور پانی کو جس طرح بالمقابل استعمال کیا ہے۔ ویسے ہی نان اور میدہ کو بالمقابل شاید رکھا ہے بطور لف ونشر غیر مرتب۔ (النقوش ۳۷ مع حاشیہ)۔

میزان: عربی میں اس کے معنی "تول، ترازو" ہیں اور اردو میں "جمع"۔ (النقوش، ۳۴۳)۔

میعاد: اصل معنی، "وقتِ وعدہ"۔ (لغات، ۱۸۹)۔

میگزین: صحیح عربی لفظ "مخزن" تھا۔ یورپین زبانوں میں جاکر "میگزین" ہوا۔ ترکی میں "مغازہ" ہوا اور وہی عربی میں آگیا۔ (ازات - ۱۸۱)۔

مِیل: اس کی اصل لاطینی لفظ "ملیم" ہے بمعنی میل کا نشان۔ (لغات، ۲۲۷)۔

مینار: دیکھیے "منارہ"

مینھ: اس کی اصل ہندی لفظ "میگھ" ہے۔ (النقوش ۲۵۷)۔

ن

ناخدا: یہ لفظ ہندی فارسی ترکیب سے بنا ہے ... یہ "ناؤخدا" یعنی خدائے ناؤ کی مقلوبی ترکیب ہے (جہاز ۶)
"ناؤ" ہندی ہے۔ "خدا" مالک کے معنی میں فارسی میں ہے۔ خسرو کہتے ہیں:
"ماخدا داریم مارا ناخدا درکار نیست" (تعلقات، ۶۴)۔

نار: ڈاکٹر اقبال: "لفظ نار کا روٹ عربی زبان میں کیا ہے؟" (مکتوب ۶ ستمبر ۱۹۳۴ء)۔ مولانا سلیمان ندوی: "ن و ر" معلوم ہوتا ہے۔ اس روٹ کے اصلی معنی چمک کے معلوم ہوتے ہیں۔ نور: روشنی، نار: آگ، نورہ: چونا۔ نورۃ: کلی۔ سب اسی ایک مفہوم کے مظاہر ہیں۔" (اقبال۔ ۲۱۹ وحاشیہ ۲۱۹)۔

ناس: یعنی خراب۔ اس کی اصل، ہندی لفظ "ناش" ہے۔ (النقوش، ۲۵۷)۔

ناشتہ: فارسی میں اس کے معنی اس بھوکے کے ہیں جس نے صبح سے کچھ نہ کھایا ہو (مؤید الفضلا، وبرہان قاطع

جاتے ہیں، اس لیے اردو میں نقد دام کے معنی اُس دام کے ہوئے جو فوراً دیے جائیں اور نقد ادھار دو مقابل کے اُردو لفظ ہو گئے۔ (نقوش ۳۴۰)۔

نقل: عربی میں اس کے معنی "کسی چیز کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا" ہیں، اور اُردو میں "ایک جگہ کی خبر کو دوسری جگہ بیان کرنا"۔ (نقوش ۳۴۴)۔

نمط: "نمط" کا لفظ مانند اور ہر طرح کے معنوں میں پہلے بولتے تھے مگر اب نہیں بولتے۔ (نقوش ۹۲، ۹۳)۔

نم گیر: نم یعنی شبنم۔ چونکہ اس قسم کے خیموں سے شبنم سے بچاؤ مقصود ہے اس لیے "نم گیر" کہہ دیا۔ (نقوش ۳۴۰)۔

نوائت نواتی: بحر روم کے عرب بحریوں میں جہاز چلانے والے کے لیے "نوتی" کا لفظ مستعمل ہے۔ یہ لفظ شعرائے جاہلیت (اعشیٰ) اور صحابہؓ کے زمانہ میں ہم کو ملتا ہے۔ (لسان العرب فی کلام ابن عباسؓ)

اہل لغت اس کے معنی یہ بتلاتے ہیں:

"والنوتی الملاح الذی یدبر السفینہ نوتی، ملاح جو جہاز کا پورا انتظام کرتا ہے۔

اس لفظ کو عربی وزن میں کر کے "نوات" کی صورت میں بھی بولا گیا ہے۔ ایک آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضؓ سے مروی ہے:

(انھم کانوا نواتین ای ملاحین (لسان العرب) وہ لوگ نوات یعنی ملاح تھے۔

یہ لفظ گو عربی میں قدیم زمانے سے مستعمل ہے مگر یہ خالص عربی نہیں۔ جوہری نے "صحاح" میں تصریح کی ہے کہ یہ اہل شام کا محاورہ ہے۔ (دیکھو "صحاح" میں لفظ "نوت")۔ وھو من کلام اھل الشام

اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ رومی راستے سے یہ لفظ شام ہو کر عرب میں آیا ہے۔ یہ اصل میں لاطینی لفظ NAUTIANS ہے جس سے فرنچ میں NATIQUE اور انگریزی میں نیوی (NAVY) نیویگیشن (NAVIG-ATION) نیول (NAVAL)، ناٹیکل (NAUTICAL) وغیرہ لفظ بنے ہیں۔

لیکن کیا ہمارا ہندی "ناؤ" ان لفظوں کی اصل نہیں بن سکتا؟

جنوبی ہندستان میں ایک شریف عربی النسل قوم نائت اور نوائت آباد ہے۔ خیال ہوتا ہے کہ وہ ان ہی نواتین یعنی عرب جہاز رانوں کی اولاد ہیں۔ جو بعد کو سواحل ہند پر آباد ہو گئی تھیں۔ (جہاز ۶۰، ۶۱)

نہ: اس کی اصل ہندی لفظ "نا" ہے۔ (نقوش ۳۵۷)۔

نہاری: نہار منھ۔ یہ بھی فارسی ہے۔ مگر دیکھیے کہ یہ فارسی ہندستانی سے مل گیا ہے کہ گویا ہندستانی ہی ہے۔

کا خاصہ ہے کہ جب دو لفظ ملا کر ایک بنائے جاتے ہیں تو بیچ کا ایک دو حرف لفظ کو ہلکا کرنے کے لیے گرا دیئے ہیں۔ اس طرح نسخ و تعلیق مل کر نستعلیق بنا۔ عربی میں "نسخ" لکھنے اور نقل کرنے کو کہتے ہیں۔ اس مناسبت سے اہل عجم نے عربی خط کا نام نسخ رکھا۔ تعلیق اور تعلیقہ کے نام سے اس نے فارسی شکل اختیار کی اور ان دونوں سے مل کر نستعلیق خط بابر کے زمانہ میں بنا۔ یہ وہی خط ہے جس میں آج کل اُردو لکھی جاتی ہے۔ یہ خط دوسرے شکستہ وغیرہ خطوں کے مقابلہ میں بہت بنا کر نہایت تکلف سے ٹھہر ٹھہر کر لکھا جاتا ہے۔ اس سے نستعلیق آدمی اور نستعلیق بول چال کی شکلیں پیدا ہوئیں۔ چراغ ہدایت میں ہے:

"نستعلیق گوئی حرفہارا ساختہ گفتن و عبارت را بتکلف ادا ساختن اشرف گوید"

"زنستعلیق گویا قوت لب، ریحاں خط، داغم"

اس سے ہماری زبان میں یہ وسعت پیدا ہوگئی کہ نستعلیق لباس، نستعلیق چال اور نستعلیق بول چال کہنے لگے"۔ (نقوش، ۳۲۶)۔

نصیب: بمعنی قسمت ... اس کے اصلی معنی در حقیقت "حصہ" کے ہیں۔ (مکتوبات ماجد، ۱۲، ۱۳)۔

نظّارہ: "ناظر" کا اسم مبالغہ ہے۔ (لغات۔ ۱۹۶)۔

نظریہ: تھیوری، مسئلہ ... قدیم منطقی اصطلاح "نظر" سے ماخوذ ہے یعنی وہ مسئلہ جس میں نظر، فکر و ترتیب مقدمات سے کام لیا گیا ہے۔ (لغات، ۱۹۶)۔

نفاذ: اصلی معنی "گھسنا، نفوذ کرنا"۔ (لغات ۱۹۶)۔

نفسانیت: عربی میں اس کے معنی "جان ہونا" ہیں اور اردو میں "خود غرضی"۔ (نقوش، ۳۴۵)۔

نفس لوّامہ: وہ جذبہ جس کا نام ضمیر ہے اور جو ہم کو ہمارے ہر بُرے کام کے وقت ہشیار کرتا ہے۔ وحی محمدی صلعم کی اصطلاح میں اس کا نام "نفس لوّامہ" (ملامت کرنے والا نفس) ہے۔ اور یہ خود ہمارے دل کے اندر ہے۔ سورۂ قیامت میں ہے:

"ولا اُقسمُ بالنفسِ اللوّامۃ (قیامت۔۱) اور قسم کھاتا ہوں اس نفس کی جو انسان کو اسکی بُرائیوں پر ملامت کرتا ہے۔ (رہبر مؤنث، ۵۲)۔

نقب: قدیم معنی "سوراخ کرنا"۔ (لغات، ۱۹۷)۔

نقد: "نقد" کے عربی معنی پرکھنے کے ہیں۔ اس سے ریویو کے معنوں میں آج کل نقد یا تنقید بولتے ہیں۔ چونکہ پرکھے سکّے جاتے ہیں، اس سے فارسی میں "نقد" کے معنی سکّے کے ہوگئے اور دام کی صورت میں سکّے دیے

حاق لغوی کہتا ہے :

"وحی کا اصل مفہوم اس کے تمام معنوں میں چھپا کر اطلاع دینے کے ہیں"۔

مجید میں یہ لفظ اپنے اصل مفہوم کے اندر تین معنوں میں آیا ہے :

) فطری حکم ۔ وَ اوحیٰ ربّک الی النحل (نحل) تیرے پروردگار نے شہد کی مکھیوں کو وحی کیا ...

) دل میں بات ڈال دینا ۔ واوحینا الیٰ اُمّ موسیٰ ان ارضعیہ (قصص)

اور ہم نے موسیٰ کی ماں کو وحی کیا کہ اس بچّہ کو دودھ پلاؤ ...

) چپکے بات کرنا ۔ یوحی بعضھم الیٰ بعض (انعام) یہ ایک دوسرے کو چکنی چپڑی بات وحی کرتے ہیں ...

وحی کے ان متفرق معنوں میں ایک مفہوم مشترک ہے اور یہ ہے کہ منہ سے لفظ نکلے بغیر ایک شخص کا سرے شخص کو اپنا مفہوم سمجھا دینا" یا اگر الفاظ ہوں تو وہ اس قدر پوشیدہ ادا ہوں کہ دوسرے کو نہ سن سکیں۔ (سیرت ۳۲۸ تا ۳۳۱)۔ لغوی معنی کسی کا اپنے دلی منشا کو لبوں کو جنبش دیے بغیر فار اور آہستگی کے ساتھ دوسرے پر ظاہر کر دینا ہیں اور اصطلاحاً اس کے معنی خدا کا اپنے دلی منشا ے اپنے خاص بندوں کو کسی غیبی ذریعہ سے مطلع کرنا ہیں ۔ (سیرت ۶۳)۔

: پہلے صرف ترشے ہوئے کاغذ کو کہتے تھے ۔ یہ لفظ حبشی اصل کا ہے ۔ (لغات ۲۰۱)۔

: دلّی میں بولا جاتا ہے ۔ اس کی اصل عربی "وراء" ہے ۔ (نقوش ۳۳۱)۔

: اصل الوظیفۃ مایقدر لک کل یوم من رزق او طعام ۔ یعنی روزینہ (لغات ۲۰۳)۔

: معنی لغوی "زیادتی"۔ (لغات ۲۰۴) ۔

ت : صوبہ، ملک ۔ اصل معنی انتظام کرنا ۔ (لغات ۲۰۴، ۲۰۵)

: عربی میں اسکے معنی "دوست، دوست متوَلّی" ہیں اور اُردو میں "سرپرست، خدا رسیدہ (خدا کا دوست)"۔ نقوش ۳۴۳)۔

ہ

: اس کی اصل ہندی لفظ "ہستی" ہے ۔ (نقوش ۲۵۷)۔

: اصلی معنی کسی کی برائی کرنا ۔ (لغات ۲۰۶)

: دکن میں طلائی سکہ کا نام "ہون" تھا جو آخر میں مخفف ہو کر "ہُن" ہو گیا اور آج ہماری زبان میں اس کی نسبت سے دولت کی کثرت کے معنی میں "ہُن برسنا" ایک یادگار رہ گیا ہے ۔ (نقوش ۲۹۴)۔

اس کی اصلیت "ناہار" ہے۔ "نا" نفی کے لیے اور "ہار" کے معنی غذا کے ہیں۔ "ناہار" یعنی نہیں کھایا ہوا۔
(برہان قاطع) اب اس سے ناہاری یعنی "نہاری" تیار ہوئی جو صبح کو نہار منہ کھائی جائے۔ اور لکھنؤ اور
دلی میں یہ خاص چیز ہوگئی جو بازاروں میں پکی پکائی بہت چٹ پٹی ملتی ہے[1]۔ (نقوش ۲۱۴، ۲۱۵)۔

نیت: نیت یعنی قلبی ارادہ اور انسان کی اندرونی غرض وغایت۔ (سیرت ۶۔ ۴۴)

نیلوفر: اس کی اصل سنسکرت لفظ "نیلوپل" ہے۔ (لغات۔ ۲۲۱)۔

و

واردات: مشتق از "ورود" (لغات، ۱۳۰۰)۔

والہ / والہانہ: "وَلَہ" کے اصل معنی عربی میں اس غم اور محبت اور تعلق خاطر کے ہیں جو ماں کو اپنی اولاد کے ساتھ ہوتا ہے۔ اسی سے بعد میں مطلق عشق ومحبت کے معنی پیدا ہوگئے اور اسی سے ہماری زبان میں لفظ "والہ" (شیدا) مستعمل ہے۔ (سیرت ۴، ۵۲۲)۔

وجہ: عربی میں اس کے معنی "منہ" کے ہیں۔ اس سے رُخ کے معنی پیدا ہوئے اور اس سے سبب کے معنی پیدا ہوگئے۔ (نقوش، ۲۲۲)

وحی: وحی کے معنی لغت میں حسب ذیل ہیں:

"وحی کے معنی اشارہ کرنا، لکھنا، پیغام دینا، دل میں ڈالنا، چھپا کر بولنا اور جو کچھ تم دوسرے کے خیال میں ڈالو۔" (لسان العرب)

(لکھنا جیسا کہ عجاج کے شعر میں ہے۔ خط وکتابت جیسا کہ لبید کا شعر ظاہر کرتا ہے۔ حکم دینا جیسا کہ عجاج کے ایک اور شعر سے پتہ چلتا ہے۔ چھپا کر بات کرنا جو ابوذویب کے شعر میں ہے، اشارہ کرنا جیسا کہ ایک اور مصرعہ میں ہے اور آواز جیسا کہ ابوزبید کے مصرعہ میں ہے)

لیکن اہل لغت کہتے ہیں کہ اس لفظ کے اصلی معنی "دوسروں سے چھپا کر کسی سے چپکے چپکے بات کرنے کے ہیں۔ کسائی عرب کا محاورہ بتاتا ہے۔

"وحیت الیہ بالکلام واوحیہ الیہ ھوان تکلمہ بکلام تخفیہ من غیرہ" یعنی کسی سے اس طرح باتیں کرو کہ اس کو دوسروں سے چھپاؤ۔

---

[1] ڈاکٹر عبدالستار صدیقی: "ناہار شکستن، ناہار کردن، نہار کردن، فارسی محاورے میں ہے۔ مگر ہم یوں نہیں بولتے پھر بھی ... ایرانی نہ ... ہے۔ اس کھانے کو جو نہار منہ کھائیں ایران میں قدیم زمانے میں بھی نہاری کہتے تھے۔" (معارف ستمبر ۱۹۳۹ء ص ۱۲۱)۔

خوارزمی (چوتھی صدی) "مفاتیح العلوم" میں کہتا ہے:

"لیکن ہندسہ تو یہ فارسی لفظ کا معرب ہے۔ فارسی میں اندازہ ہے یعنی مقدار۔ خلیل نے کہا ہے کہ مہندس رہ ہے جو نہروں کے نکالنے کا اندازہ و پیمائش کرتا ہے تاکہ نہریں کھودی جائیں اور "ہندزہ" سے بنا ہے اور وہ فارسی ہے تو "ز" کی "س" نے جگہ لے لی کیونکہ عربی میں دال کے بعد "ز" نہیں ہے۔" (نقوش ۳۰۹)

ہویٰ: فاسد غرض اور باطل خواہش کا نام قرآن پاک میں "ھویٰ" ہے۔ (سیرت ۱۸۰)

ہیولی: مادہ، میٹر، جس سے کوئی شے بنتی ہے۔ (لغات ۲۰۸)۔ اس کی اصل یونانی لفظ "ہولا" ہے۔ (لغات ۲۳۸)۔

ی

یم: "یم" کا لفظ بھی (دریا اور سمندر) دونوں معنوں میں آیا ہے۔ قرآن نے رود نیل (طٰہٰ۔ ۲) اور بحر احمر (طٰہٰ۔ ۲) دونوں پر اس کا اطلاق کیا ہے۔ (جہاز۔ ۴)۔ یہ لفظ سریانی ہے۔ (لغات ۲۲۵)۔

ہند: اہل فارس نے جب اس ملک کے ایک صوبہ پر قبضہ کیا تو اس دریا کا نام جس کو اب دریائے سندھ کہتے ہیں... ہندہو رکھا۔ پرانی ایرانی زبان اور سنسکرت میں "س" اور "ہ" آپس میں بدلا کرتے ہیں۔ ... اس سے ملک کا نام ہند پڑ گیا۔ عربوں نے جو سندھ کے علاوہ اس ملک کے دوسرے شہروں سے بھی واقف تھے۔ انھوں نے سندھ کو سندھ ہی کہا لیکن اس کے علاوہ ہندستان کے دوسرے شہروں کو ہند قرار دیا اور آخر یہی نام تمام دنیا میں مختلف صورتوں میں پھیل گیا اور "ہ" کا حرف الف ہوکر فرنچ میں "اند" اور "انڈیا" اور اس کی مختلف صورتیں ہوکر تمام دنیا میں مشہور ہوگیا اور خیبر سے آنے والی قوموں نے اس کا نام "ہندو استھان" رکھا جو فارسی تلفظ میں "ہندستان" بولا جاتا ہے۔ (تعلقات ۱۲، ۱۳)۔

ہندسہ: بعض لوگ غلط فہمی سے یہ سمجھتے ہیں کہ عربی میں ریاضیات اور رقم کو جو "ہندسہ" کہتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ہند کی طرف منسوب ہے اور تعجب ہے کہ علم کے باوجود ایک انگریزی فاضل جس نے موسیٰ خوارزمی کی کتاب "الجبر والمقابلہ" ۱۸۳۱ء میں لندن سے شائع کی ہے اور جس کا نام فریڈرک روسن (F. ROSEN) ہے وہ بھی اس غلطی میں مبتلا ہونا چاہتا ہے۔ (الجبر والمقابلہ خوارزمی۔ مقدمہ انگریزی ص ۱۹۶ و ۱۹۷۔ ۱۸۳۱ء لندن) حالانکہ یہ فارسی لفظ "اندازہ" کا معرب ہے جس کا عربی میں مصدری استعمال "ہندزہ" اور "ہندسہ" ہے "مفاتیح العلوم" محمد خوارزمی۔ ص ۲۰۳۔ لیڈن) اور یہ اصل میں انجینیرنگ کے معنی میں ہے۔ بعد کو متاخرین کی غلطی سے فارسی اور اُردو میں "ہندسہ" بولنے لگے اور اسی سے رقم مراد لینے لگے ورنہ صحیح لفظ "ہِندسہ" (زیر کے ساتھ) نہیں بلکہ "ہَندسہ" (زبر کے ساتھ) ہے۔ اسی لیے عربی میں "مہندس" انجنیر کو کہتے ہیں، حساب اور رقم جاننے والے کو نہیں۔ (تعلقات ۱۴۴، ۱۴۵)

فارسی لغت "برہان قاطع" کے مصنف بھی اسی غلطی میں گرفتار ہیں کہتے ہیں:

"ہندسہ بکسر اوّل وثالث وفتح سین بے نقطہ بمعنی اندازہ وشکل باشد و ارقامے را نیز گویند کہ در زیر حروف کلمات نویسند ہمچو ابجد ہوز حطّی"۔

یہ بیان تمام تر غلط در غلط ہے۔ "ہندسہ" بفتح اوّل وثالث ورابع بروزن فعللۃ فارسی لفظ "اندازہ" کا عربی بنایا ہوا مصدر ہے، معنی "اندازہ کرنا" اور اس سے مراد عمارت کا ناپنا اور نقشہ بنانا یعنی فن تعمیر ہے جس کو آج انجینیرنگ کہتے ہیں۔ بعضوں نے اس کو فارسی "اندیشہ" کا معرب بتایا ہے۔ مگر یہ صحیح نہیں۔

اور معنوں میں ملتا ہے، اصلاً ہنوں کے خاندان سے تھے۔ ہنوں کا اصل وطن شمالی چین میں کہیں تھا۔ "ہن" لفظ بھی اصلاً چینی زبان کا 'شان یو' ہے۔ 'شان یو' کا مطلب قدیم زمانے میں لڑاکو یا جنگجو وغیرہ تھا۔ ۔۔۔ ان ہنوں کا ایک قبیلہ ہوانگ ہو' ندی کے کنارے تھا جسے چینی اوردو کہا کرتے تھے۔ انھیں کی بنیاد پر دریائے ہوانگ ہو کے کنارے وہ مقام آج بھی چین میں اور دُس کہلاتا ہے۔ اوردو کا اصل مطلب چینی میں آوارہ گرد یا خانہ بدوش تھا۔ ان لوگوں کی آوارہ گردی کے رجحان کی وجہ سے چینی انھیں اوردو کہا کرتے تھے۔ پہلی صدی عیسوی سے کچھ پہلے ہی چینی لوگوں نے ان سبھی لوگوں کو وہاں سے کھدیڑا اور ہنوں کے ساتھ ساتھ یہ وسط ایشیا میں چلے آئے۔ یہ لوگ خیموں میں رہا کرتے تھے۔ اس لیے دھیرے دھیرے اس قبیلے کا اوردو ان لوگوں کے خیمے کے لیے استعمال ہونے لگا۔ یوں یورپ کی زبانوں میں اوردو سے نکلنے والے الفاظ کا اب بھی اصل معنی (یعنی آوارہ گرد ذات) کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً انگریزی ہورڈ (HORDE) کا مطلب یہی ہے۔ ۔۔ روایتی انداز میں ترکوں میں بھی اوردو لفظ آیا۔ اس وقت اس لفظ کے دونوں معنی (خانہ بدوش ذات، اور خیمہ) چل رہے تھے۔ کبھی کبھی دوسرے معنوں (فوج یا فوجی پڑاؤ) میں بھی اس کا استعمال ہوتا تھا۔ اوردو یا اورد شکل بھی ملتی ہے۔ یورپ میں اس لفظ کا قدیم ترین استعمال تیرھویں صدی کے نصف اوّل میں اوردم (ORDAM) کی شکل میں ملتا ہے۔ یورپ میں یہ لفظ کئی شکلوں میں کئی زبانوں میں استعمال ہوا ہے مثلاً پولش ہورڈا (HORDA) جرمن ہورڈے (HORDE)، فرانسیسی (HORDE) انگریزی (HORDE) اور روسی اوردا (ORDA) وغیرہ۔ ان زبانوں میں اس کے ترکی کے علاوہ منگولی زبان سے بھی جانے کا امکان ہے۔ تاشقند، خوقند میں اُردو "قلعہ" کے معنی میں اور پشتو میں لشکری پڑاؤ کے معنی میں چلتا ہے۔ ترکوں کا ہندستان سے تعلق ہونے پر یہ لفظ ہندستان میں آیا۔ اس طرح یہ لفظ چین سے چل کر منگولیا اور ترکی ہوتا ہوا ترکوں کے ساتھ ہندستان میں آیا۔ ہابسن جابسن کے مطابق ہندستان میں یہ بابر کے زمانہ میں آیا۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ بابر سے پہلے ہی ترکوں کے ساتھ یہ بھارت آچکا تھا۔ اس وقت اس کا مطلب خیمہ، تنبو، فوجی پڑاؤ وغیرہ تھا اور اس کی شکل اوردو سے اُردو ہوچکی تھی۔ ۔۔۔ یہاں آنے پر اس کا مطلب چھاونی یا لشکر کا بازار یا وہ بازار جہاں سب طرح کی چیزیں ملتی ہیں وغیرہ بھی ہوگیا۔ حملہ آور مسلمان فوجی پڑاؤ میں رہتے تھے اور وہاں ان کا ضروری چیزوں کے لیے بازار بھی ہوتا تھا۔ فوج کے بازار کے معنی میں ہی ہندستان کے کئی شہروں (دہلی، گورکھپور، غازی پور

ضمیمہ (۱)

نوٹس (NOTES)

گذشتہ صفحات میں علامہ سید سلیمان ندوی نے جن الفاظ سے بحث کی ہے۔ ان کے بارے میں بعض دوسرے نکات دیگر ذرائع سے دستیاب ہوئے ہیں جو نیچے درج کیے جا رہے ہیں۔ ان اندراجات میں جن کتابوں کے حوالے دیے گئے ہیں ان کے بارے میں ضروری تفصیلات ضمیمے کے آخر میں شامل 'کتابیات' کے تحت ملاحظہ کیجیے۔

آٹا: "ہندی شبد ساگر" کے مطابق پراکرت میں "اٹّ" (अट्ट) ہے جس کی اصل سنسکرت لفظ "آرد" (आर्द) ہے جس کے معنی "زور سے دبانا" ہیں۔ (ج ۱۔ ص ۴۳۰)۔

اچھّا: "ہندی شبد ساگر" نے سنسکرت اصل "اچھک" (अच्छक) بتائی ہے اور پراکرت شکل "اچھا" (अच्छआ) جس کے معنی 'صاف' 'غبار آلود' ہیں۔ (ج ۱۔ ص ۱۱۵)۔

احوال: "حال" کی جمع۔ عربی مصدر "حول" کے معنی "گزرنا اور پورا ہونا" ہیں۔

اُردو: "اُردو" لفظ کے بارے میں "ہابسن جابسن" میں بتایا گیا ہے:

"ترکی لفظ اُردو سے صحیح طور پر قوم تاتار کے خان کا پڑاؤ یا خیمہ مراد ہے۔ دوسری جانب یہ ہمارے لفظ "ہورڈ" (HORDE) اور روسی "اوردا" (ORDA) لفظ کی اصل ہے۔ دولگا کے ساحل پر واقع گولڈن ہورڈ (GOLDEN HORDE) سے اکثر لوگ ایک خاص تاتاری قبیلے کا مطلب لیتے ہیں۔ لیکن دراصل یہ ایک قسم کا شاہی کیمپ تھا۔۔۔ اس وقت ترکستان یعنی تاشقند، خوقند وغیرہ میں اردو قلعہ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ شاہی کیمپ کے معنی میں 'اُردو' کا لفظ غالباً بابر کے ساتھ آیا اور دہلی میں شاہی رہائش گاہ کو اُردوئے معلّٰی کہا گیا۔ دربار اور کیمپ میں جو ملی جلی زبان ابھری اسے زبانِ اُردو (کیمپ کی زبان) کہا گیا، اسی کی مختصر شکل اُردو ہوئی۔ پیشاور کی سرحد پر آج بھی اردو لفظ جنگ میں مصروف فوجیوں کے کیمپ کے لیے کثرت سے استعمال ہوتا ہے۔" (ص ۶۳۹، ۶۴۰)

بھولاناتھ تیواری نے "بھاشا وگیان کوش" میں لفظ "اردو" کے بارے میں اپنی یہ تحقیق پیش کی ہے:

"اُردو لفظ کو سبھی لوگوں نے اصلاً ترکی زبان کا کہا ہے اور اس کا اصل مطلب شاہی کیمپ یا خیمہ وغیرہ مانا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ۔۔۔ یہ لفظ چینی زبان کا ہے۔ ترک، منگول، اور تاتار جن میں یہ لفظ مختلف شکلوں

لائچی: "تمل زبان میں الائچی کے درخت کو ادر ملیالم میں خود الائچی کو "ایلم" کہا جاتا ہے جس کا مادہ "ایل" ہے
تمل میں دانۂ الائچی کے لیے "ایلو۔ ایرچی" اور کنڑ میں الائچی کو "ایل اکی" کہتے ہیں۔ (دراوڑین ڈکشنری ۶۷)۔

بجیل: یونانی لفظ ENGELION کے معنی "خبر" کے ہیں۔ (اس کی اصل ENGELLIEN ہے جس کے معنی
"خبر پہنچانے" کے ہیں۔ (ویبسٹر ۸۸۳)۔

وقیانوس: OKEANOS کو یونانی شاعر ہومر (HOMER) نے ایک ایسا دریا بتایا ہے جس کے بارے
میں فرض کیا جاتا ہے کہ اس نے زمین کو گھیر رکھا ہے۔ (ویبسٹر ۱۶۸۵)

بالوشاہی: "فرہنگ آصفیہ" اور "نور اللغات" دونوں نے یہ بتایا ہے کہ "خستگی کے باعث یہ
نام رکھا گیا"۔ (آصفیہ ۱/ ۳۵۷ و نور اللغات ۱/ ۴۹۷)۔

باورچی: "فرہنگ آصفیہ" نے اس کے لغوی معنی "اعتبار دار" بتائے ہیں۔ (ج ۱، ص ۳۶۱)۔

بربط: "یہ لفظ معرب ہے۔ بربط معنی سینہ بط کا۔ اس باجے کی شکل بط کے سینے کے مشابہ ہوتی ہے"۔ (نور اللغات ۱/ ۵۶۱)۔

برسات: "ہندی شبد ساگر" میں اس کی اصل ہندی "برسنا" آت" بتائی گئی ہے جو سنسکرت "ورشا"
سے ماخوذ ہے۔ (ج ۷، ص ۲۳۹۶)۔

بغچہ: "نور اللغات" نے لکھا ہے: "بقچہ لفظ بغچہ کا مفرس ہے جس کے معنی ترکی زبان میں جامہ پیچ
کے ہیں۔ ترکی میں بکچا ہے"۔ (ج ۱، ص ۶۰۳)۔

بندر: "دریا کی گذرگاہ۔ اصل میں بند در تھا۔ کثرت استعمال سے بندر ہو گیا" (نور اللغات ۱/ ۶۲۴)

بنیا: "ہندی شبد ساگر" میں اس کی اصل سنسکرت لفظ ونڑک (वणिक) بتائی ہے جس کے معنی ہیں
"وہ جو بیوپار سے اپنی روزی کمائے"۔ (ج ۷، ص ۳۳۸۴)

بوتام: "فرہنگ آصفیہ نے اس کی اصل انگریزی لفظ "بٹن" بتائی ہے۔ (ج ۱، ص ۴۱۹) مگر "نور اللغات"
نے فرانسیسی لفظ "بوتان" کو اصل بتایا ہے۔ (ج ۱، ص ۶۴۶)۔

بھاتی: اس لفظ کا مطلب "فرہنگ آصفیہ" میں "شادی کا بھات لے کر آنے والے" درج کیا گیا ہے۔
(ج ۱، ص ۴۲۵)۔ اور "نور اللغات" نے بھی اسی طرح کی صراحت کی ہے: "ننھیال کے لوگ شادی میں جو
کچھ لاتے ہیں اور اس کا عوض نہیں ہوتا وہ بھاتی کہلاتی ہے"۔ (ج ۱، ص ۶۶۰)۔ میت کے کھانے کے
لیے دونوں لغتوں میں "بھتی" کا لفظ لکھا گیا ہے۔ (آصفیہ ۱/ ۴۳۱ و نور ۱/ ۶۷۲)۔

وغیرہ) میں 'اردو بازار' نام ملتا ہے۔

مغل بادشاہوں کے فوجی پڑاؤ کے لیے بھی اُردو لفظ چلتا تھا۔ ان کے سکے کبھی کبھی پڑاؤ میں ہی ڈھالے پڑتے تھے۔ اس لیے سکوں پر ٹکسال کا نام اکثر 'اُردو' لکھا ملتا ہے۔ بابر کے کچھ سکوں پر 'اُردوئے ظفر قرین' اُردو لکھا ہے۔ جہانگیر نے کبھی جنوب جاتے وقت راستے میں اپنے شاہی پڑاؤ میں سکے ڈھلوائے تھے۔ اس کا ایک سکہ ایسا ملا ہے جس پر ٹکسال کا نام اردو در راہِ دکن لکھا ہے۔ شاہجہاں نے اکبر کی تقلید میں اپنی ٹکسال کا نام ہی اُردوئے ظفر قرین رکھ لیا تھا۔۔۔

ان پڑاؤ والے فوجیوں نے بابر کے زمانے میں دہلی کی عوامی زبان (کھڑی بولی) کو اپنایا۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ ہریانی (مشرقی پنجاب کی زبان) کا بھی اس پر اثر تھا۔ بعد میں جب راجدھانی آگرے چلی گئی تو شاہی فوجی پڑاؤ وہاں گیا اور ان فوجیوں کی زبان پر برج بھاشا کا بھی رنگ چڑھ گیا۔ اس طرح مغل بادشاہوں کے ساتھ رہنے والوں کی زبان وہی تھی جس کے ذخیرۂ الفاظ میں عربی، فارسی، ترکی الفاظ کافی تھے لیکن جس کی قواعد اصلاً کھڑی بولی کی تھی۔ لیکن ساتھ ہی پنجابی، ہریانی، برج وغیرہ سے بھی متاثر تھی۔۔۔ اس وقت تک شاہی پڑاؤ کی زبان بڑی حد تک ایک واضح شکل لے چکی تھی۔ لہٰذا اس زبان کو 'زبان اردوئے معلّٰی' کہا گیا۔" (ترجمہ مشمولہ "اُردو: ہندی دانشوروں کی نظر میں"۔ مرتبہ سید حامد حسین۔ ص ۶۸ تا

اصطبل: ویبسٹر ڈکشنری (WEBSTER'S DICTIONARY) میں لفظ اسٹابلم (STABULUM) کو لاطینی لفظ STARE سے ماخوذ بتایا ہے جس کے معنی "کھڑے ہونے" کے ہیں۔ (ص ۲۴۴۹)۔

اصطرلاب: یونانی لفظ "ایسٹرولیبان" (ASTROLABON) دو اجزا سے بنا ہے۔ پہلے جزکی اصل ASTRON ہے جس کے معنی ستارہ اور دوسرے جز کی LAMANEIN یا LABEIN ہے جس معنی 'لینے' کے (ویبسٹر ۱

افیون: یونانی لفظ "اوپیان" (OPION) کا مطلب پوست کا عرق ہے۔ یہ لفظ OPOS سے ماخوذ ہے جس کے معنی نباتاتی عرق کے ہیں۔ (ویبسٹر ۱۷۰۹)۔

اقلیم: یونانی لفظ "کلیما" (KLIMA) کے معنی "جھکاؤ" ہیں جس سے مراد زمین کا قطب کی جانب مفروضہ ڈھال ہے یہ لفظ KLINEIN سے ماخوذ ہے جس کا مطلب ہے ڈھال رکھنا، جھکنا۔ (ویبسٹر ۵۰۲)۔

اکسیر: یونانی لفظ "اکسیرین" (XERION) کے معنی دوا کے طور پر استعمال ہونے والے سفوف کے ہیں اور لفظ کی اصل XEROS ہے جس کے معنی "خشک" ہیں۔ (ویبسٹر ۸۲۲)۔

ہوگئی۔ بلحاظ ماحصل اس کا املا دونوں طرح درست ہو سکتا ہے۔" (فرہنگ آصفیہ ۶۴۹)

ٹکا: "ہندی شبد ساگر" میں اس کی اصل سنسکرت لفظ "ٹنک" (टङ्क) بتائی گئی ہے۔ (ج ۴ - ص ۱۸۶۶) لیکن "مانک ہندی کوش" میں اسے "ٹنک" (टंक) لکھا گیا ہے۔ (ج ۲ - ص ۴۴۳) "ٹنکہ" اسی "ٹنک" کا مفرس معلوم ہوتا ہے۔

جاگیر: "صحیح جائے گیر"۔ (فرہنگ آصفیہ ۳۰)۔

جغرافیہ: یونانی لفظ "جیوگرافیا" (GEOGRAPHIA) میں پہلا جز GEO، لفظ GE سے ماخوذ ہے جس کے معنی "زمین" ہیں اور دوسرا جز GRAPHE (بیان) کی شکل ہے جو کہ مصدر GRAPHEIN (لکھنا، بیان کرنا) سے مشتق ہے۔ (ویبسٹر ۱۰۴۸)۔

جنس: اس کے لیے لاطینی میں لفظ "جینس" (GENUS) مستعمل ہے جس کا اصطلاحی استعمال انگریزی میں علم نباتات (BOTANY)، علم حیوانات (ZOOLOGY) اور دوسرے علوم میں ہو رہا ہے۔ GENUS یونانی لفظ GENOS سے ماخوذ ہے جس کے معنی نسل، خاندان، اولاد وغیرہ ہیں۔ (ویبسٹر ۱۰۴۷)

جہاز: "لغوی معنی متاعِ خانہ و اسبابِ عروس مگر اصطلاحی، اسباب تجارت لادنے اور بحری سفر کرنے کی بہت بڑی ناؤ"۔ (فرہنگ آصفیہ ۷۵)۔

جہنم: اس کی اصل عبرانی الفاظ "گے ہنوم" (GE HINNOM) یعنی "وادیِ ماتم" ہیں۔ اس سے مراد یروشلم کے جنوب اور مغرب میں واقع وہ وادی ہے جہاں بعض اسرائیلی مولک نامی بت پر اپنے بچوں کی بھینٹ چڑھاتے تھے۔ اس علاقے کی گھناونی رسموں سے تنفر پیدا کرنے کی غرض سے اس جانب شہر کے گندے پانی کو موڑ دیا۔ یہاں گندگی پھینکی جانے لگی اور لاشیں جلائی جانے لگیں۔ گندگی کے اثرات نہ پھیلنے دینے کی غرض سے یہاں مستقل آگ جلائی جاتی تھی اور اس طرح یہ دائمی عذاب کا استعارہ بن گئی۔

(ڈکشنری آف بائبل، ۲۴۹، ۲۵۰)۔

چلبلا: یہ سنسکرت الفاظ "چل" اور "بل" سے بنا ہے۔ (ہندی شبد ساگر ۳، ۱۵۶۶)۔

چارٹ: لاطینی لفظ "چارٹا" (CHARTA) کے معنی "کاغذ کا ورق" ہیں۔ (ویبسٹر ۴۵۴)۔

خفا: "یہ لفظ فارسی خپہ بمعنی گلو فشردن سے نکالا ہے"۔ (فرہنگ آصفیہ ۲۰۰)۔

بھانت بھانت: "ہندی شبد ساگر" نے "بھانت" کی اصل "بھانتی" (भान्ति) بتائی ہے جو سنسکرت لفظ "بھید" سے ماخوذ ہے۔ (ج ۷، ۳۶۳۴)۔

بھتہ: "ہندی شبد ساگر" نے اسے سنسکرت لفظ بھرتڑ (भरत) یا بھرتی (भृति) سے ماخوذ بتایا ہے (ج ۷، ۱۱...)

بیاض: اس کے لغوی معنی "سفیدی" کے ہیں۔ یہاں اس سے سفید بغیر لکھا ہوا کورا کاغذ مراد ہے۔

بیڑہ: "ہندی شبد ساگر" نے اس کی اصل سنسکرت لفظ "ویشٹ" (वेष्ट) بتائی ہے جس کے معنی درخت سے نکلنے والی کسی چیز کے ہیں جیسے گوند۔ (ج ۷، ص ۳۵۴۹)۔

بیمہ: "فرہنگ آصفیہ" اور "ہندی شبد ساگر" دونوں اس کی اصل فارسی لفظ "بیم" بتاتے ہیں۔ (آصفیہ ۱، ۴۶۹ و ساگر ۷، ۳۵۲۵)۔

پانی: "مانک ہندی کوش" اس کی اصل سنسکرت لفظ "پانی" (पानीय) بتاتا ہے۔ (ج ۳ ص ۴۰۸)۔

پلنگ: "فرہنگ آصفیہ" اور "ہندی شبد ساگر" دونوں اس کی اصل سنسکرت لفظ "پل نیک" (पल्यङ्क) بتاتے ہیں۔ (آصفیہ ۱، ۵۰۳ و ساگر ۶، ۱۸۸۵)۔

پوَن: پرتگالی لفظ "پاؤ" (PAO) ہے۔ (پرتگالی ڈکشنری ۹۰)۔

تریاق: "فرہنگ آصفیہ" نے اسے "تریاک" (فارسی) سے معرب بنایا ہے۔ یونانی "تھریاکی" (THER-IAKE) لفظ THERIKOS سے ماخوذ ہے جو جنگلی یا زہریلے جانور کی صفت کے معنی رکھتا ہے۔ THE-RION جانور یا جنگلی جانور کو کہتے ہیں اور یہ THER (جانور) کی تصغیر ہے۔ (ویبسٹر ۲۶۹۸)۔

تعلیقات: اسی مادہ سے دوسری شکلیں "معلق" (لٹکا ہوا) اور "متعلق" ہیں۔ (مزید دیکھیے "علاقہ")

تکبّر: اصل معنی "بڑائی ظاہر کرنا" (فرہنگ آصفیہ ۱، ۶۱۶)۔

تلمیح: اصل معنی "اشارہ کرنا" (مصباح اللغات، ۷۸۹)۔

توقیعات: "توقیع" کے ایک معنی "شاہی مہر لگانا" ہیں۔ اس کا مادہ "وقع" ہے جو گرنے، واقع ہونے کے معنی میں آتا ہے

توکل: "از وکل۔ اپنے تئیں خدا کے سپرد کرنا"۔ (فرہنگ آصفیہ ۱، ۶۳۹)۔

طیار: "لغوی معنی موجزن۔ جلد رفتار ... بہتر یہ ہے کہ اس کا مادہ طائے مہملہ سے طیار بمعنی اڑنے والا خیال کیا جائے کیونکہ یہ اصطلاح اصل میں میر شکاریوں سے لی گئی ہے۔ جو کوئی شکاری پرند کریز سے نکل کر اڑنے اور شکار کرنے کے قابل ہو جاتا ہے تو اسے طیار کہا کرتے ہیں۔ پس اس سے ہر ایک مہیا چیز کے واسطے اصط

اختیار کی جس کے معنی "چھوٹا راجا" ہیں۔ (ہندی شبد ساگر ج۸، ۱۷/۴۱)۔

ـٹ: انگریزی لفظ "رپورٹ" (REPORT) کی اصل لاطینی مصدر REPORTARE پر مبنی ہے۔ لاطینی لفظ کے پہلے جزء RE کے معنی "دوبارہ" اور PORTARE کے معنی "اٹھاکر لے جانا یا لانا" ہیں۔ (ویبسٹر ۲۱۱۴)۔

ـرم: یہ اس لفظ کے عربی معنی ہیں۔ اُردو میں یہ لفظ اپنے فارسی معنوں میں مستعمل ہے۔

ـلھ: جیسے "رکھ رکھاؤ" میں۔

ـوپیہ: اس کی اصل ہندی لفظ "روپا" (چاندی) ہے۔ سنسکرت میں "روپیک" (........) ہے۔ (ہندی شبد ساگر ج۸ ۴۱۹۳)

ـجبیل: ویبسٹر نے اس کے لیے یونانی لفظ "زنجی بیرس" (ZINGIBERIS) تحریر کیا ہے جس کی اصل سنسکرت لفظ "شرنگاویر" (SRNGAVERA) بتائی ہے جس کے پہلے جز SRNGA کے معنی "سینگ" اور دوسرے جز VERA کے معنی "شکل، جسم" ہیں اور یہ قیاس ظاہر کیا ہے کہ یہ لفظ دراوڑی اصل کا ہے۔ (ویبسٹر ۱۰۵۸)

آکسفرڈ ڈکشنری یہ بتاتی ہے کہ پراکرت میں یہ لفظ "سنگابیر" (SINGABERA) کی حیثیت سے مستعمل تھا۔ دراوڑ اصل کے سلسلہ میں یہ ڈکشنری مطلع کرتی ہے کہ قدیم ملیالم میں "زنجبیل" کے لیے "انچی ویر" (INCHI-VER) لفظ تھا اور "انچی" کے معنی "جڑ" تھے۔ (ج ۴۔ حرف G۔ ص۱۷)

ـائیس: یہ لفظ جو تائید کے وزن پر اُردو میں مشہور ہوگیا ہے عربی نہیں رہا کیونکہ عربی میں دو طرح آیا ہے۔ اول تو سائیس "بروزن" خامس"۔ دوم "سئیس" بروزن "رئیس" بلکہ عوام الناس جو سئیس بولتے ہیں یہ نہایت درست اور ٹھیک ہے۔ اس کے لغوی معانی سیاست کنندہ، اصطلاحی نگہبان، خصوصاً نگہبانِ اسپاں آئے ہیں۔" (فرہنگ آصفیہ ج۳، ۳۱)۔

ـلطنت: "نور اللغات نے اس کے اصل معنی "دراز دستی، زبان درازی دیے ہیں۔ (ج ۳، ص ۳۵۴)۔

ـلفہ: یہ لفظ فارسی "سُلف" بمعنی کھانسی سے ماخوذ ہے چونکہ اس طرح تمباکو بھرنے سے ایک دفعہ ہی زیادہ دھواں اٹھ کر کھانسی کا باعث ہوتا ہے۔ اس وجہ سے اُردو والوں نے یہ محاورہ بنالیا۔" (فرہنگ آصفیہ ج۳، ۹۱)۔

ـلوک: اصل معنی "راستہ چلنا"۔ (نور اللغات ج۳، ۳۵۵)۔

ـینی: "مانک ہندی کوش" نے اس لفظ کو فارسی بتایا ہے۔ (ج ۵، ص ۳۸۱)۔

ـاباش: "شاد باش" کا مخفف (نور اللغات ج۳، ۴۱۲)۔

ـطر: اسکا مادہ شطر بمعنی دور کرنا ہے چونکہ شاطر وہ حیلے کرتا ہے جو آدمیوں کی عقل اور ذہن سے دور ہوں۔" (فرہنگ آصفیہ ج۳، ۱۵۹)

خوگیر: "دراصل خے گیر تھا یعنی جاذب عرق" (فرہنگ آصفیہ[۲]، ۲۱۴)۔

خیرات: یہ لفظ "خیر" کی جمع ہے۔ (فرہنگ آصفیہ[۲]، ۲۱۹)۔

دام: "امرا و سلاطین ہند کے مناصب و خراج ملک میں روپیہ کے چالیسویں حصے سے مراد ہوا کرتی تھی اور نیز پیسے کے پچیسویں حصے کو بھی دام کہتے ہیں۔ دواؤں کی تول میں پختہ دام ۱۸ ماشہ کا اور خام ۱۲ ماشہ کا ہوتا ہے۔ بعض لوگوں نے ۲۱ ماشہ کا بھی مانا ہے"۔ (فرہنگ آصفیہ[۲]، ۲۲۴)۔

دنیا: "مشتق ہے دنو بفتح اول، ضم دوم و سکون واؤ معروف بمعنی قریب۔ چونکہ آدمی کے لیے عاقبت سے پہلے ہوتی ہے اور بہت قریب ہے۔ اس لیے اس عالم کو دنیا کہتے ہیں۔ (نور اللغات[۳]، ۸۲)۔

دودھ: اس کی اصل سنسکرت لفظ "دگدھ" (दुग्ध) ہے۔ (مانک ہندی کوش[۳]، ۱۰۱)۔

دھاوا: اس کی اصل سنسکرت مصدر "دھاون" (धावन) ہے جس کے معنی بہت جلدی یا دوڑ کر جانا" ہیں۔ (ہندی شبد ساگر[۵]، ۲۴۵۹)۔

دہی: اس کی اصل سنسکرت لفظ "ددھی" (दधि) ہے۔ (مانک ہندی کوش[۳]، ۴۱)۔

دینار: یونانی لفظ DENARION، لاطینی لفظ DENARIUS سے ماخوذ ہے۔ (ویبسٹر، ۲۲۷)۔

دیوارگیر: "فرہنگ آصفیہ" اور "نور اللغات" دونوں نے اس لفظ کو "دیوارگیری" لکھا ہے۔ (آصفیہ[۲]/۳۱۵، نور[۳]، ۱۳۴)۔

ڈاک: "مانک ہندی کوش" نے اس کو ہندی لفظ "ڈانکنا" سے ماخوذ بتایا ہے۔ (ج ۲، ص ۲۶۷)۔ "ہندی شبد ساگر" نے اس کی اصل "ڈانکنا" (پھاندنا) کے علاوہ "اڈانک" (उडांक) یا "الانگ" (उल्लांक) بھی بتائی ہے۔ (ساگر[۳]، ۱۹۴۴)۔

ڈرام: یہ انگریزی لفظ قدیم فرانسیسی لفظ DRAME سے بنا ہے جو فرانسیسی میں DRACHME تھا لاطینی DRACHMA سے ماخوذ تھا۔ (ویبسٹر، ۷۸۲)۔

ڈمڑی: اس لفظ کو "فرہنگ آصفیہ"، "نور اللغات"، "ہندی شبد ساگر"، "مانک ہندی کوش" سب نے "دمڑی" لکھا ہے۔ ممکن ہے کہ "نقوش سلیمانی" میں یہ کتابت کی غلطی ہو۔

ڈونگی: "مانک ہندی کوش" نے اس کی اصل سنسکرت لفظ "درونڑ" (द्रोण) بتائی ہے۔ (ج ۲، ص ۲۷۴)۔

ذیابیطس: یونانی لفظ DIABETES، مصدر DIABAINEIN (اخراج) سے مشتق ہے۔ (ویبسٹر، ۷۱۲)

راوت: سنسکرت میں "راج پتر" (राजपुत्र) اور پراکرت میں اس نے "رائے + اُت" (राय+उत्त)

یت : لفظ "ٹوٹم" (TOTEM) شمالی امریکہ کے قبیلے الگانگ کِن (ALGONQUIN) کی زبان سے تعلق رکھتا ہے۔ سر جیمس فریزر (SIR J. G. FRASER) نے "ٹوٹم" کی اس طرح تعریف کی ہے :

"ٹوٹم ایسی مادی اشیا کی ایک مخصوص فطری صورت حال کا نام ہے جو بالعموم جانوروں یا پودوں کی بعض اقسام کی شکل میں ظاہر ہوتی ہیں اور جن کے ساتھ غیر متمدن اور وحشی اشخاص ایک خاص اور گہرا رشتہ تصور کرتے ہیں..... یہ لوگ جو کسی خاص ٹوٹم کو ماننے کی وجہ سے ایک کڑی میں جڑے ہوتے ہیں۔ وہ اس ٹوٹم کا نام اپنے ساتھ لگاتے ہیں اور خود کو اس کے خاندان کا تصور کرتے ہیں۔ اور آپس میں شادی کرنے یا جنسی تعلقات رکھنے سے سختی کے ساتھ گریز کرتے ہیں۔" (ویبسٹر، ۲۲۷۵)۔

: "ستم کرنا" "کسی کا حق کم کرنا" (نور اللغات ج۳، ۵۳۰)۔

ات : ظلمت کی جمع" (نور اللغات ج۳، ۵۳۱)۔ "بحر اوقیانوس کا نام کیونکہ وہاں بادلوں کے باعث اکثر تاریکی رہتی ہے اور نیز پانی کا رنگ بھی سیاہ معلوم ہوتا ہے۔" (فرہنگ آصفیہ ج۳، ۲۵۶)۔

ن : عبرانی میں اس کے معنی خوشی و لطف اور لطف و راحت کی جگہ کے ہیں۔ (ویبسٹر۔ ۸۱۶)۔

لدنی : "لَدُن" کے معنی "پاس اور نزدیک" کے ہیں۔ کیونکہ ایسا علم کسب و تحصیل کے بغیر خدا کے پاس سے حاصل ہوتا ہے اس لیے اس کو علم لدنی کہا جاتا ہے۔ خدا نے قرآن حکیم میں حضرت خضر کے بارے میں فرمایا ہے :

وعلمناہُ مِن لَدُنّا علما (سورۂ کہف، رکوع ۹) اور ہم نے اسے اپنے پاس سے علم سکھایا۔

("اردو شاعری میں مستعمل تلمیحات و مصطلحات" (از سید حامد حسین، ص ۱۵۷)۔

غا : "ٹڈیوں کا ہجوم۔ آدمیوں کا مجمع۔ فارسیوں نے بمعنی شور و فریاد استعمال کیا ہے۔" (نور اللغات ج۳، ۵۹۶)

ول : ترکی میں غول وہ فوج کا حصہ ہے جس میں بادشاہ یا سپہ سالار ہے۔ اسی سے اردو میں یہ لفظ انبوہ، بھیڑ، گروہ، جمعیت کے معنی میں استعمال ہوا۔ (نور اللغات ج۳، ۵۹۶)۔

یب : "غیر موجودگی، مخفی، نہاں" (نور اللغات ج۳، ۵۹۶)۔

یرت : رشک کرنا۔ رشک جیسے غیرت حور، غیرت پری یعنی جس پر خود حور اور پری رشک کرے۔ (نور اللغات ج۳، ۵۹۷ و فرہنگ آصفیہ ج۳، ۳۱۹)۔

نگ : "اصل میں فرینک (FRANK) سے فرنگ ہوا کیونکہ یہ جرمنی کی ایک قوم کا نام تھا جس نے پانچویں صدی میں گال یعنی فرانس کو تہ و بالا کر کے فتح کیا اور اسی سبب سے فرانس اس کا نام پڑا۔" (فرہنگ آصفیہ ج۳، ۳۲۷)۔

شخص: "آدمی کا جسم، بدن" (نور اللغات ج۳، ۲۰۰)۔

شطرنج: اس لفظ کی تحقیق میں صاحب بہار عجم لکھتے ہیں کہ یہ سترنگ کا معرب ہے جو ایک فارسی زبان کا لفظ مردم گیاہ کے معنی میں ہے چونکہ یہ گھاس اور اس کی جڑ آدمی کی صورت سے مشابہ ہے اور اس کھیل کے اکثر مہرے انسان کے نام پر ہیں لہٰذا مجازاً سترنگ کہنے لگے۔

بعض محققوں کی رائے ہے کہ یہ لفظ سنسکرت چترُ انگ کا معرب ہے کیونکہ سنسکرت زبان میں "چترُ" (चतुर) چار کو اور 'انگ' (अंग) جسم و اعضا کو کہتے ہیں۔ چنانچہ چترنگی اس فوج کو کہتے ہیں جس میں چار رکن یعنی ہاتھی، گھوڑے، رتھ اور پیدل ہوں... چونکہ اس بازی کے بھی شاہ و فرزین کے علاوہ چار رکن پیل، گھوڑا، رُخ، پیادہ ہیں لہٰذا یہ نام رکھا گیا۔

بعضوں کے نزدیک یہ لفظ شد رنج تھا یعنی رنج رفت۔ کیونکہ حالتِ فکر اور موقع رنج میں اس کھیل سے طبیعت بہل جاتی ہے۔ اور بعضوں نے صد رنگ کا معرب قرار دیا ہے کیونکہ رنگ بمعنی حیلہ آتا ہے اور اس میں سینکڑوں حیلے کرنے پڑتے ہیں۔

صاحب فرہنگ رشیدی نے ایک جگہ شترنج بتائے قرشت لکھ کر اس کے معنی مختلف قسم کا ملا جلا اناج قرار دیے اور یہاں تک تصدیق پہنچائی کہ اگر اس کی آش پکائیں تو آش شترنج کہتے ہیں اور اگر روٹی پکائیں تو نان شترنجی کہتے ہیں۔ چنانچہ اوحدی شاعر کا شعر بھی اس کی مثال میں درج کیا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ لفظ شطرنج اسی کا معرب ہے۔

بعضوں نے اس کی اصل ہندی شت رنگ لکھی ہے یعنی بہت سے رنگ والا کھیل کیونکہ شت زبان سنسکرت میں بمعنی صد آیا ہے۔ غرض اس طرح جتنے منہ اتنی باتیں ہیں۔ جن کی کیفیت بہار عجم سے معلوم ہو سکتی ہے" (فرہنگ آصفیہ ج۳، ۱۷۸، ۱۷۹)۔

صنم: "معرب شمن کا" (نور اللغات ج۳، ۴۹۴)۔ بعض لوگوں کی یہ رائے ہے کہ یہ شمن کا معرب ہے۔ مگر چونکہ فارسی میں شمن بت پرست کو کہتے ہیں۔ اس وجہ سے محل تامل ہے" (فرہنگ آصفیہ ج۳، ۲۲۰)۔

ضابطہ: ضابط کا مونث اور ضابط کے معنی "ہوشیاری سے حفاظت میں رکھنے والا" ہیں۔ (نور اللغات ج۳، ۴۹۹)۔

ضرب: اصل معنی مار، چوٹ، ٹکر۔ اسی سے ٹھپا، مہر، چھاپ جیسے ضربِ سکہ۔ (فرہنگ آصفیہ ج۳، ۲۳۲)۔

ضمیر: جو دل میں گزرے"۔ (نور اللغات ج۳، ۵۰۳)۔

ل: "معرب کرن پھول۔ یہ لفظ ہندی الاصل ہے کیوں کہ کرن بمعنی کان اور پھول بمعنی گُل آیا ہے۔
چونکہ ہندستان کی عورتیں اکثر لونگیں کانوں میں ڈالا کرتی تھیں اس وجہ سے یہ نام رکھا گیا" (فرہنگ آصفیہ ۳ ، ۳۸۲)۔

ص: پرتگالی زبان میں بھی CAMISA کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ (پرتگالی ڈکشنری ۲۷۲)۔

: "معرب کند اور کاند یعنی کھنڈ و کھانڈ" (فرہنگ آصفیہ ۳ ... ۴ و نور اللغات ۳ ، ۶۸۳)۔

یل: "عربی میں بالکسر ہے۔ یہ لفظ کندیل کا معرب ہے۔ انگریزی میں کینڈل" (نور اللغات ۳ ، ۶۸۳)۔ لاطینی لفظ
CANDELA ہے۔ (ویبسٹر ۳۹۰)۔

ل: "قول سے اسم مبالغہ ہے۔ بسیار گو۔ فارسیوں نے بمعنی مطرب استعمال کیا" (نور اللغات ۳ ، ۶۸۴)۔

لنج: اس کی اصل، یونانی لفظ KOLIKOS ہے جو بڑی آنت کے لیے مستعمل لفظ KOLON
سے مشتق ہے۔ (ویبسٹر ۵۲۴)۔

اط: ویبسٹر نے عربی لفظ قیراط کا مطلب "دانہ" یا "مٹر کی پھلی" بتایا ہے جس کا وزن چار گرین
(GRAIN) کے برابر ہوتا ہے۔ قیراط یونانی KERATION سے بنا ہے جو لفظ KERAS
(بمعنی سینگ) سے ماخوذ ہے۔ (ص ۴۰۱)۔

صر: "قیصر لاطینی زبان میں اس بچے کو کہتے ہیں کہ وہ ابھی اپنی ماں کے پیٹ میں ہی ہو اور اس کی
ماں مرجائے اور وہ ماں کا پیٹ چیر کر نکالا جائے۔ چونکہ روم کا اوّل بادشاہ اغسطوس اسی طرح
پیدا ہوا تھا اور بڑا زبردست اور صاحب اقبال تھا اس وجہ سے اسے اور روم کے کل بادشاہوں
کو قیصر کے خطاب سے مخاطب کرنے لگے" (فرہنگ آصفیہ ۳ ، ۴۱۰)۔ اس کی اصل لاطینی لفظ سیزر (CA-
ESARI) ہے جس کے ماخذ کے بارے میں یقینی معلومات نہیں۔ (ویبسٹر ۳۷۲)۔ شکم مادر سے عمل جراحی
کر کے بچے کو نکالنے کے لیے CAESAREAN OPERATION کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے کیونکہ
کہا جاتا ہے کہ جولیس سیزر اسی طرح پیدا ہوا تھا لیکن اس عمل یا اس عمل کے ذریعے پیدا ہونے والے
بچے کے لیے لاطینی میں "قیصر" یا "سیزر" کا لفظ نہیں۔

غذ: "فارسی میں دال مہملہ ہے۔ کاغ = بانگ، نامہ + دال کلمہ نسبت" (نور اللغات ۴ ، ۱۲)۔

شکول: "بروزن مقبول۔ کش = کھینچنا + کول = کاندھا" (نور اللغات ۴ ، ۱۰۵)۔

فر: "مادہ تکفیر کا ہے۔ تکفیر کے لغوی معنی ڈھانکنا۔ کفارے کو کفارہ اس واسطے کہتے ہیں کہ گناہ کو چھپانے

فقہ: "لغوی معنی جاننا" (نور اللغات۳ ۶۲۵)۔

فلسفہ: "یونانی۔ یہ جعلی مصدر لفظ فیلاسوفیا سے بنا لیا گیا ہے۔ لفظ اول بمعنی محب و ثانی بمعنی حکمت یعنی حکمت دوست" (فرہنگ آصفیہ۳ ۳۵۱)۔ (مزید دیکھئے "فیلسوف")۔

فلفل: ویبسٹر نے انگریزی لفظ PEPPER کو لاطینی لفظ PIPER اور لاطینی لفظ کو یونانی لفظ PEPERI یا PIPERI سے ماخوذ بنایا ہے اور یونانی لفظ کی اصل سنسکرت لفظ "پپلی" (PIPALLI) بتائی ہے۔ اس سنسکرت لفظ PIPPALAKA کے معنی "نوک پستان" بتائے ہیں۔ (ص ۱۸۱۴)۔

فوّارہ: "اس لفظ کے عربی الاصل ہونے میں کلام ہے کیونکہ جس معنی میں اہل فارس اور زبان دان اردو نے مستعمل کیا ہے عربی تصانیف اور کتب میں نہیں آیا ہے۔ البتہ قاموس میں منبع آب کے معنی پائے جاتے ہیں۔ اگر بالفرض یہ لفظ عربی زبان میں اس معنی میں آیا بھی ہو تو معرب ہے اور ہندی پھہارا سے بنایا گیا ہے جو پھہار بمعنی باریک قطرات آب سے مشتق ہے" (فرہنگ آصفیہ۳ ۳۵۴)۔

فیلسوف: فلاسفر (PHILOSOPHER) انگریزی شکل ہے جو قدیم فرانسیسی لفظ "فیلسوف" (PHILOSOPHE) سے ماخوذ ہے۔ فرانسیسی میں یہ لفظ لاطینی سے پہنچا ہے اور لاطینی میں یونانی سے آیا ہے۔ یونانی شکل PHILOSOPHOS ہے۔ جس کا جز اوّل PHILOS (چاہنے والا) اور جز ثانی SOPHOS (حکمت) سے بنا ہے۔ (ویبسٹر ۱۸۴۱)۔

قانون: "یہ لفظ کینن "CANON" بگڑ کر عربی زبان میں قانون ہو گیا" (فرہنگ آصفیہ۳ ۲۶۵) یونانی لفظ کنون (KANON) کے معنی ناپنے کے کام آنے والی لکڑی یا چھڑ کے ہیں جو لفظ KANNA کے مماثل ہے جس کے معنی "نرکل" کے ہیں۔ (ویبسٹر ۳۹۲)۔

قرطاس: یونانی لفظ CHARTES کے معنی ورق کاغذ ہیں۔ ویبسٹر نے یہ قیاس ظاہر کیا ہے کہ یہ لفظ مصری اصل کا ہے۔ (ص ۴۰۴) مزید دیکھئے "خریطہ"۔

قرمز: "یہ لفظ اصل میں کرم کرز تھا یعنی ریشم کا کیڑا۔ چونکہ اس کیڑے سے ریشم سرخ رنگا جاتا تھا اس وجہ سے یہ نام رکھا گیا۔ اہل عرب نے قاف سے بدل کر قرقز اور پھر مخفف کر کے قرمز بنا لیا۔" (فرہنگ آصفیہ۳ ۳۸۱ و نور اللغات۳، ۶۶۱)۔

قرنطینہ: اطالوی QUARANTINA لفظ QUARANTA سے بنا ہے جس کے معنی "چالیس" ہیں۔ (ویبسٹر ۲۰۳۳)۔

لطیف: "عربی میں بمعنی باریک بیں ہے"۔ (نور اللغات ۴، ۱۳۲)

لمبر: انگریزی لفظ "نمبر" (NUMBER) قدیم فرانسیسی لفظ NOMBRE سے ماخوذ ہے جو کہ عدد کے لیے لاطینی لفظ NUMERUS سے نکلا ہے۔ (ویبسٹر ۳، ۷۸۹)

لنگر: "از لنگ بمعنی استادن ورائے مہملہ نسبت۔ مجازاً جہاز یا قافلہ کا ٹھہرنا" (فرہنگ آصفیہ ۴، ۲۱۴)۔

لیموں: ویبسٹر نے انگریزی لفظ LEMON کو براہ فرانسیسی (LIMON) عربی لیموں سے ماخوذ بتایا ہے۔ (ص ۴۱۳)

مالیخولیا: یونانی لفظ MELANCHOLIA کا جزو اول MELAS (سیاہ) اور جز ثانی CHOLE (صفرا) سے مشتق ہے۔ (ویبسٹر ۱۵۳۰)۔

محاذ: محاذی بضم اول صحیح۔ بفتح اول غلط۔ برابر ہونے والا، مقابل۔ روبرو" (نور اللغات ۴، ۴۹۷)۔

مذاق: "ذوق کا صیغۂ اسم ظرف۔ چکھنا۔ چکھنے کی جگہ"۔ (نور اللغات ۴، ۵۱۵)۔

مرہم: "رحمت۔ بالکسر و فتح سوم۔ نرمی" (نور اللغات ۴، ۵۴۰)۔ یونانی لفظ MALAGMA کے معنی نرم کرنے والی دوا کے ہیں جیسے پلٹس جو پھوڑے کو نرم کرتی ہے۔ یہ مصدر MALASSEIN سے ہے جس کے معنی ملائم کرنے کے ہیں۔ (ویبسٹر ۹)۔

مستری: "ماسٹر بمعنی افسر سے بگڑا ہوا" (نور اللغات ۴، ۵۵۷)۔ پرتگالی میں ماسٹر کے لیے لفظ MESTRE ہے۔ (پرتگالی ڈکشنری، ۱۶۵)۔

مسل: "چونکہ اس لفظ کا ان کاغذات پر اطلاق کیا جاتا ہے جو باہم متماثل اور ایک ہی مقدمہ یا معاملہ سے متعلق ہوں لہٰذا ثائے مثلثہ سے لکھا جانا چاہیے۔ جو لوگ سوال کو اس کا ماخذ خیال کر کے سین مہملہ سے لکھتے ہیں اور اس کو اصل میں مسلہ خیال کرتے ہیں وہ محض غلطی پر ہیں"۔ (فرہنگ آصفیہ ۴، ۱۹۱)۔

مشک: ویبسٹر نے اس کی اصل سنسکرت لفظ "موشکا" (MUSKA) بتائی ہے جس کے معنی خصیہ، فوطہ، فرج کے ہیں۔ اور جو لفظ "موش" (چوہے) کی تصغیر ہے۔ (ص ۱۶۱۶)۔

معاش: "وہ شے جس سے بسر اوقات کی جائے"۔ (نور اللغات ۴، ۵۸۹)۔

معجزہ: لفظی معنی عاجز کرنے والا۔ (نور اللغات ۴، ۵۹۳)۔

معراج: لغوی معنی سیڑھی، زینہ۔ (نور اللغات ۴، ۵۹۴)۔

معنی: "لغوی معنی قصد کردہ شدہ۔ جائے قصد کردن، جائے خواستن۔ مقصد، ارادہ، مطلب"... یہ لفظ عربی

والا ہوتا ہے۔ کافر کو کافر اس لیے کہتے ہیں کہ وہ حق کا چھپانے والا ہوتا ہے۔" (نور اللغات ۱۰۸)۔

کلیسا: یونانی لفظ EKKLESIA کے معنی گرجا کے ہیں۔ (ویبسٹر ۸۱۲)۔

کمپاس: اس کی اصل قدیم فرانسیسی لفظ COMPAS ہے جو مصدر COMPASSER (گھومنا، ناپنا، تقسیم کرنا) سے مشتق ہے۔ اس مصدر کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ عوامی لاطینی مصدر (COMPAS-SARE) سے ماخوذ ہے جس کے معنی قدموں سے فاصلہ ناپنے کے ہیں۔ (ویبسٹر ۵۴۴)۔

کمخواب: "صاحب برہان قاطع نے لکھا:

بکسر اوّل بر وزن گرداب بمعنی کمخاب کہ جامۂ منقش الوان باشد و بفتح اوّل ہم آمدہ و جامۂ منقش یک رنگ را نیز گفتہ اند۔

صاحب فرہنگ ناصری نے لکھا ہے:

بالکسر جامہ کہ بہ انواع مختلف باشد و اصح بفتح کاف و اضافہ خا و واؤ کہ کمخواب شود یعنی خواب کم دارد چہ خوابش بیشتر سست پشمش یا ابریشمش دراز تر و درشت تر و از نیجا ظاہری شود کہ خاب مخمل بود

صاحب بہار عجم نے لکھا ہے:

"چوں خوابہ اش نسبت بہ مخمل کم می باشد چنیں تسمیہ کردہ اند دریں تقدیر صحیح کم خواب۔ فارسی میں خواب (خوابہ) بمعنی رویاں ہے۔" (نور اللغات ۱۳۲)۔

"یہ لفظ خوابہ بمعنی روئیں اور کم بمعنی تھوڑے سے مرکب ہے۔ چونکہ اس میں مخمل کی نسبت کم روئیں ہوتے ہیں اس سبب سے یہ نام رکھا گیا۔ فارسی والوں نے اس کا مخفف کمخاب کر کے باندھا ہے" (فرہنگ آصفیہ ۵۶۱)۔

گِنّی: گنی (GUINEA) مغربی افریقہ کے ساحلی علاقہ کا نام ہے جو زمانۂ قدیم میں سونے اور غلاموں کی تجارت کے لیے معروف تھا۔ انگلستان میں گنی کے نام سے سونے کا سکہ ۱۶۶۳ء میں رائج ہوا اور ۱۸۱۳ء تک چلا۔ اس کو گنی غالباً اسلیے کہا جاتا تھا کہ ابتداءً اسے گنی سے لائے ہوئے سونے سے ڈھالا جاتا تھا۔ (ویبسٹر ۱۱۱۴)

لالٹین: انگریزی لفظ LANTERN کی اصل لاطینی الفاظ LANTERNA اور LATERNA ہیں جو کہ یونانی لفظ LAMPTER بمعنی روشنی، مشعل سے ماخوذ ہے۔ یہ یونانی لفظ مصدر LAMPEIN (چمکنا) سے مشتق ہے۔ (ویبسٹر ۱۳۹۱) ——

لاوہ: اطالوی لفظ "لاوہ" اطالوی اور لاطینی مصدر LAVARE (دھونا) سے مشتق ہے۔ (ویبسٹر ۱۴۰۰) —

نیلوفر: "نیلوپر، نیلوفل، نیلوپل، نیل پر۔ اسی طرح سے فارسی زبان میں آیا ہے۔ چونکہ سنسکرت میں نیل (नील) بمعنی نیلا، اُت پل بمعنی پنکھڑی ہے۔ اس سبب سے بعض کی رائے ہے کہ یہ سنسکرت ہے جس کے معنی نیلی پنکھڑی والا پھول ہوئے۔" (فرہنگِ آصفیہ ۴، ۶۳۱)۔

واردات: وارِد کی جمع۔ یہ لفظ عربی یا فارسی میں اس معنی میں نہیں پایا جاتا۔ البتہ سعدی نے "بوستان" میں مطلق وارد شے کے واسطے استعمال کیا۔" (فرہنگِ آصفیہ ۴، ۶۲۹)۔

ہاتھی: اس کی اصل، سنسکرت لفظ "ہستن" (हस्तिन्) ہے۔ (مانک ہندی کوش، ص ۵۴۱)۔

ہرن: اس کی اصل سنسکرت لفظ "ہرنڑ" (हरिण) یا "ہرن" (हरिन) ہے۔ (مانک ہندی کوش، ص ۵۶۱)۔

ہیولیٰ: یہ "ہیئت اولیٰ" کا مخفف ہے۔ (فرہنگِ آصفیہ ۴، ۷۶۹)۔

●●

یں الف مقصورہ بصورت یائے لکھا پڑھا اور بولا جاتا ہے۔ مگر اُردو اور فارسی والے یائے معروف
کے ساتھ استعمال کرتے ہیں۔ (فرہنگ آصفیہ ج۴ ۱۳۷۵)۔

مقالہ: "مصدر میمی بمعنی گفتار" (نور اللغات ج۴ ۶۰۹)

مقدِمہ: مقدِم کا مونث۔ لغوی معنی آگے چلنے والی۔ پیش کرنے والی" (نور اللغات ج۴ ۶۱۲)

مقرّر: "اقرار کیا گیا' ٹھہرایا گیا' چکایا گیا" (نور اللغات ج۴ ۶۱۲)۔

ملّاح: اس کا مادہ مَلح ہے جس کے معنی پرند کے پھڑپھڑانے یا دونوں بازوؤں سے اڑنے کے آئے ہیں
پس کشتی بان بھی کشتی کے دونوں پر اور بازو ہیں" (فرہنگ آصفیہ ج۴ ۳۹۷)۔

ململ: اس کی اصل سنسکرت لفظ "مل ملک" (मलमल्लक) ہے۔ (ہندی شبد ساگر ج۸ ۳۸۱۵) انگریزی لفظ
MUSLIN فرانسیسی لفظ MOUSSELINE سے ماخوذ ہے۔ فرانسیسی میں یہ اطالوی سے آیا جہاں اس کو
MUSSOLINO کہا جاتا ہے اور اطالوی میں یہ عربی سے آیا جہاں اس کے لیے "موصلی" کا لفظ استعمال کیا جاتا تھا۔ (ویبسٹر ۱۶۱۲)

منشی: "لغوی معنی کسی بات کا اپنے دل سے پیدا کرنے والا" (نور اللغات ج۴ ۶۵۰)۔

موسیقی: "موسیقا یونانی زبان میں آواز کو کہتے ہیں۔ پس علم موسیقی آوازوں یعنی راگوں کا علم کہلانے لگا۔ صاحب بہار
مصطلحات و غیاث نے لکھا ہے کہ یہ سریانی لغت ہے۔ کبھی بحذف چہارم موسقی بھی کہتے ہیں۔ یونانی
زبان میں اس کے معنی لحن یعنی آوازِ موزوں یا خوش آوازی کے ہیں" (فرہنگ آصفیہ ج۴ ۴۷۹)۔
مگر ویبسٹر کی وضاحت زیادہ صحیح ہونا چاہیے کہ یونانی MOUSIKE، لفظ MOUSA سے نکلا ہے جس
کے معنی "میوز" (MUSE) کے ہیں جو کہ فنونِ لطیفہ کی دیویوں کا نام ہے اور اس طرح موسیقی کا مطلب
ایک ایسا فن ہے جس پر میوز (MUSES) کا سایہ ہے۔ (ویبسٹر ۱۶۱۴)۔

میدہ: "مانک ہندی کوش" نے اس لفظ کو فارسی بتایا ہے۔ (ج ۴، ص ۴۱۷)۔

میگزین: اس کی اصل "مخازن" ہے جو کہ عربی لفظ "مخزن" کی جمع ہے اور جس کے معنی ذخیرہ گاہ کھلیان
اور سامان کی کوٹھری کے ہیں۔ (ویبسٹر ۱۴۷۸)۔

میل: اس کی اصل، لاطینی لفظ MILIA یا MILLIA ہے جو کہ MILLE (ایک ہزار) کی جمع ہے۔ اس سے
مراد ایک ہزار قدم ہے۔ (ویبسٹر L ۱۵۵)۔

مینھ: پراکرت میں یہ "میہ" (मेह) ہے اور یہ سنسکرت لفظ "میگھ" (मेघ) کی بگڑی ہوئی شکل ہے (ہندی شبد ساگر ج۸ ۴۰۲۰)

ضمیمہ (۳)

مقامات کے پرانے اور نئے نام

"عربوں کی جہاز رانی"، "عرب و ہند کے تعلقات" اور دیگر تحقیقی مقالات میں سید صاحب نے قدیم سفرناموں اور کتب تاریخ میں مذکور مقامات کے قدیم ناموں کا ذکر کرتے ہوئے ان کے حالیہ ناموں کے بارے میں نشاندہی کی ہے۔ حروف تہجی کی ترتیب سے یہ نام نیچے پیش کیے جارہے ہیں۔

قدیم نام	معروف نام	قدیم نام	معروف نام	قدیم نام	معروف نام
افریقہ	الجیریا و تونس	بحر محیط	اٹلانٹک	زابج	جاوہ
اقریطش	جزیرہ کریٹ	بحر نیطس	بحر اسود	سربزہ	سماترا (جزیرہ)
انترہ	آندھرا	بحر ہرکند	بحر ہند	سرندیپ	سیلون (لنکا)
انقلترا }	انگلینڈ	بروص	بھڑوچ	سعادۃ (جزائر)	فرچونیٹس (جزائر)
انکلترا }		نبادقہ	وینس	سفالہ	موزمبیق
...وزین	اُجین	جبل الطارق	جبرالٹر	سومطرہ	سماترا (جزیرہ)
...یلہ	عقبہ	جزر	گجرات	سولیس	سوئز
...ب الہند	باب المندب	جنجی	چنجی	شاتی جام (صاجام)	چاٹگام
...ربد	بھاڑ بھوت	چالیت	کالی کٹ	شلاہط	سلہٹ
...نجی	بحر چین	خالدات (جزائر)	فرچونیٹس (جزائر)	صادجام	چاٹگام
...خزر	بحر کیسپین	خانقوا	خانپوا	صقلیہ	سسلی
...نج و بربر	موزنبیق چینل	خشاب البصرہ	خلیج فارس	سنہ فولات	سنگاپور
...لمات	اٹلانٹک	خلیج بربری	موزنبیق چینل	صنف	چمپا
...لزم	بحر احمر	خوارزم	خیوا	غانہ	گانا
...لاہ	خلیج بنگال	دیبل	ٹھٹھہ واقع سندھ	فرطناتس	جزائر کینری
...روی	بحیرۂ عرب	راس الرجا الصالح	گڈ ہوپ (راس امید)	قرص	سائپرس
...وسط	بحر روم	رومرا	اٹلی	قمار	راس کماری

ضمیمہ (۲)

دوسری زبانوں سے آنیوالے الفاظ

"لغات جدیدہ" کے آخر میں شامل ضمیمہ میں سید صاحب نے ایسے الفاظ کی نشاندہی کی ہے جو جدید عربی م
دوسری زبانوں سے آکر شامل ہوئے ہیں نیچے ان میں سے ایسے الفاظ درج کیے جارہے ہیں جو اردو میں بھی مستعمل ہ
بریکٹ میں متعلقہ زبان کے اصل الفاظ دیئے ہیں بعض حالات میں بریکٹ کے اندر وضاحت کی خاطر معنی کا اندرا
گیاہے۔ زبانیں اور ان کے تحت مندرج الفاظ حروف تہجی کی ترتیب سے پیش کیے گئے ہیں

اطالوی : جوبلی (جوبیلیو)، قرنطینہ (کونٹینا)، ویزا۔

ترکی : ایلچی، بارود، بغچہ (بقچہ)، برق، تفنگ، تمغہ، توپ، توپچی، خانم (بانم)، طغرا، قماش

چینی : چاے، دارچینی، سینی، کاغذ، کمخواب۔

حبشی : استبرق، برہان، حواری، صحف، مائدہ، مشکوۃ، منبر، نفاق، ورق

سریانی : بحران، تلمیذ، تسبیح، تنور، توبہ، جبروت، دیر (بمعنی خانقاہ)، سفر (بمعنی کتاب الہی) طاعوت، طو
طوفان، فالج، قربان، قیامت، کنیسہ، لاہوت، مرزوز، ملکوت، ناسوت، ناقوس، یم

سنسکرت : اطریفل، (تری پھل)، تنبول (تامبول)، رخ (رتھ)، زنجبیل (زرنجابیرا)، شطرنج (چترنگ)، صندل
فلفل (پپلی، پیلا)، قرنفل (کنتک پھل)، کافور (کپور)، مشک (موشکا)، نیلوفر (نیلوپل)۔

عبرانی : آمین، جہنم، سبت، سکینہ، لادہ (لابہ)

لاطینی : اصطبل (اسٹابلم)، برج (برگس)، برید (ورپڈس)، خریطہ (چارٹا)، دینار (ڈیناریوس)، غربال (کری
قصر (کسٹرم)، قمیص (کامیسا)، قند (گونڈیم)، قندیل (کنڈیلا)، قیصر (کیسر)، میل (ملیم)

یونانی : اسطرلاب (اسٹرولیبان)، افیون (اوپیان)، اقلیم (کلیما)، اکسیر (کسیرن)، اوقیانوس (ایکیانوس)،
(برمبٹان)، بلغم (فلگما)، تریاق (تہریکی) جغرافیہ (جیوگریفیا)، درہم (ڈراکمی)، ذیابیطس (ذیابیٹس
طوما، اندارپان، فلسفہ (فیلاسافیا)، فیلسوف (فلاسفر)، قرطاس (کارتیس)، قولنج (کولیکی)، قیس
(کیراٹیان)، کیمیا (کلیمیا)، مالیخولیا (ملنکولیا)، مانیا (انیا بمعنی جنون)، مرہم (ملگما)، منجنیق (میگنیگ
موسیقی (موسیکی)، ناموس (نوموس)، ہیولیٰ (ہولا)

کتابیات

(الف) اردو

"اردو شاعری میں مستعمل تلمیحات و مصطلحات" از سید حامد حسین. بھوپال، ۱۹۷۷ء

"اردو، ہندی دانشوروں کی نظر میں" از سید حامد حسین. انجمن ترقی اردو، نئی دہلی، ۱۹۸۴ء

"فرہنگ آصفیہ" از سید احمد دہلوی. ترقی اردو بورڈ، نئی دہلی، ۱۹۷۴ء

"مصباح اللغات" از ابو الفضل عبد الحفیظ بلیاوی. دہلی، ۱۹۷۴ء

"نور اللغات" از نور الحسن نیر. نیر پریس لکھنؤ، ۱۹۲۹ء

(ب) ہندی

"भाषा विज्ञान कोश", भोला नाथ तिवारी,
ज्ञानमण्डल, वाराणसी, 1964.

"मानक हिन्दी कोश" प्रधान सम्पादक - रामचन्द्र वर्मा,
हिन्दी साहित्य सम्मेलन, प्रयाग, 1964.

"हिन्दी शब्द सागर", मूल सम्पादक - श्याम सुन्दर दास,
काशी नागरी प्रचारिणी सभा, वाराणसी, 1968.

قدیم نام	معروف نام	قدیم نام	معروف نام	قدیم نام	معروف نام
قمر	کومورو۔مڈگاسکر[1]	لاردیش	گجرات وکاٹھیاواڑ	مغرب	مراکش
قنبلو	مڈگاسکر	لشبونہ	لسبن پرتگال	مگدھ	بہار
کدنکلور	کرانکانور	لولی (جزیرہ)	آئس لینڈ	منصورہ	بھکر-واقع سندھ
کمکم	کوکن	مالیہ	مالوہ	واق واق	جاپان[2]
کول	علیگڑھ	مرسی علی	مرسیلیا (فرانس)	ورنگ	بیرنگ
کولم	ٹراونکور	معبر	کارومنڈل کرناٹک		

ضمیمہ (۴)

یورپین زبانوں میں عربی بحری الفاظ

"حسب ذیل عربی وفارسی الفاظ اسپینی وپرتگالی کے ذریعے سے یورپ کی زبانوں میں آج تک مستعمل ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عربوں کے بحری تمدن وترقی سے اہل یورپ کس حد تک مستفید ہوئے ہیں" (جہاز رانی۔ ۱۸۰)

عربی اصل	یورپین
دارالصناعہ	DARSEEN (Fr.) ARSENAL (Eng.)
امیرالبحر یا امیرالرحل	AMIRALH (Port.), AMIRAL (Fr.), ADMIRAL (Eng.)
الرئیس	ARRAFZ
غراب	CORVETT
فُلک	FLUGA
قلف	CALPAT
الجبر، لنجبر	ANCHOR
الحراقہ	ALHURRGO
حبل وکبل	CABLE

[1] "خلیج موزمبیق کے پاس وہ (بزرگ بن شہریار) دو اور جزیروں کا ذکر کرتے ہیں جن میں سے ایک کا نام ان کے یہاں قنبلو ہے اور دوسرے کا قمر ہے۔ اکثر محققین نے ان دونوں سے جزیرہ مڈگاسکر سمجھا ہے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ قنبلو مڈگاسکر اور قمر وہ چھوٹا سا جزیرہ ہے جو آجکل کورو کہلاتا ہے اور مڈگاسکر کے پاس ہے" (جہاز۔ ۱۱۳)

[2] ڈاکٹر محمد حمید اللہ پروفیسر فران (Ferrand) کی... تحقیقات کا خلاصہ یہ ہے کہ اس (واق واق) سے مراد جاپان نہیں بلکہ بورنیو ہے (جہاز۔ ۲۱۶)۔

فرقہ واریت

- فرقہ وارانہ تاریخ اور رام کی ایودھیا

  ● جناب رام شرن شرما

- فرقہ واریت پر ایک نظر

  ● جناب نقی رحیم

(ج) انگریزی

'Dicionario — The English-Portuguese Dictionary'
by Hygino Aliandro, New York: G. & C. Merriam Co., 1967.

'A Dictionary of the Bible'
by William Smith. Michigan: Zondervan Publishing House, 1948.

'A Dravidian Etymological Dictionary'
by T. Burrow & M. B. Emeneau. Oxford: Clarendon Press, 1961.

"Hobson Jobson — A Glossary of Colloquial Anglo-Indian Words"
by Henry Yule, A.C. Burnell & William Crooke.
London: Routledge & Regan Paul, 1948 re-issue.

'The Oxford English Dictionary'
Oxford: Clarendon Press, 1933.

'Webster's New International Dictionary of the English Language'
Editor in Chief: William Allen Neilson.
Springfield, Mass: G. & C. Merriam Co., 1946.

فرقہ وارانہ تاریخ اور رام کی ایودھیا

رام شرن شرما

طرح، جب محرومیوں کے بوجھ کے تلے دبے ہوئے، مجبور اور بے کس لوگ سماجی انصاف
ئے جد و جہد کرتے ہیں تو وہ خدا سے غیبی مدد کے ملتجی ہوتے ہیں جیسے آزاد اور مساوی
لوں کا خالق اور پروردگار مانا جاتا ہے۔ اس طرح، مذہب کو سماج کے مراعات
ر، دونوں ہی حلقے استعمال کرتے اور نکھارتے سنوارتے ہیں لیکن یہ کام زیادہ تر
عات یافتہ حلقے انجام دیا کرتے ہیں کیونکہ مراعات یافتہ طبقوں کا مذہبی نظریہ اور
ورات ہی، جیسا کہ ہندستانی صورت حال میں دیکھا جا سکتا ہے، غالب نظریہ اور
ورات بن جاتے ہیں جو عام لوگوں کے ذہنوں میں مضبوط جڑیں پکڑ لیتے ہیں اور
کے رگ و ریشہ میں سرایت کر جاتے ہیں۔

مذہب نے ازمنہ قدیم اور ازمنہ وسطیٰ کے دوران سرمایہ داری سے پہلے
ے سماجوں میں وہی کردار ادا کیا جو موجودہ دور میں سرمایہ دارانہ اور دوسرے سماجوں
ے اندر مختلف طرزوں کا نظریہ اور تصورات ادا کر رہے ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں
ہے کہ سرمایہ داری سے پہلے کی ریاستیں مذہبی ریاستیں تھیں۔ اس کے برعکس ان ریاستوں
پالیسیاں عام طور پر حکمراں طبقے کے معاشی اور سیاسی مفادوں کی تابع اور خدمتگار
وتی تھیں اور خود مذہب کو بھی انہی اغراض کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ بودھ مت،
یسائیت اور اسلام جیسے مذہبوں کے ظہور اور فروغ نے سماج اور معیشت کی اصلاح
رنے اور انھیں زیادہ صحت مند خطوط پر منظم کرنے میں مدد دی۔ مختلف مذہبوں نے
سماجی معیار رائج کئے۔ انھوں نے لوگوں میں بہتر اور خوب تر سماجی نظام تشکیل دینے
تخلیقی تحریک پیدا کی۔ لیکن ہمیں یہ بات بھی سمجھنی ہوگی کہ ہر مذہب کسی نہ کسی سماجی
ول کی پیداوار ہوتا ہے۔ بودھ مت نے عام طور سے تمام مخلوقات اور خاص طور
ے گائے کی حفاظت اور پاسبانی کرنے کی ضرورت پر زور دیا اور اس طرح اس
انے میں، جبکہ دریائے گنگا کے وسطی میدانی علاقے میں تقریباً ۵۰۰ قبل مسیح سے
یتی باڑی میں آہنی اوزار استعمال کئے جانے لگے تھے، زراعت کے فروغ میں مدد
لیکن بودھ مت نے ورن آشرم پر مبنی سماجی تفریقات اور امتیازات کو ختم نہیں کیا
سماج کے مختلف زمروں کے درمیان فاضل پیداوار کی غیر مساویانہ تقسیم کے باعث
ود میں آئے تھے۔ بودھ مت سے پہلے ہی برہمنی مذہب نے گائے کی حفاظت کے تصور
کو نظر بنایا۔ یہی نہیں بلکہ اس نے بڑی ہوشیاری سے گائے کی زندگی کی طرح برہمنوں

فرقہ اور فرقہ پرستی کی تعریف اور تعین کرنا بڑا مشکل ہے۔ ایک برادری نسل، پیشہ، علاقہ، ذات پات اور مذہب کی بنیاد پر تشکیل پا سکتی ہے۔ فرقہ پرستی کا نام آتے ہی ہمارے ذہن میں مذہبی برادریاں آجاتی ہیں۔ ہندستان میں فرقہ پرستی کو خاص طور پر ہندوؤں اور مسلمانوں کے باہمی تعلقات کی روشنی میں دیکھا جاتا ہے، حالانکہ کچھ عرصے سے اس فرقے کو جس کی تشکیل سکھ مذہب کی بنیاد پر عمل میں آئی ہے، ایک جارحانہ شخصیت دی جا رہی ہے۔

بنیادی طور پر مذہبی عقیدے، رسم و رواج اور معمولات ایک طرف ان رکاوٹوں پر جو قدرت پیش کرتی ہے قابو پانے کے لئے انسان کی متواتر جدوجہد میں اور دوسری طرف سماجی سوالوں پر انسان کے خلاف انسان کی جدوجہد میں جنم لیتے اور منظم شکل اختیار کرتے ہیں۔ جب لوگ قدرتی شکلوں کی وضاحت عقلی طرز پر کرنے میں اپنے آپ کو بے بس پاتے ہیں تو وہ ماورائے فطرت، معجزہ صفت اور توہم پرست وضاحتوں کا سہارا لینے لگتے ہیں۔ انہی کی کوکھ سے ان گنت دیوی اور دیوتا جنم لیتے، جیسا کہ ہمیں رگ وید میں ملتا ہے۔ اس میں اکثر دیوی دیوتا قدرت کی نیک یا بد طاقتوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔

اور پھر، ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ جب سماجی طبقات کے مراعات یافتہ زمرے یہ محسوس کرنے لگتے ہیں کہ ان کیلئے اپنا اقتدار اور مراعات، جو کسانوں، دستکاروں اور دوسروں کی محنت کے پھلوں میں غیر مساوی حصے پر مبنی ہوتی ہیں، برقرار رکھنا مشکل ہو گیا ہے تو وہ لگان، محصول اور خراج وصول کرنے کے لئے توہم پرست طریقے ایجاد کرتے ہیں۔

ں وہ وجود میں آتے ہیں الگ تھلگ کر کے نہیں دیکھا جا سکتا۔

جب مذہب کے قدیم اصولوں اور عقیدوں اور بدلتے ہوئے سماجی اور
عاشی حالات کے درمیان مناسبت اور ہم آہنگی ختم ہو جاتی ہے تو مذہبوں کی اصلاح کرنے
یلئے تحریکیں شروع کی جاتی ہیں تاکہ انھیں ان کے پیروؤں کیلئے قابل قبول بنایا جائے۔
وجودہ دور میں آریہ سماج، پرارتھنا سماج اور برہمو سماج اس کی کچھ اہم مثالیں ہیں۔ ان
یں بھی آریہ سماج تحریک انتہائی اہم دکھائی دیتی ہے۔ اس نے ان پابندیوں اور ممانعتوں
کے خلاف مہم چلائی جو عورتوں اور شودروں پر مسلط کی گئی تھیں۔ شودر وید نہ پڑھ سکتے
تھے، نہ سن سکتے تھے۔ عورتوں کی شادیاں بچپن ہی میں کر دی جاتی تھیں اور اگر شوہر مر جاتا تو
عورت کو ساری عمر بیوگی کی زندگی گزارنی پڑتی تھی۔ آریہ سماج نے بت پرستی کی بھی مخالفت
کی اور ان لعنتوں کے خلاف جدوجہد کی جو اس کی کوکھ سے جنم لیتی ہیں۔ آریہ سماجیوں
نے بہت جستجو اور تحقیق کی اور دوسرے اصلاح پسندوں کے ساتھ مل کر قدیم مذہبی
ں، خاص طور پر ویدوں سے عورتوں اور ہندو سماج کے نچلے طبقوں کی حالت
ارنے اور ان کی سماجی حیثیت کو بلند کرنے کے حق میں بہت سارے اقتباسات
الے اکٹھا کئے۔ لیکن ہندو سماج کی اصلاح کرنے کا وہ جوش و خروش جس کا
ہرہ آریہ سماج کے بانیوں اور اولین کارکنوں نے کیا تھا، اپنی سطح سے گر کر مسلم
مہم میں اس خوش فہمی میں سمٹ آیا ہے جو دنیا کی تمام حکمت و دانش اور
یوں کو بلا سوچے سمجھے اور بلا جانچے پرکھے ویدوں سے منسوب کر دیتی ہے۔ ایک
خ جیسے ٹھوس حقیقتوں اور شہادتوں پر تکیہ کرنا ہوتا ہے اس قسم کے پرچار کو
نہیں کر سکتا۔ اگر اس قسم کے گھناؤنے پرچار کا توڑ حقیقتوں اور ٹھوس
ل سے جن کی قدیم مذہبی کتابوں میں کوئی کمی نہیں، نہ کیا جائے تو یہ پڑھے لکھے
ں کے ذہنوں کو فرقہ پرست بنا دے گا اور پھر یہ لوگ عام لوگوں کے ذہنوں میں
پرستی کا زہر گھولتے رہیں گے۔ ایسا ہی کینہ پرور مذہبی پرچار تھا جو نہ صرف عیسائیوں
سلمانوں کے درمیان صلیبی جنگوں کا محرک بنا بلکہ ازمنہ وسطیٰ میں خود عیسائیوں کے
ولک اور پروٹسٹنٹ کے درمیان خونریز جنگوں کا باعث بھی بنا۔ آج کل اسی قسم
پرچار نے ہندستان میں قومی یکجہتی کیلئے خطرہ پیدا کر دیا ہے۔

استعماری غلامی کے زمانے میں ایشیائی ملکوں کے قوم پرستوں نے ماضی سے

کی زندگی کو بھی مقدس اور واجب التعظیم بھی قرار دیا اور پھر اس تصو
کو تین جنم کے عقیدے کے ساتھ لوگوں کے ذہنوں میں بٹھایا گیا۔ یہ کہنے کی ضرورت نہ
کہ گائے کی حفاظت کے عقیدے نے قبائلی علاقوں میں، جو فتوحات اور بھومی دا
کے ذریعے برہمنیت کے زیر اثر لائے گئے تھے، ہل اور بیل پر مبنی کھیتی باڑی اور مویشی
پالن کو زبردست فروغ دیا۔ لیکن آج، جبکہ زرعی تکنالوجی میں حیرت انگیز ترقی ہو ر
ہے۔ قدرتی طور پر تحفظ کیلئے ترجیحات میں مویشیوں کا وہ مقام باقی نہیں رہا۔ گا
کے تقدس کا تصور ہماری معاشی ترقی میں رکاوٹ بنتا جارہا ہے۔ ہمیں یا تو ان مویشیوں
پالن پوسن کرنا ہوگا جو غیر منفعت بخش اور غیر پیداآور ہیں یا انسانوں کا جو پیداآور سرگر
میں مشغول ہیں۔ کئی سربرآوردہ ماہرین معاشیات نے اس نکتے پر زور دیا ہے۔ ا
طرح ہم مادی زندگی کی ضرورتوں اور نظریے کی قوت کے درمیان تفاعل کو دیکھ سکتے
لیکن یہ اس مثبت کردار کی قدر و اہمیت کو گھٹاتا نہیں جو قدیم تاریخ میں بودھ
نے ادا کیا۔

اسی طرح عیسائیت نے بھی آقا اور غلام کے درمیان مساوات کے عقیدے
کی تبلیغ کی اور انھیں خدا کی بنائی ہوئی اس دنیا میں مساوی قرار دیا۔ اس کے باوجو
اس نے ان سماجی تفریقات اور امتیازات کو مٹانے کیلئے کچھ نہیں کیا جو رومی سلطنت
میں ان دونوں کے درمیان برتے جاتے تھے۔ اسلام نے ایک ترقی پسند کردار ادا
کیا کیونکہ اس نے نہ صرف مختلف خانوادوں اور قبیلوں کو ایک منظم معاشرے اور
نظم حکومت میں منظم کیا بلکہ قبائیلی لڑائیوں اور عداوتوں کو بھی بڑی حد تک کم کر دیا جو
ان کی نسلوں کو ورثے میں ملا کرتی تھیں۔ اس نے امیر اور غریب کے درمیان مساوات
کی بھی تعلیم دی اور تاکید کی کہ امیروں کو خیرات اور زکواۃ کی شکل میں غریبوں کی مدد
کرنی چاہیئے لیکن اسلام بھی خود اپنی جنم بھومی میں سماجی حقیقت کو نظر انداز نہ کر سکا
اور اپنے پیروؤں کو زیادہ سے زیادہ چار بیویاں رکھنے کی اجازت دی یہ اس رواج
سے تو یقیناً بہتر تھا جو قبیلوں اور خانوادوں کے سرداروں کو بیس، تیس یا اس سے بھی
زیادہ بیویاں رکھنے کی اجازت دیتا تھا۔ اسلام نے بت پرستی کی مخالفت اور ممانعت
کی لیکن اس نے بھی کعبے کے پتھر (حجر اسود) کی اس حرمت اور تقدس کو جو اسلام
سے پہلے مکے میں پایا جاتا تھا، روا رکھا۔ اس لئے مذہبوں کو ان سماجی حالات سے جن

وایت کو منسوب کرنے کی برطانوی مورخین کی کوششوں کی تردید اور تکذیب کرنا چاہتے
تھے۔ لیکن یہ لوگ بھی بعض اوقات تاریخ کی سائنسی تشکیلِ نو کی حدود سے آگے نکل
گئے۔ جیسوال نے ہندو معاشرہ اور ریاست کے بارے میں اپنی کتاب اس فقرے پر ختم
کی ہے: جنانی جنم بھومیچا سورگد اپی گہ، ئیاسی یعنی ماں اور مادرِ وطن جنت
سے بھی کہیں زیادہ اہم ہیں۔ انھوں نے قدیم ہندستان کے سیاسی اداروں کی
بڑی ولولہ انگیز تصویرکشی کی ہے۔ نیل کانت شاستری نے برہمنوں کی ثقافتی اور تہذیبی
برتری کو منوانے پر سارا زور صرف کیا ہے اور بسا اوقات تو یہ ثابت کرنے کی بھی کوشش
کی ہے کہ ہندو، مسلمانوں سے زیادہ رواداراور بے تعصب ہوتے ہیں۔ یہی وہ فرسودہ
راگ ہے جسے آج فرقہ پرست بہت انہماک سے الاپ رہے ہیں۔ جیسوال، نیل کانت
شاستری اور دوسرے مورخوں نے شاکاوں اور دوسرے لوگوں کے پردیسی کردار پر بھی زور
دیا ہے جو موریا دور کے بعد ہندستان آئے تھے۔ کے۔ گوپال چاری ستواہنوں کی تعریف
کرتے ہیں کہ انھوں نے شاکاوں کو ہندستان میں کوئی مستقل پیشہ اختیار کرنے کی اجازت
نہیں دی کیونکہ وہ لوگ غیر ملکی تھے۔ اس طرح ان لوگوں کو بھی جو ہندستان میں مستقل
طور پر بس گئے ہیں اور اس کے سماجی، معاشی اور ثقافتی ڈھانچے کا اٹوٹ حصہ بن چکے
ہیں غیر ملکی کہنے کا دستور آج کل بعض سیاستدانوں نے اپنا لیا ہے اور مسلمانوں کو ہندو
فرقہ پرست پردیسی کہہ رہے ہیں۔

ہندو احیار پرستی کی تیز جھلک ہمیں آر۔ سی۔ مجمدار (١٨٨٠ء-١٩٨٠ء) کی تخلیقات
میں ملتی ہے۔ وہ ایک جانبدار قلمکار تھے اور اپنی تحریروں میں یک رخی تصویر پیش کیا
کرتے تھے۔ یہ وہی مجمدار ہیں جو "ہندستانی عوام کی تاریخ اور ثقافت" کے جنرل ایڈیٹر
تھے۔ یہ تاریخ جو کئی جلدوں پر مشتمل ہے، ایک اور احیار پرست کے۔ ایم۔ منشی کی سرکردگی
میں بھارتیہ ودیا بھون نے بمبئی سے شائع کی ہے اور اس کی اشاعت کے لئے
برلا گھرانے نے مالی امداد دی ہے۔ اس کی زیادہ تر جلدیں ہمیں ان ادوار کی سیر کراتی ہیں
جسے مجمدار ہندو عظمت و جلال اور اقتدار کے دور کہتے ہیں اور بہت کم جلدیں ان ادوار
کا حال سناتی ہیں جنھیں وہ مسلم تسلط کے دور کہتے ہیں۔ وہ عظیم ہندستان کے زبردست
حامی تھے۔ انھوں نے جنوب مشرقی ایشیا کی مقامی تہذیبوں اور ثقافتوں کو نظرانداز
کر دیا اور اس کے ہندوکرن کو اجاگر کیا۔ وہ تاریخ کے تئیں فرقہ پرستانہ رویہ کے ترجمان

تخلیقی تحریک حاصل کیا اور یہ ایک قدرتی بات بھی تھی کیونکہ اس زمانے میں یہ ملک
تہذیب وتمدن کے اعتبار سے کافی ترقی یافتہ تھے جبکہ حاکم ملک ثقافتی حیثیت سے
پسماندہ تھے۔ ہندستان، ترکی، عرب اور دوسرے ملکوں میں یہی ہوا۔ مجاہدین آزادی
کے جوش کو ان کے ملکوں کی جاگیردارانہ پسماندگی اور اپنے آقاؤں کے ترقی کرتے
ہوئے صنعتی سرمایہ دارانہ سماج کے درمیان نمایاں فرق بھی ٹھنڈا نہ کرسکا۔ وہ نوآبادکار
کی حکومت کا مقابلہ اور مزاحمت کرنے کیلئے اپنے ملک کی ماضی کی کامیابیوں کو یاد کرتے
اور اس سے جوش عمل، جسارت اور یقین حاصل کرتے تھے۔ ہندستان اور دوسرے
ملکوں میں یہ کام مورخوں نے انجام دیا۔ برطانوی مورخوں نے استبدادی حکمرانی
حق بجانب ثابت کرنے کیلئے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ ہندستانی سوراج کے
اہل نہیں ہیں اور یہ کہ یہ لوگ اپنی تاریخ کے شروع ہی سے مطلق العنان حکومت
کے عادی ہیں۔ اس کے جواب میں ہندستانی مورخوں نے یہ بتانے کی کوشش
کہ ہندستان میں مقامی بلکہ سیاستی سطح پر بھی کئی سوراج ادارے کام کرتے۔
خاص طور پر برطانوی مورخین نے اور عام طور سے مغربی مورخین نے یہ باور کرانے
کی کوشش کی کہ تہذیب کے کئی اجزا ہندستان میں باہر سے آئے۔ اس کے جواب
میں ہندستان کے قوم پرست مورخین نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ ان کے
ادارے اور ان کی تہذیب کے سارے کے سارے اجزا سراسر دیسی ہیں۔ اس میں
کوئی شک نہیں کہ ہندستان کے ماضی کو گھٹانے اور بدنام کرنے میں برطانوی کوششوں
کا موثر اور مدلل جواب دینے کیلئے بڑی محنت اور عرق ریزی سے تحقیق کی گئی۔ ہندستان
کے ماضی کی اس قوم پرستانہ کھوج نے جہاں اس کی تاریخ کے کئی پہلوؤں کو روشن
کیا وہیں اس نے احیاء پرستی کے طاقتور عنصروں کو جنم بھی دیا۔

قدیم ہندستان کے جن مورخین نے وطن دوستانہ موقف اختیار کرنے کی کوشش
کی، ان میں کے۔ پی۔ جیسوال، ایچ۔ سی۔ رے چودھری اور کے۔ اے۔ نیل کانت شاستری
بھی شامل ہیں۔ جیسوال پہلے شخص ہیں جنھوں نے اس بات کے ٹھوس ثبوت مہیا کیے
کہ قدیم ہندستان میں جمہوریائیں تھیں۔ اسی طرح نیل کانت شاستری پہلے مورخ ہیں جنھوں
چولا اور پالا دراج میں دیہی اور ضلعی سطحوں پر سوراجی اداروں کی اہمیت کو اجاگر کیا۔
ان تحقیقات نے ان لوگوں کو زبان عطا کی جو ہندستان سے مطلق العنان حکومت

ے۔ اسی لئے تو کہا ڈاوالاکنبوں میں تروشکا ڈنڈا یا اس محصول کا ذکر ملتا ہے جو ترکوں
ے لڑنے کیلئے لوگوں پر لگایا گیا تھا۔ علاقائی زبانوں میں ہمیں عام طور پر ترُوک
ی اصطلاح تو ملتی ہے لیکن ایسے لوگوں کا ذکر نہیں ملتا جن کے مذہبی فرق پر زور دیا
یا ہو۔ مسلم اور اسلامی جیسی اصطلاحیں مشکل ہی سے ملتی ہیں۔ یہ چیز آپ ہند، آریائی
ور دراوڑی دونوں زبانوں میں پائیں گے۔ جنوب کے لوگ ان فوجیوں کو جو سلطانوں نے
بھیجی تھیں عام طور پر ترک ہی سمجھتے تھے۔ مجمدار تو میتھیلا میں ہندو تہذیب و ثقافت
کی دمکتی ہوئی چنگاری کی بات کرتے ہیں لیکن میتھیلی کا عظیم شاعر ودیاپتی جب بھی
میلا کے مسلمانوں کا ذکر کرتا ہے تو ترُوک کی اصطلاح استعمال کرتا ہے۔ بہرحال
ایشیا کے حملہ آوروں کے بارے میں ازمنہ وسطیٰ کا ہندو تصور آج کے دور کے مجمدار
تصور سے کہیں زیادہ معقول اور معتدل ہے۔ ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ مجمدار
تصور سراسر فرقہ پرستانہ ہے۔

یہ کہنا کہ "اسلام" نے ہندو تہذیب اور ثقافت کو تقریباً فنا کر دیا، تاریخ کی غلط
یر اور جھوٹ ہے۔ اگر ہم اندرونی اور بیرونی عوامل کے جواب میں ہندستانی ثقافت
اندر ترقی اور امتزاج کے سلسلۂ عمل کو دیکھیں تو اس سے انکار نہیں کر سکیں گے کہ
ں نے ازمنہ وسطیٰ میں شاندار ترقی کی اور خوب پھلی پھولی۔ خود مجمدار نے سماجی
مذہبی اصلاحات کی تحریکوں کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے۔ ہم اس وقت ہند، اسلامی
ب وفن اور طرزِ تعمیر وغیرہ کی ترقی پر کوئی تفصیلی بحث کرنا نہیں چاہتے۔ اس سے
یخ کے طالب علم اچھی طرح واقف ہیں۔ اس کے باوجود اگر ہم اپنے آپ کو برہمنی تہذیب
ور سنسکرت کی تعلیم اور ہند، آریائی اور دراوڑی زبانوں کی ترقی تک محدود رکھیں
بھی ہم یہ تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ ازمنہ وسطیٰ ہندستانی تاریخ میں ایک زبردست
شکیلی دور تھا۔ یہ سلطانوں اور مغل شہنشاہوں کا دور تھا جس میں ہندستان
ہر اہم علاقے نے، اور اس میں بنگال بھی شامل ہے۔ اپنی تہذیبی اور ثقافتی انفرادیت
شخصیت کو ترقی دی اور اس طرح ہندستانی تہذیب و ثقافت کے رنگ برنگی گلدستے
تیاری میں حصہ لیا۔ سچ تو یہ ہے کہ علاقائی زبانوں اور ادب کی ترقی اور فروغ میں
منہ وسطیٰ ہی سب سے زیادہ اہم دور تھا۔ مجمدار سمجھتے ہیں کہ ہندو تہذیب و ثقافت
ند دو جزیروں، شمال میں میتھیلا اور جنوب میں وجے نگر ہی میں باقی رہی لیکن ڈھیر سارے

تھے۔ ترک سلطنت کے قیام کے بارے میں ان کے خیالات ان کے تاریخی نقطۂ نظر کی عکاسی کرتے ہیں:

"تاریخ ہند میں پہلی مرتبہ، دو مختلف مگر اہم فرقے اور ثقافتیں ایک دوسرے کے آمنے سامنے کھڑی تھیں اور ہندستان مستقل طور پر دو طاقتور اکائیوں میں بٹ گیا جن میں سے ہر ایک کی اس کی اپنی انفرادیت تھی۔ ایسی انفرادیت جو کسی اتحاد یا کسی قریبی مستقل ارتباط و ترتیب کیلئے اثر پذیر ثابت نہیں ہوئی۔" (ہندستانی عوام کی تاریخ اور ثقافت۔ جلد ۲۸)۔

اس نقطۂ نظر کے ساتھ مجمدار نے ان لوگوں کو لتھاڑا ہے جو ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان خیرسگالی اور اتفاق و اتحاد کے واقعات کا حوالہ دیتے ہیں۔ انھوں نے ہندو اور مسلمان حکمرانوں کی مشترکہ فرماں روائی کے پورے تصور کو رد کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

"ممتاز ہندو سیاسی رہنما تو آگے بڑھ کر یہ تک کہنے لگے کہ مسلم حکومت کے دور میں ہندو قطعاً ایک مغلوب اور محکوم نسل نہیں تھے۔ یہ مہمل تصورات، جن کی ۱۹ ویں صدی کے اوائل میں ہندستانی رہنما ہنسی اڑائے ہوتے، اسی صدی کے اواخر میں سیاسی پیچیدگیوں کے ناگہانی تقاضوں کے باعث مروج ہو گئے اور تاریخ مان لئے گئے۔" (ہندستانی عوام کی تاریخ اور ثقافت۔ جلد ۲۹۔)

یہی نہیں، مجمدار کے مطابق، ہندو راجاؤں کی سلطنتوں کے خاتمے کے بعد مسلم حملہ آوروں اور حکمرانوں نے بڑے پیمانے پر مندر اور مٹھ تباہ اور مسمار کر دیئے اور ہندو تہذیب و ثقافت کو تقریباً نیست و نابود کر دیا اور اس کیلئے انھوں نے پہلے ان سرچشموں کو تباہ کیا جو ہندو تہذیب و ثقافت کو سیراب اور شاداب کرتے تھے۔ اس کی مزید ترقی اور بالیدگی روک دی گئی اور اس پر ایک گہری اداسی اور افسردگی چھا گئی۔ مجمدار ہندو تہذیب کے "اچانک رک جانے" کا ذکر کرتے ہیں: شمال میں میتھیلا اور جنوب میں وجے نگر ہی رہ گئے تھے جہاں ماضی کے عظمت و جلال اور تہذیب و ثقافت کی شمع جلتی رہی۔ (ہندستانی عوام کی تاریخ اور ثقافت۔ جلد ۳۱۔)

مجمدار کی یہ رائے بالکل بے بنیاد ہے کہ سلطنت کے تحت ہندو وسطی ایشیا کے حملہ آوروں کو سراسر مذہبی یا اسلامی اصطلاحوں میں دیکھتے تھے۔ ہندستان کے لوگ وسطی ایشیا کے لوگوں اور ان کی حکومت کو ایک نسلی سماجی اور ثقافتی فرقے کا غلبہ اور اقتدار سمجھتے

ے اواخر میں مسلمانوں کے خلاف ہندوؤں کے مذہبی جذبات اور احساسات کا استحصال
رنے کی استعماری پالیسی پر چلتے ہوئے دنیا کے سامنے مسلمان حکمرانوں کو اس طرح
یش کیا کہ وہ سب کے سب یکساں طور پر ہندو مندروں کو تباہ و تاراج کرتے اور ہمیشہ
ندوؤں کو ظلم وستم کا شکار بناتے رہے تاکہ مسلمان بادشاہوں کی حکمرانی کے مقابلے
ں برطانوی راج کی بہتر تصویر پیش کی جا سکے۔ انگریزوں کی فرقہ پرستانہ تاریخ نویسی کی
ہترین مثال حکومتِ ہند کے سکریٹری ایچ۔ ایم۔ ایلیٹ کی تصنیف بائبلوگرافیکل انڈکس
ردی ہسٹورینس آف محمڈن کی جلد اوّل کا دیباچہ ہے جو خود انھوں ہی نے لکھا ہے۔
ر کتاب ۱۸۴۹ء میں کلکتہ سے شائع کی گئی تھی۔ اس میں ایلیٹ نے، جو بعد میں ڈاوسن
ے ساتھ سلطانوں اور مغل شہنشاہوں کی حکومت کے بارے میں ۸ جلدوں پر مشتمل
سٹری آف انڈیا ایس ٹولڈ بائی اٹس ہسٹورینس کے مصنف کی حیثیت سے کافی مشہور
وئے، انتہائی سخت لفظوں میں مسلمان حکمرانوں کی مذمت کی ہے۔ وہ اس غم میں گھلتے
ہے کہ وہ مسلم بادشاہ بھی جنھیں انگریزوں نے گدیوں پر بیٹھایا تھا کاہل اور امورِ
سلطنت سے غافل ہوگئے ؛ انھوں نے عیاشی اور شراب نوشی کو اپنا مشغلۂ حیات
نالیا اور کالیگولا یا کوموڈوس کی بدکاریوں،، کی ہمسری کرنے کی کوشش کرنے لگے۔
یلیٹ کہتے ہیں کہ مسلمان حکمرانوں نے ہندوؤں کے جلوسوں اور پوجا پاٹ وغیرہ پر
پابندی لگا دی، ان کے دیوی دیوتاؤں کی مورتیوں کو توڑا، ان کے مندروں کو ڈھایا، لوگوں
کو مذہب بدلنے پر مجبور کیا ؛ انھوں نے قتل و غارتگری کا بازار گرم کیا اور لوگوں کا مال اور
جائیداد ضبط کیا وغیرہ۔ انھوں نے اپنی کتاب کی جلد اوّل میں ان سبھی ناقابلِ برداشت
کارروائیوں کی مثالیں پیش کی ہیں۔ ایلیٹ نے جو تصویر پیش کی ہے وہ تقریباً
یکطرفہ ہے اور ایک خاص مقصد کو ذہن میں رکھ کر تیار کی گئی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ
ایلیٹ کو اس بات کی پوری امید تھی کہ ان کی یہ کتاب چھپنے کے بعد انگریزوں کو "بڑی
بڑی باتیں کرنے والے بابوؤں کی، جنھیں ہماری حکومت کی چھتر چھایا میں بہت کچھ تنھی
آزادی حاصل ہے" زبانی حب الوطنی کے بارے میں لمبی چوڑی تقریریں' اور اپنی موجودہ
پست حالی کا رونا راگ" سننا نہیں پڑے گا۔ انھیں یہ بھی امید تھی کہ "تھوڑے
ہی دنوں میں" وہ لوگ اس تاریک دور کے دنوں کی واپسی کی آس میں " ٹھنڈی
سانسیں" بھرنا چھوڑ دیں گے۔ ایلیٹ کو یہ یقین تھا کہ ہندستان کے لوگ اپنی جسمانی

سنسکرت مخطوطات "مسلم" ریاست کشمیر میں دریافت ہوئے ہیں جہاں کے پنڈتوں کو فارسی
اور سنسکرت دونوں زبانوں پر یکساں دسترس حاصل تھی۔ کہا جاتا ہے کہ نالندہ علاقے
میں تمام بودھی مخطوطات مسلمانوں نے تباہ کر دیئے۔ اگر اس کو سچ مان لیا جائے تو سوال
یہ پیدا ہوتا ہے کہ چینی مخطوطات ان صدیوں میں جبکہ وہاں مقامی سلطانوں کی حکومت
تھی، اتنی اچھی طرح کیوں محفوظ رہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اکثر مخطوطات جن کی بنیاد پر
قدیم ہندستانی ورثے کی تشکیل نو عمل میں آئی ہے، سلطانوں اور مغلوں ہی کے دورِ
حکومت میں، خاص طور پر کشمیر میں، مغربی اور جنوبی ہندستان میں، میتھیلا اور مشرقی
ہندستان میں لکھے بھی گئے اور محفوظ بھی رہے۔ ہم جسے دورِ جدید کی "ہندو نشاۃ ثانیہ"
کہتے ہیں وہ ازمنہ وسطیٰ کے مخطوطات کے بغیر ممکن ہی نہ ہوتی

ترک سلطانوں اور مغل شہنشاہوں کے عہد میں "طبع زاد کتابوں کے علاوہ نہ
صرف رزمیوں، کاویوں، دھرم شاستروں اور سمرتیوں کی بلکہ ویدوں کی جن میں
شراوت سوترائیں اور گرہیہ سوترائیں بھی شامل ہیں، فلسفہ، منطق، قواعد، فلکیات
ریاضیات کی کئی عالمانہ شرحیں اور تفسیریں بھی لکھی گئیں۔ مفسروں اور شارحوں
نے قدیم کتابوں کے متن اور عبارتوں کی شرح اور تفسیر کرتے ہوئے اس خزانے میں
کافی گرانقدر خلاقانہ حصہ بھی ادا کیا ہے۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ منطق کے نویا نیائے
مکتب نے جس کیلئے ہندستان دنیا بھر میں مشہور رہے، سلطانوں کے دور میں نہ صرف
میتھیلا میں بلکہ بنگال میں بھی ترقی کی۔ دھرم شاستروں کے شارحوں نے نہ صرف
ان تبدیلیوں پر خاطر خواہ توجہ دی جو سماج میں ہو چکی تھیں بلکہ انھیں دھرم شاستروں کے
معیاروں سے ہم آہنگ بنانے کی کوشش بھی کی۔ یہ سچ ہے کہ ازمنہ وسطیٰ کے اواخر میں
ہندستان کے اندر اس طرح کی سماجی اور معاشی ترقی نہیں ہوئی جس طرح کی ترقی مغربی
یوروپ کے ملکوں میں ہوئی تھی۔ لیکن یہ بات تقریباً تمام ایشیا پر صادق آتی ہے جس
کا صرف ایک حصہ ہی مسلمان حکمراں کے زیر نگین تھا۔ ایسے میں لے دے کے ہندستان
میں مسلم حکومت کو اس کا مجرم قرار دینے اور ایک اسی کو برا بھلا کہنے کا جواز صرف فرقہ پرستانہ
بنیاد ہی مہیا کر سکتی ہے۔

کچھ ممتاز ہندستانی مورخین بھی اس فرقہ وارانہ جال میں پھنس گئے جو انگریز
مورخوں نے بچھایا تھا۔ ان انگریز مورخوں اور آثار قدیمہ کے ماہروں نے ۱۹ویں صدی

واقعہ کی حیثیت نہیں رکھتا۔ عربوں نے ہندستانی تہذیب و ثقافت کے بعض عنصروں کو مغرب میں پھیلایا تو مزدور لیکن سندھ میں ان کی چارسو سالہ حکمرانی نے ہندستانی نظام سیاست، تہذیب و ثقافت اور سماج پر کوئی حقیقی اثر مرتب نہیں کیا

بنگال کے بعض ممتاز ماہرین تعلیم اور مؤرخوں کا ذہن فرقہ پرستانہ خطوط پر کام کر رہا تھا اس لئے وہ تاریخ کے ایک ایسے مربوط شعبے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے تھے جس میں تاریخ کے تمام دوروں اور پہلوؤں کو پڑھایا جاسکے۔ صاف ظاہر ہے کہ قدیم ہندستان کی عظمت اور شان و شوکت کو بڑھاوا دینے کی غرض سے ملک میں پہلی مرتبہ کلکتہ یونیورسٹی میں قدیم ہندستانی تاریخ کا ایک الگ شعبہ قائم کیا گیا۔ اسی طرح ہندو تاریخ کے مطالعے کے مقابلے میں اسلامی تاریخ کا شعبہ کھولا گیا۔ معنی خیز بات یہ ہے کہ کلکتہ یونیورسٹی میں ہندستانی تاریخ کے مطالعے کیلئے جن مضمونوں کی سفارش کی گئی وہ راجپوت تاریخ، مرہٹہ تاریخ اور سکھ تاریخ کیلئے مختص تھے۔ اس کا کھلم کھلا مقصد یہ تھا کہ ان برادریوں کی سرگرمیوں کو اجاگر کیا جائے جنھوں نے ۱۷ویں صدی اور ۱۸ویں صدی میں مغلوں کی جابرانہ حکومت سے لوہا لیا۔ چنانچہ ان سبھی برادریوں کے بارے میں خصوصی مقالے اور ...عاتی رسالے بھی لکھے گئے۔ دوسری طرف خود بنگال میں انگریزوں کی استعماری حکومت کے ...ف بغاوتوں کی مثالوں کے باوجود ایسے کوئی نصاب تیار نہیں کئے گئے۔ اس سے یہ حقیقت ...ر سامنے آئی ہے کہ مسلمانوں کو، ملک میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بس جانے اور اس کی ملی جلی ...یب و ثقافت کا ایک حصّہ بن جانے کے باوجود، غیر ملکی گردانے کا تصور فرقہ وارانہ خطوط پر ...ی مطالعات کی تنظیم کے ذریعے نہ صرف پھیلایا گیا بلکہ اسے جواز بھی عطا کیا گیا۔ ان یونیورسٹیوں ... جو بنگال، بہار اور آس پاس کے دوسرے علاقوں میں قائم کی گئیں، تاریخ اور دوسرے ...مونوں کی تعلیم کیلئے کلکتہ ہی نے نمونہ مہیا کیا۔ کلکتہ میں قدیم ہندستانی تاریخ و ثقافت ...شعبہ کھل جانے کے کچھ عرصہ بعد بنارس یونیورسٹی اور دوسری یونیورسٹیوں میں بھی ایسے شعبے ...ں گئے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ان شعبوں کے کئی ارکان نے گرانقدر ...یقاتی کام انجام دیا لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ان میں سے کئی شعبے ظلمت پرستی اور ہندو ...پرستی کے گڑھ بن گئے اور انھوں نے قدیم ہندستان میں جو کچھ ہوا، اس کی قدامت اور ...ائی کے ساتھ اشاروں اور کنایوں میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ ہندو مت اسلام اور ...وسرے مذہبوں سے بہتر اور برتر ہے۔

اور روحانی ساخت کی خامیوں کے باعث، جنھیں نہ تو خوراک سے اور نہ تعلیم سے پورا کیا جا سکتا ہے، قومی آزادی حاصل کرنے کی کوشش تک نہیں کریں گے۔ استعماری ماہرین آثار قدیمہ بھی ایلیٹ کے انہی احساسات کی ہمنوائی کرتے ہیں۔ چنانچہ ۱۸۹۱ء میں ایودھیا کی قدیم عمارتوں کا ذکر کرتے ہوئے اے۔ فیوہرر نے بعض مقامی روایتوں کو جو ایک خاص مقصد کے ساتھ گھڑی گئی تھیں، بلا جانچے پرکھے اپنا لیا کہ ایودھیا کے تینوں مندر جن میں جنم استھان پر واقع مندر بھی تھا۔ مسلمانوں نے تباہ کر دیئے (دی مونومینٹل اینٹکوئٹیز اینڈ انسکرپشنس ان نارتھ ویسٹرن پروونسس اینڈ اودھ۔ آرکیالوجیکل سروے آف انڈیا، الہ آباد، ۱۸۹۱ء صفحہ ۲۹۷) وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ عہد حاضر کے اکثر و بیشتر برہمنی اور جین مندر اپنے سے زیادہ قدیم مندروں کی جگہ بنائے گئے ہیں جو مسلمانوں نے تباہ کر دیئے تھے۔" (ایضاً صفحہ ۹۷-۲۹۶) - ایسے سرسری دعووں کی کوئی بنیاد نہیں ہے جو ایک ایسے وقت کئے گئے جب "غدر" کی یادیں ذہنوں میں تازہ تھیں اور انگریز دشمن وہابی تحریک کی گونج مدھم نہیں پڑی تھی۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ ڈبلیو۔ ڈبلیو۔ ہنٹر نے مسلمانوں کی مدد کرنے کیلئے جو پند و نصیحت کئے تھے (انڈین مسلمانس - ۱۸۷۰ء) وہ انتظامی کارروائی تک محدود تھے اور ان کا اثر اس وقت تک علمی دنیا کے ان کے بھائی بندوں پر نہیں پڑا تھا۔

یہ کہنے کی کوئی ضرورت نہیں کہ ۱۹ ویں صدی کے استعماری مؤرخین اور ماہرین آثار قدیمہ ہندستانی مورخوں کے ذہنوں میں فرقہ پرستی کا زہر بھرنے میں کامیاب رہے۔ اسی لئے تو بنگال کے ممتاز مورخوں نے مشرقی ہند میں برطانوی راج کے قیام کو ایک خدا داد نعمت قرار دیا۔ انگریزوں کی استعماری حکومت ہندوؤں اور مسلمانوں، دونوں کے حق میں یکساں طور پر ظالمانہ اور جابرانہ حکومت تھی، اس کے باوجود جادو ناتھ سرکار جیسا عظیم مورخ اسے نجات کے ایک وسیلے کے روپ میں دیکھتا ہے۔ سب سے زیادہ بدبختی کی بات تو یہ ہے کہ اے۔ ایل۔ سریواستوا جیسے مورخین نے ان کے تصورات کو قبول کر لیا اور انھیں کھینچ تان کر خلاف عقل اور بعید از قیاس حدوں تک لے گئے۔ سریواستوا تو پاکستان کی تخلیق کے ڈانڈے ۷۱۲ء میں سندھ پر عربوں کے حملے سے ملاتے ہیں۔ یہ تو سبھی جانتے ہیں کہ سندھ پر عربوں کا حملہ ہندستان کی تاریخ میں کوئی اثر آفریں

کشمیر کے مہاراجہ ہرش نے ایسا ہی کیا۔ اس نے ایک افسر مقرر کیا تھا جس کا کام ہی استیصال
ما (دیوپتن) تھا۔ ایک طرف ایسے عہدیداروں کا تقرر اور دوسری طرف وہ اقدامات
توہم پرست ہتھکنڈوں کے ذریعے بھولے بھالے لوگوں سے پیسہ اینٹھنے کیلئے
تھ شاستر میں تجویز کیے ہیں، اس خوش فہمی کو دور کرنے کیلئے کافی ہیں کہ ہندو حکمران
بقے کے لوگ اپنی رعایا کے تئیں ہمیشہ رواداری برتتے رہے ہیں۔ پتنجلی کی مہابھاشیہ
نی اس شرح کی بنیاد پر جو پانینی کی تقریباً ۴۰۰ قبل مسیح کی مشہور صرف و نحو اشٹادھیائی
ے بارے میں تقریباً ۱۵۰ قبل مسیح کے دوران لکھی گئی ہے، ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ موریا خاندان
ے راجہ اپنا خزانہ بھرنے کیلئے دیوی دیوتاؤں کی دھاتی مورتیوں کو پگھلا دیتے تھے۔ چنانچہ
وریا خاندان اور دوسرے خانوادوں کے راجاؤں نے اپنی بے لگام رقمی ضرورتوں کی
تکمیل کیلئے مذہبی مورتیوں کے تقدس اور حرمت کی پرواہ نہیں کی۔

بلاشبہ اشوک نے جو کچھ کیا وہ بہت قابل تعریف بھی ہے اور قابل تقلید
بھی، لیکن ان کی پالیسی کا نشانہ برہمنوں کی جیب بنی ہوئی تھی۔ پوشیامتر شونگ کو،
جس نے موریا اقتدار کی بچی کھچی نشانیوں کو مٹایا اور دوسری صدی قبل مسیح کے لگ
بھگ اواخر میں ایک برہمن سلطنت قائم کی، تقریباً دوسری، تیسری صدی عیسوی کی
ایک کتاب دیویا ودان ایسے سفاک اور خونخوار ظالم کے روپ میں ہمارے سامنے پیش
کرتی ہے جو اپنے ذاتی مذہبی عقائد کی بنا پر بودھوں کو جبر و تشدد کا نشانہ بناتا ہے۔
وہ اپنی زبردست فوج کے ساتھ بودھ عبادت گاہوں (استوپاؤں) کو ڈھاتا، ان کی
خانقاہوں (وہاروں) کو جلاتا اور بھکشوؤں کو موت کے گھاٹ اتارتا ہوا شاکل یا موجودہ
سیالکوٹ تک بڑھتا چلا جاتا ہے اور سیالکوٹ میں یہ اعلان کرتا ہے کہ جو بھی اس کے
پاس ایک بھکشو کا سر لائے گا اسے اس کے صلے میں سونے کے سو سکے انعام دیئے جائیں گے۔
ہو سکتا ہے کہ یہ مبالغہ ہو کیونکہ شونگ راج کے زمانے میں بھی بودھوں کی عبادت گاہیں
تعمیر کی گئیں لیکن پوشیامتر شونگ اور بھکشوؤں کے درمیان دشمنی سے انکار نہیں
کیا جا سکتا۔ ہم یہ بھی پڑھتے ہیں کہ مغربی بنگال میں گوڑ کے ایک شیو بھگت راجہ، شاشنک
نے بیپل کے اس پیڑ کو کٹوا دیا جس کے نیچے مہاتما بودھ کو گیان حاصل ہوا تھا۔ ویں
صدی کے اس کے ہمعصر راجہ ہرش کو ایک روادار حکمران مانا جاتا ہے لیکن اس نے
ان برہمنوں کو جیلوں میں بند کر دیا اور ان کی گردنیں مار دیں جن پر اس لاٹ کو جلا دینے

موجودہ صورت حال میں کچھ فرقہ پرستانہ ذہن رکھنے والے ادیب احیاء پسند تصورات کو استعمال کر رہے ہیں اور انھیں ہوا دے رہے ہیں۔ بڑے دھوم دھڑلے سے یہ دعویٰ کیا جا رہا ہے کہ ماضی میں دنیا میں جو کچھ بھی اچھا اور عظیم رہا ہے وہ ہندستان ہی میں پیدا ہوا اور یہیں سے دنیا کے دوسرے حصوں میں پھیلا۔ لیکن تاریخ داں، جنھیں ٹھوس شہادتوں اور ثبوتوں کو بنیاد بنانا ہوتا ہے، ایسے خیالات کو تسلیم نہیں کر سکتے۔ بات چاہے مختلف قسم کی دھاتوں اور سکّوں کے استعمال کی ہو یا تحریر اور تہذیب و ثقافت کے دوسرے عنصروں کے استعمال کی، ہمیں تو بڑی احتیاط سے ثبوتوں اور شہادتوں کی جانچ پڑتال کرنی ہوتی ہے۔ تب پتہ چلتا ہے کہ تمام حد سے زیادہ احیاء پسند تصورات ایسے مورخین پیش کرتے ہیں جو ہندو فرقہ پرستانہ اور اسلامی بنیاد پرستانہ تصورات سے سرشار ہیں۔

ہندستان میں فرقہ پرستی کے مسئلے کو بنیادی طور پر ہندوؤں اور مسلمانوں کے باہمی تعلقات کے مسئلے کی حیثیت سے دیکھا جاتا ہے۔ ایک مذہب کو ماننے والے حکمرانوں اور عام رعایا پر دوسرے مذہب کے ماننے والے حکمرانوں کے ظلم و ستم، جبر و تشدد اور تہذیب سوزی کی کارروائیوں کی پردہ پوشی اور لیپا پوتی کر کے اس مسئلے کو حل نہیں کیا جا سکتا۔ تاریخ میں یہ حکمراں طبقوں کا، چاہے ان کا مذہب کچھ ہی کیوں نہ ہو، یہ امتیازی حق رہا ہے کہ وہ اپنی رعایا کو اور اپنے دشمنوں کو لوٹیں اور ان پر ظلم و ستم کریں اور مال غنیمت، ترجیحی طور پر، حکمراں طبقے کے اونچے حلقوں کے ارکان میں بانٹ دیں۔ اگر مسلمان بادشاہوں اور شہزادوں نے ہندوؤں کے مندروں کو لوٹا اور تاخت و تاراج کیا ہے تو مورخین اس حقیقت کو نظر انداز کر کے کوئی خیر سگالی پیدا نہیں کر سکتے لیکن غارتگری اور لوٹ مار کے ایسے واقعات کا تجزیہ اور توضیح کرنی ہوگی، جیسا کہ محمد حبیب نے اپنی کتاب سلطان محمود آف غزنی میں محمود غزنوی کی غارتگرانہ کارروائیوں کا جائزہ لیا ہے۔ عام آدمی بھی یہ دیکھ سکتا تھا کہ چاہے تمام ہندو مندر سومناتھ اور ترووپتی کے مندروں کی طرح مالدار نہ رہے ہوں، تب بھی عام طور پر مندر مسجدوں سے کہیں زیادہ مالدار ہوا کرتے تھے۔ ۱۱ویں صدی کے اوائل میں سومناتھ مندر میں ۵۰۰ دیوداسیاں، ۳۰۰ حجام اور بہت سے پروہت اور پجاری تھے۔ اس کے اخراجات کیلئے ۱۰ ہزار گاؤں وقف تھے۔ دوسری طرف مسجدوں کو دیکھئے۔ ان کی عمارت میں دولت محفوظ رکھنے کیلئے کوئی کمرہ نہیں ہوتا۔ یہ نماز پڑھنے کیلئے کھلی عمارتیں ہوتی ہیں۔ یہ مندروں کی دولتمندی ہی تھی جس کی بناء پر بعض ہندو راجاؤں نے قیمتی دھاتوں کی مورتیوں کو توڑنے اور انکی دولت کو ضبط کر کے شاہی خزانے میں داخل کرنے کیلئے خصوصی افسر مقرر کئے۔ ۱۱ویں صدی کے اواخ

زندگی سے ہم آہنگ بنالیا۔ یہ دعویٰ بالکل غلط ہے کہ ہندو شروع ہی سے ایک مربوط اور متحد فرقہ ہیں۔ آر۔
سی۔ مجمدار جیسا کٹر احیاء پرست اور مسلم دشمن مورخ بھی یہ تسلیم کرتا ہے کہ ہندو حکمراں طبقے کی صفوں میں
اتحاد اور یکجہتی نہیں تھی اور وہ تضادوں میں بری طرح بٹی ہوئی تھیں۔ انھیں یہ بات "انتہائی
تکلیف دہ" لگتی ہے کہ جب ایک ہندو ریاست پر مسلمان حملہ کرتے ہیں تو ایک پڑوسی ہندو راجہ بھی
اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس ریاست پر پیچھے کی طرف سے دھاوا بول دیتا ہے۔
(ہسٹری اینڈ کلچر آف انڈین پیپلز، جلد ۵، دیباچہ۔ صفحات XIV XV) وندھیا چل
کے جنوب کے علاقے تک میں مسلم خطرے کو اتنا کم کر کے دیکھا گیا کہ دکن کے طاقتور
یادو حکمرانوں نے گجرات چالوکیہ حکمرانوں پر جنوب سے عین اس وقت حملہ کر دیا جب وہ
شمال کی طرف سے چڑھائی کرنے والے مسلمان حملہ آوروں کے خلاف زندگی اور موت
کی جنگ لڑ رہے تھے۔ (ایضاً، صفحہ XIV)

ہندو مذہبی پیشواؤں کے فرقہ وارانہ تعصب کی ایک قائل کن مثال ایودھیا کی
ازمنہ وسطیٰ کی تاریخ سے پیش کی جا سکتی ہے۔ جب تک اورنگ زیب زندہ رہا اس کے
طاقتور ہاتھوں نے ایودھیا میں حالات کو پوری طرح قابو میں رکھا اور وہاں زندگی پرسکون
ماحول میں چلتی رہی لیکن اس کی موت کے بعد ۱۷۰۷ء میں شیوی سیناسیوں اور ویشنوی
ویراگیوں کے منظم جتھوں کے درمیان کھلے عام ٹکراؤ اور خون خرابہ شروع ہو گیا۔ ان دونوں کے
درمیان جھگڑا اس بات پر تھا کہ مذہبی مقاموں کا قبضہ کس کے ہاتھوں میں رہے اور
تیرتھ یاتریوں کی نذر نیاز اور تحفوں سے ہونے والی آمدنی کس کو ملے۔ ہم یہاں ۱۸۰۴ء
۔ ۱۸۰۵ء کی ایک کتاب سے ایک اقتباس پیش کر رہے ہیں جس میں آپ ان دونوں
فرقوں کے درمیان اس خون آشام ٹکراؤ کی جھلک دیکھ سکتے ہیں:

اس زمانے میں جب رام کا جنم دن آیا، لوگ کوسل پور گئے اور وہاں ان کے
ٹھٹ کے ٹھٹ جمع ہوتے گئے۔ کون بیان کر سکتا ہے کہ وہاں کتنی زبردست بھیڑ اکٹھا
تھی؟ اس جگہ سنیاسیوں کے بھیس میں ان گنت ہتھیار بند سادھو تھے، سروں پر لمبے لمبے
جٹو، گھنی داڑھی، جسم پر بھبوت ملا ہوا۔ خون کے پیاسے سپاہیوں کی ایک لاتعداد فوج
تھی۔ ویراگیوں کے ساتھ لڑائی چھڑ گئی۔ یہ لڑائی (ویراگیوں کے) کوئی کام نہ آئی کیونکہ انکے
پاس فوجی حکمت عملی نہیں تھی۔ انھوں نے وہاں ان کی طرف بڑھ کر غلطی کی؛ ویراگی پہناوا
پریشانیوں اور مصیبتوں کا ایک سرچشمہ بن گیا... جو لوگ ویراگی لباس پہنے ہوئے تھے وہ

کی سازش کرنے کا الزام تھا جو قنوج کی سبھا میں مہاتما گوتم بودھ کی یادگار کے طور پر تعمیر کی گئی تھی۔ ہم یہ بھی سنتے ہیں کہ ازمنہ وسطیٰ کے اوائل میں جنوبی ہند میں جینیوں اور شیو بھگتوں کے درمیان کھلے عام خونریزی اور قتل و غارتگری ہوئی اور روایتوں کے مطابق کم سے کم ۸ سو جینیوں کو جسم میں میخیں ٹھونک کر ہلاک کیا گیا۔ ان روایتوں کی تشہیر کشی مندروں کے اندر نقاشی اور سنگ تراشی میں بھی کی گئی ہے۔

ازمنہ وسطیٰ کے اوائل کے بہار کی سنگ تراشی اور نقاشی کے نمونے اور شبیہیں اس بات کی منہ بولتی گواہ ہیں کہ بودھوں اور برہمنوں کے درمیان کھلا اور پُرتشدد ٹکراؤ موجود تھا۔ ان شبیہوں میں بودھ مت کی برگزیدہ مذہبی شخصیتوں کو، جن میں اپرجیت بھی شامل ہیں، شیو دیوتاؤں کو پیروں سے کچلتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ مذہبی حیثیت سے اس ٹکراؤ کا اظہار اس مہم میں ہوتا ہے جو شنکر نے وسیع پیمانے پر بودھ مت کے خلاف شروع کی تھی۔ یہ سمجھنا غلط ہوگا کہ اس ملک سے بودھوں کا صفایا محض ان کے خلاف نظریاتی پرچار کے باعث ہوا۔ ایسا لگتا ہے کہ انھیں ظلم و تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ ان کے سامنے صرف دو راستے رہ گئے تھے: یا تو یہاں سے بھاگ کر دوسرے ملکوں میں چلے جائیں اور وہیں بس جائیں یا ان سماجی مجبوریوں اور پابندیوں سے جن میں وہ زندگی بسر کر رہے تھے نجات حاصل کرنے کیلئے اسلام قبول کرلیں۔ معنی خیز بات یہ ہے کہ ہندستان میں ایک مذہب کی حیثیت سے اسلام صرف انہی علاقوں میں قدم جما سکا جو بودھ مت کے گڑھ تھے۔ یہ بات کشمیر، شمال مغربی سرحدی خطے پنجاب اور سندھ پر صادق آتی ہے اسی طرح ہمیں نالندہ (بہار شریف) سے بھاگلپور (چمپانگر) — اور بنگلادیش میں مسلمانوں کی آبادی ملتی ہے جہاں بودھ خاصی تعداد میں رہتے تھے۔ ہندستان سے بودھ تقریباً غائب کیوں ہوگئے، اس کی توضیح محض اس بنیاد پر نہیں کی جا سکتی کہ ان کے مذہب میں اندرونی قلب ماہیئت ہو رہی تھی۔ اس سوال کا جواب پانے کیلئے ہمیں اس منظر کو بودھ کے تئیں ازمنہ وسطیٰ کے ہندو حکمراں اور مذہبی پیشواؤں کے رویے کے ساتھ جوڑ کر دیکھنا ہوگا۔ جینیوں کو بھی ظلم و تشدد کا شکار بنایا گیا۔ لکھنؤ کے میوزیم میں جینی دیوی دیوتاؤں کی کئی پتھر کی مورتیاں ہیں جو بگڑی ہوئی حالت میں ملی ہیں۔ صاف بات ہے کہ یہ کام بعد وشنو بھگتوں نے ان مورتیوں کو وشنوی جامہ پہنانے کیلئے کیا۔ خود جینیوں نے اپنے مذہبی رسومات اور سماجی ریتی رواجوں میں کافی حد تک ترمیم و تبدل کرکے اپنے آپ غالب برہ

ہتا ہے۔ تاریخی دنیا میں محمود غزنوی اور تیمور کا بھوت دن رات ان کے سامنے دانتیں نکالے
رہتا ہے۔ وہ کہتے ہیں:
"چار سو برس پہلے، سلطان محمود کے دور کے بعد، ہندستان میں ہندوؤں کا ایسا سوچا سمجھا اور
بےحیا سفاکانہ قتل عام نہیں دیکھا گیا (جیسا تیمور کے زمانے میں ہوا)۔ اس کے متعصب
ں نے کوئی ایسی حرکت اٹھا نہیں رکھی جس کا تصور بے لگام ہوس اور بے روک بربریت کر سکتی تھی
کا ظلم اپنی انتہا کو اس وقت پہنچا جب دلی کے میدانوں کے باہر انتہائی سفاکی کے ساتھ ایک لاکھ ہندو
ں کو قتل کر دیا گیا" (ہسٹری اینڈ کلچر آف انڈین پیوپلز، جلد ۶، دیباچہ، صفحہ ۲۴)۔
اس قسم کے بیانات محمود غزنوی، محمد غوری اور تیمور سمرقندی کے اس قہر کو بالکل نظرانداز کر
یں جو انھوں نے وسطی ایشیا کے عام مسلمانوں اور حکمرانوں پر ڈھایا۔ ان کا اصل مقصد دوسرے
د لوٹنا، اپنے خزانے بھرنا اور اپنی دولت میں اضافہ کرنا تھا جب محمود غزنوی اور محمد غوری نے
ن پر حملہ کیا تھا، تو اس وقت ان علاقوں میں جہاں انھوں نے حملے کئے، دراصل کوئی مسلم آبادی نہیں
یں دسویں اور ١١ویں صدی تک تقریباً پورے کا پورا وسطی ایشیا اسلام قبول کر چکا تھا۔ اسکے باوجود ان
وں نے دینی بھائیوں کو نہیں بخشا۔ ان کے ہاتھوں وسطی ایشیا کے مسلمانوں کی غارتگری اور تاراجی
یمانے اور اپنی شدت کے اعتبار سے شمالی ہند کے ہندوؤں کی تباہی و بربادی سے کچھ کم
تی تاریخ میں غارت گر مال غنیمت کی حد تک اپنے شکاروں کے ساتھ عام طور پر یکساں برتاؤ کرتے
چنانچہ تیمور نے ہندستان میں جو کچھ کیا اس کے مقابلے میں وسطی ایشیا میں مسلم آبادی پر اس کے ظلم و ستم
س کی تباہ کاری کہیں زیادہ تھی۔ ۱۳۹۸ء - ۱۳۹۹ء تک ہندستان میں مسلمانوں کی اچھی خاصی
ں تھی، اسکے باوجود غیر مسلم آبادی ان سے زیادہ تھی۔ یوں تو تیمور کے حملوں کا رخ دراصل مسلم
وں کے خلاف تھا لیکن جو لوگ اس کے حملے کا شکار بنے وہ ظاہر ہے کہ ہندو تھے۔
اقتدار اور مال و زر کے معاملے میں ہندو اور مسلم، دونوں حکمراں طبقوں کے لوگ
ں طور پر ظالم اور بے رحم ثابت ہوئے۔ اس کی ان گنت مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ دوسری
ف ہندو اور مسلم حکمرانوں کی رواداری کی بھی کئی مثالیں موجود ہیں، دونوں فرقوں کے عام
وں کے درمیان پائی جانے والی اخوت اور خیرسگالی کی بات تو جانے دیجیئے۔ اسی لئے
م حکمرانوں کو سنگدل و سفاک درندوں اور ہندو حکمرانوں کو رحم دل و بردبار انسانوں
روپ میں پیش کرنا غلط ہوگا۔ لیکن بدبختی سے ہندو فرقہ پرست ایسی تصویریں تیار کر رہے ہیں
مسلم بنیاد پرست اس دوڑ میں انھیں جا لینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ فرقہ وارانہ منافرت کے

سب کے سب ان سے یعنی سنیاسیوں سے بہت دور بھاگ گئے۔ انھوں نے اودھ پور کو چھوڑ دیا۔ انھیں (یعنی سنیاسیوں کو) جہاں بھی ویراگی لباس میں لوگ نظر پڑتے وہاں وہ ان میں بری طرح خوف ودہشت پیدا کر دیتے۔ ان کے خوف سے ہر کوئی ڈرا ہوا تھا۔ جہاں بھی ممکن ہوا ان لوگوں نے خفیہ مقامات پر پناہ لی اور اپنے کو چھپالیا۔ انھوں نے اپنا پہناوا بدل ڈالا اور اپنی فرقہ وارانہ نشانیاں چھپانے لگے۔ کوئی بھی اپنی صحیح پہچان نہیں ظاہر کرتا تھا" (یہ اقتباس ہنس بیکر نے رگھوناتھ پرشاد کی کتاب شری مہاراج چرت کے صفحہ ۱۴۲ سے لیا ہے اور اسے اپنی کتاب ایودھیا مطبوعہ گورننگون، ۱۹۸۶ء کے صفحہ ۱۴۹ پر نقل کیا ہے)۔

یہ اقتباس ازمنہ وسطیٰ کے ہندو مذہبی پیشواؤں کی عدم رواداری کو بے نقاب کرنے اور ان کی مذہبی فراخدلی کی من گھڑت داستانوں کو بے نقاب کرنے کیلئے کافی ہے۔

ہم دیکھ سکتے ہیں کہ صدیوں کی مذہبی تبلیغ اور ذہنی تربیت بھی ایک متحدہ ہندو قوم یا برادری تخلیق نہیں کر سکی۔ آج بھی درج فہرست جاتیوں کے لوگ جانوروں کا، جن میں گائے بھی شامل ہے، گوشت کھاتے ہیں اور بعض صورتوں میں اپنے مُردوں کو دفن بھی کیا کرتے ہیں۔ انہی نچلی جاتیوں کو مہاتما گاندھی نے ہریجن کہا ہے اور یہی وہ ہریجن ہیں، جن کے مکانوں کو آج بہار اور دوسری ریاستوں کے بعض گاؤوں میں، خاص طور سے، معاشی وجوہات کی بنیاد پر جلا کر راکھ کر دیا جاتا ہے اور جن کے بال بچوں کو زندہ جلا دیا جاتا ہے۔ کچھ ہی عرصہ پہلے جب جنوبی ہند میں درج فہرست جاتیوں کے لوگوں نے بڑی تعداد میں مل کر عیسائیت قبول کرنے کا فیصلہ کیا تو ہندو دھرم کے نام نہاد رکھوالوں میں زبردست کہرام مچ گیا اور انھوں نے اپنی دہائیوں سے آسمان سر پر اٹھا لیا۔

اسی طرح، بنیاد پرستوں کے سارے بلند بانگ دعووں کے باوجود مسلمانوں کو بھی ایک متحدہ قوم یا برادری نہیں کہا جا سکتا۔ ہندستان اور دوسرے ملکوں کے لوگ سنیوں اور شیعوں کے درمیان خونریز فسادوں سے اچھی طرح واقف ہیں، ایران اور عراق کے درمیان خون آشام جنگ کا تو ذکر ہی کیا جو حال ہی میں برسوں تک چلتی رہی۔ ہندستان میں، اونچی جاتیوں کے ہندو گھرانے کی طرح، کتنے ہی اونچے اور متمول مسلم گھرانے بنکروں، پنساریوں اور نچلی سطح کی دوسری مسلم برادریوں کے لوگوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ مختلف فرقہ وارانہ فسادوں کے تحقیقاتی کمیشنوں کی رپورٹیں بتاتی ہیں کہ ہندوؤں اور مسلمانوں، دونوں میں زیادہ تر ایسی ہی نچلی جاتیوں اور برادریوں کے لوگ ہی متاثر ہوتے اور مارے جاتے ہیں۔

آر ایس ایس بجا طور پر مسلمانوں کو ایک ایسا متحدہ مذہبی فرقہ سمجھتے ہیں جو ہندوؤں کے ساتھ ازلی

بھادی زمین میں جتنے مقامات کی کھدائی کی گئی اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان میں سے اکثر مقامات پر
یں۔ ۸ ویں صدی قبل مسیح تک کوئی خاص آبادی نہیں تھی۔ جو لوگ رام کے تاریخی وجود کو مانتے
وہ ان کے زمانے کا تعین ۲۰۰۰ قبل مسیح کے آس پاس کرتے ہیں۔ یہ اس بنیاد پر کیا جاتا ہے
م دسرتھی مہابھارت کی جنگ سے تقریباً ۶۵ پیڑھیاں پہلے رہتے تھے۔ یہ عام طور پر تسلیم کیا
ہے کہ مہابھارت کی جنگ یسوع مسیح کی پیدائش سے لگ بھگ ایک ہزار سال پہلے ہوئی تھی۔
رح ہم کسی بھی سطح پر ایودھیا کے بسنے اور ایودھیا میں رام کے دور کے درمیان ایک ہزار سے
دہ برسوں کا فرق پاتے ہیں۔ یہی وہ مشکل ہے جس کی بنا پر بعض علماء ایودھیا کو افغانستان
ڈھونڈنے اور بتانے کی کوشش کرتے ہیں۔

تقریباً ۱۰۰۰ - ۸۰۰ قبل مسیح کی ایک مذہبی کتاب اتھروید (۲×، ۳۱-۳۲) میں
ھیا کا سب سے پہلا حوالہ ملتا ہے، وہ ایودھیا کو ایک اساطیری یا فرضی شہر کے روپ میں
ں کرتا ہے۔ اس کے مطابق یہ دیوی دیوتاؤں کا شہر ہے جو آٹھ دائروں پر مشتمل ہے۔ اس کے
روازے ہیں اور اس کے چاروں طرف نور ہی نور ہے۔ تقریباً ۳۰۰ قبل مسیح کی ایک بودھی مذہبی
ب سمیت نکایا (مطبوعہ نالندہ، جلد ۳، صفحہ ۳۵۸۔ جلد ۴، صفحہ ۱۶۲) میں بھی جو پالی زبان
لکھی گئی ہے، ایودھیا کا ذکر ملتا ہے لیکن یہ ایودھیا دریائے گنگا کے کنارے ہے اور اس کو
ایودھیا سے جو فیض آباد ضلع میں سریو ندی کے کنارے واقع ہے کوئی لینا دینا نہیں ہے۔
م پالی کتابیں اس خیال کی تائید نہیں کرتیں کہ تمام دریاؤں کیلئے جن میں سریو بھی شامل ہے،
م معنوں میں ایک ہی لفظ "گنگا" استعمال کیا گیا ہے۔ ان میں کئی ندیوں اور دریاؤں کا ذکر ملتا
جن میں ماہی (گنڈک) اور نیرنجرا (پھلگو) بھی شامل ہیں۔ ان دریاؤں کے کنارے پر مہاتما
ھ گئے تھے۔ ان میں سربھو یا سریو کا بھی ذکر ہے لیکن ایسے سیاق و سباق میں جیسے ایودھیا
کوئی سروکار نہیں۔ والمیکی کی رامائن کی بنیاد پر آرکیالوجیکل سروے آف انڈیا کے ایڈیشنل
ٹرکٹر جنرل منیش چند جوشی ایودھیا کے محل وقوع کا تعین سریو سے کچھ دور کرتے ہیں۔ والمیکی
رامائن کا اتوکانڈ اولین عیسوی صدیوں سے تعلق رکھتا ہے اور اس کے مطابق ایودھیا
ریوندی سے ادھیردھ یوجنم دور ہے۔ (جلد ۱۰، ۱۱-۱) یہ سنسکرت اصطلاح بالکانڈ (۲۲-۱۱)
ں بھی ملتی ہے اور اس کے معنی شارحوں کے مطابق، جو اسے ڈیڑھ یوجن سمجھتے ہیں، ۶ کوس
۱۲ میل ہیں۔ اس سے ہم پھر ایک الجھن میں پھنس جاتے ہیں کیونکہ موجودہ ایودھیا کو سریو ندی کے
نارے ہے۔ یہ ندی مشرق کی سمت بہتی ہے اور بلیا اور سارن ضلعوں میں لوگ اس

پرچار کی ایک منہ بولتی مثال وہ ۲۰ تصویریں ہیں جو حال ہی میں بابری مسجد کی دیواروں پر بنائی گئی ہیں اور یہ تو سبھی جانتے ہیں کہ بابری مسجد میں بھگوان رام کی ایک مورتی زبردستی بٹھائی گئی ہے۔ مسجد کے باب الداخلہ پر اس ضلع جج کا مجسمہ بڑے جوش اور عقیدت کے ساتھ نصب کیا گیا ہے۔ جسکے فیصلے کے باعث فرقہ پرستوں کو بابری مسجد پر قبضہ کرنے کا موقع ملا۔ اس کے بعد سے تو یوں لگتا ہے کہ فرقہ پرست عناصر بھگوان رام کی پوجا کرنے سے زیادہ اس جج کی شبیہہ کو قابل پرستش بنانے کی کوششوں میں جٹے ہوئے ہیں۔ انھوں نے اپنے بدترین قسم کے سیاسی تعصبات کو چھپانے کیلئے بھگوان رام کو ایک آڑ بنا لیا ہے۔ ایک جداری تصویر میں بابر کو فرضی رام مندر کو تاخت و تاراج اور ہندوؤں کا قتل عام کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ اس تصویر کے نیچے ایک عبارت تحریر کی گئی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ بابر کے سپاہیوں نے ایودھیا میں رام مندر پر اپنے حملے کے دوران ۷۵ ہزار ہندوؤں کو قتل کیا اور بابری مسجد تعمیر کی جس میں ہندوؤں کے خون کو گارے کے طور پر استعمال کیا گیا۔ ایسا اشتعال انگیز جھوٹ محض فرقہ وارانہ جذبات کو بھڑکانے کیلئے پھیلایا جا رہا ہے۔ یہ پرچار بھی اتنا ہی جھوٹ ہے جتنا یہ خیال کہ بابر نے رام مندر کو ڈھا کر اس کی جگہ بابری مسجد تعمیر کی ہے۔

اترپردیش کے محکمۂ آثار قدیمہ کے ایک سابق ڈائرکٹر آر سی سنگھ نے ایودھیا میں کم سے کم ۷ مقامات کی چھان بین کی اور دو مقامات، رنموچن گھاٹ اور گپتا رگھاٹ کی کھدائی بھی کی۔ ان کا کہنا ہے کہ وہاں اکثر جگہوں پر دوسری صدی قبل مسیح سے پہلے انسانی بستی کے کوئی آثار نہیں ملتے، صرف دو مقامات، منی پربت اور سوگریو پربت کو موریا عہد کا کہا جا سکتا ہے۔

حکومت ہند کے محکمۂ آثار قدیمہ کے ایک سابق ڈائرکٹر جنرل بی۔بی۔ لال نے ایودھیا میں کئی مقامات پر کھدائی کرائی جس سے پتہ چلتا ہے کہ ۷ ویں صدی قبل مسیح تک نہ ایودھیا بسا تھا اور نہ وہاں کوئی آبادی تھی۔ ۷ ویں صدی قبل مسیح کا زمانہ بھی کچھ پہلے دکھائی دیتا ہے کیونکہ شمالی بلاک کے صیقل کئے ہوئے برتنوں کو آسانی کے ساتھ اس عہد سے جوڑا نہیں جا سکتا۔ ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ ہمارے پاس اس بات کے کوئی مصدقہ ثبوت یا شہادتیں موجود نہیں ہیں جن کی بنیاد پر ایودھیا میں بستی ہونے کے سب سے قدیم زمانے کا قطعیت کے ساتھ تعین کیا جا سکے۔ وہاں سب سے پرانی آبادی کا نسبتاً زیادہ قابلِ بھروسہ ثبوت بعض مورتیوں کی، جو سرخی مائل بادامی رنگ کی مٹی کی بنی ہوئی ہیں، موجودگی مہیا کرتی ہے۔ ان میں سے ایک جین مورتی ہے جو موریا دور یا چوتھی صدی قبل مسیح کے اواخر اور تیسری صدی کے اوائل کی ہے۔ بہرحال گنگا کے وسطی علاقہ

کی ایودھیا کے محل وقوع کا قطعیت کے ساتھ تعین کرنے میں کوئی کام نہیں آتے۔ یہ واقعی مایوس کن بات ہے کہ کافی کھدائیوں اور کھوج کے باوجود ہم موجودہ ایودھیا کو گپت دور سے پہلے کے کسی بھی زمانے کو قطعیت اور یقین کے ساتھ رام سے نہیں جوڑ سکتے۔

یوں تو رام کتھا کو ہندی علاقے میں رام چرت مانس نے مقبول عام بنایا لیکن یہ اودھی رزمیہ والمیکی کے سنسکرت رزمیے رامائن پر مبنی ہے۔ رامائن بھی کوئی یک رنگ رزمیہ نہیں ہے۔ پہلے اس میں ۶ ہزار شلوک تھے جنھیں بعد میں بڑھا کر ۱۲ ہزار اور آخر میں ۲۴ ہزار کر دیا گیا۔ اس کے متن کے تنقیدی تجزیے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ چار مرحلوں سے گزرا ہے۔ اس کے آخری مرحلے کو ۱۲ ویں صدی عیسوی کا بتایا جاتا ہے؛ اس کا اولین مرحلہ ۴۰۰ قبل مسیح یا اس کے آس پاس کا ہو سکتا ہے۔ اس اعتبار سے اس رام کتھا میں تہذیبی اور سماجی ارتقاء کے مختلف مرحلے سموئے ہوئے ہیں۔ پھر بھی یہ رزمیہ اس لئے اہم ہے کہ یہ مختلف طبقوں میں بٹے ہوئے، سر قبیلی اور ریاست پر مبنی سماج کی انضباط پسند کارکردگی کیلئے بعض اصول اور معیار پیش کرتا ہے۔ وہ لوگوں کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ بیٹے باپ کی، چھوٹے بھائی بڑے بھائی کی اور بیوی کو شوہر کی، اطاعت کرنی چاہئے۔ وہ تاکید کرتا ہے تمام جاتیوں کو اپنے اپنے فرض، جو انھیں تفویض کئے گئے ہیں، بہر صورت انجام دینے چاہئیں اور اپنی جات سے متعلق فرائض سے انحراف کرنے والوں کو، جب بھی ضروری ہو، بے رحمی سے سزا دی جانی چاہئے۔ آخر میں وہ تمام لوگوں کو، جن میں بادشاہ بھی شامل ہے، یہ ہدایت کرتا ہے کہ وہ مذہب کے احکام کو، جو ریاست، ذات پات کے نظام اور سر قبیلی معاشرے کے وجود کو قائم رکھنے کیلئے متعین کئے گئے ہیں، بجا لائیں۔ وبھیشن نے اپنی قوم اور خاندان کے ساتھ وفاداری کی، جو خاندان پر مبنی سماج کے ارکان کو آپس میں متحد رکھنے کی ایک اہم کڑی تھی، قربانی دے کر اس قسم کے نظریے کو، جسے دھرم کہا جاتا ہے قبول کیا۔ والمیکی نے جو سماجی تہذیبی اصول اور معیار تجویز کئے ہیں، ویسے ہی اصول اور معیار ہمیں جینی، بودھی اور دوسرے برہمنی رزمیوں اور لوک کہانیوں میں بھی ملتے ہیں۔ ہندستان کی سماجی اور تہذیبی تاریخ میں اصولوں، معیاروں، مرحلوں اور سلسلہ ہائے عمل کو سمجھنے کیلئے ادب کی یہ صنف یقیناً اہمیت رکھتی ہے لیکن ان میں جن راجاؤں اور عظیم ہستیوں کے کارنامے ہمیں ملتے ہیں، ان میں سے صرف چند ہی شخصیتوں کا تاریخی وجود، آثار قدیمہ، کتبوں، مورتیوں اور دوسرے ذریعوں کی موثق شہادتوں سے ثابت کیا جا سکتا ہے۔ بدبختی سے ہمارے پاس اب تک بھی ایسا کوئی ثبوت یا شہادت نہیں ہے جو تقریباً ۲ قبل مسیح سے ۱۸۰۰ قبل مسیح تک کے زمانے میں یعنی اس زمانے میں جسے پرانوں کی روایتوں کا تحقیقاتی مطالعہ کرنے والے بعض

کے مشرقی بہاؤ کو گھاگھرا کہتے ہیں۔ یہ سارن ضلع میں پہنچ کر گنگا میں مل جاتی ہے۔ سریندی اپنا راستہ بدلتی رہتی
ہے جس کی وجہ سے بعض علماء بلیا ضلع کے کھیرا ڈیہہ علاقے کو ایودھیا ماننا چاہتے ہیں۔ ایودھیا کے محل وقوع
کے بارے میں، ۷ویں صدی کے چینی سیاح ہوان سانگ کا چشم دید بیان بھی کچھ کم پریشانیاں پیدا نہیں کرتا۔ ان
کے مطابق ایودھیا قنوج کی مشرقی۔ جنوب مشرقی سمت میں ۶۰۰ لی (تقریباً ۱۹۲ کیلومیٹر) دور پڑتا تھا اور گنگا
کے جنوب میں تقریباً ڈیڑھ کیلومیٹر کی دوری پر واقع تھا۔ ہوان سانگ کا یہ بیان کہ ایودھیا تقریباً گنگا کے کنارے
واقع تھا، ایودھیا کے بارے میں اولین بودھی روایت کی توثیق کرتا ہے۔

ہوان سانگ کہتے ہیں کہ ملک ایودھیا میں بودھ بھکشوؤں کی تعداد ۳۰۰۰ تھی اور سادھو سنیاسیوں کی
اور غیر بودھوں کی تعداد اس سے بھی کم تھی۔ وہ سلطنت ایودھیا کی راجدھانی کا ذکر کرتے ہوئے ایک پرانے
مٹھ سے روشناس کراتے ہیں جو ایک زمانے سے بودھی تعلیمات کا مرکز بنا ہوا تھا۔ (سی۔یو۔کی، جلد ۱،
مطبوعہ لندن، ۱۹۰۶ء، صفحات ۲۲۴-۲۲۵)۔ اس سے ۷ویں صدی کے دوران ایودھیا میں
بودھ مت کے غلبے کا ثبوت ملتا ہے۔ لیکن ہوان سانگ یہ بھی بتلاتے ہیں کہ ملک ایودھیا میں (برہمنوں
اور دوسروں کے) تقریباً ۱۰۰ وہار اور ۱۰ دیومندر تھے۔ اس سے پہلے، ۵ویں صدی عیسوی میں فاہیان
نے بودھ کے مسواک (دنت کاشٹھ) کے درخت کا ذکر کیا ہے جو ساکیت میں سات ہاتھ (کہنیوں سے
انگلیوں تک) اونچا تھا۔ اس پیڑ کو برہمنوں نے کاٹ دیا تھا لیکن وہ پھر اسی جگہ اُگ آیا (اے۔ ریکارڈ
آف بودھسٹ کنگڈمس مصنف جیمس لیگی، مطبوعہ آکسفورڈ، ۱۸۸۶ء، صفحات ۵۴-۵۵)۔
ایودھیا کو روایتی طور پر جین مت کے کئی تیرتھنکروں یا مذہبی استادوں کی جنم بھومی بھی مانا جاتا
ہے اور جینی لوگ اس کو ایک زیارت گاہ بھی مانتے ہیں۔ جینی روایتوں کے مطابق ایودھیا کو کوشل
سلطنت کی راجدھانی تھا لیکن ان میں اس کے محل وقوع کی قطعیت کے ساتھ نشاندہی نہیں کی گئی
ہے۔ گپت دور کے بعد کہیں جا کر موجودہ ایودھیا کو رام کے روایتی ایودھیا کے ساتھ جوڑا گیا؛ اس دور
تک رام کو وشنو بھگوان کا اوتار مانا جانے لگا تھا۔

آج تک بھی وہاں ایسی کوئی مہریں یا سکے نہیں ملے ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ ایودھیا
واقعی یہیں تھا۔ ہمیں طرح طرح کے سکے تو ضرور ملتے ہیں جنھیں ایودھیا سکوں کا نام دیا گیا ہے۔ یہ سکے
دوسری صدی قبل مسیح کے اواخر سے لے کر پہلی اور دوسری صدی عیسوی تک کے ہیں لیکن ان پر
کا نام کندہ نہیں ہے۔ مثال کے طور پر اوجینی، ترپوری، ایرن، کوشامبی، کپل وستو، ورا
ویشالی، نالندہ وغیرہ کے محل وقوع کا تعین مہروں یا سکوں ہی کی بنیاد پر کیا گیا ہے۔ پہلی صدی
ایک کتبے میں، جو ایودھیا میں پایا گیا ہے، پوشیامتر شونگ کی اولاد کا ذکر ملتا ہے لیکن سکے اور کتبے رام

اپنی مشہور رام چرت مانس کہاں اور کب لکھی:

نومی بھوموار مدھو ماسا

اودھ پوری یاہ چرت پرکاسا

جیہی دن رام جنم سروتی گاوہی

تیرتھ سکل تیہن چل آوہی (بالکانڈ)

اس قطعے سے پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے اپنا مسودہ چیتر کے دوسرے پکھواڑے کے نویں دن، منگل کو لکھنا شروع کیا تھا۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جو بھی رام جنم کی کتھا اس دن گائیگا اسے گھر بیٹھے اتنا ثواب ملے گا جو تمام تیرتھوں کی یاترا کرنے سے ملتا ہے لیکن یہاں بھی وہ اودھ پوری کو تیرتھ نہیں کہتے۔ وہ اس دن کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہیں جب انھوں نے اپنی کتاب لکھنی شروع کی تھی ۔ اس مقام کی نہیں جہاں انھوں نے یہ کتاب لکھی۔ تلسی داس کی رام چرت مانس میں ایودھیا نہ تو ایسے شہر کے روپ میں اُبھرتا ہے جہاں رام مندر ہے اور نہ ایسے مقام کے روپ میں جو ہندوؤں کا تیرتھ ہے۔ دوسری طرف پریاگ کو تمام زیارت گاہوں کا بادشاہ یعنی تیرتھ راج کہا گیا ہے تلسی داس کہتے ہیں:

سنی سمجھہی جن مودِت من

مجہی اتی انوراگ

لہہی چاری پھل اچھت تنو

تیرتھ راج پریاگ (بالکانڈ)

تلسی داس کے مطابق لوگ بڑی خوشی سے مذہبی کہانیاں اور تعلیمات سُنتے ہیں اور بڑے خلوص اور عقیدت سے اشنان کرتے ہیں۔ وہ پریاگ سے، جو تمام تیرتھوں کا سرتاج ہے، اسی زندگی میں چاروں کے چاروں مقصود پالیتے ہیں۔

جہاں تک مجھے علم ہے، ہمارے پاس ایسا کوئی تاریخی ثبوت نہیں ہے جو اس دعوے کی تائید کرتا ہو کہ ۱۱ویں، ۱۲ویں صدی کے دوران ایودھیا میں رام مندر تعمیر کیا گیا تھا۔ کوئی کھدائی اور کھوج اس دعوے کی تصدیق نہیں کرتی۔ ضلع ہمیر پور میں رام، سیتا اور لکشمن کی جو مٹی کی مورتیاں ملی ہیں وہ چھٹی صدی کے آس پاس کی ہیں۔ ضلع جھانسی میں بھی دشاوتار مندر کی باہری دیوار پر ان تینوں کی مورتیاں ملتی ہیں بہار کے نوادہ ضلع میں بھی ایک مقام افسد پر رام اور لکشمن کی جو گچ کی مورتیاں ملی ہیں وہ ۷ویں صدی عیسوی کے آس پاس کی ہیں۔

علامام سے منسوب کرتے ہیں، ایودھیا میں رام دیہ بھی کے تاریخی وجود کو ثابت کر سکے۔
اگر ہم ہندو عقیدے کی تاریخ کو بنیاد بنا کر چلیں تو ایودھیا ایک مذہبی زیارت گاہ کی حیثیت سے ازمنہ وسطیٰ میں ابھرا تھا۔ وشنو سمرتی کے باب ۸۵ میں کم سے کم ۵۲ زیارت گاہوں کی فہرست دی گئی ہے جن میں شہر، جھیلیں، دریائیں، پہاڑ سبھی شامل ہیں لیکن اس فہرست میں بھی ایودھیا کا نام نہیں ملتا۔ اہم بات یہ ہے کہ اس سمرتی میں، جسے ۲۰۰ عیسوی کی بتایا جاتا ہے، تیرتھوں (زیارت گاہوں) کی قدیم ترین فہرست ہے۔ اب تک اتر پردیش کے کسی بھی علاقے میں ایسا کوئی رام مندر نہیں پایا گیا جو ۱۲ ویں صدی سے پہلے کا ہو۔ ہمارے ملک میں کتنے ہی ایسے تیرتھ یا زیارت گاہیں ہیں جن کی عظمت و تقدس کا ذکر پرانوں کے تیرتھ سے متعلق ابواب میں کیا گیا ہے۔ لیکن پرانوں میں تیرتھ مہاتمیا والے ابواب چھٹی صدی عیسوی کے بعد سامنے آتے ہیں۔ یہ تیرتھ یا زیارت گاہیں درحقیقت ان قدیم شہروں کے کھنڈروں پر قائم کی گئیں جو کسی زمانے میں دستکاریوں، تجارت اور دوسری شہری سرگرمیوں کے مرکز تھے۔ جب شہر اجڑے تو ان کی پرانی یادوں کو زندہ رکھنے کے لئے تیرتھ (زیارت گاہیں) قائم کئے گئے۔

گاہڑوال کے وزیر، بھٹ لکشمی دھر نے، جنھوں نے ۱۱ ویں صدی عیسوی میں اپنی کتاب کرتیا کلپترو کے ایک حصے کے طور پر تیرتھ ویوچن کانڈ لکھا تھا اور جو مشرقی اتر پردیش سے اچھی طرح واقف بھی تھے، اپنے زمانے کے مشہور برہمنی تیرتھوں (زیارت گاہوں) کا معائنہ کیا ہے لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ وہ نہ تو ایودھیا کا کوئی ذکر کرتے ہیں اور نہ رام کی جنم بھومی کا؛ اس خاموشی کو خاص طور پر بیکر نے محسوس کیا ہے (پیرد کتی، حصہ ا، صفحہ ۴۵)۔ اس لئے یہ بات بالکل صاف ہے کہ ایودھیا کوئی بہت قدیم تیرتھ (زیارت گاہ) نہیں ہے۔ ہندو عقیدے کے مطابق شمالی ہند میں ایودھیا سے کہیں زیادہ اہم کئی تیرتھ ہیں۔ پریاگ اور بنارس اس کی جیتی جاگتی مثالیں ہیں۔ ازمنہ وسطیٰ کے اواخر اور موجودہ زمانے کے اوائل میں کہیں جا کر ایودھیا کو سات اہم زیارت گاہوں میں سے ایک مانا جانے لگا۔ تلسی داس نے اودھ پوری میں رام چرت مانس لکھنا شروع کیا لیکن وہ بھی اس کا ذکر ایک زیارت گاہ کے طور پر نہیں کرتے۔ ایک قطعے میں وہ کہتے ہیں کہ انھوں نے اپنا مسودہ اودھ پوری میں لکھنا شروع کیا تھا جسے بحر یا وزن کو کوئی نقصان پہنچائے بغیر بڑی آسانی سے اودھ تیرتھ میں بدلا جا سکتا تھا۔ انھوں نے صاف صاف بتایا ہے کہ انھوں نے

ثبوت تو وشنو مت سے، جس کے ساتھ رام کو ازمنۂ وسطیٰ میں وسیع پیمانے پر جوڑ آگیا، بہت پہلے پھیل چکا تھا۔ شیو کے بیٹے، کارتیکے کا امتیازی نشان مرغ کا نقش ایودھیا کے پہلی اور دوسری صدی عیسوی کے سکوں پر ملتا ہے۔ ایودھیا مہاتمئے کا، جو ۱۲ویں اور ۱۷ویں صدی کے دوران لکھی گئی تھی، گہرا مطالعہ بتاتا ہے کہ ایودھیا میں شیو کی پرستش شروع ہونے کے بعد بھی یہاں ازمنۂ وسطیٰ کے اواخر تک شیو کی پرستش ہی چھائی رہی۔ مہاتمئے میں ۱۱ وشنو مندروں کا ذکر ہے لیکن شیو اور شاکت مندروں اور تانترک خانقاہوں (پیٹھوں) کی مجموعی تعداد ان سے تقریباً دوگنی تھی (ہنس بکر، ایودھیا۔ حصہ سوم۔ صفحات ۲۶، ۲۷)۔ اس لئے یہ کہنا غلط ہے کہ مسجد میں جو ستون استعمال کئے گئے ہیں وہ کسی "وشنو" مندر کے ہیں۔ (ایضاً، حصہ اول، صفحہ ۴۴)۔ یہ کسی شیو مندر کے بھی ہو سکتے ہیں۔ ایودھیا کے بارے میں بکر کی جامع اور مبسوط کتاب بھی، جو انھوں نے کافی تحقیق کے بعد لکھی ہے، یہ نہیں بتاتی کہ وہاں کوئی رام مندر تھا۔ پھر بھی وہ رام رکشا ترپاٹھی کی کتاب "جنم بھومی کا رکت رنجیت اتہاس" یعنی جنم بھومی، ایودھیا کی خون آلود تاریخ، ۱۹۶۹ء پر تکیہ کرتے ہیں اور کبھی کبھی تو وہ بابری مسجد کے تنازعے کے بارے میں گمراہ بھی ہو جاتے ہیں (ایودھیا، گرونجین، ۱۹۸۶ء حصہ دوم، صفحہ ۱۴۶ - ۱۴۹)۔

ہو سکتا ہے کہ بابری مسجد کی تعمیر میں جو ستون استعمال کئے گئے ہیں وہ کسی شیو یا جین مندر کے ہوں۔ دوسری جگہوں پر بھی مسجدوں کی تعمیر میں پرانا سامان استعمال کیا گیا ہے، لیکن جو لوگ قدیم ہندستان کی عمارتوں میں آثاریاتی تسلسل اور زمانی مطابقت کی تھوڑی بہت جانکاری رکھتے ہیں وہ ایسی ہی کتنی ہی مثالیں پیش کر سکتے ہیں کہ پرانی عمارتوں کے سامان بعد کی تعمیرات میں استعمال کیا گیا ہے۔ کھدائیوں سے پتہ چلتا ہے کہ کشن دور کی اینٹیں گپت دور کی عمارتوں میں استعمال کی گئی ہیں۔ درحقیقت یہ صرف ہندستان ہی میں نہیں بلکہ دوسرے ملکوں میں بھی مختلف زمانوں میں ایک عام طریقہ رہا ہے۔ لیکن جہاں تک بابری مسجد کا تعلق ہے کہ ہمارے پاس ایسا کوئی ثبوت نہیں جو اس دعوے کی تصدیق کرتا ہو کہ کوئی رام مندر ڈھا کر اس کی جگہ ایک مسجد تعمیر کی گئی۔ ایودھیا اور فیض آباد علاقوں میں مسلمان ۱۴ویں صدی عیسوی کے آس پاس بسنے لگے اور وہاں ایک مسجد تعمیر کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ بابرنامے میں ایسی کسی مسجد کی تعمیر کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ البتہ اس کا ذکر اس ضمیمے میں ملتا ہے جو مسز بیوریج نے شامل کیا ہے۔ انھوں نے ۱۹۲۱ء میں بابر کی خود نوشت سوانح حیات کا ترجمہ ترکی

بکسر میں سرامائن کی جو مٹی کی بیٹی ملی ہے وہ بھی لگ بھگ اسی زمانے کی ہے۔

مدھیہ پردیش میں صرف تین رام مندر ایسے ہیں جو تاریخی اعتبار سے ۱۲ویں صدی کے ثابت ہوئے ہیں (دیکھئے، ایودھیا، حصّہ اوّل، صفحات ۸۴ - ۸۵) لیکن اتر پردیش میں ہمیں ۱۶ویں صدی کے اواخر تک نہ تو رام مندر کا نام سنائی دیتا ہے اور رام جنم بھومی مندر کا کوئی ذکر ملتا ہے۔ کنک بھون یا کنک منڈپ، جو سب سے پرانا رام مندر ہے وہ بھی ۱۷ویں صدی کا ہے۔ شاہی مہاراج چرت میں، جو ۱۸۰۴ء - ۰۵ - ۱۸ء کے دوران اودھی زبان میں لکھی گئی تھی، کہا گیا ہے کہ ۱۸ویں صدی کے دوسرے نصف میں کنک بھون اور رتن سنہاسن راسک فرقے کے مرکزوں کی حیثیت سے پورے عروج پر تھے (ایضاً۔ ۱، صفحہ ۱۴۳)۔ شاید یہ کنک بھون کے وجود کا سب سے قدیم حوالہ ہے اور کنک مندر نیپال کی ترائی میں جنک پور کا سیتا مندر سب سے پرانا ہے۔ ظاہر ہے کہ کنک بھون اور کنک مندر، دونوں ہی ۱۷ویں صدی عیسوی کے دوران مغل حکومت کے زمانے میں تعمیر کئے گئے اور دونوں ہی اپنی ساخت اور طرز عمارت کے اعتبار سے بالکل ایک جیسے ہیں۔ یہ نقطہ نظر کہ یہ دونوں مندر ۱۷ویں صدی میں تعمیر کئے گئے تھے، اس لئے بھی قرین صحت معلوم ہوتی ہے کہ اسی زمانے میں رام بھگتی کا پھیلاؤ شروع ہوا اور وہ ۱۵ویں صدی میں رامانند کی تعلیمات اور اس کے بعد کے زمانے میں پویا، کبیر، ریے داس، ملک داس اور دادو وغیرہ جیسے ان کے چیلوں کی تعلیمات کے باعث عام ہوتی گئی۔ ۱۸ویں صدی کے دوران نواب اودھ کے جو شیعہ تھے، ہندو اور مسلم دیوانوں نے ایودھیا کے ہندو مندروں اور مقدس مٹھوں کی مدد اور کفالت کی لیکن اس فہرست میں بھی کسی رام مندر کا مخصوص طور پر کوئی ذکر نہیں ملتا۔

کسی ادیب کیلئے، چاہے وہ کسی بھی دور کا کیوں نہ ہو، اپنے وقت کے تمام واقعات کو محسوس کرنا یا قلمبند کرنا ضروری نہیں ہے۔ لیکن جس حال اور ماحول اور جس پس منظر میں وہ اپنی کتاب لکھتا ہے وہ انتہائی اہم ہوتا ہے۔ یہ تو سبھی جانتے ہیں کہ تلسی داس بہت بڑے اور پکے رام بھگت تھے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ انھوں نے اپنی شاہکار تخلیق سرامائن ایودھیا میں لکھنی شروع کی تھی۔ اگر اس زمانے میں وہاں رام مندر ہوتا یا رام جنم بھومی کی حیثیت سے ایودھیا ایک تیرتھ ہوتا، تو یقیناً تلسی داس اس کا ذکر کرتے۔ ہو سکتا ہے کہ ایودھیا میں کچھ جین مندر اور شیو مندر رہے ہوں۔ ایودھیا میں

تعمیر کی گئی ہوں تب بھی انھیں جان بوجھ کر ڈھانے کی پالیسی بتانا خودکشی کے مترادف ہوگا؛ ہندو دھرم کی شاندار روایات ہرگز ایسے اقدامات کی اجازت نہیں دیتی۔ اتر پردیش میں محکمۂ آثار قدیمہ نے ۱۹۸۰ء تک صرف اکیلے ایودھیا میں تقریباً ۶ ہزار بڑے اور چھوٹے مندر درج رجسٹر کئے تھے۔ رام کے بھگت جب چاہیں بڑی خوشی سے اس تعداد میں اضافہ کر سکتے ہیں لیکن فرقہ پرستوں کو اس بات کی ہرگز اجازت نہیں دی جانی چاہئے کہ وہ مسجد کو ڈھاکر ایک نزاعی زمین پر اپنا مندر تعمیر کریں۔ بہترین راستہ، جیسا کہ کئی لوگوں نے تجویز کیا ہے، یہ ہوگا کہ بابری مسجد کو ایک قومی یادگار بنا دیا جائے۔

ازمنہ وسطیٰ میں کرشن بھگتی، رام بھگتی سے پہلے ہی شروع ہو گئی تھی اور متھرا ایودھیا سے کہیں زیادہ اہم تیرتھ بن گیا تھا۔ لیکن اس کی مذہبی عظمت اور حرمت چوتھی صدی کے آس پاس ایک شہری مرکز کی حیثیت سے اس کے زوال کے بعد ہی ابھری۔ قابل غور بات یہ ہے کہ متھرا میں ۲۰۰ قبل مسیح اور ۳۰۰ عیسوی کے درمیانی زمانے کے جو کتبے ملے ہیں ان میں بھگوان کرشن کا کوئی الگ سے ذکر نہیں ملتا حالانکہ بعد میں بھگوان کرشن ہی متھرا کے سب سے اہم دیوتا بنے۔ کشن شاہی خاندان کے ارکان نے واسدیو نام تو اپنا لیا لیکن انھوں نے کرشن نام کو کبھی نہیں اپنایا جو پہلی صدی قبل مسیح کے اواخر کے ستواہن کتبے میں ملتا ہے۔ اسی طرح، ۲۰۰ قبل مسیح اور ۳۰۰ عیسوی کے درمیانی زمانے کی بہت سی مورتیاں ہیں جو متھرا میں ملی ہیں اور متھرا کے میوزیم اور دوسرے میوزیموں میں رکھی گئی ہیں لیکن ان میں سے کسی بھی مورتی کو قطعیت کے ساتھ کرشن کی مورتی نہیں کہا جا سکتا۔ اس کے برعکس کئی مورتیاں جینی، بودھی اور مختلف برہمنی دیوی دیوتاؤں کی ہیں۔ کرشن کی کہانیاں تو بہت بعد میں، ازمنہ وسطیٰ کے اوائل میں عام ہوئیں اور وہ بھی اس وقت جب انھیں فنون لطیفہ میں جگہ ملی۔

حال ہی میں، گجرات کے ساحلی علاقے میں سمندر کے اندر کھدائیوں کے باعث دوارکا کا زمانہ ۳ ہزار سال قبل مسیح کے آس پاس چلا گیا لیکن اس سے زمانے کے آس پاس دوارکا کے ساتھ کرشن کے ربط اور وابستگی کی خود بخود توثیق نہیں ہوتی۔ ہمارے پاس کوئی ایسا کتبہ یا مورتی نہیں ہے جو اس نقطۂ نظر کو ثابت کرتی ہو۔ قدیم تاریخ کے معتبر اور مستند ماہرین کا خیال عام طور پر یہ ہے کہ مہابھارت کی جنگ ۱۰۰۰ قبل مسیح کے لگ بھگ ہوئی تھی۔ اگر کرشن کے تاریخی وجود کو مان بھی لیا جائے تو انھیں بھی اسی زمانے کا مانا جا سکتا ہے لیکن بعض مورخین کسی وجہ یا جواز کے بغیر محض مذہبی تعصب کی بنا پر واقعات کو اور بھی پیچھے کے زمانے سے جوڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔

سے انگریزی میں کیا تھا۔ مسز بیوریج نے ایک کتبے کا حوالہ دیا ہے جس کے مطابق میر باقی نے بابر کے حکم سے ۹۳۵ ہجری مطابق ۱۵ ستمبر ۱۵۲۸ء تا ۵ ستمبر ۱۵۲۹ء کے دوران ایک مسجد تعمیر کی۔ کوئی بھی ذریعہ ایسا نہیں ہے جو میر باقی کے بارے میں کوئی جانکاری دیتا ہو یا یہ بتاتا ہو کہ وہ کون تھے اور پھر اس کتبے میں بھی کسی مندر کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ اس لئے یہ قیاس بالکل بے بنیاد ہے کہ کوئی رام مندر ڈھایا گیا تھا۔

مسز بیوریج نے اپنے آپ کو بابرنامے کے اس حصّے تک محدود رکھا ہے جو ہندستان سے متعلق ہے۔ ان کی بنیاد پر' اے۔ آر۔ خان نے ۲ اپریل سے ۱۸ ستمبر ۱۵۲۸ء تک کی مدت کے' جو زیادہ تر ۹۳۴ ہجری میں پڑتی ہے' واقعات کے بیان میں ایک وقفے کی نشاندہی کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر مندر تھا تو اسے اسی وقفے کے دوران ڈھایا گیا ہوگا اور مسجد تعمیر کی گئی ہوگی لیکن وہ کتبہ جس میں مسجد کی تعمیر کا ذکر ملتا ہے۔ ۹۳۵ ہجری کی مدت کا ہے جو ۱۵ ستمبر ۱۵۲۸ء سے ۵ ستمبر ۱۵۲۹ء کی مدت ہے۔ اس طرح اس کتبے میں ۱۵ ستمبر ۱۵۲۸ء سے ۱۸ ستمبر ۱۵۲۸ء تک کے تین دنوں کا احاطہ نہیں کیا گیا ہے اور یہ بات ناقابل یقین ہے کہ یہ مسجد ان تین دنوں کے دوران تعمیر کی گئی تھی۔ لیکن اہم سوال مسجد کی تعمیر کا نہیں بلکہ مفروضہ رام مندر کو ڈھانے کا ہے۔ اس معاملے میں مسز بیوریج فیض آباد گزیٹیر کا حوالہ دیتی ہیں جو نیول نے اس صدی کی پہلی دہائی میں لکھا تھا۔ نیول کہتا ہے کہ ایک قدیم مندر کو ڈھا کر مسجد تعمیر کی گئی۔ کسی بھی بنیاد کے بغیر' مسز بیوریج نے "ایک قدیم مندر" کے بعد قوسین میں ان لفظوں کا اضافہ کیا: ("رام کی جنم بھومی کی نشاندہی کرنے والا")۔ اس طرح یہ مسز بیوریج ہیں جو "قدیم مندر" کو رام مندر کہتی ہیں جس کا قطعاً کوئی ثبوت نہیں ہے۔

اس بات کا بھی کوئی ثبوت نہیں ہے کہ بابر ایودھیا گیا تھا۔ وہ گوالیار گیا تھا اور وہاں کی مذہبی اور غیر مذہبی عمارتوں کے حسن اور طرز تعمیر کا بڑے والہانہ اور وجد انگیز لفظوں میں بیان بھی کیا ہے۔ ان میں صرف ایک مسجد شامل ہے جو التمش نے تعمیر کی تھی جبکہ باقی سب ہندو عمارتیں ہیں۔ بابر بتوں اور بت خانوں کا یعنی گوالیار کے مندروں کا جن میں جَینی بھی شامل ہے' توصیفی انداز میں ذکر کرتا ہے۔ یہ ایک ستم ظریفی نہیں تو اور کیا ہے کہ ہندو فن اور طرز تعمیر کے ایک پرستار کے سر مندر کو ڈھانے کا الزام تھوپا جائے۔ ایسے مندر کو ڈھانے کا الزام جس کا کوئی وجود ہی نہیں تھا۔ بہر حال یہ بات بالکل صاف ہے کہ بابری مسجد ایودھیا میں کسی رام مندر کو ڈھا کر نہیں بنائی گئی۔ اگر دوسری جگہوں پر اس قسم کی کچھ مذہبی عمارتیں

فرقہ پرست عناصر بڑی شدت کے ساتھ یہ کہتے رہتے ہیں کہ آریہ ہندستان ہی میں پیدا ہوئے، انھوں نے ہڑپا تہذیب تخلیق کی اور اسی ملک سے وہ مغربی ایشیا اور یورپ میں پھیلے۔ شاید ان لوگوں کو وہیلر کی ایک کتاب کے اس باب نے بھڑکا دیا جس میں پاکستان کی تاریخ کے ڈانڈے یسوع مسیح کی پیدائش سے ۵ ہزار سال پہلے کے زمانے سے ملائے گئے ہیں۔ فرقہ پرست شاونی عناصر لگاتار یہ پرچار کئے جا رہے ہیں کہ مسلمان غیر ملکی ہیں۔ وہ تو یہ بھی مطالبہ کرتے ہیں کہ ہندستان کی آزادی کی تاریخ سکندر کے حملے کے زمانے سے لکھی جانی چاہئے۔ ان کا کہنا ہے کہ ہندوؤں کو تو حال ہی میں آزادی نصیب ہوئی ہے اور یہ کہ سلطانوں اور مغل شہنشاہوں کی حکومت کا سارا دور محض غیر ملکی حکومت کا دور تھا۔ اسی لئے تو فرقہ پرست مورخین برطانوی فاتحین کو مسلمانوں کی "غیر ملکی حکومت" سے آزادی دلانے والے کہتے ہیں۔

ہمیں رویوں اور رایوں میں بے لاگ اختلافات کو نظرانداز نہیں کرنا چاہئے لیکن ان احیاپسند کرتب بازیوں کا پس پردہ مقصد تو بڑی حد تک یہ ہے کہ تاریخی تحقیق کے معروضی طریقوں کو قربانی کا بکرا بنا کر ماضی کے مطالعے کو سیاسی رنگ میں رنگ دیا جائے۔ یہ ان لوگوں کے تقاضوں کی تسکین کرتی ہیں جن کی نظریں مستقبل کو ماضی میں تلاش کرنا چاہتی ہیں۔ بدترین بات تو یہ ہے کہ ہر قسم کے تباہ کن مطالبوں کو حق بجانب ثابت کرنے کے لئے تاریخ کو آلۂ کار بنایا جاتا ہے۔ ان میں ایک مطالبہ یہ بھی ہے کہ بابری مسجد کو ڈھا کر اس کی جگہ رام مندر تعمیر کیا جانا چاہیے موجودہ نسل کے ہاتھوں ماضی بیچنے کیلئے اسے دلکش اور نظر فریب مگر جھوٹے اور مصنوعی رنگوں میں رنگا جاتا ہے۔ اس سے ہندستانی ورثے کو سمجھنے اور اسے محفوظ رکھنے کے مقصد کو اور اس سے بھی زیادہ اہم یہ کہ ہندستان کے اتحاد اور یکجہتی کے آدرش کو بے پناہ نقصان پہنچتا ہے۔ ملک میں رہنے والے مختلف فرقوں کے درمیان تعلقات کو بگاڑنے کیلئے جان بوجھ کر ماضی کو توڑ مروڑ کر پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ اہل فکر اور راستباز ادیبوں، محققوں اور معلموں کی انتھک اور متواتر کوششیں ہی ہوں گی جو لوگوں کو مخالف گروہوں میں بانٹنے کیلئے ماضی کو استعمال کرنے کی فرقہ پرستوں کی کوششوں کو شکست دے سکتی ہیں۔

اساطیری واقعات کے زمانے اور تاریخوں کا تعین کرنے کے لئے فلکیاتی زمانے اور جیوتشی آنکڑوں کو استعمال کیا جاتا ہے جو عیسوی عہد کی اوّلین صدیوں میں گھڑے گئے تھے۔ ان واقعات کو کھینچ، گھسیٹ کر یسوع مسیح کی پیدائش سے چار اور پانچ ہزار سال بلکہ اس سے بھی پہلے کے زمانے تک لے جایا جاتا ہے جبکہ ہمارے پاس اس بات کا کوئی آثار یاتی ثبوت نہیں ہے کہ اس وقت ہمارے ملک میں دھاتوں کا استعمال اور ہل کے ذریعے کھیتی باڑی کا رواج شروع ہو گیا تھا۔ جو بھی سہی، کرشن بھگتی رام بھگتی سے پہلے پھیل چکی تھی اور رام بھگتی کو ازمنہ وسطیٰ کے اواخر میں کہیں جا کر اہمیت اور فروغ حاصل ہوا۔

عصر حاضر کی تاریخ پر تحقیقاتی کام کرنے والے مؤرخین عام طور پر فرقہ وارانہ تصورات سے متاثر نہیں ہیں۔ ازمنہ وسطیٰ کی تاریخ پر کام کرنے والے مؤرخین بھی بہت زیادہ فرقہ پرست دکھائی نہیں دیتے لیکن قدیم ہندستان کی تاریخ کی کھوج کرنے والے بعض مؤرخین اپنے کو لگ بھگ پوری طرح شاونی اور فرقہ پرست عناصر سے جوڑ لیتے ہیں اور اندھے عقیدے کی بنیاد پر ایسی باتوں کی طرفداری کرنے لگتے ہیں جنھیں کسی بھی پہلو سے ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ وہ لوگ ویدک کی دیہاتی زندگی اور ہڑپہ عہد کی شہری زندگی میں نمایاں فرق کو نظر انداز کرتے ہوئے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہڑپہ تہذیب و ثقافت ویدی عہد کے لوگوں نے تخلیق کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہڑپہ عہد کا رسم الخط ابجدی ہے اور یہ کہ اس میں اصلی یا ابتدائی سنسکرت کی مثالیں ملتی ہیں۔ اسی طرح وہ ہڑپائی کانسی عہد کی شہری تہذیب اور مغربی ایشیا اور کریٹ کی تہذیبوں کے درمیان یکسانیت کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور سندھ اور پنجاب میں اس کی ترقی اور عروج پر کوئی دھیان ہی نہیں دیتے۔ وہ کہتے ہیں کہ درحقیقت یہ تہذیب وادی سرسوتی میں پیدا ہوئی اور وہیں پروان چڑھی جبکہ ان کے اس دعویٰ کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ سرسوتی ندی کی تلیٹی میں ہڑپہ تہذیب کے پہلے کی ایسے باقیات ہیں جنھوں نے ہو سکتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح ہڑپہ تہذیب کی تشکیل میں مدد دی ہو لیکن ہڑپہ تہذیب کے پہلے کے زمانے کا مرکزی علاقہ، جیسا کہ آمڑی اور کوٹ دوجی جیسے مقاموں پر کھدائیوں سے پتہ چلتا ہے، درحقیقت پاکستان میں ہے۔ ترقی یافتہ ہڑپہ تہذیب ایک منفرد مظہر ہے اور پاکستان میں ہڑپہ اور موہنجو داڑو آج تک بھی اس کے بہترین نمونے بنے ہوئے ہیں۔ یہ کہنے کی کوئی ضرورت نہیں کہ ایسے دعوے وہ احیا پسند ہندستانی ماہرین آثار قدیمہ کرتے ہیں جن کے حلق سے یہ بات اتر نہیں رہی ہے کہ پاکستان ہڑپہ تہذیب کا مرکز ہے۔

جناب تقی رحیم

فرقہ واریت پر ایک نظر

اگر ہم اپنی تہذیبی تاریخ پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ ہماری قومی عظمت و قوت کا اصل راز
ماری سماجی زندگی کی بنیاد میں پیوست، کثرت میں وحدت اور یک رنگی کے بجائے رنگارنگی
ے تنوع کے اصول میں پنہاں ہے۔ طرح طرح کے اختلافات کے باوجود اس ملک کے باشندے
بتدا ہی سے ایک ایسے سماج کی تعمیر کرتے چلے آرہے ہیں جس میں نسلی، مذہبی، لسانی اور
علاقائی و تہذیبی طور پر سبھی اپنے مخصوص دائروں میں آزاد رہتے ہوئے بھی قومیت و قومی
تمدن کے ہمہ گیر دائرے میں ایک دوسرے سے بندھے ہوئے اور پابند ہوں۔

مگر ہمارے سماج کی تشکیل و تعمیر تاریخ نے جن پیچیدہ عوامل کے سہارے ہوئی ہے
اور اس کی بنیاد کثرت میں وحدت اور رنگا رنگی اور بوقلمونی کے جس اصول پر قایم ہے
اس کے باعث اس کی بناوٹ میں کافی تضادات بھی پنہاں ہیں جنہیں نظرانداز کرکے ہم
اپنے سماج کے توازن کو قایم رکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اپنی جماعت بندیوں کی
نسبتی قسم کے متعلق عوام کے جذبات بہت شدید اور حساس ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان پر
ٹھیس لگنے سے ان میں علیحدگی پسندی کا جذبہ پنپتا ہے اور غفلت برتنے پر یہ جذبہ
تعصب اور پھر نفرت میں بدل کر کچھ ایسے انتشار و افتراق کو جنم دیتا ہے کہ سماج کا سارا
توازن بگڑ کر رہ جاتا ہے بلکہ بسا اوقات زیادہ غفلت برتنے پر تو سماج ٹوٹ بھی جایا
کرتے ہیں۔

اس لیے قومی قیادت کا سب سے بڑا فرض یہ ہے کہ وہ عوام کے دلوں کو اس یقین
و اعتماد سے گرمائے رکھے کہ تمام گروہی تشخصات کو ہمہ گیر قومی تشخص سے ہم آہنگ کرکے

ہو سکتا ہے کہ بابری مسجد کی تعمیر میں جو ستون استعمال کئے گئے ہیں وہ کسی شیو یا جین
مندر کے ہوں۔ دوسری جگہوں پر بھی مسجدوں کی تعمیر میں پرانا سامان استعمال کیا گیا ہے، لیکن جو
لوگ قدیم ہندوستان کی عمارتوں میں آثاریاتی تسلسل اور زمانی مطابقت کی تھوڑی
بہت جانکاری رکھتے ہیں وہ ایسی ہی کتنی ہی مثالیں پیش کر سکتے ہیں کہ پرانی عمارتوں کے سامان
بعد کی تعمیرات میں استعمال کیا گیا ہے۔ کھدائیوں سے پتہ چلتا ہے کہ کشن دور کی اینٹیں گپت
دور کی عمارتوں میں استعمال کی گئی ہیں۔ درحقیقت یہ صرف ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ دوسرے
ملکوں میں بھی مختلف زمانوں میں ایک عام طریقہ رہا ہے۔ لیکن جہاں تک بابری مسجد کا تعلق ہے
کہ ہمارے پاس ایسا کوئی ثبوت نہیں جو اس دعوے کی تصدیق کرتا ہو کہ کوئی رام مندر توڑ
کر اس کی جگہ ایک مسجد تعمیر کی گئی۔ ۔۔۔

اگر ہمیں اپنی موجودہ سماجی پس ماندگی، غربت اور جہالت کو دور کرکے ترقی کی راہ میں آگے بڑھی ہوئی قوموں کے مقابلہ میں آنا اور اپنی عظیم قومی روایات اور ثقافتی وراثت کو فروغ دینا اور آگے بڑھانا ہے تو عوام الناس میں اس مقصد کے لیے جوش اور سرگرمی پیدا کرکے انھیں جتھہ بند کرنے کے لیے یک جہتی کا ایسا خوشگوار ماحول تیار کرنا ضروری ہے جس میں ہندوستان کی سبھی نسلوں اور علاقوں کے لوگ اور ہر زبان کے بولنے والے اور ہر مذہب کے ماننے والے اپنے آپ کو محفوظ اور قومی دولت و اقتدار میں برابر کا شریک سمجھ کر ایسا سماج تعمیر کرنے میں لگ جائیں جہاں سب کے لیے انصاف اور برابر موقع ہو اور سبھی اپنے پڑوسیوں اور ہم وطنوں کے تئیں عزت و محبت کا جذبہ اپنے دلوں میں رکھتے ہوں۔

بد قسمتی سے اس طرح کا ماحول نہیں تیار کیا جا سکا ہے بلکہ اونچے آدرشوں کے فقدان کے باعث ہمارے سماج میں جو چھینا جھپٹی اور زور زبردستی ہو رہی ہے اسے دیکھ کر اس طرح کی ماہیتی سماجی تبدیلی کے متعلق عوام کا یقین ہی ختم ہوتا جا رہا ہے۔ چنانچہ اپنے مستقبل سے مایوس عوام، پستی اور نامرادی کے عالم میں بری طرح سے افتراق و انتشار کے شکار ہو گئے ہیں جن کو اقتدار پرست عناصر فرقہ وارانہ تشدد کی راہ پر لگا کر سماج کو اور بھی زہر آلود بناتے جا رہے ہیں۔

۲

ہمارے ملک میں فرقہ وارانہ فسادات کو مختلف فرقوں پر مشتمل سماج کی دین ـــــ فرقہ وارانہ نظریات و سیاست کی پیداوار سمجھا جاتا ہے اور عام طور پر اس کا اتنا محدود مفہوم لیا جاتا ہے کہ صرف مذہبی تفریق کی بنیادوں پر قائم گروہ بندیوں کے جماعتی احساس کے اظہار و ادعا کو بلکہ بسا اوقات تو ان میں سے بھی صرف ہندوؤں اور مسلمانوں کے جماعتی تشخص پر اصرار ہی کو فرقہ پرستی سے منسوب کیا جاتا ہے اور نسلی، علاقائی، لسانی، تہذیبی اور ذات پات کے تعلق سے قائم جماعت بندیوں اور ان کے اثرات و افعال کو اس بحث کے دائرہ سے خارج سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ طرح طرح کے نسبتی اقسام کی

مجموعی طور پر پورے سماج کو فروغ و ترقی کی اس منزل پر لے جانا ہے جہاں ہر شہری کو اپنی شخصیت کے ہمہ جہتی فروغ کا پورا موقع میسر ہوگا۔ لیکن عوام میں اس طرح کا محکم یقین پیدا کرانے کے لیے قلندرانہ بے نیازی اور براہیمی نظر چاہیے! اگر قیادت کے سینوں ہی میں ہوس نے چھپ چھپ کر تصویریں بنالیں تو عوام اپنے پست ذاتی اور گروہی مفاد کے پھندوں سے کیسے چھٹکارا پاسکیں گے؟

جس طرح ایک انسانی جسم کے ہر ایک عضو کی کارکردگی آزادانہ و جداگانہ ہوتے ہوئے بھی اس کے تمام اعضا کو مجموعی طور پر ملا کر ہی اس انسان کے وجود کا تصور کیا جاتا ہے اور اس کی بقا و صحت کے لیے اس کے ہر ایک عضو کا اپنے طور پر ٹھیک سے کام کرتے رہنا ضروری ہے۔ اسی طرح سے مختلف اقسام کے امتیازوں پر قایم سماج کے اندر موجود تمام جماعت بندیوں کو ملا کر ہی ہمارے قومی وجود کا تصور ممکن ہے اور قومی زندگی کے صحت مندانہ ارتقا کے لیے ان میں سے ہر ایک کا اپنے دائرے میں آزادانہ کام کرتے رہنا بھی ضروری ہے اگر ان میں سے کوئی اکائی اگر عظیم ہندوستانی قومیت اور اس کی شاندار تمدنی روایات کے ہمہ گیر اثرات کو قبول کرنے میں کوتاہی کرتی ہے تو قوت و توانائی سے محروم ہوکر ویسے ہی ناکارہ اور بے کار محض ہوکر رہ جائے گی جیسے کسی مریض انسان کا بے کار یا مفلوج عضو!

اس زاویے سے اگر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ مذہب، نسل، زبان، علاقہ، تہذیب اور ذات پات کے نام پر علیحدگی پسندی اور نفاق پرستی کے رجحان کو ہوا دینے والے رہنما اصل میں خود اپنے گروہ ہی کے عوام کے مفاد کو نقصان پہنچا رہے ہیں اور دوسری طرف ہندوستان کی ملک گیر قومیت اور روایات کی یگانگی کے جوش میں طرح طرح کے نسبتی اقسام پر مشتمل تمام جماعتی تشخصات کو میکانکی ڈھنگ سے ختم کر کے سب کو ایک ہی رنگ میں رنگ دینے کا خواب دیکھنے والے لوگ ہی اصل میں اس عظیم ہندوستانی قومیت اور اس کی ہمہ گیر تمدنی روایات کے پھیلاؤ اور بڑھاوے میں رکاوٹ ڈال رہے ہیں۔

آج کے ہندوستانیوں اور ہندوستانی سماج پر مذہب اور مذہبی احکام کی
رفت بہت ڈھیلی پڑ چکی ہے۔ رسم و رواج کی سختی اور دوسرے سماجی بندھنوں کے
ملے میں بھی ہم پہلے کی بہ نسبت بہت آزاد ہیں۔ چند مذہبی رسومات کو چھوڑ کر رہنے
ہنے، کھانے پینے اور زندگی کے دوسرے معاملات و آداب میں ہندوؤں اور
سلمانوں کے درمیان بظاہر کوئی خاص فرق دکھائی نہیں پڑتا۔ اس سے صاف
ظاہر ہے کہ ہمارے موجودہ سماج میں مذہبی فرقہ واریت کافی کمزور پڑ گئی ہے۔ پھر بھی
دونوں فرقوں کے درمیان سماجی آویزش اور پُر تشدد تصادم بڑھتے جا رہے ہیں
دوسری طرف انیسویں صدی اور اس کے پہلے ہمارے سماج میں مذہبی تفریق کی
بنیادوں پر قائم گروہ بندیوں کی دیواریں بہت اونچی اور سخت تھیں۔ مطلب یہ ہے
کہ اس وقت مذہبی فرقہ واریت بہت مضبوط اور اس کا غلبہ بہت شدید تھا مگر
ملک کی سیاست پر اس کا مطلق کوئی اثر نہیں تھا اور نہ مذہب کے نام پر ہندو اور
مسلمان اس وقت ایک دوسرے کا گلا کاٹتے تھے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ فرقہ
واریت کے تشدد کے باوجود اس وقت کے سماج میں فرقہ وارانہ سیاست اور فرقہ
وارانہ تشدد نہیں تھا۔ اس کے ساتھ ہی جب ہم نسلی، علاقائی، لسانی، ذات پات اور
اور دوسرے سوالوں کو لے کر آج کل ہونے والے پر تشدد تصادم کی طرف نگاہ دوڑاتے ہیں تو
صاف ہو جاتا ہے کہ ان دنوں کے فرقہ وارانہ فسادات کے اسباب و مقاصد کچھ دوسرے
ہیں، مذہبی نہیں!

غیر متواتر تاریخ کے حامل زیادہ بڑے معاشروں میں مخلوط تشخص کے امکانات ہوتے
ہیں جن میں اکثر کے گروہی تشخص کی ابتدائی قسم مذہبی ہوئی ہے۔ یورپ کی صلیبی جنگوں کو
اگر پرانے زمانے کی داستان سمجھ کر نظر انداز بھی کر دیا جائے تو کیتھولک اور پروٹسٹنٹ
کے درمیان کے جھگڑے اور یہود دشمنی کے واقعات تو وہاں کی حالیہ تاریخ کے حصے ہیں
برطانوی شاہی خاندان کا کوئی رکن ابھی تک از روئے قانون کسی کیتھولک سے بھی
شادی نہیں کر سکتا۔ ممالک متحدہ امریکہ میں کسی کالے کا صدر چنا جانا ابھی تک محض ایک

بنیادوں پر قائم امتیازی جماعتی تشخص کی تلاش کو ہم جنسوں کی گروہ بندی کی جبلت سے الگ کر کے نہیں دیکھا جا سکتا۔ چنانچہ مذہبی لحاظ سے کافی ہم آہنگ معاشروں سمیت اکثر معاشروں میں جماعتی تشخص کے بہت سارے روپ سماجی، سیاسی اور اقتصادی عمل کاری کی مختلف سطحوں پر نہ صرف نمایاں ہوتے رہتے ہیں بلکہ بسا اوقات پُرتشدد تصادم کی طرف بھی لے جاتے ہیں۔ اس لیے مذہب کی بنیاد پر قائم جماعت بندیوں ہی کو فرقہ واریت اور فرقہ وارانہ تشدد کا کلی سبب مان لینا درست نہیں!

اگرچہ فرقہ واریت، فرقہ وارانہ سیاست اور فرقہ وارانہ تشدد کا آپس میں گہرا اور نزدیکی تعلق ہے۔ پھر بھی یہ تینوں ایک دوسرے سے جدا اور بالکل الگ مسئلے ہیں فرقہ وارانہ سیاست اور فرقہ وارانہ تشدد کی لہروں کا سماجی سرچشمہ ایک ہی ہے۔ اس میں کوئی کلام نہیں! لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا غلط ہوگا کہ فرقہ وارانہ سیاست لازمی طور پر تشدد کی طرف رہ نمائی کرتی ہے۔ اس مفروضے کے لیے کوئی تجرباتی دلیل نہ تو کسی سماج میں ملتی ہے اور نہ ہندوستان میں! بلکہ دیکھنے میں تو یہ آتا ہے کہ کثیر المذاہب معاشرے کی بہ نسبت یک مذہبی سماج میں گروہی تصادم زیادہ کثرت سے اور زیادہ پُرتشدد ہوتے ہیں۔ اس لیے فرقہ وارانہ تشدد کے اسباب فرقہ وارانہ سیاست سے الگ ڈھونڈھنے ہوں گے۔

فرقہ وارانہ سیاست اور فرقہ وارانہ تشدد کا سماجی منبع صرف اسی مفہوم میں ایک ہے کہ دونوں سماج کی ماہیئتی تبدیلی کی سیاسی ساکھ کے فقدان اور سماج میں پھیلی ناقابلِ برداشت نابرابری کے شدید احساس کے مظہر ہیں۔ اور چونکہ فرقہ وارانہ سیاست کا جھکاؤ فرقہ وارانہ تشدد کے جواز کی طرف اور فرقہ وارانہ سماج میں تشدد کا جھکاؤ فرقہ واریت کی طرف ہوتا ہے۔ اس لیے کوئی فرقہ پرست گروہ کسی مخصوص جماعتی تشخص کے جواز کے لیے مختلف طرح سے فرقہ وارانہ تشدد ابھار سکتا اور ابھارتا ہے۔ لیکن اس کے شروع کرنے کے لیے سماج میں تشدد گیر مادہ کا، گو چھپا ہوا اور دبا ہوا ہی ہو کافی ذخیرہ پہلے سے موجود ہونا ضروری ہے جسے فرقہ پرستوں کا گروہ سلگا اور بھڑکا سکے۔

اُتر پردیش اور بہار میں ذات پات کی کشمکش مختلف صورتوں میں ابھر آئی ہے۔ مہاراشٹر جس نے ہندو فرقہ پرستی کے لیے سب سے حوصلہ مند سماجی بنیاد فراہم کی تھی آج لسانی فرقہ پرستی کے سب سے ہولناک روپ شیو سینا اور ذات پات کے تشخص سے وابستہ ہنگامہ خیز دلت تحریک کے لیے بھی سماجی بنیاد فراہم کر رہا ہے۔ مذہبی گروہی احساس سے نسبتہً آزاد جنوبی ہند میں ذات پات اور علاقائیت پر مبنی گروہی تشخص کا اظہار ہوتا رہتا ہے جو بسا اوقات تشدد کی صورت بھی اختیار کر لیتا ہے ہندوستان کے شمالی مشرقی خطے میں زبان، مذہب، ذات پات، قبیلہ، نسل، یہاں تک کہ سکونت (پہاڑی اور میدانی) پر قائم جماعت بندیاں ہولناک طور پر تشدد کے حالات پیدا کرتے ہوئے ایک ساتھ موجود ہیں۔

فرقہ واریت کا ترقی پسند یا زوال پرست قوت کی حیثیت سے تعین مخصوص اقدار کی کسوٹی کے پس منظر میں اس کی داخلی، تاریخی مناسبت سے ہی کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ ہندو فرقہ پرستی کی جڑ سے ابھری ہوئی سنیاسیوں کی بغاوت یا بندے ماترم جیسے عصبیت انگیز نعرے پر مبنی دہشت پسندی کی تحریک معروضی طور پر سامراج مخالف ہونے کے سبب ترقی پسند تھیں۔ اسی طرح مسلم فرقہ واریت کی جڑ سے پیدا وہابی یا فرائضی تحریکیں یا ہندو مسلم دونوں کے مذہبی جذبات کے اُبھار سے پیدا ۱۸۵۷ء کا غدر بنیادی طور پر سامراج دشمن ہونے کے سبب ترقی پسند تھا۔ ویت نام میں امریکی حملہ کے خلاف بدھ بھکشوؤں کی خود سوزی، زار کی استعماریت اور نازی قبضہ کے خلاف پولش قومیت کو بیدار کرنے میں وہاں کیتھولک چرچ کا اور شاہ کی جابرانہ حکومت کے خلاف ایران میں اسلامی قدامت پرستی کا جو رول رہا ان سب کو ان کے تاریخی پس منظر کے باعث ترقی پسند مانا جاتا ہے۔ اسی طرح ہندوستان میں جاگیرداری مخالف نقطۂ نظر سے موپلا مسلمانوں کی بغاوت یا بنگال کے مسلم کسانوں کی اصلاحی تحریکوں، دلت فرقہ پروری اور قبائلیوں کی میدانی کے مقابلے میں پہاڑی فرقہ پروری، جنوبی ہند کی برہمن مخالف فرقہ پروری، سکھ کسانوں کے مسائل کو ابھارنے والی اکالیوں کے ابتدائی دور کی فرقہ پروری اور

خیالی بات ہے۔ اپنے امتیازی جماعتی احساس کے مفہوم میں ایسے نسبتی اقسام پر مبنی ہونے کے باوجود جو لازمی طور پر مذہبی نہیں ہیں، امریکن سماج ابھی تک فرقہ وارانہ ہے اور اپنی سماجی و سیاسی ارتقا کے اس مرحلے پر اس کے تشخص کی ابتدائی قسم نسلی ہے جو افریقی امریکنوں اور یورپی امریکنوں کی تفریق میں ظاہر ہوتی رہتی ہے۔ متعدد اشتراکی ملکوں میں وہاں کی نسلی اور ثقافتی گروہ بندیاں پرولتاری تشخص کے تحت وہاں قائم کی جانے والی نئی سیاسی جمعیت بندی کی راہ میں دشواریاں پیدا کر رہی ہیں۔

مگر ابتدائی قسم کا وہ تشخص جو کسی معاشرے میں ایک خاص وقت میں متعین ہو جاتا ہے، ہمیشہ برقرار نہیں رہتا۔ یہ حقیقت برصغیر ہند کی تاریخ سے بخوبی واضح ہو جاتی ہے۔ مختلف النسل، مختلف المذاہب اور مختلف اللسان معاشرے کی سماجی بنیادوں پر قائم ہندوستانی قومیت کو اپنے ارتقا کے ایک خاص مرحلے پر جماعتی تشخص کی نسبتی قسم مذہب سے متعلق اٹھائے گئے مسئلوں کا سامنا کرنا پڑا لیکن مذہبی خطوط پر ملک کی تقسیم ہو جانے کے بعد منقسم برصغیر کے دونوں حصوں کو قومی جمعیت بندی کے معاملے میں اکثر پرتشدد تصادم کی صورت میں ــــــ دوسری طرح کے گروہی تشخص جیسے ذات پات زبان اور علاقائیت وغیرہ کے چیلنج کا بسا اوقات ایک ساتھ ہی سامنا کرنا پڑا۔

تاریخ بتاتی ہے کہ ہندوستان میں ۱۹۰۵ء میں تقسیم بنگال کے سوال پر لسانی تشخص مذہبی تشخص پر حاوی ہو گیا۔ مگر ۴۷ ۱۹ء مذہبی تشخص پھر غالب آگیا اور ملک کی تقسیم کا سبب بنا، اور تقسیم کے بعد اس حصہ میں جو مشرقی پاکستان کہلایا، بنگالی لسانی تشخص کا ایسا زور ہوا کہ ایک نیا ملک بنگلہ دیش کے نام سے بنا چھوڑا، جہاں آج لسانی مذہبی اور دوسری نوعیت کے تشخص ایک ساتھ موجود ہیں۔ ادھر مغربی بنگال جہاں ہندو فرقہ پرستی کی بڑی مضبوط سماجی بنیادیں تھیں، مذہبی مفہوم میں فرقہ واریت باقی نہیں رہی۔ ہاں اس کے پوشیدہ فرقہ وارانہ رجحانات لسانی روپ میں البتہ ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ پنجاب میں ہندو مسلم مخاصمت کی جگہ ہندو سکھ مخاصمت نے لے لی اور پنجاب کی دوبارہ تقسیم پر پنجاب میں اکالی نرنکاری اور ہریانہ میں ذات پات کی آویزش ابھر آئی

سی صورت میں ناگزیر ہے۔ مگر ایسے عبوری معاشروں میں جہاں قدروں کی کسوٹی
ں تغیر پذیر ہو اور روایتی ادارے ٹھپ سے ہو گئے ہوں، اس کا اظہار زیادہ نمایاں
ہوتا ہے۔ ایسے معاشروں میں اقتدار کی جنگ طرح طرح کے گروہی تشخصات کے
جدوجہد کی صورت میں لڑی جاتی ہے اور تمام سیاسی قائدین ایسے گروہی تشخص
ر اپنے کو جوڑ کر اس کے جواز کے لیے جدوجہد کرتے ہیں جس سے زیادہ سے زیادہ
معاوضہ حاصل ہونے کا امکان ہو۔ چنانچہ ہندوستان جیسے کھلے طور پر مخلوط المعاشرہ
ں سیاسی اقتدار مضمر ہے۔ لسانی، علاقائی، ذات پات اور دوسری بہت طرح کی
ی بندیوں میں سے ممکن حد تک زیادہ سے زیادہ کو ملانے اور اسے ترکیب و ترتیب
اس مجموعے کے گروہی تشخص کا جواز منوانے میں! ہندوستان کی سماجی بناوٹ میں
وارانہ میلانات پنہاں ہیں ان کے مدنظر ناخوشگوار سیاسی سمجھوتہ بازی، اس کی
ی موجودہ ارتقائی مرحلے کا لازمی تقاضا ہے۔ یہاں تک پرولتاری اقدار کے نظریے
د حضرات بھی پارلیمانی جمہوریت کے میدان میں اس طرح کی ناخوشگوار سمجھوتہ بازی
ہیں۔

اگر غیر متواتر تاریخ کے حامل بڑے معاشروں میں کچھ نہ کچھ فرقہ وارانہ سیاست ناگزیر
س کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ بہت سارے عبوری معاشروں میں فرقہ وارانہ جماعتی
کے ادعا سے سماجی ارتقا کے ایک خاص مرحلہ پہ نسبتہً کمزور اور دبے کچلے ہوئے
کے لوگوں کو جو فائدے پہنچتے ہیں ان کے سیاسی اثرات دوررس ہوتے ہیں جو
ر کے بعد بھی باقی رہ جاتے ہیں جن کا اظہار بعض اوقات ٹھوس سیاسی تنظیموں کی
ں بھی ہوتا ہے۔ یورپ کے کچھ ملکوں میں کرسچین یا کیتھولک پارٹیاں اسی عبوری
سیاسی یادگار کے طور پر ابھی بھی کام کر رہی ہیں۔ حالانکہ یہ بتانا مشکل ہے کہ ان
اسی نظریات میں کس قدر عیسائیت اب باقی رہ گئی ہے۔ ہندوستان اور پاکستان
لیگ کے نام سے کام کرنے والی سیاسی پارٹیوں کا شمار بھی اسی قبیل میں کیا
ہے۔

اسی طرح کی دوسری فرقہ واریتیں داخلی طور پر ترقی پسندانہ اہمیت کی حامل تھیں
اور ہیں۔

البتہ اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ تاریخی اعتبار سے ابتدا میں ترقی پسند ہونے کے باوجود بعد میں مسخ ہوکر اس طرح کی فرقہ واریتیں سماجی تبدیلیوں کے خلاف امراعاتِ خصوصی کی حامل اور تبدیلی مخالف قوتوں کی پناہ گاہیں بنائی جاسکتی ہیں۔ ہندوستان میں سماج کی دقیانوسیت کا آشکارا اور قومیت کی تشکیل میں نقطۂ اتصال کا کام کرنے کا تاریخی اعتبار سے رول ادا کرنے کے بعد ان میں سے بہت ساری فرقہ واریتیں اس وقت زوال پسند کہلائیں جب قومی آزادی کی لڑائی میں حارج ہونے لگیں یا آزادی کے بعد کے دور میں قومی تعمیر اور سماجی تبدیلی کے بنیادی فریضے کو ادا کرنے میں رکاوٹ ڈالنے لگیں۔ پر تمام فرقہ واریتوں کا مسخ ہوکر زوال پرست ہوجانا لازمی نہیں، بلکہ اس کے برعکس کچھ فرقہ واریتیں سماج کی روایتی نا انصافی کو آشکارا کرکے قومی تعمیر اور سماجی تبدیلی کے کام میں مدد بھی پہنچا سکتی ہیں۔

مثال کے طور پر یورپ میں پروٹسٹنٹ اخلاقیات نے کفایت شعاری، جفاکشی اور اطاعت شعاری پر زور دے کر وہاں سرمایہ دارانہ ارتقا کے لیے راستہ ہموار کیا اور پھر سرمایہ داری کے وحشیانہ استحصال کے خلاف وہاں کی انیسویں صدی کی سماجی اور سیاسی تحریکوں کو بڑھانے میں عیسائی اقدار کا کچھ کم حصہ نہیں، چین میں کنفیوشیزم اور ویت نام میں بدھ ازم کا اس قومی بیداری کو پیدا کرنے میں بڑا حصہ رہا ہے جس کی بدولت ان ملکوں کے عوام نے سامراجیت کے خلاف جنگ میں اور پھر آزادی کے بعد بنیادی سماجی تبدیلی کے کام میں کامیابی حاصل کی۔ ہندوستان میں زبان، مذہب، ذات پات، علاقہ اور سکونت پر مبنی جماعت بندیوں کا قدیم دقیانوسی سماج کی خصوصی تاریخی نا برابری کو آشکارا کرنے میں جو رول رہا ہے اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

۳

اقدار کے اس غیر جانب دارانہ مفہوم میں تقریباً تمام بڑے معاشروں میں فرقہ وار

سے بہت قریب ہوتے ہوئے بھی پنڈت نہرو کے دور میں ـــــ جسے ٹھوس اقتصادی
یں کچھ بہت خوشحالی کا زمانہ نہیں کہا جا سکتا ـــــ فرقہ وارانہ سیاست اور تشدد
سا بے پناہ غلبہ نہیں تھا، جیسا ان کے بعد ہو گیا۔ اگرچہ اس کے اسباب کی تحقیق و
ں میں بڑے بڑے جغادری مدتوں سے سر کھپا رہے ہیں مگر عوام الناس کے روزمرہ
سائل اور ان سے متعلق سماجی سرگرمیوں سے براہ راست تعلق رکھنے والے تمام
ن اس امر سے بخوبی آگاہ ہیں کہ اس کی بنیادی وجہ موجودہ دقیانوسی سماج کی
ماہیتی تبدیلی کے متعلق ـــــ جس میں اس کی ہر اکائی اپنے جماعتی تشخص کو
لا اور قومی دولت و اقتدار میں برابر کا شریک سمجھ سکے ـــــ سیاسی ساکھ کا ختم
نا ہے۔

اصل میں پنڈت نہرو کے اخلاص پر پختہ یقین کے باعث سماج کے اندر موجود
ع کے جماعتی تشخص سے وابستہ عوام میں مجموعی سماج کی بہبودی و خوشحالی کی خاطر اس
ہیتی تبدیلی کے متعلق پنڈت جی کے دعووں اور وعدوں کی جیسی مضبوط ساکھ قائم
وہ ان کے بعد کے دور میں ختم ہو گئی۔ اولاً تو ان کے جانشینوں کے خلوص پر اعتماد کے
ن کے باعث اور دوئم ۶۲ء، ۶۵ء اور ۱۹۷۱ء کے جنگی اخراجات اور بڑھتے ہوئے
تی بجٹ کے بوجھ سے پیدا اقتصادی بحران کے باعث!

ذی اقتدار طبقے نے اس بحران کا سارا بوجھ محنت کش طبقہ کے لوگوں پر کچھ اس
ال دیا کہ اب انھیں دو وقتوں کی روٹی کے لیے پہلے کی بہ نسبت دُگنی اور تگنی
ت کرنی پڑتی ہے اور وہ خود محنت کش طبقے کی اس فاضل محنت سے ہوئی زائد پیداوار
حاصل شدہ قومی دولت اور بڑھتے ہوئے سرکاری اخراجات کے نام پر عوامی خزانے کو
نے میں مشغول ہو گیا۔ ساتھ ہی اس مصلحت سے کہ ان کی لوٹ کی طرف کسی کی نظر نہ
کے انھوں نے سماج کی ہر سطح پر زوردار، زور آور اور منہ زور عناصر کو لوٹ کی ایسی
لی چھوٹ دے دی کہ بس خدا کی پناہ! عام لوٹ کی اس گرم بازاری میں یہ سارے
رے آپس میں بھی کچھ ایسی چھینا جھپٹی اور زور زبردستی سے کام لیتے ہیں کہ ایسا

اصل میں سماجی ارتقا اور تبدیلیوں کی ہر منزل پر کچھ دوسرے نئے مسائل اور ان پر مبنی جماعت بندیاں کچھ اس طرح ابھر آتی اور اہمیت اختیار کر لیتی ہیں کہ پرانے مسائل اور ان پر مبنی گروہ بندیاں ان کے مقابلے میں بالکل دب کر رہ جاتی ہیں مگر کسی دوسری منزل پر سماجی تبدیلیوں کے متعلق اعلانات اور قول کی سیاسی ساکھ ختم ہو جانے یا کسی اقتصادی بحران سے پیدا شدہ سماجی بے انصافی اور نابرابری کی صورت حال میں مختلف شکلوں میں، ان کے پھر سے اُبھر آنے کا امکان یقینی طور پر باقی رہتا ہے۔ یورپ کے زیادہ تر ملکوں میں مذہبی فرقہ واریت، صنعتی انقلاب کے ساتھ ان ملکوں میں ہوئی سماجی تبدیلیوں کے لائے ہوئے قومی جذبے کی طوفانی لہروں میں بالکل دب کر رہ گئی تھی۔ مگر پہلی عالمی جنگ اور ۱۹۲۹ء کی کساد بازاری میں سسٹم سے متعلق پیدا مسلسل بحرانوں کے ساتھ ایسی مضبوطی اور شدت کے ساتھ ظاہر ہوئی اور جنوبی و وسطی یورپ میں نسلی فرقہ پرستی اور فاشیت کے روپ میں وہ تہلکہ مچایا کہ ساری دنیا کو ہلا کر رکھ دیا۔ ممالک متحدہ امریکہ میں اقتصادی ٹھہراؤ STAGNATION اور فرقہ وارانہ گروہی تشخص کے سیاسی اظہار کے درمیان برابر براہ راست اثباتی تعلق رہا ہے۔ جو اختتام جنگ کے فوراً بعد کے دنوں اور چھٹی دہائی کے اواخر میں ویتنام میں ہار جانے اور ڈالر کے بحران کے وقت کھل کر ظاہر ہوا۔

موجودہ اشتراکی ریاستوں میں فرقہ وارانہ گروہی تشخص اور اس کے اظہار کی طویل وراثت نسبتہً بے معنی ہو گئی ہیں۔ ابتداً مدتوں کے دقیانوسی سماج کو تبدیل کرنے کے کام میں پڑی رکاوٹوں کو دور کرنے کے متعلق قیادت کے عزم و ارادے کی سیاسی سا[کھ] کے غلبے و اثر کی بدولت اور بعد میں اس تبدیلی سے حاصل شدہ زائد پیداوار کی منصفا[نہ] تقسیم سے سماج کے سبھی حصوں کے محنت کش عوام کو ملے ٹھوس اقتصادی فائدو[ں] کی بدولت!

۴

خود ہندوستان کے اندر قبل تقسیم کی فرقہ وارانہ سیاست کی خون آشامی سے [...]

...یقت یہ ہے کہ اس وقت ہمارے سماج میں انتشار وافتراق اور نفاق پرستی و تشدد
...سندی نے چہار جانب سے پھر اس طرح سے سر اٹھایا ہے کہ سماج کا سارا شیرازہ
...ہم برہم سا ہوتا نظر آتا ہے۔ اس لیے اس کے تدارک کی تدبیر کرنا بے حد ضروری
...ہے کیونکہ اس کے بغیر ہم نہ تو اپنے سماج کا توازن برقرار رکھ سکیں گے اور نہ قومی شیرازے
...بکھرنے سے بچا سکیں گے۔

اگر یہ صحیح ہے کہ عبوری سماجوں کے لیے فرقہ وارانہ سیاست فطری طور پر لازمی
...ہے اور فرقہ واریت کے مرض کا ہمارے سماج کے موجودہ ارتقائی مرحلے سے خصوصی تعلق ہے
...طویل المیعاد حکمت عملی کے طور پر اسے بے معنی بنانے کی واحد موثر عملی تدبیر سماج کی
...ہیئتی تبدیلی کے کام کو تیز تر کرنا ہے اور جب تک تبدیلی کا یہ کام پورا نہ ہو اس کے
...تعلق کیے گئے قول وقرار اور اعلانات و بیانات کی سیاسی ساکھ عوام الناس میں جائے
...رہنا ہے۔ عوام کو گروہ بند کر کے اس فریضے کو انجام دینے کی سب سے بڑی جوابدہی
...قومی قیادت پر عائد ہوتی ہے اس لیے اس کا فرض ہے کہ وہ اس کام کے لیے ملک
...کے تمام وطن دوست عناصر کا تعاون حاصل کرنے کی کوشش اور جستجو کرے اور اس
...کے ساتھ ہی دوسرے تمام وطن دوست عناصر کا فرض ہوتا ہے کہ اس قومی فریضے کو
...ادا کرنے میں قومی قیادت کی مدد کریں۔ کہنے کی حاجت نہیں کہ مطلوبہ سماجی تبدیلی
...کے کام میں وقت لگے گا اور اس درمیان الجھنیں پیدا بھی ہوں گی جن کا سامنا صبر و
...تحمل اور ہمت سے کرنا ہوگا۔ کیونکہ اس طرح کے معاملات میں جلد بازی اور بے صبری
...کا اثر الٹا ہوتا ہے۔

لیکن یہ مانتے ہوئے کہ فرقہ واریت کا کلی استیصال تو سماج کی ماہیئتی تبدیلی کی تکمیل کے
...بعد ہی ممکن ہے، عبوری دور میں فوری حکمت کے ذریعہ فرقہ واریت کے زہر کو کم کرنے اور
...فرقہ وارانہ تشدد پر قابو پانے کے لیے ہر طرح کی تدبیریں اور ہمہ جہتی کوشش لگاتار جاری
...رکھنی چاہیے کیونکہ اس کے بغیر سماجی تبدیلی کے کام کی جانب بڑھنا ہی ممکن نہیں۔

کسی بھی فرقہ وارانہ سماج میں سیاسی طور پر سیکولرازم کی پابندی کی اولین شرط

لگتا ہے کہ ہر آدمی کسی نہ کسی کو لوٹ رہا ہے پر دوسری طرف خود بھی لوٹا جا رہا ہے گرچہ اس عام لوٹ کی ساری چوٹ آخر میں نادار اور کمزور عوام پر پڑتی ہے مگر اس کے ہمہ جہتی اثرات بد کے شکار مختلف ۔۔۔ طرح کے جماعتی تشخصات سے وابستہ اعلیٰ متوسط بلکہ چھوٹے سرمایہ دار اور صنعت کار بھی ہو رہے ہیں۔

چنانچہ اس وقت سماج کے مختلف طبقات کو جس طرح کی مالی زبوں حالی اور سماجی بے انصافی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، اس کے باعث قومی تعمیر اور سماجی تبدیلی کے متعلق موجودہ حکمرانوں کے تمام وعدوں اور دعوؤں کی قلعی پورے طور پر کھل گئی ہے۔ دریں حالات طرح طرح کے نسبتی امتیازوں پر قائم گروہ بندیوں سے وابستہ ہمارے عوام کا گروہی عصبیتوں میں پڑ کر انتشار و افتراق کا شکار ہونا لازمی ہے۔ کیونکہ غیر ترقی یافتہ معاشروں میں اقتصادی عدم مساوات کے اثرات قومی سیاست میں فرقہ وارانہ تشخص کے اظہار کے لیے بہت دیرپا اور اس اور وسیع گنجائش رکھتے ہیں۔

پارلیمانی جمہوریت اور انتخابی سیاست کی جبلی کمزوریاں اس انتشار و افتراق میں اور اضافہ کر رہی ہیں۔ چنانچہ اقتدار پرست اور جاہ پسند سیاست داں نیابتی اداروں میں مقام پانے کی جلد بازی میں عوامی خدمت اور نظریاتی تعلیم و تربیت کے صبر آزما طویل راستے سے کترا کر سستی مقبولیت کی خاطر عوام میں پھیلے اس انتشار و نفاق کو تشدد کی راہ پر لگا کر ماحول کو اور بھی زہر آلود بناتے جا رہے ہیں اور چونکہ ہمارے سماج میں گروہ بندیوں کی ابتدائی نسبتی قسم مذہبی ہے اس لیے ان عناصر کو اپنی مقبولیت اور اثر کو بڑھانے کے لیے مذہبی تعصب کو بھڑکا کر اپنا کام نکالنا سب سے سہل اور کامیاب معلوم ہوتا ہے۔

مذہب کے نام پر جو خونریزی ملک کے اندر ہو رہی ہے اس کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے لیکن نفاق و انتشار کا یہ بھوت دوسرے رویوں میں جو تہلکہ سماج میں مچائے ہوئے ہے اس کی خون آشامی اور ہیبت ناکی بھی کچھ کم تشویشناک نہیں!

یا ٹھپ ہو گئے ہوں۔ دوسرے تمام سماجوں کا تجربہ بتاتا ہے کہ سماجی تبدیلی کے دوران نئے اداروں کی تشکیل سے پہلے موجود پرانے اداروں کو کمزور کرنا خطرناک ہوتا ہے حسب ضرورت نئے اداروں کی تشکیل کے بعد ہی موجود اداروں کو ختم کرنے کے متعلق سوچا جاسکتا ہے۔ اس تقدم کو بدلنے کی کوئی کوشش خواہ وہ سیکولر مقاصد کے تحت جتنی ہی نیک نیتی سے کیا گیا ہو، زیادہ تشدد آمیز ہولناکیوں سے پُر ہوتی ہے۔

فرقہ وارانہ تشدد کے حالات میں ایسے اسباب مضمر ہوتے ہیں کہ انتظامیہ کے تعصب کو اقلیتی فرقہ کیفیت اور کمیت دونوں اعتبار سے کچھ بڑھا چڑھا کر زیادہ درجہ میں محسوس کرے۔ امریکہ میں نسلی تشدد کے عروج کے وقت کالے لوگ پولیس کو نسلی سور کہتے تھے۔ انگلستان میں بیرونی آباد کار بھی پولیس کو انھیں الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔ السٹر میں کیتھولک انھیں فرقہ پرست کہتے تھے۔ ہندوستان میں بھی مسلمان، ہریجن، دلت اور قبائلی سبھی اپنے اپنے مفہوم میں پولیس کو فرقہ پرست ہی کہتے اور سمجھتے ہیں۔ اس سے خرابی اور برائی کا ایک عجیب و غریب چکر بن جاتا ہے۔ چاہے حقیقی ہو یا خیالی! مگر یہ سلسلہ شروع تو ہوتا ہے تعصب محسوس کیے جانے پر ہی مگر اس احساس کے اظہار سے صلاحیت اور کارکردگی دونوں میں لازمی طور پر کمی آتی ہے اور یہ نا اہلی جو بدامنی کی حالت میں اور بھی نمایاں ہو جاتی ہے پولیس اور انتظامیہ کی ساکھ کو بگاڑ دیتی ہے جس سے جھگڑا روکنے کی اس کی صلاحیت بالکل ختم ہو جاتی ہے۔ اس لیے ایسے مواقع پر اور کچھ نہیں تو صرف ضبط و نظم اور تشدد پر قابو پانے کے خیال سے بھی، انتظامیہ کو اقلیتی فرقہ کا اعتماد حاصل کرنے کی جانب خاص طور پر دھیان دینا ضروری ہے۔

یہ ساری تدبیریں فرقہ وارانہ تشدد کو قابو میں رکھنے کی ہوئیں لیکن فرقہ واریت کے زہر کو زائل یا اس کے اثر کو کم کرنے کا کام، اکیلے حکومت کے بس کا نہیں۔ اس کے لیے ہر خیال اور عقیدے کے وطن دوستوں کو مشترکہ طور پر حکمت عملی طے کر کے

جمہوری اداروں کی خود مختاری کا احترام اور انتظامیہ کو سیاسی الٹ پھیر کے اثرات سے محفوظ رکھنا ہے۔ سماجی تشدد کے خصوصی خطروں کے تدارک کی سب سے مؤثر تدبیر بھی یہی ہے۔ رشوت خوری، فرقہ پرستی اور انتظامیہ کی نااہلی کے درمیان ایک جدلی رشتہ ہوتا ہے۔ رشوت، فرقہ پرستی یا کسی سیاسی دباؤ میں آکر اپنے پیشہ ورانہ مرتبے سے گر کر کام کرنے والی انتظامیہ یقیناً نااہل ہے اور اس کی یہ نااہلی فرقہ وارانہ تشدد کا سامنا کرنے میں اور بھی کھل کر ظاہر ہو جاتی ہے۔

عبوری معاشرے کی مخصوص بیماریوں ـــــ فرقہ وارانہ سیاست اور فرقہ وارانہ تشدد ـــــ کا واحد اور مؤثر علاج ماہیتی سماجی تبدیلی کو مان لینے کے بعد، اس تبدیلی کے عمل کے دوران جبلی طور پر جو تشدد مضمر ہے، اسے حد کے اندر یعنی زیادہ سے زیادہ قابو میں رکھنے کی حکمتِ عملی کا سوال سب سے زیادہ اہم ہے۔ ہم کہہ چکے ہیں کہ اس سلسلے میں سب سے موثر تدبیر عوام کے دماغوں پر سماجی تبدیلی کی سیاسی ساکھ کو جمائے اور ان کے دلوں کو اس تبدیلی کے یقین سے گرمائے رکھنا ہے تاکہ دوسری عصبیتوں کے پھندے میں ان کے پڑنے کا امکان ہی باقی نہ رہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی کسی بھی صورتِ حال کا سامنا کرنے کے لیے پیشہ ورانہ معیار سے اہل ترین اور نہایت ہی باصلاحیت انتظامیہ کو بھی ہر وقت چاق و چوبند رکھنا ضروری ہے۔

یہ حقیقت بھی ہمارے تجربے میں آچکی ہے کہ فرقہ وارانہ فسادات کے درمیان ہونے والے انسانیت سوز واقعات سماج کی فرقہ وارانہ ذہنیت سے زیادہ اس کی تشدد پسندی کی علامت ہوتے ہیں۔ اس لئے فرقہ وارانہ تشدد کو دبانے کے لیے بھی وہی طریقے موثر ہو سکتے ہیں جو دوسری طرح کے تشدد کو دبانے میں موثر ثابت ہوتے ہیں مگر اس معاملے میں انتظامی مشینری کا دوسرے معاملات کے مقابلے میں زیادہ بہتر، باصلاحیت، اہل اور تجربہ کار ہونا ضروری ہے۔

یہاں پر انتظامیہ سمیت ان روایتی اداروں کے ساتھ رویہ اپنانے کا سوال بھی بہت نازک اہمیت اختیار کر لیتا ہے جو مطلوبہ تبدیلی کے ساتھ پورے طور پر کام نہیں کر سکتے

حیدرآبادی سیّاح

ہندستان میں

یہ وہ زمانہ ہے کہ حیدرآباد کی ریاست
ہندستان میں حیدرآبادیوں کے لیے ہندستان
سے الگ ایک سلطنت تھی۔ باہر لوگ کم نکلتے
تھے اور نکلتے تھے تو ایسے جیسے کہ غیر ممالک کے
سفر پہ جا رہے ہوں۔

—— ع ۔ ب

—عطیۂ:—

جناب عبدالصمد خاں صاحب

ڈائرکٹر اردو ریسرچ سنٹر، حیدرآباد

بڑے صبرو استقلال کے ساتھ کارروائی کرنی ہوگی اور ہر جہت سے پوری ہوشمندی کے ساتھ اس پر حملہ کرنا ہوگا۔ مختلف النسل، مختلف المذاہب اور مختلف السانی معاشرے کی سماجی بنیادوں پر قایم ہندوستانی قومیت کو اپنی ارتقا کے ہر مرحلے پر طرح طرح کے نسبتی اقسام پر قایم بہت سارے جماعتی تشخصات کا سامنا کرنا پڑا ہے، جن میں سے اکثر مسخ ہوکر بالکل زوال پرست بن گئیں لیکن اسے نظرانداز نہیں کیا جاسکتا کہ انھوں نے ابتدا میں دقیانوسی سماج کی نابرابری اور بے انصافیوں کا پردہ چاک کرنے اور قومیت کی تشکیل میں نقطۂ اتصال کا کام کرنے کا اہم ترقی پسندانہ رول بھی ادا کیا ہے۔

اصل میں فرقہ واریت کا ترقی پسند یا زوال پرست قوت کی حیثیت سے تعین اس کی داخلی، تاریخی مناسبت ہی سے کیا جاسکتا ہے۔ اس لیے فرقہ واریت کے خلاف موثر جدوجہد چلانے کے لیے اگر ایک طرف سماجی تبدیلی کے مخالف اور مراعات خصوصی کی حمایت کرنے والی فرقہ وارانہ جماعت بندیوں پر سخت سے سخت نظریاتی حملہ کرنا ضروری ہے تو دوسری جانب دقیانوسی سماج کی ناانصافی، نابرابری اور مراعات یافتہ فرقوں نے ظلم واستحصال کے خلاف آواز بلند کرنے والی فرقہ پرورگروہ بندیوں کے جائز اور مناسب مطالبات کی حمایت کرکے انھیں قومیت کے ہمہ گیر اور ترقی پسند دھارے سے ملانا بھی ضروری ہے۔

"عصری ادب"
اپریل۔ جولائی ۱۹۸۳ء

۱۸ر دسمبر یوم پنجشنبہ

۱۸ر دسمبر یوم پنجشنبہ ہماری روانگی کی تاریخ مقرر تھی۔ اسی دن ڈپارٹمنٹل کرکٹ ٹورنامنٹ کے سلسلہ میں پہلا کھیل ملٹری ٹیم سے ہونے والا تھا۔ کھیلنے والوں میں میں بھی شریک تھا لہذا دس بجے کے قریب اپنے نہ کھیل کی اطلاع کرنے اور بشیر الدین صاحب کو دفتر کی کنجی حوالے کرنے کے لیے فتحمیدان گیا۔ کھیل شروع ہوچکا تھا ہماری ٹیم ایک کی کمی سے فیلڈنگ کر رہی تھی۔ محفوظ میں سے کوئی بھی نہیں آیا تھا اسلیے مجبوراً مجھے شریک ہوجانا پڑا۔

سوا بارہ بجے تک ملٹری کے سب لوگ آوٹ ہوگئے اور ہمارے کھیلنے کی باری آئی۔ ایک کھلاڑی کے آؤٹ ہونے پر میں گیا لیکن بہت جلد "کاٹ آوٹ" ہوگیا اس کی وجہ "اسکور" کرنے کا تو موقع نہیں ملا البتہ اپنی ٹیم کی اتنی خدمت کرسکا کہ "دو" "اوور" "بالنگ" کی اور دونوں مرتبہ ایک ایک وکٹ لے لیا۔ کھیلتے وقت داہنے پیر کے ٹخنہ میں چوٹ بھی آگئی۔ غرض ایک بجے جب لنچ کا وقت آیا تو میں گھر واپس ہوا یہاں سعید الدین خانصاحب، امتیاز حسین صاحب اور عبدالوحید صاحب موجود تھے۔ میں نے جلد جلد باقی سامان باندھ کر اسٹیشن روانہ کر دیا۔ ساڑھے تین بجے

انہوں نے بجائے لیٹنے کے بیٹھے ہی رہنے کو ترجیح دی کیونکہ انہیں ایک بجے اترنا تھا اور لیٹنے کی صورت میں نیند اور نیند جیسے منزل سے آگے بڑھ جانے کا ڈر لگا ہوا تھا۔ بہت ممکن ہے کہ جگہ کی قلت بھی ان کے اس ارادہ میں معاون ہی ہو غرض دس بجے تک ہم سب اپنے اپنے بستروں پر دراز ہو چکے تھے۔ مہدی صاحب کی صرف اتنی خاطر کی کہ ان تنہا نہیں چھوڑا بلکہ لیٹے ہی لیٹے ان سے باتیں کرتے رہے اگر کبھی باتیں کرتے کرتے کوئی سو جاتا تو ٹھٹھا مار کر ار کر اسے جگا دیتے تھے البتہ عبد اللطیف صاحب اور سعید الدین خاں صاحب اس خاطر داری سے محفوظ تھے کیونکہ دونوں اوپر کے برتھوں پر سو رہے تھے۔ بارہ بجے رگھوبیر جی صاحب بالکل سو گئے اور مہدی صاحب کی منزل آنے میں اور طاہر صاحب نیم بیداری کی حالت میں پڑے رہے ان کے اتر جانے کے بعد اندر سے کھٹکا لگا لیا اور بس اطمینان سے سو رہے۔

دسمبر یوم جمعہ

صبح کو ساڑھے چھ بجے ہنگن گھاٹ پہنچے اور سب جا کر ناظم صاحب کو سلام کر آئے اس کے بعد حوائج ضروری فارغ ہو گئے۔ ناشتہ کرنے کے لیے وردھا اسٹیشن پر انجن سے گرم پانی منگوا کر چار دم کی لیکن کچھ اچھی نہیں بنی نو کے قریب ناگپور پہنچے اور یہاں صبح کی چار کی کسر نکالی۔

اسی گاڑی سے عثمانیہ یونیورسٹی کے رجسٹرار حمید احمد صاحب انصاری بھی ایجوکیشنل کانفرنس میں جو بنارس ہونے والی تھی شریک ہونے کے لیے سفر کر رہے تھے۔ ان کے ساتھ ان کے ایک بھتیجے بھی تھے جو اپنے بھائی کے زنانہ وطن پہنچانے جا رہے تھے۔ ان کی دوستی سے الہ آباد تک ہم کو پانوں کا بہت آرام رہا اور اسٹیشن پان کھانے سے محفوظ رہے۔ دوپہر کا کھانا ایک بجے اٹلہ جنکشن پر پہنچ کر کھایا۔

ٹھیک چار بجے اٹارسی پہنچے۔ یہاں ہمکو گاڑی بدلنا تھی کیونکہ جس ڈبہ میں ہم سوار ہوئے تھے وہ راست ہی جا رہا تھا۔ دوسری گاڑی ساڑھے نو بجے رات کو ملتی تھی اس لیے سب سامان فرسٹ کلاس ویٹنگ روم میں کھا اسٹیشن پر اترنے کے بعد سے ایک ہوٹل کا آدمی ہمارے ساتھ ساتھ لگا ہوا تھا یہاں پہنچ کر اسے رات کے کھانے کے فرمائش کی۔ بڑی تلاش کے بعد ایک حجام ملا جس سے خط بنوایا۔

ہوشنگ آباد

وقت بہت کافی تھا اس لیے وقت گزارنے کے لیے ایک موٹر لاری پر ہم سب ہوشنگ آباد روانہ ہوئے۔ موٹر تھی اور اپنی ہیئت کذائی سے اپنے موجد مسٹر فورڈ کی عمر کا پتہ دے رہی تھی۔ تمام جوڑوں کے ڈھیلے ہو جانے سے

یہ لوگ بھی اسٹیشن روانہ ہو گئے اور چار بجے کے قریب ناظم صاحب، مرزا محسن بیگ صاحب، ابوالحسن قیصر صاحب، نواب جعفر حسین خاں صاحب، نواب تراب علی صاحب، میں اور بشیر میاں وغیرہ نامپلی اسٹیشن روانہ ہوئے۔ اسٹیشن پر خدا حافظ کہنے کے لیے لوگوں کا کافی مجمع تھا۔ یہاں حسب عادت قدیمہ مولوی عبدالحمید صاحب نے ضامنی باندھ کر ہم کو امام ضامن کے سپرد کیا۔ گاڑی دس منٹ لیٹ ہو گئی تھی اس لیے گارڈ کی سیٹی کے ساتھ ہی چل پڑی اور ہمیں رخصت کرنے والوں کو چھوڑ چلتی گاڑی میں دوڑ کر سوار ہونا پڑا۔

ڈبہ رزرو تھا اور اس میں صرف چار برتھ تھے، ہم پانچ آدمی تھے ڈبہ چھوٹا تھا اور سامان زیادہ اس لیے بہت تنگی سے بیٹھنا پڑا۔ فرسٹ کلاس میں ناظم صاحب، اب قاسم اللہ صاحب مددگار دفتر دیوانی اور مولوی محی الدین محمود صاحب نائب ناظم بیٹھے تھے۔ اسی سے ملحق سکنڈ کلاس میں ہم لوگ تھے اور قریب کے تیسرے درجہ میں سب چپراسی

پونے پانچ بجے ہم سکندر آباد پہنچے۔ یہاں بھی ناظم صاحب کو خدا حافظ کہنے کے لیے اکثر اصحاب آئے تھے۔ گاڑی چلنے سے پہلے ناظم صاحب کی روانگی کے متعلق میں نے مرزا پور تار روانہ کر دیا۔ یہاں ایک اور لطیفہ یہ ہوا کہ سب لفٹنٹ محمد مہدی بھی ہمارے ساتھ ہو گئے۔ یہ آصف آباد جانے والے تھے جہاں گاڑی ایک بجے رات کو پہنچی تھی۔ سکندر آباد سے روانہ ہونے کے بعد طاہر صاحب[1] اور عبداللطیف صاحب کی تہذیب و ترتیب، سعید الدین[2] خاں صاحب کی تنظیم رائے رگھوبیر[3] علی صاحب کے سابقہ تجربوں کی وجہ سے تھوڑی دیر میں سب سامان جم گیا اور اتنی گنجائش نکل آئی کہ مجھے[4] بھی ان کے حسن انتظام کی تصدیق و اعتراف کرنا پڑا۔

رات کو آٹھ بجے قاضی پیٹھ پہنچے اور وہاں کھانا شروع کیا۔ اسی شب کو کالج میں طلبائے قدیم کا سالانہ ڈنر تھا اور اس میں شریک ہونے کے لیے ہم سب چندہ دے چکے تھے۔ ڈنر کا بھی وہی وقت تھا جس وقت کہ ہم کھانا کھا رہے تھے۔ اگرچہ یہاں سب کے ساتھ بہت عمدہ عمدہ اور لذیذ چیزیں تھیں لیکن کھانا ختم کرنے تک کالج ڈنر کی باتیں ہوتی رہیں اور سب کو اسی کی یاد ستاتی رہی۔

کھانے کے بعد دوسرا اور اہم سوال سونے کا تھا۔ یہاں پہلے ہی سے پانچویں برتھ کا قحط تھا کہ ایک چھٹے بھی ہمسفر ہو گئے تھے۔ عبداللطیف صاحب کے ساتھ ایک سفری پلنگ تھا جسے سامان جماتے وقت دیکھ کر ہم سب کو ہنسی آگئی تھی لیکن اب ہم کو بہت جلد نادم ہونا پڑا جبکہ پانچویں برتھ کا سوال اسی پلنگ سے حل ہوا۔ رہ گئے چھٹے صاحب

[1] و [2] منتظم صیغۂ تہذیب [3] منتظم صیغۂ انتظامی [4] منتظم صیغۂ تاریخ [5] منتظم صیغۂ عطیات و تصدیق

تقریباً پون گھنٹہ کشتی کی یہ سیر ہوتی رہی اس درمیان میں مغرب کا وقت ہو گیا تھا سورج غروب ہو رہا اور اس کی وجہ سے منظر بہت ہی پر لطف و پر کیف بن گیا تھا۔ اندھیرا ہونے کے بعد پھر اسی مقام پر آئے جہاں وار ہوئے تھے اور اٹارسی واپس روانہ ہوئے۔

اٹارسی کوئی بہت بڑا مقام نہیں ہے بلکہ بہت بڑا جنکشن ہے یہاں اور اس کے قرب و جوار خاص کر بھساول وز بہت عمدہ اور شیریں ہوتے ہیں اور ان کا چھلکا بھی بہت باریک اور سبز ہوتا ہے۔ یہاں پہنچ کر آنے جانے کا پانچ کرایہ موٹر ادا کیا۔ کھانا بھی تیار ملا۔ ناظم صاحب محی الدین محمود صاحب اور قاسم الدین صاحب رفرشمنٹ روم ھانے چلے گئے کیونکہ وہاں آرڈر دے چکے تھے۔

ساڑھے نو بجے یہیں سے تیار ہو کر الٰہ آباد گاڑی جاتی تھی۔ ڈبہ منتخب کرنے میں حیدر آباد میں جو غلطی تھی وہ سب کے پیش نظر تھی اس لیے کھانے سے فارغ ہو کر سب سے پہلے فرسٹ کلاس اور پانچ برتھ والے سکنڈ کلاس نہ کر لیا پہلے سب بستر روانہ کر کے بچھوا دیئے اور اس کے بعد باقی سامان روانہ کروایا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نک بہت آرام سے سوتے رہے۔

دسمبر ۱۹۲۰ء یوم شنبہ

صبح چھ بجے ہماری گاڑی سٹنا پہنچی یہاں ہم لوگ عالی جناب ناظم صاحب کو سلام کرنے گئے لیکن وہ تلاوت مصروف تھے لہٰذا واپس آکر حوائج ضروری سے فارغ ہوئے۔ ساڑھے سات بجے مانک پور جنکشن پہنچے اور ناشتہ یار منگانے میں ذرا سستی کی جس کی وجہ سے الٰہ آباد پہنچنے تک انتظار کرنا پڑا۔ ٹھیک دس بجے ہم الٰہ آباد پہنچے۔

آباد

یہاں جی۔ آئی۔ پی ریلوے ختم ہو جاتی ہے لہٰذا اٹارسی کی طرح یہاں بھی گاڑی بدلنا تھی۔ بہ نظر سہولت ناظم صاحب دن کو پٹنہ پہنچنا چاہتے تھے اس لیے رات کی دس بجے والی گاڑی سے روانگی قرار پائی۔ وقت بہت تھا اس لیے سامان رکھانے کے بعد سب سے پہلے چاء کی تلاش میں نکلے۔ ایک پلیٹ فارم پر ملی تو لیکن نہایت بدمزہ وڑ کر پلیٹ فارم کے آخر تک چلے گئے اتفاقاً پلیٹ فارم کے آخری سرے پر ایک خوشنما ہوٹل نظر آیا جس میں وں اور مسلمانوں کے لیے علیحدہ علیحدہ انتظام تھا۔ اندر بھی بہت ستھرا اور صاف سامان نظر آرہا تھا لہٰذا ں آرا فوراً گھس پڑے۔ یہ ہوٹل دہلی کے "کارونیشن ہوٹل" کی شاخ ہے۔ ای۔ آئی۔ آر کے تقریباً تمام بڑے اسٹیشنو ں شاخیں قائم ہیں۔ یہاں کے منیجر ایک مسلمان نوجوان تھے اور اصول منیجری سے خوب واقف تھے۔

اس کی رفتار میں ایک ہیبتناک موسیقی پیدا ہوگئی تھی۔ ہر چوتھے پانچویں میل پہ انجن تھک جاتا اور العطش کے نعرے لگانے لگتا تھا۔ اس کے قدر دان شوفر اور کلینر نے بھی پٹرول کے ڈبوں میں پانی بھر رکھا تھا اور ہر ایسے موقع پر ایک ڈبہ انڈیل دیا کرتے تھے۔ جتنی دیر ہمارا انجن پانی پیتا تھا ہمارے کانوں، ہاتھوں بلکہ سارے جسم کو بھی تھوڑی دیر کے لیے سکون ہو جاتا تھا۔ چونکہ سب ایک ہی کشتی پہ سوار تھے لہٰذا شکایت کا بھی کوئی موقع نہیں تھا اگر ہم میں سے تنہا کوئی یہ سفر کرتا تو اسے بہت کھل جاتا لیکن بقول شخصے "مرگ انبوہ جشنے دارد" ہم اپنی اور آپس کی تکلیف کو بجائے محسوس کرنے کے اس سے محظوظ ہو رہے تھے۔ موٹر کے حق میں یہ بڑی ناانصافی ہوگی اگر یہ نہ بتایا جائے کہ سڑک بھی خراب تھی۔

ہوشنگ آباد اٹارسی سے گیارہ میل پر دریائے نربدا کے کنارے واقع ہے غالباً یہ بھوپال کی سرحد میں ہے کیونکہ جب ہم اس کے قریب پہنچے تو محصول خانہ کی چوکی پر ایک موٹر کے مسافروں کا سامان دیکھا جا رہا تھا۔ ہماری موٹر کے پہنچتے ہی شوفر نے پکار کر کہا "منشی جی دیکھ لو کچھ نہیں ہے"۔ ہم سب کی وضع و قطع سے متاثر ہو کر "منشی جی" ہماری موٹر کی طرف بڑھے لیکن فوراً ہی پہلی موٹر والے کہنے لگے کہ پہلے اسے ختم کر لو اس کے بعد جاؤ۔ "منشی جی" عجیب کشمکش میں تھے کیونکہ ہم کو بھی ممنون کرنا چاہتے تھے اور ان لوگوں کا کہنا بھی ٹھیک تھا۔ بالآخر انھوں نے اپنے فرض منصبی کو اس طرح پورا کیا کہ جہاں کھڑے تھے وہیں سے گردن اونچی کر کے موٹر کے اندر جھانکا بلکہ جھانکنے کا بہانہ کیا اور سر ہلا کر پہلے ہماری موٹر کو پروانۂ راہداری دے دیا۔

آبادی یا مکانات کے لحاظ سے یہ کوئی قابل دید مقام نہیں ہے اور نہ یہاں کوئی قدیم عمارت ہے بلکہ ہمارا مقصد دریائے نربدا کی سیر تھی۔ دریا کے کنارے بہت اچھے گھاٹ بنے ہوئے ہیں یہیں گھاٹ پر چند پختہ عمارتیں بھی ہیں جن کا نام تلک بھون ہے یہ عمارتیں زائرین کے ٹھیرنے کے کام آتی ہیں۔ یہاں مچھلیاں پکڑنے کی سخت ممانعت ہے بلکہ لوگ چنے اور آٹا وغیرہ ڈالا کرتے ہیں جس کی وجہ سے تمام مچھلیاں تقریباً پالو اور نڈر ہوگئی ہیں چنانچہ جس وقت ہم نے چنے ڈالنا شروع کیے تو بہت بڑی بڑی مچھلیاں بھی بکثرت اوپر آگئیں اور دوڑ دوڑ کر کھانے لگیں ان مچھلیوں کی ایسی ضیافت کی گئی کہ چنے والے کے سب چنے جن کو وہ دوسرے دن بھی بیچتا سب ختم ہوگئے۔

پندرہ بیس منٹ تک یہی تفریح ہوتی رہی ایک کشتی والا بھی امیدیں لگائے کھڑا تھا اشارہ پاتے ہی کشتی کنارے لا لگائی اس میں ہم سب سوار ہوگئے۔ یہ کشتی تفریح کرنے کی نہ تھی بلکہ اس پہ ندی کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے پر سامان منتقل کیا جاتا تھا اسی وجہ سے کرایہ بھی بہت تھوڑا یعنی فی کس آدھ آنہ تھا۔

ہے ممکن ہے کہ اندر سے عمارت بہت شاندار ہو لیکن بظاہر اس میں کوئی خصوصیت نہیں معلوم ہوتی تھی علاوہ
اس کا محل وقوع بھی بہت خراب مقام پر ہے۔ اطراف کی آبادی معمولی لوگوں کی ہے اور ان کے معمولی مکانون
اس کے اطراف کے منظر کو بہت ہی خراب بنا رکھا ہے۔

اس پر سے ہوتے ہوئے ہم قلعہ کی سڑک پر آئے۔ یہاں کا قلعہ دریا کے کنارے واقع ہے اور اس کے سامنے
وسیع میدان پڑے ہیں جن کی گھانس فوجی گھوڑوں کے کام آتی ہے۔ قلعہ میں جانے کی اجازت نہیں ہے لہذا ہم
دریا کی طرف روانہ ہوئے۔ دریا سے تقریباً دو فرلانگ پر راستے میں چند کشتی والے شکار کے انتظار میں بیٹھے تھے
اتنی بڑی جماعت کو دیکھ کر کئی ایک ٹانگوں کے ساتھ دوڑنے لگے لیکن پھر صرف تین ہی آئے۔ بہر حال ان
میں قلعہ کے پاس سے سوار ہو کر گنگا کی طرف روانہ ہوئے۔ اس کشتی میں بیٹھنے کا انتظام بہت اچھا تھا۔

جمنا کا پانی بالکل سبز تھا جب گنگا کے قریب پہنچے تو اس کے پانی کا ایک سفید وسیع تختہ نظر آیا۔ جس مقام
دونوں دریا ملتے ہیں وہاں بھی دونوں کا پانی تھوڑی دور تک علیحدہ علیحدہ بالکل صاف نظر آتا ہے۔ سنگم کی
خاص جگہ مقرر نہیں ہے بلکہ دونوں دریا کے سست و تیز بہاؤ پر آگے پیچھے ہٹا دیتا ہے۔ گنگا کے کنارے ایک جگہ
رنگ کے بہت سے جھنڈے اڑتے نظر آئے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ پنڈتوں اور سادھوؤں کے جھنڈے
اپنے جھنڈے کے رنگوں سے پہچانے جاتے ہیں۔

ہمارے سوا اور بھی کشتیوں پر تفریح کر رہے تھے۔ اس وقت اگرچہ ایک بجا تھا اور دھوپ بھی نکلی ہوئی
لیکن کشتی کی سیر میں خوب لطف آیا۔ سنگم سے گزر کر ایک جگہ تھوڑی دیر ٹھیرے جہاں کچھ لوگ نہا رہے تھے اس
کے بعد واپس ہوئے۔ گنگا کا پانی اگرچہ سفید تھا لیکن جمنا کی طرح صاف نہیں تھا۔

نربدا کی کشتی کے کرایہ کے اندازہ پر یہاں کرایہ دریافت کئے بغیر ہم کشتی پر سوار ہو گئے تھے۔ اس سے
والوں نے پورا فائدہ اٹھانا چاہا اور ایکدم دس روپے طلب کیے۔ یہ کرایہ بہت زیادہ تھا اس لیے ٹانگے والو
سے معاوضہ دریافت کر کے انکو چار روپے دیئے اور شہر کی طرف روانہ ہوئے۔

مختلف محلوں سے ہوتے ہوئے خسرو باغ پہنچے۔ یہ باغ آبادی میں ایک وسیع کمپاؤنڈ کی دیوار سے گھرا
اور اس کے اندر شہزادہ خسرو، اس کی ماں جودھ بائی اور تنبول بیگم (شاہی پان والی) کے مقبرے ہیں۔
باغ کی روشوں اور چمن میں اب مغلیہ نشانات نہیں ہیں ان میں کوئی خاص دلکشی بھی نہیں ہے۔
میں زمانہ جدید کی دست اندازیاں بہت نمایاں ہیں لیکن جہاں جہاں قدیم نشانات باقی ہیں ان سے

ابھی ہم چاء سے فارغ بھی نہ ہونے پائے تھے کہ جناب ناظم صاحب، محی الدین محمود صاحب اور قاسم الدین صاحب بھی وہیں آگئے۔ وہاں کی صفائی اور انتظام کو دیکھ کر عالی جناب ناظم صاحب نے دوپہر اور رات کے کھانے کے لیے ایک دم آرڈر دیدیا۔ چاء پینے کے بعد تین تانگے کرایہ کر کے الٰہ آباد کا شہر دیکھنے کے لیے روانہ ہوئے۔ یہیں ہم کو "لارڈ ولنگڈن" کے آئندہ وائسرائے مقرر ہونے کی خبر معلوم ہوئی۔

اسٹیشن کے جنوب جانب شہر کی آبادی ہے اور شمال جانب سرکاری دفاتر اور سیول لائن وغیرہ۔ ہماری تفریح شمال جانب "کوئنس روڈ" Queen's Road سے شروع ہوئی۔ سب سے پہلے ہمیں یہاں کا ٹیلی گراف آفس ملا جو بہت اچھا بنا ہوا تھا اس کے بعد صفائی کا دفتر پولس اسٹیشن اور ہائی کورٹ کی عمارتیں ملیں۔ اس سڑک کو طے کرنے کے بعد ہم "ایلجن روڈ" Elgin Road پر پہنچے اس پر الٰہ آباد بینک۔ پولس کمشنری۔ سکرٹیریٹ، دفتر مالگذاری اور دفتر صدر محاسبی کی عمارتیں ایک ہی جگہ آمنے سامنے بنی ہوئی ہیں۔ دفاتر کا سلسلہ یہاں ختم ہوگیا اور اس کے بعد "تھارن ہل روڈ" Tharne Hill Road سے سیول لائن شروع ہوئی ہے۔ ادھر میو ہال Mayo Hall اور "ایسٹرن کلب" Eastern Club ایک دوسرے کے سامنے واقع ہیں تھوڑی دور آگے "رومن کیتھلک" Roman Catholic کا ایک بڑا گرجا بنا ہوا ہے جس کے اوپر حضرت عیسیٰ کا مجسمہ بھی ہے۔

یہاں کی عمارتوں میں ایک خاص بات نظر آئی یعنی سرکاری عمارتیں سب سرخ اینٹ کی بنی ہوئی ہیں اور خانگی مکانات چونے اور پتھر کے۔ سرکاری دفاتر کی عمارتیں اگرچہ بہت خوبصورت اور شاندار ہیں لیکن ان کو بری طرح ختم کیا گیا ہے یعنی ان کی چھتیں بجائے گچ اور چونے کے ٹائلس کی بنائی گئی ہیں۔ کالج اور یونیورسٹی کی عمارت بہت عمدہ ہیں اور پتھر کی بنی ہوئی ہیں خاص کر میو کالج Mayo College بہت شاندار ہے۔ یونیورسٹی کی عمارت پر کانگریس کا جھنڈا اڑ رہا تھا۔ سارے سفر میں صرف یہی ایک مقام تھا جہاں ہندوستان کی موجودہ سیاسی حالت عملاً نظر آئی۔

خانگی مکانات میں کوئی خصوصیت نہیں ہے البتہ سب کے ساتھ بہت وسیع کمپاؤنڈ ہیں اور ان میں عمدہ چمن بندی ہے۔ سڑکیں سب ڈامبر کی بنی ہوئی ہیں لیکن ان کے کنارے کافی گرد بھی موجود تھی۔

یہ سب عمارتیں دیکھتے ہوئے ہم پنڈت موتی لال نہرو کے مشہور مکان "آنند بھون" کے سامنے پہنچے۔ جب سے پنڈت جی نے اسے کانگریس کے حوالے کر دیا ہے اسوقت سے اس کا نام "سوراج بھون" ہوگیا ہے جیسا کہ

ر خوب کھائی گئیں۔ گاڑی کی روانگی کا وقت دس بجے کا تھا لیکن بیس منٹ دیر سے آئی مسافروں کی کثرت تھی۔
وجود کوشش کوئی خالی ڈبہ نہیں ملا مجبوراً ایک ڈبہ میں جس میں دو مسافر سوار ہو چکے تھے ہم سب گھس گئے اور
لہ آباد سے آگے روانہ ہوئے۔

جیسی کہ اس کی شہرت ہے اور اس لحاظ سے بھی کہ صوبہ اودھ کے زرخیز خطہ کا وہ دار الحکومت ہے۔
لہ آباد کو دیکھ کر ایک نو وارد شخص کو مایوسی سے دوچار ہونا پڑے گا خاص کر اس شخص کو جو لکھنو بھی دیکھ چکا ہے۔
نگا اور جمنا کا سنگم الہ آباد کو ایک بہترین قدرتی عطیہ ہے ہر سال یہاں ہندوؤں کا ماگھ میلہ ہوتا ہے جس میں
دور دور کے شہروں سے لوگ آتے ہیں۔ ہر بارہ برس کے بعد ایک اور میلہ ہوتا ہے جو "کمبھ میلہ" کہلاتا ہے اس میں
لاکھوں آدمیوں کا مجمع ہوتا ہے چنانچہ دو ڈھائی سال قبل یہ میلہ ہوا تھا اور اخبارات میں چار پانچ لاکھ کے مجمع
کا اندازہ بتایا گیا تھا۔ ایسے اہم مقام پر بھی ایک بڑی خامی یہ رکھی گئی ہے کہ کنارے کوئی گھاٹ نہیں بنایا گیا ہے
جس کی وجہ سے کنارے کا منظر بد نما ہو گیا ہے۔

یہاں کی ایک خاص چیز 'امرود' ہے جس کی تعریف اکبر مرحوم نے یوں کی ہے۔

کچھ الہ آباد میں ساماں نہیں بہبود کے
یاں دھرا کیا ہے بجز اکبر کے اور امرود کے

ایسی مشہور چیز اسٹیشن پر اور بازاروں میں بکثرت تھی ان کی تراوٹ اور خوشنمائی خواہ مخواہ طبیعت کو
اپنی طرف راغب کرتی تھی لیکن غریب الوطنی میں نزلے کے خوف سے جاتے اور آتے دونوں وقت وہی مضمون رہا کہ دریا
کو گئے اور پیاسے آگئے۔

مرزا پور

دس بجے الہ آباد سے روانہ ہو کر بارہ بجے گاڑی مرزا پور پہنچی۔ حسب اطلاع اسٹیشن پر شمس الدین وغیرہ
موجود تھے ان کو ناظم صاحب سے ملانے کے بعد میں بھی یہاں اتر پڑا اور دوسرے دن پھر اسی گاڑی سے پٹنہ روانہ ہو گیا۔

اس زمانہ کی پختہ کاری اور خوبصورتی کا کافی ثبوت ملتا ہے۔ فرش اور دیواروں پر بجائے گچ اور چونے کے سمنٹ جیسے مصالح سے کام لیا گیا ہے اور اسی پر طرح طرح کے گل و بوٹے بہت نزاکت سے بنائے گئے ہیں۔ مقبروں میں اندر چاروں طرف بہت ہی خوشخط منبت حروف میں عبرت آموز اشعار لکھے ہوئے ہیں۔ ان کی حفاظت اور صفائی کا معقول انتظام نہیں ہے جس سے وہاں ایک ویرانی برستی ہے۔

یہاں تقریباً ایک گھنٹہ ٹھیرے، وقت بہت زیادہ ہو گیا تھا اس لیے سیدھے اسٹیشن روانہ ہوئے چوک کے قریب ایک بہت ہی خوبصورت مسجد ملی جو یہاں کے ایک تمباکو فروش نے بنوائی ہے اور اسی کے نام سے مشہور ہے۔ مسجد کا زیادہ حصہ مکان کے مشابہ ہے لیکن بہت خوبصورت ہے۔ تین بجے کے قریب اسٹیشن پہنچے جہاں ایک بجے سے ہمارا انتظار ہو رہا تھا۔ کھانے سے قبل میں نے اپنے آنے کے متعلق مرزا پور تار روانہ کیا۔ کھانے میں بہت دیر ہو گئی تھی اور معدہ بے چین تھا اس لیے ہاتھوں اور منہ نے خوب پھرتی دکھائی۔ ناظم صاحب وغیرہ کھانے میں شریک نہیں ہوئے بلکہ صرف چار پی لی اور ویٹنگ روم میں چلے گئے۔

نماز وغیرہ سے فارغ ہو کر عالیجناب ناظم صاحب مولوی محی الدین محمود صاحب اور مولوی قاسم الدین صاحب پھر تفریح کے لیے روانہ ہو گئے۔ ان کے جانے کے بعد ہم لوگ خطوط بازی میں مشغول ہو گئے کیونکہ گھروں سے نکلے ہوئے کامل اڑتالیس گھنٹے ہو چکے تھے۔ میں نے بھی ایک خط حیدرآباد اور دوسرا کاکوری لکھ ڈالا۔ اس سے فارغ ہو کر مغرب کے قریب ہم لوگ بھی ٹہلتے ہوئے چوک کی طرف روانہ ہوئے۔ مغرب بعد اوپر سے شبنم گر رہی تھی اور نیچے سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ (حلوائی اور بعض قلن بیچنے والوں کی دکانوں سے) دونوں کی ترکیب کچھ ایسی ہوئی کہ سب کی آنکھیں جلنے لگیں۔ چوک سے میں نے سعید الدین صاحب اور عبد اللطیف صاحب نے مخملی جوتے خریدے اور اسٹیشن واپس ہوئے۔

یہاں اس وقت کالج کے ایک قدیم ساتھی مسٹر وینکٹ رام نرسیا سے اتفاقاً ملاقات ہوئی جو پٹنہ سے حیدرآباد جا رہے تھے۔ ان کے ساتھ ویٹنگ روم میں آیا ناظم صاحب وغیرہ بھی واپس آ چکے تھے اور کچھ کام میں مصروف تھے۔ لہذا میں اور وینکٹ رام اسٹیشن پر ٹہلتے رہے۔ ہماری منزل مقصود معلوم کر کے انھوں نے پٹنہ جنکشن پر اترنے کی صلاح دی اور کہا کہ کمیشن کے اجلاس بانکی پور میں ہوں گے جس کا اسٹیشن یہی جنکشن ہے۔ میں نے کہا کہ کمیشن کے سکریٹری صاحب کو اطلاع دیدی گئی ہے اب وہ مناسب جگہ اتاریں گے۔ ان کی اس صلاح سے مجھے بعد کو بڑی مدد ملی۔ آٹھ بجے کے قریب ہم کھانا کھانے روانہ ہوئے۔ تمام چیزیں خاص طور پر تیار کرائی گئی تھیں اس لیے بہت اچھی

انہ ہوئے۔ پہلے دائیں جانب کی آخری عمارت تک جو نصف میل تک ہوگی گئے اور اس کے بعد واپس ہوکر گھاٹ
عالمگیری مسجد جو "دھریرہ مسجد" کے نام سے مشہور ہے گئے۔ یہ فاصلہ ایک میل سے زیادہ ہوگا۔

الٰہ آباد کے برخلاف یہاں دریا کے کنارے برابر پختہ گھاٹ بنے ہوئے ہیں اور ان کے بعد ہندوستان
مختلف راجاؤں مثلاً جے پور، جودھپور اور اندور وغیرہ کی اونچی اونچی کوٹھیاں بنی ہوئی ہیں جن میں سے اکثر کوٹھیوں
حصے کرائے پر بھی دیئے جاتے ہیں۔

ان تمام گھاٹوں کے منجملہ ایک اور گھاٹ بھی ہے جسے لکھنؤ کے آغا میر نے بنوایا تھا اور جو انھیں کے نام سے موسوم ہے۔
رف یہی گھاٹ مسلمانوں کے نہانے کے لیے مخصوص ہے۔ ان گھاٹوں پر زیادہ تر صبح کو مجمع ہوتا ہے لیکن اس وقت بھی کافی
ں تھے اور عجیب عجیب طریقوں سے اپنی خوش اعتقادی کا اظہار کر رہے تھے۔ کوئی نہا کر اپنے کو گناہوں سے پاک کر رہا
ا کوئی مراقبے میں بیٹھا تھا اور کوئی پانی کی طرف ہاتھ جوڑے ہوئے اپنی عاجزی اور انکساری کا اظہار کر رہا تھا۔ بہت
ے لوگ بھجن سننے میں مصروف تھے۔ یہ سب ایک طرف تھا اور میر گھاٹ پر میر صاحبان مچھلی کے شکار میں مصروف تھے۔
یح تو یہ ہے کہ کنارے کا پانی اسقدر غلیظ نظر آرہا تھا کہ شاید ہی کوئی مسلمان نہانے کی ہمت کرتا ہو۔

ان میں سے ایک گھاٹ مردوں کے جلانے کے لیے مخصوص ہے جس وقت ہم ادھر سے گزرے تو پانچ چھ مردے
ل رہے تھے۔ تین چار جل چکے تھے اور دو تین کی تیاری ہو رہی تھی صرف سادھوؤں اور بچوں کی لاشیں جلائی
ہیں جاتی ہیں بلکہ پتھر باندھ کر بیچ دریا میں ڈبو دی جاتی ہیں۔

دریا میں سے علاوہ گھاٹ اور راجاؤں کی کوٹھیوں کے ایک اور عجیب منظر نظر آرہا تھا اور یہ بانس کی بڑی
ڑی چھتریوں کا جنگل تھا جن کے نیچے دن کو سادھو بیٹھ کر پڑھتے اور عبادت کرتے ہیں۔

تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ تک کشتی کی یہ سیر ہوتی رہی۔ کنارے اتر کر دو روپئے کرایہ جو الٰہ آباد کے کرایہ کے نصف
تھا ادا کیا اور موٹر میں روانہ ہوئے۔ یہاں بعض حضرات کو دکانیں دیکھنے اور کچھ خریدنے کا شوق ہوا۔ چنانچہ عالیجناب
ناظم صاحب سے اجازت لے کر چوک میں "گیان باقی" مسجد کے پاس موٹر ٹھہرائی پہلے مسجد دیکھی اور اس کے بعد
بازار کی طرف متوجہ ہوئے۔ . . . . .

. . . .

مذہبی اعتبار سے بنارس اگرچہ ہندوؤں کا مرکزی مقام ہے لیکن مسلمانوں کی آبادی بھی بہت کافی ہے۔
یہاں کی خاص صنعت ساڑیاں وغیرہ ہیں جو تمام دنیا میں مشہور ہیں۔ یہ پوری صنعت مسلمان جلاہوں کے قبضے میں

[پٹنہ سے حیدرآباد واپسی کا احوال]

دو بجے ہم لوگ مغل سرائے پہنچے۔

کھانے سے فارغ ہونے کے بعد تین بجے کے قریب اسٹیشن سے باہر نکلے۔ چھوٹی موٹریں نہ ملنے کی وجہ سے آخر ایک موٹر لاری کرایہ پر ٹھیرائی اور بنارس روانہ ہوئے۔ بنارس یہاں سے سات میل پر واقع ہے۔ مغل سرائے سے تھوڑی دور تک تو سڑک خراب ملی لیکن اس کے بعد تقریباً پانچ ساڑھے پانچ میل تک سمنٹ کی سڑک تھی اس سڑک کو دیکھ کر روم کی سڑکوں کی خصوصیت یاد آگئی جن کے متعلق زمانہ طالب علمی میں پڑھا تھا کہ وہ بالکل سیدھی ہوا کرتی تھیں۔

تقریباً بیس منٹ میں ہم بنارس کے قریب پہنچ گئے اور صرف پل درمیان میں رہ گیا۔ یہ کوئی پختہ اور سالم پل نہیں تھا بلکہ بڑے بڑے پیپوں کا تیرتا ہوا پل تھا جو گنگ و جمن پر تیر رہا تھا۔ چونکہ زیادہ چوڑا نہ تھا اس لیے صرف ایک ہی طرف سے سواریاں گزر سکتی تھیں اس کے انتظام کے لیے پل کے دونوں سروں پر آدمی دن رات مقرر رہتے ہیں۔ اتفاقاً ہماری موٹر سے پہلے دو تین اونٹ چھوڑ دیئے گئے تھے لہٰذا ان تک پہنچ کر ہماری موٹر بھی انھیں کی چال چلنے لگی اور پل پار ہونے کے لیے دس منٹ کے قریب لگ گئے۔ اس پل میں ایک خاص بات یہ ہے کہ جب پانی بڑھتا ہے تو یہ بھی اوپر اُٹھ آتا ہے اور آمد و رفت میں لوگوں کو دقت نہیں ہوتی۔ اس قسم کے پل اس نواح میں کئی جگہ بنے ہوئے ہیں۔

بنارس

پل پار ہونے کے بعد پہلے ہمیں غلہ کی منڈی ملی اور اس سے تھوڑی دور بعد چوک آیا۔ اسی دن سکھوں کا کوئی جلوس نکلا تھا جس کی وجہ سے سڑکوں کے دونوں جانب تماشائیوں کا کافی مجمع تھا۔ راستہ نہ ملنے کی وجہ سے تھوڑی دور تک ہم بھی جلوس میں شامل رہے راستہ پاتے ہی چوک کے موٹر اسٹینڈ پر پہنچے۔ وہاں حسب خواہش کوئی ٹورنگ کار نہ مل سکی اس لیے پھر اسی موٹر پر شہر کے دوسرے حصے دیکھنے کے لیے روانہ ہوئے۔

پہلے راجہ بنارس کی کوٹھی دیکھنے گئے یہ عمارت ایک وسیع کمپاؤنڈ میں ہے اور بہت شاندار بنی ہوئی ہے اور پیش کے چمن بھی بڑی خوبصورتی سے لگائے گئے ہیں۔ یہ عمارت دیکھنے کے بعد دوسرے راستے سے پھر چوک آئے اور آگے بڑھ کر ایک گھاٹ کے پاس اتر گئے۔ یہاں ایک کشتی جس کے عرشہ پر کرسیاں بچھی ہوئی تھیں کرایہ کر کے دریائی سیر

ای۔ آئی۔ آر لائن پر مغل سرائے بہت بڑا اسٹیشن ہے۔ گاڑیاں برابر آتی جاتی رہتی ہیں۔ سوائے دو تین کے
اس رات تمام مسافروں کو ہماری وجہ سے باہر ہی ٹھیرنا پڑا کیونکہ نہ فرسٹ کلاس کے ویٹنگ روم میں جگہ تھی اور نہ سکنڈ
کلاس میں۔ البتہ ہم سب رات بھر آرام سے سوتے رہے۔

یکشنبہ ۲۸ ر دسمبر ۱۹۳۰ء

صبح کو ساڑھے پانچ بجے اٹھ کر چھ بجے تک تیار ہوگئے۔ ساڑھے چھ بجے گاڑی آئی اور ہم سوار ہوکر مرزا پور روانہ ہوئے۔
راستہ میں چنار پر سے گزرے یہ مقام مغل سرائے اور مرزا پور کے درمیان واقع ہے اور مٹی کے برتنوں کے لیے بہت مشہور
ہے چنانچہ ادھر کے تمام اسٹیشنوں پر چنار کے برتن اور بنارس کا پیتلی سامان بکثرت رہتا ہے۔

مرزا پور

ساڑھے سات بجے مرزا پور پر اترے۔ یہ مقام بھی ممالک متحدہ کا ایک ضلع ہے اور گنگا وجمنا کے کنارے
واقع ہے اس کی آبادی پچاس ہزار سے زائد ہے۔ یہاں کی دو چیزیں بہت مشہور ہیں یعنی بانس کی لکڑی اور قالین۔
ہندوستان میں بہترین بانس ویلور کا مانا جاتا ہے اور وہاں کے بعد مرزا پور کا بانس بہت مشہور ہے۔ اس کی
پیداوار کی وجہ سے اطراف کے شہروں کے بیشتر لوگ لٹھ بند نظر آتے ہیں۔ بنوٹ لوگوں کو بھی یہاں بہترین لکڑیاں
دستیاب ہوتی ہیں۔

یہاں کے قالین سارے ہندوستان میں مشہور ہیں اور ان کی بکثرت برآمد ہوتی ہے۔ قابل دید چیز
یہاں کا ٹاؤن ہال ہے جو اگرچہ بہت بڑا نہیں ہے لیکن بہت خوبصورت بنا ہے اس میں خوبی یہ ہے کہ بنیاد سے لے
کر اوپر تک ساری عمارت پتھر کی بنی ہوئی ہے اور اس پر کثرت سے گل وبوٹے بنے ہوئے ہیں کہنے کو تو یہ ٹاؤن ہال ہے
لیکن اس میں عدالت کا دفتر ہے۔ یہاں کئی گھاٹ بھی بنے ہوئے ہیں لیکن سب میں "بڑا" پکا گھاٹ" ہے جس کے متعلق
کہا جاتا ہے کہ روئی کے ایک بہت بڑے تاجر نے اپنی ایک دن کی آمدنی سے بنوایا تھا۔ گھاٹ بہت مضبوط اور خوبصورت
بنا ہوا ہے لیکن ملحقہ دیول اور راستہ وغیرہ بہت غلیظ حالت میں رہتا ہے۔ بنارس کی طرح پار جانے کے لیے یہاں
بھی پیپوں کا تیرتا پل بنا ہوا ہے۔ سڑکیں کنکروں کی ہیں۔ مکانات کے دروازے عام طور پر لب سڑک واقع ہوئے ہیں۔
یہاں سے چار پانچ میل کے فاصلے پر ایک آبشار ہے جو ٹانڈا ندی سے پیدا ہوا ہے۔ اس کے قریب پانی روک کر ایک
تالاب بنایا گیا ہے اور وہی پانی شہر کے نلوں میں آتا ہے۔ ہندوؤں کی آبادی بہت زیادہ ہے۔ آبادی سے دو تین
میل کے فاصلہ پر "بندھیاچل" ایک مقام ہے جو وہاں کے دیول کے نام سے مشہور ہے۔ یہ دیول ہندوؤں کا عام تیرتھ گاہ

بہت مشہور مقام ہے لیکن اب یہاں بھی بہترین پیتلی سامان تیار ہونے لگا ہے اور ان پر میناکاری بھی بہت اچھی ہوتی ہے۔ پتھر کی چیزیں بھی یہاں کی خاص صنعت ہے۔ چھوٹے چھوٹے برتن بڑی صفائی سے بنائے جاتے ہیں۔ چوڑیاں بھی یہاں کی بہت مشہور ہیں۔

یہاں کے مکانات بہت اونچے اونچے بنے ہیں۔ سڑکیں بالکل تنگ ہیں اور بعض گلیاں تو اتنی تنگ ہیں کہ دو آدمی مشکل سے برابر برابر چل سکتے ہیں۔ ان میں سے اکثر میں کبھی دھوپ کا گزر نہیں ہوتا۔ جاڑوں اور برسات میں گلیوں کی یہ تنگی بہت تکلیف دہ ہوتی ہوگی کیونکہ جاڑوں میں گرا ہوا پانی وغیرہ بہت دیر میں سوکھتا ہوگا اور برسات میں طرح طرح کے کیڑے پیدا ہوتے ہوں گے۔ ان گلیوں میں صرف اتنی خوبی ہے کہ وہ پختہ بنی ہوئی ہیں جس کی وجہ کیچڑ نہیں ہونے پاتی۔ ایسی گلیاں زیادہ تر گھاٹ ہی کے قریب ہیں۔ بڑے مندروں کے علاوہ چھوٹے مندروں کی اتنی کثرت ہے کہ اگر ہر گھر سے متعلق ایک مندر کہیں تو بیجا نہ ہوگا۔ بنارس کی موتی جھیل اور ہندو یونیورسٹی وقت کی کمی کی وجہ سے نہ دیکھ سکے۔ رات کے ساڑھے آٹھ بجے بنارس سے مغل سرائے واپس آئے۔ دوپہر کے کھانے کے بعد اسی ہوٹل میں رات کے کھانے کے لیے بھی کہہ دیا تھا اور چند خاص چیزیں پکانے کو کہا تھا۔ مغل سرائے پہنچ کر پہلے موٹر والے کو جانے آنے اور بنارس میں پھرنے کا چودہ روپے کرایہ دیا جو اس نے بخوشی لے لیا۔ ویٹنگ روم میں پہنچ کر کھانا وہیں منگایا۔ کھانے سے قبل جناب ناظم صاحب نے مرزاپور روانہ کرنے کے لیے ایک تار لکھ کر دیا جو اسی وقت روانہ کر دیا۔

کھانے کے بعد ہم لوگ سکنڈ کلاس ویٹنگ روم میں پہنچے ہمارے بچھونے پہلے ہی سے بچھوا دیئے گئے تھے۔ ایک پر پیتلی سامان بیچنے والے بہت تھے۔ چیزیں ایسی تھیں کہ خواہ مخواہ دیکھنے کو جی چاہتا تھا۔ عبداللطیف صاحب کو ایک چیز بہت پسند آئی جس کے بیچنے والے نے چودہ روپے قیمت بتائی اور بالآخر سات روپے میں دیدی لیکن قیمت بھی دوگنی تھی یہ دیکھ کر دوسرے تمام بیچنے والے کے منہ میں پانی بھر آیا اور ہر شخص اپنی چیزیں پیش کرنے لگا۔ ہم نے بارہا انکار کیا لیکن انھوں نے چیزیں دکھانے میں کوئی کمی نہیں کی لیکن بعض تو مُصر ہونے لگے کہ خرید لیجیے پھر ایسی چیزیں نہیں ملے گی۔ بالآخر ان سے پیچھا چھڑانے کے لیے ویٹنگ روم میں چلے گئے لیکن یہ لوگ وہاں بھی گھس آئے اور چھوٹی چیز سے لے گز گز برابر کے کونڈوں کے اسٹینڈ تک کی نمائش قائم کر دی۔ بڑی مشکلوں سے ان کو باہر نکالتے لیکن اتفاق سے اگر کوئی صاحب قیمت کم کرنے کو کہتے تو پھر سب کے سب پلٹ پڑتے۔ غرض تقریباً پون گھنٹہ تک یہی کیفیت رہی اس کے بعد ڈانٹ کر ان سب کو باہر نکالا لیکن اس کے بعد بھی وہ ٹھیر کر پردہ میں سے جھانکتے اور رازداری کے طور پر پوچھتے کہ "لاؤں بابوجی"، "لے لیجیے"۔ جب ہم سب بالکل ہی خاموش ہو گئے تو وہ بھی مایوس ہو گئے اور پھر نہیں آئے

ناگپور صوبہ متوسط کا دار الحکومت ہے اور یہاں مرہٹی کا بہت رواج ہے۔ غالباً یہاں کی میونسپالٹی بھی اسی کو ترجیح دیتی ہے کیونکہ تانگوں اور موٹروں وغیرہ کا شرح کرایہ مرہٹی میں لکھا ہوا تھا۔

اسٹیشن کے قریب ہی ناگپور کا قلعہ ہے جس کے اندر لاسلکی کے بڑے بڑے کھمبے لگے ہوئے ہیں مگر اس کے اندر جانے کی عام اجازت نہیں ہے لہذا اسٹیشن سے روانہ ہو کر سب سے پہلے بابا تاج کے مزار پر جو وہاں سے پانچ چھ میل پر ہے گئے۔ راستے میں کپڑے کی ٹاٹا ملس اور ایمپریس ملس ملیں مگر ہم صرف ان کے پاس سے گزر گئے۔ بابا تاج الدین جن کا چار پانچ سال پیشتر ہی وصال ہوا ہے ناگپور میں بڑے بزرگ مانے جاتے ہیں اور باہر بھی ان کی کافی شہرت ہے۔ اب ان کے مزار کے اطراف ٹیٹوں کے کئی ایک عارضی مکانات بن گئے ہیں قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ دنوں بعد یہاں کوئی مستقل آبادی ہو جائے گی۔

فاتحہ خوانی کے بعد وہاں سے واپس ہوئے۔ ہمارا تانگے والا بڑا خوش مزاج واقع ہوا تھا۔ مزار سے واپسی کے بعد سے آبادی آنے تک وہ بہت ہی خوش آوازی سے گاتا رہا۔ اس کا سب گانا نعت یا خواجہ صاحب کی تعریف میں تھا لہذا بڑا لطف آیا۔

واپسی میں اتوارا (چوک) ہوتے ہوئے یہاں کے میوزیم پہنچے۔ میوزیم کی عمارت اگرچہ پٹنہ میوزیم کی طرح شاندار نہیں ہے لیکن نمائش کی چیزیں وہاں سے بہت بہتر اور زیادہ ہیں۔ جس طرح پٹنہ میوزیم میں پتھر کے بتوں اور جمادات کا زیادہ ذخیرہ ہے اسی طرح یہاں Zoology کے متعلق بہت ذخیرہ جمع کیا گیا ہے لیکن اسی کے ساتھ یہاں اور اقسام کی بھی چیزیں ہیں خاص کر انسان کی زندگی کے انقلابی واقعات مٹی کے چھوٹے چھوٹے پتلے بنا کر بڑی خوبی سے دکھائے گئے ہیں مثلاً لڑکپن، جوانی، شادی، بڑھاپا اور موت وغیرہ۔ قدیم ہتھیارات، بھیلوں کے زیورات اور باجے، قدیم تصاویر، مختلف جمادات، ہاتھی وغیرہ کے سروں کے ڈھانچے، کئی مردہ جانور و پرند غرض اسی طرح کی بہت سی چیزیں جمع کی گئی ہیں۔

تین چار سال قبل کسی اخبار میں پڑھا تھا کہ ناگپور میں ایک بھینس کو ایسا بچہ پیدا ہوا ہے جس کے دو سر، چار آنکھیں اور چار کان ہیں تین روز بعد یہ بچہ مر گیا اور اس کو نمائش گاہ میں رکھا گیا ہے۔ تین چار سال قبل جو خبر اخبار سے معلوم ہوئی تھی آج ہم نے یہاں اس کا عینی مشاہدہ کیا۔

تقریباً ایک گھنٹہ بعد یہاں سے روانہ ہوئے۔ وقت بہت ہو گیا تھا لہذا صدر بازار ہوتے ہوئے سیدھے اسٹیشن پہنچے۔ یہاں کا زراعتی کالج اور گورنمنٹ ہاؤس وغیرہ بھی قابل دید چیزیں ہیں لیکن ہم ان کو نہ دیکھ

ہے چنانچہ ہمارے ساتھی رگھوبیر بلی صاحب نے بھی اس کی زیارت کرلی۔

شام کو پانچ بجے مرزاپور سے روانہ ہوئے اور ساڑھے چھ بجے الٰہ آباد پہنچ گئے۔ یہاں سے نو بجے کی گاڑی سے اٹارسی روانہ ہوئے۔ گاڑی الٰہ آباد سے تیار ہوکر جاتی تھی اس لیے بہت پہلے سے ہم نے پورے ڈبہ پر قبضہ کر لیا۔ ساری رات بہت آرام سے سوتے ہوئے گئے۔

دوشنبہ ۲۹ دسمبر ۱۹۳۰ء

صبح کو آٹھ بجے کے قریب جبلپور پہنچے۔ یہاں ہم لوگوں نے ناشتہ کیا۔ دن کو ڈھائی بجے اٹارسی پہنچ گئے۔ اٹارسی پہنچنے کے قبل ہم کو خیال تھا کہ ٹرنک ایکسپریس فوراً مل جائے گا لیکن وہ ہمارے پہنچنے سے ڈیڑھ گھنٹہ قبل ہی روانہ ہوچکا تھا۔ دوسرے دن اسی وقت تک کوئی گاڑی ناگپور سے آگے نہیں جاتی تھی۔ اس لیے بجائے اٹارسی پر پڑے رہنے کے یہ طے پایا کہ ناگپور چل کر ٹھیریں اور وہاں سے ٹرنک ایکسپریس میں سوار ہوں لیکن ناگپور بھی کوئی گاڑی رات کے ساڑھے گیارہ بجے سے قبل نہیں جاتی تھی چنانچہ ویٹنگ روم میں سامان رکھاکر رفرشمنٹ روم گئے جہاں جناب ناظم صاحب وغیرہ نے صرف چار پی اور ہم لوگوں نے لنچ کھایا۔

جس طرح ای۔ آئی۔ آر کے اسٹیشنوں پر دلی کے کارونیشن ہوٹل والے کی شاخیں پھیلی ہوئی ہیں اسی طرح جی۔ آئی۔ پی ریلوے پر "برہنڈن" کمپنی بمبئی کا انتظام ہے۔ لنچ کے بعد ناظم صاحب نے اسی ہوٹل میں ڈنر کے لیے بھی آرڈر دیدیا۔

جس قدر وقت بچا تھا وہ پلیٹ فارم پر ٹہل کر گزارا۔ ہم نے اس امر کی کوشش کی تھی کہ اس بوگی میں سوار ہوں جس میں فرسٹ کلاس، سکنڈ کلاس اور تھرڈ کلاس ملے ہوئے تھے لیکن ہمارا اسباب پہنچنے سے قبل ایک نامراد آب بزرگ کے سکنڈ کلاس میں سوار ہوجانے اور انکی الٹی منطق کی وجہ سے ہمیں ان سب ڈبوں سے دست بردار ہونا پڑا۔ بہرحال ڈبوں میں سامان رکھاکر کھانے کے لیے روانہ ہوئے۔ ڈنر بہت اعلیٰ پیمانہ پر تیار ہوا تھا اور ایک گھنٹہ تک خوب کھایا اس سے فارغ ہونے کے بعد تھوڑی دیر ٹہلے اور پھر سو رہے۔ ساڑھے گیارہ بجے ناگپور روانہ ہوئے۔

ناگپور سہ شنبہ ۳۰ دسمبر ۱۹۳۰ء

صبح کو نو بجے گاڑی ناگپور پہنچ گئی۔ ٹرنک ایکسپریس یہاں شام کو ساڑھے سات بجے آتا تھا اس لیے ادھر کے ویٹنگ روم میں سب سامان رکھا دیا۔ رفرشمنٹ روم میں ناشتہ کیا اور اس کے بعد شہر دیکھنے کے لیے روانہ ہوئے۔ صرف جناب ناظم صاحب اسٹیشن پر قصداً ٹھیرے رہے۔

آخر کب تک نیند کو ٹالتے۔ گیارہ بجے کے بعد میں اور عبداللطیف صاحب بیٹھے ہی بیٹھے اونگھنے لگے البتہ اونگھتے جب کبھی چونک پڑتے تھے تو ایک قہر آلود نگاہ ان دونوں پر ڈال لیتے تھے اور دل میں دعائیں مانگتے کسی طرح جلد بلہارشاہ آئے اور یہ بلائیں دفع ہوں۔ آخر ایک بجے بلہارشاہ کا اسٹیشن آیا اور ان دونوں کان زحمت سے نجات ملی۔ سوتے وقت اندر سے کھٹکے لگا لیے تاکہ سونے میں کوئی اور نہ گھس آئے۔

ارشنبہ ۳۱ر دسمبر ۱۹۳۰ء

پونے چھ بجے ہماری گاڑی بڈاپلی پہنچی یہاں پکارنے کی آواز سے میں ہوشیار ہوگیا تو معلوم ہوا کہ ایک ب نہایت بیتابی سے دروازہ کھولنے کی فرمائش کر رہے ہیں۔ رات کو جگہ کی تنگی کی وجہ سے جو تکلیف ہوئی س کی یاد بالکل تازہ تھی اس لیے میں چپکا پڑا رہا۔ مایوس ہوکر دوسرے ڈبہ پر گئے وہاں بھی کوئی شنوائی نہیں کیونکہ ذرا دیر بعد پھر وہ ہمارے ڈبہ پر حملہ آور ہوئے لیکن دو تین چکروں کے بعد انھیں دوسرے ڈبہ میں جگہ مل گئی۔

ساڑھے سات بجے قاضی پیٹھ پہنچے چونکہ راست جانے والا ڈبہ تھا اس لیے گاڑی بدلنا نہیں پڑی۔ منہ دھونے کے بعد ناشتہ کیا اور حیدرآباد پہنچنے کا بے چینی سے انتظار کرنے لگے آٹھ بجے قاضی پیٹھ سے روانہ ہوئے ہم ارشنبہ ۳۱ر دسمبر ۳۰ء کو ٹھیک بارہ بجے اسی مقام پر اترے جہاں سے چودہ روز قبل روانہ ہوئے تھے۔

جس طرح ہم کو رخصت کیا گیا تھا اسی طرح آج اسٹیشن پر اکثر لوگ لینے کے لیے بھی آئے تھے۔ اسٹیشن پر اترنے بعد چودہ دن کے ساتھی اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہوگئے۔ میں بھی ساڑھے بارہ بجے کے قریب گھر پہنچا اور الحمدللہ سب کو بخیریت پایا۔

اس چودہ دن کے سفر میں ہم نے ہندوستان کے تین صوبوں کے دارالحکومت دیکھے یعنی پٹنہ، الٰہ آباد ناگپور۔ ان کے علاوہ بنارس اور مرزاپور کے شہر اور ہوشنگ آباد کا مقام بھی دیکھا۔ روانگی سے لے کر واپسی نہایت آرام سے سفر طے ہوا۔ (سوائے ناگپور سے بلہارشاہ تک) ریل کے ڈبے تقریباً محفوظ ہی رہتے تھے۔ پٹنہ جس ہوٹل میں ٹھیرے تھے وہاں کھانے وغیرہ کا بہت اچھا انتظام تھا۔ موسم بھی ایسا تھا جو سفر کے لیے بہترین ملا ہے۔ روزانہ نئے نئے مناظر دیکھنے میں آتے تھے۔ ہر جگہ پاک وصاف اور صحت بخش آب و ہوا سے سابقہ پڑتا تھا۔ ہم عمر ہم مذاق لوگوں کی دو جماعتیں تھیں۔ کوئی فکر پاس نہیں آنے پاتی تھی۔ غرض ان سب باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ سفر کوئی تکان ہی نہیں معلوم ہوا اور اس قلیل عرصہ میں ہر ایک کی صحت میں ایک نمایاں تبدیلی ہوگئی۔

سکے۔ وقت تو بہت کافی تھا لیکن دوسری ضروریات میں صرف ہوا۔ ویٹنگ روم کے ساتھ ساتھ باتھ روم بھی بہت اچھا بنا ہوا تھا اس لیے چار بجے یہاں حمام بھی کیا جس سے طبیعت کو بہت فرحت ہوئی۔

شہر ناگپور کی سڑکیں اگرچہ بہت کشادہ نہیں ہیں لیکن تنگ بھی نہیں کہی جا سکتیں البتہ اسٹیشن کے قریب کی سڑکیں بہت اچھی اور کشادہ ہیں۔ تانگے اگرچہ الٰہ آباد کی طرح نہیں ہیں لیکن حیدرآباد سے غنیمت ہیں۔ اتوارے میں ساہوکارے کا بہت بڑا بازار ہے جس طرح الٰہ آباد امرودوں کے لیے مشہور ہے۔ اسی طرح ناگپور کونلوں کے لیے شہرت رکھتا ہے۔ ہندوستان کے دور دور کے شہروں میں یہاں سے کونلے بکثرت جاتے ہیں۔ آجکل یعنی موسم سرما کے کونلے ترش ہوتے ہیں لیکن موسم گرما میں نہایت شیریں اور رسدار ہوتے ہیں۔ الٰہ آباد سے دو تین اسٹیشن قبل ہی ریل کے دونوں جانب امرودوں کے باغ نظر آنے لگتے ہیں اور جوں جوں اس کے قریب ہوتے جاتے ہیں باغ کثرت سے نظر آنے لگتے ہیں۔ یہی حالت اٹارسی کے قریب مونگ کے کھیتوں کی اور یہاں کونلے کے باغوں کی ہے۔ ۵۷ کو واپسی کے بعد پہلے اسٹیشن ماسٹر سے مل کر ٹرنک اکسپرس میں ڈبے محفوظ کرانے کا انتظام کیا اس کے بعد اسٹیشن کے اسلامیہ ہوٹل میں جا کر کھانا کھایا۔ ساڑھے سات بجے گاڑی آئی اور ہم سب اس میں سوار ہوگئے۔ فرسٹ کلاس کا ڈبہ تو پورا خالی ملا لیکن صرف ایک سکنڈ کلاس ایسا ملا جس میں تین ہی مسافر بیٹھے ہوئے تھے اور ان میں سے دو بلہار شاہ پر اترنے والے تھے۔ ایک دوسرے سکنڈ کلاس میں صرف ایک ہی برتھ خالی تھا لہٰذا طاہر صاحب نے وہاں اپنا بستر کھلوا دیا۔ جس ڈبہ میں ہم تھے اس میں اوپر کے دونوں برتھ خالی تھے لہٰذا کھانے وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد رگھوبیر لی صاحب اور سعید الدین خاں صاحب جا لیٹے اب صرف میں اور عبد اللطیف صاحب باقی تھے۔ خود ہمارے ساتھ بہت کافی سامان تھا نہ کہ اب تین آدمیوں کا اور بھی سامان مل گیا تھا اور اس پر طرفہ یہ کہ ڈبہ بھی کچھ چھوٹا تھا اس لیے ہلنے تک کو بھی جگہ نہیں رہی تھی۔ یہ ساری تکلیف ان دو مسافروں کی وجہ سے ہو رہی تھی جو بلہار شاہ پر اترنے والے تھے کیونکہ انھیں کے ساتھ سامان بھی زیادہ تھا اور ان کی وجہ سے ایک پورا برتھ بھی رکا ہوا تھا۔ پہلے تو ہمیں خیال تھا کہ گیارہ بجے تک یہ لوگ اتر جائیں گے لیکن بعد کو معلوم ہوا کہ گاڑی گیارہ بجے نہیں بلکہ ایک بجے بلہارشاہ پہنچے گی۔ یہ سنتے ہی ہمارے دل کی جو کیفیت ہوئی وہ ہم ہی خوب جانتے ہیں۔

اس مرتبہ ایک قابل افسوس بات یہ دیکھنے میں آئی کہ ریلوے ملازمین اوقات ریلوے وغیرہ سے اسقدر نابلد معلوم ہوتے تھے جیسا کہ کوئی نیا مسافر۔ ایک بات اگر چار آدمیوں سے دریافت کی جاتی تھی تو چاروں کے جواب مختلف ہوتے تھے۔ چنانچہ گیارہ بجے بلہارشاہ پہنچنے کا وقت ایسے صاحب نے بتایا جو ٹکٹوں کی تنقیح کرتے پھرتے تھے

علامہ اقبال کی ایک نادر و نایاب تحریر

پروفیسر مسعود حسین خان
(پروفیسر ایمیرٹس، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی)

ذیل میں علامہ اقبال کی مشہور غزل کا، جو بانگ درا کے حصہ سوم (۱۹۰۸ء سے ۰۰۰۰) کے آخر میں دی
غزلیات میں شامل ہے، اقبال کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تحریر کا فوٹو عکس پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا
ں۔

"کبھی اے حقیقت منتظر نظر آ لباس مجاز میں - کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبین نیاز میں
طرب آشنائے خروش ہو تو نوائے محرم گوش ہے - وہ سرود کیا کہ چھپا ہوا ہو سکوت پردۂ ساز میں
دم طوف کرمک شمع نے یہ کہا کہ وہ اثر کہن - نہ تری فسانۂ سوز میں نہ مری حدیث گداز میں
جو میں سربسجدہ ہوا کبھی تو زمیں سے آنے لگی صدا - ترا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں
تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے ترا آئنہ ہے وہ آئنہ - کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئنہ ساز میں"

امید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا - والسلام
آپ کا محمد اقبال لاہور

بانگ درا کا پہلا ایڈیشن ۱۹۲۴ء میں شایع ہوا تھا۔ چوں کہ غزل مذکورہ اس کے حصہ سوم کی غزلیات میں
امل ہے اس لیے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ یہ ۱۹۰۸ تا ۱۹۲۴ء کے درمیان کبھی لکھی گئی ہوگی۔ ابتدا میں یہ
زل غالباً، اوپر دیے ہوئے، پانچ اشعار پر مشتمل ہوگی جس میں بعد کو (جیسا کہ بانگ درا کے متن سے ظاہر ہے)
سب ذیل دو اشعار کا اضافہ کر دیا گیا ہوگا۔

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی جو اماں ملی تو کہاں ملی
مرے جرم خانہ خراب کو ترے عفو بندہ نواز میں

نہ وہ عشق میں رہیں گرمیاں نہ وہ حسن میں رہیں شوخیاں
نہ وہ غزنوی میں تڑپ رہی نہ وہ خم ہے زلف ایاز میں

یہ بھی بعید از قیاس نہیں کہ غزل میں اشعار کی تعداد شروع سے سات ہو اور شاعر نے اپنے سخن فہم
وست کو نقل کرتے وقت ان میں سے صرف پانچ اشعار منتخب کیے ہوں۔ البتہ اشعار کی تعداد اور ترتیب

واپسی میں موسم کی بھی عجیب نیرنگیاں نظر آئیں یعنی پٹنہ میں شدت کی سردی پڑ رہی تھی۔ یہی حالت بنارس اور مرزاپور میں بھی تھی اور الٰہ آباد تک کوئی فرق نہیں ہوا تھا لیکن اٹارسی سے قبل ایک معتدل کیفیت پیدا ہوگئی۔ اٹارسی کے بعد ناگپور کے راستہ میں رات کو کچھ اوڑھنے کی ضرورت ہی نہیں ہوئی اور ناگپور میں دن کو اچھی خاصی گرمی معلوم ہونے لگی۔ رات کو بلہارشاہ پر بارش کا سماں نظر آیا بلکہ ہلکی ہلکی بوندیں بھی پڑ رہی تھیں۔ صبح کو قاضی پیٹھ پر آسمان ابر آلود تھا تیز ہوا چل رہی تھی جس سے کچھ خنکی پیدا ہوگئی تھی اور یہی کیفیت حیدرآباد تک رہی۔

ں اقبال کے خطوط کا چرچا نکلا تو انہوں نے کہا کہ علامہ اقبال کی ان کے والد سے خاصی مراسلت رہی ہے۔ کچھ
ر بعد انہوں نے اپنے کاغذات میں سے علامہ کا ایک خط نکالا جس کے آخر میں مذکورہ بالا غزل درج تھی۔ میں
نے ان سے اس خط کو حاصل کرنے کی خواہش کی (اس زمانے میں فوٹو اسٹیٹ کا رواج نہیں ہوا تھا) مگر انہوں
نے خط کو نقل کر لینے کی اجازت دی، یہ کہہ کر کہ یہ ان کے والد کی امانت ہے۔ مجھے اس خط سے زیادہ اقبال کی
ریر سے دلچسپی تھی۔ کافی بحث کے بعد یہ قرار پایا کہ وہ اپنے والد کے نام کا خط اپنے پاس رکھ لیں اور نیچے درج
ہوئی غزل کا حصہ مجھے دیدیں۔ چنانچہ حبیب اللہ خاں کی وساطت سے یہی تصفیہ ہوا۔ غزل کے پرزے کو
شی خوشی لے کر میں اپنے کمرے پر لوٹا اور کسی کتاب میں بہ حفاظت رکھ کر بھول گیا۔ یہ ۴۰-۱۹۳۹ء کی بات
ہے۔ اس گوہر نایاب کی گمشدگی کی خلش برابر رہی۔ اسے یاد کرتا اور اپنی روز افزوں بڑھتی ہوئی کتابوں میں اس
ی تلاش میں ورق گردانی کرتا۔ جب بھی اقبال کی کوئی نایاب تحریر شائع ہوتی دل مسوس کر رہ جاتا۔

ابھی کچھ عرصہ قبل خدا بخش کتب خانہ (پٹنہ) کو میں نے کچھ کتابیں دیں۔ چند ماہ قبل اس کے فاضل
ڈائرکٹر ڈاکٹر عابد رضا بیدار نے مسکراتے ہوئے جیب سے ایک لفافہ نکالا اور کہا اس میں آپ کا نایاب تحفہ
محفوظ ہے۔ میری زبان سے بے ساختہ نکلا۔ کبھی اے حقیقت منتظر! نظر آ لباس مجاز میں!

جی ہاں یہ وہی کاغذ کا پرزہ تھا جو نصف صدی سے زائد مدت تک دلفیہ بنا رہا اور آج ڈاکٹر عابد رضا بیدار کی
ی دیانت کی بدولت پھر میرے خزینے میں آگیا۔ میں اس کو پھر خدا بخش کتب خانے کو تحفۃً پیش کرنے کی
سعادت حاصل کرتا ہوں۔

س نوشت: میرے دوست حبیب اللہ خاں (جو ۱۹۴۷ء میں پاکستان ہجرت کر گئے تھے) جہاں بھی ہوں ان
سے درخواست ہے: آواز دے کہاں ہے! مزید، میرے کرم فرما حبیب اللہ خاں کے روم میٹ کے لیے
ی میری یہی صدا ہے۔ دونوں میرا پتا نوٹ کر لیں: جاوید منزل، دودپور، علیگڑھ ۲۰۲۰۲،

دونوں سے، پہلے قیاس کو تقویت پہنچتی ہے۔

اشعار کی ترتیب کا فرق حسب ذیل ہے:

۱۔ تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے ترا آئنہ ہے وہ آئنہ الخ یہ شعر اقبال نے پانچویں نمبر پر رکھا ہے جب کہ مطبوعہ متن میں یہ تیسرے نمبر پر ہے۔

۲۔ جو میں سر بسجدہ ہوا کبھی تو زمیں سے آنے لگی ندا الخ یہ شعر اقبال کی تحریر میں پانچواں اور آخری شعر ہے جب کہ مطبوعہ نسخے میں اسکا نمبر ساتواں ہے اور غزل کا آخری شعر ہے۔

متن کے اختلافات:

دو اختلافات متن میں بھی پائے جاتے ہیں۔ ۱۔ جو میں سر بسجدہ ہوا کبھی تو زمیں سے آنے لگی ندا، "ندا" اصل تحریر میں ہے جسے مطبوعہ میں "صدا" کر دیا گیا ہے۔ اس طرح مصرع بلند ہو گیا ہے۔

دوسرا اختلاف اس شعر میں ہے:

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے، ترا آئنہ ہے وہ آئنہ کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئنہ ساز میں

بانگ درا کے مطبوعہ متن میں دوسرے مصرع کے "کہ" کو "جو" میں تبدیل کر دیا گیا جو میرے خیال میں ترقی معکوس ہے اس لیے کہ پہلے مصرع کے "وہ" کے ساتھ "کہ" مکمل طور پر ہم آہنگ ہے۔

اقبال کے سلسلے کی اس نئی یافت کی، اب شان نزول بھی سن لیجیے:

یہ غزل اقبال نے اپنے کسی محترم اور سخن فہم دوست کو ایک ذاتی خط کے اختتام پر لکھی تھی جیسا کہ خاتمے کی تحریر سے ظاہر ہے۔ "امید ہے آپ کا مزاج بخیر ہوگا، والسلام، آپ کا خادم محمد اقبال، لاہور"۔ مجھ تک اس تحریر کے پہنچنے اور پھر عرصے تک میرے کاغذات میں گڈمڈ ہو جانے کا لطیفہ بھی دلچسپ ہے۔ ۱۹۳۹ء کا نصف آخر یا ۱۹۴۰ء کا سال تھا جب میں مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ میں ایم اے اردو میں ایم اے کا طالب علم تھا۔ اینگلو عربک کالج (موجودہ ذاکر حسین کالج) دہلی میں میرے کلاس فیلو اور عزیز دوست حبیب اللہ خاں تھے۔ ہم دونوں نے بی اے پاس کرنے کے بعد علی گڑھ کا قصد کیا، میں نے اردو اور انہوں نے ایم اے فارسی میں داخلہ لیا۔ حبیب اللہ خاں عثمانیہ ہاسٹل کے دائیں ہاتھ والے نچلی منزل کے کمرہ نمبر ۲۲ میں مقیم تھے اور میں آفتاب ہاسٹل میں۔ شعبہ اردو جانے کا میرا راستہ ان کے کمرے کے سامنے سے تھا۔ میں ان سے ملنے کے لیے اکثر ان کے کمرے پر جایا کرتا تھا۔ ان کے علاوہ اس کمرے میں دو اور طالب علم تھے (جن کے نام مجھے قطعی یاد نہیں رہے)۔ ان میں سے ایک بی اے کے طالب علم تھے اور ان کا تعلق خطہ پنجاب سے تھا ایک دن باتوں باتوں

اے امام اے سیدِ والانسب   دودمانت فخرِ اشرافِ عرب
سلطنت را دیدہ افروز آمدی   عقلِ کُل را حکمت آموز آمدی
آشنائے معنیِ بیگانہ   جلوۂ شمعِ مرا پروانہ!
مرغِ فکرم گلستاں نادیدہ است   از ریاضِ زندگی گل چیدہ است
ایں گل از تارِ رگِ جاں بستہ ام   تازہ تر در دستِ تو گلدستہ ام
بود نقشِ ہستیم انگارۂ   ناقبولے، ناکسے، ناکارۂ!
عشق سوہاں زد مرا آدم شدم   عالمِ کیف و کم عالم شدم
حرکتِ اعصابِ گردوں دیدہ ام   در رگِ مہ دورۂ خوں دیدہ ام
بہرِ انساں چشمِ من شبہا گریست   تا دریدم پردۂ اسرارِ زیست
از درونِ کارگاہِ ممکنات   برکشیدم سِرِّ تقویمِ حیات
من کہ ایں شب را چو مہ آراستم   گردِ پائے ملتِ بیضاستم
ملتے در باغ و راغ آوازہ اش   آتشِ دلہا سرودِ تازہ اش
ذرّہ کشت و آفتاب انبار کرد   خرمن از صد رومی و عطار کرد
آہ گرمم رخت بر گردوں کشم   گرچہ دودم از تبارِ آتشم
خامہ ام از ہمتِ فکرِ بلند   رازِ ایں نُہ پردہ در صحرا فگند
قطرہ تا ہم پایہ دریا شود   ذرّہ از بالیدگی صحرا شود
ملت ار جسم است شاعر چشمِ اوست   جسم را از چشمِ بینا آبروست
چشم از نورِ محبت روشنم   اشک بار از دردِ اعضائے تنم

نذرِ اشکِ بے قرار از من پذیر
گریۂ بے اختیار از من پذیر

(اسرارِ خودی: پہلا اڈیشن: ۱۹۱۵)

یہ اقبال کی دو قسطوں میں خارج شدہ، ایک منظوم پیش کش کا مکمل متن ہے جس کا عنوان ہے 'پیش کش بحضور سر سید علی امام'!

حرفِ چند

اسرارِ خودی (فراموش شدہ ایڈیشن) مکتبہ جامعہ دہلی نے اس عنوان سے اقبال کی کتاب اسرارِ خودی کے جو اوّلیں دونوں ایڈیشن یکجا شائع کیے ہیں اس کے سلسلہ میں چند باتیں عرض کرنا ضروری ہو گئی ہیں یہ باتیں کچھ تو مسامحات کے بارے میں اور کچھ نئی معلومات پیش کر دینا ہیں:

ایک تو یہ کہ: ہمارے **مقدمہ** ص۲۲ کے زیریں حصہ میں جو عکس چھپا ہے اسے دراصل ص۵ پر سطر نمبر ۱ کے بعد آنا تھا جہاں بحث کا یہ پہلا حصہ ختم ہوتا ہے۔ **دوسرے یہ کہ:** ص۷ پر نشان (※) زدہ اشعار پر یہ نشان بہت ہلکا آیا ہے۔ چونکہ اسی پر ہمارے تھیسس کا دار و مدار ہے اس لیے اس نشان کے غائب یا ہلکا پڑ جانے سے بہت بڑا فرق پڑ جاتا ہے اور اسی لیے یہ پوری بحث از سرِ نو پیشِ خدمت ہے۔

اسلیے ہم نے مناسب سمجھا کہ آپ کے مؤقر رسالہ کے توسط سے جس میں **جہانِ اقبال** ایک مستقل باب رہتا ہے اقبال دوستوں تک یہ امور پہنچ جائے۔

شائستہ خان

۳

۷۸۶

پیشکش

بحضور

سر سید علی امام مدظلہ العالی

اے امام اے سید والا نسب ‖ دودمانت فخر اشراف عرب

سلطنت را دیدہ افروز آمدی ‖ عقل کل را حکمت آموز آمدی

آشنائے معنی بیگانۂ ‖ جلوۂ شمع مرا پروانۂ

مرغ فکرم گلستانہا دیدہ است ‖ از ریاض زندگی گل چیدہ است

اسرارِ خودی کے پہلے اڈیشن (۱۹۱۵ء) میں موجود ۱۹ اشعار پر مشتمل اس پیش کش کو جب دوسرے اڈیشن میں شامل کیا جانے لگا تو گیارہ شعر (نمبر چھے تا سولہ) خارج کر دیے گئے اور اب یہ پیش کش آٹھ اشعار پر مشتمل باقی رہ گئی۔ چونکہ اسرارِ خودی کے اس دوسرے اڈیشن میں اس انتساب کے شامل رہنے کی بات عبدالمجید سالک سے لے کر جاوید اقبال تک اقبال شناسوں پر عام طور سے بہت واضح نہیں ہے، اس لیے یہاں دوسرے اڈیشن میں شامل پیش کش کے اشعار کا عکس دیا جا رہا ہے۔ عکس اس لیے کہ اس پوری بحث میں حیرت ناک طور سے سر علی امام کے نام انتساب کی ترمیم شدہ شکل کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا ہے اور اسرارِ خودی کے اس اڈیشن کو اقبالیات کی تاریخ سے اس طرح کھرچ دیا گیا ہے کہ اس کے عدم اور وجود دونوں برابر ہو گئے ہیں اور اب سب نے متفقہ طور پر تیسرے اڈیشن کو دوسرا اڈیشن قرار دے لیا ہے۔ اب یہ بات کسی کو یاد نہیں رہی ہے کہ اقبال نے اسرارِ خودی کے دوسرے اڈیشن میں صرف ان اشعار کو خارج کیا تھا جو حافظ کے متعلق تھے۔ اس کے علاوہ انھوں نے پہلے اڈیشن کا طویل دیباچہ بھی ختم کر دیا تھا اور اس کی جگہ ایک صفحے کا مختصر دیباچہ اس دوسرے اڈیشن کے لیے لکھا تھا جس کا عکس ہم پیش کر رہے ہیں۔ اس دوسرے اڈیشن کے دیباچے کے عکس میں آپ خود اقبال کی اپنی یہ عبارت بھی ملاحظہ کر سکتے ہیں جس میں انھوں نے یہی دونوں باتیں (حافظ اور دیباچۂ اوّل کے متعلق) بڑی وضاحت سے کہہ دی ہیں یعنی حافظ کا ذکر تو ہے، مگر علی امام کے تعلق سے ایک لفظ بھی نہیں لکھا ہے۔ جہاں تک علی امام کا تعلق ہے، اس دوسرے اڈیشن میں انتساب اپنی جگہ موجود ہے جیسے آپ ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ بس کچھ اشعار کم کر دیے ہیں، جو خود شاعر کی اپنی مدح میں تھے۔ تاہم شاعر کی اپنی مدح میں سارے اشعار اب بھی خارج نہیں کیے گئے۔ لیکن تعداد کم کر دینے سے ایک توازن ضرور آ گیا، جس سے نظم کا ڈھیلا ڈھالا پن ختم ہو گیا اور متناسب کیفیت پیدا ہو گئی۔

تو اب نظم کا عکس ملاحظہ ہو جو اسرارِ خودی کے دوسرے اڈیشن کے دو صفحوں، صفحہ ۳۔۴ پر شائع ہوئی ہے۔ ترمیم شدہ ضرور ہے لیکن اپنی پوری ہستی اور اپنے پورے وجود کے ساتھ ہمارے سامنے ہے اور بار بار دہرائے جانے والے ان مفروضات کی مجسم تردید بن جاتی ہے کہ اقبال نے اس دوسرے اڈیشن سے تمام و کمال خارج کر دیا تھا۔

○

آئیے، اتنی بات پھر دہرالیں، کہ اسرارِ خودی کے پہلے اڈیشن کو اقبال نے سر علی کے نام معنون کیا، یہ انتساب ۱۹ اشعار پر مشتمل تھا، دوسرے اڈیشن میں انھوں نے اس انتساب میں تناسب لانے کے لیے اس میں سے وہ سارے (گیارہ) اشعار الگ کر دیے جو خود اقبال کی اپنی مدح میں تھے۔ (جسے اردو تنقید کی اصطلاح میں شاعرانہ تعلّی کہہ لیجیے)۔
مگر پھر ہوا یہ کہ ان اشعار کو اقبال نے اس جگہ سے تو ضرور ہٹایا، لیکن بالکل حذف نہیں کر دیا، بلکہ آگے جا کے اسرارِ خودی کے اس باب میں جگہ دے دی جسے انھوں نے تمہید کا عنوان دیا ہے، جہاں اس قسم کے اور بھی دوسرے اشعار پہلے سے موجود تھے اس لحاظ سے یہ انتساب سے الگ کیے گئے اشعار تمہید میں اپنی جگہ پا کر نہایت خوبی سے کھپ گئے جیسے ان کی اصلی جگہ یہی تھی اور انتساب جواب صرف آٹھ اشعار پر مشتمل رہ گیا، اپنی جگہ نہایت موزوں، چست اور نک سک سے درست ہو گیا۔

○

ان اشعار کے بارے میں سرودِ رفتہ کے مرتّبین غلام رسول مہر اور صادق علی دلاوری صفحہ ۶۸ پر لکھتے ہیں "اشعار ذیل اسرارِ خودی کے پہلے اڈیشن میں بطریق انتساب درج تھے، دوسرے اڈیشن میں یہ حذف کر دیے گئے۔ مگر بعض اشعار کو تمہید میں جگہ دے دی۔"
اقبال شناسی میں ان کا بڑا درجہ ہے، مبادا یہ ہو کہ ان کی اپنی لاعلمی یا غلط فہمی کے نتیجے میں بعد کے لوگ گمراہ ہوتے رہیں، اس لیے ضروری ہے کہ اس مختصر نوٹ کی ہر شق کے بارے میں عرض کر دیا جائے۔ ان کا بیان اوپر نقل ہو چکا ہے جو اس جملے سے شروع ہوتا ہے جسے ہم تجزیاتی طور سے پھر دہراتے ہیں!
(۱) اشعار ذیل اسرارِ خودی کے پہلے اڈیشن میں بطریقِ انتساب درج تھے۔
(۲) دوسرے اڈیشن میں یہ حذف کر دیے گئے۔
(۳) مگر بعض اشعار کو تمہید میں جگہ دے دی۔
واقعہ یہ ہے کہ دوسرے اڈیشن میں گیارہ اشعار پیش کش سے نکال کر تمہید میں منتقل کر دیے گئے۔ باقی نہ پیش کش حذف ہوئی نہ بقیہ اشعار، بات صرف اتنی ہے کہ دوسرے اڈیشن کو دیکھے بغیر یہ بیان سنی سنائی پر جاری کر دیا گیا ہے۔ اس بیان کے الفاظ 'بعض اشعار' کے ابہامی انداز سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ان لوگوں کے سامنے یہ بات مطلق نہیں آئی کہ وہ بعض اشعار کون سے تھے جن کو تمہید میں جگہ دی اور

سہ

این گل از تارِ رگِ جاں بستہ ام
تازہ تر در دستِ تو گلدستہ ام

ملت از جسم است ما چشمیم او
جسم را از چشمِ بینا آبروست

چشمم از نورِ محبت روشنم
اشکبار از دردِ عضلئے تنم

نذرِ اشکِ بیقرار از من پذیر!
گریۂ بے اختیار از من پذیر!

زین تخیّل آتشین پیراهن شدم
مثلِ نے ہنگامہ آبستن شدم

چون نوا از تارِ خود برخاستم
جنّتے از بہرِ گوش آراستم

برگرفتم پردہ از رازِ خودی
وانمودم سرِّ اعجازِ خودی

بود نقشِ ہستیم انگارۂ[1]
ناقبولے ناکسے ناکارۂ

عشق سوہان زد مرا آدم شدم
عالمِ کیف و کمِ عالم شدم

حرکتِ اعصابِ گردون دیدہ ام
در رگِ مہ گردشِ خون دیدہ ام

بہرِ انسان چشمِ من شبہا گریست
تا دریدم پردۂ اسرارِ زیست

[1] انگارہ - نقشِ ناتمام

وہ بعض اشعار کون سے تھے جن کو تمہید میں جگہ نہیں ملی اور پھر اگر تمہید میں جگہ نہیں ملی تو وہ گئے کہاں!۔

دراصل یہ بیان پرائے ہاتھ پر بھروسا کر کے (بلا حوالہ) نقل کر دیا گیا ہے اور اس طرح کی نقل در نقل میں جہاں بغیر ذاتی محنت کے کریڈٹ لینے کی کوشش کی جاتی ہے، یہ ہوتا ہے کہ دس میں نو بار تو یہ معاملہ لوگوں پر نہیں کھلتا، لیکن ایک بار سامنے آ جاتا ہے تو CREDIBILITY مجروح ہو جاتی ہے۔ یہی اس بیان کے ساتھ ہوا کہ انھوں نے اپنے پیش رو عبدالواحد معینی مرتب باقیاتِ اقبال کے بیان پر آنکھ بند کر کے یقین کرتے ہوئے اسے من وعن نقل کر دیا تھا، حالاں کہ منقول عنہ خود ہی ایک بے بنیاد بیان دے رہے تھے[1]

ع آنکس کہ خود گم است کرا رہبری کند

اسرارِ خودی کے دوسرے اڈیشن میں یہ تمہید صفحہ ۵ سے صفحہ ۱۷ تک پھیلی ہوئی ہے۔ یہ تمہید نظیری کی غزل کے ایک شعر سے شروع ہوتی ہے۔ اس میں کل ۹۴ اشعار ہیں۔ زیر بحث اشعار شعر نمبر ۷۵ کے بعد مسلسل چلتے ہیں اور صفحہ ۱۵ سے گزر کر صفحہ ۱۶ تک چلتے چلے گئے ہیں۔

صفحہ ۱۵، ۱۶ کا عکس بھی اس لیے دیا جا رہا ہے کہ وہ اشعار اپنی جگہ پر پہچان لیے جائیں۔ ان اشعار کو نشان زد ※ کر دیا گیا ہے۔

---

[1] عبدالواحد معینی نے یہ بیان کہیں سے لیا ہے یا خود تحقیق کیا یہ کہنا مشکل ہے۔ اگر کہیں سے لیا تھا تو ان کا مأخذ کیا تھا، ایک غلط بات کے لیے ہمارا یہ بتانا بھی آسان نہیں۔ اس بحث میں ہم یہ بھول جائیں گے کہ بالکل واضح طور سے آپ پر ثابت کر دیں کہ سرود رفتہ کا بیان باقیات سے ماخوذ ہے۔ یہ بات یہاں کہنا اس لیے ضروری ہے کہ ہمارے محققین اپنے پیش رووں سے بلا حوالہ نقل کر لیتے ہیں اور کریڈٹ خود لے لیتے ہیں، مگر کبھی کبھی یہ بات گرفت میں آ جاتی ہے۔ پھر جب خود حوالۂ اوّل غلط ثابت ہو جاتا ہے تو حوالۂ ثانی بچارا کہاں ٹھہرے گا، جیسا کہ اس معاملے میں ہوا اس لیے ہم دونوں کو آمنے سامنے رکھ دیں۔

باقیات (صفحہ ۱۲۳)	سرود رفتہ (صفحہ ۶۸)
"مرقومہ ذیل اشعار" اسرارِ خودی کے پہلے اڈیشن میں بطریقِ انتساب درج تھے۔ دوسرے اڈیشن میں انتساب حذف کر دیا گیا مگر بعض اشعار کو تمہید میں جگہ دی گئی۔ یہاں کل اشعار یکجا پیش کیے جاتے ہیں۔"	اشعار ذیل اسرارِ خودی کے پہلے اڈیشن میں بطریقِ انتساب درج تھے۔ دوسرے اڈیشن میں یہ حذف کر دیے گئے۔ مگر بعض اشعار کو تمہید میں جگہ دے دی یہاں کل اشعار یک جا پیش کیے جاتے ہیں۔
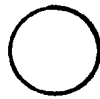
پہلے اڈیشن میں جو نظم یکجا تھی دوسرے اڈیشن میں ایک خوب صورت تناسب لانے کے لیے اقبال نے اسے دو لخت کر دیا ہے ایک حصّہ (۸ اشعار) انتساب میں برقرار ہے۔ دوسرا حصّہ (گیارہ اشعار) تمہید میں منتقل کر دیا ہے۔ یہ دونوں حصّے اوپر مکمل ثبوت کے طور پر پیش کیے جا چکے۔

اس طرح پوری نظم کا عکس آپ نے ملاحظہ کر لیا مگر مناسب تر یہ ہے کہ صداقت نامے کے طور سے اس دوسرے اڈیشن کا سرورق اور دیباچہ بھی پیش کر دیا جائے تاکہ اقبال شناسوں میں کسی قسم کا التباس یا اشتباہ آئندہ کبھی بھی راہ نہ پا سکے۔ پہلے سرورق اور پھر دیباچہ۔

از درونِ کارگاهِ ممکنات
بر کشیدم سرِّ تقویمِ حیات

من که این شب را چو مه آراستم
گردِ پای ملّتِ بیضاستم

ملّتے در باغ و راغ آوازه اش
آتشِ دلها سرودِ تازه اش

ذرّه کشت و آفتاب انبار کرد
خرمن از صد رومی و عطار کرد

آهِ گرمم رخت بر گردون کشم
گرچه دودم از تبارِ آتشم

خامه‌ام از همتِ فکرِ بلند
رازِ این پرده در صحرا فگند

قطره تا همپایهٔ دریا شود
ذرّه از بالیدگی صحرا شود

دیباچہ

اس مثنوی کی پہلی ایڈیشن ۱۹۱۵ء میں شائع ہوئی تھی
اس دوسری ایڈیشن میں جو اب ناظرین کی خدمت میں پیش
کی جاتی ہے بعض بعض جگہ لفظی ترمیم ہے بعض جگہ اشعار
کی ترتیب میں فرق ہے اور ایک آدھ جگہ تشریح مطالب کیلئے
اشعار کا اضافہ ہے۔ لیکن سب سے بڑی ترمیم یہ ہے کہ اس ایڈیشن سے
وہ اشعار خارج کر دیئے گئے ہیں جو خواجہ حافظ پر لکھے گئے تھے۔ اگرچہ
ان سے محض ایک ادبی نصب العین کی تنقید مقصود تھی اور خواجہ حافظ کی شخصیت
سے کوئی سروکار نہ تھا تاہم اس خیال سے کہ یہ طرز بیان اکثر احباب کو ناگوار ہے
میں نے ان اشعار کو نکال کر ان کی جگہ نئے اشعار لکھ دیئے ہیں جن میں اس اصول پر
بحث کی ہے جس کی رو سے میرے نزدیک کسی قوم کی لٹریچر کی قدر و
قیمت کا اندازہ کرنا چاہیے۔ پہلی ایڈیشن کے اردو دیباچے کی اشاعت
بھی ضروری نہیں سمجھی گئی۔

محمد اقبال

مثنوی

اسرارِ خودی

حقائق حیاتیہ فردیہ

از

ڈاکٹر شیخ محمد اقبال ایم اے بیرسٹر ایٹ لاء لاہور

بفرمائش

شیخ مبارک علی تاجر کتب اندرون لوہاری دروازہ لاہور

در یونین سٹیم پریس لاہور طبع شد

دوم تعداد ایکہزار

قیمت فی جلد ۱۲

تھے اور نظام کی سرپرستی میں تصنیف و تالیف کا کام کرنے کے آرزو مند تھے۔ حیدرآباد کے بااثر اور علم دوست شخصیتوں سے ان کی واقفیت تھی۔ نواب میر محبوب علی خاں انتقال کر چکے تھے اور میر نواب عثمان علی خاں نظام تھے۔ ۱۱ر جنوری ۱۹۱۲ء کو مہاراجا کشن پرشاد نے مدارالمہام کے عہدے سے استعفیٰ دے دیا اور یکم دسمبر ۱۹۱۴ء تک نواب میر یوسف علی خاں سالار جنگ مدارالمہام رہے۔ پھر نظام نے دیوانی اور وزارت کا قلم دان خود سنبھال لیا۔ بس جس زمانے میں مثنوی اسرارِ خودی شائع ہوئی سر سیّد علی امام حیدرآباد کے وزیراعظم نہ تھے بلکہ نظام نے خود وزارتِ عظمیٰ سنبھال رکھی تھی اور مملکت حیدرآباد ٹبری تندہی سے اصلاح کی جانب گامزن تھی۔ البتہ چونکہ نظام کے لیے بیک وقت سربراہی اور وزارت میں دخل رکھنا ممکن نہ تھا، اس لیے افواہ گرم تھی کہ انگریزی حکومت سے سر سیّد علی امام کی خدمات حاصل کی جائیں گی۔ اقبالؔ کا یہ خیال تھا کہ اس مرحلے پر اگر سر سیّد علی امام وزیراعظم مقرر ہو گئے تو ممکن ہے کہ ریاست میں اسلام کے تمدنی احیا کے لیے کوئی مثبت قدم اٹھایا جا سکے اسی توقع کے پیش نظر مثنوی کی اشاعت اوّلیں کو علی امام کے نام معنون کیا گیا بالآخر سر سیّد علی امام کا تقرر بطور صدرالمہام ۱۹۱۹ء میں ہوا۔ انھوں نے ریاستی ترقی کے لیے کئی منصوبے تیار کیے تھے جن میں عثمانیہ یونی ورسٹی کا قیام بھی تھا۔ ۱۹۲۲ء میں وہ اپنے عہدے سے سبکدوش ہوتے۔"

معذرت میں یوں تو منشی طاہرالدین کے نام وہ خط ہی کافی تھا جو خود جاویدؔ اقبال نے دو وجوہ میں سے ایک وجہ کے نام پر درج کیا ہے، جس میں اقبال نے سر علی کے بارے میں اپنا دل کھول کے رکھ دیا ہے۔ اقبالؔ کے بارے میں یہ تو معلوم ہی ہے کہ وہ جب کسی سے متاثر ہوتے تھے تو پھر بے تحاشا تعریف کرنے لگتے تھے اور اس کی شخصیت کو صرف ایک خوبی میں ڈھال لیا کرتے تھے جو انھیں پسند آ جاتی تھی (مثال مسولینی) اوروں کو جانے دیجیے، وہ تو سیّد سلیمان ندوی کو بھی 'استاذ کُل اور علوم اسلامیہ کی جوئے شیر کے فرہاد' جیسے الفاظ سے مخاطب کر لیتے تھے۔ سر علی کے سلسلے میں اس خط سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ان سے بھی اسی طرح بے تحاشا متاثر تھے، ایسا تاثر جو اسرارِ خودی، ۱۹۱۵ء سے سفر انگلستان، ۱۹۳۱ء تک قائم اور جاری رہا جب وہ ایک ہی جہاز میں گول میز کانفرنس میں شرکت کرنے کے لیے ہندستان کے نمایندوں کے طور سے ایک ہی جہاز میں ہمسفر تھے۔ اقبال نے اس موقع پر اپنے

ممکن ہے کسی اور سبب سے بھی اقبالؔ نے دوسرے اڈیشن کے انتساب سے یہ اشعار کم کیے ہوں لیکن ایک سبب یہ ضرور ہے کہ وہ قلمزد اشعار مطالب کو تیزی سے آگے نہیں بڑھا رہے تھے، بلکہ پوری روانی میں کچھ کھنچاوٹ، کچھ سکڑن لا رہے تھے۔

اس انتساب کو نکال دینے کے سلسلے میں متعدد کہانیاں گڑھی گئیں۔ کہانیاں گڑھنے کا ہر ایک کو حق ہے۔ لیکن سب سے زیادہ جاوید اقبال صاحب پر ہوتا ہے جنھوں نے اپنی معرکہ آرا کتاب زندہ رود میں ان کہانیوں پر اعتبار کر لیا۔ اقتباس طویل ہے مگر ہمارے لیے اس کا نقل کرنا بھی ناگزیر ہے جس کے بغیر یہ بات پوری طرح واضح نہ ہو پائے گی۔ وہ لکھتے ہیں کہ: (" زندہ رود" ص ۲۰۶)

" وسط ۱۹۱۵ء میں اسرار خودی شائع ہوئی ... یہ سر سیّد علی امام کے نام پر معنون کی گئی تھی ... اعتراض کیا گیا کہ جس کتاب میں فلسفہ خودی کی تشریح کی گئی ہو اور قوم کو خودداری کی تعلیم دی گئی ہو اسے ایک خطاب یافتہ اور دنیادار کے نام پر معنون کیوں کیا گیا ہے۔"

اس پر جاوید اقبال نے معذرتاً لکھا ہے: (زندہ رود ص ۲۰۸)

ابتدائی ایام میں اقبال کی زبردست خواہش تھی کہ کسی نہ کسی طرح حیدرآباد دکن کو اسلام کی دینی، فکری، علمی اور تمدنی احیا کا مرکز بنایا جائے۔ وہ خود بھی وہاں کوئی مناسب ملازمت حاصل کر کے منتقل ہونا چاہتے

ں ہو چکے تھے اور RECONSTITUTION کے نام سے کتابی شکل میں بھی آ چکے تھے (۱۹۳۰ء) ندستان کے سب سے بڑے شاعر مفکر اور متکلم کی جو حیثیت انھوں نے حاصل کر لی بھی اس میں اس وقت دور دور تک اس کا کوئی سہیم و شریک نہ تھا (مولانا آزاد کی جمان القرآن بھی اس وقت تک سامنے نہیں آئی تھی) برطانیہ کے لیے تو اتنا ہی بہت تھا لیکن انھیں تو دنیاوی بڑائیاں بھی اس عرصے میں حاصل ہو چکی تھیں۔ "سر" کا طاب مل چکا تھا (۱۹۲۳ء) الہ آباد میں مسلم لیگ کے تاریخ ساز کل ہند اجلاس کی صدارت چکے تھے (۱۹۳۰ء) اور اب ۱۹۳۱ء لندن کی گول میز کانفرنس کے لیے ہندستان کی ت اسلامیہ کے چار بڑے نمایندوں میں سے ایک سر علی امام تھے تو ایک سر محمد اقبال۔ ر اس وقت اقبال جو خط لکھتے ہیں اس میں سر علی کے لیے وہ الفاظ ہیں جو آپ نے ندرجہ بالا خط (بنام طاہر الدین) میں ملاحظہ فرمائے۔

۱۹۱۵ء (اسرار خودی کا سال اشاعت) اور ۱۹۳۱ء (گول میز کانفرنس کے موقع سے ہر الدین کے نام خط) کے درمیانی عرصے میں بھی سر علی امام کے لیے اقبال کے دلی جذبات حساسات ویسے ہی پرجوش، مخلصانہ اور پرستارانہ رہے۔ یہ ۱۹۱۹ء کے اکتوبر ں لکھے گئے کشن پرشاد شاد کے نام ایک خط سے بھی ظاہر ہوتا ہے جس میں وہ ھتے ہیں کہ :-

"سر سید علی امام اگر آپ کو اخِ معظّم کہتے ہیں تو حقیقت حال کا اظہار کرتے ہیں۔ وہ نہایت نکتہ رس اور تعلقات کو نباہنے والے آدمی ہیں۔ عام زندگی میں ان کا بے تکلفانہ انداز اور سادگی نہایت دلفریب ہے۔"

(شاد اقبال ۱۰۷-۱۰۸، روح مکاتیب اقبال ۲۲۳)

○

دراصل ہوا یہ کہ اسرار خودی کے اس انتساب کو صرف ایک عام سی مدحیہ نظم مان ڑھا گیا، پھر، پڑھا گیا، تو سمجھا نہیں گیا، اور سمجھا گیا تو فقط اتنا کہ علی امام کا قصیدہ ے۔ ہمیں یہ عرض کرنا ہے کہ برصغیر میں فارسی کا ذوق کم ہوتے جانے کے سبب اس ساب کو ٹھیک سے پڑھا ہی نہیں گیا ہے اور لوگ بس "پیش کش بحضور سر سید علی م" دیکھ کر حوصلہ ہار بیٹھتے ہیں کہ ملّت کا محبوب ترین شاعر پیش کش اور بحضور الفاظ لکھے، کچھ اور آگے بڑھتے ہیں تو ابتدائی دو شعر پڑھ کے ڈھے جاتے ہیں! ال نے شاید ایسے ہی موقع کے لیے کہا تھا:

کم نظر بے تابیِ جانم نہ دید   آشکارم دید و پنہانم نہ دید

جیسا کہ ہم نے اوپر کہا ہے کہ فارسی کا ذوق کم ہوتے جانے کے سبب ہمارے

خط میں لکھا ہے:[۱]

"سر علی امام کو عربی فارسی اور اردو کے بے شمار اشعار یاد ہیں اور پڑھتے بھی خوب ہیں الولد سر لابیہ۔ ان کے والد ماجد مولانا نواب امداد امام اثر ادبیات اردو میں بھی خاص پایہ رکھتے تھے... گول میز کانفرنس میں ہند و مسلمان نمائندے شاید آٹھ ہیں۔ چار مسلمان نمایندے ہیں اور چاروں مغرب زدہ۔ مغرب زدہ مسلمان کی اصطلاح شاید معارف نے وضع کی تھی نہایت پُرلطف ہے لیکن مسلمانوں کے اس مغرب زدہ قافلے کی کیفیت یہ ہے کہ اس میں دو حافظ قرآن ہیں۔ یعنی نواب صاحب چھتاری اور خان بہادر ہدایت حسین۔ سیّد علی امام کی مغرب زدگی کی کیفیت یہ ہے کہ ایک روز صبح کے وقت عرشہ جہاز پر کھڑے تھے، میں بھی ان کے ہمراہ تھا، میل و فرسنگ کا حساب کر کے کہنے لگے دیکھو بھائی اقبال اس وقت ہمارا جہاز ساحل مدینہ کے سامنے سے گزر رہا ہے۔ یہ فقرہ ابھی پورے طور سے ان کے مُنہ سے نکلا بھی نہ تھا کہ آنسوؤں نے الفاظ پر سبقت کی، ان کی آنکھ نمناک ہو گئی اور بے اختیار بولے بلغ سلامی روضۃ فیھا النبیّ المحترم۔ ان کے قلب کی کیفیت لے مجھے بے انتہا متاثر کیا۔ باقی رہا میں، مغرب زدہ بھی ہوں اور مشرق زدہ بھی۔ البتہ مشرقی ضرب میرے لیے زیادہ کاری ثابت ہوئی۔"[۲]

یہ خط آپ نے ملاحظہ فرما لیا۔ ہمیں کہنا یہ ہے کہ اقبال جس وقت عالم ادب اور عالم اسلام کی نامور شخصیت بن چکے تھے اس وقت بھی ان کے دلی جذبات سر علی کے لیے اتنے ہی شدید تھے۔ حالاں کہ یہ وقت وہ تھا کہ جب خود سر علی اقبال سے تعلق رکھنے پر فخر محسوس کرتے ہوں گے۔ یہ خط جب لکھا گیا ہے اس وقت تک (۱۹۱۵) اسرار خودی کے بعد رموزِ بے خودی (۱۹۱۸) ہی نہیں پیام مشرق (۱۹۲۳ء) بانگ درا (۱۹۲۴ء) زبور عجم (۱۹۲۷) کی بھی اشاعت ہو چکی تھی۔ اور ان کی کل ہند شہرت مسلّم ہو چکی تھی۔ شاعر کے علاوہ ایک مفکر اور متکلم اسلام کی حیثیت سے بھی انھیں لوگوں کا احترام حاصل تھا۔ فکر اسلامی کی تشکیلِ جدید پر ان کے مشہور خطبے مختلف یونی ورسٹیوں اور اداروں

۱۔ جاوید اقبال: زندہ رود: ص ۸-۲۰۷ (اس خط کا مکمل متن "خطوط اقبال"، مرتبہ رفیع الدین ہاشمی ص ۲۰۸-۲۱۰ پر دیکھیے۔

۲۔ یہ خط نقل کرتے ہوئے خود جاوید اقبال نے بھی ایک وجہ یہی لکھی تھی کہ اقبال اپنے اس دوست کے جذبۂ اسلامیت سے متاثر تھے اور انھیں احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ سر سیّد علی امام اسلامی اخلاق و آداب کا بے مثل نمونہ تھے۔" (جاوید اقبال: "زندہ رود ص ۵۷)

ٹھہرتے ہیں، ایسے نظر آتے ہیں، جو اقبال کے مرتبے کے شایاں نہیں لگتے۔ آئیے دیکھیں:
وہ سید تھے اور اچھے نسب کے سید (نواب امداد امام اثر کے صاحبزادے) سیدوں کا خاندان نسبتِ رسالت سے عرب کے اشراف کے لیے بھی فخر کا باعث تھا اور امام سر علی کا نام تھا۔ پہلے شعر میں اس کے سوا اور کچھ نہیں۔ اور اس میں بھلا قابلِ اعتراض بات کیا ٹھہرتی ہے۔

اگلے شعر میں یہ ہے کہ سلطنت کے لیے تو دیدہ افروز ہے اور سلطنت ہند چلانے والے (عقل کل۔ وائس رائے) کے لیے حکمت آموز! وہ شخص جو ہندستان میں سلطنت کے سربراہ وائسرائے کی کونسل کا ممبر یعنی ہندستان کا وزیر قانون ہو، وہ جس کی تحریک پر (منجملہ دوسرے محرکوں کے) ہندستان کی عظیم سلطنت کا دارالحکومت کلکتہ سے ایک دم تبدیل ہو کے دہلی آ جائے، وہ جس کے زور ڈالنے سے اور مسلسل تحریک چلانے پر بہار واڑیسہ کو بنگال سے الگ ایک صوبے کی حیثیت عطا کر دی جائے۔ (۱۹۱۲ء) اور وہ جو آل انڈیا مسلم لیگ کے بانیوں میں شامل رہا ہو، اور بنا پڑنے کے بعد اہم ترین اجلاس امرتسر کا صدر منتخب ہوا ہو (۱۹۰۸ء) اور پھر ہندستان کی تاریخ میں ہندو مسلم اتحاد کو سب سے بڑا موثر دینے میں جس کا ایک اہم رول رہا ہو (جس کے نتیجے میں اسرارِ خودی کی اشاعت کے کچھ ہی دن بعد جب کانگریس اور لیگ کے جلسے ساتھ ساتھ منعقد ہوئے اور دونوں ملتیں لکھنؤ پیکٹ کی صورت میں ۱۹۱۶ء میں ایک قوم بن کر ابھر آئیں)، اس شخص کے واسطے سلطنت کے لیے دیدہ افروز کے الفاظ استعمال کرنا کچھ اس کی واقعی حیثیت سے آپ کو کم نہیں لگتا؟

O

اس دوسرے شعر کا دوسرا مصرع قابلِ گرفت ضرور ٹھہرتا، اگر اس مصرع کے معنی لینے کے لیے ہم بس یہیں پر رک جاتے کہ وہ (سر علی) عقلِ کُل کو حکمت سکھانے والا ہے اور 'عقل کل' کے محدود اصطلاحی معنی لے لیتے۔ مزید براں یہ کہ صرف اس مصرع ہی کو پیش نظر رکھتے اور پہلے مصرع کو مطلقاً نظر انداز کر دیتے!

آئیے پورا شعر پھر پڑھیں: اس میں کہا گیا ہے کہ 'تو سلطنت کے لیے دیدہ افروز ہے اور عقلِ کل کو حکمت سکھاتا ہے'، یعنی سلطنت کے عقل کل (وائسرائے) کو حکمت سکھانے کی بات ہے۔

اردو کی دو مستند ترین لغات فرہنگ آصفیہ اور نور اللغات ہمارے پیش نظر ہیں: عقل کُل کے معنی فرہنگِ آصفیہ کی رو سے ہیں 'دانا مشیر، وہ مشیر جس کی رائے کے بغیر کوئی کام نہ کر سکیں'، اور 'مختار کُل'۔ نور اللغات نے لکھا ہے، 'وہ مشیر جس کے بغیر کوئی کام نہ کر سکیں'۔ مسئلہ ہندستان کا تھا اس لیے اقبال کی ہم عصر لغات کا

یہاں بھی بہت سی غلط فہمیاں راہ پاتی جا رہی ہیں۔ ایسی ہی ایک غلط فہمی یہاں بھی آشکارم کو نہیں سمجھا گیا، جس سے مراد اولین دو شعر ہیں (اے امام الخ، سلطنت را دیدہ الخ) اور پنہانم کو بھی (جس سے مراد وہ سارے بقیہ ۷ اشعار ہیں جو اقبال نے خود اپنے متعلق کہے ہیں)۔ آئیے اب ان اشعار کو سیدھی اردو میں سمجھ لیں۔

اے اعلا نسب والے سید (علی) امام، تو وہ ہے جس کے خاندان پر عرب کے اشراف بھی فخر کر سکتے ہیں، وہ جو سلطنت کے نظام کے لیے دیدہ افروز بن کے آیا، وہ جس نے عقلِ کل کو حکمت سکھائی۔ تو ہے جو میرے دشوار طلب دقیق مفاہیم کا سمجھنے والا ہے اور میری شمع کے جلوے کا پروانہ بھی۔ میری فکر نے اپنی پرواز کے کتنے ہی گلستان دیکھے ہیں۔ پھر چمنستان زندگی سے کچھ پھول چن لیے، پھر ان گلوں کو تارِ رگِ جاں سے باندھا ہے۔ اب یہ گلدستہ تیرے ہاتھ میں کیسا تازہ رہے گا، میری زندگی تو تجھے معلوم ہی ہے، ایک انگارۂ ناکس و ناقبول و ناکارہ۔ عشق نے نیا کے مجھے آدمی بنا دیا اور میں ساری کائنات کا عالم ہو گیا، ایسا عالم کہ آسمان کے اعصاب تک کی حرکت دیکھ سکتا ہوں، یہ دیکھ سکتا ہوں کہ چاند کی رگوں میں خون کیسے دوڑتا ہے۔ میری آنکھوں کو انسان کے لیے آنسو بہاتے کتنی راتیں گزری ہیں تب کہیں جا کے زیست کے اسرار کا پردہ چاک ہوا ہے۔ اس ممکنات کی دنیا میں، دور تک جا کر تقویمِ حیات کا راز میں نے پا لیا ہے۔ میں جو اس زندگی کی رات کو چاند کی طرح آراستہ کیے ہوئے ہوں۔ ملتِ بیضا کے لیے میری حیثیت بس اتنی ہے کہ میں اس کے پاؤں کی دھول ہوں، وہ ملت جس کا باغ و راغ میں شہرہ ہے، جس کی آواز کی گونج ہے جس کے تازہ نغمے دلوں کو گرمی بخشنے والے، دلوں میں آگ لگانے والے ہیں، وہ نغمے جنھوں نے ذرّوں کو توڑ کر آفتابوں کے انبار لگا دیے اور سیکڑوں رومی اور سیکڑوں عطّار پیدا کر دیے۔ میں تو مجسم ایک گرم آہ ہوں، جس کا نشانہ وہ اونچا آسمان ہے۔ ایسا دھواں ہوں جس میں آگ کی تپش ہے۔ فکرِ بلند کی ہمت کے سہارے میرے قلم نے اس نورریز والے راز کو ایسی آسمانی بلندیوں سے اتار کے صحراؤں میں بکھیر دیا (ظلمت از بام کردا) تاکہ قطرہ دریا کا ہم رتبہ ہو جائے۔ ذرّہ بڑھ کر خود ہی صحرا بن جائے۔ ملت اگر جسم ہے تو شاعر اس کی آنکھ ہے۔ اور، کیا یہ کہنے کی ضرورت ہے کہ اس جسم کے لیے اگر آبرومندی ہے تو اس سے کہ اس کے پاس چشمِ بینا ہے اور میں ہوں وہ آنکھ میں جو نورِ محبت سے روشن ہوں اور جسمِ ملی کے ہر عضو کے دکھ سے دکھی اور اشکبار یہ بے قرار آنسو اور یہ گریۂ بے اختیار تیری نذر لایا ہوں، قبول ہو!!

○

پہلی نظر میں، پوری نظم میں زیادہ سے زیادہ قابلِ اعتراض شروع کے دو ش

رانہ شوخی : امام، سر علی کا نام ہے اور منتظر وہ جس کا (لاہور آنے کا) انتظار ہو رہا تھا!
شاعرانہ شوخی مذہبی یا عوامی تصور، امام مہدی کی طرف بھی اشارہ کر رہی ہے۔
یہی امام منتظر والی شاعرانہ شوخی "عقل کل را حکمت آموز آمدی" میں عقل کل
ہے۔ جس طرح اوپر درج کردہ اردو شعر میں ایک خطرناک مرکب لفظ آ گیا ہے۔ اسی
یہ دوسرا خطرناک لفظ "عقل کل" اس مصرع میں بھی ہے جب کہ شاعر دونوں جگہ
ں شوخیِ تحریر سے کام لے رہا ہے۔
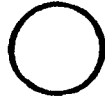
اقبال کے ۱۹۳۱ء کے ایک خط کی روشنی میں اس امر کی تفصیل پچھلی سطور میں
ہے کہ اقبال کا دلی تعلق علی امام کے ساتھ ۱۹۳۱ء لندن کانفرنس کے زمانے تک
طرح قائم اور جاری تھا۔ علی امام کے ساتھ محمد اقبال کی دلچسپی اور وابستگی گول میز
رنس کے بعد بھی جاری رہی۔ یہ دلچسپی اور وابستگی یقیناً دو طرفہ ہی رہی ہوگی۔
ی کا اکتوبر ۱۹۳۲ء میں انتقال ہو گیا۔ مزار کی تعمیر میں دو سال لگ گئے۔ اس
ان میں سر علی کی بی بی لیڈی انیس امام اور اقبال کے درمیان خط کتابت رہی
۔ اقبال کی طرف سے تعزیتی کوئی خط : انیس امام کا اس کے شماریہ میں کوئی
اقبال کی طرف سے جواباً کوئی اور خط اور انیس امام کی طرف سے علی امام کی
کتبے کے لیے چند اشعار کی فرمائش۔ اقبال نے ۳۰ دسمبر ۱۹۳۴ء کو جواباً ایک خط
تھ کچھ شعر بھیجے، وہ خط انگریزی میں ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ "یہ چند شعر
ل ہیں۔ آپ ان میں سے کوئی ایک ٹکڑا منتخب فرما سکتی ہیں۔" پھر اپنے نو شعر
جو سب کے سب فارسی میں ہیں، اور بڑے خوب صورت شعر ہیں جس میں
یا ہے کہ:

۱) بند دروازوں کے اس گنبد (آسمان سے گھری ہوئی ہماری زمین) سے باہر جانے
ے میں نے راستہ بنا لیا ہے اور وہ بھی ایسے کہ ایک آہِ سحرگاہی کا سہارا لے لیا
و گمان و تخیل سے بھی تیز تر اور دور تر پرواز کرتی ہے۔ جو کہکشاں سے گزر
ر جا نیلے آسمان سے!! منزل مل جائے، تو دل مر جاتا ہے، اب وہ منزل چاہے
ہی کی منزل کیوں نہ ہو!

۲) میرا دل جسم و جان کے راز جانتا ہے یہ مت سمجھنا کہ موت میرے اوپر بھاری
مجھے اس کا کیا غم کہ ایک دنیا میری آنکھ سے اوجھل ہو گئی، ابھی تو سو
یں میرے اپنے ضمیر میں (پنہاں) موجود ہیں۔

۳) دنیا کے کاروبار پر گرفت سے زندگی تھکتی نہیں ہے۔ ایک دنیا کا قصہ

حوالہ دیا گیا لیکن فارسی لغات کی رو سے بھی عقلِ کُل کے معروف معنی عقلِ اوّل اور عقلِ اوّل کے قریب تر معنی اصل و حقیقتِ انسان، ہے اور یہ کہ حقیقت کی رو سے آدم صورتِ عقلِ کل ہے'! (فرہنگ آنندراج)
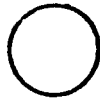
اقبال کے یہاں یہ توصیفی مبالغہ دوسرے محبوب افراد کے ساتھ بھی جا بجا دیکھا جا سکتا ہے:

ع سوے گردوں رفت زاں راہے کہ پیغمبر گزشت (مولانا محمد علی کے لیے)
ع آں کہ ز فکر بلندش آسماں را پشت پاے (دگر آمی کے لیے)
ع میں کشورِ شعر کا نبی ہوں گویا (حالی کے خیر مقدم میں، خود اپنے لیے)
ع مہدیِ آخر زماں ہم مصطفیٰ ع گفت اقبال اسمِ اعظم مصطفیٰ
(مصطفیٰ کمال کے لیے)
ع اِنّی متوفیک و رافعک الیّ و مطہرک (سر سیّد کی تاریخ وفات)

یعنی اقبال ایسا مبالغہ جا بجا روا رکھتے ہیں جس سے بظاہر ذہن ایک دم سے بوکھلا جائے کہ شخصِ موصوف کو کتنا بڑھا دیا، لیکن غور کرنے سے پتا چلتا ہے کہ حدود پھلانگی نہیں گئی ہیں، اور ہر جگہ بڑی مضبوط شاعرانہ تاویل موجود ہے۔

ایمانداری کی بات یہ ہے کہ ہم نے اس شعر کی یہ تاویل کرنے کو تو کر لی، مگر دل پورا مطمئن نہیں ہوا تھا۔ کہ اتفاق سے علی امام ہی کے لیے کہا گیا اقبال کا ایک اور شعر سامنے آگیا اور بات سلجھ گئی۔ یہ شعر اقبال نے سر علی کے ایک موقع پر لاہور آنے پر کہا تھا۔ شعر یوں ہے:

نگہدارِ حقوقِ امّتِ خیر البشر آیا مسلمانو! مبارک ہو امامِ منتظر آیا

پہلے مصرع سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ سر علی کے قدردان تھے تو اس لیے کہ سر علی نگہدارِ حقوقِ امّتِ خیر البشر تھے۔ لیکن دوسرا مصرع ہمارے لیے اہم تر ہے جس میں انھوں نے سر علی کو امامِ منتظر کہا ہے کیوں کہ اسی سے پوری بات صاف ہو سکے گی۔ کسی کو امامِ منتظر کہنا مذہبی نقطۂ نظر سے قابلِ اعتراض بات ہے لیکن شاعر اقبال کے لیے فارسی اردو شاعری کی صدیوں کی وارستگی اور آزادہ روی کی روایات کے پس منظر میں، کوئی غیر معمولی بات نہ تھی، بلکہ محض ایک عام

شوق اگر زندہ جاوید نباشد عجب است   کہ حدیثِ تو دریں یک دو نفس نتواں گفت
(زبورِ عجم غزل نمبر ۳۴ ص ۲۸ / ۴۶)

(۷)
من اے دریاے بے پایاں بموجِ تو در افتادم   نہ گوہر آرزو دارم نہ می جویم کرانے را
(زبورِ عجم غزل ۵۱ ص ۴۶ / ۵۴)

اقبال کا یہ اہم خط ملاحظے کے لیے عکساً بھی درج ذیل ہے:۔

اقبال کا یہ اہم خط ملاحظے کے لیے عکساً درج ذیل ہے :۔

Lahore

Dated 193

20 th Dec. 1936

...ask me of the ...

Yours sincerely
Muhammad Iqbal

(۱)

(۲)
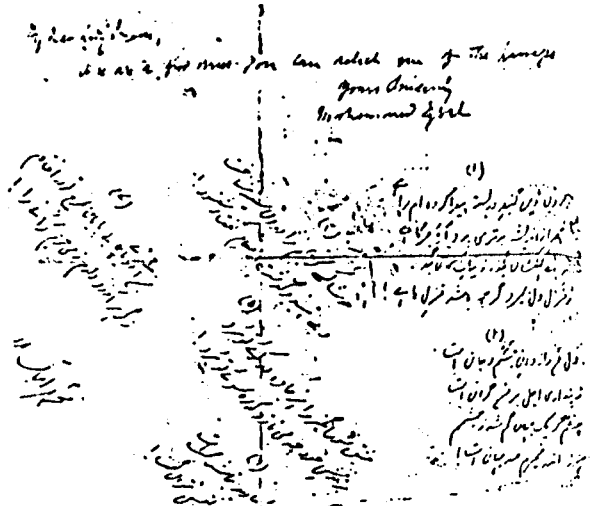
سر علی امام کی قبر کے کتبے کے لیے مرسلہ اشعار میں سے مندرجہ ذیل قطعہ انتخاب کیا گیا جو رانچی میں
[علی] امام کی قبر پر کتبے کے طور سے لکھا ہوا ہے:

[...]من راز دان جسم و جان است   نہ پنداری اجل بر من گران است
[...]م گر یک جہاں گم شد ز چشم   ہنوز اندر ضمیرم صد جہان است

و میں نبٹا چکا، اب ایک اور دنیا کا کاروبار سنبھالنے لگا۔
(۴) کیسا خوش نصیب ہے وہ، جس نے حرم کو اپنے سینے کے اندر پہچان لیا، اور پھر بس ایک لمحے کے لیے اس کی تپش میں جلا، اور کہنے سننے کے مقام سے گزر گیا۔
(۵) عشق شور انگیز کو ہر راہ تیرے کوچے کی طرف ہی لے گئی، اب وہ اپنی تلاش پر ناز بھی کرے تو کیا، کہ جو راہ بھی جاتی ہے وہ تیری طرف ہی لے جاتی ہے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

دل اگر دل ہے تو جس راہ پہ لے جائے گا — دردمندوں کی وہی راہ گزر بھی ہوگی

(۶) شوق اگر زندہ جاوید نہ ہو تو مجھے بڑا عجیب سا لگے گا کہ موت آ سکے اور یہ سمجھا جائے کہ بس اس پر آدمی کا سفر ختم ہوا! کیوں کہ تیری بات کہنے کے لیے ان دو ایک سانسوں سے تو کام چلنے سے رہا۔
(۷) اے میرے بے تھاہ سمندر، میں تو بس تیری لہروں میں رُل مل گیا ہوں، مجھے نہ موتی کی آرزو ہے اور نہ ساحل کی۔

خط میں درج اشعار کو یہاں، اقبال کے مجموعوں میں جہاں جہاں یہ قبلاً چھپ چکے ہیں ان کے حوالے کے ساتھ درج کیا جا رہا ہے۔ ایک قطعہ "پیامِ مشرق" سے اور ایک کے سوا باقی اشعار "زبورِ عجم" سے لیے گئے ہیں۔

(۱)

برون زین گنبدِ دربستہ پیدا کردہ ام راہے — کہ از اندیشہ برتر می پرد آہِ سحرگاہے
زجبرئے کہکشاں بگذر، ز نیلِ آسماں بگذر — زمنزل دل بمیر دگرچہ باشد منزلِ ماہے
(زبورِ عجم: غزل نمبر ۳۴ ص ۹۲ م/۱)

(۲)

دلِ من رازدانِ جسم و جاں است — نہ پنداری اجل بر من گراں است
چہ غم گر یک جہاں گم شد ز چشمم — ہنوز اندر ضمیرم صد جہاں است
(پیامِ مشرق ۱۱۱ ص ۲۲۲/ ۶۲)

(۳)

نگردد زندگانی خستہ از کارِ جہاں گیری — جہانے در گرہ بستم جہانِ دیگرے پیش است
(زبورِ عجم غزل نمبر ۱۴ ص ۴۳۶/ ۴۴)

(۴)

خوشا کسے کہ حرم را درونِ سینہ شناخت — دمے تپید و گذشت از مقامِ گفت و شنود
(زبورِ عجم غزل نمبر ۵۰ ص ۵۱،/۱۸)

(۵)

عشقِ شور انگیز را ہر جادہ در کوئے تو برد — بر تلاشِ خود چہ می نازد کہ رہ سوئے تو برد
(زبورِ عجم غزل نمبر ۱ ص ۳۹۷/ ۵)

شعر: نیست در خشک و تر... (طبع دوم: ص ۵) (۷) ایک شعر: چوں خودی آرد... (طبع دوم
ص ۲۳) (۸) مکمل باب بہ عنوان: "در حقیقت شعر و اصلاح ادبیات اسلامیہ" مع حواشی
طبع دوم: ص ۵۵-۶۴) (۹) پانچ اشعار۔ از شعر نمبر ۱: گر نہ سازد... تا شعر نمبر ۵: درجہاں
وال... (طبع دوم ص ۸۱ کلیات ص ۴۹۔ (۱۰) مولانا روم کا ایک شعر بہ تغیر الفاظ مع حاشیہ
ر درونم سنگ... (طبع دوم: ص ۱۰۱) (۱۱) ایک شعر مع حاشیہ: تا کجا در روز و شب...
طبع دوم: ص ۱۲۲) (۱۲) ایک شعر: کوہ آتش خیز کن... (طبع دوم: ص ۱۲۹) (۱۳) ایک شعر: باز
ارا بر ہماں... (طبع دوم: ص ۱۲۹) (۱۴) جملہ حواشی سوائے دو مقامات کے: ۱۔ طبع دوم:
ص ۷۹) ۲۔ (طبع دوم، ص ۱۱۲) (۱۵) آخری صفحے پر کاپی رائٹ سے متعلق "اعلان" کے
خر میں مصنف کے دستخط بہ حروف انگریزی مع "بیرسٹر ایٹ لا۔ لاہور"۔

ج) ترامیم:

ترمیم نمبر	صفحہ کلیات	صفحہ	اسرار خودی، طبع اول	صفحہ	اسرار خودی، طبع دوم
	۹	۱۴	شمع شبخوں ریخت بر پروازام[۶]	۱۲	شمع سوزاں تاخت بر پروازام
۱			بادہ یورش کرد بر پیمانہ ام		بادہ شبخوں ریخت بر پیمانہ ام
۱	۱۴	۲۵ ع	جنبش از ما وام گیرد جام مے	۲۱ ع	گردش از ما وام گیرد جام مے
۲	۱۴	۲۵ ع	شکوہ سنج یورش دریا شود	۲۲ ع	شکوہ سنج جوشش دریا شود
۵	۱۴	۲۶ ع	سبزہ چوں تاب نمود از خویش یافت	۲۲ ع	سبزہ چوں تاب دمید از خویش یافت
	۱۶	۳۰	نے گرفت از نیستاں آئین خویش	۲۵	نے بروں از نیستاں آباد شد
			نغمہ زد از لذت تعیین خویش		نغمہ از زندان او آزاد شد
	۱۶	۳۰	چیست راز اختراعات علوم	۲۶	چیست راز تازگیہائے علوم
۹	۱۹	۳۵ ع	از حسینان جہاں محبوب تر	۲۹ ع	خوش تر و زیبا تر و محبوب تر
۱	۲۰	۳۸ ع	چوں نبی دختر چو را بے پردہ دید	۳۱	دخترک را چوں نبی بے پردہ دید
۱	۲۱	۴۰ ع	در تپید متصل آرام من	۳۳ ع	در تپید و مبدم آرام من
۱۱		۴۳	جملہ استقام تو از ناداری است	۳۶	خستگیہائے تو از ناداری است
۱۲	۲۳		اصل علت ہا ہمیں بیماری است		اصل درد تو ہمیں بیماری است
۱۳	۲۶	۵۰ ع	غرق اندر قلزم افکار خویش	۴۱ ع	غوطہ زن اندر یم افکار خویش
۱۵	۲۶	۵۱ ع	نامۂ آں صوفی حق دستگاہ	۴۳ ع	نامۂ آں بندۂ حق دستگاہ
۱۶	۲۹	۵۶ ع	رنگ سبعیت پذیرد گوسفند	۴۶ ع	خوئے گرگی آفریند گوسفند
۱۸	۳۰	۵۸	تا ز فیض تبرے تاباں شوی	۴۸ ع	تا ز نور آفتابے برخوری
۱۹	۳۰	۵۹	قوم شیر از فتح پیہم خستہ بود	۴۹	خیل شیر از سخت کوشی خستہ بود
۲۰			دل بذوق استراحت بستہ بود		دل بذوق تن پرستی بستہ بود

ترمیم نمبر	صفحہ کلیات	صفحہ	اسرارِ خودی، طبع اوّل	صفحہ	اسرارِ خودی، طبع دوم
۳۴			دعویش مستغنی از حجت بود		دعویِ او بے نیاز از حجت است
۳۵	۵۲	۹۸ ع	قلزمے در قطرۂ مضمر کنم	۸۶ ع	گلشنے در غنچۂ مضمر کنم
۳۶	۵۸	۱۱۲ ع	غوطہ خوارِ قلزم بود و عدم	۹۶ ع	سر فرو اندر یم بود و عدم
۳۷	۶۰	۱۱۷ ع	صد شرار از سینۂ خارا برید	۱۰۰ ع	ہم چو بحر آتش از کیں بر دمید
۳۸	۶۱	۱۱۹	از تو قلزم سائلِ طوفاں شود	۱۰۲	از تو قلزم گریۂ طوفاں کند
۳۹			شکوہ سنج تنگیِ داماں شود		شکوہ ہا از تنگیِ داماں کند
۴۰	۶۷	۱۳۲ ع	التہابِ دل خسِ ادراک سوخت	۱۱۳ ع	آتشِ دل خرمنِ ادراک سوخت
۴۱	۶۹	۱۳۶ ع	شعلہ ہائے او مثالِ ژالہ سرد	۱۱۶ ع	شعلۂ دارد مثالِ ژالہ سرد
۴۲	۷۴	۱۴۶	عصرِ نو کز جلوہ ہا آراستہ است	۱۲۴	عصرِ نو از جلوہ ہا آراستہ
۴۳			از غبارِ پائے ما برخاستہ است		از غبارِ پائے ما برخاستہ
۴۴	۷۶	۱۴۹ ع	ما پریشاں چوں ہجومِ اختریم	۱۲۸ ع	ما پریشاں در جہاں چوں اخ

(۴) ایک شعر

زندگی محکم ز ایقاظِ خودی است — کا بد از خوابِ خودی نیروے زیست

(طبع اوّل ص ۲۷)

(۵) حافظ کے بارے میں ۳۵ اشعار، پہلا شعر یہ ہے:

ہوشیار از حافظ صہبا گسار — جامش از زہر اجل سرمایہ دار

(طبع اوّل: ص ۶۶-۷۲)

(۶) چار اشعار:

۱۔ صورتِ منصور اگر خود بیں شوی — ہیچو حق بالاتر از آئیں شوی
۲۔ سوز مضموں دفترِ منصور سوخت — جلوہ رقصید و متاعِ طور سوخت
۳۔ رفت از تن روح گردوں تاز او — از اجل بیگانہ ماند آوازِ او
۴۔ نعرہ اش در لب چو گویائی ندید — سر بروں از قطرۂ خونش کشید

(طبع اوّل: ص ۱۰۶-۱۰۷)

(۷) ایک شعر:

پختگیہ جست و خود آگاہ شد — زینتِ پہلوے بیت اللہ شد

(طبع اوّل: ص ۱۱۱)

(ب) اضافات

(۱) سرورق کی پیشانی پر ۷۸۶۔ (۲) سرورق پر "مثنوی اسرارِ خودی" کے الفاظ کے بعد "یعنی حقائقِ حیاتِ فردیہ"۔ (۳) طبع دوم کا نیا دیباچہ۔ (مقالاتِ اقبال میں منقول ہے مگر اس میں متعدد اغلاط موجود ہیں۔) (۴) رومی کے تین اشعار: دی شیخ با چراغ... (طبع د : ص ۲) (۵) آغازِ مثنوی سے قبل تسمیہ سے اوپر کی سطر میں: "ھُوَ" (طبع دوم: ص ۵) (۶) نظر

فہارس

○ تسامحات مرآۃ العلوم جلد اول و سوم
● ڈاکٹر افتخار احمد مدنی

ترمیم نمبر	صفحہ کلیات	صفحہ	اسرار خودی، طبع اول	صفحہ	اسرار خودی طبع دوم
۲۱	۳۱	۵۹	آمدش ایں وعظ خوب اور پسند	۴۹	آمدش ایں پند خواب آور پسند
۲۲			گشت مسحور از کلام گوسفند		خورد از خامی فسونِ گوسفند
۴۵	۷۷	۱۵۲	آفتاب از فیضِ او گردد ل مقام	۱۳	آفتاب از سوزِ او گردد ل مقام
۴۶			بر تہا محوِ طوافِ او مدام		بر تہا اندر طوافِ او مدام
۴۷	۷۸	۱۵۴ع	در ہجومِ عالمے تنہاستم	۱۳۲ع	در میانِ محفلے تنہاستم

○ بعض مقامات پر ترتیب اشعار و مصاریع میں تقدیم و تاخیر کی گئی ہے:

(الف) طبع اول (ص: ۲۴) میں یہ شعر: خیز و انگیز...

اس بند کا آخری شعر تھا۔ طبع دوم (ص: ۲۰) میں اسے موجودہ جگہ لایا گیا۔

(ب) دو اشعار: آرزو را در دلِ خود... اور: آرزو جانِ جہاں...

(طبع اوّل ص: ۳۲ میں اس باب کے آخری شعر تھے، طبع دوم ص: ۳۴ میں انھیں باب کا شعر نمبر ۲

اور نمبر ۳ بنا دیا گیا۔)

(ج) طبع اوّل (ص: ۹۸) میں اس شعر:

خاکِ پنجاب از دمِ او زندہ گشت   صبحِ ما از مہرِ او تابندہ گشت

کے مصرعوں کی ترتیب، موجودہ صورت کے برعکس تھی۔ طبع دوم (ص: ۸۲) میں یہ

ترتیب قائم کی گئی۔

(۳) طبع اوّل (ص: ۶۲) میں ایک عنوان کی ابتدائی صورت یہ تھی:

در بیان اینکہ افلاطونِ یونانی و حافظ شیرازی کہ تصوّف و ادبیات اقوام اسل

از تخیّلاتِ ایشاں اثرِ عظیم پذیرفتہ بر مسلک گوسفندی رفتہ اند و از ایشاں احترا

واجب است۔

طبع دوم (ص ۵۱) میں اسے موجودہ صورت دی گئی (یعنی: در معنی اینکہ افلاطو

یونانی کہ تصوّف و ادبیاتِ اقوام اسلامیہ از افکار او اثرِ عظیم پذیرفتہ بر مسلکِ گوسف

رفتہ است و از تخیلات او احتراز واجب است)

○○

تسامحات مرآۃ العلوم

جلد اول و سوم

تفسیر

HL.1101 / No.1168 — احسن الحدایق : ۲۲۸ اوراق پر احسن الحدایق ہے اور اس کے بعد ۱۰۸ اوراق پر فرہنگ احسن الحدایق۔ فرہنگ احسن الحدایق کا سنہ کتابت ۱۲۵۵ ہجری مذکور ہے۔ دونوں کی تحریر ایک ہی شخص کی ہے اسلیے احسن الحدایق کا سال کتابت بھی وہی سنہ یا پھر اس کے قریب ہوگا۔

HL.1102 / No.1151 — اصدق البیان : نسخہ کے پہلے ورق پر علی اکبر بندہ شاہ دین کی مہر اور دستخط ہے۔ یہ کتاب کا جلد دوم ہے کتاب کا پورا نام اصدق البیان فی قصص القرآن ہے۔ توضیحی کیٹلاگ نے کتاب کا پورا نام دیا ہے۔

HL.1103 / No.1111 — انیس المریدین و روضۃ المحبین : نسخہ کے ترقیمہ میں سنہ کتابت اس طرح مذکور ہے۔ ۱۰۱۰ اس لیے اسے ۱۰۱۰ پڑھا جاسکتا ہے۔

HL.1104 / No.1153 — بحر المعانی : مخطوطہ ۱۲۷ اوراق پر مشتمل تھا لیکن اب درمیان کے دو اوراق، ورق ۱۰۹ اور ۱۱۰ موجود نہیں، اس لیے اب یہ کتاب ۱۲۵ اوراق پر ہے، نہ کہ ۱۲۷۔

HL.1105 / No.1117 — بحر المواج : مخطوطہ کے پہلے ورق پر خدا بخش خاں بن محمد بخش خاں مرحوم بانی کتب خانہ کا ۱۲۹۷ھ کا کتوبا ایک نوٹ ہے۔ تعداد سطور ۲۳-۲۷، نہ کہ ۲۷۔

HL.1106 / No.1118 — بحر المواج : تعداد سطور ۲۲، نہ کہ ۲۷۔

HL.1107 / No.1119 — بحر المواج : تعداد اوراق ۳۰۶، نہ کہ ۳۰۷۔ تعداد سطور ۲۳، نہ کہ ۲۷۔

HL.1108 / No.1120 — بحر المواج : تعداد اوراق ۲۷۴، نہ کہ ۲۷۳۔

HL.1110 / No.1122 — بحر المواج : اوراق ۴۲۷، نہ کہ ۴۳۸۔

HL.1113 / No.1145 — ترجمۃ الخواص : اس کے کاتب کا نام ترقیمہ میں محمد کاظم ابن عین علی بن محمود الہمدانی مذکور ہے۔ نسخہ کے آخر میں پانچ مہریں ہیں

(۱) شجاع علی خان بہادر ۱۲۳۰ (۲) محمد صادق علی خاں (۳) انشاء اللہ خاں یا ایات اللہ خان)

نزکرا۶۳۔ تعداد سطور ۱۵-۱۷، نزکر ۱۷-۲۳۔ توضیحی کیٹلاگ میں HL. 1115-20 کے لیے مجموعی طور پر اُسے میں بتا دیا گیا ہے کہ اس میں سید ولایت علی خاں اور خورشید نواب کی مہریں ہیں، البتہ مظفر حسین کی مُہر کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔

HL No تفسیر زاہدی: اوراق ۵۰۴، نزکر ۵۰۲۔ یہ لطایف التفسیر کے نام سے جانی جاتی ہے۔ منزوی نے بھی اس کا یہی نام دیا ہے۔

HL No تفسیر زاہدی: اوراق ۵۱۹، نزکر ۵۱۸۔

HL No تفسیر سورۂ یوسف: مخطوطہ کے پہلے ورق پر بانی کتب خانہ خدابخش خاں مرحوم کی ۱۲ ذی الحجہ ۱۲۹۶ھ کی تحریر ہے۔ اور لسان السلطان محمود الدولہ منشی محمد صفدر علی خاں بہادر کی مہر بھی ثبت ہے۔ اس کا سن کتابت ۱۲۸۱ھ ہے۔

HL No تفسیر سورۂ یوسف: اوراق ۲۸۰، نزکر ۲۷۹۔ اس کے کاتب کے نام کو مٹانے کی کوشش کی گئی ہے۔ ابتدائی عبارت مٹی ہوئی ہے لیکن یہ واضح ہے خلیل اللہ القریشی العباسی۔ نسخہ کی ابتدا میں نو مہریں ہیں جنہیں تین مہریں واضح ہیں (۱) عنایت خاں شاہجہانی (۲) لطف اللہ (۳) محمد باقر بندہ شاہجہان۔ نسخہ کے آخر میں بھی ایک مہر ہے جس میں عبدالوہاب ... محمد صدیق پڑھا جا سکتا ہے۔ ابتدا میں مہروں کے علاوہ عرض دیدہ بھی ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ نسخہ شاہی کتب خانوں میں رہا ہے۔ ایک عرض دیدہ کی تاریخ ۱۰۶۹ دی گئی ہے۔ کاتب کا ذکر توضیحی کیٹلاگ میں کر دیا گیا ہے۔

HL No تفسیر سورۂ یوسف: اوراق ۳۵۲، نزکر ۳۵۰۔ مخطوطہ میں ترقیمہ کی عبارت یہ ہے:

"کتاب تفسیر سورہ یوسف تصنیف مولانا معین عفراللہ، روع بتاریخ بست وچہارم شہر جمادی الثانی ۱۱۰۴ شروع نمودہ شد و بتاریخ بست وپنجم شہر رمضان المبارک باتمام رسید۔ جلوس ۳۷ در عہد بادشاہ اورنگ زیب غازی در مقام مرادآباد سرکار سنبھل صوبہ دارالخلافہ شاہجہاناباد مالک کرم اللہ بن شیخ نعمت اللہ بن شیخ برخوردار محمد..."۔

مخطوطہ کے شروع اور اخیر میں واجد علی شاہ امجد علی شاہ اور سلیمان جاہ کی مہر ثبت ہے۔

HL No تفسیر سورۂ یوسف: اوراق ۲۸۶، نزکر ۳۰۲۔ تعداد سطور ۱۵-۲۰، نزکر ۲۰۔

HL No تفسیر سورۂ یوسف: اوراق ۲۱۰، نزکر ۲۰۹۔ تعداد سطور ۱۳-۱۸، نزکر ۱۵۔

بقیہ دو مہریں غیر واضح ہیں۔ کاتب اور پہلی مہر کا ذکر توضیحی کیٹلاگ میں کردیا گیا ہے۔

HL. 1114 / No. 1154 تفسیر آیۃ الکرسی: مخطوطہ کے پہلے ورق پر سید صفدر نواب کی انگریزی مہر ثبت ہے۔

HL. 1115 / No. 1162 تفسیر دلیل الرحمٰن: نسخہ میں تفسیر کا نام "مرآت الدلیل" مذکور ہے۔ اس کے پہلے ورق پر کسی کا درج ذیل نوٹ بھی موجود ہے:

"مجلد اول جرر (جز) ۴۴۔ اوراق ۲۵۲۔ این شش مجلد تفسیر مراۃ الدلیل تالیف دلیل الرحمٰن پسر خیر الدین است برای برخوردار مرزا مظفر حسین خاں سلمہ اللہ الرحمٰن بقیمت سی دو روپیہ در جمادی الثانی ۱۲۷۴ ہجری خریدہ شدہ"۔

اوراق ۲۵۴ + ۱۳، تیرہ اوراق پر فہرست ہے۔ مخطوطہ کے کل ۲۵۴ اوراق میں سے درمیان کے ۶ اوراق بالکل سادہ ہیں۔ اس طرح فہرست کے علاوہ کل ۲۴۸ اوراق پر تحریر ہے۔ نسخہ کے ابتدا اور آخر میں خورشید نواب ۱۲۸۲ھ اور براعدای دین شد مظفر حسین ۱۲۷۷ کی کئی مہریں ثبت ہیں۔ اس کی ابتدا اور اخیر میں یہ عبارت بھی مذکور ہے:

"تفسیر مراۃ الدلیل قلمی فارسی در کتب خانہ جناب نواب حاج سید ولایتعلیخاں بہادر داخل نمودہ شد"۔

HL. 1116 / No. 1163 تفسیر دلیل الرحمٰن: مخطوطہ کے شروع اور اخیر میں درج ذیل مہریں ثبت ہیں:

(۱) کتب خانہ سید ولایت علی خاں (۲) خورشید نواب (۳) براعدای دین شد مظفر حسین

تعداد سطور ۱۵-۱۷، نہ کہ ۱۷-۲۳

HL. 1117 / No. 1164 تفسیر دلیل الرحمٰن: مخطوطہ کی ابتدا میں مذکورہ بالا ہینڈ لسٹ ۱۱۱۶ کے تحت مذکور تینوں مہریں ثبت ہیں اور اخیر میں اول الذکر دو مہریں۔ تعداد سطور ۱۵-۱۷۔

HL. 1118 / No. 1165 تفسیر دلیل الرحمٰن: مخطوطہ کے شروع اور اخیر میں کتب خانہ سید ولایت علی خاں اور خورشید نواب کی مہر ہے۔ اوراق ۵۴۷، نہ کہ ۵۵۸۔ تعداد سطور ۱۵، نہ کہ ۱۷-۲۳۔

HL. 1119 / No. 1166 تفسیر دلیل الرحمٰن: مخطوطہ کی ابتدا میں کتب خانہ سید ولایت علی خاں اور خورشید نواب کی مہر ثبت ہے اور اخیر میں مذکورہ دونوں حضرات کی مہر کے علاوہ مظفر حسین (براعدای این شد مظفر حسین) کی مہر بھی ہے۔ تعداد سطور ۱۵-۱۷، نہ کہ ۱۷-۲۳۔

HL. 1120 / No. 1167 تفسیر دلیل الرحمٰن: نسخہ کی ابتدا میں HL. 1119 کے تحت مذکور تینوں مہریں ثبت ہیں۔ اوراق ۶۳۶،

ایک ورق پر فہرست اور غیر واضح دو مہریں ہیں۔

HL. 1142 / No. 1159 **فتح العزیز:** یہ تفسیر عزیزی کے نام سے بھی جانی جاتی ہے۔ اختتام پر یہ عبارت مذکور ہے۔ "تمت جلد اوّل تفسیر عزیزی" یہ تفسیر کی پہلی جلد ہے جبکہ تفسیر تین جلدوں میں ہے۔

HL. 1146 / No. 1127 **مواہب الیہ:** اس میں کئی مہریں ہیں جن کا ذکر توضیحی کیٹلاگ میں کر دیا گیا ہے۔ عہد عالمگیر کے علاوہ اس میں عہد شاہجہان کی مہر بھی ہے۔ اس میں سنہ ۱۰۰۵ کے قریب کی مہریں بھی موجود ہیں اسلیے سنہ کتابت کی صدی ۱۶ویں صدی عیسوی ہے، نہ کہ ۱۷ویں صدی۔ اوراق ۵۵۰، نہ کہ ۵۴۶۔

HL. 1151 / No. 1132 **مواہب الیہ:** اوراق ۲۲۸، نہ کہ ۲۲۶۔ نسخہ کے آخری ورق پر دو مہریں ہیں جن کا ذکر توضیحی کیٹلاگ میں کر دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ۱۵ محرم ۱۲ جلوس کا ایک عرض دیدہ بھی ہے (امکان ہے کہ یہ سن جلوس عالمگیر ہے)۔

HL. 1153 / No. 1134 **مواہب الیہ:** نسخہ کی ابتدا میں خورشید نواب اور ابتدا اور اخیر میں کتب خانہ سید ولایت علی خان کی مہر ثبت ہے۔ توضیحی کیٹلاگ میں ان مہروں کا ذکر ہے۔ البتہ خورشید نواب کی مہر کے لیے بھی ابتدا اور اخیر دونوں لکھا گیا ہے۔ مخطوطہ قدرے کرم خوردہ ہے۔

HL. 1154 / No. 1135 **مواہب الیہ:** اوراق ۴۵، نہ کہ ۴۴۔ تعداد سطور ۲۶-۲۹، نہ کہ ۲۷۔ ناقص الاول۔

HL. 1156 / No. 1137 **مواہب الیہ:** ۱۰ اوراق پر کتاب مکمل ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد کے بیس اوراق پر قرآن کریم کے سورہ انعام کے آخری کچھ حصے اور سورہ الاعراف کی آیت مع فارسی ترجمہ ہے۔

HL. 1157 / No. 1138 (مجہول الاسم) **مواہب الیہ:** تعداد سطور ۹-۱۱، نہ کہ ۱۱۔

HL. 1158 / No. 1152 **تفسیر مجہول الاسم:** سنہ کتابت ۴۴ جلوس شہنشاہ عالمگیر اور ۲۳ ربیع الثانی ۱۱۰۱ھ مذکور ہے۔ کاتب کا نام نیقر مداری ہے، نہ کہ صرف مداری۔

HL. 1159 / No. 1155 **تفسیر مجہول الاسم:** اوراق ۲۹۸، نہ کہ ۲۹۷۔ ناقص الطرفین۔

HL. 1160 / No. 1170 **تفسیر مجہول الاسم:** ناقص الطرفین۔ یہ کسی ضخیم تفسیر کا حصہ ہے جس کے ابتدائی ۱۵۹ اوراق نہیں ہیں۔ تعداد سطور ۱۷-۲۵، نہ کہ ۲۱۔

HL. 1161 / No. 1156 **تفسیر مجہول الاسم:** نسخہ کے پہلے ورق پر ایک مہر ہے جس کی یہ عبارت ہے "حفیظ الدین از سند نور محی الدین"

HL.1129 / No.1169 تفسیر مظہر الحق: اس کے مصنف سید مرتضیٰ ہیں۔ یہ عہد عالمگیر کے ایک بزرگ ہیں ان کے کچھ حالات
مخطوطہ میں بھی الگ سے موجود ہیں۔

HL.1130 / No.1150 توضیح: اوراق ۴۰۵، نہ کہ ۴۰۴۔

HL.1131 / No.1124 جواہر التفسیر لتحفۃ الامیر: منزوی نے لکھا ہے کہ کاشفی نے اس تفسیر کے چار جزء لکھے: سورہ حمد، بقرہ، آل عمران
اور نساء کے ۴۴ آیت تک۔ زیر نظر نسخہ میں خود ہی اسے جلد اول کہا ہے لیکن اس میں صرف ابتدائی تین
سورہ موجود ہیں۔

HL.1132 / No.1125 جواہر التفسیر لتحفۃ الامیر: مخطوطہ کی ابتدا میں چار مہریں ہیں جن میں سے دو محمد قطب شاہ اور محمد قلی قطب شاہ
کی ہیں۔ تیسری مہر ہلکی ہے جس میں سید سعید علی خاں پڑھا جا سکتا ہے اور چوتھی مہر غیر واضح ہے۔ سید سعید
علی خاں کے مہر کے نیچے ۱۱۶۷ ہجری کا مکتوبہ نوٹ ہے جس میں انہوں نے بتایا ہے کہ انہیں یہ کتاب
کتابخانہ سلطان قطب شاہ سے ملی۔

HL.1133 / No.1146 خلاصۃ المنہج: نسخہ میں مختلف جگہوں پر کتب خانہ سید ولایت علی خاں اور خورشید نواب کی مہریں ثبت ہیں
ابتدا میں سید خورشید نواب کا آٹوگراف بھی موجود ہے۔

HL.1136 / No.1149 خلاصۃ المنہج: اوراق ۴۸۰، نہ کہ ۵۸۱۔ سطور ۲۶-۲۸، نہ کہ ۲۷۔ نسخہ کے پہلے ورق پر سید خورشید
نواب کی انگریزی مہر ثبت ہے۔ نسخہ قدرے کرم خوردہ ہے۔

HL.1135 / No.1148 خلاصۃ المنہج: اوراق ۴۴۷، نہ کہ ۴۵۰۔

HL.1137 / No.1114 روح الجنان: اوراق ۱۱۶، نہ کہ ۱۱۸۔ ناقص الاول۔ ابتدائی دو اوراق نہیں ہیں۔ توضیحی کیٹلاگ میں
ناقص الاول ہونے کا ذکر کیا گیا ہے۔ منزوی نے کتاب کا نام 'روض الجنان' لکھا ہے۔

HL.1138 / No.1115 روح الجنان: نسخہ کے پہلے ورق پر سید صفدر نواب کی انگریزی مہر ثبت ہے۔ اوراق ۱۱۲، نہ کہ ۱۴
توضیحی کیٹلاگ میں اوراق کی تعداد صحیح مذکور ہے۔

HL.1139 / No.1116 روح الجنان: ابتدائی ورق پر سید صفدر نواب کی انگریزی مہر ثبت ہے۔ اوراق ۱۲۶، نہ کہ ۱۲۱
مذکورہ بالا تینوں نمبر HL. 1137 - 39 ملا کر تفسیر کا پہلا نصف مکمل ہوتا ہے۔

HL.1140 / No.1157 فتح الرحمٰن: کتاب کا پورا نام "فتح الرحمٰن بترجمۃ القرآن" نسخہ کے دیباچہ میں مذکور ہے اور یہ صحیح ہے۔
کے مصنف کا نام احمد بن عبدالرحیم مشہور بہ ولی اللہ دہلوی ہے نہ کہ احمد بن عبدالرحمٰن۔ مخطوطہ کی ابتدا

مخطوطے کے ورق اب پر سید صفدر نواب کی انگریزی مہر ثبت ہے۔

مراۃ العلوم جلد دوم

HL.20 تفسیر سورہ یوسف : اوراق ۲۶۴، نہ کر ۲۶۲۔

مراۃ العلوم جلد سوم

HL.40 انیس المریدین و شمس المجالس: اس کے کاتب سید صفدر ولد سید ابراہیم علی بن سید فضل علی دسنوی ہیں کتاب کا نام نسخہ میں "انیس المریدین و شمس المجالس" مذکور ہے۔ اوراق ۱۸۸، نہ کر ۱۸۷۔ سنہ کتابت ۲ر محرم ۱۲۴۷ھ ہے۔

HL.33 تفسیر آیات القرآن: یہ قرآن کریم کے آخری پارہ عم کے چند سورہ کی تفسیر ہے جو ۵۹ اوراق پر مشتمل ہے۔ ہینڈ لسٹ میں ۵۹ کے ۹ کا ہندسہ صحیح طور پر چھپ نہ سکا ہے۔ قدرے کرم خوردہ۔ مذکورہ تفسیر کے بعد ۴۹ اوراق پر ناقص الآخر فقہ کے مسائل پر ایک کتاب 'مجموعہ سلطانی' ہے۔ مجموعہ سلطانی ۴۳ باب پر مشتمل ہے لیکن اس میں ۳۹ باب کے بعد کے اوراق نہیں ہیں۔ اس کے کاتب خدا بخش لکھنوی ہیں اور سنہ کتابت ۱۲۰۶ ہجری۔

HL.273 تفسیر بحر مواج: ناقص الاول و کرم خوردہ۔ اوراق ۲۱۰، نہ کر ۲۰۸۔

HL.280 تفسیر پارہ عم: یہ دراصل تفسیر مواہب علیہ مصنفہ حسین واعظ کاشفی سے پارہ عم کی تفسیر ہے۔ اوراق ۵۰، نہ کر ۴۸۔ نسخہ آخر سے مکمل ہے۔ ترقیمہ کی تھوڑی عبارت رہ گئی ہے۔

HL.294 تفسیر حسینی جلد دوم: ناقص الطرفین۔ اوراق ۲۵۷، نہ کر ۲۵۲۔ کتاب کا نام "مواہب الیہ" ہے اور اسی نام سے مراۃ العلوم جلد اول میں اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ البتہ "تفسیر حسینی" کے نام سے بھی مشہور ہے۔

HL.3347 تفسیر حسینی: اوراق ۵۲۲، نہ کر ۵۲۱۔ ہینڈ لسٹ میں سنہ کتابت ۱۰۷۲ھ مذکور ہے۔ یہ سنہ کتابت نہیں بلکہ مقابلہ کی تاریخ ہے۔

HL.3620 تفسیر حسینی: اوراق ۳۹۸، نہ کر ۳۹۷۔ نسخہ کے آخر میں دو مہریں ہیں۔ (۱) سید عبدالرحیم ۱۱۴۸ (۲) حسن قلی عبدالرحیم ۱۱۶۸۔ یہ دونوں مہریں ایک ہی شخص کی معلوم ہوتی ہیں۔ چونکہ یہ دونوں مہریں بارھویں صدی کی ہیں اس لیے مخطوطہ کا سنہ کتابت بھی بارھویں صدی یا اس سے قبل کا ہوگا نہ کہ تیرھویں صدی۔

HL.3742 تفسیر حسینی: مخطوطہ کے پہلے ورق پر شاہ جہاں اور عالمگیر کے عہد کی چار مہریں ہیں۔ ابتدا قدرے کرم خوردہ ہے۔ ناقص الآخر۔ اوراق ۳۳۰، نہ کر ۳۳۰۔

منزوی نے تفسیر کا نام "تفسیر جرجی" دیا ہے۔

فہرست و فرہنگ قرآن

HL. 1162 / No. 1172 **علامات نجوم الفرقان:** اوراق ۱۶۳ تا ۱۶۵۔

HL. 1163 / No. 1173 **علامات نجوم الفرقان:** مخطوطہ کے پہلے ورق پر لسان السلطان محمود الدولہ منشی محمد صفدر علی خان بہادر کی دو مہریں ہیں۔ تیسری مہر محمد تقی کی ہے۔ اس کے علاوہ ایک عرض دیدہ بھی ہے جس کی عبارت درج ذیل ہے:

"بہجدہم جمادی الثانی ۲۰ (محمد شاہی) در سرکار محمد قلی خان عرض دیدہ شد"

تجوید و قرأت

HL. 1165 / No. 1179 **ارشاد القاری:** مصنف کے نام میں مصطفیٰ بن ابراہیم القاری کی ترتیب مناسب ہوگی۔ مخطوطہ کی ابتدا اور اخیر میں دو دو مہریں ہیں۔ ایک مہر مخطوطہ کے مالک محمد داؤد قریشی کی ہے اور دوسری محمد نظیر ۱۱۱۷ کی۔ اوراق ۱۷۲ تا ۱۸۰۔

HL. 1166 / No. 1182 **تحفۃ الرحمانی:** مخطوطہ کی ابتدا میں محمد غوث علی کی مہر ثبت ہے۔

HL. 1167 / No. 1175 **ترجمۃ الجریدہ:** کتاب کا پورا نام "ترجمۃ الجریدہ فی شرح العقیدہ" ہے۔ ابتدا میں لسان السلطان محمود الدولہ منشی محمد صفدر علی خان بہادر کی مہر ثبت ہے۔

HL. 1168 / No. 1180 **ترجمۃ المفید فی مقدمۃ التجوید:** مخطوطہ کے ابتدا اور اخیر میں محمد سلیم الدین ۱۱۶۰ کی مہر ثبت ہے۔ مخطوطہ کے آخری دو اوراق پر نماز کے سلسلے میں مختلف بیان ہے۔ مخطوطہ قدرے کرم خوردہ ہے۔

HL. 1169 / No. 1176 **حل متشابہ ممزوج:** قدرے کرم خوردہ۔ مخطوطہ کے پہلے ورق پر محمد یوسف (یوسف علی خاں عرف اسمٰعیل خلف مولوی محمد بخش خاں مرحوم) کا آٹوگراف ہے۔

HL. 1170 / No. 1181 **رسالہ قرأت:** یہ نام نسخہ میں مذکور نہیں۔ مخطوطہ کی ابتدا میں پہلے ورق پر اس کا نام "رسالہ مخارج الحروف و مفید التجوید" دیا گیا ہے۔ دیباچہ میں مصنف لکھتا ہے:

"این رسالہ ایست در بیان مخارج حروف و صفات و قواعد مقررہ تجویدی و اختلاف قرأت عشرہ در فاتحہ و اخلاص"۔

مقرب خاں ہیں۔

HL. 2 انتخاب از جامع التفاسیر: اس نمبر کے تحت   پر ایک ورق پر از جامع التفاسیر کے تحت سیپارہ فمن اظلم سے اردو میں ایک ورق ہے۔ اس کے علاوہ جامع التفاسیر سے کوئی انتخاب نہیں۔

HL. 3 تفسیر عبداللہ: اوراق ۱۵، نکر ۲۔

HL. 37 تفسیر سورہ فاتحہ: اوراق ۷، نکر ۶۔

••

HL.3708 **تفسیر سورہ یوسف:** اوراق ۳۶۲، نہ کہ ۳۷۰۔

HL.3344 **تفسیر عم:** اوراق ۱۰۵، نہ کہ ۱۰۴۔ مخطوطہ کا نام تفسیر سورہ عم ہے۔ درمیان کا ایک ورق ورق ۱۰۳ ایک دوسری تفسیر "مواہب الیہ" کا آخری ورق ہے۔

HL.2923 **تفسیر قرآن جلد دوم:** یہ تفسیر پارہ عم ہے۔ قدرے کرم خوردہ۔ مخطوطہ کے پہلے ورق پر سید ظفر نواب، گیا کی انگریزی مہر ثبت ہے۔

HL.2936 **تفسیر قرآن:** اوراق ۴۳۲، ہینڈ لسٹ میں ۳۲ کا ۲ واضح نہیں۔

HL.2950 **تفسیر مودۃ القربا:** مخطوطہ کے ورق ۱ الف پر چھ مہریں ہیں۔ جس میں سے تین مہریں ایک ہی شخص کی ہیں جن کا ذکر ہینڈ لسٹ میں موجود ہے۔ بقیہ تین مہروں کو کسی نے مٹا دیا ہے۔ ورق ۱ ب پر دو مہریں ہیں۔ ایک محمد راجہ زماں خاں بہادر کی اور دوسری مہر سید محمد بخش کی ہے۔ جس کے نیچے یہ عبارت مذکور ہے۔

"من متملکات عبد الضعیف الراجی الی رب القوی سید محمد بخش المشہدی الحسینی قیمت ہر چہار مبلغ یکصد و شانزدہ روپیہ"۔

اسی صفحہ پر سید ظفر نواب، گیا کی انگریزی مہر ثبت ہے۔ مخطوطہ کے آخری ورق پر بھی محمد راجہ زماں خاں بہادر کی ایک مہر ثبت ہے۔ مصنف کا پورا نام میر محمد کاظم المخاطب بہ سیف خاں بن میر میران نعمت اللہی الحسنی الحسینی ہے۔ نسخہ مختلف خطوں شکستہ نستعلیق اور تالیق میں تحریر کیا گیا ہے۔

HL.3318 **تفسیر یعقوبی:** سنہ کتابت ۲ رجب ۱۱۰۸ فصلی ہے۔ کاتب کا پورا نام شیخ امان اللہ عثمانی بن شیخ انور بن شیخ عبد الہادی ہے۔ ناقص الاول۔ اوراق ۱۵۹، نہ کہ ۱۷۹۔ سطور ۱۵، نہ کہ ۱۳۔

HL.3644 **جواہر التفسیر جلد اول:** کتاب کا پورا نام "جواہر التفسیر تحفۃ الامیر" ہے۔ اوراق ۹۵، نہ کہ ۸۱۔

HL.2746 **فتح العزیز:** مخطوطہ کی ابتدا اور اخیر میں فقیر عبد الوہاب عرف دیدار علی ۱۲۴۸ کی مہریں ہیں۔ یہ عرف پارہ عم کی تفسیر اس کے کاتب دیدار علی ہیں۔

HL.3157 **منہج الصادقین:** یہ سورہ طٰہٰ سے سورہ اخلاص تک ہے۔

HL.3660 **مواہب الیہ:** یہ تفسیر دو جلدوں میں ہے۔ مذکورہ نسخہ جلد دوم ہے۔ سنہ کتابت ۱۷ رمضان ۱۰۶۷ھ۔ اوراق ۲۴۴، نہ کہ ۱۴۲۔ سطور ۲۵-۲۷، نہ کہ ۲۵۔

HL.4011 **نجوم الفرقان:** کتاب کا نام دیباچہ میں علامات نجوم الفرقان" مذکور ہے اور اس کے مصنف مرزا مصطفیٰ

۱۲۰۰ معلوم ہوتا ہے اس مہر کے اوپر یہ عبارت ہے: "دفتر دوم از کتاب سراج اللغت (اللغت) مسمی چراغ ہدایت در نیلام جلال الدولہ بہادر مرحوم بقیمت ہفت روپیہ خرید کردہ شد۔ اسی ورق پر سید ولایت علی خاں کا دستخط بھی موجود ہے۔

• HL.774 / No.808 **چراغ ہدایت**: اوراق ۲۰۱، نزکرہ ۱۰۱۔ HL.775 / No.809 **چراغ ہدایت**: اوراق ۲۸۰، نزکرہ ۲۸۱ •

نسخہ کے اختتام کے بعد یہ تحریر ہے: "تحریر فی تاریخ بست دیم (دوم) ماہ محرم الحرام (محرم الحرام) ۱۸۵۵ء بقلم منشی مصہر حسین (مظہر حسین) صاحب باشندہ محلہ چھوڑی چک نوشت۔" اور اس کے نیچے یہ عبارت: "بتاریخ یکم رجب روز جمعہ بدست شیخ رحمت علی جلد ساز ظہور الدین این نسخہ را بقیمت ہشت آنہ خرید کردہ شد۔" اس کے نیچے دستخط ہے جو واضح نہیں •

HL.776 / No.819 **دستور اللغت**: سنہ کتابت ۱۰ رمضان المبارک ۱۱۱۴ھ۔ نسخہ کی ابتدا میں دو مہریں ہیں (۱) فقیر اللہ عفی عنہ ۱۱۶۷ (۲) حفظ اللہ المتوکل مسیح العارفین علی اللہ۔ فقیر اللہ والی مہر کے اوپر یہ عبارت لکھی ہوئی ہے: "مالکہ حاجی الحرمین حاجی فقیر اللہ بن عبد الرحمن الحنفی" •

HL.777 / No.791 **شرفنامہ احمد منیری**: یہ کتاب فرہنگ ابراہیمی یا شرفنامہ ابراہیمی کے نام سے زیادہ مشہور ہے۔ نسخہ کے آخری ورق پر محمد معصوم حسینی ۱۱۶۹ کی ایک مہر ثبت ہے۔ سنہ کتابت ۱۰ جمادی الاول ۴۶ جلوس والایہ مذکور نہیں کہ یہ سن جلوس کس کا ہے۔ •

HL.778 / No.792 **شرفنامہ احمد منیری**: مخطوطہ کے دوسرے ورق پر عزیز خاتون ... کی مہر ثبت ہے •

HL.779 / No.830 **الصراح من الصحاح**: نسخہ کی ابتدا میں چار اور آخیر میں دو مہریں ہیں۔ ابتدا میں ۱۰ رجب ۱۱۶۰ کا ایک عرض دیدہ بھی ہے۔ ایک مہر محمد شاہ بادشاہ غازی ۱۱۱۲ کی ہے، دوسری اور تیسری مہر محمد علی ... کی ہے، اور چوتھی کسی حنیف الدین کی۔ اخیر کی دو مہروں میں ایک محمد شاہ بادشاہ غازی ۱۱۱۲ کی ہے، اور دوسری مہر محمد علی ... کی معلوم ہوتی ہے۔ حنیف الدین کی مہر کے نیچے یہ عبارت مذکور ہے: "بقیمت یکصد و شش روپیہ خریدہ شد۔" دوسری جگہ مذکور ہے: "بقیمت مبلغ یکصد و پنجاہ و یک روپیہ خریدہ شد۔" •

HL.784 / No.797 **فرہنگ جہانگیری**: مخطوطہ کے ورق ۲۲۴ پر یہ عبارت مذکور ہے: "ابو القاسم خاں صاحب قبلہ این کتاب از راہ احسان بفقیر علی ابراہیم عنایت کردند۔" اور ورق ۲۶۵ پر قاسم علی خاں کا دستخط اور مہر ثبت ہے۔ یہ مہر حاشیہ میں نئی جلد سازی کی وجہ سے زیادہ کٹ گیا ہے۔ مہر میں مذکور تاریخ ۱۱۶۵ھ ہے •

HL.785 / No.798 **فرہنگ جہانگیری**: مخطوطہ کے ابتدائی ۴۹ اوراق کے کاتب نعمت اللہ بن حسن دہلوی ہیں۔ تاریخ کتابت کے لیے صرف ۱۰ ربیع الاول مذکور ہے اور آخر کے ۱۰۱ اوراق جو خاتمہ ہے، اس کے کاتب خواجہ حسن ابن خواجہ محمد ہیں اور سنہ کتابت ۱۲۰۴ھ ہے۔ ہینڈ لسٹ اور توضیحی کیٹلاگ میں سنہ کتابت ۱۲۰۴ھ دیا گیا ہے جو غلط ہے۔ نسخہ کے پہلے ورق پر ایک غیر واضح مہر ہے اور اس کے ساتھ یہ عبارت ہے: "کتاب فرہنگ شاہ جمال الدین حسن بخط شکستہ جلد سرخ با ترویج و زنجیرہ

۵

لغات

• HL.768 / No.805 اشہراللغات : توضیحی کیٹلاگ میں اس مخطوطہ پر J. H. Blochmann کی مختلف تحریروں کا ذکر کیا گیا ہے لیکن مخطوطہ پر سوائے اس تحریر کے Blochmann کی کوئی اور تحریر موجود نہیں Ms No. 213 ashhar ullughat (sd) J. H. Blochmann 1870 اوراق ۳۶۸، نہ کہ ۳۶۷ • HL.769 / No.802 برہان قاطع: مصنف کے نام میں خلف تبریزی سے قبل ابن کا اضافہ ہینڈ لسٹ میں ہونا چاہیے۔ نسخہ کے ورق ۳ پر محمد بخش خاں مرحوم کا دستخط اوران کی تحریر، یہ رباعی موجود ہے:

روزی کہ روح دامن عمرم رہا کند — واین تیرہ خاک بند ز بندم جدا کند
یارب نگاہدار تو ایمان برآں کسے — کاین خط من بخواند و بر من دعا کند

کتبہ محمد بخش خاں عفی عنہ

اسی ورق پر دو مہریں ثبت ہیں جسے کسی نے مٹا دیا ہے اسکے نیچے درج ذیل تحریر ہے:

"چون بندہ گنہ گار روسیاہ (...) ایں کتاب لبعرف از خطیر بہم رساندہ درینصورت امید از نوادرات ... آن دارد کہ درعالم جناب خورہ بعد ممات ہرگاہ بمطالعہ آرند عاصی را بدعای منفرت وقرأت سورۃ فاتحہ للہ یاد فرمایند کہ شاید وسیلہ نجات ایں روسیاہ شود تحریر سیزدھم ماہ محرم الحرام ۱۲۳۹ھ درسن یکہزار ودصد وسی ونہہ مرقوم بقلم عفی عنہ"

• HL.770 / No.803 برہان قاطع : کاتب نے اس کی کتابت ۲۶ شعبان ۱۱۵۱ھ کو شروع کی اور ۱۱ ربیع الثانی کو اسکی تکمیل ہوئی۔ اوراق ۴۲۹، نہ کہ ۴۳۲ • HL.771 / No.814 (منتخب) بہار عجم : اوراق ۷۰۶، نہ کہ ۱۴۲۰ • HL.772 / No.821 تاج المصادر : ناقص الآخر۔ اوراق ۲۲۸، نہ کہ ۲۲۹۔ سنہ کتابت ہینڈ لسٹ میں ۱۹ ویں صدی اور توضیحی کیٹلاگ میں ۱۴ ویں صدی مذکور ہے۔ لیکن قیاس ہے کہ یہ ۱۲ ویں صدی ہجری کا مکتوبہ ہے • HL.773 / No.807 چراغ ہدایت سنہ کتابت ۱۴ صفر ۱۲۴۰ھ ہے۔ نسخہ کی ابتدا اور خاتمہ پر کتب خانہ سید ولایت علی خاں اور خورشید نواب کی مہر ثبت ہے۔ ان مہروں کے علاوہ ابتدا میں ایک اور مہر بھی ہے جسے مٹانے کی کوشش کی گئی ہے لغور دیکھنے سے یہ مہدی حسین رضوی

اس کی سنہ کتابت سے ۱۶ سال بعد کی تحریر ہے ۔ ۲۶۲ اوراق پر کتاب مکمل ہو جاتی ہے، اس کے بعد ۱۱ اوراق
آنند رام کا ایک اور رسالہ ہے جو پھل اور پھول کی خصوصیات پر ہے اور اس کے بعد ۱۹ اوراق پر غیر متعلق فہرست
ہے۔ نسخہ کی ابتدا اور اخیر میں کتب خانہ سید ولایت علی خاں اور خورشید نواب کی مہریں ہیں۔ ابتدا میں سید ولایت
علی خاں کا دستخط اور یہ تحریر ہے: "۲۷ شعبان ۱۲۷۵ ہجری بدداز ہم خریدہ شد" ● HL.797 / No.820 مصادر: کتاب کا
نام تاج المصادر ہے اور اس کے مصنف امام ابوجعفر احمد بن علی المقری البیہقی ہیں۔ سنہ کتابت ۱۰ جمادی الاول ۸۰۵ھ
ہے۔ ہینڈلسٹ میں نمبر فہرست انگریزی کے تحت اس کا نمبر ۸۱۷ دیا گیا ہے جو غلط ہے۔ اس کا نمبر ۸۲۰ ہونا چاہیے۔ اس نسخہ
کے کاتب کا نام محمد بن رشید الملقب بہ شہاب ہے۔ اس کے ورق ۱۹۴ ب پر وحید النبی خاں کی مہر ثبت ہے۔ نسخہ کے
ورق ۵ الف پر یہ عبارت مذکور ہے: "بتاریخ ۲۲ شہر رمضان سنہ مطابق ۱۱۲۰ ہجری کتاب تاج المصادر خرید نمودہ شد"
مہر یہ عبارت: "بتاریخ غرہ ربیع الاول ۱۱۴۲ ہجری علیہ السلام مجلد شد قیمت جلد ۱۰۔ اوراق ۱۰۲، نہ کہ ۱۹۴ ●
HL.798 / No.817 مصادر: اسکا نمبر فہرست انگریزی ۸۱۷ ہوگا، نہ کہ ۸۱۸۔ مخطوطہ کے پہلے ورق پر سات مہریں ہیں، جن
میں سے دو بالکل غیر واضح ہیں۔ ان کے علاوہ اس پر عباد اللہ ۱۱۸۸، زین الدین احمد خاں بہادر ۱۱۲۶ اور دو عدد کے آخری
دو بادشاہوں کی مہریں ہیں۔ اودھ کے ان بادشاہوں کی مہروں کو کسی نے دونوں جگہوں پر مٹا دیا ہے۔ اوراق ۱۶۵، نہ
۱۶۱ ● HL.799 / No.819 مصادر: اوراق ۱۰۳، نہ کہ ۹۹ ● HL.802 / No.813 مصطلحات الشعرا: مخطوطہ کے
ورق پر ۱۲۱۹ کی ایک غیر واضح مہر ہے۔ ۱۷۷ اوراق پر مصطلحات الشعرا مکمل ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد ۴۸ اوراق
ایک دوسری لغت ہے۔ جس کے پہلے ورق پر ممتاز حسین خان ۱۲۸۰ کی مہر ثبت ہے۔ دونوں کتابوں کے درمیان کے
اوراق سادہ ہیں۔ مصطلحات الشعرا کے ورق ۲۶ کے حاشیہ پر ایک سند ہے جس کے لکھنے والے گلزار سنگھ ہیں۔
دونوں خط ایک جیسا ہے، اس لیے اس بات کا قوی امکان ہے کہ اس نسخہ کے کاتب گلزار سنگھ ہی ہیں ● HL.803 / No.833
منتخب اللغات شاہجہانی: مخطوطہ کی ابتدا میں ہشتم جمادی الاول ۱۲۱۲ فصلی کی ایک تحریر ہے۔ جس کے نیچے ایک
مہر ثبت ہے، جسے کسی نے مٹا دیا ہے ● HL.804 / No.834 منتخب اللغات شاہجہانی: اس کا سنہ کتابت ۲۲ ربیع الاول
۱۲۱۲ فصلی ہے اور اس کے کاتب حامد حسین ہیں۔ مخطوطہ کی ابتدا میں سید احمد حسین کی دو مہریں ہیں (۱) سید احمد حسین
۱۲۷۰ (۲) عاصی سید احمد حسین غفراللہ ذنوبہ ۱۲۷۱ ● HL.805 / No.793 موید الفضلا: اوراق ۴۰۶، نہ کہ ۳۹۶۔
سنہ کتابت ۱۵ ذی قعدہ ۱۲۲۶ھ ● HL.806 / No.823 مہذب الاسما: کتاب کا پورا نام دیباچہ میں "مہذب الاسما
در مرتب الحروف" دیا گیا ہے۔ ابتدا میں لسان السلطان محمود الدولہ منشی محمد صفدر علی خاں بہادر کی مہر ثبت ہے۔

طلائی بابت نوابت مصطفیٰ خاں مرحوم جمع کتابخانہ عامرہ شدہ بتاریخ ۲۹ ... ۱۰۶۵ھ" مہر کے اوپر یہ عبارت ہے " خاک راہ اہل اللہ... نورالدین محمد"۔ اور اس کے اوپر یہ عبارت "کتاب خاص ممنون اشرف اقدس ارفع محمد بادشاہ غازی" ۔

$\frac{HL.786}{No.799}$ **فرہنگ جہانگیری:** نسخہ کی ابتدا میں دو اور اخیر میں ایک مہر کتبخانہ سید ولایت علی خاں کی ثبت ہے ۔

$\frac{HL.787}{No.800}$ **فرہنگ جہانگیری:** ہینڈ لسٹ میں نمبر فہرست انگریزی کے خانہ میں اس کا نمبر ۸۰۰، مذکور ہے، جب کہ انگریزی نمبر ۸۰۰ ہے۔ نسخہ کی ابتدا میں دو غیر واضح مہریں ہیں۔ اس کے علاوہ یہ تحریر ہے "فرہنگ جہانگیری فرس است العبد المذہب احمد کرمانی" ۔

$\frac{HL.788}{No.801}$ **فرہنگ جہانگیری:** ہینڈ لسٹ میں نمبر فہرست انگریزی کے خانہ میں اس کا نمبر ۸۱۰، مذکور ہے جبکہ اسے ۸۰۱ ہونا چاہیے ۔ نسخہ کی ابتدا میں چار مہریں ہیں۔ دو مہروں کا ذکر ہینڈ لسٹ میں کر دیا گیا ہے۔ تیسری مہر منتظم الملک محسن الدولہ فریدون جاہ سید منصور علی خاں بہادر کی ہے اور چوتھی مہر غیر واضح ہے۔ نسخہ کے اخیر میں بھی مذکورہ بالا سید منصور علی خاں بہادر کی دو مہریں ثبت ہیں۔ سنہ کتابت ۱۶ محرم الحرام ۱۰۶۹ھ ہے ۔

$\frac{HL.789}{No.804}$ **فرہنگ رشیدی:** ترقیمہ کی درج ذیل عبارت سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کے کاتب میر معین الدین ہو سکتے ہیں۔ " بتاریخ سلخ شہر ربیع اول (ربیع الاوّل) روز جمعہ بہ اتمام رسید در سنہ چہارم جلوس بہادر شاہ مالک این کتاب میر معین الدین ہمہ دانی (ہمدانی) است اگر کسی سا نحال دعوا (دعوی) کند باطل است" ۔

$\frac{HL.790}{No.794}$ **کنز اللغات:** $\frac{HL.791}{No.832}$ **کشف اللغات والاصطلاحات:** اوراق ۳۰۷، نہ کہ ۳۰۵ ۔ مخطوط کی ابتدا میں سید ولایت علی خاں کی مہر کے علاوہ مرزا محمد خورشید قدر بہادر بن مرزا محمد اسا نقدر بہادر ۱۲۲۳ کی مہر بھی ثبت ہے اور اس مہر کے اوپر یہ عبارت لکھی ہے: " مالک دٔ ے تحویل دار خورشید قدر بہادر گور گانے ۱۲۶۷ھ"۔ اس کے علاوہ اس پر سید خورشید نواب کا دستخط بھی ہے ۔

$\frac{HL.792}{No.816}$ **لب لباب:** سنہ کتابت ۱۰ ر شوال ۱۲۴۲ھ، نہ کہ ۱۲۴۴ھ۔ کتاب کا سنہ تالیف ۱۲۲۴ھ ہے۔ پہلے ورق پر محمد اسمٰعیل خلف اوسط مذکور ہے۔ امکان یہ ہے کہ یہ سید محمد اسمٰعیل بن محمد بخش خاں ہیں ۔

$\frac{HL.794}{No.796}$ **مجمع الفرس:** کتاب کا پورا نام دیباچہ میں "مجمع الفرس سروری" دیا گیا ہے۔ ابتدا میں کئی مہریں ہیں جنہیں مٹا دیا گیا ہے۔ ایک جگہ مذکور ہے: " قیمت شانزدہ روپیہ۔ محمد نعیم حقے"۔ سنہ کتابت مذکور نہیں، البتہ اس سلسلہ میں صرف اتنا ذکر ہے" فی یوم الاضحی فی بلدہ دولت آباد" ۔

$\frac{HL.795}{No.795}$ **مدار الافاضل:** ہینڈ لسٹ میں مصنف کے نام میں اسد العلا کے بعد 'ی' کا اضافہ ہوگا ۔

$\frac{HL.796}{No.810}$ **مرأت الاصلاح:** سنہ کتابت عیسوی سنہ کے ساتھ ہجری سنہ میں بھی دیا گیا ہے، جو ۲۲ر صفر ۱۲۳۶ھ ہے اور کاتب کا نام کونال جی کالستھ ماتھر ہے۔ کتاب کے خاتمہ کے بعد کاتب کے لڑکے بہاری لعل بن کونال جی کایستھ کی ۱۲۴۴ فصلی

HL.813 / No.829 **شرح نصاب الصبیان**: اس کے کاتب سید یار علی ہیں۔ مخطوطہ کی ابتدا میں محمد غوث علی کی
...ثبت ہے اور اس کے اوپر ان کی یہ تحریر ہے: "جملہ اوراق این کتاب کہ از مصنف رحیم الدین احمد در کلکتہ برسالہ سراجیہ
...ریل گرفتہ ام دانا العبد المبدل بخاتم محمد غوث علی عفی عنہ"۔ • HL.814 / No.811 **نوادر المصادر**: اس کے کاتب ہولعل
... مصنف ٹیکچند بہار کے لکھے مسودہ کو اس کے شاگرد اندرمن نے ۱۲۰۸ھ میں مکمل کیا۔ تاریخ کتابت کے یہ حرف
...رمضان ۴ جلوس معلے مذکور ہے • HL.815 / No.840 **مجموعہ**: ہینڈلسٹ میں نمبر فہرست انگریزی کے خانے
...۴۰ مذکور ہے یہ دراصل ۸۰۴ ہے۔ اس میں تین لغت ہیں۔ پہلی لغت کے ۱۷ اوراق ہیں۔ دوسری کے ۹ اور تیسری
...اوراق پر ہے۔ غرائب اللغات کے تیرھویں ورق پر محمد غوث علی کا نوٹ ہے • HL.816 / No.806 **لغت مجہول الاسم**:
...اق ۶۲۹، نر کہ ۶۴۰ • HL.817 / No.815 **لغت مجہول الاسم**: اوراق ۹۰، نر کہ ۱۰۰۔ پہلے ورق پر ۱۶ محرم ۱۲۶۲ھ کی یہ
...رت مذکور ہے: "این کتاب از کتب متروکہ جناب والد ماجدم قاضی حافظ مولوی محمد غوث علی صاحب مرحوم است۔"

...راۃ العلوم (جلد سوم)

• HL.2855 **بدیع اللغات جہانگیر شاہی** جلد اول: کتاب کے دیباچہ میں مصنف نے
...کا نام "تواریخ جہانگیر شاہی" اور "فرہنگ بدیع اللغات جہانگیری" دونوں لکھا ہے۔ مصنف ایک جگہ کہتا ہے
...کتاب مجموعہ لغات ادویات اطبار مشہورہ و طوائف حکما مفروضہ گشتہ"۔ مصنف نے ورق ۱۹ ب پر اپنا نام دلی
...ہندی لکھا ہے۔ اوراق ۳۶۵، نر کہ ۳۶۰ • HL.2756 **بدیع اللغات جہانگیر شاہی** جلد دوم: اوراق
...۳، نر کہ ۳۵۴۔ ناقص الآخر۔ یہ پتہ نہ چل سکا کہ مرتب ہینڈلسٹ نے سنہ کتابت کہاں سے لیا ہے اور کس
...د پر اسے خود نوشت مصنف لکھا ہے • HL.2768 **برہان قاطع**: یہ کتاب ۱۸۱۸ء میں ایڈٹ کی
...ہے اور اس کے ایڈٹ کرنے والے کرم حسین الحسینی البگرامی ہیں۔ اوراق ۴۵۵، نر کہ ۴۵۴۔ سنہ کتابت
...وی کے ساتھ ساتھ ہجری میں بھی دیا گیا ہے جو ۱۲۷۰ھ ہے • HL.2926 **برہان قاطع**: ناقص الآخر
HL.3733 **بہار عجم**: اوراق ۳۸۵، نر کہ ۳۷۵ • HL.3111 **تجنیس اللغات**: اوراق ۴، نر کہ ۲۔
...سائز ناقص • HL.3561 **تجنیس اللغات**: اوراق ۶، نر کہ ۱۲ خاتمہ میں مصنف کا نام عبدالرحمٰن جامی مذکور
• HL.2697 **چراغ ہدایت**: ہینڈلسٹ میں ۲۶ کا ۶ واضح نہیں بلکہ صرف نقطہ معلوم ہوتا ہے اور پھر
...نف کے نام میں علی اور خاں کے درمیان میں ا غلطی سے چھپ گیا ہے۔ دراصل سراج الدین علی خاں آرزو کی
...غ ہدایت" پر محمد مشائخ نے کچھ ترمیم و اضافہ کے بعد اسے ترتیب دیا ہے • HL.2617 **رسالہ محاورات**

• $\frac{\text{HL.807}}{\text{No.824}}$ مہذب الاسمار: مخطوطہ کی ابتدا میں ولی الدین خدا بخش کا یہ نوٹ ہے:

Purchased for Rs. 150/- only

sd. Librarian

O.P.L. Bankipur 2/12/(19)20

اور دوسرے ورق پر ان کی یہ تحریر: "داخل کتبخانہ شد، ولی الدین خدا بخش کتابدار کتبخانہ عمومیہ بانکیپور، مورخہ ۲ دسمبر ۱۹۲۰ء" اسی ورق پر کاظم علی ۱۲۱۱ کی مہر بھی ثبت ہے۔ کتاب کے دیباچہ میں اس کا نام "مہذب الاسمار فی مزید الاسمار" دیا گیا ہے۔ توضیحی کیٹلاگ میں نسخہ کے آخر میں ایک نوٹ کا ذکر کیا گیا ہے۔ یعنی "بقیمت پنجروپیہ خریدہ شدہ ۲۵ فروری سنہ ۱۹۰۲ء" لیکن نسخہ میں ایسا کوئی نوٹ نہیں ہے۔ نسخہ ناقص صرف اس معنی میں ہے کہ اس میں آخری ۲۳ سطریں کم لکھی گئی ہیں۔ اوراق ۱۸۵ تا ۱۸۳۔ آخری ایک ورق پر فالنامہ حضرت امیر المومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام، رحیم بن محمد زماں حسین کی تحریر میں ہے۔ کتاب مہذب الاسمار کے خاتمہ کے بعد کسی رحیم بن محمد زماں الحسینی کی درج ذیل تحریر ہے جس کے نیچے ایک غیر واضح مہر ثبت ہے: "وقف پیغمبر آخر الزماں عود العبد رحیم بن محمد زماں الحسینی بشرط از پیش مومنین صلحای دیگر نزد دبعد از فراغ دیگری از ایشان خراید باید کہ بدہند و کذا"۔ $\frac{\text{HL.808}}{\text{No.835}}$ شرح نصاب بدیع: نسخہ کے پہلے ورق پر سید محمد اسمٰعیل خلف اوسط محمد بخش خان کا دستخط موجود ہے۔ • $\frac{\text{HL.809}}{\text{No.825}}$ نصاب الصبیان: مخطوطہ کی ابتدا اور اخیر میں کتب خانہ سید ولایت علی خاں اور خورشید نواب کی مہر اور سید ولایت علی خاں کا دستخط موجود ہے۔ اس کے کاتب حسن الدین مسعود ہیں۔ سنہ کتابت کا سال مذکور نہیں، صرف ۱۵ رمضان المبارک مذکور ہے۔ ہینڈلسٹ میں سنہ کتابت کے خانے میں ایضاً مذکور ہے اور اس کے اوپر مذکور نسخہ کا سنہ کتابت ۱۲۴۴ھ ہے۔ اس لیے یہاں ایضاً غلط لکھا گیا ہے۔ • $\frac{\text{HL.810}}{\text{No.826}}$ نصاب الصبیان: کتاب کے خاتمہ کے بعد دوسرے خط میں یہ تحریر ہے: "کتبہ سید محمد علی پسر میر احمد علی خاں ..."۔ چونکہ کتاب کی تحریر سے یہ تحریر نہیں ملتی اس لیے یہ کاتب نہیں ہو سکتے کسی اور صاحب نے اس کے نقل میں ہی اس کی وضاحت اس طرح کر دی ہے: "کاتب شما نیست این کاتب را نام نہ معلوم است دروغ کویست شما"۔ مرتب ہینڈلسٹ اور توضیحی کیٹلاگ نے اسے ہی کاتب مان کر اس کا نام لکھ دیا ہے۔ کتاب کے آخری ½ ورق پر طالب کلیم کی غزل، عادل اور ناصر علی کے اشعار ہیں۔ • $\frac{\text{HL.811}}{\text{No.827}}$ نصاب الصبیان سنہ کتابت ۱۱۴۰ تا ۱۱۶۰ھ۔ • $\frac{\text{HL.812}}{\text{No.828}}$ نصاب الصبیان: مخطوطہ کی ابتدا میں ایک اور اخیر میں دو مہریں تھیں۔ ابتدا اور اخیر کی ایک مہر کو پورے طور پر مٹا دیا گیا ہے۔ دوسری مہر کی عبارت یہ ہے: "اختصاص بندہ اخلاص"

سید احمد عبداللہ حسینی واسطی بلگرامی اللھم صل علی محمد و آلہ وسلم"۔ ● HL. 2859 **فواید الصبیان** : اوراق ۱۲۹ ہینڈلسٹ میں عدد اوراق واضح نہیں۔ ناقص الاول۔ ابتدائی ایک ورق نہیں ہے۔ کتاب کے خاتمہ کے بعد ایک ورق پر حق ملکیت سے متعلق خلیل الدین احمد کی تحریر ہے ● HL. 2467 **کشف اللغات** : کتاب کا نام کشف اللغات نہیں بلکہ زبدۃ اللغات ہے اور یہ کشف اللغات سے انتخاب ہے۔ تعداد سطور ۲۱-۳۱، نہ کہ ۲۴۔ نسخہ کے پہلے ورق پر سید وحید بخش کی تحریر حق ملکیت کے سلسلے میں ہے ● HL. 2916 **کشف اللغات** جلد اول: کتاب کا پورا نام "کشف اللغات والاصطلاحات" ہے۔ نسخہ کے پہلے ورق پر سید ظفر نواب، گیا کی انگریزی مہر ثبت ہے ● HL. 2925 **کشف اللغات جلد دوم** : اوراق ۳۷۱، نہ کہ ۳۶۴۔ سنہ کتابت ۸ جلوس شاہ عالمگیر ہے اور کاتب منگل سین ● HL. 2588 **لغت فارسی** : کتاب ناقص الطرفین نہیں بلکہ صرف ناقص الاول ہے لفظ "شاروف" سے ابتدا ہوتی ہے۔ تعداد سطور ۱۲، نہ کہ ۲۰۔ اوراق ۳۷۰، نہ کہ ۳۶۹ ● HL. 2560-A **مجمع الفرس** : کتاب کا نام اس کے دیباچہ میں مجمع الفرس سروری دیا گیا ہے۔ کرم خوردہ سنہ کتابت نسخہ میں مذکور نہیں جبکہ ہینڈلسٹ میں ۱۰۰۸ھ مذکور ہے ● HL. 2861 **مجموعہ فرہنگ شیر خانی** : کتاب کا نام فرہنگ بشیر خانی ہے اور اس کے مصنف بشیر خان ہر مرید سور ہیں ● HL. 2731 **منتخب اللغات شاہجہانی** : ناقص الآخر۔ اس میں صرف "ش مع ل" تک ہے۔ بقیہ نہیں ● HL. 2806 **منتخب اللغات شاہجہانی**: ہینڈلسٹ میں مذکورہ مہروں کے علاوہ اس میں تین مہریں اور بھی ہیں، جن میں ایک محمد صفی ۱۲۲۲ کی ہے۔ دوسری مہر ۱۲۴ کی ہے۔ صاحب مہر کا نام واضح نہیں۔ تیسری مہر غیر واضح ہے۔ سنہ کتابت بارھویں صدی، نہ کہ تیرھویں صدی۔ اوراق ۱۴۸، نہ کہ ۱۴۵۔ اس میں آخر سے صرف ع (عصبانہ) تک ہے۔ اس کے بعد کے حصہ کو کاتب نے مکمل نہیں کیا ہے۔ ● HL. 3348 **منتخب اللغات شاہجہانی** : اس نسخہ میں دیباچہ یا مقدمہ نہیں۔ اس کے بغیر ہی لغت شروع کردی گئی ہے۔ سنہ کتابت ۲۹ ربیع الثانی ۱۲۸۰ فصلی، نہ کہ ۱۲۸۰ ہجری ● HL. 3114 **نصاب الصبیان**: اوراق ۵۰، نہ کہ ۴۸ ● HL. 3004 (۱) **نصاب الصبیان** : اوراق ۲۷، نہ کہ ۲۷۔ ناقص الاول و قدرے کرم خوردہ۔ اس کے آخری ورق پر عبدالصمد جعفری ۱۲۳۱ اور علی بخش جعفری ۱۲۴۸ کی مہر ثبت ہے۔ (۲) **نصاب مثلث** : مخطوطہ کے پہلے ورق پر علی بخش جعفری ۱۲۴۸ اور آخری ورق پر عبدالصمد جعفری ۱۲۳۱ کی مہریں ہیں۔ کتاب کا نام نصاب اخوان ہے اور اس کے مصنف ملا بدیعی ہیں۔ کتاب ۱۸ اوراق پر ہے اور سنہ کتابت ۱۹ محرم الحرام ۱۱۵۷ فصلی HL. 3004/3 کے تحت "نصاب مثلث" ہے۔ اس کے پہلے ورق پر علی بخش جعفری ۱۲۴۸ کی

واصطلحات : مذکورہ بالا نمبر کی طرح اس میں بھی ۲۶ کا چھ واضح نہیں ہے۔ اس کے مصنف محبوب
اوراق ۲۴، نکر ۴۴۔ کاتب کا نام اور سنہ کتابت نسخہ میں مذکور نہیں • HL . 3986 ریاض الحروف
کاتب شیام لعل ہیں اور سنہ کتابت ۲۲ ذی الحجہ ۱۲۶۲ھ ۔ اوراق ۲۹، نکر ۸۲۔ تعداد سطور ۱۳، نکر ۱۱۔
سے قبل ایک ورق پر یہ عبارت مذکور ہے: "ایں کتاب از استادی عبرتے (عبرتی) عنایت شدہ۔
سنہ تصنیف بھی ۱۲۶۲ھ ہے • HL . 3750 زفان گویا : نسخہ میں کتاب کا پورا نام "زفان گویا
مذکور ہے • HL . 2848 سراج اللغات جلد اول : ناقص الآخر۔ نسخہ کی ابتدا میں یہ عبارت
"سراج اللغات معرفت خواجہ نجف علیخاں صاحب خریدہ شد ۱۲۶۶ ہجری" • HL . 3813
جلد دوم : نسخہ کی ابتدا میں ڈاکٹر عابد رضا بیدار ڈائرکٹر خدا بخش لائبریری کی وضاحت موجود ہے کہ
سراج اللغات نہیں بلکہ چراغ ہدایت ہے، جو چھپ چکی ہے: "در اصل یہ سراج اللغات کی
البتہ اس کا نام 'چراغ ہدایت' ہے۔ اس کے پہلے ورق پر سید محمد حسن، ۱۲۲۰ کی مہر نہیں، بلکہ ابتدا
میں سید احمد حسن، ۱۲۲۰ کی کئی مہریں ثبت ہیں۔ اور ابتدا میں صاحب مہر کی یہ تحریر بھی ہے: "امروز
ربیع الثانی ۱۲۲۸ ہجری مطابق چہارم ماہ اپریل ۱۸۱۳ عیسوی روز یکشنبہ است بندہ احمد حسن حسنے
ملازمت خداوند نعمت مسٹر اڈوارڈ پیری صاحب رفتہ بود صاحب ممدوح از راہ توجہات و عنایا
مسمی السراج اللغۃ من تصنیف سراج الدین علی خاں متخلص بآرزو راست مرحمت فرمودند" • 55
نصاب الصبیان : اس کے (مصنف، شارح محمد بن فصیح بن محمد المدعو بکریم دشت بیاضی ہیں •
شرح شعرا : اوراق ۱۰۳، نکر ۱۰۲ • HL . 2632 غرایب اللغات : تعداد سطور ۱۹، نکر
کے اختتام کے بعد ۱۴ اوراق پر سیفی بخاری کی عروض سیفی ہے اور اس کے بعد ۷ اوراق پر فارسی
اشعار • HL . 2572 فرہنگ جہانگیری : شاید یہ فرہنگ جہانگیری کا خاتمہ ہے جو ۱۱۹
کر ۱۲۰۔ آخر سے اوراق ناقص اور ورق رسے کرم خوردہ ہیں • HL . 3131 فرہنگ جہانگیری
اوراق ۳۲۱، نکر ۳۲۶۔ نسخہ کے پہلے ورق پر محمد اسمٰعیل کی مہر ثبت ہے • HL . 2845 فرہنگ
اوراق ۴۶۰، نکر ۵۲۴۔ ناقص الاول ابتدائی ایک ورق نہیں ہے • HL . 3542 فرہنگ
اوراق ۱۳۹، نکر ۱۴۰۔ تعداد سطور ۲۴-۲۷، نکر ۲۵۔ ناقص الاول۔ ابتداً سائی سے ہوتی ہے
احسن کی یہ تحریر ہے: "در سنہ ۱۲۲۴ ہجری دوم ماہ شوال از صحت ایں کتاب فراغ دست داد

قصص وحکایت

جلد اوّل

HL.703 / No.740 احسن الحکایات : اس کے مصنف حافظ محمد رضای ہروی معروف بہ سرخ (م ۱۰۵۲ھ) ہیں۔ ظفر خاں احسن
وبیدار کشمیر کے حکم سے مصنف کے مسودہ کو ترتیب دیا گیا۔ مرتب نے اپنا نام نسخہ میں نہیں دیا ہے۔ چونکہ مذکورہ صوبیدار
اب) کا نام احسن اللہ تھا اس لیے اس کتاب کی ترتیب کے بعد کتاب کا نام احسن الحکایات رکھا گیا۔

•. HL.704 / No.767 (ترجمہ) الف لیلہ : کتاب کا نام ترجمہ حکایات الف لیلہ مناسب ہے • HL.705 / No.731
وار سہیلی : اوراق ۳۶۹، نہ کہ ۳۷۰۔ ناقص الاوّل۔ مخطوطہ کا ابتدائی ایک ورق نہیں ہے۔ سنہ کتابت ۲۵ ذی الحجہ
۱۲ھ ہے۔ کاتب کا نام تیجسنگہ (تیج سنگھ) خلف گردھاری مل جوہری ہے • HL.706 / No.746 بکاولی : کتاب گل بکاولی
کے نام سے مشہور ہے • HL.710 / No.752 بوستان خیال : اوراق ۱۵۴ نہ کہ ۱۵۳ • HL.713 / No.755 بوستان
یال : ناقص الاوّل • HL.715 / No.757 بوستان خیال : سنہ کتابت ۱۲۲ فصلی ہے نہ کہ ہجری۔ توضیحی کیٹلاگ
ں فصلی سنہ کتابت صحیح مذکور ہے۔ کاتب کا نام دندیال (دین دیال) ہے۔ اوراق ۲۱۷ نہ کہ ۲۴۴ • HL.716 / No.758
ستان خیال : اوراق ۲۱۸ نہ کہ ۲۱۶، سطور ۱۹-۲۵ نہ کہ ۲۲ • HL.717 / No.759 بوستان خیال : تعداد سطور
۲-۲۵ نہ کہ ۲۵ • HL.723 / No.765 بوستان خیال : کتاب کی ابتدا میں سید ولایت علی خاں اور خورشید نواب
ثبت ہے • HL.725 / No.742 بہار دانش : اوراق ۲۸۲ نہ کہ ۲۸۰ ناقص الآخر • HL.726 / No.727 جامع الحکایات : کتاب
نام دیباچہ میں "جامع الحکایات ولوامع روایات" مذکور ہے۔ اوراق ۱۴۱، نہ کہ ۳۶۶۔ ورق ۱۳ اور ۴ بعد میں تحریر کرکے
ل کیے گئے ہیں۔ آخری ورق پر ایک ہلکی مہر ہے جسے پڑھنا مشکل ہے • HL.727 / No.745 ریاض الکمال :
س کے مصنف نظام الدین انصاری کاشغری ہیں اور یہ کتاب کی جلد اوّل ہے • HL.728 / No.739 زبدۃ الرموز :
خہ کے پہلے ورق پر لال روشنائی سے اودھ کے بادشاہوں کی مہریں ہیں ان میں سے ایک صاف اور واضح ہے
سلیمان جاہ کی ہے۔ کتاب ناقص الآخر ہے۔ توضیحی کیٹلاگ میں اس کے ناقص الآخر ہونے کا ذکر آگیا ہے۔ نسخہ

کی ایک مہر ثبت ہے۔ اوراق ۷، نہ کر ۱۵ ● HL.3110 **نصاب مثلث**: اس کے مصنف ملا بدیعی ہیں۔ ● HL.2658 **نصاب مثلث**: اس کے مصنف ملا بدیعی ہیں ● HL.2622/3 **فرہنگ بہار دانش**: کتاب کا نام فرہنگ بہار دانش و علاء ہے ● HL.3023/5 **رسالہ درلغت گلستان**: کتاب کا نام فرہنگ قادری ہے۔ تعداد سطور ۱۴-۲۰، نہ کر ۱۵۔ ناقص الآخر ● HL.2871/4 **نصاب بدیع**: اوراق ۱۹، نہ کر ۲۰۔ اس کے مصنف بدیعی ہیں اور کاتب حسین بخش ● HL.2871/2 **نصاب مثلث**: سنہ کتابت ربیع الثانی ۱۲۳۵ فصلی۔ اس کے مصنف بدیعی ہیں۔

●●

• HL.733 / No.736 **عیارِ دانش**: اوراق ۲۴۴، نہ کہ ۲۴۸ تاریخ کتابت ۲۰ رذی الحجہ ۱۲۱۹ فصلی ہے۔ آخر کے ۲ اوراق Partly defective میں • HL.734 / No.737 **عیارِ دانش**: سنہ کتابت ۱۲۲۵ فصلی ہے نہ کہ ہجری یعنی ۱ شعبان ۱۲۲۵ فصلی۔ اوراق ۱۹۸، نہ کہ ۱۹۳۔ مخطوطہ قدرے کرم خوردہ ہے • HL.736 / No.768 **قصۂ امیر حمزہ**: نسخہ کے ورق ۱ الف پر ایک غیر واضح مہر ہے اور ورق اب پر سید ایس نواب کی انگریزی میں مہر ثبت ہے • HL.739 / No.743 **قصۂ کامروپ**: سنہ کتابت ۲۵ رشوال ۱۱۵۹ فصلی ہے نہ کہ ہجری اور کاتب کا نام برکت اللہ۔ کاتب کا نام توضیحی کیٹلاگ میں مذکور ہے • HL.740 / No.[illegible] قصۂ مہر جبیں و نیر افروز: سنہ کتابت ۲ ربیع الاوّل ۱۱۰۵ھ ہے۔ پوری کتاب پر لال نیلے اور سنہرے حاشیے اور سنہرے بیل بوٹے بنے ہوئے ہیں • HL.743 / No.734 **لطائف الطوائف**: اوراق ۱۷۱، نہ کہ ۱۷۵۔ ناقص الطرفین۔ توضیحی کیٹلاگ میں ناقص الطرفین ہونے کا ذکر ہے • HL.745 / No.730 **نسیم الربیع**: نسخہ کے پہلے ورق پر دس اور آخری ورق پر دو مہریں ہیں۔ ابتدا کی صرف دو مہریں واضح ہیں ایک محمد جار اللہ خاں رضوی جس کا توضیحی کیٹلاگ میں ذکر کیا گیا ہے، اور دوسری "عارف شد مرید شاہ جہاں بادشاہ" بقیہ مہریں یا تو ہلکی ہیں یا انہیں مٹانے کی کوشش کی گئی ہے۔ کئی مہروں پر شاہجہان کا نام واضح ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مہریں ان کے درباریوں کی ہیں۔ آخری ورق پر ایک مہر ۱۰۸۸ھ کی ہے۔ یہ کسی اسمٰعیل کی ہے پورا نام یا عبارت پڑھی نہیں جا رہی۔ دوسری مہر بھی غیر واضح ہے۔ اوراق ۱۹۹، نہ کہ ۱۹۷۔

جلد سوم

• HL.3933 (نسخہ) **آتش کدۂ عشق**: اوراق ۹۱، نہ کہ ۸۸۔ قدرے کرم خوردہ۔ • HL.[illegible] **احسن القصص**: اوراق ۴۴، نہ کہ ۶۶۔ نسخہ کے پہلے اور آخری ورق پر عبدالکریم بن نظام کی مہر ثبت ہے۔ بعد میں احسن القصص ورق ۲۴ سے شروع ہوتی ہے۔ اس کے قبل کے اوراق پر غیر متعلق مختصر رسالے اور اس سے قبل غزلیں اور قصیدے ہیں • HL.4096 **انوارِ سہیلی**: نسخہ کی ابتدا میں ایک ہلکی مہر ہے جس کی یہ عبارت پڑھی جا سکتی ہے "سید نور علی"۔ اوراق ۴۶۴، نہ کہ ۴۶۶ • HL.2535 **بوستانِ خیال**: ہینڈ لسٹ میں سنہ کتابت کے خانے میں ۱۱۶۹ھ لکھا ہے۔ یہ سنہ کتابت نہیں سنہ تصنیف ہے۔ قیاس یہ ہے کہ یہ تیرھویں صدی ہجری کا مکتوبہ ہے۔ کرم خوردہ ہونے کی وجہ سے آخر سے ناقص ہے اور آخری صفحہ کے کچھ حصے جن میں ترقیمہ بھی ہو سکتا ہے، موجود نہیں ہیں۔
• HL.2677 **بوستانِ خیال** (جلد سوم): اوراق ۵۸، نہ کہ ۵۰۔ سنہ کتابت ۲۲ جمادی الثانی ۱۲۴۹ھ ہے۔ نسخہ کے شروع اور اخیر میں عالم علی الحسینی ۱۱۴۳ کی مہر ثبت ہے • HL.2884 **بوستانِ خیال**: ہینڈ لسٹ

کے پہلے ورق پر اس کے اوراق کی تعداد ۳۸۵ لکھی گئی ہے [یعنی اصلاً اس میں اتنے ہی ورق تھے] جبکہ اس میں ب
۲۵۶ اوراق موجود ہیں یعنی بقیہ ۱۲۹ اوراق آخر سے ضائع ہوگئے ۔ پہلے ورق پر یہ عبارت بھی مذکور ہے " ربیع الاول ۱۲۶
بجائزہ رسید"، اور ایک جگہ " ... فدوی منشی محمد علی " ۔ • HL.729 / No.738 **زینت المجالس** : مخطوطہ کے پہلے اور آخری ورق
پر کتب خانہ سید ولایت علی خاں اور خورشید نواب کی مہر ہے ۔ نسخہ کی ابتدا میں ایک ورق پر غیر متعلق فارسی اشعار
کاتب کا نام کمال الدین نہیں ہے ۔ ترقیمہ ناقص ہے، البتہ اتنا پڑھا جا رہا ہے " .... بتوفیق اللہ تعالٰی فی روز یکشنبہ
شہر رجب المرجب سنہ احدی مایہ الف ... سم ابن کمال الدین ..." اس طرح کاتب ... ابن کمال الدین ہیں اور سنہ کتابت
رجب ۱۱۰۱ھ، اوراق ۳۱۹ نہ کہ ۳۱۸، توضیحی کیٹلاگ میں سنہ کتابت مذکور نہیں ۔ نسخہ کے ورق ۳۱۱ پر بھی ایک مہر
ہے جو واضح نہیں • HL.730 / No.728 **طوطی نامہ** : ابتدائی ۱/۲ اوراق پر مختلف طبی نسخے ہیں اور ورق ۲ ب پر دو
جو غیر واضح ہیں • HL.731 / No.729 **طوطی نامہ** : سنہ کتابت کے لیے ہجری کے ساتھ ساتھ ۱۹ جلوس والا محمد شاہ غازی
مذکور ہے ۔ کاتب کا نام سید محمد وانق (واثق) ولد سید محمد فاضل ہے ۔ نام کے غیر واضح حصے کو تھوڑا سا کیڑے
کھا لیا ہے • HL.732 / No.735 **عیار دانش** : نسخہ کے پہلے ورق پر ایک غیر واضح مہر ہے ۔ آخری ورق پر بھی ترقیمہ
بعد ایک مہر ہے جس کی یہ عبارت پڑھی جا سکتی ہے :

" ... الدولہ عمدۃ الملک سرفراز خاں سیمیں بنری ..... ۱۲۲۳ " ۔

سنہ کتابت ۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۲۲۳ھ ہے ۔ اوراق ۲۴۴ نہ کہ ۳۰۶ ۔ ابتدا سے قبل ایک ورق پر نسخہ اور ادعیہ کے
یہ عبارت بھی مذکور ہے :

" نسخہ کلیلہ و دمنہ بنظر یادگار از کتب خانہ الیت صاحب بہادر بقیمت دہ روپیہ خرید نمودہ شد برای نب
تحریر گشت فی تاریخ یکم ستمبر ۱۸۶۰م "

آخر کے ایک ورق پر تاریخ مسجد دوست نگر کے تحت دو تاریخیں ہیں جو اس طرح ہیں :

تاریخ مسجد دوست نگر

چو این مسجد زعظمت خاں بنا یافت
کہ باشد سجدہ گاہ اہل اسلام
پئے تاریخ این فرخندہ مسجد
معظم مسجد آمد سال اتمام

دیگر

در زماں بادشاہ دین پناہ
شاہ عالمگیر غازی ذوالکرم
خواجہ عنبر ناظر شایستہ خاں
مسجد نو ساخت چون بیت الحرم
گفت ماہ و سال تاریخ بناش
معدن فیض الٰہی زد رقم

۱۴۴، نہ کہ ۱۴۲● HL . 2877 **طوطی نامہ:** یہ مخطوطہ ناقص الطرفین ہے● HL . 2664 **عجائب البلدان:** مخطوطہ کے پہلے اور آخری ورق پر کتب خانہ سید ولایت علی خاں اور خورشید نواب کی مہر ثبت ہے اس کے علاوہ نسخہ کے ابتدائی پانچ اوراق پر اینگلو عربک اسکول پٹنہ، مدرسۃ المسلمین کی انگریزی مہر بھی ثبت ہے● HL . 3147 **عیار دانش:** مخطوطہ ناقص الاول ہے۔ اوراق ۲۹۷، نہ کہ ۳۰۰ مخطوطہ کرم خوردہ اور Partly defective ہے مخطوطہ کے آخر میں اس کی ملکیت کے لیے یہ عبارت مذکور ہے: "مالک کتاب ہذا سید علی قلی خاں بہادر صاحبزادہ نواب سہراب جنگ محلہ بھکنا پہاڑی من محلات شہر پٹنہ دضلع پٹنہ"● HL . 2928 **قصص الانبیاء:** کاتب کا نام علی ابن محمد بن علی نیشاپوری المشہور بہ درویش علی ہے مخطوطہ کے کچھ اوراق Partly defective ہیں۔ اوراق ۳۱۲، نہ کہ ۳۰۹۔ نسخہ ناقص الاول ہے● HL . 3981 **قصہ انبیاء علیہم السلام:** اوراق ۱۴۰، نہ کہ ۱۳۹۔ مخطوطہ ناقص الآخر ہے● HL . 2899 **قصہ سلطان شفق:** مخطوطہ کے دیباچہ ورق ۲ الف سے اندازہ ہوتا ہے کہ کتاب کا نام "حکایت عشق مہر و ماہ" یا پھر "مہر و ماہ" ہونا چاہیے۔ اس کے مصنف کا نام اسی ورق پر سید علی مذکور ہے۔ کتاب مکمل ہے، نہ کہ ناقص الآخر۔ قدرے کرم خوردہ● HL . 4005 **قصہ مہر و ماہ:** نسخہ مکمل ہے نہ کہ ناقص الآخر●

HL 3546 ● **قصہ (حضرت) موسیٰ و ہارونؑ:** کتاب کا نام "قصہ موسیٰ" ہے۔ ہارون کا اضافہ صحیح نہیں۔ یہ دراصل مولانا معین الدین الهروی کی کتاب "وقائع حضرت موسیٰ کلیم اللہ" سے انتخاب ہے۔ انتخاب کنندہ نے بعض غیر ضروری عبارتوں کو اس سے نکال دیا ہے اور بعض جگہوں پر عبارت میں تبدیلی بھی کی ہے● HL . 2568 **کامروپ:** کاتب کا نام آسارام عرف بھولاناتھ ولد سادھارام ہے اور مصنف کا پورا نام میر محمد کاظم حسینی متخلص بہ کریم ہے۔ کتاب "کامروپ وکام لتا" کے نام سے جانی جاتی ہے۔ اوراق ۹۴، نہ کہ ۹۲۔ سطور ۱۳-۱۵، نہ کہ ۱۲● HL . 2780 **(۱) کلیلہ و دمنہ (۲) عیار دانش:** تعداد اوراق ۳۱۷، نہ کہ ۳۱۴ اور سنہ کتابت ۱۰ ربیع الاول، گوہر شاہ ہے۔ اس میں دو کتابوں کا ذکر کیا گیا ہے، جبکہ یہ ایک ہی کتاب "عیار دانش" ہے۔ مخطوطہ کرم خوردہ نہیں ہے● HL . 3549 **لطائف الطوائف:** نسخہ کے پہلے اور آخری ورق پر دو دو مہریں ہیں۔ ایک مہر کا ذکر ہینڈ لسٹ میں کر دیا گیا ہے، لیکن اس کی عبارت "حسنقلے عبد الرحیم" معلوم ہوتی ہے، نہ کہ عبد الرحیم حسینی۔ دوسری مہر غیر واضح ہے۔ اوراق ۲۲۹، نہ کہ ۲۲۵۔ اس کے علاوہ ابتدا میں سات اوراق پر اردو اشعار اور دوہے ہیں● HL . 3553 **لطائف الطوائف:** نسخہ کے پہلے ورق پر دو مہریں ہیں ایک سید عبد الرحیم کی اور دوسری حسنقلے عبد الرحیم ۱۱۶۸ کی۔ اوراق ۷۵، نہ کہ ۷۱۔ تعداد سطور ۱۷-۲۱، نہ کہ ۱۸۔ مذکورہ بالا

نمبر صحیح نہیں ہے۔ صحیح ہینڈ لسٹ نمبر ۲۸۰ ہے۔ اور یہ بوستان خیال کے کتاب سوم کا جلد پنجم اور ششم خورشید نامہ ہے۔ جلد پنجم کے خاتمہ ورق ۳۰۲ پر ایک کاتب کا نام سید عبدالعزیز مذکور ہے اور سنہ کتابت ۶ شعبان ۱۲۶۰ فصلی اوراق ۵۹۵ نزکہ ۵۹۲۔

HL.2927 **بوستان خیال**: نسخہ کے پہلے اور آخری ورق پر سید مظفر نواب گیا کی انگریزی مہر ثبت ہے۔ سنہ کتابت ۲۵ جمادی الثانی ۱۲۲۸ھ ہے۔ HL.2808 **بہار دانش**: سنہ کتابت ۹ جمادی الاول ۱۲۱۱ھ/۴۶ جلوس شاہ عالم بادشاہ ہے۔ HL.3978 **بہار دانش**: ترقیمہ میں سنہ کتابت ہجری میں مذکور نہیں۔ سنہ جلوس میں ہے جو ۱۹ ذی الحجہ ۴۳ جلوس شاہ عالم بادشاہ غازی ہے۔ ابتدا کے ۲ ½ اوراق پر مناجات و اشعار وغیرہ ہیں۔ HL.4100 **بہار دانش**: ناقص الآخر۔ اوراق ۱۲۸، نزکہ ۱۲۱۔ HL.4109 **بہار دانش**: ناقص الآخر۔ ابتدائی ۶۱ اوراق جس تحریر میں ہیں اس میں فی صفحہ ۱۲ سطریں ہیں بعد کے ۱۱۱ اوراق دوسری تحریر میں ہیں جس میں فی صفحہ ۱۶ سطریں ہیں۔ HL.2969 **تعریف نامہ محامد حیدریہ**: اس کے مصنف محمد صادق اختر ہیں۔ کتاب کا نام محامد حیدریہ ہے تعریف نامہ کی ضرورت نہیں سنہ کتابت ۱۳ رمضان ۱۲۵۲ھ ہے اوراق ۱۵۲، نزکہ ۱۵۱۔ نسخہ قدرے کرم خوردہ ہے۔ HL.2914 (قصہ) **جہاندار شاہ**: ناقص الطرفین۔ مخطوطہ کے پہلے ورق پر سید مظفر نواب گیا کی انگریزی مہر ثبت ہے۔ HL.3312 (قصہ) **چہار درویش**: اس کے کاتب دریا خاں ہیں اور سنہ کتابت ۱۹ ذی الحجہ ۱۲۴۶ھ۔ ورق ۲ الف پر ایک غیر واضح مہر ہے جس میں یہ عبارت پڑھی جا سکتی ہے: "مرزا محمد ..."۔ HL.2876 (قصہ) **حاتم طائی**: سنہ کتابت ۱۶ ماہ بھادوں ۱۲۰۸ فصلی ہے۔ یہ کتاب حاتم نامہ کے نام سے مشہور ہے۔ HL.3905 (قصہ) **حاتم طائی**: سنہ کتابت ۵ ذی الحجہ ۱۲۳۰ھ ہے اور اس کے کاتب راجا رام ہیں۔ اوراق ۱۷۲، نزکہ ۱۷۱۔ HL.3932 (قصہ) **حاتم طائی**: سنہ کتابت ۱۹ محرم ۱۲۴۰ھ ہے۔ اوراق ۱۹۱، نزکہ ۹۳۔ HL.4110 (قصہ) **حاتم طائی**: اس کے کاتب بشارت اللہ ہیں اور سنہ کتابت ۱۱ مئی ۱۸۲۷ عیسوی۔ اوراق ۲۲، نزکہ ۲۴۔ نسخہ ناقص الاول ہے۔ HL.2554 **حکایات الدرایات**: اوراق ۲۲۳، نزکہ ۲۱۱۔ نسخہ ناقص الاول ہے۔ HL.3667 **داراب نامہ**: اسکے مصنف کا نام کتاب کے دیباچہ میں ابوطاہر ابن حسن بن علی بن موسی الطرسوسی ہے۔ HL.2805 **داستان امیر حمزہ**: اوراق ۲۷۱، نزکہ ۲۶۰۔ نسخہ ناقص الطرفین ہے۔ HL.3730 (نسخہ) **دل افروز**: کاتب کا نام حنیف احمد نہیں بلکہ کچھ اور ہے جو واضح نہیں ہے۔ اس طرح مذکور ہے حنیف احمد۔ HL.4104 **قصہ لیلی مجنوں مسمی بہ معراج العشاق**: اس کے مصنف عبرتی عظیم آبادی (وزیر علی) ہیں کتاب کا نام معراج العشاق ہے جو ۱۲۱۵ھ میں لکھی گئی ہے۔ HL.2492 (نثر) **سکندر نامہ**: کتاب کا نام حملہ سکندری ہے۔ یہ نظامی کی سکندر نامہ کی نثر ہے۔ کتاب ۱۲۸۰ میں تصنیف کی گئی۔ HL.2809 **شجاع حیدری**: اوراق

ب

HL.9 / No.9 اختیارات بدیعی :۔ اوراق ۴۶۰ نہ کہ ۴۶۱

HL.9 / No.9 الفاظ ادویہ :۔ نسخہ کے دیباچہ میں مصنف کا نام نورالدین محمد عبداللہ حکیم عین الملک شیرازی مذکور ہے نہ کہ نورالدین محمد عبداللہ بن حکیم عین ملک شیرازی۔ اسے نورالدین محمد بن عبداللہ حکیم عین الملک شیرازی پڑھا جائے گا۔ عین الملک کا لقب باپ اور بیٹے دونوں کے درمیان مشترک ہے۔

HL.9 / No.9 انیس الاطبا :۔ سن کتابت ۹۶۲ھ ہے۔ اوراق بے ترتیب مجلد میں اکیسواں ورق آخری ورق ہے جو جلد بندی کی گڑبڑی کی وجہ سے درمیان میں آگیا ہے۔ اوراق ۱۲۶ نہ کہ ۱۲۵۔

HL.9 / No.9 بحر الجواہر :۔ اوراق ۲۴۸ نہ کہ ۲۵۴

HL.9 / No.1 تحفۃ الاحباب :۔ تعداد سطور ۱۰-۱۴ نہ کہ ۱۰۔

HL.9 / No.9 تحفۃ المومنین :۔ کتاب دراصل ۲۴۹ اوراق پر مکمل ہوجاتی ہے نہ کہ ۲۵۷ پر۔ ورق ۲۶۰ سے رسالہ درعیات ہے جو ۹ اوراق پر ہے۔ اس کے مصنف کا نام نسخہ میں مذکور نہیں۔

HL.9 / No.9 ایضاً :۔ اوراق ۲۹۹ نہ کہ ۲۹۸۔

HL.9 / No.9 ایضاً :۔ اوراق ۴۲۷ نہ کہ ۴۲۸۔

HL.9 / No.9 ایضاً :۔ یہ "تحفۃ المومنین" کا قسم ثانی ہے جو تشخیصات و دستورات ادویہ مرکبہ پر مشتمل ہے۔ کتاب مکمل ہے نہ کہ ناقص الآخر۔ اوراق ۱۷۴ نہ کہ ۱۷۳، تعداد سطور ۱۵-۱۷ (بیشتر ۱۵) نہ کہ ۱۷، توضیحی کیٹلاگ میں اس کے قسم ثانی ہونے کا ذکر کیا گیا ہے لیکن اس کے ناقص الآخر ہونے کا ذکر نہیں۔ سنہ کتابت ۴۵ جلوس شاہ عالم ہے۔

HL.9 / No.1 جواب شافی :۔ اس کتاب کا پورا نام نسخہ کے دیباچہ میں " الحلاوۃ العسلیہ فی رد من احدث من الحلوا الرطب موجبۃ کلیہ" اور اس کا لقب "جواب شافی" ہے۔ اصل کتاب ورق ۹۷ الف پر مکمل ہوجاتی ہے۔ اس کے بعد ملحقات وضمائم ہیں جن میں بعد میں مرتب نے بھی اضافے کئے ہیں۔ توضیحی کیٹلاگ میں کتاب کے پورے نام کا ذکر ہے۔

دونوں مہریں ایک ہی شخص کی معلوم ہوتی ہیں۔ مہر کے اوپر یہ عبارت مذکور ہے : "من مشکلات بندہ عبدالرحیم" ۔
مدینۃ الحکایات : تعداد سطور ۱۵، نہ کہ ۱۴۔ کتاب ناقص الاول ہے۔ اس کے کاتب سید سلامت علی ہیں نہ
• HL. 2910 **مفتاح الجنان** : اوراق ۵۴۸، نہ کہ ۵۲۳، تا آخری ۱۸۴ اوراق دوسری تحریر میں ہ
پہلے ورق پر سید ظفر نواب گیا کی انگریزی مہر ثبت ہے • HL. 3321 **مفرح القلوب** ترجمہ ہشت ا
ناقص الاول معلوم ہوتا ہے۔ مصنف کا نام نسخہ میں کہیں بھی مذکور نہیں۔ منزوی نے اس کے مصنف کا نام معنی ا
لکھا ہے۔ اوراق ۵۸، نہ کہ ۵۷ • HL. 3937 **معدن الجواہر** : مخطوطہ کا آخری ورق جس پر کاتب
رہا ہوگا وہ موجود نہیں ورق ۱۲۵ ب پر ایک مہر ہے، جو ہلکی ہے البتہ غلام قاسم ۱۲۱۴ پڑھا جا سکتا ہے
الف پر دو مہریں ہیں جس کی یہ عبارت ہے : "برخادم حسین کرامت محمد است ۱۲۱۴" • HL. 2623
اوراق ۲۴۸، نہ کہ ۲۸۶۔ ناقص الآخر۔ تعداد سطور ۱۹-۲۳، نہ کہ ۲۲ • HL. 3744 **نالۂ عندلیب**
کا نام خواجہ محمد ناصر محمدی ہے نہ کہ خواجہ محمد ناصر محمد۔ اوراق ۴۹۳، نہ کہ ۴۸۳ • HL. 4068 ہ
بہرام : دیباچہ میں کتاب کا کوئی نام نہیں دیا گیا ہے۔ البتہ بتایا گیا ہے کہ یہ 'ہشت بہشت' امیر خسرو کی
ترقیمہ میں اسکا نام "ہشت گلگشت بہرام" دیا گیا ہے۔ مصنف کا نام دیباچہ میں سید غلام شاہ مذکور ہے
ترقیمہ میں مصنف کا نام حسین شاہ مذکور ہے۔ سنہ کتابت ۳۰ جمادی الاولی ۱۲۲۳ھ ہے۔ کتاب ۔ ۵
ہے۔ البتہ اس کے علاوہ ابتدائی ۳ اوراق پر اردو اور فارسی کے اشعار ہیں۔ تعداد سطور ۱۴-۱۶، نہ کہ ۴

ضمیمہ مرآۃ العلوم

• HL. 2494/2 **اعجاز المحبت یعنی قصہ نل و دمن** : اوراق ۵۶۔ سنہ کتابت سنہ عیسوی
ساتھ سنہ ہجری میں بھی مذکور ہے جو ۱۲۸۱ھ ہے۔ اس کے کاتب کا نام ہر سہر ناتھ ہے • HL. 2745/5 **بحن**
اس کے کاتب کا نام سروپ لعل ہے • HL. 2779/3 **حکایت دزد و قاضی** : اوراق ۱۰، نہ کہ ۹۔ تہ
نسخہ کے پہلے اور آخری ورق پر شیخ محمد ناظر علی ۱۲۲۱ کی مہر ثبت ہے • HL. 2878/1 **قصہ منوہر** : یہ منو
کی داستان ہے • HL. 2779/2 **قصہ یوسف** : اوراق ۱۳، نہ کہ ۱۲۔ نسخہ کے شروع اور آخر کے ورق
محمد ناظر علی ۱۲۲۱ ہجری کی مہر ثبت ہے • HL. 2869/4 **کلیلہ و دمنہ** : یہ کلیلہ و دمنہ نہیں بلکہ عیار دان

HL. [illegible] / No. 10[illegible]

شفاء القلوب :۔ یہ نسخہ مکمل ہے نہ کہ ناقص الآخر۔ امکان ہے کہ نسخہ کا آخری ورق توضیحی کیٹلاگ بنانے وقت ۱۹۸۰ء تک موجود نہیں تھا اس لیے توضیحی کیٹلاگ کے مرتب نے اسے ناقص الاوّل قرار دیدیا تھا۔ بعد میں یہ ورق مل گیا تو اسے نسخہ کے آخر میں چسپاں کردیا گیا۔ ابتدائی ۱۲ اوراق کے کاتب خود مصنف ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ پوری کتاب مصنف کی خود نوشت تھی لیکن آخر کے صفحات خراب ہونے کی وجہ سے بعد میں محمد رضائی نے کوشش کی کہ انہیں مصنف کی تحریر کے انداز پر ہی لکھ دے۔ اسکی سن تصنیف ۱۱۰۶ھ ہے۔ خاتمہ پر محمد رضائی الحسینی کی درج ذیل تحریر سے بھی اسکی تصدیق ہوتی ہے: "وقد دنقت بالتمام ما الحقه المصنف رحمه الله سبحانه النسخة الاصلی الذی هو بخطه وانا اقل العباد عملا واکثرہ زللا محمد رضائی الحسینی وکان ذلک ببلدة غزنین لازالت موطنة لاهل التمکین سنة عشر ومائة بعد الالف من الهجرة علی مهاجرها الوف الاثنیة والتحیة:

HL. 986 / No. 100

طب اکبری :۔ نسخہ کے ترقیمہ کی درج ذیل عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ یا تو کاتب نے خاکساری میں اپنے لیے درویش کا لفظ استعمال کیا ہے یا پھر کاتب کا نام ہی درویش ہے۔

" تمت نسخہ طب اکبر' تصنیف مرحوم مغفور مقبول درگاہ ربانی محمد اکبر عرف شاہ ارزانی درویش ساکن شاہ جہاں آباد برای پاس خاطر برخوردار بلند اقبال طولعمرہ احمد بخش خاں کنارہ بند تحریر یافت "

HL. 987 / No. 100[illegible]

ایضاً :۔ کتاب کے حاشیہ پر بہاء الدولہ (بہاء الدین حسن) کی کتاب "خلاصۃ التجارب" پہلے اور آٹھویں ورق پر موجود ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کاتب اسے مکمل نہیں کر پایا اور بقیہ اوراق پر صرف عنوان دے کر چھوڑ دیا ہے۔ اوراق ۲۶۰ تا ۲۶۶ سادہ ۲۰۹ - چھ اوراق پر فہرست ہے نسخہ کے ابتدا' درمیان اور آخر میں کتبخانہ سید ولایت علی خاں اور خورشید نواب کی مہر ثبت ہے۔ توضیحی کیٹلاگ میں ان مہروں کا ذکر کیا گیا ہے۔

HL. 988 / No. 992

علاجات داراشکوہی :۔ اس کے مصنف کا صحیح نام نورالدین محمد عبداللہ (محمد بن عبداللہ) عین الملک شیرازی ہے اور کتاب کا نام طب داراشکوہی۔ علاجات داراشکوہ اور علاجات داراشکوہی کے نام سے بھی یہ کتاب جانی جاتی ہے۔ مذکورہ نسخہ کے خاتمہ پر بھی یہ عبارت ہے۔ تمام شد نسخہ داراشکوہی۔ ناقص الاول اس کے مصنف کے نام کا توضیحی کیٹلاگ میں ذکر کیا گیا ہے۔

HL. 989 / No. 993

ایضاً :۔ اس کے مصنف اور کتاب کے نام کے سلسلے میں قبلاً ذکر آچکا ہے۔ اوراق ۵۵۸ نہ کہ ۵۵۳ یہ کتاب کا جلد دوم ہے۔ نسخہ کے پہلے ورق پر کتاب کا نام "ذخیرۂ داراشکوہی" اور دیباچہ میں "علاجات داراشکوہی" مذکور ہے۔ نسخہ کے پہلے اور آخری ورق پر عبدالحمید ۱۲۵۷ھ کی مہر ثبت ہے۔

HL.964 / No.1022 جواب شافی :۔ کتاب کے آخری سات اوراق پر ملحقات وضائم ہیں اور نسخہ کے ابتدائی تین اوراق
مصنف محمد سعید بن واعظ علی عظیم آبادی کی "اجازۃ فی الحدیث" کی نقل ہے جو ان کو ان کے استاد
ملی۔ تیسرے ورق پر آخر میں محمد سعید ۱۲۵۵ھ کی مہر ثبت ہے۔ اندازہ ہے کہ یہ تحریر خود محمد سعید کی ہو

HL.965 / No.1023 ایضاً :۔ ۷۰ اوراق پر اصل کتاب مکمل ہو جاتی ہے۔ اسکے بعد کے اوراق پر ملحقات وضائم ہیں۔

HL.966 / No.1000 خرقہ :۔ ہینڈلسٹ میں کیفیت کے خانے میں یہ اضافہ مناسب ہوگا۔ "در بیماریہای تناسل

HL.972 / No.1013 خلاصۃ التشریح :۔ سال کتابت کی جگہ نسخہ میں ۱۰۲ھ مذکور ہے۔ قیاس یہ ہے کہ یہ ۱۰۲۰ھ یا پھر

HL.973 / No.1008 خلاصۃ العیش عالم شاہی :۔ اوراق ۲۴۵ نہ کہ ۲۵۱۔ مصنف کا نام نسخہ کے دیباچہ میں بھی مظہر
یہ مظہر بن مظفر ہیں۔

HL.974 / No.987 دستور الاطبا :۔ مرتب ہینڈلسٹ و توضیحی کیٹلاگ نے اس کے مصنف کا نام محمد قاسم ہندو شاہ
فرشتہ لکھا ہے۔ لیکن درحقیقت یہ "دستور الاطبا" تصنیف محمد قاسم ہندو شاہ نہیں کیونکہ
مصنفہ محمد قاسم ہندو شاہ فہرست مشترک کے مطابق ایک مقدمہ، تین مقالہ اور ایک خاتمہ
"دستور الاطبا" کے مقدمہ ارکان بدن و اخلاط کے سلسلے میں بتایا گیا ہے۔ جبکہ مذکورہ نسخہ
میں در بیان انواع مزہ ہے۔ اور یہ ایک مقدمہ دو مقالہ اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔

HL.979 / No.965 ذخیرہ خوارزم شاہی، سنہ کتابت ۱۲۲۴ھ نہ کہ ۱۲۴۴ھ ہینڈلسٹ میں توضیحی کیٹلاگ کا نمبر ۹۶۵
چھپ گیا ہے۔

HL.980 / No.976 ریاض الادویہ :۔ اوراق ۷۷ نہ کہ ۷۶۔

HL.981 / No.977 ریاض الادویہ :۔ اوراق ۱۰۸ نہ کہ ۱۰۵۔

HL.982 / No.1011 ریاض الفواید :۔ اوراق ۵۲۲ نہ کہ ۵۳۵، تعداد سطور ۱۷-۱۹ نہ کہ ۱۹۔ اس
محمد صدیق و محمد حسن ہیں۔ نسخہ کے پہلے ورق پر و آخری ورق پر ترقیمہ کے بعد اس
۱۱۹۲ھ کی مہر ثبت ہے۔

HL.983 / No.1015 شفاخانہ :۔ اصل کتاب ۱۰۷ اوراق پر ہے۔ اس کے علاوہ نسخہ کے ابتدائی ۸ اور آخری
ادویہ کی فہرست ہے۔ جس کا کتاب میں ذکر کیا گیا ہے۔ نسخہ میں مختلف مقامات پر کتب خانہ نو
ولایت علی خان و خورشید نواب کی مہریں ہیں۔

ہوا ہے یا کسی دوسرے شخص کا غیر ضروری الفاظ استعمال نہیں کیے گئے ہیں۔ کتاب دو شخص کی تحریر معلوم ہوتی ہے۔ ابتدائی ۱۶۶ اوراق ایک شخص کے اور بعد کے ۱۱ اوراق دوسرے شخص کے تحریر کردہ ہیں۔

HL. No. **کفایۂ مجاہدیہ** :۔ اوراق ۱۲۹ نہ کہ ۱۳۰۔ یہ کتاب "کفایۂ منصوری" کے نام سے بھی مشہور ہے۔ توضیحی کیٹلاگ میں اس کے نام کا ذکر کر دیا گیا ہے۔

HL. No. **معدن الشفاء سکندر شاہی** :۔ یہ کتاب "طب سکندری" کے نام سے بھی مشہور ہے۔ اوراق ۴۰۲۴۱ نہ کہ ۴۲۲ - ۴۔ اوراق پر فہرست ہے۔

HL. No. **مفردات** :۔ نسخہ کے دیباچہ میں کتاب کا نام "مفردات" ہی مذکور ہے۔ لیکن ترقیمہ میں "طب ناہی" فہرست مشترک میں اس کا نام مفردات ناہی / مفردات معصومی مذکور ہے۔ کتاب اچھی حالت میں ہے نہ کہ خستہ۔

HL. No. **ملتقط ذکائیہ** :۔ کتاب کا پورا نام ملتقط ذکائیہ منتخب از مجموعۂ بقائیہ ہے۔ توضیحی کیٹلاگ میں اس کا ذکر کر دیا گیا ہے۔

HL. No. **میزان طب** :۔ اوراق ۵۱۰ نہ کہ ۵۱۹۔

HL. No. **نور العیون** :۔ اوراق ۲۴۶ نہ کہ ۲۷۰۔

HL. No. **مجہول الاسم** :۔ کتاب کا نام "پوتھی گن ساگر" ہے۔ مصنف کا نام کب طاہر اس کتاب کو طب کے علاوہ جنسیات میں بھی رکھا جا سکتا ہے کیونکہ کتاب کے ابتدائی چند اوراق پر مختلف قسم کی عورتوں اور مردوں کا ذکر ہے۔ مختلف مقامات کی عورتوں کی نفسانی خواہشات کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ اور مختلف آسنوں کا بھی۔ کتاب کے آخری چند اوراق پر قوت باہ میں اضافہ کے لیے مختلف نسخے اور دوائیں تجویز کی گئی ہیں۔

HL. No. **مجموعۂ رسائل طب** :۔ ہینڈ لسٹ میں تمام رسالوں کا ذکر اور اوراق کی تفصیلات درج نہیں۔ جو درج ذیل ہیں :

"(۱) فواید اخیار ۲/۱ ۶، اوراق (۲) قصیدہ در حفظ صحت ۲، اوراق (۳) قصیدہ در لغت ہندی ا ورق (۴) قصیدہ در اسمار و اجناس ادویہ ۲/۱ ا ورق (اس کا ذکر ہینڈ لسٹ اور توضیحی کیٹلاگ میں نہیں کیا گیا ہے۔) (۵) جامع الفواید ۲۹، اوراق (۶) ستہ ضروریہ ۴، اوراق (۷) دلایل نبض ۵، اوراق (اسکا ذکر ہینڈ لسٹ میں نہیں البتہ توضیحی کیٹلاگ میں موجود ہے)۔ (۸) دلایل البول ۲/۱ ۴، اوراق۔"

HL.990 / No.1010 علاج الامراض :۔ اوراق ۸۰۴ نہ کہ ۷۷۴۔ اس کے کاتب کا نام چرنجی لعل ولد رگھپت رای بن ہیرالعل
کایستھ ٹھاکر ہے نہ کہ کایتھ ٹھاکر۔ توضیحی کیٹلاگ میں اس کا نام اس طرح دیا گیا ہے۔ خزانچی لعل ولد
رگھپت رائے بن ہیرالعل کایستہ ٹھاکر۔ نسخہ کے ابتدا اور آخر میں عبدالحمید ۱۲۵۰ کی مہر ثبت ہے۔

HL.991 / No.1012 غیاثیہ :۔ اس کے مصنف کا پورا نام نجم الدین محمود بن صاین الدین الیاس شیرازی ہے اور یہ کتاب
"طب غیاثیہ" کے نام سے مشہور ہے۔ اوراق ۲۷ نہ کہ ۳۷۔

HL.993 / No.999 قرابادین جلالی :۔ اس کے مصنف کا نام جلال بن امین طبیب مرشدی گازرونی ہے نہ کہ جلال الدین امین
تعداد سطور ۱۵-۱۶ نہ کہ ۱۵ توضیحی کیٹلاگ میں مصنف کا نام صحیح مذکور ہے۔

HL.994 / No.1016 قرابادین سریانی :۔ اوراق ۲۰۰ نہ کہ ۱۹۹

HL.995 / No.981 قرابادین شفائی :۔ اس کے کاتب محمد بیگ ہاشمی قادری ہیں۔

HL.996 / No.982 ایضاً :۔ کتاب کے خاتمہ کے بعد ½۱ ورق پر نقل من خلاصہ طب بعد خطبہ ہے جس کے کاتب معز الدین ہیں
اس کے بعد ایک ورق پر نقل از خط حکیم جلالا ہے۔ اس کے کاتب بھی معز الدین ہیں۔ اور یہ بھی طب پر ہے

HL.998 / No.1004 قرابادین قادری :۔ اوراق ۲۱۶ نہ کہ ۲۱۰، نامکمل، آخر سے کتاب مکمل نہ ہو سکی۔ تیرہ باب مکمل ہے اور چودھویں باب
عنوان دیکر چھوڑ دیا گیا ہے جبکہ یہ کتاب ۲۲ ابواب پر مشتمل ہے۔ توضیحی کیٹلاگ میں کتاب کے ۲۲ ابواب میں
سے صرف ۱۳ باب ہی ہونے کا ذکر کر دیا گیا ہے۔

HL.999 / No.1017 قرابادین کافی :۔ اس کے ابتدائی ۸ اوراق کے حاشیہ پر ملا صدرہ کی کتاب "شرح ہدایت الحکمت" کا ابتدا
حصہ نقل کیا گیا ہے۔

HL.1000 / No.989 قرابادین معصومی :۔ اوراق ۳۵۹ نہ کہ ۳۵۸ نسخہ میں مختلف مقامات پر کتب خانہ ولایت علی خاں ا
خورشید نواب کی مہریں ثبت ہیں۔ نسخہ کے ابتدائی ایک اور آخری دو اوراق پر دستور العمل آشامیدن چو
چینی ہے اور اس کے بعد تین اوراق پر مختلف بیماریوں کے لئے نسخے ہیں۔

HL.1001 / No.990 ایضاً :۔ ناقص الآخر و کرم خوردہ۔ اوراق ۳۹۸ نہ کہ ۳۹۹ (۳۹۹ ویں ورق پر ایک "نسخہ برای مخلوق و کم قوت
است" اور ایک رباعی ہے جس کے کاتب محمد گوہر علی حاجی پوری ہیں۔ توضیحی کیٹلاگ میں اس کے آخر سے تھوڑا ناقص
ہونے کا ذکر کر دیا گیا ہے۔

HL.1002 / No.991 ایضاً :۔ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ "قرابادین معصومی" سے انتخاب ہے۔ یہ اندازہ نہیں ہو سکا کہ یہ انتخاب کاتب کا

(۱) معمولات حکیم معالج خان مرحوم — اب — ۲۸ ب

(۲) نسخہ مجربات ۔ غلام محی الدین طبیب — ۲۸ ب — ۷۰ الف

(۳) نسخہ طب الغربا — ۷۰ الف — ۱۰۰ الف

(۴) مجہول الاسم و مولف (ناقص الآخر) — ۱۰۰ ب — ۲۳۰ ب

اس میں مختلف بیماریوں کے لئے نسخہ جات ہیں ۔ کل اوراق ۲۳۰ نہ کہ ۲۱۷ ۔ تعداد سطور ۱۲ - ۱۵ نہ کہ ۱۲ ۔

HL. 26 **بیاض نسخہ مجربات** :۔ نسخہ میں درمیان کے ۸ اوراق پر سنسکرت کتاب "کا روپ جاتکا" مصنفہ کلمدیو جوگی کی فارسی شرح ہے۔ شارح نے نہ تو اپنا نام لکھا ہے اور نہ ہی شرح کے بعد کتاب کا کوئی نام دیا ہے۔ اس لئے اسے "شرح کامروپ جاتکا" کا نام دیا جا سکتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ شارح نے کتاب کے اسی حصہ کی شرح لکھی ہے جو حصہ حبس دم پر ہے۔ اوراق ۴۱ نہ کہ ۴۰ ۔ تعداد سطور مختلف نہ کہ ۱۴ ۔

HL. 31 **یاکادلی** :۔ اوراق ۳ نہ کہ ۲ ۔ اس کے کاتب شیخ نظام الدین ہیں اور سنہ کتابت ۱۱۸۱ھ / ۸ جلوس شاہ عالم۔

HL. 26 **تحفۃ المجربات** :۔ اوراق ۱۹۲ نہ کہ ۲۰۷ ۔ کرم خوردہ ۔

HL. 33 **تحفۃ الصفویہ** :۔ کتاب تحفۃ الصفویہ ۳۶ اوراق پر مکمل ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد ناقص الطرفین ایک رسالہ ہے جو مختلف دواؤں کی خاصیت اور اس کے بنانے کے طریقہ پر ہے ۔

HL. 39 **تحفہ عالم شاہی مسمی بہ رسالہ خواص الجواہر** :۔ اوراق ۵۲ نہ کہ ۵۴ ۔ اس میں درج ذیل دو اور بھی رسالے ہیں۔

"(۱) رسالہ عالم شاہی ۳۸ اوراق (۲) تحفہ عالم شاہی ۱۴ اوراق۔"

یہ مصنف کے اپنے ہی رسالے "رسالہ خواص الجواہر" سے انتخاب ہے۔ ہینڈ لسٹ میں کیفیت کے خانے میں مذکور ہے۔ "خود نوشت مصنف" یہ اطلاع غلط ہے۔ یہ مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ نہیں کیونکہ ترقیمہ میں مصنف کا نام اس طرح مذکور ہے ۔

"حاذق الملک حکیم محمد شریف خاں صاحب سلمہ" ظاہر ہے مصنف اپنے لئے سلمہ نہیں لکھے گا۔

HL. 249 **تحفۃ المومنین** :۔ مصنف کا نام کتاب کے دیباچہ میں محمد مومن طبیب حسینی مذکور ہے نہ کہ محمد مومن حسین۔ کرم خوردہ ہینڈ لسٹ میں کیفیت کے خانے میں اس کے دوسرے نسخہ کا شمارہ نمبر ۳۰۲۹ مذکور ہے جو غلط ہے۔ صحیح نمبر ۲۰۳۹ ہے ۔

HL. 249 **ایضاً** :۔ اوراق ۲۰۵ نہ کہ ۲۰۷ ۔ کرم خوردہ ۔

آخر میں ہے " تمام شد نسخہ تصنیفات حکیم محمد یوسف خاں مرحوم" اس لئے اسے مجموعۂ رسائل طب
بجائے مجموعہ رسائل حکیم محمد یوسف خاں کا نام دیا جاسکتا ہے۔

جلد دوم :-

HL. 2039 / No. 2040 تحفۃ المومنین :- ناقص الطرفین۔ اوراق ۴۰۲ نہ کہ ۴۰۴۔ کتاب کے دیباچہ میں مصنف کا نام محمد مومن حسینی
مذکور ہے نہ کہ محمد مومن حسین۔

HL. 2041 / No. 2039 قرابادین شفائی :- اوراق ۱۳۶ نہ کہ ۱۳۹۔ از ابتدا کرم خوردہ۔

جلد سوم :-

HL. 3055 اختیارات بدیعی :- اس کے مصنف کا نام علی بن حسین ہے نہ کہ علی بن حسینی۔ از ابتدا کرم خوردہ

HL. 3311 ایضاً :- مصنف کے نام کے سلسلے میں مذکورہ بالا نمبر ۳۰۵۵-HL کے اندراج ملاحظہ فرمائیں
اوراق ۲۷۵ نہ کہ ۲۷۸۔

HL. 3368 / HL. 3363 الاعراض الطبیہ :- اس کا سنہ کتابت ۹۴۹ھ ہے۔ کتاب کا پورا نام نسخہ میں " الاعراض الطبیہ والمباحث
العلائیہ" مذکور ہے۔ نسخہ کے پہلے ورق پر تین مہریں ہیں، جن میں سے دو فتح اللہ بن ابوالفتح کی ہے، اور
تیسری مہر ہلکی ہے۔ جس میں محمد شاہ خاقان پڑھا جاسکتا ہے۔ اوراق ۴۱۹ + ۲ نہ کہ ۴۲۳۔ کرم خوردہ

HL. 3589 ام العلاج :- مصنف کا پورا نام نسخہ میں امان اللہ مخاطب بہ خانہ زاد خاں فیروز جنگ بن مہابت خاں بہادر
سپہ سالار بن غیور بیگ مذکور ہے۔ مصنف حکیم امان اللہ خاں حسینی متخلص بہ اماں کی حیثیت سے بھی جانے جاتے
ہیں۔ اوراق ۶۰ نہ کہ ۶۱۔ اس کے علاوہ ابتدائی دو اوراق پر بعد میں کسی شخص نے فہرست بنا دی ہے۔ حالانکہ
مصنف کی دی ہوئی فہرست دیباچہ میں موجود ہے۔ اگر اسے بھی گنتی میں شامل کرلیا جائے تو اوراق کی تعداد
۶۲ ہوگی۔ تعداد سطور ۱۷ نہ کہ ۱۲۔

HL. 3635 بیاض کہنہ :- اوراق ۱۲۲ نہ کہ ۱۱۸۔ تعداد سطور مختلف نہ کہ ۱۲۔

HL. 2828 بیاض نسخہ جات و مجربات :- اس میں کئی رسالے ہیں جن کی سنہ کتابت ۱۵۰-۵۰-۱۲۴۹ھ ہے۔

HL. 3174 بیاض نسخہ جات :- اس بیاض میں درمیاں کے ۱۳ اوراق پر بیاض شعر بھی ہے۔ شاعر کا تخلص گوہر ہے
اشعار بیشتر اردو کے ہیں۔ نسخہ کے پہلے ورق پر شفاء الملک حکیم سید مظاہر کی مہر ہے۔

HL. 2659 بیاض نسخہ مجربات :- اس میں درج ذیل رسالے ہیں :-

ورق کے بعد سے نصف دوم تک نہیں ہے جس میں کتاب اور اس کے مصنف کا نام رہا ہوگا۔ نسخے کے پہلے ورق پر عنوان کے تحت کتاب کا نام ... خلاصۃ الحکمت ... منتخب معدن الشفائے شیر شاہی من تصنیف حکیم شیخ عنایت اللہ بن شیخ جوہر صدیقی عفراللہ مذکور ہے۔

HL. 2833 خلاصۃ القوانین العلاج :۔ نسخہ میں دیباچہ موجود نہیں۔ متن سے ہی آغاز کیا ہے البتہ ترقیمہ میں کتاب کا نام "خلاصۃ القوانین العلاج" مذکور ہے۔ جو "خلاصہ قوانین العلاج" ہونا چاہیئے۔ فہرست مشترک میں احمد منزوی نے بھی اس کا یہی نام لکھا ہے۔

HL. 3298 خلاصۃ القوانین علاج الامراض :۔ یہ بھی خلاصہ قوانین العلاج ہے اور اس کے مصنف بھی نواب حکیم علوی خاں ہیں نہ کہ مرزا علی محمد۔ اوراق ۸۴ نہ کہ ۱۰۴۔ اس کتاب کے خاتمہ کے بعد نورالدین محمد عبداللہ (محمد بن عبداللہ) حکیم عین الملک شیرازی کی "الفاظ ادویہ" ہے جو ۲۰ اوراق پر ہے۔ اس رسالے کا ذکر ہینڈ لسٹ میں نہیں۔ سنہ کتابت ۱۸۱۲ء مذکور ہے نہ کہ ۱۲۵۵ھ۔ دونوں کتابوں کے کاتب ایک ہی شخص ہیں۔

HL. 3587 کتاب کا نام ہینڈ لسٹ میں پورا نہیں چھپ پایا ہے البتہ ابتدائی اور آخری حرف سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ خواص الاشیاء" ہے۔ لیکن میرے خیال میں یہ "خواص الاشیاء" سے انتخاب ہے اس لئے اس کا نام انتخاب خواص الاشیاء ہوگا۔ اس میں علم طب کے علاوہ دیگر علوم علم علوی، علم سفلی، طلسمات وغیرہ کے بھی ابواب ہیں۔

HL. 3120 خیر التجارب :۔ کتاب کے خاتمہ کے بعد آخری ½ ورق پر "رسالہ دلایل بشرہ" ہے۔

HL. 3375 ایضاً :۔ اوراق ۱۹۶ + ۸ نہ کہ ۲۱۱۔ سنہ کتابت ۱۸۳۹ عیسوی/۱۲۴۶ فصلی/۱۲۵۵ھ ہے اور کاتب امام بخش۔ کتاب کے خاتمہ کے بعد ۳ اوراق پر شرح اسناد حرز کافی از حضرت میر سید محی الدین عبدالقادر جیلانی ہے اور اس کے بعد رقعہ در باب تعرّ نسب ... مصنف شیخ امام بخش گوہر اور ایک ورق پر "رقعہ وعدہ کہ از طرف نوشہ رود" اس کے بعد "رقعہ وعدہ کہ از طرف عروس رود" و ترکیب نماز استخارہ ۲ ورق۔ مذکورہ بالا تمام رسالوں کے کاتب محمد امام بخش ہی ہیں۔

HL. 3741 ایضاً :۔ اس کے مصنف شیخ فتح اللہ مانک پوری ہیں جنھوں نے نواب خیر اندیش خاں بہادر کے حکم سے یہ کتاب ۲۲ ابواب میں لکھی۔ اوراق ۱۰۱ نہ کہ ۱۲۶۔ اس کے کاتب کریم الدین ہیں اور سنہ کتابت بارہویں صدی نہ کہ تیرہویں۔ نسخہ کی ابتدا اور خاتمہ پر معزالدین کی تحریر ۱۱۹۸ھ کی موجود ہے جس میں اس نے کہا ہے کہ شیخ کریم الدین مرحوم (کاتب) کے رشتہ دار شیخ غلام مظفر سے انھوں نے یہ کتاب ۱۱۹۸ھ میں خریدی۔ "خیر التجارب" کے اختتام کے بعد ۱۶ اوراق پر مجربات پر ایک رسالہ ہے جو ناقص الاول

HL. 2993 ایضاً:۔ یہ نمبر شمارہ غلط ہے اس نمبر کے تحت درویش خاں عرف محمد حیات قادری کی کتاب ...

ہے۔ صحیح شمارہ نمبر ۲۶۹۳ ہے۔

HL. 3126 ایضاً:۔ اوراق ۱۸۲ نہ کہ ۲۵۵۔ تعداد سطور ۱۶۔ ۲۳ نہ کہ ۱۷۔ ۱۹

HL. 3127 ایضاً:۔ اوراق ۱۶۸۔ یہ نسخہ دو کاتب کا تحریر کردہ ہے۔ "تحفۃ المومنین" کے خاتمہ کے بعد مجہول الاسم

مولف دو رسالے اور بھی ہیں۔ (۱) تشخیص رابع در مداوای سموم ½۷ اوراق۔ (۲) دوسرا رسالہ ...

ہے۔ ½۲ اوراق۔ ناقص الآخر۔ مذکورہ دونوں رسالوں کے کاتب عبداللہ ہی ہوں گے۔

HL. 3156 تحفۃ المومنین :۔ اوراق ۳۱۵ نہ کہ ۳۹۶۔

HL. 3668 ایضاً:۔ اوراق ۲۵۲ نہ کہ ۲۵۵۔ آخر میں دو اوراق پر عربی زبان میں ایک رسالہ ہے جو

کرم خوردہ، نسخہ میں مختلف مقامات پر سید احمد رشیدی کی مہر ہے نہ کہ صرف ورق اول پر۔

HL. 4027 ایضاً:۔ اوراق ۲۲۷ نہ کہ ۲۲۶

HL. 3117 تقویم الامراض ترجمہ تقویم الابدان :۔ ناقص الاول۔

HL. 2696 تلخیص مسیحائی :۔ اس میں سنہ عیسوی کے ساتھ ساتھ سنہ ہجری بھی مذکور ہے جو ۱۲۹۶ھ ...

مصنف کے نام میں اس کے تخلص کوثر کا اضافہ مناسب ہوگا۔

(۲) ½۲۸ اوراق پر انسخہ مطب حکیم مرزا محمد علی مرحوم ہے۔ (۳) ½۴۹ اوراق پر فوائد ...

ہے جس کے مصنف حکیم شفائی خاں ہیں۔

HL. 3597 جنت الواقیہ بسہام امراض الوبائیہ :۔ اس کے مصنف کا پورا نام ترقیمہ میں افضل علی رضوی ابن سید اکبر علی

آبادی المخاطب بشارالدولہ مذکور ہے۔ ہینڈلسٹ میں صرف افضل علی رضوی فیض آبادی دیا گیا ...

تعداد سطور ۱۶۔ ۱۸ بیشتر ۱۶ نہ کہ ۱۸۔

HL. 3585 حفظ الصحت :۔ نسخہ میں ترقیمہ کی عبارت یہ ہے "تمت الرسالہ حفظ الصحت بید عبدالضعیف ...

غلام میر عفو اللہ عنہ" غلام میر اس کے کاتب بھی ہو سکتے ہیں اور مصنف بھی نہ کہ غلام صادق۔

HL. 2934 خلاصۃ التجارب :۔ اوراق ۵۱۹ نہ کہ ۵۱۶۔ سنہ کتابت سنہ جلوس عالمگیری کے علاوہ سنہ ہجری میں بھی مذکور

ہے جو ۱۱۰۷ھ ہے اس کے مصنف کا پورا نام دیباچہ میں بہارالدولہ نوربخشی رازی دیا گیا ہے۔

HL. 2558 خلاصۃ الحکمۃ ...:۔ ناقص الآخر۔ کرم خوردہ۔ اوراق ۹۱ نہ کہ ۸۹۔ درمیان سے ناقص۔ مقدمہ بھی ...

HL. [illegible] رسالہ ابدال ادویہ :۔ یہ مجموعہ میں ہے۔ مجموعہ کے پہلے ورق پر محمد اسمعیل کی مہر ثبت ہے۔

HL. 3380 رسالہ اسباب :۔ اس کا نام "رسالہ مسخنات" ہے۔

HL. 3596 رسالہ بدل ادویہ :۔ کتاب کے پہلے سطر کا عنوان یہ ہے "در بیان معرفت بدل ادویہ بترتیب جمل از قرابادین معصومی"۔

HL. 3256 رسالہ بر الساعة :۔ یہ رسالہ عربی زبان میں ہے۔

HL. 3267 رسالہ آتشک :۔ اس کے مصنف حکیم عماد الدین محمود طبیب شیرازی ہیں۔

HL. 3262 (۱) رسالہ چوب چینی :۔ اس کا نام "دستور العمل چوب چینی" ہے۔

(۲) رسالہ متعلقہ بیخ چینی :۔ یہ "رسالہ بیخ چینی" ہے۔

HL. 3277 رسالہ حدود و اعراض موسوم بہ حقائق اسرار الطب :۔ یہ رسالہ عربی زبان میں ہے۔

HL. 3161 رسالہ حیض و علاج بہ طرز بیگ :۔ یہ مجموعہ ہے اور اس میں مذکورہ نام کا کوئی رسالہ نہیں۔

HL. 3208 رسالہ نبض :۔ اس کا پورا نام "رسالہ تشخیص نبض بطرز ویدک" ہوگا، کیونکہ اس میں ویدک کے قاعدے سے نبض کے ذریعہ بیماری کی پہچان کو بتایا گیا ہے۔ نیز یہ کہ یہ رسالہ اردو زبان میں ہے۔

HL. 3270 رسالہ در بیان احوال جواہر :۔ اوراق ۸۳ نہ کہ ۸۴۔ نسخہ کے پہلے ورق پر محمد اسمعیل کی مہر ثبت ہے۔

HL. 3274 رسالہ در افیون :۔ اوراق ۵۰ نہ کہ ۵۱۔ ناقص الطرفین کتاب کا نام "افیونیہ" ہے۔

HL. 3281 رسالہ در بیان سموم :۔ نسخہ میں اس کا عنوان "رسالہ در باب سموم" ہے۔

HL. 3253 رسالہ در حمیات :۔ نسخہ میں اس کا نام "رسالہ در بیان ایام حمی" مذکور ہے۔ تعداد سطور ۱۸-۲۱ نہ کہ ۹۔ اس کا سنہ کتابت بھی ۱۲۸۰ھ ہوگا کیونکہ اس نسخہ میں اس کے علاوہ بھی رسالے ہیں جن کا سنہ کتابت یہی ہے اور تحریر ایک ہی شخص کی ہے۔

HL. 3586 رسالہ در فواید طب :۔ یہ نام نسخہ میں کہیں بھی مذکور نہیں۔ مصنف نے کتاب کا باضابطہ کوئی نام نہیں دیا ہے۔ کتاب میں کھانے اور پینے کی مختلف چیزوں کے بارے میں حکمای قدیم اور جدید کے سخن اقوال کو جمع کر دیا گیا ہے جو بائیس[۲۲] باب پر مشتمل ہے اس لیے اس کا نام "سخنان حکمای قدیم و جدید درباره طعامها، شرابها و لباسها" دیا جا سکتا ہے۔ اوراق ۱۷ نہ کہ ۲۴۔

HL. 3588 رسالہ در فوائد الاشیاء :۔ اس کے مصنف سلطان ٹیپو ہیں۔

ہے۔ اس کے علاوہ آخری ۲۰ اور ابتدائی ۶ اوراق پر مختلف قسم کے نسخہ جات ہیں۔

HL. 3087 **دستور الاطباء** :۔ ناقص الطرفین (ابتدا سے تقریباً دو اوراق)۔ اوراق ۱۴۱ نہ کہ ۱۰۲، تعداد سطور [illegible] قدرے کرم خوردہ قیاس ہے کہ سنہ کتابت بارہویں صدی ہوگی نہ کہ تیرہویں صدی۔ ہینڈ لسٹ میں **کیفیت کے خانے میں** "دستور الاطبا" کے دوسرے نسخہ کا نمبر شمار ۵۰۰۹ **لکھا ہے جو غلط ہے صحیح** نمبر شمار ۳۳۰۹ [illegible]

HL. 3309 **ایضاً** :۔ کرم خوردہ اوراق ۱۳۱ نہ کہ ۱۴۴، نسخہ کے پہلے اور آخری ورق پر ایک ایک مہر ہے۔ پہلے ورق کی مہر واضح نہیں۔ البتہ آخری ورق کی مہر محمد رضا کی ہے۔ "دستور الاطباء" کے خاتمہ کے بعد ۵ اوراق پر رسالہ الذہبیہ "مصنف ابوالحسن علی بن موسیٰ الرضا کا فارسی ترجمہ ہے۔ چونکہ یہ ترجمہ ہے اس لئے اس کا نام ترجمہ "الرسالۃ الذہبیہ" ہوگا۔ مترجم نے اپنا نام نہیں لکھا ہے۔ اس رسالے کا ذکر ہینڈ لسٹ میں نہیں کیا گیا ہے۔

HL. 3123 **دستور العلاج** :۔ اوراق ۲۴۳ نہ کہ ۲۰۰۔ کتاب کے پہلے ورق پر دو مہریں ہیں۔ پہلی محمد قاسم بن محمد کاظم [illegible] دوسری مہر غیر واضح ہے، اور ورق ۸۹-۲۹۶ پر "امام قلی" کی تین مہریں ہیں۔

HL. 3054 **ذخیرہ خوارزم شاہی** :۔ (جلد دوم)۔ یہ ذخیرہ خوارزم شاہی کی کتاب اول، دوم و سوم ہے نہ کہ جلد دوم۔ سنہ کتابت ۲۶ جلوس عالمگیری ہے نہ کہ ۱۲۱۰ھ۔ اس کے کاتب کا نام نسخہ میں مذکور نہیں۔ نسخہ کے پہلے ورق پر محمد معز الدین نے یہ لکھا ہے کہ ۱۲۱۰ھ میں یہ کتاب مولوی ولایت حسین سے انکو ملی۔ فہرست نگار نے ۱۲۱۰ھ کو سنہ کتابت اور محمد معز الدین کو کاتب سمجھ لیا۔ نسخہ کے پہلے ورق پر محمد علی خاں (لسان السلطان محمود الدولہ منشی محمد علی خاں) کی مہر ثبت ہے۔

HL. 3153 **ایضاً** :۔ اوراق ۲۵۴ نہ کہ ۲۶۰۔ ذخیرہ خوارزم شاہی کے خاتمہ کے بعد، اوراق پر انگریزی زبان میں سارن کے مجسٹریٹ کے نام ایک پٹیشن ایک کانسٹبل عبدالستار کی طرف سے ہے جسے نوکری سے ڈسمس کردیا گیا تھا۔ سنہ کتابت نسخہ کے آخر یعنی بخش دوازدہم پر ۹۵۶ مذکور ہے۔ جبکہ مختلف کتاب (جلد) کے خاتمہ پر ۹۶۲ھ مذکور ہے۔ مذکورہ نسخہ میں دس باب کے بعد قرابادین ہے جبکہ فہرست مشترک میں احمد منزوی نے دسویں باب کو قرابادین بتایا ہے نیز یہ کہ قرابادین کا مفردات بقول صاحب فہرست مشترک ۲۸ باب پر ہے۔ جبکہ مذکورہ نسخہ میں یہ ۳۸ باب میں ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فہرست مشترک میں بھی ۳۸، ۲۸ ہوگیا ہے۔ گفتار دہم کا عنوان ہے "اندر یاد کردن تعبیہائی چند کہ درین کتاب یاد کردہ شود" اور یہ تین فصل میں ہے۔

HL.35 **سفینۃ الحکمت** :۔ اوراق ۱۲۹+۴ نہ کہ ۱۲۹-۴ اوراق پر فہرست ہے۔ جس کے کاتب سلطان احمد ہیں۔ نسخہ کے پہلے اور آخری ورق پر اس کے کاتب غلام صادق کی مہر ثبت ہے۔ قدرے کرم خوردہ۔

HL.26 **طب اکبری** :۔ اوراق ۳۲۴ نہ کہ ۳۲۲۔ اس نسخہ میں دو شخص کی تحریر ہے۔ ورق ۱-۴۷ پر تعداد سطور ۲۳ ہے اور ورق ۴۷-۳۲۴ پر ۱۹ نہ کہ ۲۱

HL.27 **ایضاً** :۔ کرم خوردہ، کاتب نے ترقیمہ میں اپنا نام محمد عبدالرحیم لکھا ہے نہ کہ صرف عبدالرحیم۔

HL.31 **ایضاً** :۔ ناقص الآخر

HL.324 **طب موسیقی** :۔ کتاب کا نام "شفاء المریض" ہے اور اس کے مصنف شہاب الدین بن عبدالکریم قوام غزنوی ناگوری ہیں۔ تعداد سطور ۱۲ نہ کہ ۲۰۔

HL.330 **طب ہندی** :۔ ناقص الآخر

HL.316 **علاج الاطفال** :۔ یہ دراصل نسخہ خلاصۂ تجارب سے "در باب امراض اطفال" ہے۔ اس لئے اس کے مصنف بہاءالدین نوربخشی ہوں گے۔

HL.3050 **علم الادویہ** :۔ ناقص الطرفین و مجہول الاسم، ہینڈلسٹ میں منقول نام مناسب نہیں۔ اس کا نام خواص الاشیاء دیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ یہی موضوع سے مطابقت رکھتا ہے۔ نسخہ کے ورق ۱۰۹ ب کے حاشیہ سے کسی شخص نے خواجہ لقمان حکیم کی کتاب "تحفۃ المسخرات" (تحفۃ البحریات) نقل کرنا شروع کیا تھا۔ لیکن اسے ورق ۱۱۰ ب پر ہی روک دیا

HL.3266 **عین الحیات چوب چینی** :۔ اس کے مصنف حکیم محمد ہاشم بن محمد طاہر بز شک تہرانی ہیں۔ اوراق ۸۲ نہ کہ ۸۱، (۸۵ب - ۱۶۷ الف)۔

HL.2497 **قانون بوعلی سینا** :۔ اوراق ۲۷۱ نہ کہ ۲۷۰۔ قدرے کرم خوردہ۔

HL.2497 **ایضاً** :۔ اوراق ۲۷۲ نہ کہ ۲۷۵۔

HL.2657 **قانونچہ (بوعلی سینا)** :۔ اوراق ۴۷ نہ کہ ۴۸۔ آب خوردہ۔

HL.2504 **قرابادین قادری** :۔ نسخہ کے پہلے اور آخری ورق پر تین تین مہریں ہیں نہ کہ صرف آخری پر۔ ان میں سے دو کا ذکر ہینڈلسٹ میں موجود ہے۔ تیسری مہر محمد حسین حنفی کی ہے۔

HL.2530 **قرابادین** :۔ اس کا نام "قرابادین شفائی" ہے۔ اوراق ۸۳ نہ کہ ۹۸۔ سنہ کتابت ۱۲۶۱ھ اور کاتب سید

HL. 3255 رسالہ در طب :۔ اس کا نام "مجرب التداوی" ہے نہ کہ "رسالہ در طب" اور اس کے مصنف
غلام مصطفیٰ بہاری ہیں نہ کہ "اشہل المنعمی"۔ اوراق ۶۶ نہ کہ ۱۱۶۔

HL. 3777 رسالہ در علم طب :۔ یہ کسی ضخیم کتاب کا حصہ معلوم ہوتا ہے جس کے ابتدائی ۱۹ ابواب نہیں ہیں
باب "در بیان فصلہای سال" اکیسواں باب "اندر گرما بہ رفتن و بیرون آمدن" اور
باب "میوہ ہا و غذا ہا و الادویہ" ہے۔ ادویہ میں بیشتر قوہ باہ سے متعلق ہے۔

HL. 3164 رسالہ زبدہ در معالجات :۔ نسخہ میں کتاب کا نام اس طرح مذکور ہے۔ "ہذا کتاب زبدہ
یونانی"۔ اوراق ۱۴ نہ کہ ۱۲۔

HL. 3257 رسالہ فادزہر :۔ اوراق ۵ نہ کہ ۴½ (۹۶ ب۔ ۱۱ الف)

HL. 3259 ایضاً :۔ اوراق ۳ نہ کہ ۲ (۱۳ ب۔ ۱۵ الف)

HL. 3268 رسالہ نارافرنجی :۔ اس کا نام رسالہ در معالجہ بارافرنجیہ (یا نارافرنجیہ) ہے۔ اوراق ۲۴ نہ کہ ۲۸
(۱۹۶ ب۔ ۲۱۹ الف)۔

HL. 4081 رسالہ در علم طب :۔ ناقص الطرفین و کرم خوردہ۔ اوراق ۱۰۲ نہ کہ ۱۰۳ (مجہول الاسم) اس کتاب
میں مختلف اقسام کے زہر بنانے، مختلف دھبوں کو کپڑے سے چھڑانے، مختلف اقسام کے رنگ بنانے
تیل پالش بنانے، رنگین کاغذ بنانے کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ اس لیے اسے طب میں رکھنا مناسب نہیں۔

HL. 3121 رسالہ معالجات :۔ اوراق ۱۰۴ نہ ۱۰۲۔

HL. 3272 رسالہ معجونات یاقوتی وغیرہ :۔ اوراق ۷ نہ کہ ۹۔

HL. 3168 رسادلی :۔ اوراق ۲۴ نہ کہ ۲۳

HL. 3209 رسالہ نبض بطرز ویدک :۔ اس کے کاتب کا نام سید محمد ہے بغفراللہ لہٗ مصنف کے نام کے آخر
میں کلمات دعائیہ ہیں۔ اس لیے یہ نام کا حصہ نہیں۔

HL. 3159 رسالہ نسخہ جات و مجربات :۔ (مجہول الاسم) و ناقص الاول۔

HL. 3125 ریاض عالمگیری المعروف بہ ریاض المناظر :۔ اس کے مصنف کا نام محمد رضا طبیب شیرازی ہے اور
یہ کتاب کا صرف جلد دوم ہے۔ اس کے کاتب محمد دائم نہیں بلکہ یہ شیخ دائم کے نسخہ سے نقل کیا گیا ہے۔ کاتب نے اپنے
نام کی جگہ صرف کمتر لکھا ہے، البتہ اپنے استاد کا نام لکھا ہے جو شیخ محمد عادل ہے۔ قدرے کرم خوردہ۔

HL.359 **مجربات اکبری** :- اوراق ۱۶۰+۲ نہ کہ ۱۶۱۔ کتاب کے خاتمہ کے بعد دو اوراق پر مختلف نسخے ہیں۔

HL.378 **مجموعہ حسینی** :- اوراق ۴۰۵+۵۰ نہ کہ ۴۵۲۔ ۵۰ اوراق پر مختلف نسخے اور اشعار ہیں اس کے آخری ۳ اوراق پر "رسالہ ذہبیہ" مصنفہ ابوالحسن علی ابن موسیٰ الرضا کا فارسی ترجمہ ہے۔ یہ کتاب حفظ صحت پر ہے۔ تعداد سطور ۱۸-۲۶۔

HL.358 **مجربات یحییٰ** :- کتاب کا نام اس کے دیباچہ میں "تجربات میر یحییٰ" مذکور ہے۔ جس سے تاریخ تصنیف بھی نکلتی ہے۔ اس کے ترتیب دہندہ سید محمد جان ہیں۔ جنھوں نے سید غلام یحییٰ (نہ کہ میر یحییٰ) کے غیر مرتبہ بیاض کو ترتیب دیا ہے۔ اوراق ۱۴۸ نہ کہ ۱۴۷۔

HL.254 **مجموعہ طب (مجربات سعید الملک)** :- نسخہ کے پہلے ورق پر اس کا نام "نسخہ جات متفرقہ ونعمت خانہ وغیرہ مجربات نواب سعید الملک" مذکور ہے۔ اس میں درج ذیل رسالے ہیں:

۱ (نسخہ جات متفرقہ) ۷۷ اوراق سنہ کتابت ۱۲۳۰ فصلی، کاتب کنہیا لعل۔ تعداد سطور ۱۱-۱۶۔

۲ مجربات نواب سعید الملک اوراق ۴۰ (۷۹-۱۱۸) سنہ کتابت اور کاتب کا نام مذکور نہیں البتہ کاتب وہی ہوگا جو مذکورہ بالا رسالہ نسخہ جات متفرقہ کا ہے۔ چونکہ تحریر ایک جیسی ہے۔

۳ (نعمت خانہ) اوراق ۵۵ (۱۱۹-۱۷۳) اس کی تحریر بھی مذکورہ بالا تحریر سے ملتی جلتی ہے۔ کسی بھی رسالہ کے ابتدا یا اخیر میں رسالے اور اس کے مصنف کا نام مذکور نہیں۔ اس کے علاوہ نسخہ کے ورق ۷۸ اور آخری دو اوراق پر مختلف نسخہ جات ہیں۔

HL.254 **مجموعہ طب وتعویذ وغیرہ** :- ناقص الاول ہینڈ لسٹ میں کتاب کا جو نام مذکور ہے۔ وہ فہرست نگار کا دیا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ یہ کتاب ۱۱۷ باب پر مشتمل ہے۔ کاتب نے ۱۰۸ باب تک ہی نقل کیا ہے۔ اس لئے اسے ناقص الطرفین بھی کہا جا سکتا ہے۔ یہ کوئی اہم کتاب معلوم ہوتی ہے۔

HL.359 **مجموعہ طب** : یہ مرزا محمد علی لکھنوی کی بیاض ہے جسے محمد جان حسینی بلگرامی نے "گلدستۂ حکمت" کے نام سے ترتیب دیا ہے۔ کتاب کے ابتدائی ۷½ اوراق پر (نسخہ متفرقات) ہے اور ۸ ب سے ۹۵ الف تک "گلدستۂ حکمت" اس کے کاتب مظفر علی ہیں اور سنہ کتابت ۱۲۸۹ھ ورق ۹۵ ب سے ۹۶ الف تک نسخہ جات ہیں۔ اور اس کے بعد ۹۶ ب سے طب پر ایک رسالہ ہے جس کے متعلق محمد جان حسینی بلگرامی نے لکھا ہے کہ سید غلام یحییٰ صاحب نے یہ بیاض جو نسخہ جات پر مشتمل ہے انھیں نقل کرنے کے لئے دی، اور نقل کے بعد واپس لے لی۔

قاسم علی ولد سید اسد علی۔ قدرے کرم خوردہ۔ مذکورہ کتاب کے خاتمہ کے بعد چھ چھ اوراق پر انشرہ کے دو نسخے ہیں۔ اس کے کاتب بھی سید قاسم علی ہیں اور سنہ کتابت ۱۲۶۱ھ

HL. 2546 قرابادین :۔ اوراق ۱۵۶ نہ کہ ۱۵۵۔ نسخہ کے ابتدائی اور آخری ایک ایک ورق کی کتابت کسی دوسرے شخص کی

HL. 3015 ایضاً :۔ ناقص الطرفین۔ یہ کسی ضخیم کتاب کا حصہ معلوم ہوتا ہے۔ نسخہ کے پہلے ورق پر دو مہریں ہیں (۱) مرزا حسن ۱۲۷۵ھ اور (۲) محمد جعفر

HL. 3594 قرابادین معصومی :۔ مصنف کا پورا نام محمد معصوم بن کریم الدین شوشتری شیرازی ہے۔ کرم خوردہ و قدرے آب خوردہ۔ سنہ کتابت نسخہ میں سنہ ۵ جلوس بہادر شاہی مذکور ہے۔ جو ہجری سنہ میں ۵۸-۱۲۵۷ھ ہوتا ہے۔

HL. 3881 قرابادین :۔ اوراق ۳۳۰ نہ کہ ۳۲۸

HL. 3376 کتاب الطب :۔ یہ دراصل قرابادین معصومی ہے اور اس کے مصنف محمد معصوم بن کریم الدین شوشتری ہیں۔ از ابتدا کرم خوردہ۔ اوراق ۳۷۷ نہ کہ ۳۵۳۔

HL. 3169 کتاب العطرات :۔ اس نمبر کے تحت مجموعہ ہے جس میں مذکورہ نام کا کوئی رسالہ نہیں۔

HL. 2563 کشف المبتدی :۔ یہ کتاب شیخ محمود بن محمد جغمینی کی عربی تالیف قانونچہ کا فارسی ترجمہ ہے۔ مترجم نے ترجمہ میں کسی جگہ اپنا نام نہیں لکھا۔ جبکہ ہینڈ لسٹ میں مصنف کے نام کی جگہ عباد اللہ مذکور ہے۔ شاید نسخہ کے دیباچہ کی درج ذیل عبارت سے فہرست نگار نے یہ نتیجہ اخذ کیا:

"پس ایں حقیر عباد اللہ خیر خواہ خلق اللہ"

اوراق ۲۲۸ نہ کہ ۲۲۹۔ قدرے کرم خوردہ۔

HL. 3691 کفایۃ مجاہدیۃ :۔ نسخہ میں کتاب کا نام "کفایہ مجاہدیہ" مذکور ہے اور مصنف کا نام منصور بن محمد بن احمد بن یوسف بن الیاس نہ کہ محمد منصور بن احمد ....، اوراق ۲۶۳ نہ کہ ۵۲۲۔

HL. 3582 مائع الحیات :۔ کتاب کا نام نسخہ کے دیباچہ میں "ماء الحیات" مذکور ہے نہ کہ "مائع الحیات" اور مصنف کا پورا نام مع ولدیت عبدالستار خان ابن عجایب خان موسوی گوالیاری ہے۔ فہرست مشترک جلد ا ص ۱۲۷ پر اس کتاب کے مصنف کے لیے ناشناس لکھا گیا ہے۔ نیز کتاب کے فصل کے سلسلے میں ہندسہ میں ۱۶۶ اور حروف میں "صدو شصت" فصل مذکور ہے۔ نسخہ خدا بخش میں فصل کی تعداد "صد و شش" ہے۔ اوراق ۲۱۶ نہ کہ ۲۱۵۔

HL. 3135 مجربات اکبری :۔ اوراق ۱۴۶ نہ کہ ۱۴۸۔ قدرے کرم خوردہ۔

اس میں امام باقر اور جعفر صادق سے منقول بہت سی روایتیں ہیں۔

ورق ۴ب الف سے ۸۰ الف تک کتاب "سحر العیون" از ابی عبداللہ المغربی ہے جو کتاب بن الحلاج کے نام سے بھی مشہور ہے اور علم کیمیا وغیرہ پر ہے اور رسالہ عیون الحقائق وایضاح الطرایق" مصنفہ علیم ابوالقاسم احمد السماوی کا فارسی ترجمہ ہے۔ اور یہ دونوں کتابیں عربی زبان میں ہیں اور یونانی سے عربی زبان میں ترجمہ کی گئی ہیں۔ اس میں علم شعبدات علم تسخیرات، طلسمات، کیمیا، اکسیر وغیرہ سے متعلق معلومات ہی ہے۔ تعداد سطور ۲۲-۲۴ فارسی مترجم کا نام مذکور نہیں اور نہ ہی مترجم نے کتاب کے ترجمہ کے بعد اس کا کوئی نام دیا ہے۔

HL. 368 **مجموعہ طب** :۔ نسخہ کے ابتدائی دو اوراق پر مختلف نسخہ جات ہیں اس کے علاوہ اس کے ۱۸ اوراق پر ادعیہ وتعویذات ہیں اس لئے اسے طب میں رکھا جانا مناسب نہیں۔

HL. 36 **مفردات طبی** :۔ رسالہ کی ابتدا میں یہ تحریر بطور عنوان درج ہے۔ "ایں رسالہ ایست در منفعت ومفرت مطبوخات ومشروبات وملبوسات" اوراق ۴ا نہ کہ ۱۲۔ تعداد سطور ۱۱ نہ کہ ۱۰۔ ناقص لآخر۔

HL. 310 **معالجات** :۔ نسخہ میں کتاب کا نام مذکور نہیں۔ یہ کتاب ۱۵ ابواب پر مشتمل ہے اور ہر باب میں چند فصلیں ہیں۔ اوراق ۳۶ نہ کہ ۳۵۔ تعداد سطور ۲۷-۲۴ نہ کہ ۲۷۔

HL. 308 **المعالجات بالمفردات** :۔ ناقص الاول اوراق ۵۹ نہ کہ ۶۰ ناقص لاول ہونے کی وجہ سے کتاب کے نام کا فیصلہ مشکل ہے البتہ یہ کتاب ۵۰ فصل پر ہے۔ ہینڈ لسٹ میں کیفیت کے خانے میں کرم خوردہ، آب خوردہ مذکور ہے۔ نسخہ تھوڑا آب خوردہ ضرور ہے لیکن کرم خوردہ نہیں۔

HL. 350 **معالجات حسینی** :۔ اوراق ۳۱۸+۲ نہ کہ ۳۱۵۔ اس کے کاتب سید ابوالحسن خان بہادر ہیں ازابتدا کرم خوردہ۔

HL. 95 **معدن تجربات** :۔ اوراق ۵۲۴ نہ کہ ۵۵۱۔

HL. 31 **مفتاح الخزائن** :۔ اس کے مصنف حاج زین العابدین عطار علی بن حسن پزشک شیرازی ہیں نیز یہ کتاب یعنی مفتاح الخزائن تین رسالوں پر مشتمل ہے زیر نظر نسخہ رسالہ دوم ہے۔ اوراق ۱۲ نہ کہ ۲۲۔

HL. 24 **مفرح القلوب** :۔ اس کے کاتب محمد عمر خاں ہیں۔

HL. 26 **ایضاً** :۔ ناقص لاول وقدرے کرم خوردہ، اوراق ۲۲۹ نہ کہ ۲۱۶۔

HL. 27 **ایضاً** :۔ اوراق ۳۲۶ نہ کہ ۳۲۷ نسخہ کے کاغذ سے اندازہ ہوتا ہے۔ کہ یہ بارہویں صدی ہجری کا

یہ نسخہ جس کا عنوان "نسخہ جات غلام یحییٰ" یا "بیاض غلام یحییٰ" ہو سکتا ہے۔ ورق ۱۲۰ الف پر تمام ہے۔ اس کے کاتب سید امیر حیدر اور غوث محمد جان حسینی ہیں اور سنہ کتابت ۱۲۹۵ھ۔ اس کے بعد ۱۲۰ ب سے ۱۶۵ تک یہ بیاض خاص میر رضا حیدر بلگرامی، بیاض علوی خان، حکیم نوازش علی خان بہادر علی بلگرامی، مظفر علی، رمضان خاں بلگرامی، میر لطف اللہ، فضل علی دہلوی وغیرہ کے نسخہ بیاض سے مختلف بیماریوں کے نسخے ترتیب دیئے گئے ہیں۔ اس کا سنہ کتابت ۱۲۹۶ھ ہے۔ کل اوراق ۵ نہ کہ ۱۶۔

HL. 3591 **مجموعہ طب:۔** اوراق ۱۵۵ نہ کہ ۱۵۳۔ اس کا نام "مجموعہ طب" کے بجائے "مجموعہ نسخہ جات" زیادہ مناسب ہوگا

HL. 3592 **ایضاً:۔** اس میں کئی رسالے ہیں۔ ابتدائی رسالہ غالباً کسی عربی تصنیف کا ترجمہ ہے جو دو جز پر مشتمل ہے اور ہر جز میں تیس باب ہیں۔ پہلا جز قوۃ باہ پر ہے اور دوسرا عورت کے زینت کے سلسلے میں یہ رسالہ ۱۶ اوراق پر مشتمل ہے۔ ورق ۱۷ الف پر شال اور پارچہ کو رنگنے کے مختلف طریقے کا ذکر ہے اور ۷ ب پر مختلف اقسام کے نسخے ہیں۔ ورق ۸ الف پر غزلیات حافظ اور ۸ ب پر سودا یا عزیز کے اردو اشعار۔ ورق ۹ سے کوکا پنڈت کی ہندی کتاب "سیاہ ستر" کا فارسی ترجمہ ہے۔ مترجم نے ترجمہ کے بعد اس کا نام "لذت النسا" رکھا ہے۔ یہ کتاب دس باب میں ہے اور ۱۲ اوراق پر مشتمل تعداد سطور ۲۴۔۲۶ ہیں۔ ورق ۲۱ الف سے ادویہ ہائے متفرقہ ہے جو ۱۳ اوراق پر مشتمل ہے ورق ۳۴ پر سید ابو محمد بلگرامی کے خط میں ان کا اردو کلام ہے۔ جس کا سنہ تحریر ۱۲۱۷ھ ورق ۳۵ پر شیفتہ، جامی، واقف، طالب آملی اور بیدل وغیرہ کے اشعار ہیں۔

ورق ۳۶ الف سے ۴۰ الف تک "دستور نوشت نثر کہ عاری از تکلف باشد" ورق ۴۰ سے ۴۱ الف پر مناقب امیر المومنین علی ہے۔ یہ مناقب اردو زبان میں ہیں۔ ورق ۴۱ ب پر منقبت ہفت سوال از خلیفہ اول" کے عنوان سے اردو زباں میں نظم ہے جو ۴۲ ب پر مکمل ہوتی اس کے مصنف کا تخلص "افکار" ہے اور اس کے کاتب سید ابو محمد بلگرامی ہیں۔ نظم کے خاتمہ کے بعد اردو میں مولوی غلام حسین شہید کی رباعی ہے۔

ورق ۴۳ سے ۴۴ الف تک قصیدہ مرزا بیدل عظیم آبادی ہے اور ۴۴ ب سے ۴۶ الف تک کسی کتاب کی فصل ششم ہے جس کا عنوان "دربیان حق زن و شوہر بر یکدیگر و احکام ایشان

کردن زیق یا دیگر فلزات فصل عقد الزیق یعنی بستہ کردن سیماب وغیرہ اس لئے اسے طب میں نہیں،
بلکہ علم الکیمیا میں رکھا جانا چاہیئے ۔ ہینڈ لسٹ میں کیفیت کے خانے میں کتب خانہ خدا بخش پٹنہ لکھا ہوا
ہے جو غیر ضروری ہے۔ مقصد واضح نہیں ہوتا۔

HL..2583/3 رسالہ در طب :۔ اس کا عنوان ہے "نسخہای مجرب از حکیم غلام امام صاحب"

HL..2583/5 ایضاً :۔ یہ گلشن حکمت ہے اور اس کے مصنف محمد معالی مدنی ہیں۔ ناقص الاول اوراق ۵، نہ کہ ۱۷، تعداد
سطور ۱۴-۱۹ نہ کہ ۱۷۔ یہ کتاب صرف طب پر نہیں بلکہ مختلف علوم وفنون پر ہے۔

HL. 2954/1 ایضاً :۔ ۸ اوراق میں سے ابتدائی ۳½ اوراق پر تعویذ و ادعیہ وغیرہ ہے اور ۴½ پر مختلف بیماریوں کے علاج (دواؤں)
کا ذکر ہے۔ اس لئے رسالہ در طب کیلئے ۴½ اوراق ہی ہوں گے نہ کہ ۸۔ کرم خوردہ

HL. 4004/4 رسالہ :۔ اس کا نام "رسالہ لطیفہ" ہے اور اس کے مصنف احمد بن محمد علی الاصفہانی۔ المشہور البہبہانی ہیں نہ کہ
محمد علی اصفہانی۔ یہ رسالہ ریش تراشنے اور وضو وغیرہ کرنے کے سلسلے کے سوالات اور اس کے جوابات پر مشتمل ہے۔
ناقص الآخر معلوم ہوتا ہے کہ کاتب نے ہی مکمل نہیں کیا ہے۔ خط شکستہ نہ کہ نستعلیق۔

HL. 3013/5 زبدۃ :۔ نسخہ کے آخر میں تمام شد عطریات مذکور ہے یہ مختلف اقسام کے خوشبودار روغن بنانے کے طریقے پر مشتمل
ہے جس میں پندرہ ابواب ہیں۔ اوراق ۱۶ نہ کہ ۳۲ ناقص الاول۔

HL. 3012/2 مجرب التداوی :۔ اس کے مصنف غلام مصطفےٰ بہاری ہیں۔

HL. 4004/5 اس نمبر کے تحت دو کتابیں ہیں :۔

۱۔ مجہول الاسم و مولف عنوان کے تحت اس کا نام "رسالہ در بیان علم کوک" دیا جاسکتا ہے۔ اوراق ۱۴
نہ کہ ۴۰۔ کاتب حبا سکہ نہ کہ عصمت اللہ۔ سنہ کتابت ۱۲۱۷ فصلی تعداد سطور ۱۴-۱۶ نہ کہ ۱۳۔ یہ کسی
ضخیم کتاب کا باب ششم معلوم ہوتا ہے۔

۲۔ دوسرا رسالہ جو ۲۶ اوراق پر ہے۔ حکیم جالینوس کا (مجربات جالینوس) از گفتار جالینوس ہے۔ جسے ابوالعاص
الفاروقی نے فارسی میں ترجمہ کیا ہے اس لئے اس کا نام "ترجمہ مجربات جالینوس" دیا جاسکتا ہے۔ تعداد
سطور ۱۲-۱۴ کتاب کے ترقیمہ میں اس کا نام "مجموعہ ادویات" دیا گیا ہے۔

HL. 3013/1 منتخب الاطباء :۔ ناقص الطرفین اس کے مصنف خیر اللہ الہ آبادی ہیں۔ اوراق ۶ نہ کہ ۴۵۔ اس کے بعد
کے ۳۴ اوراق پر حروف تہجی کے اعتبار سے مختلف دواؤں اور اس کی خاصیت کا ذکر ہے۔ یہ رسالہ بھی

تحریر کردہ ہوگا نہ کہ تیرہویں صدی۔

HL. 2356 **میزان الطب** :۔ ناقص الاول یہ کتاب تین مقالہ پر مشتمل ہے نسخہ میں مقالہ اول کی آخری چند سطریں ہی رہ گئی ہیں بقیہ مقالے مکمل ہیں۔

HL. 2791 **ایضاً** :۔ کرم خوردہ، اوراق ۱۱۱ نہ کہ ۱۱۰ سنہ کتابت سنہ ۱۶ محمد شاہ بادشاہ غازی نہ کہ سنہ ۱۶ جلوس احمد شاہ نسخہ کے پہلے ورق پر نور محمد ولد عبداللہ . . . کی مہر ثبت ہے۔

HL. 3150 **ایضاً** :۔ اوراق ۱۲۳ نہ کہ ۱۲۵، کرم خوردہ۔

HL. 3676 **ایضاً** :۔ اوراق ۱۴۴ نہ کہ ۱۴۵۔

HL. 3315 **نسخہ جات (بیاض)** :۔ تعداد سطور مختلف، نسخہ میں کئی اوراق سادہ ہیں۔ گنتی میں اس کو بھی شامل کر لیا گیا ہے۔

HL. 4083 **نسخہ مجرب التداوی** :۔ کاتب کا نام مہر علی ہوری ہے نہ کہ مہر علی عرف ہوری اور سنہ کتابت ۱۲۰۸ فصلی نہ کہ ہجری یہ کتاب ۵۲ فصل پر مشتمل ہے۔ تعداد سطور ۱۷-۲۰ نہ ۲۰ بیشتر اوراق پر ۱۷ سطریں ہیں۔

ضمیمہ :۔

HL. 2961/3 **انتخاب تحفۃ المجربات** :۔ پورا عنوان یہ ہے "از تحفہ مجربات در جستن اعضا و تعبیر آن" اس لئے اس کو طب میں نہیں بلکہ فال گیری میں رکھا جا سکتا ہے۔ اوراق ۲ یا ۳ (۴۶ب-۴۸الف) نہ کہ ۱۔
تعداد سطور ۱۳، نہ کہ ۱۵۔

HL. 3000/7 **تدارک الخطا** :۔ یہ چونکہ عربی زبان میں ہے۔ اس لئے اسے عربی میں ٹرانسفر کر دیا گیا۔

HL. 2508/13 **تشریح الاعضاء** :۔ اس کے مصنف کا نام دیباچہ میں منصور بن محمد بن احمد مذکور ہے۔ اور یہ کتاب بقول صاحب فہرست مشترک "تشریح الابدان" ہے۔ جو "تشریح منصوری" اور "التشریح بالتصویر" کے نام سے بھی جانی جاتی ہے۔ نسخہ کی ابتدا اور آخر میں اس کا نام "تشریح الاعضا" ہی لکھا گیا ہے۔

HL. 3014/3 **دستور العلاج** :۔ اوراق ۱۱۹ نہ کہ ۱۱۶ تعداد سطور ۱۵-۱۹ نہ کہ ۱۶۔

HL. 3013/4 **رسالہ ارسطالیس** :۔ اس کا عنوان ہے "رسالۃ الفہا ارسطالیس فی دقایق الحکمۃ من الطب" وغیرہ اور یہ رسالہ عربی زبان میں ہے۔ نیز اس کا شمارہ نمبر نسخہ کی رو سے ۱۳/۳ ہونا چاہئے۔

HL. 2500/2 **رسالہ** :۔ اس میں درج ذیل عنوانات کے تحت بحث کیا گیا ہے۔ فصل عمل اسرب قلعی، فصل تکلیس زجاج اکسیر سفید کردن نحاس، فصل در قائم کردن اسرب، فصل در حل و عقد و سفید کردن، فصل در ملمع

حدیث

• HL.1173/No.1189 (ترجمہ) اربعین: نسخے کی ابتدا میں ایک مہر ہے، جسے کسی نے مٹا دیا ہے۔ اس کے نیچے، ۲ ربیع الثانی سنہ کا عرض دیدہ ہے۔ سطور مختلف، نکر ۹ • HL.1174/No.1200 (شرح) بدور السافرہ فی امور الآخرہ موسوم بہ شموس الساہرہ فی الامور الآیتہ: بعد والے نام کے تحت ہی اس کی انٹری ہونی چاہیے تھی کیونکہ یہی نام شارح نے دیباچہ میں دیا ہے۔ البتہ ترقیمہ میں کاتب نے شرح بدور السافرہ فی احوال الآخرہ لکھا ہے۔ ادراق ۴۶۷، نکر ۴۶۶ • HL.1176/No.1205 سبعین: سنہ کتابت ۲۴ (ماہ کو کسی نے سیاہی سے مٹا دیا ہے) ۱۱۵۶ ہجری۔ اس کے کاتب کا نام محمد اکمل شہبازی ہے۔ میرے خیال میں یہ اس نسخہ کے کاتب ہیں جس سے یہ نقل کیا گیا ہے • HL.1177/No.1185 سفر السعادة: کتاب کی ابتدا سے قبل مذکورہ اوراق کے علاوہ تین اوراق پر فہرست اور ۵ اوراق پر مصنف کے بارے میں اور کچھ غیر متعلق چیزیں ہیں۔ جہاں سے کتاب شروع ہوتی ہے اس کے پہلے ورق پر عنایت اللہ ۱۲۵۲ کی ایک مہر ثبت ہے۔ اس مہر کا ذکر توضیحی کیٹلاگ میں کر دیا گیا ہے۔ تعداد سطور ۱۷، نکر ۲۰ • HL.1178/No.1186 (شرح) سفر السعادة: نسخہ کی ابتدا میں ۴ مہریں ہیں ایک مہر پر سنہ ۱۱۴۳ پڑھا جا سکتا ہے اور آخر میں ایک مہر ہے۔ یہ ساری مہریں غیر واضح ہیں کیونکہ اسے مٹا دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ۱۰۸۰ کا ایک عرض دیدہ بھی ہے • HL.1179/No.1187 شرف السادات: کتاب کے خاتمہ کے بعد چار اوراق پر مختلف کتابوں مثلاً تفسیر حسینی، تفسیر بحر المعانی، تفسیر کشاف، مطلوب المومنین، شرح مشکوۃ وغیرہ سے انتخاب ہے۔ مخطوطہ کی ابتدا میں محمد صادق ۱۱۶۵ کی ایک مہر ثبت ہے۔ سنہ کتابت ۱۸ ویں صدی ہے، نکر ۱۹ ویں صدی • HL.1180/No.1188 شرف السادات: نسخہ کے پہلے ورق پر ایک مہر ہے جسے کھرچ کر مٹا دیا گیا ہے۔ اس کے اوپر یہ عبارت مذکور ہے: "مناقب السادات بتاریخ پنجم ماہ مبارک رمضان ۱۲۴۹ خریدہ شد"۔ سنہ کتابت ۹ ذی القعدہ ۲۵ جلوس والا مذکور ہے • HL.1181/No.1192 شرح شمائل النبی: سنہ کتابت چہارم رجب ۱۲۷۲ھ ادراق ۲۶۲، نکر ۲۶۲۔ تعداد سطور ۱۹، نکر ۱۸ • HL.1182/No.1191 (شرح) شمایل النبی: نسخہ کے پہلے اور آخری ورق پر ایک غیر واضح مہر ہے، جس میں صرف انور علی پڑھا جا سکتا ہے • HL.1183/No.1183 شہاب الاخبار: اوراق ۱۹۶، نکر ۲۲۷۔ نسخہ کے شروع اور اخیر میں خورشید

ابتدا سے ناقص اور آخر سے ناکمل ہے۔

HL. 3712/1 **نسخہ امیرہ**۔ ½ ورق نہ کہ ½۱، سطور، نہ کہ مختلف۔

HL. 2868/6 **نسخہ جات مجرب التداوی**:۔ اس کا نام "مجرب التداوی" ہے نہ کہ "نسخہ جات مجرب التداوی"، کے کاتب پریم لعل ہیں اور سنہ کتابت ۱۲۲۱ فصلی۔

HL. 2879/5 **ایضاً**:۔ یہ بھی مجرب التداوی ہی ہے اور اس کے مصنف بھی غلام مصطفی بہاری ہیں۔

مصرف خود آوردہ شد لہذا وجہ سند نوشتہ گشت فی التاریخ ۱۵ ماہ الوح ۱۹۱۸ ہجری مطابق ۲۲ ماہ ربیع الاول ۱۲...ھ موافق ۲۹ ماہ ستمبر ۱۸۶۱ عیسوی"۔ کتاب کے شروع سے قبل کے ایک ورق پر یاسین کتب فروش کی یہ تحریر ہے: "منکہ غلام یاسین کتب فروش ام چونکہ دریں وقت ہر یک جلد کتاب ترجمہ شیخ عبدالحق بقیمت بیست وشش روپیہ بدست سردار خاں پسر جناب ... صاحب فروخت نمودم تاریخ ۱۵ اسوخ ۱۹۱۸" اور اس کے نیچے محمد جہانگیر خاں خلف محمد سردار خاں کی یہ تحریر: "مالک ایں کتاب شریف محمد جہانگیر خاں خلف جناب سردار خاں صاحب مرحوم گر کسے دیگر دعوی کند موجب شرح شریف ... بتاریخ بیست دہفتم ماہ رجب المرجب ۱۲۹۲ ہجری"۔ سنہ کتابت نسخہ میں مذکور نہیں ہینڈ لسٹ میں ۱۲۲۷ھ دیا گیا ہے ● $\frac{HL.1196}{No.1194}$ (شرح) مشکاۃ موسوم بہ اشعۃ اللمعات: اوراق ۵۵۰، نہ ۲۶۰۔ اس کے کاتب جمال الدین محمد بن حمزہ عرب ہیں۔ سنہ کتابت کے لیے صرف ۱۱ صفر مذکور ہے۔ ترقیمے کے نیچے "درویش بود بہ نعمت حق شاکر ۱۱۰۹" کی ایک مہر ثبت ہے اور اس کے نیچے صاحب مہر کی یہ تحریر ہے: "کتاب حق وملک سیادت ونقابت پناہ شاہ درویش علی بن محمد شاکر ہر کہ دعوی کند کاذب باشد قیمت ثلث مائۃ وعشرون بدون جلد دلہ جلد نفعہ اللہ بہ والمسلمین در عہد اورنگ زیب سنہ ۴۴" ● $\frac{HL.1197}{No.1210}$ (منتخب) مشکاۃ مع شرح: مخطوطہ کے دیباچہ میں مصنف کا نام میر سراج الدین حسین خلف حکیم سید بہار الدین شاہجہاں آبادی مذکور ہے اور کتاب کا نام "سراج الہدایت"۔ اوراق ۲۹۳، نہ ۰۰×۴۰۔ مذکورہ اوراق کے علاوہ شروع کے ۱۶ اوراق اور اخیر کے ۲۷ اوراق پر مختلف رسالے اوراق سے انتخاب ہیں۔ ابتدا میں درج ذیل رسالے ہیں: (۱) منقول از ارشاد المسلمین تصنیف مولانا برہان الدین ۲۔۶، (۲) فہرست مشکاۃ شریف ۶ اوراق، (۳) (انتخاب از کتب مختلفہ) ۱۳ اوراق۔ اخیر میں درج ذیل رسالے ہیں: (۱) از شرح مشکوٰۃ تصنیف عبدالحق دہلوی ۳ اوراق۔ (۲) من رسالہ الفاف فی بیان سبب الاختلاف تصنیف شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔ (۳) المنقول من المشکاۃ من کتاب الرقاق۔ (۴) رسالہ اصول حدیث (منظوم) ۱۲ اوراق۔ (۵) از شرح مشارق الانوار (اردو) ۲ اوراق۔ (۶) از رسالہ شیخ عبدالحق۔ (۷) شرح مشکوٰۃ شریف تصنیف شیخ عبدالحق دہلوی ۱۶ اوراق۔ اور دیگر مختلف کتابوں سے مختصر اقتباسات ● $\frac{HL.1198}{No.1206}$ (شرح) منہج السوی فی الطب النبوی موسوم بہ ہدایت الغوی الی المنہج السوی: کتاب کا نام 'ھدایۃ الغوی الی المنھج السوی' ہے۔ اوراق ۱۲۰، نہ ۱۳×۱۔ نسخہ کی ابتدا میں ایک مہر ثبت ہے جسے کسی نے سیاہی سے مٹا دیا ہے۔ مہر کے اوپر یہ عبارت مذکور ہے: "من عطایا الرب الجلیل علی العبد الفقیر الذلیل حفاظت حسین صا عیکل سین" ● $\frac{HL.1199}{No.1202}$ (شرح) مؤطا: کتاب کا نام کتاب المصفا ہے ● $\frac{HL.1200}{No.1203}$ (شرح) مؤطا: کتاب کا نام کتاب المصفا

نواب کی مہر ثبت ہے • HL.1184 / No.1184 **شہاب الاخبار**: سنہ کتابت ۱۶ ذی الحجہ ۱۲۳۲ ہجری تعداد سطور ۱۳
نہ کر ۱۴۔ اس نسخہ کو مولوی ولی الدین خدابخش کی فرمائش پر نقل کیا گیا • HL.1185 / No.1195 (شرح) **صحیح البخاری** موسوم
تیسیر القاری: کتاب کا نام تیسیر القاری فی شرح صحیح البخاری ہے۔ ناقص الآخر۔ نسخہ کے ۵۶۱ اوراق کے علاوہ ابتدا
میں اس کے ۱۷ اوراق پر عربی میں اصول حدیث پر درج ذیل رسالے ہیں: "(۱) اقتباس قسطلانی ۱ب - ۲ الف (عربی)
(۲) قطعہ در احوال محمد بن اسمعیل بخاری از محمد سعید حسرت ۲ب (فارسی) (۳) (رسالہ فی اصطلاح الحدیث) ابن حجر العسقلانی
۳ب - ۴ب (عربی) (۴)۔ اقتباس من الکتاب المغنی فی الموضوعات ۴ب - ۶ الف (عربی) (۵) المفضوع فی المعرفت
الموضوع۔ ملا علی القاری ۶ الف - ۱۴ب (عربی) (۶) (رسالہ فی اصول الحدیث) احمد بن الیاس ۱۴ب - ۱۵ب (عربی)
(۷) کتاب الاربعین۔ عنایت اللہ خاں ۱۶ الف - ۱۷ب (عربی)"۔ نسخہ کے پہلے اور آخری ورق پر محمد سعید جعفری القادری
کی مہر ثبت ہے۔ 'قطعات حسرت' خود حسرت کے ہاتھوں کے لکھے ہیں۔ امکان یہ ہے کہ اس کے علاوہ بقیہ رسالے
بھی حسرت کی ہی تحریر میں ہے • HL.1186 / No.1196 (شرح) **صحیح البخاری**: اوراق ۲، ۵۷۵-۱۲۲۵=۶۵۳، نہ کر ۱ ۶۵ •
HL.1188-89 / No.1198-99 (شرح) **صحیح البخاری**: ابتدا اور اخیر میں ایک ایک مہر ہے، جسے بالکل مٹا دیا گیا ہے • HL.1190 / No.1208
(شرح) **صحیح البخاری** موسوم بہ **شیخ الاسلام**: سنہ کتابت ۸ شوال ۱۲۶۴ھ • HL.1191 / No.1209 (شرح) **صحیح البخاری**
موسوم **شیخ الاسلام**: ہینڈ لسٹ میں نمبر فہرست انگریزی کے خانے میں اس کا نمبر ۱۲۵۹ چھپ گیا ہے۔ یہ دراصل
۱۲۰۹ ہے۔ سنہ کتابت ۲۲ شوال ۱۲۶۵ھ، نہ کر ۱۲۶۴ھ • HL.1192 / No.1207 (شرح) **صحیح مسلم** موسوم بہ **منبع العلم**:
مصنف کا نام نسخہ میں فخر الدین مجیب اللہ اور کتاب کا نام "منبع العلم فی شرح صحیح المسلم" مذکور ہے۔ ناقص الآخر۔ اوراق
۶۱۶، نہ کر ۶۰۷۔ تعداد سطور ۱۹-۲۱، نہ کر ۱۹ • HL.1193 / No.1201 **کتاب الخیل**: اوراق ۲۸، نہ کر ۳۱ • HL.1194 / No.1204
(ترجمہ) **لباب الاخبار**: مصنف نے دیباچہ میں کتاب کا نام "الباب الاخبار" لکھا ہے۔ یہ کتاب چالیس ابواب میں
ہے اور ہر باب میں دس احادیث ہیں جبکہ توضیحی کیٹلاگ میں مذکور ہے "Is divided into forty Bab
each containing forty traditions" تعداد سطور ۱۲-۱۴، نہ کر ۱۲ • HL.1195 / No.1193 (شرح) **مشکاۃ**
موسوم بہ **اشعۃ اللمعات**: مخطوطہ کے ابتدا اور اخیر میں "عبدہ محمد سرفراز خاں فرزند جناب رانی گل بیگم صاحبہ کی مہر اور
ان کے دستخط ہیں، جس کے اوپر یہ عبارت مذکور ہے: " مالک نسخہ ہذا محمد سردار خاں فرزند جناب رانی گل بیگم صاحبہ
... است اگر دیگر کسے دعوی کند موجب شرح شریف دروغی و کاذب خواہد شد۔ و این نسخہ شریف از میاں یاسین
صاحب جو کہ نبیرہ میاں جان محمد صاحب مرحوم اند بعوضی مبلغ بست دہشت روپیہ بعد ذیل سائر خرید ساختہ در قبضہ

HL.1210 / No.1218 (ترجمہ) مکارم الاخلاق:
اوراق ۱۸۶، نہ کرہ ۲۱۔ نسخہ کے پہلے اور آخری ورق پر محمد ہادی حسینی ۱۰۹۰ کی مہر ثبت ہے۔ اس کے علاوہ اسکے پہلے ورق پر درج ذیل مہریں بھی ہیں:
(۲) محمد ابراہیم حسینی ۱۰۸۵۔ (۳) محمد ابراہیم حسینی خانہ زاد بادشاہ عالمگیر (۴) بہادر علی خان ... سلطان محمد
آخری ورق پر سید محمد اسمٰعیل بن محمد بخش خان کا دستخط ہے اور محمد علی کی یہ تحریر: "مالک این کتاب مکارم اخلاق، محمد علی ولد سید علی خان مرحوم در اکبرآباد خرید نمودہ شد معرفت محمد اعظم سلمہ اللہ تعالیٰ"۔ اور ۱۰۹۵ کی یہ تحریر بھی "در شہور ۱۰۹ در اکبرآباد بودند سعادت مند محمد ابراہیم طال عمرہٗ وطال دبیرہ... امید کہ بعلم و عمل از کتاب شریف مستطاب موفق گردد..."۔
HL.1212 / No.1220 (ترجمہ) مکارم الاخلاق: اوراق ۲۲۹، نہ کرہ ۲۷۔ ابتدا میں ایک غیر واضح مہر ثبت ہے۔

مراۃ العلوم ۔ جلد سوم

• HL.3245 **اجالہ نافعہ:** یہ کتاب اصول حدیث پر ہے۔ اس لیے اسے اسی کے تحت رکھا جانا چاہیے۔ • HL.2733 **تیسیر القاری شرح البخاری:** مذکورہ نسخہ دوازدہم جزو تک ہے۔ اخیر میں یہ عبارت مذکور ہے: بعون اللہ وسبحانہ بانسخہ اصل کہ بدستخط مصنف بود مقابلہ نمودہ شد درماہ مبارک شہر رمضان ۱۰۶۵ مقابلہ فراغ دست داد الحمد للہ رب العالمین۔ اوراق ۲۱۰، نہ کرہ ۲۱۱ • HL.2428 **چہل حدیث:** مخطوطہ کے پہلے ورق پر حاسین بنت محمد علی کی مہر ثبت ہے۔ اور آخری ورق پر چار مہریں اور دو عرض دیدہ ہیں۔ مہروں میں ایک غیر واضح ہے بقیہ تین درج ذیل حضرات کے ہیں۔ (۱) دیانت خاں دار الاشلہ ۱۱۲۶۔ (۲) لقا خاں ... (۳) سعد الدین۔ دو عرض دیدہ درج ذیل تاریخوں کے ہیں۔ ۱۔ نہم ذی الحجہ سنہ ... ۲۔ دوازدہم صفر ۲۳ سنہ عرض دیدہ شد • HL.3205 (شرح) **چہاردہ حدیث:** اوراق ۱۳، نہ کرہ ۲۵ پہلے ورق پر "عبدہ محمد رضا" کی اور آخری ورق پر "محمد رضا خدا از و راضی" کی دو مہریں ہیں • HL.2708 (شرح) **حدیث نبوی:** تعداد سطور ۲۰/۲۲، نہ کرہ ۱۹۔ ہینڈ لسٹ میں اوراق کے خانہ میں سطور اور سطور کے خانہ میں اوراق کی تعداد مذکور ہے • HL.2573 **رسالہ دربیان حدیث نبوی:** مخطوطہ کے ابتدائی ۱۱ اوراق پر سنجر کی فارسی غزلیں اور قصیدے ہیں۔ اس کے بعد ۱۴، اوراق پر ۲۴ھ سے ۲۵ھ تک کے مختلف واقعات کا ذکر سال بہ سال کے حساب سے کیا گیا ہے۔ اس لیے اس کتاب کو حدیث کے بجائے تاریخ کے تحت رکھا جانا چاہیے۔ HL.3445 **سند السعادات:** کتاب کا پورا نام "سند السعادات فی حسن خاتمۃ السادات" نسخہ کے دیباچہ میں دیا گیا ہے۔ چونکہ یہ کتاب سادات کی فضیلت کے سلسلہ میں ہے اس لیے اسے بھی حدیث کے تحت رکھنا مناسب نہ ہوگا۔ اس کے

ہے۔ اس کے کاتب سید عبدالوحید بن سید کریم احمد ہیں اور سنہ کتابت ا ربیع الاول ۱۲۸۰ھ۔ اوراق ۴۱۳، نہ کہ ۴۱۲۔

•

حدیثِ شیعی

• HL.1201/No.1211 (ترجمہ) اربعین المعروف بہ ترجمۂ قطب شاہی: کتاب کا نام ترجمہ قطب شاہی ہے۔ عنوان میں اسی نام کے تحت آنا چاہیے۔ سنہ کتابت ہینڈ لسٹ میں ۱۲۵۹ دیا گیا ہے۔ یہ سنہ کتابت نہیں بلکہ مقابلہ کی تاریخ ہے، جسے فہرست نگار نے سنہ کتابت سمجھ لیا ہے۔ سنہ کتابت مذکور نہیں ہے۔ نسخہ کے پہلے ورق پر پانچ مہریں ہیں۔ تین خورشید نواب کی ایک کتب خانہ سید ولایت علی خاں کی اور ایک مہر کو مٹا دیا گیا ہے۔ اخیر میں بھی پانچ مہریں ہیں دو مہریں خورشید نواب کی، ایک کتبخانہ سید ولایت علی خاں کی اور دو مہریں مٹانے کی وجہ سے غیر واضح ہیں • HL.1203/No.1213 (ترجمہ) اربعین المعروف بہ ترجمۂ قطب شاہی: کتاب کا نام ترجمہ قطب شاہی ہے۔ مختلف مقامات پر کتب خانہ سید ولایت علی خاں اور خورشید نواب کی مہروں کے علاوہ مخطوطہ کے ورق ۱۱ اور ۱۵ پر "العبد المذہب بہارالدین بن محمد عفی عنہما" کی مہر بھی ثبت ہے۔ نسخہ پر سید ولایت علی خاں کا آٹوگراف بھی موجود ہے • HL.1205/No.1215 (ترجمہ) اربعین المعروف بہ ترجمۂ قطب شاہی: مخطوطہ کے ابتدا اور اخیر میں امجد علی شاہ، سلیمان جاہ اور واجد علی شاہ کی مہریں ہیں۔ اس کے علاوہ مخطوطہ کے ورق اب پر لسان السلطان محمود الدولہ منشی محمد صفدر علی خاں بہادر کی مہر بھی ثبت ہے۔ نسخہ ۱۸ ویں صدی کا مکتوبہ معلوم ہوتا ہے، نہ کہ ۱۹ ویں صدی۔ اوراق ۳۶۵، نہ کہ ۳۸۰ • HL.1206/No.1216 (تلخیص) اربعین: کتاب کا نام تلخیص ترجمہ قطب شاہی ہوگا۔ تعداد سطور ۴۱، نہ کہ ۴۴ توضیحی کیٹلاگ میں کتاب کا صحیح نام دیا گیا ہے • HL.1207/No.1217 (تلخیص) اربعین: کتاب کا نام تلخیص ترجمہ قطب شاہی ہوگا۔ سنہ کتابت ۱۹ جمادی الاول ۱۲۰۸ فصلی • HL.1208-9/No.1221-22 شرح کافی: ہینڈ لسٹ میں نمبر فہرست فارسی کے تحت جس مخطوطہ کا نمبر ۱۲۰۸ دیا گیا ہے، بقیہ انٹری کے اعتبار سے وہ دراصل مخطوطہ نمبر ۱۲۰۹ ہوگا۔ اور جس کا نمبر ۱۲۰۹ دیا گیا ہے وہ ۱۲۰۸ ہوگا۔ اگر مخطوطہ کا صحیح نمبر مان کر اسے دیکھا جائے تو ۱۲۰۸ کی تفصیلات اس طرح ہوں گی: اوراق ۳۱۴، نہ کہ ۲۳۴۔ تعداد سطور ۲۳، نہ کہ ۲۵۔ نسخہ کے پہلے ورق پر السید امیر مرزا رضوی دہلوی کا نام مذکور ہے امکان یہ ہے کہ یہ کتاب کبھی ان کی تحویل میں رہی ہوگی۔ اس کے کاتب مبین بن امین داؤد... البار سہولی ہیں۔ کاتب کا نام توضیحی کیٹلاگ میں کر دیا گیا ہے۔ اور سنہ کتابت ۱۱۱۸ھ۔

اور HL-1209 کے تحت: اوراق ۲۲۵، نہ کہ ۲۲۴۔ مخطوطہ کے پہلے ورق پر کتب خانہ سید ولایت علی خاں اور خورشید نواب کی مہر کے علاوہ ایک اور غیر واضح مہر بھی ہے۔ سنہ کتابت ۱۱ ویں صدی ہجری۔

کاتب علی حسین بن ابو محمد حسینی واسطی بلگرامی ہیں، نہ کہ محمد حسن بن ابو محمد حسن واسطی بلگرامی • HL.2736 (شر

ہینڈلسٹ میں کیفیت کے خانہ میں مذکور ہے: "براوّل صفحہ مہر کتب خانہ سلطان عالمگیر دہلی ۱۰۹۲ ثبت

کتب خانہ عالمگیر کی نہیں بلکہ کسی خانہ زاد شاہ عالمگیر کی ہے۔ چونکہ مہر کا کچھ حصہ کٹ کر ضائع ہوگیا ہے۔ا

ہے۔ نسخہ کے ورق ۵ کے حاشیہ پر کرامت علی دہلوی کا نوٹ ہے۔ اوراق ۲۷۹ + ۶ = ۲۸۵ (چھ اوراق

نہ کہ ۲۷۹ • HL.3146 (شرح) کتاب اربعین: کتاب کا نام ترجمہ قطب شاہی ہے اور اس

بن علی المشتہر بابن خاتون العاملی ہیں، نہ کہ بہاء الدین عاملی۔ اوراق ۲۶۶، نہ کہ تقریباً ۲۰۰۔ اس کے پہلے و

سید مظاہر احمد کی مہر ثبت ہے • HL.2698 (ترجمہ) مشکوٰۃ شریف: نسخہ میں دیباچہ نہیں ہے۔ ال

میں اس کتاب کو کتاب الصلوٰۃ کہا گیا ہے۔ ترقیمہ کی عبارت یہ ہے: "تمام شد کتاب الصلوٰۃ بفضل خدا

مخطوطہ کی ابتدا اور آخر میں حفاظت حسین کی یہ تحریر ہے: "من عطایا الرب الجلیل علی العبد الفقیر الذلیل

صابہ عیکل سین"۔ اوراق ۶۰۲، نہ کہ ۶۰۱ • HL.2729 (شرح) مشکوٰۃ شریف جلد چہارم: او

• HL.2737 (شرح) مشکوٰۃ شریف جلد سوم: ناقص الاول۔ ترقیمہ سے کاتب کا نام کسی شخص نے مٹ

آخری حصہ یعنی سلیم پوری رہ گیا ہے اور اسے ہی ہینڈلسٹ میں کاتب کے نام کے تحت لکھ دیا گیا ہے۔ نسخ

غیر واضح مہر بھی ثبت ہے اور خاتمہ پر کسی حفاظت حسین کا دستخط بھی موجود ہے• HL.3955-A ش

موسوم بہ اشعۃ اللمعات: اوراق ۲۳۹، نہ کہ ۲۴۰۔ ناقص الاوّل• HL.3955-B شرح مشک

بہ اشعۃ اللمعات: اوراق ۲۴۸، نہ کہ ۲۴۷ • HL.2694 مصفّٰی شرح موطا: تعداد سطور

سنہ کتابت ۱۱۷۶ھ نہیں بلکہ یہ مصنف کا سال وفات ہے اور اسی حیثیت سے دیا گیا ہے، جسے مرتب

سال کتابت سمجھ لیا• HL.3091 مناقب السادات: مخطوطہ کے پہلے اور آخری ورق

واضح مہر ثبت ہے۔ کاتب کا نام شیخ رکن الدین محمد چشتی ابن شیخ غلام حسین ہے، نہ کہ شیخ رکن الدین

۹۶• HL.2789 منہات صحابہ و حکمائے کرام: یہ کتاب عربی زبان میں، اس لیے اسے ع

کے تحت ٹرانسفر کر دیا گیا• HL.3996/1 چہل حدیث: تعداد سطور ۱۴-۱۶، نہ

ابراہیم علی دسنوی نہ کہ صرف علی)• HL.2954/3 رسالہ در حدیث: یہ رسالہ عربی زبان میں ہے

شرح مشکوٰۃ شریف: تعداد سطور ۱۷، ۲۰، نہ کہ ۲۰• HL.2887/2 اس مجموعہ میں اس نام کا ا

فارسی زبان میں نہیں، البتہ ایک رسالہ عربی زبان میں موجود ہے۔

نواب علی حسن خاں
(بھوپال)

سرسید سے میرے مراسم

...علمائے اسلام کی تحقیقات مفلس کا چراغ نظر آنے لگی، اور بے ساختہ منہ سے نکلنے لگا،

عالمان را ہست علم و رہ بہ اوج راز نیست ۔ ہست مرغ خانہ را بال و پر پرواز نیست

خبر ز زندہ دلی نیست اہلِ مدرسہ را ۔ کہ دل بسان مگس در کتاب می میرد

برسوں میں اسی صحرائے پرخار کی خاک بیزی، اور اس کے کانٹوں سے عطر گلاب کھینچنے کی [سعی] لاحاصل میں لگا رہا، یہ چند سال مجھ پر ایسے گذرے ہیں کہ میں گویا الحاد و زندقہ کے نار جحیم کے کنارے [تک] پہونچ چکا تھا، اور قریب تھا کہ میں طعمۂ آتش ہو جاؤں،

سرسید مرحوم کی تالیفات کا مطالعہ اور اُن سے خط و کتابت کا آغاز

اسی اثنا میں مجکو سرسید احمد خاں بہادر مرحوم کی تالیفات کے مطالعہ کا شوق پیدا ہوا، اور میں نے ان سے خط و کتابت کا سلسلہ جاری کیا [اور] ان سے تفسیر احمدی خطبات احمدیہ، اور مجموعہ لکچر منگا کر ان کو اول سے آخر تک پڑھا، اور ایک ہزار رو[پیہ] سٹریچی ہال کی مد میں ارسال کیا،

سرسید مرحوم کا ورود بھوپال

دہم جولائی ۱۸۹۱ء کو سرسید مرحوم نے مجھکو ایک خط لکھا، اور میری تحریک پر [بھوپ]ال میں آنے کی خواہش ظاہر کی، اور مجھ سے مشورہ لیا بعد ازاں ستمبر ۱۸۹۱ء میں وہ بھوپال رونق [اف]روز ہوے، ان سے دو چار ملاقاتوں کی عزت حاصل ہوئی، اور بہت سے مسائل نے جن پر انکی [illegible]

ڈاکٹر مختارالدین احمد
علی گڑھ

۱۹۴۷ء کے علیگڑھ میگزین کے بارے میں

اشتر و غالب کا حوالہ ہی نہیں آپ نے مضمون کی نقل بھیج دی، مزید ممنون ہوا۔

نہیں صاحب، میگزین کے سنسر رشید صاحب تھے انھوں نے منیجر علوی صاحب کو سخت تاکید کی تھی کہ نظم رسالے سے علیحدہ کردی جائے اور علوی صاحب نے بہت مستعدی سے یہ کام کیا۔ میرے خود محمود فاروقی صاحب سے بہت گہرے تعلقات تھے لیکن میرا نسخہ بھی اس لحاظ سے ناقص ہے۔ اتنا یاد ہے کہ نظم کوئی بہت اچھی نہیں تھی لیکن اس زمانے کے حالات سے متاثر ہوکر لکھی گئی تھی اس لیے لہجہ تلخ تھا، پتا نہیں یہ نظم گاندھی جی کی نظر سے کس طرح گذری، وہ تو قیام امن اور دوسرے کاموں میں بہت مصروف تھے ان دنوں، ہوسکتا ہے وہ پرچہ علی گڑھ کا تھا گاندھی جی اس سے اس وقت کے علی گڑھ کی ذہنی کیفیت جاننے کے لیے اس پر ایک نظر ڈال رہے ہوں اور یہ نظم سامنے آگئی ہو۔ یہ عام طور پر اس زمانے میں سمجھا جاتا تھا۔ میرا خیال جو اس وقت تھا وہی اب بھی ہے وہ یہ کہ گاندھی جی کو کسی نے اس طرف متوجہ کیا ہوگا (ورنہ انھیں کہاں فرصت تھی کہ اُردو کا ایک ضخیم رسالہ پڑھیں)۔ انھوں نے وائس چانسلر، نواب محمد اسمٰعیل خاں کو نہیں، رشید صاحب کو ایک خط لکھ کر اس کی طرف متوجہ کیا۔ گاندھی جی کا وہ خط رشید صاحب نے جواب دے کر مجھے دکھایا تھا، یہ بہت دنوں تک ان کے پاس رہا پھر اظہر امام صاحب نے اسے حاصل کرلیا۔ فاروقی صاحب کے پاکستان چلے جانے کے بعد شجاع احمد زیبا صاحب اس کے اڈیٹر اور میں اسسٹنٹ اڈیٹر مقرر ہوا تھا، زیبا صاحب کو کچھ ہی دنوں کے بعد پاکستان کا سفر کرنا پڑا اور پھر وہ وہیں رہ گئے، میگزین کا کام میں دیکھتا رہا۔ میں نے چاہا کہ یہ خط میرے پاس میگزین کے دفتر میں رہے لیکن اس پر رشید صاحب کے بعد، اظہر امام صاحب کا حق تھا اس لیے کہ انھیں کی نظم کے سلسلے میں گاندھی جی نے یہ خط لکھا تھا۔ چنانچہ یہ خط انھیں کے پاس رہا اور ممکن ہے اب بھی محفوظ ہو۔

خیر یہ تو خط کا معاملہ ہے رہی نظم تو آپ اگر کوشش کریں تو اظہر امام صاحب ایڈوکیٹ مرزاپور (یوپی) کو لکھ کر حاصل کرسکتے ہیں بلکہ ان سے گاندھی جی کا اصل خط بھی کتبخانہ خدابخش کے لیے حاصل کیجیے، ورنہ عکس منگوائیے۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے یہ نظم دوبارہ نہیں چھپی۔ خط بھی اب تک شائع نہیں ہوا۔

ے مزید دلچسپی پڑی، بست وچہارم مئی [illegible]ء میں سرسید مرحوم نے مجھ کو ازراہِ عنایت و د
مخدومی کی اپنے نقشہ جس تھا ارسال کیں اور نہایت مہربانی و شفقت آمیز الفاظ میں تحریر
جلدیں میری ملکیت ہیں کالج سے انکو کچھ علاقہ نہیں اس لئے بطور نذر آپ کی خدمت میں مرسل
آپ قبول فرمائیں گے،

امداد مدرسۃ العلوم | زمانۂ اقامت بھوپال میں رئیسۂ بھوپال خلد مکان نے دس ہزار
کی امداد میں سرسید مرحوم کو عطا فرمائے تھے بلحاظ مزید شفقت دو دو ہزار روپیہ میاں عالمگیر محمد
محمد خان صاحب مرحوم، برادر معظم مرحوم اور کاتب الحروف کی جانب سے امداد کالج
لئے عنایت فرمائے،

شرکت کانفرنس | وقت مراجعت علیگڈھ سرسید مرحوم نے مجھ سے وعدہ لیا کہ میں آل
ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ علیگڈھ میں جو ماہ دسمبر [illegible] میں ہونے والی ہے، بذاتِ خود شر
ہند کی قومی و تعلیمی معاملات میں سرگرمی اور اسلامی شان و عظمت کے آثار کالج کی جانب
روز افزوں ترقی کو اپنی آنکھ سے معائنہ کروں، اور اسکی امداد میں کوشش کروں چنا
حسب وعدہ علیگڈھ پہونچکر شرکت کانفرنس کی عزت حاصل کی، اگرچہ سرسید مرحوم کو اس
مہلت نہ تھی، تاہم دو ایک بار ان کے فیض صحبت اور خیالات سے مستفید ہونے کا زرین مو

فہرست مضامین

اظہر امام ملک ہیں اور میرے عزیزوں میں ہیں۔ یہاں ممتاز ہوسٹل میں اپنے بھائی عزیز امام کے ساتھ اس وقت انٹرمیڈیٹ میں تھے۔ عزیز امام یوپی میں کانگریس کے مشہور کارکن تھے اور ایک زمانے میں اندرا گ قریب۔ وجہ یہ تھی کہ ان کے والد یوسف امام بارایٹ لا مرزاپور کے مشہور کانگریسی لیڈر تھے اور بہت نیک ابوبکر احمد حلیم صاحب کے عزیزوں میں تھے وہ بہار چھوڑ کر مرزاپور چلے آئے تھے۔ علی گڑھ چھوڑنے کے بعد ملنا نہیں ہوا۔ عزیز امام ایک بار ڈاکٹر اطہر عباس مرحوم کے گھر ایک تقریب شادی کے سلسلے میں آئے تھے۔ صاحب بھی تشریف لائے تھے۔ یہی ملاقات ان سے آخری ملاقات ثابت ہوئی۔ انھی سے معلوم ہوا کہ اظہر وکالت کر رہے ہیں اور کانگریس سے منسلک ہیں۔ اس شمارے سے میرے علم کے مطابق کوئی اور تحریر نکالی نہیں اب انھیں ایک اچھا سا خط لکھئے ممکن ہے کامیابی حاصل ہو جائے۔ نہ بھی تو لکھنے میں کیا حرج۔

اس سے پہلے کا میگزین عبدالقدیر صاحب نے مرتب کیا تھا اور ان کے معاون عثمانی صاحب پورا نام یاد نہیں آ رہا ہے۔ اس میں ایک اڈیٹوریل چھپا تھا جو بہار کے فسادات پر تھا۔ ڈاکٹر ضیاءالدین چانسلر تھے۔ ان تک حکومت نے یا یونیورسٹی کے لوگوں نے اس معاملے کی شکایت کی تو انھوں نے دونوں کے دیا اور اس شمارے سے وہ ورق جس پر اعتراض تھا نکال دیا گیا لیکن اس زمانے میں میگزین کی بعض کاپیوا میں نے دیکھا تھا۔ ان دونوں باتوں کو بہت زمانہ گذر گیا۔ واقعات پورے طور پر مستحضر نہیں۔

میرے علی گڑھ آنے سے پہلے بھی ایک ویسا ہی حادثہ علی گڑھ میگزین (اردو یا انگریزی؟) کے ساتھ غالباً صدیق احمد صدیقی (بی بی سی والے صدیقی) کے زمانے کا ہے۔ اسی میں ایک تحریر چھپ گئی تھی۔ حلیم صاحب جاری کرکے رسالے پر پابندی عائد کر دی۔ یاروں نے رات ہی رات سینکڑوں شمارے تقسیم کر دیئے اور بہت پوسٹ کر دیں۔ دوسرے دن صبح صبح V.C کو اطلاع کر دی کہ کچھ رسالے تقسیم ہو چکے تھے آپ کے احکامات ملنے ترسیل روک دی گئی ہے۔ یہ قصہ انور انصاری مرحوم سناتے تھے۔ افسوس اب پرانے لوگ بھی کوئی موجود نہیں جو اس کی تفصہ اڈیٹوریل میں یونیورسٹی کے منتظمین کے خلاف کچھ چھپا تھا۔

مجلس شوریٰ

علی گڑھ مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن

۱۹۴۵ء

بائیں جانب سے :-

(۱) اشفاق نقوی (۲) ڈاکٹر محمد عزیز احمد - خازن، علی گڑھ فیڈریشن (۳) ڈاکٹر ضیاء الدین احمد - وائس چانسلر (۴) آنریبل لیاقت علی خاں (۵) محمود فاروقی - جنرل سکریٹری علی گڑھ فیڈریشن و معتمد نشر و اشاعت یوپی فیڈریشن (۶) قائد اعظم محمد علی جناح (۷) نصرت حسن صدر علی گڑھ فیڈریشن (۸) راجہ صاحب محمود آباد - صدر کل ہند فیڈریشن (۹) سید آلِ محی الدین ہادی نقشبندی (۱۰) ابوبکر احمد حلیم صدر یوپی فیڈریشن (۱۱) محمد ہاشم آزاد (۱۲) شیخ عبد اللطیف -

یم۔اے۔او کالج کے بڑے ہر دلعزیز آنریری سکریٹری رہ چکے ہیں۔خود نواب صاحب مدتوں
یونیورسٹی کے ٹرسٹی رہے ہیں اور وائس چانسلر کے فرائض بھی بڑی خوش اسلوبی سے انجام دے
چکے ہیں۔
ہم کو یقین ہے کہ ہمارے ادارہ کی عنانِ حکومت بڑے اچھے سچے اور مضبوط ہاتھوں میں
ہے، مصیبت و مایوسی کے بادل چھٹ جائیں گے، فضا صاف ہو جائے گی اور ہمارا سفینہ ساحلِ
مراد کی طرف چل نکلے گا!

ہزاکسی لینسی مسز سروجنی نائیڈو گورنر صوبہ متحدہ ۱۲ نومبر ۱۹۴۷ء کو یونیورسٹی میں تشریف
لائیں۔ہزاکسی لینسی کا بڑا اپر تپاک خیر مقدم کیا گیا۔موصوفہ اس ادارہ میں متعدد بار تشریف
لا چکی ہیں اور جب کبھی تشریف لائیں علی گڑھ نے بڑے خلوص اور خوشی سے پذیرائی کی۔
موصوفہ نے مسلم گرلس کالج۔یونیورسٹی اسکول، اسٹریچی ہال اور یونین میں تقریر فرمائی۔
موصوفہ کی جادو بیانی تعریف یا تعارف کی محتاج نہیں ہے۔اس جادو بیانی میں جب خلوص
اور ہمدردی کے جذبات شامل ہو جائیں تو تقریر کا عالم ہی کچھ اور ہو جاتا ہے۔

موصوفہ کے تشریف لانے سے علی گڑھ کی فضا میں بڑی خوشگوار اور امید افزا
تبدیلی پیدا ہوئی ہے۔ہم کو یقین ہے موصوفہ بھی علی گڑھ سے بڑے اچھے اثرات ساتھ
لے گئیں۔

سابق وائس چانسلر ڈاکٹر ضیاء الدین احمد کے زمانے میں درسگاہ کو جو ترقیاں اور
وسعتیں حاصل ہوئی ہیں، وہ یونیورسٹی کی تاریخ میں ایک شاندار باب کا اضافہ ہیں۔موصوف کی
خدمات سرسید کے بعد ہی ہیں۔موصوف کے رخصت ہوتے ہی جناب زاہد حسین صاحب وزیر

سے جائزہ لیں اور پامردی کے ساتھ ان کا مقابلہ کریں۔ کوئی شخص کوئی قوم اور کوئی ادارہ ایسا نہیں ہے جو باعزت رہنا چاہے اور رہ نہ سکے یا اُسے رہنے نہ دیا جائے۔

ہم سب ایک بڑی آزمائش میں مبتلا کئے گئے ہیں۔ آزمائش سر پر آجائے تو اس پر بسورنا یا بجھنا یکقلم ترک کر دینا چاہیئے۔ ہمیشہ ہر بات اپنے فائدے کے لئے نہیں کی جاتی کبھی کبھی دوسرے کے نفع کے سے نقصان اٹھانے کی بھی ہمت باندھنی چاہیئے۔ اپنے ہی نفع نقصان سوچتے رہنا بڑی بدبختی کی علامت ہے۔ نوجوانوں کو خاص طور پر اس لعنت سے بچنا چاہیئے؛

ہم مسلمان طلباء کے لئے ہر طرف ہر طرح کی دشواری ہے بالخصوص علی گڑھ کے طلباء کے لئے۔ ان دشواریوں کے گنانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ ان دشواریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے تیار ہو جانا چاہیئے۔ علی گڑھ کو ہماری ضرورت ہے، ہم کو علی گڑھ کی ضرورت ہے اور ہمارے ملک کو ہم دونوں کی۔ ہم کو عہد کر لینا چاہیئے کہ ہم، ہمارا علی گڑھ اور ہمارا ملک سب کے سب ایک دوسرے کی قوت اور ناموری کا باعث ہوں گے۔

ہمارے وائس چانسلر جناب نواب محمد اسمٰعیل خاں صاحب نے مختلف اہم مواقع پر ہمارے مسلک کی جو وضاحت کھلے دل سے فرمائی ہے وہ تشریح اور تفصیل کی محتاج نہیں ہے۔ اگر اسے کوئی نہیں سمجھتا یا سمجھنے سے گریز کرتا ہے یا اس پر اعتماد نہیں کرتا تو یہ ہمارا قصور نہیں ہے اس کی نیت کا فتور ہے۔

البتہ ہم اپنے وائس چانسلر صاحب سے مودبانہ درخواست کریں گے کہ وہ یونیورسٹی کی توسیعی اسکیموں کو بر سر کار لانے میں کسی دشواری کو خاطر میں نہ لائیں۔ اس اہم اور نازک موقع پر ہم طلباء ہر خدمت کے لئے آمادہ ہیں، ہم ہر طرح کی سختیاں جھیلیں گے لیکن یونیورسٹی کی توسیع اور ترقی میں برابر حصّہ لیتے رہیں گے۔

نواب صاحب ہم میں اجنبی نہیں ہیں۔ موصوف کے والد بزرگوار نواب محمد اسحٰق صاحب

...ت حکومت حیدرآباد بحیثیت وائس چانسلر تشریف لائے، لیکن ابھی پورے طور پر کام سنبھالا نہ تھا کہ
...ت پاکستان کی طرف سے گورنمنٹ آف انڈیا کے ہائی کمشنر مقرر ہو کر ہم سے رخصت ہو گئے۔
...وح کے بعد درسگاہ کے مطلع پر ایک نیا چاند چمکا، جس کی چمک دمک ہماری آنکھوں کے لئے مخفی نہیں
... اس کی روشنی نے بارہا ہماری رہنمائی کی ہے۔

ہم کو بڑی مسرت ہے کہ درسگاہ کے نئے نظام کی برکتیں ظاہر ہونی شروع ہو گئی ہیں۔ [illegible]
...حب کا انتخاب بحیثیت پرووسٹ آفتاب ہال ایک نیک قدم ہے۔ ان کا انتخاب [illegible] کرا
...ات ہے کہ آفتاب ہال کے طلباء دوبارہ آسمان علم و ادب پر چمکنے لگیں گے، [illegible]
...خدمات کا بھی اعتراف کرتے ہیں جو انھوں نے ایس۔ ایس ہال اور [illegible] کے سلسلہ
...انجام دی ہیں، ہمیں امید ہے کہ ہمارے ارباب حل و عقد طلباء کو [illegible]
...نے نہ دیں گے جہاں انھوں نے عہد سابق میں علم اور کھیل کود کے میدان میں [illegible]
...ئے ہیں۔

گذشتہ سال سیاسی ہماہمی کے باوجود درسگاہ اور اس کے طلباء نے سابق روایات کو قائم
...ھا، درسگاہ کے تمام شعبوں میں اس کے شایان شان علمی، ادبی، تحقیقی، تاریخی [illegible] جلسے منعقد
...ئے جن میں ہندوستان کی مشہور ہستیوں نے شرکت فرما کر ان کی رونق دوبالا کی۔ شعبہ اردو
...کے اساتذہ اور طلباء [illegible] نمایاں انجام دیئے، ان کے مقالات اور مضامین [illegible]
...ہندوستان کے مقتدر رسائل میں شائع ہوئے بلکہ آل انڈیا ریڈیو میں بھی ان کا [illegible] بڑا حصہ
...ما جس سے تشنگان علم و ادب کی پیاس بجھتی رہتی۔ اس کے علاوہ [illegible] منعقد
...منعقد ہوتی رہیں جن میں [illegible] وقتاً فوقتاً
...شرکت فرمائی، یہ علمی سرگرمیاں امید ہے آئندہ بھی قائم رہیں گی!

S. Zaheeruddin Alavi, M.A., LL.B.

احب اسید صاحب - انور صاحب انصاری - شمیم صاحب - ولی امام صاحب ... نہایت -
رشید الاسلام صاحب کا بھی شکریہ ادا کرنا ہے جن کے محبت و خلوص نے قدم قدم پر ہماری
رہنمائی کی -

میگزین کے متعلق !

ہمیں افسوس ہے کہ میگزین بڑی تاخیر سے شائع ہو رہا ہے لیکن ہمیں امید ہے کہ ہمارے
عذر کو قابلِ اعتنا سمجھا جائے گا، حقیقت یہ ہے کہ ہم نے جس قدر تیز کام کیا ہے اس کی مثال بہت
کم ملے گی، ناسازگار حالات سے قطع نظر، اواخر دسمبر ۱۹۴۶ء میں ہمارا تقرر بحیثیت
مدیر ہوا، ابھی ہم چارج بھی نہ لینے پائے تھے کہ وہ ہنگامہ شروع ہو گیا جس سے یہاں کا بچہ بچہ
واقف ہے، اس طرح ہم کو فروری ۱۹۴۷ء میں کام کرنے کا موقع ملا - جولائی ۱۹۴۷ء میں ہم
نے ... صفحات کی کتابت مکمل کرا کر پریس پہونچا دیا جہاں چھپائی کا کام اب تک مکمل نہیں ہوا ہے
لیکن پریس کے نئے انتظام کے تحت ہم کو امید ہے کہ اس قسم کی دشواریاں نئے ایڈیٹر کو
آئندہ پیش نہ آئیں گی - ... اور منظور صاحب نے ایسے ناسازگار حالات میں پریس کا بار سنبھال کر جو قومی خدمت انجام دی ہے
ہم اس پر انکو مبارکباد پیش کرتے ہیں - ان حضرات اور ... کی وجہ سے میگزین کی اشاعت میں بڑی سہولت پیدا ہو گئی -

ہم کو یہاں پر نہایت افسوس کے ساتھ اظہار کرنا پڑتا ہے کہ ہمارے نائب مدیران نے
ہمارا ذرا ابھی ہاتھ نہ بٹایا - ہم اپنے تجربے سے آئندہ آنے والے ایڈیٹر کو پُر خلوص مشورہ
دیتے ہیں کہ وہ نائب مدیران کے انتخاب میں بڑی احتیاط برتیں، لیکن ہم ایڈیٹوریل بورڈ
کے تین اراکین ــــ زید آے واحدی، اظہر امام اظہر اور عبدالودود خاں اور ان سب کے
بھائی عبدالمسعود خاں کے بے حد ممنون ہیں، خصوصاً عبدالودود خاں کا شکریہ ادا کرنے
سے تو ہماری زبان قاصر ہے - ودود صاحب نے گرمیوں کی تعطیل میں گھر کی دلچسپیوں کو چھوڑ
کر ہمارا ساتھ دیا اور میگزین کے نصف بوجھ کو سنبھال لیا - ہم کو ان کے ادبی ذوق، صحافتی

کچھ اپنے متعلق!

جس وقت یہ میگزین آپ کے ہاتھوں میں ہوگا، اس وقت علی گڑھ میں راقم الحروف [کی]
آٹھ سالہ زندگی کا اختتام ہو چکا ہوگا، علی گڑھ سے مجھے جو عشق ہے اس کے اظہار کے لئے [میرے]
پاس الفاظ نہیں ہیں۔ زندگی کی الجھنیں، پیٹ کی مانگ، اور ذمہ داریوں کا احساس اگر
نگاہوں کے سامنے منہ پھیلائے نہ ہوں تو میں اس کی گلیوں میں عمر گذار دینے کو عیش و آرام [پر]
ترجیح دیتا۔ جاڑوں کی ہاتھ پیر اکڑا دینے والی سرد راتوں، گرمیوں کی جھلسا دینے والی دھوپ اور باد [سموم]
اور برسات کے بدن توڑ دینے والے بخار غرض یہاں کی ہر چیز سے مجھے عشق ہے۔ آج
زندگی کی گاڑی ہماری پرانی یادوں کو لئے ہوئے نگاہوں کے سامنے سے گذر رہی [ہے]۔
جی چاہتا ہے کہ عمر رفتہ کو آواز دوں اور گذشتہ زمانے کی ایک ایک چیز سے لپٹ [کر]
دیوانہ وار آنسو بہاؤں! ——— مادر درسگاہ تو ہی نے مجھے سب کچھ دیا۔ تیری یاد [میری]
دنیا کی سب سے عزیز متاع ہے! تیری خدمت میری زندگی کا سب سے بڑا حوصلہ ہے۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر ہم یہاں پر ان محترم حضرات کا شکریہ ادا نہ کریں، جن کی
محبت کے ہم مرہون منت ہیں، ہم اس سلسلہ میں حلیم صاحب وائس چانسلر سندھ یونیورسٹی
(سابق پرو وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی)، اے۔ ایم قریشی صاحب۔ غلام سرور صاحب
ابو اللیث صدیقی، محمود حسین صاحب۔ بی۔ اے خاں صاحب۔ ڈاکٹر مسعود حسین خاں صاحب
خلیل صاحب۔ ڈاکٹر محمد سلیم صدیقی۔ احمد صاحب بدایونی۔ ظہیر الدین صاحب علوی۔ شفیع صاحب
عظمت الٰہی صاحب زبیری۔ شیخ رشید صاحب۔ مبارک صاحب کی خدمت میں ہدیہ تشکر و
امتنان پیش کرتے ہیں، ان بزرگوں نے ہماری ہر موقع پر دستگیری فرمائی اور ہمیشہ
بیش بہا مشوروں سے سرفراز فرمایا۔

ان حضرات کے علاوہ ہم کو اپنے چند احباب ——— انتصار صاحب، مرید صاحب۔ الیا[س]

EDITORIAL BOARD.

Left to Right—Messrs:—

Zafar Hasan Siddiqi. (2) Z. A. Vahidy, B.A. (Hons.), M.A. (3) A. Wadood Khan, B.Sc. (Final). (4) M. Farooqi, *Editor.* [illegible]iqui, *Censor* (6) H. A. Hameedy (7) Fraid Bukhsh Qadiri (8) Azhar Imam, B.A.

صلاحیت اور طباعت کے تجربوں سے بڑھ کر مدد دی، درحقیقت انھوں نے ہماری بے کسی کی شرم رکھ لی!

ہم میگزین کے معیار کو اس سطح تک تو نہ پہنچا سکے، جس کا ہم نے عزم کیا تھا، مگر ہم کو خوشی ہے کہ ہم نے اس کے معیار کو کسی لحاظ سے بھی پست ہونے نہیں دیا۔ ساتھ ہی ساتھ ہم نے تنوع کا خاص خیال رکھا ہے تاکہ وہ ہر مذاق اور ذوق کی پیاس کو بجھا سکے! ہمیں امید ہے کہ جو میگزین آپ کے ہاتھوں میں ہوگا وہ آپ کی امیدوں کے مطابق ہوگا! لیکن ہم کو میگزین کی ایک خامی کا اعتراف بھی ہے، جن مضامین کو ہم نے میگزین کے لئے منتخب کیا تھا ان کے وقت پر نہ پہونچنے کی وجہ سے ترتیب درست نہ رہی۔ ادارہ کو اس کمی پر بڑی ندامت ہے، لیکن یہ ناگزیر تھا کیونکہ وقت تیزی سے گزر رہا تھا، مجبوراً ہم کو کتابت و طباعت کا کام شروع کرا دینا پڑا تاکہ میگزین وقت پر شائع ہو جائے، پھر بھی ہم ان مشکلوں سے عہدہ برآ نہ ہو سکے جو ہمارے راستہ میں وقتاً فوقتاً حائل ہوتی رہیں، یہاں تک کہ میگزین کی اشاعت میں تاخیر ہو گئی!

آخر میں ہم کو امید ہے کہ طلبا ہر اپنے جانے والے بھائی کی خامیوں کو نظر انداز کر کے دعائے خیر سے یاد کریں گے!

مشتاق فاروقی
ایڈیٹر

۱۲ حالی روڈ
ایم، یو، علی گڑھ

یہ جناب مہرالٰہی ـــــ (علی گڑھ)

سرسید میموریل فنڈ کمیٹی نے دس لاکھ چندہ کے لیے جو اپیل کیا ہے اس کا روپیہ بالفعل نواب محسن الملک سٹر بیگ صاحب کو بھیجنا چاہیئے۔ اس اپیل میں سرسید کی وفات کے نقصان کو فقرات ذیل میں ظاہر کیا ہے جس کی دگار کے لیے یہ کوششیں ہو رہی ہیں۔

سرسید احمد خاں نے مسلمانوں کو قومی ہمدردی سکھائی اور ان میں قومیت کی روح پھونکی اور ان کو مہذب اور لیم یافتہ اور روشن خیال بنانے میں کوئی دقیقہ کوشش کا اٹھا نہیں رکھا۔ انھوں نے ہم کو ہماری پستی اور تنزلی کی حالت مطلع کیا۔ اور ایسی تدبیریں بتائیں اور کر دکھائیں جن سے ہم اپنی کھوئی ہوئی فضیلت کو دوبارہ حاصل کر سکیں اور قی یافتہ قوموں کے مقابلہ میں زندہ رہ سکیں اور اس دھن میں اپنا وقت اپنی دولت اپنا دماغ اور اپنی زندگی قربان ردی۔ وہ اپنی قوم کو زار نالے اور بیکسی کی حالت میں چھوڑ کر دنیا سے چل بسے۔ انھوں نے ملک اور قوم کی جو خدمات یں وہ درحقیقت ایک اکیلے آدمی سے ہونی محال نظر آتی ہے۔ اس لحاظ سے انکی موت تنہا ایک آدمی کی موت نہیں ہے بلکہ ایک قوم کی موت ہے۔ یہ مصیبت جو ان کی موت سے نازل ہوئی ہے، ایک عالمگیر مصیبت ہے، جو ہندستان کے ام فرقوں اور گروہوں پر چھائی ہوئی ہے۔ خاص کر مسلمانوں کے لیے ایک دردناک اور عظیم حادثہ ہے۔ سرسید وہ شخص تھا س نے قوم کی پراگندہ اور منتشر شیرازہ کو جمع کیا اور اپنی فصاحت اور بلاغت سے ان کے مردہ قلب میں جان ڈالی، اور قومی شکلات اور ملکی صعوبتیں جو ہم کو پیش آئیں ان کا مقابلہ کرنے کے لیے اخیر وقت تک سینہ سپر رہا۔ اور وہ شخص جس نے نی بے نظیر تحریروں اور تقریروں سے عمدہ لٹریچر کی بنیاد ڈالی اور ملک میں تعلیم کی روشنی پھیلائی اور افراد قوم کے دماغوں و تعلیم اور تربیت کے نور سے منور کیا۔ اب کفن میں منہ لپیٹے گہری نیند میں سو رہا ہے۔

(اخبار عام - لاہور، ۲۸ (۹۱) ۲۸ اپریل ۱۸۹۸ء، ص ۳)

•

جسٹس محمود اور صاحبِ ہدایہ

مولانا محمد سعید صاحب کیرانوی مہاجر مکی، مہتمم مدرسہ صولتیہ، مکہ معظمہ، اپنے مدرسہ کی روداد بڑے دلچسپ طریقہ سے شایع فرماتے رہتے ہیں۔ سال ۴۸-۱۳۴۷ھ کی روداد "صدائے حرم" کے عنوان سے اب شایع ہوکر آئی ہے۔ اسکے دلچسپ مقدمہ میں ضمناً ایک موقع پر فرماتے ہیں:-

"سید محمود صاحب سے ملکر مجھے اپنی قومی بدبختی پر افسوس ہوا۔ قدرت نے خاص دماغ عطا کیا تھا۔ غیر معمولی قابلیت کے ساتھ حافظہ اس قدر زبردست تھا، کہ عربی کتابوں کی طویل عبارتیں بقید صفحہ ازبر تھیں۔ فقہ کی مشہور و مستند کتاب ہدایہ کے ہبۂ مشاع کی بحث پر بڑی پُر مغز تقریر کی اور قانونی پہلو سے فاضلانہ نکات اور باریکیاں نکال کر صاحب ہدایہ کی بیحد تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ آج دنیا کے بہترین مقنّن ان باتوں کو اس طرح نہیں سمجھ سکے ہیں، جس طرح صاحب ہدایہ نے سمجھا ہے"

یہ سید محمود کون تھے؟ کوئی کٹھ مُلّا تھے؟ یہ آنرایبل جسٹس محمود، الہ آباد ہائیکورٹ کے وہ نامور جج تھے، جن کی قانونی دقت نظر آج تک مسلّم چلی آرہی ہے، اور جنکے فیصلے اسوقت تک حجت و سند سمجھے جا رہے ہیں۔ ہائیکورٹ کے جج وہ اسوقت ہوئے تھے، جب کوئی ہندوستانی، اور پھر مسلمان، اس عہدہ کا تصور بھی مشکل کرسکتا تھا۔ یہ انکی رائے 'ہدایہ و صاحب ہدایہ' سے متعلق ہے! آج جو نیم تعلیمیافتہ طبقہ 'ہدایہ کی چند سطریں پڑھے بغیر بھی'، فقہ و فقہاء کے خلاف بدزبانی کرتے رہنا، دلیل روشن خیالی سمجھے ہوئے ہے، وہ اس رائے کو سن رہا ہے؟

"سچ" ۱۸، دسمبر ۱۹۳۱ء

ازراہ عقیدت اور پیار سے "نجم الہند" و "آفتاب ہند" کا لقب دیا تھا۔ مگر اب وہ خطاب اور القاب لوگوں کے دلوں سے محو ہو گئے۔ بہرکیف۔ سید صاحب چندہ جمع کرنے پنجاب چلے تو کس انداز سے چلے۔ (دوسرے سفرِ پنجاب کی روداد ان کے مستقل رفیقِ سفر مولوی سید اقبال نے خوب رقم کی ہے، جو میں آپ کو سنا رہا ہوں۔)

پہلے ارادہ کیا تھا کہ لودھیانہ، جالندھر، امرتسر، گورداس پور، لاہور اور جہاں بھی جائیں گے وہاں کسی کی دعوت نہیں کھائیں گے اور صرف نقد روپیہ ہی لیں۔ مگر اس سلسلے میں کافی تکرار خط و کتابت کے ذریعے ہوئی اور یہ ارادہ مخرف اوّل لودھیانہ ہی میں ٹوٹ گیا۔ اس مرد پیر کے دل میں تو ایک لگن تھی کہ دوسروں پر کم سے کم تکلیف ڈالیں۔ یہاں تک کہ کھانا کھلانے کی زحمت بھی نہ دیں، مگر کسی طرح روپے جمع کر کے اپنے خوابوں کے محل مدرسۃ العلوم کو بنا کر کھڑا کر دیں۔ مگر ان کے رفقاء اور میزبانوں کے سینوں میں بھی دل تھے۔ دل آور ان کیسے پنجاب مانتے کہ عالی مرتبت مہمان محض کی خاطر خواہ ضیافت، اور دل کھول کر نہ ہو۔ خان بہادر قادر بخش خاں صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر لودھیانہ نے دو سخت اعتراض پیش کیے، جو ان کی محبت کی غمازی کرتے ہیں۔ یعنی یہ کہ "ہم لوگ بھی علی گڑھ آتے ہیں، اور اکثر آویں گے، پھر ہم کو بھی عذر ہو گا کہ ہم آپ کے یہاں نہ ٹھہریں نہ کھاویں۔" دوسری لاجواب کر دینے والی دلیل قادر بخش صاحب نے یہ دی کہ "آپ اپنی دعوت (یعنی چندے) کا نقد روپیہ اول لے لیں۔ اس کے بعد آپ کو ہم لوگوں کے یہاں ٹھہرنے اور کھانا کھانے میں کیا عذر ہے۔" علاوہ ازیں ایک عملی دلیل خان بہادر سردار خیاں بہادر سی۔ ایس۔ آئی۔ جو ڈیشنل اسسٹنٹ کمشنر گورداس پور نے یہ لکھی کہ "گورداس پور میں کوئی ہوٹل یا کوئی مقام ٹھہرنے کے لیے نہیں ہے۔ ڈاک بنگلہ نہایت چھوٹا، سب لوگوں کی سمائی کے قابل نہیں ہے۔ معہذا چوبیس گھنٹے کے بعد سب کو وہاں سے نکال دیا جاوے گا۔ بس اگر میرے گھر میں نہ ٹھہرو گے تو بجز سایۂ درختان و میدان کے آپ کو ٹھہرنے کے لیے نہ کوئی جگہ ملے گی، نہ کھانے کو کچھ ملے گا۔" جنوری کی سردی تھی۔ اپنے سفرنامے میں سید اقبال علی صاحب لکھتے ہیں: "اتفاق سے جب گورداس پور پہنچے تو مینہ برسا تھا اور خوب ہی سردی ہو گئی تھی۔ اگر خان بہادر کے گھر میں نہ ہوتے تو وہاں سے زندہ نہ پھرتے۔"

محمد اسماعیل پانی پتی لکھتے ہیں: "(سید احمد خان کا سفرنامۂ پنجاب، مولوی سید اقبال علی، مرتبہ شیخ محمد اسماعیل پانی پتی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، لال کنواں، دہلی۔ ۱۱۰۰۰۶) کہ تحریک خلافت کے دوران، دلی امرتسر وغیرہ میں شہر کے نوجوانوں نے سیاسی رہنماؤں کی گاڑی خود کھینچی، بجائے گھوڑوں کے۔ اور "ان لیڈروں نے نہایت خوشی اور مسرت سے اس بات کو دیکھا، اور بڑے اطمینان اور فخر کے ساتھ قوم کے کندھوں پر چڑھے چڑھے پھرے۔ اور اپنی شان اسی میں سمجھی کہ قوم اس طرح ان کا استقبال کرے۔"

ڈاکٹر سید حسن احمد
پروفیسر شعبۂ سیاسیات
علیگڑھ

سیّد احمد خاں کا سفرِ پنجاب ایک تاثر

صدائے بازگشت

آج سے کوئی سو برس پہلے۔ مسلم یونیورسٹی کو بنانے والے پنجاب چلے۔ جنوری ۱۸۸۴ء۔ کالج کی عمارتیں کچھ بن گئی تھیں اور بنی باقی تھیں۔ طلبا ہوسٹلوں میں رہ رہے تھے مگر اور ہوسٹل بنانے تھے۔ سید صاحب چندہ کرنے چلے۔ وہ سن اور وہ سردی مگر کوئی چراغ دل میں جل رہا تھا جس کے نور سے علی گڑھ کا دارالعلوم روشن تھا۔ اسی کی گرمی انھیں بستی بستی شہر شہر لیے جاتی ہوگی ان کے پاس جو کچھ تھا وہ کالج میں لٹا چکے تھے اور یہاں جو کچھ مل سکا تھا وہ بھی۔ اور سارا سرمایہ لاکھوں روپے کا کیوں نہ لگتا؟ عمارتیں کیا بلند و بالا بنائی تھیں۔ وسعت ایسی کہ آج سو سال گذرنے کے بعد بھی مسجد، اسٹریچی ہال اور اس ہال کا صحن چمن بڑے بڑے مجمعے کے لیے چھوٹا نہیں پڑتا ہے۔ معمار کی اولوالعزمی اور بلند نظری کا نشان ان کی دانشمندانہ محبت کی مہر یہ شاندار عمارتیں ہیں یہ آج الگ تھلگ پس پشت خاموش کھڑی ہیں۔ ان کے وقار میں افسردگی ہے۔ جیسے دورِ سرمایہ داری میں ضعیف ماں، باپ ہوں۔ جب بال بچے برسرِ روزگار ہو گئے تو ان کی طرف دیکھتے نہیں۔

جری کو جری، دل آور کو دل آور پہچانتا ہے۔ سید احمد خاں انگریزی حکومت سے خراجِ تحسین لے چکے تھے۔ کمپینین آف دی اسٹار آف انڈیا تھے۔ وائسرائے کی مجلس مشاورت کے رکن (جس کی رکنیت وہ بعد میں نامنظور کر چکے تھے۔ عدیم الفرصتی کی بنا پر)۔ وہ چاہتے تو امیر کبیر، رئیس، نواب کے طریقے پر رہ سکتے تھے۔ مگر درویشانہ زندگی اختیار کر رکھی تھی۔

آج کے زمانے میں اس مردِ بزرگ کو "سرسید" کہا جاتا ہے۔ لوگوں کی نظروں میں ضرور کوئی نقص ہے جو صرف ان کا سر دیکھتی ہے۔ حالانکہ ان کے ہاتھ پیر بھی تھے بلکہ پورے انسانی قویٰ سالم و تنا رست تھے۔ وہ سر کے علاوہ ہاتھ پیروں سے خوب کام لیتے تھے۔ سربلند تھے، سربرآوردہ تھے، سرپرست و سردار تھے، مگر صرف سر نہ تھے۔ مجسّم جلیل القدر تھے۔ انھیں اپنے ملک کے بادشاہ نے دیسی خطاب سے بھی نوازا تھا۔ یعنی نواب جواد الدولہ آصف جنگ۔ ان کے زمانہ کے عوام الناس پنجاب نے

الفاظ تھے :

" ہمارے بزرگوں نے اس دنیا میں، کیا علم میں، کیا عمل میں، کیا دولت میں اور کیا حکومت میں، کیا شان میں اور کیا شوکت میں، کیا رزم میں اور کیا بزم میں، کیسا کچھ اعلیٰ درجہ حاصل کیا تھا۔ جس کے سبب تمام قوموں میں معزز تھے۔ اور اسلام کی شان ان سے دکھائی دیتی تھی۔

اب ایک ہم ہیں کہ اپنے اسلاف کو بٹا لگاتے ہیں۔ نہ ہمارے پاس دولت ہے نہ حکومت، نہ علم ہے نہ فضیلت، نہ زر ہے نہ زور ہے۔ سب سے ذلیل اور تمام قوموں سے بدتر ہیں۔ ہر ایک ہم کو ٹھکراتا چلتا ہمارا سر ہر ایک کے پاؤں کے تلے ہے اور ہر ایک کا پاؤں ہمارے سر پر ہے۔

اے دوستوں! تم یقین جانو کہ جو شخص خدا کی خوشنودی چاہتا ہے، جو شخص ثواب آخرت کا طالب ہے۔۔۔ اس کا فرض ہے کہ اپنی قوم کو اس ذلیل حالت سے نکالنے کی کوشش کرے۔ تم مسجدیں بناتے ہو بغیر اس کوشش کے کہ اس میں نماز پڑھنے والے بھی قائم رہیں۔ تم خانقاہیں بناتے ہو اور ان میں عبادت کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں کی سلامتی کی فکر نہیں کرتے۔ ۔ ۔ ہوشیار ہو، خبردار رہو، جان لو کوئی عبادت، کوئی خیرات، کوئی خیر جاری قومی ہمدردی سے بہتر نہیں ہے۔

اے بھائیوں! قوم کی موجودہ حالت تو تمہارے سامنے ہے۔ اس کی آئندہ حالت درست ہو جاوے گی۔ اگر بے پروائی کرو گے، نفسا نفسی میں پڑو گے، قوم کی حالت روز بروز ذلیل و خوار وابتر ہوتی جائے گی۔

مگر اے دوستو! میری بات سن لو، میں سچ کہتا ہوں۔۔۔ میں نہایت دلسوزی سے تم کو سخت لفظوں میں سمجھاتا ہوں کہ اگر تم قوم کی بھلائی کی کوشش نہ کرو گے تو تمہاری آئندہ نسلیں اپنے اسلاف کو کوسیں گی اور خود تمہاری روحیں اپنی اولاد کو ذلت کی حالت میں دیکھ کر قبروں میں تڑپیں گی۔ پھر وہ عذاب ان کو دوزخ کے عذاب سے بھی زیادہ تر سخت معلوم ہوگا۔ برائے خدا سمجھو، اپنی جان پر، اپنی اولاد کی جان پر، اپنی ارواح پر رحم کرو، اور قوم کی بھلائی پر متوجہ ہو۔

۔۔۔ میں کہے دیتا ہوں کہ، جو تم چاہو سو کرو، مگر جب تک تم اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم کا سامان مہیا نہ کر لو گے اور اپنی اولاد کی تعلیم کے لئے ایک عالیشان گھر نہ بناؤ گے، جس میں بھیج کر تم اپنے بچوں کی تعلیم، ان کی صحت کی حفاظت اور ان کے اخلاق اور عادات کی درستی، ان کے چال چلن کی نگہبانی سے بے فکر نہ ہو جاؤ۔ اس وقت تک یہ مطلب حاصل نہ ہوگا۔

۱۸۸۴ء میں سید احمد خاں سے بھی یہ کہا گیا۔ امرتسر سے دو اسٹیشن پہلے بوٹاری اسٹیشن پر خواجہ یوسف شاہ صاحب رئیس امرتسر ممبر میونسپل کمیٹی بطریق استقبال آگئے تھے۔ مجلس اسلامیہ، امرتسر کی طرف سے اثنائے راہ میں خواجہ یوسف شاہ صاحب نے سید صاحب کو بتایا کہ امرتسر کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کا ارادہ ہے کہ وہ معزز مہمان کی گاڑی کو بعوض گھوڑا کے خود کھینچ اور اسٹیشن سے فرودگاہ تک لے جائیں۔ مگر معلم قوم کہاں ماننے والے تھے۔ مشکلات اور مخالفتوں کا سامنا انھوں نے استقلال، علم اور شائستگی سے کیا تھا۔ دشنام طرازیوں اور بہتان کی موجوں کے مقابل وہ زندگی بھر کی جدوجہد کے بعد ضبط نفس کا پہاڑ بن چکے تھے۔ نوجوانوں کے احساسات و جذبات کو ہیجان کی طرف نہیں بلکہ قوم کے لیے تعمیری کاموں کی منظم اور پروقار شاہراہ پر لے جانا چاہتے تھے۔ کہا کہ: "نامناسب اور ہر ایک پہلو سے محض ناواجب اور خلاف مصلحت ہے۔ اگر یہ ارادہ فتح نہ ہوا تو میں ہرگز پسند نہیں کروں گا۔ بلکہ امرتسر میں نہ ٹھہروں گا۔" ان کی لگن کچھ اور تھی۔ علی گڑھ میں اس عالیشان علم کے گھر کی تکمیل جس میں تعلیم و تربیت دیکر وہ قوم کو ذلت کے گڈھے سے نکالنا چاہتے تھے۔

امرتسر میں چند جدید عمارتیں دیکھنے گئے۔ جن میں عمدہ اور نخستہ سرائے تھی۔ تین عمارتیں کوئی سوا لاکھ، ڈیڑھ لاکھ روپیے کے خرچ سے بنی تھیں۔ اس سے ظاہر تھا کہ مسلمان اب بھی بہت کچھ فیاضی کرتے ہیں مگر اس بات پر کم خیال کرتے ہیں کہ مسلمانوں کو درحقیقت کس امر کی ضرورت ہے۔ جب ان عمارتوں کو سید صاحب نے دیکھا تو کہا کہ اگر یہ مسلمانوں کی مدد سے ہوتے تو کیا عمدہ بات ہوتی۔ انھیں ہر لحہ علی گڑھ کے کالج ہی کا خیال تھا کیونکہ وہ مذہب کے ساتھ نئی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کو قوم کی ترقی اور کامرانی و عزت کا واحد ذریعہ سمجھتے تھے۔ اسی لیے ان عمارتوں کو دیکھ مدرسہ یاد آیا۔

در طرف حرم دیدم دی پیر مغاں میگفت ۔۔۔ اے خانہ بایں خوبی آتش کدہ بایستے

پنجاب میں جہاں جہاں یہ غمخوار قوم گیا، خواص و عوام نے راہ میں آنکھیں بچھائی۔ جہاں رؤسا اور حکام کی کوٹھیوں پر پر تکلف و آراستہ ضیافتیں ہوئیں، وہاں ہزاروں کے مجمع بھی ان کی باتیں سننے کو جمع ہوتے رہے۔ بانات کے سرخ فرش پہ اتارا اور برستے مینھ میں انھیں رخصت کرنے ۔۔۔ عربی فارسی کے سن رسیدہ مدرس ان سے ملنے آتے اور اپنی عقیدت دو چند کر کے جاتے۔ عالم و فاضل بزرگوں نے سید احمد خاں کی تقریریں سننے کے بعد بھرے مجمع میں با آواز بلند کہا کہ ان کے ذہنوں میں تشکوک تھے۔ دینی و ملی و تعلیمی اعتراضات تھے جو سید صاحب کی باتیں سننے کے بعد سارے کے سارے دور ہو گئے۔ ؎

میں چلا تھا جانب منزل اکیلا ہی مگر ۔۔۔ لوگ ساتھ آتے گئے اور قافلہ بنتا گیا

مسلم قوم چندہ بھی بڑے جوش و یقین سے مانگتے تھے۔ اور لوگوں نے دیا بھی اسی جوش سے، شوق سے۔ ان کے جامع حسن کے لکچر

س جلسے کا ذکر کرتے ہوئے معلم قوم نے کہا:

" بڑے افسوس کی بات ہے کہ لودھیانہ شہر میں، جو ایک بڑا شہر ہے، اور جہاں بہت سے مسلمان آباد ہیں، مشنری اسکول بہت کثرت سے ہیں، اور مسلمانوں کو یہ شرم نہیں آتی کہ مشنری تعلیم گاہوں میں وہ اپنے لڑکوں کو بھیجتے ہیں۔ ان کو کچھ جوش پیدا نہیں ہوتا، ان کو کچھ غیرت نہیں آتی کہ وہ اپنے لڑکوں کا خود کچھ بندوبست کریں۔ وہ کتے کی طرح اپنے لڑکوں کو خیراتی روٹی پر پلاتے ہیں اور ایسے خیراتی اسکول میں اپنی اولاد کو تعلیم کے واسطے بھیجتے ہیں اور خود کوئی بندوبست اپنے بچوں کی تعلیم کا نہیں کرتے۔"

تعلیم کا مطلب صرف ایک ماسٹر مقرر کر دینا نہیں تھا۔ مشہور زمانہ یونانی فلسفی پلیٹو کی طرح تعلیم و تربیت میں روح، قالب اور رجان و جسم کا رشتہ مانتے تھے۔ اسی وجہ سے جالندھر میں کہا:

" اگر فرض کیا جاوے کہ انھوں نے گورنمنٹ کی دی ہوئی تعلیم بچوں کو لیے کافی سمجھی ہے تو یہ خیال غلط ہے۔ اگر میری رائے غلط نہ ہو تو فری تعلیم کسی کام کی نہیں۔ جب تک کہ اس کے ساتھ تربیت نہ ہو۔ تربیت کے معنی یہ نہیں ہیں کہ بچہ دو زانو ہو کر بیٹھے اور ہاتھ جوڑ کر ہماری ہاں میں ہاں ملائے۔ یہ تو انسان کی تعلیم نہیں ہے۔ یہ تو بندر کو بھی سکھا دیا جاتا ہے۔ بچوں کی تربیت کے لیے سچائی، نیکی، لحاظ، سچی آزادی ہونی چاہیے اور یہ تمام باتیں گھر پر تعلیم پانے سے نہیں آسکتی، جب تک ان کے لیے ایسی تعلیم گاہ نہ ہو جہاں بجز تعلیم تربیت کے اور کوئی وجہ نہ ہو۔"

برج اور آکسفورڈ کے کالجوں میں جوان جوان اور خوبصورت لڑکے نہایت صفائی اور ستھرائی سے بسر کرتے ہیں اور کالج نف کا ان کے اخلاق اور تربیت پر ایسا اثر ہوتا ہے جس سے وہ دنیا میں تربیت یافتہ اور شائستہ کہلاتے ہیں۔ ہندوستان جہ، سردار بہادر، خان بہادر اور نامی لوگوں نے اپنے بچوں کی تربیت کا کیا بندوبست کیا ہے؟ گو میں ایک غریب آدمی وں، مگر میں نے بڑے بڑے امیروں کے بچوں کو دیکھا ہے۔ وہ نوکروں کے لونڈوں اور اگر وہ نہیں تو بازاری لونڈوں صحبت اٹھاتے ہیں۔ گالی گلوچ، برے الفاظ بداخلاقی کی باتیں، خراب عادتیں سنتے، دیکھتے اور سیکھتے ہیں۔ بھلا ایسی حالت ں بھی تربیت ہو سکتی ہے؟ . . .

آپ کلکتے سے پشاور تک، ہمالیہ سے لیکر دکن تک کوئی جگہ بتائیے جہاں لڑکے تربیت اور تعلیم پا سکتے ہوں۔ دی کیسا ہی بڑا رئیس کیوں نہ ہو کوئی سامان کافی اپنے گھر پر تعلیم اور تربیت کا نہیں کر سکتا۔ اس تعلیم کے واسطے یہ ضروری ہے کہ عمدہ خاندان، عمدہ اخلاق، اور عمدہ تعلیم کے معلم اور پروفیسر ہوں۔ اور لڑکے جو آپس میں ساتھ

بھائیو! میں نے اپنی خیالات سے تو ۲ اعلی اللہ علی زبدہ میں ایک ایسا ہی عالیشان گھر تمہارے بچوں کے لیے بنانے کی بنیاد ڈالی ہے۔ بہت کچھ اس میں ہو چکا اور بہت کچھ ہونا باقی ہے۔ قومی گھر قوم کی امداد کے بغیر قایم نہیں ہو سکتا . . . لیکن اگر وہ اپنی مراد تک نہ پہنچے تو کیا کرایا سب اکارت ہے۔

اے بھائیو! اگر تم کو خدا نے پلاؤ کی رکابی دی ہے تو ایک چھوٹی ہڈی اپنی قوم کے آگے بھی ڈالو، اگر خدا نے تم کو سوکھی روٹی دی ہے تو ایک ٹکڑا اس کا اپنی قوم کے بھوکے بچوں کو بھی دو۔ سب لوگ مل کر مدد کرو اور اس قومی گھر کو پورا کرو۔"

سید احمد خان کی نظر میں تعلیم بیکار تھی جب تک دینی تعلیم دنیاوی زندگی کی بنیاد نہ بنے۔ جب تک تعلیم و تربیت و طرز معاشرت میں پابندی صوم صلوٰۃ قائم نہ ہو۔ اس وجہ سے ابتدا میں ادائیگی نماز مسلمان طلبا کے لیے لازمی تھی، جواب نہیں رہی۔ (البتہ غیر مسلم طلبا کے لیے ان کی اپنی عبادت لازمی نہیں تھی)۔ لودھیانہ میں انھوں نے ان لڑکوں کو دیکھا جو لودھیانہ مشن اسکول میں انگریزی پڑھتے تھے، تو ان سے اسکول کی پڑھائی، انجیل کی تعلیم، اور عیسائی مذہب کے مطابق کا جو لازمی تھی، حال پوچھا۔ اپنی تقریر میں سید صاحب نے قوم کے نوجوان عزیز بچوں سے کہا :

" جب تک وہ اپنے عزیز مذہب کے پیرو اور پابند ہیں، تب تک وہ قوم ہیں۔ یاد رکھو کہ اسلام، جس پر تم کو جینا ہے اور جس پر تم کو مرنا ہے، اس کو قائم رکھنے ہی سے ہماری قوم، قوم ہے۔ اے عزیز بچے! اگر کوئی آسمان کو تارا ہو جاوے، مگر مسلمان نہ رہے تو ہم کو کیا؟ وہ تو ہماری قوم نہ رہا۔ پس اسلام کو قائم رکھ کر ترقی کرنا قومی بہبودی ہے۔ امید ہے کہ تم ہمیشہ اس کو قائم رکھوگے۔ اور اس کے ساتھ تمام باتوں میں ترقی کرتے جاوگے کہ یہی قومی ترقی ہوگی۔ جو تم کو بھی فائدہ دے گی اور قوم کو بھی عزت ہوگی اور آئندہ آنے والی نسلیں بھی اس سے فائدہ اٹھاویں گی۔"

لندن میں ایک ادارے میں تعلیمی خرچ پورا کرنے کے بعد دس لاکھ روپیہ جمع ہو گیا تھا، اور یہ تجویز تھی کہ اس سے ایک عمدہ گرجا بنایا جائے۔ ایک ہندوستانی مسلمان نے جو اتفاقاً وہاں موجود تھے یہ خیال ظاہر کیا کہ اگر یہ روپیہ انھیں مل جاتا تو ایک عمدہ کالج ہندوستان میں بن جاتا جس کی ضرورت تھی اور یہ گرجا بنانے سے زیادہ مفید بات ہوتی۔ اس کے جواب ایک انگریز شخص نے کہا :

"اگر تمہاری قوم ایسی ہے کہ وہ اپنی تعلیم کا انتظام بھی نہیں کر سکتی تو اس کا جیتے رہنے سے مرجانا بہتر ہے۔ وہ اس لائق نہیں ہے کہ اس کی کچھ بھی مدد کی جاوے۔"

اور ہمدرد سمجھتے تھے۔ مولوی محمود حسن صاحب، سید صاحب سے ملنے وزیر اعظم ریاست پٹیالہ کی کوٹھی پر گئے اور اطلاع کرائی۔ بقول محمد اسماعیل پانی پتی، ملازم نے جا کر سید صاحب سے کہا کہ پرانی وضع کے ایک مولوی صاحب باہر کھڑے ہیں اور آپ سے ملنا چاہتے ہیں، انھیں اندر بلالیا اور بڑی خندہ پیشانی سے ملے۔ مولوی صاحب نے فرمایا: میں نے سنا ہے کہ آپ اتفاق سے ہمارے شہر میں آئے ہوئے ہیں، تو چونکہ میں آپ کو مسلمانوں کا نہایت سچا بہی خواہ اور مخلص خادم سمجھتا ہوں، اس لیے دل چاہا کہ آپ سے ملوں۔ آپ بڑے آدمی ہیں اور بڑے آدمی کے مہمان ہیں. اس لیے شاید مجھ غریب شخص سے ملنا گوارا نہ کریں۔

پھر مولوی صاحب نے فرمایا کہ " میں ایک غریب آدمی ہوں، اور بمشکل اپنا اور اپنے اہل و عیال کا گذارہ کرتا ہوں. بڑی مشکل سے میں نے روزانہ کے گھریلو اخراجات سے بچا کر کچھ رقم پس انداز کی تھی۔ میں اس سے زیادہ بہتر مصرف اس رقم کا اور کوئی نہیں سمجھتا کہ یہ حقیر رقم مسلمان بچوں کی تعلیمی ضروریات میں خرچ کی جائے۔" اس کے بعد مولوی محمود حسن خاں صاحب نے پانچ روپئے چار آنے سید صاحب کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔

سید صاحب بولے " جناب مولوی صاحب یہ سوا پانچ روپے' کا کیا مطلب ہے؟ پورے پانچ آپ نے کیوں نہیں دے دیئے؟

مولوی صاحب نے جو جواب دیا وہ یہ ہے: " جناب سید صاحب! میں بہت ہی غریب شخص ہوں، میرا مکان بھی بہت معمولی سا ہے. گو میں نہ اعلیٰ درجے کا برتن ہیں اور نہ کچھ آرائش کا سامان ہے۔ دل بہت چاہتا تھا کہ آپ جیسے خیر خواہ اسلام کی دعوت کرتا، لیکن اتنا مقدور نہیں، لہٰذا یہ پانچ روپے تو چندے کے ہیں اور چار آنے آپ کی دعوت کے ہیں۔ براہ غریب نوازی ان چار آنے کو قبول فرمائیے جو آپ کے لیے ہیں۔ میں اپنے اور اپنے اہل و عیال کے کھانے پر بھی ایک دن میں چار آنے سے زیادہ خرچ نہیں کرتا۔ " گر قبول افتد زہے عز و شرف"

سید احمد خاں فوراً کھڑے ہو گئے اور بڑے جوش سے کہنے لگے " مولوی صاحب! خدا کی قسم میں یہ چار آنے اپنی ذات پر خاص خرچ کروں گا۔ اور ایک ایک پیسہ احتیاط سے خرچ کروں گا۔ میرے نزدیک امرا کے پلاؤ اور زردے اور زعفران اور متنجن سے بہت زیادہ قدر ان چار آنوں کی ہے۔" یہ کہہ کر سید صاحب نے چار آنے تو اپنی جیب میں ڈالیں اور پانچ روپئے کالج کے چندے میں جمع کرا دیئے۔ دیر تک نہایت محبت سے باتیں کرتے رہے اور مولوی صاحب سے کہا: " ہمیں درحقیقت ایسے ہی مخلص احباب کی ضرورت ہے، جیسے آپ ہیں. کاش سب کے دلوں میں ایسا ہی اخلاص ہوتا جیسا آپ کے دل میں ہے۔"

پڑھتے اور رہتے ہوں۔ اسی طرح اچھے خاندان اور اچھی عادتوں کے خوگر ہوں۔ . . . وہاں سب عمدہ سامان موجود ہوں اور مربی اپنے لڑکوں کو اور روپیہ خرچ کا بھیج کر سب طرح پُر مطمئن ہوں۔

یہی خیالات میرے دل میں تھے جب کہ میں نے علی گڑھ میں کالج کی بنیاد ڈالنے کا ارادہ کیا اور اس کالج کی ایسا وسیع تعلیم گاہ بنانا تجویز کیا جس میں کافی تعداد ہماری قوم یعنی ملک کے باشندوں ہندو اور مسلمان دونوں کی گنجائش ہو اور دونوں گروہ عمدہ طور سے وہاں تعلیم و تربیت پاویں۔ جب یہ خیال میرے دل میں آیا تو میں لندن گیا۔ وہاں کے کالجوں، بورڈنگ ہاؤسوں، کیمبرج کے طلبا کے رہنے کا حال دیکھا۔"

اسی طرح جگہ جگہ، سید صاحب علی گڑھ کالج کی ضرورت اور اس کی اہمیت پر روشنی ڈالتے رہے۔ اپنی ملاقاتوں میں، تقریروں اور تحریری ایڈریسوں میں پنجاب کے لوگوں کو اس منزل کی طرف بلاتے رہے، جہاں قوم کو لے جانے کے لیے انھوں نے اپنی زندگی وقف کر دی تھی۔

۵ مر جنوری کو جالندھر سے امرتسر جاتے ہوئے جب ریل کرتار پور اسٹیشن پر پہنچی تو یہاں لوگ سید صاحب کو دیکھنے آئے تھے۔ اور اسٹیشن پر موجود تھے۔ سید صاحب ہر ایک سے ملے اور ان کی تشریف آوری کا شکریہ ادا کیا لالہ رامچندر صاحب نے آٹھ روپے نو آنے جو بطریق چندہ جمع کیے تھے۔ سید صاحب کو نذر کیے۔ اس میں مولوی سید غلام محی الدین صاحب مدرس اور طلبائے اسکول کا چندہ بھی شامل تھا جو ایسے چھوٹے اسکول کے غریب طالب علموں نے ایک ایک آنہ دو دو آنہ کرکے جمع کیا تھا۔ آج علی گڑھ کی جن چھتوں کے نیچے ہم رہتے ہیں اور جن باغات میں چلتے ہیں، اس کی بنیاد میں ایسے بزرگوں اور نونہالوں کا پیسہ بھی لگا ہوا ہے۔

سرسید نے اس چندے کو بہت خوشی اور وسیع القلبی سے قبول کیا اور کہا:

"مجھ کو اس چندے سے جو فخر ہوا ہے، بڑے بڑے نوابوں کے چندے سے بھی ایسا نہیں ہوا۔"

پٹیالہ سید صاحب صرف خلیفہ سید محمد حسن اور حسین صاحبان سے ملاقات کی تمایت سے گئے تھے۔ مگر بغیر مانگے دو سو چھپن روپے چندہ یہاں جمع ہو گیا۔ دو سو روپے مشیر الدولہ، ممتاز الملک خلیفہ سید محمد حسین صاحب کے تھے۔ پچیس روپے سید امداد علی صاحب چیف جسٹس ریاست پٹیالہ کے اور باقی دوسرے اصحاب کے۔

پٹیالہ میں ہی وہاں کے ایک مدرسے میں درس دینے والے ایک عالم و فاضل بزرگ حضرت مولوی محمود حسن خاں صاحب تھے۔ باوجود مولوی ہونے کے، اس وقت جب کہ سید احمد پر ہر طرف سے کفر کے فتووں کی بھرمار ہو رہی تھی، وہ ان کی تعلیمی تحریک کے نہایت وحامی تھے۔ اور انھیں مسلمانوں کا حقیقی خیر خواہ اور

اصول و مقاصد نہیں بدلتے۔ مگر نئے حالات میں صحیح سوالات اور صحیح جوابات بدل سکتے ہیں، نہ صرف تعلیم وتربیت، تاریخی اور ملی سوالات مسائل، اسلام، تجارت، ہندو مسلم اتفاق و اتحاد وغیرہ کے بارے میں جیسے سید اقبال علی صاحب نے کمال سادگی و صداقت و دل آویزی سے لکھا ہے۔ گویا نور کا ایک مینار ہے۔ جس کی روشنی آج بھی مشعل راہ بن سکتی ہے۔

اس موقع پر آپ کے ساتھ سفر بجز۔ کہ اس تیز ہوائی جائزے کے اس اختیار کا صرف ایک دریچہ کھول سید صاحب کی طرف ایک باریک بات پر غور کرنا چاہتا ہوں۔ وہ اس سوال سے متعلق ہے کہ سید صاحب نے میکالے کی تعریف کیوں کی؟ انھوں نے برطانوی سرکار کی تعلیمی پالیسی کو ناپسند کرتے ہیں اور ہندوستان کے لئے مضر بتاتے ہیں کیونکہ ان کے خیال میں مقصد اولیں حکومت کے دفاتر چلانے کے لیے بابو تیار کرنا تھا۔ البتہ یہاں اس بات کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے کہ راجہ رام موہن رائے نے ہندوستانیوں کے انگریزی تعلیم حاصل کرنے پر اصرار کیا تھا اور نئے بنگال کے دوسرے معمار اعلیٰ ایشور چند ودیا ساگر نے بھی سرکار برطانیہ کی تعلیمی پالیسی کی مخالفت نہیں کی تھی، بلکہ خود انگریزی سیکھی اور اس کے ساتھ ساتھ جگہ بہ جگہ بنگلا اور سنسکرت کے مدارس کھول کر پورے بنگال کو چمن زار بنا دیا۔

سید صاحب نے . . . کہا:

"میری دانست میں کوئی گورنر جنرل، کوئی وایسرائے کوئی ملک کا خیر خواہ ایسا نہیں گذرا جس نے لارڈ میکالے سے زیادہ ہندوستان پر اور ہندوستانیوں پر احسان کیا ہو۔ جس نے زور قلم . . . اور سچی رائے سے ثابت کر کے یہ طے کرا دیا کہ انگریزی زبان اور یورپین سائنسز کی ہندوستانیوں کو اعلیٰ درجے کی تعلیم ہو، پنجاب کے لوگ سوچیں کہ اس نے کیسی مفید چیز ہم کو دلا دی۔"

اس سے پہلے ۱۹۳۰ء-۱۹۳۲ء کا حوالہ دیتے ہوئے انھوں نے اسے ایک زحمت کا زمانہ کہا۔ جبکہ یہ بحث اور تکرار تھی کہ ہندوستانیوں کو آیا انگریزی علوم و فنون سکھائے جاویں یا ان کو انھیں مشرقی علوم میں مبتلا رکھیں جن میں وہ ۱۸۳۲ء تک مبتلا تھے۔ یہ تکرار علوم انگریزی کے مفید یا غیر مفید ہونے پر نہ تھی، بلکہ اس بات پر تھی کہ خدا نے جن بندوں کو خدا نے ہمارے قبضے میں دیا ہے ان کو اپنے فائدے کی نظر سے اندھیرے میں رکھنا بہتر ہے یا خدا کا، ملک کا، انسانیت کا فرض ادا کرنے کے خیال سے ان کو روشنی میں لانا فرض ہے؟ اس بحث سے ہندوستان کے علاوہ، انگلستان میں پارلیامنٹ کے کمرے میں گونجتے تھے۔ بڑی بحث کے بعد خدا کے بندوں پر شفقت کرنے والا وہ نیک بندہ یعنی لارڈ میکالے، جیت گیا۔ (ص۔ ۳۵۲)

یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ سید صاحب نے اپنی جالندھر کی تقریر میں اس بات کا ذکر کیا کہ میکالے اس امر

اسی طرح امیر کارواں بڑھتا رہا۔ امرا، وکیل، ڈاکٹر، عوام، پنجاب کی ہندو مسلم خواتین، آریہ س
سبھا کے اراکین، انجمن اسلام، اسکولوں اور کالجوں کے لڑکے۔ سبھوں سے وہ ملتے رہے اور اپنے اخلاق، وسیع
پیشانی اور حق گوئی سے لوگوں کے دلوں کو جیتتے چلے گئے۔ جو آن کر ملا، جس نے دیکھا، جس نے ان کو سنا وہ اگر
لے کر آیا تھا تو اطمینان اور یقین لے کر گیا۔ عقیدت ہوئی اور سید صاحب کے ایمان، علم و عمل کی روشنی س
کر گیا۔ اقبالؔ نے کہا ؎

اٹھ کہ خورشید کا سامان سفر تازہ کریں نفس سوختۂ شام سحر تازہ کریں

واللہ، یہ مبارک سفر، یہ سخت جہاد سید احمد نے ہندوستان میں پہلے ہی شروع کر دیا تھا۔ آج بھی وہ قافل
جیسا ہے، جس طرح چل رہا ہے، وہ آپ کے سامنے ہے۔ اور جیسا کہ سید صاحب نے کہا تھا کہ "مستقبل آپ کے
مختصر یہ ہے کہ میں کیسے تعریف کروں اس سفرنامے کی۔ دل چاہتا ہے کہ کیوں کہ جس نے نہیں پڑھا
اور جو پڑھ چکا ہے وہ پھر پڑھے۔ ایمان، علم و عمل کا خزانہ ہے۔ سید صاحب کی پختہ کی آواز ہے۔ ز
جہاں جہاں وہ گئے لوگوں نے اپنی آنکھیں راہ میں بچھائیں۔ اسکول کے بچوں، پنجاب کی خواتین، آریہ سماج، ہند
اسلامیہ، رئیس، امیر، غریب ان کے استقبال کے لیے۔

چندہ زیادہ اور کم انھیں مانے۔ کس طرح خوش ہو کر چار چار آنے، آٹھ آٹھ آنے دینے والوں کے دل
ہوتے، احسان مندی کا اظہار کر کے اور دلبرائی، ان کے اخلاق، صاف گوئی اور وسیع قلبی اور حق گوئی۔ سفرنا
ایک مینار ہے۔ جس میں ان کے روشن خیالات تعلیم و تربیت، ہندو مسلم اتحاد، اسلام، تجارت، آج بھی ہند میں یہ
ہے۔ مسلمان اعلیٰ تعلیم و تربیت حاصل کر کے ترقی کر سکتے ہیں۔

ہم میں سے اکثر لوگوں کی زبانوں پر یہ جملہ آجاتا ہے کہ "آج دوسرے سید احمد کی ضرورت ہے۔" تو ہو
باری تعالیٰ کی رحمت سے آج کا ایک بچہ کل کا "سید ثانی" بن جائے۔ اور در ایں اثنا ہم میں سے ہر فرد اپنی جگہ د ہو
جو سید صاحب نے پوچھا کہ ہم کس طرح اپنے دین اپنی اصلیت کو قائم رکھتے ہوئے اعلیٰ ترین اجتماعی، قومی اور
و بہبودی حاصل کریں۔ یعنی مقصدِ اعلیٰ فلاح دارین ہو اور طریقہ اپنوں اور پرائیوں دونوں کے لیے زحمت ن
بننے کا ہو۔ مشکلات کا نام لینا بطور عذر محبت ہے۔ کیا مکہ میں حضورؐ اور ان کی امت کو مشکلیں نہ تھیں؟ کیا مد
تھیں؟ اس کا جواب قرآن پاک کی الم نشرح میں ہے۔ آج بدلے ہوئے حالات میں ہمیں اپنے جوابات خود نکال

نے ۱۸۵۷ء کی سعی ناکام بھی دیکھی تھی، اور یہ سمجھ لیا تھا کہ ہندوستان کے سیاسی حالات میں کیا عمل ممکن ہے اور کیا
بث۔ ہتھیاروں سے لڑنا مترادف خودکشی تھا۔ حکومت کے تعاون سے منہ موڑنا نقصان دہ۔ اب ایک واحد راستہ
بچاؤ اور ترقی کا تھا، وہ تھا تعلیم کا۔ سید احمد نے انگریزوں سے شکایت کا دفتر نہیں کھولا، نہ سخت کلامی کی، نہ خالف
ہوئے، نہ ان سے روٹھ کر بیٹھ گئے، بلکہ کتاب لکھ کر انگریزوں کو سمجھایا کہ کونسا طریقہ اور عمل ان کا غلط ہے اور کونسا صحیح
ن کا ہاتھ انگریزوں کی مدد کرنے کو آگے بڑھا۔ جس کے نتیجے میں خود ان کی ہندوستانی قوم کی مدد ہوگی۔

البتہ انھوں نے حکومت کی پالیسی کو مکمل نہیں سمجھا نہ اس کو غیر مشروط طور پر قبول کیا۔ بلکہ اسے مکمل، صحیح اور مفید
نانے کے لیے پنجاب میں بھی اپنی آواز بلند کرتے رہے اور اپنی قوم کے مستقبل کی تصویر کو روشن کرتے رہے۔

آج اپنے ملک ہند میں کیا صورتحال ہے؟ سو سال گزرنے کے بعد ہماری مسلم یونیورسٹی کے اسکولوں میں کتنے
ہمارے بچے تعلیم پاتے ہیں، اور علی گڑھ کے مشنری اسکولوں میں ہمارے کتنے بچے پڑھتے ہیں؟ یونیورسٹی کے اسکولوں میں جو
پڑھتے ہیں وہ کیوں پڑھتے ہیں، اور جو مشنری اسکولوں میں پڑھتے ہیں وہ کیوں؟ کیا ہندوستان میں مسلمان اعلیٰ تعلیم
و تربیت پاکر ترقی کر سکتے ہیں؟ آج تعلیم و تربیت کے کیا معنیٰ ہیں؟ آج بہت سے نئے سوال کرنے ہیں اور نئے
جواب معلوم کرنے ہیں۔ مگر   کا مشاہدہ سچا ہونا چاہیے اور مکمل۔ اور جواب صاف اور ایمانداری والے۔

آیئے سفر پنجاب کے روشن مینار کا ایک دوسرا دریچہ کھولیں۔ وہاں ایک دوسرا منظر دیکھیں:۔

جالندھر میں سید صاحب اور ان کے رفقاء کنور ہرنام سنگھ بہادر اہلو والیہ کی کوٹھی میں ٹھہرائے گئے۔
جس کے احاطے میں شامیانہ ان کے لکچر کے واسطے تنا ہوا تھا، اور آراستہ کیا گیا تھا۔ وہاں ہائی اسکول جالندھر کے طالب علموں
کی جانب سے ایک ایڈریس پیش ہوا جسے طالب علم رائے بھگت رام صاحب خلف رائے سالگرام صاحب آنریری
مجسٹریٹ و رئیس جالندھر نے پڑھا۔ اس ایڈریس میں جو مخدمت عالی جناب جواد الدولہ، عارف جنگ آنریبل مولوی
سید احمد خاں صاحب بہادر، سی۔ ایس۔ آئی کو "ہمارے آنریبل سید" کہہ کر دیا گیا۔ ممبران انجمن اسلامیہ جالندھر
نے ضلع کے مسلمانوں کی طرف سے خصوصاً اور دیگر باشندوں کی جانب سے عموماً سید صاحب کی توجہ کا تہ دل سے
شکریہ ادا کیا گیا کہ انھوں نے اپنی تشریف آوری سے اہل ضلع کو محبت اور اخلاص دلی ظاہر کرنے کا موقع دیا۔ اس
وقت جلسے میں انھیں رونق افروز دیکھ کر "سپاس نامہ" دینے والوں نے "نہایت مسرت اور خوشی سے اپنے آپ کو
اور اپنے شہر و ضلع کو مبارک باد دی"۔ سپاس نامہ میں کہا گیا:

"ہندوستان میں قومی ہمدردی کا لفظ گذشتہ صدی میں پہلے پہل آپ ہی کی زبان مبارک پر آیا اور

میں گورنمنٹ سے مخالف تھا۔ یعنی انگریزی گورنمنٹ ہندوستانیوں کو انگریزی اور سائنس کی تعلیم پانے کی اجازت دینا نہیں چاہتی تھی۔ مگر پنجاب یونیورسٹی کے مسودۂ قانون میں ترمیم و اصلاح سرچارلس کی وجہ سے ایک حد تک ہوئی تھی۔ پھر سید صاحب فرماتے ہیں :

" ہم کو وہی طریقہ اختیار کرنا چاہیئے جو ہمارے ملک اور قوم کے لیے بہتری کا باعث ہو۔ ہم کو گورنمنٹ کو مشکور ہونا چاہیئے جس نے ہم کو آزادی (تعلیمی آزادی) دی ہے۔ ہمارے واسطے ایسا امن قائم کیا ہے جو ہم ہندو اور مسلمانوں کو کبھی پہلے حاصل نہ تھا۔ . . . جو چیز ہمارے ملک اور قوم کے لیے مفید ہے اور جس کے اختیار کرنے میں گورنمنٹ ہماری مزاحم بھی نہیں ہے۔ خود سوچ سمجھ کر ہم کو اختیار کرنی چاہیئے۔ ہم کو گورنمنٹ کی پالیسی کا شکر گذار ہونا چاہیئے جس نے براہ مہربانی ہمارے لیے تعلیم کا بوجھ اس طرح اپنے اوپر اٹھالیا ہے۔ . . . گورنمنٹ ہمارے لیے اس سے زیادہ اور کچھ کر نہیں سکتی . . . فرض کیجئے کہ گورنمنٹ کی عام پالیسی ہے کہ وہ تعلیم مذہبی سے بالکل علیحدہ رہے۔ یہ پالیسی اس کی تمام قوموں میں لائق تعریف اور تمام دنیا اس کی ثناخواں ہے۔ (چونکہ سرکاری مدرسوں میں عیسائیت کی تعلیم نہیں دی جاتی) مگر اس ملک میں بہت لوگ ہیں جو مذہبی تعلیم بھی چاہتے ہیں، اس میں خواہ ہندو ہوں یا مسلمان، یہ لوگ کیونکر گورنمنٹ پر ایسی تعلیم کا بھروسہ رکھ سکتے ہیں؟ ان کو ضرور اپنی تعلیم اپنے ہاتھ میں لینی چاہیئے۔ . . . کیا ان کو غیرت نہیں آتی کہ اپنے بچوں کی تعلیم کے لیے، جو بنیاد تہذیب کی ہے، گورنمنٹ کا منہ دیکھے اور مشنری اسکولوں کی طرف تکے؟ . . . اپنی اولاد کو اس مہربانی اور خیرات کی تعلیم پر چھوڑ دے؟ تم کو غیرت نہیں آتی؟ کیا تمہاری مجموعی قوت، تمہاری ہمت، تمہاری دولت اس قدر بھی نہیں آئی؟ تم اپنے بچوں کو تعلیم دے سکو؟ مذہبی، انگریزی، دنیوی تعلیم کے تم مختار بنو؟ . . ."

اب اس سوال کا جواب دیا جا سکتا ہے کہ سید صاحب نے ملکہ کی تعلیم پالیسی کی تعریف کیوں کی؟ اس لیے کی کہ اس کے ذریعے ہندوستانیوں کو سائنس کی تعلیم حاصل کرنے کی اجازت ملی اور اس کے ذرائع اور مواقع فراہم کرنے کا بندوبست کیا گیا۔ اور سائنس کی تعلیم حاصل کرنے کے واسطے انگریزی سیکھنے کی اجازت، اور اس کے انتظام کیا گیا اسی اجازت اور تعلیمی آزادی کو سید صاحب نے زریں موقع، فراخ دلانہ اور ہمدردانہ قدم جانا۔ اسی زریں موقع کو انھوں نے قوم کی زندگی بچانے کا، خوش اسلوبی سے بچانے کا واحد ذریعہ جانا۔ ان کی نکتہ رس اور دور بیں اور عالی حوصلہ نگاہوں میں سیاسی صورت حال اقتصادی حالات اور سماجی بے ترتیبی کا اچھی طرح جائزہ لیا تھا۔ انھوں

مسلمان دونوں قوم کے لڑکے شامل ہیں۔ ہندو ہمارے ہم وطن بھائی ہوگئے ہیں۔ جس نے جامۂ انسانیت
پہنتا ہے، اس کی یہ خواہش ہوگی کہ ہندوستان میں دونوں قومیں برابر ترقی کریں۔ ہندو ہو یا مسلمان
یا ہندوستان کی کوئی قوم ہو، ملک کی بہتری کے لیے سب کو ایک ہونا چاہیے۔"

جنوری ۱۸۸۴ء کو روانہ گورداس پور ہوئے۔ بٹالہ اسٹیشن پر رائے رام داس صاحب تحصیل دار، منشی ٹیک چند صاحب نائب تحصیل دار، شیخ ناصر الدین صاحب، شیخ محمد بخش صاحب اور شیخ برکت علی صاحب، رئیسان بٹالہ استقبال کے لیے موجود تھے، جنھوں نے ۱۵ روپے چندہ کے دیے جنھیں سید صاحب نے نہایت احسان مندی سے قبول کیا۔ گورداس پور اسٹیشن پر نجم الہند سردار محمد حیات خاں صاحب اسسٹنٹ کمشنر، رائے بوٹا مل صاحب، اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر، منشی منولال صاحب تحصیل دار، لالہ بشن داس صاحب ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ، بابو من موہن سرکار صاحب وارڈ، بابو برج نجی لال صاحب اسسٹنٹ انجینئر، پنڈت نگر رام صاحب ، باوا پرتاپ سنگھ صاحب ہیڈ کلرک انگریزی اور دوسرے حضرات موجود تھے۔

پنجاب میں کئی جگہوں پر سید صاحب کی پٹنہ کی ۱۸۸۳ء کے لکچر کا ذکر کیا گیا جس میں مؤثر ہدایت اور ثبوت آپ کی دل پذیر نیکی کا تھا۔ جہاں آپ نے کہا تھا کہ "ہندو اور مسلمان مثل میری دو آنکھوں کے ہیں۔ یا یہ دونوں ہندوستان کی دو آنکھیں ہیں۔ چنانچہ پنجاب میں سید صاحب نے فرمایا کہ میری ایک ہی آنکھ ہوتی تو میں کہ ہندو اور مسلمان دونوں میں میری ایک آنکھ کی طرح ہیں تو پھر یہ داہنی اور بائیں آنکھ کا فرق مٹ جاتا۔

سید احمد خاں جو کچھ بھی کہہ رہے تھے، کر رہے تھے۔ وہ اپنے دین و ایمان کے روشن اصولوں کی روشنی کر رہے تھے۔ اس لیے لدھیانہ کے ایک لکچر میں انھوں نے مسلمانوں کے باہمی نفاق و عداوت سے ٹکڑے ٹکڑے امر التصغیر ہونے کا یعنی کم از کم ہونے کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ :

" برادران من! یکتائی اور یک جہتی سے میرا مقصد یہ نہیں ہے کہ سب لوگ اپنے اپنے عقاید کو چھوڑ کر ایک عقیدے پر ہو جاویں۔ یہ امر تو قانون قدرت کے خلاف ہے جو ہو نہیں سکتا۔ نہ پہلے کبھی ہوا نہ آئندہ کبھی ہوگا۔ مگر اس اتفاق کے قائم رکھنے کی جس کی ہم کو ضرورت ہے، ایک اور عقلی اور نقلی راہ ہے جس کی پیروی قومی اتحاد کا ذریعہ ہو سکتی ہے۔ انسان اپنی ہستی میں دو حصے پاوے گا: ایک حصہ خدا کا اور ایک ابنائے جنس کا۔ پہلے حصے میں اعتقاد یا عقائد کی جو کچھ بھلائی بُرائی ہو۔ اس کا معاملہ خدا کے ساتھ ہے . . . جب کہ وہ خدا اور اس کے رسول کو برحق جانتا ہے . . . تو اسے بھائی اور کلمے کا سفر

آپ نے اسے نہایت عمدہ اسلوب سے علمی اور عملی طور پر اس وقت تک نبھایا۔ ہر ایک موقع پر مسلمان نزار
پذیر قوم کو گورنمنٹ کی منشائے مبارک سے مطلع کرنا اور گورنمنٹ کو قوم کی حالت زار پر توجہ دلانا اور
ان کے ضروری مطالب و مقاصد کو نہایت عجز کے ساتھ پیش کرنا آپ کا معمولی کام رہا ہے۔ . . .
جب آپ نے مسلمانوں کو علمی ترقی کے لحاظ سے بہت پست حالت میں دیکھا تو انھیں گورنمنٹ کی منشا
اس فیضان عام سے مستفیض ہونے کی پوری رغبت دلائی۔ . . مفلس قوم سے بھیک مانگ کر بیت العلوم
قائم کرنا آپ ہی کا کام ہے جو غالباً دیر تک صفحہ تاریخ پر آپکے نام نامی کے ساتھ یادگار رہے گا۔"
اور باتوں کے علاوہ اہل سپاس نامہ نے کہا :

"اہل ہندو اور عیسائی صاحبوں کو بھی آپ نے ہمیشہ نظر مساوات سے دیکھا ہے اور ہم قوم سمجھا ہے
چنانچہ مدرسۃ العلوم میں ہندو اور عیسائی طالب علموں کے سب حقوق مسلمانوں کے برابر رکھے گئے ہیں
اس لیے اہل ہندو اور عیسائی صاحبان بھی آپ کی بے تعصبی کے شکر گذار ہیں۔"
ممبر کونسل کے زمانے میں جو رائیں ملکی معاملات میں آپ ظاہر فرماتے رہے ہیں، اکثر اہل ہندو ان کی قدر کرتے
رہے ہیں، بلکہ بعض ہندو اہل الرائے اپنے بعض ہم ممبروں پر آپ کو ترجیح دیتے ہیں۔
یہ سپاس نامہ انگریزی میں تھا جس کے الفاظ یہ تھے :

"You have equally mindful of the interests of Hindus and Christians, who are not .... from reaping the benefitsof the institution you have established. They two are therefore grateful to you for your unjudicial feeling of benevolence towards them. The opinions you expressed on questions affecting the rights of people of this country, while a member of the Legislative Council, were considered weighty and sound by the Hindus, and they gave you preference to the Hindu Members of the Council as representative of their interests."

جب سید صاحب امرتسر پہنچے تو وہاں حسب درخواست ممبران مجلس اسلامیہ، امرتسر کے مدرسۂ اسلامیہ میں تشریف
لے گئے جس کے سالانہ انعام کی تقسیم سید صاحب کی تشریف آوری پر ملتوی تھی۔ انھیں اس بات کے دریافت ہونے سے
کہ اس مدرسے میں سنی، شیعہ اور ہندو سب داخل ہیں۔ نہایت خوشی ہوئی۔ کل طلبہ میں ۸۰ سنی، ۱۱ شیعہ اور ۱
ہندو تھے۔ انعام پانے والوں میں سب شامل تھے۔ اپنی تقریر میں سید صاحب نے کہا :
"مسلمان طلبا کی نسبت چند لفظ کہنا چاہتا ہوں . . . اس بات کو یاد رکھیں کہ ہمارا باعث نجات
طریقہ اسلام کا ہے، اس کو ہم قائم رکھیں . . . میں اس امر کو مبارکباد دیتا ہوں کہ اس میں ہندو اور

لوگ اس سے متاثر ہوتے تھے۔ اسی لیے گورداسپور میں سید صاحب نے کہا :

" خدا نے ہندوستان میں ہم کو اور ہندو بھائیوں کو آباد کیا ہے۔ اس کا منشا ہے کہ دونوں گروہ بھائی ہوکر ایک دوسرے کی مدد کریں۔ پنجاب اور پلیٹ فارم گورداسپور پر یک جائی مجمع ان دونوں گروہوں کا دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کی مدد ذرّت ہے۔ اسی چیز کی ہندوستان میں ضرورت ہے۔ میرے یہاں آنے میں دونوں گروہوں نے ایک ساتھ خوشی کی اور ایک ہی ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا۔ جس سے میری امید کو بہت تقویت ہوتی ہے۔"

گورداسپور میں خاتونان پنجاب کی طرف سے ایڈریس پیش کیا گیا ہے ملک میں سب سے پہلا ایڈریس تھا جو پردار خواتین معزز غیر مسلم مستورات نے کسی مرد لیڈر کی خدمت میں پیش کیا۔ مگر اس وقت کسی خاتون کو یہ جرأت نہ ہو سکی کہ وہ سامنے آکر خود ایڈریس پڑھے، اس لیے خواتین کی طرف سے خان بہادر سردار محمد حیات خاں صاحب نے ایڈریس پڑھا۔ اس میں کہا گیا کہ "حضور نے ہماری قوم کی اولاد پر وہ مہربانیاں اور مربیانہ سلوک کیے ہیں جو چاند سورج کی طرح دنیا پر روشن ہیں۔ . . . ہم دل سے دعا کرتے ہیں کہ اے خدا! ہمارے محسن سید کو ہماری قوم پر صد ہا سال سلامت رکھ . . . اور جس طرح تو نے اپنے فضل و کرم سے سید صاحب کو مردوں کی بہتری کا ایک ذریعہ بنایا ہے . ہمارے عاجز کی قرتے کی بھی سن۔"

مسلمان ہندو دونوں خواتین اس سپاس نامے میں شریک تھیں۔ سید صاحب نے اپنے جواب میں مستورات کی نسبت معتدل، صحیح اور سچی اور قابل عمل اور مستحکم اصولوں کی بنا پر رائے ظاہر کی، اور ہندو اور عیسائی بہنوں کا بھی شکریہ ادا کیا۔ ان کے اعلیٰ جواب کا بہت بڑا اثر لوگوں کے دلوں پر ہوا۔

جب سے سید صاحب نے پنجاب میں قدم رکھا ہر ایک مقام پر دوستوں کی ملاقات اور ان سے بات چیت کرنے میں سارا دن اور آدھی رات گزر جاتی تھی۔ دوسرے لوگ تو کسی وقت علیحدہ ہو کر آرام بھی کر لیتے تھے مگر سید صاحب کو ذرا بھی فرصت میسر نہ ہوتی۔ ہم لوگوں کو نہایت اندیشہ تھا کہ ان کی طبیعت علیل نہ ہو جاوے۔

لاہور میں دوسری فروری کو سہ پہر کے وقت ایک گروہ کثیر ہندو صاحبان کا سید صاحب سے ملنے آیا۔ اس کی روداد "پنجابی" اخبار لاہور" (۶ فروری ۱۸۸۴ء) کو اس طرح چھپی :

" ۲ فروری کو سید احمد خاں صاحب کی خدمت میں آریا سماج کا ایک ڈیپوٹیشن پیش ہوا۔ ۴۰/۵۰ معزز ممبران سماج اس ڈیپوٹیشن میں شامل تھے۔ خبر پہلے سے سید صاحب کو نہیں دی گئی تھی۔ اس لیے کوئی خاص وقت مقرر نہ تھا

شریک سمجھنا اور اس اخوت کو، جس کو خدا نے قائم کیا ہے، قائم رکھنا چاہیئے۔ نہایت افسوس اور نادانی کی بات ہے کہ ہم کسی سے ایسے امر میں عداوت رکھیں جس کا اثر خود اسی تک محدود ہے اور ہم کو اس سے کچھ ضرور نقصان نہیں۔ پس ہماری قوم کی ترقی کا سبب سے اول مرحلہ یہ ہے کہ ہم آپس کی محبت سے اس عداوت و نفاق کو یکتائی اور یکجہتی سے تبدیل کریں۔ دوسرا حصہ انسان میں ابنائے جنس کا ہے، جس سے ہم کو غرض رکھنی چاہیئے، اور وہ حصہ آپس کی محبت باہمی دوستی، ایک دوسرے کی اعانت، ایک دوسرے کی ہمدردی ہے، جس کے مجموعے کا نام قومی ہمدردی ہے۔ یہی ایک طریقہ ہے جس سے خدا کے حکم کی بھی اطاعت اور آپس میں برادرانہ برتاؤ، قومی اتفاق، قومی ہمدردی قائم ہو سکتی ہے جو قومی ترقی کے لیے پہلی منزل ہے۔

اس اصول کو بڑھا کر کے اور اسی اصول کے مطابق سید احمد خاں نے ہندوؤں سے اپنا رشتہ متعین کیا:

"مگر ہم کو یہ بات بھی بھولنی نہیں چاہیئے کہ ان روحانی بھائیوں کے سوا اور بھی ہمارے وطنی بھائی ہیں گو وہ ہمارے ساتھ اس کلمے میں شریک نہیں ہیں۔ مگر بہت سے تمدنی امور ہیں جن میں ہم اور وہ مثل بھائیوں کے شریک ہیں۔ اسی زمین پر ہندوستان کی یا پنجاب کی . . . ہم دونوں رہتے ہیں . . . ہزاروں امور تمدن ایسے ہیں کہ بغیر ہمارے ان کو اور بغیر ان کے ہم کو چارہ نہیں۔ ہمسائے کا ادب ہمارے مذہب کا ایک جز ہے، اور یہی ہمسائگی وسعت پاتے پاتے ہم ملکی اور ہم وطنی کی وسعت تک پہنچ گئی ہے۔ ان ہم وطن بھائیوں میں بھی دو حصے ہیں؛ ایک خدا کا اور ایک ابنائے جنس (یعنی بنی انسان) کا۔ خدا کا حصہ خدا کے لیے رکھو اور جو حصہ ان میں ابنائے جنس کا ہے اس سے غرض رکھو۔ تمام امور انسانیت میں، جو تمدن اور معاشرت سے تعلق رکھتے ہیں، ایک دوسرے کے مددگار ہو۔ آپس میں سچی محبت، سچی دوستی، دوستانہ بردباری رکھو کہ دونوں قوموں کو ترقی کرنے کا یہی راستہ ہے۔"

یہ سچ ہے کہ کوئی قوم مذہب و غیر مذہب ایسی نہیں پائی جاوے گی جس میں باہم حسد و نفاق، عداوت اور باہمی حقارت نہ پائی جاتی ہو، مگر جس اتفاق پر ہم بحث کرتے ہیں وہ شخصی اتفاق نہیں ہے بلکہ قومی اتفاق ہے۔

آپس میں ہمارے بمقتضائے بشریت کیسا ہی نفاق ہو، جو خدا کے نزدیک ایک سخت گناہ ہے، مگر وہ قومی اتحاد اور قومی اتفاق کا مانع نہیں ہے۔ اور یہ دعویٰ حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت معاویہ ابن ابی سفیان کے ایک تاریخی واقعے سے ثابت ہوتا ہے۔

بہر کیف، اس مرد آہن کے خیراندیشی، دوستی، اعانت اور تعاون سے متعلق بھی آہنی اصول تھے اور پنجاب

جہان اقبال

رسالہ جامعہ سے بازیافت

علامہ اقبال کی نظم طلوع اسلام کی پہلی اشاعت

علوم اسلامیہ کیلئے ایک چیئر —— علامہ اقبال

سید صاحب ایک معزز دوست کی ملاقات کو سوار ہو کر نکلے تھے۔ احاطے ہی میں مجمع پر نظر پڑی۔ نہایت گرمجوشی سے اس کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنی روانگی ملتوی کرکے ڈپوٹیشن کو ڈرائنگ روم میں لے گئے۔

لالہ سنگم لال نے سید صاحب کی تشریف آوری کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ جو عزت و توقیر جو آپ کے تشریف لانے سے ہوئی گرچہ بالخصوص مسلمانوں سے متعلق ہے، مگر ہمارے ملک کے اہل ہندو بھی اس عزت کو اپنی طرف منسوب کرکے فخر کرسکتے ہیں۔ گو آپ ہندو نہیں ہیں، لیکن یہ کچھ کم فخر کی بات نہیں کہ ہمارے ملک میں آپ جیسا ریفارمر موجود ہے۔ سید صاحب کی ان خدمات کا ذکر کیا جو ممبر لجسلیٹیو کونسل کی حیثیت سے آپ نے اہل ہندو کے لیے کی تھی۔ پھر سول سروس فنڈ کے متعلق آرزو ظاہر کی کہ اس میں اہل ہندو کو بھی شامل کیا جائے۔

برہمو سماج کے ممبران کا وفد بھی اسی وفد کے ساتھ تھا جو سید صاحب سے ملا۔ اس میں لالہ رام کشن صاحب سکریٹری ہندو سبھا اور لالہ جیون داس صاحب سکریٹری آریہ سماج بھی شامل بھی شامل تھے۔ اسی کی رپورٹ ایک دوسرے اخبار "انجمن پنجاب" لاہور (۹ فروری ۱۸۸۴ء) کو شائع ہوئی۔ اس ملاقات میں لالہ سنگم لال صاحب نے اس بات کا بھی ذکر کیا کہ ہندو راجہ مہاراجہ، جن سے بہت کچھ امید کی جاتی تھی، ملک کے خیر خواہ نہ ثابت ہوئے، لیکن آپ نے حب الوطنی کو ہاتھ سے نہیں دیا، اور مفید بلوں کی استقلال سے حمایت کی۔

سید صاحب نے اہل وفد کا شکریہ ادا کیا اور کہا :

" صاحبو! وہ زمانہ اب نہیں کہ صرف مذہب کے خیال سے ایک ملک کے باشندے دو قومیں سمجھے جاویں۔" (ص ـــ ۲۰۰)

شذرات (اداریہ)

ڈاکٹر اقبال کو آج تک صرف ایک شاعر ہی نہیں بلکہ حیات ملی کے نازک پر خطر دور کا نبض شناس، درآنیوالے حوادث و آلام سے متنبہ کرنے والا پیغامبر سمجھا گیا ہے۔ خیالات کی بلندی نے جذبات کی پاکیزگی کو اعجاز بنا کر پیش کیا اور دل کی درد و تڑپ نے دنیا کو وہ چیز بخشی جو بالآخر کلام اقبال کے نام سے مشہور ہوئی۔ ڈاکٹر صاحب کی تازہ ترین تصنیف "پیغام مشرق" اگر پیغامی حیثیت میں نہیں تو اپنے شاعرانہ انداز میں اُن کی دوسری فارسی تصنیفات سے زیادہ بلند اور زیادہ موثر ہے۔ اُنھوں نے اس مجموعہ میں ملت اسلامی کے کسی ایک پہلو سے بحث نہیں کی ہے بلکہ مختلف متفرق اشعار، قطعات، رباعیات، نظموں اور غزلوں میں مشرق کی روح کو مغربی دماغ کے سامنے پیش کیا ہے تاکہ مغرب کے بعض افراد جو اپنی بلند پروازی اور وسعت خیال کے باوجود دنیائے مغرب کو تنگ پا کر فضائے مشرق کی طرف رخ کرتے ہیں اس مجموعہ سے اس کی تہہ گیر اور عدیم النظیر وسعت کا کچھ اندازہ کر سکیں اور اپنی استعداد کے مطابق اُس سے بہرہ اندوز ہو سکیں۔

پیغام مشرق درحقیقت المانوی شاعر گوئٹے کے مغربی دیوان کا جواب ہے جو آج سے قبل اقلیم سخن کے اس تاجدار نے اپنی زبان (جرمن) میں شائع کیا تھا۔ گوئٹے مشرقیت کا دلدادہ تھا، خواجہ حافظ کے علاوہ سعدی و فردوسی سے بھی اُس نے خوشہ چینی کی تھی اور فارسی شاعری سے اُس کی شیفتگی کا یہ عالم تھا کہ اپنے مجموعہ کلام کو "مغربی دیوان" کے نام سے موسوم کیا اور بعض غزلیں بھی اپنی زبان میں تصنیف کیں۔

اقبال نے اپنی جدید تصنیف کے متعلق خود ان الفاظ میں اظہار خیال کیا ہے۔

"پیغام مشرق کے متعلق جو مغربی دیوان، کے سو سال بعد لکھا گیا ہے مجھے کچھ عرض کرنے کی ضرورت نہیں۔ ناظرین خود اندازہ کر لیں گے کہ اس کا مدعا زیادہ تر ان اخلاقی، مذہبی، اور ملی حقائق کو پیش نظر لانا ہے جن کا تعلق افراد و اقوام کی باطنی تربیت سے ہے۔"

نوا پیرا ہو اے بلبل کہ ہو تیرے ترنم سے   کبوتر کے تنِ نازک میں شاہیں کا جگر پیدا

ترے سینے میں ہے پوشیدہ رازِ زندگی کہدے

مسلماں سے حدیثِ سوز و سازِ زندگی کہدے

(۳)

خدائے لم یزل کا دستِ قدرت تو زباں تو ہے   یقیں پیدا کر اے غافل کہ مغلوبِ گماں تو ہے

پرے ہے چرخِ نیلی فام سے منزل مسلماں کی   ستارے جس کی گردِ راہ ہوں وہ کارواں تو ہے

مکاں فانی مکیں آنی ازل تیرا ابد تیرا   خدا کا آخری پیغام ہے تو جاوداں تو ہے

حنا بندِ عروسِ لالہ ہے خونِ جگر تیرا   تری نسبت براہیمی ہے معمارِ جہاں تو ہے

تری فطرت امیں ہے ممکناتِ زندگانی کی   جہاں کے جوہرِ مضمر کا گویا امتحاں تو ہے

جہانِ آب و گل سے عالمِ جاوید کی خاطر   نبوت ساتھ جس کو لے گئی وہ ارمغاں تو ہے

یہ نکتہ سرگذشتِ ملتِ بیضا سے ہے پیدا   کہ اقوامِ زمینِ ایشیا کا پاسباں تو ہے

سبق پھر پڑھ صداقت کا عدالت کا شجاعت کا

لیا جائیگا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

(۴)

یہی مقصودِ فطرت ہے یہی رمزِ مسلمانی   اخوت کی جہانگیری محبت کی فراوانی

بتانِ رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا   نہ تورانی رہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی

میانِ شاخساراں صحبتِ مرغِ چمن کب تک   ترے بازو میں ہے پروازِ شاہینِ قہستانی

گمان آبادِ ہستی میں یقیں مردِ مسلماں کا   بیاباں کی شبِ تاریک میں قندیلِ رہبانی

مٹایا قیصر و کسریٰ کے استبداد کو جس نے   وہ کیا تھا زورِ حیدر فقرِ بوذر صدقِ سلمانی

ہوئے احرارِ ملت جادہ پیما کس تجمل سے   تماشائی شگافِ در سے ہیں صدیوں کے زندانی

ثباتِ زندگی ایمانِ محکم سے ہے دنیا میں   کہ المانی سے بھی پائندہ تر نکلا ہے تورانی

طلوع اسلام

از ترجمان حقیقت ڈاکٹر محمد اقبال صاحب

(۱)

دلیل صبح روشن ہے ستاروں کی تنک تابی — افق سے آفتاب ابھرا گیا دور گراں خوابی
عروق مردۂ مشرق میں خون زندگی دوڑا — سمجھ سکتے نہیں اس راز کو سینا و فارابی
مسلماں کو مسلماں کر دیا طوفان مغرب نے — تلاطم ہائے دریا ہی سے ہے گوہر کی سیرابی
عطا مومن کو پھر درگاہ حق سے ہونے والا ہے — شکوہ ترکمانی ذہن ہندی نطق اعرابی
اثر کچھ خواب کا غنچوں میں باقی ہے تو اے بلبل — نوا را تلخ تر می زن چو ذوق نغمہ کم یابی
تڑپ صحن چمن میں آشیاں میں شاخساروں میں — جدا پارے سے ہو سکتی نہیں تقدیر سیمابی
وہ چشم پاک بیں کیوں زینت برگستواں دیکھے — نظر آتی ہے جس کو مرد غازی کی جگر تابی

ضمیر لالہ میں روشن چراغ آرزو کر دے
چمن کے ذرے ذرے کو شہید جستجو کر دے

(۲)

سرشک چشم مسلم میں ہے نیساں کا اثر پیدا — خلیل اللہ کے دریا میں ہونگے پھر گہر پیدا
کتاب ملت بیضا کی پھر شیرازہ بندی ہے — یہ شاخ ہاشمی کرنے کو ہے پھر برگ و بر پیدا
ربود آں ترک شیرازی دل تبریز و کابل را — صبا کرتی ہے بوئے گل سے اپنا ہم سفر پیدا
اگر عثمانیوں پر کوہ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے — کہ خون صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا
جہانبانی سے ہے دشوار تر کار جہاں بینی — جگر خوں ہو تو چشم دل میں ہوتی ہے نظر پیدا
ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے — بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

(۷)

تو رازِ کن فکاں ہے اپنی آنکھوں پر عیاں ہو جا
خودی کا رازداں ہو جا خدا کا ترجماں ہو جا

ہوس نے کر دیا ہے ٹکڑے ٹکڑے نوعِ انساں کو
اخوت کا بیاں ہو جا محبت کی زباں ہو جا

یہ ہندی وہ خراسانی یہ افغانی وہ تورانی
تو اے شرمندۂ ساحل اچھل کر بیکراں ہو جا

غبار آلودۂ رنگ و نسب ہیں بال و پر تیرے
تو اے مرغِ حرم اڑنے سے پہلے پرفشاں ہو جا

خودی میں ڈوب جا غافل یہ سرِّ زندگانی ہے
نکل کر حلقۂ شام و سحر سے جاوداں ہو جا

مصافِ زندگی میں سیرتِ فولاد پیدا کر
شبستانِ محبت میں حریر و پرنیاں ہو جا

گزر جا بن کے سیلِ تند رو کوہ و بیاباں سے
گلستاں راہ میں آئے تو جوئے نغمہ خواں ہو جا

ترے علم و محبت کی نہیں ہے انتہا کوئی
نہیں ہے تجھ سے بڑھ کر سازِ فطرت میں نوا کوئی

(۸)

ابھی تک آدمی صیدِ زبونِ شہریاری ہے
قیامت ہے کہ انساں نوعِ انساں کا شکاری ہے

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیبِ حاضر کی
یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے

وہ حکمت ناز تھا جس پر خردمندانِ مغرب کو
ہوس کے پنجۂ خونیں میں تیغِ کارزاری ہے

تدبر کی فسوں کاری سے محکم ہو نہیں سکتا
جہاں میں جس تمدن کی بنا سرمایہ داری ہے

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

خروش آموز بلبل ہو گرہ غنچے کی وا کر دے
کہ تو اس گلستاں کے واسطے بادِ بہاری ہے

پھر اٹھی ایشیا کے دل سے چنگاری محبت کی
زمیں جولانگہ اطلس قبایانِ تتاری ہے

بیا پیدا خریدار است جانِ ناتوانے را
پس از مدت گزر افتاد بر ما کاروانے را

جب اس انگارۂ خاکی میں ہوتا ہے یقیں پیدا
تو کر لیتا ہے یہ بال و پرِ روح الامیں پیدا

(۵)

غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں
جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زورِ بازو میں؟
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

ولایت پادشاہی علمِ اشیا کی جہانگیری
یہ سب کیا ہیں فقط اک نکتۂ ایماں کی تفسیریں

براہیمی نظر پیدا مگر مشکل سے ہوتی ہے
ہوس چھپ چھپ کے سینوں میں بنا لیتی ہے تصویریں

تمیزِ بندہ و آقا فسادِ آدمیت ہے
حذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

حقیقت ایک ہے ہر شے کی خاکی ہو کہ نوری ہو
لہو خورشید کا ٹپکے اگر ذرہ کا دل چیریں

یقیں محکم عمل پیہم محبت فاتحِ عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

چہ باید مرد را طبعِ بلندے مشربِ نابے
دلِ گرمے نگاہِ پاک بینے جانِ بیتابے

(۶)

عقابی شان سے جھپٹے تھے جو بے بال و پر نکلے
ستارے شام کے خونِ شفق میں ڈوب کر نکلے

ہوئے مدفونِ دریا زیرِ دریا تیرنے والے
طمانچے موج کے کھاتے تھے جو بن کر گہر نکلے

غبارِ رہگزر ہیں کیمیا پہ ناز تھا جن کو
جبینیں خاک پر رکھتے تھے جو اکسیر گر نکلے

ہمارا نرم رو قاصد پیامِ زندگی لایا
خبر دیتی تھیں جن کو بجلیاں وہ بے خبر نکلے

حرم رسوا ہوا پیرِ حرم کی کم نگاہی سے
جوانانِ تتاری کس قدر صاحب نظر نکلے

زمیں سے نوریانِ آسماں پرواز کہتے تھے
یہ خاکی زندہ تر پایندہ تر تابندہ تر نکلے

جہاں میں اہلِ ایماں صورتِ خورشید جیتے ہیں
اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے

یقیں افراد کا سرمایۂ تعمیرِ ملت ہے
یہی قوت ہے جو صورت گرِ تقدیرِ ملت ہے

علامہ اقبال

علوم اسلامیہ کیلئے ایک چیئر

" آج وقت کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے۔ کہ اسلامی علوم کی تحقیق کے لیے لاہور کے اسلامیہ کالج میں ایک چیئر قائم کی جائے جہاں جدید طریقوں کے مطابق ریسرچ ہونی چاہیئے۔ اسلامی تاریخ فقہ، دینیات اور تصوف سے جس قدر جہالت پنجاب میں برتی جارہی ہے اور اس جہالت سے جس قدر فائدہ غرض مند لوگوں نے پنجاب میں اٹھایا ہے اس کی مثال ہندوستان بھر میں کہیں نہیں ملتی۔

" اب وقت آگیا ہے کہ اسلامی فکر اور اسلامی طرز حیات کا بغور مطالعہ کریں کہ ہم عوام کو بتائیں کہ اسلام کا اصل مقصد کیا تھا اور اس مقصد اور پیغام کو کس طرح تہہ در تہہ پردوں میں چھپا دیا گیا ہے۔ نیز یہ کہ ہندوستان کے اندر موجودہ اسلام کی روح کو کیونکر مسخ کیا گیا ہے۔ ان پردوں کو اب اٹھانا چاہیئے۔ تاکہ نئی نسل کے نوجوان اسلام کی حقیقی شکل و صورت سے آگاہ ہوسکیں۔

(۹)

بیا ساقی نوائے مرغِ زار از شاخسار آمد — بہار آمد نگار آمد نگار آمد قرار آمد

کشید ابرِ بہاری خیمہ اندر وادی و صحرا — صدائے آبشاراں از فرازِ کوہسار آمد

سرت گردم تو ہم قانونِ پیشیں ساز دہ ساقی — کہ خیلِ نغمہ پردازاں قطار اندر قطار آمد

کنار از زاہداں برگیر و بیباکانہ ساغر کش — پس از مدت ازیں شاخِ کہن بانگِ ہزار آمد

بہ مشتاقاں حدیثِ خواجۂ بدر و حنین آور — تصرف ہائے پنہانش بچشمم آشکار آمد

دگر شاخِ خلیلؑ از خونِ ما نمناک میگردد — ببازارِ محبت نقدِ ما کامل عیار آمد

سرِ خاکِ شہیدے برگہائے لالہ می پاشم — کہ خونش با نہالِ ملتِ ما سازگار آمد

"بیا تا گل بیفشانیم و مے در ساغر اندازیم
فلک را سقف بشگافیم و طرحِ دیگر اندازیم"

(رسالہ جامعہ: مارچ ۱۹۹۳ء)

جہانِ پریم چند

- پریم چند کے زمانے میں اردو اور ہندی
  — پریم چند کے خطوط سے اقتباس
- منشی پریم چند نے بھی ہم سے منہ موڑا
  — پریم چند کے بارے میں ساقی کے ایڈیٹر شاہد احمد کی ایک تحریر
- پریم چند کی شبیہ
  — عمل: مرزا فہیم چغتائی
- افسانوں میں مشاہدے کی ضرورت
  — پریم چند کا ایک بھولا بسرا مضمون — ساقی سے

"مسلمانوں ہی کے لیے نہیں بلکہ غیر مسلموں کے لیے بھی یہ ادارہ بے حد
مفید ثابت ہوگا۔ کیونکہ اسلام ایک طرف ایشیا کے باشندوں کی
زندگی میں ایک زبردست عنصر کی حیثیت سے کار فرما رہا ہے تو
دوسری طرف اس نے نوع انسانی کے ذہنی اور مذہبی انقلاب
میں بڑا نمایاں حصّہ لیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ میری اس تجویز کو
پنجاب کے وزیر اعظم پسند فرمائیں گے اور اپنے اثر و رسوخ سے اسے
کامیاب بنانے کی کوشش بھی کریں گے۔ تاہم میں ایک سو روپے کی حقیر
رقم اس مجوزہ فنڈ کی نذر کرتا ہوں" لے

(بحوالہ اقبال کے آخری دو سال ص ۵۶۸ - ۵۶۹)

پریم چند کے زمانے میں اردو اور ہندی

زبان کے متعلق میرے خیال سے آپ کو اتفاق ہے۔ یہ باعث اطمینان ہے۔ ابھی کل لکھنؤ گیا تھا۔ وہاں ظفر الملک صاحب سے ملاقات ہوئی نہیں اس خیال سے اختلاف ہے۔ ان کا خیال ہے کہ اب اردو اور ہندی اپنی شخصیتوں کا اس قدر ارتقا کر چکی ہیں کہ اب ان میں اتحاد کی کوئی صورت پیدا نہیں ہو سکتی۔ اس خیال میں صداقت ہے۔ اس میں شک نہیں۔

آج کل میں ہنس کے لیے مواد اکٹھا کر رہا ہوں۔ شاید آپ کو پتہ ہوگا کہ اگلے مہینے سے یہ ہندوستانی ادب کا رسالہ بن کر شائع ہونے جا رہا ہے۔ اس میں ہندوستان کی مختلف زبانوں کے سرکردہ ادیبوں کے مضامین ہوں گے

مجھے یہ جان کر دکھ ہوا۔ کہ 'وشال بھارت' اب سستی گھاٹے میں جا رہا ہے۔ کتنے افسوس کا مقام ہے کہ پہلا ہندی اخبار، جسے ہندی کا سب سے اعلیٰ ماہنامہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس کی یہ حالت ہو۔ کیا یہی ہماری ترقی یافتہ ذہنیت کا معیار ہے؟ اردو کے اخبار بازی لیے جا رہے ہیں،

پچاس سے بھی زیادہ بلند پایہ اردو ماہنامے نکلتے ہیں۔ اور اُن میں سے ایک بھی ایسا نہیں جو دو روپیہ یا ڈھائی روپیے قیمت کا پانچ سو صفحوں کا سالنامہ نہ نکالتا ہو۔ یقیناً ان کا ادبی ذوق بہتر ہے۔ وہ حوصلہ افزائی کرنا جانتے ہیں۔ ہندی شاعری ابھی تک انفرادی اور جذباتی ہے۔ ہماری شاعری اس جدو جہد کی آئینہ دار ہے جو ہمیں زندگی میں درپیش ہے۔ نہ اس میں کوئی تڑپ ہے نہ ہی یہ زندگی بخش ہے۔ یہ آپ کو مایوس بنا سکتی ہے اور کچھ نہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تمام شاعروں پر یاس کا فلسفہ کیوں طاری رہتا ہے۔ اردو کے شاعروں کا رویہ فلسفیانہ، حقیقت پسندانہ اور رجائیت پر مبنی ہے۔ ان کے نصف درجن شاعر مسلم قوم کو اخوت، مساوات اور جمہوریت کے لئے اصولوں کے سانچے میں ڈھال رہے ہیں۔ مسلمان شاعر کمیونسٹ ہے، اقبال تک۔

پریم چند کے خطوط

افسانوں میں مشاہدے کی ضرورت

جب تک ہم صرف خیالی افسانے لکھا کرتے تھے اس وقت تک ہمیں مشاہدہ فطرت کی ضرورت اتنی شدت سے محسوس نہ ہوتی تھی۔ ہمارے ادب کو واقعیت نگاری کا دعویٰ نہ تھا کہ اسے زندگی سے کوئی بحث تھی۔ اس کا ایک بندھا ہوا پلاٹ تھا بندھے ہوئے کردار تھے، خفیف سے تغیر کے ساتھ نیا افسانہ بن جاتا تھا۔ افسانہ نگار نے چاہے میدان جنگ کو خواب میں بھی نہ دیکھا ہو مگر اس کا ہیرو میدان میں جا کر قیامت برپا کر دیتا تھا۔ بادشاہوں کے دربار اور حرم سرا کی تصویریں بالکل فرضی طور پر کھینچ دی جاتی تھیں۔ اور چونکہ پڑھنے والے بھی حالات اور معاملات سے اتنے ہی بے خبر ہوتے تھے، افسانہ نگار کو اپنے طرز عمل میں اصلاح کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ افسانہ بھی زندگی سے کوئی تعلق رکھ سکتا ہے! یہ ذہن میں آتا ہی نہ تھا۔ افسانہ تو افسانہ ہے۔ اسے اصلیت کا منت کش کیوں بننا پڑے۔ یہ نہیں کہ ان افسانوں میں جذبات کو متاثر کرنے کی قابلیت یکسر معدوم تھی۔ ہنسنے کے لئے تو واقعیت کی ضرورت ہے ہی نہیں۔ جتنی ہی بے سر پیر کی بات ہوگی، اور اصلیت سے جتنی ہی دور، اتنی ہی زیادہ مضحکہ خیز ہوگی۔ مبالغہ جب انتہا تک پہونچ جاتا ہے تو مایۂ ظرافت بن جاتا ہے۔ جذبۂ غم کی تحریک بھی بسا اوقات واقعہ نگاری سے بے نیاز ہوتی ہے۔ اس کا ہم میں کو ذاتی تجربہ ہوگا کہ کسی عزیز کی میت پر ان کی آنکھوں سے چاہے آنسو نہ نکلے ہوں لیکن افسانے میں منظرِ درد آ جانے پر وہ آنسوؤں کو نہ روک سکے ہوں گے۔ سبب یہی ہے کہ افسانے کو زیادہ دردناک، زیادہ رقت انگیز بنا دیا گیا ہے۔ یعنی درد کے اظہار میں بھی مبالغہ سے کام لیا گیا؟ ادیب نے جتنی شدت سے درد کو محسوس کیا ہے اس کا قلم زیادہ پُرتاثیر ہو گیا ہے۔ مگر ادب کے اور اصناف کی طرح افسانہ کا کام بھی اب محض جذبات کو متاثر کرنا نہیں ہے۔ اسے عقل سے بھی خطاب کرنا ہے۔ آج کا افسانہ محض جذباتی نہیں، عقلی اور فکری بھی ہوتا ہے۔ بلکہ اس میں عقلیت کا عنصر غالب ہوتا ہے۔ افسانہ تو خیر نثر ہے، نظم بھی اب محض جذبات سے اپیل نہیں کرتی۔ اسے بھی عقل و فکر تک پہونچنے کی ضرورت معلوم ہوتی ہے۔ دشت اور مجنوں اور ساقی و ساغر اب بھی وہی ہیں۔ لیکن ان میں اب کچھ پیغام ہے، کچھ تحریک ہے۔ مثلاً ؎

تیز رکھیو سرِ ہر خار کو اے دشتِ جنوں   شاید آ جائے کوئی آبلہ پا میرے بعد

اس شعر میں زندگی کے لئے کوئی پیغام نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ اسے ایک کیفیت کہہ سکتے ہیں یعنی دنیا کا کام بدنصیبوں یا مظلوموں کو ستانا ہے اور اسے اس کام میں ذرا بھی نرمی کرنے کی ضرورت نہیں۔ مگر اقبال کے اس شعر میں ؎

در دشتِ جنوں من جبریل زبوں صیدے   یزداں بہ کمند آور اے ہمتِ مردانہ

دشتِ جنوں محض خار دار بیاباں نہیں ہے، میدانِ عمل ہے۔ اس میں نفس کے استحکام کی وہ تلقین ہے جس کی ضرورت آج ہر ایک شخص محسوس کر رہا ہے۔ کیونکہ عصرِ حاضر کا ادیب اور شاعر تخیلات اور کیفیات کو کسی عظیم تر مقصد کا ذریعہ بناتا ہے۔ مقصد نہیں سمجھتا۔

اگر ہم ذرا غور کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ یہ سلسلہ قانون اور سیاست اور ادب اور قسمت اور مذہب اور تصوف عالی دماغ مفکروں کے باہم فکر کا نتیجہ ہے۔ اور ان کا منشا اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ انسان کی زندگی عافیت اور آسائش سے گزرے۔ جب سے انسان میں غور و فکر کی قوت پیدا ہوئی اس کی ساری ذہنی کاوش اسی مرکز پر مرکوز رہی ہے کہ انسان کی زندگی کیونکر خیر و برکت کا منبع بن جائے۔ انسان کسی زمانے میں بھی فرشتہ نہ تھا۔ اس نے جس فطرت کے آغوش میں پرورش پائی تھی اس کا سب سے مسلّم قانون تھا طاقت۔ جس کے پاس طاقت تھی وہ حکمران تھا، کمزور محکوم تھے۔ انسان نے بھی اسی قانون کو اپنی زندگی کی مشعل بنایا۔ مگر اسے بہت جلد معلوم ہوا کہ اس اصول کے ماتحت انسان کی زندگی جنگل کے ہرنوں اور خرگوشوں کی زندگی سے زیادہ پائدار نہیں ہے۔ اس کے مفکروں کو ایک ایسے نظام کی ضرورت معلوم ہوئی جس میں ایک طرف خونخوار درندوں سے اس کی حفاظت ہو سکے، دوسری طرف اپنی ہی نوع کے خونخوار انسانوں سے۔ مگر اس تمدن کا نتیجہ خاطر خواہ نکلتے نہ دیکھ کر اس نظام میں ترمیم شروع کی۔ اور جوں جوں تجربہ ہوتا گیا اور قوائے ذہنی ارتقا پاتے گئے ترمیم کا یہ سلسلہ برابر جاری رہا۔ اور اب تک جاری ہے اور

منشی پریم چند مرحوم

نازل ہوا وہ قہر صحافت پہ الاماں - مجبور تھی بیان سے جسکے مری زباں
تحریر کرنی چاہی جو میں نے یہ داستاں - داماں قدس بھیگیا قرطاس ناگہاں
خامہ بہاکے خون جگر غم میں رہ گیا
منشی پریم چند کے ماتم میں رہ گیا

مرزا فہیم چغتائی

بن جاتی تھی اور ان کیفیتوں اور اُس نشہ خیز مکالمے کو قلمبند کر لیتی تھی۔ اگر اُس نے قوت مشاہدہ کی مشق کی ہوتی تو سب کچھ اُس کے
دل میں خود بخود منعکس ہو جاتا اور اُسے قلمبند کرنے کی ضرورت نہ پڑتی۔ جذبات کو تو آپ مبالغہ سے دُور الفاظ کی رنگینی سے یا تکرار سے
متاثر کر سکتی ہیں۔ لیکن عقل اور فکر کو آپ مشاہدے سے ہی یقین دلا سکتے ہیں صنعت اور تخیل میں جسم اور جان کا تعلق ہے۔ مگر تخیل مشاہدے کو
ہمارا رفیق بنائے تو وہ اور بھی روشن اور زندہ ہو جاتا ہے۔

افسانہ کا سارا جادو محض اس امر پر مبنی ہے کہ وہ قاری کو افسانہ نہ معلوم ہو کر واقعہ معلوم ہو۔ یہی مغالطہ اس کا کمال ہے۔ اور افسانہ نگار کی
قوت مشاہدے کے تناسب سے اس کے افسانے میں مغالطہ پیدا کرنے کی قوت بڑھتی یا گھٹتی ہے۔ ابھی تک تو افسانہ نگاری کی دُنیا محدود تھی۔ وہ
زیادہ تر متوسط درجے کے مہذب طبقہ کی زندگی کا ترجمان تھا اور چونکہ وہ خود اسی جماعت کا ایک فرد تھا اُسے اس جماعت کی حقیقت نگاری
مقابلۃً آسان تھی۔ لیکن ہمارا دائرۂ انسانیت روز بروز وسیع ہوتا جاتا ہے۔ اب ہم سمجھنے لگے ہیں کہ جھونپڑوں اور سڑکیوں کے نیچے رہنے والے
بھی انسان ہیں اور بسا اوقات محلوں میں رہنے والے انسانوں سے بہتر انسان ہیں۔ ہم اگر ادیب ہیں اور فراخ نظری ادیب کی پہلی شرط ہے
تو ہم نافہ کش برہنگی کی طرف سے آنکھیں نہیں بند کر سکتے۔ لیکن اگر ہم نے اپنے طبقے کے باہر کی زندگی کا مشاہدہ نہیں کیا ہے، اس کی جزئیات
پر غائر نظر نہیں ڈالی ہے، اُسے کبھی اعتنا کے قابل نہیں سمجھا ہے، تو ہم اس زندگی کی بولتی ہوئی تصویریں نہیں کھینچ سکتے۔ ادیب کے لئے یہ لازم
ہے کہ اُس کی انسانیت وسیع ہو، کامل صناع شجر و حجر میں بھی انسانی جذبات کا جلوہ دیکھتا ہے۔ وہ اپنی انسانیت کی روشنی سے اس میں بھی انسانیت
کی روشنی پیدا کر دیتا ہے۔ بقول حکیم عبدالوالی صاحب، صناعی نام ہے بشر گری کا۔ جو ہر ایک شے کو بشری کیفیات سے منور کر دیتی ہے۔ پھر انسانوں کو
صاحب کیوں اسکے فیض سے محروم رہے۔

یہ ضرب المثل صداقت سے بالکل خالی نہیں ہے کہ حقیقت افسانے سے عجیب تر ہوتی ہے۔ اگر ہم زندگی کے مختلف پہلوؤں کا مشاہدہ
کریں تو ہمیں اس کہاوت کی سچائی اور بھی واضح ہو جائے گی۔ کیرکٹروں میں جان ڈالنے کے لئے تو مشاہدے کی قدم قدم پر ضرورت پڑتی ہے۔
آپ ایک قدم بھی آگے نہیں رکھ سکتے۔ ہم اکثر کیرکٹروں کا سنی سُنائی روایتوں کی بنا پر قیاس کر لیا کرتے ہیں۔ سود خوار مہاجن یا رشوت خوار
... رنگین مزاج رئیس ہمارے افسانوں میں اکثر آتے ہیں۔ مگر غور سے دیکھئے تو سب کے سب یکساں۔ اس میں اپنی شخصیت نہیں ہوتی۔ وجہ یہی ہے
کہ افسانہ نگار نے مشاہدہ سے کام نہیں لیا۔ ممکن نہیں کہ آپ کوئی کیرکٹر ذاتی مشاہدے سے کھینچیں اور اس میں اس کی انفرادیت چمک نہ اُٹھے۔
ایسے دو چار کیرکٹر آپ کو سرشار مرحوم کے ناولوں میں ملیں گے۔ بالخصوص شرابیوں کی تصویر کھینچنے میں تو اُنہیں کمال حاصل تھا۔ جلسہ اول کے
ذریعے جو مناظر اُنہوں نے کھینچے ہیں وہ مشاہدے کے بغیر ناممکن تھے۔ یہ جزرسی یہ تیقن مشاہدے کے بغیر پیدا ہی نہ ہو سکتا تھا۔ جب تک
ہمارے افسانے حقائق زندگی سے بحث نہ کرتے تھے ہمارے اوپر کوئی ذمہ داری نہ تھی۔ لیکن اب تو ہمیں خصلت انسانی کا مطالعہ کرنا ہے مختلف
حالتوں میں اس پر کیا کیا رنگ نمایاں ہوتے ہیں اس کا نوٹ کرنا ہے۔ افسانوی کرداروں میں جنہیں بقاء دوام حاصل ہوا ہے وہ سب زندگی
سے لئے گئے ہیں۔ مصنف نے اُن کے اصلوں کا باریک نظر سے مشاہدہ کیا ہے۔ ان کی پبلک لائف بھی دیکھی ہے، خانگی زندگی بھی دیکھی
ہے۔ ہمسروں سے ان کا کیا برتاؤ ہے، اور ماتحتوں کے ساتھ کیا برتاؤ ہے اس کا موازنہ کیا ہے۔ ان کے مُنہ سے نکلے ہوئے الفاظ تک نوٹ
کر لئے گئے ہیں۔ اس طرح افسانوں میں ذی حیات کیرکٹر آتے ہیں۔ آپ اپنے کیرکٹر کو عدالت میں لے جاتے ہیں لیکن اگر عدالت کا آپ نے مشاہدہ
نہیں کیا ہے تو آپ وہاں کی تفصیلات نہ دے سکیں گے۔ اگر آپ کا ہیرو کوئی فوجی سپاہی ہے تو جب تک آپ نے سپاہیوں کی بیرک کی زندگی کا مشاہدہ
نہ کیا ہو آپ اُس کی زندگی کی تصویر کیونکر کھینچیں گے۔ یہی مشاہدے کا فقدان ہے۔ جس کے باعث ہمارے افسانوں میں تنوع نہیں
آنے پاتا۔

اور مشاہدے کی سب سے بڑی اہمیت تو وہ وسعت نگاہ ہے جو اس سے ہمیں حاصل ہوتی ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ مشاہدے کے
تناسب سے ہی آپ کی ہمدردیاں بھی وسیع ہوتی جاتی ہیں۔ ہم پہلے ہی یہ عرض کر چکے ہیں کہ ادیب بھی مفکر ہے اور کوئی مفکر ایسا نہیں جس کی روح
... دائرہ سے بغاوت نہ کرتی ہو۔ وہ اس کی تحقیق کرنا چاہتا ہے کہ نظام تمدن میں مذہبی پیشواؤں اور فلاسفروں اور ... کی

اس وقت تک قائم رہے گا جب تک کہ انسانی حیات کا یہ منشا نہ پورا ہوگا کہ ہر ایک آدمی آسائش اور آرام سے زندگی بسر کر سکے۔ اسی حقیقت کو مذہبی الفاظ میں یوں ادا کر سکتے ہیں کہ جب تک کثرت وحدت میں نہ مل جائے جنہیں اس خیال سے زیادہ تقویت ہوتی ہو کہ مذاہب خدا کی جانب سے نازل ہوئے اور پیغمبروں یا اوتاروں کے ذریعے نازل ہوئے ان سے ہمیں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ہم مفکر کو بھی پیغمبر یا اوتار کہنے میں کوئی برائی نہیں سمجھتے۔ بدھ اور عیسیٰ اور محمد اگر دنیا کے بزرگ ترین تین مفکر مان لئے جائیں تو میرے خیال میں ان کے رتبے میں کوئی فرق نہیں آتا۔ اور نہ ارسطو اور افلاطون یا گوتم اور کپل کو پیغمبر یا اوتار کہنے سے ان کا درجہ اونچا ہوتا ہے۔ یہ بھی مفکر تھے اور اپنی اپنی بصیرت اور فکر کے مطابق نفس انسانی کو ایسے سانچے میں ڈھال دینا چاہتے تھے کہ اس کی ناہمواریاں مٹ جائیں، اس کی خباثتیں دور ہو جائیں۔ اس میں ہمدردی اور اخوت کا احساس پیدا ہو اور اس نئی فضا میں بشریت تکمیل حاصل کر سکے۔

ہر ایک اپنی فکر و بصیرت کے لحاظ سے سرگرم کار رہا۔ کسی نے قوائے ذہنی کو انسانی فطرت کا مصلح سمجھا اور فلسفہ لکھا۔ کسی نے انسان کے دل میں چھپے ہوئے جذبۂ خوف میں اصلاح کی قوت پوشیدہ دیکھی اور سیاست کی تدوین کی۔ کسی نے اس کمزوری اور ضعف کی طرف رجوع کیا جو فطری حوادث نے ہر ایک انسان کے دل میں پیدا کر دیا تھا اور مذہب کی ایجاد کی۔ اور ایک گروہ ان مفکروں کا بھی تھا جو انسان میں احساس حسن کو بیدار کر کے اس کی بشریت کی تکمیل کرنی چاہتے تھے۔ انہوں نے صنعت اور ادب کی تخلیق کی۔ اس طرح ان سبھی جماعتوں کا منشا واحد تھا۔ صرف ان کے لائحہ عمل میں فرق تھا۔ ہر ایک اپنی فطری خصوصیات کے زیر اثر اپنا دائرۂ عمل اختیار کر لیتا تھا۔ صنعت صنعت کے لئے یا آرٹ آرٹ کے لئے اتنا ہی بے معنی اصول ہے جتنا مذہب مذہب کے لئے، یا فلسفہ فلسفہ کے لئے۔ یا سیاست سیاست کے لئے۔ مذہب، سیاست اور فلسفہ کی طرح ہی ادب اور صنعت بھی بشریت کی تکمیل کو اپنی غایت سمجھتی ہے۔ جس طرح اور وسائل تکمیل کے لئے دل و دماغ کی بیداری لازمی ہے اسی طرح ادب کے لئے بھی۔ جس طرح بہترین سیاست وہ ہے جس میں انسان کسی طرح کا دباؤ اور جبر محسوس نہ کرے۔ بہترین مذہب وہ ہے جس میں مذہبیت اور رسوم کی قیدیں نہ ہوں، اسی طرح بہترین ادب بھی وہی ہے جس میں اس کا اخلاقی پہلو اس طرح مدغم ہو گیا ہو کہ خواہ مخواہ ہماری توجہ کو اپنی جانب نہ کھینچے۔ اور افسانہ ادب کا ایک جزو ہونے کے باعث اس پر بھی یہی شرط عائد ہوتی ہے۔ انسان جو کچھ کھاتا ہے اس کی لذت کے اعتبار سے سمجھدار باورچی دیتا ہے؟ جو لذت کے ساتھ غذائیت کا بھی لحاظ کرے۔ اگر کھانے میں لذت ہوئی اور غذائیت نہ ہوئی تو کھانے کا منشا ہی فوت ہو جائیگا۔

تو جب افسانے کا اثر محض جذبات تک محدود نہیں ہے بلکہ عقلیت اور فکریت بھی اس کے احاطے میں آجاتی ہے تو اسے ان وسائل سے کام لینا پڑیگا جن کے بغیر عقل اور فکر تک رسائی محال ہے۔ اور مشاہدہ ان وسائل میں بہت ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ احساسات کے ذریعے ہمارے تجربات میں روز بروز اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اور بغیر کسی ارادی کوشش کے بھی ہماری قوت مشاہدہ کچھ نہ کچھ کام کرتی رہتی ہے۔ لیکن افسانے نے اب پختگی کا وہ درجہ حاصل کر لیا ہے جب محض غیر ارادی اور اتفاقی مشاہدے سے ہم زندگی کی گوناگوں کیفیات کی ترجمانی کرنے سے قاصر ہیں۔ عام مذاق بھی اب زیادہ نکتہ رس ہو گیا ہے۔ اس کے مطالبے روز بروز بڑھتے جاتے ہیں۔ وہ چاہتا ہے افسانے میں جہاں کیفیات کی عکاسی کی گئی ہو ان کی بنیاد مشاہدے پر ہو۔ محض تخیل یا قیاس آرائی سے اس کا بہت زیادہ امکان رہتا ہے کہ ہم غلطی کر جائیں۔ ہم مانتے ہیں کہ صنعت محض فوٹوگرافی نہیں ہے۔ مگر صحیح تصویر کے لئے یہ لازمی ہے کہ مصور اعضا کے تناسب کا صحیح علم رکھتا ہو۔ کیفیات کے زیر اثر صورت کی تبدیلیوں سے واقف ہو۔ ورنہ بہت ممکن ہے کہ وہ غصہ کی صحیح تصویر نہ کھینچ کر رنج کی تصویر کھینچ ڈالے۔ افسانے میں افسانہ نگار کو حسب ضرورت قلب کی ہر ایک کیفیت کی نقاب کشائی کرنی پڑتی ہے۔ اگر اس نے باقاعدہ قوت مشاہدہ کی مشق نہیں کی ہے تو وہ صحت کے یقین کے ساتھ ان کیفیات کی تصویر نہیں پیش کر سکتا۔ کامیاب افسانہ نویس کو دیکھنا پڑے گا کہ ایک خاص کیفیت کے زیر اثر انسان کے حرکات و سکنات میں، بشرہ میں، انداز گفتگو میں، کیا تبدیلیاں نمودار ہو جاتی ہیں۔ اسے ہر ایک طبقے اور پیشے کو نظر امتحان سے دیکھنا پڑے گا اور ان تصاویر کو پردۂ دماغ پر محفوظ رکھنا پڑے گا۔ ہم نے لارنس کے ایک ناول میں پڑھا تھا کہ کس طرح ایک حسینہ معاشقے کے دوران میں یکایک ایک لمحہ کے لئے اپنے کمرے

بہان آزاد

صدیوں کی کاوش کے باوجود آج بھی کیوں وہی تنگدلی اور کج نگاہی چلی آتی ہے۔ آج بھی کیوں انسان انسان کا دشمن ہے۔ بھائی بھا
کا دشمن ہے۔ کیوں اس میں خلوص اور محبت نہیں ہے۔ وہ کیسا ادب ہے جسکی روح ان حالات سے منغص نہیں ہوتی، اور جس کے دل
میں ان حالات کا خاتمہ کر دینے کا اشتعال پیدا نہیں ہوتا۔ انسان فطرتاً نہ نیک ہے نہ بد۔ وہ نظام تمدن کا کھلونا ہے۔ جس نظام میں سارا
اقتدار اور اختیار مٹھی بھر آدمیوں کے ہاتھ میں ہے، جہاں دولت ہی زندگی کی سب سے بڑی آرزو ہے، جہاں مذہبی رسوم کی پابندی ہی ا
میں اپنی پارسائی کا غرور پیدا کرنے کے لئے کافی ہے۔ جہاں وہی انسان کامیاب سمجھا جاتا ہے جو زیادہ سے زیادہ دولت اور جائداد
چھوڑ کر مر جائے۔ جہاں ستاروں کے لئے یہ موقعے حاصل ہیں کہ وہ ضعیف الاعتقادوں کو الٹے استرے سے مونڈ سکیں، جہاں
مذہب کا وجود محض فرقہ بندی اور دل آزاری کے لئے ہے، جہاں انسان کا خون کرنا ہی عین عبادت الٰہی ہے۔ ایسی دنیا میں رکھ کر
شخص کے دل میں اس زبوں حالی کی جستجو نہ ہو۔ وہ اس کی تہ میں بیٹھ کر اصل حقیقت دریافت نہ کرے وہ اور کچھ ہو اس پر ادیب کا اطلاق
نہیں ہو سکتا۔ فیشن ایبل سوسائٹی کی عاشقی معشوقی روایات پارینہ میں ہیں۔ پرانے بادشاہوں کے عیش و عشرت کے افسانے لکھ کر یا راجپوتوں کی
بہادری اور سرفروشی کے قصے لکھ کر آپ تحسین پا جائیں مگر آپ کا بیچین دل کہاں ہے؟۔

اور آپ غور کریں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اس ساری خرابی کی بنیاد ہے ہماری انفرادیت۔ یہی انسانی تہذیب کا
ہے۔ اسی انفرادیت کی بدولت عدالتیں قائم ہیں، جرائم روز بروز بڑھ رہے ہیں، افلاس عالمگیر ہوتا جاتا ہے۔ جہاں انسان نے
اُس سے زیادہ کے لئے ہاتھ پھیلایا جتنی اُسے ضرورت ہے اور وہیں انسانیت نے اُس کا ساتھ چھوڑا۔ مفکروں کے ساتھ آج کا ادیب
بھی اسی فکر میں غوطے کھا رہا ہے کہ اس انفرادیت کی جڑ کھود کر کیسے پھینک دے۔ وہ تمام اسباب جن سے انفرادیت کو قوت ملتی ہے اور جرم
پاؤں پھیلاتی ہے، اور ہوس جائداد میں پیدا کرتی ہے اور اس مقصد کی تکمیل کے لئے ایسی کوئی حرامکاری نہیں ہے جو انسان نہ کر بیٹھے
ان کا ازالہ کرنا ادب کا فرض ہے اور زندگی کے مشاہدے اس کار خیر میں اسکے سچے معاون ہیں۔

پریم چند

ساقی (افسانہ نمبر) جولائی ۳۶ء

سلیمان ندوی (مرحوم)

احوالِ واقعی

ذیل میں ہم مشہور عالم سید سلیمان ندوی مرحوم کا ایک خط شائع کر رہے ہیں جس میں مولانا ابوالکلام آزاد کی تصانیف کے ایک اہم پہلو پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ بات ایک سے زائد بار کہی جا چکی ہے کہ مولانا مرحوم کے بعض مجموعوں میں ایسے مضامین شامل ہیں جن کے مصنف دوسرے لوگ ہیں۔ دہلی یونیورسٹی کے شعبۂ اردو کے ریڈر جناب ظہیر احمد صدیقی نے اس سلسلے میں سید سلیمان ندوی سے ایک استفسار کیا تھا اور اس کے جواب میں انھوں نے ۲۸ر جون ۱۹۵۲ء کو ایک خط لکھا تھا۔ یہ خط جناب ظہیر احمد صدیقی نے ازرہِ نوازش ہمیں عطا کر دیا ہے۔ خط کسی توضیح کا متقاضی نہیں اس لیے ہم اسے من و عن شائع کر رہے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی اس خط کا عکس بھی شائع کیا جا رہا ہے۔

اب سید سلیمان ندوی صاحب بنام ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی

کراچی

مکرم السلام علیکم

عنایت نامہ کا شکریہ۔ آپ نے جو دریافت فرمایا ہے، اس کے حقیقتِ حال عرض کی جا سکتی ہے، مگر چونکہ ایڈیٹر الہلال کے نا اور ناشناس مداحین نے اس کو فتنہ زائی کا سامان بنا لیا پہلے کل گزشتہ ہی سے ایک فتنہ ابھی اٹھ چکا ہے اس لیے متامل ہوں س تحریر کو بھی فتنہ کا نیا سامان نہ بنا لیا جائے۔ لیکن چوں کہ انت اور سنجیدگی سے ایک بات پوچھی ہے اس لیے یہ چند والہ قلم ہیں۔

ن عہد کے نوجوانوں کو شاید یہ معلوم نہ ہوگا کہ مولانا ابوالکلام شبلی اور ان کے متعلقین کے درمیان محبت اور تعاون کے کیسے تھے، جو ہمیشہ قائم رہے۔ نواب صدر یار جنگ سے بھی موصوف اور شناسائی حاصل ہوئی، وہ بھی اسی آستانہ کا فیض تھا ں اپنے طرزِ عمل سے اس سے اعراض برتتا ہے وہ حقیقت میں فراموش ہے۔ زندوں کی مدح سے مردوں کا مرثیہ زیادہ مشکل ہے، ہ سے کسی صلہ کی امید نہیں ہو سکتی۔

بہر حال مولانا ابوالکلام نے جب الہلال نکالا تو ایک ہی دو شاعروں کو اپنے لیے مددگار کی ضرورت پیش آئی۔ مولانا شبلی کو انھوں مولانا نے مجھ سے مشورہ پوچھا، میں نے ایک تازہ ندوی خواجہ صاحب ندوی کا نام پیش کیا جو انگریزی بھی جانتے تھے چنانچہ وہ بھیجے گئے اور شروع سے آخر تک وہ الہلال میں رہے۔ انگریزی عربی کے تراجم سب الہلال میں انھیں کے کیے ہیں۔ خواجہ صاحب اب بھی موجود ہیں اور اب وہ بحمد اللہ ایم اے ہیں اور کونیور مشن کالج میں عربی و فارسی کے پروفیسر ہیں۔ وہ سب حقیقتِ حال سے واقف ہیں۔

اس زمانہ میں الہلال ایک سیاسی پین الاسلامی تحریک سمجھی جاتی تھی اور مجھے حضرت الاستاذ مرحوم کی تربیت و صحبت میں اس سے دلچسپی تھی، اس لیے مولانا ابوالکلام کے کہنے سے میں مولانا شبلی کے پاس سے مولانا ابوالکلام کے پاس الہلال چلا آیا۔ اس کا ذکر آپ کو مکاتیبِ شبلی میں ملے گا۔

بہر حال چار پانچ ماہ ان کے ساتھ رہا۔ میرے ہی ساتھ میرے دوست اور ندوہ اور البیان اور وکیل کے سابق ایڈیٹر مولانا عبداللہ عمادی بھی الہلال میں آ گئے، وہ بھی چند ماہ رہے۔ ہم لوگ کوشش کرتے تھے کہ تحریر میں ابوالکلام صاحب کے طرزِ تحریر کی اتباع کریں۔ اس لیے الہلال میں جو کچھ لکھا جاتا تھا وہ اسی رنگ میں لکھا جاتا تھا۔ میرے اور عمادی صاحب کے چلے جانے کے بعد مولانا عبدالسلام صاحب ندوی جو اب دارالمصنفین کے مشہور مصنف ہیں، الہلال میں آ گئے اور آخر تک رہے۔

اب ظاہر ہے کہ ہم لوگ جو وہاں شریکِ تحریر و ادارت تھے، کچھ نہ کچھ ہر ہفتہ لکھا ہی کرتے تھے اور جو لکھا جاتا تھا وہ چھپتا بھی ہوگا۔ ورنہ بغیر کام کیے کون تنخواہ دے سکتا تھا۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ ہماری تحریروں میں ایڈیٹر صاحب کچھ اضافہ اور کچھ کمی کرتے رہتے تھے، اور

اس لیے ایسی تحریروں کو نہ ہم اپنی پوری کہہ سکتے ہیں اور نہ ایڈیٹر صاحب اپنی کہہ سکتے ہیں۔

اسی درمیان میں مسجد کانپور کے واقعہ کے زمانہ میں ایڈیٹر صاحب کسی مصلحت سے پہلے دو مہینے کے لیے مسوری تشریف لے گئے۔ ان کی غیر حاضری میں میری اور عمادی صاحب کی تحریریں ان کے تصرف کے بغیر شائع ہوئیں۔ ان تحریروں میں مشہد اکبر، تذکار نزول قرآن، قصص بنی اسرائیل وغیرہ مضامین میرے ہیں۔ اب اس وقت نہ الہلال سامنے ہے اور نہ مجموعۂ مضامین ابوالکلام۔ مگر جہاں تک یاد آتا ہے حریت اسلام کے سلسلے میں اسلام کے نظام سیاسی کا مضمون میں نے لکھا تھا جو اس سے پہلے الندوہ میں "اسلام اور اشتراکیت" کے عنوان سے چھپ چکا تھا، اس کو دوبارہ الہلال کے رنگ میں لکھا، مولانا نے اس میں انقلاب فرانس وغیرہ کے مسائل کا اضافہ فرمایا ہے۔ اسی طرح دوسرا مضمون "تاریخ حبش کے چند گم شدہ اوراق" میرا مضمون ہے جو مقریزی کے رسالہ کی تلخیص ہے۔ اس میں بھی مولا[نا] نے کچھ دخل در معقولات کر کے شائع کیا۔ اسی طرح کشف سا[ق] اسوۂ نوحی اور اسوۂ ابراہیمی وغیرہ مضامین عمادی صاحب کے ہی[ں] الحرب فی القرآن یا فی الاسلام کا مضمون عبدالسلام صاحب کا ہ[ے] انسانیت موت کے دہانے پر غالباً عبدالرزاق صاحب ملیح آبا[دی] کا مضمون ہے۔ مگر ناشرین نے ان سب کو ابوالکلام صاحب کے نا[م] سے شائع کیا ہے اس میں ابوالکلام کا قصور خاموشی کے سوا کچھ دو[سرا] نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ اپنی شہرت کے لیے ہمارے قلم کے محتاج نہی[ں] ہیں اور ہم لوگ بھی ان کے محتاج نہیں ہیں۔ مگر واقعہ واق[عہ] ہے۔ والسلام

سید سلیمان ندوی

۲۰ جون ۱۹۵۲ء

تحریک دہلی جولائی ۱۹۶۳ء

خطوطِ آزاد

ـــــ ۱۰۱ ـــــ

صدیقی الجلیل الاعز   انعم اللہ علی بلقائک

والا نامہ پہنچا، افسوس ہے کہ مجھے جناب کا وہ خط نہیں ملا۔ دفتر میں پوچھا تو
انکار کیا۔ سخت افسوس ہوا۔ کاش آپ اس کا خلاصہ مکرر لکھنے کی زحمت گوارا فرماتے۔

تاریخ عرب کے لئے حاضر ہوں لیکن آپ میری حالت سے واقف ہیں ذمہ داری
سے ڈرتا ہوں۔ سیرۃ نبویؐ کے چھپنے کی بھی گفتگو ہو رہی ہے میں سوا لکھنے پڑھنے کے
کچھ نہیں کرسکتا۔ آپ ایسا کیوں نہ کریں کہ کتاب لیتھو میں چھپوائیں اور نقشے مجھے
بھیج دیں۔ یہاں بن جائیں گے۔ ٹائپ کے لوگ خوگر بھی نہیں ہیں

علوم القرآن اتنا ہی تھا؟ اگر مزید سلسلہ مرحمت ہو تو نہایت ممنون۔
ہاں "الحریت فی الاسلام" کے چند نمبر جو آپ نے لکھے تھے، شاید آپ لے
گئے۔ انہیں ضرور ہی بھیج دیجئے۔ اسی طرح چھپ جائیں گے اور سلسلہ مکمل ہو جائیگا۔ [لہ]

ندوہ کے متعلق حسب مقدور کر رہا ہوں۔ آپ نے بہت ہی خوب کیا کہ
"وکیل" میں اپیل شائع کی۔ اس وقت ضرورت اس کی ہے کہ دیگر اخبارات میں مضامین
نکلیں۔ کاش آپ ایک دو مضمون لکھ کر "زمیندار" میں بھیج دیں۔

ابوالکلام

طبقۂ علماء سے مایوسی | میں آپ کو بتلانا چاہتا ہوں کہ موجودہ طبقۂ علماء سے خواہ مقلدین ہوں یا اہل حدیث، میں قطعاً مایوس ہوں اور اس کو قوانین اجتماع کے بالکل خلاف سمجھتا ہوں کہ ان کے مجموعہ میں کسی طرح کا انقلاب و تحول پیدا ہو۔ راہ عمل صرف ایک ہی ہے یعنی موجودہ پختہ دماغوں سے صرف نظر کرکے ایک نئی مخلوقات دماغ و فکر کی پیدا کرنا اس کے لئے مادۂ نوی صحیح اصلاحی مسلکی کی تولید ہے، اور اس کے لئے سب سے پہلے ایک خاص نیا لٹریچر مطلوب، اس کے بعد تعلیم و تربیت۔

ابوالکلام

(ماخذ: غلام رسول مہر کی کتاب 'تبرکات آزاد')

شرکت کا آپ نے ذکر کیا ہے، لیکن یہ تو کچھ تعجب انگیز نہیں۔ دونوں جگہوں کو فخالف
ل رہے ہیں اگر یہ سچ ہے کہ مولوی اشرف علی صاحب نے اس کی مخالفت کی تھی تو انکی بہت
تعریف کرنی چاہیئے۔ بلا شبہ یہ کارروائی شرعاً جائز نہ تھی۔ اذا رأیتم المداحین فاحثوا
فی وجوههم التراب کا معاملہ بہت سخت ہے۔ اور غالباً بخاری میں ہے من کان
منکم مادحا لامحالة فلیقل احسب فلانا واللہ حسیبہ ان کان یری انہ کذلک
ولا یزکی علی اللہ احدا۔ اور یہاں تو لامحالہ کی بھی گنجائش نہیں۔ فقہانے تو خطبہ میں بھی
بجز دعائے خیر کے سلطانِ وقت کے لیے اور تمام باتوں سے روکا ہے۔ واذا مدح الفاسق
غضب اللہ تعالیٰ واھتز لہ العرش۔

آپ نے ارض القرآن میں صابئین کی نسبت کتاب الرد علی المنطقیین ابن تیمیہ
کی عبارت نقل کی ہے[1]۔ اس کے متعلق فرمایئے کہ یہ عبارت آپ نے کس صفحہ سے نقل کی ہے؟
یعنی وہ کتاب آپ کے پاس موجود ہے؟ تفسیر فتح البیان میں نواب صاحب نے
ان الذین آمنوا والذین ھادوا والصابئین الخ کی تفسیر میں پوری عبارت نقل کی ہے
اور بعض اور کتابوں میں بھی ہے۔ اگر آپ کے پاس کتاب مذکورہ موجود ہو تو میں خواستگار
ہوں کہ ایک ہفتہ کے لئے مجھے عنایت فرمایئے۔ بہ حفاظت واپس کردونگا۔ سید علی بلگرامی
کا نسخہ مولانا شبلی مرحوم کے پاس تھا۔ دوسرا نسخہ حکیم نور الدین صاحب قادیان کا تھا جو
دیوبند آیا، مولانا عبید اللہ صاحب کے پاس رہا پھر غائب ہو گیا۔ ممکن ہے تیسرا نسخہ
مرحوم والا نسخہ اعظم گڈھ میں ہو۔ بہر حال مجھ کو اس کی سخت ضرورت ہے اور ایک کام اس کی
وجہ سے ناتمام رہ گیا ہے امید ہے کہ بصورت موجودگی آپ کو ترسیل میں کوئی عذر نہ ہوگا۔
موجب کمال امتنان وتشکر ہوگا۔ صرف ایک ہفتہ بلکہ اس سے بھی کم کے لیے مطلوب ہے[2]۔

---

[1] ارض القرآن جلد دوم ص ۲۱۳-۲۱۴۔ [2] کتاب الرد علی المنطقیین کئی سال ہوئے خود مولانا رحمہ
ہی کے ارشاد کے مطابق بمبئی میں چھپ چکی ہے۔

•

صدیقی العزیز۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

آپ کے دل چسپ خط نے پوری ملاقات کا لطف دیا۔ آپکو اسقدر جلد علیگڑھ کے گوشہ عافیت سے برداشتہ خاطر نہیں ہونا چاہیے ساری باتیں ایک جگہ اکٹھی نہیں ہوسکتیں۔ جہاں دل چسپیوں کی شورش ہے وہاں امن وجمعیت خاطر کہاں۔

اسباب خواہ کچھ ہوں مگر "محی الملت" خطاب والا معاملہ بہت برا ہوا۔ باقی (رہا) "الناظر" کا شور وشغب، تو اس میں بھی وہی غلو تھا جو مؤیدین خطاب کی تحریرات میں (تھا) اس کارروائی سے بجز چند اشخاص کے ذاتی فوائد یا چند انجمنوں کے وظائف کی اور کوئی نتیجہ نہیں لیکن یہ بات بہ عنوان مناسب بھی حاصل ہوسکتی تھی۔ انصاف کیجیے یہ کیسی بدعت ہی کہ جہاں کسی والیِ ریاست نے چند علماء یا چند انجمنوں کو روپیہ دے دیا حکم دیدیا کہ پرانے قرآن جمع کرلو "محی الملۃ والدین" ہوگیا! مولوی حبیب الرحمٰن صاحب کو صدر الصدور کردینا بہت عمدہ بات ہے مگر احیائے ملت ودین نہیں ہے مقصود اگر یہ تھا کہ ان سے کام نکالا جائے اور جرأت وہمت افزائی کی جائے تو اور بہت سے نسبتہً کم ناموزوں القاب ہوسکتے تھے اتنے بڑے لفظ کو خراب کرنا اور وہ بھی مجمع علماء کا بہت ہی افسوسناک ہی۔ فرض کیجیے اب حضور نظام واقعی کوئی کام احیاء ملت کا کریں یا کوئی اور رئیس کرے تو اس کے لئے اب کون خطاب باقی رہے گا؟ نصیر الملت پھر غنیمت تھا لیکن مخالفت کی گئی اور کہا گیا کہ نہیں وہی "وکیل" والی بات ہونی چاہیے[2]

خیر، اب دیکھیے خود ندوہ کو بھی کچھ حصہ ملتا ہے یا نہیں فرنگی محل اور دیوبند کی

---

[1] یہ خط جا بجا سے کرم خوردہ ہوگیا ہے۔ اس لیے بعض الفاظ پڑھے نہ جاسکے۔

[2] مطلب یہ کہ "وکیل" اخبار نے جو تجویز پیش کردی ہے، وہ پوری ہونی چاہیے۔

آپ نے فاتحۃ الجامعہ پر بھی تین نشان کیے ہیں۔ پہلی غلطی صریحاً کمپوزر کی ہے۔
ابت کی غلطی نہیں ہے۔ یعنی انما الدعوۃ الی الجامعۃ الشرقیہ میں نمبر رہ گئی ہے
ی رہے بقیہ دو مقام تو ان میں ایک کی نسبت بلاشبہ آپ کی اصلاح بالکل صحیح ہے یعنی
عدم المنتخا ضمون کی جگہ "یتقدم الخ" ہونا چاہیے۔ واقعی خصوصیت کیلئے اتحاد موزوں نہیں
ے صلح موزوں ہے۔ لیکن دوسری اصلاح کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ آپ نے لکھا ہے
"سنزید المقالات" کی جگہ "سنضیف" ہونا چاہیے لیکن میں خیال کرتا ہوں
سنزید بھی صحیح ہے۔

بقیہ مضامین میں جو غلطیاں دکھلائی ہیں، ان میں زیادہ تر کمپوزر اور تصحیح کی غلطیاں
ہیں۔ مثلاً وطنیت وغیرہ [illegible] ایک ی کی کمی۔ جماعت کی جگہ غلط رسم الخط [illegible]،
تقان کی جگہ متقانی وغیرہ ذلک۔ آپ کو کمپوزیٹروں کا حال معلوم ہی ہے [illegible] کمپوزر
نہیں کر سکتے وہ عربی میں جس قدر باعث مصائب ہوں کم ہے۔ بڑی دقت [illegible] کی بے پروائی
عبدالرزاق بھی تصحیح میں بہت کچے ہیں۔ غلطیاں رہ جاتی ہیں اور وہ تصحیح سے بھی فارغ ہو جاتے ہیں
لیکن چند غلطیاں واقعی کتابت اور تراکیب کی ہیں اور آپ کے اشارات
بالکل صحیح ہیں مثلاً الذی کا استعمال، انعقاد منعقد کی جگہ، [illegible] کی جگہ
[illegible] التی تشبہ النسیم میں مفعول کا حذف وغیرہ۔

لیکن ایک دو مقام پر آپ سے بھی تسامح ہو گیا ہے۔ مثلاً [illegible] کی جگہ
[illegible] آپ نے لکھا ہے، حالانکہ [illegible] صحیح نہیں ہے اور [illegible]
نہیں ہونا چاہیے۔ [illegible] وہاں کافی و صحیح ہے۔ اسی طرح بہ اہتمام زائد کی جگہ آپ نے
[illegible] بنا دیا ہے۔ حالانکہ زائد بھی ٹھیک ہے اور امثال موجود ہیں۔ ایک جگہ تکوین میں من نفس
[illegible] الدولہ کی جگہ [illegible] ہے لیکن بظاہر تو وہاں "من" ہی ٹھیک معلوم ہوتا ہے۔

بہرحال اغلاط ضرور ہیں، خصوصاً بعض تراکیب کی۔ آپ نے خط میں لکھا ہے کہ دوسرا
نمبر اغلاط سے محفوظ ہے لیکن شاید ابھی اچھی طرح دیکھا نہیں [illegible] کمپوزر
کی بہ کثرت غلطیاں ہیں بابت الفاظ وغیرہ کی بھی۔ [illegible] ایک جگہ

آپ نے دارالمصنفین کی موجودہ مالی حالت کا ذکر کیا ہے نہایت درجہ خوشی ہوئی۔ یہ سب آپ کے قیام وسعی کا نتیجہ ہے بحمداللہ کہ مولانا شبلی مرحوم کی آخرجیات کی امیدیں بارآور ہوئیں لیکن یہ بڑی مصیبت ہے کہ آپ وہاں کے قیام سے اکتا گئے ہیں اگر آپ نے وہاں رہنا چھوڑ دیا تو پھر سارا کارخانہ درہم برہم ہو جائے گا۔ کوئی ایسا انتظام کیجئے کہ "صبا! دمے خوردنہ ماہ پارسامی باش" کی اسکیم پر عمل درآمد ہوسکے۔ مستقل قیام وہاں رکھئے عارضی ...

ابوالکلام کان اللہ لہ

کلکتہ

۲۰ مئی ۱۹۲۳ء

صدیقی العزیز! السلام علیکم

آج مولوی عبدالرزاق صاحب نے آپ کا خط اور "الجامعہ" کا وہ نسخہ دکھایا جس میں آپ نے پنسل سے اشارات کر کے بعض اغلاط واضح کئے ہیں۔ دیکھ کر نہایت خوشی ہوئی کہ آپ کو اس کام کی صحت وخوبی کا اس درجہ خیال ہے فی الحقیقت یہی سب سے بڑی مدد ہے جو ہم ایک دوسرے کی کر سکتے ہیں اور یہیں باہم ایسی ہی توقع رکھنی چاہئے آپ بے خبر نہ ہوں گے کہ "الجامعہ" کے دونوں نمبر میری عدم موجودگی میں نکلے ہیں پہلے نمبر کے لئے میں صرف "فاتحۃ الجامعہ" اور "حرکتہ الخلافۃ ومطالبہا" دے گیا تھا۔ خیال تھا کہ جلد لکھنؤ سے واپس آجاؤں گا اور تمام مضامین میری موجودگی میں ترتیب پائیں گے لیکن مجھے آگرہ و پنجاب کا سفر پیش آگیا اور مولوی عبدالرزاق صاحب نے اپنے شوق سے بلا انتظار پرچہ مرتب کر کے شائع کر دیا۔ لاہور میں جب مجھے یہ پرچہ ملا تو اشاعت کی عجلت ہوئی ... اغلاط پر افسوس بھی ہوا۔ تاہم مولوی عبدالرزاق صاحب کو مستحق ملامت نہیں سمجھتا وہ جو کچھ کر رہے ہیں، یہ بھی بہت ہے۔ ان کے شوق ومناسبت میں کلام نہیں، صرف ضرورت مشق کی ہے چند دنوں تک مشق جاری رہی تو قلم محفوظ ہو جائے گا

مولانا آزاد اور اہل خاندان کا کلام

حرفے چند

خدا بخش لائبریری اس سے پہلے مولانا آزاد کا دیوان پیش کر چکی ہے جسے ڈاکٹر عبدالغفار شکیل نے مرتب کیا تھا۔ زیر نظر مضمون میں مولانا کے عاشق ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہاں پوری نے مولانا کا، انکے بھائی کا، اور ان کی بہنوں کا کچھ نیا کلام دریافت کیا ہے تو، پیش خدمت ہے ایک محبت بھرا تحفہ!

ع ـ ب

مرتبہ

ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری

وکانوا یمرفون قوا ؏ لکھ گئے ہیں یعنی صرف بمعنی خرچ۔ یہ اردو کا محاورہ ہے اور عربی میں لکھ گئے ہیں۔

اس سے بھی بڑھ کر غلطی یہ کی کہ سید رشید رضا کا مضمون بلا مناسب رد و کد شائع کر دیا بہتر یہ تھا کہ شائع ہی نہ کرتے یا میرے دیکھ لینے کے بعد شائع کرتے۔ یہ بات اس درجہ نامناسب ہوئی کہ سمجھ میں نہیں آتا کیا کیا جائے۔

آپ آیندہ بھی جو اغلاط دیکھیں، مولوی عبدالرزاق صاحب کو ضرور لکھ دیں یا مجھے مطلع کریں۔ اس کی بڑی ضرورت ہے، اس میں مضائقہ و تغافل نہ کیجیے گا۔

مولوی مسعود علی صاحب اور مولوی عبدالسلام صاحب کو سلام کا شوق

ابوالکلام

(ماخذ: غلام رسول مہر کی کتاب 'تبرکات آزاد')

مولانا ابوالکلام آزاد (۱۸۸۸ء۔ ۱۹۵۸ء) کے انتقال کے حادثے پر چھتیس برس
چکے ہیں اور وہ دور کبھی کا بیت چکا ہے کہ ان کی وفات پر تعزیتِ یا غم کا اظہار اور محض
ت کا بیان کیا جائے۔ اب جس دور میں ہم داخل ہوئے ہیں یہ ان پر تحقیق و تنقید اور ان کی
یت کی تلاش کا دور ہے۔ لیکن ان کی معنویت کا تصفیہ اس وقت تک ہو نہیں سکتا، جب
ان کے کل افکار تک ہماری دسترس نہ ہو اور ہم تحقیق و تنقید کے ذریعے یہ معلوم نہ کرلیں کہ
کے افادات و معارف میں وقتی و ہنگامی اور مستقل و دائمی اقدار کی نسبت کیا ہے؟
اگر چہ وقتی و ہنگامی اقدار کی اہمیت بھی کچھ کم اور ثانوی نہیں ہوتی۔ مسئلہ اقدار سے
دہ اقدار کی سچائی کا ہوتا ہے۔ کسی قوم کے مستقبل کی پائیدار تعمیر کی بنیاد اقدار کی سچائی کی
پختگی ہوتی ہے۔
تحقیق و تنقید کا یہ کام شروع ہو چکا ہے اور خواہ ہماری ارادت مندی اور عقیدت
ں کسی کام کو پسند نہ کرے لیکن ہر رہنما کی تاریخی اور علمی و فکری شخصیت کو اس آزمائش
ے گزرنا ضرور پڑتا ہے۔ یہ ایک کسوٹی ہے جس پر کسے جائے بغیر ہم کسی شخصیت کے افکار
دائمی افادیت اور مستقبل کے لیے اس کی معنویت کا فیصلہ نہیں کرسکتے۔
ہم مولانا آزاد کے عقیدتمند ہیں۔ ہمیں ان کی ہر بات میں ایک معنویت اور ان کی ہر
میں حسن نظر آتا ہے۔ یہ اندازِ فکر تاریخی و تحقیقی نہیں ہے۔ اس کی علمی قیمت بہت کم ہے۔ لیکن
ہمیشہ حقیقت پسندانہ نقطۂ نظر اور اندازِ فکر کے بھی مدعی رہے ہیں اور ہم اس کے لیے تیار
ں کہ عقیدت کے جوش میں علم و تاریخ کی کسی حقیقت کو ماننے سے انکار کردیں۔ اس کے باوجود
یہ یقین رکھتے ہیں کہ مولانا آزاد کے افکار و افادات میں دائمی اور ابدی صداقتوں کا عنصر
نی اور ہنگامی سچائیوں سے کہیں زیادہ ہے اور اس لیے موجودہ اور آئندہ دور میں ان کے

پر عمل نہیں ہوسکتا۔

اب اگر اس مسئلے میں رکاوٹیں ہیں تو مقصد کے حصول میں ہمیں اور زیادہ سرگرم ہو جانا چاہیے اور اگر راہ اتنی تاریک ہے کہ کچھ سجھائی نہیں دیتا تو اہل شعور اصحاب فکر کو محبت و اتحاد کی اور زیادہ شمعیں جلانی چاہییں۔ اگر راہ کی مشکلات کی بنا پر کسی وقت مایوسی قلب پر شب خون مارے تو ہمیں اتحاد کی منزل سے رخ پھیر نہیں لینا چاہیے۔ بلکہ یقین کر لینا چاہیے کہ حالات کی سنگینی ہماری سعی اور عمل میں اور زیادہ سرگرمی کی متقاضی ہے۔

مولانا آزاد اور لیگی رہنماؤں میں بنیادی اور اہم فرق یہ تھا کہ فرقہ وارانہ مسئلے کے حل اور ہندو مسلم اتحاد کے دونوں قائل تھے لیکن راہ کی مشکلوں اور رکاوٹوں نے لیگیوں کو مایوس کر دیا تھا۔ اس پر ستم انھوں نے یہ کیا کہ منزل اتحاد کا سفر ترک کر کے اختلاف کو نصب العین بنا لیا۔ مولانا کو حالات کی سنگینی نے اور زیادہ فعال اور اتحاد کے لیے مضطرب کر دیا تھا۔ لیگیوں کے نزدیک اتحاد ناممکن تھا تو سعی اتحاد ترک اولیٰ ہوئی۔ مولانا کے نزدیک اتحاد مشکل اور ناممکن ہوا تو اس کے لیے سعی اتحاد فرض عین ٹھہرا اور اس کا ترک معصیت بن گئی۔

مولانا آزاد میں فکر و عمل کی یہ بہت بڑی خوبی تھی جس پر زیادہ غور نہیں کیا گیا۔ مولانا کے سامنے یہ اتنا بڑا مسئلہ تھا کہ آج ایک جماعت صرف اسی مقصد کے لیے قائم کی جا سکتی ہے۔ ایسی جماعت جو فرقہ وارانہ اتحاد کے حصول کے لیے ہمیشہ سرگرم عمل رہے۔

شعر و شاعری مولانا آزاد کی زندگی کا صرف ایک پہلو تھا، جسے ادبی زندگی کے آغاز کے بعد خود انھوں نے کبھی لائق التفات نہیں سمجھا تھا۔ اگر کبھی اس کا ذکر آیا بھی تو محض تفننِ طبع کے طور پر گویا سہ

ع گزر چکی ہے یہ فصل بہار ہم پر بھی

لیکن شعر و شاعری کا ذوق ان کی ادبی شخصیت کی تعمیر میں اور ان کے ادبی اسلوب اور طرز نگارش کے اختراع و تخلیق میں ایک اہم عنصر کی حیثیت سے کارفرما رہا تھا۔ اس لیے وہ حضرات جو مولانا آزاد کے ادب اور فکر و فن کے مطالعے کے شوقین ہیں اور ان کے جامع الصفات اور ہمہ جہت شخصیت کی تعمیر کے عناصر ترکیبی معلوم کرنا چاہتے ہیں، مولانا کے ابتدائی ادبی و شعری

افکار کی افادیت اور معنویت بہت زیادہ ہے۔ مثلاً:

مولانا آزاد کے افکار میں ہندو مسلم اتحاد کی ایک خاص اہمیت ہے۔ بعض اور حضرات بھی جنگ آزادی کے دوران میں اس کی افادیت کے بہت قائل رہے ہیں، لیکن مولانا آزاد اسے ہندستانی معاشرے کی مخصوص ترکیب میں ایک مستقل افادی عنصر کی حیثیت سے دیکھتے ہیں۔ مولانا کے نزدیک ہندستان کے فرقہ وارانہ مسئلے کا بہترین حل (اتحاد) نہ صرف مسلمانوں کے ملّی اور دینی مفاد کے نقطۂ نظر سے ضروری ہے بلکہ ہندستان کے اجتماعی اور قومی نقطۂ نظر سے بھی اتنا ضروری ہے کہ اسے کبھی نظرانداز نہیں کر دیا جانا چاہیئے۔ اس اتحاد کو نقصان پہنچانے والی ہر کوشش جس طرح ماضی میں، تحریک آزادی کے مد میں غلط تھی اسی طرح آج اور آنے والے دور میں بھی مسلمانوں کے اور ملک و قوم کے مفاد کے نقطۂ نظر سے بھی اجتماعی معصیت میں اس کا شمار ہوگا۔

مولانا آزاد کے افکار میں ہندو مسلم اتحاد وقت کی عارضی مصلحت نہیں، بلکہ کل انسانیت اور ہندستان میں بسنے والے تمام اقوام و ملل کی فلاح و بہبود کے لئے دائمی اور ابدی ضرورت ہے۔ اسے ہندستان کی اجتماعی زندگی میں کسی ایک مرکز سے شروع کر کے پورے ملک، براعظم ایشیا اور پوری دنیا میں پھیلا دینا چاہیئے۔ اس کے لیے تمام اقوام و ملل کے سنجیدہ لوگوں کو ہمیشہ سرگرم عمل رہنا چاہیئے اور اتحاد کو نقصان پہنچانے والی ہر اس کوشش کی جو مذہب، رنگ و نسل یا علاقے خواہ کسی نام اور بنیاد پر چلائی جائے، مخالفت کرنی چاہیئے۔ ہندستان کی ملی جلی زندگی مولانا کے نزدیک قدرت کا ایک عطیہ ہے، جو اس نے اس ملک کو عطا کیا ہے۔

مولانا آزاد کے وہ تمام افکار جن کا تعلق تمام انسانیت اور کل بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود اور تعمیر و ترقی سے ہے، اپنی دائمی اور مستقل افادیت رکھتے ہیں۔ مولانا آزاد کا وہ کل سرمایۂ علم و فکر بھی جس کا تعلق مسلمانوں کی تنظیم، اصلاح و تعمیر اور فلاح و بہبود سے ہے، اس کا عام انسانی اور اجتماعی قومی پہلو کیوں کر نظرانداز کر دیا جاسکتا ہے، جب کہ مسلمان بھی ہندستانی قومیت کا ایک اہم اور ناقابل تقسیم عنصر ہے اور مولانا آزاد ہی کے قول کے مطابق ہندستان کی عظمت کا ہیکل مسلمانوں کی شرکت کے

حیدرآباد دکن (۱۹۲۹ء) کی صدر لیڈی سر آسمان جاہ (حیدرآباد) کے خیرمقدم کی یادگار ہے۔ اس کا عنوان ہے "نظم خیر مقدم لیڈی سر آسمان جاہ"۔

(۳) تیسری نظم بھی مذکورہ مسلم لیڈیز کانفرنس کے اسی اجلاس کی یادگار ہے اور شرعی پردے کے موضوع پر اپنی تقریر کے آخر میں پیش کی تھی۔ اس نظم میں آبرو نے ایک مسلمان خاتون کی سیرت کی تصویر کشی کی ہے۔

یہ کلام "ایک علمی خاندان" (از سید شفقت رضوی) میں آبرو بیگم کے ترجمے میں شامل ہے۔

آرزو کے کلام میں اب تک ایک مصرع بھی دستیاب نہ ہو سکا تھا۔ اب ان کی بھی ایک غزل دستیاب ہو گئی ہے۔ اس دستیابی سے ان کے ادبی مطالعے میں بھی ایک روزن کھل گیا ہے۔ اگرچہ اس روزن سے روشنی کی ایک کرن ہی ان کی تخلیقی شخصیت پر پڑتی ہے۔ لیکن اس کرن نے ان کی تخلیقی شخصیت کے وجود کا ثبوت بہم پہنچا دیا ہے۔

ہم یہاں مولانا آزاد کی دونوں نئی دریافت شدہ غزلیں، آہ کی ایک نئی دریافت شدہ غزل، آبرو کی تینوں نظمیں مع نئی دریافت شدہ غزل اور آرزو کی واحد دریافت شدہ غزل قارئین ایوان اردو کے مطالعے کے لیے پیش کرتے ہیں۔

پیش کش میں چاروں بہن بھائیوں کی عمروں کی ترتیب کا لحاظ رکھا گیا ہے۔

آرزو کی غزل

آرزو کی یہ غزل "خدنگ نظر" (لکھنؤ، مارچ ۱۹۰۰ء میں شائع ہوئی ہے اور اس ماہ کے لیے مقررہ مصرع طرح

ع "رات گزری سونے والے سو چکے"

پر ہے۔ عنوان میں شاعر کے نام کے ساتھ تانیث کی صراحت نہیں، صرف "جناب آرزو از بمبئی" درج ہے، لیکن معلوم ہے کہ اس زمانے میں مولانا آزاد کا خاندان بمبئی میں مقیم تھا۔ جنوری، فروری، مارچ میں آرزو اور آبرو کے علاوہ آہ کا کلام بھی جو شائع ہوا ہے، اس میں "از بمبئی" کی صراحت موجود ہے۔ اس لیے اس بارے میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ شاعر مولانا آزاد کی بہن آرزو ہیں۔ غزل یہ ہے:

نقوش کی بازیافت سے یقیناً خوش ہوں گے۔

مولانا ابوالکلام آزاد کا، اب تک جو کلام دریافت ہوا تھا، اسے خاکسار نے مآخذ کے حوالوں اور ذرائع کے اظہار و تشکر کے ساتھ "ارمغان آزاد" کی صورت میں مرتب کر دیا ہے "ارمغان آزاد" کے اب تک تین ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ پہلا ۱۹۷۲ء میں، دوسرا ۱۹۷۸ء میں اور تیسرا اور آخری ایڈیشن بہ ضمن "مطبوعات مولانا آزاد صدی" ۱۹۹۰ء میں شائع ہوا تھا ہر ایڈیشن میں اضافہ و اصلاح کا عمل جاری رہا۔ لیکن اب ان کی دو غزلیں اور دریافت ہوئی ہیں

اس طرح مولانا آزاد کے بڑے بھائی مولوی ابوالنصر غلام یاسین آہ کا اب تک دریافت شدہ تمام کلام بھی مطبوعات مولانا آزاد صدی کی ایک کتاب "ایک علمی خاندان" از سید شفقت رضوی میں شامل ہو گیا ہے۔ لیکن اب آہ مرحوم کی مزید ایک غزل دستیاب ہوئی ہے

اس سے بڑھ کر باعث مسرت مولانا آزاد کی دونوں بہنوں فاطمہ بیگم آرزو (پ ۱۸۸۲ء ف ۱۳ اپریل ۱۹۴۳ء) اور حنیفہ بیگم آبرو (پ ۱۸۸۴ء۔ ف جون ۱۹۴۳ء) کے کلام میں ایک ایک غزل کی دستیابی ہوئی۔

آبرو کے کلام میں مندرجہ ذیل تین منظومات اس سے قبل دستیاب ہوئی تھیں

(۱) "تاریخ ولادت خواہر زادہ"۔ یہ نظم انھوں نے اپنی بڑی بہن فاطمہ بیگم آرزو کے بیٹے یوسف علی کی پیدائش (۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء) پر لکھی گئی تھی۔ اور اس مصرع سے تاریخ نکالی تھی:

سال کا مصرع لکھوائے آرزو   مہ لقا فرزند خالق نے دیا

یوسف علی مرحوم ابن سید معین الدین عرب مرحوم مولانا آزاد کے بھانجے تھے وہ ابتدا میں والیان بھوپال کے ذاتی باغات کے مہتمم تھے۔ آخر میں آئی۔ سی۔ سی۔ آر۔ سے بھی کچھ عرصہ منسلک رہے تھے۔ مئی ۱۹۷۹ء میں انتقال کیا۔ نجمہ بیگم ہیبت اللہ ان ہی کی صاحبزادی ہیں جو کانگریس (آئی) کی جنرل سیکریٹری رہیں، راجیہ سبھا کی ممبر اور ڈپٹی اسپیکر ہوئیں، اب ڈپٹی چیئرمین ہیں۔

(۲) آبرو کی دوسری نظم مسلم لیڈیز کانفرنس کے سالانہ اجلاس منعقدہ

آفتابِ رد یجِ علم فضل ہو نام یہ روشن کرے ماں باپ کا
ہو جواں، سہرا بندھے، دولہا بنے باغِ عالم میں رہے پھولا پھلا
تھی یہ ذیقعدہ کی اٹھارویں روزِ تولیدِ امید اتوار تھا
سال کا مصرع لکھوائے ابرؔد مہ لقا فرزند خالق نے دیا (۱۳۲۲ھ)

یہ نظم مسلم لیڈیز کانفرنس حیدرآباد (۱۹۲۹ء) میں لیڈی سرآسمان جاہ کے خیر مقدم کی یادگار ہے:

(۲) نظم خیر مقدم لیڈی سرآسمان جاہ

زبانِ شکر پہ ہے اللہ اللہ کہ بخشی جس نے نعمت حسبِ دلخواہ
نجومِ انجمن میں صورتِ ماہ ہیں زیبِ صدر لیڈی آسمان جاہ
زمانہ گل بداماں ہو رہا ہے
چراغِ علم روشن ہو رہا ہے

یہ محفل بن گئی ہے عرشِ رفعت کہ بخشی آج اس بیگم نے عزّت
عیاں ہے تا ثریا جن کی شوکت زہے یہ الفت و خُلق و مروّت
حقیقت میں بڑی زحمت اٹھائی
بڑھیں لے کر چراغِ رہنمائی

بلندی بن رہی ہے اب یہ پستی ہوئی آباد یہ مستور بستی
خدا رکھے غنیمت ہے یہ ہستی یہ ہستی ہے جمالِ حق پرستی
یہ دل گہوارہ ہے حقانیت کا
نمونہ خوبیٔ نسوانیت کا

ہے روشن علم و فن کا نام تم سے مروّت اور فیض عام تم سے
ملے گا درسِ نیک انجام تم سے مٹے گی گردشِ ایّام تم سے
ہوئیں کشتیِ نسواں کی کھویا
کنارے جا لگے کی اپنی نیّا

جہالت نے ادھر ہے ہم کو گھیرا ادھر تقلیدِ مغرب اک لٹیرا

یاد میں زلف سیہ کی رو چکے — قیدیِ دامِ محبت ہو چکے
راہِ الفت میں دل و جاں کھو چکے — ہو چکے بدنام و رسوا ہو چکے
ہجر میں دم بھر نہ جھپکی اپنی آنکھ — "رات گزری سونے والے سو چکے"
چھیڑ چھاڑ اچھی نہیں ہر روز کی — حضرتِ دل آپ کے وہ ہو چکے
عشق میں اس رشکِ مہر و ماہ کے — روز و شب عالم میں رسوا ہو چکے
جان جانے کا ہمیں کچھ ڈر نہیں — جانِ جاں ہم تیرے عاشق ہو چکے
کہتے ہیں گھبرا کے وہ یوں صبحِ وصل — "رات گزری سونے والے سو چکے"
او ستمگر جان دے تجھ پر رہی — ہاتھ اپنی زیست سے جو دھو چکے
لو بر آئی اب تمہاری بھی مراد — آرزو دنیا سے رخصت ہو چکے

آبرو کا کلام

آبرو کے کلام میں جیسا کہ عرض کیا تین نظمیں قبل ازیں دستیاب ہوئی تھیں جو "ایک علمی خاندان" میں آبرو کے ترجمے میں شامل ہیں۔ آبرو کا کلام چوں کہ عام طور پر شہرت نہیں پا سکا ہے۔ اس لیے قارئین ایوان اردو کی ضیافت طبع کے لیے درج کیا جاتا ہے:

(۱) تاریخ ولادتِ خواہر زادہ

اب کے اس انداز سے آئی بہار — باغِ عالم رشکِ جنت بن گیا
پتے پتے پر ہے جوبن کی نمود — بوٹے بوٹے پر ہے عالم نور کا
اک طرف گل ہیں خوشی سے باغ باغ — اک طرف ہیں بلبلیں نغمہ سرا
محوِ حیرت میں کھڑی تھی باغ میں — دیکھ کر یہ چہچہے ایسی فضا
میری حیرانی جو حد سے بڑھ گئی — مسکرا کر گل کی کلیوں نے کہا
تیری ہمشیرہ جناب فاطمہ — جو بڑی عصمت نشیں ہیں باحیا
ان کے باغِ آرزو میں آج کل — پھول اک تازہ کھلا ہے خوشنما
رشکِ گل، رشکِ چمن، رشکِ بہار — غنچہ لب غنچہ دہن نازک ادا
ہے محمد یوسف اس کا نیک نام — خوش رہے ہر دم وہ اے ربِّ علا

ہو صاحبِ اولاد تو یہ لازم ہے — خیال بچوں کی تعلیم کا ہو حد سے سوا

درس گاہ کو جائیں تو پہنیں کپڑے صاف — جب آئیں گھر میں تو پائیں غذا بھی پاکیزہ

(۴) نو دریافت غزل

اب ہم آبرو کی نو دریافت غزل پیش کرتے ہیں۔ یہ غزل مارچ ۱۹۰۰ء کے خدنگ نظر (لکھنؤ) میں شائع ہوئی تھی۔ شاعر کا نام "جناب آبرو از بمبئی" درج ہے اور بے شبہ یہ مولانا آزاد کی بہن ہیں۔ غزل یہ ہے : سہ

آ چکے تربت پہ میری بعد مرگ — بیٹھ کر بزمِ عزا میں رو چکے

اب بھی کہنا مان ظالم چھوڑ ضد — "رات گزری سونے والے سو چکے"

حسن نے ہر عیب پوشیدہ کیا — ورنہ کب کے آپ رسوا ہو چکے

کعبۂ دل میں بتوں کا کام کیا — یہ بھی کیا قائل خدا کے ہو چکے

تھام کر ہاتھوں سے دل کو وصل میں — ان کے آگے خوب رو نا رو چکے

الفتِ زلفِ بتاں میں رات بھر — کیسے کیسے ہم پریشاں ہو چکے

اب صمد کی جا پہ کہتے ہیں صنم — آبرو بندے بتوں کے ہو چکے

اسی مصرع طرح پر آہ مرحوم کی چودہ اشعار کی غزل بھی ہے اور اسی مارچ ۱۹۰۰ء کے خدنگ نظر" میں شائع ہوئی ہے۔ اس کا مقطع یہ ہے سہ

نخلِ غم پھولے پھلے گا خلق میں — آہ ہم تخمِ محبت بو چکے

یہ غزل " ایک علمی خاندان " میں آہ کے ترجمے کے ساتھ کلام میں شامل ہے۔

آہ کی نو دریافت غزل

ستمبر ۱۹۰۰ء کے خدنگ نظر (لکھنؤ) میں آہ کی یہ غزل دریافت ہوئی ہے۔ اس کے عنوان میں شاعر کا نام اس طرح درج ہے :

" آہ۔ جناب غلام یٰسین صاحب دہلوی معینِ خدنگِ نظر از بمبئی۔"

غزل یہ ہے سہ

لبوں پہ دم ہے کھڑی سر پہ ہے قضا میری — خدا کے واسطے سن لیجئے ذرا میری

بظاہر روشنی باطن اندھیرا　　جسے سمجھی ہوئی ہیں سب سویرا

خدارا آج لیڈی آسمان جاہ

نکالو اپنی بہنوں کے لیے راہ

دلوں کو نور سے معمور کر دو　　یہ گھر اب غیرتِ صد طور کر دو

جہالت کی سیاہی دور کر دو　　ہمیں اپنی طرح پُر نور کر دو

بزورِ بازوئے اخلاق و ایماں

رواں ہو کشتی تعلیم نسواں

محبت کی صدائیں آ رہی ہیں　　مسرت کی گھٹائیں آ رہی ہیں

امیدیں آج دل بہلا رہی ہیں　　ترقی کی طرف لے جا رہی ہیں

خدا چاہے وہ دن ہے آنے والا

نظر آئے گا ہر جانب اجالا

الٰہی فضل کر عقلِ رسا دے　　الٰہی روحِ مردہ کو جلا دے

جہالت کے مریضوں کو شفا دے　　متاعِ دینِ فخر الانبیا دے

ہو تیرا نام جان و دل سے پیارا

ہمارے دین و دنیا کا سہارا

تیسری نظم میں ایک مسلمان خاتون کی دلآویز سیرت کا نقشہ کھینچا گیا ہے:

زہے نصیب جو دنیا بشر کو جنت ہو　　زہے نصیب جو ہو ساتھ نیک بیوی کا

وہ زن علوم کے موتی ہوں جس کے دامن میں　　وہ زن پسند ہو جس کو علوم کا گہنا

رخِ صبیح پہ جس کے ہو غازۂ اخلاص　　سیاہ آنکھوں میں جس کے ہو شرم کا سرما

اگرچہ لاکھ مخالف ہوا ہو طوفانی　　چراغِ عفت و عصمت کبھی نہ ہو ٹھنڈا

کبھی کسی کی برائی کی آرزو نہ کرے　　حسد کے زنگ سے ہو صاف آئینہ دل کا

خدا بڑھائے جو دولت گھٹے غرور اس کا　　خدا بڑھائے جو کلفت کرے وہ شکرِ خدا

شگفتہ دیکھ کے شوہر کو باغ باغ رہے　　ملول دیکھ کے شوہر کو ہو ملال سوا

جو خدنگ نظر کے اسی شمارے میں شامل ہے۔ آزاد کی دوسری نو دریافت غزل جو ذیل میں درج کی جاتی ہے، خدنگ نظر مئی ۱۹۰۰ء سے اخذ کی گئی ہے۔ اس غزل کے عنوان میں شاعر کے نام کے ساتھ "دہلوی وارد حال بمبئی" کا اضافہ ہے۔ غزل مع عنوان یہ ہے:

آزاد۔ جناب مولوی غلام محی الدین صاحب دہلوی وارد حال بمبئی

جوش وحشت میں مسلم ہو گیا اسلام عشق — کوچہ گردی سے مری پورا ہوا احرام عشق
خاک میں آخر ملے ہم یہ ہوا انجام عشق — بھول کر یارب نہ لے کوئی جہاں میں نام عشق
جلوہ گاہ دہر میں جب سے ظہور حسن ہے — تیز ہے میرے گلے کے واسطے صمصام عشق
میرے مرنے سے کھلا حال محبت خلق پر — سنگ مرقد بن گیا آئینۂ انجام عشق
یہ صلہ پایا وفا کا حسن کی سرکار سے — چہرۂ عاشق کی زردی ہے زر انعام عشق
پہلے تھا رُخ کا تصور اب ہے گیسو کا خیال — وہ تھی صبح عشق گویا اور ہے شام عشق
آستان یار پر ہر وقت سجدے کیجیے — ہے یہی بس دین عشق ایمان عشق اسلام عشق
دیکھ آ کر اپنے بیماروں کو اے آرام جان — کوئی محروم محبت ہے کوئی ناکام عشق
سر فدا کر دوں تقاضا ہے محبت کا یہی — تیغ قاتل دینے آئی ہے مجھے پیغام عشق
ہوں اسیر زلف ظاہر ہے خط تقدیر سے — دائرے حرفوں کے مل کر بن گئے ہیں دام عشق
عرش اعظم سے بھی اونچی ہو گئی میری فغان — آج تک پایا نہ اے آزاد اوج بام عشق

●●

فرشتے کانپ گئے سن کے نالۂ پر درد — کہاں کہاں شب فرقت گئی صدا میری
کسی کے ناز نے یہ کر دیا ہے مستغنی — کہ اب اثر سے الگ جاتی ہے دعا میری
مری وفا سے ہیں چرچے کسی کے عالم میں — کسی کے ظلم سے شہرت ہے جابجا میری
فلک کو برق کی سوخی پہ ہے بڑا دعویٰ — انھیں یہ ناز کہ یہ بھی ہے اک ادا میری
پسند خاطرِ جاناں کبھی یہ دل ہوگا! — کبھی قبول ہی ہو جائے گی دعا میری
وہ آئیں ہجر کی شب یا نہ آئیں قسمت ہے — در رقیب پر جانے لگی بلا میری
یہ انتہا شب فرقت میں بیکسی کی ہے — مزاج پوچھنے آئی ہے خود قضا میری
وہ ہاتھ اٹھا کے مجھے بار بار کوستے ہیں — دعا قبول ہو ان کی یہ ہے دعا میری

آزاد کی نودریافت دو۲ غزلیں

مولانا آزاد کی پہلی غزل خدنگِ نظر جنوری ۱۹۰۰ء سے دستیاب ہوئی ہے، جس کیلئے مصرع طرح یہ تھا ؎

روتے جاتے ہیں ہمارے حال پر رہ گیر بھی

غزل کے عنوان میں شاعر کا نام اس طرح درج ہے:

"آزاد۔ جناب مولوی غلام محی الدین صاحب وارد بمبئی۔"

غزل یہ ہے ؎

غیر بھی بے غم ہیں نالوں سے بت بے پیر بھی — اک ہوائی تیر ہے یہ آہِ بے تاثیر بھی
کوئی شے خالی نہیں نیرنگ حسن یار سے — گل میں رنگ و بو تو مہر و مہ میں ہے تنویر بھی
کہتے ہیں رکھتے نہیں کیوں موے مژگاں کا خیال — کیا تمہارے دل میں رہ سکتا نہیں اک تیر بھی
اس قدر ضعفِ غمِ ہجراں سے ہمت گھٹ گئی — بڑھ کے زنداں سے نہ نکلا نالۂ زنجیر بھی
قید کی تکلیف سے دونوں کا چھٹکارا ہوا — میرے مرنے سے کھلی ہے قسمت زنجیر بھی
وقت نظارہ نہیں جمتی کبھی اس پر نگاہ — جوہر آئینہ ہے ظالم تری تصویر بھی
رحمت خالق بھی ہے آزاد اک سو حشر میں — سر جھکائے اک طرف نادم مری تقصیر بھی

اسی بحر، مصرع طرح میں تیرہ ۱۳ اشعار پر مشتمل آہ مرحوم کی غزل بھی یادگار ہے۔

مولانا کو اس غزل کے تین شعر یاد تھے ایک مذکورہ بالا مقطع اور دو مندرجہ ذیل شعر۔ ان میں ایک مطلع ہے:

نشتر بہ دل ہے آہ کسی سخت جان کی   نکلی صدا تو فصد کھلے گی زبان کی

گنبد ہے گردباد تو ہے شامیانہ گرد   شرمندہ میری قبر نہیں سائبان کی

اس غزل کا ایک شعر مولانا کی بہن کو یاد تھا جو انھوں نے خواجہ احمد فاروقی صاحب کو ایک انٹرویو میں سنایا تھا:

ہوں نرم دل، کہ دوست کے انداز پا   دشمن نے بھی جو اپنی مصیبت بیان کی

مولانا آزاد نے اپنی ابتدائی شاعری کا یہ تذکرہ مولانا غلام رسول مہر کے نام ۳ر دسمبر ۱۹۳۶ء کے خط میں کیا ہے اور اب ۳۶ برس
بتایا ہے۔ گویا اس غزل کی تخلیق و اشاعت کا زمانہ ۱۹۰۰ء ہے۔ مولانا نے لکھا ہے کہ شاعری کے اس شوق میں انھوں نے ایک گلدستہ
ماہی کلکتے سے نکالا تھا لیکن آٹھ ماہ سے زیادہ عرصے وہ اسے جاری نہ رکھ سکے۔ اس کے بند ہونے کی وجہ مولانا نے یہ بتائی ہے کہ
کہ اس کے شائع ہوتے ہی بہت سے لوگ اس کے خریدار بن جائیں گے لیکن ایسا نہیں ہوا اور وہ گلدستہ بند ہو گیا۔ کچھ عرصہ کے
بعد ‹‹المصباح›› نامی ایک پرچہ نکالا۔ مولانا ہی کے بیان کے مطابق یہ بھی تین چار مہینے سے زیادہ نہ چل سکا اور بند ہو گیا۔
لیکن ابھی تک چونکہ ‹‹ارمغانِ فرخ›› کے پرچے کہیں دستیاب نہیں ہوئے ہیں اس لیے نہیں کہا جا سکتا کہ ‹‹ارمغان›› کے کس
مولانا کی یہ غزل شائع ہوئی تھی۔ میرے علم کے مطابق ‹‹نیرنگِ عالم›› اور ‹‹المصباح›› کے پرچے بھی ابھی تک کسی کو دستیاب
نہیں اس لیے ان کا ٹھیک ٹھیک زمانۂ اشاعت نہیں بتایا جا سکتا۔ اگر ایسا ہو جاتا تو مولانا کی شاعری کی ابتدا کے بارے میں کوئی
جا سکتی تھی۔ لیکن مولانا کی ایک غزل ‹‹خدنگِ نظر›› لکھنؤ بابت ماہ جون ۱۸۹۹ء میں ملی ہے اور میرے علم کی حد تک مولانا
کی مطبوعہ غزل ہے جو اب تک دستیاب ہوئی ہے۔ یہ غزل ‹‹خدنگِ نظر›› کی اس طرح میں ہے:

تو نے آدھی بات کی میں نیم بسمل ہو گیا

اس طرح کا اعلان مارچ کے پرچے میں کیا گیا تھا اور ۱۵ رمئی تک غزلیں طلب کی تھیں۔ پھر اپریل کے نمبر میں ۱۵ رجون تک اس
کا اعلان کیا گیا۔ جون کے نمبر میں تمام غزلیں اس طرح میں ہیں۔ آخر میں چند غزلیں طرحِ ماہِ گزشتہ میں ہیں۔ اس طرح میں مولانا کی غزل:

کیوں اسیرِ گیسوئے خمدارِ قاتل ہو گیا   ہائے کیا بیٹھے بٹھائے تجھ کو اے دل ہو گیا

کوئی نالاں، کوئی گریاں، کوئی بسمل ہو گیا   اس کے اٹھتے ہی دگر گوں رنگِ محفل ہو گیا

تم نے مارا غیر کو اور رشک نے مارا مجھے   اس نے تن پر کھائیں تلواریں میں بسمل ہو گیا

انتظار اس گل کا اس درجہ کیا گلزار میں   نور آخر دیدۂ نرگس کا زائل ہو گیا

یہ بھی قیدی بن گیا آخر کمندِ زلف کا   لے اسیروں میں ترے آزاد شامل ہو گیا

(جلد ۳، نمبر ۸، ص ۱۶)

یہی غزل ہے جو اپریل ۱۹۰۳ء کے ‹‹مخزن›› لاہور میں شائع ہوئی لیکن اس میں اس غزل کا تیسرا شعر نہیں ہے اور پانچویں نمبر پر یہ
شعر ہے:

قیس مجنوں کا تصور بڑھ گیا جب نجد میں   ہر بگولا دشت کا، لیلیٰ کا محمل ہو گیا

طرح دونوں اشاعتوں میں اگرچہ تعدادِ اشعار برابر (۵) ہے لیکن ایک شعر مختلف ہے۔ ‹‹مخزن›› میں مقطع کے مصرعِ اولیٰ میں
‹‹ہو گیا›› ہے۔ ‹‹خدنگِ نظر›› میں جو مولانا کی غزل چھپی ہے اس میں ان کا نام اس طرح چھپا ہے:

ضمیمہ

•

مولانا ابوالکلام آزاد کی پہلی غزل

مولانا ابوالکلام آزاد کی شہرت ایک صحافی، عالمِ دین، خطیب، سیاست داں اور اردو کے صاحبِ طرز ادیب اور انشاپر
دازکی حیثیت سے ہوئی۔ لیکن ان کی ادبی زندگی کا آغاز شاعری سے ہوا۔ انھوں نے شاعری کے کوچے میں قدم رکھا تو ان کی عمر دس ساڑھے دس سال
سے زیادہ نہ تھی۔ اور چودہ سال کی عمر میں ترکِ شاعری کا واقعہ بھی پیش آگیا۔ لیکن ان چند سالوں میں ہی ان کا شاعرانہ ذوق اتنا پختہ ہو گیا تھا کہ انھو
ں نے نثر کا جو میدان اپنی ترکتازیوں کے لیے منتخب کیا درحقیقت وہ بھی بہ عنوانِ دیگر شاعری ہی تھا یا کم از کم شاعری سے زیادہ مختلف نہ تھا۔ چنانچہ
الہلال، تذکرہ، غبارِ خاطر، وغیرہ اگرچہ نثر میں ان کے شاہکار قرار پائے لیکن وہ اپنے ادبی خصائص میں شاعری ہی کی ایک قسم تھے جسے بعد
میں اہلِ علم اور اربابِ ذوق نے "منثور شاعری" کا نام دیا ہے۔ جہاں تک مولانا آزاد کے کلام کا تعلق ہے وہ "ارمغانِ آزاد" کے عنوان سے
ایک مجموعے میں مرتب کر دیا گیا ہے۔ یہاں ان کے آغازِ شاعری پر روشنی ڈالی گئی ہے اور ان کے اوائل کلام کی ایک غزل کو پیش کر کے مولانا کی زندگی
اور ان کے جاری کردہ بعض رسائل کے اجرا کی تاریخوں کے تعین کی کوشش کی گئی ہے۔

یہاں یہ بھی واضح کر دیا جائے کہ انجمن ترقی اردو سے مولانا آزاد کا بہت گہرا تعلق تھا۔ ۱۹۰۳ء میں علامہ شبلی کو انجمن کا پہلا سکریٹری مقرر کیا
گیا تو وہ اسسٹنٹ سکریٹری بنائے گئے۔ ان کا رسالہ "لسان الصدق" انجمن کا پہلا باقاعدہ ترجمان تھا اور انجمن کی مجلس عاملہ کے رکن مولانا آزاد آخر
تک رہے۔ اور قیامِ پاکستان کے بعد ہندستان میں حضرت مولانا آزاد ہی کی کوشش سے انجمن کی نئی زندگی کا سروسامان فراہم کیا گیا تھا۔ اردو کے لیے وہ زندگی
بھر کوشاں رہے اور انکی زندگی کی آخری تقریر بھی اردو کے مسئلے پر تھی۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اردو اور انجمن ترقی اردو سے ان کا پہلا تعلق بھی تھا اور آخری تعلق بھی تھا۔

اس تمہید کے بعد مولانا کی پہلی غزل اور اس پر مضمون ملاحظہ فرمائیں۔

سب سے پہلی غزل جو مولانا آزاد نے ایک صاحب مولوی عبدالواحد سہسرامی کو سنائی اور پھر ان کے ہمت دلانے پر اشاعت کے لیے بھی بھیجی
تھی، جس کا مقطع ہے:

آزاد بے خودی کے نشیب و فراز دیکھ ــــ پوچھی زمین کی تو کہی آسمان کی

یہ غزل "ارمغانِ فرخ" کی طرح میں تھی۔ یہ گلدستہ بمبئی سے حکیم عبدالمجید فرخ نکالا کرتے تھے۔ کلکتہ میں بعض لوگ اس کی ماہوار طرحوں میں
مشاعرہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ اس کی طرح تھی: پوچھی زمین کی، تو کہی آسمان کی۔

مولانا نے اس غزل کے گیارہ شعر کہے تھے لیکن یہ معلوم نہیں کہ یہ گیارہ چھپے تھے یا کم چھپے تھے۔ مولانا لکھتے ہیں کہ:

"تم بھی چھتیس برس گزر چکے ہیں اپنی وہ خوشی پوری طرح محسوس کر رہا ہوں جو مجھے اُس وقت محسوس ہوئی تھی جب "ارمغانِ فرخ" میں
غزل چھپ کر آئی تھی۔ زندگی میں پہلی بار میں نے اپنا نام ایک رسالے میں چھپا ہوا دیکھا تھا۔"

جہانِ ودود

◉ یادداشتیں/مکتوبات

"آزاد، جناب مولوی غلام محی الدین صاحب مہتمم گلدستہ "نیرنگِ عالم" کلکتہ"۔ اس میں مولانا کے نام کے ساتھ مہتمم گلد
"نیرنگ عالم" کے الفاظ نے یہ مسئلہ بھی صاف کر دیا کہ "نیرنگِ عالم" کا زمانہ ۱۸۹۹ء کا ہے۔ اگرچہ اس کے اجراء و بندش کے مہینوں کا تعین اس
نہیں ہو پاتا لیکن سال اور اس کے عرصے کے بارے میں کوئی شبہ نہیں یعنی وسط سال ۱۸۹۹ء میں "نیرنگِ عالم" کے وجود کا پتا چلتا ہے اس
اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مولانا کی شاعری کی ابتدا ۱۸۹۸ء میں ہوئی ہوگی جب کہ ان کی عمر صرف دس سال کی تھی۔ چند ماہ کی مشق کے بعد انھوں
غزل کہی جو مولوی عبدالواحد سہسرامی کو سنائی اور "ارمغان فرخ" میں چھپی تھی۔ میرا خیال ہے یہ اسی زمانے کی بات ہے اس کے بعد کچھ کلام کی ا
مشاعروں میں شرکت، لوگوں کی داد و تحسین نے انھیں گلدستہ "نیرنگِ عالم" نکالنے کی ہمت دلائی اور یہ ٹھیک ۱۸۹۹ء کی بات ہے۔

"خدنگِ نظر" میں مولانا کی یہ پہلی (اور شاید آخری بھی) غزل ہے۔ البتہ مئی ۱۹۰۲ء سے جولائی ۱۹۰۳ء تک ان کے سات
(۱) چھپے ہیں۔ مارچ ۱۹۰۳ء میں مہتمم "خدنگِ نظر" کی یہ عرض خاص بھی چھپی ہے کہ:

(ماہنامہ قومی زبان' فروری

قاضی صاحب ہمارے عہد کے سب سے بڑے
اردو دانشور تھے۔ اپنے پیچھے انھوں نے اچھا خاصا تحریری
سرمایہ چھوڑا ہے۔

آخری زمانے میں عالم یہ تھا کہ لکھتے تھے اور ادھر اُدھر
ڈال دیتے تھے۔ کبھی کبھی اسی نوشت کے سامنے نہ رہنے
کے سبب دوبارہ سہ بارہ لکھتے تھے۔ انگنت موضوعات
پر ان کی یہ یادداشتیں ہزاروں چھوٹے بڑے پرزوں کی شکل
میں موجود ہیں۔ انھیں وقتاً فوقتاً پیش کیا جاتا رہے گا شاید
کوئی چیز کسی کے کام آجائے۔ ان یادداشتوں میں کئی ایسی
ہیں جو کسی نہ کسی مضمون کی شکل میں آچکی ہیں، کچھ بالکل
نئی چیز ملیں گی

جرنل کے پچھلے چند شماروں میں آپ یہ
یادداشتیں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ اس بار کچھ خطوط ملاحظہ
ہوں، قاضی صاحب کے یا قاضی صاحب کو؛ ساتھ
میں دو خطوط مزید جو کسی خط کا مسودہ لگتا ہے۔

(ع ر ب)

راسلات

جناب سید نقی احمد ارشاد
کنکر باغ، پٹنہ

شاد، قاضی عبدالودود

۱۵ دسمبر ۱۹۸۹ء

آپ نے لندن کی ایرانی سوسائٹی کے متعلق دریافت کیا ہے، جس کا ذکر میں نے "شاد کے عہد و فن" جلد دوم ص ۶۹ میں کیا ہے اور اس سوسائٹی کے وجود کے متعلق آپ دوسرا ثبوت چاہتے ہیں۔
ص ۶۹ کے ساتھ ص ۱۴۴، ۱۴۵ بھی ملاحظہ ہو جس میں اقبال کے لکچروں کا ذکر ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ ۶ لکچر جو لندن کا کسٹن ہال میں دیے گئے، فارسی میں تھے اور صرف ایرانیوں اور فارسی داں افغانیوں کے لئے ہی فارسی میں لکھے گئے تھے۔
اول، تو یہ کہ ۱۹۰۸ء میں اقبال کو فارسی زبان پر عبور حاصل نہ تھا، جس کا اعتراف سر عبدالقادر مرحوم نے "بانگ درا" کے دیباچہ میں کیا ہے، جس کا حوالہ میں دے چکا ہوں۔
دوم، شاد کا دعویٰ تھا کہ اقبال نے فارسی میں ان سے لکچر مانگے تھے۔ اور شاد کے علاوہ کسی دوسرے اہل قلم نے ایسا دعویٰ نہیں کیا ہے۔
سوم، شاد اور شبلی نعمانی کو چھوڑ کر اقبال اس وقت کسی دوسرے شخص سے فارسی میں لکچر لکھوا کے نہیں منگوا سکتے تھے۔ مگر شبلی نے کوئی ایسا دعویٰ نہیں کیا ہے۔
چہارم، لندن میں سید علی بلگرامی کی موجودگی اس بات کی ضمانت ہے کہ یقیناً اقبال نے شبلی کو

قیاس کا سوال نہیں ہے۔" حبل المتین" کے کسی شمارہ میں اس سوسائیٹی کا تفصیل سے ذکر تھا، مگر افسوس کہ جب ملازمت کے سلسلے میں' میں ۱۹۴۳ء میں شادمنزل کو چھوڑ کے چلا گیا تو وہ کل پرچے معہ دیگر کاغذات تلف و برباد ہو گئے۔ اس لیے میں "حبل المتین" کے پرچے کتب خانہ خدابخش میں تلاش کر رہا تھا۔

میرے گھر کے علاوہ "حبل المتین" کے خریدار' نواب سرفراز حسین خان' خان بہادر اسمٰعیل تھے اور گلزار باغ وقف اسٹیٹ۔ دونوں گھر تباہ ہو گئے' اور گلزار باغ وقف اسٹیٹ سے ایک پرچہ نہ مل سکا۔

سلطان ناصرالدین شاہ قاچار' کے حالات بالخصوص ان کے قتل کے تاریخوں میں حالات کو پڑھنے سے پتہ چلے گا۔ میری کتاب میں اس قدر تفصیلی بیانات نہیں آ سکتے تھے۔ کیونکہ ہر سبجکٹ پر لکھنا تھا۔ صرف قاضی عبدالودود کا جواب ہی نہ لکھنا تھا۔ صرف قاضی صاحب کے اعتراضوں کا جواب لکھا جاتا تو کتاب بے مزہ ہو جاتی اور قاضی صاحب کے مضامین کی طرح ناصحانہ رنگ اختیار کر لیتی۔

جن کو ایرانی سوسائیٹی کے وجود سے انکار ہو' وہ پہلے [1] پین اسلامک تحریک کے متعلق کتابیں دیکھ جائے۔ [2] "شاد کا عہد و فن" ص ۶۸ کے پیش نظر ناصرالدین شاہ کے قتل کے واقعات اور اس سلسلے میں جمال الدین[1] افغانی کی یورپ میں کارگذاریوں کو دیکھ جائے۔

میں نے یہ کتابیں قیام مظفرپور' زمانہ ۱۹۶۶ء میں وہاں کے کلب سے مانگ کر پڑھیں تھیں جن کا خلاصہ ص ۶۸ میں ہیں۔

کمترین

نقی احمد ارشاد

● ●

چھوڑ کے شاد سے رجوع کیا ہوگا کیونکہ شاد کے تعلقات سید علی بلگرامی اور ان کے اہل خاندان سے ظاہر ہیں
تفصیل ص ۱۶، ۲۹-۱ اس کے علاوہ "مکتوب شاد بنام عمادالملک" نگار میں نواب ہوشیار جنگ نے شائع
کر دیا تھا۔ (بحوالہ شاد کی کہانی)۔

سب سے بڑا ثبوت ایرانی سوسائٹی کے وجود کا میں نے ص ۱۴۵ میں دیا ہے اور اس کتاب سے جو آپ کی
عنایت سے ملی ACC NO. 45749 دیباچہ اسرار خودی محمد حسین مشائخ فریدی :

" چاپ این رسالہ (سیر حکمت در ایران) در سال ۱۹۰۸ء اقبال را در محافل علمی و ادبی و سیاسی
دیار بعنوان فلیسوفی از مشرق زمین مشتہر کرد تا جائے کہ از وے برائے ایراد خطابہ در انجمن ہائے لندن
دعوت بعمل آمد۔ وے در ہمیں ایام شش خطابہ در بارۂ مسائل اسلامی ایراد کرد کہ خلاصہ اولیں نطق او
در لندن در جرائید مہم انگلستان بہ چاپ رسید۔" ص ۱۴۶

اس اقتباس سے دو بات ظاہر ہوتی ہے۔ لندن میں ایرانیوں کی انجمن تھی، اور دوم اقبال نے
ان انجمنوں میں لکچر دیئے تھے۔

" انجمن ہائے لندن " سے مراد ایرانی انجمن اور پین اسلامک سوسائٹی جن کا ذکر رام بابو سکسینہ نے
تاریخ ادب اردو ترجمہ مرزا عسکری نولکشور پریس ص ۱۹۵ میں کیا ہے۔

دونوں انجمنوں کے ایرانی، جو جمال الدین افغانی، اسدآبادی ہمدانی کے شاگرد تھے، یا جوان کی تحریک سے
متاثر تھے۔ پین اسلامک تحریک کے بانی بھی جمال الدین ایرانی افغانی تھے جو کبھی لندن کبھی پیرس میں رہتے تھے۔
اور ان کے شاگرد خاص آقا جلال الدین موید الاسلام کلکتہ میں رہتے تھے۔ (India Under Ripon) پیرس سے
ان کا پرچہ "عروۃ الوثقیٰ" عربی میں نکلتا تھا۔ اور فارسی میں "حبل المتین" کلکتہ سے نکلتا تھا۔ سلطان عبدالحمید
ترکی پہلے اسکے حامی تھے مگر خود سلاطین قاچاریہ ایران اس کے خلاف تھے۔ یہاں تک کہ ناصرالدین شاہ قتل کر دیئے گئے۔

دونوں سوسائٹی کے بانی جمال الدین افغانی تھے۔ چار پانچ سال پہلے ایران سے ایک پرچہ نکلتا تھا جس
میں جمال الدین افغانی کے حالات تھے۔ وہ پرچہ نہیں مل رہا ہے۔

ظاہر ہے کہ اقبال نے فارسی لکچر ایرانیوں کو سمجھنے کے لیے دیا ہوگا نہ کہ ہندوستانیوں کے لئے جن کی مجلس
کیمبرج میں تھی۔ اقبال کے فارسی کے لکچر مل جاتے تو میں شاد کے مراثی اور نظموں (فارسی اور اردو) سے مثال
پیش کر دیتا کہ ان میں کہاں تک شاد کے خیالات کا جلوہ ہے۔

جناب محمود احمد برکاتی
۲۹۔اے لیاقت آباد نمبر ۴ کراچی نمبر ۳۹

خدا بخش لائبریری جرنل ۶۔۸ کے بارے میں

تازہ جرنل ۶، ۷ ـــ ۸ اول سے آخر تک پڑھا۔ اکبر کے دارالترجمہ سے متعلق چند معروضات پیش
کر رہا ہوں 'دلائل فیروز شاہی' کے متعلق لکھا ہے کہ نظام الدین احمد نے اس پر نظر ثانی کی تھی، لیکن نظام الدین نے تو طبقات اکبری
میں صرف اس کے مطالعہ کا ذکر کیا ہے، بدایونی نے بھی ۱۰۰۰ھ میں یہ کتاب پڑھی تھی۔

لکھا ہے کہ اکبر نے شاہ پرتگال کے نام ربیع الاول ۹۹۰ھ/۱۵۸۲ء کو ایک خط لکھا تھا۔ اتفاق سے اسی مہینے اور اسی
سال اسی مضمون کا ایک خط "دانایان فرنگ" کے نام لکھا تھا، جو سید مظفر لے کر گووا گیا تھا اور گووا کے گورنر ہی نے اسکا
جواب دیا تھا۔ مصنف کا اشارہ اسی خط کی طرف تو نہیں ہے؟ شاہ پرتگال کے نام کا خط لیکر کسی کے پرتگال جانے کا
مجھے علم نہیں ہے، نہ یہ معلوم ہے کہ شاہ پرتگال نے اس خط کا کیا جواب دیا تھا، دانایان فرنگ کے نام خط انشائے ابوالفضل
دفتر اول میں محفوظ ہے۔

ثمرۃ الفلاسفہ کا 'واضع' یا مترجم عبدالستار قاسم مشہور مورخ محمد قاسم بن ہندو شاہ صاحب تاریخ فرشتہ
کا بیٹا تھا۔ کتاب کے مخطوطات، آصفیہ، کیمبرج اور مانچسٹر میں بھی ہیں، محمد حسین آزاد نے بھی اس کا ایک مخطوطہ خلیفہ محمد حسین کے
ذخیرے (پٹیالہ) میں دیکھا تھا (دربار اکبری)۔

مسیحی مبلغ JERONIMO XAVIER تلفظ جرُم خادر کیا ہے گو خود اس نے داستان مسیح میں زیر ترجمہ شویر
لکھا ہے۔

اسی مبلغ کی کتاب آئینہ حق نما کا مآخذ دبستان مذاہب کو بتایا ہے جو اکبر کے پرپوتے دارا شکوہ کے عہد کی تالیف ہے۔

بیرونی کی کتاب کا نام تاریخ الہند نہیں ہے۔

خاکسار

محمود احمد

پروفیسر حکیم سید محمد کمال الدین حسین ہمدانی
۱۳۰۵/۴، نیو سر سید نگر، علی گڑھ

سکوں پر اشعار

نور محمد اکیلوی کے بارے میں

مدّت کے بعد "خدا بخش لائبریری جرنل" ۵۷۔۷۷، جو ۱۹۹۲ء میں شائع ہوا، وصول ہوا۔ اس جرنل میں جناب سیّد نور محمد اکیلوی کا تحقیقی مضمون "سکوں پر اشعار" مذہبی اور تاریخی نقطۂ نگاہ سے نہایت اہم اور مفید ہے۔ تمغات و مسکوکات سے متعلق اس میں نادر معلومات مدوّن کی گئی ہیں۔ اس مضمون میں اگر دار الضرب کہ جن میں یہ مسکوکات ڈھالے گئے، اُن کا بھی ذکر ہوتا تو تشنگی باقی نہ رہتی۔ مثلاً! قدیم بیعنامہ جات میں سکہ کلدار ضرب فرخ آباد کا ذکر ملتا ہے۔

والسلام
کمال الدین

جناب مصطفیٰ شیروانی
۲ر دسمبر ۱۹۹۴ء

"وصیت نامہ بابر" کے بارے میں

محترمی ڈاکٹر عابد رضا بیدار صاحب تسلیم و نیاز

"خدا بخش لائبریری جرنل" کے ہر دو یکجا شمارے از شمارہ ۸۱ - ۸۳ و شمارہ ۸۴ - ۸۶ آج ایک ساتھ وصول ہوئے۔

قیاس کن ز گلستان من بہار مرا !!

شمارہ ۸۱ - ۸۳ کے صفحہ ۳۶۸ اور ۳۶۹ پر اب گمشدہ "وصیت نامہ مخفی شاہنشاہ محمد ظہیر الدین بابر بشاہزادہ نصیر الدین ہمایوں" کے دو انگریزی تراجم شائع ہوئے ہیں جن سے ایک مسٹر M. T. TITUS کا ۱۹۳۰ کا ترجمہ ہے۔ یہ ہر دو تراجم کچھ ایسے ہیں جیسے ریل کی آہنی پٹری پر جگہ جگہ جوڑ گرمی میں پگھل جانے سے اس پر چلنے والی ریلیں ہچکولے کھانے لگیں وہی کیفیت ان تراجم کے قارئین کو ضرور محسوس ہوتی ہوگی۔ لیکن ان ہر دو تراجم سے یہ ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۹۲۱ کے بعد ۱۹۲۳ میں پھر ۱۹۳۰ میں بھی یہ مغلیہ دور کی سب سے اہم دستاویز دستیاب تھی۔ محترم جناب سید محمود مرحوم کے ۱۹۲۳ میں "انڈین ریویو" میں مندرج "وصیت نامہ" کا تذکرہ اور ترجمہ والد ماجد جناب پروفیسر ہارون خاں شروانی مرحوم کے پاس "وصیت نامہ" کے عکس سے ماخوذ معلوم ہوتا ہے اس وجہ سے کہ مرحوم پروفیسر شروانی اور جناب سید محمود بھی ایک دور میں "ہم پیالہ و ہم نوالہ" رہے تھے۔

بہرحال یہ امر موجب طمانیت ہے کہ بابر مرحوم کے اس "مرحوم وصیت نامہ" کی تلاش میں آپ نے کئی قدم بڑھائے ہیں۔ Grantland Rice کا ایک معروف انگریزی قطعہ آنمحترم کی اس کاوش پر پیش کرتا ہوں:

> "When the One Great Scorer comes
> To write against your name
> He marks not that you won or lost - but
> How you played the game".
>
> (Grantland Rice)

مخلص

مصطفیٰ شروانی

ڈاکٹر صدیق الرحمٰن قدوائی
باغِ شفیق، ۲/۱۷، جامعہ نگر، نئی دہلی

خدا بخش لائبریری جرنل ۸۱-۸۳ اور ۸۴-۸۶ کے بارے میں

۶ر نومبر ۱۹۹۴ء

سنا ہے کہ گارساں دتاسی کے بارے میں آپ قاضی صاحب کی یادداشتیں اور کچھ اور چیزیں شائع کرنے والے ہیں۔ براہِ کرم مطلع فرمائیں۔ ۱۹۹۵ء میں ہم اپنی یونی ورسٹی میں گارساں دتاسی کے تعلق سے تاریخ ادب پر ایک بڑا سمینار کرنا چاہتے ہیں۔

قاضی صاحب کی کیمبرج کی یادداشتوں میں معین الدین انصاری کو شوق قدوائی کا نواسہ کہا گیا ہے۔ یہ صحیح نہیں۔ وہ شوق کی نواسی کے شوہر تھے۔

بابر کا وصیت نامہ اور اس پر مضمون اس لائق ہے کہ اسے زیادہ سے زیادہ لوگ دیکھیں۔

اچھوتوں کے معاملے میں اقبال اور آزاد کے خطوط اور مصر والوں کا ردیہ نئی معلومات فراہم کرتے ہیں یہ سب کچھ میرے علم میں نہیں تھا۔

مخلص
صدیق الرحمٰن

طفیٰ شِروانی
بد آباد
۱۹۹۴ء

لیلیٰ کے خطوط اور مجنوں کی ڈائری کے بارے میں۔

ملاقاتی نے بتایا کہ "لیلیٰ کے خطوط" اور مجنوں کی ڈائری پر ایک جگہ میرے دستخط اور دوسری جگہ
گیا ہے۔ نہ وہ مجھے سمجھا سکے نہ میں سمجھ سکا کہ یہ ماجرا کیا ہے، میرے دستخط "لیلیٰ کے خطوط" میں کیونکر
ہیں۔ اس لیے اسی وقت بعد مغرب ایک کتابوں کی دوکان سے "خدا بخش لائبریری" کی ۱۹۹۱ء میں
ونوں یکجا تصانیف حاصل کیں اور یہ خوشگوار احساس ہوا کہ آپ نے محترم قاضی عبدالغفار مرحوم کے
ہ آٹوگراف کو کس خوبی کے ساتھ دونوں تصانیف میں شائع فرمایا۔ اس معاملہ میں مجھ سے زیادہ
کے مستحق ہیں کہ میرے ذخیرہ تقریباً ۲۰۰ آٹوگراف میں آپنے قاضی صاحب مرحوم کے ان دو آٹوگراف
مال فرمایا جس کے لیے میں بدل مشکور ہوں اسلیے بھی کہ قاضی صاحب مرحوم کے یہ ہر دو آٹوگراف ان
کے شہ پاروں کو مزید وزن اور وقار عطا کرتے رہیں گے۔

مخلص
مصطفیٰ شِروانی

جناب ایم۔اے۔ ہادی
ہاؤس نمبر ۱۲-۲-۹۰
مراد نگر۔ حیدرآباد

۳ر اپریل ۱۹۹۴ء

لیلیٰ کے خطوط اور مجنوں کی ڈائری کے بارے میں

آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۲۳ر اپریل ۹۴ء معہ کتاب لیلیٰ کے خطوط اور مجنون کی ڈائری ذریعہ رجسٹری وصول ہوا۔ آپ نے کتاب تحفتہً روانہ فرما کر عزت افزائی فرمائی ہے جس کے لیے میں دل کی گہرائیوں سے آپ کا شکر گذار ہوں۔

گذشتہ خط میں بھائی غیاث الدین عزیز صاحب کا ذکر کرنا بھول گیا رشتے کے لحاظ سے وہ میرے سمدھی ہوتے ہیں۔ میری لڑکی انکے صاحبزادہ سے بیاہی گئی ہے۔

آپ نے میرے خط کی خدا بخش جرنل میں اشاعت کا ذکر فرمایا ہے قدر افزائی کیلئے شکر گذار ہوں۔ آپ نے میرے خط کو اس قابل سمجھا کہ آپ کے موقر جرنل میں قابل اشاعت ہے تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے خط اس انداز سے نہیں لکھا گیا جو اصول اشاعت کے لیے ضروری ہے۔ پھر بھی اشاعت سے قبل آپ کچھ اختصار یا تبدیلی ضروری تصور فرمائیں تو میری طرف سے آپ کو کامل اختیار حاصل ہے۔ اگر خط شائع ہو تو جرنل کی ایک کاپی ارسال فرمائیں تو باعث تشکر ہے۔ من ویزدان کے لیے آپکی اطلاع کا شکریہ۔

کوئی کتاب حیدرآباد میں دستیاب ہے اور آپ خواہشمند ہوں تو بلا تکلف تحریر فرمائیں۔ اس کتاب کی آپکی خدمت میں روانگی میرے لیے باعث خوش قسمتی ہوگی۔

پھر ایک بار میری طرف سے کتاب کی روانگی کا شکریہ قبول فرمائیں۔

میرے ایک ساتھی جو پہلے حیدرآباد منٹ میں تھے آج کل انڈیا گورنمنٹ منٹ علی پور کلکتہ میں اکونٹ افسر ہیں انکی لڑکی کی شادی اگست ۹۴ء میں مقرر ہے۔ شرکت کے لیے اصرار کر رہے ہیں۔ اگر شادی میں شرکت ہو سکی تو روانگی یا واپسی میں پٹنہ ضرور آؤں گا اور خدا بخش لائبریری کو دیکھنے کی دیرینہ آرزو پوری ہوگی اور جناب سے بھی شرف ملاقات حاصل کروں گا۔ اللہ حافظ!

احقر

ع ہادی

130. Hindustan-ke-Ihd-i-Islami-ke-Sikke, (Indo-Muslim Coins, Sultanate Period) Tahrir, Delhi, No......, pp.....

G. Miscellaneous/General articles

131. Some Areas of Colaberation in Cultural Field between India and Afghanistan Paper read at the Seminar on India and Afghanistan in the 20th century, at the Indian Council for Cultural Relations March, 197
132. Moharram-ki-Ahmiyyat (in Urdu) Broadcast from All India Radio.
133. Al-Biruni and his Kitabul-Hind, Do., on 20-10-1974.
134. National Integration an symposium at All India Radio.

H. Urdu Articles

135. Deswhin Sadi Hijri-ke-Ek-Urdu Kataba (A 10th century A.H.Urdu Inscription) Tahreer, Delhi, 1967, pp.293-95.
136. Barwhin Sadi Hijri-ki-Ek-Urdu Nazm (A Specimen of a Twelfth Century Hijri Urdu verse) (in Urdu) Do.

Book-Reviews

137. The Corpus of the Muslim Coins of Bengal by Dr.Abdul Karim. (Book reviewed in JOURNAL OF THE ORIENTAL INSTITUTES, M.S.University of Baroda, Vol.XI, No.2, December, 1961, pp.179-84)
138. The Corpus of the Muslim Coins of Bengal by Dr. Abdul Karim (Book Review in ISLAMIC CULTURE, April, 1962).
139. Muslim Architecture in Bengal by Dr.A.H.Dani (Book Review in ISLAMIC CULTURE, January, 1963).
140. The Travels of Ibn-Battuta, A.D.1325-1354, II-Eng. Tr. by Prof. Gibbs (Book review in INDO-IRANICA, March, 1963, pp.96-97).
141. Ajmer through Inscriptions by Shri S.A.Tirmizi. (Book review in Journal of the Oriental Institute, Baroda).
142. Corpus of Arabic and Persian Inscriptions of Bihar by Dr.Q.Ahmad (Book review in the Journal of the Council of Indian Historical Research)

جناب غلام رازق شیخ
۲۳۵۱ - ہلدی پول
جمال پور، احمد آباد
۳۸۰۰۰۱

پیر امام شاہ اور ست پنتھ

۱۰ دسمبر کا مرقومہ گرامی نامہ موصول ہوتے ہی میرا نا جا پہنچا۔ موجودہ گدی نشین آچاریہ شری کرشن داس سے ملاقات کی۔ آچاریہ موصوف نے مخطوطات کے سلسلہ میں بہت ہی خوبصورت بہانہ پیش کر کے ۲۰ دسمبر کو بلوایا ہے۔ تحقیقات کرنے پر پتا چلا کہ صدیوں کا پرانا امام شاہی ست پنتھ بھی فرقہ پرست طاقتوں کی نذر ہو گیا۔ اسے بھی انکی بری نظر لگ چکی ہے۔ اور اب وہ پیر امام شاہ کے روضہ کو مع خانقاہ کے دوسرا اجودھیا بنانا چاہتے ہیں اور دوسری بابری مسجد بنانا چاہتے ہیں۔ موجودہ گدی نشین ست پنتھ کی اصل تعلیمات کو بھلا کر یا پسِ پُشت ڈال اسے شدھ ہندو دھرم کی شکل دینا چاہتے ہیں۔ ان حالات میں ست پنتھ کا صحیح تعارف لکھنا میرے لیے اور زیادہ ضروری بھی بن گیا ہے اور مشکل بھی۔ تاہم میں نے ہمت نہیں ہاری ہے۔ اس سلسلہ میں کام جاری ہے اچاریہ کے سلوک سے متاثر ہو کر میں نے پیر امام شاہ کی نسل میں سے جو سادات خاندان ہیں۔ ان سے رُجوع کیا ہے سات آٹھ مخطوطات اور چند مطبوعہ کتابیں دستیاب ہوئی ہیں۔ مقالہ کا خاکہ کچھ اس طرح ہو گا۔ پیر امام شاہ کا تعارف، گجرات میں آمد، تبلیغ و دعوت کا آغاز، ست پنتھ کی بنیاد، ست پنتھ کا تعارف۔ ست پنتھ مشترکہ ہندستانی تہذیبی عناصر کی نشاندہی، ست پنتھ میں تحریفات کا آغاز، موجودہ صورت حال اور CONCLUSION امید ہے مع الخیر ہوں گے۔

دعا کا طالب

غلام رازق

85. A Persian inscription of Adil Shahi period from Siraguppa (EIAPS, 1953 and 1954, pp.41-44).
86. An inscription of Shah Jahan from Hajo in Assam. (EIAPS, 1953 and 1954, pp.46-49).
87. Inscriptions of the Sultans of Gujarat from Saurashtra (EIAPS, 1953 a 1954, pp.49-77).
88. Arabic and Persian Inscriptions from the Indian Museum, Calcutta (EIAPS, 1955 and 1956, pp.1-32).
89. Inscriptions from the Assam provincial Museum, Gauhati (Ibid, pp.33-34).
90. Inscription from Rajputana Museum, Ajmer (Ibid, pp.51-62).
91. Inscription from the State Museum, Alwar (Ibid, pp.53-56).
92. Inscription from the Victoria Hall Museum, Udaipur (Ibid, pp. 67-70
93. Inscription in the Bharata Itihas Samshodhaka Mandala, Poona (Ibid, pp.87-88).
94. Inscriptions from the Museum of Antiquities, Junagadh (Ibid, pp.89-1-2).
95. Inscriptions from the Prince of Wales Museum, Bombay (EIAPS, 19 and 1958 pp.1-28).
96. Two inscriptions from the Government Museum, Madras (Ibid, pp.103-106).
97. Inscriptions from the State Museum, Hyderabad (EIAPS, 1959 and 1 pp.27-37).
98. Inscriptions from Qumbus in Andhra Pradesh (Ibid, pp.61-68).
99. Inscriptions for Alaud-Din Khalji from Chitorgarh (Ibid., pp.69-74).
100. Arabic Inscriptions of the Rajput period from Gujarat (EIAPS, 1961, pp.1-24).
101. Some Tughlaq inscriptions from Bihar (Ibid, pp.25-34).
102. Three Inscriptions of the Auhadis (Ibid, pp.59-63).
103. Inscriptions from the Khusraw Bagh, Allahabad (Ibid., pp.64- 68).
104. Khalji and Tughluq inscriptions from Gujarat (EIAPS, 1962, pp.1-40
105. Inscriptions of the Gujarat Sultans (EIAPS, 1963, pp. 5-50).
106. Khalji and Tughluq inscriptions from Uttar Pradesh (EIAPS, 1964, pp. 1-20).

107. Inscriptions of the Sultans of Malwa (Jointly with SAR).
108. Early Kufi Epitaphs from Bhadreswar in Gujarat (EIAPS, 1965, pp.1-8).
109. A fourteenth century epitaph from Konkan (Ibid, pp.9-10).
110. Inscriptions on the Bhadra Gateway, Ahmadabad (ibid., pp.67-71).
111. Fragmentary Inscriptions of Queen Radiyya from Uttar Pradesh (EIAPS, 1966, pp.1-3).
112. Inscriptions for the Mamluk Sultans of Delhi (Ibid, pp.4-18).
113. Two Inscriptions of Chiyathud-Din Tughluq from Uttar Pradesh (Ibid. pp.19-26).
114. Khalhi and Tughluq Inscriptions from Rajasthan (EIAPS, 1967, pp.1-24).
115. A new inscriptions of Mahammad bin Sam (EIAPS, 1968, pp.1-3).
116. The Chanderi inscription of Alaud-Din Khalji (Ibid, pp.4-10).
117. An early Sultanate record from Baroda (Ibid, pp.17-20).
118. An early Fifteenth Century inscription from Gujarat (Ibid., pp.21-24).
119. An inscription of Husain Shah Sharqi from Bihar (Ibid, pp.25-27).
120. A unique inscription of Humayun from Bulandshah (Ibid., pp.28-32).
121. A Sur Inscription from Central Rajasthan (Ibid., pp.33-40).
122. Inscription of Emperor Akbar from Uttar Pradesh (Jointly with WHS, EIAPS, 1969, pp.61-86).
123. A unique inscription of Muhammad Shah Sur of Bihar (EIAPS, 1970, pp.9-12).
124. An early Fourteenth Century Epigraph from Gujarat (ibid., pp.13-15)
125. Inscriptions of the Khanzadas of Nagpur (Ibid, pp.16-44).
126. Some Mughal inscriptions from Gujarat (Ibid, pp.16-44).
127. Some fourteenth century epitaphs from cambay in Gujarat (EIAPS, 1971, pp. 1-105, out of 191 pages of typescript).

F. Articles of Numismatics

128. Section of Coins of the Sultans of Gujarat (in Gujarati) Political Cultural History of Gujarat, Ahmadabad, Vol. ..., pp......
129. Section on the Mughal Coins of Gujarat (in Gujarati)   Do.

52. Tughra:Kannada Encyclopabaedia, Mysore.
53. Naskh, Do.
54. Nastaliq, Do.
55. Famous Mosques of India, Broadcast from the ALL INDIA RADIO, o 30.11.1972.
56. Islamic Architecture of Marnalataka. (Seminar on Archaeology Deptt. of Ancient Indian History and Culture of Mysore, 1972.
57. Asthar-i-Qadima Ke Liye Nai Knoj AIR. 5-9-69.

E. Articles on Inscriptions.

58. A new Persian stone inscription from the Harsol. Bulletin of the Baroc Museum and Picture Gallery, Barodda, Vols.X-XI, 1953-55, pp.59-61
59. Unpublished Persian inscription from the Baroda Museum and Picture Gallery, Do., Vol.XII, 1955-56, pp.33-38.
60. Does the Una Inscription Mention Sultan Mahmud II, Journal of the Institute of Archaeology, Vallabh Vidyanagar, Research Bulletin, Ana Vol.I, No.1, 1957, pp.224-32.
61. Arabic Epigraphy in India Broadcast by All India Radio, New Delhi, o 6-8-1959.
62. Arabic and Persian Inscriptions (ANCIENT INDIA, No.IX, 1953, pp.224-32.
63. Recent Discoveries of Arabic and Persian Iscriptions Read at the 23rd Session of the Indian History Congress Aligarh, 1960.
64. Two Tugluq Inscriptions from Daulatabad Dr.Ghulam Yazdani Commemmoration volume, Hyderabad, pp.77-83.
65. A fifteenth century Persian Inscription from Baroda Journal of M.S. University of Baroda, Vol.XV, No.1, April 1966, pp.9-13.
66. A Tughl'uq inscription from North Bihar Dr.N.K.Bhattasali commemoration volume, Decca 1966, pp.199-204.
67. Muslim Inscriptions in the Central Museum, Nagpur Shatabad Kaumu - Centenary volume of the Nagpur Museum, Nagpur 1964, pp.21-25.
68. Two inscriptions on the Bhadra Gateway, Ahmadabad (in Gujarati) Swadhyaya Baroda, vol. No..........., pp.....

69. An inscription of Mahmud Begada from Panch Mahals District Bulletin of the Museum & Picture Gallery, Baroda, Vol.XX, 1968, pp.61-65.
70. Epigraphy in Medieval Deccan. History of Deccan, Hyderabad, 1975, Vol.II, pp. 363-379.
71. Inscriptins on the Tomb of Miyan at Hyderabad, Professor S.H.Askari Felicitation, volume, Patna, 1968, pp.136-48.
72. Muslim Epigraphy in Rajasthan: A Bird Eye-View. For Dr.Satya Prakash Felicitation volume.
73. An Early 15th Century Inscription from Mangrol (in Gujarati) Swadhyaya, Baroda, Vol.IX, No.1, pp......
74. An Early Sultanate inscription from Baroda (in Gujarati) Swadhyaya, Baroda, vol.VIII, No.4, pp......
75. A thirteenth century Arabic Inscription mentioning the Hormuz King from Somnath (in Gujarati) Swadhyaya, Baroda, vol.... No. ...., pp....
76. Section on Arabic and Persian Inscriptions of Gujarat, Mughal Period (in Gujarati) Do.
77. Section on Arabic Inscriptions of Gujarat, Mughal period (in Gujarati) Do.
78. Inscription of Sultan Radiyya from Bulandshah, Do. No........., pp......
79. Persian and Arabic Inscriptions of Karnataka. Paper read of the seminar on Archaeology at the Department of Ancient Indian History and Culture University of Mysore, Mysore, 1972.
80. The Two so-called Inscriptions of Nasirud-Din Mahmud Shah II of Bengal. Paper read at the Bengla Desh Itihas Parishad, Dacca, 12-14th May, 1973.
81. The so-called Chunkhali Inscription of Nasirud-Din Mahmud Shah II of Bengal. Paper read at the First session of Indian Epigraphical Society, Dharwar, 1975.
82. "Notes on Relics of Jahangirs Reign - Notes on articles published Mod Re. September 1954" unpublished.
83. Some unpublished inscriptions from Kurnool EIAPS, 1951 & 1952, pp.35-60.
84. Qutb Shahi inscriptions from Andhra State (EIAPS, 1953 & 1954, pp.23-33.).

C. Articles of History

23. Some New date regarding the pre-Mughal rules of Bengal (from foreig Arabic sources) Islamic Culture, July, 1958 pp.
24. Muslims in the 13th century of Gujarat as known from Arabic and Persian Inscriptions, JOURNAL OF THE ORIENTAL INSTITUTE M University, Baroda, Vol.X, No.4, June, 1961, pp.
25. CHRONOLOGY OF GUJARAT, Vol.II, Period 942-1300 A.D. -- Dat from Arabic and Persian inscriptions. To be published by M.S. Univers Baroda.
26. Do - Date from Traveller and other Muslim Sources for the Do
27. Arabic works as a source for the History of India Read at the 25th Silv Jubilee session of the Indian History Congress, Poona, 1963.
28. Orrisa in the eyes of the Muslim authors. Journal of the Deptt. of Anci Indian History & Culture, Calcutta University, Vol.II, No.1-2 pp. 39-6
29. A'n-Nur us-Safir as a source for the History of Gujarat Journal of the Oriental Institute, M.S.University, Baroda, Vol.XV, Nos.3-4, March-J 1966, pp.464-74.
30. Epigraphy (Arabic & Persian Inscriptions) as Source - Material for the History of India Gazetteer of India, Vol.II, New Delhi 197..., pp.
31. Percentage and early career of Baburs spouse Dildar Begam Aghacha. Dr.Zakir Husain Felicitation volume, New Delhi, 19...., pp.48-56.
32. Muslim Monuments of the Medieval periods as source material for Indian History Gazetteer of India, New Delhi vol.II, pp.
33. India & the Near East during the 13th-15th centuries, from Arabic sources Armughan-i-Malik (Malik Ram Felicitation Volume), New D 1971, pp.209-27.
34. India and the Middle East during the 16th-18th centuries, from Arabic sources. Journal of the Oriental Institute, M.S.Universty of Baroda, V XXIII, Nos.1-2, pp.75-106.
35. Do. (abridged) Foreign Relations of India (Prof.H.K. Sherwani Felicitation volume), Hyderabad, 1975, pp.416-29.

36 Malwa-ke-Chori Sultanon-ke-Nam evain Upadhi-ke-Vishayamen Bhram-ki-Spashtata (The correct titles of the Ghori Sultans of Malwa (Hindi). Hindi Journal of the M.P. Historical Society, Bhopal.

D. Articles on Arts & Architecture

37. Muslim Calligraphy TIMES OF INDIA ANNUAL, 1961, pp.
38. Principal Mosques and Tombs of India Indo-Asian Culture, Vol.14, No.4, October, 1965, pp.
39. Some aspects of Indo-Islamic Architecture of Bihar Abdul- Karim Sahitya Visared Commemoration volume, Asiatic Society of Bangladesh, Decca. 1972, pp.155-66.
40. Indo-Islamic Architecture of Bihar Islamic Culture, Hyderabad, Vol.No......, pp.17-38.
41. Architecture of Gujarat. Talk broadcast by ALL INDIA RADIO on 21.12.1966.
42. Islamic Sulekhankata (Islamic Calligraphy in Gujarati) Kumar Ahmadabad. Serial numbers............, pp.
43. Bahmani Architecture History of Deccan, Hyderabad 1975, pp. 229-252.
44. Architecture of Bahmani Successions States History of Deccan, Hyderabad, 1975 vol.II, pp.255-304.
45. Mughal Architecture in Deccan. History of Deccan, 1975, vol.II, pp.307-314.
46. Mughal Tarz-i-Tamir Masjiden. Talk broadcast from the ALL INDIA RADIO on ....
47. Indo-Islamic Architecture of North and South India for Fine Arts Volume of Telugu Bhasha Samiti, Hyderabad.
48. Section on Pre-Sultanate Muslim Architecture of Gujarat (in Gujarati) Political and Cultural History of Gujarat, Vol. .... Ahmadabad.
49. Section on Calligraphy of Inscriptions of the Sultans of Gujarat (in Gujarati) Do.
50. Section of Calligraphy of the Mughal inscriptions of Gujarat (in Gujarati) Do.
51. Hindustani Athar-i-Qadima (Indian Archaeology) (in Urdu) Tahreer Delhi, No.........., pp.

A. Books.

1. Life and Works of Faidi, with special reference to Nal-Daman (Thesis in Persian approved by the Faculty of Arts. Tehran University, 1959, unpublished).
2. Mosques of India (New Delhi, 1966 and 1970).
3. Indo-Islamic Architecture (New Delhi, 1971).
4. Published Muslim Inscriptions of Rajasthan (Jaipur, 1971).
5. Centres of Islamic Learning in India (in press).
6. Gujarat-na-Itihase-ni-Sandarbha Suchi (Bibliography of the History of Gujarat), Part-VI, Arabic & Persian Inscriptions 920-1935 A.D. (in Gujarati), Ahmadabad 1972.
7. Athar-i-Qadima-i-Hind, being Urdu translation of Indian Archaeology, Lucknow, 1975

B. Articles on Persian Literature:

1. Nimat-i-Khan-i-Ali as a Satirist: Read before the All India Educational Conference, Bombay Session, 1951.
2. Guftar-i-Malik Mahmud (in Urdu), Nawa-i-Adab, Bombay, April 1955, pp.10-13.
3. Shaghal-i-Tuba (in Urdu) D., October 1955, pp.6-12.
4. The Story of Nala-Damayanti as told by Faidi and its comparision with the original Sanskrit version, Journal of the oriental Institute, M.S. University, Baroda, Vol.VIII, No.1 September 1958, pp.81-96; No.2, December 1958, pp. 183- 98.
5. Haji Abarquhi and his Diwan, Indo-Iranica, Vol.XV, No.1, March 62, pp.12-37.
6. Mirat-i-Sikandari as a source for the study of Cultural & social conditio of Gujarat under the Sultanate (1403-1572), JOURNAL OF THE ORIENTAL INSTITUTE M.S. University of Baroda Vol.X, No.3, March, 1961, pp.235-278.

7. Nal-Daman of Faidi. Lecture delivered at Indian Council for Cultural on 7.1.58 and published in Indo-Iranica, 1958, pp.1-14.
8. Life and Works of Faid. Indo-Iranica, Vol.XVI, No.3. pp.
9. Salari, a 13th century Persian poet of India Islamic Culture Vol., No...., October, 1968, pp.
10. A page from the correspondence of Khan-i-Khanan Urfi (in Urdu) Majalla-i-Ulum-i-Islamiyya, Aligarh, June 1963, pp.1-6.
11. Kuchh Diwan-i-Qasim Manijha ke-Mutaaliq (in Urdu) Do, December, 1963, pp.1-2.
12. The couplet of Shah Khurram legend on Shah Jahan's Coins Journal of the Numismatic Society of India, Vol.XXVII, I, Varanasi 1965, pp.1-2.
13. An interesting Charade in a 15th century Persian inscription. Indo-Iranica, Vol. June-September 1967, pp.11-14.
14. Persian Language in the pre-Sultanate inscriptions of Gujarat Do., Vol.X, No.3, September 1967, 18-32.
15. Ganj-i-Maani of Muti I. Indo-Iranica, Souvenir Volume 19 pp.
16. A Fifteenth Century Persian Qasida from Gujarat Indo-Iranica Vol...., No....., pp.31-35.
17. Inscriptions as a source for the study of Indo-Persian Literature. Paper read at the Seminar of Iranologists and Indo-logists, New Delhi, 4th October, 1971.
18. Literary Figures at the Court of Abkar. 400th year Celebration of the Foundation of Fatehpur Sikri, January, 1973.
19. Diwan of Haji Abarquhi. Paper for the Literary Conference of the 17th Anniversary of the Dairatul-Naarifil-Uthamniyya 25th-30th January, 1960.
20. Exhaustive List of Persian and Arabic Manuscript in the Archaeological Museum Bijapur. Unpublished.
21. Persian translation of a poem of Rabindranath Tagore entitled Khitaba ba-Shair (for Gujarati). Unpublished.
22. A Note on the Persian Song of the History of Muzaffar Shah Dynasty of Gujarat Indian History Congress 17th Session, Ahmadabad.

From:
Dr.Z.A.Desai
Superintending Epigraphist for Arabic and Persian Inscriptions, Archaelogical Survey of India, Nagpur-440001

Dt. The 6th Nov 75

My dear Askari Saheb,

I had intimated to you in my earlier letter of the 8th ultimo about my receipt of your kind letter.

At the outset, kindly accept my congratulations for the Ghalib Award which was conferred upon you on the 22nd of the last month. As a matter of fact, Dr.R.S.Sharma who also participa.:d in the Indo-Afghan Seminar at Kabul had mentioned about it, but there was some confusion about the designation. It is indeed a pity that I missed the function by a couple of days, having returned to Delhi from Kabul on the afternoon of the 25th and left for Nagpur on the 27th.

I do not know if you have been able to go through Professor Sherwani Felicitation Volume. The article therein is a curtailed version of the original one which appeared almost simultaneously in the Journal of the Oriental Institute, M.S.University, Boroda, Volume XXIII, No.12, pp.75-106. I am sure this journal will be avaible at Patna. In case, it is not, I may send you a reprint.

Being a Life Member of the Iran Society, I had duly received intimation about your lecture there. Unfortunately, distance prevented me from attending the function though I was extremely anxious to attend it. Any way, I am looking forward to the publication of the two Felicitation Volumes in which this as well as the other articles are to be published.

I very much wish that you attend the Aligarh Session of the Indian History Congress. I earnestly hope you would, as it would give me an opportunity of meeting you.

If you remember, you had once asked me to send you a list of my articles, etc. I am enclosing herewith an uncorrected copy of the same which may give you an idea of the topics, etc., on which I have written. You may perhaps like to go through it.

The book I had mentioned to you in one of my previous letters is the Tadkiratul-Muluk of Rafiud-Din Shirazi which is a history of the Adil Shah of Bijapur. Unfortunately I am not getting time to prepare a brief note about it — proposal to the Indian Council of Hitorical Research to sponsor it or so.

Dr.Sharma of course told me that the Council had written to me some time back, but I have not received any communication and I told him so.

With regards,
Yours Sincerely,

Encl:1

Shri S.Hasan Askari,
Khan Mirza, Patna

List of My Writings

by
Dr.Z.A.Desai

sajjadaship of the fourth spiritual successor of Mir Muhammad Afdal who had died in 1712 A.D. The date of transcript would therefore be sometime during the last two decades of the 18th or beginning of the 19th century A.D.

No.160/HL 327 **Sharh-i Diwan-i Hafiz**

The name of the commentary given by its author (folio 99a) is مرج البحرین "Marajul Bahrain." Also, it was composed not in A.H. 1126 as stated in the catalogue, but in A.H.1026 چوں در سال بیست وششم از الف ثانی نویدا یں... "The writing of this ... in the 26th year of the second millennium". The 26th year of the second millennium is A.H. 1026 and not A.H. 1126. Moreover, the author also gives the date of composition in a chronogram (f.99b): تاریخ آن سواد چه پرسی از دل تکرار کن چو نام را بس است

"Why do you inquire of the date of its composition from the heart?

It will suffice if you repeat its name".

The repetition of مرج البحرین which yields 513 will give 513x2 = 1026.

This is probably the earliest metrical commentary of Hafiz's Diwan and it seems to have been quite popular, as its copies are found in Rampur, Calcutta, and Lahore, among other places. An article on the Rida Library Rampur manuscript of this work — or rather a later rescension thereof made about a decade later — was published in the reputed Urdu journal Ma'arif, Volume-XVII, No.4 (April 1927, Ramadan 1344), pp.291-98. Another copy was described in the Persian periodical "Danish" Islamabad Issue No........., pp.45–80 and a correction of a few points there of in the same periodical's . . issue. For its copies see A Descriptive Catalogue of the Persian, Urdu and Arabic manuscripts in the Punjab University Library, Volume-I (Lahore, 1942), p.377, where references to other libraries containing its copies are given.

The handwriting of the manuscript is not careless and rough Indian Nasta'liq as stated in the catalogue (p.273) but a firm Nasta'liq.

———oOo———

Additions

Page/line	
2/25	This Mirak Husain [Khwafi], is a well-known Mughal official of Jahangir and Shahjahan's time (Ma'athiru'l Umara, Eng. tr., vol. I, p.222)
4/7	writer i.e. scribe.
4/27	seal of above mentioned.
5/13	"Finished is the book with the help of most generous Lord. In the month of Rajab, on the date 19th, as a memorial to .... Ghulam Hasnain(?), it was written".
6/19	periods ~~of~~ under
10/11	Shahjahan (year)...
10/24	from the ~~belongings~~ effects of
11/11	colophon, wherein the
21/22	dignity...the calligraphical style not possible due to struggles here and there.... I have written it more like a scribe.... scribal errors might have occured which may be corrected with the pen of forgiveness, and having perceived satisfaction (?) from the style of transcript, they should not find fault, since no human being is free from mistakes. Holy is thy Lord, the Lord of Honour (and Power), far above that which they assert. And peace be upon the Messengers and all praise belongs to Allah, the Lord of the worlds (Quran, xxxvii, 180-82)
30/17	Juz 5 .... plain.
34/3	Singh ~~Bahadur~~ Kaul ...
36/13	read by me ...
37/26	Din, as is suggested
47/25	No.145/HL 425 above.
48/23	Issue No.15, P'aiz 1367 (Autumn 1988)
48/24	issue nos.17-18 (spring and summer 1989).

"I, **Bakhshish Husain purchased, for the price of seven rupees coin, th Diwan of Khwaja Hafiz, may (Allah's) mercy be upon him, in 1232 Fasli, 'Azimabad (i.e. Patna), at the place Bagh-i-......... 'Ali (the porti containing the first part of the name of the person after whom the gard — Bagh — was called, is torn), which is situated in Mahalla Sadiqp through Ghauthi the barber (Hajjam), an inhabitant of the town of ... (portion torn)".**

After this, comes this note:.. دیوان حافظ قلمی خوشخط در کتاب خانہ جناب نواب حاجی سید ...ایت علی خاں صاحب بہادر بمہر و دستخط داخل نمودہ شد۔

"(Serial) No.37. Diwan of Hafiz. Handwritten. Beautiful calligrap Entered into the Library of His Highness Nawwab Hajj Sayyid Wilayat ' Khan Sahib Bahadur under the seal and signature".

Below this note is an indistinct seal of the said library.

There were round seals on ff.14b and 15a which have been erased.

According to the catalogue (p.265), the manuscript was "written Shiraz". The basis of this statement is neither quoted nor is it clear. Th is no colophon as such, but at the end of the manuscript (folio 206a), occ the following quatrain which might have suggested Shiraz as the place transcript to the cataloguer:

مقبول خواص و مشہور عوام   خوش لہجہ و موزون حرکت نازہ تمام

در خطۂ شیراز تماست و تمام   زور آوری محمد حافظ نام

"The one popular among the elite and celebrated among the laymen

Of pleasant diction, symmetrical movements and compl blandishment·

In the town of Shiraz, there reigns supreme,

The domination (lit. show of strength) of one named Muhamm Hafiz.

This does not in any way mean that Shiraz was the place of transcrip the manuscript. It merely speaks of the unrivalled popularity of Hafi Shiraz to which he belonged.

A purchaser's note on the same folio (206a), which has been trimm off and pasted over with a slip seems to read:

ایں کتاب را... محمد خلیل (ر) بقیمت... کلدار خریدہ ام۔

"This book .... (I), Muhammad Khalil, have purchased for the price Kaldar". A small round seal perhaps of this purchaser, affixed near note, has been obliterated.

There is also repeated the entry note of the library of Nawwab Sa Wilayat 'Ali Khan and his seal and also a signature, very probably, of Sa Khurshid Nawwab.

o.156/HL 323 Diwan-i Hafiz

There is this note by the founder of the library on the back of the front over:

(دیوان حافظ مجلد دی مشقت تحصیل بغرض یادگار بعزیز دلبند ارجمند صلاح الدین زید الله علمہ
بخشیدم۔ کتبہ والدہ خدابخش عفی عنہ المرقوم تاریخ ۲۰ ستمبر ۹۰ سنہ

As a reward for hard work in studies, I presented (this) Diwan of Hafiz to he worthy son Salahud-Din, may Allah augment his knowledge. Written y his father Khuda Bakhsh, may he be pardoned. Written on 20th eptember (18) 90".

Below it occurs this partly torn off note of the son:...... بتاریخ ۴ جنوری ۱۸۹۲ء
مدعمرہ بخشیدم العبد صلاح الدین

On 4th January, 1892, I presented (it) to .... may he have a long life. Signed:) The creature Salahud-Din".

Folio 1a contains a few endorsements:

(1) دوم شہر ذی حجہ ۱۱۹۳ ہجری . "2 month of Dhul Hijja, year A.H. 1193".
(2) آخر جمادی الاول ۱۱۹۶ ہجری . "Last (day) of Jumada I, A.H. 1196". (3) ۱۳ شوال ۱۱۹۷ موجودات دیدہ شد "On 13th Shawwal, (A.H.) 1197, the stock (lit. the things present) was seen."

On folio 244b occurs this seal of Shihabud-Din Khan شہاب الدین خان ۱۸۹۵ "Shihabud-Din Khan (year) 1895(?)" which is repeated on folio 245b. This folio, as rightly pointed out in the catalogue, has been added later to complete the manuscript and contains an earlier seal, unfortunately indistinct, of some Mughal official of note, which reads: کامگار خان بندہ ... شاہ "Kam(ga)r Khan or K(am)war Khan, slave of .... king". I am inclined to assign the seal to Kamgar Khan, whose seal occurs on No. above.

No.159/HL 326 Sharh-i Diwan-i Hafiz

Folio 1a gives the author's name as well as the price of the manuscript thus: شرح دیوان حافظ من تصانیف میر افضل الہ آبادی قیمتش ۵

"The commentary on the Diwan of Hafiz, a work of Mir Afdal Ilahabadi. Its price is (rupees) 5 (?)".

The catalogue (p.272) which quotes only parts of the colophon of this undated copy, omits this important part there-from:

این گنہگار و روسیاہ را در آنجناب بچہار واسطہ نسبت غلامی دارد

"This sinner and black-faced one (i.e. sinner) has the relation of servitude with that respected one (i.e. is his disciple) through four steps". That is to say the scribe was a disciple of the disciple of the disciple of the disciple of he Mir. In otherwords, the manuscript was transcribed during the

1. Seal reading: سید علی حسینی مرید عالمگیر بادشاہ ۱۰۷۶-۸ "Sayyid 'Ali Husaini, a devoted servant of 'Alamgir Badshah. (Regnal year) 8 (A.H. 1076)".

2. ۲۷ جمادی الثانی سنہ ۹ تحویل قابل (؟) شد "On 27th Jumada II, year (A.H.) 9, it was given in the custody of Qabil(?)"

3. ۱۸ رجب تحویل ... شد "On 18th Rajab, it was entrusted to the charge of ....".

4. Seal with this saja': حکیم صالح بجان شد مرید شاہجہاں ۱۰۵۳-۱۶

"Hakim Salih became, out of his heart (i.e. most sincerely) a devoted servant of Shah Jahan. (Regnal year) 16 (A.H.) 1053".

5. A charge report note: ۵ شہر ذی حجہ سنہ ۳۲ تحویل ہلال (؟)

"On 5th of the month of Dhu'l-Hijja, (regnal) year 32, it was given in custody of Hilal (?)."

Below these are also endorsements which read from left to right: (1) ۲۲ ذی الحجہ سنہ ۱۰۷۵ تحویل ہلال شد On 22nd Dhu'l-Hijja, A.H. 1075, it was given in charge of Hilal". (2) ہفدہم ماہ جمادی الاول سنہ ۴۱ عرض دیدہ تحویل محمد باقر شد "On 17th Jumada I, (regnal year) 41, it was seen and given in the custody of Muhammad Baqir".

Below this note are the words: سلطان حسین میرزا بایقرا "Sultan Husain Mirza Baiqara" and a note ۶ شعبان سنہ ۸ تحویل سہیل "On 6th Sha'ban, (regnal) year 8, it was given in the custody of Suhail".

At the bottom of the folio are the notes: ۱۷ جمادی الثانی ۴۱ تحویل محمد باقر شد "On 17th Jumada II (regnal) year 41, it was given in the charge of Muhammad Baqir." (2) ۴ ربیع الآخر سنہ ۸ تحویل محافظ خان شد "On 4th Rabi' II, (regnal) year 8, it was given in the charge of Muhafiz Khan."

To the right side of the folio, occurs this phrase written from below upwords: صورت میرزا میرانشاہ "Portrait of Mirza Miran Shah".

No.152/HL 319 **Diwan-i Hafiz**

On Folio 1a, there were two seals, one authenticating or signing a note on the top left of the folio, but these are totally rubbed out. On folio 2b, margin, too, there was the same note which has also been blotted out.

There were two purchase notes under the colophon (folio 153b), the upper one of which has been erased and stamped over by the Library's seal: only the words: ....خرید دیوان حافظ "Purchase of Diwan-i Hafiz ...", چوک "Chowk" and سکۂ حال "current coin" can be made out. The second note may be reproduced here:

خرید دیوان حافظ قیمت پنجاہ ۵۰ روپیہ سکہ در چوک بلدۂ لکھنؤ مالک این کتاب...

"The Diwan of Hafiz was purchased for rupees 50/- only in the Chowk (locality) of the city of Lucknow. The owner of this book is ...... (name erased).

The scribe gives his name somewhat intriguingly in the colophon comprising this verse preceded by the word کتبہ "written by":

بندۂ کمترین یزدانی میرک الفقیر باغ میدانی

"The least slave of God, the humble (?) Mirak of Bagh-Maidan.

No.154/HL 321 Diwan-i Hafiz

The manuscript was presented to the Oriental Library, Bankipore, not by Shah Ahmadullah Ghazipuri as stated in the catalogue (p.264), but by Ahmadullah Ghazipuri. The word شاہ "Shah" taken as part of the name is a wrong reading of the word بندہ "servant". The date of presentation of the book is 27th January 1894 and the place-name is illegible; it looks like Nishanpur or so.

Also, the catalogue does not mention the following interesting note of the scribe, written below the colophon (folio 214a):

این چند کلمہ در بلدۂ احمد آباد این اقل خلق اللہ محمد حسین انجو در بیست و ششم محرم الحرام

سنہ ۱۰۳۴ سمت ترقیم بود وقتی کہ این ضعیف در ملازمت (کذا) میاں صاحب معتوق بندگی بہم رسانیدہ بود تحریر شد ۱۰۳۴

"This least of Allah's creatures, Muhammad Husain-i-Inju wrote these few words in the city of Ahmadabad on 26th of holy Muharram, year (A.H.) 1034. This was written when this infirm creature had paid his obeisance in the service of Miyan Sahib. (A.H.) 1034."

The Miyan Sahib mentioned in the note is very likely identical with the Sajjada-nashin of the famous Khanqah of Hadrat Sirajud-Din Muhammad Shah 'Alam Bukhari, namely Sayyid Muhammad Maqbul-i 'Alam, with the poetic name Jalali, who enjoyed great respect at the court of Mughal emperors Jahangir and Shah Jahan.

No.155/HL 322 Diwan-i Hafiz

On the extra folio in the beginning occurs this note transcribed in an artistic fashion: از کتبخانہ سرکار نواب بہادر نواب حاجی سید ولایت علی خان صاحب دام اقبالہ و افضالہ

"From the library of the the estate of His Highness Nawwab Bahadur Nawwab Haji Sayyid Wilayat 'Ali Khan Sahib, may his good fortune as well as bounty last (for ever)".

This interesting purchase note occurs on folio 1a:

این دیوان خواجہ حافظ علیہ الرحمہ بشہر عظیم آباد بمقام باغ ... علی کہ بمحلہ مادھو پور واقع است در سنہ ۱۲۳۲ یکہزار

دو صد و سی و دو فصلی بمعرفت غوث حجام ساکن قصبہ ... قیمت مبلغ ہفت روپیہ سکہ من بخشش حسین خریدم۔

"Then it passed into the possession (lit. turn), through purchase as per the rules of the Prophets' Shari'at, of Ahmad son of 'Ali son of Ibrahim al-Baldadi(?) al-Bahrini, on 8th of the month of Dhu'l-Hijja, year (A.H.) 1153".

The seal of the purchaser reads:... الواثق باللہ العلے احمد بن علی
"The reliant on the Lofty Allah, Ahmad son of 'Ali. (Year illegible)".

There is also an arddida note which reads: ۱۹ ربیع الثانی سنہ ۹۹ عرض دیدہ شد
"On 19th Rabi II, year (A.H.10)99, it was seen". This note has below it a small round seal containing only the name محمد "Muhammad".

There are two other seals of which the catalogue refers only to the first one: (۱) محمد صادق شرف الدین ۵-۱۰۷۲ (۲) کامگار خان خانہ زاد عالمگیر بادشاہ...

(1) Muhammad Sadiq Sharafud-Din. (Regnal year) 5, (A.H.) 1072". He was obviously an official under Aurangzeb.

(2) Kamgar Khan, the house-born slave of the king 'Alamgir. (years illegible).

No.148/HL 419 **Mihr wa Mushtari**

This excellent illuminated and illustrated copy has on folio 1a these three seals of which less than half of the third one has been pasted over with a slip: (1) قابل خان خانہ زاد عالمگیر بادشاہ ۱۰۹۷-۲۱. "Qabil Khan, house-born slave of king 'Alamgir. (Regnal year) 21 (A.H.) 1097". (2) ارشد خان خانہ زاد شاہ عالم بادشاہ غازی ۱۱۲۰-۲ "Arshad Khan, houseborn slave of Shah 'Alam Badshah Ghazi (i.e. son and successor of Aurangzeb). Regnal year) 2 (A.H.) 1120". (3) .....شاہ غازی-۲ Badshah Ghazi (Regnal year) 2....."

The date and month of transcript not quoted in the catalogue (p.227) are: سلخ شعبان Last day of Sha'ban (A.H.1017).
Folio 1b has this note in a later hand:.
درنسخہ دیگر مصارع ثانی این ورق چنین یافتہ شد

"In another copy, the second hemistiches of this folio were found written thus". Eight variant hemistiches are quoted in the margin.

No.149/HL 337 **Diwan-i Ruknud-Din Sa'in**

The catalogue (p.229) does not give the month Safar 22nd of the year of transcript A.H.883.

No.150/HL 345 Diwan-i 'Ali Hamadani

On folio 1a, the title given is دیوان علائی Diwan-i 'Ala'i

At least two seals were affixed on this folio, but they have been rubbed out. In one, however, this portion is legible: سنہ احد... شاہ بادشاہ غازی "(Regnal) year one ... Shah Badshah Ghazi". He could be محمد شاہ Muhammad Shah (Accession A.H. 1131) or احمد شاہ Ahmad Shah (Accession, A.H.1164).

There are, again, three charge reports, which also have been partly rendered illegible due to the trimming of the margin in the process of binding. These are:

(1) بتاریخ... شہر شوال سنہ ۴۹ تحویل محمد صادق شد "On ... of the month of Shawwal, (regnal) year 49, it was given in charge of Muhammad Sadiq"

(2). ... ۱۹ جمادی الآخر (؟) سنہ ؟ تحویل... ... . "(On) 19th Jumada II, (regnal year) .... in charge of ... (3). بتاریخ ۶ شہر رمضان... تحویل میرزا... شد "On 6th Ramadan (regnal year) ..., it was given in charge of Mirza ... ".

No.151/HL 318 Diwan-i Hafiz

Folio 1a has at the top the name دھنراج. "Dhan Raj" who might have been one of the owners of the manuscript. Below this name occurs the arddida note of an official of Akbar's time:.

۱۷ ذی القعدہ سنہ ۴۲ عرض دیدہ شد العبد عبداللہ چلپی

"On 17th Dhul-Qa'da, it was seen. The slave "Abdullah Chalapi"

A seal to the left of this note is indistinct and only the words ..شاہ بادشاہ..... "Shah Badshah" can be made out.

Towards the right is a note reading:

کمترین خانہ زادان عرض... چہارم ربیع الآخر سنہ ۸ جلوس والا۔

"The least of the houseborn slaves, ard-d .... 4th Rabi' II year 8 of the sublime accession.

An oval seal below it reads: میمنت خان ۔ ۱۱۲۵ "Maimanat Khan (A.H.) 1125.

On the left side of the folio is this arddida-cum-charge report:

۱۶ محرم سنہ ۱۴ عرض دیدہ تحویل سہیل شد

"On 16th Muharram (Regnal) year 14, it was seen and given in the custody of Suhail".

In the middle of the folio there are quite a few seals or endorsements. These are, from right:

No.138/HL 304 Diwan-i Ibn-i Yamin

Folios 1a has this library entry note:. دیوان ابن یمین قلمی فارسی خوشخط در کتب خانۂ جناب نواب حاج سید ولایت علی خان بہادر بعد مہر و دستخط داخل نمودہ شد۔

"The Diwan of Ibn-i Yamin. Handwritten. Persian. Beautiful calligraphy. Entered into the library of Nawwab Hajji Sayyid Vilayat 'Ali Khan Bahadur after the affixture of the seal and (his) signature".

The seal of the library described in the previous lines occurs below this note. Then comes this endowment note: سید خورشید نواب وقف نمودم

"I, Sayyid Khurshid Nawwab donated (this)" alongwith his usual seal.

On folio 104b, under the colophon, are repeated the same two seals and the library-entry note.

No.139/HL 416 Intikhab-i Muqatta'at-i Ibn-i Yamin

The scribe's name read in the catalogue (p.209) is اصیل الدین "Asilud-Din" without his father's name Shaikh Muhammad. (See also No.135, above).

No.140/HL 315 Qasa'id-i Badr-i Chach

The catalogue (p.212) does not read regnal year 5 of Farrukh Siyar quoted in the colophon (folio 67b) and it also omits to read the name of the place towards which that emperor had gone for hunting when the manuscript was transcribed. The place-name is written, without any dots, سیولے which could be Sivli or Siyuli.

No.142/HL 317 Qasa'id-i Badr-i Chach

A small square seal on folio 1a has been inked out. Another round seal on the same folio which is also rendered indistinct, seems to mention محمد...خلف ارشد "Muhammad ... son of Arshad".

On folio 57b, the last page, there is a small oval seal which has been blacked out. It appears to read: محمد رحیم حسینی ۱۱۱۵ - ۴۸ "Muhammad Rahim Husaini. (Regnal year) 48 (A.H.) 1115." He would be an official under 'Alamgir.

On extra folio 1 is this note:

گوجری کہتا از آنچہ حوالہ گنگا رام پسر راجا رام زرگر نمودہ شد و آخر جمادی الثانی سنہ ۵

"Gujari Khata (Katha ?). From whatever has been entrusted to Ganga Ram son of Raja Ram Goldsmith. End of Jumada II, (regnal) year 5".

Another extra folio has a prescription for piles.

No.143/HL 336 Diwan-i Khwaju Kirmani

Folio 1a has a previous owner's note which has been rubbed out. It was written on 9th Sha'ban, regnal year 20, of which emperor, it is difficult to determine.

Another note, calligraphically transcribed in Tughra style, reads: داخل کتب خانہ جناب نواب فدا حسن خاں صاحب بہادر دام اقبالہ شد مورخہ ۱۲ اکتوبر ۱۸۶۳ عیسوی
"Entered into the library of Nawwab Fida Hasan Khan Sahib Bahadur, may his good fortune last! Dated 12th October 1863 A.D."

No.144/HL 424 Humai wa Humayun

The catalogue (p. 216) fails to take note of the colophon occurring on folio 170a, which reads: تم الکتاب بعون اللہ تعالیٰ و حسن توفیقہ سنہ ۱۲۴۰ ہجری النبوی تاریخ ۱۴ چہاردہم شہر شعبان المعظم روز دوشنبہ
"The book was finished with the help of the exalted Allah and His best guidance in the year A.H. 1240, on the 14th of the magnificent month of Sha'ban, Monday".

A purchase note, under the colophon, has been briefly mentioned in the catalogue which, however, fails to give details like the cost, as well as the place of purchase and also quotes the year wrongly. The said note reads: نسخہ ھذا از شیخ حسین بخش سوداگر بلدۂ لکھنو بمقام احمدآباد بقیمت ھشت (؟) روپیہ بتاریخ سنہ ۱۲۹۵
۱۹ اکتوبر سنہ ۱۸۶۹ عیسوی خرید نمودہ شد۔

"This copy was purchased at Ahmadabad in A.H. 1295, 19th October 1869 A.D.(not 1865, as given in the catalogue), for eight rupees, from Shaikh Husain Bakhsh (the catalogue omits the word Shaikh), the merchant of the city of Lucknow". The note is signed but the signature put in a cursive hand is illegible; the signature may be of one Raj Bahadur.

No.145/HL 425 Humai wa Humayun

There are purchase notes and seals on folio 93b which have been rendered too indistinct due to pasting of slips in repairs, to yield decipherment. However, they have been read as under:

(1). بسم اللہ والحمد ابتیاع نمودہ شد بتاریخ پنجم محرم سنہ ۱۰۷۶

"In the name of Allah. And praise (is due to Him)! On 5th Muharram, year (A.H.) 1076, the purchase was made".

(2). ثم انتقل بالبیع الشرعی النبوی الی نوبت احمد بن علی بن ابراهیم البیل ددی (؟) ... البحرینی بتاریخ یوم
الثامن من شهر ذی الحجہ الحرام سنہ الثالث والخمسون بعد المائتہ والالف۔

An endorsement on folio 1b is rubbed out. The colophon gives the day and the time of transcript, namely روز آدینہ وقت ظہر "Day Friday, at the time of noon prayers" which are omitted in the catalogue.

The above-mentioned saja' seal is also put below the colophon (folio 342a).

The colophon assigns the Diwan to Auhadi Kirmani, but someone has added three words اوحدی اصفہانی شاگرد "Auhadi Isfahani, pupil of" in the margin, meaning that the Diwan is of Auhadi Isfahani, pupil of Auhadi Kirmani.

No.135/HL 288 **Jam-i Jam (of Auhadi)**

A separate folio, bound with the manuscript in the beginning, contains a note in Persian giving an account of the life and works of the poet culled from different Tadhkiras. It is unsigned but in all probability, it is by Maulavi Muhammad Bakhsh father of Maulavi Khuda Bakhsh Khan.

Folio 1a has a signature in Urdu of Mir Vilayat 'Ali Khan, a previous owner.

The name of the scribe is somewhat unusually inscribed in the colophon (folio 194a). The catalogue calls him اصیل الدین محمد "Asilud-Din Muhammad" but to me it looks like اصیل الدین بن شیخ محمد written like اصیل الدین شیخمحمد , where the letters ین of the first name is taken to also take the place of بن "son of" and the curve of ن also surving as the curve of the letter خ and شیخ and محمد. written together. This type of artistic device is resorted to by professional calligraphers. In other words, I would like to read the name of the scribe as Asilud-Din son of Shaikh Muhammad.

This is corroborated by the invocatory phrase غفرلہما "may they two be forgiven" indicating that the preceding phrase contains two names and not one.

No.137/HL 372 **Kulliyat-i Ibn-i Yamin**

This appears to be a prized copy as it contains quite a few seals and arddidas, also referred to but not detailed in the catalogue.

According to the catalogue (p.208), "among other seals and arddidas on fol. 1a is a seal of Muhammad Tahir". This seal which occurs at the left bottom is partly cut off in binding and reads:.. ... صف شکن خاں مرید[عا]لمگیر[باد]شاہ غازی "Saf Shikan Khan, a devoted servant of ['Alamgir Bad]shah Ghazi ... (year not legible)." It is preceded by this note:

ہو من متملکات اقل خلق اللہ محمد طاہر البخاری عالمگیر شاہی المخاطب بخطاب صف شکنخان

"He (is Allah)! Property of the least of Allah's creatures, Muhammad Tahir al-Bukhari 'Alamgir Shahi, entitled Saf Shikan Khan".

The other endorsements on folio 1a are: (1) قیمت حال ہفت روپیہ "The price at present 7 rupees". (2) قیمت سی روپیہ "Price 30 rupees" (3) اوراق ۲۶۴ Folios 264(?)'

Between the last two notes occurs a seal reading:

مہر عدم تبدیل ہمت خاں عالمگیر شاہی ۱۰۸۳

"The unchangeable seal of Himmat Khan 'Alamgir-Shahi (A.H.) 1083" Regnal year if any not visible.

Another seal reads: لسان السلطان محمود الدولہ منشی رستم خاں بہادر.

"Lisanus Sultan Mahmudud-Daula Munshi Rustam Khan Bahadur". (See No.120 above).

Another endorsement:

دیوان ابن یمین علیہ الرحمۃ الواسعۃ من جملہ متملکات الفقیر حسین بن مظفر کاشی مقیم خالق(؟) آباد ... نور حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم

"Diwan of Ibn-i-Yamin, may extensive mercy (of God) be upon him, from among the belongings of the humble creature Husain son of Muzaffar Kashi (i.e. of Kashan) residing at Khaliq(?) abad ... light (or flower) of the most reverent asylum of prophethood, may Allah's salutations and peace be upon him".

The endorsement at top, right reads: والحمد (؟) مالک میاں محمد بخش خان (؟)

"And praise (be to Allah)! The owner (is) Miyan Muhammad Bakhsh Khan".

Below it are two seals with endorsements:

بہفدہم شہر ربیع الثانی ۱۱۹۴ راجہ تکیت رائے ۱۱۹۲ •

"17th of the month of Rabi' II (A.H.) 1194". "Raja Takit Rai. (A.H.) 1192".

بہفدہم شہر رمضان ۱۲۰۶ ہجری عرض مکرر دیدہ شد — مہاراجہ تکیت رائے ۱۲۰۲

"On 17th of the month of Ramadan A.H. 1206, it was seen again". "Maharaja Takit Rai. A.H. 1202".

In the middle of the folio at the bottom is repeated the seal of Lisanus Sultan described above which has this note under it: چہاردہم شہر ربیع الثانی سنہ عرض دیدہ شد "On 14th of the month of Rabi II (regnal) year (not legible), it was seen".

To its left occurs this note: بتاریخ ۱۷ ربیع الاول سنہ ۱۸ تحویل محمد مظفر شد

"On 17th Rabi I, (regnal) year 18, it was given incharge of Muhammad Muzaffar".

No.131/HL 303 **Duwal (Deval) Rani Khidr Khan**

There is a beautiful Shamsa on folio 1a containing this note: ازکتابخانۂ نواب مستطاب معدالت شعار شہاب الدین احمد خان الحسینی ۹۹۱ ہجری
"In the library of the great and just Nawwab Shihabud-Din Ahmad Khan al-Husaini. A.H.991". He is a well-known official of Mughal emperor Akbar and was, in the year given in the note, governor of Gujarat province.

An endorsement in 'Arabic to the left of the Shamsa alongwith its seal has been erased but is partly legible. A previous owner's note, it reads: قد جاری فی قبضة الفقیر الحقیر... بتاسع من شہر رمضان سنہ ۱۲۶۳ ہجری
"It came into the possession of (this) insignificant humble creature .... (name erased) on 9th of the month of Ramadan A.H. 1263".

Below it is another important note which is also rubbed out but which has been read as under: کتاب عشقیہ امیر خسرو کہ میر صادق از آگرہ فرستاد بتاریخ ۱ شہر صفر سنہ ۴۴
"The book Ishqiyya of Amir Khusraw which Mir Sadiq sent from Agra on 1st of the month of Safar, (regnal) year 44 (of Akbar, i.e. A.H.1006)". A seal put by way of signature for this note is totally rubbed out.

A large oval seal below the Shamsa has also been obliterated.

The catalogue (p. 195) does not give the nisba al-Husaini of Shihabud-Din Ahmad Khan. Also, the colophon merely refers to the collation of the manuscript made by the scribe in the company of Mir Muhammad Sharif Wuqui, who is mentioned with high landatory phrases. The date of collation, 12th Dhu'l-Hijja (A.H. 990),is not mentioned in the catalogue (p.195). The collation of the manuscript was done by the scribe himself at the instance of Shihabu'd-Din Ahmad Khan for whom the manuscript was transcribed in Ahmadabad.

On folio, 159b, there are three oval seals, two of which may be read as under:

1. مالکہ المجازی میرزا رضی علی نقی نسب حیدری مذہب "Its temporal owner is Mirza Radi, descendent of (Imam) 'Ali Naqi and Haidari (i.e. follower of Haidar i.e. Hadrat 'Ali) by religion".
2. از کتب خانۂ مولوی رضا حسن خان بہادر... "From the library of Maulavi Rida Hasan Khan Bahadur".

The third seal is illegible.

No.132/HL 329 **Diwan-i Hasan Dihlawi**

Folio 1a has an interesting note and two seals. While the seals have been rubbed off, the note says:

دیوان بدیع معانی امیر حسن دہلوی در اواسط اولی جمادین سنہ ۱۰۷۲ بوساطت سیادت و نقابت پناہ میر محمد مومن خوشنویس بکتاب خانۂ عالی جناب مہر سپہر عظمت و جلال سپہر جہان جود و افضال المختص بمزید الطاف الملک المنان غضنفر خاں لازال ظلال عاطفت ممدودۃ الی یوم المیزان منتقل گردید

"The Diwan, containing novel and wonderful ideas, of Hasan Dihlawi was transferred to the library of Nawwab of lofty threshold, the sun of the sphere of magnificence and glory, the sphere of the world of generosity and munificence, one distinguished by the greater favours of the obliging Lord, Ghadanfar Khan, may the shadows of his kindness remain stretched (i.e. endure) till the Day of Balance (i.e. Resurrection), through the asylum of Sayyidship and nobility of lineage Mir Muhammad Momin, the calligrapher (Khushnawis), in the middle of the first of the two Jumadas (i.e. Jumada I), A.H. 1072".

While Nawwab Ghadanfar Khan, evidently a Mughal official, is not so, if at all, well-known, Mir Mumin the calligrapher, a poet as well, with 'Arshi as his non-de plume, whose Persian Diwan etc. are available, was the son of the more celebrated calligrapher of the court of Akbar and Jahangir, namely Mir 'Abdullah Tirmidhi Husaini Ni'matullahi — who was also a poet with the poetical name Wasfi — and brother of Mir Muhammad Salih, also a calligrapher of Shah Jahan and a poet with Kashfi as his poetic name. Mir Mu'min Arshi was attached to Dara Shukuh, after whose death and Aurangzeb's accession to the throne, he retired and lived in seclusion.

No.134/HL 314 **Diwan-i Auhadi**

There are two seals on folio 1a: (1) خادم شرع نبی خیرالدین ۱۰۸۷ "The servant of the Shari'at of the prophet, Khairud-Din (A.H.) 1087 (2) الٰہی عاقبت بخیر آباد ۱۰۸۴ "O God! May the end be good!" Very probably, in the second seal, the legend is allusive to the owner's name, Khairud Din, suggested by the phrase بخیر. In that case, both the seals would be of the same person — one with a saja' and the other with his official designation — namely Qadi Khairud-Din.

This purchase note follows the above:

دیوان اوحدی از نزد حاجی محمد شاہ مغل کابلی بمعرفت مبارز جنگ خرید شد

"The Diwan of Auhadi was purchased from Haji Muhammad Shah Mughal Kabuli through Mubariz Jang". A smaller note with the same purport occurs on folio 342b: خرید بمعرفت مبارز جنگ بہادر نمودہ شد

"Through Mubariz Jang Bahadur (it) was purchased".

"This book of Gopi Nath Bahadur was purchased".

ایں کتاب گوپی ناتھ سنگھ کول بمعرفت لالہ بھولاناتھ صاحب... ماموجی (؟)--

"This book of Gopi Nath Singh Bahadur (was purchased) through Lala Bhola Nath Sahib ... Mamuji (?) (maternal uncle) ..."

No.122/HL 383 Gulshan-i Raz

In a lengthy colophon in which the book is called Diwan-i Gulshan-i Raz, the scribe gives his name, not fully quoted in the catalogue as "Sayyid Muhammad Mirza Banarsi, known as Amir Mirza al-Musawi ar-Ridawi" and also states that the present copy was made at the instance of Wazir 'Ali(?). It also gives Bangla and Gregorian era equivalents of the date of transcript namely, 31st Jeth, 1260 Bangla and 12th June, 1853 A.C. The day of transcript is not 14th Muharram as printed in the catalogue (p.172), but 4th Muharram.

The square seal of the scribe below the colophon reads:..........

سید محمد میرزا عرف امیر میرزا الموسوی الرضوی عفی عنہ

"Sayyid Muhammad Mirza alias Amir Mirza al-Musawi ar-Ridawi, may he be pardoned".

No.125/HL 334 Sih Diwan-i Amir Khusraw

This excellent copy, with a double page 'unwan and written in Nasta'liq of a very high order, has on its folio 1a a number of arddida endorsements with seals and notes which are either cut off or pasted over with slips, rendering them indistinct. One of the seals seems to read: اسد(؟) الدولہ حشمت جنگ "Asadu'd-Daula Hashmat Jang". One arddida note reads: سوم صفر سنہ ۳ عرض دیدہ شدہ . "On 3rd Safar (regnal) year 3, it was seen:"; another, refers to its charge being given to some one and yet another, dated 25 of Ramadan, (year not legible) refers to its having formed part of the effects of Mir Bakhshu (?) which were taken into royal custody.

No.128/HL 297 Khamsa-i Amir Khusraw

The poetic name is throughout written in the catalogue as Khusru.

On the fly-leaf (folio 1a) is written a ghazal of 8 distiches by Bidil who composed it on Wednesday (month and year not given) on the occasion of being separated from a dear friend.

The same folio has this purchase note in which the name of the person through whom the book was acquired through purchase, is inked out: بتاریخ بیست و پنجم شهر ربیع الاول سنہ... محمد شاہی بمعرفت مبار؟.. خرید نمودہ شد
"On 25th Rabi I, (regnal) year ... (cut off in binding) of Muhammad Shah, this was purchased through Mubar(ak?)".

The seal below this endorsement is blacked out.

The colophon of the Matlau'l-Anwar has the scribe's nisba رزہ "Raze" which is overlooked in the catalogue (p.188). The scribe Muhammad 'Alaud-Din Raze of this manuscript written in excellent Nasta'liq characters is a famous calligrapher, a number of books calligraphed by whom have been reported from time to time.

The Shirin wa Khusraw is dated last day (سلخ) of Dhul Hijja, which is not taken note of in the catalogue (p.189).

The calligrapher who transcribed the Aina-i-Sikandari and Hasht-Bihisht is not کمال الدین حسین و جلال الدین محمود "Kamalud-Din Husain and Jalalud-Din Mahmud" but کمال الدین حسین جلال الدین محمود "Kamalud-Din Husain (son of) Jalalud-Din Mahmud". Also, the colophon contains his nisba or surname رزہ "Raze" which is not mentioned at all in the catalogue (pp. 190, 35a).

There are five or so seals on folio 235a containing the colophon of the Hasht Bihisht (folio 235a), but all of them have been rendered illegible through mutitation and disfiguring. One of them evidently belonged to a Qadi as is clear from the legible part of its legend: خادم شرع متین...الدین "the servant of the firm Shari'at ... ud-Din". Another is of an official as is indicated by the only legible word "Badshah" therein.

In one, the words of the date فروردین ۱۲ "Farwardin 12" are only extent, the upper portion thereof having been cut off. This note must be of the time of Akbar or Jahangir.

No.130/HL 369 **Qiranus Sa'dain**

A note, probably of purchase of the manuscript, occurring on folio 1a followed by a seal, is entirely rubbed out; the date and month 24th Muharram and the name of the book can only be made out.

On the same folio are given page numbers etc. in notation figures as well as 'Arabic numbers: ۱۱۳ مائه عشر "113" ۴۸ "48" ۱۸ "18" and ۱۱۹ "119"

The year in the colophon is (regnal ?) 26 and not 46 as stated in the catalogue (p.194).

the places where it occurs. Al-Koravi could be taken to mean that he belonged originally to 'Kora' a town in Uttar Pradesh or could it be الگوری. al-Gauravi, i.e. of Gaur, the old capital of the Sultans of Bengal, now in Malda district of West Bengal? Incidentally, the note on folio 1a mentioning the title of the book gives the nisba as الکوری or الگوری which again may be intended as one belonging to Gaur. Folio 1a has also a note and seal of a previous owner reading:.. من مستعارات اقل الخليقة بل لا شئ فى الحقيقة "(Part) of the temporal belonging of the least of the creatures of God, or rather one who is nothing in fact". The seal seems to read: سيد عبد النبی (؟) ١١٥٤ "Sayyid 'Abdün-Nabi(?), (A.H.) 1154". The seal is partly mutilated; as a result, the reading of its owner's name is doubtful, but the year is quite clear.

There is also a purchaser's note where too his seal is cut off in binding and is also indistinct. The note reads:.

قد ابتاع فى بلدة لاهور فى اواخر شعبان ... بمعرفت حافظ محمد امين صحاف وفقه الله بالخير

"This was purchased in the city of Lahore towards the end of the month of Sha'ban ... through Hafiz Muhammad Amin Sahhaf (Book- binder), may Allah grace him with welfare."

There occurs also another note — under a seal which is pasted over — the extant part of which reads .ہشتم ماہ صفر "8th of the month of Safar .....". The seal could perhaps be deciphered from the verso of the folio under proper light.

Below the colophon (folio 169a) occurs one more note which has been inked out. The words: .. نسخہ ... فیض رساں ... جیو دادہ شد.

" ... this book ..... bountiful ..... was given to ... jiu (i.e. ji, the respect indicating suffix to names or epithets). This note is followed by these words which have also been inked out: سید ... خلف اوسط سیدی و مولوی حضرت مولانا عبد (؟) الحسن (؟) صاحب. "Sayyid ..... middle son of my lord and my master (Maulavi) Hadrat Maulana 'Abdul-Hasan Sahib".

Folio 169b has this ownership endowment without a date:

فى ملک حکیم مولوی محمد سعید خانصاحب سب رجسٹرار مقام پٹنہ.

"In the possession of Hakim Maulavi Muhammad Sa'id Khan Sahib, sub-Registrar at Patna".

No.113/HL 371 **Karima**

The colophon also says that this copy was written at the capital of the kingdom, namely Lucknow and designates the ruler (Wajid 'Ali Shah) as the "king of the province (or country صوبہ) of Avadh (Oudh), Akhtarnagar.

No.116/HL 423 Haft-Band-i Mulla Kashi

The name of the place of transcription in the colophon is written as "Baqipur" باقی پور and not "Bankipore" بانکی پور as stated in the catalogue (p.164). It is called بلده i.e. town.

No.119/HL 380 Kanz ur-Rumuz

Folio 1a of this highly ornamented copy contains this library entry note: ...بابت پیشکش عبدالملک داخل کتابخانہ شد

" ... This entered (i.e. was added to) the library by way of peshkash from 'Abdul-Malik". The date of the entry preceding the above note is not legible.

Another note below an effaced seal reads:. ہشتم جمادی الآخر سنہ ۳۰

"8th Jumada II, (regnal) year 30".

One more seal, put towards the bottom of the folio is also indistinct.

Another seal, pasted over by a slip in the course of repairs, seems to contain a saja' which seems to read:...خاک راہ مصطفے

"The dust of the feet of (the Holy Prophet) Mustafa ... "

No.120/HL 381 Kanz ur-Rumuz

Folio 1a contains three seals which are erased partly or fully and hence do not admit decipherment. However, one can be made out to read: لسان السلطان محمود الدولہ منشی رستم خاں بہادر.

"Lisanu's-Sultan Mahmudud-Daula Munshi Rustam Khan Bahadur". His name was Munshi Muhammad Safdar 'Ali Khan and he seems to have a good library from which the volumes of Raudatu's-Safa are to be found in the Khuda Bakhsh Library itself (catalogue, Vol.VI , History, No.461). Above one of them occurs this note: ۲۳ شہر رمضان سنہ ۱۲۰۶ (؟) ہجری عرض دیدہ شد

"On 23rd of the month of Ramadan A.H. 1206, it was seen". This reading of the date in which only the figures ۲ and ۶ are clear is tentative.

No.121/HL 382 Gulshan-i Raz

The purchase note on folio 1a which is not fully legible reads:. ... رمضان سنہ ۱x خرید شدہ داخل کتابخانہ گردید

"On ... Ramadan (regnal) year 1x, it was purchased and added to the library". The seal below it is scratched off and inked out. But the figure "12" representing the century is clear.

Another note reads : ... قیمت ہشت روپیہ خریدہ ۸ روپیہ

"Price eight rupees. Purchased for 8 rupees".

At the end on an extra folio are these notes:. این کتاب گوپی ناتھ بہادر خریدہ شد

The catalogue gives the name of the famous calligrapher of this extremely beautiful manuscript as Muhammad al-Qiwam al-Shirazi محمد القوام الشیرازی (p.151) but the colophon ends immediately after the name with the invocatory phrase غفر اللہ ذنوبہما وستر عیوبہما "May Allah pardon their both's sins and cover up their both's faults", which should mean that Muhammad is the son and Qiwam the father of the calligrapher, for both of whom the prayer is invoked. Al-Qiwam appears to be a misreading of Ibn-i-Qiwam.

No.103/HL 929 **Gulistan**

Folio 1a has two independent notes (of royal librarians perhaps) describing the paper, decoration, etc. of the manuscript. The first note reads: گلستان بخط نستعلیق اول کاغذ میگون متن افشان دوازدہ سطر "Gulistan, first rate in Nastaliq script, paper maigun (wine-coloured), text afshan. Lines 12 (a page)".

The second note runs: حاشیہ سفید فصلے لوح وجدول طلا و رنگ جلد مقوی جزء ۵ سادہ "Margin plain; chapters with gold and coloured headings and ruled borders. Binding strong. Juz 5 ...."

An arddida note reads: ۲۷ جمادی الآخر سنہ ۵۰ عرض دیدہ شد "On 27th Jumada II, (regnal) year 50(?), it was seen".

A seal which in all probability attests this arddida has this legend· امیر خان فدوی عالمگیر بادشاہ غازی "Amir Khan, a devoted servant of 'Alamgir Badshah Ghazi".

Below the colophon (folio 125b), the number of folios is given اوراق "125".

The cataloguer calls the scribe signing his name as العبد الفقیر ہدایت اللہ زرین رقم to be a Shirazi which is unwarranted.

This Hidayatullah Zarrin-Raqam is the celebrated calligrapher-cum-librarian of Aurangzeb and a good number of his calligraphical specimens on waslis as well as books are available. A copy of the Diwan-i Hafiz stated to have been made from the copy transcribed by him for the above-mentioned emperor's library is in the Bodlein library at Oxford (Cat. Per. Turk, Hindustani, and Pushtu manuscripts, Bodl. Library, No.829).

No.104/HL 930 **Gulistan**

On folio 1a occurs the signature شہاب الدین "Shihabud-Din" with a fine monogram in Tughra-i-Ma'kus above it. It also contains his signature in English: Shahabuddin Khan Bankipore and an irregular octagon-shaped seal of his reading: شہاب الدین خان "Shihabud-Din Khan". The seal is repeated on folio 68b, below the colophon.

No.105/HL 931 Gulistan

Folio 1a has one purchase note and one library entry note, both of which appear to be in the same hand:

1. بہ یکصد و بیست و دو روپیہ خریدم "I purchased (it) for 122 rupees".
2 بتاریخ پنجم شوال المکرم ۱۲۶۵ ہجری داخل کتابخانہ بتحویل سید حاجی شد "On 5th Shawwal A.H. 1265, it entered the library (and was given) incharge of Sayyid Haji".

A rectangular seal, probably of this owner and writer of the two notes, has been erased.

The date of the month of transcript is not 16th but 9th (نہم)

Folio 1a also gives in Arabic notation figure the number of folios: ۷۸ ورق سفید للعہ ورق "Folio 78. Plain 4 folios"

No.106/HL 932 Gulistan

The script of this manuscript is not just "ordinary clear" Nasta'liq, as stated in the catalogue (p.153), but fine Nasta'liq.

The pagination is like No.87/338 above, that is to say, folio ۱۷۴ is written as ۱۰۰۷۴ , folio ۱۴ as ۱۰۱۴ etc.

No.107/HL 934 Sharh-i Gulistan bil-'Arabi

Folio 1a has three notes stating that this is an autograph copy, as also stated in the colophon (f. 227b). The colophon is quoted almost in full in the catalogue which, however, omits an important phrase viz. بالاقلام المختلفہ "(the author Sururi wrote) with different pens" or in other words not with the same pen". There is also an ownership seal (f.1a) reading سید حافظ محمد ۲ "Belonging to or for Hafiz Sayyid Muhammad 2 (?)".

No.108/HL 935 Nuristan (not Nurastan) as spelt in the catalogue, p.155).

According to the catalogue (p.155), the author states in the preface that "he composed the work during the reign of Bahadur Shah (d.A.H.1124 = A.D.1712)." But this autograph copy, according to the subscription quoted in the catalogue itself (p.156) is dated A.H. 1105 or 37th regnal year of 'Alamgir, that is to say, about fourteen years prior to the commencement of Bahadur Shah's reign. I have not been able to check the statement in the preface; it is very likely that the compilation was undertaken at the instance of the prince.

Also, the catalogue (pp. 155, 156) gives the nisba of the author- scribe as الکوردی "al-Kordi", but it is clearly الکوروی "al-Koravi" in all

No.98/HL 283 Intikhab-i Bustan

This excellent and highly illuminated copy has not been adequately described in the catalogue and its importance overlooked.

This Ms. has its own merit from the artistic point of view. It contains 21 folios on a highly ornamental format and, written in Nasta'liq, perhaps the most artistic of the Arabic scripts to rank among the best specimen of Nasta'liq calligraphy.

It bears a seal of an unusual shape whose legend reads like this: الله کافی شد فولاد از الطاف رحمٰن مقیم آستان شاہ برہان ۱۰۳۴ "Allah is sufficient." "Faulad has become, through the favour of the compassionate (Allah), a resident at the threshold of Shah (i.e. king) Burhan (i.e. Burhan Nizam Shah) (A.H.) 1034. The owner of the seal is thus Faulad Khan, an official, and the king's name is Burhand Nizam Shah III of Ahmadnagar (now in Maharashtra).

The two-line official endorsement to the left of the seal registers the manuscript as that of the Ahmadnagar Royal Library of Nizam Shah king Burhan Shah III: It has been received into the Library by way of memento from .... Shaikh. Dated the 14th Dhul-Hijja, year A.H. (10) 34.

The detailed account of the manuscript as also the text of the erased note and other particulars will be found in the Journal of the Khuda Bakhsh Library, No.5.

No.99/HL 284 Intikhab-i Bustan

The extant colophon refers to the transcript of this exquisitely written copy as having been started on 1st Dhul-Qa'da (year lost). There were on folio 1a two three notes and seals which have been rendered illegible by erasure. The catalogue is inclined to assign the calligraphy to the celebrated Nasta'liq calligrapher Mir 'Imad (d. A.H. 1024), but the manuscript greatly resembles in decoration, writing and other details manuscripts commissioned at Ahmadabad (Gujarat) like, as for example, No.98, above and may have therefore been commissioned there.

No.100/HL 285 Sharh-i Bustan

On the folio 1a there occurs a seal, but the folio being partly torn, it is not fully legible. It reads like: غلام نقش قدم ... یوسف ۱۲۳۱ "The slave of the foot-print of .... Yusuf (A.H.) 1231". There is also a signature in Arabic script which cannot be made out.

The extra folios 95-131 occurring at the end of the volume which do not find reference in the catalogue contain miscellaneous matters:

folio 95: a recipe for چٹنی خوب "Tasty Chatni" folios 96-103: بارہ ماسہ تصنیف میران ولی "Bara Masa, composed by Miran Wali. In this Bara Masa, which is in Persian but which contains cantos in Hindi metres like Kundalia, Saveyya, Chuhi(?), Aral, etc., the name of the poet occurs as Hamid at a number of places. His identification with Raji Hamid Manikpuri may perhaps be investigated. In any case,this Bara-Masa could provide material for an interesting article.

folio 107b: a prescription (nuskha)

folio 108a: verses by Bidil, 'Attar, Kalim, Khan Khanan ('Abdur Rahim), reply of Bahadur Shah (جواب بہادر شاہ.)

folios 108b-114: جام جہاں نما (A tract entitled) "Jam-i-Jahan Numa"

folios 115b-116b: Names of twelve Imams and fourteen mystic orders (خانوادہ)

folios 117a-128b: داستان ملتانی و چہار متحرک دستان "Story of a man from Multan and fourtricksters"

No.101/HL 286 **Sharh-i Bustan**

The name of the Maharaja for whom this copy was made was Ajit Singh and not Jit Singh as stated in the catalogue (p.151).

No.102/HL 928 **Gulistan**

Folio 1a has two notes and also one seal, at top left corner, which is half-cut off in binding and is also indistinct. The part of the name Yusuf can however be made out. The ownership notes are: (1). مالک این کتاب نذیر علیخان گلستانی خرید معرفت حاجی محمد علی "The owner of this book (is) Nadhir Ali Khan Gulistani. Purchase (was made) through Haji Muhammad 'Ali".

2. مال فرزند سعادتمند نور چشم محمد جعفر عرف خان آقای کوچک "The property of the fortunate son, light of (my) eyes Muhammad Ja'far, alias Khan Aqa-i-Kuchak".

These notes are in Iranian handwriting.

Also in Iranian hand are two Persian verses inscribed on the same folio followed by this note of its transcript:

بتاریخ دوازدہم شہر رمضان المبارک سنہ ۱۲۳۰ یکہزار دو صد و سی بود کہ صورت تحریر یافت۔

"It was on the date 12th of the auspicious month of Muharram, (A.H.) 1230, that this received the form of completion".

The colophon of these Daftars on folio 93a, 192b and 282a contain more or less the same information as in the colophon of First Daftar (No.82), except the dates of transcript which are 23rd Dhul-Hijja A.H. 1235, 27th Jumada A.H. 1236 and 5th Ramadan A.H. 1236. There are no seals.

The year ۱۲۶۶ (1266) given in the catalogue seems to be a misprint for ۱۲۳۶ (1236).

No.84/ HL-412 Sharh-i Mathnavi-i Bahrul 'Ulum

In the colophon of First Daftar, the author Maulana Bahrul-'Ulum is referred to as living as is indicated by the invocatory phrase مدالله ظله "may Allah prolong his shadow (i.e. life)". Therefore, the copy must have been made before his death which took place in 1819 A.D.

Folio 337b contains this note: این کتاب ارمغانیست از طرف محمد علی بحضور جناب مولانا حافظ فخر الدین احمد صاحب گر قبول افتد زہی عز و شرف محمد علی بقلم خود ۱۲ محرم الحرام ۱۲۸۹ سنہ ہجری مطابق ۲۲ مارچ ۱۸۷۲ء روز جمعہ وقت صبح بعالی خدمت ارسال داشتہ شد

"This book is a present from Muhammad 'Ali to Janab Maulana Hafiz Fakhrud-Din Ahmad Sahib (Hemistich): If it is accepted, what a great honour and privilege that would be! (Signed) Muhammad 'Ali by his own pen. On 12th Muharram A.H. 1289 corresponding to 22nd March 1872 A.D., Friday, at morning time, it was sent to his lofty presence".

This note is attested by a small squarish seal, which reads: محمد علی ۱۲۴۷ "Muhammad 'Ali (A.H.) 1247".

In the beginning, too, there is the famous formulae حسبنا الله الخ "Allah sufficeth for us, etc." followed by the phrase نذر محمد علی "homage of Muhammad 'Ali".

No.85/HL 401 Muntakhab-i Qadiri

The catalogue ignores quite a few interesting details furnished by the colophon (folio 173a) which reads:

بتاریخ چہاردہم شوال سنہ ۴ جلوس اکبر ثانی سنہ ۱۲۲۴ ہجری اتمام یافت ہویدا باد کہ این کتاب شرح دفتر اول مثنوی مولوی روم است و اجزای محررۂ خط نستعلیق نوشتۂ کاتب است و چاردہ ورق کہ در آخر بخط شکستہ مرقوم اند دستخطی جناب دیوان برجلعل صاحب جد من بندہ دہرم چند است و نیز جناب ممدوح مقابلہ و تصحیح دفتر فرمودہ اند ۱۷۳ ورق کل اند مملوکہ دہرم چند در سنہ ۱۲۶۵ ہجری مقام دہلی۔

"On 14th Shawwal, regnal year 4 of Akbar II, A.H. 1224, this was completed. Be it clear that this work comprises the commentary of First Daftar of the

Mathnavi of Maulavi-i-Rum and the sections written in Nasta'liq script are transcribed by the copyist, while the 14 folios at the end which are written in Shikasta script are the handwriting of Janab Diwan Brijlal Sahib the grandfather of this humble creature Dharam Chand. And the said one worthy of praise has also collated and corrected the Daftar. In all there are 173 folios. Owned by Dharam Chand. In A.H.1265, at Delhi."

No.86/HL 400 **Jawahir-i Maulavi wa La'ali-i Mathnavi**

The catalogue merely refers to the autograph and seal of Badrud-Daula Shujául-Mulk Sa'adatmand Khan Bahadur Asad Jang (dated) A.H.1263. The autograph note of the said grandee which is quite interesting, reads

بتاریخ دوازدہم جمادی الاول ۱۲۶۳ھ ہجری مقدسہ بروز چہارشنبہ لب لباب مثنوی مولوی روم دو ۲ دیگر
نسخہ بکتب خانہ محررہ نیازمند درگاہ بدرالدولہ شجاع الملک محمد سعادتمند خاں بہادر اسد جنگ ابن نواب امین الدولہ
محمد خردمند خاں بہادر شیر جنگ خلف الرشید نواب شمس الدولہ محمد خدابندہ خاں بہادر ابن نواب محمد خاں بہادر غضنفر
جنگ والی ملک فرخ آباد داخل گردید و برایں شعر اکتفا ساخت

مستعار است مثل عمر ایں ہم ‏ ‏ ‏ مالکش جز خدای عالم نیست

"On 12th Jumada I holy Hijra year 1263, Wednesday, (this) essence of the Mathnavi of Maulavi Rum (and) other books entered the library of the writer of these lines, the supplicant at the court, Badrud-Daula Shuja'ul-Mulk Muhammad Sa'adatmand Khan Bahadur Asad Jang son of Nawwab Aminud-Daula Muhammad Khiradmand Khan Bahadur Sherjang, worthy successor of Nawwab Shamsud-Daula Muhammad Khudabanda Khan Bahadur, son of Nawwab Muhammad Khan Bahadur, Ghadanfar Jang, ruler of the territory of Farrukhabad. He rests content with (mentioning) this verse:

This too is borrowed as is (human) life. Its (real) owner there is no one but lord of the world.

There are a few Persian verses in different hands on this folio as also one rounder and indistinct seal in which only the word "Muzaffar" is somewhat legible.

To the left of the colophon on folio 97a, in the margin is a small ovalish seal of a previous owner which reads: محمد مظفر ۱۰۹۴ "Muhammad Muzaffar (A.H.) 1094".

One more seal, in the margin of folio 96b, is illegible.

No.81/HL 409 Sharh-i Mathnavi

The catalogue does not give the date, namely, 1st of Jumada I of A.H. 1148 when the manuscript was copied.

No.82/HL 410 Sharh-i Mathnavi : First, second and third Daftars

The catalogue does not give the name of the scribe and other interesting details as also some interesting notes and endorsements on folio 1a.

One of these notes gives the name of the book, followed by a seal: امجد علیخان ۱۲۳۱ "Amjad 'Ali Khan A.H. 1231". The second note reads: شرح مثنوی مولانا روم حضرت مولانا بحر العلوم خرید محمد برہان بمعرفت مصطفیٰ خاں از کتب خانہ امجد علیخان صاحب.

"Muhammad Burhan purchased the <u>Sharh-i-Mathnavi</u> of Maulana Rum by Hadrat Maulana Bahrul Ulum, from the library of Amjad 'Ali Khan Saheb, through Mustafa Khan.

A third note which is not signed reads: مستعار از نزد مولوی محمد برہان الحق صاحب
"On loan from Maulavi Muhammad Burhanul-Haq Sahib".

At the end of Daftar I (folio 137b) occurs this important note:

بحسب ارشاد کرامت بنیاد خداوند نعمت وخدا پرست دقیقہ شناس حق سپاس عادل زمان و منصف دوران امجد علی خاں بہادر دام اقبالہ بتاریخ دہم ذی قعدہ ۱۲۳۴ہ ہجری رقم پذیر گردانید بوقت چہار گھڑی روز برآمدہ روز جمعہ روز عید الضحیٰ از مسودہ دستخط مولانا ممدوح کہ مصنف ایں شرح اند نقل نمودہ شد بخط بندہ روشن لعل در بلدۂ دار السلطنت لکھنؤ اتمام یافت ۱۷ جز یک ورق

"By the graceful order of the lord of bounty, God-worshipping knower of subtlties and thankful to God, the just one of the time and judicious one of the age, Amjad 'Ali Khan Bahadur, may his good fortune last for ever, this was transcribed on 10th Dhi Hijja A.H. 1234, when four <u>gharis</u> of the day had passed, on Friday, the day of 'Idud-Duha. It was transcribed from the autograph copy of the worthy Maulana who is the author of this commentary. (This copy) was completed in the handwriting of the servant Roshan Lal in the seat of the kingdom Lucknow. 17 <u>Juz</u>, one folio".

Below this note is the seal of Amjad 'Ali Khan referred to above, which is also repeated on folio 138a.

The colophon of second Daftar on folio 265a reads:

نقل دفتر دوم شرح مثنوی حضرت مولانا جلال الدین رومی قدس سرہ کہ تصنیف ملک العلماء عارف

بالله واقف اسرار خفی وجلی حضرت مولانا عبد العلی ابن قطب العلماء زبدة العارفین حضرت مولینا نظام الدین قدس
سرہما از مسودہ دستخطی مولانا ممدوح کہ مصنف این شرح اند نقل نمودہ شد بخط خام بندہ روشن لال بحسب
فرمایش خانصاحب خداوند نعمت فیاض زمان امجد علیخان صاحب دام اقبالہ بتاریخ غرہ شہر رجب ۱۲۳۵ھ ہجری روز
شنبہ در عہد شاہ زمن غازی الدین حیدر بادشاہ غازی دام اقبالہ وملکہ در دار الامارت لکھنؤ اتمام یافت ۱۶ جزو

"(This) copy of the Second Daftar of the commentary of the Mathnavi of Maulana Jalalu'd-Din Rumi, may his secret be sanctified, which (is) the work of the prince of savants, gnostic of divine truths, conversant with the secrets of the hidden and the manifest, Hadrat Maulana 'Abdul-'Ali son of the pivot of savants, best of gnostics Hadrat Maulana Nizamud-Din, may their both's secrets be sanctified, was made from the autograph copy of Maulana, worthy of praise, who is the author of this commentary, in the raw handwriting of the servant Roshan Lal at the instance of the Khan Sahib, who is the lord of bounty and munificent one of the time, Amjad 'Ali Khan Sahib, may his good fortune last for ever. It was completed on the first of the month of Rajab, year A.H.1235, on Saturday, during the reign of the king of the time Ghaziud-Din Haider Badshah Ghazi, may his fortune and kingdom last for ever, in the capital city of Lucknow. 16 juz".

Below this note also appears the above-mentioned seal of Amjad 'Ali Khan which is repeated on folio 266a under the heading of the Third Daftar.

A number of verses are added in margins. Two such verses on folio 137a are signed:

کتب ہذا الابیات علی الحاشیۃ الفقیر الحقیر وجیہ الدین غفرہ اللہ

"These verses were written on the margin by the humble creature Wajihud-Din, may Allah pardon him".

The colophon of Third Daftar is more or less the same as in the first two daftars except that the date of completion is 16th Shawwal A.H. 1235 and that the names of the scribe, the king and the place of transcript are not given. It gives the number of folios as 15 juz, 6 folios.

Below this colophon also occurs the seal of the above-mentioned Khan.

No.83/HL 411 **Sharh-i Mathnavi-i Bahrul-'Ulum** (Fourth, Fifth & Sixth Daftars)

The fly-leaf (folio 1a) has this owner's note:.

ملک محمد برہان الحق شرح مثنوی شریف جلد ثانی

"Property of Muhammad Burhanul-Haq Mathnavi Sharif, volume Second".

"The commentary of the Fourth volume of the Mathnavi was completed on 2nd Ramadan (A.H.) 1208, Thursday; in the handwriting of Maulvi 'Abdur-Rahman al-Jhalavi".

The catalogue does not give this date of transcription or the name of the scribe who had also copied the commetary of the Mathnavi by Shah 'Abdul Fattah Gujarati (p.110, No.70).

The catalogue also overlooks the colophon of the Fifth Daftar in which the work is called حاشیۂ حضرت الدعوی "Commentary of Hadrat Dawa" instead of داعی Dai', which is further mentioned with invocatory pious phrases like قدس اللہ سرہ و رضی عنہ. "May his secret be sanctified and may (Allah) be pleased with him".

No.74/HL 403 Lata'if ul-Ma'navi min Haqa'iq ul Mathnavi

In the beginning of every Daftar of this glossary of the Mathnavi, the number of folios thereof is given in notation (and not figures). On folio la of the first part (juz) of the glossary, the price mentioned is قیمت ۱۰ ۸ "Rupees 10 and eight annas".

The same folio has this ard-dida note: بتاریخ ۱۲ در رجب ۲۴ محمد شاہ عرض دیدہ شد "On 12th Rajab of 24th Muhammad Shahi year, it was seen".

There also occurs a seal which has been rendered very indistinct by the butter-paper used to strengthen the folio; it reads,.... مہر عدم تبدیل علی الحسینی مرید عالمگیر بادشاہ "The non-changeable seal of 'Ali al-Husaini, a devoted servant of 'Alamgir Badshah....... (date illegible)".

Another note, dated 11th Jumada (regnal) year 16 in which the name beginning with the epithet Khwaja is not legible. The price and folio numbers are also quoted: قیمت ۲۰ ۸ و ورق

"Price (rupees) 20, annas eight, number of folios 262(?)".

According to the colophon, the manuscript was copied on 17 of the month of Dhul-Qada regnal year 33 corresponding to A.H.1110 (sic. it should be 1100). It does not refer to the regnal year.

Again, another piece of very important piece of information contained in the colophon has been completely overlooked in the catalogue. It mentions, evidently as one for whom the manuscript was transcribed, Khwaja Farasat, Nazir for the new place or seraglio: نظارت پناہ خواجہ فراست بابت محل نو Khwaja Farasat was the Superintendent of the royal harem under Shah Jahan.

No.76/HL 404 **Mukash ifat-i Radawi**

The catalogue does quote that part of the colophon which contains the full name of the scribe but it only calls him Asadullah; his father Shah Sa'dullah and great grandfather Shaikh Bahaud-Dir Bajan are well-known personalities. In particular Shaikh Bajan, as is wellknown, is the celebrated Gujari poet (d. A.H. 912, at Burhanpur).

No.79/HL 407 **Durr-i Maknun**

Folio 1a contains a previous owner's note: مالک احسان حسین

"The owner, Ihsan Husain".

Almost the lower half of the last folio (146b) which bore the colophon is torn off and the text of the colophon lost except the name of the copyist, correctly mentioned in the catalogue as Muhammad 'Ali Thattavi (i.e. of Thatta), but it does not mention the place of the transcript, namely در بلدۂ تہتہ "In the town of Thatta" which is legible. In the damaged and lost portion, the name 'Alamgir can be made out which would mean that the manuscript was transcribed in his reign. The lost portion evidently contained these details including the full date.

A small seal by the side of the owner's note mentioned above has been rendered indistinct.

No.80/HL 408 **Durr-i Maknun**

The extra folio in the beginning of the manuscript has this note: در مکنون یعنی منتخاب (کذا) مثنوی مولانا روم

خدا کا شکر ہے کہ ۲۳۲ برس کے بعد اس کتاب کی جلد بندی ہوئی۔ مختلف کتب خانہ لے کر کے میرے پاس

پہونچی اللہم عفف بہ محمد عبد الرزاق عفی عنہ شہر رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ (؟)

"Durr-i-Maknun, that is the selections from the Mathnavi-i-Maulana Rum".

"Thank god that after 232 years, this volume got bound. It has come to me after having passed through different libraries. O Allah, preserve it! Muhammad 'Abdur-Razzaq, may he be pardoned. Auspicious month of Ramadan year A.H.1315(?)".

The manuscript was completed when there was one pas left of the night of Thursday. The catalogue does not mention that the copy is claimed to have been transcribed from the original manuscript (colophon, folio 126b).

Mir-i-Panjakash), may the Exalted Allah safeguard him. O Allah, pardon the scribe and the peruser of this (manuscript). (A.H.) 1238.

No.68/HL 395 **Mathnavi : Second Daftar**

This colophon, not taken note of in the catalogue, is quite interesting کتبه آغا مرزا غفرالله له سال اختتام وماه وتاریخ از ده شهر ذیحجه رونمای اصحاب فهم گشته "This is written by Agha Mirza, may Allah pardon him. The year of completion, the month and the date are apparent to the men of comprehension from (the phrase) tenth of the month of Dhi Hijja (dah-i-Shahr-i-Dhi-Hijja) (A.H. 1240).

This is one of the ingenious types of chronograms, not very commonly resorted to, which gives the date, month and the year, the last bv adding the numerical values of the letters of the phrase according to the abjad system.

The date of its transcript is thus 10 Dhu'l-Hijja 1240.

No.69/HL 396 **Mathnavi : Third Daftar**

It also contains a colophon, not mentioned in the catalogue, which reads: کتبه آغا مرزا غفرالله ذنوبه سنه ۱۲۴۲ "Agha Mirza, may Allah pardon his sins, worte it. Year (A.H.) 1242".

No.70/HL 397 **Mathnavi : Fourth Daftar**

The Catalogue also does not take note of its colophon reading: فی سنه ثمان واربعون والف ومائتین من الهجرة النبویة صلی الله علیه وسلم ناقله محمد آغا مرزا از کمترین شاگردان جناب سید محمد امیر سلمه الله تعالی

"In the year eight and forty and one thousand and two hundred from the migration of the Prophet, may Allah's salutations and peace be upon him (A.H. 1248). Its copyist is Muhammad Agha Mirza, one of the most insignificant pupils of the respected Sayyid Muhammad Amir, may the Exalted Allah safeguard him".

No.72/HL 399 **Mathnavi : Sixth Daftar**

The catalogue quotes only that small part of the fairly long colophon which contains the name of the Nawwab for whom the manuscript was transcribed. The colophon, which is not without interest, may be quoted in full:

تمت بحسن توفیقه جل جلاله فی یوم الخمیس سنه الف ومائتین وتسع واربعون ۱۲۴۹ من الهجرة النبوی صلی الله

علیه وسلم بید الضعیف الراجی الی رحمت الله محمد آغا مرزا از کمترین شاگردان جناب سید امیر سلمه الله اللهم اغفر لکاتبه
وللمصنف وللقراءه بموجب... ارشاد ملازمان کیوان مرتبت مریخ صولت خورشید علم زهره خدم برجیس نوال قمر جمال نواب
نامدار فلک اشتباه اسد الدوله ممتاز الملک فیض محمد خان بهادر هزبر جنگ لازال شوکته وحشمته اگرچه در کتابت این
الهی نامه سعادات دارین حاصل ساختم فاما بنظر کیمیا اثر جمجاه پیرایه قبول یافته... آرزو دیم بچند چون... و بامید شود طرز
خوشنویسانه بکشاکشی این و آن از دست رفته کاتبانه... برنگاشت... غلطی نساخی رو داده باشد بقلم عفو صحیح نمایند
و توزیع خاطر نشانه از طرز کتابت دریافته آهو گیر نشوند که هیچ نفس بشر خالی از خطا نیست سبحان ربک رب العزة
عما یصفون و سلام علی المرسلین والحمد لله رب العالمین

"Finished by His graceful guidance, May His glory be magnified, on Thursday, year one thousand and two hundred and fortynine 1249, from the migration of the (Holy) Prophet, may Allah's salutations and peace be upon him, at the hands of the weak creature, hopeful of the mercy of Allah, Muhammad Agha Mirza, one of the humblest pupils of the respected Sayyid Amir, may Allah safeguard him. Allah! Pardon the writer, the binder and the readers thereof! (This volume was transcribed) at the instance of the His Lordship of saturn's rank, Mars' might, with sun as standard and Venus, as attendant, of Jupitor's munificence, of moon's beauty, the illustrious and heaven-like fame-bearing Nawwab Asadud-Daula Mumtazul-Mulk Faid Muhammad Khan Bahadur Hizibr jang, may his pomp and grandeur last for ever! Although I have attained the happiness of both the worlds in transcribing this Divine Book (Ilahi Nama), but (it is a matter of satisfaction that) it has attained the ornament of approval in the alchemy like eye of (the noble of) Jamshed's dignity.

No.73/HL 402 **Hashiya-i Mathnavi**

The catalogue gives the name of the commentator as Nizamud-Din Mahmud son of al-Hasan al-Husaini ash Shirazi poetically named Dai'. But on folio 1a, the title and the name probably of the owner, نور الٰہ محمد رضا "Nur-i-Ilah Muhammad Rida" and the price قیمت للعہ "price fourteen rupees" are given. A seal put against this name is too indistinct to yield decipherment.

The catalogue also overlooks this colophon of the commentary on the Fourth Daftar, (folio 86a) which also contains the name of the scribe:

تمام شرح مثنوی مجلد چهارم بتاریخ دوم رمضان ۱۳۰۰ روز پنجشنبه بخط مولوی عبد الرحمن الجهالوی

At the end, folio 336b has, on top corner, partly cut off and smudgy seal of Sayyid 'Ali al-Husaini described at (1) Above(P.17). Below it runs this note ۲۵ شہر محرم... شد قیمت لعہ ۸ ، آنہ مجلد "(On) 25th of the month of Muharram .... was .... price eighty(?) (rupees), 8 annas. Bound".

No.57/HL 305 **Diwan of Athirud-Din Umani**

Folio 1a has 3 seals: (1) seal of Najabat 'Ali Khan, dated (A.H.) 1150 with a note: من ملک نجابت علیخان "A property of Najabat 'Ali Khan". The other two seals are of the Qutbshahi kings of Golkonda: The one on the right, not mentioned in the catalogue, is of Sultan Muhammad Qutb Shah, having this Persian verse-legend and his name: نقش نگین دلست حیدر صفدر مرا. مہر سلیمان زحق گشتہ میسر مرا - العبد سلطان محمد قطبشاہ "The victorious (lit. vanquisher of battle-lines) Haider (i.e. Hadrat 'Ali) is the stamp of the signet of my heart. The signet of Solomon has been bestowed on me (lit. become available to me) by God. The slave, Sultan Muhammad Qutb Shah.

The seal on the left is that of Sultan Muhammad Qutb Shah's successor Sultan 'Abdullah Qutb Shah, which has as its legend a part of a Quranic verse: انی عبد اللہ آتٰنی الکتاب "Verily, I am the slave of Allah who has given me the Book (Quran, xix, ...)" and an axiom, in the form of a saj', professing his servitude to Hadrat 'Ali, on the line of the famous legend of Shah 'Abbas of Persia: بندۂ شاہ ولایت قطبشاہ ۱۰۳۵. "The slave of the king of sainthood (i.e. Hadrat Ali), Qutb Shah. (A.H.) 1035".

The catalogue does not give the month of the year of transcription which is Shawwal (folio 103a).

On folio 103a occurs a note in the handwriting of Sultan Muhammad Qutb Shah which runs to this effect:

بابت تحفہ آوردہ میر شاہ محمود شہور سنہ ثلاث عشر الف بتاریخ بیست و چہارم شہر صفر سنہ ۱۰۲۳

"By way of present made by Mir Shah Mahmud in the Shuhur year 1013, on 24th of the month of Safar (A.H.) 1023".

No.59/HL 386 **Mathnavi-i Maulana Jalalud-Din Rumi**

The catalogue overlooks a note on the fly-leaf, written in Riqa' like Thulth script by the scribe of the manuscript, which referred to the books having been transcribed for the library of some king. But it is too badly mutilitated and effaced to admit a satisfactory decipherment. It may perhaps be possible to decipher it with more strenuous effort and time. The

decipherable portion appears to end in a prayer. A tentative reading of the note is: ... لازال کذلک ما طلع نجم ودر ... رق فتکون معتصم الاولی الا ابن الروحانیین بین السمار وبین الثرتین ... تکون النظائر للغیب الحفر ... الامطار اثرف العبا ... آمین ... والصلوٰۃ والسلام علی محمد وآلہ وصحبہ

The catalogue also fails to mention that the Third Daftar was transcribed, according to its colophon (folio 127a), on 7th Ramadan, year not given. Since the sixth Daftar was completed on 1st Sha'ban (the catalogue does not give the day) of A.H. 856, it is likely that the third Daftar was completed in the Ramadan of the previous year i.e. A.H.855.

Again, the catalogue describes the scribe 'Uthman bin 'Abdullah as the 'grandson' of Sultan Walad, which is incorrect. The colophon (p.92, line 10) calls him عتیق ('Atiq), which means a freed slave.

No.61/HL 388 **Mathnavi-i Rumi**

The catalogue does not give the date of writing, — 1st Jumada I A.H. 1085 - of the manuscript.

No.65/HL 392 **Mathnavi : Daftar I**

The manuscript is undated but on the margins, among other works, the Mathnavi's commentary by Muhammad Rida written in A.H. 1084 is quoted, which antedates the manuscript under notice.

No.66/HL 393 **Mathnavi : Daftar II**

The colophon on folio 186a also gives the regnal year 26 of Aurangzeb.

No.67/HL 394 **Mathnavi : First Daftar**

The catalogue omits the date of transcript and the name of the scribe of this excellently written manuscript. It does not mention the colophon (on folio 218b) which reads: قد تم دفتر الاولی من المثنوی المعنوی بعون اللہ تعالےٰ وحسن توفیقہ بید احقر العباد محمد آغا مرزا از کمترین شاگردان حضرت امیر سلمہ اللہ تعالےٰ اللہم اغفر لکاتبہ ولناظرہ سنہ ۱۲۳۸۔

"Finished was the First Daftar of the Mathnavi-i Ma'navi, through the help of the Exalted Allah and His graceful guidance, at the hand of the least of creatures, Muhammad Agha Mirza, one of the humblest pupils (in calligraphy) of the venerable Hadrat Amir (more celebrated as

(5) A somewhat clear seal, to the right of 'Abdur-Rashid Daylami's seal has defied decipherment. To its right, a little below, is this note: نہم محرم سنہ ۲۷ عرض دیده شد
"On 9th Muharram, (regnal) year 27, it was seen". Below it is a seal partly cut off in binding, of the legend of which only the words .... رفیع بنده...جہان
"Rafi' ... servant of (Shah) Jahan" are legible.

(6) Below it is a seal which was inked out even before it was cut off in binding.

(7) At the bottom right, is a note, partly indistinct, which reads جمادی الاول سنہ ۱۰۶۹ ... شد
"On ... Jumada-I, year (A.H.) 1069 ... was (seen)".

At the end, too, on folio 378b, occur a number of seals and notes such as follows: (۱) جمادی الاول سنہ ۸ از وجوه حاجی خسرو تحویل عزیز الدین (؟) شد
"On ... Jumada I, (regnal) year 8, from the possession (or effects) of Haji Khusraw, it was handed over to the charge of 'Azizud-Din(?).

(2) غره ذی قعده سنہ ۱۵ عرض دیده شد "On 1st of Dhi Qada, (regnal) year 15, it was seen."
A seal to its right reads:. .. عبدالله خانہ زاد عالمگیر بادشاه ۱۰۸۳ ـــ ..

"Abdullah the house-born servant of 'Alamgir Badshah, (regnal year not legible) (A.H.) 1083.

(3) Below No.2, occurs this note : دویم جمادی الثانی سنہ ۲۶ عرض دیده شد

"On 2nd Jumada II, (regnal) year 26, it was seen".

(4) Two notes, probably in the same hand occur on the right side: ۲۷ ربیع الاول سنہ ۳ عرض دیده شد

"On 27th Rabi I, (regnal) year 3, it was seen" and ۲۶ ذی الحجہ سنہ ۷ عرض دیده شد "On 26th Dhil-Hijja, (regnal) year 7, it was seen".

(5) Below these two notes there is the seal of the librarian of Shah Jahan, the saja'-legend of which reads: بندهٔ شاہجہان صالح بود ۱۰۵۶

"(Regnal year not legible), (A.H.) 1056. The servant of Shah Jahan is Salih (lit. righteous).

No.55/HL 348 **Diwan-i Kamal-i Isma'il**

The catalogue merely refers to the seals dated A.H. 1044 and 1048, of 'Inayat Khan Shahjahani, 'Abdur-Rashid Dailami and of several other noblemen of Shah Jahan's court (p.81). But the manuscript contains notes and seals of the noblemen of Aurangzeb as well. The catalogue overlooks the most important and noteworthy seal of an official of Shah Jahan, namely 'Abdul-Haq son of Qasim Shirazi, brother of Shah Jahan's premier Afdal

Khan, who is more celebrated for his inscriptions on Akbar's tomb and Taj Mahal, as referred to in note on No.38 , above; this seal of his is of the time before he received the title Amanat Khan as a reward for his designing the Taj inscriptions.

The notes and seals are as under:

Folio 1a, from top, left:

(1) Seal: سید علی الحسینی مرید عالمگیر بادشاه "Sayyid 'Ali al-Husaini, devoted servant of Alamgir Badshah".

(2) Another seal: ۳۱ - ۱۰۶۸ عنایت خان شاہجہانی "'Inayat Khan Shahjahani (regnal) year 31, (A.H.) 1068.

(3) A cryptic note سیوم "Third" which in all probability refers to the grade of calligraphy and another note, namely قیمت حال لعه "The present price (rupees) 90".

(4) Seal reading: عبدالحق بن قاسم الشیرازی "Abdul-Haq son of Qasim ash-Shirazi".

(5) The usual seal of 'Abdur-Rashid-i Dailami dated regnal year 12, A.H.1048.

(6) An <u>arddida</u> note: الله اکبر بتاریخ ۱۱ اسفندارمذ سنه عرض دیده شد . "Allah is great! On 11th Isfandarmudh, (of Ilahi year) ... (lost), it was inspected".

(7) Another <u>arddida</u> note : بتاریخ ۱۲ ربیع الآخر سنه ۳۰ عرض دیده شد

"On 12th Rabi II (regnal) year 3 or 30, it was seen".

(8) An indistinct seal of an official of Aurangzeb, which reads: قابل خان مرید [عالمگیر] بادشاه ۱۰۷۷ ؟

"Qabil Khan, a devoted servant of ['Alamgir] Badshah (regnal year indistinct), (A.H.) 1077(?)".

(9) An <u>arddida</u> note محرم سنه ۹ عرض دیده شد "On ... Muharram, (regnal) year 9, it was seen". A seal below this note is smudgy and sparsely inked too.

(10) Seal reading عابد بن امیر جعفر الحسینی "Abid son of Amir Jafar al-Husaini. Date illegible".

(11) An <u>arddida</u> note : الله اکبر بتاریخ ۳۰ آبان ماه الٰہی سنه ۸ عرض دیده شد

"Allah is great! On 30th of Aban month of Ilahi year 8, it was seen". The seal below this note, partly cut off has this <u>saja'</u>-legend: صادق از جان بنده شاہجہان ۱۰۴۴ "Sadiq is, from heart, a servant of Shah Jahan (Regnal) year (not legible) (A.H.) 1044.

(12) A seal, more than half of which is cut off reading :. بادشاه جہان ۱۸ .....

"(Regnal year) 18, ... [Shah] Jahan Badshah".

"On 21st Jumada II, (regnal) year 41, it was seen. The servant 'Abdullah Chalapi".

To the left of this note occurs the word . سیوم . "Third" which here very probably refers to the grade given to finely calligraphed manuscripts.

Other seals and endorsements are as under:

A. Left half of folio 1a:

(1) There is this note:. بتاریخ ۱۴ رمضان ۱۱۸۶ هجری درج کتابخانه شد

"On 14th Ramadan A.H. 1186, this (manuscript) was taken on the register of the library".

(2) Below it, seals reading from left to right: محمد عابد بن امیر جعفر الحسینی

"Muhammad 'Abid son of Amir Ja'far al-Husaini" and عنایت خان شاهجهانی ۱۰xx ۳

"'Inayat Khan Shahjahani (Regnal year) 3, (A.H.) 10 (39 or 40).

(3) Below these, seals reading from left to right: اعتماد خان بنده شاهجهان ۱۰۶۳ ۲۶

"The servant of Shahjahan, I'timad Khan. (Regnal year) 26, (A.H.) 1063"

and سید علی الحسینی مرید بادشاه عالمگیر ۱۱۰۵ ۳۸ "Sayyid 'Ali al-Husaini, the devoted servant of king 'Alamgir. (Regnal year) 38, A.H.1105.

(4) Below it is this arddida note: ۹ جمادی الثانی سنه ۲۹ عرض دیده شد

"On 9th Jumada II, regnal (year) 29, it was seen".

(5) Below No.4, this note : ۲۲ ذی قعده سنه ۱۱۹۷ عرض دیده شد

"On 22nd Dhi Qa'da, year (A.H.) 1197, it was seen".

And to its right the seal with the saja'-legend بنده شاه جهان عبد الرشید دیلمی ۱۰۴۸ ۱۲

"The servant of Shah Jahan 'Abdur Rashid Daylami (Regnal year) 12, (A.H.) 1048.

(6) Below it two arddida notes, reading from right to left: الله اکبر بتاریخ ۸ خورداد ماه الهی سنه ... عرض دیده شد

"God is great! On the date 8th of Khurdad month of Ilahi year (lligible), it was seen" and ۲۶ ربیع الاول سنه ۱۲۰۱(؟) عرض دیده شد "on 26th Rabi' I, year (A.H.) 1201(?) it was seen".

(7) Below these is a seal with the saja legend: مرید شاهجهان بادشاه شد عارف ۱۰۴۵

"Arif became a devoted servant of Shah Jahan Badshah" (A.H.) 1045 and to its right an arddida note: ۱۱ شهر جمادی الاول سنه ۱۱۹۵ هجری ملاحظه شد

"On 11th Jumada I, A.H. 1195, this was inspected".

Below this last-mentioned occurs a seal reading یا کریم ۲۲ ... "O Karim (lit. Generous) (regnal year) 22 (A.H. 1195). The owner of the seal bore a name with the word Karim as part thereof like Karimud-Din, Karimullah, etc.

(8) To the right of the above is a charge-report note reading

بتاریخ ۲۸ شهر ربیع الاول سنه ... از وجوه ملا داؤد تحویل محمد عابد شد قیمت ... روپیه

On 28th of the month of Rabi' I, (regnal year) 14, (this manuscript), ncharge of Mulla Da'ud was transferred to Muhammad 'Abid. Price rupees seventy(?)".

(9) To the left of No.8, occurs this note:

دیوان کمال اسمٰعیل بابت شریف الملک بتاریخ ربیع الاول ۱۴ سنہ جلوس محمد عابد قیمت روپیہ

"Diwan of Kamal Isma'il pertaining to Shariful-Mulk was taken by Muhammad 'Abid on 28th Rabi' I, (regnal year) 14. Price rupees seventy(?)".

Notes 8-9 seem to pertain to Jahangir's time as we come across a noblemen entitled Sharif ul-Mulk who had resisted Shah Jahan's attempt to take Thatta in Sind when he was in rebellion against his father.

(10) Above No.8, is a faint seal of Shah Jahan's official and below No.8, is an arddida note, not fully legible, with the same price mentioned as in the above notes. A seal below it, towards right, is indistinct but from a couple of words which are legible, the name of the owner of the seal, an official, appears to be Lutfullah (son of Sa'dullah Khan, Shah Jahan's Prime Minister?). To its left is a seal of another official of Shah Jahan which reads:. احمد شہید مرید باخلاص شاہجہان بادشاہ

"Ahmad Shahid, a sincere devoted servant of Shah Jahan". The date of the seal which is indistinct appears to be A.H. 1054.

(11) Below the last mentioned seal is an ard-dida note dated (day lost) Dhil-Qa'da, (regnal) year 24. It also states that the volume is bound.

B. Right half of the same folio:

(1) To the right of two erased seals, there is this note:

دیوان کمال اسمٰعیل بتاریخ ۱۹ شہر جمادی الاول ملاحظہ و... کتابخانہ کردہ شد۔

"The Diwan of Kamal-i-Isma'il was seen and (entered) into the library on 19th of the month of Jumada I".

(2) Below it another arddida note reading: ۳۰ جمادی الاول سنہ ۳ عرض دیدہ شد تقابل شیخ (؟)

"On 30th Jumada I, (regnal) year 3, it was seen. Collated (Checked) by Shaikh ...."

(3) A note to its right reads: چہارم شہر ربیع الثانی سنہ ۱۱۹۲ عرض دیدہ شد

"On 4th Rabi' II, year (A.H.) 1192, it was inspected"

(4) Below this occurs the note of 'Abdullah Chalapi mentioned above.

"Through presentation by Nawwab Wazir ul-Mamalik Bahadur, (this manuscript) entered the library of the fortunate establishment on 5th Sha'ban, (regnal) year 26". Below this is a round Seal reading مرزا محمد خورم بخت بہادر "Mirza Muhammad Khurram Bakht Bahadur."

There is a verification note: سیزدہم شوال سنہ ۱۱۹۷ موجودات دیدہ شد "On 13th Shawwal (A.H.) 1197, the (manuscripts in) stock were inspected.

Below this is another note with a seal:.

مالک مولا تحویلدار میرزا محمد زین العابدین احسن بخت بہادر حنفی قادری گورکانی سنہ ۱۲۳۶ ہجری۔

"The (real) owner is the Lord. The custodian is Mirza Muhammad Zainul 'Abidin Ahsan Bakht Bahadur Hanafi Qadiri Gorkani. Year A.H. 1236 This note is signed through a seal which reads: عبدہ زین العابدین "His (God's) slave is Zainul 'Abidin."

No.48/HL 415 **Mazharul Aja'ib**

The catalogue says, "the year is not given". This is only true in so far as the Hijra year is not given alongwith the (day Sunday, not mentioned in the catalogue) date and month in the colophon. But in a somewhat lengthy colophon itself towards the end,the regnal year of the reigning Mughal emperor Muhammad Shah, viz. 23 is given. The catalogue also overlooks the very interesting pieces of information contained in the colophon which may be quoted in full:. نسخہ مظہر العجایب ... جہت سعادت آثار مقبول بارگاہ پیران علا قدر سید غلام علی لمال اللہ عمرہ کاتب الحروف امان اللہ تحریراً فی التاریخ پانزدہم ۱۵ شہر شعبان المعظم۔ وز یکشنبہ بوقت نماز ظہر در خانقاہ حقایق و معارف آگاہ سید غلام حسن سجادہ نشین مخدوم سید محمد پیر دمریہ قدس سرہ در عہد بادشاہ محمد شاہ غازی سنہ ۲۳ جلوس ناظم بلدہ پتنہ عرف عظیم آباد زین العابدین۔

نوشتہ بماند بخط سیاہ نویسندہ را نیست حید ر پناہ

"The copy of Mazharul Aja'ib... (was written) for the fortunate and lucky one, favoured at the court of saints of high dignity, Sayyid Ghulam 'Ali, may Allah grant him long life. The writer of (these) words is Amanullah (who wrote these) on 15th of the month of magnificant Sha'ban, on Sunday, at the time of Zuhr prayers in the khanqah of one conversant with divine truths and gnosticism, Sayyid Ghulam Hasan, the occupant of the sajjada (i.e. spiritual successor) of Makhdum Sayyid Muhammad Pir Damariya, may his secret be sanctified, during the reign of the king Muhammad Shah

Ghazi, year 23 of accession. The governor of Patna alias Azimabad city (is) Zainul-'Abidin.

(verse:) The written thing endures in black handwriting. For the transcriber, the (only) refuge is Haidar (i.e. Hazrat 'Ali).

A seal below the colophon reads: سید امجد حسین ۱۲۲۴ "Sayyid Amjad Husain, A.H. 1224".

No.50/HL 417 **Mantiqut-Tair**

The headings in the 'unwan: العزة لله تعالے. and القدرة لله تعالے "Might belongs only to Allah the Exalted" and "Power belongs only to Allah the Exalted" - are inscribed in kufi script.

The catalogue does not give the name of the copyist of this work written in an elegant minute Nasta'liq character, within gold-ruled borders, with beautiful but faded 'unwan'. He is Muhammad son of 'Ali known as al-Katib (the scribe), as stated in the colophon (folio 145a) which also gives the day Thursday alongwith the date, month and year of writing.

No.52/HL 344 **Diwan-i Faridud-Din 'Attar**

The catalogue is silent about the name of the scribe which is given in the undated colophon as بخط بندہ علی "In the handwriting of Banda 'Ali". This phrase could be taken to mean "the servant, 'Ali" in which case the scribe's name would be 'Ali. But in all probability his name was Banda 'Ali.

No.53/HL 351 **Diwan-i Muin-i Chishti**

There is this purchaser's note, above the Basmala, in the beginning:........

تاریخ پنجم ذی قعدہ سنہ ۱۲۶۷ ہجری مقدسہ روز سہ شنبہ بمعرفت شیخ نور علی گنوری در پتیالہ خرید نمودہ شد

"On 5th Dhul-Qa'da, holy Hijra year 1267, Tuesday, (this manuscript) was purchased at Patiala through Shaikh Nur 'Ali Ginnauri.

No.54/HL 347 **Diwan-i Kamal-i Isfahani**

The catalogue only refers to the "seals of many nobleman of the court of the Emperor Shah Jahan" and names three of them. But the manuscript contains a number of arddida notes and charge-reports of different dates from Akbar's reign to later period and also seals of noblemen of Aurangzeb.

This earliest note on folio 1a is of Akbar's time

۲۱ جمادی الآخرہ سنہ ۔۔ عرض دیدہ شد العبد عبد اللہ چلپی

That the copy came from Jaunpur is corroborated by this endorsemer of Mughal emperor Akbar's time:

تاریخ ۲۴ فروردین ماه الٰہی سنہ ۴۶ اموال بہادر خان تحویل خواجه عنایت شد

"On 24th Farwandin month of Ilahi year 46, (this manuscript from amon the effects of (the Jaunpur governor) Bahadur Khan, was given to th charge of Khwaja 'Inayatullah (the librarian)".

Below Raji Ruqayya's library note, there is an endorsement, the text which is partially cut off and partially indistinct. This is authenticated by seal which has this saja' as its legend: مرید شاه جہان بادشاه شد عارف...

"Arif became the devoted servant of the king Shah Jahan." The date-figur in the seal are indistinct. A number of seals are available of this official.

A half-cut off seal, below the above-mentioned note, dated regnal ye 46, is placed to the left of an endorsement of which the text is lost excej the words ۷... الٰہی سنہ . "7th (of the) Ilahi (month) of the year .... This endorsement probably is signed by a seal reading: امانت خان شاہجہانی ۱۰۴۱

"Amanat Khan Shahjahani (A.H.) 1041". This Amanat Khan is none oth than 'Abdul-Haq Shirazi, the celebrated calligrapher of the inscriptions Akbar's tomb and the Taj Mahal as well as the Shahi mosque at Agra ar on his own sarai, Sarai-Amanat Khan, which is now the site of a village the same name in Amritsar district of Panjab.

Below this is an arddida dated 11th Khurdad month of the Ilahi ye (lost) with the seal of an official of Shah Jahan which is indistinct. Anoth note says: وجوه عبدالحی تحویل خواجه عنبر شد "(This is) from the belongings of 'Abdul-Hay it was given to the charge of Khwaja 'Ambar". The seal against this note also indistinct. To its right occurs the seal of 'Abdur-Rashid-i-Dailan dated A.H. 1048, the legend of which comprises this saja': ه شاه جہان عبدالرشید دیلمی

"The slave of Shah-i-Jahan is 'Abdur-Rashid-i-Dailami".

To the right and a little above the last-mentioned seal is an arddida no dated 19th Rabi II, year 1069, the seal below which is cut off, more th half, and is also indistinct.

Another notable endorsement is the arddida note of the day Shahriw 4th Khurdad month of the Ilahi year 16, to the right of which is put the se reading: عنایت خان شاہجہانی ۱۰۶۸ "Inayat Khan Shahjahani, (A.H.) 1068

To the right of the endorsement mentioning Raji Ruqayya may be seen another arddida note, dated 20th Muharram of the regnal year (of an unspecified king), with a seal to its right, which has been rubbed out.

There is a signature or name of Khwaja Habibullah in one place.

No.39/HL 300 Four Mathnavis of Nizami

On folio 31a, which is the fly-leaf of Khusraw Shirin is a seal of a nobleman of the Mughal emperor Farrukh Siyar Badshah Ghazi which is erased. It also occurs on the fly-leaf of Haft Paikar on folio 107a. This seal is erased but the king's name can be made out.

No.44/HL 280 Iskandar Nama

It has a fairly long colophon, the scribe gives his name as Izadbakhsh son of late Miyan Imambakhsh son of the pardoned Sa'dullah.

Folio 1a has these two interesting purchase-notes: (۱) بتاریخ ۱۷ اگست ۱۸۲۹ مسیحی مطابق ۱۶ صفر ۱۲۴۵ ہجری در دارالامان کلکتہ بہ مبلغ دو نیم صد روپیہ از صادق ... خریدم ... میرزا ... الحسینی الموسوی الاسمٰعیلی۔

"On 17th August 1829 of Christ, corresponding to 16th Safar, A.H. 1245, I purchased (this) from Sadiq at the Darul-Aman (lit. Abode of Security) Calcutta for 250 rupees .... Mirza (name illegible) at Husaini al-Musawi al-Ismaili" (۲) بتاریخ یوم الجمعہ ۱۶ ماہ اپریل ۱۸۴۱ انگریزی مطابق ۲۳ شہر صفر المظفر ۱۲۵۷ ہجری موازی ۲۵۰ سکۂ کمپنی بمعرفت ... خریدہ ... مصور ۵۰ ورق

"On Friday 16 April English era 1841, corresponding to 23 of victorious Safar, A.H. 1257, this was purchased through (name erased) for 250 rupees of (East India) company currency .... (name of purchaser erased) illustrated 50 folios.

No.47/HL 379 Sab'a-i Faridud-Din 'Attar

The fly-leaf contains these notes: (۱) مالک مولا بحو متولی محمد خرم بخت بہادر گرگانی حنفی قادری

"The (real) owner (of the manuscript) is the Lord (i.e. God). The custodian is Muhammad Khurram Bakht Bahadur Gorkani Hanafi Qadiri".

This is authenticated by a seal and an endorsement reading: میرزا محمد خرم بخت ابن جہاندار شاہ بہادر ولیعہد ۲۹

"Mirza Muhammad Khurram Bakht (not Mirza Khurram Bakht as stated in the catalogue, p.74), Bahadur, the heir-apparent, son of Jahandar Shah (Regnal) year 29 (of Muhammad Shah)".

(۲) بابت پیشکش نواب وزیر الممالک بہادر بتاریخ پنجم شعبان سنہ ۲۶ داخل کتابخانۂ سرکار دولت مدار شد

in roman script when the portion containing the figure in the colophon wa
intact, as is usually done by modern readers.
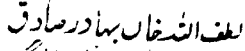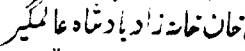
No.32/HL 373 **Kulliyat-i Khaqani**

The full-page miniatures on folios 1, 365b and 366a, not identified in th
catalogue, appear to be of Shah 'Abbas of Iran, on an hunting expedition

There is also a note of a previous owner in French.

The name of the scribe is Muhammad Qasim Shirazi and not Qasin
Shirazi.
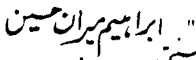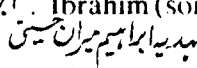
No.33/HL 287 **Tuhfatul Iraqain**

On folio 1a occur two seals and endorsements which are pasted over
One seal reads: لطف اللہ خاں بہادر صادق "Lutfullah Khan Bahadur Sadiq
and the other: قابل خان خانہ زاد پادشاہ عالمگیر 'Qabil Khan, the house-born slav
of the king 'Alamgir".

The date of transcript is (A.H.) 1016 and not 1014 as given in th
catalogue.

No.34/HL 332 **Sharh-i Diwan-i Khaqani**

The catalogue gives only the year A.H.1036 for transcript. The full dat
is 9th Dhul-Hijja, day of 'Arafa A.H.1036.

The scribe's name is stated to be given as ابراہیم میران حسین. "Ibrahim (so
of) Miran Husain" in the colophon, which, however, has اللہ دیہ ابراہیم میران حسینی
Allahdiya (son of) Ibrahim (son of) Miran Husaini who describes himsel
as a servant of the house of the prophet and of the family of Murtada an
Husain.

On folio one, the total number of folios of the manuscript is given as 313
but the present manuscript has 213 only.

The script is not careless Nasta'liq as stated in the catalogue, but is fairl
good.

No.35/HL 333 **Sharh-i Diwan-i Anwari**

The colophon also gives the day, month and time in addition to the yea
- which only is quoted in the catalogue - of transcription, namely, th
afternoon (عصر) of Wednesday, 21st Rabi' II of A.H.1223.

No.37/HL 298 Khamsa-i Nizami

In the beginning of the manuscript, there are 4 folios (8 pages) containing a note by (Maulavi) Muhammad Bakhsh Khan, which sets forth an account of the life and works of the poet compiled from different biographical works like Tadhkirat ush-Shu'ra of Daulat Shah, Atashkada-i Adhar of Lutf 'Ali Beg Adhar, etc. This note is dated 12th Ramadan A.H. 1280.

There is on folio 1a, a seal of one Nur Muhammad son of 'Abdush-Shukur; its date, if there was any, is illegible. A note by a subsequent owner occurs under a seal which has been rubbed out.

There is also a seal reading :۱۹-۱۱۵۰. سید عماد الدین خاں الحسینی فدوی محمد شاہ بادشاہ غازی
"Sayyid 'Imad ud-Din Khan al-Husaini, a devoted servant of Muhammad Shah Badshah Ghazi. Regnal year 19, (A.H.) 1150". The endorsement given in all probability under this seal, has been rubbed out.

The colophon also contains the day Saturday.

○

No.38/HL 299 Khamsa-i Nizami

This is an extremely valuable copy of the Khamsa which once belonged to the library of (Sultan 'Abdullah) Qutb Shah of Golconda. The catalogue only quotes the Persian text of a note in a circle on folio 1a, referring the manuscript to be from the library (khazana) of Qutb Shah and to its having been collected by Akhund Mulla Rukha (روخا). The price quoted in the note, 150 (mohurs), is overlooked by the cataloguer.

There are not less than 12 seals and endorsements on folio 1, of which the catalogue mentions only two: one of 'Inayat Khan Shah Jahani and the other of 'Abdur Rashid-i-Daylami who were strictly speaking not nobles but librarians of Shah Jahan. The latter, a librarian-cum-calligrapher was the sister's son of the celebrated Nastaliq calligrapher Mir 'Imad Qazwini.

This copy also appears to have once been in possession of the queen of the Sharqi king of Jaunpur. The endorsement of ownership, the most important of all, authenticated by a seal, unfortunately erased, is that of Raji Ruqayya. It reads:...[از خزانہ ٥ء کتابخانہ ؟] حرم محروسہ راجی رقیہ...
"(from the library of) the protected seraglio of Raji Ruqayya..."

The words "Protected seraglio" without any doubt whatsoever, suggests a royal harem which means that the manuscript belonged to a royal lady, a queen-consort. We find mention of one queen-consort of Jaunpur Sharqi kings, Raji Ruqayya in historical works. Unfortunately, the seal below this note is too indistinct to admit of decipherment.

(2) .[بتاریخ هفتم جمادی الثانی ۱۱۹۲ خرید شد] "On 7th Jumada II, (A.H.) 1192, it w
purchased.

(3) .... بهفدهم شهر رمضان سنه ۱۲۰۶ عرض مکرر دیده شد "On 17th of
month of Ramadan, (A.H.) 1206, it was again seen. Seal: مهاراجہ تکیت رائے ۱۲۰۳
"Maharaj Takit Rai (A.H.) 1203.

(4) An ownership note below the above reads:

مالکہ مملوک اہل البیت النبوی موسیٰ بن علی بن جلال الدین محمد الشاہی الرضوی

"Its owner is the slave of the members of the Family (of the holy prophe
namely Musa son of Ali son of Jalalud-Din Muhammad ash- Sh
ar-Ridawi".

In other words, this manuscript was at sometime in the possession o
grandson of the celebrated Sayyid Jalalud-Din, the Sadr us-Sudur of t
Mughal emperor Shah Jahan and a descendant of the patron-saint
Gujarat, Hadrat Siraj ud-Din Muhammad Shah-i-Alam, a great grands
of Makhdum Jahaniyan Jahangasht Sayyid Jalal son of Husain. T
descendants of Shah-i-Alam, took the epithet ash-Shahi and al
ar-Ridawi, as they claim descent from Imam Ali ar-Rida.

The father of the owner of the manuscript, Ali, was also an officia
librarian, incharge of jewel-room, etc., at different periods of Shah Jaha

Two identical seals below this note of ownership, very probably of Say
Musa, have been rubbed out.

No.26/HL 309 **Diwan-i Anwari**

On folio 1a is the signature of the previous owner Sayyid Vilayat '
Khan below which is this signed note of his: قصائد سلطان سنجر قلمی فارسی نظم
سید ولایت علیخان "Qasidas (in praise) of Sultan Sanjar. Hand writt
Persian poetry. Sayyid Vilayat 'Ali Khan.

On folio 1b are two seals in the blank heading-space in the 'unwan:

(۱) از کتب خانۂ سید ولایت علیخان ۱۲۰۹ .

(1) "Belongs to the library of Sayyid Vilayat 'Ali Khan (A.H.) 1209."

(۲) خورشید نواب ۱۲۸۲

(2) "Khurshid Nawwab (A.H.) 1282."

The designation of the scribe, as given in the colophon on fol.252a
doubtfully read as . محمد محسن (؟) نامہ خوان مشہدی : نامہ خوان "Muhammad Muhs
book reciter(?) Mashhadi".

The correct reading of the scribe's name in the colophon

محمد محسن زیارت نامہ خوان مشہدی .

"Muhammad Muhsin Mashhadi, the Ziyarat-Nama reciter". The Ziyarat Nama is a book containing prayers, etc., to be recited at various spots at the tombs of prophets, imams and saints.

The word زیارت is quite clear in the colophon. The above statement means that the scribe was by profession a reciter of Ziyaratnama (i.e. the Prayer-book for visit to tombs of imams and saints) that is to say he used to recite the book of prayer for visit to the tomb of the 8th Shi'a imam Hadrat 'Ali bin Musa ar-Rida al-Mashhad) on behalf of illiterate people coming to visit the tomb.

Below the colophon is repeated the seal of Sayyid Vilayat 'Ali Khan's library. On folio 252b is repeated the seal of Khurshid Nawwab above a note and signature of Sayyid Vilayat 'Ali Khan, as on folio 1a.

No.27/HL 310 **Diwan-i-Anwari**

In the beginning, on extra folios, there is given a brief account of the life of Anwari (probably by Maulvi Muhammad Bakhsh Khan father of the founder of the library, Maulvi Khuda Bakhsh Khan).

There was, below the colophon at the end of the manuscript, a seal which has been erased.

No.30/HL 313 **Sharh-i Qasaid-i Anwari**

The first of the two extra folios in the beginning of the manuscript contains verses by Zaibun-Nisa, Sa'ib, Nasir 'Ali and one more poet whose name is cut off in binding.

The second folio contains a letter in Persian - without the use of a dotted letter - written by Mirza 'Abdul-Qadir Bidil to his teacher Maulana 'Abdul 'Aziz 'Izzat.

No.31/HL 331 **Diwan-i Khaqani**

The colophon, on folio 396, is stated in the catalogue to have been supplied by Ilahdad son of Nizam . It gives more information about him and the place of transcript which have been omitted by the cataloguer. The colophon says that the manuscript was transcribed at the town of Kara (near Allahabad) by Ilahdad son of Nizam, Tamim ash-Sharif(?), on 15th Dhul-Hijja, ... (year lost due to a hole). The catalogue gives the year A.H. 1000, evidently on the basis of that year having been written in roman figures in the margin. It is difficult to say if a previous owner wrote down the figure

favourableness of luck and grace of the exalted Mighty Lord, to the Public Library founded by this humble one. Written by Khuda Bakhsh, may he be pardoned. Written on the date 26th December (18) 91"

Folio 1a has this note: کتاب حدیقہ نسخۂ شیخ عبداللطیف علیہ الرحمۃ. حدیقۃ الحقایق تصنیف حکیم سنائی علیہ الرحمۃ کتاب داخل کتابخانۂ سرکار خانصاحب میر سلطان خان صاحب خلف الصدق نواب جان نثار خان بہادر شد [بتاریخ] بیست و پنجم محرم الحرام ۲۹ سنہ محمد شاہی.

"The book Hadiqa: (Its) writer is Shaikh 'Abdu'l-Latif, may (Allah's) mercy be upon him. Hadiqat ul-Haqa'iq is the composition of Hakim Sana'i, may (Allah's) mercy be upon him! The book was entered into the Library of the His Excellency Khan Sahib Mir Sultan Khan Sahib, worthy successor of Nawwab Jan Nisar Khan Bahadur, (on the date) 25th of the holy Muharram, Muhammad Shahi (regnal) year 29 (i.e. A.H. 1159)".

Below this note, towards left, is another one in the same hand: از دارالخلافہ خریدہ [شد] قیمت سی روپیہ نصف آن پانزدہ روپیہ شد ۵۴۸ پانصد و چہل و ہشت ورق.

"Purchased at the seat of the caliphate i.e. capital (Shahjahanabad Delhi). Price 30 rupees, half of which comes to 15 rupees. 548 Five hundred and fortyeight folios".

Below this note is this one. قد دخل فی کتب خویدم اہل العلم والعرفان ابن میر جلال بخاری عفی اللہ عنہما سنہ ۱۰۷۱

"(This book) reached the meanest servant of the masters of knowledge and gnosticism, son of Mir Jalal Bukhari, may Allah pardon them both. Year (A.H.) 1071".

Incidentally, the father of this new owner who does not mention his own name but only that of his father, might be identical with Mir Jalal Bukhari, the Sadr us-Sudur of Shah Jahan and a scion of the celebrated Suhrawardi saintly family of Gujarat, who claims direct descent from Makhdum Jahaniyan Jahan Gasht.

To the right of the above note dated A.H. 1071 occurs the seal of Mir Sultan Khan which reads:: میر سلطان خان فدوی محمد شاہ بادشاہ غازی ۱۱۵۸-۲۸.

"Mir Sultan Khan, devoted servant of Muhammad Shah Badshah Ghazi. (Regnal year) 28, (A.H.) 1158".

The catalogue, while giving the list of contents, omits to mention the brief preface to the first Chaman, out of four, of the commentary, which occurs on folio 22a.

This 'Abd ul-Latif 'Abbasi was a scholar-cum-official of the reign of Jahangir and Shahjahan and is more famous for his critical edition of the Mathnavi of Maulana Rum which he called Nuskha-i Nasikha-i Nuskhaha-i Mathnavi. "The copy nullifying all other copies of the Mathnavi."

No.22/HL 340 **The Diwan-i Sana'i**

On fol.1b of this fine minute Nasta'liq copy with gold borders, occurs this square seal, which is overlooked by the cataloguer: نبینا محمد ۱۱۶۲ "Our prophet is Muhammad (may Allah's salutations be upon him). (A.H.) 1162". The same seal is repeated at the end, below the text, on fol.96a.

The seal-legend in the form of an Arabic text indicates that the name of the owner of the manuscript in or after A.H. 1162 was Muhammad or Muhammad Nabi.

No.23/HL 306 **Diwan-i Ahmad-i Jam**

On fol.114a, at the end of the Diwan of Hadrat Ahmad-i Chirmposh, there is the colophon, not noticed in the catalogue, which has been tampered with:...... تمت الکتاب بعون الملک الوہاب فی الشہر الرجب بتاریخ نوزدہم بجہت یادگاری غلام حسنین (؟) مرقوم شد.

No.25/HL 308 **Diwan-i Anwari**

The statement about the date and scribe mentioned in the colophon, made in the catalogue(p.35) is incorrect and misleading. It says: "In the colophon, it is dated A.H. 700; but the appearance of the manuscript, shows that it belongs to the 15th Century A.D. Scribe: عبدالرشید.

A scrutiny of the colophon shows that the year therein was not originally given as A.H. 700, but A.H. 1050 or so, which figure was tampered with and made 700. Also the scribe transcribes his name as not merely 'Abdur-Rashid, but عبدالرشید تتہ. "'Abdur-Rashid of Thatta (in Sind)." This means that the scribe is 'Abdur-Rashid of Thatta, who is in all probability identical with the author of the famous lexicon Muntakhab u'l-Lughat-i-Shahjahani This identification is corroborated by the fact that the marginal notes explaining some verses are in the same hand as that of the scribe. The colophon reads in full:

تمت تمام شد نسخہ انوری بتاریخ ہفتم شہر رجب المرجب سنہ ۷۰۰ (کذا) کتبہ فقیر حقیر عبدالرشید تتہ۔

"Finished was the manuscript of (the Diwan of) Anwari on 7th of the glorified month of Rajab, year A.H. 700 (sic. recte, 1050). This is written by the insignificant humble one 'Abdur-Rashid of Thatta".

There was a seal below the colophon, very probably of the scribe, which has been erased.

On folio 1a, there are seals, arddidas and notes:

۱۹ نوزدہم ربیع الآخر سنہ ۱۲۰۴ عرض دیدہ شد (۱) "On 19th Rabi' II, year (A.H.) 1204, it was seem." Seal: رائے تکیت رائے ۱۱۹۲. "Rai Takit Rai (A.H.) 1192.

"Section of the Muntakhab-i-Bi-badal, the date of the compilation (which is also the same (i.e. which is a chronogram for the date (compilation), (A.H.) 1140".

This is followed by an oval seal reading: محمد نصیر ۱۱ "Muhammad Nasi (A.H.) 1117."

Below it is this note:.ملکی بالمیراث فی عالم الاسباب المالک الحقیق ہو اللہ والیہ المرجع والمآب

"It became my property through inheritance in this world of means. Th real owner is Allah and to Him is the (final) return and resort". Below th is an oval seal reading: محمد داود قریشی ۱۱۴۶-۱۶ "Muhammad Da'ud Quraishi.(Regn. year of Muhammad Shah, the Mughal emperor) 16, (A.H.) 1146". This ma be taken to mean that this owner was a son of the previous one.

The author also provides this information in the preface that he was Kayasth Sribastava Khare (کایتھ سریباستب کھر). The scribe Manikchand is describe by the author in the preface as belonging to "Sud" caste and as having he the Karorai (office of Karori) of some non-crown lands under th jurisdiction of Patna, on behalf of Ihtiram Khan, Diwan of crown lands.

Also the work is not an abridgement of Shah Nama as stated by th cataloguer, but a revised version of Tawakkul Beg's prose version (No.1 of the catalogue).

No.12/HL 426 **Yusuf Zulaikha**

This mathnavi attributed to Firdausi is not written in ordinary, but fairly beautiful Nasta'liq.

No.18/HL 292 **Hadiqat ul Haqiqat**

This beautiful copy, transcribed in fine Nasta'liq with gold 'unwan bea two identical seals, on fol.1a and fol.262b, reading: عبدہ میرک حسین "His slav Mirak Husain".

No.19/HL 293 **Muntakhab-i Hadiqah**

This work comprising selections from the Hadiqah of Hakim San made by Khwaja Faridud-Din 'Attar and written in fine and excelle Nasta'liq gives this wrong heading in the illuminat 'unwan:.خلاصہ خمسہ شیخ نظامی علیہ الرحمۃ

"The abridgement of the Khamsa of Shaikh Nizami, may (Allah's) mer be upon him".

More than lower half of the last folio, immediately after the colophon, is torn; it might have contained seals and endorsements. Folio 1a has in a later hand selections of verses of Sa'di and Adhari, and from the mathnavi Mahmud wa-Ayaz of Anisi Shamlu; in the margin is a prayer (du'a) for recovery of lost objects.

No.20/HL 294 **Intikhab az Muntakhab-i Hadiqah**

An endorsement reads
این حدیقه بتاریخ اول جمادی الاول در سنه احد بهادر شاه بادشاه غازی خلد الله ملکه و سلطانه ز بهء
بیست روپیه در فرخنده بنیاد حیدرآباد خرید [کرده و داخل] کتابخانهٔ سرکار نموده شد. خط بخط...

"This Hadiqah was purchased at Haidarabad of auspicious foundation, for 20 rupees and accessioned to the library of the establishment (i.e. royal library) on the 1st Jumada I, in the first regnal year of Bahadur Shah Badshah Ghazi, may his kingdom and sovereignty last for ever. Its writing is in the hand of .... (name cut off in binding).

The seal under which this note is written and which was of Amir Khan, a house-born official of the king, bears the date "(Regnal) year one (A.H.) 1121", which the catalogue omits. This king is Shah 'Alam Bahadur Shah I, son of Aurangzeb.

Below the seal occurs this 'arddida of Mughal emperor Farrukh Siyar's time: بتاریخ نوزدهم شهر صفر سنه ۴ فرخ شاهی مطابق ۱۱۲۷ هجری عرض دیده شد

"On the 19th of the month of Safar, Farrukh Shahi (regnal) year 4, corresponding to A.H. 1127, it was seen".

No.21/HL 295 **Lata'if ul Haqa'iq min Nafa'is id Daqa'iq**

On the reverse of the extra folio in the beginning of the manuscript occurs this note by the founder of the Library, Maulavi Khuda Bakhsh Khan: المنة لله نسخهٔ تحقیق که متن و شرح حدیقهٔ حکیم سنائی غزنوی از ملا عبداللطیف (دکنا) بن عبدالله عباسی
و نوشتهٔ دست خاص اوست بدست این کمترین به همواری بخت و فضل جناب باری تعالے داخل کتابخانهٔ عمومیه که بنای
این فقیر است کردم حرره خدا بخش عفی عنه المرقوم تاریخ ۲۶ دسمبر ۱۹۰

"Obligation is due to Allah that (this) authentic manuscript which comprises the text as well as commentary of the Hadiqat ul-Haqiqat of Hakim Sana'i Ghaznavi, by Mulla 'Abdul Latif son of 'Abdullah 'Abbasi and which is transcribed in his own hand, I admitted it, with my own hand, through the

Corrections & Additions

on

Arabic & Persian Manuscripts
n Khuda Bakhsh Oriental Public Library, Patna

Volume I

by

Dr. Z. A. Desai

No.3/HL 360 **Shah Nama**

This copy bears an endorsement of previous ownership: مالکہ سلطان محمد کراہانی. Its owner is Sultan Muhammad Karahani". This Sultan Muhammad was n official of the Mughal emperor Aurangzeb (1658-1707), as is clear from is round seal on folio 10b, which contains this metrical legend in ersian: بست سلطان محمد از تقدیر بندۂ بادشاہ عالمگیر ۱۰۸۰-۱۲-

"Sultan Muhammad is, by divine decree, the servant of king 'Alamgir. Regnal year) 12, (A.H.) 1080".

On the last folio (601a) which contains the colophon, there were two eals which have been erased. The upper one appears to have been that of ome Mughal official, as is indicated by the word "Ghazi" faintly visible. The ther seal is crudish and occurs under this endorsement: این کتاب محمد عاقلبیگ This book, of (i.e. belongs to) Muhammad Aqilbeg".

On the back of the last folio, there are a few arddidas which are not fully gible as they are pasted over with reparation-slips. They appear to be ated A.H. 1014, 1075 and 1083. The name of Muhammad 'Aqilbeg also ccurs on this folio.

o.4/HL 361 **Shah Nama**

All the four daftars are not dated on the same date as stated. Two daftars ere transcribed on 2nd Muharram, A.H.1008 (vide, colophon, fol.322a), hile the third daftar, on 29th Jumada-I (vide, colophon fol.471a) and the urth, on Tuesday 24th Shawwal (of the same year)(vide, fol.598b).

o.11/HL 368 **Muntakhab-i Ram Narayan**

This so-called abridgment of Shah Nama is entitled Muntakhab-i-i-badal. The fly-leaf has the heading منتخب بی بدل در تاریخ کیانی "Muntakhab-i-Bi-badal, on the history of the Kayanians". Also, it ontains this endorsement: ۱۱۴۰ الجزو منتخب بی بدل کہ تاریخ تالیف او نیز ہمیں است

Iqbal

Premchand Encyclopaedia

Maulana Azad Encyclopaedia

Wadood Encyclopaedia

Letters to the Editor

Arabic & Persian Manuscripts

in Khuda Bakhsh Library, Vol.I

Corrections & Additions

by

Dr.Z.A.Desai

Journal No. 96

CONTENTS

(۹۷)

خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ

KHUDA BAKHSH LIBRARY JOURNAL

Khuda Bakhsh Oriental Public Library
PATNA

فہرست

جہانِ غالب

تحقیق

ہمارے اکابر

چند تصویر بتاں

چند حسینوں کے خطوط (=دستخط)

حصۂ انگریزی

جہان ودود

مراسلات

لغات غالب

مرتبہ

محمد یونس سلیم

انتساب

میرے بیٹے جنید عبدالرحمٰن سلمہ اللہ تعالیٰ

کے نام

جس کو

غالب کے کلام کا مطالعہ کرنے

اور معنی و مفہوم کو سمجھنے کی سعی کرنے کا ذوق

ورثے میں ملا ہے۔

محمد یونس سلیم

حرفے چند

لغات غالبؔ محمد یونس سلیم صاحب کی تالیف ہے۔ سرورق پر ان کا نام بس اتنا ہی لکھا گیا
ہے۔ آگے پیچھے کچھ نہیں، نہ ان کی وزارت کا ذکر، نہ بہار کی گورنری کا کوئی حوالہ، نہ ممبر پارلیمنٹ،
پھ بھی نہیں ـــــ اس لیے کہ غالبؔ کے لیے ان اضافی نسبتوں کی کوئی اہمیت ہی نہیں۔ بس اتنا کافی ہے کہ
ں کتاب کے مؤلف کو ہزاروں اشعار کی یادداشت کے لیے اور اچھے شعر سے لطف اٹھانے
ر دوسروں کو لطف اندوز کرلنے کا اتنا ستھرا ذوق قدرت نے ودیعت کیا ہے جو کہ ہمارے معاصرین میں شاید ہی کسی کو ملا ہو۔
پھر تو انکی (اصل) اودھ کلچر کی دین ہے اور کچھ اودھ کے بعد ان کے وطن ثانی حیدرآباد کی، اور پھر دلّی خود کیا
تی مفتی عتیق الرحمن عثمانی، نورالدین احمد، مالک رام، دوارکا داس شعلہ اور حفظ الرحمن کی دلّی!

(ع ر ب)

گزارش احوال

جب سے مجھے شعر کو صحیح اور موزوں پڑھنے اور اشعار کے مطالب و مفہوم کے سمجھنے کا شعور پیدا ہوا اسی وقت سے غالب کی شعری عظمت کا سکہ میرے دل پر بیٹھا ہوا ہے۔ جیوں جیوں علمی استعداد بڑھتی گئی اور اردو نظم کے معائب و محاسن کا ادراک پیدا ہوا، غالب پسندی کے جذبہ میں ترقی ہوتی گئی۔ رفتہ رفتہ میں خود کو غالب کے طرف داروں کے زمرہ میں شامل پانے لگا۔ غالب کے اکثر اشعار کی دشوار فہمی اور فارسی الفاظ، مغلق ترکیبوں کے باوجود دیوان غالب کے بیسوں اشعار وردِ زبان رہنے لگے جن کو گنگنانے میں ایک خاص لذت اور کیفیت محسوس ہوتی۔ غالب کے کلام سے میری یہ عقیدت اور اس کے اسلوب نگارش کی انفرادیت سے میرا والہانہ لگاؤ نقطۂ عروج پر پہونچ گیا جب میں جامعہ عثمانیہ میں بی۔ اے کی جماعت میں ادب کے طالب علم کی حیثیت سے داخل ہوا۔ اردو نظم میں اقبال کی بانگِ درا کے علاوہ مکمل دیوان غالب ہمارے نصاب میں شامل تھا۔ اس وقت جامعہ عثمانیہ میں اردو کے اساتذہ مولوی عبدالحق، ڈاکٹر سید سجاد، ڈاکٹر محی الدین قادری زور اور پروفیسر عبدالقادر سروری تھے۔ دیوان غالب کا درس سروری صاحب کے تفویض تھا جو ان اساتذہ میں سب سے جونیر تھے۔ بی۔ اے تک پہونچنے سے قبل پورا دیوان غالب مطالعہ سے گزر چکا تھا۔ مگر کسی شاعر کے کلام کو لطف اندوز ہونے کے لیے پڑھنے اور بطور درس مطالعہ کرنے اور شعری محاسن اور ادبی نکات کی گہرائیوں تک پہونچنے کے لیے علمی استعداد کو روبکار لانے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ سمند ناز پر اک تازیانہ یہ اور ہوا کہ انٹرمیڈیٹ کے امتحان میں اردو اور فارسی میں اختر حسن (جن کا ابھی چند ہفتے قبل حیدرآباد میں انتقال ہوا ہے) اور میں اول اور دوم آئے تھے اس لیے اردو اور فارسی کی جماعتوں میں ہم دونوں کو خاص اہمیت حاصل تھی۔ اس حیثیت کی لاج رکھنے کے لیے ہم دونوں اپنا کافی وقت اردو اور فارسی ادب کے مطالعہ میں صرف کرتے تھے۔ چنانچہ غالب کے دیوان کی مشکلات اور اہمیت کے پیش نظر اس وقت تک

غالب پر جو کچھ لکھا جا چکا تھا اس میں شاید ہی کچھ ہمارے مطالعہ سے بچ گیا ہو۔ غالب کے کلام پر جتنی شرحیں لکھی گئی تھیں ان سب کو ہم نے بطور درس اور جماعت میں اپنی برتری قائم رکھنے کے لیے نہایت غور و انہماک سے پڑھا مجھ پر اس وقت کی علمی و ادبی استعداد کے لحاظ سے سب سے زیادہ اثر نظم طباطبائی کی شرح دیوان غالب کا تھا اور اکثر انھیں کی شرح مشکلات کلام غالب کو حل کرنے کے لیے میرے زیر مطالعہ رہتی تھی۔ غالب کے دیوان کی مختلف شرحوں کے پڑھتے وقت غالب کے بعض اشعار اور معانی کے بیان کرنے میں شارحین نے جو دور کی کوڑیاں لانے کی کوششیں کی ہیں، ان سے بعض وقت طبیعت مکدّر ہو جاتی اور مجھ میں اور اختر میں گھنٹوں بحث و مباحثہ اور تبادلۂ خیال کا سلسلہ جاری رہتا۔

بی۔ اے سے فراغت کے بعد اختر نے فارسی میں ایم۔ اے کیا اور میں نے ایل ایل بی پاس کر کے حیدرآباد میں وکالت شروع کر دی۔ قانون کا بیشہ بڑا ادب شکن اور غیر شاعرانہ بیشہ ہے لیکن ادبی کتابوں کے مطالعہ کی جو لت پڑی ہوئی تھی وہ ترک نہ ہو سکی اور کسی نہ کسی طرح میں اپنے ادبی شغف کی تسکین کا سامان مہیا کرتا رہا۔ شعر و ادب کی کتابوں کے مطالعہ کی لت سے دل و دماغ اب بھی فارغ نہیں ہے۔

۱۹۶۷ء میں پارلیمنٹ کا رکن منتخب ہو کر دلی آگیا اور تھوڑے دنوں کے بعد مرکزی حکومت میں قانون کا نائب وزیر بن گیا۔ دلّی آنے کے بعد فخرالدین علی احمد مرحوم سے بڑی گہری راہ و رسم پیدا ہو گئی۔ چنانچہ جب مرحوم نے غالب صدی منانے کا منصوبہ بنایا اور غالب کی یادگار میں 'ایوان غالب' کی بنیاد رکھنے کی تجویز کو عملی جامہ پہنانے کی مہم شروع کی تو میں ہر نوبت پر قاضی عبدالودود اور ڈاکٹر یوسف حسین خاں کے ساتھ تمام مشوروں میں شریک رہتا تھا۔ جب ایوان غالب کی عمارت پایۂ تکمیل کو پہونچ گئی اور غالب ٹرسٹ معرض وجود میں آیا تو ٹرسٹ کی دستاویز پر ٹرسٹ کے بانیوں میں سے ایک بانی کی حیثیت سے میرے بھی دستخط تھے۔ غالب انسٹی ٹیوٹ ٹرسٹ کی پہلی صدر مسز اندرا گاندھی اور پہلے سکریٹری خود فخرالدین علی احمد مرحوم تھے۔ میں، قاضی عبدالودود اور ڈاکٹر یوسف حسین خاں منجملہ، دوسرے ٹرسٹیوں کے تھے اور مجلس عاملہ میں بھی شریک تھے۔ جب فخرالدین علی احمد مرحوم صدر جمہوریہ ہند منتخب ہو گئے تو ڈاکٹر یوسف حسین سکریٹری منتخب ہوئے۔ فخرالدین علی احمد مرحوم کے انتقال کے بعد کچھ ایسے حالات رونما ہوئے کہ ڈاکٹر یوسف حسین خاں نے بحیثیت سکریٹری استعفےٰ دیدیا اور باتفاق آرا میں سکریٹری منتخب ہو گیا۔

ایوان غالب کی اس ذمہ داری کو قبول کرنے کے بعد میری فرصت کا زیادہ وقت ایوان غالب کے انتظامی معاملات اور انسٹی ٹیوٹ کو فعال اور متحرک بنانے کی کوششوں میں صرف ہوتا۔ اس طرح غالب کی شخصیت اور

کے پاس چھوڑ آیا تھا۔ تھوڑے دنوں کے بعد انھوں نے ازراہِ عنایت لغت کی کتابت کرا کے میرے پاس بھیجا کہ غلطیوں کی تصحیح کر دوں اور جو کچھ حک و اصلاح کرنا ہو کر کے بغرضِ کتابت و طباعت ان کے پاس روانہ کر دوں۔ مگر کچھ سیاسی اور پارلیمانی زندگی کی مصروفیتیں اور کچھ طبعی لاابالی پن، وہ مسودہ یوں ہی پڑا رہ گیا۔ خیال تھا کہ کبھی فرصت ملے گی اور ذہنی سکون حاصل ہوگا تو اس کام کو مکمل کر لوں گا۔ جیسا کہ عرض کر چکا ہوں کہ اس لغت کی ترتیب میں میری کوشش یہ رہی کہ الفاظ و تراکیب کے معنی بیان کرنے کے ساتھ دوسرے شعرا نے انھیں الفاظ اور ترکیبوں کو کس نہج سے استعمال کیا ہے اپنے حافظے سے مدد لینے کے علاوہ جستجو و کاوش کے بعد اساتذہ کے کلام اور لغتوں کے مطالعہ کے بعد اطمینان بخش طریقہ پر لغت کی ترتیب کا کام مکمل کروں اور اگر اس کو طباعت و اشاعت کے قابل سمجھا جائے تو اہلِ علم و ادب اور غالب پر کام کرنے والوں کے سامنے ایک معیاری تالیف پیش کی جائے۔ اسی خواہش و تمنا میں وقت گزرتا چلا گیا اور نامکمل کام کو حسبِ حوصلہ پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی نوبت نہ آ سکی۔

خدا بخش لائبریری سے ایک دن ڈاک سے آئے ہوئے ایک پارسل کو کھولا تو اس میں سے "لغاتِ غالب" تالیف محمد یونس سلیم، ایک چھپی ہوئی کتاب کی شکل میں برآمد ہوئی۔ تھوڑی دیر کے لیے سکتہ میں پڑ گیا اور ہکا بکا رہ گیا کہ بیدار صاحب نے یہ کیا غضب کیا کہ بغیر میرے علم و اطلاع کے کتاب طباعت کے لیے مطبع کے حوالہ کر دی۔ بیدار صاحب کو مجھ سے جس محبت اور اخلاص کا تعلق ہے اور وہ جس عنایت و وضعداری سے مراسم کو برقرار رکھے ہوئے ہیں، اس کے پیشِ نظر میں نے ان کی اس جرأتِ رندانہ کو ان کے جذبۂ اخلاص ہی پر محمول کیا اور فوراً اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے ان کی خدمت میں ایک عریضہ روانہ کیا کہ آپ نے یہ کیا غضب کیا۔ کتاب کسی طرح اس قابل نہ تھی کہ نظرِ ثانی اور ضروری اضافوں کے بغیر اشاعت کے لیے دیے جانے کے قابل ہو، علاوہ اس کے متعدد کتابت کی غلطیاں بغیر صحت کے رہ گئیں۔ انھوں نے میرے عریضہ کا جو جواب دیا، اس سے میں مطمئن نہ ہو سکا مگر تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ اب اس کی اصلاح کا کوئی امکان بظاہر نظر نہیں آتا تھا۔ پریشان ہو کر بعض مخلص کرمفرماؤں سے مشورہ کیا۔ ڈاکٹر خلیق انجم صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو اور ڈاکٹر قمر رئیس (صدر شعبۂ اردو، دہلی یونیورسٹی) نیز اپنے قدیم کرم فرما ہریانہ کے سابق گورنر مظفر حسین برنی صاحب کو جو اردو شعر و ادب کا بڑا ستھرا اور معیاری ذوق رکھتے ہیں وہ طبع شدہ نسخہ دکھایا اور مشورہ طلب کیا۔ سب کی یہی رائے ہوئی کہ چونکہ یہ کام اپنی نوعیت کا نیا ہے اسلیے اب جس شکل میں یہ چھپ گیا ہے، اس کو اشاعت سے روکا نہ جائے۔ کتابت کی غلطیوں کی تصحیح کر دی جائے اور طباعت کی اجازت دے دی جائے۔ بیدار صاحب سے ملاقات ہوئی تو ان کی بھی یہی رائے ہوئی۔ معلوم نہیں کہ اسقام کو رفع

(CANER) تجویز کیا۔ علاج کی غرض سے اس کو لے کر میں اور میری اہلیہ ساجدہ خاتون امریکہ گئے جہاں میرا پانچ چھ ماہ قیام رہا۔ وہاں کے ڈاکٹروں نے مزید علاج کی ضرورت ظاہر کی چنانچہ میں مریضہ بیٹی اور اپنی اہلیہ کو امریکہ میں اپنی دوسری بیٹی شہلا کے پاس چھوڑ کر ہندوستان واپس آگیا۔ دہلی پہونچنے کے بعد تنہائی میں ہر وقت دل و دماغ پر بیٹی کی بیماری اور اس کی موت و زیست کی کشمکش کا خیال طاری رہتا۔ ذہن میں یہ آیا کہ دماغ کو مصروف رکھنے کے لیے غالب پر جو کام شروع کرکے ادھورا چھوڑ دیا تھا اس کو مکمل کرلوں اس طرح دل و دماغ کو دوسری طرف منتقل کرنے اور وقت گزاری کے لیے ایک مشغلہ میسر آجائے گا۔ چنانچہ جمع شدہ مواد کو مرتب کیا اور جو کتابیں، شرحیں اور لغتیں غالب انسٹی ٹیوٹ کی لائبریری سے مہیا ہوسکتی تھیں ان کو اکٹھا کرکے لغات غالب کو مرتب کرنے کا کام شروع کردیا۔ ترتیب و تدوین کا کام ہنوز پایہ تکمیل کو نہ پہونچا تھا کہ میری اہلیہ دو تین ماہ بعد بیٹی کو لیکر ہندوستان واپس آگئیں پھر اس کو مزید علاج کے لیے بمبئی لے جانا پڑا اور وہیں وہ اللہ کو پیاری ہوگئی۔ اس کی جواں مرگی کے صدمہ نے مہینوں دل و دماغ کو ماؤف رکھا اور کسی علمی و ادبی کام کی طرف باوجود کوشش کے طبیعت راغب نہ ہوسکی۔ غرضکہ لغت غالب کی تدوین کا کام تشنۂ تکمیل پڑا رہ گیا۔

جتنا کام ہوچکا تھا اس کو مکمل کرنے کے لیے ضرورت اس بات کی تھی کہ کسی ایسے کتب خانہ تک رسائی حاصل کی جائے جہاں حوالہ کی کتابیں میسر آسکیں۔ دلی میں کسی ایسے کتب خانہ تک میری دسترس نہ تھی۔ خیال تھا کہ حیدرآباد جاکر دو چار ہفتہ قیام کروں گا اور کتب خانہ آصفیہ سے استفادہ کرکے تدوین لغت کے کام کو مکمل کرلوں گا، مگر یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا۔

۱۹۹۰ء میں بہار کا گورنر مقرر ہوکر پٹنہ گیا۔ ایک دن اپنے قدیم کرم فرما اور خدابخش لائبریری کے ڈائرکٹر عابد رضا بیدار صاحب سے میں نے اپنی اس ادبی کاوش کا ذکر کیا۔ انھوں نے مسودہ دیکھنے کا اشتیاق ظاہر کیا جو میں نے اس استدعا کے ساتھ ان کے حوالہ کردیا کہ وہ ایک نظر اس کو دیکھ لیں اور کسی خوش نویس سے اس کو صاف کرادیں۔ ذہن میں یہ منصوبہ بنایا تھا کہ بیدار صاحب کے تعاون سے خدابخش لائبریری سے ضروری کتابوں کو حاصل کرکے پٹنہ کے راج بھون میں بیٹھ کر اس کام کو اطمینان بخش طریقہ پر مکمل کرلوں گا۔ مگر آں قدح بشکست و آں ساقی نماند۔ دفعتاً میری گورنری ختم ہوگئی اور دفعتاً بوریا بستر باندھ کر مجھے دہلی واپس آنا پڑا۔ بات دل ہی میں رہ گئی دل کی۔ دلی آنے کے بعد سیاسی مصروفیتیں شروع ہوگئیں۔ کٹیہار (بہار) سے لوک سبھا کا الکشن لڑنا پڑا۔ اس طرح پھر ایک بار سیاسی اکھاڑے میں کود پڑا۔ پٹنہ سے روانہ ہونے کے وقت مرتبہ لغت کا مسودہ بیدار صاحب

(آ)

آب = پانی۔ چمک

آبلوں سے پائے مجنوں کے جو ٹپکا آب گرم
جل گیا کوئی، کوئی خارِ مغیلاں گل گیا (رشک)

کچھ مرے آنسوؤں کی قدر نہ کی
اتری ان موتیوں کی آب عبث (رشک)

آبِ بقا = آبِ حیات

ایسا پانی جس کو پی کر ہمیشہ کی زندگی حاصل ہو جائے۔ کہا جاتا ہے کہ خضر علیہ السلام چشمۂ آبِ حیات تک پہنچ گئے تھے اور اس کا پانی پی کر انھوں نے حیات دوام حاصل کی۔

کہانیاں ہیں حکایاتِ خضر و آبِ بقا
بقا کا ذکر ہی کیا اس جہانِ فانی میں (ذوق)

ٹپکایا مرے منھ میں اگر آبِ بقا بھی
زہر اب وہ ہو کر مری تقدیر سے ٹپکا (ظفر)

آب داریٔ صمصام = تلوار کی تیزی۔ تلوار کی باڑھ

آب دار بمعنی چمکیلا، چکیلی/ تیز، دھار دار

صمصام بمعنی تلوار

کرے ہے کام تیغِ یار کس کس آب داری سے
دکھاتی اپنی گل کاری ہے کیا کیا زخمِ کاری سے (ذوق)

آب دینا = چمکانا۔ تیز کرنا۔ چمک پیدا کرنا۔ صیقل کرنا۔ سان پر لگانا۔ صاف کرنا۔

دیکھ ظالم شوقِ قتلِ عاشقِ دلگیر کو
آب دی ہے تیغ کو اور پر دیے ہیں تیر کو (حیات مختار رشید)

دانۂ اشک کو دی عشق نے میرے وہ آب
جو اسے دیکھتا ہے صاف گہر جانتا ہے (ظفر)

آبروے شیوۂ اہلِ نظر گئی = صاحبانِ بصیرت کی روش کی آبرو جاتی رہی۔ عاشقانِ صادق کی روش کی آبرو چلی گئی۔

آبرو = عزت، بھرم، لاج، ناموس

آبرو جانا = عزت و ناموس کو نقصان پہنچنا

آبروے شیوہ = کسی طور طریقے یا برتاؤ یا کسی خاص طور کی عزت، اُس کی قدر و قیمت۔

آبرو جائے احبا ہوں جدا گھر چھوٹے
سب گوارا ہے مجھے پر نہ وہ دل بر چھوٹے (ریاض البحر)

آبروے عشق = عشق کی آبرو۔ محبت کا وقار۔ عشق کی حرمت محبت کا بھرم۔ محبت کا اعتبار۔

الٰہی اشکِ معصیت کی آبرو رکھنا :: یہ بے کسی میں برے وقت پر نمودار کیا (دبیر)
نہ تھی امید دریاے شہادت پر نکلیں گے :: خدا کو آبرو رکھنی تھی بیڑا پار ہونا تھا

آبِ زندگانیٔ شمع = شمع کے لیے آبِ حیات

آبِ زندگانی بمعنی آبِ حیات

شوقِ سفاکی ہوا ہے اس مسیحا کو مرے
چاہیے تیغوں میں آبِ زندگانی آج کل
(آغا علی مہر)

رنے اور کمیوں کو پورا کرنے کے لیے میری زندگی میں دوسری اشاعت کی نوبت آئے گی بھی یا نہیں۔ بہرحال "لغات غالب"
یہ نام بھی بیدار صاحب ہی کا تجویز کیا ہوا ہے) اہلِ علم و فن اور زبان و ادب کی بصیرت رکھنے والے حضرات کی خدمت
یں حاضر ہے۔ میں نے جیسا کہ بہ تکرار عرض کیا میں اپنی کم علمی اور تالیف کے اسقام و نقائص سے بے خبر نہیں ہوں اس
کے باوجود اب یہ تالیف "غالب شناسوں" اور غالب کے کلام پر کام کرنے والے طالب علموں کے استفادہ کے لیے
حاضر ہے۔ اگر معترضین و نقادانِ فن اعتراض و ملامت کے تیر چلانا ضروری ہی سمجھیں تو یہ غریب ایچمداں اس کے لیے بھی
یا سینہ کشادہ اور با پیشانی فراخ پذیرائی کے لیے آمادہ ہے۔

خطا نمودہ ام و چشم آفریں دارم

محمد یونس سلیم
جنتر منتر روڈ، نئی دہلی

پاؤں کے نیچے انگارے ہوں تو اس کو قرار نہیں آتا۔ ایسے بے چین ہونا کہ کسی پہلو قرار نہ آئے۔

نظر آتا نہ اس کو گر ترا یہ پھول سا چہرہ
صبا اس طرح کیوں عالم میں آتش زیر پا ہوتی (مصحفی)

آتش کدہ = آتش خانہ، وہ جگہ جہاں آگ بھری ہوئی ہو۔ اگیاری
پارسیوں کا عبادت خانہ جہاں ہمیشہ آگ روشن رہتی ہو۔

چہرہ آتش کدہ ابرو تھے سو محراب حرم
گردن اگلے ترے خم کا فرد دینداری تھی (ناسخ)

پھر آتشکدہ کی نشانی پہ آ
کھڑا یوں شرارہ فشانی پہ آ (ذوق)

اللہ رے درد پیمبر کا فیض عام
اک دم میں سرد ہوگئے آتش کدے تمام (شمیم)

کس نے ٹھنڈا کیا آتش کدۂ ایراں کو (اقبال)

آتشِ گل = پھول کی آگ۔ پھول، جو شعلے کی طرح روشن ہو۔
لالے اور گلاب وغیرہ کے سرخ رنگ کی شوخی جو شعلے سے مشابہ ہوتی ہے۔

بھڑکی ہے آتش گل اے ابر تر ترحم
گوشے میں گلستاں کے میرا بھی آشیاں ہے (میر)

چمن میں صبح کو اٹھے ہیں شعلے آتش گل سے
صبوحی کے لیے ہم کو بھی ساقی آتش گل دے (مجنوں)

آذر فشاں = آتش نشاں۔ آگ جھاڑنے والا۔ آذر بمعنی آگ۔
چنگاری، فشاں بمعنی جھاڑنے والا۔ چھڑکنے والا مصدر فشاندن۔

کچھ بیم مکافات جہنم نہیں اس کو
جو ہجر کی یاں سوزش آذر میں رہے گا (راقم)

آرامیدگی = آرام طلبی۔ چین لینا۔ سکون۔
آرامیدن مصدر، آرام کرنا۔

آرائشِ جمال = بناؤ سنگار۔ حسن کو آراستہ کرنا۔ حسن کا سجانا۔
آرائش بمعنی سجاوٹ۔ زیبائش۔ بناؤ سنگار

دیکھ کر آئینہ کہتا ہے وہ آرائش پسند
طرہ کے قابل ہے سر گردن ہے لائق ہار کے (آتش)

آرائشِ خمِ کاکل = گیسوؤں کے خم کا سنوارنا۔
آرائش بمعنی سنگار ـــــ خم کاکل بمعنی زلفوں کے بل

کمال ہی سے ہے دنیا میں گرم بازاری
متاع شرط ہے آرائشِ دکاں کے لیے (صفی)

آرزو خرامی = آرزومندانہ جستجو۔ آرزوؤں کا خراماں ہونا۔ آرزو بمعنی ارمان، تمنا۔

یہ آرزو تھی تجھے گل کے روبرو کرتے
ہم اور بلبل بے تاب گفتگو کرتے (آتش)

آرزوئے بخششِ خاص = خاص بخشش کی آرزو۔ خصوصی داد و دہش کی تمنا۔

لوگ آنکھوں پہ بٹھاتے ہیں مجھے
آرزوؤں سے بلاتے ہیں مجھے (مثنوی امید و بیم)

آزادہ = آزاد منش۔ آزاد کیا ہوا۔

کرتے ہیں نالے خانۂ زنجیر سے گریز
آزادۂ جنوں کو نہیں گھر کی احتیاج (ناسخ)

اب گل میں ہے رنگ گل ستانی کیا کیا
ہے خاک میں آبِ زندگانی کیا کیا (انفرِ فردوس)

آبگینہ ۔ شیشہ ۔ بلور کانچ ۔ شرابِ انگوری ۔ کنایہ دل عاشق
شیشہ کا وہ برتن جو پانی کی طرح شفاف ہو اور نازک ہو ۔

میں آبگینہ کے آگے ہوں آپ شرمندہ
کہ ایک بات سے پڑتے ہیں بال اسمیں ہزار (ذوق)

آبلہ پا ۔ جس کے پاؤں میں چھالے پڑے ہوں ۔ مجازاً
تھکا ہوا ۔ درماندہ ۔

سیر اس سبزۂ عارض کی ہے دشوار بہت
اے دل آبلہ پا راہ میں ہے خار بہت (بحر)

خارِ صحرا اسے جنوں یوں ہی اگر تیز رہے
کوئی آئے گا نہیں آبلہ پا میرے بعد (ظفر)

آبلۂ پا بمعنی پاؤں کا چھالا

ہم تبرک ہیں بس اب کہ لے زیارت مجنوں
سر پہ پھرتا ہے لیے آبلۂ پا ہم کو (ذوق)

آب و گل ۔ پانی اور مٹی ۔ خمیر ۔ طینت ۔ سرشت ۔ کیچڑ ۔
قالب بشری ۔ جسم ۔ کالبد

شوق جس کے آب و گل میں اور ہمت دل میں ہے
جب قدم اس کا اٹھے سمجھو کہ وہ منزل میں ہے (ناطق لکھنوی)

خاکساری نے اسی دن روشنی پائی تھی ذوق
آدمِ خاکی کا جس دن آب و گل پیدا ہوا (ذوق)

حسن ہو جس میں وہ ہر شئے جلوہ گر اس دل میں ہے
جذبۂ صورت پرستی میرے آب و گل میں ہے (حسرت موہانی)

آبِ ہفت دریا ۔ سات دریاؤں کا پانی ۔ مراد گناہوں
کی کثرت ۔

آتش ۔ آگ

"ت" کے اعراب پر اختلاف ہے ۔ زیر اور زبر دونوں طرح سے
مستعمل ہے ۔

کیوں نہ کہیں بشر کو ہم آتش و آب و خاک و باد
قدرتِ حق سے ہیں بہم آتش و آب و خاک و باد (آتش)

آتش افشانی ۔ آگ برسانا ۔ شعلے اور چنگاریاں بکھیرنا

ایسے ہیں میرے نالۂ آتش فشاں بلند
ہے آگ کے کرہ سے بھی جنکا دھواں بلند (ناسخ)

اے سوزِ گریہ آگے تری آب و تاب کے
پانی بھرے ہے جلوۂ آتش فشانِ شمع (مومن)

آتش بار ۔ شرر بار ۔ آگ برسانے والا ، توپ ، بندوق کسی جنگی ہتھیار
کے علاوہ زبان کو بھی آتش بار کہتے ہیں ۔

ہوا اگر ترے وحشی کا نالہ آتش بار
تو بنے گا دیکھیو دامانِ کوہ داغ جلا (ظفر)

آتش بجاں ۔ جس کی جان میں آگ لگی ہو ۔ آتش نفس ۔ مضطرب
جس میں تڑپ اور بےچینی ہو ۔ جس کے دل میں آگ لگی ہو ۔

کون سی دھن میں خدا جانے وہ ہے آتش بجاں
کس لیے ہیں گرم آنسو اسکی آنکھوں سے رواں (کلام نیرنگ)

آتش زیر پا ۔ پاؤں تلے آگ ہونا یعنی بیقرار ہونا ۔ جس طرح کسی کے

گھبراہٹ - فتنہ - شور وغل - طوفان - تلاطم - اضطراب -

اب وہ نہیں کہ شورش رہتی تھی آشیاں تک

آشوب نالہ اب تو پہنچا ہے آسماں تک (میرؔ)

خونِ بلبل ہے غازۂ رخِ گل

کیا پُر آشوب ہے دیارِ چمن (بحرؔ)

آشوب بحرِ ہستی کیا جانیے ہے کب سے

موج و حباب اٹھ کر لگ جاتے ہیں کنارے (میرؔ)

[…]ب غم = غم کی تکلیف - عشق کی اذیت

آشوب کا مصدر بھی آشفتن ہے -

فلک سے طور قیامت کے بن نہ پڑتے تھے

اخیر اب تجھے آشوبِ روزگار کیا (داغؔ)

[…]ف = حضرت سلیمان علیہ السلام کا وزیر آصف بن برخیا - قرآن

[…]پاک میں کنایتہً اس کا حوالہ آیا ہے کہ اس کے پاس کتاب کا علم تھا -

سلیماں کو آصف نے مہماں کیا

عجائب غرائب بہت کچھ دیا (حسن شوقی)

[…]ش بلا = مصائب کی گود - آغوش بمعنی گود

ہم قدِ خمیدہ سے آغوش ہوئے سارے

پر فائدہ تجھ سے تو آغوش وہ خالی ہے (میرؔ)

لاکھ آغوش کشا تابِ نظر ہو جائے

پردہ وہ مہر وش اُلٹے تو سحر ہو جائے (رعبؔ)

[…]ش کشائی = گود پھیلانا، بُلانا - طلب کرنا - تمنا کرنا

آغوشِ گل کشودہ = پھول کی گود کھلی ہے - پھول کھلنے کا استعارہ

امید اجل وصال جاناں

آغوشِ کشادہ چشم حیراں (مومنؔ)

آغوشِ وداع = رخصت ہوتے وقت بغل گیر ہونا - گلے ملنا -

وِداع = بدا - رخصتی

آغوشِ وداعِ جلوہ = جلوے کے لیے آغوش وداع - جلوہ گلے مل کر رخصت ہوتے وقت -

آفتاب آثار = آفتاب کی صفتیں رکھنے والا - آفتاب کی سی شان و شوکت کا مالک -

آثار بمعنی علامت - انداز - صفات - آفتاب کی خصوصیت

صبح کے وقت دور میں جامِ شرابِ ناب ہے

ایک اِدھر آفتاب ہے ایک اُدھر آفتاب ہے (اعجاز نوح)

دلاں کو زندہ کرنہار سو ترا ہے کرم

مگر کرم میں ترے ہیں مسیح کے آثار (غواصی)

آفتِ رشک = رشک کی مصیبت - آفت بمعنی مصیبت - تکلیف

قامت ہے یا کوئی قیامت

آفت ہے یا کوئی بلا ہے (آتش)

آفرینش = تخلیق - پیدائش - عدم سے وجود میں آنا -

جنم لینا، جنم دینا -

یہ دور ہے مجھ پہ بندگی کا جدھر کہو سجدہ کروں ورنہ

ازل سے تو روزِ آفرینش میں آپ اپنا خدا رہا ہوں

(ناطق لکھنوی)

گیا جب ادھر کو تو بس راہ میں
گرا شاہ آزادہ اُس چاہ میں (شمشیر خانی)

آزادہ رَو = آزاد منش۔ آزاد خیال۔ آزاد زندگی بسر کرنے والا۔
آزاد مسلک رکھنے والا۔

وہ آزادہ رَو ہے کہ رکتی نہیں تو
وہ سر ہے در شہ پر جھکتی نہیں تو (سرور جہان آبادی)

آزردگی یار = محبوب کا رنجیدہ ہونا (کرنا)
آزردہ بمعنی رنجیدہ۔ خفا۔ ناراض

یار آزردہ ہے آتش آسماں ہے برخلاف
کون سنتا ہے ہماری آہ و زاری ان دنوں (آتش)

نالہ کرنے کو بیاباں میں نکل جاتا ہوں
پاسِ آزردگیٔ اہلِ دیار آتا ہے (تعشق)

آسماں اورنگ = جس کا تخت آسمان ہو۔ مراد بلند پایہ۔
عالی مرتبہ۔ آسماں جاہ۔ آسماں سے مجازاً مراد بلندی

وہ نیچوں کے کرشمے کہ نیم جاں کر دیں
زمیں کو چرخ میں لائیں تو آسماں کر دیں (شمیم)

کچھ بھی مناسبت ہے یاں فخر واں تکبّر
وے آسمان پر ہیں میں ناتواں زمیں پر (میر)

آشتیٔ چشم و گوش = آنکھوں اور کانوں میں صلح، دیکھنے سننے
سے بے تعلق۔ آشتی بمعنی صلح۔ نرمی۔ میل ملاپ

مکتب سے بھی نکل کے جہالت کی گفتگو
کیا آپ آشتی کی کتابیں پڑھے نہیں (رشک)

جنونِ عشق جو مجھ سے نہ دشمنی کرتا
کبھی تو ہاتھ گریباں سے آشتی کرتا (مصحفی)

آشفتگی = پریشانی۔ پراگندگی۔ شوریدگی۔ سراسیمگی۔
آشفتہ بمعنی پریشان۔ حیران۔ طبیعت کا بکھرا
آشفتن مصدر، پریشان ہونا۔ فریفتہ ہونا۔

کیوں نہ ہو جمعیت دل مائل آشفتگی
ہاتھ آئی ہے اسے زلفِ پریشان فراق

سبب آشفتگی دل کا نہیں کھلتا ہے
شاید الجھا ہے تری زلف گرہ گیر کے ساتھ

آشفتہ بیانی = دیوانہ کی بڑ۔ مجنونانہ گفتگو۔ پریشا

اس آشفتہ بیانی کو کوئی سمجھے تو کیا سمجھ
سوا تم نے بھلا یا شاد آپ اپنے فسانے

آشفتہ سر = بدحواس۔ دیوانہ۔ پریشان حال۔ سر
میں کوئی سودا سمایا ہوا ہو۔ آشفتہ بمعنی پریشان

کب ڈرا سکتے ہیں مجھ کو اشترا کی کوچہ گرد
یہ پریشاں روزگار، آشفتہ سر، آشفتہ مو

آشفتہ سر ہیں یاں دل صد چاک بھی کوئی
تنہا نہ تیری زلف سے شانے کو عشق ہے

آشفتہ اس کے گیسو جب سے ہوئے ہیں منھ
تب سے ہمارے دل کو ہے پیچ و تاب کیا کی

آشفتہ نوا = پریشان حال۔ سراسیمہ۔ دیوانہ۔ نوا بمعنی
جس کی آواز یا فریاد میں سوز، پریشانی، بکھراؤ یا ہنگ
کیفیت پائی جاتی ہو۔

آشفتہ اس کے گیسو جب سے ہوئے ہیں منھ
تب سے ہمارے دل کو ہے پیچ و تاب کیا کی

آشوبِ آگہی = ہوشیاری کی مصیبت۔ آشوب

آہِ نیم شب = وہ جو آدھی رات کو کسی دردمند کے دل سے نکلے

ہوئے بے خواب آہِ نیم شب سے تو لگے کہنے
کہ سوتوں کو جگا دیتے ہو تم بھی کیا قیامت ہو (مومن)

آہوئے بیابانِ ختن = صحرائے ختن کا ہرن۔ ختن چینی ترکستان کا ایک شہر ہے جہاں مشک دینے والے ہرن کثرت سے پائے جاتے ہیں۔

شہنشاہ سب اس کو دیتے تھے باج
خطا و ختن سے تھا لیتا خراج (میرحسن)

پھر بہار آئی کہ ہونے لگے صحرا گلشن
غنچہ ہے نام خدا نافۂ آہوئے ختن (کلیاتِ حسن)

آئینہ انتظار = انتظار کا آئینہ۔ آئینہ بمعنی درپن۔

آئینہ دیکھ جو کہتا ہو کہ اللہ رے میں
اس کا میں چاہنے والا ہوں بقا واہ رے میں (بقا)

آئینہ بادِ بہاری = بادِ بہاری کا آئینہ

آئینہ بختِ بیدار = جاگتے ہوئے نصیب کی تصویر۔ خوش نصیبی کا آئینہ۔

آئینہ برگِ گل = گلاب کی پنکھڑی کا آئینہ۔

آئینہ بے مہری قاتل = محبوب کے نامہرباں ہونے کی دلیل۔ معشوق کے ستم شعار اور جفا جو ہونے کی دلیل۔

آئینہ پرداز = جلوہ گر۔ جلوہ آرا۔ جلوہ فرما۔ محو آرائش۔ جلا کرنے والا۔ آئینہ کو صیقل کرنے والا۔

نمود خط عارض بے مثال
اک آئینہ پرداز بزم خیال (میرسعادت)

نور فطرت سے ہوں میں آئینہ پرداز سخن
میرے باطن کی نوا ساز خدا ساز سخن (مراثی نسیم)

آئینہ تصویر نما = تصویریں دکھلانے والا آئینہ۔

آئینہ تمثال دار = ایسا آب دار آئینہ جس میں عکس دکھائی دیتا ہے۔ تمثال بمعنی پیکر۔ صورت۔

ہجر دلدار میں بھی وصل کا حاصل ہے لطف
ہر گھڑی پیش نظر یار کی تمثال ہے آج (رند)

خط نہیں رخ پہ ہے اس آئینہ تمثال کے سبز
آئینہ نیچے ہے طوطی کے پر و بال کے سبز

آئینہ خوابِ گرانِ شیریں = شیریں کی گراں خوابی کی تصویر۔ شیریں کی تغافل شعاری کا آئینہ۔ خواب گراں بمعنی غفلت۔ تغافل۔

شبِ دوشینہ کی بدمستیاں میں کیا کہوں ساقی
نکل آیا ہے سورج اور ہے خواب گراں باقی
(میر عثمان علی خاں)

پوچھو نہ آفرینشِ احمد کا تم سبب
منظور اپنی ذات کا اس کو ظہور تھا (قلق)

کائنات = یہ پوری دنیا جو پیدا کرنے والی کی آفرینش ہے

آگہی = باخبری ۔ آگاہی ۔ واقفیت ۔ عقل ۔ سمجھ ۔ کسی خاص راز کو پا جانا ۔

مجھے عشق دیتا ہے یوں آگہی
کہ ہے او دلآرام میری سہی (غواصی)

آگے آنا = روبرو آنا ۔ مقابل آنا ۔ اچھے یا برے کام کا بدلا ملنا

کیا منہ جو کوئی بات بنالے مرے آگے
دعویٰ ہے سخن کا جسے آئے مرے آگے (تسلیم)

مانگی ہے دعا وصل کی کچھ اور نہ سمجھو
کوسا ہو اگر میں نے تو آئے مرے آگے (داغ)

رکھے تھا صبر کا دعویٰ تری بیداد کے آگے
کیا تھا جو سوا یا اس دل ناشاد کے آگے (قائم)

آلاتِ مے کشی = شراب پینے کے چھوٹے برتن ۔

آلودہ بہ مے = شراب میں لتھڑا ہوا ۔ شراب میں ڈوبا ہوا ۔
آلودہ بمعنی لتھڑا ہوا ۔ بھرا ہوا ۔ لت پت

آلودہ اس گلی کی جو ہوں خاک سے تو میر
آبِ حیات سے بھی نہ دے پانوں دھوئیے (میر)

آمدِ سیلاب = بہیا آنا ۔ طغیانی کی آمد ۔
سیلاب بمعنی پانی کا رد ۔ طغیانی ۔ بہیا ۔ پانی کا چڑھاؤ ۔

میرے اشکوں کا فلک پر موجزن سیلاب تھا
ہالۂ مہ کی جگہ شب حلقۂ گرداب تھا (ناسخ)

آمدِ فصلِ لالہ کاری = لالہ کاری کے موسم کی آمد ۔ لالہ کا
زخم کھانے کے موسم کی آمد

آنکھیں ہی دکھلانا = عتاب ہی کرنا ۔ غصہ کرنا

آنکھیں دکھلاتے ہو جوبن تو دکھاؤ صاحب
وہ الگ باندھ کے رکھا ہے جو مال اچھا

فرشتے آنکھ دکھا کر کسے ڈراتے ہیں
قتیل چشم ہیں مارے ہوئے نظر کے ہیں (

آنکھ اس ادا سے اس نے دکھائی کہ ہم نے
پہ چپکے سے اپنے کا بھرا جام رکھ

آہِ آتشیں = ایسی آہ جس میں سے آگ کی چنگاریاں نکل
آہ جو سوزش دل کی حالت میں نکلے ۔

پروانہ وار ہم شبِ فرقت میں جل لیے
اک آہ آتشیں دل سوزاں سے کھینچ کر

آہنگ زمیں بوسِ قدم = قدموں کے نیچے کی زمین
کا ارادہ ــــ آہنگ بمعنی ارادہ ۔ زمیں بوس بمعنی
زمیں کو بوسہ دینا ۔

مجھ بے گنہ کے قتل کا آہنگ کب تلک
آ اب بنائے صلح رکھیں جنگ کب تلک
(

آہِ نیم شبی = آدھی رات کو آہیں بھرنا ۔

فلک کے پار ہوئی اپنی آہ نیم شبی
ہماری آہ سے صیاد ہو گیا نخچیر
(گو

مریم بنتِ عمران حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ماں تھیں۔ عمران بیت المقدس کے مجاور تھے۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ منت مانی کہ لڑکا ہوگا تو اس کو عبادت گاہ کے لیے نذر کر دیا جائے گا مگر اُن کے لڑکی پیدا ہوئی۔ عمران کو بذریعہ وحی مطلع کیا گیا کہ اس لڑکی کو جس کا نام مریم رکھا گیا عبادت گاہ کی نذر کر دیا جائے۔ حضرت زکریا جو عمران کے چچا زاد بھائی تھے۔ حضرت مریم کے ولی مقرر ہوئے۔ عبادت گاہ کے دوران قیام میں حضرت مریم کے بڑے ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل کے ذریعہ ان کو بغیر باپ کے فرزند تولد ہونے کی بشارت دی۔ چنانچہ اس طرح حضرت مریم کے جو فرزند تولد ہوا اس کا نام حضرت عیسیٰ رکھا گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک جلیل القدر پیغمبر تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے کئی معجزے عطا فرمائے تھے۔ انھوں نے پیدا ہونے کے ساتھ ہی بات کرنا شروع کی اور اپنے کو ابن مریم بتاتے ہوئے اپنی معجزانہ پیدائش اور اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہونے کا اعلان کیا۔ وہ اندھوں کو بینائی عطا کرتے تھے۔ بیماروں اور کوڑھیوں کو اللہ کے حکم سے شفا بخشتے تھے۔ اور قُم باذن اللہ کہہ کر مردوں کو زندہ کرتے تھے۔ ابن مریم پر جو کتاب نازل ہوئی اس کا نام انجیل ہے۔ ان کے پیرو نصاریٰ یا عیسائی کہلاتے ہیں۔

ابن مریم مرگیا یا زندہ و جاوید ہے
ہیں صفات ذاتِ حق حق سے جدا یا عین ذات
(ارمغان حجاز)

ابہام = اخفا۔ ایسی بات جس کا مطلب واضح نہ ہو۔ پوشیدہ ہونا۔ گُمھم پن۔

کھلے گا نہ مضمون وصفِ دہن کا
جو نکلے گی بات اس میں ابہام ہوگا (سرور)

ہے صاف گفتگو یہ محبت تری عجیب
اوروں کی طرح تو نہ کر ابہام کی تلاش (محبت)

اے اہلِ نظر راہ میں پوشیدہ ہے خورشید
ایضاح سے حاصل بجز ابہام نہ ہوگا (شیفتہ)

اتمامِ بزمِ عید اطفال = بچوں کی محفل عید کے برخاست ہونے کے بعد یعنی ایامِ طفلی گذر جانے کے بعد۔

ہے روایت کہ ہوا جنگ کا جس دم اتمام
شمر ملعون لگا کہنے کہ اے مردم شام (سودا)

اثبات = ہاں۔ ثابت کرنا۔ ثبوت بہم پہنچانا (نفی کی ضد) (مذکر)

جو اس نے بات نہ کی ہوگیا مجھے اثبات
دہن وہ تنگ ہے گنجائش کلام نہیں (رزیں)

(مؤنث)

آپ ہی آپ وہ کچھ ہوگئے ہیں چپ کل سے
بات کی گو مگر اثبات نہ ہونے پائی (سحر)

اثرِ گریہ = رونے کی تاثیر مراد گریہ کا اثر۔ بمعنی خاصیت۔

برپا تھا شور چار طرف بھاگ بھاگ کا
پانی اثر دکھاتا تھا لو ہے کو آگ کا (انیس)

اثرِ نالۂ دل ہائے حزیں = غمگین دل کے نالوں کا اثر۔

پست و بلندِ عشق تو سب کچھ نظر میں ہے
اس دل کو کیا کروں یہ کسی کے اثر میں ہے (آتش)

اجابت = قبولیت۔ منظوری۔

ہو خیال قبول میں نہ حزیں
کہ اجابت کہے گی خود آمیں
(قلق)

آئینہ دار = آئینہ کی طرح صاف اور شفاف ۔ وہ جس سے آئینہ دکھلانے کا کام لیا جائے ۔ آئینہ بردار

تیرے مجرے کے لیے آتا ہے روز اے شاہ حسن
آئینہ داروں میں لکھ دے خط و خال آفتاب (بحر)

گداز عشق سے لبریز تھا قلب حزیں اس کا
مگر آئینہ دار شرم تھا روئے حسیں اس کا (اخترستانی)

نہ پوچھو مجھ سے اے یاراں دماغ ان سادہ رودوں کا
سکندر کے تئیں بھیجے ہیں یہ آئینہ دار اپنا (سوز)

خود کو مٹا کے کیجیے تلاش اپنے یار کی
آئینہ میں شبیہ ہے آئینہ دار کی (بستان تجلیات)

آئینہ داری یک دیدۂ حیراں = حیران آنکھ کی آئینہ داری ۔
آئینہ داری بمعنی آئینہ دکھلانے کی خدمت ۔ اطاعت ۔ آئینہ دیکھنا ۔

آپ مجھ کو خدمتِ آئینہ داری دیجیے
جانئے اے جانِ جاں تصویر پشت آئینہ (رشک)

دیدہ حیران بمعنی حیران آنکھیں ۔

آئینہ سیما = آئینہ کی ایسی چمک دار پیشانی رکھنے والا ۔

عکس میرے داغ اسود کا سویدا بن گیا
یعنی اس آئینہ سیما کا ہے پہلو آئینہ (ناسخ)

آئینۂ ناز = مایۂ ناز ۔ ناز کا آئینہ

(الف)

ابرام = ضد ۔ اصرار ۔ رنجیدگی ۔ کبیدگی ۔ التماس ۔ تقاضا ۔

در بحث صنم برہمناں را
ابرام باعتقاد دادیم (ظہوری)

کام مجھے ہیں سارے ضائع ہر ساعت کی سماجت سے
استغنا کی چوگنی ان نے جوں جوں میں ابرام کیا (میر)

زگل ہائے نظارہ چوں می گریزم
اسیرم من ابرام بلبل نہ دارم (مرزا جلال اسیر)

ترک مے سے ہمیں انکار نہ ہوتا لیکن
اب جو ناصح کو ہے ابرام تو پینا ہے معذور (حسرت موہانی)

ابر بہاری = موسم بہار کے بادل ۔ ابر بہار

بہ گئے عمر ہوئی ابر بہاری کو دلے
لہو برسا رہے ہیں دیدۂ خونبار ہنوز (دبیر)

خیمہ زن ابر بہاری زیر چرخ پیر ہے
یاد دھواں ہے تیری آہوں کا کہ عالمگیر ہے (حالی)

ابر شفق آلودہ = ایسے بادل جن میں شفق کی سرخی موجود ہو ۔
آلودن مصدر ۔ لتھڑنا ۔ لتھیڑنا ۔ آلودہ ہونا ۔

ابر گہربار = موتی برسانے والا بادل ۔ مراد ابر نیساں ۔ خیال کیا جاتا ہے کہ فصل ربیع اس ماہ کے بادل سے جو بوندیں سیپی کے منھ میں پڑتی ہیں موتی بن جاتی ہیں ۔

چشموں سے برستے ہیں مری اشک کے موتی
یہ ابر گہربار نہ دیکھا تھا سو دیکھا (حاتم)

آنکھ سے گرتی ہے خونِ دل انگار کی بوند
اس کی ہمسر ہو کہاں ابر گہربار کی بوند (داغ)

جوشِ معنی سے ہوا سیراب اتنا ملک دل
تولتا ہوں دولتیں اس ابر گوہر بار سے (اکبر الہ آبادی)

ابنِ مریم = فرزند مریم ۔ ابن بمعنی بیٹا ۔ فرزند

لے دام مرغ دل سے سر سوزش آفتاب
دھبے پہ روز عشر کے پر کون اُدھار دے (ذوق)

ہے بات کچھ نئی ہوئی بازار حسن میں
مجھ کو گراں ہے مفت بھی سودا اُدھار کا
(ریاض خیرآبادی)

ارادت = عقیدت۔ اعتقاد

اپنے دل سے مجھے ارادت ہے
میں کسی پیر کا مرید نہیں (بحر)

اردی = اردی بہشت۔ ایک فارسی مہینہ کا نام۔ یہ فارسی کا چھٹا مہینہ ہے جو بہار کا مہینہ ہوتا ہے (اردی بہشت مرکب ہے۔ ارد بمعنی مانند اور بہشت بمعنی جنت)۔

اُٹھ گیا بہمن و دے کا چمنستان سے عمل
تیغ اردی نے کیا ملک خزاں مستاصل (سودا)

ارزانیِ مئے جلوہ = شراب دیدار کا سستا ہونا۔ دیدار کی شراب کے دام گر جانا۔

جہاں میں دانش و بینش کی ہے کس درجہ ارزانی
کوئی شے چھپ نہیں سکتی کہ یہ عالم ہے نورانی
(ارمغان حجاز)

ارمغاں = تحفہ۔ ہدیہ۔ سوغات۔

جگر کو داغ کلیجے کو زخم دل کو ملال
جنابِ عشق نے بھیجے ہیں ارمغاں کیا کیا (تسلیم)

استظہار = مدد چاہنا۔ پشت۔ پناہ۔

بازاں اٹھکر سگلے یار
سنکر اتناں استظہار (نوسہار)

اشارت = اشارہ۔

سوال میں نے جو انجام زندگی سے کیا
قدِ خمیدہ سے سوئے زمیں اشارت کی (دبیر)

ہو الموجود ہے تجھ سے عبارت
ہو المقصود ہے تجھ سے اشارت (کلیات اسمٰعیل)

اشتیاق انگیز = شوق انگیز۔ شوق کو بڑھانے والی۔ اشتیاق میں اضافہ کرنے والی۔

اصل = جڑ۔ بنیاد

اب مانو یا نہ مانو تمہیں اختیار ہے
اصل اصول جو کہ تھا سب میں نے کہہ دیا (نوازش)

اصلاح مفاسد = برائیوں کی اصلاح۔ (اصلاح بمعنی درستی۔ ترمیم

اصلاح لینے آئے ہیں رنگیں خیال لوگ
خدمت ہے اس چمن میں تجھے انتظام کی (آتش)

مفاسد بمعنی خرابیاں۔ برائیاں۔

رہے محفوظ ابنائے زمانہ کے مفاسد سے
قدم راہ توکل سے کبھی ڈگنے نہیں پائے (طباطبائی)

اصنام خیالی = خیالی بت، بتانِ خیالی۔ اصنام جمع صنم کی بمعنی بت۔

گر عوض ناقوس کے جا کر میں اک نالہ کروں
بت کدے میں ہر طرف کرتے پھریں اصنام رقص (ناسخ)

اعتبارِ عشق = محبت کا اعتبار۔ محبت کا یقین۔ معشوق کو عاشق کی محبت کا بھروسا۔

اجارہ نہیں کرتے = ذمہ نہیں لیتے۔ ٹھیکہ نہیں لیتے۔

کیا گلا ہم کو ہے اس کا کہ نہ چاہا اس نے
ملک دیا یار کا کچھ ہم نے اجارا نہ کیا (سودا)

اجازتِ تسلیمِ ہوش = ہوش حوالہ کرنے کی اجازت۔ اجازت بمعنی اذن۔ رخصت۔ رضا۔

سُرج کوں گر اجازت ہو تو آوے سیس سوں چل کر
کہ اس کوں شوق ہے تجھ آستاں پر جبہ سائی کا (ولی)

اجزائے پریشاں = منتشر حصے۔ بکھرے ہوئے ٹکڑے۔

آہ سوزاں میں جو اڑتے نظر آئے ذرّے
جگر و دل کو میں اجزائے پریشاں سمجھا (فائق)

اجزائے دو عالم دشت = دشت دو عالم کا اجزا۔ دو عالم بمعنی کونین۔ اجزا بمعنی ٹکڑے۔ حصے۔

زندگی کیا ہے عناصر میں ظہور ترتیب
موت کیا ہے انھیں اجزا کا پریشاں ہونا (چکبست)

اجزائے نالہ = نالے کے اجزا۔

اجزا بکھیر دوں گا آہ شرر فشاں سے
گن گن کے بدلے لوں گا اک اک ورزِ آسماں سے (سحر)

اجزائے نگاہِ آفتاب = سورج کی نگاہ کے اجزا۔ اجزا، جمع جزو کی بمعنی حصہ۔ ٹکڑا۔

اجمال = مجمل بیان کرنا۔ یہ لفظ تفصیل کی ضد ہے۔ تقریر یا تحریر میں ایسا مضمون لانا جس کا مطلب زیادہ ہو اور الفاظ مختصر ہوں اور اس کے سمجھنے میں دقت ہو۔

گفتگو سے نہ کھلا ان کا دہن ساری تقریر میں اجمال رہا (تسلیم)

احرامِ بہار = فصلِ بہار کا جامۂ احرام۔ احرام بمعنی دو بغیر سلے ہوئے کپڑوں کا لباس جو ایک تہبند کے طور پر باندھا جاتا ہے اور دوسرا جسم پر لپیٹا جاتا ہے، اور کعبہ شریف کی زیارت کے لئے باندھا جاتا ہے۔

جامۂ احرام زاہد پر نہ جا
تھا حرم میں لیک نامحرم رہا (میر)

اخترِ سوختۂ قیس = مجنوں کی بدنصیبی۔ قیس کی بدبختی۔

خال سرکا تمہیں چاہیے زیبائش کو
اخترِ سوختہ ہے اپنا ہی زیبا ہم کو (ذوق)

اختلاط = محبت۔ میل جول۔ ملنا۔ بے تکلفی۔ گرم جوشی۔ چھیڑ چھاڑ۔

اب پسند آنے لگا اسکو ہمارا اختلاط
وصل کا دینے لگا کچھ سہارا اختلاط (ذکی)

اِخفائے حال = حالت کو چھپانا۔ حال کو پوشیدہ رکھنا۔ اخفا بمعنی پوشیدہ۔ خفیہ کرنا۔

مشک بھی کوئی چھپا سکتا ہے
راز گیسو کا ہے اخفا کیسا (مصحفی)

اِدغام = ایک حرف کا دوسرے حرف میں اس طرح ملانا کہ دونوں ایک ہو جائیں۔ ایک جنس کے دونوں حرفوں کو ملانا مثلاً ب اور ب کو اس طرح ملانا کہ ایک حرف کی آواز دے۔ "شب" اور "برہ" کو ملا کر "شبرہ"

میں نے پوچھا وصل کی ترکیب کا کیا نام تھا
ہنس کے بولے حرف دو ہم جنس کا ادغام تھا (ظریف)

ربط ہے اس کو گورنمنٹ سے بھی ملک سے بھی
جس طرح 'حرف' میں اک قاعدہ ادغام بھی ہے (شبلی)

اُدھار = قرض

افعی = سانپ ۔ کالا اور زہریلا سانپ ۔ ناگن ۔

خاک میں یہ افعیِ چرخِ کہن مل جائیگا
جب جواب اس زلف سے دنبالِ شکن مل جائیگا (امیر)

نگاہ چشم تو افعی ڈسیلا
بجن ہے سانورا سج کا بھیلا (ولی)

اقبالِ ترحم = رحم و کرم کے ساتھ ملتفت ہونا ۔ عنایت فرمائی سے متوجہ ہونا ۔ اقبال بہ معنی خوش نصیبی، سازگاری زمانہ ۔

رہے ہمیشہ ترے دوستوں کے ساتھ اقبال
عدو کو تیرے نہ دے فرصت ایکدم ادبار (میر)

اقبالِ رنجوری = بیماری کی قسمت ۔ بیماری کا نصیب

اقبال بمعنی بخت ۔ نصیبہ ۔ خوش نصیبی ۔ نیک بختی

اے ماہ معظم ترے اقبال کے صدقے
شوکت کے فدا عظمت و اجلال کے صدقے (انیس)

رنجوری بمعنی بیماری ۔ آزردگی ۔ ملال

جگر کی ناتوانی میں کہوں یا دل کی رنجوری
اِدھر بیمار پہلو میں اُدھر بیمار پہلو میں (داغ)

اقامت کی تاب = قیام کرنے کی طاقت ۔ ٹھہرنے کا یارا ۔ ٹھہرنے کی قوت ۔

اقامت بمعنی قیام ۔ ٹھہرنا ۔

یہ اقامت ہمیں پیغام سفر دیتی ہے
زندگی موت کے آنے کی خبر دیتی ہے (ذوق)

اکلیل = تاج شاہی ۔ جواہرات سے مرصع تاج

رتبہ اپنے خاکساروں کا نہ پوچھ   موے سر اکلیل خاک اور نگ ہے ۔ (مہر)

التفات = توجہ ۔ مہربانی

ہیں سو سو التفات تغافل میں یار کے
بیگانگی سے اس کی کوئی آشنا نہیں (یقین)

پہلے تو التفات ان پہ کیا
حکم پھر بادشاہ نے یہ دیا (میر)

مجھ کو ساقی سوائے جام شراب
جم کی جانب بھی التفات نہیں

التفاتِ ناز = معشوق کا متوجہ ہونا ۔ خاص توجہ

التہاب = بھڑکنا ۔ آگ بھڑکنا ۔ شعلہ بھڑکنا ۔ گرمی ۔ تپش

ہاتھ سینے پر مرے رکھیے تو کچھ معلوم ہو
التہاب آتشِ عشق آپ نے دیکھا نہیں (تسلیم)

الماس = ہیرا

کانوں سے دو سفینۂ الماس ہیں عیاں
ان کشتیوں میں گوہرِ اسرار ہیں نہاں (دبیر)

امر کی زنبیل = عمرو عیار کی زنبیل ۔

زنبیل کے معنی ٹوکری اور جھولی کے ہیں ۔ امیر حمزہ کی داستان کا ایک مشہور کردار عمرو عیار ہے جس کی زنبیل کی خوبی یہ تھی کہ وہ کبھی پُر نہیں ہوتی تھی ۔ ہر چیز اُس میں سما جاتی تھی ۔ یہ زنبیل منجملہ ان عجائبات کے تھی جو اس کو بزرگوں سے حاصل ہوئے تھے ۔

ڈر زمانے سے یہ عیار ہے وہ ہوش ربا
لاکھ بے ہوشیوں سے جس کی بھری ہے زنبیل (ذوق)

اعتبار بمعنی بھروسا۔ اعتماد۔ ساکھ

حسن پر نخوت نہ کر اس کا نہیں کچھ اعتبار
چار دن جہاں ہے دور قمر میں چاندنی (بیخود موہانی)

اعتبار اور ایک نا اہل وفا پر اعتبار
اے خیالِ عہدِ بیجا تجھے دھوکا ہوا (رضا لکھنوی)

اعتبارِ نغمہ = نغمہ کا اثر۔ نغمہ کی طرح معتبر۔ نغمہ کی تاثیر رکھنا۔

اے شوق تیری بات کا ہے اعتبار کیا
ہے وعدۂ وصال میں ہر بار آجکل (انجم)

اعتدال = برابر کرنا۔ توازن۔ برابری

فصل کو اب جو اعتدال نہیں
اس لیے جی مرا بحال نہیں (مثنوی گلشن عشق)

اعتمادِ دل = دل پر بھروسا۔ اعتماد بمعنی بھروسا

پھرا ہے ہم سے رخ اس بادشاہ خوباں کا
کچھ اعتماد نہیں ہے مزاج سلطاں کا (آتش)

اعجازِ مسیحا = حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ جو قم باذن اللہ
کہہ کر مردہ کو زندہ کر دیا کرتے تھے۔

مارا نشتر بار نشتر بار زندہ کر دیا
پھر بھی دعویٰ اعجاز مسیحائی نہیں (رشک)

اعجازِ ہوائے صیقل = جلا پانے کی آرزو کا کرشمہ۔

اعجاز بمعنی کرشمہ

زندہ نہ مسیحا سے ہوا کشتۂ الفت
مردوں کو جلاتا تو کچھ اعجاز نہیں تھا (داغ)

ہوا بمعنی آرزو ۔ صیقل بمعنی جلا۔ زنگ دور کرنا۔ صفائی

نگاہ حسن پر کیا عشق کی صیقل مدد دے گی
تجلی برق ہستی سوز کے مد مقابل ہے (فرید لکھنوی)

صیقل نہ ہو گر تیغ پر جوہر پہ ہو کس کی نظر
اے ذوق یاں قدر ہنر آرائش و تزئین سے ہے (ذوق)

افزائش = زیادتی۔ اضافہ۔ بڑھوتی۔ کثرت۔

غم کی ہر چند شب ہجر میں افزائش تھی
کاش اب بھی اجل آجاتی تو آسائش تھی

افسردگیِ دل = دل کی پژمردگی۔ دل کا مرجھانا۔ دل کا رنج۔

افسردگیِ خاطر۔ افسردہ خاطری۔

افسردہ بمعنی مرجھایا ہوا۔ اداس۔ غمگین۔

آنکھیں صبا پر آب ہیں اس نور کے لیے
افسردہ دل میں آتش مغفور کے لیے (صبا)

افسردگی سوختہ جاناں ہے قہر میر
دامن کو ٹک ہلا کہ دلوں کی بجھی ہے آگ (میر)

گو راہ میں ہمراہ بھی ہو راحلہ و زاد
جاتی نہیں افسردگیِ خاطر ناشاد (انیس)

افسونِ انتظار = انتظار کا جادو۔ طلسم کا انتظار

افسوں بمعنی سحر۔ جادو۔ منتر۔ فریب۔ مکر۔ حیلہ۔

کیا ہاتھ میں اس افعی گیسو کو لگاؤں
افسوں نہیں آتا مجھے منتر نہیں آتا (اسیر)

افشردۂ انگور = انگور کا نچوڑ۔ انگور کا رس۔

افشردن مصدر نچوڑنا۔

بوسہ اپنے لب شیریں کا ترش رو ہو کر
وہ جو دیتا تو ہم افشردہ لیموں پیتے (ظفر)

بمعنی رنج۔غم۔ملال۔صدمہ

بیٹے نہ جو اندوہ پہ یعقوبؑ یہ ہوتا
پھٹ جاتا جگر دکھ جو یہ ایوبؑ پہ ہوتا (مونس)

ب فرقت = جدائی کی رات کا غم۔ رنج شب جدائی۔
ہجر کا غم۔

جہاں کا تھا سر او پر اس کے انبوہ
جو کوئی پوچھے کیا ہے تجھکو اندوہ (شفیق اورنگ آبادی)

فا = دنا کا غم

میں اس بت بدخو کی اس آن پہ مرتا ہوں
کھینچا نہ کبھی اس نے اندوہ پشیمانی (حسرت موہانی)

م = خیال۔فکر۔خوف۔ اندیشیدن مصدر سوچنا۔

وہ قد ہے مثل سرو ہمیشہ بہار پر
اندیشۂ خزاں نہیں رکھتا نہال دوست (آتش)

ے دور دراز = دور دراز کے اوہام۔ دور دراز کے
ت۔ اندیشہ بمعنی خیال۔وہم۔فکر۔سوچ۔

نا اس ناداری سے ہم نے جی دینا ٹھہرایا ہے
کیا کہئے اندیشہ بڑا تھا اس کی منہ دکھلائی کا (میر)

= شرمندگی۔خجالت۔ندامت۔پشیمانی۔

موتی سمجھ کے شان کریمی نے چن لیے
قطرے جو تھے مرے عرق انفعال کے (ڈاکٹر اقبال)

نگاہ تیرے ڈبیٹے تمہارے دید سے
شہید کر کے مجھے انفعال کچھ نہ ہوا (سحر)

= شہد۔

میرے مولا کو امیر النحل ملتا تھا خطاب
خانۂ زنبور میں تب انگبیں پیدا ہوا (ناسخ)

انگشت بدنداں = حیرت سے دانتوں میں انگلی دبانا۔ حیران
ہونا۔حیران۔پریشان۔

انگشت رکھنا = انگلی رکھنا بمعنی عیب نکالنا۔نکتہ چینی کرنا۔
انگشت رکھنا اردو کے محاورے انگلی رکھنے کا فارسی ترجمہ ہے۔

انگلی ہر ایک ہے وہ مصرعہ موزوں بلند
انگلی رکھ سکتے نہیں جس پہ کہیں دانشمند (محسن)

گرچہ کی ہے کوشش ان نظموں کے لکھنے میں بہت
اور جگہ انگشت رکھنے کی نہیں چھوڑی کہیں (حالی)

اَوجِ حصار = چار دیواری کی بلندی۔ قلعہ کی بلندی۔
اوج بمعنی مرتبہ۔عروج۔بلندی۔ترقی۔

ایک ساعت بھی زمانے میں ہوا اپنا نہ اوج
آسماں پر کیا تمہارے بخت کا اختر نہیں (ناسخ)

اَوج دہ مرتبۂ معنی و لفظ = الفاظ اور معنی کے رتبہ کو بلند کرنے والا۔

کرے ہے فخر بہت اوج پر فلک شاہا
رضا جو ہو تو کروں تیرے روضے کا بستار (میر)

اوجِ طالع لعل و گہر = لعل و گہر کی قسمت کی بلندی۔
لعل و گہر کی خوش نصیبی۔

چمکتا تھا شرف میں اختر اوج
کہا یہ ہو گا بے شک صاحب اوج (طلسم شایاں)

امیدگاہِ انام = مخلوق کی امیدوں کا مرکز۔ جہاں مخلوقِ خدا
کی توقعات پوری ہوں۔ امیدگاہ بمعنی وہ ذات جس سے توقع وابستہ ہو۔

کنایہ فہم و لطافت پسند و خوش اخلاق
امیدگاہ عزیزان عمر و عذر نیوش (انشاء)

انام بمعنی مخلوقات۔ خلق اللہ۔ لوگ۔

تم کو مسجود جانتے ہیں انام
تم سبھوں کے ہو پیشوا و امام (میر)

انبساطِ خاطرِ حضرت = جناب والا کا دل خوش کرنا۔ حضور
والا کی خوشنودی مزاج۔ انبساط بمعنی خوشی۔ شادمانی۔

بے منتِ شراب ہوں سرشارِ انبساط
تجھ نین کا خیال مجھے جام جم ہوا (ولی)

انتظارِ ساغر کھینچ = ساغر کا انتظار کر۔
انتظار کھینچنا فارسی کے محاورہ انتظار کشیدن کا ترجمہ
ہے جو اردو میں غیر فصیح ہے۔ انتظار کشیدن بمعنی انتظار کرنا۔

ساقی خوش است در رمضان بادۂ سحور
سے در پیالہ ریز دکش انتظارِ صبح (باقر کاظمی)

انجاحِ مقاصد = مقصد براری۔ مقاصد میں کامیابی۔ انجاح
بمعنی کامیابی۔ فیروزمندی۔

ہے ہوس یار ملے ہم سے کرے غیر کو ترک
مطلب اپنا وہ ہے جو قابل انجاح نہیں (ناسخ)

انجمِ رخشندہ = چمکتے ہوئے ستارے۔ انجم بمعنی ستارے۔ کواکب۔ نجوم۔

تجھ روئے خوں فشاں سے انجم ہیں کیا خجل ہیں
ہے آفتاب کو بھی اے ماہ سال تیرا (میر)

انجمنِ طوے = محفل شادی۔ طوے لفظ توی کا معرب ہے۔ بمعنی شادی بیاہ۔

پلا مجھ کو ساقی شرابِ کہن
کہ جمتی ہے انجم کی اب انجمن (صدق البیان)

اندازِ بسمل غلتیدن = بسمل کے خون میں لتھڑا ہوا ہونے کا اند
بسمل بمعنی زخمی۔ گھائل۔ انداز بمعنی ڈھنگ۔ طریقہ۔ طور۔ ط

گرمی جوشِ محبت کا وہی انداز ہے
داغِ دل سے ربط ہے سوزِ جگر سے ساز ہے (آتش)

اندازِ تغافل = تغافل شعاری۔ بے پروائی کا انداز۔
انداز بمعنی انداز معشوقانہ۔

روشنی سامنے دکھاتی ہوئیں
قدم انداز سے اٹھاتی ہوئیں (تلق

اندازِ جنوں = جنوں کا انداز۔ جنوں کی ادا۔ جنوں کا ڈھنگ

اب بھی اک عمر پہ جینے کا نہ انداز آیا
زندگی چھوڑ دے پیچھا مرا میں باز آیا

اندازِ سخن = اندازِ کلام۔ اسلوبِ کلام۔ انداز بمعنی طرز

بلبل غزل سرائی آگے ہمارے مت کر
سب ہم سے سیکھتے ہیں انداز گفتگو کے (میر)

اندازِ گل افشانی گفتار = گفتگو سے پھول جھڑنے کی ادا۔

سیکھے سے بھی انداز تمہارے نہیں آتے
آنکھوں میں ہوں باتیں یہ اشارے نہیں آتے
(ریاض خیرآبادی)

اندازِ ہلال = ہلال کی مانند۔ ماہِ نو کی طرح نئے چاند کی ساخت۔

نحن اقرب کا ابھی اگر سمجھ میں آجائے
دیکھے انسان جو انداز گھڑی بھر اپنا
(دبستان تجلیات)

اندوہ رُبا = غم کو دور کرنے والا۔ ربائیدن مصدر اچک لے جانا۔

بیٹوں میں تقسیم کی تو ایران و عربستان ایرج کو عطا کیا۔

ے نالہ = بجز نالہ۔

ب

بایں ہمہ = اس سب کے باوجود۔ بایں ہم۔

یاں حسن بھی ہے اور محبت بھی بایں ہم
اس عالم تمکین میں نہ حیرت ہے نہ حرماں (اسرار)

جب دیکھیے تو ہے مئے معشوق پر نگاہ
بایں ہمہ ریاض بڑے پارسا بھی ہیں (ریاض خیرآبادی)

بابِ نبرد = لڑائی لڑنے کا اہل۔ جنگ کے قابل۔ جنگجو۔ لائق جنگ۔ مرد میدان۔ شایانِ جنگ۔

باب بمعنی لائق۔ شایاں۔ درخور۔ لائق۔

جلوۂ آتش خورشید نہیں باب سجود
اور ہی جھکے ہیں وہ جسکو خدا کہتے ہیں

بات اٹھانا = کسی کی سخت کلامی برداشت کرنا۔ بد زبانی سہہ جانا۔ ناگوار بات ضبط کرنا۔

سنگ گراں کسی نے اٹھایا تو کیا ہوا
زور آور اس کا نام ہے جس نے اٹھائی بات (اسیر)

فرمائیے جو تم تو اٹھالوں گا میں پہاڑ
پر غیر کی نہ جائے گی مجھ سے اٹھائی بات (سودا)

باد = ہوا۔

آئی کنعاں میں بادِ مصر دلے
نہ گئی تا بہ کلبۂ یعقوب (میر)

پہرے میں ایسی ہے گرمی کہ شب و روز دلے
باد کرتی ہی رہے دامن مژگاں کی جھپک (سودا)

بادبان = بتوار۔ وہ پردہ جو بادبانی کشتیوں یا جہازوں پر ہوا کا رخ بدلنے کے لیے لگایا جاتا ہے۔

نہیں لگایا ناسخ شعلہ یہ اس بحر خوبی نے
ہماری کشتیٔ عمر رواں میں بادبان باندھا (ناسخ)

خواہش ہے تجھ کو کعبۂ مقصود کی اگر
کر بادبان آہ کو دل کے جہاز کا (سراج اورنگ آبادی)

بادبانِ کشتیٔ مے = شراب کی کشتی کا بتوار۔

شبیر ناخدائے سفینہ ہیں بے گماں
ان کی ردا ہے کشتیٔ امت کا بادباں (یکتا امروہوی)

کشتیٔ مے پہ ہے اب بخت سلیماں کو بھی رشک
بادہ پیمائی تھی آخر بادپیمائی نہ تھی (قبوب تغزل)

باد بدستِ تسلیم = تسلیم و رضا کی تہی دامنی۔ تسلیم بمعنی راضی ہونا۔ خوشی سے قبول کرنا۔ قبول کرنا۔ ماننا۔ منظور کرنا۔ سپرد کرنا۔

باد بدست بمعنی۔ پشیمانی۔ نکما۔ لاحاصل۔

عنقا شکار کس نہ شود دام باز چیں
کاینجا ہمیشہ باد بدست است دام را

تسلیم بمعنی ماننا۔ قبول کرنا۔ راضی ہونا۔ تسلیم و رضا۔

تسلیم و رضا کیلئے جو وقت ملا ہے   وہ وقت کروں صرف میں کس طرح دعا میں (مؤلف)

اوراقِ لختِ دل = دل کے ٹکڑوں کے ورق۔

اورنگ = تخت شاہی۔

اورنگِ سلیماں = تخت سلیماں۔

مَیں ہوں کیا چیز دلا خاک نشیں مورِ ضعیف
کر دیا موت نے اورنگِ سلیماں خالی (ناسخ)

حضرت سلیمان علیہ السلام ایک جلیل القدر پیغمبر اور عظیم الشان بادشاہ تھے۔ حضرت سلیمان کا تخت ہوا میں اڑتا تھا۔ اورنگ بمعنی تخت شاہی۔

اوستادِ رستم و سام = رستم و سام کے استاد۔ رستم اور سام کو پہلوانی کے گُر اور داؤں پیچ سکھانے والے۔
رستم: ایران کا ایک مشہور پہلوان جو زال کا بیٹا اور سام کا پوتا تھا اور کیکاؤس بادشاہ ایران کا سپہ سالار تھا۔
سام: رستم پہلوان کے دادا کا نام تھا اس کے باپ کا نام نریمان تھا۔

اُوک = چلّو۔

کب گیا اے دیر مغانہ کو مار آتی ہے اوک سے پی جو مَیں تدرع یں نہ ہوا
(داغ)

اہتزاز = جھومنا۔ ہلنا۔ وجد۔ انبساط۔ خوشگوار ہوا کا چلنا۔ پھول کا کھلنا۔

خاکسترِ سیاہ کو بھی اہتزاز ہے
تم روح برق چھوڑ گئے تھے غبار میں (وفا)

اہلِ بینش = صاحب نظر۔ صاحبان بصیرت۔ دیدہ ور۔
اہل بمعنی صاحب، والا یا والے۔

مرتبہ پوچھ عشق بازاں کا
یہ ہیں ملک خدا کے اہل دول (دلی)

اہلِ تدبیر = تدبیر کرنے والے لوگ۔

اہلِ خرابات = مے خانہ کے آدمی۔ میکدہ میں آنے جانے والے
خرابات بمعنی بُت خانہ۔ شراب خانہ میکدہ۔

نکلیں گے خانقاہ سے جس وقت پھر وہی
ہم ہوں گے رند ہوں گے خرابات ہوئے گی (ظفر)

اہلِ کرم = مہربانی کرنے والے لوگ۔ سخی لوگ۔ اربابِ کرم صاحبِ بخشش۔

ایّامِ گل = موسم بہار۔ پھول کھلنے کے دن۔ فصلِ گل۔

ایرج = پسر فریدوں۔ جب فریدوں نے اپنی سلطنت اپنے

ناب = خالص شراب

ہر تکدر کو طبیعت سے مٹادے ساقی

بادۂ ناب کا اک جام پلادے ساقی (قمر جلالوی)

نوشی = شراب نوشی۔ مے خواری

ابر ڈھالوں کا وہاں نشہ ساں چھا جائے

بادہ نوشی میں لڑائی کا مزہ آجائے (ذوق)

ہائے ناب گوارا = خوشگوار خالص شراب

ھوں وصفِ بادۂ ناب کیا نہیں زاہد ایسی کوئی دوا

جو دماغ اس کی مہک سے تر تو مزاج اسکے اثر سے خوش (داغ دہلوی)

ن اشک = آنسوؤں کی بارش۔ باران بمعنی بارش۔ برسات

میرے رونے پہ جو رویا آدمی فہمیدہ ہے

ناصح عاقل پرانا گرگ باراں دیدہ ہے (داغ)

یہ کہ دو ابر باراں سے اگر برسے تو یوں برسے

کہ جیسے اشک بہتے ہیں ہمارے دیدۂ تر سے (یکتا امروہوی)

بدِ بزمِ سخن = بزم سخن کا مطرب۔ باربُد بمعنی مطرب

خسرو پرویز کے دربار میں ایک شخص تھا جو منصب حجابت
پر متعین تھا۔ اس مناسبت سے اس کو باربُد یعنی بڑا بار دینے والا
کہتے تھے اور اسی کے توسط سے لوگ پرویز کے دربار میں باریابی
حاصل کرتے تھے۔ یہ شخص مقامات موسیقی میں کمال رکھتا تھا
اور خسرو کے دربار میں اسباب طرب کا اہتمام کرتا تھا۔

ستائی باربُد دستاں ہمیں زد

بہشیاری رودستاں ہمیں زد

بزم سخن بمعنی شعر و شاعری کی محفل۔

کس دھوم کی پڑھی ہے غزل آپ نے نسیم

تحسیں کا شور بزمِ سخن سے نکل گیا (نسیم دہلوی)

بارِ بستر = وبالِ بستر۔ بستر کے لیے بوجھ۔ بستر کے لیے ناگوار۔

بار ہونا بمعنی بوجھ بن جانا۔ ناگواری کا سبب ہونا۔ گراں گذرنا۔

بار تو دینا = اجازت دینا۔ داخل ہونے دینا۔

نہ کسی خاص سوں شاہ خلوت کیا

نا باہر نکل بار کسی کوں دیا (بدیع الجمال)

بارِ خاطر = دل پر بوجھ ہونا۔ خلاف مزاج۔ تکلیف دہ

طائر رنگِ چمن ہم کو بنایا ضعف نے

باغباں کیوں کر ہوں بارِ خاطرِ گلزار ہم (اسیر)

محبت تھی جو وصل میں جانِ عیش

دہیں ہمرسی بارِ خاطر ہوئی (بے نظیر)

بارِ منتِ مزدور = مزدور کے احسان کا بوجھ۔

بازارِ معاصی = گناہوں کا بازار۔ ایسی جگہ جہاں گناہوں کی
افراط ہو۔ معاصی جمع ہے عصیاں کی۔

قیس و وامق کو مرے ساتھ گرفتار نہ کر

اے جنوں خانۂ زنجیر کو بازار نہ کر (اسیر)

بازگشت = واپسی۔ پلٹنا۔ لوٹنا

موئے پر نہیں اس سے رفت و گذشت

اسی کی طرف سب کی ہے بازگشت (میر حسن)

اور یوں رجوع شہ کی طرف تھے وہ نیکنام

فسانوں کی بازگشت ہو جیسے سوئے امام (دبیر)

واعظا اس کی سی ادائیں تو نہیں حوروں میں
ہم نے تسلیم کیا حسن و جمال اچھا ہے (امیر مینائی)

[باد]یہ پیمائی = کارِ عبث۔ فضول کام۔ ہوا خوری۔ چمن کی ہوا کھانا۔ بادیہ پیمائی۔ جنگل کی ہوا کھانا۔

کشتی مے پہ ہے اب تخت سلیماں کو بھی رشک
بادہ پیمائی تھی آخر بادپیمائی نہ تھی

بادپیمائی گردوں سے نہیں کچھ مطلب
تو ہی اے شوق کر اب بادیہ پیما مجھ کو

[باد] زمہریر = سرد ہوا۔ برفیلی ہوا۔ زمہریر۔ ہوا کے کرہ کا نہ طبقہ جو نہایت سرد ہے۔

جتنا عالم تھا کا شمیر ہوا
بلکہ کہیے کہ زمہریر ہوا (سودا)

[ب]ادہ = شراب

چشمِ حیراں کو اس چشم میگوں نے کیا
بادۂ گلرنگ بھی پانی سے پتلا ہو گیا (ناسخ)

ہیں رنگ جدا، دور نئے کیف نرالے
شیشہ وہی بادہ وہی پیمانہ وہی ہے (آرزو)

بادہ آشامی = شراب نوشی۔ مے نوشی۔ بادہ نوشی۔ مے آشامی
بادہ بمعنی شراب۔ صہبا۔ مے۔ آشامیدن مصدر پینا۔

خلد کی نہرِ عسل کر زاہد!
جانتے ہیں رند مے آشام تلخ (ناسخ)

بادۂ جوشِ اسرار = اسرارِ الٰہی کے جوش کی شراب
اسرار جمع ہے سر کی بمعنی بھید۔ راز

پیدا لبِ جاں بخش سے اسرار خفی تھے
اُس دم ہمہ تن گوش سب اصحاب نبی تھے (دبیر)

بادۂ دوشینہ = رات کی پی ہوئی شراب۔ مے دوشینہ۔ رات کی شراب۔ باسی شراب

مئے دوشینہ کی بدمستیاں میں کیا کہوں ساقی
نکل آیا ہے سورج اور ہے خوابِ گراں باقی (میر عثمان علی خاں)

ان نیند کے متوالوں کو دعوت دی کہ اس جامِ صبح گاہی سے بادۂ دوشینہ کا خمار مٹائیں۔ (غبارِ خاطر)

بہ بدمستی سزد گر متہم سازد مرا ساقی
ہنوزم بادۂ دوشینہ را پیمانہ بو دارد

بادۂ شبانہ = رات کی مے نوشی۔ راتوں میں شراب پینا۔ رات کی شراب

آنکھیں سیہ مست چہرہ کتابی
بادۂ شبانہ جام آفتابی (حفیظ جالندھری)

اس بادۂ شبانہ کے سرمست ہیں کدھر
پیمانہ مدینہ کے سرشار ہیں کہاں (ظفر علی خاں)

بادۂ گلفام مشکبو = مشک کی خوشبو دینے والی سرخ شراب۔ مشک کی طرح مہکنے والی گلاب کے رنگ کی شراب۔ بادہ بمعنی شراب۔ گلفام بمعنی پھول کی رنگت۔ پھول کی مانند۔ گل رنگ۔ پھول جیسے رنگ والا۔ مشک بو بمعنی مشک کی خوشبو مشک کی مہک۔
بادۂ گلفام بمعنی سرخ رنگ کی شراب۔

چمنِ جنگ میں دے بادۂ گلفام مجھے
دم بدم چھاؤں میں تیغوں کی پلا جام مجھے (مؤدب)

ہم نے تو بر میں یہ لذت پائی
ہو گئی بادۂ گلفام کی حرص (داغ دہلوی)

عنقا کی طرح تمام عالم عالم
میں ہستی بے نشاں ہوں دنیا دنیا (مؤلف)

بال کشا = پر کھولے۔ پرواز کرے۔ اُڑان بھرے۔ اڑنے والا۔ پرواز کرنے والا۔ بال بمعنی پر۔ کشادن مصدر کھولنا۔

کیا وسعت جو کرے بال کشائی
رک رک کے مرغ گرفتار مرے گا (فغاں)

بال ہما = ہما کا پر۔
کہتے ہیں کہ جس پر ہما کا سایہ پڑ جائے وہ بادشاہ ہو جاتا ہے۔ یہ ایک خیالی پرندہ ہے۔ مشہور ہے کہ اس کی غذا ہڈی ہے۔

ہائے یاد مرغ مجنوں کی جنوں افزائیاں
میرے سر کو سایۂ بال ہما منحوس ہے (مومن)

جن سروں پر تھا کبھی بال ہما
آج غیروں کے مگس راں ہو گئے (نور فردوس)

بال یک تپیدن = ایک تڑپ کے پر۔ بال بمعنی پر۔ تپیدن بمعنی تڑپنا۔

بام = کوٹھا۔ چھت۔ بالا خانہ

بیخودی میں آنکھ پڑ جاتی ہے جب خورشید پر
آسماں کو جانتا ہوں اس پری کا بام ہے

آخر شب دید کے قابل تھی بسمل کی تڑپ
صبح دم کوئی اگر بالائے بام آیا تو کیا (اقبال)

باندازِ چکیدن = ٹپکنے کی حالت۔ چکیدن بمعنی ٹپکنا۔
باندازِ عتاب = بطور عتاب۔ غصہ کرنے کے انداز سے۔

باندازۂ ہمت = بقدر ہمت۔
بانی = مبانی۔ بنیاد ڈالنے والا۔ بانی مبانی بنا کرنے والا۔

پیاسے ہی سدھارے نہ بجھا تشنہ دہانی
سرکاٹ کے سینہ سے اٹھا ظلم کا بانی (انیس)

باوجودِ دلجمعی = بے فکری کے باوجود۔ سکون قلب کے باوجود۔
دل جمعی بمعنی دل کا جمع ہونا۔ دل کا پریشان نہ ہونا جمعیت خاطر۔ دل کو تسکین پہنچنا۔

غنچہ ساں ہنستے ہیں دل جمعی پر اپنی اے جلال
ہم پریشاں اس گلستاں کی ہوا دیکھ کر (جلال)

جو قطرہ قطرہ مثال گہر ہو دل جمع
تو ذرہ ذرہ پریشاں مرا ہو پشت غبار (شاد لکھنوی)

باوصفِ آزادی = آزادی کے باوجود۔ باوصف بمعنی باوجود۔

باوصف بے کمالی عزت طلب ہوں قائم
درخوار ہو سو کیوں کر اہل جہاں سے مجھکو (قائم)

بُتانِ خود آرا = خود کو آراستہ و پیراستہ کیے ہوئے معشوق۔ بنے سنورے ہوئے معشوق۔
بُتِ آئینہ سیما = ایسا معشوق جس کی پیشانی آئینہ کی طرح چمکدار اور روشن ہو سیما بمعنی پیشانی۔ نشان۔
بُتِ بیدادفن = بت بے داد گر۔ ستم ڈھانیوالا معشوق
بُتِ پیغارہ جُو = طعن و تشنیع کرنے والا معشوق۔ پیغارہ۔ طعن۔ سرزنش
بُت خانۂ آذر = آذر کا بتکدہ۔
آذر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تھا جنکا

بازیچۂ اطفال = بچوں کا کھلونا۔ بازیچہ بمعنی کھلونا۔

بازیچہ دل مرا ہے کسی نے سوار کا
کیوں کر نہ ہر نفس میں ہو عالم غبار کا (ناسخ)

درد کا قحط ہو دل کا کوئی گاہک نہ رہے
وائے بر عشق کہ بازیچۂ طفلاں ہو جائے (یاس یگانہ)

باطل = ناحق۔ ناچیز۔ شیطان بمقابلہ حق۔

تمہارے حسن کے آگے مہ کامل نہ ٹھہرے گا
قسم حق کی کہ حق کے سامنے باطل نہ ٹھہرے گا (جلیل)

باعثِ افزایشِ دردِ دروں = دردِ نہاں میں اضافہ کا سبب۔
افزودن مصدر بڑھنا۔ افزائش بڑھوتی۔ اضافہ دروں بمعنی
اندر۔ چھپا ہوا۔ مخفی۔ غیر ظاہر۔

میرے اشعار پہ کہتے ہیں بہت واہ جناب
نہیں کرتے مگر افزائشِ تنخواہ جناب (اکبر الہ آبادی)

باعثِ نومیدی اربابِ ہوس = اہل ہوس کی ناامیدی
کا سبب۔ بوالہوسوں کے مایوس ہو جانے کا سبب۔ ارباب
بمعنی مالک۔ صاحبان۔

علی کو محبت مساکیں سے تھی
بہت نفرت اربابِ تزئیں سے تھی (ناسخ)

باغبانیِ صحرا = صحرا کی باغبانی۔ صحرا میں آبیاری کرنا اور
پھول لگانا۔ باغبانی بمعنی باغ کی دیکھ بھال کرنے کا کام۔

نہالِ قامت نوخیز ہوئے گا اک چیز
پہ ہاں دماغ کسے اتنی باغبانی کا (قائم)

باغِ رضواں = جنت۔ رضواں بمعنی جنت کا داروغہ۔ وہ
باغ جس کے منتظم کا نام رضوان ہے۔

یار کے سیب ذقن کا وصف ہم لکھتے ہیں بحر
اُم کھانے کو ہمارے باغ رضواں چاہیے (بحر)

باگ = لگام۔ راس۔ عنان

خوش سواری دخوش جلو جوش راہ
باگ اُچکی تو پھر نہ ٹھہری نگاہ (میر)

بالِ پری = پری کے پنکھ۔ پری کے پر۔ بال بمعنی بازو۔ پنکھ

دام اسیں بے خطا اسیں قفس ہے بے قصور
شوق پابندی نہاں خود میرے بال و پر میں ہے (حسرت موہانی)

بالِ تدرو = چکور کے پر کنایہ ہے موج شراب کی طرف۔
بال تدرو فارسی میں ایسے ابر سفید سے کنایہ ہے جو ناگاہ
سیاہ بادلوں میں سے ظاہر ہو کر پانی برساتا ہے۔

بر محا زند چو بال شکاری قدح زموج
بال تدرو دیدہ در آئینہ ہوا (مرزا جلیل اسیر)

بالش = تکیہ۔ مسند

بالش سے سروکار نہ بستر سے غرض
اپنا کسی تکیے میں بچھونا ہوگا۔ (انیس)

کانٹوں پہ حق پرست بدلتے ہیں کروٹیں
بالش کا اشتیاق نہ بستر کی آرزو (سیف دہلوی)

بالِ عنقا = عنقا کے پر۔ عنقا ایک فرضی پرندہ جس کو کسی
نے کبھی نہیں دیکھا۔ ایک ناموجود پرندہ۔ بال بمعنی پر۔

کیوں کر نہ ہو ادعا سے اعجاز
کھولے ہیں قفس میں بال پرواز (اکبر الہ آبادی)

کر میں بدرقہ ہوں رہنما ہوں
اسیر سحر ہوں اور ناخدا ہوں (محمد اسمٰعیل)

بدمستیٔ ہر ذرّہ = ہر ذرہ کا سرشار ہونا۔ تمام مخلوق کا بدمست ہونا۔

بدمستی کی تہمت اور ہم رندوں پر
دے پٹکیے اپنے آگے اب کس کا سر

براتِ عاشقِ جنوں = عاشق جنوں کا پروانہ۔ برات۔ حکم نامہ۔
فرمان۔ تنخواہ حاصل کرنے کا وثیقہ۔

نوکر ہیں ہم قدیم سے غنچہ دہانوں کے
گنجینہ ہائے فیض پہ اپنی برات ہے (امیر)

برائے وداع = رخصت کرنے کے لیے۔ رخصتی۔ وداعی

برخوردارِ بستر = بستر سے مانوس۔ بستر سے انس رکھنے والا۔
بستر کو عزیز رکھنے والا برخوردار مرکب لفظ ہے جس کے
اجزا۔ بر۔ خور۔ دار ہیں (یعنی بے جا۔ کھا۔ اور رکھ) چھوٹوں
یہ ایک دعائیہ لفظ ہے جو چھوٹوں کے لیے خاص طور پر بیٹے
کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

بردِ لیالی = راتوں کی خنکی۔ راتوں کی سردی۔
برد بمعنی سردی لیالی = جمع لیل کی بمعنی راتیں

پرستش سے آتش کی دل سرد ہے
مرے سامنے آگ اب بَرد ہے (واجد علی شاہ اختر)

بردِ شش جہت = سارے زمانے کے لیے۔
شش جہت بمعنی چھ سمتیں۔ شمال۔ جنوب۔ مشرق۔
اتر دکھن پاورب
مغرب۔ زمین + آسمان
پچھم نیچے اوپر

بسبیلِ دوام = بطور دوام۔ مستقلاً۔ ہمیشہ۔ دائماً۔

بسبیلِ شکایت = بطور شکایت۔ شکوے کے طور پر۔

بُرّشِ تیغ = تلوار کی کاٹ۔ بُرّش "ر" پر تشدید اور "ب" پر
زیر دونوں استعمال ہوتا ہے۔

کرتے ہیں دیکھ کے وہ گرد نظر سے صیقل
بُرّشِ خنجر شفاف سوا ہوتی ہے (جلیل)

جو ہر وہی بُرّش کا وہی طور خم وہی
تیزی وہی غضب کی وہی کاٹ دم وہی (انیس)

بُرّشِ تیغِ جفا = جفا کے تلوار کی کاٹ۔ بریدن مصدر
کاٹنا۔ بُرّش بمعنی کاٹ تیزی۔ تیغ بمعنی تلوار۔ شمشیر۔

تو پیرتِ خالق اکبر ہے
تو بُرّشِ تیغ حیدر ہے (ظفر علی خاں)

برشگالِ گریۂ عاشق = عاشق کے رونے کی بارش۔
عاشق کے آنسوؤں کی برسات۔ گریہ بمعنی رونا۔
برشگال بمعنی برسات۔

پیالے عشق کے چھلکاتی برشگال آئی
شراب خوروں کو کرتی ہوئی نہال آئی (تسلیم)

برفِ آب = ٹھنڈا برفیلا پانی۔ پگھلے ہوئے برف کا
پانی۔ آبِ برف۔ برف کا پانی۔

برقِ تجلّی = جلوہ نمائی کی بجلی۔ جلوؤں کی بجلی۔
وہ برق جو کوہ طور پر حضرت موسیٰ کے "ربِّ ارنی"
کے جواب میں چمکی تھی۔ جس کو برقِ تجلّے بھی کہتے ہیں۔

پلک جھپکی کہ منظر ختم تھا برقِ تجلّے کا
ذرا سی نعمتِ دید اس کا بھی یوں رائیگاں جانا (آنند لکھنوی)

پیشہ بت تراشی تھا۔

مدرسہ یا دیر تھا کعبہ تھا یا بت خانہ تھا
ہم سبھی مہمان تھے واں تو ہی صاحب خانہ تھا (درد)

بُت خانۂ چیں = چین کا بتکدہ۔ صنم خانۂ چین۔ چین کی روائتی مصوری کا مرقع۔

بت خانۂ چیں وہاں کے بازار
ہر ایک دکاں دکانِ عطار (شاد)
در و دیوار وہ دلچسپ کہ فردوس نظر
زینت و زیب میں بت خانۂ چیں سے بہتر (راز و نیاز)

بُت شکنی = بُت کا توڑنا۔

قوم اپنی جو زر و مال جہاں پر مرتی
بُت فروشی کے عوض بُت شکنی کیوں کرتی (اقبال)

بُتِ عربدہ جو = لڑاکا معشوق۔ لڑنے والا معشوق۔ جھگڑالو

بے گنہ چاہنے والوں کا جو خوں کرتا ہے
تجھ کو کچھ شرم بھی اے عربدہ جو آتی ہے (عاشق)

بحرِ بیکراں = اتھاہ سمندر۔ ایسا سمندر جس کے کناروں کا پتہ نہ ہو۔

ذرہ ہے تو مہر آسماں ہو
قطرہ ہے تو بحر بیکراں ہو (شبلی)
سایہ فگن ہے فرق پہ کوہ فلک نشاں
قدموں میں کھلتا ہے ترے بحر بیکراں (مطلع انوار)

بخت خفتہ = سویا ہوا نصیب۔ سوئی ہوئی قسمت۔ بدقسمتی

جس قدر سوئے غنیمت میں سمجھتا ہوں اسے
بخت خفتہ کو ہے تا صبح جگانا شبِ وصل (آتش)

بخت رسا = خوش قسمت۔ رسیدن مصدر پہونچنا۔ پہونچنے والا۔ ایسا بخت جو مقصد تک پہونچا ہو۔ وہ نصیبہ

پائی تمہارے سر پہ جگہ واہ رے نصیب
کیا ان دنوں ہے اوج پہ بختِ رسائے زلف (نسیم)

بخت ناساز = بدنصیبی۔ بخت نارسا۔

بخیۂ چاک گریباں = چاک گریباں کا بخیہ۔

بخیہ ایک قسم کی سلائی ہوتی ہے جس میں دوہرا ٹانکا جاتا ہے۔ مضبوط سیون جس کے ٹانکے پاس پاس لگے ہوں

خندۂ دنداں نما کے عشق میں ایذا رساں
مثل ناخن بخیۂ زخم جگر ہونے لگا (ظفر)
اب کی جنوں میں فاصلہ شائد نہ کچھ رہے
دامن کے چاک اور گریباں کے چاک میں (غالب)

بَدا = بہت بُرا۔ ظاہر ہونا۔ رائے بدلنا ——— اپنے فیصلے سے رجوع۔

ہوا اسی طرح گر حیات تمام
اسے بدا آخر اسے بدا انجام (نذیر احمد)

بَدخُو = تنگ مزاج۔ بدمزاج۔ بری عادت رکھنے والا۔

گرمی سوں دیکھتا ہوں تیری طرف اے گل رو
تا دو رقیب بدخو جل بل کباب ہوگا (ولی)

بدرقہ = رہبر۔ رہنما۔ راستہ میں مسافر کی حفاظت کرنیوالا۔

حافظ اگر قدم نہی در رہ خانداں بصدق
بدرقہ رہت شود ہمت شحنۂ النجف (حافظ شیرازی)
بدرقہ عبادت کا درکار ہے اگر نہیں ہوا تو گرفتار ہے (مرزا ابراہیم)

تو نے ابھی اٹھائی ہے تمہید
ہمہ تن چشم کرایا ہے دید (گلشن عشق)

ادھر ہم ٹکٹکی اپنی جو وقت دید باندھیں گے
عدو کیا جانے کیا کیا دیکھ کر تمہید باندھیں گے (ظفر)

[ب]عد رنگ گلستاں ہونا = باغ کی طرح ہرا بھرا اور شاداب رہنا۔ گلستان ہونا بمعنی باغ باغ ہونا۔

[ب]طے = شراب کی بطخ - مراد صراحی -

ہے زباں موج پر ہر دم یہ شعر آب دار
ساقیا تجھ کو مبارک ہو بطے کا شکار (سحر)

بعض صراحیاں بط کی شکل میں بنائی جاتی ہیں، اس لیے بطے سے مراد صراحی سمجھا۔

مغبچہ بھرنے لگا بطا میں جو آب آتشیں
میکدے میں ہم نے دیکھا آتش خوار کو (ناسخ)

چھری سے کم نہیں حسرت بھری نظر میری
کہیں ز معنتِ بطے حلال ہو جائے (تسلیم)

[بغ]یر از واجب = بجز واجب الوجود۔ بجز خدائے تعالیٰ۔ خداوند کریم کے علاوہ۔ بغیر بمعنی بجز۔ سوا۔ علاوہ۔ بن۔ بنا۔ بلا۔

بغیر نقش فنا کچھ نظر نہیں آتا
ہماری چشم کہیں دیدۂ حبیب نہ ہو (مرزا احسن)

یوں زندگی گذار رہا ہوں ترے بغیر
جیسے کوئی گناہ کیے جا رہا ہوں میں (جگر)

[بہ]فیض بے دلی = ناامیدی کی بدولت۔ ناکامی کے سبب سے۔

بقدرِ لب و دنداں = حسب استعداد۔ جس میں جتنا حوصلہ ہو۔ جس کے ہونٹوں اور دانتوں میں جتنی سکت ہو۔ بقدر بمعنی کسی چیز کے مطابق یا برابر

اگر آگاہ ہستی فطرت مجبور ہو جائے
بقدر لفظ و معنی ذرہ ذرہ طور ہو جائے (انوار)

بقیدِ حیات = زندہ ہونا۔ زندگی کی قید میں زندہ

یہ سر کھلے تو قیامت کی بات ہے زینب
ابھی حسینؑ بقیدِ حیات ہے زینب (بزم اکبر آبادی)

بکوریِ دل و چشم رقیب = بکوری دل = دل کا نابینا ہونا بمعنی اندھاپن۔ بکوری چشم = آنکھوں کا اندھاپن۔

کور چشم اور کور دل رقیب
کنایہ ہے نرگس کی طرف

بلبلِ قفس رنگ = بلبل قفس کے رنگ کی مانند

بلوریں جام = شیشے کا پیالہ۔ شیشہ کا جام۔ بلوریں بمعنی بلور کا سا۔ چمکدار۔ صاف شفاف۔

لے لیا ساقِ بلوریں کو جو دامن میں دبا
کسمسایا تو بہت ناز سے پر ہل نہ سکا (امانت)

بلور = ایک شفاف چمکیلا جوہر جو شیشہ سے سخت اور زمرد سے نرم ہوتا ہے۔

وہ لطافت و صفائی ہے کہ اللہ اللہ
صاف بلور کا گویا کہ شجر ہے وہ بدن (مصحفی)

بنات النعش گردوں = آسمان پر قطب شمالی کے قریب سات ستاروں کا مجموعہ۔ مستورات ان سات

کبھی مایۂ ناز و تعلّی ہے، کبھی مضطر بی کی تسلّی ہے
کبھی پرتو برق تجلّی ہے، کبھی جلوہ فروز عرش بریں (فانی)

برقِ خرمن = کھلیان پر گرنے والی بجلی۔ برق بمعنی بجلی۔ خرمن بمعنی کھلیان۔ وہ جگہ جہاں کسان فصل کاٹ کر غلہ جمع کرے۔

عالم حدت میں کب ہے امتیاز نیک و بد
کفر و دیں کا برق خرمن ہے شرارِ انتظار (کلیات سراج)

برقِ خرمنِ راحت = آسائش کے کھلیان کی بجلی۔ آرام و راحت کو جلا دینے والی بجلی۔

برقِ سوزِ دل = دل جلانے کی بجلی۔ تپش قلب کی بجلی
برق بمعنی بجلی۔ سوختن جلنا۔ جلانا۔ سوز۔ جلن۔ جلانے والا۔

برقِ نظارہ سوز = نظارہ کو جلا دینے والی بجلی۔ بجلی جو نظارے کو خاکستر کر دے۔

برگِ عافیت = راحت۔ سکون۔ آسائش۔ مایۂ آرام۔ راحت کا ساز و سامان۔
برگ بمعنی پتی۔ عافیت بنام آرام

برگِ سفر چمن ہے ہر ایک برگ گل
فصل بہار کہاں ہے اب اے باغباں کوچ (ناسخ)

برنگِ پنبہ = روئی کی طرح۔ پنبہ بمعنی روئی۔ روئی کی مانند۔

یارب رکھیں گے پنبہ و مرہم کہاں کہاں
سوز دروں سے ہائے بدن داغ داغ ہے (میر)

برنگِ خار = مثلِ خار۔ کانٹے کی مانند۔ کانٹے کی طرح۔

برزخم موجۂ دریا = موج دریا کے زخم پر۔

بزم آرائیاں = محفل سجانا۔

ساری بستی میں وہی اک درد کی تصویر تھی
بزم آرائی تھی ہر جا شاد تھے ہر خاص و عام ([illegible])

بزم قدح = بزم شراب۔ قدح بمعنی بڑا پیالہ۔ بادیہ۔ جا[illegible]۔ ساغر۔ پیمانہ۔ پیالہ۔

شیشہ جو پھوٹ جائے تو پھوٹے مگر نہ ہو
یارب جدا سبو سے قدح اور قدح سے ہم (مصحفی)

بساطِ صحبتِ احباب = دوستوں کی محفل کا فرش۔

بساطِ عجز = سرمایہ عاجزی۔ بساط بمعنی دسترس۔ دستگاہ۔ حیثیت۔ پونجی۔ فرش۔ شطرنج۔

بڑا کریم ہے زاہد وہ بخش ہی دے گا
بساط کیا ہے ہم ایسے گناہگاروں کی (امیر)

باز آئیں گے نہ بازیٔ عیش و نشاط سے
باہر ہیں اس جہان میں ہم اپنی بساط سے (آتش)

ہم بھی جرس کی طرح تو یہیں قافلے کے ساتھ
نالے جو کچھ بساط میں تھے سو سنا چلے (درد)

بساطِ نشاطِ دل = فرشِ سرورِ دل۔ سرورِ دل کا موجب۔ سرمایۂ نشاطِ دل۔

رکھتا نہیں ہوں ہاتھ میں کچھ غیر مشت پر
اتنی بساط پر میں خریدار باغ ہوں (فغاں)

بستر تمہیدِ فراغت = فراغت کی تمہید کا بستر۔ تمہید بمعنی ٹھیک کرنا۔ ہموار کرنا۔ بچھانا۔ عنوان۔ دیباچہ۔ آغاز۔ ابتدا۔

سنتے ہیں بیٹھ کر وہ کہاں دل کا ماجرا
تمہید کچھ اٹھائی کہ بس اٹھ کھڑے ہوئے (مصحفی)

بود بمعنی حقیقت۔ ہستی۔ وجود۔

چراغ کشتہ بمعنی بجھا ہوا چراغ

ہے کشمکش بود و عدم اور مری جاں

بالیں پہ ادھر موت ادھر چارہ گر آتا (بیخود موہانی)

بوئے پیرہن = پیرہن کی خوشبو۔

اس پیرہن کی خوشبو جو حضرت یوسف علیہ السلام

نے اپنے بھائیوں کے ذریعہ حضرت یعقوب علیہ السلام

کی خدمت میں روانہ کیا تھا تاکہ اس کی خوشبو سے ان کی

بینائی جو فرزند کی جدائی میں جاتی رہی تھی واپس آجائے۔

بہار کا اثبات = بہار کا ثبوت۔

اثبات بمعنی بہم پہنچانے کا عمل (دلائل یا قرائن سے) ثابت کرنا

عشق کے اثبات کوں عاشق کی خواری ہے دلیل

تب تو یوں سنتا ہے ان سب واعظوں کی قال و قیل (دیوان آبرو)

بہارِ ناز = بہار آفریں ناز و انداز والا مراد معشوق

بہ اندازِ گُل = پھول کی طرح۔ پھول کی مانند۔

بہانۂ بیگانگی = غیریت کا بہانہ اجنبیت کا عذر

بے گانگی = غیریت۔ اجنبی پن

مل گئیں آنکھوں سے آنکھیں مٹ گئی بیگانگی

دل میں جب جا ہو اب آ دُگھر تمہارا ہو گیا (جلیل)

تا صبح فرد فرد میں بیگانگی ہوئی

برخاست کی یہ حرفوں کو پروانگی ہوئی (انیس)

بہانہ بمعنی عذر۔ حیلہ۔ دھوکا۔ دم

پہلے اشک ہوا اس نے یہ اک بہانہ تھا

کہ خوں بہا کو مرے خاک میں ملانا تھا (حکیم ناطق لکھنوی)

بہانۂ راحت = آرام کرنے کا بہانہ۔ چین لینے کا حیلہ۔

یہ قصۂ جہاں میں فسانہ ہوا

مجھے بھی سخن کا بہانہ ہوا (میر)

بہائے متاعِ ہُنر = ہُنر کے سرمایہ کی قیمت

بہا بمعنی قیمت۔ مول۔ بھاؤ۔

شوق کیا دام مرے دل کے لگاتا کوئی

یہ تو ٹوٹا تھا سزاوار بہا ہی کب تھا (شوق قدوائی)

بہ تغافل خوشتر = تغافل سے بہتر۔ محبوب کی بےخبری میں بہتر ہے

بہ جلوۂ ریزیِ باد = ہوا کی جلوہ پاشی کی قسم

بہ چشمک ہائے لیلا =

بہ حیرت کدۂ شوخیِ ناز =

بہ دستِ بُتِ مستِ حنا = مہندی کے نشہ میں چور معشوق

کے ہاتھ میں۔ اس معشوق کے ہاتھ میں جو مہندی کے نشہ میں مست ہے

بہرام = بہرام گور پسر یزدگرد ساسانی ایران کا ایک عظیم الشان

بادشاہ تھا جو رعایا پروری، تحمل اور شان و شوکت کے

لیے مشہور ہے فردوسی نے اس سے متعلق بہت سی

حکایتیں شاہنامہ میں بیان کی ہیں۔ بہرام گور خر کے شکار

کا بہت شائق تھا اسلیے بہرام گور خر کے نام سے مشہور ہے۔

آں فقر کہ بہرام در و جام گرفت

آہو بچہ کرد و گرگ آرام گرفت

ایک ستارے کا نام جسے مریخ کہتے ہیں، جس کے

متعلق خیال کیا جاتا تھا کہ پانچویں فلک پر واقع ہے۔

یہ دو ہیں شمس و قمر اور ساتھ انکے یار

عطارد و زحل و زہرہ مشتری بہرام (نظیر)

ستاروں کے گچھے کو سات سہیلیوں کا جھمکا اور سات سہیلیاں
بھی کہتے ہیں۔ چار ستاروں کو جنازہ اور بقیہ تین ستاروں
کو جنازہ اٹھانے والا بھی کہا جاتا ہے۔ بنات جمع بنت کی
بمعنی لڑکیاں۔ بیٹیاں۔ عربی میں بنات ابن کی جمع کے طور
پر استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً ابن العرش کی جمع بنات العرش۔

نہیں ہوں گردشِ بیجا میں جوں بنات النعش
ہوا ہوں تعلب کے مانند درد و غم میں مقیم (کلیات سراج)

بن جائے = آپڑنا۔ گھر جانا۔ پریشانی میں مبتلا ہو جانا۔

جب جھکتے ہیں گرنے کو لپٹ جاتی ہے زہرا
کیا بن گئی تم پہ یہی چلاتی ہے زہرا (نقش)

بندِ غم = غم کے پابندی۔ غم کے بندھن۔ غم میں مبتلا ہونا۔
غم برداشت کرنے کی قید۔

چھٹ کر کہاں اسیر محبت کی زندگی
ناصح یہ بندِ غم نہیں قیدِ حیات ہے (مومن)

بندِ قبا = قبا کے بند۔ بند بمعنی گھنڈی تکمہ۔ کپڑے کا
بنا ہوا تکمہ جس سے انگیا یا قبا کو کسا جائے۔

کہتے ہیں گرہ ڈال کے مجھ سے وہ شب وصل
انگیا کا کوئی بند خبردار نہ ٹوٹے (دیوان مہر)

نہ بھولیں وعدہ کر کے آپ کل تک
گرہ دے دیجیے بندِ قبا میں (داغ دہلوی)

بُنِ ناخنِ تدبیر = ناخن تدبیر کی جڑ۔ بُن بمعنی جڑ۔ انتہا

ہر بن مو سے آہ کرتا ہوں
تم پہ جس دم نگاہ کرتا ہوں (جوش ملیح آبادی)

پات اور بن میں جیسے سوکھے جانیں اڑلے جاتی ہیں
پہنچے ہے تا عرشِ اعظم خاک ہماری اڑلی ہوئی (میر)

بندِ نقابِ حسن = حسن پر پڑی ہوئی نقاب بند۔

بنِ ہر خار = ہر کانٹے کی جڑ۔ بُن بمعنی جڑ۔ انتہا۔

بوالہوس = حریص۔ لالچی۔ بہت ہوس رکھنے والا۔ ہوس
پرست۔ نفسانی خواہش کا پابند۔

حذر اک بوالہوس کیا الفت کا کل سے کرتے ہیں
جنھیں کاٹا ہے اس ناگن نے وہ رسی سے ڈرتے ہیں (شاد)

بُوباس = خوشبو۔ مشابہت۔ انداز۔ ڈھنگ۔

تازگی دیکھیے جو سبزے کی تو جاتی ہے پیاس
اوس کھاتے ہوئے پھولوں کی وہ ٹھنڈی بوباس (نقش)

بوباس نکلتی ہے کچھ شعر میں انشا کے
جامی کی نظامی کی سعدی کی سنائی کی (انشا)

بُوتراب = مراد حضرت علی ابن ابو طالب
بو بمعنی ابو مراد باپ۔ تراب بمعنی خاک۔ مٹی
ایک مرتبہ حضرت علی نے بغیر بستر کے فرش زمین
پر آرام فرمایا، جس سے ان کا سارا جسم خاک آلود ہو گیا۔
رسول اکرمؐ نے جب ان کو اس حال میں دیکھا تو محبت
سے ابو تراب فرمایا۔ یعنی سراپا خاک آلود۔ اس
وقت سے ابو تراب آپ کی کنیت ہو گئی۔

مرے مزار میں بوتراب آئے ہوئے
زمین کانپ رہی ہے فشار کون کرے (رشید)

بُودِ چراغِ کشتہ = بجھے ہوئے چراغ کی ہستی۔

ہ متوالا۔ بے حواس۔ مدہوش۔

بے خودی لے گیا ہم کو

یت سے انتظار ہے اپنا (میر)

ش مقدم سیلاب = طغیانی کے استقبال کی

ی وارفتگی سیلاب کے استقبال کی خوشی میں

باہر ہونے کی حالت۔

ظار = ستم انتظار۔ انتظار کی سختی۔ انتظار

۔ بے داد بمعنی جبر و تعدی۔ ظلم و ستم۔ جور و جفا۔

ریاضت کسی دشمن کی بھی برباد نہ ہو

رسب دکھ ہوں جہاں میں یہ پر بیداد نہ ہو (انیس)

ت = محبوب کا ستم۔

پر فشانی = ذوق پرواز کی ستم آرائی۔ اڑنے

کا ظلم۔

غیر = رشک دشمن کی ستمگری۔ رقیب سے

نے کا ظلم۔

= عشق کے مظالم۔ عشق میں پیش آنے والی

[illegible]

اے مژگاں = بیداد بمعنی ظلم کاوش۔

یدن بمعنی کھود کر نکالنا) کریدنا۔ چھیدنا۔

۔ مژگاں بمعنی پلکیں۔ محبوب کی پلکوں (جو

ح باریک اور نکیلی ہیں) کی کرید کی ستم گاری۔

ری کاوش کی ستم آرائی۔

ے تماشا = دنیا کا بے التفاتی سے نظارہ

کرنا۔ دنیا کے عجائبات کی طرف عدم توجہی سے تماشا

بے دلی بمعنی افسردگی۔ دل برداشتہ ہونے کی کیفیت

تمنائیں تو جب ہوتیں کہ تم کچھ مہرباں ہوتے

تمہاری بے دلی نے خاتمہ ہی کر دیا دل کا

(اعجاز نوح)

بے دماغ = بدمزاج۔ زود رنج۔ تنک مزاج۔ مغرور۔

وہ بے دماغ ہوں کہ ہوا درد سر مجھے

سایہ ہما کا بھی مرے سر پہ جو پڑ گیا (امیر)

بول اے یار کیا ہوا ہے قصور

ہم سے اتنا جو بے دماغ ہوا (مرزا علی عیش)

بے دماغی = بیزاری۔ نفرت۔ چڑچڑاپن۔ بے التفاتی۔

بدمزاجی۔

در ہائے فردوس وا بود امروز

از بے دماغی گفتیم فردا (بیدل)

بے دماغی کوں تری دیکھ کے اے جان سراج

شمع یاں خوف سے جلتی ہے سراپا بیدرد

(سراج اورنگ آبادی)

بے ربطی = بے جوڑ ہونا۔ بے میل ہونا۔ بے موقع۔ غیر مسلسل۔

بے تسلسل۔ انتشار۔

وہ مری چین جبیں سے غم پنہاں سمجھا

راز مکتوب بہ بے ربطی عنواں سمجھا (غالب)

بے ربطی شور جنوں = دیوانگی کے شور کی بے ترتیبی۔ جنون

کے شور و شیون کی بدنظمی۔

بے ربطی عنواں = سرخی کی بے ربطی۔ بے ربط بمعنی

بے جوڑ۔ بے میل۔ بے تسلسل۔

بہ سرِ چشمۂ دیگر = دوسرے سرچشمہ پر۔

بہشت شمائل = حوروں کی سی ادائیں رکھنے والا۔ فردوسی خصلتوں والا۔ جنتیوں کی سی عادتیں رکھنے والا جنت میں رہنے والوں کی سی سیرت رکھنے والا۔

بہ طوفان گاہِ جوشِ اضطرابِ شامِ تنہائی = شدتِ اضطرابِ شبِ ہجر کی طوفان گاہ۔ طوفان گاہ بمعنی طوفان اٹھنے کی جگہ۔ جوشِ اضطراب بمعنی بیقراری کی شدت۔ شامِ تنہائی بمعنی شامِ فراق۔ شامِ جدائی شبِ ہجر

کیا کہوں حال شامِ تنہائی
وقت گذرا نہیں گذارا ہے (معظم جاہ شجیع)

بہ عُریانی = عریانی کی حالت میں۔

بہمن = ایران کا ایک جلیل القدر بادشاہ۔ اسفندیار کا بیٹا رودرشیر جو شجاعت میں مشہور ہے۔ ایرانی سال کا گیارھواں مہینہ۔

اٹھ گیا بہمن و دے کا چمنستاں سے عمل
تیغ اردی نے کیا ملکِ خزاں مستاصل (سودا)

حیف ہے دستِ پلِ گردوں نے کیا کیا کر دیئے
بہمن و اسفندیار و رستم و سہراب خاک (معروف)

بہ مہرِ صد نظر = سو نظروں کی مہروں سے۔

بہ وہمِ نازِ خود آرا = خود سنوارنے کے وہم میں مبتلا ہونا۔ بہ وہمِ ناز = فخر و غرور کے وہم میں۔ خود آرا = خود آرائی کرنا۔ خود نما

حسنِ بے پروا کو خود بین و خود آرا کر دیا
کیا کیا میں نے کہ اظہارِ تمنا کر دیا (حسرت موہانی)

بہ ہرزہ بیاباں نوردِ وہمِ وجود = وہم وجود کے بیاباں میں بیکار آوارہ گردی کرنے والا۔ بہ ہرزہ = بیکار۔ بے ہودہ۔ بیاباں نورد بمعنی دشت نورد۔ جنگل میں مارے مارے پھرنا۔ نوردیدن مصدر لپیٹنا۔ طے کرنا۔ وجود بمعنی وجود ماسوائے اللہ (طباطبائی)

بہ یک کفِ بُردن صد دل = ایک ہاتھ میں سو دل لے جانا۔ کف بمعنی ہتھیلی مراد ہاتھ۔ جس طرح ہاتھ میں سو دانوں کی تسبیح لی جاتی ہے اس طرح سو دل رشتہ میں پروئے ہوئے ہاتھ میں لے کر جانا۔

بیاباں نورد = صحرا میں چکر کاٹنے والا۔ بیاباں گرد۔ بیاباں بمعنی صحرا۔ ریگستان۔ جنگل۔ ویرانہ۔ نوردیدن بمعنی لپٹنا۔ طے کرنا۔ صحرانورد کرنا۔

میں بیاباں گرد ہوں اور چرخ ہے عالم کا دور
ہر رگِ جاں نوکِ خامہ تمہاری تحریر کا (راقم)

بیانِ حُسنِ طبیعت = حُسنِ طبیعت کا بیان۔

بے بحث و جدال = بلا خبہ۔ بغیر تکرار اور حجت کے۔

بے بہرہ = بدنصیب۔ ناواقف۔ بے سواد۔

بے پروبالی = بے پر و بال کا ہونا یعنی مجبور ہونا۔ پست ہمتی۔

بے حوصلگی = بے حوصلہ پن۔ کم ہمتی۔

بیخودی = آپے میں نہ ہونے خاص طور پر نشہ کی وجہ سے۔ مستی۔ بے ہوشی۔ بے پروائی۔

مرغ چمن ہوا تری فرقت میں بے نوا
کل ہاتھ میں اٹھا کے پیالا نکل گیا

گوشہ نشیں بمعنی کونے میں پڑا رہنے والا

بیکسی ہائے تمنّا = تمنا کی کس مپرسی۔ تمنا کا بے مقصد ہونا۔

پ

پابستگیٔ رسم و رہ عام = عام رسم و راہ کی پابندی۔

بستن مصدر۔ بندھنا۔ باندھنا

پابستہ = جس کے پاؤں بندھے ہوئے ہوں۔ مقید۔ پابند

چھٹا جو کوئی گرفتاریوں سے دنیا کی
تو سلسلہ میں فقیری کے وہ ہوا پابست (ذوق)

پا بہ دامن = پاؤں سکوڑ کر بیٹھ جانا۔ ایک جگہ پابند ہو کر بیٹھ جانا۔

گوشہ گیر۔ بے نیاز۔

خلق کی صحبت سے دامن اپنا جھاڑ
پا بدامن اب وہ ہے جیسے پہاڑ (گنج خوبی)

پا بہ حنا = پاؤں میں مہندی لگانا۔

پا جائے ہے = سمجھ جائے ہے۔ تاڑ جائے ہے۔

شب تم جو بزم عیش میں آنکھیں چرا گئے
کھوئے گئے ہم ایسے کہ اغیار پا گئے (مومن)

کیا رفتگی سے میری تم گفتگو کرو ہو
کھویا گیا نہیں میں ایسا جو کوئی پاوے (میر)

پاداشِ عمل = عمل کی جزا۔ مکافاتِ عمل۔

پاداش بمعنی صلہ۔ جزا۔ سزا۔

مصیبت اٹھائی اذیت ملی یہ پاداشِ عشق و محبت ملی (ناصر)

عمل بمعنی کام۔ فعل۔

کل شیخ کوئے یار میں پہونچا گیا مجھے
ہاں یہ عمل تو اس سے ہوا ہے ثواب کا (مصحفی)

پارۂ جگر = جگر کا ٹکڑا۔ کلیجہ کا ٹکڑا۔ بہت عزیز

میں کون ہوں جو مجھ پہ توجہ کی ہو نظر
بھائی حسن میں نورِ نظر پارۂ جگر (تعشق)

پارہ ہائے دل = دل کے ٹکڑے۔ لختِ دل

پرتو نور ہے یا شمع شب افروز ہے تو
آتشِ حسن کا یا پارۂ دل سوز ہے تو (مطلع انوار)

پاسِ بے رونقیٔ دیدہ = آنکھوں کی بے رونقی کا لحاظ

پاس بمعنی لحاظ۔ مروت۔ رعایت

لحد ہے تنگ نکیرین بیٹھئے ہٹ کے
نہ پاس کیجئے کچھ پائنتی سرہانے کا (شاد)

کعبہ میں اک دن اگر رہتے تو دو دن دیر میں
شیخ سے بڑھ کر ہمیں پاس برہمن چاہیے (امیر)

پاسخِ مکتوب = خط کا جواب۔ پاسخ بمعنی جواب

کاش آپ وہ آئیں جو سنیں ناز کی باتیں
قاصد سے ادا پاسخِ پیغام نہ ہوگا (مومن)

مکتوب بمعنی خط۔ لکھا ہوا۔ کتابت کیا ہوا

پاسِ ناموسِ وفا = وفا کی نیک نامی کا لحاظ۔

ناموس بمعنی نیک نامی۔ عزت۔ عصمت۔ آبرو۔ شرم

نسبت تو دیتے ہیں ترے لب سے پر ایک دن
ناموس یوں ہی جائے گی آبِ حیات کی (میر)

بیژن = (بیژن) ایران کا ایک مشہور پہلوان، پسر گیو اس۔ اس کا ذکر فردوسی نے شاہنامہ میں کیا ہے اور اس کی بہادری کی تعریف کی ہے۔

آنکھ بھر دیکھے اُسے گو تو تیور جل جائیں
چاہ ہی میں کانپ اٹھے اس کی جھلک بیژن (انشا)

بے سبب آزار = بے وجہ ستانے والا۔ بغیر کسی سبب کے دکھ پہنچانے والا۔ بلا وجہ تکلیف پہنچانے والا۔

بے سر و پا = بے سر اور بے پاؤں۔ بے اصل بے بنیاد۔ سراسیمہ۔ پریشان

ہر بالائے فلک بے سر و پا پھرتا تھا
زرد پتا تھا کہ آندھی میں اُڑا پھرتا تھا (تعشق)

بے شانۂ صبا = بغیر ہوا کی شانہ لگی کے۔ شانہ بمعنی کنگھی۔ کنگھا

ہم بھی تو ہلا دیتے پکڑ زلف کو اس کی
کاش ہم کو بتاتا فلک شانہ کسی کا

خدا جانے یہ آرائش کرے گی قتل کس کس کو
طلب ہوتا ہے شانہ آئینے کو یاد کرتے ہیں (سید احمد دہلوی)

بے شبیہ و عدیل = عدیم النظیر و عدیم المثال جس کا مثل دوسرا نہ ہو۔ بے شبیہ بمعنی بے نظیر۔ جس کا کوئی ہمسر نہ ہوا۔

ماں صدقے جائے گرچہ یہ ہمت کی ہے دلیل
ہاں اپنے ہم سنوں میں تمہارا نہیں عدیل (انیس)

بے صرفہ = بے فائدہ بے مصرف۔ بیکار۔ بکثرت۔

میں پیار کرتا ہوں یوں ہی بادۂ عشق علی
جس طرح بے صرفہ پی جاتا ہے دیوانہ شراب (رشک)

بیضہ آسا = انڈے کی مانند۔ بیضہ بمعنی انڈا۔ آسا بمعنی مانند۔

حباب آسا میں دم بھرتا ہوں تیری آشنائی کا
نہایت غم ہے اس قطرے کو دریا کی جدائی کا (آتش)

بیضۂ قمری = قمری کا انڈا۔

کیا عجب نیرنگیٔ قدرت ہے اب طوطے کی طرح
زاغ کے بیضے سے بھی پیدا ہو بچہ سبز بال (تسلیم)

بیضۂ مور = چیونٹی کا انڈا۔

بے کاریٔ جنوں = جنوں میں بیکار رہنا۔

بیگانۂ وفا = وفا نا آشنا۔ وفا سے بیگانہ۔ بیگانہ بمعنی پرایا۔ غیر

اپنے مضمون تو پسند آتے ہیں ہر اک کو امیر
ہے وہ شاعر جو کرے معنی بیگانہ پسند (امیر)

بے محابا = بے خوف۔ بلا کھٹکے۔ نڈر۔ بے تکلف۔

قتل و غارت میں وہ ایسا بے محابا ہو گیا
گھر تو کیا نصرتِ عاشق خرابا ہو گیا

مسند سے اٹھا کے بے محابا۔ بولا بیٹے سے جان بابا (گلزار نسیم)

بیم رقیب = رقیب کا ڈر۔ رقیب کا خوف۔

بے نوائے گوشہ نشیں = بے گھر کونے میں پڑا رہنے والا۔

بے نوا بمعنی بے گھر۔ بے کس۔

مرغ چمن ہوا تری فرقت میں بے نوا
کل ہاتھ میں اٹھا کے پیالا نکل گیا (سحر)

گوشہ نشیں بمعنی کونے میں پڑا رہنے والا۔

بیکسی ہائے تمنا = تمنا کی کس مپرسی۔ تمنا کا بے مقصد ہونا۔

بیم رقیب = رقیب کا ڈر۔ رقیب کا خوف۔ بیم بمعنی خوف۔ اندیشہ۔ ڈر۔

جبکہ ہو تو ناخدا کشتی اسلام کا
کیا اسے موجوں کا خوف کیا اسے طوفان کا بیم (ظفر علی خاں)

بے نوائے گوشہ نشیں = بے گھر کونے میں پڑا رہنے والا۔
بے نوا بمعنی بے گھرا۔ بیکس۔

پردا ہے ساز کا = باجے کا وہ پردہ جس سے نغمہ پیدا ہوتا ہے۔

پردہ دارِ رازِ عشق = عشق کے راز کو چھپانے والا۔

پردۂ ساز = باجے کا پردہ

پردہ بمعنی جیل کا وہ ٹکڑا جو تار سے بجنے والے سازوں میں لگا ہوتا ہے

جس کے دبانے سے سُر نکلتے ہیں۔

ان بے حجابیوں کی کوئی حد نہیں رہی

پردے پہ ہاتھ رکھتے ہیں وہ لب ستار کے (داغ)

پردہ سنجِ زمزمۂ الاماں = نغمہ سرائی ترانۂ الاماں

پردہ سنج بمعنی نغمہ سنج ۔ نغمہ سرا زمزمہ بمعنی نغمہ گیت

الاماں بمعنی الحذر ۔ پناہ بخدا ۔ امن مانگنا ۔ پناہ چاہنا

موت آئی ہوئی ٹل جائے یہ آئی نہ رُکے

الاماں داغ قیامت ہے طبیعت میری (داغ)

پردۂ عماری = عماری کا پردہ ۔ اونٹ کی محمل ۔ ایسے کجاوہ جس میں

پردے دار عورتوں کے بیٹھنے کے لیے نشست بنائی جاتی ہے ۔

میں یہ نہیں کہتی کہ عماری میں بٹھا دو

بابا مجھے فضہ کی سواری میں بٹھا دو (انیس)

پرسش = حال دریافت کرنا ۔ خیریت پوچھنا ۔ پوچھ ۔ دریافت ۔

پُرسشِ احوال ۔ پُرسیدن (مصدر) بمعنی پوچھنا مجازاً

باز پرس کرنا ۔

کلثوم اٹھا دینے لگی گھڑی ہوکے بہت خاک

پرسش نہ کرے گا کوئی اس خاک ملی کی (میر)

ع پرسش نہ لحد میں نہ حساب ان کے لیے ہے (انیس)

پرسشِ جراحتِ دل = دل کے زخموں کی تواضع ۔ دل کے زخموں کا حال پوچھنا ۔

پرسشِ حال = دریافتِ حال ۔ دریافتِ خیریت ۔ حال پوچھنا ۔

قائم اک بات میں ہے تمہاری لیکن

پرسشِ حال تم اس خستہ کی کب کرتے ہو

(قائم چاند پوری)

پرسشِ طرزِ دلبری = دل لینے کے طریقے کے متعلق دریافت ۔

پرفشانی شمع = شمع کا جھلملانا ۔ شمع کا پر پھڑپھڑانا ۔ شمع کی پرافشانی ۔ اڑان ۔

پرافشانی قفس ہی کی بہت ہے

کہ پرواز چمن قابل نہیں پر (میر)

ہم قفس زاد قیدی ہیں ورنہ

تا چمن ایک پرفشانی ہے (میر)

پُرکاری = چالاکی ۔ عیاری ۔ پرکار بمعنی عیار ۔ چالاک ۔ ہوشیار

کیا لگا لیتا ہے خوباں کو یقیں کرتی ہے داغ

آئینے کی سادہ لوحی ساتھ پرکاری کا مجھے (یقین)

آنکھ مستی میں کسو پر نہیں پڑتی اس کی

پر بھی اس سادہ و پرکار کی ہشیاری ہے (میر)

پرکاہ = تنکا ۔ خشک گھاس کی پتی ۔ مراد کم مقدار ۔ بے مقدار

تیرے فیض نگاہ کو پرکاہ

پہونچ کر چاہیے نہ ہو مغرور (سودا)

کوہ غم مثلِ پرکاہ اٹھا لیتا ہوں

ناتوانی میں بھی عالم ہے توانائی کا (آتش)

پرگل = پھولوں سے بھرا ہوا ۔

پرنیاں = حریر ۔ نقشی ریشمی کپڑا ۔ پھول دار ریشم

ع تو کیوں ہے پرنیاں آنے کو ہے (اسمٰعیل)

پاشنۂ پائے ثبات = پائے ثبات کی ایڑی

پاشنہ بمعنی ایڑی۔

پڑی ہے پاؤں میں زنجیر بھاری

ہوا ہے پاشنوں سے خون جاری (منیرؔ)

پائے ثبات = پاؤں جمنا۔ پاؤں کا قرار پکڑنا۔ ثابت قدمی

پائے بمعنی پاؤں۔ ثبات بمعنی قیام

ہیں کڑی منزلیں محبت کی

شرط اوّل ہے اس میں پائے ثبات (نوائے دل)

پائے افگار = زخمی پاؤں

پائے خم = خُم کے پاؤں۔ خم بمعنی شراب کا مٹکا

بہشت عدن گر خواہی بیا یارا بہ میخانہ

کہ از پائے خمت روزے بحوض کوثر اندازم (حافظ شیرازی)

پائداری = ثبات۔ قیام۔ مضبوطی۔ جاودانی

پائدار بمعنی ثابت۔ مضبوط

ز خونِ فاختہ دیوار بوستاں غلطید

ز جائے خویشتن آں سرو پائدار نرفت (صائبؔ)

پائے سُخن = بات چیت۔ گفتگو۔ کلام۔ گفتگو کرنے کی طاقت

پائے سخن راکہ دراز است دست

سنگِ سراپردۂ او سر شکست (شیخ نظامی)

پائے طاؤس = مور کے پاؤں۔

پایہ = رتبہ۔ مرتبہ۔ قدر۔ منزلت۔ عمارت میں اینٹ یا پتھر کا ستون۔ بنیاد۔

طوبیٰ سے اس نشان کا سایہ بلند ہے

اس وقت عرش سے مرا پایہ بلند ہے (انیسؔ)

پرافشاں = اڑنے کے لیے پر پھڑپھڑانا۔ پروانہ سے قبل بازوؤں کو پھڑپھڑانا۔

پرافشانی بمعنی ترک علائق کرنا۔ مضطرب۔ پریشان۔ بے تاب

راتوں کی نرم ہواؤں میں تاروں کی چھاؤں میں

بیتے دنوں کی یاد پرافشاں ہے کیا کروں

متصل مرغ دل جو تڑپے ہے (صوم و صبا)

کس کے سینے میں پرفشاں ہے یار (قائمؔ)

پر بلبل گلنار = بلبل کے پر گلنار بن گئے۔

پرتوِ خور = آفتاب کی حرارت۔ پرتو مہر۔ سورج کا عکس۔ دھوپ۔

جب تک کہ چمک مہر کے پرتو سے نہ جائے

اقلیم سخن میری قلمرو سے نہ جائے (انیسؔ)

پرتوِ خورشید = سورج کا عکس۔ دھوپ

پرتو بمعنی عکس۔ سایہ۔ خورشید بمعنی سورج۔ آفتاب

پرتو پڑا ہے کس در دنداں کی آب کا

آب گہر سے بھر گیا ساغر حباب کا (دبیرؔ)

پرتوِ مہتاب = چاندنی۔

پرتوِ نقش خیالِ یار = محبوب کے خیال کے نقش کا عکس

پرتو بمعنی عکس۔ سایہ۔ پرچھائیں۔

پرخاش = کد۔ مخالفت۔ کینہ۔ عداوت۔ غبار۔

ہر کہ خواہد کہ بمن کند پرخاش

عاشق و رندم و بگویم فاش (رشیدیؔ)

اپنوں سے آشتی ہے نہ پرخاش غیر سے

ہم صلح و جنگ میں نہیں رکھتے ریا سے ربط (بے نظیر)

سامنے خمیدہ و آسمان زمین کا احترام کرتا ہے۔

پنبہ آگیں = روئی بھرے ہوئے۔ روئی رکھے ہوئے

پنبۂ بالش = تکیہ کی روئی۔ پنبہ بمعنی روئی

خروش و جوش مرغانِ چمن کا
ہوا ہے پنبۂ کیا تیرے دہن کا (سودا)

بالش بمعنی تکیہ، مسند

بالش سے سروکار نہ تکیہ سے غرض ہے
اپنا کسی تکیے میں بچھونا ہو گا (انیس)

پنبۂ مینا = روئی جو بطور ڈاٹ کے شراب کی صراحی میں لگائی جاتی ہے۔

در مئے روشن رگِ تلخی شود در گہلے خواب
پنبۂ مینا اگر از پنبۂ گوشم کنند (صائب)

جامِ بلوریں پیالے لعلیں صبح بہار و گلشن رنگیں
پنبۂ مینا بر سر مینا اختر صبح و گنبد خضرا (ذوق)

کہتے ہیں جس کو پنبۂ مینائے شب ضرور
ہم میکشوں میں نام ہے صبح بہار کا (ریاض خیرآبادی)

پندار کا صنم کدہ = خودداری کا بتکدہ، توقیر و خودداری کا بت خانہ

پندار بمعنی نخوت، غرور، خودداری

سرکشی کرتا ہے کیا کیا اپنی ہستی پر حباب
دیکھنا اک دم میں یہ پندار کیا تھا کیا ہوا (ظفر)

پنہاں = پوشیدہ، چھپا ہوا

سمجھے نہ کوئی کس کو ہوں پنہاں کیے ہوئے
ہستی مری ہے مجھ کو نمایاں کیے ہوئے (ناسخ لکھنوی)

پہلو تہی = تغافل، بے پروائی، جان بچانا، ٹال مٹول کرنا، انجان بن جانا۔

پہلو تہی نہ عاشق خستہ سے کیجئے
بیمار سے نہ ہاتھ مسیحا اٹھائیے (صبا)

پہلوئے اندیشہ = پہلوئے خیال

پیچ و تاب = بے چینی، بیقراری، اضطراب، الجھن، پریشانی، غم و غصہ۔

تڑپ تڑپ کے کٹی رات یاد گیسو میں
عجب طرح کا طبیعت میں پیچ و تاب رہا (سحر)

خط پڑھ کے اور بھی وہ ہوا پیچ و تاب میں
کیا جانے لکھ دیا اسے کیا اضطراب میں (ذوق)

پیچ و تابِ ہوس = ہوس کا پیچ و تاب، ہوس کا اضطراب، ہوس کی بے چینی۔

تڑپ تڑپ کے کٹی رات یاد گیسو میں
عجب طرح کا طبیعت میں پیچ و تاب رہا (سحر)

پیرِ زن = بوڑھیا۔ تلمیح ہے اُس بوڑھیا عورت کی طرف جس نے فرہاد کو جب وہ پہاڑ کو کاٹ کر دودھ کی نہر نکالنے میں کامیاب ہو گیا تو خسرو پرویز کے اشارے پر خود کو شیریں کی دایہ بنا کر شیریں کی موت کی جھوٹی اطلاع دی تھی۔ پیرزن کے لفظی معنی ہیں بوڑھی عورت۔

اک پیرزن اتنے میں نظر آ گئی ناگاہ
داماد کے آنے کی گھڑی دیکھتی تھی راہ (انیس)

پیرِ کنعاں = مراد حضرت یعقوب علیہ السلام پدر حضرت یوسف علیہ السلام۔

فغنی روز سیاہ پیر کنعاں را تماشا کن
کہ نورِ دیدہ اش روشن کند چشم زلیخا را (غنی کاشمیری)

کیوں عار بزم شاہ سے کرتے ہیں اہل فقر
کچھ فرشِ بوریا سے تو کم پرنیاں نہیں (شیفتہ)

بزم گلشن میں تہی جیب و تہی دامن رہے
گرچہ زیرِ پا صریرِ پرنیاں رکھتے ہیں ہم (نوفردوس)

پروازِ شوقِ ناز = شوقِ ناز کی پرواز۔ پرواز بمعنی اڑان

ایک پرواز کو بھی رخصت صیاد نہیں
ورنہ یہ کنج قفس بیضۂ فولاد نہیں (میر)

پری چہرہ = خوبصورت۔ پری کے ایسا چہرہ رکھنے والا۔

اوس پری چہرہ نے دکھلائے گر تجھ اپنا
آج آتا ہے نظر مجھ کو پری آئینہ (ناسخ)

وہ یار پری چہرہ کہ کل شب کو سدھارا
طوفاں تھا، تلاطم تھا، چھلاوا تھا شرارا (سیف و سبو)

پریشانیٔ صہبا = شراب کی پریشانی۔ انتشار مے۔

پری وش = پری کی مانند۔ حسین خوبصورت۔

زیبا تھا دم جنگ پری وش اُسے کہنا
معشوق بنی سُرخ لباس اس نے جو پہنا (انیس)

نظر پڑا اک بت پری وش نرالی سج دھج نئی ادا کا
جو عمر دیکھو تو دس برس کی پہ قہر آفت غضب خدا کا (نظیر اکبرآبادی)

پشتِ چشم = ناز و انداز اور غمزہ و اغماض سے کنایہ ہے مراد بے توجہی۔

اے غزالہ چیں چہ پشت چشم نازک میکنی
چشم ہا آں چشم ہاے سرمہ سا را دیدہ است (صائب)

پشت خار = لوہے کا ایک آلہ جس کے ایک سرے پر چھوٹا سا پنجہ بنا ہوتا ہے اور فقرا اس سے پیٹھ کھجانے کے لیے ہر وقت ساتھ رکھتے ہیں۔ جو لوگ لکڑی کا بنواتے ہیں دوسرے سرے پر ہاتھی دانت کا پنجہ لگواتے ہیں۔

پھرتا تھا اس گلی میں عجب وضع سے ریاض
اک پشت خار ہاتھ میں اور سر منڈا ہوا (ریاض خیرآبادی)

پشتِ دست = ہاتھ کی پشت، ہاتھ کی ہتھیلی کا برعکس حصہ (غالب نے اس کے معنی صورت عجز لکھے ہیں۔)

کس طرح کاٹیں تاسف سے نہ ہر دم پشت دست
ہاتھ سے کھو بیٹھے ہیں سر رشتۂ تدبیر ہم (رند)

مل مل کے پشت دست سے آنکھیں کرو نہ لال
سلجھاؤں آؤ الجھے ہوئے گیسوؤں کے بال (انیس)

سو گیا تھا رات کو وہ رکھ کے جبیں پر پشت دست
مہر نے دیکھا اسے رکھ دی زمیں پر پشت دست (مصحفی)

پیش آں چشم سیہ دل می گذارد پشت دست
گرچہ خط بسیار ازیں کافر مسلماں کردہ است (صائب)

پشت گرمیٔ تاب و تواں = قوت برداشت کا سہارا۔
پشت گرمی بمعنی قوت برداشت۔ تقویت۔
تاب و تواں بمعنی قوت۔ سکت۔

ہاتھوں سے مرے تاب و تواں چھوٹ گئی ہے
کیا اس سے وفا جس کی کمر ٹوٹ گئی ہے

اہل دلی مذکر بولتے ہیں۔

نہیں تو چھوڑتا آہ و فغاں بلبلے تری ہمت
اگرچہ غم نے دل میں کچھ نہیں تاب و تواں چھوڑا (ظفر)

پشتِ فلکِ خم شدۂ نازِ زمیں = آسمان کی پیٹھ زمین کے

کو نذر دینے کے لیے

پئے ہم = مسلسل۔ لگاتار۔ تابڑتوڑ۔ پیہم۔ پے درپے

تائے زمیں پہ ٹوٹ کے پیہم گرا کیے

چشمِ فلک سے قطرۂ شبنم گرا کیے (انیس)

پیہم کے معنی میں "پئے ہم" اردو میں غالب کے علاوہ اور کسی شاعر نے استعمال نہیں کیا ہے۔

ت

تابِ جلوۂ دیدارِ دوست = دوست کے دیدار کے جلوے کی طاقت۔ جلوہ دیدار یار کی طاقت۔

تاب بمعنی طاقت۔ مجال۔

کہ جس کو نہ ہو تاب لانے کی تاب

شتابی سے مرنا ہے اسکا صواب (میر)

تابِ رنجِ نومیدی = غم محرومی کی تاب۔ مایوسی کے غم کی برداشت۔ تاب بمعنی برداشت۔

لے تصور میں صبا بوسہ تو مرجھائے وہ گل

برگِ گل کو تاب ہے بلبل تری منقار کی (ناسخ)

تابِ شرارت = جلانے کی طاقت۔ نقصان پہنچانے کی صلاحیت۔ تاب بمعنی حرارت۔ گرمی

ساری بے تابی ہے الفت کی جلن تک بعد مرگ

تاب جب جاتی رہے گی دل کو تاب آجائیگی (تسلیم)

تاجِ زریں = سنہرا تاج۔

رکھا جائے یاقوت کا سر پہ تاج

نہ پوچھے ہے سارے جہاں کا خراج (آفرگشت)

تارِ اشکِ یاس = ناامیدی میں بہائے ہوئے آنسوؤں کا تار۔ اشک یاس بمعنی آنسو جو یاس اور ناکامی کے عالم میں مسلسل بہائے جائیں۔

جلد اس پہ تار اشک سے یوں حال دل کھلا

دم میں خبر پہنچتی ہے جس طرح تار پر (مظہر عشق)

تاراجِ کاوشِ غمِ ہجراں = جدائی کے غم کی کاوش کا لوٹ۔ تاراج کرنا بمعنی برباد کرنا۔ لوٹ لینا۔ تباہ کرنا۔

تاراج بمعنی تباہ۔ برباد

ماں ایسی کہ سب جس کی شفاعت کے ہیں محتاج

باپ ایسا صنم خانوں کو جس نے کیا تاراج (انیس)

تارِ بستر = بستر کا تار۔ تار بمعنی ڈورا۔ دھاگا۔ سوت۔ تار بستر یعنی بستر کے تار کے مانند نحیف و نزار

سو جگہ جس میں رفو ہوں وہ ہے اچھا دامن

ہوں نہ دو تار بھی جس میں وہ گریباں اچھا (جگر مرادآبادی)

تارِ شعاع = وہ سفید خط جو غروب آفتاب کے بعد اور طلوع آفتاب سے پہلے آسمان پر چمکتا ہوا دکھائی دیتا ہے جس کو قرن الشمس کہتے ہیں۔

تارِ نفس = آہ۔ سانس کا تار۔ سانس کا سلسلہ۔

نہ بچا تار نفس حلق میں جینے کے لیے

چاک زخموں کے نہ قطرہ گئے سینے کیلیے (انیس)

تارِ نگہ = نگاہ کا تار

گماں از رشتۂ دام است آں صید نزاکت را

کہ از چشم منش تار نگاہے ہر کمر پیچد (مرزا بیدل)

نسیم مصر کا دم پیر کنعاں کا ہے کو بھرتا
اگر کوچے کی تیرے خاک آلودہ ہوا لگتی (مومن)

پیر کنعاں کے لیے تسکین خاطر چاہیے
بوئے یوسف بھی رواں اب پیرہن کیساتھ ہے (درخشاں)

پیش جانا = آگے بڑھنا، آگے نکل جانا، شروعات کرنا، ابتدا کرنا، فوقیت پانا، قابو چلنا، کارگر ہونا۔

ایک تو قتل سے خوش ہو ولیکن مجھ بغیر
پیش جاوے گی مرے قاتل پہ جلادی کہاں (فغاں)

پیش دستی = ابتدا کرنا۔ پہل کرنا۔ سبقت کرنا

بزرگی جسے دیکھ پستی کیا
ظفر میں اسے پیش دستی کیا (علی نامہ)

پیش دستی جو کرے اس معرکے میں اے محب
مرد میدان سخن اس کو کہیں شمشیر جنگ (محب)

پیش نظر = نظر کے سامنے۔ نگاہوں کے روبرو۔ موجود۔ مقابل حصول

تھی پیش نظر وصل میں تنہائی کی صورت
بھائی کو نہ آتی تھی نظر بھائی کی صورت (انیس)

یار جب پیش نظر ہوتا ہے
دل مرا زیر و زبر ہوتا ہے (سراج اورنگ آبادی)

پیکاں = تیر کے آگے کا حصہ، مراد تیر۔

ڈوب کے سینے میں اس رنگ سے پیکاں نکلا
دل سے بے ساختہ نکلا کہ وہ ارماں نکلا (داغ)

پیک تیز خرام = تیز رو قاصد، تیز چلنے والا ہرکارہ

دیا یہ خط کسو اک پیک کے ہات
کہ جانا یاں سے واں تک جسکو اک بات (سودا)

پیکر تصویر = تصویر کا بدن، تصویر کا جسم، تصویر کا خاکہ
پیکر بمعنی جسم، بدن، تن۔

ناتواں وہ ہوں مرے نقش میں بھرتے ہیں لہو
رنگ ہر پیکر تصویر میں بھرنے والے (داغ دہلوی)

پیکر عشاق = عاشقوں کا وجود، عاشقوں کی ہستی۔ پیکر بمعنی جسم، بدن۔

جس شکل میں جو پیکر ہستی ہو مٹا دے
جب تک نہ لباس ابدی تجھکو خدا دے (ناسخ لکھنوی)

پیمان وفا = وفا کرنے کا عہد، وفاداری کا قول و قرار

توڑنا مومن نہ پیمان وفا
ہیں مسلّم عاشقی کے فن میں ہم (مومن)

پینس = ایک سواری ہوتی تھی جس پر متمول لوگ بیٹھتے تھے اور اس کو کم از کم چار کہار کاندھوں پر اٹھا کرلے چلتے تھے۔
اس کو فینس بھی کہتے تھے اور پالکی اور میانہ بھی۔

پیوند = تعلق، جوڑ، علاقہ، عہد، پیمان۔

ہوئے اک دم جو تھے یک جادہ خرسند
ہوئے باہم ہزاروں عہد و پیوند (سودا)

چھپا ہے عیب عریانی سے رخت جسم انساں کا
مراد داغ جنوں پیوند ہے میرے گریباں کا (امیر)

اشک کو کب ہے شناسا سے گھر سے پیوند
صاحب درد کی رکھتا ہے نظر سے پیوند (سودا)

پئے تعمیر سرا = محل سرا کی تعمیر کے لیے۔ قصر کی تعمیر کے لیے۔

پئے نذر کرم = رحم فرمائی کی نذر کی خاطر، خداوند کریم کی بخشش

سورج چاند یا کسی ستارے کا ایک برج سے دوسرے
برج میں آنا۔ کسی ستارے کا کسی برج میں داخل ہونے کا عمل۔

جب کہ برج قوس میں تحویل ہو پیر فلک
تجھ صفائے شست کی تعریف لکھتا ہے وہاں (ایمان)

ترانۂ ہل من مزید = ہل من مزید کی صدا۔ کچھ اور زیادہ کی صدا۔
ہل من مزید قرآن کی ایک آیت کا ٹکڑا ہے جس کے
معنی ہیں کیا کچھ اور بھی ہے۔ قیامت کے دن جب گنہگار
دوزخ میں ڈالے جائیں گے اور اس سے پوچھا جائے گا
کہ گنجائش ہے تو دوزخ جواب میں کہے گی ہل من مزید
یعنی: کیا ابھی اور ہے یعنی ابھی بہت گنجائش باقی ہے۔
ترانہ بمعنی نغمہ۔ الاپ۔ الیلے۔ ایک خاص قسم کا گیت۔

سنے جب اس کے خطیوں کے ترانے
لگے افلاک اکثر چرخ کھانے (ہشت بہشت)

ہے رنج دراحت ایک لے سے جس کے کان میں
صوتِ قفس ترانۂ گلزار ایک ہے (مصحفی)

تراوش = ٹپکنا۔ ترشح۔ ظاہر ہونا۔

ہوئی تپ دل کو اشکوں کی تراوش ہونے والی ہے
کہ گرمایا ہوا ہے خوب بارش ہونے والی ہے (ظفر)

ہاں سینے سے نمائش داغ دروں دروغ
ہاں آنکھ سے تراوشِ خونِ جگر غلط (ناظم)

ترکِ رسوم = رسموں کا ترک کر دینا۔ رسم و رواج کو چھوڑ دینا۔
ترک بمعنی دست برداری۔ چھوڑنا۔ کنارہ کشی۔ تیاگ۔
رسوم جمع رسم کی بمعنی رواج۔ طریقہ۔ ریت۔ قاعدہ۔

ہو ترکِ ساغر ے اس بہار میں کیونکر
کہ شاخِ گل نے ہر اک سو چمن میں جام لیا (قائم)

ہے وہ کافر جو سمجھے اس کو مباح
ترک میں اس کے ہے امید فلاح (ساقی نامۂ شیفتہ)

ترکِ نبردِ عشق = میدانِ عشق چھوڑ دینا۔
تریاکیِ قدیم = پرانا افیونی۔ افیون کے نشہ کا پرانا شوقین۔
تریاک بمعنی (تریاق)، زہر مہرۂ افیون۔

تحت کیونکر نہ ہو دماغ خراب
دشت در دشت ہے گل تریاک (میر)

رہی اس طرح بعد از مرگ دنیا کی ہوسناکی
شرابی کرکے توبہ جس طرح ہو جائے تریاکی (ذوق)

یاراں نہ کشید تیغ بے باکی را
ہیہو رسا زید من خاکی را
دشوار تراز بریدن شاہ رگ است
تریاک اگر برید تریاکی را (اشرف)

تسبیحِ مرجاں = مونگے کی تسبیح۔
مونگا جس کو بحر البحر (سمندری پتھر) بھی کہتے ہیں جو سمندر
میں اگتا ہے اور پتھر کی طرح سخت ہوتا ہے اور اس کا
رنگ خون کی طرح سرخ ہوتا ہے۔
تسبیح بمعنی سو دانوں کی مالا۔ سبحہ۔ سمرن۔

تجھ زلف کے دام کوں زاہد کہیں تسبیح لو
بعض کہیں چپتے یہی زنار ہے کفار کا (حسن شوقی)

تسبیح ریا کو کھٹکھٹانے والے
کب صدق کی راہ پر ہیں جانے والے (المنام)

تازہ واردانِ بساطِ ہوائے دل = عشق کے میدان میں نئے نئے داخل ہونے والے۔ بزمِ عشق کے نو وارد۔

تاک = انگور۔ انگور کی بیل۔

اس چمن میں کیا ضرورت ہے گھٹا کی ساقیا
ابرِ رحمت بن کے سر پر تاک ہے چھائی ہوئی (نوازش)

تالیف نسخہ ہائے وفا = وفا کی کتابوں کی تالیف کا کام۔ فنِ عاشقی پر کتابیں تیار کرنا۔

تبریدیں = ٹھنڈی دواؤں کا استعمال جو یونانی اطبا مریض کو جلاب دینے کے بعد کراتے ہیں تاکہ معدے کی حرارت کم ہو اور مریض کو جلاب کی وجہ سے کمزوری ہوگئی ہے۔ اس میں کمی ہو۔

تبرید چاہیے کبھی چھوٹے نہ مصحفی
جاتی نہیں ہے تپ مجھے آزار گرم ہے (مصحفی)

اس قدر سرد مزاج اور پھر اس پر تبرید
خوف یہ ہے کہ پہنچ جائے نہ فالج کا اثر (شبلی نعمانی)

تپشِ شعلۂ سوزاں = روشن شعلے کی گرمی۔ جلتے ہوئے شعلے کی حدت۔ تپش بمعنی گرمی۔ حرارت۔ سوزش۔ تمازت۔

پاس خوشی، سوز تپش میں بھی ہے دیا
سمجھی نہیں کسی نے ادائے فغانِ شمع (دیوانِ سخن)

تپشِ شوق = گرمیِ شوق۔ شدتِ اشتیاق

دل یہ کہتا ہے ہمارے دم سے ہیں آثارِ عشق
درد ہم سے ہے تپش ہم سے ہے سودا ہم سے ہے (داغ)

تپِ عشقِ تمنا = تمنائے تپِ عشق۔ تپِ عشق کی آرزو

عیسیٰ کو یقیں ہے کہ نہ جائے گی تپِ عشق
وہ درد کہاں ہے کہ جو درماں نہ کرے گا (سوز)

تپ گرمیِ رفتار = گرمیِ رفتار کی تپش۔ گرمیِ رفتار بمعنی چال کی تیزی

تجاہل پیشگی = جان بوجھ کر انجان بننے کی عادت۔ علم ہوتے ہوئے لاعلمی ظاہر کرنے کا شعار۔ تجاہل شعار

اس نے پہچان کر ہمیں مارا
منہ نہ کرنا ادھر تجاہل تھا (میر)

کہنا وہ ہائے میرے تجاہل شعار کا
کیا رعب جو سنا ہے تمہارا ہی نام ہے (رعب)

تجدید = از سر نو کرنا۔ نیا کرنا۔ کوئی کام نئے سرے سے دہرانا۔

تجدید وضو کر کے پھرے نہر سے غازی (انیس)

تجدید کر وضو کوں علی آگے دھر قدم
مرغابیاں جو گھر موں تھیں دامن میں ہو کے ضم (اکبل کتھا)

تجمل حسین خاں = فرخ آباد کے نواب جنھوں نے غالب کو دعوت دے کر بلوایا تھا۔

تحصیل = حاصل کرنا۔ جمع کرنا۔ محصول وصول کرنا۔

قضا نے خاک کے پتلوں کو کر کے زیرِ زمیں
کیا ہے داخل تحصیل کے خزانے کا (صبا)

خاموش ضمیر آپ کے مطالب ہوئے تحصیل
ہر بند پہ تحسین ہے کہتا تھے جبریل (ضمیر)

تحویل = تبدیلی۔ حوالہ کرنا۔ سپردگی۔ تغیر۔

دیکھیے کب شب ہو کب آئے گلے ملنے وہ ماہ
دن تو ہے نوروز کا خورشید کی تحویل میں (امانت)

مئی کی جون میں تحویل ہوتی جاتی ہے
جسم کا روح بھی تحلیل ہوتی جاتی ہے (بہارستان)

محشر کے روز بھی نہ کھلے گی لحد میں آنکھ
کشتہ ہوں اک نگاہِ تغافل پسند کا (اسیر)

تغافل ہائے تمکیں آزما = صبر آزما چشم پوشی۔
تغافل بمعنی جان بوجھ کر غفلت کرنا۔ بے التفاتی۔ کم توجہی۔ بے پروائی۔

شہر میں جو نظر پڑا اس کا
کشتۂ نازیا تغافل تھا (میر)

تغافل ہائے ساقی = ساقی کا شراب پلانے سے گریز کرنا۔

تغیرِ آبِ برجا مانده = ایک جگہ ٹھہرے ہوئے پانی کا تبدیلی۔
آبِ برجا مانده بمعنی ایسا پانی جو نشیب نہ ہونے کی وجہ سے ایک جگہ ٹھہر جائے۔

تقاضائے نگہ کرنا = دیدار کا تقاضا کرنا۔

تقلیدِ تنک ظرفیِ منصور = منصور کی تنک ظرفی کی تقلید۔
تقلید بمعنی پیروی — تنک ظرفی بمعنی کم ظرفی —
ایسا برتن جس کی سمائی کم ہو۔ منصور ایک صوفی بزرگ تھے۔ جنھوں نے اپنے سارے وجود میں ذات باری کا جلوہ دیکھ کر۔ "انا الحق" کا نعرہ بلند کیا تھا۔ یعنی میں حق ہوں یا میں خدا ہوں۔ اس جرم میں ان کو سولی دی گئی تھی۔

یقیں تقلید میں مت سر پٹک پتھر پہ آ بس کر
یہ ممکن ہی نہیں ہر سر پھرا فرہاد کو پہونچے (یقین)

تقلیل = کمی۔ کمی کرنا۔ تقلیل کر دینا۔

نفس امّارہ سے کیوں زیر ہوا جاتا ہے
زور کر روح میں تقلیلِ غذا سے پہلے (صبا)

اسی واسطے میں نے تقلیل کی
فضیلت مفصل پہ مجمل کو دی (کلیات واسطی)

تکرارِ دوست = دوست کی تکرار۔ تکرار بمعنی بار بار دہرانا۔
لفظ دوست کی بار بار تکرار۔ تکرار بمعنی مکرر کہنا یا مکرر کرنا۔ دوہرانا۔

لن ترانی نہ کرے بند زبان ادنی
کھو موسیٰ سے یہ تکرار نہیں اچھی ہے (اسیر)

تکلّف برطرف = تکلف کو ایک طرف۔ بلا تکلف۔ اگر تکلف درمیان میں نہ ہو۔ بلا رو رعایت۔

میری طرف ساغر بکف آتا ہے وہ مست حیا
اے دل تکلف برطرف مستانہ ہے مستانہ ہے (ولیؔ)

ستم ڈھالو، جفائیں توڑ لو بے مہریاں کر لو
تکلف برطرف جی بھر کے میرا امتحاں کر لو (سنگ دخشت)

تکلیفِ پردہ داریِ زخمِ جگر = زخمِ جگر کو چھپانے کی زحمت۔
جگر کے گھاؤ کو پوشیدہ رکھنے کی تکلیف۔

تکمۂ پیراہنِ لیلا = لیلا کے لباس کے گریبان کی ہنڈی۔

کیا ہے تنگ عریانی نے مجھ کو اس قدر لاغر
کہ تکمہ بن گیا ہے سر گریبانِ تفکر کا (اسیر)

تکیہ گاہِ ہمتِ مردانہ = ہمت مردانہ کی تکیہ گاہ۔ جس پر ہمت مرداں کو بھروسا ہو۔ ہمت مردانہ بمعنی جواں مردی۔
تکیگاہ بمعنی بھروسے کی جگہ۔ آرام کرنے کی جگہ۔ ٹیک لگانے کی جگہ۔

ہمت مردانہ تجھ کو آفریں
کر کے چھوڑا اس ہوئی جس کام کے (آتش)

تسکینِ اضطراب = بے چینی کو سکون پہونچانا۔ اضطراب سے تسکین دینا۔ دلاسا دینا۔ اضطراب بمعنی بے چینی۔ بے قراری۔

یہ آب آتشیں ہے اور دریا خون ناحق کا
مگر نفسِ شقی کی پیاس میں تسکین نہیں ہوتی (آبات دجلانی)

کہتے ہیں تم کو ہوش نہیں اضطراب میں
سارے گلے تمام ہوئے اک جواب میں (مومن)

تسلیم = حکم ماننا۔ سپرد کرنا۔ سونپنا۔

سر تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے (نامعلوم)

تسلیم و رضا کے لیے جو وقت ملا ہے
وہ وقت کروں صرف میں کس طرح دعا میں (مولف)

زدوری نہد انگشت بر زمیں خورشید
چو پیش رائے منیر تو می کند تسلیم (ظہوری)

تشنگیِ شوق = (تشنگیِ ذوق) شوق کی پیاس مراد شوق کی فراوانی۔ تشنگیِ ذوق بمعنی ذوقِ سخن کی تشنگی۔

تشنگیِ مژگاں = شدت آرزو میں جان دے دینے والے۔ آرزوے شوق میں جان دینے والے۔

تشنۂ خوں = خون کا پیاسا۔ جانی دشمن۔

تشنۂ خوں وہ نہ ہوتا جو مرا اے سفاک
کاٹنے میں جو ہر سے نہ خنجر کی زباں پر پڑتے (ظفر)

تشنۂ فریاد = فریاد کرنے کا آرزو مند۔ تشنہ بمعنی خواہشمند۔ آرزو مند۔ مشتاق۔

خضر تشنہ ہے اس کے دیدار کا
مسیحا شہید اس کے بیمار کا (میر)

تشنہ لب = پیاسے ہونٹ مراد پیاسا۔ تشنہ دہن۔ تشنہ کام۔ ایسا پیاسا جس کے ہونٹ پیاس کی وجہ سے سوکھ گئے ہوں۔

بڑھ بڑھ کے پیدلوں نے سواروں سے جنگ کی
ایک ایک تشنہ لب نے ہزاروں سے جنگ کی (انیس)

تشویشِ مرہم = فکرِ مرہم۔ زخم کے لیے مرہم مہیا کرنے کی فکر۔

تعجیل = جلدی کرنا۔ عجلت۔

ان کو جانے کی جو تعجیل پڑی رہتی ہے
اس لیے جیب میں ہر وقت گھڑی رہتی ہے (سخن دہلوی)

خجلت حلم تو دادست زمیں را تسکین
غیرت حلم تو دادست زباں را تعجیل (انوری)

مصحفی بھیج نہ قاصد کو یہ تعجیل ہے کیا
دن ہیں برسات کے نالے تو اتر جائینگے (مصحفی)

تعزیتِ مہر و وفا = مہر و وفا کو پرسہ دینا۔ مہر و وفا کی ہلاکت پر اظہار ہمدردی و درغم خواری کرنا۔ تعزیت بمعنی پرسہ۔ ماتم پرسی۔ مرنے والے کے اعزا و اقربا سے اظہار ہمدردی۔

ارماں تعزیت کے کبھی کم نہ ہوئیں گے
وہ حشر تک حسین کے ماتم میں روئیں گے (انیس)

تعلیمِ ضبط = ضبطِ محبت کی تعلیم۔ صبر و استقامت کی تلقین۔

تغافل دوست = تغافل کو پسند کرنے والا۔ تغافل بمعنی غفلت برتنا۔ بے پروائی کا سلوک کرنا۔

تغافل سے جو باز آیا جفا کی
تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی (مومن)

تندیٔ صہبا = شراب کی تیزی۔ شراب کی کڑواہٹ۔ شراب کے نشہ کی تیزی۔

شراب اس بہت تند اور تیز تھا
عجب آب د آتش آمیز تھا (قطب مشتری)

تند سے اور ایسے کسن کے لیے
ساقیا ہلکی سی لا ان کے لیے (صنم خانۂ عشق)

تنِ رنجور = بیمار جسم۔ لاغر بدن۔ روگی جسم۔ نحیف و نزار جسم۔

تنک آبی = پانی کی کمی۔ تنک بمعنی باریک۔ ہلکا۔ تھوڑا۔ کمی۔ اوچھاپن۔ اتھلاپن۔ کم مائیگی۔ کم حوصلگی۔

تنک آب اس قدر مت جان چشم کو محبت کے
دلا تو ایک کیا گر ایک لشکر ہو تو پی جائے (ظفر)

تنگیٔ چشمِ حسود = حسد کرنے والے کی آنکھ کی طرح تنگ۔ حسد بمعنی جلنا۔ کسی کو اچھی حالت یا کامیاب دیکھ کر جلنا اور یہ چاہنا کہ اس کی عزت شہرت اور کامیابی اس سے چھن جائے یا وہ اچھائی اس میں باقی نہ رہے۔

تنگ چشم بمعنی تنگ نظر۔ کم ظرف۔ بخیل۔ کنجوس۔

بھر بھر کے جام بادہ کشوں کو پلا دیئے
شیشے تھے تنگ چشم مگر حوصلہ کیا (انجم فصاحت)

تنگ چشمی بمعنی کم ظرفی۔ اوچھاپن۔

تنگ چشمی ہے فلک کی یہ کہ مانند حباب
تھے جو دریا دل سو اب کرنے لگے دل تنگیاں (محب تلوکا)

تنِ مجروحِ عاشقی = عاشق کا زخمی بدن۔ عاشق کا بدن جو خون سے چور ہو۔ مجروح بمعنی جراحت رسیدہ۔ زخمی۔ زخم خوردہ۔ گھائل۔

تُور = فریدوں شہنشاہ ایران کا درمیانی بیٹا۔ فریدوں نے جب اپنی سلطنت اپنے بیٹوں میں تقسیم کی تو سرزمین ترک و چین تُور کے حصہ میں آئی جس کا نام توران پڑا۔

دگر تور را داد توران زمین
ورا کرد سالار ترکان چین (فردوسی)

بگفت اے خداوند ایران و تور
کر چشم بد از روزگار تو دور (سعدی)

توسن = گھوڑا۔ سرکش گھوڑا۔ ایسا گھوڑا جو تند و شوخ ہو۔

حُر چلا فوجِ مخالف پہ اڑا کر توسن
چوکڑی بھول گئے جس کی تگاپو سے ہرن (انیس)

رونق گلشن فردوس ترا نقش قدم
سرمۂ چشم کواکب ترے توسن کا غبار (دیوان سخن)

توسنِ دولت = دولت کا گھوڑا۔ توسن بمعنی گھوڑا۔

توسنِ طبع = طبیعت کا گھوڑا۔ توسن بمعنی سرکش اور شریر گھوڑا۔ طبیعت کی تیزی جو شوخ و تند خو گھوڑے کی طرح قابو سے باہر ہو جائے۔

سوار توسن معنی ہوں چوگان طبیعت میں
لیا ہوں گوئے میدان سخن میں ہم ردیفوں سے (کلیات سراج)

توضیح = تشریح۔ وضاحت۔ روشنی ڈالنا۔

نہ توضیح کی کچھ نہ تاویل کی
کسی پر کسی کو نہ تفضیل دی (تسلیم)

توغّل = مہارت۔ دستگاہ۔ مشق و مزاولت۔ مشق۔ کمال۔ علمی تبحر۔ انہماک۔ غور و خوض۔ لگن۔ شغف۔ کمال تحقیق۔

توفیر = اضافہ۔ زیادتی۔ وافر کرنا۔ کثرت۔ فراوانی۔

جب سنگ آستانہ ترا تکیہ گاہ تھا
ہم کو بھی کوے عشق میں اک عزّ و جاہ تھا (قائم)

تلافیِ مافات = جو کچھ گذر چکا ہے اس کا بدل۔ گذری ہوئی محرومیوں کا صلہ۔ ضائع شدہ چیز کا معاوضہ۔

تلافی بمعنی کمی کو پورا کرنا۔ کوتاہی کا تدارک کرنا۔ عوض۔ بدل۔

مافات بمعنی جو کچھ گذر چکا ہے۔ جو کچھ ہو چکا ہے۔

تسکین دو دکھ اپنے مریضوں کو نزع میں
اتنی ہی اب تلافیِ مافات رہ گئی (بے نظیر)

توبہ جناب شیخ نے کی ہے پس شباب
کیونکر نہ ہو تلافیِ مافات کا لحاظ (راسخ دہلوی)

تماشا = نظارہ

اے خوشا گوش جو سنتے ہیں کہانی تیری
اے خوشا چشم جو کرتی ہے تماشا تیرا

ع تماشا بن گئے خود ہی تماشا دیکھنے والے (امیر)

اے تماشا گاہ عالم روے تو
تو کجا بہر تماشا می روی (سعدی)

تماشا کر = سیر دیکھ۔ مشاہدہ فرما۔

تماشا بمعنی سیر۔ یہ لفظ مشی سے نکلا ہے۔ مشی کے معنی چلنے کے ہیں۔ تماشا بمعنی مل کر چلنا۔ یہ لفظ اب اردو میں انگریزی کے لفظ (show) کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

مری آنکھوں کی پتلی میں سما جا اور تماشا کر
کہ ہوتی ہے پری کس طور سے محبوس شیشے میں (انشا)

تماشا کیجیے = دیکھیے۔ ملاحظہ فرمائیے۔ تماشا کرنا۔ دیکھنا۔ مشاہدہ کرنا۔

جھلکے گا اختیار میں مجبوریوں کا رنگ
میری نظر سے گل کا تماشا کرے کوئی (بیخود دہلوی)

تماشاے نیرنگ = ظاہری رنگوں کا مطالعہ۔ اجسام ظاہری کا مشاہدہ کرنا۔

مختلف شکلوں میں اس کو جلوہ گر دیکھا کیے
یہ تماشا ہم تو بیٹھے عمر بھر دیکھا کیے (بیخود دہلوی)

تماشائی = تماشا دیکھنے والا۔

اور کیا خاک ملے گی دل بسمل کی مراد
جو تماشا ہے جہاں کا وہ تماشائی ہے (داغ)

تمثال دار = صورت رکھنے والا آئینہ۔ جس آئینہ میں تصویر ہو۔

تمثال بمعنی پیکر۔ صورت۔ شبیہ والا۔ عکس۔ سایہ۔ مورت۔ پتلا۔ مجسمہ۔

جو ترا دوست ہو اب آئینہ گیتی پر
اس کی تمثال کبھی ہونے نہ پاوے منعکس (سودا)

ہیں ترے آئینے کی تمثال ہم نہ پوچھو
اس دشت میں کہیں ہے پیدا اثر ہمارا (میر)

تمناے زباں = زبان کی آرزو۔ گفتگو کرنے کی خواہش۔ کلام کرنے کی آرزو۔

تندیِ خو = عادت کی تیزی۔ تند مزاجی۔ تیز طبعی۔ غصیلی طبیعت۔

تندخوئی۔ غصہ کرنے والا مزاج۔ مغلوب الغضب۔

تند بمعنی تیز۔ تندخو بمعنی ذرا ذرا سی بات پر غصہ کرنے والا۔

پاتا نہیں تند خو کدورت کے سوا
دامن میں ہوا کے کچھ بجز خاک نہیں (انیس)

تمنّا جیتے جی رد ضعکی تھی مرکر ملی جنّت
کدھر تیر دعا پھینکا کدھر پہنچا خطا ہو کر (نیاض نعت)

تیر غیر = دشمن کا تیر۔ رقیب کا تیر۔

تیر نیم کش = ایسا تیر جس کو پوری طرح کھینچ کر نہ چھوڑا گیا ہو۔ وہ تیر جس کو آہستہ سے کھینچ کر چھوڑا جائے۔ وہ تیر جو پار نہ نکل جائے بلکہ اٹک کر رہ جائے۔

تیز گام = تیز قدمی۔ تیز رفتاری۔ چال کی تیزی۔ تیز گامی۔

یہ کاروانِ ہستی ہے تیز گام ایسا
قومیں کچل گئی ہیں جسکی رواروی میں (بانگ درا)

میری تیزی کیا سلجھے گی حرف و سخن میں گنجلک ہے
کوئی بھی عاقل الجھ پڑے ہے ناصح ایسے دیوانہ سے (میر)

ر = کلہاڑی۔ بسولا۔ پتھر کاٹنے کا آلہ۔
میرے سنگ مزار پر فرہاد :: رکھ کے تیشہ کہے ہے یا استاد (میر)

پسپا ہوں یہ جائز نہیں پیشے میں ہمارے
کٹتا ہے پہاڑ ایک ہی تیشے میں ہمارے (انیس)

غریاں = ننگی باہر رکھی ہوئی تلوار۔ تیز دھار والی تلوار
جو نیام سے باہر ہو۔

تیغ جوہر دار = جوہر رکھنے والی تیغ۔ اعلیٰ قسم کی فولادی تلوار۔ وہ تلوار جس میں جوہر کے نشان ہوں۔

چھوٹتا ہے کب لہو میرا کسی تدبیر سے
تیغ جوہر دار قاتل ہے سوا زنجیر سے (ناسخ)

تیغِ خصم = دشمن کی تلوار۔ خصم بمعنی دشمن۔

ان پر تو عزیز مہرباں تھا
ہارون دلی کا خصم جاں تھا (مولانا سبط حسن فاطی)

تیغِ دودم = دودھاری تلوار۔

اس تیغِ دودم کا تیرے زخمی
آرام نہ ایک دم کرے گا (جوشش)

ابرو سے یہ تیغ دودم تول کے نکلے
گویا درِ خیبر کو علی کھول کے نکلے (انیس)

تیغِ ستم = ستم ڈھانے والی تلوار۔ ہزار ظلم و ستم۔

علم افگندہ و ہزاراں صفِ طوطی طالب
ہر کجا یک تہِ تیغ ستم آمیختہ ام (طالب آملی)

بڑھادی ہے مصیبت اور بھی نااتفاقی نے
یہ ہے خود خالقِ مذاہب اس میں پھر توفیر کیسی ہے (وجاہت)

ابر نہیں، تیری ہوا میں اے بہارستانِ حسن
آسماں پر دود ہے مجھ آہ کی توفیر کا (چمنستانِ شعرا)

توفیرِ درد = درد کی زیادتی۔ توفیر بمعنی زیادتی۔ افراط۔ بہت کرنا۔ بہت ہونا۔ وافر کرنا۔

تو دیر زی کہ جہاں کم کند از آں ہر روز
ز عمرِ خلق کہ در عمرِ تو کند توفیر (امیر خسرو)

توقیعِ امارت = امیری کا فرمان۔ امیر ہونے کا فرمان۔ دولت مندی کا فرمان۔ توقیع بمعنی فرمانِ شاہی۔

ہمارا نامۂ اعمال اس کے فیضِ نسبت
عجب کیا ہے بنے توقیع جو خلدِ مخلد کا (ناظم)

امارت بمعنی دولت مندی۔ حکومت

گماں ہے مرقدِ کہنہ کا مجھ کو ہر عمارت پر
یہ غافل کیا سمجھ کر جان دیتے ہیں امارت پر (صبا)

توقیعِ سلطنت = فرمانِ شاہی۔ توقیع بمعنی دستخط۔ مہر۔

توقیع کو کیوں مہرِ نبوت کی نہ مانیں
یوں اس کو مٹائیں جو پیمبر کا نشاں ہو (ناظم)

تونبا = پکا ہوا خشک کدو جس کو فقرا کشکول کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ اس قسم کی گول خشک کدو طنبورے یا ستار کے بنانے کے طور پر بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

چھیڑا ستار محفلِ عشرت مہک گئی
تونبے کو تم نے طبلۂ عطار کر دیا (منیر)

تہمت کشِ تسکین = تسکین حاصل کرنے کا الزام۔ تسکین حاصل کرنے کا بہتان۔

تہمت بمعنی بہتان۔ جھوٹا الزام۔

جیے جانے کی تہمت کس سے اٹھتی کس طرح اٹھتی
بچائی تیرے غم نے زندگی کی آبرو برسوں (زمانی بدایونی)

ناحق ہم مجبوروں پر یہ تہمت ہے مختاری کا
چاہتے ہیں سو آپ کریں ہیں ہم کو عبث بدنام کیا (میر)

تہیۂ طوفاں = طوفان کا عزم۔ طوفان بپا کرنے کا ارادہ۔ آنسوؤں کا طوفان بہانے کا عزم۔

تہیہ بمعنی تیاری۔ آمادگی۔ انتظام۔ عزم۔ ارادہ۔

تعیّن سے نکل اس بیضۂ افلاک کے اے دل
تہیہ عرش پر اڑنے کا ہے کر بال و پر پیدا (شاہ نصیر)

تہیہ طوفاں سے مراد رو رو کر اس قدر آنسو بہانا کہ طوفان برپا ہو جائے۔

تیر خطا ہونا = تیر نشانے پر نہ بیٹھنا۔ تیر خطا کرنا۔

وہ تیر امتحاں میں کیوں کر خطا نہ ہو
قسمت میں جو عدو کی ستمگر لکھا نہ ہو (دیوانِ سخن)

جادۂ سر منزل تقویٰ = پرہیزگاری کی منزل کا راستہ۔
ایسا مسلک اختیار کرنا جو منزلِ تقویٰ کی رہنمائی کرے۔

جادہ صحرائے جنوں = دشتِ جنوں کی راہ۔
جادہ بمعنی راہ، راستہ، پگڈنڈی۔

دیں دار کریں کیوں نہ زیارت کا ارادہ
مل جاتا ہے واں سے درِ فردوس کا جادہ (انیس)

جاگیر سمندر = سمندر کی جاگیر، زمین یا گاؤں جو حکومت کی طرف سے کسی شخص کی خدمات کے صلہ میں دیا جائے۔

اس کے کوچے میں ٹھہرنے کو جگہ چاہی اگر
بولے درباں جاؤ کیا بٹتی ہیں جاگیریں کہیں
(مرآۃ الغیب)

سمندر ایک جانور ہے جو آگ میں پیدا ہوتا ہے اور آگ سے نکلتے ہی مر جاتا ہے۔

دلِ سوزاں کو مرے خوف ہے کیا آتش کا
ہوں سمندر کی طرح میں تو پلا آتش کا (نصیر)

کب ہے ہمارے سینۂ سوزاں میں لختِ دل
آتش کدے میں ہیں یہ سمندر بھرے ہوئے (ناسخ)

جامِ زر = سونے کا پیالہ۔
جام بمعنی پانی پینے کا برتن۔ مجازاً شراب کا پیالہ۔

پلا دے آکے دو دو جام ساقی
کہ ہو رندوں میں تیرا نام ساقی (ارشاد)

جامِ زمرد = زمرد کا پیالہ۔
زمرد سبز رنگ کا ایک قیمتی پتھر ہوتا ہے جسکو پنا کہتے ہیں۔

زمرد کے مانند سبزے کا رنگ (میر حسن)

جامِ سفال = مٹی کا پیالہ، مٹی کا کوزہ، کٹھرا۔

تکلف برطرف دونوں ہیں یکساں وقتِ میخواری
سفالیں جام آیا سامنے یا جامِ جم آیا

جامِ واژگوں = اوندھے ہوئے پیالے۔

جامۂ احرام = عمرہ اور حج کے وقت باندھا جانے والا بغیر سِلا کپڑا جس کو زائرین باندھ کر کعبہ شریف کی زیارت کرتے ہیں اور عمرہ اور حج کے ارکان بجالاتے ہیں

جامۂ احرام زاہد پر نہ جا
تھا حرم میں لیک نامحرم رہا (میر)

جامہ بمعنی کپڑا

دشمنِ دین وہ سالک ہے کہ جس نے قائم
جرعۂ مے کے عوض جامۂ احرام دیا (قائم چاندپوری)

جاں پناہا = جان کو پناہ دینے والا، بادشاہوں کو مخاطب کرنے کے القاب۔

جاں دادۂ ہوائے سرِ رہ گذار = شوق کوچہ گردی کا کشتہ۔ جاں دادہ بمعنی جان دے دیا۔
ہوا بمعنی شوق، ہوس، خواہش۔ سرِ رہ گذر سے مراد گذرگاہِ یار، رہ گذرِ معشوق، وہ راہ جدھر سے معشوق گذرے، محبوب کی گذرگاہ میں چلنے والی ہوا پر قربان۔

جاں سپاری = جان دینا، جاں بازی، جان قربان کرنا۔

جو سختی دیکھیا اس سوں یاری کیا
ولے اس ستی جاں سپاری کیا (خاور نامہ)

ث

ثروت = مال و دولت کی زیادتی ، سامان کی شان و شوکت ۔
حشمت ، خوش حالی ۔

ثمر فشاں = پھل ٹپکانے والا ، پھل بکھیرنے والا ۔
ثمر بمعنی پھل ، میوہ ، نتیجہ

دنیا میں کوئی شخص لگاتا ہے گر شجر
ہوتی ہے یہ امید کہ دے گا کبھی ثمر (انیس)

بار ہو کر ہوا میں سب پہ بار
کیا یہی تھا اس ریاضت کا ثمر (قدر)

ثوابِ طاعت و زہد = عبادت گذاری اور پرہیزگاری کا ثواب ۔ ثواب بمعنی نیکی کا بدلہ ، نیک کام کی جزا ۔

کی فرشتوں کی راہ ابر نے بند
جو گنہ کیجئے ثواب ہے آج (ناسخ)

طاعت بمعنی اطاعت ، فرماں برداری ، عبادت ، بندگی ۔
زہد بمعنی عبادت ، بندگی ۔

زہد بیجا کو سمجھے ہیں تقویٰ
ترکِ دنیا کو سمجھے ہیں طاعت (نظم طباطبائی)

ثور = بیل ، برج ، آسمانی گائے کی شکل کا ہے ۔

چمکی جو اس کی تیغ جمال آسمان پر
ہو جائیں ثور وجدی ہلال آسمان پر (اکبر)

مکہ معظمہ کے قریب ایک پہاڑ کا نام جس کے ایک غار میں مدینہ ہجرت فرماتے وقت رسول اکرم صلعم نے قیام فرمایا تھا ۔

ج

جادادِ بادہ نوشیٔ رنداں = رندوں کی مے نوشی کی جاگیر ۔
جاداد بمعنی جائداد ۔ بادہ نوشی بمعنی شراب نوشی ۔
رنداں جمع ہے رند کی بمعنی شراب پینے والے ۔

جادہ = راستہ ، پگ ڈنڈی ، وہ نشان یا لکیر جو لوگوں کی آمد و رفت سے زمین پر پڑ جائے ۔

دیں داد کریں کیوں نہ زیارت کا ارادہ
مل جاتا ہے واں سے رہِ فردوس کا جادہ (انیس)

ہو نہ مجھ سے جدا کہ جادہ صفت
منزلِ عشق کا سراغ ہوں میں (قائم)

جادۂ راہِ فنا = فنا کی طرف جانے والے راستہ کی پگڈنڈی ۔
جادہ بمعنی پگڈنڈی ۔
جادہ اور راہ دونوں لفظ بڑی حد تک ہم معنی ہیں ۔
جادۂ راہ بمعنی سیدھا راستہ ۔

جادۂ راہِ وفا = وفا کی راہ پہ لے جانے والا راستہ ، جادہ اور راہ دونوں ہم معنی لفظ ہیں ، جادہ پگڈنڈی کو بھی کہتے ہیں ، راہِ راست ۔

یارب اس ساغرِ لبریز کی مے کیا ہوگی
جادۂ راہِ بقا ہے خطِ پیمانہ دل (ڈاکٹر اقبال)

جادۂ رہ = جادۂ راہ ، منزلِ راہ ۔

جادۂ رہِ خور = گذرگاہ خورشید ۔
جادۂ رہ بمعنی گذرنے کا راستہ ۔ خور بمعنی خورشید ۔

جہاں وہ ہے وہاں جبریل امین
اُڑے حشر تک، تو پہنچتا نہیں (میرا)

جذبۂ بے اختیارِ شوق ۔
جذبہ بمعنی کشش ۔ بے اختیار بمعنی بے قابو۔
شوق بمعنی خواہش ، محبت ، آرزو یعنی جان دینے
کے شوق کی کشش سے بے قابو ہو جانا ، آپے میں نہ رہنا۔

جراحت = زخم ، گھاؤ ۔
ناوک مژگاں سے دل پر وہ جراحت کھائی ہے
چشم سوزن کو بھی جو لے بخیہ گر ملتی نہیں
(رند)

جراحت پیکاں = زخم پیکاں ۔
جراحت بمعنی زخم ، مجروح ہونا ۔
پیکاں بمعنی تیر کا پھل ، تیر کے آگے کا آہنی حصہ ۔
ناوک مژگاں سے وہ دل پر جراحت کھائی ہے
چشم سوزن کو بھی جو لے بخیہ گر ملتی نہیں
(رند)
وہ جب کر سینے میں اس رنگ سے پیکاں نکلا
دل سے بے ساختہ نکلا کہ وہ ارماں نکلا (داغ)
خلش افزا دل دشمن میں جو پیکاں ہوں گے
وہ مرے دل کے نکالے ہوئے ارماں ہوں گے
(ناطق لکھنوی)

جراحتِ دل = زخم دل ، دل کا گھاؤ ۔
اتنی جراحتوں پہ جیتا ہے سوز صاحب
سینہ ہے یا کہ ترکش دل ہے کہ سنگ خارا (سوز)

جُرعہ خوار = خوشہ چین ، گھونٹ پینے والے مراد۔
استفادہ کرنے والے ۔ جُرعہ بمعنی گھونٹ ۔

خون دل پیتے ہیں یہ خون جگر کھاتے ہیں
اِن کی قسمت میں بھلا جرعۂ صہبا کیسا (داغ)

جرأت آزما = جرأت کو جانچنے والا ، ہمت کا امتحان
کرنے والا ، بہادری اور دلیری کو پرکھنے والا۔
جرأت بمعنی ہمت ، بہادری ، دلیری ، مردانگی ،
جواں مردی ، شجاعت ۔
کیا کیا نہ جواں مرد ہوئے خلق میں پیدا
لیکن کوئی عباس کی جرأت کو نہ پہونچا (انیس)

جرأت رندانہ = رندوں کی ایسی ہمت ۔
جرأت بمعنی ہمت ، بہادری ، دلیری۔
رندانہ بمعنی رندوں کی طرح جس طرح رند شراب کے
نشہ میں نتائج سے بے پروا ہو کر جرأت سے اقدام کرتا ہے
اس قسم کی جرأت کو جرأت رندانہ کہیں گے ۔

جرأتِ فریاد = فریاد کرنے کی جرأت ۔

جزوِ اعظم = سب سے بڑا جزو ، لازم ترین اور اہم ترین
جزو ، سب سے بڑا حصہ ۔
دل بے تاب سے ہے پیچ و تاب اے جان گیسو میں
کہ تھا سیماب جیسے جزو اعظم مارِ جادو میں

جسم اطہر = پاک جسم ۔

جگر تشنۂ آزار = دکھ اٹھانے کا پیاسا جگر ، جگر جس کو
تکلیف اٹھانے کی تشنگی ہو ، اذیت پسند جگر ۔

جگر تشنۂ ناز = ناز و انداز کا پیاسا جگر ، جگر جو ادا
کا شائق ہے ۔

جاں ستاں تر = زیادہ قاتل ، بڑی جان لیوا۔

جاں ستاں بمعنی جان لینے والا۔

در پے تھی سرکشوں کے جو وہ تیغ جاں ستاں
گوشوں سے تھی بلند صدائے اماں اماں
(انیس)

جاں فزا = جان کو بڑھانے والا ، حیات بخش ، روح افزا

نوید جاں فزا ہے کیا خبر قاتل کے آنے کی
بتاؤ تو سہی اے داغ ایسے شادماں کیوں ہو
(داغ)

جاں گداز = جان کو پگھلانے والا ، جان گھلانے والا

دل سوز، شعلہ خو، شرر انداز، جاں گداز
لشکر کش و شکست رساں و ظفر نواز (انیس)

جاں گدازی قہر و عتاب = غصہ اور غضب سے جان کو پگھلا دینا ، ایسا غصہ کرنا جو جان کو پگھلا دے۔

گداختن مصدر پگھلنا ، پگھلانا

جاں گدازی بمعنی جان گھلنا ، جان گھلانا

گلہ نہیں ہے ہمیں اپنی جاں گدازی کا
جگر پہ زخم ہے اس کی زباں درازی کا (امیر)

قہر بمعنی طیش ، غضب ، غصہ ، خشم ، آفت

ہے قہر وہ جو دیکھے نظر بھر کے جن نے میر
برہم کیا جہانِ مژہ دم زدن کے بیچ (میر)

سچ ہے ہجوم شوق بھی ہے قہر اے نسیم
کیا کیا بلائیں سہتے ہیں ہر شب برائے زلف (نسیم)

عتاب بمعنی غصہ ، غضب ، عتاب ، خفگی

سنتے ہیں اس کو چھیڑ چھیڑ کے ہم
کس مزے سے عتاب کی باتیں

تبسم اس کے لب پر ایک دن وقتِ عتاب آیا
اسی دن سے ہماری زندگی میں انقلاب آیا
(ناطق لکھنوی)

جاں گسل = جان کو گھلانے والا ، جان لیوا

گسیختن ، گسلیدن بمعنی توڑنا۔

آفت تھی قہر تھی بُرش تیغ جاں گسل
کرتی تھی شکل کو وہ ہیولیٰ سے منفعل (انیس)

جان و دل ختم رسل = آخری رسول (محمدؐ) کے دل و جان مراد تن من سب کچھ۔

جان و دل دے کے اب اس بت کو دعا دیتے ہیں
ہم کو توفیق جو دیتا ہے خدا دیتے ہیں
(ناطق لکھنوی)

ختم رسل ۔ رسولوں کی رسالت پر مہر لگانے والا ، آخری رسول خاتم النبیین ۔

جاہ = رتبہ ، مرتبہ ، عزت

تیرا جو ہوا بندۂ درگاہ بڑھا
اعزاز بڑھا مال بڑھا جاہ بڑھا (میر)

جائے خندہ = ہنسی کا مقام۔

جبرئیل = فرشتہ کا نام جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے بھیجے ہوئے پیغمبروں کو اللہ کا پیام پہونچانے پر مقرر تھے۔ جن کے ذریعہ سے انبیائے کرام پر وحی نازل ہوتی تھی۔ روح القدس ، روح الامیں۔

فرمایا حکم خالق کون و مکاں کا ہے
ہٹ جاؤ جبرئیل یہ وقت امتحاں کا ہے
(عشق)

دل کو روشن کرنے والا۔

جمال کمال = کمال کا حسن۔

جمالی = منسوب بہ جمال، باری تعالیٰ کی وہ صفت جس میں جلال نہ ہو۔

کیا رسم جمالی نے وہ عمل
شکل بلبل ہوئی وہ گل بیکل (وحشت گلزار)

جمجاہ = شہنشاہ جمشید کا مرتبہ رکھنے والا۔

شہ بات منے جام سو جم جاہ دیکھو
پکڑے رہیں سورج کو بیچ ماہ دیکھو
(قلی قطب شاہ)

جمع وخرچ = آمد وخرچ، آمدنی ومصارف۔
خرچ در اصل خرچ ہے۔ غالب کے نزدیک "چ" سے لکھنا غلط تھا۔ انھوں نے رام پور میں جمع وخرج لکھوایا تھا۔

فرد حساب صرف اس بیاہ کے ہو کم
گو لاکھ جمع وخرج کا ہو دفتر آسمان (ذوق)

جمعیت احباب = دوستوں کی یکجائی، مجمع احباب، دوستوں کا ایک جگہ اکٹھا ہونا۔

ہندوؤں میں ہے ملاپ اسلامیوں میں انقلاب
اُن کی جمعیت بھی دیکھ اِنکی پریشانی بھی دیکھ
(بہارستان)

جنبش بال جبریل = جبرئیل کے پروں کی حرکت۔

جنبش جوہر = جوہر کی حرکت، جوہر کی چمک، بے تابی۔ بے قراری۔

جنّت نگاہ = نگاہوں کے لیے جنت کا نظارہ، وہ چیز جو آنکھوں کو خوشگوار معلوم ہو۔

جنس رُسوائی = چیز، رُسوائی کا سبب بننے والی چیز۔ جنس کی جمع اجناس۔

جنون جولاں گدائے بے سروپا = آوارہ بے سروسامان فقیر۔ جنون جولاں۔ وحشی، آوارہ، دیوانوں کی طرح مارا مارا پھرنے والا،
بے سروپا۔ بے حقیقت، بے سروسامان۔

جنون ساختہ = بناوٹی دیوانگی، مصنوعی جنون۔

جنون علامت = پاگل پن کی نشانی، علامتِ دیوانگی

جنون نارسا = عشق نارسا، عشق بے اثر۔
نارسا یعنی نہ پہونچ سکنے والا، رسائی نہ رکھنے والا۔

جنون وتمکین = دیوانگی ودانشمندی۔

جواں مرگ = عالم شباب میں مرجانے والا، جس کو جوانی میں موت آجائے، جوانہ مرگ۔

یوں تو ہے از پئے زمانہ مرگ
نہ مرے پر کوئی جوانہ مرگ (شوق نیموی)

اُف بلا ہاے غم ہجر وجواں مرگ ضیا
موت بے وقت بھی آئی تو غنیمت آئی (ضیائے سخن)

جواں میر = جواں مرگ۔

جواہر طرف کلہ = ٹوپی کے گوشہ پر ٹکے ہوئے جواہرات۔

جوش بادہ = شراب کا ابال۔

جوش بہار = بہار کا جوش۔

جوش جنون عشق = عشق کے جنون کا جوش۔

جوش رشک = فراتی رشک، رشک کی زیادتی۔

جگر گوشہ = جگر کا کونہ ، لختِ جگر مجازاً فرزند عزیز۔

غازی پکارا او نجس و مرتد و جہول
لیجو نہ منہ سے نامِ جگر گوشۂ رسول (انیس)

دل و چشم ہے اس سے لبریز نور
کہ وہ ہے جگر گوشۂ کوہ طور (میر حسن)

جگر لخت لخت = جگر جو ٹکڑے ٹکڑے ہوچکا ہے۔

جلالی = صفت خداوندا جس میں غضب کا اظہار ہو۔
مرادِ غیض و غضب۔

چین ابرو نے دکھایا الٹی سیفی کا اثر
یار کا نقشِ جمالی بھی جلالی ہوگیا (بحر)

جلوۂ برقِ فنا = فنا کردینے والی بجلی کا جلوہ ، جلا کر خاک
کردینے والی بجلی کی چمک۔

جلوۂ بینش = محبوب ، عقل و دانش کو روشن کرنے
والا یعنی محبوب حقیقی۔

جلوہ پرداز = جلوہ افروز ، جلوہ گر ، جلوہ دکھانے والا۔

جلوہ پرداز چوں میں بیچوں کو
جوں ہوا کو شراب میں دیکھا (شاہ کمال)

جلوۂ تماشا = جلوہ حسن کا تماشا دکھانے والا۔

جلوۂ تمثال = عکس رخ ، چہرے کا پرتو ، چہرے کا عکس۔

جلوۂ حسنِ غیور = غیرت مند حسن کا جلوہ۔
غیور بمعنی غیرت مند ، خوددار۔

مقتل میں کس کے حلق پہ رکھ دی تھی ہائے تیغ
خود کاٹتا تھا اپنا گلا جو غیور تھا (جلال)

جلوہ زار آتش دوزخ = دوزخ کی آگ کا جلوہ
دوزخ کی آگ کا مخزن۔

جلوۂ گل = سیرِ گل ، کھلے ہوئے پھولوں کا مشاہدہ۔

جلوۂ موجِ شراب = شراب کی موج کا جلوہ۔

جلوہ نما = جلوہ افروز ، جلوہ فرما۔

خورشید سا تھا جلوہ نما خانۂ زیں پر
گھوڑا دو رکا بھتا پہ تھے پاؤں زمیں پر (ا

آئینۂ مہ میں یہ کہاں جلوہ نمائی
روشن ہوا دل جس کو وہ صورت نظر آئی (ا

ازبسکہ دل اس رشک پری پر جو بندھا
ہر موسوں مرے رنگ جنوں جلوہ نما

جلے پھپھولے پھوڑنا = دل کی بھڑاس نکالنا ، دل کا
نکالنا ، طعن طنز کی باتوں سے دل کا بخار نکالنا۔

جل گیا جب کسی سے بولے ہم
پھوڑتے ہیں جلے پھپھولے ہم (داغ)

جم = جمشید کے نام کا مخفف ، عالی شان بادشاہ۔
جمشید ایران کے عظیم الشان بادشاہوں میں سے ہے۔
جشنِ نوروز منعقد کرتا تھا ضحاک نے اس پر قابو پا
کے دو ٹکڑے کردیئے۔

کی یہ آمد پر کہ اچھا نہ تہی ذکر نبرد
کس نے آراستہ کی بزمِ طرب صورت جم (مرزا

جمالِ دل فروز = دل کو منور کرنے والا حسن۔
جمال بمعنی حسن ۔ دل فروز بمعنی دل کو فروزاں کر

جوہرِ دستِ دعا آئینہ = دستِ دعا کے آئینے کا جوہر۔

جویائے زخمِ کاری = کاری زخم کھانے کی تلاش میں کارگر زخم کی جستجو کرنے والا۔

جوئے خوں = خون کی نہر، لہو کا دریا۔

جوئے یعنی جو بمعنی نہر۔

بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب
اور آزادی میں بحرِ بے کراں ہے زندگی
(بانگ درا)

جوئے شیر = دودھ کی نہر، جو بمعنی نہر۔

شیر بمعنی دودھ۔

اشارہ ہے فرہاد کی سخت محنت اور کوشش کی طرف جس نے شیریں کو حاصل کرنے کے لیے پہاڑ کھود کر دودھ کی نہر نکالی تھی۔ فرہاد کو اسی لیے کوہ کن کے لقب سے پکارتے ہیں جس کے معنی ہیں پہاڑ کھودنے والا۔ اردو میں جوئے شیر لانے کا محاورہ سخت مشکل کام کو محنت اور لگن کے ساتھ پورا کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

کوہ کن میں ہوں تو ہے شیریں وہ ترک
کم نہیں تلوار جوئے شیر سے
(ریاض)

زندگانی کی حقیقت کوہکن کے دل سے پوچھ
جوئے شیر و تیشہ و سنگ گراں ہے زندگی
(بانگ درا)

جہانِ خراب = عالمِ خراب، ویران دنیا۔

خراب ضد ہے آباد کی مراد دنیا۔

حیراں ہیں جا کے اہلِ عدم سے کہیں گے کیا
جی بھر کے سیر کی نہ جہانِ خراب کی

جہاں دار کرم شیوہ = شہنشاہ، مہربانی کرنا جس کی عادت میں داخل ہے۔

جہاں دار بمعنی دنیا کا مالک یا حاکم۔

کہا اس محبت کے بیمار سے
وہ ملک جنوں کے جہاں دار سے

جیبِ خیال = خیال کی جیب۔

چ

چارہ جوئی = علاج کرنا، علاج کی تدبیر، مداوا کرنے کی تدبیر نکالنا۔

تھکے چارہ جوئی سے اب کیا کریں
کہو تم سو دل کا مداوا کریں (میر)

چارہ سازیِ وحشت = وحشت کا مداوا، دیوانگی کا علاج۔ چارہ سازی بمعنی علاج، معالجہ، تدبیر۔

یہ وقت کون سا آیا ہے لے خدا مجھ پر
کہ چارہ ساز لرزتے ہیں چارہ سازی سے
(عزیز لکھنوی)

چارۂ غمِ الفت = آزارِ الفت کا مداوا، بیماریِ عشق کا علاج۔

چراغاں = بہت سے چراغوں کی روشنی۔ چراغاں کرنا بمعنی دیئے جلانا، روشنی کرنا، خوشی کرنا

کچھ نہ کچھ گورِ غریباں پر بھی ساماں ہو گیا
چار تارے چرخ سے ٹوٹے چراغاں ہو گیا
(تعشق)

جوششِ فصلِ بہاری = فصلِ بہار کا جوش۔

جوشِ قدح = پیالہ سے شراب کا ابلنا، گردشِ جام۔

جوشِ گل = پھولوں کا جوش، پھولوں کی بہار، پھولوں کی کثرت۔

جوشِ گل بادِ بہاری کے اثر سے اٹھا
بار صد بار ہر اک شاخ شجر سے اٹھا (غنچۂ آرزو)

یہ جوشِ گل یہ موسمِ باراں یہ رنگِ مے
واعظ کی بات کون سنے اس بہار میں

جوہر = فلسفہ کی اصطلاح کنایہ ہے ذاتِ ممدوح کے جوہر سے۔ (سنگ و خشت)

ترا جوہر ہے نوری پاک ہے تو
فروغِ دیدۂ افلاک ہے تو (بالِ جبریل)

جوہرِ اندیشہ = سوچنے کا جوہر۔

جوہرِ آئینہ = فولادی آئینہ پر قلعی کرتے وقت پڑی ہوئی لکیریں، آئینہ کی لہریں جو چمک کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔

مرا دل پاک ہے از بس ولی زنگِ کدورت سے
ہوا جیوں جوہرِ آئینہ مخفی پیچ و تاب اس کا (ولی)

جوہرِ آئینۂ زانو = زانو کے آئینہ کے جوہر، زانو پر رکھے ہوئے آئینہ کے جوہر۔

جوہر = فولادی آئینہ میں صیقل کرنے سے جو نیلگوں دھاریاں پڑ جاتی ہیں ان کو جوہر کہتے ہیں اور شعرا ان دھاریوں کو خار سے تشبیہ دیتے ہیں۔ یہ جوہر فولادی تلوار میں بھی پائے جاتے ہیں۔

کس خوشی سے دوڑ کر عاشق کٹاتے ہیں گلے
نقشِ حب اے ترک جوہر ہے تری شمشیر کا

دل کے آئینہ کو گر کردے گداز
یار اپنی گرمیٔ رخسار سے
جوہر اس سے یوں اٹھالیں جس طرح
حرفِ قرطاس غلط بردار سے (ذوق)

جوہرِ آئینۂ سنگ = پتھر کے آئینہ کا جوہر۔

جوہرِ بیداد = ظلم و ستم کے جوہر۔

جوہرِ تیغِ آب دار = دھاردار تلوار کے جوہر، جوہر تلوار کے ان قدرتی نقوش کو کہتے ہیں جس سے کی خوبی ظاہر ہوتی ہے۔

قتلِ عشاق سے اب نفرت ہے
تیغِ ابرو سے یہ جوہر ہی گیا (گویا)

جوہرِ تیغِ کہسار = کہسار کی تلوار کا جوہر، فارسی میں تیغِ کوہ پہاڑ کی چوٹی کے معنی میں آیا ہے غالب نے بجائے کوہ کے کہسار کی ترکیب استعمال کی جوہر کا لفظ تیغ کی رعایت سے آیا ہے جو تلوار میں ہوتا تیغِ کوہ بمعنی بلندیٔ کوہ۔

چوں آہوے چیں شد ز کشتن ستوہ
شکم بر دو بنیاد بر تیغِ کوہ

ہشدار گر خراشِ دلِ سنگِ خارا شد
آخر بہ تیغِ کوہ سرِ کوہ کن جدا

یہ کہیں یار کہیں اور مری آنکھیں ہیں کہیں
ہے بڑا بائع و دلّال و خریدار میں فرق (امیر)

چشمِ روزن = جھروکے کی آنکھ۔
روزن بمعنی جھروکہ، سوراخ، روشن دان۔

منہ سے اپنے روزنِ دیوار کر دیتا ہے بند
اُن سے اشبہ جو ہمارے دیدۂ بیدار ہیں (ناسخ)

زخم بھی تو مرہم زخم کہن ہے چارہ گر
بند تیر یار سے سینے کا روزن ہو گیا (مومن)

چشمِ سوزن = سوئی کی آنکھ مراد سوئی کا ناکہ۔

چشمِ فسوں گر = جادوگر آنکھ، چشم فسوں ساز۔
فسوں گر (افسوں گر) بمعنی جادوگر۔

سامری کی نہ چلی نرگس جادو کے حضور
ہر فسوں گر کا ترے سحر نے افسوں باندھا (امیر)

چشمِ محرومِ جمال = آنکھ دیدارِ حسن سے محروم، آنکھیں جمال دوست کے دیدار سے محروم۔

چشمِ مستِ ناز = ناز و انداز کے نشہ میں سرشار آنکھیں۔

چشمِ نرگس = نرگس کی ایسی آنکھ، نرگس ایک پھول ہوتا ہے جو شکل میں آنکھ کے مشابہ ہوتا ہے۔ شعراء آنکھ کو نرگس سے تشبیہ دیتے ہیں اس لفظ کا معرب نرجس ہے۔

چشمِ نقشِ قدم = نقش پا کی آنکھ۔

چشم نمائی = تنبیہ، جھڑکی، آنکھیں دکھانا۔

جب میں شروع قصہ کیا آنکھیں کھول دیں
یعنی تھی مجھ کو چشم نمائی تمام شب (نسیم)

چشمِ واگردیدہ = کھلی ہوئی آنکھ۔

چشم و چراغِ صحرا = دشت کا چشم و چراغ، دشت کے لیے روشنی کا سبب۔
چشم و چراغ بمعنی فرزند، آنکھوں کی روشنی کا سبب۔

ایک فرزند یہ رکھے تھا الاغ
سارے گھر کا تھا اُسکے چشم و چراغ (سودا)

چشم ہائے کشادہ = کھلی ہوئی آنکھیں، تاک میں ہونا، تکنا

چشمۂ حیواں = چشمۂ آبِ حیات۔

چل نکلنا = حد سے گذر جانا، بے تکلف ہو جانا، اِترا جانا، آگے بڑھ جانا، سبقت لے جانا۔

دل سے کہدو کہ آہ سرد کے ساتھ
ٹھنڈے ٹھنڈے چلے تو چل نکلے (آتش)

گر کہوں بیٹھوں تو فرماتے ہیں ہنس بیٹھے رہو
ساتھ چل نکلوں تو کہتے ہیں کہ چل نکلے ہیں آپ (نکہت)

کٹ گئے لاکھوں گلے اس تیزیٔ رفتار سے
اب تو چل نکلے زیادہ اپنے ہی خنجر سے آپ (داغ)

چنگ و رباب = چنگ ایک قسم کا باجا جو ستار کی مانند ہوتا ہے۔ رباب بھی ایک قسم کا باجا جو شکل سارنگی کے ہوتا ہے۔

خوشی سے پلا مجھ کو ساقی شراب
کوئی دن میں بجتا ہے چنگ و رباب (میر حسن)

چراغانِ سرِ رہ گذر باد = وہ چراغ جو ہوا کے راستہ پر رکھے ہوں، ہوا کے جھونکے سے جلد بجھ جانیوالے چراغ۔

چراغانِ شبستانِ دلِ پروانہ = پروانے کے دل کے شبستان کی روشنی۔

چراغاں بمعنی روشنی، بہت سے چراغوں کا جلنا۔

شبستاں بمعنی خواب گاہ، رات گذارنے کی جگہ۔

چراغاں کرنا = چراغوں کی روشنی کرنا، بکثرت چراغ جلاکر جشن منانا۔

کچھ نہ کچھ گورِ غریباں پر بھی ساماں ہوگیا
چار تارے چرخ سے ٹوٹے چراغاں ہوگیا (تعشق)

چراغ خانۂ درویش = فقیر کے گھر کا چراغ۔

چراغِ رہ گذارِ باد = ہوا کے راستہ پر جلتا ہوا چراغ، جلد بجھ جانے والا چراغ، ہوا کے تھپیڑے سے خاموش ہو جانے والا چراغ۔

چراغِ مردہ = بجھا ہوا چراغ۔

عدو جو لاش پہ آئے نہ رنج ہو بس مرگ
چراغ مردہ کرے آپ سے کہاں فریاد (اذیر)

چرانا نگاہ = نظر بچانا، آنکھ بچانا، ٹالنا۔

چرخ بریں = آسمان، نواں آسمان۔

چرخ کج باز = فلک کج رفتار، ٹیڑھی چال چلنے والا آسمان۔

چرخِ کہن = پرانا آسمان، چونکہ دنیا جب سے بنی ہے آسمان کا وجود ہے اس لیے اس کو چرخ کہن اور پیر فلک کہا جاتا ہے۔

ظلم کی فریاد کیوں کرتے اگر ہم جانتے
آپ کی تائید پر چرخ کہن ہوجائیگا (جلیل)

چرخ مکوکب = ستاروں والا آسمان۔

مکوکب اس کپڑے کو کہتے ہیں جس پر چاند ستارے بنے ہوئے ہوتے ہیں۔

چرخ نیلی فام = نیلے رنگ کا آسمان۔

چرخ بمعنی آسمان، پھرنے والا، چکر لگانے والا۔

سہ پھولا شفق سے چرخ پہ جب لالہ زار صبح (انیس)

پرانے زمانے میں خیال کیا جاتا تھا، آسمان زمین کے گرد چکر لگاتے ہیں اس لیے آسمان کو چرخ بمعنی چکر لگانے والے کہتے تھے۔

ہر گھڑی گردش میں ہیں سات آسماں
ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا (غالب)

چشم بینا = دیدۂ بینا، دیکھنے والی آنکھ۔

چشم تنگ = تنگ نظر رکھنے والی آنکھ مراد آنکھ جو وسیع النظر نہ ہو۔

چشم خریدار = خریدار کی آنکھ۔

چشم خوں فشاں = خون بہانے والی آنکھ۔

چشم دلّال = دلّالی کرنے والی آنکھ۔

دلّال بمعنی سودا کرنے والا، خریدار اور بیچنے والے کے درمیان واسطہ۔

لکھ جاتا تھا تو اس کو ہاتھ سے مٹا دیتے تھے اس دوبارہ

لکھے ہوئے حرف کو مکرر کہتے تھے۔

مکرر بمعنی دوبارہ ، باردگر ، پھر۔

سب فوج کے سقوں پہ جھپٹتے ہیں مکرر
ہاتھ ان کے اڑا دیتے ہیں شانوں سے برابر (تعشق)

حریص لذت آزار = تکلیف اٹھانے کی لذت کا آرزومند ، لذت آزار کا بہت زیادہ خواہش مند۔

حریف جوشش دریا = طغیانی کا مدمقابل۔

حریف دم افعی = سانپ کی پھنکار کا مقابل ، سانپ کے زہریلے پن کا توڑ۔

حریف بمعنی مقابل ، بدخواہ ، مدمقابل۔

حملے سے حریفوں کے مؤدب نہ ڈرو
کو بڑھتی ہے جب شمع کا سر کٹتا ہے (مؤدب)

حریف دم عیسیٰ = دم عیسیٰ سے مراد قم باذن اللہ کہہ کر حضرت عیسیٰؑ مردوں کو زندہ کر دیتے تھے۔

حریف بمعنی مدمقابل۔

حریف راز محبت = محبت کا رازدار۔

حریف بمعنی ہم پیشہ۔

حریف مطلب مشکل = مشکل مطلب کا حریف ، مشکل مقصد حاصل کرنے کا ہم نوا۔ حریف بمعنی ہم پیشہ ، ہم کار ، دوست ، وہ شخص جو باہم مقابل ہو۔

حریفاں بادہ ہا خوردند و رفتند
تہی مے خانہ ہا کردند و رفتند

کون ہوتا ہے حریف مے مرد افگن عشق
ہے مکرر لب ساقی پہ صلا میرے بعد (غالبؔ)

حریف مے مرد افگن عشق = مے نوشی عشق میں مقابلہ کے لیے آمادہ ہونے والا۔

حریف بمعنی ہم پیشہ ، ہم کار ، مقابل۔

مرد افگن بمعنی مرد کو پچھاڑ دینے والا ، مرد کو گرا دینے والا

افگندن مصدر ڈالنا ، پھینکنا۔

حسب گردش پیمانۂ صفات = پیمانہ صفات کی گردش کے بموجب ، جام صفات الہیٰ کی گردش کے لحاظ سے۔

حسرت اظہار = ظاہر کرنے کی آرزو ، تمنائے اظہار۔

حسرت بمعنی افسوس ، تاسف ، شوق ، تمنا۔

پھول تو دو دن بہار جانفزا دکھلا گئے
حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے
(ذوق)

بے شک اس دہر سے کد ہے مجھکو
حسرت عمر ابد ہے مجھے (مرزا رسوا)

ہوا سے زلف کو جنبش ہوئی ہمیں حسرت
کہ ایک نالہ تو ہم بھی کبھی رسا کرتے
(ناطق لکھنوی)

حسرت پرست بالیں = تکیہ پر سر رکھنے کی حسرت میں مبتلا ، بالیں پر سر رکھ کر سونے کی حسرت۔

بالیں بمعنی تکیہ ، سرہانا۔

آئی بالیں پر جو مجھ بیمار کے
خوب روئی موت ڈھاڑیں مار کے (امیرؔ)

چودہ منازلِ فلکی = فلک کی چودہ منزلیں یعنی چودھویں کا چاند بننے کے مراحل ، ماہِ کامل بننے کی منزلیں۔

چور بننا = ملزم ٹھہرنا ، بدنام ہونا ، ہدفِ ملامت ہونا۔

میرا چرچا ہوا نہ کس کس میں
میں بنا چور ان کی مجلس میں (داغ)

چہرہ آرائے تاج و مسند و تخت = تاج و تخت و مسند کی زینت و آرائش۔

چھ ماہی = کسی کے مرنے کے چھ ماہ بعد جو فاتحہ ہوتا ہے اُس کو عُرفِ عام میں چھ ماہی کہتے ہیں۔

چینِ جبیں = ماتھے کی شکن ، تیوری۔ چیں بمعنی شکن۔

زبس سوتی اٹھی تھی وہ نازنین
پڑی تھی عجب ڈھب سے چینِ جبیں (میر حسن)

چادر نہ گری سر سے نہ چین آئی جبیں پر
دو شکر کے سجدے کیے جھک جھک کے زمیں پر (انیس)

ح

حالِ شہیدانِ گذشتہ = گذرے ہوئے شہیدوں کے حالات۔

حبابِ موجۂ رفتار = چال کی لہر کا بلبلہ۔

حباب بمعنی بلبلہ۔ موجہ بمعنی موج لہر۔
رفتار بمعنی چال۔ رفتار کو موج سے تشبیہ دی گئی ہے۔

حبذا = کلمۂ تحسین و آفریں۔

پڑھ کوئی وہ غزل کہ اعدا بھی
حبذا حبذا کہیں سُن کر (مومن)

حجابِ پاسِ وضع = وضعداری کے لحاظ کی شرم۔

حجر الاسود دیوارِ حرم = کعبہ شریف کی دیوار میں لگا ہوا سیاہ پتھر۔ حجر بمعنی پتھر۔
اسود بمعنی سیاہ۔ اسود وہ پتھر ہے جس کو بوسہ دیکر کعبہ کے زائرین طواف شروع کرتے ہیں۔

حدِ وسع = حدِ امکان ، طاقت کی حد۔

حدیثِ زلفِ عنبر بار = گیسوئے عنبر ریز کی گفتگو ، خوشبودار زلفوں کی بات۔

حذر = خوف ، ڈر ، پرہیز ، بچاؤ۔

ظلم کس کس غریب پر نہ کیا
تم نے اس کام سے حذر نہ کیا (داغ)

حرزِ بازوئے شگرفانِ خود آرا = خود نگر معشوقوں کے بازو کا تعویذ۔

حرز بمعنی پناہ کی جگہ ، تعویذ۔

سبطینِ مصطفےٰ کو سمجھتے ہیں جو شنین
شیعوں میں ہے یہ حرزِ صغیر و کبیر کا (انیس)

شگرف بمعنی زیبا ، عمدہ ، نیک ، حسین۔
خود آرا بمعنی خود کو سنوارنے والا ، خود نگر۔

حسنِ بے پروا کو خود بین و خود آرا کر دیا
کیا کیا میں نے کہ اظہارِ تمنا کر دیا (حسرت موہانی)

حرفِ مکرر = دوبارہ لکھا ہوا حرف ، غلطی سے جو حرف دوبارہ لکھ دیا گیا ہو۔ اگلے زمانے میں لکڑی کی تختی پر جس کو لوح بھی کہتے تھے کھریا مٹی سے کلک کے قلم سے لکھنے کی مشق کرتے تھے۔ اور اگر کوئی حرف بھولے سے دوبارہ

حلقہ بگوش = غلام جس کے کانوں میں غلامی کے حلقے پڑے ہوں، مطیع، فرمانبردار۔

طاعت میں ایک عمر سے خانہ بدوش ہوں
تم سے کماکشوں کی میں حلقہ بگوش ہوں
(تعشق)

دستور تھا کہ غلام کے کانوں میں سوراخ کروا کر ان کے کانوں میں سونے یا چاندی کے بالے بطور شناخت ڈالے جاتے تھے۔

بندۂ حلقہ بگوش ار نہ نوازی برود
لطف کن لطف کہ بیگانہ شود حلقہ بگوش
(سعدی شیرازی)

حلقۂ بیرونِ در = دروازے کے باہر کی زنجیر کی کڑی، دروازے کے باہر کا حلقہ، محرابِ در۔

حلقۂ صد کام نہنگ = سینکڑوں مگرمچھوں کے منہ کا حلقہ۔

حلقۂ گرداب = بھنور کا حلقہ، بھنور کا دائرہ۔

حلقہ ہائے زلف = زلف کے حلقے۔

حمام = غسلخانہ، گرم پانی سے نہانے کا غسلخانہ حمام کہلاتا ہے۔ حم بمعنی گرم پانی، پانی گرم کرنا۔

بیگم یہ ٹھنڈی سانسیں بھریں کس کے واسطے
خس خانے سے سوا جو یہ حمام ہو گیا
(جان صاحب)

حمایتِ عہد = حامی زمانہ۔

حمزہ = حضرت حمزہ رسول اکرمؐ کے چچا کا اسم گرامی۔ داستان امیر حمزہ نامی کتاب مشہور ہے جس میں خلافِ حقیقت واقعات بیان کیے گئے ہیں۔

حنائے پائے خزاں = خزاں کے پاؤں کی مہندی۔ چونکہ بہار آنے پر رنگین پھول کثرت سے کھل جاتے ہیں اس رعایت سے بہار کو خزاں کے پاؤں کی مہندی کہا ہے۔

حوت = بڑی مچھلی۔ آسمان کا بارہواں برج۔

تھے بحر خوں میں غرق جسد سب مثالِ حوت
تھا خون ذوالفقارِ علیِ ولی کا قوت

ذنب تھا سنبلہ میں حوت میں راس
اسی سے ہو بخیر انجام تھی آس
(الف لیلیٰ) (مرزا تقی خاں ہوس)

حورانِ خلد = بہشت کی حوریں۔ حور بمعنی جنت کی حسین و جمیل عورتیں جن کی آنکھوں کی پتلیاں اور بال بہت سیاہ اور گھنے ہوں گے اور جو جنتیوں کے ساتھ بیاہ دی جائیں گی۔

حور پر آنکھ نہ ڈالے کبھی شیدا تیرا
تو ہے یکتا کوئی ثانی نہیں حقا تیرا (رند)

حوصلۂ فضل = فضل و کرم کا حوصلہ، حیرت آبادِ تمنا۔

حیرتِ نقشِ پا = پاؤں کے نشان کا تحیر، حیرانی نقشِ قدم کا

حیف = افسوس، ظلم، ستم۔

کھیل لڑکوں کا سمجھتے تھے محبت کے تئیں
ہے بڑا حیف ہمیں اپنی ہی نادانی کا (میر)

حسرت پروانہ = ناکامیٔ پروانہ ، نامرادیٔ پروانہ۔

حسرت تعمیر = گھر تعمیر کرنے کی حسرت۔

ہوا ہوں عشق کی غارت گری سے شرمندہ

سوائے حسرت تعمیر گھر میں خاک نہیں (غالب)

حسرت حاصل = خرمن کی آرزو ، پیداوار حاصل کرنے کی آرزو۔

حسرت سنج ہوں = حسرت زدہ ، حسرت رکھنے والا ، آرزومند۔

حسرت ناز = ناز اٹھانے کی حسرت۔

حسن تلافی = خوبصورتی کے ساتھ بدل کرنا۔

تلافی بمعنی کمی کا پورا کرنا ، تدارک کرنا ، بدل کرنا۔

تغافل سے جو باز آیا جفا کی

تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی (مومن)

حسن تماشا دوست = نمود و نمائش پسند کرنے والا دوست

حسن خود آرا = خود کو آراستہ کرنے والا حسن ، خود کو سنوارنے والا حسن۔

حسن بے پروا کو خود بین و خود آرا کر دیا

کیا کیا میں نے کہ اظہار تمنا کر دیا (حسرت)

حسن طلب = کسی چیز کو اشارے اور کنایہ سے طلب کرنا ، کسی چیز کی اس نیت سے تعریف کرنا کہ وہ اس کو دے دی جائے۔

حسن ظن = نیک گمان ، اچھا خیال ، خوش خیالی۔

بھلا حالی اور الفت سے ہو خالی

یہ سب تم صاحبوں کا حسن ظن ہے (حالی)

حسن عمل = نیک کام کرنا۔

حسن فروغ شمع = شاعری میں شمع کی روشنی کا حسن، کلام میں شمع کی طرح سوز و گداز کی صفت۔

حسن مہ = چاند کی خوبصورتی ، چاند کا حسن۔

حظ وصل = لطف وصل ، وصل کا مزا۔

حظ بمعنی لطف ، ذائقہ ، مزا ، انبساط۔

حظ اٹھاؤ ابھی جوانی کے

کچھ مزے دیکھو زندگانی کے (مومن)

حف نظر = چشم بد دور ، خدا نظر بد سے بچائے۔

دیکھ کر بولی وہ گل رعنا

حف نظر اپنی ایڑی دیکھ ذرا (تلق)

حق ناشناس = حق نہ پہچاننے والا ، غیر منصف۔

حق ودیعت ناز = امانت ناز کا حق مراد خنجر ناز کا حق ، خنجر ناز جو زخم جگر میں بطور امانت رکھا ہوا ہو۔

حقیقت جاں کاہی مرض = بیماری جاں کاہی کی اصلیت ، مرض کی حقیقت جاں کاہی۔

جاں کاہی بمعنی روح کو گھلانا ، جان کو تحلیل کرنا۔

حکایات خوں چکاں = خونی کہانیاں ، حکایات جمع حکایت کی بمعنی کہانی ، قصہ۔

خوں چکاں بمعنی لہو میں لتھڑا ، خون میں تر۔

نہ پوچھو وحشیوں سے کیوں کھلی ہے فصد پہ فصد

یہ خوں چکاں ہے حکایت زبان نشتر پر (دوزریسا)

حکایات صبر گریزپا = جلد چلے جانے والی خبر کی کہانی۔

حکم ناطق = قطعی حکم۔

برائے انطفائے آتش و رنج

دیا یہ حکم ناطق بے کشش و رنج (مرزا تقی خاں ہوس)

خاک بہ فرق بمعنی خاک بہ سر مراد محتاج۔

آوارہ، آفت زدہ، ماتم زدہ۔

درمزارے کہ منم خفتہ چو ماتم زدگاں
غم واندوہ فشانند بسر خاک آنجا
ہمہ سو خاک سیہ بر نہہند
ازاں بہ کجا خاک بر سر نہہند (فردوسی)

خاکِ دشتِ مجنوں = مجنوں کے صحرا کی خاک جس صحرا میں مجنوں دشت نوردی کرتا تھا اس کی خاک۔

خاکِ صحرائے نجف = صحرائے نجف کی خاک، نجف عراق کا ایک شہر جہاں حضرت علی مدفون ہیں۔

خال = تل، سیاہ تل جو جسم پر پڑتا ہے۔

خال سیہ بناتا ہے رخسار پردہ ماہ
کیا ان دنوں زحل کا ستارہ بلند ہے (آتش)

خالِ کنجِ دہن = دہن کے کنارے کا تل۔

خال بمعنی تل، کنج بمعنی کنارہ، دہن بمعنی منھ۔

خالِ مشکیں رخِ دل کشِ لیلا = لیلا کے خوبصورت اور دلِ کش چہرہ کا مشک کی طرح سیاہ تل۔

خالیِ زادا = ادا سے خالی۔

خامہ = قلم۔

ضبط کروں میں کب تک آہ
چل بے خامہ بسم اللہ

خامہ خونچکاں = خون ٹپکتا ہوا قلم۔

چکیدن مصدر ٹپکنا۔ قلم جس سے بجائے روشنائی کے خون ٹپکے۔

نہ پوچھو وحشیوں سے کیوں کھلی ہے فصدِ فصد
یہ خونچکاں ہے حکایت زبان نشتر پردہ زیست

خامۂ مانی = مانی کا قلم

مانی ایک مشہور مصوّر کا نام ہے جو بابل میں پیدا ہوا تھا اس نے روم اور چین کے مصوّروں سے نقاشی سیکھی تھی۔ اور شاہ پور بادشاہ کے زمانے میں ایران آگیا تھا اس نے زردشت اور مسیحیت کی آمیزش سے ایک نیا دین بھی ایجاد کیا تھا۔

خامۂ ہذیاں تحریر = فضول باتیں لکھنے والا قلم۔

خامۂ مژگاں = پلکوں کا قلم، پلکوں کا برش۔

خانہ آرائی = مکان کو آراستہ کرنا۔

آراستن (آرائیدن) مصدر سنوارنا، سجانا، سنورنا، سجنا۔

خانہ آئینہ = آئینہ میں، آئینہ کے اندر، آئینہ کے گھر میں۔

خانہ زاد = غلام، کسی کے گھر میں پیدا ہونے والا غلام زادہ، مراد قدیم۔

خانہ زادانِ دل حریف ہوئے
درد و غم کی سپاہ نے مارا (رشک)

خانۂ زادِ زلف = زلف کے حلقوں میں پلے بڑھے ہیں۔

خانہ زاد بمعنی گھر میں پیدا ہوا۔ غلام۔ بندہ۔

خانماں خراب = جس کا گھر اجڑ گیا ہو، خانہ خراب، تباہ حال، برباد۔

اے خانماں خراب ہے تیرا بھی گھر کہیں (نور اللغات)

خانہ ویراں سازیِ حیرت = حیرت کا گھر اجاڑنا۔

حیرت کا خانہ ویراں کر دینا۔

خانۂ مجنونِ صحراگرد = بیابان میں پھرنے والے مجنوں کا مکان، مجنوں کا مسکن مراد صحرا۔

خ

خاتمِ جمشید = جمشید کی انگوٹھی، خاتم معنی انگوٹھی، مہر۔
جمشید۔ قدیم ایران کے ایک مشہور بادشاہ کا نام۔
شیخ سعدی شیرازی نے گلستاں کے باب ہشتم میں بیان کیا ہے۔
سب سے پہلے جمشید نے اپنے ہاتھ میں انگوٹھی پہنی غالباً اس
سے مراد جمشید اعظم حضرت سلیمان علیہ السلام ہے۔

خاتمِ دست سلیماں = سلیمان کے ہاتھ کی انگوٹھی۔
خاتم سلیماں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی جس پر
اسم اعظم کھدا ہوا تھا اور اسکے اثر سے تمام مخلوقات آپ کی مطیع
کردی گئی تھی۔

گرچہ شیریں دہناں پادشہانند ولے
او سلیمان زماں است کہ خاتم با اوست
(حافظ شیرازی)

خاتم دست سلیماں میرے ہاتھ آئی ہے آج
پوچھتی ہے آنے کو وہ غیرت بلقیس دن
(رشک)

خارِ بیاباں = بیاباں کا کانٹا۔
خار صحرا۔ جنگل کا کانٹا۔

خارج آداب و تمکین = وقار و تمکیں کے آداب سے بالکل خارج
ہوجانا، بے ادبی کا مرتکب ہونا۔

خارِ کسوتِ فانوس = فانوس کے لباس کا کانٹا۔
فانوس بمعنی گلوب، شیشے کا ڈھکن جس کے اندر شمع کو جلایا جاتا ہے
تاکہ ہوا سے بجھ نہ جائے، پنجڑے کی شکل کا باریک کپڑے سے منڈھا
ہوا چراغدان، برقی قندیل۔
کسوت بمعنی لباس، پوشاک۔

انوار نے وہ کسوت نقش و نگار دی
سلمے کی آسماں نے دلائی اتار دی (جوش ملیح آبادی)

خار خارِ الم حسرتِ دیدار = شوق دیدار کے غم کی خلش،
آرزوئے دید کے غم کے کانٹے۔

خاطر جمع = مطمئن، تسکین، اطمینان۔

باغباں اپنے گل و میوہ سے رکھ خاطر جمع
میں تو مشتاق چمن میں ہوں چمن آرائی کا (ناسخ)

خاقان = بادشاہ، چین کے بادشاہ کا لقب مراد بادشاہ،
سلطان۔

اٹھا خاقانِ چین بہر عبادت
رہا مصروف طاعت حسب عادت (مرزا تقی خاں ہوس)

خاک = مٹی، راکھ، گرد، دھول، غبار۔

گل ہے کہ خاک رنگ نہیں جس میں بو نہیں
دل ہے کہ سنگ جس میں کوئی آرزو نہیں (مشتاق)

خاک سے کیوں اجتناب کیا
ایک دن غیر خاک خاک نہیں (ناسخ)

خاک انداز = جس میں کوڑا کرکٹ ڈالا جائے۔
انداختن مصدر۔ ڈالنا، پھینکنا، وہ برتن جس میں خاک
ڈالی جائے جس کو انگریزی میں (Dust bean)
کہتے ہیں، وہ ظرف جس سے چولھے کی راکھ نکالی جائے، قلعہ
کی دیوار کا سوراخ جس سے کوڑا کرکٹ پھینکا جائے۔

خاک بہ فرقِ تمکین = خودداری کے سر پر خاک مراد ذلت و
خواری۔

خست = بخل، کنجوسی، بخیل۔

خستگی = تھکن، تکان، کسل مندی۔

ہے خستگی سفر کی نہ کچھ کام کیجئے

خستہ بمعنی شکستہ خراب، بدحال، پریشان حال۔

خستہ تھے اٹھا کے جو تعب سو گئے شبیر

پائین لحد آخر شب سو گئے شبیر (عشق)

کیا کروں شرح خستہ جانی کی

میں نے مر مر کے زندگانی کی (میر)

ستہ تن = تھکا ہوا جسم و بیمار بدن۔ خستہ بمعنی تھکا ماندہ
بیمار۔

ستہ نوازی = غریب نوازی، بندہ نوازی، خستہ حال
کی خبر گیری۔

سِ جوہر = مراد خس جوہر آئینہ، جوہر آئینہ
فولادی آئینہ میں ایک لمبا سا سبزی مائل خط ہوتا ہے جو آئینہ
کا جوہر کہلاتا ہے خس بمعنی گھاس (سبزہ کی رعایت سے
جوہر کہا ہے)

س خانہ = ٹھنڈک پہونچانے کے لیے خس کی خوشبودار
گھاس کے پردوں یا ٹٹیوں سے گھرا ہوا مکان۔

سرو = خسرو پرویز پسر ہرمز شاہ ایران شیریں کا عاشق جس
کی داستان خسرو شیریں نظامی گنجوی نے نظم کی ہے۔
مراد بادشاہ۔

سرو آفاق = بادشاہ ملک۔

سرو انجم = ستاروں کا بادشاہ مراد آفتاب۔

خسروانہ شکوہ = شاہانہ دبدبہ، شاہانہ شان و شوکت۔

خسرو روز = دن کا بادشاہ۔

خسرو شیریں سخن = شیریں کلام بادشاہ، شاہ شیریں کلام۔

خس و خاشاک = کوڑا کرکٹ۔

سخن پہ نہ کبھی فائدہ بخشے ہرگز

خس و خاشاک کبھی سنبل و ریحاں نہ ہوا (سحر)

خشت خم صہبا = شراب کا مٹکا رکھنے کی اینٹ۔

خشت بمعنی اینٹ۔

ہر ذرہ مفسر تجلی

ہر خشت نظیر دست موسیٰ (مولانا سبط حسن فلا

خضر = ایک پیغمبر کا نام ہے جن کے متعلق مشہور ہے کہ انھوں
نے آب حیات پی کر زندگی دوام حاصل کی۔ ان کے متعلق مشہور
ہے کہ وہ بھولے بھٹکوں کو راستہ بتلاتے ہیں۔

حضرت خضر کے متعلق مشہور ہے کہ وہ جہاں بیٹھتے
تھے وہاں سبزہ نمودار ہو جاتا تھا، اور جس جگہ سے گذرتے
تھے وہ جگہ ہمیشہ سرسبز و شاداب رہتی تھی اسی وجہ سے خضر
آپ کا لقب پڑ گیا، عربی میں خضر کے معنی سبز اور سبزہ کے ہیں
قرآن کی سورہ کہف میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جن بزرگ
سے علم و حکمت سیکھنے کا ذکر ہے مفسرین نے ان کا نام خضر
لکھا ہے۔

خضر سلطاں = بہادر شاہ ظفر آخری بادشاہ سلطنت
مغلیہ کے فرزند کا نام۔

خضر کے متعلق کہا جاتا ہے کہ پیغمبر تھے جس کی حضرت موسیٰ

خانۂ مکتب = لکھنے کی جگہ، وہ جگہ جہاں لکھنے پڑھنے کا کام کیا جائے۔

خانہ ویرانی = گھر کو ویران ہونا، گھر کی بربادی، گھر کی تباہی، گھر کا اجڑنا، خانہ خرابی، خانہ بربادی۔

خجالت = شرمندگی، انفعال، خجل ہونا، حیا، ندامت۔

کوئی قطرہ عرق کا گر ترے رخسار پر دیکھا
چمن میں کیا خجالت موتیے کا پھول کھینچے گا (ظفر)

زراستی نہ بود شاخہائے بے بررا
خجالتے کہ من از قامتِ دوتا دارم (صائب)

خجستہ = مبارک، میمون۔

خجلت تقصیر = قصور کرنے میں پس و پیش کرنا، قصور کرنے سے شرمانا، گناہ کرنے سے پرہیز کرنا۔

خجلت بمعنی خجالت، شرمندگی۔

یہ جلد بڑھ گئی وہ جھجک کے سمٹ گئی
دیکھا جو غرقِ خوں اسے خجلت سے کٹ گئی (عشق)

خداساز بات = خداداد بات، من جانب اللہ، اللہ کی دین۔

خداساز بمعنی خدا کا بنایا ہوا۔

ایک قرآن ہے اور دوسرا اعجاز ہوں میں
وہ خدا کا ہے کلام اور خداساز ہوں میں (رشید لکھنوی)

خداوندِ بندہ پرور = بندوں کی پرورش کرنے والا بادشاہ۔

خداوند نعمت = نعمتوں کا مالک۔

ولی نعمت۔ نعمت عطا کرنے والے خداوند بمعنی صاحب، مالک، آقا۔

خرابات = شراب خانہ، میکدہ، قمار خانہ، جہاں جوے اور شراب کا شغل ہوتا ہو۔

نکلیں گے خانقاہ سے جس وقت پھر وہی
ہم ہوں گے رند ہوں گے خرابات ہوئیگی (ظفر)

خراب بادۂ الفت = صہبائے محبت کا متوالا۔

خراب بمعنی برباد، ویران، مست، مدہوش، ضائع، اکارت، آوارہ، پریشان۔

ع جو اٹھا مست اٹھا خراب اٹھا (حسرت موہانی)

تیری آنکھیں نہ پھریں ہم سے جولے رشک قمر
نہ پھرائے ہمیں یوں گردش ایام خراب (اسیر)

خرقہ = گدڑی، پیوند لگا ہوا لباس، فقرا کا لباس، درویشوں کا لباس۔

شیخ جو ہے مسجد میں ننگا رات کو تھا میخانے میں
جبّہ، خرقہ، کرتہ، ٹوپی مستی میں انعام کیا (میرتقی میر)

خریدار ذوق خواری = ذوق رسوائی کا گاہک۔

ذوقِ رسوائی بمعنی بدنامی کا شوق۔

خریدار متاع جلوہ = حسن نمائی کا خواہش مند، جلوے کے اظہار کا خواستگار۔

خس بدنداں = دانتوں میں تنکا دبانا، فارسی محاورہ ہے خس بدہن گرفتن بمعنی نہایت عجز ظاہر کرنا۔ صاحب فرہنگ آنند راج نے لکھا ہے کہ محمد قلی سلیم نے خس بدنداں گرفتن اسی معنی میں استعمال کیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ یہ ہندی محاورہ ہے۔

کو بھی خطیب کہتے ہیں۔

خفائی = مخفی، غیر ظاہر، غیر معروف، فارسی کے ایک شاعر کا تخلص۔

خفقانی - مرض خفقان میں مبتلا۔

اختلاج قلب۔ دل کی دھڑکن، ڈرپوک، گھبرائے ہوئے، وحشت زدہ۔

آج تنہا خفقانی سے ہیں گھر میں پھرتے
کل کے جو وصل کے عالم ہیں نظر میں پھرتے (ذوق)

خلد سے آدم کا نکلنا = حضرت آدم علیہ السلام کا جنت سے نکلنا، سب سے پہلا انسان جن کو خدا نے پیدا کیا ان کا نام آدم تھا جو مسجود ملائک بھی تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنی زوجہ حوا کے ساتھ جنت میں رہیں مگر ایک خاص درخت کے قریب نہ جائیں لیکن حضرت آدم شیطان کے بہکانے میں آگئے اور اس شجر ممنوعہ کا پھل کھا لیا۔ جس سے ان پر ان کی سطر ظاہر ہو گئی جب حضرت آدم کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو انھوں نے توبہ و استغفار کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ کو قبول کر کے ان کے قصور کو معاف کیا اور ان کو حکم دیا کہ وہ جنت سے نکل کر دنیا میں جا کر رہیں۔ اسرائیلی روایات کے بموجب حضرت آدم نے شجر ممنوعہ کا پھل اپنی زوجہ حضرت حوا کے ورغلانے کی وجہ سے کھایا تھا۔

خلش خار = کانٹے کی کھٹک۔

خلش غمزۂ خوں ریز = خون بہانے والے غمزے کی خلش۔

خلش بمعنی چبھن، کھٹک

کم نہیں کاوشِ مژگاں سے خلش خاروں کی
جادہ صحرا میں نہیں باڑھ ہے تلواروں کی (برق)

غمزہ بمعنی ناز، نخرہ، معشوقانہ ادا۔

خلوت کدۂ غنچۂ باغ = باغ کے خلوت کدہ میں جہاں موسم بہار کی آمد سے کلیاں کھلی ہوئی ہوں۔

خلقِ حسد قماش = ایسی مخلوق جس کی سرشت میں حسد ہے، حسد شعار لوگ۔

خمارِ تشنہ کامی = پیاس کے نشہ کا اتار۔

خمار بمعنی نشہ کا اتار، تشنہ، پیاسا، تشنہ کامی، پیاس سے تالو کا خشک ہونا۔ کام بمعنی تالو۔

خمار بمعنی نشہ کا اتار۔

شکست پائی ہے توبہ کی طرح اس نے بھی
ہمارے پاس جو لے کے سبو خمار آیا (ناسخ)

خمارِ شوقِ ساقی = ساقی کی آمد کے انتظار کے نشہ کا اتار۔

خمِ حلقۂ زنار = جنیو کے حلقہ کا خم۔

خم بمعنی جھکاؤ، جھکنا۔

زنار بمعنی جنیو ایک سوت کا تاگا جو عام طور پر اعلیٰ ذات کے ہندو پہنتے ہیں۔

لیکن یہ مقام وہ ہے ممتاز
خم ہے جسے دیکھ کر سرافراز
(مولانا سید حسن فاطر)

سے ملاقات ہوئی تھی ان کے متعلق مشہور ہے کہ انھوں نے
آبِ حیات نوش فرمایا تھا اور وہ ہمیشہ زندہ رہیں گے قرآن
کی سورہ کہف میں حضرت موسیٰ کا جن بزرگ سے مجمع البحرین
میں ملاقات کرنے کا ذکر ہے بعض مفسرین کا خیال ہے کہ وہ
حضرت خضر ہیں جنھوں نے حضرت موسیٰ کو علم و حکمت کی باتیں
بتائی تھی یہ بھی مشہور ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام ہمیشہ زندہ
رہیں گے اور وہ راستہ بھولنے والوں کو راستہ بتائیں گے۔

عمر خضر سے اس کی زیادہ ہو زندگی
دعویٰ جسے جو یار کی زلف دراز کا (آتش)

اے ذوق کسی ہمدم دیرینہ سے ملنا
بہتر ہے ملاقات مسیحا و خضر سے (ذوق)

خطِ ایاغ = خط پیمانہ، خط جام۔
خطِ پرکار = پرکار سے کھینچا ہوا خط پرکار وہ اوزار جس
سے دائرہ کھینچا جاتا ہے۔

میری گردش کو دیکھ کر پرکار
چال ہی اپنی بھول جاتی ہے (ناصر)

خطِ پرکار بمعنی وہ سبزہ خط جس سے عیاری جھلکتی ہو۔

سادہ پرکار ہیں خوباں غالب
ہم سے پیمان وفا باندھتے ہیں (غالب)

خطِ پشتِ لبِ بام = پشت لب بام کا ایک خط۔
چھت پر اُگے ہوئے سبزے کی ایک لکیر۔
خطِ پیالہ = بمعنی خط پیمانہ۔ شراب کے پیالہ پر شراب ناپنے
کی لکیر۔

یارب اس ساغر لبریز کی مے کیا ہوگی
جادۂ راہ بقا ہے خطِ پیمانہ دل (ڈاکٹر اقبال)

خطِ جام = شراب کے پیالے کی لکیر شراب کے پیمانہ پر شراب
ناپنے کے لیے جو سیدھی لکیر بنی ہوتی ہے اس کو خطِ پیمانہ
یا خطِ جام کہتے ہیں۔

یارب اس ساغر لبریز کی مے کیا ہوگی
جادۂ راہ بقا ہے خطِ پیمانہ دل (اقبال)

خطِ رخسار دوست = دوست کے عارض پر آیا ہوا سبزہ۔
خط = نیا سبزہ جو آغاز شباب پر رخساروں کے گرد ظاہر ہوتا ہے۔

عارض و خط کے یہ اشارے ہیں
یہ حسین و حسن کے پیارے ہیں (مشق)

حسن تھا اُس کا عجب عالم فریب
خط کے آنے پر بھی اک عالم رہا (میر)

خطِ ساغرِ راقم = اس منقبت کے راقم (یعنی غالب) کے
ساغر کا خط۔
راقم بمعنی رقم کرنے والا، تحریر کرنے والا۔ خط بمعنی تحریر، لکیر۔
خطِ لوحِ ازل = وہ لازوال تختی جس پر اللہ تعالیٰ نے
ازل کے دن جب کائنات کی تخلیق عمل میں آئی تھی۔
انسانوں کے تمام افعال جو ان سے سرزد ہونے والے تھے
شروع سے آخر تک لکھ دیئے گئے اور اسی پر عمل ہورہا ہے۔
خطِ نوخیز = رخسار پر نئے اُگے ہوئے سبزی مائل روئیں۔
خطیب = خطبہ دینے والا، مقرر، خطابت کرنے والا۔
جمعہ اور عیدین کی نماز میں جو شخص خطبہ دیتا ہے اس

خوابِ خوش = خوابِ شیریں، میٹھی نیند

خوابِ زلیخا = زلیخا کا خوابِ عشق۔

زلیخا عزیزِ مصر کی بیوی تھی جو حضرت یوسفؑ پر عاشق ہو گئی تھی حضرت یوسف حضرت یعقوب کے بیٹے تھے جنھوں نے خواب میں گیارہ ستاروں اور آفتاب و ماہتاب کو اپنی بارگاہ میں سجدے کرتے ہوئے دیکھا تھا۔

من از آں حسنِ روز افزوں کہ یوسف داشت دانستم
کہ عشق از پردۂ عصمت بروں آرد زلیخا را (حافظ)

خوابِ سنگین = گہری نیند، خوابِ گراں۔

خوابِ گُل = پھول کا خواب، پھول کی نیند یعنی سکوتِ گُل۔

خوبانِ دل آزار = دل کو دکھانے والے حسین، حسینانِ دل آزار۔

خوبیِ اوضاعِ ابنائے زماں = دنیا والوں کی وضع کی خوبی، اہلِ دنیا کی وضعداری کے محاسن۔

اوضاع جمع وضع بمعنی طور، طریقہ۔

ابناء جمع ابن کی ابنائے زماں بمعنی اہلِ جہاں۔

خوبیِ ہوا = ہوا کی خوبی، ہوا کی اچھائی، ہوا کی موافقت۔

خود آرا = خود کو سنوارنے والا، خود پرست۔

حسنِ بے پروا کو خود بین و خود آرا کر دیا
کیا کیا میں نے کہ اظہارِ تمنا کر دیا (حسرت موہانی)

خود آرائی = خود کو آراستہ کرنا، بناؤ سنوار، سنگار، آرائش، سجنا۔

آنکھ جھپکائی جہاں حسن خود آرائی نے
جھک کے اک سجدہ کیا چشمِ تماشائی نے (عزیز لکھنوی)

خود بیں = خود نگر، خود دار، بات کا پکا۔ اپنے وقار کو ملحوظ رکھنے والے۔

شش جہت آئینہ حیرت بنے میرے لیے
کر دیا خود بیں کسی کی خود نمائی نے مجھے (عزیز لکھنوی)

حسنِ بے پروا کو خود بین و خود آرا کر دیا
کیا کیا میں نے کہ اظہارِ تمنا کر دیا (حسرت موہانی)

خودداری ساحل = ساحل کا رکھ رکھاؤ۔

خودداری بمعنی خود کو لیے دیے رکھنا، رکھ رکھاؤ۔

؏ امتحاں ہے ترے ایثار کا خودداری کا (اقبال)

خورشیدِ جہاں تاب = دنیا کو روشن کرنے والا سورج۔

تاب بمعنی گرمی، روشنی، چمک، برداشت۔

تافتن (تابیدن) مصدر چمکنا۔

؏ پیشانیاں خورشیدِ جہاں تاب کے مانند (انیس)

خور و خواب = کھانا اور سونا۔

چھوٹے گا وطن لطفِ خور و خواب نہ ہوگا
کل رات کو اس گھر میں یہ مہتاب نہ ہوگا (عشق)

خوشا = بہت اچھا، بہت خوب۔

خوشا بخت وہ آکے دیں رنج ہم کو
نہ پوچھے کوئی شادمانی ہماری (جلال)

خوشامد طلب = خوشامد پسند کرنے والا، خوشامد چاہنے والا۔ چاپلوسی سے خوش ہونے والا۔

خوش لذایانِ چمن = چمن میں شیریں نوائی کرنے والے پرند

رندان عشق چھٹ گئے مذہب کی قید سے
کنٹھا رہا گلے میں نہ زنار رہ گیا (رند)

بےخود یہ تیری راہ میں تھے شیخ و برہمن
تسبیح گر پڑی کہیں زنار گر پڑی (رشک)

خم دستِ نوازش = کرم فرمائی کے ہاتھوں کا خم۔
دست التفات کا جھکاؤ گلے میں باہیں ڈالنے کو خم دست نوازش کہا ہے۔

خمیازۂ سیلاب = موج سیلاب، سیلاب کی انگڑائی۔

خمیازہ کھینچے ہے = انگڑائی لیتا ہے۔
خمیازہ کھینچنا بمعنی رنج اٹھانا، پشیماں ہونا، افسوس کرنا۔

رعشہ پیری ہے وہ جوش جوانی کے عوض
اپنی بدمستی کا خمیازہ نہ کیوں کر کھینچیے (آتش)

خمیازہ ہوں ساحل کا = کنارے کے نشہ کے اتار کی جمائی۔
نشہ کے اتار کے وقت شرابی جمائیاں اور انگڑائیاں لیتا ہے اس کو خمیازہ کہتے ہیں۔ ساحل کے ٹیڑھے پن کو انگڑائی سے تشبیہ دی گئی ہے۔

خمیازہ بمعنی انگڑائی، مکافات، تکلیف، پشیمانی۔

جوڑے کا معانقہ طرب خیز
خمیازہ قوس بہجت انگیز (مولانا سید حسن ناظر)

خنجر آزما = خنجر کے وار کو آزمانا مراد قتل کرنے کے لیے خنجر استعمال کرنا۔

خنجر بمعنی کٹار — ایک قسم کا چھرا۔

عاشق کا کام تیغ نگہ سے تمام ہے
خنجر نہ باندھیے مری گردن کے واسطے (رشک)

خندۂ احباب = دوستوں کی ہنسی، دوستوں کا مضحکہ اڑانا، دوستوں کا ہنسنے میں دانت نکالنا۔

خندہائے بیجا = بے محل ہنسی، بغیر سمجھے بوجھے بے موقع ہنسی پھولوں کی ہنسی کو پھولوں کا ہنسنا کہا ہے۔ چونکہ پھولوں کی ہنسی بغیر سمجھے بوجھے ہوتی ہے اس لئے پھولوں کے کھلنے کو خندہائے بےجا کہا ہے۔

خندۂ دنداں نما = ایسی ہنسی جس میں دانت دکھائی دیں مراد ہنسنا۔

خندۂ زیرلب = مسکرانا، زیرلب ہنسنا، تبسم زیرلب، کھل کر نہ ہنسنا۔

خندۂ قاتل = قاتل کی ہنسی، خندہ معشوق۔
خندہ بمعنی ہنسی، خندیدن مصدر، ہنسنا۔

خندۂ گل = پھولوں کے چٹکنے کی آواز، پھولوں کا کھلنا۔

صدائے خندۂ گل سن کے یاد آتا ہے
تمہارا خندۂ بےاختیار باتوں میں (اسیر)

خندہائے گل = پھولوں کی ہنسی۔

بلبل کے کار دبار پہ ہے خندہائے گل
کہتے ہیں جس کو عشق خلل ہے دماغ کا (غالب)

خو = عادت، خصلت، سرشت۔

ہنسی کو روک نہ ظالم مرے جنازے پر
مجھے گلہ نہیں ظالم یہی ہے خو تیری (تعشق)

دادن مصدر دینا، ستاندن مصدر لینا

دارا = ایک مشہور بادشاہ پسر داراب بادشاہ کیانی جو بارہ سال کی عمر میں بادشاہ ہوا اسفندارات کے دوسرے بیٹے سکندر سے اس کی جنگ ہوئی جس میں ایرانیوں کو شکست ہوئی۔ دارا کے مقتول ہونے کے بعد سکندر اس کی جگہ بادشاہ ہوا۔

نہ گورِ سکندر نہ ہے قبرِ دارا
مٹے نامیوں کے نشاں کیسے کیسے (امیر)

داراب = پسر بہمن ایران کا ایک مشہور بادشاہ اس کی ماں نے تخت و تاج پر قبضہ کرنے کی غرض سے جب وہ پیدا ہوا تو اس کو ایک صندوق میں رکھ کر اور اس صندوق میں بہت سے جواہرات بھر کر دریا میں ڈلوا دیا۔ ایک دھوبی نے صندوق کو نکال کر بچہ کو پالا۔ داراب بڑا ہو کر بہت بہادر اور شہسوار نکلا۔ جوان ہونے کے بعد جب اس کو اپنی اصلیت معلوم ہوئی تو اس نے گھوڑا اور اسلحہ خرید کر زمیندار کی خدمت اختیار کر لی۔ اتفاق سے رومیوں نے حملہ کر کے اس زمیندار کو ہلاک کر دیا اور جنگ چھیڑ دی اس جنگ میں داراب نے بڑی بہادری دکھائی اور ملکۂ ایران کی توجہ اور عنایت کا مستحق ہوا جو اصل میں اس کی ماں تھی، جب ملکۂ ایران کو داراب کی اصلیت معلوم ہوئی تو عذر و معذرت کے بعد اس کو ایران کے تخت پر بٹھایا۔ داراب کی شادی قیصر روم کی لڑکی سے ہوئی۔ چونکہ اس عورت کے منہ سے بدبو آتی تھی اس لیے اس سے آسودہ ہو کر باپ کے پاس بھجوا دیا اور اس سے جو لڑکا پیدا ہوا اس کا نام سکندر تھا جو فرزند قیصر روم کہلایا۔

دار و رسن = سولی اور رسی۔
دار و رسن کنایہ ہے حسین بن منصور حلاج کے سولی دیئے جانے کی طرف۔ اس کا شمار بزرگ صوفیا اور اولیا اللہ میں ہوتا ہے اس کو انا الحق کہنے کے جرم میں عباسی خلیفہ وقت کی ایما سے وزیر حامد بن عباس کے حکم سے دار پر کھینچ کر سولی دے دی گئی۔

قصۂ دار و رسن بازیٔ طفلانۂ دل
التجائے ارنی سرخیٔ افسانۂ دل (اقبال)

ہر بوالہوس کے واسطے دار و رسن کہاں
یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا

داغِ پلنگ = چیتے کا داغ، چیتے کی کھال کا سیاہ دھبہ پلنگ بمعنی چیتا جو ایک درندہ ہے، اس کی پیٹھ پر خوشنما داغ ہوتے ہیں۔

لڑنے کو ترائی میں پلنگ آتا ہے دوڑ دو
دریائے شجاعت کا نہنگ آتا ہے رو کو (انیس)

داغِ تمنائے نشاط = شادمانی کی آرزو نہ ہونے کا داغ۔
داغِ حسرتِ ہستی = زندہ رہنے کی آرزو کا داغ۔
داغِ دلِ بے درد = اس دل کا داغ جس میں درد نہ ہو، بے درد والے دل کا داغ۔
داغِ ساماں = داغ جس کا سر و سامان ہو۔
سرمایۂ داغ۔ داغ جس کی پونجی ہو۔

دربارشاہی میں شعر سنانے والے شعرا، چمن مراد دربار شاہی۔

خوفِ بد آموزیٔ عدو = رقیب کے بدگمان کرنے کا ڈر۔ بد آموزی بمعنی بری باتیں سکھانا، خیالات خراب کرنا، الٹی پلٹی پڑھانا۔ عدو بمعنی دشمن مراد رقیب۔

خونِ جگر = جگر کا خون۔

چند اشعار یہ تب نظم ہوئے دقت سے
کھایا مشتاق نے جب خونِ جگر ساری رات (مشتاق)

خونچکاں = لہو بھرا، خون میں تر۔

نہ پوچھو وحشیوں سے کیوں کھلی ہے فصد پہ فصد
یہ خونچکاں ہے حکایت زبان نشتر پر (وزیر)

لکھتے رہے جنوں کی حکایاتِ خونچکاں
ہر چند اس میں ہاتھ ہمارے قلم ہوئے (غالب)

خونچکاں کفن = خون میں ڈوبا ہوا کفن، کفن جس سے خون ٹپک رہا ہو۔ چکیدن مصدر ٹپکنا چکاں بمعنی ٹپکتا ہوا۔

خوں شدہ کشمکش حسرتِ دیدار = جس کا حسرتِ دیدار کی کشمکش میں خون ہو گیا ہو۔

خوں غلطیدہ = خوں شدہ، خون میں لوٹ پوٹ۔

(خوں غلطیدہ) غلطیدہ بمعنی لوٹا ہوا، بھرا ہوا، لوٹ پوٹ۔

غلطیدہ فصل گل کی گھٹا چشم ناز میں
روداد شب تموّج زلف دراز میں (جوش ملیح آبادی)

خونِ گرمِ دہقاں = کسان کا گرم خون۔

دہقاں بمعنی دیہہ کا رہنے والا۔ دیہاتی، کسان۔

جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہ ہو روزی
اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو (ا

خوں گشتہ = خوں شدہ، جس کا خون ہو گیا ہو۔

خوناب = خون ملا ہوا پانی، پانی ملا ہوا خون

عشق میں یہ اثر گریہ خوناب ہوا
اشک شبنم سے چمن اور بھی شاداب ہوا (ناطق لکھنو

خونِ ناب = خون کے آنسو، پانی اور لہو ملا ہوا۔

خونابہ فشانی = خالص خون کا چھڑکنا، خالص خون بہا

خوں ہے دل = دل غمگین ہے، دل رنجیدہ ہے۔

خوئے سوال = مانگنے کی عادت، سوال کرنے کی عادت، خو بمعنی عادت۔

خیابان خیاباں = خیاباں کی کثرت روش روش
خیاباں بمعنی پھولوں کی کیاری، باغ کے بیچ کا راستہ

خیالِ حُسن = صاحبِ حُسن کا تصور مراد معشوق کا تصور۔

خیالِ طرّۂ لیلا = لیلیٰ کی زلفوں کی آرائش کا خیال کرنا۔ لیلیٰ کے طرّہ کا تصور کرنا۔

خیرباد = رخصتی کلمہ دعائیہ، خدا حافظ، مع السلام فی امان اللہ، رخصت کرنا، رخصت ہونا، خیریت سے رہو۔

واسطہ ان سے ہے نہ ہے دل سے
ہم نے دونوں کو خیرباد کہی (اختر مینائی)

د

دادوستد = لین دین، حساب کتاب۔

پس پردہ خفیہ، پوشیدہ طور سے اشارے کنائے سے۔

درحقیقت۔

کس کی در پردہ شکایت ہے اثر
تم نے کیوں شکوۂ افلاک کیا (اثر لکھنوی)

درپے دیوار و در = دیوار اور دروازے کی گھاتیں۔

درپے بمعنی تعاقب میں ہونا، پیچھے پڑنا۔

میرے ہم پیشہ ہیں درپے مرے نقصانوں کے
کچھ نہیں پاتے تو مضمون چرا لیتے ہیں (رشک)

درخزینۂ راز = راز کے خزانہ کا دروازہ،

پوشیدہ خزانہ کا دروازہ۔

درخور = لائق، قابل، سزاوار، موافق۔

رزق تو درخور خواہش ہے پہنچا سبکو
مور کو دانہ ملا ہنس نے پایا گوہر (ذوق)

جاتا ہوں داغ حسرت ہستی لیے ہوے
ہوں شمع کشتہ درخور محفل نہیں رہا (غالب)

درخور عرض = لائق اظہار، ظاہر کرنے کے قابل۔

درخور عقد گہر = موتیوں کی لڑی کے قابل۔

درخور قہر و غضب = لائق عتاب، سزاوار غیض و غضب۔

درخور بمعنی لائق، سزاوار، قابل، موافق، مطابق۔

جاتا ہوں داغ حسرت ہستی لیے ہوے
ہوں شمع کشتہ درخور محفل نہیں رہا (غالب)

رزق تو درخور خواہش ہے پہنچا سبکو
مور کو دانہ ملا ہنس نے پایا گوھر (ذوق)

درخور محفل = محفل کے قابل۔

درخور بمعنی لائق، سزاوار، موافق۔

رزق تو درخور خواہش ہے پہنچا سبکو
مور کو دانہ ملا ہنس نے پایا گوھر (ذوق)

دردِ اثر بانگ حزیں = درد ناک غمگین آواز۔

دردِ اثر بمعنی درد کا اثر رکھنے والی۔

بانگ حزیں بمعنی غمگین آواز۔

درد تمہید = درد والم سے آغاز، درد سے شروعات۔

دُردتہ جام = شراب کے پیالہ کی تہ میں بیٹھی ہوئی تلچھٹ۔

دردجام، درد بمعنی تلچھٹ۔

ساقیا درد سے صاف نہیں بیٹھ گئی
شربتی ڈاک تھی یہ زیر نگیں بیٹھ گئی (امیر)

دردمند سینہ فگار = غمگین سینہ زخمی رکھنے والا۔

دُردیک ساغر غفلت = غفلت کے یک جام کی تلچھٹ۔

درس دفتر امکاں = درس کائنات۔

درس بمعنی سبق۔

درس عنوان تماشا = دیدار کی تمہید کا سبق مراد تماشا۔

درس بمعنی سبق۔ عنوان بمعنی تمہید، خاص ڈھنگ۔

بھیجے تھے خط پہلے وہ جس عنوان سے
اب تو اک مدت سے وہ عنوان بھلا رکھا (ظفر)

تماشا بمعنی دید، نظارہ، بازیچہ، کھیل، کرتب۔

اے خوشا گوش جو سنتے ہیں کہانی میری
اے خوشا چشم جو کرتی ہے تماشا تیرا (امیر)

داغِ طرف جگرِ عاشق شیدا = شیدائی عاشق کے جگر کا داغ۔

داغِ طعن بد عہدی = وعدہ خلافی کے طعنوں کا دھبہ۔

داغ عیوب برہنگی = ننگے ہونے کے عیب کا دھبہ، عیوب عیب کی جمع ہے بمعنی برائی، خرابی، نقص، برہنگی ننگا پن، عریاں ہونا، بغیر لباس کے ہونا، داغ بمعنی دھبہ۔

داغ فراق صحبت شب = رات کی محفل کی جدائی کا داغ، بزم شب کی جدائی کا زخم۔

داغِ مہ = چاند کا داغ۔

داغِ ناتمامی = ناتمام رہنے کا داغ، ناکامی کا داغ، ناتمامی کا صدمہ۔

داغِ نہاں = پوشیدہ داغ۔

داغ نہ ناصیۂ قلزم و نیل = سمندر اور دریائے نیل کی پیشانی پر داغ لگانے والا۔

داغ نہ بمعنی داغ لگانے والا۔

ناصیہ بمعنی پیشانی۔

قلزم بمعنی سمندر، دریا۔

دال = دلالت کرنے والا، دلیل۔

حال ہے ہر ایک کا وضع مصاحب سے عیاں
دال حیدر کی تواضع پر ہے خم تلوار کا (حق)

دامانِ باغباں = باغباں کا دامن مراد پھولوں سے بھرا ہوا۔

دامانِ خیالِ یار = معشوق کے تصور کا دامن۔

دامِ تمنا = تمنا کا جال، آرزو کا جال۔

دامِ خیال = خیال کا جال۔

دامِ شنیدن = دام بمعنی جال۔ شنیدن بمعنی سننا سننے کا جال بچھانا یعنی غور سے اور توجہ سے سن کر سمجھنے کی کوشش کرنا۔

دام گاہ = جال بچھانے کی جگہ مراد محفل عیش۔

دائم الحبس = حبس دوام، عمر قید، ہمیشہ کی قید۔

دبستان = مدرسہ مراد دبستان جہاں ادب سکھایا جائے، مکتب۔

میں چمن میں کیا گیا گویا دبستاں کھل گیا
بلبلیں سُن کر مرے نالے غزل خواں ہو گئیں (غالب)

دجلہ = عراق کے ایک دریا کا نام ہے جو بغداد سے ہو کر بہتا ہے مراد دریا۔

ہزار دجلہ کشیدم و تشنگی باقی است
حرارت دل ازیں آب آتشیں نہ نشست (باقر کاشی)

درِ آئینہ = آئینہ کا دروازہ۔

درازدستی قاتل = قاتل کی دور تک دسترس، قاتل کی زبردستی، قاتل کا ظلم۔ درازدستی بمعنی بے انصافی، ظلم و زیادتی۔

مطلق پتہ ملا نہ گریبانِ صبح کا
کیسی درازدستی شب ہائے تار ہے (شعور)

درپردہ = پردے کی آڑ میں، پردے میں چھپ کر۔

دشمن کے باب میں = رقیب کے بارے میں۔
رقیب کے متعلق، رقیب کی بابت دشمن بمعنی رقیب۔
باب میں بمعنی بارے متعلق۔

کب تک در امید پہ افتادہ جاں دوں
ارشاد کچھ تو کیجیے بندے کے باب میں (برق)

دشنہ = خنجر، کٹاری۔

دشنہ گردن سے خفا ہوتا تھا
سنگ بھی سر سے جدا ہوتا تھا (مومن)

دشنۂ غمزہ = غمزہ کا خنجر، ناز و انداز کا خنجر۔
دشنہ بمعنی چھوٹا خنجر، کٹاری۔

دُشنہ گردن سے خفا ہوتا تھا
سنگ بھی سر سے جدا ہوتا تھا (مومن)

غمزہ بمعنی چشم و ابرو اشارہ

دُشنۂ مژگاں = پلکوں کی کٹاری۔
دُشنہ بمعنی کٹاری۔

اس شاہ حسن نے کچھ مژگاں بھری ہوئی ہیں
غمزے نے ورغلایا شاید سپاہ کو بھی (میر)

دُشنہ و خنجر = خنجر و کٹاری۔

دشواریٔ رہ = راستہ کی دقتیں، راستہ کی دشواریاں۔

دعوائے گرفتاریٔ الفت = اسیر محبت ہونے کا دعویٰ۔

دعوت مژگاں = مژگاں کو تیر چلانے کی دعوت دینا۔

دعویِ وارستگی = آزادی کا دعویٰ، دعویٰ خود مختاری، مطلق العنانی کا ادعا۔

دفتر مدح جہاں داور = بادشاہ عالم کی مدح داور مخفف ہے دادور کا بمعنی انصاف کرنے والا۔
حاکم، عادل، خدا کا نام۔

بچائے پردہ نشینوں کو قید سے داور
چھنے نہ سر سے کسی بے گناہ کی چادر (عشق)

دفع پیکان قضا = تیر قضا کو دفع کرنا، موت کے تیر سے بچنا۔

دفینۂ گہرہائے راز = راز کے موتیوں کا دفینہ۔
دفینہ پوشیدہ جو زمین میں دفن کر کے چھپا دیا گیا ہو۔

دکان متاع نظر = حسن نظر کی دکان۔
متاع بمعنی پونجی، سامان، اسباب تجارت، اثاثہ۔
(یہ لفظ دہلی میں مؤنث اور لکھنؤ میں مذکر بولا جاتا ہے)

بلا غارت گری آتی ہے ظالم تیرے غمزے کو
متاع صبر و طاقت سب مری اک پل میں غارت کی (ظفر)

کی گہر ریزی ہمارے آبلوں نے ٹوٹ کر
تھا متاع عمر جو وقف بیاباں ہو گیا (شمیم لکھنوی)

دل آزردہ = دل غمگیں، دل غمزدہ۔
رنجیدہ دل، دکھا ہوا دل۔
آزردہ بمعنی رنجیدہ، خفا، ناراض۔

یار آزردہ ہے آتش آسماں ہے برخلاف
کون سنتا ہے ہماری آہ و زاری اندنوں (آتش)

دل آزردگاں = دل دکھے لوگ، دل شکستہ، وہ لوگ جن کے دل غمگین ہوں، رنجیدہ دل رکھنے والے۔ آزردہ خاطر، آزردہ دل لوگ۔

ع تماشا بن گئے خود ہی تماشا دیکھنے والے (مشہور)

درِ گنجینۂ گوہر = موتیوں کے خزانہ کا دروازہ، مراد محفل۔ شاعرہ شلمانہ۔

گوہر بمعنی موتی ۔ گنجینہ بمعنی خزانہ۔

درماندگی = مصیبت، پریشانی، واماندگی۔

دُرِ معنی = معنی کے موتی۔

درنگ = دیر، وقفہ، سستی، تاخیر۔

گیا ہے بھول مری بے قراریاں قاصد
درنگ اس نے جو خط کے جواب میں کی ہے (ظفر)

دروازۂ خاور = مشرق کا دروازہ۔

در ہوائے یک نگہ گرم = نگاہِ الفت کی تمنا میں۔

ہوا بمعنی خواہش ۔ نگہ گرم بمعنی محبت آمیز نظر۔

دریا آشنا = دریا کی وسعت۔

آشنا بمعنی واقف کار، پیراک، دوست، شریک حال۔

حالت بد میں نہیں کوئی کسی کا آشنا
کوچ کرجاتا ہے پیش از مرد بیمار خواب (آتش)
زورق آل نبی کے واسطے لنگر بنا
بحر توحید خدا کا آشنا پیدا ہوا (ناسخ)

دریائے بیتابی = دریائے اضطراب، بے قراری کا دریا۔

دریائے معاصی = گناہوں کا دریا معصیت کی جمع بمعنی گناہ، خطا۔

دریغ = افسوس، حسرت، غم، تامل۔

گردوں نشیں ہو خاک نشیں اے فلک دریغ (مومن)

دریغا = ہائے افسوس، آہ۔

دریغا کہ عہد جوانی گذشت
جوانی مگو زندگانی گذشت (سعدی)

دستِ تہِ سنگ آمدہ = پتھر کے نیچے آیا ہوا ہاتھ، مجبور و ناچار۔

دستگاہِ تمام = مہارت، کامل دستگاہ۔

دست گاہِ دیدۂ خونبار = چشم خوں فشاں کا کمال

دست گاہ بمعنی قدرت، مرتبہ، رسائی، مہارت، کمال، قدرت، مقدرت۔

یہ ضعف اب ہے کہ ہلنا گراں ہے قدموں کو
سبک روی میں کبھی انکو دستگاہیں تھیں (امیر)

افطار صوم کی کچھ اگر دست گاہ ہو
اس شخص کو ضرور ہے روزہ رکھا کرے (غالب)

دست مرہونِ حنا = مہندی کے ممنون منت ہاتھ یعنی ہاتھوں کی سرخی کا مہندی کا رہین منت ہونا۔

دست و جبیں = ہاتھ اور جبیں۔

دشت کا شیرازہ = شیرازہ صحرا میں شیرازہ بندش کو کہتے ہیں جس سے کتاب کے ورق تتر بتر ہونے سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔ دشت بمعنی صحرا، جنگل۔

دشمنِ ایمان و آگہی = غارت گر عقل و ایمان فہم اور دین کا دشمن۔

دشمن کام = دشمن کی مقصد برآری کرنے والا۔

سر چڑھا کر یہ بڑھایا ہے ستمگر تو نے
چوٹی کھلتے ہی اتر جاتے ہیں گیسو دل میں (راسخ عظیم آبادی)

دل ناعاقبت اندیش = انجام کو نہ سوچنے والا دل۔

دل وابستہ = دل پابند، دل مبتلا، دل مقید۔

دل ودست شنا = تیرنے کی طاقت اور حوصلہ۔
شنا بمعنی تیراک، ڈنڈ کی ورزش۔
یعنی ایسے ہاتھ جس میں تیرنے کی طاقت ہو اور ایسا
دل جس میں تیرنے کا حوصلہ ہو۔

دل ہر قطرہ = ہر قطرہ کا دل۔

دلیل سحر = صبح ہونے کا ثبوت، دلیل بمعنی ثبوت حجت۔

ہے جہاں صنعت صانع پہ دلیل
آیۃ اللہ ہے یہ بے تاویل (مرزا رسوا)

دماغ آہوے دشت تتار = تاتار کے جنگل کے ہرن
کا دماغ (جن ہرنوں کے نافہ سے مشک نکلتا ہے وہ
زیادہ تر تاتار میں پائے جاتے ہیں۔)
تاتار ترکستان میں ایک مقام (تاتار کا مخفف تتار)

سرکش نامواران حلب و مصر و تتار
مجھ سے لڑنے کا تصور نہیں کرتے زنہار
(حمید محمود آبادی)

دماغ عجز = عجز کا دماغ، مرتبۂ عجز۔

دماغ عطر پیراہن = لباس کی خوشبو کی برداشت۔
دماغ نہیں بمعنی برداشت نہیں۔ پیراہن بمعنی لباس۔

پیراہن صد چاک کفن ہووے گا اس کا
سر نیزے پہ اور خاک پہ تن ہووے اس کا (انیس)

دماغ نفریں = لعنت ملامت کرنے کا حوصلہ، برا بھلا
کہنے کی ہمت۔
نفرت بمعنی ملامت، پھٹکار، لعنت۔

بسکہ نازک ہوگئی حالت دل بیتاب کی
اب اٹھا سکتا نہیں نفریں عزیز احباب کی (مصحفی)

دماغ نہ ہونا = ناپسند ہونا، گوارا نہ ہونا، برداشت نہ ہو
سکنا، تاب نہ ہونا۔

دم ذکر = ذکر کے وقت، یاد کرتے وقت۔
دم بمعنی وقت، لمحہ۔

دم بسمل یہ کس کے خوف سے ہم پی گئے آنسو
کہ ہر زخم جگر سے خون کا دریا نکل آیا (مومن)

دم سرد = ٹھنڈی سانس، ٹھنڈی آہ۔
دم بمعنی سانس، نفس، جان۔

خوش ہوں کہ الم رہے ہمیشہ تازہ
دم لے لوں کہ دم رہے ہمیشہ تازہ
ہنس بول لیا کرتا ہوں گاہے گاہے
تا لذت غم رہے ہمیشہ تازہ (ناطق لکھنوی)

ع محشر ابھی بپا ہو دم سرد اگر بھروں (راسخ عظیم آبادی)

دم سماع = سماع کے وقت۔
سماع بمعنی سننا مراد راگ سننا، گیت سننا، گانا سننا۔

متناسب جو ہوں لحن والقاع
اس سے حاصل ہو مجھے ذوق سماع (مرزا رسوا)

دم = بمعنی سانس، دھار، شمشیر کا دم کے معنی تلوار،

آزردہ دل کو حرف یہ لانے کا لطف کیا
کرتی ہے خوں چکاں مرے لب سے گزار بات (میرؔ)

دل آشفتگاں = پریشان دل، پریشان خاطر، مراد عاشق۔
آشفتہ بمعنی پریشان۔

جمع ہیں کس قدر آشفتہ خدا خیر کرے
اس کی ہر ہر شکن زلف میں اک اک دل ہے (داغؔ)

دل اُلفت نسب = الفت سے نسبت رکھنے والا دل۔

دل بہ دل پیوستہ = دل سے دل ملنا۔
پیوستن مصدر ملنا ملانا، جوڑنا۔

دلِ بے دست افتادہ = بے دست و پا کے پڑا ہوا دل،
دل مجبور، دل ناچار، دل جس کے ہاتھ پاؤں کٹ گئے ہوں۔

دلِ بے ہوائے گُل = گُل کی آرزو کے بغیر دل
ہوا بمعنی خواہش، آرزو، تمنا، محبت، عشق۔

عاشق کے سر کے ساتھ ہے سودائے کوئے یار
مومن نہ تھا وہ جس کو ہوائے جناں نہ تھی (آتشؔ)

پھر تیری ہوا کا دم بھرا تو
جی کو ہوا بتائیں گے ہم (مومنؔ)

دل پذیر = دل پسند، دل کو لبھانے والی۔

زباں تا بود در دہاں جائے گیر
ثنائے محمد بود دل پذیر (سعدیؔ)

آہو شکار و تیر کماں دار و شیر گیر
ہشیار و خوش نگاہ و سخن سنج و دلپذیر (انیسؔ)

دل پروانہ چراغاں = پروانوں کے دل شمل چراغاں روشن ہوا۔

دل حسرت پرست = حسرتوں کی پرستش کرنے والا، وہ
دل جسے حسرتوں سے عشق ہو۔

دل حسرت زدہ = حسرت و ارمان کا مارا ہوا دل۔

دل حق شناس = حق پہچاننے والا دل۔

دل دردمند = دل غمخوار، ہمدرد دل، شریک غم،
دلِ غمگیں، ملول دل۔

مایوس ہر طرف سے دل دردمند ہے
دو بھر مجھے بھی یار کو بھی ناپسند ہے (جلالؔ)

دل شوریدہ = پریشان دل، دیوانہ۔
شوریدن مصدر شور کرنا، برہم ہونا، ٹکرانا۔

دل فریبیٔ انداز نقش پا = نقش قدم کے ناز و انداز کی
دلکشی، دل کو فریب دینے والا، دل کو سنبھالنے والا۔

طبقے زمیں کے ہوں کہ ورق آسماں کے
قدرت کے دل فریب رسالوں کو دیکھئے (عزیز لکھنوی)

دل کشا = دل کو کھولنے والا، دل کو خوش کرنے والا۔
کھلا ہوا، وسیع، کشادہ دل، شگفتہ۔

کس کو صیاد ہے ہوائے چمن
ہے قفس باغِ دل کشا میرا (اسیرؔ)

دل گداختہ = پگھلا ہوا دل، دل جو رنج والم سے پگھلا
ہوا ہو، دل دردمند۔

دل محیط گریہ = دل گریہ سے گھرا ہوا، دل آنسوؤں میں
ڈوبا ہوا۔

دل میں اتر جانا = دلنشیں ہو جانا، دل میں سما جانا۔

کو دل میں پیوست کر دینا۔

افشردن مصدر نچوڑنا، گڑونا۔

دنداں بہ دل چگونہ فشارم کہ می شود

لب باز کردنت پر پروانہ بوسہ را (صائب)

دہانِ زخم = زخم کا منھ، لبِ زخم۔

دہان بمعنی سوراخ، منھ، دہن۔

یار سے رہتی ہیں باتیں پر نظر آتا نہیں

دیکھنا اب آنکھ سے بہتر دہاں ہو جائیگا (وزیر)

ڈھول دھپا = دھینگا مستی۔

دی = گذرا ہوا کل، دی روز۔

دے = ایک فارسی مہینے کا نام۔

یہ شمسی سال کے دسویں مہینہ کا نام ہے یا بہت زیادہ

کڑاکے کے جاڑے پڑنے کا مہینہ ہوتا ہے۔

اٹھ گیا بہمن و دے کا چمنستاں سے عمل

تیغ اردی نے کیا ملک خزاں مستاصل (سودا)

دیداں = دود کی جمع الجمع بمعنی کیڑے۔

دنداں = دانت۔

بعض شارحین نے دیداں کے بجائے دنداں پڑھا ہے۔

دیدۂ اختر = ستاروں کی آنکھ۔

دیدۂ بے خواب = نہ سو سکنے والی آنکھ، ایسی آنکھ جس

میں نیند نہ ہو۔

دیدۂ بینا = دیکھنے والی آنکھ

گر گزیند سرمہ بر خاکِ درش مژگاں چو باز

چنگل اندازد بزاغ دیدۂ بینائے من (عرفی)

دیدۂ پرخوں = خون سے بھری ہوئی آنکھیں، چشم خوں آلود۔

دیدۂ خونبار = خون رونے والی آنکھیں۔ وہ آنکھ جس

سے خون کے آنسو نکلیں۔

خوں بار بمعنی خون برسانا، خون کی بارش کرنا۔

دیدۂ خوں نابہ فشاں = خون چھڑکنے والی آنکھیں۔

ایسی آنکھیں جو خون روئیں۔ خوں ناب۔ خون کے آنسو،

خون اور پانی ملا ہوا، اشک خونیں۔

خونابہ یوں بہانہ مری چشم سے کبھو (میر)

فارسی میں خونابہ استعمال ہوتا ہے۔

دیدۂ عبرت نگاہ = عبرت کی نگاہ سے دیکھنے والی آنکھ

نصیحت حاصل کرنے کی نظر رکھنے والی آنکھ۔

دیدۂ نخچیر = صحرائی جانور کی آنکھیں، شکار کی آنکھیں۔

مرتا ہوں یوں کہ بستۂ فتراک کیوں نہیں

میں ہوں وہی کہ تم جسے نخچیر کر چکے (اثر)

دیدۂ یعقوب = یعقوب کی آنکھ، حضرت یعقوب ایک پیغمبر

تھے جو حضرت اسحٰق کے فرزند تھے ان کا دوسرا نام اسرائیل

تھا۔ ان کی اولاد بنی اسرائیل کہلاتی ہے حضرت یوسفؑ

حضرت یعقوبؑ ہی کے فرزند تھے جن کی جدائی میں حضرت

یعقوب کہا جاتا ہے اس قدر روئے تھے کہ ان کی آنکھوں کی

سیاہی بہ گئی تھی اور صرف سفیدی باقی رہ گئی تھی اور

روتے روتے آنکھیں بے نور ہو گئیں تھیں۔

کی دھار یا تلوار کی جان۔

دم بلبل اسیر کا تن سے نکل گیا
جھونکا نسیم کا جو یہی سن سے نکل گیا (ناسخ)

دواخانۂ ازل = ازل کا دواخانہ۔

دوامِ کُلفتِ خاطر = مستقل دل کا ملال، دوام، ہمیشہ، ہمیشگی، مدام۔

یوں ہی سمجھو دوام خلقت کا
محض بہتان ہے قیامت کا (ناسخ)

دوچار = مقابل، سامنا، ملاقات۔

عازم کوئے گُل عذار ہوئے
جا کے اس شوخ سے دوچار ہوئے (مرزا سودا)

دُودِ چراغ = چراغ کا دھواں۔

دود بمعنی دھواں، بھاپ، دُخان۔

میرے مزار پر جو پڑا پاؤں غیر کا
جائے غبار خاک سے دود جگر اٹھا (اسیر)

دُودِ چراغِ کُشتہ = بجھے ہوئے چراغ کا دھواں۔

دود بمعنی دھواں۔ چراغ کشتہ بمعنی بجھا ہوا چراغ۔

دُودِ چراغِ محفل = محفل میں جلنے والے چراغ کا دھواں۔

دود بمعنی دھواں۔

دُودِ شعلۂ آواز = آواز کے شعلہ کا دھواں۔

دودِ شمعِ کُشتہ = بجھی ہوئی شمع کا دھواں۔

بجھی ہوئی شمع کا دھواں ہوں اور اپنے مرکز پہ جا رہا ہوں
کہ دل کی ہستی تو مٹ چکی ہے اب اپنی ہستی مٹا رہا ہوں
(ساحل لکھنوی)

دورِ قدح = دورِ جام، گردش پیمانہ، مراد شراب کا بعد ٹھہر ٹھہر کے نوش کرنا۔

دوستدارِ دشمن = رقیب کا بھلا چاہنے والا، رقیب کو دوست رکھنے والا، دشمن کا خیر خواہ۔

دوش = کاندھا، مونڈھا۔

تیرے کوچے سے بڑھے گا نہ جنازہ میلر
بعد مردن نہ دیا تو نے اگر دوش مجھے (اللہ)

ع وہی سر وبال ہے دوش پر جو کبھی تمہارے زانوے یار پر (فانی بدایونی)

دوش بمعنی گذری ہوئی رات۔

فکرِ فردا نہ کروں محوِ غم دوش رہوں
ہم نوا میں بھی کوئی گُل ہوں کہ خاموش رہوں (اقبال)

دوشِ پیمبر = دوشِ نبی، رسول کا کاندھا، فتح مکہ کے بعد حضرت علی نے رسول اللہ کے دوش مبارک پر کھڑے ہو کر ان بتوں کو توڑا جو کفار مکہ نے کعبہ میں نصب کر رکھے تھے۔ اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

دو عالم کا فشار = دونوں عالم کو بھینچ لینا، دونوں عالم کو سخت گرفت میں لے لینا، دونوں عالم کے غم بھول جانا۔

فشار بمعنی بھینچنا، نچوڑنا۔

شد از فشارِ گردوں ہوئے سفید و سرزد
شیرے کہ خوردہ بودم در روزگارِ طفلی (صائب)

کسی کو میں نے دبوچا کنار میں نہ کبھی
ہوا ہے گور میں کس واسطے فشار مجھے (ناسخ)

دردِ دل افشردن = دل میں دانت گڑا دینا، دانتوں

ردّ بمعنی بیکار کرنا ، ناکام کرنا ، واپس کرنا ، پھیر دینا

قدح بمعنی شراب، جام ، پیالہ ۔

ہاتھوں میں یار کے نہیں ساغر شراب کا
دستِ مسیح میں ہے قدح آفتاب کا (آتش)

اردو میں ردّ و قدح کا محاورہ بھی بحث و حجت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے ۔

پسند منکر ناداں سے ہے خطاب کسے
ہے ردّ و قدح کی یاں عادت خراب کسے (اوج)

رزق ہم = ایک دوسرے کا رزق ، ہم رزق ، ہم رزق ہونا سے مراد ایک دوسرے کو کھا جانا ۔

رزق بمعنی روزی ، خوراک ، کھانا ۔

واہ کیا رحمت رزّاق ہے ماشاءاللہ
بیشیٔ جرم سے کم رزق مقرر نہ ہوا (اسیر)

رسائی انجام = انجام کی رسائی ۔

رسائی بمعنی پہونچ ، باریابی ، تاثیر

یار سے وعدہ وفائی کی امید
اپنی آہوں سے رسائی کی امید (مرزا رسوا)

ایسی رسائی کیجئے پیدا کہ کھینچ کر
خلوت میں انجمن سے ہمیں یار لے چلے (آتش)

رستخیز اندازہ = قیامت کی طرح ، قیامت کی کیفیت پیدا کرنے والا ۔ رستخیز (رستاخیز) مرکب ہے رست بمعنی آزاد' چھوٹ ۔ رستن مصدر سے بمعنی چھوٹنا اور خیز سے بمعنی اٹھا خاستن مصدر سے بمعنی اٹھنا کنایہ ہے قیامت ۔

میدان رستخیز بڑا فتنہ زار ہے
وعدہ وہاں وفا ہو کسے اعتبار ہے (آسی جونپوری)

رسوائی اندازِ استغنائے حسن = حسن کی بے نیازی کی شان کی رسوائی ۔

رُسوم و قیود = ریت و رواج اور پابندیاں ۔

رسم کی جمع رسوم بمعنی رواج ، ریت ، طریقے ۔

قید کی جمع قیود بمعنی پابندی ۔

رشتہ = تاگہ ، دھاگا ، لگاؤ ، تعلق ، سلسلہ ۔

ایک شب جو تیری محفل میں نہ پائے بار شمع
صبح ہوتے ہوتے ہو مانند رشتہ زار شمع (ناسخ)

ایک رشتہ ہے لزوم ذہنی
جس کے تابع ہیں رسوم ذہنی (مرزا رسوا)

تار ایک ہی ہے سبحہ و زنّار کا امیر
اسلام و کفر میں بھی ہے رشتہ قریب کا (امیر مینائی)

رشک سوال و جواب = سوال و جواب کرنے کا رشک

رشک بمعنی جلن ، حسد ، دوسروں کی اچھائی حاصل کرنے کی خواہش ۔

رشک کے مارے رقیب رو سیہ ہوتے ہیں فیج
چلتے ہیں کوچے میں اس کے صورت شمشیر ہم (حیا لکھنوی)

کیا رشک عرشیوں کی مجھے پائگاہ کا
زائر ہوں آستان حبیب الٰہ کا (سالک دہلوی)

رشتۂ شیرازۂ مژگاں = مژگان شیرازہ کا رشتہ ۔

رشتہ بمعنی تاگا ، دھاگا ، ڈورا ، قرابت ' عزیزداری ۔

ربط باہم سلسلہ جنبانِ کیفیت ہوا
دیکھ کر دامن مجھے آیا گریباں کا خیال (مؤلف)

نہانی بمعنی پنہاں، پوشیدہ، مخفی۔

تاک سوز و غم ہائے نہانی دیکھتے جاؤ
بھڑک اٹھی ہے شمعِ زندگانی دیکھتے جاؤ (فانی بدایونی)

رحمت عام = خدا کا لطف عام، خدا کا فیض عام۔

رحمت بمعنی اللہ کا کرم، اللہ کی مہربانی۔

مریضِ عشق پر رحمت خدا کی
مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی (میر)

رخسار رہینِ غازہ = عارض گل گوں (پوڈر) کے محتاج
چہرہ غازہ کا زیر بار احسان، رخسار گلگوں کے پابند

رخسار بمعنی گال، عارض۔

میں باغ میں ہوں طالب دیدار کسی کا
گل پر ہے نظر دھیان میں رخسار کسی کا (مصحفی)

رہین بمعنی گروی، رہن رکھا ہوا، زیر بار۔

رہینِ منّتِ برقِ بلا ہوں
کہ یہ شمعِ مزارِ بےکساں ہے (رشک)

رخشِ سبک عناں = تیز رفتار گھوڑا۔

سبک عناں بمعنی سبک گام۔

ایں قامتِ خمیدہ و عمر سبک عناں
تیر کشادہ و کمان کشیدہ است (مرزا صائب)

عزم سبک عناں تو در جنبش آورد
ایں پائدار مرکز عالی مدار ہم (حافظ شیرازی)

رخشِ عمر = عمر کا گھوڑا، توسن عمر۔
رخش بمعنی گھوڑا۔

پیدا ہو جس سے رخش کسی شہسوار کا
آنکھوں کو انتظار رہا اس غبار کا (اللہ)

رخش کے لغوی معنی سفید و سرخ ملے ہوئے کے ہیں چونکہ
ایران کے مشہور پہلوان کے گھوڑے کا رنگ سفید اور سرخ تھا
اس لیے اس کو رخش کہتے تھے پھر ہر گھوڑے کو رخش کہا جانے لگا۔

رخصت = اجازت۔

رخصت ہے باغباں! کہ ٹک دیکھ لیں چمن
جاتے ہیں وہاں جہاں سے پھر آیا نہ جائے گا (سودا)

رخصت بیباکی و گستاخی = گستاخی کرنے اور نڈر ہو
جانے کی اجازت۔ رخصت بمعنی اجازت۔

بے باکی بمعنی نڈر ہونا، بے خوف ہونا، بے جھجک ہونا۔

گستاخی بمعنی بے ادبی، شوخی۔

رخصتِ نالہ = نالہ کرنے کی اجازت، گریہ و زاری
کی اجازت۔

ردِ سحر = جادو کا توڑ، جادو کے اثر کو زائل کرنے کا عمل
جادو کے اثر کو پلٹا دینا۔ ردّ بمعنی پلٹا دینا، پھیر دینا،
واپس کرنا، باطل کرنا، ناکام کرنا، بیکار۔

قتل پران کے ستمگار تو کد کرتے تھے
پر یہ کس خوبی سے ہر وار کو رد کرتے تھے (انیس)

ردّ قدح = قدح کو رد کرنا، شراب کے پیالہ کو واپس کرنا،
انکار کرنا، شراب سے گریز کرنا۔

ہمیشہ ہم نے گریباں کو چاک چاک کیا
تمام عمر رفوگر رہے رفو کرتے (آتش)

رقم آموزِ عبارات قلیل = کم الفاظ تحریر کرنے والا۔
رقم بمعنی تحریر، لکھنا۔

دل مایوس میں جب دردوالم ہوتا ہے
نگہ یاس سے چہرے پہ رقم ہوتا ہے (مولف)

آموختن مصدر سیکھنا، سکھانا آموز بمعنی سکھانیوالا، سیکھنے والا۔

رقم بندگی حضرت جبرئیل امین = حضرت جبرئیل امیں کے سجدوں کے نشانات۔

رقم بمعنی نشان، مہر۔

رقم ہونا = تحریر ہونا، لکھا جانا۔

دل مایوس میں جب دردوالم ہوتا ہے
نگہ یاس سے چہرے پہ رقم ہوتا ہے (مولف)

ع- رقم ہو نام میرا دفتر غلمان داور میں (دبیر)

رقیب سروساماں = سازو سامان کا دشمن۔
رقیب بمعنی دشمن، مخالف۔

رکاب = لوہے کے بنے ہوئے پاؤں رکھنے کے حلقے جو گھوڑے کی زین کے دونوں طرف لٹکتے رہتے ہیں اور جس میں پاؤں رکھ کر گھوڑے کی سواری کی جاتی ہے۔

جھکائے سر کو رسول جلیل روتے تھے
رکاب تھامے ہوئے جبرئیل روتے تھے (عشق)

رگ تاک = انگور کی رگ۔ رگ بمعنی نس مراد انگور کی بیل کی رگیں۔

رگِ جاں = گردن کی بڑی رگ جو دوسری تمام رگوں کو خون پہونچاتی ہے، شہ رگ۔

پتلی کی طرح نظر سے مستور ہے تو
آنکھیں جسے ڈھونڈتی ہے وہ نور ہے تو
نزدیک رگ جاں ہے اُس پر یہ بُعد
اللہ اللہ کس قدر دور ہے تو (انیس)

رگ لیلیٰ = لیلیٰ کی رگ۔

رگ وپے = رگ پٹھا، سارا جسم۔

نشہ دوڑا جو رگ وپے میں ہمارے ساقی
نظر آنے لگے وہ عرش کے تارے ساقی (صفی لکھنوی)

ہر رگ وپے میں کس لیے ایک نئی امنگ ہے
دامن آرزو سمٹ صحن زمانہ تنگ ہے۔ (ثاقب لکھنوی)

رگ ہر خار = ہر کانٹے کی رگ۔

رم = بھاگنا، ہرن کا وحشت سے تیزی سے بھاگنا، تیز رفتاری۔

رام کس طرح کرے گا کوئی صیاد اسے
اپنے سائے سے بھی رم کرتا ہے آہو اپنا (زند لکھنوی)

کیا کروں مدح تیرے اسپ کی اے شاہ سوار
شیر کی آنکھ ہے رم آہوئے صحرائی کا (امیر)

رنج بالیں = تکیے کے لیے رنج کا سبب تکیے کے لیے تکلیف دہ تکیہ کو ایذا پہونچانے والا۔

رنج رہ کیوں کھینچیے = راستے کی تکلیفیں کیوں اٹھایئے۔

سب ہوں دُر یکتا نہ علاقہ ہو کسی سے
ندر انکی یہ ہوں گے جنھیں رشتہ ہے نبی سے (انیسؔ)

ایک شب جو تیری محفل میں نہ پلے بار شمع
صبح ہوتے ہوتے ہو مانند رشتہ زار شمع (ناسخؔ)

شیرازہ بمعنی تاگا یا فیتہ جو کتاب کی جزبندی کے بعد پشتے کے دونوں طرف سلائی کے مضبوط رہنے کے لیے لگایا جاتا ہے۔

صرف شیرازہ جو ہوا ایثار
ہے رگِ جانِ عاشقاں زار (سوداؔ)

رشتۂ فیضِ ازل = فیض ازل کا تاگا،
ازل بمعنی زمانہ جس کی کوئی ابتدا نہ ہو، آغاز خلقت کا زمانہ۔

ازل میں تو بھی تھا جب دور میں جام شراب آیا
وگرنہ نور یہ تجھ میں کہاں سے آفتاب آیا۔ (ناطق لکھنوی)

رشتۂ گوہر = وہ دھاگہ جس میں موتی پروئے ہوئے ہوتے ہوں۔ رشتہ بمعنی ڈورا، قرابت۔

سب ہوں دریکتا نہ علاقہ ہو کسی سے
ندر انکی یہ ہوں گے جنھیں رشتہ ہے نبی سے (انیسؔ)

رشتۂ ہر شمع = ہر شمع کا تاگا۔
رشتۂ شمع = موم بتی (شمع) کا تاگا جو جل کر روشنی دیتا ہے۔
شمع کی بتی۔ رشتہ بمعنی تاگا (جو موم بتی میں جل کر روشنی دیتا ہے)

ایک شب جو تیری محفل میں نہ پلے بار شمع
صبح ہوتے ہوتے ہو مانند رشتہ زار شمع (ناسخؔ)

رعنائی خیال = رنگینیٔ خیال، خیال کی شوخی۔
رعنائی بمعنی زیبائی، مراد حسن۔

مصرعِ سرو میں لاکھوں ہی نکالوں شاخیں
باندھوں مضموں جو قدِ یار کی رعنائی کا (آتشؔ)

رفتارِ عمر = عمر کی رفتار، عمر کا گذرنا، عمر کا بسر ہونا۔
رفتار بمعنی چال، چلنے کا انداز۔

پیدا نہ ہو زمیں سے نیا آسماں کہیں
دل کانپتا ہے آپ کی رفتار دیکھ کر (یگانہ چنگیزی)

رفتارِ قلم = قلم کی رفتار۔
رفتۂ رفتارِ دوست = معشوق کی چال کا شیدائی، محبوب کی رفتار کا دیوانہ۔
رفتہ بمعنی وارفتہ، بےخود، عاشق۔

وہ چلیں کیونکر مری میت کے ساتھ
جانتے ہیں رفتہ ہے رفتار کا (جلالؔ)

رفعتِ ہمتِ صد عارف = سو عارفوں کے ہمت کی بلندی،
عارف بمعنی پہچاننے والا مراد خدا شناس۔
رفعت بمعنی بلندی، اونچائی۔

کبھی طاعت میں ملک سے بھی سوا
کبھی رفعت میں فلک سے بھی سوا (مرزا سوداؔ)

رفوئے زخم = زخموں پر رفو کرانا، زخموں میں ٹانکے لگوانا۔
رفو بمعنی سوئی سے اس طرح تاگے بھرنا کہ کپڑے کی بناوٹ سے مل جائے اور سلائی کا عیب ظاہر نہ ہو۔

مصحفی ہم تو یہ سمجھے تھے کہ ہوگا کوئی زخم
تیرے دل میں تو بڑا کام رفو کا نکلا۔ (مصحفیؔ)

وہ خاک ار محو تضرّع تھے فرش پر
روح القدس کی طرح دعائیں تھیں عرش پر (انیس)

روح نباتی = قوت نامیہ، روح بالیدگی۔

روداد چمن = چمن کی سرگذشت، چمن کے واقعات، چمن کے حالات۔

روداد (رویداد) بمعنی ماجرا، احوال، کیفیت، سرگذشت۔

سر پھوڑنے کو ہم تھے جو فرہاد نے چھوڑا
روداد ہماری ہوئی روداد کسی کی (اشرف)

روز بازار جاں سپاری = جان سپرد کرنے کا بازار، جان نچھاور کرنے کی گرم بازاری۔

روز بازار بمعنی گرمی بازار، بازار لگنے کا دن۔

دیہات میں ضرورت کی چیزیں روزانہ نہیں ملتی ہیں، اس لیے ہفتہ میں ایک یا دو دن بازار لگتا ہے اس کو روز بازار یا بازار کا دن کہتے ہیں۔ اس روز خوب زوروں پر خریداریاں ہوتی ہیں۔

روزن دیوار زنداں = قیدخانہ کی دیوار کا جھروکہ۔

روزن بمعنی جھروکہ، زندان بمعنی محبس، قیدخانہ، جیل۔

ہمدسے اپنے روزن دیوار کر دیتا ہے بند
اُن سے اشبہ جو ہمارے دیدۂ بیدار ہیں (ناسخ)

روسیاہ = کالامنھ، گنہگار، خطاکار۔

احسان خوف پرسش روز جزا کے ہیں
رنگت سفید ہو گئی مجھ روسیاہ کی (جلال)

روش خاص = خاص روش، خاص راستہ خصوصی راہ۔

خاص چال، خاص طرح کی رفتار

اس روش سے وہ چلے گلشن میں
بچھ گئے پھول صبا لوٹ گئی (امیر مینائی)

روشناس = صورت آشنا، جان پہچان والا، واقف کار۔

شادی ہے آگیا جو کبھی کوئی روشناس
دن کٹ گیا تو شب کو بڑھا اور بھی ہراس (تعشق)

روشناس ثوابت و سیار = ساری دنیا میں متعارف۔

ثوابت وہ ستارے جو ایک جگہ پر قائم رہتے ہیں اور گردش نہیں کرتے۔ سیار وہ ستارے جو گردش کرتے ہیں۔

روشناس خلق = تمام دنیا سے روشناس، تمام دنیا میں متعارف، جس کو دنیا بھر کے لوگ پہچانتے ہوں۔

روشناس بمعنی جان پہچان۔

دل نے ہم کو مثال آئینہ
ایک عالم سے روشناس کیا (میر)

روشناسی = ملاقات، باریابی، واقف کاری، روشناس ہونا۔

روکش خورشید عالم تاب = ساری دنیا کو روشن کرنے والے سورج کا حریف۔

روکش بمعنی رعنائی و زیبائی اور حسن و جمال میں متقابل۔

روکش اس کا ہو کیا گل فردوس
وہ نزاکت وہ رنگ وہ بو ہی نہیں (داغ دہلوی)

روکش سطح چرخ مینائی = نیلے آسمان کی سطح کے مقابل، مدمقابل۔ روکش بمعنی، روبرو۔

رنج کھینچنا بمعنی صدمہ برداشت کرنا۔

مرض الموت محبت ہے نہ ہوگا جاں بر
رنج بیہودہ عبث لے مرے غمخوار نہ کھینچ (زند)

رنج گراں باری زنجیر = زنجیر کے وزنی ہونے کی تکلیف۔
رنج بمعنی تکلیف، زحمت، مشقت۔

الٰہی ہم کو آئے یا ہمارے دل کو موت آئے
کہ بیماری سے بدتر رنج ہے بیمارداری کا (اسیر)

رنج نومیدیٔ جاوید = دائمی نا امیدی کا دکھ۔
رنج بمعنی تکلیف، دکھ۔ نومیدی بمعنی نا امیدی،
مایوسی۔ جاوید بمعنی ہمیشہ، دائم۔

نہایت ماندگی کا رنج اٹھایا
نشانِ منزلِ مقصد نہ پایا (منیر)

رندانِ درِ مے کدہ = شراب خانہ میں شراب پینے والے۔

رندِ شاہد باز = معشوق باز مے نوش، حسن پرست میخوار۔
رند بمعنی شرابی، آزاد مے کش
شاہد باز بمعنی حسینوں سے محبت رکھنے والا، حسن پرست،
حسینوں سے رغبت رکھنے والا۔

رنگ ادائے گل = پھولوں کی ادا کا رنگ، پھول کے
حسن کی رنگینی۔

رنگا رنگ = رنگ برنگ کی، قسم قسم کی، طرح طرح کی،
دلچسپ، طرح طرح کی رنگینیاں۔

سر پہ ہے یہ فلک مینا رنگ
زیر پا سطح زمیں رنگا رنگ (مرزا رسوا)

رنگ تماشا باختن = تماشے کی رنگینیوں میں کھو جانا۔

رنگ تمکین گل ولالہ = گل ولالہ کی خودداری کا رنگ۔

رنگ شکستہ = اڑا ہوا رنگ، منہ پر ہوائیاں اڑنا۔

رہنے نہ دے اثر مرے رنگ شکستہ کا
مانی بھرے شبیہ میں گر لاکھ بار رنگ

رنگیں نوائی = خوش الحانی، شیریں نوائی، خوش نوائی۔

رواں = جاری، چلتا ہوا، جان، تیز،

گلزار میں چلے تو نسیم سحر بنے
ہو کے رواں جو بحر میں بہنے گہر بنے (مہذب)

کوئی تو لمبی داڑھی لیے ہوگیا رواں
مونچھیں بھنویں تلک کوئی منڈوا کے مر گیا (نظیر)

روانیٔ آغاز = آغاز کی روانی، شروعات، جب سے
ابتدا ہوئی۔

روانیٔ روش = چال کی روانی مراد خوش خرامی،
چال کی تیزی، تیز رفتاری۔

روبکار = پیش، مقدمہ کی سماعت کی تاریخ، سامنا۔

جاتا ہے بار بار عدالت میں کیوں اسیر
شاید مقدمہ ہے ترا روبکار کچھ (اسیر)

روبکاری = پیشی، عدالت میں پیش ہونے کا دن،
مقدمے کی سماعت، مقدمے کی کارروائی۔

روحُ القدس = وہ روح جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام
پر نازل ہوئی تھی۔ جبرئیلؑ۔

رہ ورسمِ ثواب = ثواب حاصل کرنے کے طور طریقے

مراد عبادت۔

رہین = گروی، رکھی ہوئی چیز مراد منا ہن، ذمہ دار۔

رہین منت برق بلا ہوں

کہ یہ شمع مزارِ بے کساں ہے (رشک)

رہینِ ستم ہائے روزگار = زمانہ کے مصائب میں مبتلا،

دنیا کی مصیبتوں میں گرفتار۔

رہین بمعنی گروی رکھی ہوئی چیز۔

رہینِ سخن = رہین فکرِ سخن، فکرِ سخن کا مرہون منت

رہینِ شعر گوئی۔

ریاضت = عبادت، محنت، مشقت۔

حق تعالیٰ چمن خلد میں گھر دے بھائی

اس ریاضت کا خدا تجھ کو ثمر دے بھائی (انیس)

ریزشِ سجدۂ جبینِ نیاز = نیازمند پیشانی کے

سجدوں کی ریزش۔

ریزۂ الماس = ہیرے کا ٹکڑا، ہیرے کی کرچ۔

ریزۂ شیشۂ مے = شراب کی بوتل کی کرچیں۔

ریشہ = نس، رگ، بھوسڑا، بھجڑا، دھاگہ۔

کس زباں سے لمعہ دندان جاناں ہو بیان

تار چاندی کا ہر اک ریشہ ہوا مسواک کا (اسیر)

ریشہ دوانی = سرایت کرنا، شرارت کرنا، سازش کرنا،

فساد پھیلانا، سرانگیزی پھیلانا۔

مجنوں کے سوز غم نے ریشہ دوانیاں کیں

دو لکڑیاں رگڑ کر لگتی ہے آگ بن میں

(قلق بلگرامی)

ریشگی = خلش۔

ریشہ صد نیستاں = سیکڑوں نیستانوں کے ریشے، صدہا

نیستانوں کی رگیں۔

ریشہ بمعنی درخت کی آگ۔

کس زباں سے لمعہ دندانِ جاناں ہو بیاں

تار چاندی کا ہر اک ریشہ ہوا مسواک کا (اسیر)

ریشۂ نارنج صفت = نارنج کے ریشہ کی طرح نارنگی

کے ریشے کی مانند۔

ریو وریا = چاپلوسی اور نمائش۔

ریو بمعنی دکھاوٹ، ریاکاری بمعنی نمود و نمائش۔

خط لے کے وہ بشر کو اڑا دیو

پہونچا حمالہ پاس لے ریو (گلزار نسیم)

ریا بمعنی ظاہرداری، نمود و نمائش، دنیاسازی۔

طاعت میں ریا جو تجھ سے ناشی ہوگی

پرسش میں غضب کی جان خراشی ہوگی (رشک)

ز

زانو تامل = فکر میں سر بہ زانو۔

زانوے فکر اختراع جلوہ = نئے نئے جلوے دکھلانے

کی فکر میں غرق جلوہ دکھلانے کے نئے نئے انداز اختراع

کرنے کی فکر میں سر بہ زانو۔

ہے روکش آفتاب ذرّہ بلا ذریعہ و بے وسیلہ

وہاں لگائی ہے دل نے جہاں مجال نظر نہیں (ناطق لکھنوی)

مینا سبز رنگ کے پتھر کا سیاہ جوہر، نیلگوں سبز رنگ، شراب کی بوتل، صراحی، مینائی نیلگوں۔

رنگ پان سے سبز سونا بن گئے کندن کے گلے

مبتذل تشبیہ ہے سونے پہ مینا ہو گیا (ناسخ)

روکشی = مقابلہ، سامنا، دوبدو ہونا، منھ در منھ۔

رونقِ بزمِ مہ و مہر = چاند اور سورج کی محفل کی رونق۔

رونق کارگاہ برگ و نوا = برگ و نوا کی بارگاہ کی رونق مراد باغ کی رونق۔

رونقِ ہستی = رونق دنیا۔

ہستی بمعنی زندگی، دنیا۔

رُوئے سخن = سخن کا اشارہ، تخاطب، خطاب۔

رُوئے نگار = معشوق کا چہرہ۔

نگار۔ محبوب، نقش، بت۔

چہار چیز کہ دل می برند کدام چہار

شراب و سبزہ و آب رواں و روئے نگار (زیب النساء)

رہِ اضطراب = حالت بے قراری میں طے ہونے والا راستہ

رہام = پسرِ گودرز ایران کا مشہور عالم بہادر اور شجاع پہلوان جس نے کہ خسرو کے زمانے میں بڑی بہادری سے جنگیں لڑیں۔

بہ پنجم چو رہام گودرز بود

کہ با بارماں او نبرد آزمود (فردوسی)

رہبرِ قطرہ = قطرہ کا رہنما، قطرہ کو راستہ دکھانے والا۔

رہِ پرسش = پرسانِ حال کا ذریعہ پرسش حال کے لیے راستہ۔

رہرو راہِ خلد = جنت جانے والا، جنت کی طرف سفر کرنے والا مسافر۔

رہزن = لٹیرا، قذاق، ڈاکو۔

نہ آیا جب دلِ غربت زدہ ناصح کی چالوں میں

لباسِ رہبری پہنے ہوئے رہزن پہ کیا گذری (صفی لکھنوی)

رہزنِ تمکین و ہوش = ہوش و حواس کو لوٹ لینے والا۔

رہزن بمعنی لٹیرا، ڈاکہ ڈالنے والا۔

تمکین بمعنی جگہ دینا، جگہ پر پاؤں رکھنا، شان و شوکت رعب داب۔

آتا ہے یہ جی میں کہ کروں عرض تمنا

لیکن تری تمکین اجازت نہیں دیتی (صفی لکھنوی)

آتش نے "تمکین" مذکر نظم کیا ہے۔

تول دیکھا ہم نے میزانِ خرد میں بارہا

کوہ سے اے نازنیں بھاری ترا تمکین ہوا (آتش)

رہنِ مے = شراب کے لیے گروی۔

رہِ وادیٔ خیال = وادیٔ خیال کا راستہ۔

وادی بمعنی نشیبی ہموار زمین، میدان۔

کے پاؤں رگڑنے سے جو چشمہ پھوٹ نکلا تھا اس کو زمزم کہتے ہیں۔ اب زمزم کو مسلمان متبرک سمجھتے ہیں۔

سلام لکھتا ہوں میں حرم کے قلم سے زمزم ٹپک رہا ہے

زمزمۂ اہلِ جہاں = دنیا والوں کے نغمے، اہلِ جہاں (مونس) کی لاف زنی، دنیا والوں کی ہرزہ سرائی۔

زمزمہ بمعنی سرود، نغمہ، خوش آوازی کے ساتھ گانا

نوائے چند سے ہیں گوش آشنا جن کے
خوش آئے گا نہ انھیں زمزمہ عنادل کا (انند)

زمزمہ ساز = زمزمہ سنج، گانے والا۔

تار طنبورہ بنی آج رگِ سنگِ جفا
بے زباں زمزمہ سازی کرے موجِ زمزم (ذوق)

زمزمۂ مدحتِ شاہ = بادشاہ کی مدح سرائی کی زمزمہ سنجی۔ زمزمہ بمعنی نغمہ، خوش آوازی سے گانا، سرود۔

نوائے چند سے ہیں گوش آشنا جن کے
خوش آئے گا نہ انھیں زمزمہ عنادل کا (رند)

زمزمہ نعتِ نبی = رسول اللہ کی نعت کا نغمہ۔ نعت اس نظم کو کہتے ہیں جس میں محمد رسول اللہ کی مدح کی جائے۔

کلام نعت جو بھیجا تو اب بطور رسید
فرشتے بھیج رہے ہیں سلام اور درود (تاثر لکھنوی)

زُنّار = جنیو۔ سوت کا دھاگا جو مجوس اور اعلیٰ ذات کے ہندو گلے میں پہنتے ہیں۔

زندان عشق چھٹ گئے مذہب کی قید سے
کنٹھا رہا گلے میں نہ زنار رہ گیا۔

زنار کو مؤنث بھی نظم کرتے ہیں۔

بےخود یہ تیری راہ میں تھے شیخ و برہمن
تسبیح گر پڑی کہیں زنار گر پڑی (رشک)

زنانِ مصر = مصر کی عورتیں۔

یہ تلمیح ہے مصر کی ان عورتوں کی طرف اشارہ ہے جنھوں نے یوسفؑ پر زلیخا کی وارفتگی کا قصہ سن کر طنز کیا تھا۔ اور زلیخا نے ان سب کو جمع کر کے حضرت یوسفؑ کو ان خواتین کے سامنے پیش کیا تو وہ سب حضرت یوسفؑ کے حسن کو دیکھ کر اس قدر مبہوت ہوئیں کہ اپنے اپنے ہاتھ اُن چھریوں سے کاٹ لیے جو پہلے سے زلیخا نے ان کو پھل کاٹنے کو دے رکھی تھی۔

زینتِ جیبِ کفن = کفن کی جیب کی زیبائش۔ کفن کا وہ حصہ جو گریباں کے طور پر مردے کے سینے پر ہو اس کو جیب کفن کہتے ہیں۔

زندانی تاثیر الفت ہائے خوباں = حسینوں کی محبت کی تاثیر کا اسیر۔

زندانی بمعنی قیدی، گرفتار، اسیر۔ تاثیر بمعنی اثر۔ الفت ہائے خوباں بمعنی حسینوں کی محبت۔

زنجیرِ رسوائی = سلسلۂ بدنامی، بہت زیادہ بدنامی، مسلسل رسوائی۔

زنجیرِ موجِ آب = پانی کی لہروں کا سلسلہ۔

زبان سپاس = شکرگذاری کی زبان، شکر ادا کرنے والی زبان۔

زُبونی کشِ تاثیر = تاثیر کی احسان مندی۔

زُبونی کش بمعنی ذلت احسان مندی۔

زحمت مہر درخشاں = آفتاب کی تیزی کی تکلیف، آفتاب کی گرمی کی زحمت۔

زخم پر نمک چھڑکنا = زخم پر نمک چھڑکنے سے بڑی تکلیف ہوتی ہے اس لیے زخم پر نمک چھڑکنے کا محاورہ تکلیف پہونچانے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ مراد تکلیف میں اضافہ کرنا۔

شب فرقت میں اس کانِ ملاحت کے تصوّر نے
نمک چھڑکا ہے زخم دیدۂ بیدار پر کیا کیا
(آتش)

زخمِ تمنا کھانا = آرزو پوری نہ ہو سکنا، زخم محرومی، ناکامی کا گھاؤ۔

زخمِ تیغِ ناز = ناز وادا کی تلوار کا گھاؤ۔

زخود رفتۂ بیدائے خیال = دشت خیال کا ازخود رفتہ۔

ازخود رفتہ بمعنی آپے سے باہر۔

بیدا بمعنی دشت، صحرا، بیابان۔

زخمِ سوزن = سوئی کا زخم، سلائی کا زخم، سوئی کے چبھنے سے جو زخم آئیں۔ سوزن بمعنی سوئی۔

فصل گل باقی ہے کر لوں گا گریباں پھر چاک
آنے دو سوزن اگر بہر رفو آتی ہے
(آتش)

زر از دست رفتہ = وہ زر یا وہ دولت جو صرف ہو کر ہاتھ سے نکل چکی ہو مراد گذشتہ امارت تموّل تھی۔

زرہ امتثالِ امر = بطور تعمیل ارشاد۔

امتثال بمعنی حکم ماننا حکم بجالانا۔

ذات اقدس تابع حکم خدائے لم یزل
اہل دیں کو حکم کی ہے اس کے لازم امتثال (تسلیم)

امر بمعنی حکم، بات جمع اوامر۔

نفی اس بات سے جو ہو اثبات
امر اس کا قبول کر ہیہات (دہشت گلزار)

زعمِ جنوں = جنون کا گمان، ظنِ دیوانگی۔

زعم بمعنی گمان، ظن، غرور۔

چند باتوں پہ ہے حکمت کا مدار
اور سب زعم ہیں ان کے بیکار (مرزا سودا)

زلف پر شکن = گیسوئے خم دار، گھونگھر والے بال۔

زلف کے سر ہونے تک = زلف کے باخبر ہونے تک زلف کی مہم سر ہونے تک۔

زمزم = بیت اللہ شریف میں واقع کنویں کا نام، زمزم کا پانی۔

دعا کرتا ہے یہ کعبہ میں زمزم
خداوندا یہ طوفاں ہو کہیں کم (امیر مینائی)

جب حضرت ابراہیمؑ اپنی زوجہ ہاجرہ اور نومولود فرزند حضرت اسمٰعیلؑ کو مکہ کی وادی بے آب و گیاہ میں چھوڑ کر چلے گئے تھے اور حضرت ہاجرہ اپنی اور نومولود بچے کی پیاس بجھانے کے لیے صفا اور مروا پہاڑیوں کے درمیان چکر لگا رہی تھیں تو خدا کی قدرت سے حضرت اسمٰعیل

لیکن یہ وہ نگیں ہے کہ رہتا ہے جس سے نام
دم بھر لیے جُدا ہو تو ہے زندگی حرام
(انیس)

زینتِ طینت = طینت کے لیے باعث زینت۔
طینت بمعنی فطرت، سرشت یہ لفظ "طین" سے بنا ہے
جس کے معنی گیلی مٹی ہے انسان مٹی کا بنا ہے اس لیے
اس کے طینت کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

طینتِ آدم میں سعی اللہ کیا نشو و نما
ایک مشت خاک یوں پھیلی کہ دنیا ہو گئی (ثاقب لکھنوی)

س

سات اقلیم = ہفت اقلیم مراد کل کائنات، سارا عالم
قدیم زمانہ کے حکمانے دنیا کی تقسیم مشہور سات سیاروں
یا ان خطوط سے کی ہے جن سے ربع سکون کی چوڑائی معلوم
کی جاتی ہے۔ ان حکمانے ربع سکون کے عرض کو خط استوا
سے نوے درجہ کا اندازہ لگایا اور اس میں سے تیس
درجہ قطب شمالی کی سمت سے خارج کر کے اقالیم سبع
کا ساٹھ درجہ عرض رکھا ہے اور اسی کے موافق زمین کو
سات حصوں میں تقسیم کر دیا تھا جو ہفت اقلیم کہلاتے تھے۔

سادگی آموز بتاں = معشوق کو سادگی سکھانے والا۔
معشوق کو آرائش نہ کرنے کی تعلیم دینے والا۔

سادگی ہائے تمنا = آرزوئے وصال کی ناسمجھی۔

سادہ پرکار = سیدھے سادے ہوشیار۔
سادہ بمعنی سیدھے سادے۔
پرکار بمعنی ہوشیار، چالاک۔

سادہ دل = نادان، احمق، صاف دل، بے کپٹ،
بے کینہ، بھولا۔

وہ سادہ دل ہوں کہ تا وقت واپسیں مجھکو
جمی ہوئی ہے بتِ بے وفا کے آنے کی
(مراد آبادی)

خداوندا یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں
کہ درویشی بھی عیاری ہے سلطانی بھی عیاری
(ڈاکٹر اقبال)

سازِ انا البحر = نغمہ انا البحر۔
انا البحر = میں سمندر ہوں۔ ساز بمعنی باجا۔ انا بمعنی میں
بحر بمعنی سمندر۔

سازِ آہنگِ شکایت = شکایت کے نغمے کا ساز۔

سازِ چمن طرازیِ داماں = دامن کی گلکاری کا سامان

سازِ صدائے آب = جل ترنگ کی آواز۔
جل ترنگ = پیالیوں میں پانی بھر کر لکڑی کی چھڑی سے
بجاتے ہیں تو اس سے آہنگ پیدا ہوتی ہے۔

سازِ طالعِ ناساز = سازِ بدنصیبی، بدقسمتی کا ساز الاپنے والا۔
ساز بمعنی باجا۔ طالع بمعنی قسمت، مقدر، نصیب۔
ناساز بمعنی نادرست، ناموافق، ناسازگار۔

سازِ ہا مستِ طرب = موسیقی کے سازوں کی نشہ طرب
سے مستی۔ یعنی موسیقی کے ساز طرب کے نشہ میں مست ہیں۔

سازِ ہستی = زندگی کا ساز مراد زندگی، حیات۔
ساز بمعنی باجا۔

دل میں پنہاں حسرتوں کا راز ہونا چاہیے
ساز اس محفل کا بے آواز ہونا چاہیے
(ناطق لکھنوی)

زندگی افزا = روح افزا، زندگی بڑھانے والا۔

زنگار = سبز رنگ، زنگ، کساؤ۔ آئینہ کا میل جو سبزی مائل ہوتا ہے۔

آغاز سبزہ خط رخسار نے کیا
بے نور آئینہ ترا زنگار نے کیا (زند)

زنگار رخ آئینۂ حسن یقیں = حسن یقین کے آئینہ کا زنگار، حسن یقین کے آئینہ کا بے صیقل ہونا۔

زنہار = (زینہار) ہرگز۔
اردو میں یہ لفظ عام طور پر منفی صورت میں استعمال کیا جاتا ہے لیکن اس قطعہ میں مرزا غالب نے اثبات کے معنوں میں استعمال کیا ہے۔

زنہار اوڑھنے کی نہیں کل کی اوڑھنی
باجی مجھے منگا دو جھلا جھل کی اوڑھنی (جان صاحب)
سچ پوچھو تو اُردو کی فقط صاف زباں ہے
مضمون نہیں زنہار وہ تحریر (لاملم)

زوال آمادہ = زوال کی طرف مائل، زوال کے لیے تیار۔

زود پشیماں = جلد پچھتانے والا۔

زہر آب = زہر آلود پانی۔

پھپھولا کام اُفعی میں ہے واں اب تک جہاں ٹپکا
فلک کے جام سے یک قطرۂ زہر آب غم میرا (ذوق)

زہر غم = غم کا زہر۔

زہرہ = ایک ستارہ کا نام جس کو ناہید بھی کہتے ہیں جو تیسرے آسمان پر ہے۔

دم رقص اُس نے جو کی زلف وا
تو زہرہ اسیر سلاسل ہوئی (صبا)

زہرۂ ابر = بادل کا پتا۔ زہرہ بمعنی پتا

آنکھ قاتل کی نہ کیوں کر ہو مرے زخموں پہ
زہرہ پانی ہوا جاتا ہے نمک دانوں کا (امیر مینائی)

زہرۂ آب ہونا = پتا پانی ہوجانا، حوصلہ پست ہوجانا، دہشت زدہ ہونا۔

کہوں میں کیا کہ ہے ہمسر دل بیتاب پارے کا
اُسے تو دیکھ کر ہوتا ہے زہرہ آب پارے کا (ظفر)

زیارت کدہ = زیارت گاہ، جہاں لوگ زیارت کے لیے اکٹھا ہوں۔

زیارت گاہ حیرانی = حیرت کی زیارت گاہ۔

زیارت گاہ طفلاں = بچوں کی زیارت کرنے کی جگہ وہ جگہ جہاں کمسن لڑکے زیارت کے لیے اکٹھا ہوں۔

زیر بار منت درباں = دربان کا احسان مند۔
زیر بار منت بمعنی احسان کے بوجھ کے نیچے دبا ہوا۔ زیر بار احسان۔
دربان بمعنی سنتری، پاسبان۔

اپنے جانے کی رواداری نہ ہوتی غیر کیا
لے درِ جاناں اگر ہوتے ترے درباں ہم (رشید)

زیست حرام ہونا = زندگی حرام ہونا، زندگی تلخ ہونا۔ زندگی میں کوئی مزہ باقی نہ رہنا۔

ساکنانِ خطۂ خاک = زمین کے رہنے والے۔

ساکن بمعنی سکونت رکھنے والا، رہنے والا۔

خطّہ بمعنی ملک، سرزمین، قطعہ

آیا جو نظر وہ خطۂ پاک

ہونے لگا سُست اسپِ چالاک (مولانا عبد الرحمن قاطر)

سال = عمر کا سال مراد عمر۔

سامانِ صد ہزار نمکداں = ہزاروں نمکدانوں۔

کا انتظام

سایۂ لالۂ بے داغ = ایسے لالہ کا سایہ جس میں کوئی داغ نہ ہو۔

سُبحۂ زاہد = زاہد کی تسبیح۔

سبحہ بمعنی تسبیح

فصلِ گل میں اس قدر ہے میکشوں کا دَور دَورا

سبحہ زاہد نے بنائی دانۂ انگور کی

(ناسخ)

بعض شعراء نے سُبحہ کو مذکر نظم کیا ہے۔

ذکر کرتا ہوں کسی کی نرگسِ مخمور کا

سُبحہ میرے ہاتھ میں ہے دانہ انگور کا (اسیر)

سُبحۂ صد دانہ = سو دانوں کی تسبیح۔

سَبَدِ گُل = پھولوں کی ٹوکری جس میں پھول توڑ کر جمع کیے جائیں۔

پھولوں سے سبز سبز شجر سُرخ پوش تھے

تھالے بھی نخل کے سَبَدِ گل فروش تھے (انیس)

سَبزۂ خط = خط نمودار ہونے کی ابتدا، آغازِ خط۔

رخساروں پر بالوں کے اُگنے سے جو سبزی نمودار ہو

سبزۂ خط سے ہوا ہونے لگی سرخیٔ لب

چمنِ حُسن سے لال اُڑ گئے بن کے بہول

(محسن کاکوروی)

سبزہ زار ہائے مطرّا = تر و تازہ سبزہ زار۔

سبزہ زار بمعنی مرغزار۔ وہ جگہ جہاں سبزہ کثرت سے ہو۔

ہنستا تھا کوئی گل نہ لہکتا تھا سبزہ زار

کانٹا ہوئی تھی سوکھ کے ہر شاخ باردار (انیس)

مطرّا بمعنی شاداب، تر و تازہ۔

سبزۂ نوخیزِ مسیحا = مسیحا صفت محبوب کے چہرے پر نیا

اُگا ہوا سبزہ جس سے بالوں کا رنگ سیاہ ہو جاتا ہے۔

سبزہ نوخیز بمعنی تازہ اُگا ہوا سبزہ۔

چرخِ اوّل ہے ستاروں سے زمینِ گلشن

ہے زمیں سبزۂ نوخیز سے چرخِ اوّل

(قدر بلگرامی)

سبزۂ نہ چمن = نو آسمانوں کا سبزہ، نہ چمن مراد نو آسمان۔

سبقِ شوقِ مکرّر ہونا = سبقِ شوق کا دُہرانا، اظہارِ

شوق کا بار بار اظہار کرنا۔

سُبک = خفیف، ذلیل، ہلکا، حقیر، رسوا۔

اس تیزی سے آئے وہ سُبک بال

پیچھے رہیں کاتبانِ اعمال

(محسن)

سُبک دست = تیز دست، جلد کام کرنے والا، پھرتیلا، شاق۔

جنوں کی سبک دستیوں کی قسم

نہ چھوڑوں گا گردن پہ تارِ گریباں (ممنون)

سُبک سر = حقیر، ذلیل، کمینہ، اوچھاپن۔

سَبُو = گھڑا، مٹکا، ٹھلیا، شراب رکھنے کا برتن۔

زندگی کا ساز بھی کیا ساز ہے
بج رہا ہے اور بے آواز ہے (نامعلوم)

سازِ یک ذرّہ = ایک ذرّہ کا وجود

ساغرِ جم = جمشید کا پیالہ، جامِ جہاں نما، جم جمشید کا مخفف۔
فردوسی نے شاہنامہ میں جم کا ذکر ایران کے ایک عظیم المرتبت بادشاہ کی حیثیت سے کیا ہے مشہور ہے کہ ایران کے سائنسدانوں نے اس بادشاہ کی شراب نوشی کے لیے ایک ایسا پیالہ بنایا تھا جس میں مختلف رنگوں کی شراب نوشی کے لیے خطوط بنائے گئے تھے بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ اس پیالہ میں یہ صفت تھی کہ بادشاہ کو ساری دنیا کا حال معلوم ہو جاتا تھا اس لیے اس پیالہ کو جامِ جہاں نما بھی کہتے تھے۔

جامِ جہاں نما ہے شہنشاہ کا ضمیر
سوگند اور گواہ کی حاجت نہیں مجھے (غالب)

ساغرِ سرشارِ دوست = دوست کا ساغر لبریز دوست کے ہاتھ کا شراب سے بھرا ہوا جام۔

ساغر کشِ حال = حال کی شراب کے ساغر پیتے رہے، غفلت میں گذارتے رہے۔

ساغرِ میخانۂ نیرنگ = میخانہ طلسم کا ساغر، میخانہ گردشِ ایام کا پیمانہ۔

سافل = نیچے والا، زیر، نیچ۔

سامانِ رنگ = رنگ کا سبب۔

سامانِ طرازِ نازشِ اربابِ عجز = عشاق کے فخر و غرور کا سامان مہیا کرنے والا۔

سامانِ عیش وجاہ = عیش و عشرت کا سامان۔
جاہ بمعنی رتبہ، قدر، عزت، مرتبہ۔

تیرا جو ہوا بندہ درگاہ بڑھا
اعزاز بڑھا، مال بڑھا، جاہ بڑھا (امیر)

دہلی میں مذکر اور مؤنث دونوں بولتے ہیں۔

بہارِ جہاں چلتی پھرتی ہے چھاؤں
ہوا کیا اگر جاہ حاصل ہوئی (مصحفی)

سامانِ نازِ زخمِ دل = زخم دل کے لیے سامان فخر و ناز۔

سامانِ وجود = سرمایۂ وجود، وجود کا سبب، باعثِ وجود، باعث بقائے عالم۔

ساقی بہ جلوہ = ساقی جس وقت جلوہ افروز ہوتا ہے۔

ساقیِ کوثر = نہر کوثر کا ساقی۔
اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کے لحاظ سے روزِ حشر حوضِ کوثر پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اہل ایمان کی تشنگی بجھائیں گے اس لیے انھیں کو ساقیِ کوثر کہا جاتا ہے اہل تشیع ساقیِ کوثر سے حضرت علی مراد لیتے ہیں۔

احسان کرو اللہ و پیمبر کا تصدق
پانی دے مجھے ساقیِ کوثر کا تصدق (دبیر)

ساقیِ گردوں = ساقیِ فلک۔
گردوں بمعنی چرخ، فلک۔

ابتک اتنا میری آہ بے اثر میں درد ہے
جھک گیا ہے پیرِ گردوں کے جگر میں درد ہے
(پیارے صاحب رشید)

سربسر = تمام و کمال، بالکل، اوّل تا آخر۔

وہ چھریرا بدن اس کا نازک
سربسر ناز، سراپا نازک (مرزا سودا)

سر بہ گریباں = متفکر، فکرمند، گریباں میں سر ڈالے سوچ میں پڑے ہوئے، نادم ہونا، شرمندہ۔

آئینہ ہوا اس رُخ کے حضور آں کے حیراں
پرتو سے گل رُخ کے وہ ہو سر بہ گریباں (دبیر)

سر بہ مہر = جس کے منھ پر مہر لگی ہو۔

کھلے گا یار کا جوڑا لٹے گی جنس جنوں
نہ سر بہ مہر رہے گا خزانہ زنجیر (بحر)

سر پہ آرے چلانا = آزار پہونچانا، روحانی اذیت پہونچانا، ہلاکت میں پڑنا، جان پر بننا۔

اک ذرا پیچ جو گیسو میں سمجھ کر شانہ
آرا سر پر نہ کسی عاشق شیدا کے چلے (اسیر)

سر پُرشور = سر شوریدہ، جس سر میں سودا سمایا ہو، سودائی، دیوانہ۔

سر پستانِ پریزاد = پری کے پستان کی گھنڈی، عورت کے پستان کا وہ سرا جس کو بچہ منھ میں لے کر دودھ پیتا ہے۔

دمبدم گوئیاں کی ہیں مجھکو دودا یاد آئیاں
اودی اودی ھٹنیاں اور گوری گوری چھاتیاں (رنگین)

سر پنجۂ مژگانِ آہو = ہرن کے پلکوں کے سرکا پنجہ۔

سر تا سر = بالکل، تمام، کمال، سر بہ سر، از ابتدا تا انتہا از اوّل تا آخر۔

زہر آن میں بھرا ہے سر تا سر
نہیں کاٹے کا ان کے ہے منتر (شوق)

سر حدِ ادراک = عقل کی سرحد، سمجھ کی حدود۔
ادراک بمعنی عقل، فہم، سمجھ۔

غیر محسوسات کا ادراک کرتی ہے یہی
تخلیہ میں سیر ہفت افلاک کرتی ہے یہی (عزیز لکھنوی)

تجھے برسوں ہوئے ناوک لگائے اوکماں ابرو
ابھی تک دل میں کچھ کچھ درد کا ادراک ہوتا ہے (نوازش)

سرِ دامن = دامن کا سرا۔
سر بمعنی سرا، چوٹی، نوک، اوپر، اندر، بیچ میں۔

چلتے ہیں اور دیکھنے والا کوئی نہیں
شمع سر مزارِ غریباں ہمیں تو ہیں (تسلیم لکھنوی)

گرم خرام ناز ہو تم یہ تو دیکھ لو
کس کا پڑا ہوا ہے سر رہگذار دل (امیر مینائی)

سر مژگاں مرے آنسو کا ستارہ چمکا
دار پر اب اثر جذبۂ منصور نہیں (عزیز لکھنوی)

سر رشتۂ اوقات = زندگی کے تاگے کا سرا۔
سر بمعنی سرا رشتہ بمعنی دھاگہ، تاگا۔
اوقات جمع وقت کی بمعنی زندگی، ہستی۔

کی ترے پیچھے تلخ سب اوقات
دن کو دن سمجھی اور نہ رات کو رات (شوق)

دن کو ہم ان سے بگڑتے ہیں وہ شب کو ہم سے
رسم پابندیٔ اوقات چلی جاتی ہے۔ (حسرت موہانی)

دل کو کیا گداز محبت کی آگ نے
پختہ ہوا سبُو جو مرا خام ہو گیا (وزیر)

سپاس = شکر ، ستائش ، اظہار احسان مندی

سر کرے ہے ۔ شروع کر دیا ہے ۔

سپندِ بزمِ وصلِ غیر =

سپند بمعنی کالا دانہ جس کو نظرِ بد کے اثر کو دور کرنے
کے لیے صدقہ کے طور پر اتار کر جلایا جاتا ہے
رقیب کی محفلِ وصل کو نظرِ بد سے بچانے کے لیے کالا دانہ ۔

ستائش = تعریف ، مدح ، سراہنا ۔

ستودن مصدر تعریف کرنا ، سراہنا ۔

ع کس حسن سے لب پہ ہے ستائش اب وجد کی (انیس)

ستائش گر = تعریف کرنے والا ، مدّاح ۔

ستائشِ ناتمام = مدح ناکمل ۔

ستم ظریف = ہنسی مذاق میں نوک جھونک کرنے والا ،
جس کی ستم میں ظرافت ملا ہوا ہو ، ظرافت کے پردے
میں ظلم کرنے والا ۔

ہنس کر کبھو بلایا تو برسوں تک رلایا
اس کی ستم ظریفی کس کس کے تئیں دکھاؤں (میر)

ستم ہمرہاں = ساتھ چلنے والوں کا ظلم ، ہمراہیوں
کے مظالم ۔

سجّادہ = جانماز ، وہ کپڑا جس پر سجدہ کیا جائے ، مصلّے
بزرگانِ دین کی مسند ۔

واں کلمہ کفر کا یہاں شکر اس غفور کا
واں جادہ نار کا یہاں سجّادہ نور کا (دبیر)

سخت جانی ہائے تنہائی = سخت جان اس کو کہتے
ہیں جس کا دم مشکل سے نکلے سخت جانی کے معنی مر جانے کے
اسباب کے باوجود نہ مرنا ۔

تنہائی بمعنی اکیلا یعنی جان لیوا اکیلا پن ۔

سختی کشانِ عشق = عشق کی سختیاں اٹھانے والے

سخنِ گرم = اثر کی گرمی سے بھرا ہوا کلام ، پُر تاثیر اشعار

سراپا رہینِ عشق = سر سے پاؤں تک عشق کے پاس گرو
ہمہ تن محبت میں مبتلا ۔

سُراغِ تفِ نالہ = نالہ کی گرمی کا پتہ ۔

سُراغ بمعنی کھوج ، پتہ ۔ تف بمعنی بخار ، گرمی ۔

دل اور جگر اپنے تو جلے آتشِ غم میں
جی کیونکہ بچاؤں کہو اس آگ کی تف سے (میر)

سُراغِ جلوہ = جلوہ کا سُراغ ، جلوہ کی ٹوہ ، جلوہ کا
پتہ ، جلوہ کی تلاش ۔

سُراغ بمعنی پتہ ، نشان ، ٹوہ ، تلاش ، جستجو ۔

ہے میرے تئیں سُراغ دل کا
پھرتا ہوں لیے یہ داغ دل کا (درد)

سرانگشتِ حنائی = حنائی انگلی کا سرا ، حنائی انگلی
کا پور ، دستِ حنائی کی انگلیاں ۔

سر بر ہونا = غالب ہونا ، کامیاب ہونا ، عہدہ برا ہونا ۔

سرگرم جفا = ظلم کرنے میں انہمک، ظلم وستم میں شدت سے
سرگرم ہونا بمعنی آمادہ ہونا، شدت کرنا۔

عاشقاں انمے تہ شیشۂ دل سگرم اند
چشم مخمور تو تر دستِ قدح پیمائی است
(محمد قلی سلیم)

سرگرم خرام = محو خرام۔
خرام بمعنی ناز و انداز کی چال۔

خاک میں ہمکو ملانا تھا خرام ناز سے
اعتقاد فتنۂ محشر ہمارے دل میں تھا
(دانش لکھنوی)

سرگرم نالہ ہائے شرربار = آگ کی چنگاریاں برسانے
والے نالوں میں محو۔

شرر بمعنی چنگاری - بار بمعنی برسانے والے (باریدن
مصدر - برسنا، برسانا)۔

سرگشتہ = حیران، بھٹکا ہوا، پریشان - بمعنی دیوانہ، مست۔

کوفہ میں جو پابند بلا ہو گئے مسلم
سرگشتۂ صحرائے جفا ہو گئے مسلم (دبیر)

سرگشتگی = جوشِ وحدت، حیرانی، پریشانی، تردد۔

سرگشتگی میں میر کیا ساتھ دے سکے گا
اے آسماں ٹھہر جا، ناحق خراب ہوگا (صبا)

سرمایۂ ایجاد = سرمایۂ تخلیق، ایجاد کی پونجی۔
سرمایہ بمعنی پونجی، راس المال۔

عشق کا سرمایہ جو کچھ حسن کی دنیا میں تھا
شکر کرتا ہوں مجھے میری وفا سے مل گیا
(محشر لکھنوی)

سرمایہ یک عالم = ایک دنیا کا سرمایہ، بقدر یک عالم۔

سرمایۂ دو عالم دو حرف جو ہیں کن کے
اک ان کی حکایت ہے اک میر فسانہ ہے
(ناطق لکھنوی)

سُرمۂ مفت دال = نظر کے لیے وہ سرمہ جو جس کی کوئی
قیمت نہ ہو۔
سرمہ بمعنی کحل، آنکھوں میں لگانے کا بہت باریک پسا
ہوا سیاہ سفوف۔

بے ثباتی چمن حیرت نرگس سے کھلی
مل گیا کور سے سرمہ ہمیں بینائی کا (امیر مینائی)

سرِ نشو و نما = نشو و نما کرنے والا سر۔

سرِ نگوں = سر نیچا کیے ہوئے، سر جھکائے ہوئے، جھکے ہوئے۔

ع جب لشکرِ خدا کا عَلَم سرِ نگوں ہوا (انیس)

سَرنوشت = تقدیر، ماتھا، پیشانی، قسمت کا لکھا،
خطِ تقدیر۔ نوشت بمعنی لکھاوٹ، تحریر۔

دھوئی کیوں اشک کے طوفان سے لوحِ محفوظ
سرنوشت اپنی ہی ناسخ نے مٹائی ہوتی
(ناسخ)

سرنوشت دو جہاں ابر = ابر کثیر کی خاصیت۔
سرنوشت بمعنی تقدیر کا لکھا۔
دو جہاں ابر بمعنی ابر کی کثرت۔

پھرتا نہ کس طرح سے محبت میں دربدر
یہ ٹھوکریں لکھی تھیں مری سرنوشت میں

سر و برگِ ادراکِ معنی = معنی کو سمجھنے کا سامان، رازِ
حقیقت کو دریافت کرنے کی قوت۔

سررشتہ ایجاد = رشتۂ ایجاد۔

سررشتہ بمعنی رسّی، ڈورا، علاقہ، تعلق، رشتہ، سلسلہ۔

آہ موزوں تجھے گلشن میں نہ کرنی تھی اسیر
مفت سررشتہ آوازِ عنادل توڑا (اسیر)

کس طرح کاٹیں تاسف سے نہ ہر دم پشت دست
ہاتھ سے کھو بیٹھے ہیں سررشتہ تدبیر ہم (رند)

سررشتہ سلامت = سلامتی کا سررشتہ،
سلامتی کا تعلق، سلامتی کا سلسلہ۔

آہ موزوں تجھے گلشن میں نہ کرتی تھی اسیر
مفت سررشتہ آوازِ عنادل توڑا (اسیر)

سررشتہ وفا = وفا کے رشتہ کا سرا۔

سرِرہ گذر = سرِراہ، راستہ میں۔

گرم خرام ناز ہو تم یہ تو دیکھ لو
کس کا پڑا ہوا ہے سرِ رہگذار دل (امیر مینائی)

سرسودائے انتظار = حسن انتظار کی خریداری کا شوق
متاع انتظار کی خرید کا خیال۔

سر بمعنی خیال، دھن، عشق، شوق

زاہد کو سرِ زلف سیہ فام نہیں ہے
مومن کی توجہ طرف شام نہیں ہے (صبا)

سرشار = سرمست، مخمور، بدمست۔

بچپنے ہی میں گنہگار ہوا
بادۂ عشق کا سرشار ہوا (رسوا)

مخمور را نگاہ تو سرشار می کند
بدمست را عتاب تو ہشیار می کند (صائب)

سبز شد خط لب یار بہار است بہار
اے جنون من سرشار بہار است بہار (سعدی)

سررشتہ داری = عدالت کا ایک عہدہ۔

سرشک سر بہ صحرا دادہ = اشک آوارۂ دشت،
اشک دیوانگی، آنسوؤں کو صحرا میں آوارہ ہونا۔

سرشک بمعنی آنسو، اشک۔

ع سرشک غم کو دل سے دیدۂ تر تک پہونچنا ہے (کمال لکھنوی)

سر بہ صحرا دادن بمعنی دیوانہ بنانا۔

صبا بہ لطف بگو آں غزال رعنا را (حافظ)
کہ سر بہ کوہ و بیاباں تو دادۂ ما را

سرگرانی = کشیدگی، خفگی، رنجیدگی، خمار، رنجش،
سر کا بھاری ہونا۔

بار الفت کا سنبھالا نہیں جاتا مجھ سے
سرگرانی ہے مری لغزشِ پا سے پیدا (صبا)

بجان صد گونہ بیداد تو کردم اختیار اما
بکویت از رقیباں سرگرانی خوش نمی آید (محمد حسن خان حسن)

سرگرم = مستعد، منہمک، کام میں دل سے لگنا، فریفتہ، مشغول

سرگرم نالہ ساں دنوں میں بھی ہوں عندلیب
مت آشیاں چمن میں مرے متصل بنا (سودا)

بیک آتش چو داغ لالہ می سوزم درین گلشن
نہ ہر شمع تواند کرد چوں پروانہ سرگرم (مرزا صائب)

سرِ مو = بال کا ہر سِرا۔

سرہنگ = فوج کا سردار، کمانڈر۔

لئے پھر سرہنگ کر کے دار و گیر
لے گئے درویش کو کر کے اسیر (شوق)

سزائے کمالِ سخن = کمالِ سخن کی سزا، سخن وری میں کمال حاصل کرنے کی سزا، شاعر کامل ہونے کی سزا، شاعر باکمال ہونے کی سزا۔

سُست رو = سُست رفتار، آہستہ چلنے والا۔

سطحِ گردوں = سطحِ آسماں۔

سَطوتِ قاتل = قاتل کا رعب۔

سطوت بمعنی رعب، دبدبہ، جلالت۔

دیکھ کر حیدرؓ کی سَطوت کہتی تھی بنتِ اسد
کیا پسر پیدا ہوا، شیرِ ژیاں پیدا ہوا (انیسؔ)

سعیِ آزادی = آزادی کی جدوجہد، آزادی حاصل کرنے کی کوشش۔

سعیِ بے حاصل = ایسی کوشش جس کا کچھ نتیجہ نہ نکلے، کوشش ناکام بے نتیجہ کوشش۔

سَفرہ = بالفتح بمعنی مقصد۔

بالفتح بمعنی دسترخوان۔

پئے مہمانیِ غم چوں حسودش سفرہ اندازد
کند بر سفرۂ او شورِ بختِ آں نمکدانی (طالب آملی)

ادیم زمیں سفرۂ عام اوست
بریں خوانِ یغما چہ دشمن چہ دوست (شیخ سعدی)

سفینہ = کشتی، بیاض۔

دل یہ ہے کہ محبت میں ہجومِ غم و یاس
خوف ہے بیٹھ نہ جائے یہ سفینہ بھر کر (امیر)

سکندر = یونان کے ایک عظیم الشان فاتح بادشاہ کا نام جو ذوالقرنین بھی کہلاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے سدِ سکندری تعمیر کرائی تھی۔ مورخین نے اس کے وقت میں حضرت خضرؑ کا ہونا ثابت کرنے کی کوشش کی ہے جنھوں نے اس کے ہمراہ آبِ حیات کی تلاش میں نکلے تھے اور ظلمات میں چشمۂ حیوان دریافت کیا تھا اور آبِ حیات پی کر حیاتِ جاودانی حاصل کی۔

نہ گورِ سکندر نہ ہے قبرِ دارا
مٹے ناموں کے نشاں کیسے کیسے (امیر مینائی)

لایا تھا کیا سکندر دنیا سے لے گیا کیا
تھے دونوں ہاتھ خالی باہر کفن سے نکلے (مشہور)

سِلکِ عافیت = عافیت کی لڑی۔

سلک بمعنی ہار، موتیوں کی لڑی۔

خجلت دندانِ جاناں سے گہر ہیں آب آب
رشتۂ سلک اپنی مژگاں کی طرح تر ہو گیا (انیسؔ)

سنگِ سرِ رہ = راستہ میں پڑا ہوا پتھر۔

سنگِ فساں = وہ پتھر جس پر سے باڑھ رکھی جائے۔

ناصح برائے تندیِ تیغِ زبانِ تو
کافی است روئے سخت تو سنگِ فسانِ تو (محسن تاثیر)

سنگِ گراں = بھاری پتھر۔

گراں بمعنی بھاری، وزنی۔

سمجھنے والا ، دماغ۔

سروبرگ کنایہ ہے دماغ سے۔

بسعیِ عاشقانہ طبع اوچوں مائل افتادہ

سلیم از شوق آں دایم سروبرگِ غزل دارد (محمد علی سلیم)

سروبرگ ستائش = دماغ مدح سرائی ، تعریف کرنے کی طاقت ، داد دینے کا حوصلہ۔

سروبرگ بمعنی دماغ۔

مابشوق نالہ از بلبل بہ گلشن می رویم

ورنہ کے مارا سروبرگ تماشائے گل است (لطف خاں احسن)

سروِ چراغاں = چراغوں کا درخت۔

چراغ اس طرح ترتیب دیے جائیں کہ سرو کا درخت معلوم ہو۔

سُرورِ تپِ غم = تپ عشق کا نشہ ، تپ غم کی کیفیت ، لطف تپ غم۔

سرورِ خاص خواص = خاص لوگوں کے لیے سرورِ خاص

سُرور و سوز = کیف و مستی ، سرور بمعنی انبساط ، خوشی ، فرحت ، ہلکا نشہ۔

ذرا ہو گہری محبت تو خاک کر دے چرخ

مرا سرور ہے گل خندۂ شرر کا سا (مومن)

نشۂ زر میں یہ کم ظرف جہاں میں مدہوش

ایک بوتل کا سُرور آٹھ پہر رہتا ہے (شاد)

سوز بمعنی سوزش ، جلن ، تپش۔

نہ گئی ہائے تپ غم کی حرارت نہ گئی

وہی دھڑکن ہے وہی سوز جگر ہے کہ جو تھا (جلیل)

سروِ سبزِ جوئبارِ نغمہ = دریائے نغمہ کا سبز شجر۔

سروقد = سیدھے قد کا ، سرو کی طرح ، سیدھا قد رکھنے وا... سروقامت۔

سروقد کوئی اور کوئی گل چہرہ

غیرت ماہ کوئی رشک مہر سا (مثنوی ہشت گلز...

جو اس سروقد سے جدائی ہو

قیامت مرے سر پہ آئی ہوئی (اکبر الہ آبادی)

چونکہ سرو کا درخت بالکل سیدھا ہوتا ہے اور اس میں خم نہیں ہوتا اس لیے محبوب کے قد کو سروقد سے تشبیہ دیتے ہیں۔

وائے بر شاعرانِ نادیدہ

غلطیہا یہ خود پسندیدہ

سرو را قد یار می گویند

سرو چوبیست ناتراشیدہ (زیب النساء)

سرو صنوبر = سرو اور صنوبر دو درختوں کے نام ہیں جو سید... مخروطی اور خوشنما ہونے کی وجہ سے شعرا معشوق کے قد کو اس سے تشبیہ دیتے ہیں۔ صنوبر بھی سرو کے درخت کی ایک قسم ہے۔

دل میں اتنا سمایا ہے کہ جل جاتا ہوں

سرو نوخیز جو انگشت نما ہوتا ہے (مومن)

تمہارے قد کا صنوبر جواب کیا ہوگا

یہ مصرع نظری انتخاب کیا ہوگا (اسیر)

وہ ہی قد ہے مجھ سے طالب دل

سرو کو شوق ہے صنوبر کا (داغ)

سوءِ ظن = بدگمانی، گمانِ بد، خیالِ بد۔

سو بمعنی خرابی، بگاڑ بمعنی، ظن بمعنی گمان، خیال۔

ان کی صحبت میں ہو ضائع اوقات
سوءِ ظن سے نہیں خالی کوئی بات (مرزا سودا)

سویدا = وہ سیاہ نقطہ جو دل پر ہوتا ہے (اسود کی تانیث)

رخسار کے گل رنگ پہ یہ خال نہیں ہے
بوسے ترے لیتا ہے سویدا مرے دل کا (جاہ)

شرم سے تم کو سمٹنا ہے تو سمٹو حسن سے
دل میں بن جاؤ سویدا پتلیوں میں تل بنو (عزیز لکھنوی)

سویدائے بہار = بہار کے دل کا سیاہ نقطہ

سویدائے دلِ چشم = دل کی آنکھ کا سیاہ تل۔

سویدا بمعنی سیاہ نقطہ جو دل پر ہوتا ہے۔

ہو گیا جزوِ بدن جائے گا اب کیا سودا
مردمک آنکھوں میں ہے دل میں سویدا سودا (اسیر)

سوئے وادیِ مجنوں = مجنوں کی وادی کی طرف، جس وادی میں مجنوں رہا کرتا تھا اس جانب۔

سیاستِ درباں = پہرے دار کا رعب داب۔

سیاست بمعنی سخت گیری، سختی، چالبازی۔

مبادا کسی کے یہ میری خیانت
کرے وہ میرے اوپر کچھ سیاست (زلیخائے اردو)

لوح پہلے تو مکر سے لے لو
پھر سیاست سے اس کو قتل کرو (گلشن عشق)

سیاہی = روشنائی، پرانے زمانے میں جو روشنائی استعمال ہوتی تھی وہ ہمیشہ سیاہ ہوتی تھی اس لیے اس کو سیاہی بھی کہتے تھے، کالک۔

کھولا جو میرا خط تو سیاہی چمک گئی
گھبرا کے لکھ دیا انھیں حرفِ وصال کیا (داغ)

گو تم نے صاف کی مرے خوں سے تیغ
ممکن نہیں سیاہی روئے سپر مٹے (اسیر)

سیرِ چراغاں = چراغاں کی سیر، چراغاں کا منظر دیکھنا، چراغاں کا لطف اٹھانا۔

اللہ اللہ آمد نورِ الٰہی کا یہ فیض
شام سے پہلے ہی ہر گھر میں چراغاں ہو گیا (محشر)

سیرِ عدم = عدم کی سیر، نیستی کی سیر، عدم بمعنی ناموجودگی، نابید۔

عدم میں رہتے تو شاد رہتے اسے بھی فکرِ ستم نہ ہوتا
جو ہم نہ ہوتے تو دل نہ ہوتا جو دل نہ ہوتا تو غم نہ ہوتا (مومن)

سیرِ عرفا = عارفوں کی سیر، عرفا جمع ہے عارف کی بمعنی خدا شناس۔ صاحبِ معرفت۔

اساتذہ بھی وہ عارف جو اپنے وقت کے تھے
غرض کچھ اور نہ تھی جن کی معرفت کے سوا (شاد عظیم آبادی)

سیرِ گل = پھولوں کی سیر، سیرِ چمن۔

سیرِ نجف = نجف اشرف کی سیر، عراق کا ایک شہر جہاں حضرت علیؑ کا مزار ہے۔

سیلابِ بلا = طوفانِ بلا۔

سیلاب بمعنی پانی کا ریلا، طوفانِ آب، طغیانی۔

کچھ نہیں راہ میں گر سنگ گراں ہے اے دوست
یہ جہاں کارگہ شیشہ گراں ہے اے دوست (مولف)

سنگ و خشت = پتھر اور اینٹ۔
سنگ بمعنی پتھر خشت بمعنی اینٹ۔

سوادِ اقلیم عدم = ملک عدم کی سرحد، سواد سے مراد وہ سیاہی ہے جو کسی شہر یا آبادی کی طرف نگاہ دوڑانے سے دور سے نظر آتی ہے۔ سیاہی، تاریکی۔

مبارک اس دل سودازدہ کو کوچۂ زلف
دیا حسن کا دلکش نظر سواد آیا (جلال)

اقلیم بمعنی ملک۔

بنو گے خسرو اقلیم دل شیریں زباں ہو کر
جہاں گیری کرے گی یہ ادا نور جہاں ہو کر (اکبر الہ آبادی)

عدم بمعنی ہستی، معدومیت، آخرت، مقام بعد مرگ۔

اس ہستی موہوم سے میں تنگ ہوں انشا
واللہ کہ اس سے یہ مراتب عدم اچھا (انشا)

عدم میں رہتے تو شاد رہتے اسے بھی فکر ستم نہ ہوتا
جو ہم نہ ہوتے تو دل نہ ہوتا جو دل نہ ہوتا تو غم نہ ہوتا (مومن)

سوار سمند ناز = ناز و انداز سے چلنے والے گھوڑے کا سوار، شہ سوار - رخش ناز۔ وہ گھوڑا جو ناز و انداز سے قدم اٹھائے۔

ع سمند ناز پہ اک اور تازیانہ ہوا

سوختن کا باب = جلنا کڑھنا۔
یعنی سوختن مصدر جس کے معنی جلنے اور جلانے کے ہیں۔ اس کی گردان کی جا رہی تھی یعنی سوخت، سوختند، سوختی، سوختید۔ سوختم۔ سوختیم وغیرہ۔

سودِ چراغِ کشتہ = بجھے ہوئے چراغ کا فائدہ۔
سود بمعنی فائدہ۔ نفع، بڑھوتی۔

تھا خواب کو خیال میں دل سے معاملہ
جب آنکھ کھل گئی تو زیاں تھا نہ سود تھا (غالب)

چراغ کشتہ بمعنی بجھا ہوا چراغ۔ چراغ جو ٹھنڈا ہو گیا ہو۔

کدامی شاخ گل دامن فشاں زیں بزم بیروں شد
کہ بوئے گل بمغزم از چراغ کشتہ می آید (صائب)

سوز جاودانی شمع = شمع کا ہمیشہ جلتے رہنا، شمع کا دائمی سوز۔

سوزش باطن = سوز پنہاں، پوشیدہ جلن۔
سوزش بمعنی جلن، کھولن۔

کیا کہیے کہ ہے سوزش داغ جگر ایسی
سنتا نہیں وہ غیرت شمس و قمر ایسی (آتش)

سوزِ غمہائے نہانی = چھپے ہوئے غموں کی جلن، غم پنہاں کی سوزش۔

مآل سوز غمہائے نہانی دیکھتے جاؤ
بھڑک اٹھی ہے شمع زندگانی دیکھتے جاؤ (فانی بدایونی)

سوز نہاں = چھپی ہوئی جلن، مخفی آگ۔

سوگند = قسم، حلف۔

احساں نہ اٹھے گا ناکسوں کا
سوگند بہجوم بےکسی کی (اسیر لکھنوی)

ہم کیا شاخ نبات نے بھی
تجھ سا شیریں دہن نہ دیکھا (رشک)

شاخ و برگ = ڈالیاں پتے اور پھل۔

شاعرِ نغز گوے خوش گفتار = خوش گو اور خوش کلام

نغز بمعنی خوب، عمدہ، اعلیٰ، اچھا، نادر۔

حدیث عشق کی تفسیر سن لے جس کا جی چاہے
چھڑی ہے عندلیبوں میں جو بحث نغز گفتاری (محشر لکھنوی)

نغز گو بمعنی خوش گو۔

خوش گفتار بمعنی شیریں گفتار، خوش بیان۔

شانہ = کنگھی۔

ہاتھ میں آئینہ و شانہ پھر بھی شکن پیشانی پر
موجِ صبا سے تم تو نہ بگڑو زلفوں کو بل کھانے دو (صفی)

شانہ کشِ زلفِ یار = محبوب کے بالوں میں کنگھی کرنا۔

شانہ بمعنی کنگھی۔

خدا جانے یہ آرائش کرے گی قتل کس کس کو
طلب ہوتا ہے شانہ آئینے کو یاد کرتے ہیں (داغ)

زلف بمعنی کاکل، گیسو، گندھے ہوئے سر کے بال۔

یہ سلسلۂ لامتناہی ہے کہ زلف
گہوارۂ بادِ صبحگاہی ہے کہ زلف
اے جانِ جہاں یہ دوشِ سیمیں پہ ترے
دھنکی ہوئی رات کی سیاہی ہے کہ زلف (جوش ملیح آبادی)

شانۂ زلفِ الہام = الہام کی زلفوں کی کنگھی، الہام کی زلفوں کو سنوارنے والا۔

الہام بمعنی القا، جو بات خدا کی طرف سے دل میں ڈالی جائے۔

وہ مشق رہی اور نہ وہ شوق ہے مومن
کیا شعر کہیں گے اگر الہام نہ ہوگا (مومن)

شاہ جہاں گیر جہاں بخش جہاں دار = بادشاہ جو فاتح عالم، جہاں دار اور عالم گیر ہونے کی صفات کا مالک ہو۔

شاہ بمعنی بادشاہ۔

جہاں گیر بمعنی فاتح عالم، دنیا کو فتح کرنے والا۔

ہو گئے خسرو اقلیم دل شیریں زباں ہو کر
جہاں گیری کرے گی یہ ادا نور جہاں ہو کر (اکبر الٰہ آبادی)

جہاں بخش بمعنی دنیا کو عطا کر دینے والا، دنیا کو بخش دینے والا۔

جہاں دار بمعنی دنیا کا نگہبان، دنیا کا رکھوالا۔

قلزمِ عز و شرف کا دُرِ شہوار ہوں میں
سب جہاں زیرِ نگیں ہے وہ جہاں دار ہوں میں (انیس)

شاہد = شہادت دینے والا، صاحبِ حسن، محبوب، معشوق۔

اپنا شاہد سب حسینوں سے نرالا ہے فقیر
کس پہ دل آیا ہے دل آنے پہ ہم کو ناز ہے (فقیر)

شاہدِ ہستیِ مطلق = مطلق ذاتِ باری تعالیٰ، ذاتِ واجب الوجود۔

شاہ روشن دل = شاہ روشن ضمیر۔

ایسا بادشاہ جس کا ضمیر روشن ہو اور اپنی فہم و ذکاوت سے ہر بات کی تہ کو پہنچ جاتا ہو۔

روشن دل بمعنی زیرک، دانا، عقلمند، عارف، زود فہم۔

میرے اشکوں کا فلک پر موجزن سیلاب تھا
ہالۂ مہ کی جگہ شب حلقۂ گرداب تھا (ناسخ)

سیلابِ گریہ = رونے کا طوفان، سیل اشک۔

سیلِ خانماں = گھر کا طوفان۔

سیل بمعنی طوفان، طغیانی۔ خانماں گھر کا اسباب، متاعِ خانہ۔

نے دل رہا بجا ہے نہ صبر و حواس و ہوش
آیا جو سیلِ عشق سب اسباب لے گیا (میر)

سیلِ گریہ = رونے کا سیلاب، اشکوں کی طغیانی، آنسوؤں کا طوفان۔

سیلئ اُستاد = اُستاد کا چانٹا، اُستاد کا تھپیڑ، استاد کا طمانچہ۔

کوئی گل بے سیلی بادِ صبا کھلتا نہیں
آبِ گل کے اس کرے میں یوں سکوں ملتا نہیں (مؤلف)

نہانے میں جب آنکھ اس سے لڑی ہے
حبابوں پہ موجوں نے سیلی جڑی ہے (شاد)

سیلئ خارا = پتھر کی چوٹ۔

سیلئ ندامت = شرمندگی تھپڑ۔

سیلی بمعنی تھپڑ، طمانچہ۔

ساخش کہ بہ سدرہ کشیدہ
سیلی بہ رخ قمر کشیدہ (سالک قزوینی)

از دستِ دیگرے چہ شکایت کند کہ او
سیلی بدستِ خویش زند بر قفائے خویش (حافظ شیرازی)

سیماب پشت گری آئینہ دے ہے = شیشہ پارے کی صیقل کی مدد سے آئینہ بن جاتا ہے۔

سیماب بمعنی پارہ جس سے شیشہ پر صیقل چڑھا کر آئینہ بـ[illegible]

پشت گری بمعنی اعانت، مدد، ذریعہ، پشتی۔

آئینہ بمعنی شیشہ۔

سیم وزر = چاندی، سونا، سورج، چاند۔

سیمیا = وہ علم طلسم جس کے ذریعہ سے روح کو ایک جـ[illegible]
سے دوسرے جسم میں منتقل کر سکتے ہیں اور ناموجود شے [illegible]
لوگوں کو دکھا سکتے ہیں۔

سینہ اہلِ ہوس = مراد رقیب کا سینہ۔

ہوس پرست عشاق کے سینے بنے۔

سینۂ توحید فضا = توحید سے معمور سینہ۔

سیہ گلیم = بدبخت، بدنصیب، سیاہ روز، بے دولت [illegible]
جو ہمیشہ پریشان و مفلس رہا۔

سیہ مستی = بدمستی، مدہوش (سیہ مخفف ہے سیاہ کا)

بزم میں ہر دم گریں کیوں کر نہ ہم اغیار پر [illegible]
ہے سیہ مستی نگاہ نرگسِ مخمور سے [illegible]

ش

شاخِ گل = پھولوں سے لدی ہوئی شاخ، جس شاخ [illegible]
پھول کھلا ہو، پھولوں کی ٹہنی۔

کی سیر جذبِ الفت گل چیں نے کل چمن میں [illegible]
توڑا تھا شاخِ گل کو نکلی صدائے بلبل [illegible]

شاخِ نبات = مصری کی شاخ، مصری کے کوزے کی [illegible]
لکڑی جو کوزہ بنانے کے لیے کوزے میں لگائی جاتی ہے۔

شجرِ بید ۔ بید کا درخت ۔ بے ثمر، لاحاصل
۔ بید کے درخت میں کوئی پھل نہیں لگتا۔
شجر بمعنی درخت۔

سفر ہے شرط مسافر نواز بہتیرے
ہزارہا شجرِ سایہ دار راہ میں ہے (آتش)
ہر شاخ ہر شجر سے نہ تھا بجلیوں کو کام
ہر شاخ ہر شجر پہ مرا آشیاں نہ تھا
(فانی بدایونی)

شحنۂ شام ۔ شام کا کوتوال۔
شحنہ بمعنی کوتوال، محافظ شہر۔

دروازے پہ دیوں کا تھا پہرا
سمجھا کے خبر وہ شحنہ ٹھہرا (گلزارِ نسیم)

شرابِ طہور = پاک شراب، وہ شراب جو بہشت میں
اہل بہشت کو دی جائے گی۔

اچھی کہی ملے گی شرابِ طہور کل
ترسو جناب شیخ کہاں تم کہاں شراب
(حفیظ جونپوری)
سنتا ہے واعظ مجھے کیا حدیث
شرابِ طہور اکہاں ہے حرام (شاد لکھنوی)

شرارِ جستہ = چنگاری، شرارے جو آگ یا شعلے سے نکلیں۔
شرار بمعنی آگ کی چنگاری۔

ہر سنگ میں شرار ہے تیرے ظہور کا
موسیٰ نہیں جو سیر کروں کوہ طور کا (سودا)

شرارِ سنگ = پتھر کی چنگاریاں ۔ دو پتھروں کے رگڑ سے
جو چنگاریاں نکلیں۔

شرحِ اسبابِ گرفتاری خاطر = دل گرفتگی کے وجوہ
کی وضاحت، دل گرفتہ ہونے کے اسباب کی تفصیل۔
(دل گرفتہ بمعنی رنجیدہ، غمگین)

ہو جو مسجد میں دل گرفتہ امیر
کسی بھٹی پہ کیوں نہ چل بیٹھو (امیر)

شرحِ ہنگامۂ ہستی ۔ زندگی کی ہماہمی کی مفصل تشریح۔

شرع و آئین = شریعت و قواعد، اسلامی قوانین و قاعدے
شرع بمعنی راہ راست، آئین اسلامی، مذہبی قانون۔

بیان کرتے ہیں مستی میں راز بادہ پرست
شراب شرع میں اس واسطے حلال نہیں (امیر)

شرفِ مہر = آفتاب کے برج حمل میں داخل ہونے کو شرف
مہر کہتے ہیں۔
شرف مہر بمعنی آفتاب کا رتبہ۔

شرمِ نارسائی = نہ پہونچ سکنے کی شرم، بارگاہ خداوندی
تک نہ پہونچ سکنے کی شرم۔

شرمندۂ معنی نہ ہونا = معنی کا شرمندہ نہ ہونا۔
مراد بے معنی رہنا مہمل لفظ۔

شرمِ رسوائی = رسوا ہو جانے کی شرمندگی، رسوائی کی ندامت
ندامتِ رسوائی۔

شستِ بتِ ناوک فگن = تیر چلانے والے معشوق کا
نشانہ ۔ شست بمعنی نشانہ۔

دل کو اپنے ہدف تیر بلا پاتا ہوں
اس کماندار نے کیا شست ادھر باندھی ہے (مصحفی)

یہ فخر کم ہے کہ روشن دلوں کا مجمع ہے
فروغِ نام کو اب کیا چراغِ طور آئے (صفی لکھنوی)

شاہ سخن گستر = شاہِ سخن فہم و سخن گو ہشاعر سخن فہم۔

مدعی گرچہ سخن گوست سخن گستر نیست
مہمل و معنی بسیار چہ معنی دارد

شگفتہ باد گلستان معنی طالب (محسن تاثیر)
کہ دست روئے سخن گستران ایران سرخ (مرزا صائب)

شاہ سلیماں جاہ = سلیماں کا مرتبہ رکھنے والا بادشاہ۔
سلیمان ایک پیغمبر تھے جو نہایت جلیل القدر بادشاہ تھے
جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو مسخر کردیا تھا۔
ہوا جن، پری، دیو، وحشی جانور، پرند اور تمام
جاندار۔ اور وہ تمام جانوروں اور پرندوں کی بولیاں
سمجھتے تھے

رتبہ مرا بلند ہے میں خاکسار ہوں
دوشِ صبا پہ مثل سلیماں سوار ہوں (مولف)

شائبۂ خوبی تقدیر = تقدیر کی خوبی کا دخل
سائبہ بمعنی آمیزش، ملاوٹ، خوبی تقدیر بمعنی تقدیر کی
خوبی مراد بدقسمتی بطور طنز استعمال ہوتا ہے۔

شایان دست و بازوے قاتل = محبوب کے دست
و بازو کے لائق قاتل سے مراد محبوب ہے۔

شب رَو = رات کے وقت چلنے والا چور، کوتوال۔
شب بمعنی رات۔
رو بمعنی چلنے والا مصدر رفتن۔ رویدن چلنا

شبستان = رات بسر کرنے کی جگہ، خلوت خانہ۔

غیر کے گھر میں ہو شمع شب افروز ہو تم
تم سے روشن ہے تمہیں دیکھو شبستاں کس کا (نا...

شبِ قدر = ماہ رمضان مبارک کے آخری دہے کی ایک
طاق رات جس کے متعلق قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے کہ وہ
رات ایک ہزار راتوں سے بہتر ہے اور اسی رات کو مجید نازل ہ...

شب قدر است و طے شد نامۂ ہجر
سلامٌ ھی حتّٰی مطلعِ الفجر (لاعلم)

مبارک شب قدر سے بھی وہ شب تھی
سحر تک مہ و مشتری کا قراں تھا (آتش)

شبِ مہ = چاندنی رات۔ شب ماہ۔

کیا بخت نے تاریکی فرقت میں پھنسایا
دیکھی نہیں آنکھوں نے شب ماہ مہینوں (امیر مینائی)

شبنم بہ گلِ لالہ = لالہ کے پھولوں پر شبنم قطرے

شبنمستاں = وہ جگہ جہاں اوس گری ہو۔

شب ہائے تار برشکال = برسات کی اندھیری راتیں
شب ہائے تار بمعنی اندھیری راتیں، تاریک راتیں،
شب تاریک۔

آتی ہے بوے داغ شب تار ہجر میں
سینہ بھی چاک ہو نہ گیا ہو قبا کے ساتھ (مومن)

برشکال بمعنی برسات۔

پیالے عشق کے چھلکاتی برشکال آئی
شراب خواروں کو کرتی ہوئی نہال آئی (تسلیم)

شکنِ زُلفِ عنبریں = گیسوئے عنبریں کے بل۔
عنبر کی طرح خوشبو دینے والے گیسوؤں کی شکنیں

شِکُوہ = شان و شوکت، مرتبہ، دبدبہ۔

ہر جا فزوں شکوہ دکھاتا تھا طور کی
بجلی قدم قدم پہ چمکتی تھی نور کی (انیس)

شکوہ سنجِ رشکِ ہم دیگر = ایک دوسرے کے رشک کا شکایت کرنے والا۔
شکوہ بمعنی شکایت، گلہ۔

چاک جگر و دل کا جب شکوہ بجا ہوتا
یوسف کا زلیخا نے دامن تو سیا ہوتا (سالک دہلوی)

شکوۂ بے دست و پائی = بے ہاتھ پاؤں ہونے کی شکایت، مجبوری کی شکایت، بے کسی کا گلہ۔
بے دست و پا بمعنی عاجز، بیکس، مجبور۔

واللہ میرے سامنے بے دست و پا ہو تم
پر کیا کروں کہ امت خیرالوریٰ ہو تم (انیس)

شکوۂ جَور = ظلم کی شکایت، شکوۂ ستم۔

شکیبِ خاطرِ عشق = عاشق کے دل کا صبر۔
شکیب بمعنی صبر و قرار، تحمل، بردباری۔
خاطر بمعنی دل۔

آہ وہ غارت گر صبر و شکیب
سلسلۂ زلف شکن در شکن (حسرت موہانی)

شکیب و صبرِ اہلِ انجمن = اہلِ محفل کے صبر و قرار۔
شکیب بمعنی صبر، تحمل، برداشت، بردباری۔

مجھے عشق میں اس کا تو غم نہیں کہ شکیب و قرار دل اندلا (ظفر)

شگفتنِ گلہائے عیش = عیش و نشاط کے پھولوں کا کھلنا۔

شگفتنِ گلہائے ناز = ناز و انداز کے پھولوں کا کھلنا۔
شگفتن بمعنی کھلنا۔
معشوق کے گل ہائے ناز کا شگفتہ ہونا۔

شمارِ سبحہ = تسبیح کے دانوں کا شمار کرنا، مالا جپنا، تسبیح میں عام طور پر سو دانے ہوتے ہیں، ان کو گننا۔

شمعِ بزمِ بے خودی = بے خودی کی محفل کی شمع۔

شمعِ سیہ خانۂ لیلیٰ = لیلیٰ کے سیاہ خانہ کا چراغ۔
لیلیٰ کے متعلق مشہور ہے کہ سیاہ فام تھی اور سیاہ خیمہ میں رہا کرتی تھی اس رعایت سے سیہ خانہ لیلیٰ نظم کیا ہے۔

شمعِ کشتہ = بجھی ہوئی شمع۔

شمع کشتہ جنبشِ دامن سے روشن ہو گئی
کس قدر اے جان گرمی ہے تری رفتار میں (خواجہ وزیر)

شمعِ ماتم خانہ = چراغِ غمکدہ، غم خانے کی شمع۔

شناور = تیرنے والا، تیراک۔

بزم حیرت میں نہیں مردم بے ننگ کا کام
بحر تصویر میں کس روز شناور اترا (امیر)

شوخِ تُندخُو = تیز مزاج معشوق، گرم مزاج محبوب، بدمزاج، شریر۔
شوخ بمعنی دلیر، شریر، کنایہ محبوب۔

ناوک فگن ۔ تیر چلانے والا، تیر انداز۔

نہ زخمی ہوتے وہ ابرو کماں دم پیکار
جفا پہ درد سے ناوک فگن ہوئے تیار (امیر مینائی)

شش جہت = چھ سمتیں مراد تمام عالم، اطراف عالم
پورب، پچھم، اتر، دکھن، اوپر، نیچے۔

غم کدہ ہے یہ شش جہت دیکھی
کسی پہلو یہاں فراغ کہاں (عشق)

آتی تھی مرحبا کی صدا شش جہات سے
پیاسا پلٹ رہا تھا بہادر فرات سے (انجم آفندی)

شعلۂ آتش = آگ کا شعلہ۔

شعاعِ آفتابِ صبح محشر = قیامت کے دن کے آفتاب کی کرن مراد تیز روشنی والے آفتاب کی کرن۔
کہا جاتا ہے کہ قیامت کے دن سورج سوا نیزے پر آجائے گا اور اس کی شعاعوں میں دماغ کو پگھلا دینے والی گرمی ہوگی۔

شعلۂ جوالا = گردش کرنے والا شعلہ۔

گرداب پر تھا شعلۂ جوالہ کا گماں
انگارے تھے حباب تو پانی شرر فشاں (انیس)

شعلۂ دُودِ دوزخ = دوزخ کے دھوئیں کا شعلہ، دوزخ کے دھوئیں کی لپک۔
دود بمعنی دھواں، دُخان۔

میرے مزار پہ جو پڑا پاؤں غیر کا
جلئے غبارِ خاک سے دودِ جگر اٹھا (اسیر)

شعلۂ شمع = شمع کی لو، شمع کا شعلہ۔

شغل اطفال = بچوں کا شغل، بچوں کا مشغلہ، بچوں کا کھیل۔

شق ہو گیا = شگاف پڑ گیا، پھٹ گیا، دراڑ پڑ گئی۔
شق ہونا بمعنی پھٹ جانا، شگاف پڑ جانا۔

کھل گئے پھول حقیقت نہ کھلی پھولوں کی
سینہ شق ہو گا مگر راز نہ افشاں ہو گا (ناطق لکھنوی)

شکایتِ رنجِ گراں نشیں = آلام شدید کی شکایت

شکایت ہائے رنگیں = محبت بھرے شکوے۔

شکست = ٹوٹ، شکستن مصدر ٹوٹنا، پھوٹنا۔

تیری ہزار برتری تیری ہزار مصلحت
میری ہر اک شکست میں میرے ہر اک قصور میں (اصغر گونڈوی)

شکست آرزو = آرزو کا ٹوٹ جانا، آرزو کا پورا نہ ہونا۔

شکست قیمت دل = دل کی قیمت کو گھٹانا، دل کی قدر کو کم کرنا۔

شکلِ قمری = قمری کی طرح، قمری کی مانند۔

شکل نہالی = قالین یا بستر پر بنی ہوئی شبیہ۔
نہالی بمعنی فرش، توشک، فرش پر بنی ہوئی تصویر۔
نہالی بمعنی روئی دار بستر، توشک۔

قلب ماہیت ہوئی آرام جاں کے ہجر میں
پلنگ کے بستر سے نہال قد نہالی ہو گیا (بحر)

تار تار پیرہن میں بس رہی ہے بوئے دوست
مثل تصویر نہالی میں ہوں یا پہلوئے دوست (آتش)

ذکرِ پرواز تو کیا تنگ ہے ایسا یہ چمن
جھاڑ بھی سکتے نہیں ہم بھی شہپر اپنا (بلخ)

ہاتھ میں رہتی ہے صیاد کے مقراض سدا
اس کی کیا خاک خوشی گر مرے شہپر نکلے (مذ)

شہسوارِ طریقِ انصاف = انصاف کے طریقے کے شہسوار۔
مراد بڑے انصاف کرنے والے۔
طریقہ بمعنی طرز، روش، انداز، طور۔

فرہاد مرکے عشق کو دھکا لگا گیا
کچھ خودکشی طریقۂ اہلِ وفا نہ تھا

شہنشاہِ فلک منظر بے مثل و نظیر = لا بے مثال
اور لاثانی عالی مرتبہ شہنشاہ۔

شہود = جمع شاہد کی بمعنی حاضر ہونا۔
جب سالک کو تمام موجودات عالم میں سوائے جلوہ حق اور
ہر شئے میں حق کے کچھ نظر نہیں آتا تو اس کیفیت کو اصطلاح۔
صوفیا میں اس کو شہود کہتے ہیں۔

قابلِ غور ہیں اسرار وجود
دیکھنا چاہیئے آثار شہود (سودا)

غور سے دیکھ شہود اشیاء
اک تماشا ہے نمود اشیاء (مرزا رسوا)

شہیدانِ نگہ = نگاہوں کا شہید، جن کو نگاہوں
سے قتل کیا گیا ہو۔

شہید گل خزانی شمع = شمع کے گل خزاں زدہ کا شہید۔
گُل بمعنی پھول، شمع کے جلے ہوئے حصے کو بھی گُل کہتے ہیں۔

یہ کس نے ہاتھ سے اپنا لیا گُل شمع محفل کا
ہوا گلگیر میں عالم جو منقار عنادل کا (گویا)

شیرازۂ اجزائے حواس = حواس کے اجزاء کا انتشار،
حواس کے اجزا کے شیرازہ کا بکھر جانا۔
شیرازہ بمعنی وہ موٹا دھاگہ یا فیتہ جو کتاب کی جزبندی
کے بعد پشتے کی دونوں طرف مضبوطی کے لیے جلد ساز لگادیتے ہیں۔

صرف شیرازہ جو ہوا تیار
ہے رگِ جانِ عاشقانِ زار (سودا)

شیرہ = پتلا گڑ جو پینے کی تمباکو میں ڈالا جاتا ہے۔ شکر یا گڑ
کا گاڑھا رقیق پکایا ہوا شربت، پیس کر نکالا ہوا رس۔

لبِ شیریں یار کے آگے
قند گڑ ہے تو شہد شیرہ ہے (صبا)

تھی یہ الفت چشم جاناں سے مجھے طفلی میں بھی
شیر کے بدلے سدا شیرہ پیا بادام کا (ذوق)

شیشہ باز = شیشہ بازی کرنے والا۔

از سنگلاخِ زرد دل ایں شیشہ بازِ من
خنداں چوں کبک مست زکوہ و کمر گذشت (صائب)

شیشہ بازی ایک قسم کا ناچ ہے کہ ناچنے والا گلاب سے پُر شیشہ
اور صراحی سر پر رکھ کر ناچتے ہیں اور ناچنے اور تھرکنے کے
باوجود شیشہ و صراحی سر سے نیچے نہیں گرتے۔

شیوع = خبر لگنا، خبر ظاہر ہونا، شائع ہونا، پھیلنا

ہوتا ہے جب شیوع معقولات
نہیں رہتا ہے مذہبوں کو ثبات (تعلم طباطبائی)

اے داغ سناتے غزل اس شوخ کو ہم بھی
گر شعر کوئی قابل انعام نکلتا (داغ)

تُند خو بمعنی ذرا ذرا سی بات پر بگڑنے والا، بد دماغ، بدمزاج، تیز طبیعت۔

پاتا نہیں تند خو کدورت کے سوا
دامن میں ہوا کے کچھ بجز خاک نہیں (انیس)

شوخیٔ اندیشہ = رنگینی خیال۔

شوخی بمعنی چلبلا پن، شرارت، بے قراری، تیزی۔

شرارت آسی بت میں کچھ آگئی
کہ شوخی بھی واللہ شرما گئی (جلال)

شوخیٔ تحریر =

شوخی بمعنی شرارت، دل لگی۔

تحریر بمعنی لکھاوٹ ایسی لکھاوٹ جس سے رال ٹپکتی ہو۔

ان میں شوخی ذرا نہیں ہوتی
اس بلا کی ادا نہیں ہوتی (مرزا رسوا)

شوخیٔ عرضِ مطالب = مطلب کی باتیں کہنے میں گستاخی۔

شوخیٔ گفتار = گفتگو کی شوخی۔

شوخی سے ٹھہرتی نہیں قاتل کی نظر آج
یہ برقِ بلا دیکھیے گرتی ہے کدھر آج (داغ)

شور = غل، شہرت، جنوں، نمکیں، کھاری۔

سب خریدار ہوئے رنج قفس سے صیاد
شور سن سن کے گلستاں میں عنادل میرا
(سالک لکھنوی)

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا
جو چیرا تو اک قطرۂ خوں نہ نکلا (آتش)

پیاسے رہے آکے چاہ دنیا پہ انیس
نکلا بھی اگر تو شور پانی نکلا (انیس)

شور سودائے خط و خال = شور جنون عشق۔

شور بمعنی زور، چیخنا چلانا، علامت جنوں۔

خط و خال ۔ حسین چہرہ۔

خط بمعنی چہرہ پر اُگا ہوا سبزہ۔

خال بمعنی تل، کاجل کا سیاہ نشان۔

شوریدہ حال = دیوانگی میں مبتلا، سودائی، شوریدہ سر، پریشان حال۔

شوریدہ بمعنی حیران، پریشان، دیوانہ، عاشق۔

میں وہ شوریدہ سر دیوانہ تھا جو بعد مردن بھی
چڑھا جاتے ہیں پتھر لوگ آکر میرے مدفن پر (ناسخ)

شوق عناں گسیختہ = شوق بے لگام، شوق عناں گسستہ تیز رفتار۔ گسیختن مصدر ٹوٹنا، توڑنا۔

ہر موج صبا عناں گسستہ
رنگ رخ یاسمیں شکستہ (صفی لکھنوی)

شوقِ فضول = اشتیاق بے حد، حد سے گذرا ہوا شوق

شوقِ ہر رنگ = عشق بہ ہر رنگ یعنی عشق جس رنگ میں بھی ہو۔

شہپرِ رنگ = رنگینیٔ پرواز، شہ پر وہ پر جن کی مدد سے پرندہ اڑتا ہے پنکھ۔

کتاب کا نام ہے جس کے مصنف صدرالدین شیرازی تھے۔

صدف گوہر شکست = ایسی سیپی جس کے ٹوٹنے سے موتی نکلے۔ صدف بمعنی سیپ جس کے اندر سے موتی نکلتا ہے۔

مرغابیاں نثار کو تھیں زر لیے ہوئے
دوڑی صدف ہتھیلی پہ گوہر لیے ہوئے (میر مونس)

چشم تر اشک سے دامن مرا بھر دیتی ہے
کیسے کیسے یہ صدف مجھ کو گہر دیتی ہے (اکبر)

گہر بمعنی موتی، مروارید، جوہر۔

صدگونہ = سیکڑوں طرح سے۔

صدمۂ یک جنبشِ لب = ہونٹوں کی ایک حرکت کا صدمہ ہونٹوں کے ہلنے کی چوٹ

صرصرِ شوق = عشق کی آندھی، شوق کی ہوائے تند و تیز۔

صرصر بمعنی تیز ہوا، آندھی۔

یہ بھی ملے صیاد ہے جورِ فلک
قید ہوں ہم باغ میں صرصر چلے (شعور)

صرف اعدا = دشمنوں پر صرف ہونا۔

صرف بمعنی مصروف، مشغول۔

رکن رکین عرش لیے فوج کا علم
کعبہ فلک پہ صرف طواف شہ امم (دبیر)

صرف بہائے مے = شراب کی قیمت کا خرچ

صرف بمعنی خرچ۔

مقدور نہیں اس کی تجلّی کے بیاں کا
جوں شمع سراپا ہو اگر صرف زباں کا (سودا)

صرف دریاں = ڈیوڑھی بان پر ختم ہو جانا۔

صرف بمعنی صرف۔

صرف بیجا کا تجھے شاید کوئی الزام دے
مفت کیوں سامان خورد و نوش لیکر دام دے (صفی لکھنوی)

صرفِ وفا = جو وفا کی تمام مہموں کے لیے کافی ہو۔

خون دل عشق کے غم سے جو بچا تھا ناطق
صرف اخلاق ہوا مصرف احباب ہوا (ناطق لکھنوی)

صرفہ = فائدہ، نفع، زیادتی، مہربانی، حیلہ، مکر، انصاف، افزونی، غلبہ، سبقت لے جانا، کفایت شعاری۔

کب لطف زمانی کچھ اس غنچہ دہن کا تھا
برسوں ملے پر ہم سے صرفہ ہی سخن کا تھا (میر)

ترسم کہ صرفہ نہ برد روز باز خواست
نانِ حلال شیخ ز آبِ حرام ما (حافظ)

کیوں صرفہ نگاہ مری جان ہو گیا
اک تیر اور میں ترے قرباں ہو گیا (داغ)

کنجوسی، بخل۔

مے کے دینے میں یہ صرفہ ہے تمہارے ساقی
کہ ستمگر مرا دامن بھی کبھی تر نہ ہوا (عبدالکریم سوز)

محاظ، بچاؤ۔

شیون = نالہ و فریاد ، آہ و بکا ، نوحہ ، ماتم۔

چھوڑ کر گھر ے ترے ہاتھوں سے نکل جائیں کہاں
تنگ ہمسایوں کا اے ذوق نہ کر شیون سے (ذوق)

کلیجا تھام لوگے جب سنوگے
نہ سنوائے خدا شیون کسی کا (ذوق)

ص

صاحب شاخ و برگ بار = پھل ، پتوں اور شاخوں کا مالک۔

صاحبقران = حکومت

دو ستاروں کے ایک برج میں یکجائی کو علم نجوم کی اصطلاح میں قِران کہتے ہیں جب دو سعد ستارے اس طرح ملتے ہیں تو اس کو قران السعدین کہتے ہیں۔ امیر تیمور کو صاحب قران اول اور شاہجہاں کو صاحب قرانِ ثانی کہا جاتا ہے۔

دادہ بصاحب قران نرگس شہلا قلم
تاکندش در بنان نشو و نما ہا قلم (طغرا)

صاعقہ و شعلہ و سیماب =

صاعقہ بمعنی گرنے والی بجلی شعلہ بمعنی آگ کی لپٹ کو سیماب بمعنی پارہ۔

صبح بہار = بہار کی صبح ، آغاز فصل بہار ہو سم بہار کی صبح جو بڑی حسین اور دلکش ہوتی ہے۔

چوٹی میں وہ لپیٹے ہیں پھولوں کے ہار کو
بھولی ہے شام کہہ دو یہ صبح بہار کو

صبح بہار نظارہ = بہار کی صبح کا منظر۔

صبح وطن = وطن کی صبح جو بہت خوشگوار ہوتی ہے۔

ظلمت شام غریباں سے پریشاں ہو کر
تجھ کو اے صبح وطن میں نے بہت یاد کیا (مولف)

روح نے لطف بیاباں کا چمن میں پایا
شام غربت میں مزہ صبح وطن کا پایا (تعشق)

صحبت اہل کنشت = اہل بتکدہ کی صحبت کنشت غیر مسلم کی عبادت گاہ ، بتخانہ۔

صحرا دست گاہ = صحرا کی وسعت رکھنے والا۔

دست گاہ بمعنی قدرت ، سامان ، سرمایہ ، مشق ، مہارت۔

یہ ضعف اب ہے کہ ہلنا گراں ہے قدموں کو
سبک روی میں کبھی ان کو دست گاہیں تھیں (امیر)

صحرا نورد = دشت نورد ، جنگل جنگل پھرنے والا ، جنگل میں آوارہ گردی کرنے والا۔

کہتے ہو تجھ کو دیکھتے ہیں کم
بندہ صحرا نورد رہتا ہے (تعشق)

صحن = آنگن۔

شام کو صحن میں حجرے سے نکلنا بی بی
تپ جو اترے تو عصا لے کے ٹہلنا بی بی (نفیس)

صدائے خندۂ دل = دل کے ہنسنے کی آواز۔

صد جلوہ = سیکڑوں جلوے۔

صد رنگ نالہ فرسائی = سو سو طرح سے نالہ و فریاد کرنا۔

صد رہ = سو راہیں ، سیکڑوں راستے ، سو طرح ، سو بار ، عربی زبان میں معقولات (فلسفۂ قدیم) کی ایک مشہور

کدہ = معبد، عبادت خانہ۔

اے آتشِ پنہاں = شرابِ آتشِ عشق، عشق
کی آگ جو عاشق کے دل میں پوشیدہ ہے۔

زبوں = مریل شکار۔
صید بمعنی شکار۔

جو اس دشت میں تھا کوئی صید بھی
سو اُنگے ہی وہ ہو گیا صیدِ ... (امیر)

زبوں بمعنی خراب، تباہ، بُرا۔

پختہ کاری کو زبوں کہتے ہیں
ہوشیاری کو جنوں کہتے ہیں (مرزا سودا)

از دام جستہ = جال میں پھنس کر نکل بھاگا شکار
جستن مصدر کودنا، جستہ بمعنی کودا ہوا، بھاگا ہوا۔

صیقلِ آئینہ = آئینہ کی قلعی، آئینہ کی جلا۔
صیقل بمعنی صفائی، قلعی، زنگ دور کرنا۔

نگاہِ عشق پر کیا حسن کی صیقل مدد دے گی
تجلی برقِ ہستی سوز کی مدِ مقابل ہے (عزیز لکھنوی)

ض

علمِ جرِ ثقیل = جرِ ثقیل کی امداد، جرِ ثقیل کے قواعد
ضابطۂ جرِ ثقیل۔ اس علم کو کہتے ہیں جس سے وزنی اور
بھاری بوجھ کو اٹھانے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل
کرنے کا اصول معلوم ہوتے ہیں۔ مراد دشوار کام کو سرانجام دینا۔

عشق کھنچوائے ہے اک زاہ جفا کش سے بزور
بارِ صد کوہ المِ بے عملِ جرِ ثقیل (ذوق)

ضامنِ نشاط = نشاط و مسرت کے ضامن۔
ضامن بمعنی کفیل، ذمہ دار، ضمانت کرنے والا۔

اک جھلک اپنی دکھادے جو مہ و مہر کو تو
پھر میں ضامن ہوں ترے در سے اگر جائیں کہیں (مصحفی)

نشاط بمعنی خوشی، انبساط، شادمانی، فرحت، عیش۔

تمہاری بزم تو ایسی ہی تھی نشاط افزا
رقیب نے بھی اگر پی، سرور آیا ہے (داغ)

ضبطِ شوق = شوق کو قابو میں رکھنا، اشتیاقِ دید کو قابو
میں رکھنا۔ ضبط بمعنی تحمل، برداشت۔

سنے میں نے جو اس طرح کے کلام
ضبط کا دل کو پھر رہا نہ مقام (فریبِ عشق)

شوق بمعنی خواہش، آرزو، تمنا، اشتیاق۔

امیر اتنا ہوا ثابت کشاکش سے محبت کی
مسافر کو لیے جاتا ہے کھینچے شوق منزل کا (امیر)

ضروری الاظہار = جس کا ظاہر کرنا ضروری ہو۔

ضعفِ دماغ = دماغ کی کمزوری۔

ط

طاقت بہ قدرِ لذتِ آزار = آزار کے لطف کے موافق
قوت، آزار اٹھانے میں جس قدر لذت ہے اس قدر برداشت۔

طاقت رُبا = طاقت کو زائل کرنے والا، صبر آزما۔

طاقتِ سیلان = بہنے کی طاقت۔

طاقِ گلزار = باغ کا طاق، طاقِ گلستاں۔
طاق بمعنی محراب دار ڈاٹ، وہ خانہ جو مکان کی

صریرِ خامہ = قلم چلنے کی آواز، قلم سے لکھائی کی آواز،
اگلے زمانے میں جب کلک کے قلم سے کاغذ پر لکھتے تھے تو
ایک قسم کی چرچر کی آواز نکلتی تھی اس کو صریر کہتے ہیں۔

نہ ہے نشاط اگر کیجیے اسے تحریر
عیاں ہو خامے سے تحریرِ نغمہ جا صریر (ذوق)

امیر اس کے خرام ناز کے مضمون جو لکھتا ہوں
صریرِ کلک بھی سوتے ہوئے فتنے جگاتی ہے (امیر مینائی)

صفِ مژگاں = پلکوں کی قطار۔

صدائے عام = دعوتِ عام۔

صدا بمعنی ضیافت، آواز دے کر بلانا۔

کہہ کے اب یا میر کوثر ساقیا اک جام دے
سچ کے خسرو باغ رندوں کے صدا عام دے (منی)

صنعتِ حق = قدرتِ حق۔

صور = نرسنگا جس کو حضرت اسرافیلؑ قیامت کے دن
پھونکیں گے اور جس کو سن کر تمام مردے اپنی اپنی قبروں
سے نکل آئیں گے

نہ چونکا مرا بخت خفتہ امیر
پھنکا صورِ محشر زمانہ ہوا (امیر مینائی)

شب ہے نہ سنکھیوں کی قال و قیل
گویا پھنکتی ہے صورِ اسرافیل (سودا)

صورتِ ارقام بطورِ تحریر۔

صورتِ اعجاز = معجزانہ کیفیت، کرامت کی شکل۔

صورتِ تکوین = تخلیق، وجود میں آنا۔

صورت بمعنی پیکر، نقش، نمونہ۔

ٹوٹے بت مسجد بنی مسمار میخانہ ہوا
جب تو اک صورت بھی تھی اب صاف ویرانہ ہوا (رند)

صورت خانۂ خمیازہ = انگڑائیوں کا صورت خانہ۔

صورت خانہ بمعنی بت خانہ۔

صورتِ دود = دھوئیں کے مانند، دھوئیں کی طرح۔

صورت بمعنی مانند، مثل۔

تا چند سر اسیمہ رہوں صورتِ سیماب
فرمایا کہ جب تک رہے شوخی اشارات (عزیز لکھنوی)

صورتِ رشتۂ گوہر = موتی کے تاگے کی مانند جس میں موتی
پروئے ہوتے ہیں۔

صورت بمعنی مثل، مانند، طرح۔

ناتوانی مجھے بیدم ہی پڑا رہنے دے
سانس آئے گی تو اڑ جاؤں گا پر کی صورت (شرف)

صورتِ شمع = شمع کی مانند۔

صورتِ عالم = دنیا کی شکل۔

صورت بمعنی شکل، چہرہ۔

داغ کی شکل دیکھ کر بولے
ایسی صورت کو کون پیار کرے (داغ)

تم نے رات کیا اس کی دیکھ کر صورت
کہ میں غلام ہوں اس شکل کا بہر صورت (میر)

صورتِ مہرِ نیم روز = دوپہر کے آفتاب کی مانند،
مہرِ نیم روز بمعنی آدھے دن کا سورج۔

ب انشائے التفات = محبوب کے التفات کی خوشی پیدا کرنے والی، وہ مسرت جو معشوق کے التفات سے حاصل ہوتی ہے۔ طرب بمعنی خوشی، فرحت، مسرت۔

وفورِ طرب ہے یہاں اس قدر
کہ رکھتا ہے نغمے کا نالہ اثر (تسلیم)

انشا بمعنی پیدا کرنا، شروع کرنا، دل سے بات پیدا کرنا، عبارت لکھنا، طرزِ تحریر۔ التفات بمعنی توجہ، مہربانی۔

پہلے تو التفات ان پہ کیا
حکم پھر بادشاہ نے یہ دیا (منیر)

ب خانۂ دہر = راحت کدۂ عالم۔

استفہام = بطور سوال، سوال کرنے کے طور پر
استفہام بمعنی سمجھنے کے لیے کسی بات کا پوچھنا۔

رہی یہ گفتگو برسوں مگر ایسے وہ بھولے ہیں
نہ استفسار ہی سمجھے نہ استفہام ہی سمجھے (نعیم)

غافل = تغافل کا طریقہ، بے پروائی کا طریقہ، غفلت شعاری۔

تغافل سے جو باز آیا جفا کی
تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی (مومن)

نقاب = گوشۂ نقاب، نقاب کا کنارہ۔
طرف بمعنی کنارہ، سرا۔

ن نہ ہونا = منہ نہ لگنا، مقابلہ کرنا، برابری کرنا۔
(یہ محاورہ اب متروک ہے اور اس معنی میں نظم نہیں کیا جاتا۔)

سودا تو اس زمیں میں غزل در غزل ہی لکھ
ہونا ہے تجھ کو میر سے استاد کی طرف

طرّہ = زلف، کاکل، کلغی۔

بوئے نافہ کاخر صبا زاں طرّہ بکشاید
ز تابِ جعد مشکینش چہ خوں افتاد در دلہا (حافظ)

طرّہ گیسو ترا، طرّہ مری دستار کا
گلشنِ رخسار تیرا میرے سر پر گُل فشاں (قدر بلگرامی)

طرۂ پُر پیچ و خم = بل کھائی زلفوں کے بل، گھونگھر والے۔ بالوں کے بل۔

طرّہ ہائے خم بہ خم = گیسوے خم دار، گھونگھر والے بال۔
طرّہ بمعنی زلف، لٹ، کلغی، بل کھائے ہوئے بال۔

گلے بر طرّہ دستار داری
خوشا بخت بلند باغباناں (غالب)

سر پہ طرّہ ہے مزیّن تو گلے میں بدّھی
(ذوق)

طعمہ = خوراک، روزی مراد لقمہ، نوالہ (طعمہ اجل یعنی موت کا لقمہ)

دل ہے لے لوٹ تو کیوں وجہ تسلّی ہو دروغ
طائرِ مردہ مگر طعمۂ شہباز نہیں
تن پہ بوٹی نہ رہی زاغ کماں کا طعمہ
واہ کب میں تجھے لے تیر فگن یاد آیا (بحر)

طعنہ نایافت = نہ پانے کا طعنہ، طعنہ ناکامی، طعنہ نارسائی
طعنہ بمعنی طنز، آوازہ کسنا۔

دیواروں میں چھوٹی موٹی چیزیں رکھنے کے لیے خاص
وضع سے بنایا جاتا تھا۔

دے مارا ہے سر زور سے جب ہجر میں میں نے
دیوار میں روزن نہ سہی طاق ہوا ہے (اسیر)

طاق سے تو اُتارے شیشہ
طاق پر رکھ کتاب اندیشہ (ذوق)

طاق نسیاں = ایسا طاق جس میں کوئی چیز رکھ کر
بھول جایا جائے۔ نسیاں بمعنی بھول۔

شد مقرر ہے کسی گردش چشمے کجاست
تا نہد بر طاق نسیاں شیشہ و پیمانہ را (میرزا صائب)

طالعِ بیدارِ بستر = بستر کی خوش نصیبی۔ بستر کا جاگا ہوا
نصیبہ۔ طالع بیدار بمعنی خوش قسمتی، خوش نصیبی،
جاگتی ہوئی قسمت۔

آیا نہ میرا دیدۂ بے خواب میرے کام
وہ بھی عدو کا طالعِ بیدار ہو گیا (ناظم رامپوری)

یار نے مجھکو مجھے یار نے سونے نہ دیا
رات بھر طالع بیدار نے سونے نہ دیا (داغ)

طالع شوق = شوق کا نصیبہ۔
طالع بمعنی بخت، نصیب، قسمت۔

ہم گلشن دوراں میں از خفتگی طالع
سر سبز تو ہیں لیکن جوں سبزۂ خوابیدہ (درد)

طالع تو خوب تھے نہ ہوا جاہ کچھ نصیب
سر پر مرے ہزار برس تک ہما پھرا (میر)

طاؤس شکار = مور کا شکار کرنا۔
طاؤس بمعنی مور، مشہور خوبصورت پروں کا ایک پرند۔

تقلید بن پڑی نہ تمہارے خرام کی
طاؤس لڑکھڑا کے گلستاں میں رہ گیا (صبا)

طبع = طبیعت۔

اُن کے آنے سے یاس ہونے لگی
طبع کچھ کچھ اُداس ہونے لگی (فریب عشق)

طبلۂ عنبر = عنبر کا صندوقچہ۔
طبلہ بمعنی ڈبا، صندوقچہ، ایک قسم کا ایک رُخا باجا جس
کو ہاتھوں کی دھمک سے بجایا جاتا ہے۔

تیرے گانے سے معطر ہوئی محفل ایسی
لوگ کہنے لگے عطار کا طبلہ ٹوٹا (میر)

طرازِ دوام = ہمیشگی کا طغرا۔
طراز بمعنی زینت، نقش، آرائش۔

ذی حوصلہ ذی علم، کریم و جواد
ذی علم سخن طراز، شاعر نقاد (ناطق لکھنوی)

طراوتِ چمن = چمن کی شادابی، چمن کی سرسبزی،
چمن کی تازگی۔
طراوت بمعنی تازگی، شادابی، ٹھنڈک، شگفتگی۔

جس میں باقی رہے نظارت حسن
کہاں ہمیں چاہیے طراوت حسن (الخ)

کیا کہوں میں سبزۂ رخسار گلگوں کا اثر
دیکھتے ہی میری آنکھوں میں طراوت ہو گئی (تسلیم)

طوبیٰ و سدرہ = جنت کے درخت، طوبیٰ جنت کا ایک
درخت ہے، سدرہ بھی جنت کا ایک درخت ہے جس کے
پتے بیری کے پتوں کے مماثل ہیں اس درخت کا ذکر قرآن
پاک کی سورہ والنجم میں آیا ہے۔

بُستانِ سرائے فیض و کرم میں بجائے سرو
سدرہ ہے نور کا کہیں طوبیٰ ہے نور کا (امیر)

طوطیٔ بسمل = تڑپتا ہوا طوطی۔
طوطی بمعنی ایک چھوٹا سا پرند جس کا رنگ سبز ہوتا ہے۔

صدا یہ قلقلِ مینا سے مے خانے میں آتی ہے
کہ بختِ سبز اک طوطی ہے مستوں کے گلستاں میں (امیر مینائی)

طوطیٔ سبزۂ کہسار = کہسار کے سبزے کا طوطی

طوفانِ آمد آمدِ فصلِ بہار = فصلِ بہار کے آنے کا غلغلہ،
فصلِ گل آنے کی دھوم۔
طوفان بمعنی تیز ہوا، آندھی، سیلاب۔

دو تُند ہواؤں پہ بنیاد ہے طوفاں کی
یا تم نہ حسیں ہوتے یا میں نہ جواں ہوتا (آرزو لکھنوی)

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے
ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے (درد)

طوفانِ صدائے آب = پانی کی آواز کا طوفان، پانی
کے طوفان کی آواز۔

طوفانِ طرب = جوشِ مسرت، شادمانی کا طوفان،
طوفانِ نشاط۔

طوفانیٔ کیفیتِ فصل = موسمِ بہار کے نشہ کا جوش د
خروش۔ فصل بمعنی فصلِ بہار۔

طوفِ حرم = حرم کا طواف، زیارتِ کعبہ شریف
حرم کی زیارت کے لیے کعبہ شریف کا طواف ضروری ہے
جو کعبہ شریف کے اطراف سات چکر لگا کر کیا جاتا ہے۔

طوقِ گردن = گردن کی طوق۔
طوق بمعنی ایک قسم کا زیور جو گلے میں پہنا جاتا ہے

گردن کو آج تک تری باہوں کی یاد ہے
یہ منتوں کا طوق بڑھاپا نہیں ہنوز (جوش ملیح آبادی)

طُومارِ ناز = دفترِ ناز، صحیفۂ ناز۔
طُومار بمعنی دفتر، صحیفہ، نامہ۔

اک عمر کا قصہ ہے برسوں ہی کا جھگڑا ہے
سنتے وہ اسے کب تک طومار ہے دفتر کا (نسیم)

طہارت = پاکی، پاکیزگی، صفائی۔

کعبۂ دل کی زیارت کو طہارت تھی ضرور
تیر کو واجب وضو سے آبِ پیکاں ہو گیا (امیر)

طیور = طائر کی جمع بمعنی پرندے۔

کانپے شجر، طیور اڑے، آشیاں گرے
نزدیک تھا زمیں ہو شق آسماں گرے (تعشق)

ظ

ظرفِ تنگنائے غزل = غزل کے میدان کی تنگی، صنفِ غزل
کی تنگ دامانی، غزل میں گنجائش کا کم ہونا۔
ظرف بمعنی برتن، استعداد، حوصلہ، گنجائش۔

ہم تڑپ کر ہوے ٹھنڈے ترے خنجر کے طفیل
ملعنہ غیروں نے دیا صبر و شکیبائی کا
(امیر)

نایافت بمعنی نہ پانا۔

تنور شکم دم بدم تافتن
مصیبت بود روز نایافتن (سعدی)

طغرل و سنجر = طغرل سلجوقی خاندان کا پہلا بادشاہ، سنجر سلجوقی خاندان کا چھٹا بادشاہ۔

طفلان بے پروا = بے پروا بچے کسی بات کی پروا نہ کرنے والے لڑکے۔

طلائے دست افشار = ہاتھ سے دب جانے والا سونا، خالص سونا، کُندن، خسرو کے پاس موم کی طرح نرم قسم کا کُندن تھا جس کو ہاتھ سے دباکر جو چیز چاہتے بنا سکتے تھے۔ پرویز نے اس کا ترنج بنالیا تھا جو اس کے دسترخوان کی زینت بنتا تھا غالب نے اس سونے کو طلائے دست افشار نظم کیا ہے کیونکہ وہ موم کی طرح ہاتھ سے دب جاتا تھا۔

طلب مستی ناز = مستی ناز کا طلب کرنا۔

طِلسم پیچ و تاب = طلسم اضطراب، بے قراری کا طِلسم
طلسم بمعنی جادو، حیرت میں ڈالنے والا منظر، تماشا۔

جادو ہے یا طلسم تمہاری زبان میں
تم جھوٹ کہہ رہے تھے مجھے اعتبار تھا (بیخود دہلوی)

پیچ و تاب بمعنی غم و غصہ، اضطراب، بے چینی۔

تڑپ تڑپ کے کٹی رات یاد گیسو میں
عجب طرح کا طبیعت کو پیچ و تاب رہا (سحر)

خط پڑھ کے اور بھی وہ ہوا پیچ و تاب میں
کیا جانے لکھ دیا اسے کیا اضطراب میں (ذوق)

طِلسم دل سائل باندھا = دل سائل کا طلسم باندھا
سائل بمعنی سوال کرنے والا۔

گدائے کوئے الفت بادشاہ خطۂ دل ہوں
کہیں ہر شے سے بے پروا کہیں ہر در پہ سائل ہوں
(ناطق لکھنوی)

طلسم۔ جادو کا پتلا جو وہمی خیالات سے بنایا جائے، جادو
طلسم باندھنا۔ حیرت انگیز بات کر کے دکھانا۔

طلسم قفلِ ابجد = حرفوں کی ترتیب سے کھلنے والے قفل کا طلسم

طمع خام = لالچ، حرص خام۔

طنابِ معمار = معمار کی وہ ڈوری جس سے وہ دیوار کی سیدھائی یا ٹیڑھاپن معلوم کرتا ہے۔

طناب بمعنی رسی، ڈوری۔

کون کہتا ہے کہ یہ نکلی ہے شب کو کہکشاں
ہے مگر کوئی طناب اس خیمۂ افلاک کی (ظفر)

طواف کوے ملامت = مراد طواف کوچۂ محبوب، اس کوچہ کا طواف جہاں جانے سے سوائے لعنت ملامت کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

طواف بمعنی کسی مقدس چیز کے اطراف چکر لگانا، خانہ کعبہ کے اطراف پھرنا۔

طوافِ کعبہ میسر ہے ہمکو گھر بیٹھے
جدھر نگاہ کی صورت تری اُدھر دیکھی (شاہ نصیر)

عالم بمعنی دنیا، سماں، منظر، انداز۔

درہمی سے برہمی سے دیکھیے
دونوں عالم کا عجب عالم ہوا (میر)

دریا میں رواں ہے حال امواج
عالم ہے یہاں روا روی کا (اسیر)

عالم تمکین وضبط = سنجیدگی اور ضبط کے ماحول میں مراد معشوق کا سنجیدہ ہونا اور عاشق کا ضبط و تحمل سے کام لینا۔

عالم کفِ خاک = دنیا ایک مٹھی بھر خاک کے برابر۔

عالم ہستی = عالم حیات، زندگی کا عالم، دنیا۔

سازو برگ عالم ہستی درہی ہے کیا نہیں
یہ بتاؤ یاد کرتے ہو ہمیں بھی یا نہیں (عزیز لکھنوی)

عَتبۂ عالی = آستانِ عالی، بلند پایہ چوکھٹ۔

عجز اعجاز ستائش = مدح سرائی کی معجز بیانی کا عجز۔

عجز بمعنی مجبوری، ناچاری، انکار۔

ہے مشیت وہاں ارادت میں
عجز اس کو نہیں ہے قدرت میں (سراج نظم)

عجز حوصلہ = پست ہمتی۔

عجز ہمت = پست ہمتی، حوصلہ کی پستی۔

عجز بمعنی نارسائی، کسی کام پر قدرت نہ ہونا۔

تو نے دیکھا یہاں سے عجز بصر
حکم کرتی ہے صاف عقل بشر

عدم سے بھی پرے ہوں = عدم سے بھی آگے نکل گیا ہوں۔

عدم بمعنی ناموجود یعنی موجود نہیں ہوں۔

عدم میں رہتے تو شاد رہتے اسے بھی فکر ستم نہ ہوتا
جو ہم نہ ہوتے تو دل نہ ہوتا جو دل نہ ہوتا تو غم نہ ہوتا (مومن)

عدو = دشمن۔

مری یہ ہجر میں حالت ہے زندگی بھر کی
کبھی عدو کی شکایت کبھی مقدر کی (شفیق جونپوری)

اس کو اُجاڑنے کی فکر گو ہمیں مدتوں سے تھی
دل کا مرے عدو ہوا نالۂ جاں گداز کیوں (شاد عظیم آبادی)

عذرِ بارش = پانی برسنے کا عذر۔

عذر بمعنی بہانہ، حیلہ۔

ہم سمجھتے ہیں آزمانے کو
عذر کچھ چاہیے ستانے کو (مومن)

عذر خواہ = معذرت خواہ، معافی کا طلبگار۔

یوں بانوئے غریب بھی زینب سے عذر خواہ
جو ہم نہ پایا در پہ ادھر ذوالجناح شاہ (اوج)

تقاضا وہی عذر خواہی وہی
وہی ناشنیں ہیں وہی عذر داری (آزاد عظیم آبادی)

عذر خواہ لب بے سوال = سوال نہ کرنے والے لبوں کا طالب عفو ہونا۔

عذر خواہ بمعنی معافی کا طالب، معذرت خواہ۔

پی کے مے ان واعظوں سے عذر خواہی کیا کروں
بوئے مے آتی ہے ہونٹوں سے الٰہی کیا کروں (امیر)

عذرِ مستی = مستی کا بہانہ۔

کرتے ہیں تہی مغز ثنا آپ اپنی
جو ظرف کہ خالی ہے صدا دیتا ہے (انیس)

ظرفِ قدح خوار = مے نوش کا ظرف، شراب پینے والے کی پی کر نہ بہکنے کی برداشت

ظرف بمعنی گنجائش، سمائی

آج امتحاں ہے نالۂ بے اختیار کا
کل ظرف دیکھنا ہے ترے رازدار کا (حالی)

ظہوری = فارسی کا ایک شاعر جس نے عراق اور ایران کے بعد ہندوستان کا سفر کیا اور دکن کی جانب بیجاپور پہنچ کر ابراہیم عادل شاہ کا درباری شاعر ہو گیا ظہوری نے نثر نگاری میں بڑی شہرت حاصل کی اس نے تین کتابوں کے مقدمے فارسی میں لکھے جو کہ سہ نثر ظہوری کے نام سے مشہور ہیں۔

ع

عاجزِ عرضِ یک افغاں = ایک نالہ کرنے سے عاجز، ایک نالہ کرنے کی بھی سکت نہیں۔

افغاں بمعنی فغاں، نالہ، شور، فریاد

اس قدر مشق رہی نالہ و افغاں کی ہمیں
یادِ محبوب میں ہم طرزِ سخن بھول گئے

عارِ بستر = ننگ بستر، بستر کے لیے باعث شرم، بستر کے لیے باعث غیرت

عار بمعنی ننگ، غیرت، شرم، پرہیز

جمیل کیا اسی ہمت پہ تھا علاج سے عار
کراہنے کی صدا اب تو دور جانے لگی
(جمیل مظہری)

غضب ہے اس ستم گر پر دلِ امیدوار آئے
کرم سے جس کو نفرت ہو وفا سے جس کو عار آئے (داغ)

عارِ دل = ننگ دل، دل کے لیے باعث ننگ، دل کے لیے باعثِ شرم

عار بمعنی ننگ، غیرت، شرم

بات کب ناگوار اٹھتی ہے
داغ سے کس کی عار اٹھتی ہے

عارفانہ کلام = معرفت سے پُر کلام، ایسا کلام جس میں معرفتِ الٰہی کے مضامین نظم کیے گئے ہوں۔

عارفانہ بمعنی معرفت سے بھرا ہوا، عارف کی طرح

تسلی کو جو دیکھا عارفانہ
تھا دل کی زباں پر یہ ترانہ (صفی لکھنوی)

عاشقِ اہلِ کرم = صاحبانِ خیر کے چاہنے والے، کرم گستروں کے عاشق۔

اہلِ کرم بمعنی صاحبانِ بخشش، مہربانی کرنے والے

عاشقِ دیوانہ = بے باک اور نڈر عاشق، عاشقِ وارفتہ، پاگل ہو جانے والا عاشق۔

عاشق کُش = عاشق کو مار ڈالنے والا، قاتلِ عاشق

عالم آرائی = دنیا کی سجاوٹ، عالم کو آراستہ کرنا، عالم کی آرائش کرنا، دنیا کو آراستہ کرنے کی صورت حال۔

آنکہ نابینا ے مادر زاد اگر حاضر شود
در جبین عالم آرائش بہ بیند بہتری (انوری)

عالمِ تقریر = تقریر کی دنیا۔ تقریر کی کیفیت۔

جب دل کو نہیں ماتم احباب سے فرصت
بہتر ہے کہ اب دل کو عزا خانہ بنا دے (عزیز لکھنوی)

عشرتِ پارۂ دل = راحت دل۔
عشرت بمعنی عیش و راحت۔
پارہ دل۔ لختِ دل مراد دل۔

عشرتِ صحبتِ خوباں = حسینوں کی صحبت کا لطف، حسینوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کے مزے۔
عشرت بمعنی عیش و نشاط، آرام، خوش دلی۔

کسی کو عشرت ہے رات اور دن کسی کو غم سے نہیں فراغت
یہ مختلف حال بھی جہاں میں عجب طرح کا معاملہ ہے (استاد عظیم آبادی)

عشرتِ قتل گہ اہلِ تمنا = عاشقوں کے قتل کی خوشیاں، قتل گاہ میں عشاق کی مسرت۔

عشرتِ قطرہ = قطرہ کے لیے مسرت کا سبب، قطرہ کے لیے باعثِ راحت۔

عشقِ پُر عربدہ - عشقِ جنگجو۔

عشقِ خانہ ویراں ساز = گھر کو ویران بنانے والا عشق۔

عشقِ خون نابہ مشرب = خون پینے کا مشرب رکھنے والا۔
عشق۔ خون نابہ مشرب - خالص خون پینے کی عادت رکھنے والا۔

عشقِ نبرد پیشہ = لڑائی لڑنے کا پیشہ کرنے والا، ایسا عشق جو ڈٹ کر مقابلہ کرنے کا طالب ہو۔

عشوہ = غمزہ، دلفریب ادا، ناز و انداز۔

عشوہ بھی ہے شوخی بھی تبسم بھی حیا بھی
ظالم میں اور اک بات ہے ان سب کے سوا بھی (اکبر الٰہ آبادی)

عشووں کو چین ہی نہیں آفت کیے بغیر
تم اور مان جاؤ شرارت کیے بغیر (جوش ملیح آبادی)

عطر آگیں = عطر بیز، معطر، خوشبودار۔

امید کے وعدہ ہائے رنگیں
مانندِ گلابِ عطر آگیں (مضطر لکھنوی)

عقدِ گردنِ خوباں = حسینوں کی گردن کی لڑی۔
عقد بمعنی گرہ، لڑی۔

کو بکو بکنے لگیں جب تیتیاں انگور کی
پانی پانی درج میں عقد لآلی ہو گیا (بحر)

عقدہ = گرہ، گانٹھ، الجھاؤ۔

اور وہ کون سا عقدہ ہے کہ آساں ہو گا
ایک ملنا تھا تمہارا سو ہے دشوار مجھے (سوز)

ہزار طرح کے عقدے پڑے ہوئے دل میں
کھُلا نہ ایک ترا عقدۂ نقاب دریغ (مومن)

عقدۂ احکام پیغمبر = رسول اللہ کے احکام کی گرہ مراد شریعت اسلامی کی گتھی۔
عقدہ بمعنی گرہ، گٹھا، گتھی۔

عقدۂ دشوار = سخت گرہ، عقدۂ لاینحل، امر مشکل

عقدہ کشائی = گرہ کشائی، مشکل کشائی، تکلیف دور کرنا، گرہ کھولنا۔

پڑی ہے اک گرہ دل میں ہمارے دست نکہت سے
مدد اے ناخنِ ہمت دمِ عقدہ کشائی ہے (عزیز)

عقدۂ مشکل = مشکل سے سلجھنے والی گتھی۔

غدر بمعنی بہانہ۔

قتل کو دوڑ کر چلے آئے
وصل میں عذر تھے نزاکت کے (امیر مینائی)

عذر واماندگی = تھکن کا عذر۔

واماندگی بمعنی تھکاوٹ، تکان۔

عربدہ میدان مانگا = میدان جنگ مانگا، مبارزت طلب کرنا، جنگ کرنے کی خواہش ظاہر کرنا، میدان جدوجہد۔

عربدہ بمعنی بدخوئی، لڑائی جھگڑا، جنگ۔

بے گنہ چاہنے والوں کا جو خون کرتا ہے
تجھ کو کچھ شرم بھی اے عربدہ جو آتی ہے (عاشق)

عرض = فلسفہ کی اصطلاح، وہ شے جو خود قائم نہ ہو بلکہ دوسری چیزوں کی وجہ سے عالم وجود میں آئے۔

ہم رہیں جس کی طرف محتاج مانند عرض
ذات پر قائم رہے اپنی وہ جوہر چاہیے (عزیز لکھنوی)

عرض خمیازہ ایجاد = ایجاد کی انگڑائی کا مظاہرہ۔

عرض سبزہ = سبزی کا اظہار، سبزی کی نمائش، اپنی سبزی کے سبب۔

عرض ستم ہائے جدائی = جدائی کے ستم بیان کرنا۔

عرض بمعنی پیش کرنا، بیان کرنا، کہنا۔

سنیے اب ایک ہے یہ میری عرض
علم کا سیکھنا ہے سب پر فرض (صفی لکھنوی)

عرض گراں جانی = سخت جانی کا اظہار۔

عرض متاع عقل و دل و جان = دل و جان اور عقل و فہم کا سرمایہ پیش کرنا۔

عرض ناز = ناز و انداز کی جلوہ نمائی، ناز و انداز کا

عرض ناز شوخی دنداں = دانتوں کی شوخی کے ناز و انداز کا اظہار۔

عرض نیاز عشق = عشق کی عاجزی اور نیازمندی کا اظہار۔

عرض ہنر = اظہار ہنرمندی، ہنر کا پیش کرنا۔

عرق = پسینہ۔

رفتار نبض بگڑی آیا عرق جس پر
کشتی کہیں پہ ڈوبی طوفاں اٹھا کہیں پر (ناعلم)

عرق انفعال = ندامت کا پسینہ۔

موتی سمجھ کے شان کریمی نے چن لیے
قطرے جو تھے مرے عرق انفعال کے (اقبال)

عرق فشاں = پسینہ چھڑکنے والا۔

عرق بمعنی پسینہ۔

کبھی دیکھے ہماری عرق فشانی دھوپ
جلے جھنوں پہ کرے اپنی مہربانی دھوپ (ذکر)

عریضہ نگار = عرضی گذار، درخواست پیش کرنے والا۔

عریضہ بمعنی درخواست، گذارش۔

نوشتہ ہے منیر بے نوا کا
شہنشہ کو عریضہ ہے گدا کا (منیر)

عزاخانہ اقبال = خوش نصیبی کا ماتم خانہ۔

عزاخانہ بمعنی ماتم خانہ، ماتم کا گھر۔

کر عطا ہوئی عنقا دہن ملا نایاب
جو کچھ خدا نے دیا تم کو انتخاب دیا (امانت)

درد دل پوچھنے والا کوئی میرا نہ رہا
ہوگئی صورت عنقا مرے غمخوار کی شکل (آتش)

عنوان = سرنامہ، ابتدا، آغاز، دیباچہ، شروع، طرز، طریق۔

بھیجتے تھے خط ہمیں پہلے وہ جس عنوان سے
اب تو اک مدت سے وہ عنوان بھی جلتا رہا (ظفر)

دیکھو قسمت کا لکھا اُس نے پڑھا خط سو بار
دھیان پر میرا نہ مضمون کسی عنوان چڑھا (ذوق)

عہد تجدید تمنا = از سر نو تمنا کرنے کا عہد، از سر نو امید کرنا مراد تجدید عہد تمنا۔

عید نظارہ = نظارہ کی عید، عید نظارہ مراد ہلال عید نظارہ۔

عہدے سے باہر آنا = عہدہ بر آ ہونا، حق ادا کرنا، فرض ادا کرنا، ذمہ داری سے سبکدوش ہونا۔

عیاذاً باللہ = خدا کی پناہ، معاذ اللہ۔

عیار آبروے زر = سونے کی آبرو کی کسوٹی۔

عیار بمعنی کسوٹی، سیاہ پتھر کا ایک ٹکڑا جس پر کھرے اور کھوٹے سونے چاندی کو پرکھا جاتا ہے۔

بک جاتے ہیں ہم آپ متاع سخن کے ساتھ
لیکن عیار طبع خریدار دیکھ کر

عیار طبع خریدار = خریدار کی پرکھنے والی طبیعت۔ خریدار کا سخن فہم مزاج، خریدار کا مذاق سخن فہمی عیار بمعنی کسوٹی جس پر سونے کو پرکھا جاتا ہے۔

سکہ شہ کا ہوا ہے روشناس
اب عیار آبروے زر کھلا (غالب)

عید ماہ صیام = عید الفطر، مسلمانوں کی عید جو رمضان شریف ختم ہونے کے بعد آتی ہے، عید رمضان۔

عیش بے تابی = راحت اضطراب، بے چینی میں آرام پانا

عیش تمنا = تمنائے عیش و عشرت۔

عیش طرب = عیش و جشن، عیش و راحت، عیش و عشرت۔

غ

غارت گر جنس وفا = وفا شعار عاشق کو برباد کرنے والا یعنی معشوق۔

غارت گر بمعنی برباد کرنے والا، قزاق۔

عشق وہ غارت گر ایماں ہے یہ چاہے اگر
واعظوں کو کلمہ پڑھوائے منات ولات کا (بحر)

غارت گر ناموس = عزت و آبرو کا غارت کرنے والا۔

ناموس بمعنی نیک نامی، عصمت، آبرو، شرم، عفت، عزت

نسبت تو دیتے ہیں ترے لب سے پر ایک دن
ناموس یوں ہی جائے گی آب حیات کی

غالیہ مو = خوشبودار بال، مہکتے ہوئے بال مشک و عنبر اور دوسرے خوشبودار اجزا کو ملا کر بال میں لگانے کے لیے سیاہ رنگ کی ایک مرکب خوشبو بناتے ہیں جس کے متعلق

عقدہ بمعنی گتھی، گرہ، گانٹھ۔

جو عقدہ ہمکو خدا بناتا تو عقدہ کار بنتے اپنا
جو تار ہمکو خدا بناتا تو اپنے اشکوں کے تار موتے (قدر بلگرامی)

عقوبت = عذاب، سزا، دکھ۔

خدایا میں بندۂ گناہ گار ہوں
عقوبت کا تیری سزاوار ہوں (نامعلوم)

علی الرغم = برخلاف، برعکس۔

آیا مہ صیام علی الرغم محتسب
روزے شراب سے سرِ بازار توڑیے (ناسخ)

علم = جھنڈا، رایت، نشان۔

کیا نالہ اگر دل نے تو آنسو بھی رواں ہونگے
کہ لشکر جمع ہوتا ہے علم جس دن نکلتا ہے (امیر مینائی)

عُلو = بلندی، اونچائی۔

قد پر ترے وہ راست قبائے عُلوِ جاہ
زیبندہ جس کے واسطے بالا بر آسماں (ذوق)

عمرِ جاوداں = عمر دوام، ہمیشہ باقی رہنے والی زندگی

شبِ وصال نہ ہو روزِ انتظار نہ ہو
تو ہم بھی فکر کریں عمرِ جاوداں کے لیے (محسن)

عمر طبیعی = جگہ اور زمانے کے اعتبار سے کسی شخص کی زیادہ سے زیادہ عمر۔

اے شمع تیری عمر طبیعی ہے ایک رات
رو کر گذار یا اسے ہنس کر گذار دے (ذوق)

عمر ورع = پرہیزگاری کی زندگی، پرہیزگاری میں گذری ہوئی عمر۔

ورع بمعنی پرہیزگاری، پارسائی، تقویٰ۔

پیری میں زہد و ورع جوانی میں زندیاں
ہے روز بحرِ رنج و تعب شب برائے عیش (ابحر)

عناں = لگام، باگ، لجام، راس۔

بلا سے خاک ہو برباد سارے خاکساروں کی
سمندِ ناز کی اس سے عناں پھیری نہیں جاتی (بہادر شاہ ظفر)

عناں گیر = روکنے والا، باگ پکڑے ہوئے راستہ روکنا۔

عناں بمعنی لگام، باگ۔

گیر مصدر گرفتن بمعنی پکڑنا۔

عناں گیر ہونا بمعنی لگام پکڑ کر بڑھنے سے روکنا۔

جان عناں گیر سواری است کہ تا دز نگری
از درِ دیدہ دروں آید و تا دل بَرَوَد (ملا وحشی)

عناں گیر خرام = چلنے میں رکاوٹ۔

عناں بمعنی لگام، باگ۔

عناں گیر ہونا۔ لگام پکڑ لینا، روک لینا۔

ہر موج صبا عناں گستہ
رنگ رخ یاسمن شکستہ

عنقا = لاجواب، نایاب، کمیاب، معدوم۔

ایک ایسا فرضی ناپید پرندہ جس کا صرف نام سنا گیا ہے مگر اس کو کبھی کسی نے دیکھا نہیں ہے۔ نایاب چیز جو ڈھونڈنے سے بھی نہ ملے عنقا کہتے ہیں، معدوم۔

غنچۂ گُل = پھولوں کی کلی۔

غنچۂ ناشگفتہ = منہ بند کلی، کلی جو ابھی کھلی نہیں
مراد: دہن تنگ۔

غیب غیب = جو چیز آنکھوں سے اوجھل ہو اس کو غیب
کہتے ہیں۔ ایسی شے جس کو حواس خمسہ محسوس نہ کر سکیں۔
غیر موجودگی، پوشیدہ، ناموجود۔

جب کہا میں نے دہن دکھلایئے
غیب سے آواز آئی دیکھئے (عاشق)

غیر از نگاہ = سوا نگاہ کے۔

غیر از نگہِ دیدۂ تصویر = بجز نگاہ چشم تصویر یعنی
جس طرح دیدۂ تصویر میں نگاہ ہوتی ہے اس طرح
دشت عشق میں کوئی جادہ (راستہ) نہیں ہے۔

غیر اطاعت = بغیر اطاعت، حکم بجالانے کے سوا۔

غیرتِ صرصر = جس کی تیزی سے آدمی کو غیرت آئے،
تیز رَو ہوا سے زیادہ تیز۔

غیر جلوۂ گُل = جلوۂ گل کے سوا، پھولوں کے جلووں
کے علاوہ۔ جلوۂ گل بمعنی پھولوں کی کثرت۔

ف

فاقہ مستی = تنگی میں مگن رہنا۔
فاقہ مست بمعنی غربت اور تنگی میں بھی مست رہنے والا

داغ اب فاقہ مست بن بیٹھے
مانگ کھانے کے ہیں ہزار طریق (داغ)

فتح و ظفر = کامیابی اور فتح مندی، نصرت و فیروزی۔

اقبال جس کا عرف ہے وہ اک غلام تھا
فتح و ظفر نقیبوں کی جوڑی کا نام تھا (دبیر)

آدمی چاہے تو دیو آسماں کو مار لے
نفس سرکش پہ مگر فتح و ظفر ملتی نہیں (صبا)

فتراک = شکاری کے گھوڑے کی زین کے پاس شکار باندھنے
کے لیے جو چمڑے کا تسمہ لٹکا ہوتا ہے اس کو فتراک کہتے ہیں
یعنی شکار بند۔

کیا عہد کوئی اس بت سفاک سے باندھے
سر کاٹ کے عاشق کا جو فتراک سے باندھے (مصحفی)

میں اگر زینت فتراک کے قابل ہوتا
حلق میرا بھی تہِ خنجر قاتل ہوتا (مصحفی)

فتنۂ شورِ قیامت = قیامت کے شور کا فتنہ۔
فتنہ بمعنی ہنگامہ، شورش، فساد۔

حشر میں اٹھے ہیں مردے قبر سے
یہ بھی ہے فتنہ تری رفتار کا (رسا)

فتنۂ طاقت رُبا = طاقت کو زائل کرنے والا فتنہ۔
رُبا کا مصدر ربودن ہے بمعنی اچک لے جانا۔
دل رُبا، ہوش ربا وغیرہ الفاظ اسی مصدر سے بنے ہیں۔

فتیلہ = بتی (چراغ کی موٹی بتی، پلیتا)

پھر دل میں آہ سرد ہوئی میرے شعلہ زن
لو پھر بھڑک اٹھا یہ فتیلہ بجھا ہوا (ذوق)

یہ لفظ فتل سے بنا ہے جس کے معنی بٹنا اور بل دینا ہے۔

فراغ = آزادی، فراغت، آرام، چھٹی، فرصت۔

کہا جاتا ہے کہ یہ حکمت جالینوس کی ایجاد تھی۔

غالیہ مو بمعنی خوشبودار بالوں والا محبوب۔

غبارِ وحشتِ مجنوں = مجنوں کی دیوانگی کا غبار۔

غرقِ دریا = دریا میں ڈوبنا۔ غرق بمعنی ڈوبنا۔

دل کا جہاز آنسوؤں میں غرق ہوگیا
آنکھوں کی روشنی میں بہت فرق ہوگیا

غرقِ مے = شراب میں ڈوبا ہوا مدہوش ہو، غرقِ مے (تعشق)

غرقِ نمکداں = نمکداں میں ڈوب جانا، زخم پر نمک لگنے سے جلن اور تکلیف ہوتی ہے اس لیے غرقِ نمکداں ہونے کی تکلیف اور بڑھ جاتی ہے۔ مراد انتہائی تکلیف۔

غرورِ دوستی = محبت پر غرور، دوستی پر فخر و ناز، غرور بمعنی گھمنڈ، تکبر

شاہوں سے پوچھتی ہے تہِ خاک عاجزی
کیسی یہ تمکنت تھی یہ کیسا غرور تھا (امیر مینائی)

غرورِ عزّ و ناز = اعزاز و ناز پر فخر، رتبہ اور ناز و انداز پر گھمنڈ۔

غرّہ اوج بنائے عالمِ امکاں = دنیائے فانی کی بلندی پر گھمنڈ۔

غرّہ بمعنی غرور، گھمنڈ۔ اوج بمعنی ترقی، بلندی۔

بنا بمعنی بنیاد، تعمیر، عمارت۔

عالمِ امکاں۔ ممکنات کی دُنیا، عالمِ فانی۔

ع تھا عالمِ امکاں کی ہر اک شے میں تزلزل

ے محشر میں تو لازم ہے دیدار سلیم اس کا
شاید ہو یہیں ممکن یہ عالمِ امکاں ہے (مؤلف)

غسلِ صحت = صحتیابی کا غسل، بیمار کے صحت پاجانے کے بعد جو پہلا غسل ہوتا ہے اس کو غسلِ صحت کہتے ہیں۔

موت ہی سے کچھ علاج دردِ فرقت ہو تو ہو
غسلِ میت ہی ہمارا غسلِ صحت ہو تو ہو (ذوق)

غفلت شعاری = غفلت کرنے کی عادت، تغافل۔

بے وفائی آپ کی غفلت شعاری آپ کی
میرے دل نے عادتیں سیکھی ہیں ساری آپکی (تعشق)

غلط بردار = وہ چاقو جس سے غلط لفظ چھیل کر مٹا دیا جائے، غلط تحریر کا مٹانے والا کاغذ جس سے حرف خود بخود ا

جوہر اس سے یوں اٹھالیں جس طرح
حرف قرطاس غلط بردار سے (ذوق)

غمِ آوارگی ہائے صبا = صبا کی آوارگی کا غم۔

غمِ خار = خارِ غم، خارِ حسرت، خار کا غم، خار کی آرزو۔

غمزہ = چشم و ابرو کا اشارہ، ناز، نخرہ، معشوقانہ ادا۔

ناز، ادا، آن، حیا، غمزہ، کرشمہ، شوخی
لے گیا دل کو اڑا کر کوئی ان ساتوں میں (امیر)

غمِ شبیر = حضرت امام حسینؓ کی شہادت کا غم۔

آج شبیرؑ پہ کیا عالمِ تنہائی ہے
چاند پر حضرت زہراؑ کے گھٹا چھائی ہے

غمگساری = غم خواری، ہمدردی، غم بٹانا۔

غمِ گیتی = دنیا کا غم۔

غمِ محرومیٔ جاوید = دائمی محرومی کا دکھ، دائماً محروم رہنے کا رنج۔

غنچہ تا شگفتن = کلی کے کھلنے تک، کلی کے پھول بننے تک

فرصت کاروبارِ شوق = عشق بازی کی فرصت، عاشق کرنے کی مہلت۔ فرصت بمعنی موقع محل۔

خوشا کہ جلوے ہی جلوے ہیں چار سو رقصاں
فغاں کہ فرصت نظارگی بہت کم ہے (جگر مراد آبادی)

فرصت ہستی = جینے کی فرصت، زندگی کی مہلت،
فرصت بمعنی وقت، موقع۔ ہستی بمعنی زندگی۔

دنیا میری بلا جانے مہنگی ہے یا سستی ہے
موت ملے تو مفت نہ لوں ہستی کی کیا ہستی ہے (فانی بدایونی)

عہدِ پیری میں تو کر یادِ الٰہی غافل
رات تو کٹ گئی غفلت میں نہ کھو فرصتِ صبح (آتش)

فرطِ رافت = غایت درجہ رحمت، بڑی عنایت و شفقت۔
فرط بمعنی زیادتی، کثرت، فراوانی، افراط۔

استادہ فرطِ خلق سے شبیر ہو گئے
نذروں پہ ہاتھ رکھ کے بغلگیر ہو گئے (دبیر)

رافت۔ رحمت کی شدت۔

راز و نیاز اُس کا ہے خصم سے زیادہ
ہم پر نہیں ہے رافت اس ترکِ جاں ستاں کی (حسن)

فرِ فروغ = روشنی کی ترقی۔
فرّ بمعنی رفعت، بلندی، شکوہ، شان و شوکت
فارسی میں نور، روشنی، چمک کے معنی بھی مراد ہیں۔

شاد باد آں سوارِ سرخ قبائے
کہ ہمی آں شکار برد بسر
راست گفتی کہ آفتاب ستی
بر جہاں گستریدہ تابش و فر (حکیم فرخی)

فرقِ ارادت = عقیدت کا سر۔
فرق بمعنی سر۔ ارادت بمعنی عقیدت، اعتقاد۔

اپنے دل سے مجھے ارادت ہے
میں کسی پیر کا مرید نہیں (بحر)

فرقِ ناز = جس سر میں ناز بھرا ہو، سر پُر غرور۔
فرق بمعنی سر۔

جو آیا گھاٹ پر دہ شطِ خوں میں غرق تھا
نے دست و پا نہ صدر نہ گردن نہ فرق تھا (انیس)

فرو = پیوست، اُتر جانا۔

فروع = جمع فرع کی بمعنی شاخیں، ٹہنیاں۔

ایمان و شرع کا میں فروع و اصول ہوں
میں آیۂ خدا و حدیثِ رسول ہوں (دبیر)

فروغ پذیر = ترقی پذیر، ترقی حاصل کرنا۔
فروغ بمعنی ترقی، عروج۔

فلک پہ مہر نے پیدا بہت فروغ کیا
پر اس کے رُخ سے جو دعویٰ کیا دروغ کیا (ظفر)

فروغِ شعلۂ خس = تنکے کے جلنے سے اٹھنے والے شعلے کی بھڑک۔ خس کے شعلے کی روشنی۔
فروغ بمعنی شعاع، چمک، آگ کی تابش۔

فروغِ شمعِ بالیں = سرہانے جلنے والی شمع کی روشنی۔
سرہانے جلنے والی شمع میں روشنی بڑھ جانا۔
فروغ بمعنی روشنی، تابش۔

فروغِ طالعِ خاشاک = تنکے کی قسمت کا عروج۔

عمرِ جاوید تو خضر کو ملی
عیش جاوید سے فراغ ہوا (داغ)

وہ دن کدھر گئے کہ ہمیں بھی فراغ تھا
یعنی کبھو تو اپنا بھی دل تھا دماغ تھا (درد)

فرخی فرجام = مبارک انجام۔
فرخی بمعنی سعادت، نیکی۔

بشارت مجھ کو صبح وصل کی دی
اذاں کے ساتھ یمن و فرخی نے (ذوق)

فرجام بمعنی انجام، عاقبت۔

زاہدا سب مبتلا ہیں اپنے اپنے حال میں
میں مسخر جام کا تو نفس نافرجام کا (خواجہ وزیر)

فردا = کل، مراد فردائے قیامت، آنے والا کل، روز آئندہ۔

دم مردن یہ اشارہ ہو شفاعت کا تری
فکر فردا تو نہ کر دیکھ لیا جائے گا کل (محسن)

در ہائے فردوس وا بود ندامروز
از بے دماغی گفتیم فردا (بیدل)

فردِ جمع و خرچ = آمد و خرچ کا دفتر۔
فرد بمعنی حساب کتاب کے درج کرنے کا دفتر۔

محشر میں موجزن جو نسیم کرم ہوئی
اُڑتی پھرے گی فرد ہمارے حساب کی (امیر)

جمع و خرچ بمعنی آمدنی اور مصارف۔

نہ کہہ کہ گریہ بہ مقدار حسرت دل ہے
مری نگاہ میں ہے جمع و خرچ دریا کا (غالب)

فرد فرد = ناپختہ کار، ناتجربہ کار، ایک ایک، علیحدہ علیحدہ، الگ الگ۔

انجم کی فرد فرد میں بیگانگی ہوئی
برخواست کی چراغوں کو پروانگی ہوئی (انیس)

فردوسِ بریں = جنت کا سب سے بلند درجہ، فردوس معلیٰ۔

من ملک بودم و فردوسِ بریں جایم بود
آدم آورد دریں دیر خراب آبادم (حافظ شیرازی)

فردوس گوش = کانوں کو بہشت کے سریلے نغموں کا لطف حاصل ہونا۔

فرش پا انداز = وہ فرش جو آنے جانے کے لیے دروازے کی چوکھٹ کے پاس بچھایا جاتا ہے۔
پائدان۔ پا انداز بمعنی پاؤں رکھنے کی جگہ۔

قد کو ترے جس جگہ مشق خرام ناز ہے
اس جگہ شور قیامت فرش پا انداز ہے (سودا)

فرش پا انداز کیا صحرائے وحشت میں ملا
سوزنی میرے لیے خار مغیلاں ہو گئے (اکبر)

فرش راہ = راستہ کا فرش، بچھ جانا، راستہ کا بچھونا۔

فرش شش جہتِ انتظار = شش جہت (شمال، جنوب، مشرق، مغرب، اوپر، نیچے) انتظار کا فرش۔

ہستی کی مہلت کا ضایع ہوجانا ، زندگی کی مہلت
کا رائگاں جانا ۔

فیض رسا = فیض پہونچانے والا ۔

فیل گراں جسد = بھاری جسم والا ہاتھی ،
عظیم الجثہ ہاتھی ۔

فیض معنی = فیض باطنی ، معنوی فیض ۔

ق

قاضی حاجات = قاضی الحاجات ، ضرورتوں کا پورا
کرنے والا مراد خداوندکریم ۔

اے زر تو خدائی ولیکن بخدا
ستار العیوب و قاضی الحاجات (لاعلم)

مردہ دل ہے شکر کرتی قاضی حاجات کا
ہے توکل پر گذر تکیہ خدا کی ذات کا (جان صاحب)

قاطعِ اعمار = عمر کو قطع کرنے والا ۔
قاطع بمعنی قطع کرنے والا ، کاٹنے والا ، تراشنے والا ،
اعمار جمع عمر کی ۔

قاف تریاق = تریاق کا آخری حرف "ق" جس کی شکل
گول ہوتی ہے ۔

قالبِ خشت دیوار = دیوار کی اینٹوں کا سانچا ۔
قالب بمعنی کالبد ، سانچا ، ڈھانچہ ، بدن ، جسم ،
جسد ، تن ۔

زندہ در گور اب تو ہے بے تیرے آرامِ روح
بن گیا ہے قالب خشت لحد اندامِ روح
(وزیر)

پیتا نہیں شراب جو میں بے وضو کیے
قالب میں میرے روح کسی پارسا کی ہے

چوں یکے زیں چہار شد غالب
جان شیریں برآید از قالب (سعدی)

قبلۂ آلِ نبی = رسولؐ کی اولاد کا قبلہ ۔
قبلہ بمعنی کعبہ ، وہ سمت جدھر منھ کرکے ساری دنیا کے
مسلمان نماز پڑھتے ہیں ۔

جو شہر ہوا تیری ولادت سے مشرف
اب تک وہی قبلہ تری امت کا رہا ہے (حالی)

قبلۂ چشم و دل = چشم و دل کے قبلہ و کعبہ ۔

قبلۂ حاجات = حاجتوں کا قبلہ ، سب کی حاجتیں بر
لانے والا مراد واعظ ۔

تو سمجھتا ہی نہیں پیر خرابات کی بات
نقش ہے دل پہ مرے قبلۂ حاجات کی بات (منتہی)

کیا رُت بہ فیض قبلۂ حاجات آگئی
ساقی خدا کا شکر کہ برسات آگئی (جوش ملیح آبادی)

قبلۂ کون و مکاں = دنیا جہان کے قبلہ و کعبہ ،
قبلۂ کونین ۔

قبلۂ مقصد نگاہ نیاز = مشتاق نگاہوں کا نصب العین ۔
نگاہ نیاز کا منظور نظر ، نگاہ نیاز کی توجہ کا مرکز ۔

قبلہ نما = قبلہ دکھانے والا ، قبلہ بتانے والا ، وہ سمت
جس طرف منھ کرکے مسلمان نماز پڑھتے ہیں ، وہ آلہ
جو قبلہ کا رُخ بتائے ۔

خاشاک بمعنی تنکا، گھاس، کوڑا کرکٹ۔

طالع بمعنی مقدر، قسمت۔

فروغ بمعنی ترقی، عروج، روشنی، چمک۔

فروغِ مے = سرورِ مے، شراب نوشی، شراب کی دمک۔

فرہاد = شیریں کا عاشق، کوہکن۔

جانِ شیریں بھی گئی اور نہ ملی شیریں بھی
پوچھو فرہاد سے اس تلخیٔ حسرت کے مزے (ذوق)

فریادِ دلہائے حزیں = غمگین دلوں کی فریاد، غمزدہ
دل کا نالہ و فریاد۔

فریادیٔ بیدادِ دلبر = معشوق کے ظلم کی فریاد کرنے والا۔

فریبِ سادہ دلی = سادہ لوحی کا فریب۔

فریبِ وفا خوردگاں = دنیا کا فریب کھائے ہوئے
لوگ، دنیا کے دھوکے میں آئے ہوئے لوگ۔

فریدوں = ایران کے ایک مشہور اور قدیم حکمراں کا نام ہے،
جو ضحاک کو ہلاک کر کے ایران کے تخت پر جلوہ افروز ہوا۔

فسانہ خوانیٔ شمع = شمع کی فسانہ گوئی، شمع کی
داستان گوئی، شمع کی قصہ خوانی۔

فشارِ ضعف = کمزوری کا دبانا۔

فشار بمعنی ہر طرف سے دبانا، بھینچنا۔

کسی کو میں نے دبوچا کنار میں نہ کبھی
ہوا ہے گور میں کس واسطے فشار مجھے (ناسخ)

بعد فنا بھی ظلم فلک سے نہیں نجات
کس مردے پر فشار نہ زیرِ زمیں ہوا (اسیر)

فضائے حیرت آبادِ تمنا = عشق کے حیرت کدہ کی فضا۔

فضا بمعنی میدان، کھلی ہوئی جگہ، زمین کی فراخی

آبادیٔ فضائے عدم ہم سے خاک ہو
کچھ ساتھ لے گئے نہ جہانِ خراب سے

حیرت آباد بمعنی عالم حیرت، جہاں حیرت کی فراوانی ہو۔

تمنا بمعنی آرزو، امید، شوق، اشتیاق، مرادِ عشق

فطرت وسواس قریں = وسوسوں میں مبتلا فطرت۔

فلک العرش = وہ آسمان جس پر اللہ تعالیٰ کا عرش
قائم ہے۔ فلک ہفتم۔

فلکِ پیر = بوڑھا آسمان۔

چونکہ جب سے دنیا وجود میں آئی ہے آسمان کا وجود بھی
پایا جاتا ہے اس لیے اس کو شعرا فلکِ پیر نظم کرتے ہیں۔

جو نکمے ہیں کوئی کام نہیں کر سکتے
انھیں بوڑھوں میں شمار فلکِ پیر بھی ہے (داغ)

فلکِ نا انصاف = غیر منصف آسمان، انصاف نہ
کرنے والا آسمان، فلک ستمگر۔

فنا تعلیمِ درسِ بےخودی = درسِ بےخودی میں فنا۔

درس بمعنی سبق جمع دروس۔

بےخودی بمعنی مستی، دیوانگی، آپے سے باہر ہونا۔
فنا ہونا، سراپا ڈوب جانا، معدوم، مٹنا، نیستی۔

جب کوئی کہتا ہے ہستی کو کہ ہستی خوب ہے
اس کی غفلت پر فنا اس وقت ہنستی خوب ہے (ظفر)

فوتِ فرصتِ ہستی = جینے کی مدت کا گذر جانا،

مرغِ گرفتار بمعنی بند کیا ہوا پرندہ، پرندہ جس کو
پکڑ کر بند کر دیا گیا ہو۔

قفلِ ابجد = حروف کے ذریعہ کھلنے والا قفل، ایسا
قفل جو مقررہ حروف کے میل سے کھل جاتا ہے۔

ابجد سے مراد حروفِ تہجی۔ اہلِ علم نے عربی کے اٹھائیس
حروف کو ترتیب دے کر ہر حرف کے اعداد مقرر کر دیئے
ہیں جن کو خاص طور پر مادہ تاریخ نکالنے کے لیے استعمال
کیا جاتا ہے، الفاظ کی ترتیب یوں ہے۔

ابجد، ہوز، حطی، کلمن، سعفص، قرشت،
ثخذ، ضظغ۔

حروف کے اعداد حسبِ ذیل ہیں

ا ب ج د ، ہ و ز ، ح ط ی ، ک ل م ن ،
۱ ۲ ۳ ۴ ، ۵ ۶ ۷ ، ۸ ۹ ۱۰ ، ۲۰ ۳۰ ۴۰ ۵۰ ،
س ع ف ص ، ق ر ش ت ، ث خ ذ ،
۶۰ ۷۰ ۸۰ ۹۰ ، ۱۰۰ ۲۰۰ ۳۰۰ ۴۰۰ ، ۵۰۰ ۶۰۰ ۷۰۰ ،
ض ظ غ ۔
۸۰۰ ۹۰۰ ۱۰۰۰

قفلِ بے کلید = بغیر کنجی کا تالا۔

قفل بمعنی تالا کلید بمعنی کنجی۔

مژدہ ہو میکشوں کو ہوا چاند عید کا
محتاج قفلِ میکدہ تھا اس کلید کا (امیر)

قفلِ درِ گنجِ محبت = محبت کے خزانے کے دروازے
کا قفل۔

قلزم آشامی = شراب کے سمندر کے سمندر پی جانا۔

قلزم بمعنی سمندر۔

وہ جہازی نظر آیا نہ وہ قلزم نظر آیا
ساحل پہ سمندر کا تلاطم نظر آیا (انیس)

آشام بمعنی پینے والا مصدر آشامیدن بمعنی پینا۔

خلد کی نہرِ عسل کو زاہد
جانتے ہیں زند ے آشامِ تلخ (ناسخ)

قلزمِ خوں = لہو کا سمندر، دریائے خوں۔

قلزم بمعنی ساگر، گہرا دریا، سمندر۔

رواں قلزمِ نکتہ دانی ہے آج
زباں بحرِ موجِ معانی ہے آج

قلزمِ صرصر = آندھی کا سمندر۔

قلزم بمعنی سمندر، گہرا اور عمیق سمندر۔

صرصر بمعنی آندھی، تیز ہوا، جھکڑ۔

یہ بھی اے صیاد ہے جورِ فلک
قید ہوں ہم باغ میں صرصر چلے (شعور)

ط صاف کرتی ہوئی میدان کو صرصر بھاگی (تعشق)

قلمِ سرنوشت = تقدیر کی تحریر لکھنے والا قلم، خطِ تقدیر
لکھنے والا قلم، قلم سے نوشتہ تقدیر لکھا جائے۔

قمارخانۂ عشق = عشق کا جوا گھر۔

قمار بمعنی جوا، ہار جیت کا کھیل۔

سودا قمارِ عشق میں شیریں سے کوہکن
بازی اگرچہ لے نہ سکا سر تو کھو سکا (سودا)

کعبہ مد نظر قبلہ نما ہے تا حال

کوے جاناں کی طرف دل نگراں ہے کہ جو تھا (آتش)

قدِ آدم = آدمی کے قد کے برابر ، آدمی کی لمبائی کے موافق۔

میرے غبار کو قد آدم اڑا نسیم

آگے وہ بے سوار تھا اب شہسوار ہے (اسیر)

قد آدم تری تعظیم کرتی اڑ کے خاک اپنی

پس مردن جو دیتی ناتوانی اے پری فرصت (ذوق)

'د' پر تشدید کے ساتھ بھی استعمال ہوتا ہے۔

دکھائیں غیر انھیں آئینہ دو بھر زندگانی ہے

مریں گے ڈوب کر ہم قد آدم اس میں پانی ہے

سب سرو قداں عرش اعظم

تعظیم کو اٹھے قدّ آدم (محسن کاکوروی)

قدح = پیالہ ، جام ، پیمانہ ، بڑا پیالہ۔

ہاتھوں میں یار کے نہیں ساغر شراب کا

دست مسیح میں ہے قدح آفتاب کا (آتش)

تجھے کیوں نہ آوے ساقی نظر آفتاب الٹا

کہ پڑا ہے آج خم میں قدحِ شراب الٹا (انشا)

اُس نے جو دل کو منھ نہ لگایا دو نیم ہے

یہ جام جم ہوا قدح گُل نہ ہو سکا (مومن)

قدحِ بادہ = جام شراب ، شراب کا پیالہ۔

قربِ ہر روزہ = ہر روز کا تقرب ، ہر روز قریب رہنا۔

قط = تراشنا ، کاٹنا ، قلم کی نوک کو کاٹنا ، کلک کا قلم۔ چاقو سے بنایا جاتا تھا اور موٹا یا باریک لکھنے کے لیے حسب ضرورت قط لگایا جاتا تھا۔ جب قلم لکھتے لکھتے گھس [illegible] تھا تو اس کو قط لگا کر ٹھیک کر لیتے تھے۔

اس قدر لکھی مری تقدیر کی برگشتگی

گھس کے الٹا ہو گیا قطِ خامۂ تقدیر کا

قطع نظر = امید منقطع کر لینا ، ماسوا ، علاوہ بریں ، خیال [illegible] چھوڑ کر ، ترک کر دینا۔

سر جائے گا ولیکن نظریں اُدھر ہی ہوں گی

کیا تیری تیغ سے ہم قطعِ نظر کریں گے [illegible]

قفائے خندہ = ہنسی کے بعد ، کھل جانے کے بعد۔

قفا بمعنی گردن کا پچھلا حصہ ، پیچھے ، پشت کی جانب [illegible]

جو گھبرائے ہوئے ہو کیا کسی کے ساتھ سوئے ہو [illegible]

قفا کی سمت جو چھپا کلی معلوم ہوتی ہے [illegible]

قفائے ناقہ گرا قیس خستہ گھبرا کر

نہ آوے یوں کوئی وارفتہ سراغ کو چوٹ

فغاں جرس کی ہے ایسی جو آج درد انگیز

قفائے قافلہ کوئی تو بے قرار رہا [illegible]

خندہ بمعنی ہنسی۔

قفسِ مرغِ گرفتار = مرغِ اسیر کا پنجرہ جو دوسرے [illegible] پرندوں کو جال میں پھانسنے کے لیے جال کے قریب رکھا جاتا [illegible]

قفس بمعنی پنجرہ جس میں پرندہ پالنے کے لیے بند کیے جاتے ہیں۔

اب جو چھوٹے بھی ہم قفس سے تو کیا

ہو چکی واں بہار ہی آخر (میر حسن)

ک

کارفرما = کام بتلانے والا، حاکم، حکم کرنے والا، حکم دینے والا مراد معشوق۔

بارگاہِ حسن تک پہونچا تو کیا دیکھا عزیز
اک نظر تھی کارفرما اور قتل عام تھا
(عزیز لکھنوی)

کارفرما ہے فقط حسن کا نیرنگ کمال
چاہے وہ شمع بنے چاہے وہ پروانہ بنے (اصغر گونڈوی)

کارفرما جل گیا = کام چلانے والا جل گیا جس کے دم سے کام چلتا ہو یا جس کا حکم چلتا ہو اس کو کارفرما کہتے ہیں۔

کارفرمائے دین و دولتِ رغبت = دین و حکومت اور مقدر کا حکمراں۔

کارگاہِ ہستی = زندگی کا کارخانہ، کارگاہِ حیات
کارگاہ بمعنی کارخانہ۔

کارگاہ دہر میں تکلیف تھی آرام تھا
کوئی مجھ ناکام سے پوچھے تجھے کیا کام تھا (ناطق لکھنوی)

کاسۂ گردوں = آسمان کا پیالہ، جامِ فلک، آسمان کی گولائی اور خلا کی وجہ سے پیالہ اور جام سے تشبیہ دیتے ہیں۔
کاسہ بمعنی پیالہ، کٹورا، بادیہ، جام

اک دلِ حسرت طلب تھا اسکو توڑا آپ نے
اب تو کاسہ بھی گدائی کا نہیں سائل کے پاس
(ناطق لکھنوی)

کاغذ آتش زدہ = آگ لگا ہوا کاغذ، ایسا کاغذ جس کو آگ دکھائی گئی ہو۔

کاغذِ باد = پتنگ، ہوا میں اڑنے والا کاغذ، کنکوا۔

نامۂ میر کو اڑاتا ہے
کاغذ باد کر گیا قاصد (میر)

کاغذی = کاغذ کا بنا ہوا، باریک مراد بودا، ناپائدار۔

کاکلِ سرکش = بے قابو زلفیں، لہراتے ہوئے بال، پیچ وتاب کھانے والے گیسو۔
کاکل بمعنی سر کے بڑے بال، زلف، بالوں کی لٹ۔

خط بڑھا زلفیں بڑھیں کاکل بڑھے گیسو بڑھے
حسن کی سرکار میں جتنے بڑھے ہندو بڑھے (ذوق)

سرکش بمعنی نافرمان، باغی، کسی سے نہ دبنے والا۔

خود علاقے کا بندوبست کرو
جو کہ سرکش ہیں ان کو پست کرو (نالۂ رسوا)

کالبد = قالب، سانچہ، ہیولیٰ، بدن، پیکر، جسم۔

عزیز روح کے دم تک ہے کالبدِ گل کا
خراب حال ہے بے مغز جب ہوا چھلکا (آتش)

کام کا آدمی = وہ آدمی جو دوسروں کے کام آئے، جس سے لوگوں کے کام نکلیں۔
مرد کار آمد، کارگزار، کارِ نمایاں کرنے والا آدمی ہوشیار، تجربہ کار، کارداں۔

لطف آرام کا نہیں ملتا
آدمی کام کا نہیں ملتا (داغ)

کام و زباں = زبان و دہن۔
کام بمعنی تالو مراد دہن۔

قمارِ محبت میں بازی صدا
وہ جیتا کیا اور میں ہارا کیا (میر حسن)

قمار خانہ یعنی جوا گھر، جہاں ہار جیت کے کھیل کھیلے جائیں۔

سرِ نیاز کو تیرا ہی آستانہ ہوا
شراب خانہ ہوا یا قمار خانہ ہوا (امیر مینائی)

قمری پرواز = قمری کی مانند پرواز۔
قمری کا رنگ خاکستری ہوتا ہے اس لیے قمری پرواز کے معنی خاک کا مثل قمری اڑنا۔

قمری کا طوق = قمری ایک مشہور پرند ہے جس کے گلے میں طوق کی مانند نیلے رنگ کا حلقہ بنا ہوتا ہے اور فاختہ کے مانند ہوتا ہے

تپِ سوزِ محبت کے لیے چارہ نہیں قمری
یہ گنڈا نیلگوں گردن پہ کیوں اے تفتہ جاں باندھا (ذوق)

کمر یار کی قمری ہے مگر دیوانی
غیب سے پہنے ہوئے طوق گلو آتی ہے (آتش)

قمری کفِ خاکستر = قمری ایک مٹھی بھر خاک۔

قند = یہ لفظ کھنڈ یا کھانڈ کا معرب ہے یعنی شکر، چینی، مصری

اب وہ مزہ نہیں لبِ شیریں کے قند میں
چوکا ہوا ہے یہ کسی خدمت رسیدہ کا (میر)

واہ کیا ناسخ بھی ہے شیریں بیاں
شعر جو ہے لکھنؤ کا قند ہے (ناسخ)

قوام = چاشنی، شکر کا شیرا جو شکر کے شربت کو پکا کر بنایا جاتا ہے اور جس میں سے گاڑھا ہو جانے کے بعد تار نکلنے لگتا ہے۔

بوسوں سے غیر کے لبِ شیریں ہوئے ہیں تلخ
بگڑی وہ چاشنی وہ قوام عسل گیا (نسیم)

قوتِ نامیہ = بڑھنے کی قوت، قوتِ نشو و نما، قوتِ بالیدگی۔

بڑھ کے آواز سُم رشکِ صبا کہتی ہے
قوتِ نامیہ قدموں سے لگی رہتی ہے (مودب)

قیدِ حیات = قیدِ زندگی، جینے کی پابندی۔

چھٹ کر کہاں اسیرِ محبت کی زندگی
ناصح یہ بندِ غم نہیں قیدِ حیات ہے (مومن)

قیدِ ہستی = قیدِ حیات، زندگی قید سے استعارہ ہے۔

قیدِ ہستی سے چھٹے سارے اسیرانِ قفس
ہم بھی دو چار گھڑی اور ہیں مہمانِ قفس (رشید لکھنوی)

قیس و کوہکن = قیس عرب کے قبیلہ بنی عامر کا ایک شخص تھا جو لیلیٰ کے عشق میں مبتلا تھا جو عام طور پر مجنوں کے نام سے مشہور ہے۔ جنونِ عشق میں ساری عمر دشت نوردی کرتا رہا اور اسی حالتِ محرومی و ناکامی میں جان دے دی۔

تمنا ہے یہی قیسِ حزیں کے روزِ محشر میں
مری لیلیٰ مجھے مل جائے یارب حور کے بدلے (قیس)

کوہکن — فرہاد کا لقب تھا جس نے شیریں کے عشق میں کوہِ ستوں کو کاٹ کر دودھ کی نہر نکالی تھی۔

چوں شہ شنید قولِ انجمن را
طلب فرمود کردن کوہکن را (نظامی)

آب وتابِ دل نے دل کی لٹائیں خواہش
کشتِ دہقاں مل کے برق وسیل نے برباد کی (اسیر)

کشتۂ لعلِ بتاں = معشوقوں کے لبِ لعلیں کا کشتہ عاشق جو محبوب کے سرخ ہونٹوں کا مارا ہوا ہو۔

کششِ دم = سانس لینا، سانس کھینچنا۔

کششِ کافِ کرم = لفظ کرم کے کاف، کاف کے مرکز کی کشش۔

کشش بمعنی حروف کا کھنچاؤ۔

ابرو کا عشق ہے خطِ تقدیر میں رقم
ہر حرف میں کشش نظر آئی کماں کی (منیر)

کشمکش = کھینچا تانی، کش اکش، الجھاؤ۔

کچھ وہ کھنچے کھنچے رہے کچھ ہم کھنچے کھنچے
اس کشمکش میں ٹوٹ گیا رشتہ چاہ کا (راشد)

کرتا ہے دستِ جنوں جب کشمکش
جی الجھتا ہے نفس کے تار سے (ذوق)

کشمکشِ چارۂ زحمت = تکلیف کو دفع کرنے کی کش مکش۔

کشمکشِ نزع = نزع کی کشمکش، موت وزیست کی کشمکش۔ نزع بمعنی مرتے وقت، دم نکلنے کی حالت۔

کشمکش بمعنی رقت، انقباض، تنگی۔

ڈوبے لٹوں کی سلائے حسینوں کی چاہ میں
جیسے یقین کشمکشِ اشتباہ میں (جوش ملیح آبادی)

کعبۂ امن وامان = امن و امان کا قبلہ، امن و امان کا مرکز۔

کعبہ بمعنی بلند، مرتفع مراد بیت اللہ، قبلہ، بیت الحرام
کعبہ وہ مربع عمارت ہے جس کو حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ نے مکہ میں تعمیر کیا تھا اور مسلمانوں کا قبلہ ہے جس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی جاتی ہے اور جہاں ہر سال حج ہوتا ہے۔

کعبۂ ایجادِ یقیں = کعبۂ یقین کے موجد، ایجادِ یقیں کے کعبہ، یقین کی ایجاد کے مرکز، ایجادِ یقین کے موجد۔

کعبہ سنتے ہیں کہ گھر ہے بڑے داتا کا ریاض
زندگی ہے تو فقیروں کا بھی پھیرا ہوگا (ریاض خیرآبادی)

کعبے کے گرد ایک کرن گھومنے لگی
روحِ محمدِ عربی جھومنے لگی (جوش ملیح آبادی)

ؔ کعبے سے ان بتوں کو بھی نسبت ہے دور کی

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ فتح کرنے سے قبل تک کعبہ میں ۳۶۰ بت رکھے تھے جو فتح مکہ کے بعد کعبہ سے نکال دیئے گئے۔ اس مصرعہ کا مطلب یہ ہے کہ بت بھی عرصہ دراز تک کعبے میں رہ چکے ہیں اور ان کو کعبہ سے دور کا تعلق رہا ہے۔

کفِ افسوس ملنا = پچھتانا، پشیماں ہونا، رنج کرنا، افسوس سے ہاتھ ملنا۔

کف بمعنی ہاتھ کی ہتھیلی، پاؤں کا تلوا۔

یدِ بیضا کا ترے ماہ سے ہو انور دوچند
کھول دے اپنا جو تو سامنے مہتاب کے کف (ظفر)

نیش کی جا نوش ہے دنبالۂ زنبور میں
کام میں افعی کے ہو مہرہ بجائے آبلہ (ذوق)

کان پر رکھ کر قلم = اگلے زمانے میں طریقہ تھا کہ منشی اور محرر قلم کو کان کے اوپر رکھ لیا کرتے تھے تاکہ گم نہ ہو جائے۔

کاوکاو = یہ لفظ فارسی کے مصدر کاویدن سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں کھودنا، ڈھونڈنا، تلاش کرنے کی تکلیف اٹھانا، سخت محنت کرکے ڈھونڈ نکالنا، جان توڑ کوشش کرنا یعنی بغیر دم لیے ہوئے مسلسل کوشش کرنا، خون پسینہ ایک کر دینا۔

کائی = پانی کی سطح پر یا پانی پڑنے کی وجہ سے زمین اور دیواروں پر جو سبزی جم جاتی ہے، گہرا سیاہی مائل رنگ۔

گذرگاہ جہاں دیکھو یہ رنگ آسماں دیکھو
مجھے باور نہیں آتا کہ ہو سیلاب پر کائی (نظم طباطبائی)

کباب دل سمندر = سمندر کے دل کا کباب۔
سمندر ایک پرند ہے جو آگ میں پیدا ہوتا ہے اور آگ سے نکلنے کے بعد مر جاتا ہے۔

دل سوزاں کو مرے خوف ہے کیا آتش کا
ہوں سمندر کی طرح میں تو پلا آتش کا (نصیر)

کثافت = مادیت، گاڑھاپن، غلاظت، گندگی، میلاپن، مٹائی۔

ہے گرد کدورت سے بری جوہر ذاتی
ہیرے میں کسی طرح کثافت نہیں ہوتی (ناسخ)

کسب رنگ فروغ = رنگ کی زیادتی حاصل کرنا، رنگ کا فروغ حاصل کرنا۔
کسب بمعنی حاصل کرنا، پیدا کرنا، سیکھنا۔

ع۔ خواہش قدر ہنر کسب ہنر سے پہلے (جلیل)

فروغ بمعنی شعاع، چمک، رونق، سان، زیادتی، فراوانی۔

نسیم صبح عشرت سے فروغ شوق دولت سے
ہجوم خواب غفلت ہوں چراغ عمر غافل ہوں (اکبر الٰہ آبادی)

کسب سعادت = سعادت کمانا، سعادت حاصل کرنا۔

کشاد خاطر وابستہ = پریشان خاطری کا ازالہ۔

کشاد و بست مژہ = پلکوں کا بار بار کھلنا اور بند ہونا
کشاد بمعنی کھلا ہوا، کھلنے کا عمل۔
بست بمعنی بند۔

کشاکش = کھینچا تانی، کش مکش، اینچا تانی

ستمگروں کی کشاکش میں آبرو ہو سوا
کہ ہوتی سان پہ ہے تیغ تیز تر چڑھ کر (ذوق)

کشاکش غم پنہاں = عشق پنہاں کی کش مکش، چھپی ہوئی محبت کی کشمکش۔

کشاکش ہائے ہستی = کشمکش حیات۔

کشائش = کام بننا، مقصد حاصل ہونا، کشود کار، فراخی، کشادگی۔

کشت = کھیتی، فصل، زراعت۔

کمیں بمعنی گھات، شکار کے لیے چھپ کر بیٹھنا۔

اے حلقۂ زلف دام واری ہے عبث

اے ناز و ادا کمیں ہماری ہے عبث (مومن)

کنارہ کر = علیحدہ ہو جانا، کنارہ کش ہو جا۔

نقاب منھ سے اٹھا دے اگر ہمارا چاند

کنارِ چرخ سے کرنے لگے کنارہ چاند (نسیم دہلوی)

سب بُرے وقت میں کرتے ہیں کنارہ افسوس

آیا ساحل نہ کبھی ماہیٔ بے آب کے پاس (امانت)

کنجِ قفس = پنجڑے کا کونہ۔

کھلی ہے کنجِ قفس میں مری زباں صیّاد

میں ماجرائے چمن کیا کروں بیاں صیّاد (رند)

کنگرِ استغنا = بے پروائی کا کنگورہ۔

کنگر بمعنی کنگرہ یعنی کنگورہ کٹے ہوئے طاقچے جو خوبصورتی

کے لیے قلعہ کی دیوار یا شہر پناہ پر خوبصورتی کے لیے بناتے

استغنا بمعنی بے نیازی، بے پروائی۔

کام ہوئے ہیں ہمارے ضایع ہر ساعت کی سماجت سے

استغنا کی چوگنی اس نے جوں جوں میں ابرام کیا (میر)

کواکب = جمع کوکب کی بمعنی ستارے۔

کواکب سپہ = ستاروں کی فوج۔

کواکب جمع کوکب کی بمعنی روشن ستارے سپہ بمعنی فوج۔

کوتاہی نشو و نما = نشو و نما کی کمی۔

کوزہ = پانی کا برتن، مٹی کا گلاس جس کو ہندی میں کُجا کہتے

ہیں مٹی کا آب خورہ، کُلھڑ۔

تصورِ صنم ہم نے منبر کے قریں رکھ لی

کوزہ جو وضو کا تھا پیمانہ بنا ڈالا (ناظم)

پانی پینے میں جو اس شیریں دہن کا منھ لگے

قند کا کوزہ وہیں بن جائے کوزہ آب کا (ناسخ)

کوکبۂ شہریار = بادشاہ کا محافظ سواروں کا دستہ،

شاہی باڈی گارڈ، شاہی جلوس، شاہی سواروں کے

ساتھ چلنے والا سواروں کا دستہ۔

کوکب بمعنی انبوہ، بڑا ستارہ۔

شہر یار بمعنی بادشاہ۔

کوہِ طور = اُس پہاڑ کا نام ہے جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام

کو اللہ تعالیٰ کی تجلی نظر آئی تھی اس کو طورِ سینا بھی کہتے ہیں۔

کوہ کن = فرہاد کا لقب۔

چونکہ فرہاد نے شیریں کے عشق میں امید وصل پر پہاڑ

سے دودھ کی نہر نکالنے کے لیے پہاڑ کھودا تھا اس لیے

اس کا نام کوہ کن پڑ گیا یعنی پہاڑ کھودنے والا۔

کندیدن مصدر کھودنا۔

دل پہ ہو گر داغِ سوزاں عشق میں اے کوہکن

پھر تو خسرو کا بھی گنجِ سوختہ کیا مال ہے (ذوق)

کوے = کوچہ، گلی۔

اپنی وحشت سے ہے شکوہ دوسرے سے کیا گِلہ

ہم سے جب بیٹھا نہ جائے کوے جاناں کیا کرے (رشید لکھنوی)

کھل جاؤ = بے تکلف ہو جاؤ، بے حجاب ہو جاؤ،

شرم مت کرو، ہمراز ہو جاؤ۔

کبھی کل کے کفِ افسوس یہ کرتا تھا کلام
یہ مرا دستِ نجس اور وہ پاکیزہ لجام

کُفر سوز = کفر مٹانے والا ، کُفر کو جلانے والا ۔

کفِ سیلاب = سیلاب کے جھاگ ۔
کف بمعنی پھین ، جھاگ ، سفید سفید بلبلے جو پانی کے زور سے بہاؤ میں پیدا ہوتے ہیں ۔ آدمیوں کے منہ سے بھی غصہ کی حالت میں جھاگ نکلنے لگتا ہے ۔

کفِ قاتل = قاتل کی ہتھیلی ، قاتل کا ہاتھ ۔
فانی کفِ قاتل میں شمشیر نظر آئی
لے خواب محبت کی تعبیر نظر آئی (فانی بدایونی)

کف گل فروش = پھول بیچنے والے کی ہتھیلی مراد ، پھولوں سے پُر ۔

کفِ ہر خاک بہ گردوں شدہ = خاک کی ہر مٹھی اڑکر آسمان تک پہونچ گئی ۔

کفِ ہر خاکِ گلشن = چمن کی خاک کی ہر مٹھی ، چمن کی ہر مشتِ خاک ۔

کفیل = کفایت کرنے والا ، ذمہ دار ، ضامن ، مواخذہ دار ۔
بچپن میں کیا خدا نے دیئے رتبۂ جلیل
شبیر سے بزرگ کے دونوں ہوئے کفیل (تعشق)

کفیلِ عمر = عمر کا ضامن ۔

کَل = مراد فردا ، فردائے قیامت ۔
کیوں گنہ لیتے ہیں تھوڑی سی پلانے والے
کل ملے کوثر اُسے آج جو دے خُم مجھکو (داغ)

کُلفتِ افسردگی = مُرجھانے کی تکلیف ۔
کلفت بمعنی تکلیف ، مصیبت ، بے چینی ، پریشانی ۔
مٹا سکی نہیں مژگانِ تر کلفت مرے دل کی
نہ جھاڑی گرد دستِ موج نے دامانِ ساحل کی (اسیر)
افسردگی بمعنی مرجھانا ، دل کا بجھ جانا ، دلگیر ہونا ۔
گو راہ میں ہمراہ بھی ہو راحلہ و زاد
جاتی نہیں افسردگیِ خاطرِ ناشاد (انیس)

کلکِ قضا = قضا کا قلم ۔
کلک بمعنی نے ، نرکل ، قلم ، خامہ ۔
لکھتا ہوں ترے حسنِ خداداد کی تعریف
ہے کلک مرے ہاتھ میں جبریل کے پر کا (ظلم)

کم آزار = کم تکلیف پہونچانے والا ، کم ستم ڈھانے والا ، کم ظلم کرنے والا ۔

کمالِ گرمیِ سعیِ تلاشِ دید = دیدار کی جستجو میں دوڑ دھوپ کی انتہا ۔

کمندِ شکارِ اثر = اثر کو شکار کرنے والی کمند ۔
کمند بمعنی رسی پھندا جس میں شکار کو پھنسایا جاتا ہے ۔
ہزار کوس ہو محبوب دوڑ کر آئے
عجیب جذب کمندِ خیال رکھتا ہے (اسیر)

کمیں = گھات ، دشمن یا شکار کے لیے چھپ کر بیٹھنا ۔
دیکھا جو تیر کھا کے کمیں گاہ کی طرف
اپنے ہی دوستوں سے ملاقات ہوگئی (نصیر الملت)

کمینِ بے زبانی = بے زبانی کی گھات ۔

دیکھو کیا حال ہے سیاروں کا
عجب انداز ہے ان تاروں کا (عروسوا)

گردشِ مجنوں = مجنوں کی آوارگی۔

گردنِ مینا = مینا کی گردن۔

گردوں = آسمان، فلک، چرخ۔

اب تک اتنا میری بے آہِ اثر میں درد ہے
جھک گیا ہے پیرِ گردوں کے جگر میں درد ہے (پیارے صاحب رشید)

گردہ تصویرِ زمین = کرۂ زمین، پوری دنیا، سارا عالم

گرز = ایک ہتھیار کا نام ہے جو سر پر مارا جاتا اور اوپر سے موٹا ہوتا ہے۔

مرا مضموں نہ باندھے غیر اپنے شعر میں کہہ دو
نہیں زیبا کہ دستِ زال میں ہو گرزِ رستم کا (اسیر)

گرسنہ = بھوکا۔

تنورِ چرخ سے لیتے گرسنہ کب کے اتار
ذرا بھی لگتا اگر قرصِ آفتاب میں سیخ (ظفر)

گرم بازارِ فوجداری = فوجداری کی گرم بازاری۔

فوجداری ان مقدمات کو کہتے ہیں جن میں ارتکابِ جرم پر سزا دی جاتی ہے۔

گرم بازاری بمعنی خوب خرید و فروخت کا کاروبار بیوپار کی شرکت۔

نہیں ہے دیر سے خورشید کی وہ گرم بازاری
ہوا ہے دھوپ کا منھ زرد شاید وہ نکھرتے ہیں (امیر مینائی)

گرم خرامِ ناز = ناز و انداز سے چلنے میں معروف، ناز و ادا کے ساتھ چلنا۔

گرم بمعنی سرگرم، معروف۔

گرم سفر رہے پر منزل کو ہم نہ پہونچے
آوارگی نے ہم کو ریگِ رواں بنایا (مصحفی)

خرام ناز بمعنی ناز و انداز کی چال، رفتارِ ناز۔

خاک میں ہم کو ملانا تھا خرامِ ناز سے
اعتقادِ فتنۂ محشر ہمارے دل میں تھا (دلش لکھنوی)

گرمِ دامن افشانی = گرم ترکِ لباس، معروف ترکِ لباس
دامن افشاندن غرور و ناز کرنا، کسی چیز سے خود کو دور رکھنا، ترک کرنا۔

جاں فشاں در راز داری در راہ کوب سرد باش
تا شوی باقی چو دامن بر فشانی زیں دمن (خاقانی)

گرم غزل خوانی = غزل پڑھنے میں معروف۔

گرم نالہ ہائے شرر بار = چنگاریاں برسانے والے نالوں میں سرگرم۔

گرۂ نیم باز = ادھ کھلی گانٹھ، گرہ جس کو ڈھیلا کر کے چھوڑ دیا ہو اور پوری طرح کھولا نہ گیا ہو۔

گریباں کرنا = چاک کرنا، گریباں کردن بمعنی چاک کرنا۔

گریۂ سحری = صبح کا رونا۔

گستاخ طلب = گستاخی کے ساتھ مانگنے والا۔

گستاخیٔ فرشتہ = فرشتہ کی بے ادبی۔

عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ ابلیس جو شیطان کے نام سے موسوم ہے اور جس نے باری تعالیٰ کے حکم کے باوجود

کھوئے جاتے ہیں = گم ہو جاتے ہیں، ہکا بکا ہو جاتے ہیں، از خود رفتہ ہو جاتے ہیں۔

کیا رفتگی سے میری تم گفتگو کرو ہو
کھویا گیا نہیں میں ایسا جو کوئی پاوے (امیر)

شب تم جو بزم غیر میں آنکھیں چرا گئے
کھوئے گئے ہم ایسے کہ اغیار پا گئے (مومن)

ذکر کے آتے ہی کیوں کھوئے گئے
یہ تو واعظ کچھ پتے کی بات ہے (نسیم بھرت پوری)

کیخسرو = ایران کا عالی مرتبت شہنشاہ مراد بادشاہ۔
بلند مرتبہ، بادشاہ عادل۔

کیش = مسلک، دھرم، مذہب۔

کیموس = غذا کے ہضم ہونے کا دوسرا درجہ پہلے درجہ کو کیلوس کہتے ہیں۔

گ

گذرگاہ خیال = خیالات کے گذرنے کی جگہ۔
گذرگاہ بمعنی راستہ، راہ، شارع عام۔

مسافر کو رہتا ہے ڈر راہ میں
یہ دنیا بھی تو اک گذرگاہ ہے (منیر لکھنوی)

گذرگاہ خیال مے و ساغر = شراب نوشی کے تصور کی گذرگاہ۔

گردبادرہِ بے تابی = بے تابی کے راستہ کا بگولا۔
گرد باد بمعنی بگولا، ہوا چکر جو غبار کو لے کر اونچا ہو جاتا ہے۔

شعلوں نے صاف سرو چراغاں بنا دیا
اٹھا جو گرد باد ہمارے غبار کا

گردِرہِ جولانِ صبا = صبا کے راستہ کی گرد۔
صبا بمعنی پروا ہوا جو سرد و خوش گوار ہوتی ہے۔
گردِرہ (گرد راہ) بمعنی راستہ کا غبار۔

محبت سے لبریز سینہ ہے آج
نفس گردِ راہِ مدینہ ہے آج (صبح خنداں)

جولاں بمعنی گھوڑے کی دوڑ، گھوڑے کو دوڑانا۔

جولاں سمندِ ناز کو لئے شہسوار دے
تو سرمہ چشم ماہ میں میرا غبار دے (ذوق)

صبا بمعنی پچھلی رات کو چلنے والی پروا ہوا۔

وہ سوئے گور غریباں جو کبھی آتے ہیں
پھول دامن میں لیے ساتھ صبا آتی ہے (ریاض خیر آبادی)

گردشِ ساغرِ صد جلوۂ رنگیں = سینکڑوں رنگیں جلووں کے پیمانے کی گردش مراد جلوۂ حسن کے ساغر کی گردش۔

گردشِ سیارہ = ستاروں کی گردش مراد بد قسمتی۔
ستارہ گردش میں ہونا بمعنی قسمت کا برگشتہ ہونا۔
گردش بمعنی چکر۔
سیارہ بمعنی ستارہ۔ گردش کرنے والا ستارہ جو ستارے گردش نہیں کرتے اس کو ثابت کہتے ہیں۔

شب نظر کی میں نے فرقت میں جو سوئے آسماں
اژدہا تھی کہکشاں عقرب ہر اک سیارہ تھا (ناسخ)

عشق بھی خوب گل کترتا ہے
دیکھو تنک بہار لختِ دل (جرأت)

گل کترتی ہیں ہزاری تری آنکھیں کافر
ہے عجب طرح کی اک تیز نگاہی مقراض (ذوق)

کر کے آزاد ہر اک شہپر بلبل کترا
آج صیاد نے یہ اور نیا گل کترا (نصیر)

چھوڑا گلزار سے دور اور پر بلبل کترے
ہائے صیاد جفا پیشہ نے کیا گل کترے (جرأت)

گل کترے نہ بلبل مری فریاد کے آگے
سرسبز نہ شاگرد ہو استاد کے آگے (مصحفی)

گل نسرین = سیوتی کے پھول، نسرن۔

گل نغمہ = گلبانگ، ترانہ مسرت، بلبلوں کا گل کو دیکھ کر چہکنا۔

گمان رنجش خاطر = ناراض ہو جانے کا گمان۔

گنبد بے در = بے دروازے کا گنبد مراد آسمان، گنبد بے در کھلنا کنایہ ہے رسول اکرمؐ کے معراج کے سفر کا جب آپ کو آسمانوں کی سیر کرائی گئی تھی۔

گنبد تیز گرد نیلی فام = جلد جلد چکر لگانے والا نیلا گنبد مراد آسمان۔

گنجائش عداوت اغیار = غیروں کی دشمنی کی گنجائش رقیب کی عداوت کی سمائی۔

گنجفہ باز خیال = خیال کا گنجفہ کھیلنے والا۔

گنجفہ۔ ایک کھیل ہے جو تاش کی طرح کھیلا جاتا ہے۔ اس میں ۹۶ پتے اور آٹھ رنگ ہوتے ہیں، اس کھیل کو تین کھلاڑی کھیلتے ہیں۔

کوئی کیا جانے کھلاڑی کھیلتے ہو کیسے تم
بارہا اس گنجفے کو تم نے برہم کر دیا (ناسخ)

گنج ہائے گراں مایہ = بیش قیمت خزانے۔
گنج بمعنی خزانہ۔

جو تجھ کو دیکھ لیتا ہے پہنچتا ہے حقیقت تک
تری صورت مگر آئینۂ گنج معانی ہے (ناظم لکھنوی)

گنجینۂ گوہر = موتیوں کا خزانہ۔
گنجینہ بمعنی خزانہ، دفینہ، خزانے کی جگہ۔

بندھے دہان و کمر کے ہزار ہا مضمون
زمین شعر سے گنجینۂ نہاں نکلا

گنجینۂ معنی = معنی کا خزانہ۔

گودرز = جن پہلوانوں کا شاہنامہ میں ذکر ہے اس میں ایک گودرز بھی ہے جو کشواد کا بیٹا تھا اس کے سات لڑکے تھے سب نامی گرامی پہلوان تھے ان میں گیو اور بہرام کا شاہنامہ میں ذکر آیا ہے۔

گوشت کا ناخن سے جدا ہو جانا = تعلقات کا منقطع ہو جانا، خون کے رشتوں کا ٹوٹ جانا جو ناممکن ہے اسلیئے اور امر محال بات کے متعلق بولتے ہیں مثلاً بھائی بھائی میں تفرقہ پڑنا ایسا ہی ہے جیسے گوشت کا ناخن سے جدا ہو جانا جو ناممکنات میں سے ہے۔

گوشِ گل = پھول کے کان۔

حضرت آدمؑ کے روبرو سجدہ کرنے سے انکار کیا تھا

فرشتہ تھا۔ یہ خیال از روے قرآن پاک غلط ہے۔

ابلیس جنوں میں سے ایک جن تھا نہ کہ فرشتہ۔

گفتۂ غالب = غالب کا کہا ہوا، کلامِ غالب، غالب کے کہے ہوے اشعار۔

گلباز = گل بازی بمعنی پھولوں سے کھیلنا مراد مسرور شاطر، چالاک۔

گل زخم بدن میں اب گل بازی کا عالم ہے
نکل جاتا ہے مضموں دل سے آکر زخم بسمل کا

گُل جیبِ قبائے گُل = پھولوں کے گریباں کی زینت۔

گلچینِ طرب = پھول چننے کی مسرت، مسرت کی گل چینی، لطف اندوز ہونا مسرت کے چمن کی گل چینی، عشق و نشاط کی گل چینی کرنے والا۔

گلچیں بمعنی پھول توڑنے والا، پھول چننے والا۔

بگڑے ہوے ہیں عاشق گلزار باغ میں
گلچیں نے پھول توڑ لیا ہے گلاب کا (جدید لکھنوی)

گلچینِ گلستانِ تسلی = تسلی کے باغ کا پھول چننے والا۔

گلچیں بمعنی پھول چننے والا، پھول توڑنے والا۔

چیدن مصدر چننا۔

گلچیں بمعنی فائدہ حاصل کرنے والا، لطف اندوز ہونیوالا۔

رنگ ہوں دامن یک رنگی طینت سے جدا
کوئی گلچیں نہ ہو اس باغ میں بندہ کے سوا (ناظم)

گلخن = بھاڑ، انگیٹھی، بھٹی، چولھا، آتشدان۔

ترکی میں گل بمعنی خاک، راکھ اور خن بمعنی خانہ یعنی خاک دان۔

سدا دل شعلہ افروز آتش ہجراں سے رہتا ہے
نہیں ہوتا ہے یہ گلخن کبھی اے جان من ٹھنڈا (ظفر)

گل در قفائے گل = پھول کے پیچھے پھول، پھول کے بعد پھول، قفا بمعنی پیچھے۔

گُل فروشِ شوخیِ داغِ کہن = پرانے زخموں کی خون آلودگی کے پھول بیچنے والا۔

گل فروش بمعنی پھول بیچنے والا، مالی۔

اب جو وہ بنوائیں گہنا یاد رکھنا گل فروش
پھول بچ جائیں تو میرے قبر کی چادر بنے (رشید)

گُلفشاں = پھول چھڑکنا، پھول برسانا، پھول جھڑنا، پھول برسنا، پھول بکھیرنا۔

کیا گُل فشاں زباں ہے اُس تنگ تر دہن میں
بلبل چہک رہا ہے اک غنچہ چمن میں (اقدر)

گُلفشانی = پھول چھڑکنا، خوش بیانی۔

چمن میں رہ کے ساری عمر مشق گلفشانی کی
قفس میں آتے آتے آگئی طرزِ فغاں مجھکو (جلیل)

گُل فشانی ہائے نازِ جلوہ = جلوہ ناز کی گل ریزیاں۔

گُل کترگئی = شگوفہ چھوڑ گئی، عجیب و غریب کام کرنا۔

گل کترنا بمعنی پھول کترنا، پھول تراشنا، گل کاری کرنا، شگوفہ چھوڑنا، غضب کرنا، غضب ڈھانا۔

حوادث جمع حادثہ کی بمعنی سانحے، واقعات۔

لگاؤ = لگاوٹ تعلق، مائل کرنا، مائل کرنے کا انداز لاگ، میلان۔

اے ظفر کرتے ہیں سب اُن سے لگاوٹ لیکن
کس کا لگا ہو وہاں اور لگاؤ کس کا (ظفر)

میں تو ملتا نہیں ہوں ان سے مگر
نہیں جاتا ہنوز دل کا لگاؤ (مصحفی)

لوحِ قلم = دنیا کی تختی۔
لوح بمعنی تختی سونے یا چاندی کی تختی۔

بہت اس سیم تن کی مدح کے مضمون سوجھے ہیں
مجھے درکار ہیں لوحیں پئے تحریر چاندی کی (ناسخ)

لوحش اللہ = مخفف ہے لا اوحش اللہ کا یعنی اللہ اسے تباہ نہ کرے، اللہ اسے مامون و محفوظ رکھے، اللہ نظر بد سے بچائے۔

بارک اللہ زہے حسن کہ دل ہوبے تاب
لوحش اللہ زہے جلوہ کہ ٹھہرے نہ نگاہ

لوح و قلم = تختی اور قلم، لوح محفوظ اور قلم قدرت، احکام الٰہی کی تختی اور اس کے لکھنے کے قلم قدرت۔

اینک بہ شہادت طلبم لوح و قلم را (عرفی)

لیالی = بمعنی راتیں، جمع لیل کی۔

لئیم = کمینہ، سفلہ، فرومایہ، خسیس۔
لئیم ایسے بخیل کو کہتے ہیں جو نہ خود کھائے نہ دوسرے کو کھانے دے۔

لیل و نہار = رات دن، شب و روز۔

گذر گئے اسی گردش میں اپنے لیل و نہار
شبِ فراق گئی روزِ انتظار آیا

م

مآل = انجام، حاصل، نتیجہ۔

مآل سوز و غم ہائے نہانی دیکھتے جاؤ
بھڑک اٹھی ہے شمع زندگانی دیکھتے جاؤ (فانی)

مآل سعیِ اسکندر = سکندر کی کوشش کا نتیجہ۔
آئینہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ سکندر کی ایجاد تھی اسی طرف کنایہ ہے۔

ماتم یک شہر آرزو = ایسے شہر کے تباہ ہونے کا غم جس میں آرزوئیں آباد تھیں، شہر تمنا کا ماتم۔

ماندہ = عاجز، مدھم۔
ماندن مصدر رہنا، رہ جانا۔

مانعِ دشت نوردی = صحرا نوردی سے روکنے والا، جنگل جنگل پھرنے سے روکنے والا۔
مانع بمعنی روکنے والا، منع کرنے والا۔
دشت بمعنی صحرا، جنگل۔

دشت تو دشت ہے دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحرِ ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے (اقبال)

نوردی بمعنی طے کرنا، لپیٹنا مصدر نوردن۔

مانعِ ذوقِ تماشا = شوق دیدار میں رکاوٹ، دیکھنے کے شوق میں حائل۔

تقریر بمعنی گفتگو ، بات چیت ، بیان۔

اے مصحفی جب ایسی غزل تو نے کہی ہے
کیونکر نہ فصاحت لبِ تقریر سے ٹپکے (مصحفی)

...ِ آزار = دکھ پہونچنے کی لذت۔

لذت بمعنی لطف ، حظ ، ذائقہ ، خوشی۔

اس محبت کے مزے سے جو کوئی واقف ہوا
زندگی کی اس کو لذت عمر بھر ملتی نہیں (سحر)

...ِ دشنام = گالی کا مزا۔

لذت بمعنی ذائقہ ، مزا ۔ دشنام بمعنی گالی۔

کس نے جو حیدرؓ کو دشنام دی
تو گویا پیمبر کو دشنام دی (ناسخ)

...تِ ریشِ جگر = زخمِ جگر کا مزا ۔

ریش بمعنی زخم۔

...تِ سنگ = پتھر کی لذت ، پتھر کھانے کا مزا ،
پتھر کے زخم لگنے کا لطف۔

...تِ فراغ = لطفِ فراغت ، فراغت کا مزا۔

...تِ فراق = لطفِ ہجر ، لذتِ جدائی۔

...تِ یاب = مزے لینا ، لذت کشی ، لذت حاصل کرنا،
مزا حاصل کرنا۔

...افت = نزہت ، پاکیزگی ، تازگی ، باریکی ، نزاکت ،
مزا ، ذائقہ۔

گورا گورا بدن لباس سفید
یہ لطافت تو نسترن میں نہیں (ناسخ)

پہنچی ہے رفتہ رفتہ کہاں انتہائے عشق
اب دل میں اک لطافتِ غم ہے بجائے عشق (اختر)

لطف جلوہ ہائے معانی = باطن کے جلووں کا مزا۔

لطف بمعنی مزا ، لذت ، خوشی ، فرحت ۔

افسردہ دل کے واسطے کیا چاندنی کا لطف
لپٹا پڑا ہے مردہ سا گویا کفن کے ساتھ (ذوق)

دیکھا جدھر وہ سامنے آیا نظر مجھے
کس سے کہوں میں لطف شبِ انتظار کا (رضا)

لطف خرامِ ساقی = ساقی کے ناز و انداز سے چلنے کی کیفیت۔

لطمۂ موج = لہر کا تھپیڑا ، طوفانِ حوادث ۔

لطمہ بمعنی دریا کا تھپیڑا ، طمانچہ۔

نیل پڑ جائے مقرر کھائے گر دریائے نیل
لطمہ میرے اشک کے دریائے شور انگیز کا (ناسخ)

موج بمعنی لہر۔

لقا کی داڑھی = بہت زیادہ آراستہ و پیراستہ چیز کو
کہتے ہیں۔ لقا کی داڑھی کے ہر بال میں بہ غرض آرائش
موتی پروئے ہوتے تھے لقا داستان امیر حمزہ کا اہم کردار
ہے ۔ یہ ایک مشرک بادشاہ تھا جس نے خدائی کا دعویٰ کیا تھا۔

لگد کوبِ حوادث = حادثات کی دولتیاں ، حادثات
کی ضرب ، حادثوں کی ٹھوکر۔

لگد بمعنی لات ۔

کوفتن مصدر کوٹنا ، چوٹ لگانا۔

لگد کوب بمعنی لاتوں کی مار ، ٹھوکر کی ضرب ،

متاعِ دست گرداں = نقد سودا، وہ چیز جو نقد فروخت کی جائے۔

متاع بمعنی سامان، اسباب، پونجی، سرمایہ،

دست گرداں وہ چیز جو سرِ راہ فروخت ہو، ہاتھوں ہاتھ بکنے والی چیز۔

دل عاشق کو ہاتھوں ہاتھ لے کر تول لیتے ہیں
مزیدی مالِ مفلس دست گرداں مول لیتے ہیں (شاد)

متاعِ خانۂ زنجیر = خانۂ زنجیر کی پونجی، خانۂ زنجیر کا سرمایہ۔ زنجیر کا اثاث البیت۔

متاعِ سخن = جنسِ سخن، کلام، اشعار۔

متاعِ ہنر = ہنر کی پونجی مراد ہنرمندی۔

متقابل = ضد، برعکس، بالمقابل، باہم۔ مقابلہ کرنے والا۔

مثلِ گلِ شمع = شمع کے گُل کی مانند۔

گُل بمعنی چراغ کی بتی کا جلتا ہوا سرا۔

یہ کس نے ہاتھ سے اپنے لیا گُل شمعِ محفل کا
ہوا گلگیر میں عالم جو منقار عنادل کا (گویا)

مثلِ نقشِ مُدعائے غیر = رقیب کی آرزو کے نقش کی طرح رقیب کی مقصد برآری کے نقش کی مانند۔

مجالِ خواب = سونے کا حوصلہ، سونے کی طاقت، سونے کی قدرت، سونے کی ہمت۔

مجال بمعنی میدان جولاں گاہ، قدرت، طاقت، حوصلہ، تاب، مقدور۔

ہر ایک مو ہو بدن پر مری زباں گویا
مجال ہو جو ترے آگے گفتگو کی مجھے (ظفر)

استادشہ سے ہو مجھے پرخاش کا خیال
یہ تاب یہ مجال یہ طاقت نہیں مجھے (غالب)

مجلس فروزِ خلوتِ ناموس = رونقِ محفل، خلوت، شرم و حیا۔

مجلس بمعنی نشست گاہ، محفل۔

مجلس فروز بمعنی محفل کو چمکانے والا، رونقِ محفل۔

خلوت بمعنی تنہائی۔

ناموس بمعنی شرم و حیا، عصمت و عفت، نیک نامی۔

مجملاً = اجمالاً، خلاصہ کے طور پر، بطور خلاصہ، مختصراً بطور اختصار۔

ہر سخن کو نہ اس نے طول دیا
مجملاً حال کچھ بیان کیا

مجموعۂ خیال = خیالات کا مجموعہ۔

مجموعہ بمعنی اکٹھا کیا ہوا جمع کیا گیا۔

ہوا شیرازہ برہم جس گھڑی تارِ نفس ٹوٹا
پریشاں ہو گیا مجموعہ اپنے چار عنصر کا

محرمیٔ حُسن = حسن کی رازداری، دیدارِ حسن۔

مَحرَم بمعنی واقف کار۔

مَحرَم بمعنی ہمراز، رازدار، واقفِ اسرار۔

محرومیٔ تسلیم = تسلیم و رضا سے محرومی۔

محرومی بمعنی ناامیدی، مایوسی، ناکامی۔

مانندِ صبح و مہر = (اکثر نسخوں میں صبح مہر ہے)
صبح مہر بمعنی آفتابِ صبح۔
مانند بمعنی مثل ۔ صبح و مہر بمعنی سویرا اور چاند۔

مانیِ اندیشہ = خیال کا مصوّر ، مانی ایران کا مشہور مصوّر جس نے پیغمبری کا دعویٰ کیا تھا اور جسے بہرام اول کے حکم سے قتل کر دیا گیا تھا۔ "مانی شا لورگان" اور "اَرژنگ" نامی کتابیں اس سے منسوب ہیں۔ ایشیا اور یورپ کے ادبیات میں ایک بے مثال نقاش اور مصوّر کی حیثیت سے مشہور ہے۔

سپہر گفتی نقاش نقش مانی گفت
کہ ہر زماں بنگارد ہزار گونہ صور (انوری)

جسے دیکھ کر ہوئے مانی کو حیرت
وہ تصویر رنگیں بیاں کھینچتے ہیں (انیس)

ماہِ تاباں = چمکتا ہوا چاند ، روشن چاند۔

ماہِ تمام = ماہ کامل ، پورا چاند ، بدر۔

ماہِ شبِ چہاردہم = چودھویں رات کا چاند ، ماہِ کامل ماہ دو ہفتہ۔

مائدہ بذلِ خلیل = حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی فیاضی کا دسترخوان۔
حضرت ابراہیمؑ جن کا لقب خلیل اللہ تھا اس قدر سخی تھے کہ ہر وقت ان کے دسترخوان پر مہمان ہونا ضروری تھا جب تک کوئی مہمان نہیں آ جاتا وہ انتظار میں کھانا نہیں نوش فرماتے تھے۔

نہ جب تک ہم پیالہ ہو میں ہرگز نہیں پیتا
نہ ہو مہماں تو فاقہ ہے خلیل اللہ کے گھر میں (آتش)

مائدہ بمعنی دسترخوان جس پر کھانا چنا جائے۔

تجھے معلوم ہے احوال سارا
کہ جن پر مائدہ تو نے اتارا (معراج المضامین)

بذل بمعنی جود و عطا ، سخاوت ، بخشش ، داد و دہش۔

تم وہ باذل ہو اے شہ آصف
تم پہ خود بذل ناز کرتا ہے (اختر مینائی)

خلیل بمعنی دوست ، لقب حضرت ابراہیم علیہ السلام۔

مائدہ لذتِ درد = درد کی لذت دینے والے کھانوں کا دسترخوان ۔ مائدہ بمعنی دسترخوان۔

مبادا = خدا نہ کرے کہ یوں ہو ، ایسا نہ ہو ، خدانخواستہ۔

غریبوں پر نکیجے جور کچھ خوف خدا بھی ہے
مجھے ڈر ہے کسی دل سے مبادا بددعا نکلے (امیر؟)

ہم نے اس بت میں جو دیکھا ہے نہیں کہہ سکتے
کہ مبادا نہیں سن پائیں شریعت والے (طالع؟)

بڑھاؤ نہ آپس میں اُلفت زیادہ
مبادا کہ ہو جائے نفرت زیادہ (حالی)

مبدل = بدلا ہوا ، بدلا گیا ، تبدیل شدہ۔

متاعِ بُردہ = لوٹا ہوا مال۔
متاع بمعنی مال و دولت ، پونجی ، سرمایہ۔

کسی متاع پہ ایسی کہیں نہ لوٹ پڑے
حسین دل پہ مرے ہر طرف سے ٹوٹ پڑے (رشید لکھنوی)

رحمت تری محیط ہے خلّاقِ بحر و بر
ذرّاتِ کائنات سے تا انجم و قمر (تعشق)

مدار = انحصار، بھروسہ۔

پست مضموں پر جو رکھتے ہیں مدارِ شاعری
نارسائی فکر کی ہے حوصلہ عالی نہیں (شعور)

تمام اہلِ جہاں پھر نہ کیوں ہوں سرگرداں
جہاں کا چرخ کی گردش پہ جب مدار ہوا (ناظم)

مدام = ہمیشگی، دائم، مسلسل، سدا، پیہم۔

بندھا پھر تو معمول اس کا مدام
کہ روز آنا جانا ادھر وقت شام (میرحسن)

مدحت طرازی = مدح سرائی۔

مدحت بمعنی ستائش، تعریف، توصیف۔

وہیں یہ کہ کے محشر کو بھی پاس اپنے بلا لینا
کہ آ ہمراہ او مدحت سرائے بزمِ یکتائی (محشر لکھنوی)

مدّعا پایا = مطلب سمجھ میں آگیا۔

مدعا بمعنی مطلب، آرزو، غرض، مقصد۔

بے عدو وعدہ قتل کا نہ ہوا
ظلم بھی حسب مدعا نہ ہوا (میر مجروح)

مدعا طلبی = مطلب بر آری، کام نکلنا، مقصد پورا ہونا، مراد بر آنا۔

مدعا علیہ = جس کے خلاف عدالت میں دعویٰ دائر کیا جائے۔

رفع کردیں نزاع دیں وہ داد
مدعی، مدعا علیہ ہو شاد (ہشت گلزار)

مدعی = رقیب، دشمن، عزیز۔

یہ مرتبہ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں (رند لکھنوی)

مدعی جل کے نہ دیکھے مرے اشعار اسیر
چاہیئے دیدۂ انصاف بھی ایراد کے ساتھ (اسیر)

مرتبہ حسن قبول = قبولیت کا اعزاز، شرفِ قبولیت۔

مرحبا = خوش آمدید، سبحان اللہ، صد رحمت، شاباش۔

غرض جس نے اس کو سنایا یہ کہا
حسن آفریں مرحبا مرحبا (میر حسن)

مَردُمک = آنکھ کی پتلی۔

مردمک بن کے رہے دیدۂ بیدار میں روح
کہ مزا پائے سوا حسرتِ دیدار میں روح (ارشد)

ہو گیا جزو بدن جائے گا اب کیا سودا
مَردمک آنکھوں میں ہے دل میں سویدا سودا (اسیر)

مردمکِ دیدۂ عنقا = عنقا کی آنکھ کی پُتلی۔

مردِ میداں = میدان میں مقابلے کے لیے آنے والا مرد، سورما، بہادر۔

مرد میداں نہیں جو مرد وفادار نہیں
کھل کے جو دے نہ مہک وہ گُل گلزار نہیں (مہذب لکھنوی)

مرشدِ جام = ایران کے مشہور صوفی بزرگ شیخ الاسلام ابونصر احمد بن ابوالحسن معروف بہ شیخ جام یا زندہ پیل متوفی ۵۳۶ھ شیخ جام کی تربت خراساں میں مشہور زیارت گاہ ہے۔

مرغِ اسیر = مرغِ گرفتار، پنجرے میں بند پرندہ۔

میری محرومی کی راہوں سے یہ دی اس نے صدا
قرب کی راہوں میں میری راہ اک دوری بھی ہو (اصغر گونڈوی)

محشرِ خیال = خیالات کا ہجوم، ہنگامۂ خیال، خیالات کا اژدہام۔

محشرستانِ بیقراری = بے قراریوں کا حشر بپا ہونے کی جگہ۔

محو = کسی چیز پر سے کوئی چیز مٹانا یا صاف کرنا، حروف یا نقوش مٹانا، کھویا ہوا ہونا، منہمک ہونا، عاشق، خیال میں مستغرق ہونا۔

اے داغ سب زمانہ اُنہی کے ذوق شوق
اک بار دل سے محو فراموش ہو گئے (داغ)

یہ اشتیاق شہادت میں محو تھا دمِ قتل
لگے ہیں زخم بدن پر کہاں نہیں معلوم (آتش)

فکر فردا نہ کروں محو غمِ دوش رہوں
ہم نوا میں بھی کوئی گل ہوں کہ خاموش رہوں (اقبال)

محو آرائش = آراستہ ہونے میں مصروف، سجاوٹ میں لگا ہوا۔

محو آئینہ داری = آئینہ دیکھنے میں منہمک، آئینہ دیکھنے میں کھویا ہوا۔

محوِ بالشِ کمخواب = کمخواب کے تکیہ پر سر رکھے ہوئے سونا، کمخواب ایک قسم کا قیمتی کپڑا جس پر سونے کے تار سے پھول پتیاں بنی ہوئی ہوتی ہیں، زربفت۔

بوٹیاں ہیں ترے کمخواب کے پیملے پر
یا چمکتے ہیں پڑے یہ تہِ داماں جگنو

محو پرسش ہائے پنہائی = پوشیدہ طور پر حالات دریافت کرنے میں مصروف، در پردہ حالات پوچھنا۔

محو تماشائے دماغ = دماغ کا تماشا کرنے میں منہمک، دماغ کے نشو و نما کے معائنہ کرنے میں مصروف۔

محو تماشائے شکستِ دل = دل کے ٹوٹنے کا تماشا دیکھنے میں منہمک۔

محو سپاسِ بے زبانی = بے زبانی کے شکریہ میں کھویا ہوا، محو بمعنی گم، کھویا ہوا۔

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں
محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی (اقبال)

سپاس بمعنی شکریہ۔

محو عبرتِ انجامِ گُل = پھول کے انجام سے عبرت حاصل کرنے میں مصروف۔

محو ماہِ کنعاں = محو حسن یوسف، ماہ کنعاں سے مراد حضرت یوسف علیہ السلام۔

حضرت یوسف علیہ السلام ایک بنی اسرائیلی پیغمبر تھے جو حضرت یعقوب علیہ السلام کے فرزند تھے۔ چونکہ حضرت یعقوب کنعان کے باشندے تھے اس لیے حضرت یوسف کو ماہ کنعاں کہا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن شہرہ آفاق تھا۔

محیطِ بادہ = شراب کا سمندر مراد شراب۔

محیط بمعنی دریا، احاطہ کرنے والا۔

یہ جوئے آب بھی نیرنگ اپنا دکھلاتی
محیطِ خوں تری شمشیر سے رواں ہوتا (آتش)

مسی آلودسرِ انگشتِ حسیناں = حسینوں کی مسی
سے بھری ہوئی انگلی کا پور۔ مسی ایک سیاہی مائل پوُوڈر
جس کو منجن کی طرح دانتوں میں ملنے سے دانتوں کی ریخیں
سیاہ ہوجاتی ہیں۔ یہ شادی شدہ عورتوں کا سنگار تھا۔

مشاہدۂ حق = دیدارِ حق۔

عیاں ہو صورت شاہد جو چشم حق میں سے
کرے بغور تو غافل مشاہدہ دل کا (رند)

مشتِ خس = مٹھی بھر گھاس، ایک مٹھی کوڑا کرکٹ
مشت بمعنی مٹھی

بدھو میاں بھی حضرت گاندھی کے ساتھ ہیں
اک مشت خاک ہیں مگر آندھی کے ساتھ ہیں (اکبر الہ آبادی)

مشتاق لذت ہائے حسرت = حسرت کی لذتوں کی مشتاق۔

مشق تماشا = دیکھنے کی مشق، مسلسل اور بار بار دیکھنا۔

مشکوے مشکو = محلات، محل سرا، بالاخانہ، دولت خانہ۔

مشکیں لباس = سیاہ لباس، مشک سیاہ ہوتا ہے۔
اور خوشبودار بھی۔

مشکیں بمعنی کالا، سیاہ، مشک کے رنگ کا۔

مشکیں زلفوں سے مجھ کو کسوا
کالے ناگوں سے مجھ کو ڈسوا (گلزار نسیم)

مشہدِ عاشق = عاشق کی شہادت گاہ جس جگہ پر عاشق
کو شہید کیا گیا ہو۔ مشہد بمعنی شہید ہونے کی جگہ۔

بعشق دیر بطوف حرم لبسی تمام
بلوح مشہد عاشق بسوز شمع مزار (میر)

مشہود = جس کو دیکھا جائے۔ جس کا مشاہدہ کیا جائے،
حاضر کیا گیا، موجود، ظاہر، متحقق۔

علی مدعا، علی مقصود
وہی مشہود ہے وہی موجود (میر)

مصیبت ناسازی دوا = دوا کے ناموافق آنے کی مصیبت

مضروب = جس پر چوٹ لگائی جائے، جس پر ضرب ماری
جائے، چوٹ کھایا ہوا، مجروح، گھائل۔

مُطرب = خوش کرنے والا، گانے والا، مغنی، قوال۔

کس کے ناموں نے کیا بزم کو روشن مطرب
آج کیوں شعلۂ آواز تیرا مدھم ہے (امانت)

آ ولے مطربانِ سیر آہنگ
ساتھ اپنے لیے رباب و چنگ (میر)

مُطرب بہ نغمہ = گانے والا اپنے نغمہ سے۔

مطلب بر آنا = مطلب پورا ہونا، مقصد کا حاصل ہونا
آرزو پوری ہونا، مراد بر آنا، مقصود بر آنا،
بر آنا بمعنی پورا ہونا، حاصل ہونا۔

جس وقت بلندی پہ قمر آتا ہے
مقصود دل زار کا بر آتا ہے (حیدر مرزا ادب)

مظہر ذوالجلال والاکرام = خدائے ذوالجلال والاکرام
کے مظہر یعنی ظل اللہ۔

مظہر بمعنی ظاہر ہونے کی جگہ، تماشا گاہ۔

مظہر وہ بت ہے نقش خدا کے ظہور کا
نقش قدم سے سنگ کو رتبہ ہے طور کا (ناسخ)

مرغِ چمن = چمن میں رہنے والا پرندہ مراد بلبل ۔

اب کے قدغن یہ ہوا ہے کہ خبردار کہیں
شورشِ زمزمۂ مرغِ چمن زاد نہ ہو (انشاؔ)

مرغوبِ بتِ مشکل پسند = مشکلات کو پسند کرنے والے معشوق کا پسندیدہ

مرگِ ناگہانی = اچانک موت واقع ہونا مرگِ مفاجاتاً، مرگِ اتفاقی۔

آنکھ لڑنے کا حادثہ نہ سنو
قصہ مرگِ ناگہانی ہے (ناطق لکھنوی)

مروحہ = پنکھا، دستی پنکھا۔

کیا خاک ہو امید کمینوں سے عیش کی
کب مروحہ بنا پرِ زاغِ سیاہ کا (اسیرؔ)

مزدورِ طرب گاہِ رقیب = رقیب کے عشرت کدہ کا مزدور۔

مزدوریِ عشرت گہِ خسرو = خسرو کے عشرت کدہ کی مزدوری۔
عشرت کدہ بمعنی آرام گاہ ۔
عشرت کدہ محل خسرو پرویز بن ہرمز بن نوشیرواں جو
فرہاد کی محبوبہ شیریں کا عاشق تھا جس کے کہنے سے شیریں
کا وصل حاصل کرنے کے لیے فرہاد نے کوہ بے ستون کو کاٹ
کر دودھ کی نہر نکالی تھی

مژدہ = خوش خبری، بشارت۔

دمِ بسمل ہوئی کیوں دیر اتنی دم نکلنے میں
قضا کیا مژدہ پہنچانے گئی ہے میرے دشمن کو (داغؔ)

کیا نمک پاش جراحت ہے تسلی ان کی
مژدۂ وصل سے دیتے ہیں دلاسے مجھکو (ظہیرؔ)

مژدۂ وصال = وصال کی خوش خبری ۔

مژگاں = پلکیں، مژہ کی جمع واحد بھی بولتے ہیں۔

ہجوم اشک سے مژگاں اگر اونچی نہیں ہوتی
تعجب کیا کہ شاخِ پُرثمر اونچی نہیں ہوتی (ظفرؔ)

کیا کہوں جس دم مژہ اس فتنہ گر کی ہل گئی
نوک سی گویا جگر میں نیشتر کی ہل گئی (ظفرؔ)

مژگانِ چشمِ تر = بھیگی ہوئی آنکھوں کی پلکیں۔

مژگانِ خوں فشاں = خون چھڑکنے والی پلکیں۔

مژگانِ سوزن = پلکوں کی سوئی، پلک جو سوئی کی طرح
نوکیلی ہے۔

مژگانِ یتیم = یتیم کی پلکیں مراد اشک آلود پلکیں ۔

مژگانی کرے = مژگاں بن جائے، مژگاں کا کام کرے،
پلکیں بن جائے، مثل پلک کے ہو جائے۔

مژۂ خواب ناک = نیند سے بوجھل پلکیں، نیند میں
ڈوبی ہوئی پلکیں۔ مژہ بمعنی پلک ۔

اس کی مژہ یہ چشمِ سخن گو سے کہتی ہے
میں بھی زباں درازیوں میں تجھ سے کم نہیں

مژہ گوہر بار = موتی ٹپکانے والی پلک، آنسو بہانے والی پلک۔

مژہ ہائے دراز لمبی لمبی پلکیں ۔

مستِ مے ذات = ذات کی شراب میں سرمست،
مے ذاتِ الٰہی کے نشہ میں مخمور۔

مسرتِ پیغامِ یار = محبوب کے پیغام کی خوشی۔

مسہل = جلاب، اسہال لانے والا، دست آور۔

مقدّر = پوشیدہ، مخفی، غیر ظاہر، محذوف۔

مقدمِ سیلاب = سیلاب کی آمد ۔ سیلاب بمعنی طغیانی بہیا۔ مقدم بمعنی قدم رکھنے کی جگہ، ٹھہرنے کا مقام مجازاً آنا، آمد۔

رونقیں یار کے مقدم سے ہیں آبادی ہے
غیر کے گھر میں ہے ماتم مرے گھر شادی ہے (اللہ)

مقرّر = یقینی، قرار کیا گیا، ٹھہرایا گیا، بلاشبہ، یقیناً۔

مارا ہے پھانسی دے کے مجھے زلف یار نے
ہوگا عذاب قبر مقرر تمام رات (آتش)

ساتھ اُس یار کے ہو کیونکہ نہ اغیار مدام
پاس ہوتے ہیں ظفر گُل کے مقرر کانٹے (ظفر)

مقطعِ سلسلۂ شوق = شوق کے سلسلہ کا خاتمہ، شوق سفر کا نقطۂ آخر، منزلِ قطع سفر شوق۔
مقطع بمعنی انتہا، اتمام۔

مکافات = تلافی، بدلہ، عوض، انتقام، سزا۔

وصل کے بعد کھلا ہم کو غمِ ہجراں سے
نہیں ہوتی ہے مکافات محال انساں سے (آتش)

مگس کی قے = شہد۔ مگس بمعنی مکھی۔

ع سوز پیر پروانہ مگس را نہ دہند (سودا)

ملخ = ٹڈی، ایک اُڑنے والا کیڑا جو سبز پتوں اور کھیتی کو کھا جاتا ہے عربی میں اس کو جراد کہتے ہیں۔ یہ لاکھوں کی تعداد میں نکلتے ہیں اور جس درخت یا کھیت پر بیٹھ جاتے ہیں اس کو چاٹ کر صاف کر دیتے ہیں۔

ہر کجا چشمہ بود شیریں
ملخ و مور و مار گرد آیند (شیخ سعدی)

ملک الموت = موت کا فرشتہ، عزرائیل۔

جدھر سے لائے ہیں تشریف سب ادھر جائیں
فقط یہاں ملک الموت اب ٹھہر جائیں (میر عشق)

مناجات = التجا، دعا، دعائیہ نظم۔
مناجات کے لغوی معنی سرگوشی اور کانا پھوسی کرنے کے ہیں۔ نجویٰ بمعنی کانا پھوسی کرنا، مناجات وہ بات جو کان میں سرگوشی کے طور پر کہی جائے۔ اللہ تعالیٰ سے اس طرح دعا مانگنا جس طرح کسی سے آہستہ اپنے دل کے راز بیان کیے جاتے ہیں۔

وہ گئے دن جو رہے یاد بتوں کی اے داغ
رات بھر اب تو گذرتی ہے مناجاتوں میں (داغ)

التجا تجھ سے کب اے قبلۂ حاجات نہ تھی
تیری درگاہ میں کس روز مناجات نہ تھی (انیس)

منّتِ طفلاں = لڑکوں کا احسان۔

منّت کش = احسان مند، رہینِ منت، ممنونِ احساں۔

جان لینے کو تھی ادا کیا کم
میں تو منت کش قضا نہ ہوا

منّت کش گلبانگ تسلی = سکون بخشنے والی دلکش آواز کا احسان مند ہونا، تسلی دینے والی شیریں کلامی کا ممنون ہونا۔
منت کش بمعنی احسان مند، منت پذیر۔

مظہر فیض خدا = خدا کے فیضان کا مظہر۔

معتقدِ فتنۂ محشر = قیامت کے برپا ہونے کا معتقد، قیامت پر ایمان لانے والا۔

معتقد بمعنی اعتقاد رکھنے والا، دل سے بھروسہ کرنے والا، ماننے والا

وہ نہیں ہیں معتقد اپنی نگہ کے تیر کے
جی میں آتا ہے کہ دکھلا دوں کلیجہ چیر کے
کس قدر معتقد حسن مکافات ہوں میں (ناطق لکھنوی)
دل میں خوش ہوتا ہوں جب رنج سوا ہوتا ہے (مرزا سودا)

معدن = کان، چاندی، سونا، لوہا، کوئلہ وغیرہ نکلنے کی جگہ۔

جگر ٹوٹے ہی جاتا ہے تو دل تڑپے ہی جاتا ہے
یہ سینہ ہے الٰہی یا کوئی معدن ہے پارے کا

معرض اظہار = ظاہر کیا جائے، مقام اظہار۔

معرض بمعنی اظہار کرنے کی جگہ، نمائش گاہ، پیش ہونے کی جگہ۔

سارے رئیس اعضا ہیں معرض تلف میں
یہ عشق بے محابا کس کو امان دے گا (امیر مینائی)

معزولی انداز و ادا = ناز و انداز کا معطل ہو جانا، ادا و ناز کی برطرفی، معزولی بمعنی عہدے سے ہٹ جانا۔

معزولی بمعنی معزول ہونا، موقوفی، برطرفی، عہدہ سے علیحدگی۔

معشوق شوخ = تیز طرار معشوق، شوخ و بے حجاب معشوق، محبوب شوخ و شنگ۔

معشوق فریبی = معشوق کو دھوکا دینا، معشوق کو فریب

میں مبتلا کرنا۔

معمور = بستی، آبادی، شہر، آباد، بسا ہوا، بھرا ہوا، لبریز (وَالْبَیْتِ الْمَعْمُوْر)۔

کیا عیش سے معمور تھی وہ انجمن ناز
ہم نے تو وہاں شمع کو گریاں نہیں دیکھا (داغ)

معنیِ الہام = الہام کے معنی بیان کرنے والا، القا کا مفہوم واضح کرنے والا۔

الہام بمعنی القا۔

وہ مشق رہی اور نہ وہ شوق ہے مومن
کیا شعر کہیں گے اگر الہام نہ ہوگا (مومن)

معینِ ملت و ملک = ملک و قوم کی اعانت کرنے والے، حامی ملک و ملت۔

مغتنم ہے = غنیمت ہے۔

مغتنم ہے جواب کوئی دم ہے
فرصت زندگی بہت کم ہے (خواجہ درد)

مغنیِ آتش نفس = ایسا گانے والا جس کی آواز میں سوز و گداز ہو، شعلہ نوا، گانے والا۔

مفیض وجود سایہ و نور = سایہ اور نور کو فیض پہونچانے والا یعنی خدا، رب العالمین۔

مفیض بمعنی فیض پہونچانے والا۔

مقام ترکِ حجاب و وداعِ تمکیں = شرم و حیا بالائے طاق رکھنے اور اعزاز و وقار کو رخصت کر دینے کا موقع

مقدارِ حسرتِ دل = بقدر حسرت دل، حسرت دل کے برابر۔

کہاں ہم اور کہاں بخشش ہماری
جلیلؔ اک موج ہے ابرِ کرم کی

موجِ سبزۂ نوخیز = نئے اُگے ہوئے سبزہ کی کثرت ،
ہوا کے چلنے سے سبزہ میں لہریں سی پیدا ہوتی ہیں اس
لیے موج سبزہ کہا ہے۔
نوخیز بمعنی نیا اُگا ہوا۔

موجِ سرابِ دشتِ وفا = صحرائے وفا کے سراب کی لہر،
سراب ریگستان میں بالو ہوا سے اڑ کر اس طرح جم جاتی
ہے کہ دور تک لہریں بن جاتی ہیں اور دور سے دیکھنے
والے کو پانی کا دھوکا ہوتا ہے۔

موجِ شراب = شراب کی لہر۔
موجِ شفق = آسمان پر سُرخ شفق کی لہریں ۔
موجِ صبا = ہوا کا جھونکا ۔
موجِ گُل = مراد پھولوں کی کثرت ۔
موجِ محیطِ آب = سمندر کی موج ۔
موج بمعنی لہر ۔ محیط بمعنی احاطہ کرنے والا ۔
محیطِ آب مراد سمندر ۔

موجِ محیطِ بے خودی = بے خودی کے سمندر کی لہر ،
موج بحرِ بے خودی ۔

موجِ نگہ = نگہ کی لہر ، تارِ نظر۔
موجۂ خوں = خون کی لہر ، خون کی موج ۔

موجۂ خوں میں ڈبو دے مرے قاتل مجھکو
کیوں بٹھا رکھا ہے تو نے لبِ ساحل مجھکو
(مولف)

موجِ ہستی = زندگی کی لہر۔
مُوحّد = خدا کو ایک ماننے والا ، خدا کو واحد ماننے والا ،
صرف ایک اللہ کو معبود ماننے والا ۔

موشگافیٔ ناوک = تیر کی موشگافی ۔
موشگافی بمعنی بال کو چیرنا ، بال میں شگاف ڈالنا ،
بال کی کھال کھینچنا۔

بال بھی ہو تو یہ محسوس نظر آتا ہے
موشگافی نہ کرو اس کی کمر کچھ بھی نہیں (رحم)

موئے آتش دیدہ =
مو بمعنی بال ۔
ایسا بال جس کو آگ دکھائی گئی ہو اور وہ گرمی کی وجہ
سے مڑ کر زنجیر کی کڑی کی طرح ہو گیا ہو ۔

موئے شیشہ = شیشہ کا بال ۔
چٹخنے کی وجہ سے شیشہ میں پڑا ہوا بال ۔

مہر آسا = سورج کی مانند ، آفتاب کی طرح ۔
مہر بمعنی سورج ۔ آسا بمعنی مانند ۔

مہرِ تاباں = چمکتا ہوا سورج ۔
مُہرِ دہاں = مہرِ خاموشی ۔
منہ پر مہر لگنا بمعنی خاموش ہونا ، مہرِ لب ۔

مہرِ درخشاں = چمکتا ہوا سورج ۔
مہر بمعنی سورج ، آفتاب ، شمس ۔

مہر بالائے فلک لے سر و پا پھرتا تھا
زرد بیتہ تھا کہ آندھی میں اڑا پھرتا تھا (عشق)

گلبانگ بمعنی چہچہہ ، بلبل کی نغمہ سرائی ، خوشخبری۔

نہ ہو آوارہ میں گلبانگ شہرت
جو رو ناآرہ میں خار اُس سے یوسف (محمد شاکر ناجی)

ہوا اُس کی گلبانگ سے ہمکو ظاہر
اڑا لیا ہے بلبل نے نالہ ہمارا (بحر)

منجملۂ اسباب ویرانی = ویرانی کے اسباب کے منجملہ ، ویران ہونے کے اسباب میں سے ایک سبب۔

منصب = رتبہ ، عہدہ۔

اچھا جو زن کو منصب جعفر کا ہے خیال
بس مجھ سے میں علم انھیں دیتی ہوں لے سوال

منصب شیفتگی = عاشقی کا عہدہ ، اعزاز عاشقی۔

منصب مہر و مہ و محور = چاند ، سورج اور زمین کے فرائض ، علم الافلاک کا علم ، چاند ، سورج اور زمین کی ماہیت اور ان کے اثرات ، محور وہ دُھرا جس پر گول پہیا گردش کرتا ہے مراد محور زمین۔

منع گستاخی = گستاخی سے منع کرنا ، چھیڑ چھاڑ سے روکنا ، بے ادبی سے منع کرنا ، بدتمیزی نہ کرنے دینا۔

منفعل = شرمندہ ، نادم ، شرمسار۔

اپنے افعال زبوں پر منفعل ہوں اے خدا
کم نصیبی نے دکھایا ہے مجھے روز سیاہ (محشر لکھنوی)

منقار = چونچ۔

سوائے شکر شکایت اگر کبھی کی ہو
الٰہی قطع ہو منقار سے زباں صیاد (رند)

منکر وفا = وفا سے انکار کرنے والا ، وفا کا اعتبار نہ کرنے والا۔

مُنکر بمعنی انکار کرنے والا ، نہ ماننے والا تسلیم نہ کرنیوالا۔

انکار کیوں وجود امام زماں میں ہے
منکر تو شپرہ بھی نہیں آفتاب کا (ناسخ)

مواخذۂ روز حشر = روز قیامت کی جواب دہی۔

مواخذہ بمعنی جواب دہی ، باز پرس۔

روز حشر بمعنی روز قیامت ، روز حساب۔

رہے نہ حشر پہ یارب مواخذہ میرا
یہیں حساب ہو روز حساب کے بدلے (رند)

موج بوئے گل = پھول کی خوشبو کی لہر۔

موج خرام یار = معشوق کے ناز و انداز سے چلنے کی موج ، موج بمعنی لہر۔ خرام بمعنی چلنا ، قدم رکھنا ، ناز و ادا کے ساتھ چلنا۔

خاک میں ہمکو ملاتا تھا خرام ناز سے
اعتقاد فتنۂ محشر ہمارے دل میں تھا (دانش لکھنوی)

موجد عشق = عشق کا ایجاد کرنے والا۔

موجد بمعنی ایجاد کرنے والا ، بانی ، ابتدا کرنے والا۔

حضرت اوج ہیں میرے استاد
وہ کہ ہیں موجد طرز ایجاد (اوج)

موج رنگ = رنگ کی لہر۔

موج بمعنی لہر ، خوش طبیعت۔

آنکھیں تو ملاتے ہو مگر دل نہیں ملتا
ساغر تو بہت خوب ہے مینا نہیں اچھا (میر)

مینائے بادہ ہاتھ سے یوں میرے لگ گیا
خوں محتسب کا آج تو پینا حلال ہے (احسان دہلوی)

مینائے مے = شراب کی بوتل، شراب کی صراحی۔

مے ونغمہ = شراب ونغمہ۔

نغمہ بمعنی راگ، سُریلی آواز، گانا، گیت، ترانہ۔

نغمہ کی ہے ہوس نہ تمنا شراب کی
ساقی بغیر بھول گئے ناؤنوش کو (اسیر)

کیا کہیے جو تاثیر ہے اس بُت کی صدا میں
نغمہ کو ہے یہ وجد کہ رقصاں ہے ہوا میں (مولف)

مے وانگبیں = شراب وشہد۔

مے بمعنی شراب ۔ انگبیں بمعنی شہد۔

ن

ناتمامی نفس شعلہ بار = آہ شعلہ بار کی ناتمامی، آگ برسانے والی آہ کی ادھوری کامیابی۔

ناخن تاویل = توضیح وتشریح کرنے والے ناخن۔

تاویل بمعنی تشریح، توضیح، ظاہری مطلب سے ہٹ کر مطلب نکالنا۔

جی میں ہے اور پڑھوں میں کوئی مطلع ایسا
گوہر مخزن معنی سے ہو جس کی تاویل (ذوق)

ناخن گرہ کشا = گرہ کھولنے والا ناخن۔

کُشادن مصدر کھلنا، کھولنا۔

گرہ کُشا بمعنی گرہ کھولنے والا، مشکل کُشا۔

دل شگفتہ ہوا نہ پھولوں سے
کوئی کانٹا گرہ کُشا نہ ہوا (بحر)

نازِ بستر کھینچنا = بستر کے ناز اٹھانا، بستر پر آرام کرنا۔

ناز پروردۂ بہار = بہاروں کی نازوں کا پالا۔

ناز پروردہ بمعنی ناز کا پالا ہوا، لاڈ پیار سے پرورش کیا ہوا۔

نازش دودمان آب وہوا = آب وہوا کے دودمان کے لیے باعث فخر۔

نازش بمعنی فخر، ناز، اترانا۔

ساقیا ہے جوشِ بارش جوشِ رحمت کی دلیل
ہم سیہ کاروں سے نازش ہے بجا برسات کی (اسیر)

دودمان بمعنی خاندان، نسل۔

ایک ایک دودمان علی کا چراغ تھا
جس کو بہشت پر تھا تفوق وہ باغ تھا (انیس)

دودمان آب وہوا سے مراد ہے بہار، فصل گُل۔

نازش ایام خاکستر نشینی = خاک نشینی کے دنوں پر فخر وغرور۔ نازش بمعنی فخر۔

خاکستر بمعنی راکھ، گرد، نشستن، بیٹھنا۔

خاکستر نشینی بمعنی فرش خاک پر بیٹھنا۔

نازشِ مژگاں = پلکوں کے لیے موجب افتخار، پلکوں کے لیے باعث ناز۔

نازشِ ہم نامی چشم خوباں = معشوقوں کی آنکھوں کی ہم نامی کا افتخار۔

مہرِ عالمتاب = دنیا کو روشن کرنے والا سورج۔

مہرِ علم = جس کا جھنڈا آفتاب ہو، آفتاب کا علم رکھنے والا۔

مہر بمعنی سورج، آفتاب۔

علم بمعنی جھنڈا۔

مہرِ گردوں = آفتاب، خورشید، سورج۔

مہرِ گیا = ایک بوٹی کا نام ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ جو شخص اس بوٹی کو اپنے پاس رکھتا ہے اس پر سب لوگ مہربان ہوجاتے ہیں۔

مہر بمعنی مہربانی، محبت۔

گیا مخفف ہے گیاہ کا بمعنی گھاس، کاہ۔

خورشید میں ہے ضیا کرن کی

ہے مہرِ گیا اس چمن کی (گلزارِ نسیم)

مہرِ مکتوبِ عزیزانِ گرامی = محترم دوستوں کے خطوں پر لگنے والی مُہر۔

مہرِ نماز = سجدہ گاہ۔

طلعت = مہ جبیں، چاند کی طرح چمکدار شکل رکھنے والا۔ طلعت بمعنی دیدار، رخ، صورت، چہرہ، نظارہ۔

جانبِ ماہ میں کیا آنکھ اٹھا کر دیکھوں

پھرتی ہے آنکھوں میں وہ طلعتِ زیبا تیری (سودا)

مہر طلعت، حور پیکر، مشتری رو، مہ جبیں

سیم بر، سیماب طبع و سیم ساق و سیم تن

(نظیر اکبرآبادی)

مہِ نو = ماہِ نو، ہلال، نیا چاند۔

مہ و اختر = چاند اور تارے۔

مہ خورشید جمال = آفتاب کی مانند چمک رکھنے والا چاند، سورج کی آب و تاب رکھنے والا چاند۔

مئے عشرت = شرابِ عیش، مئے نشاط۔

مئے گلفام = سرخ شراب، گلابی شراب۔

میں نے دیکھے ہیں بہت خونِ تمنا کے رنگ

ساقیا دے نہ فریبِ مئے گلفام مجھے (تلوک چند محروم)

مے پرستاں = اے شراب پینے والو، اے مے کشو، اے مے پرستو۔

میر = میر تقی میر، اردو کا مشہور شاعر بمعنی امیر سردار۔

میزبانِ قیصر و جم = قیصر اور جمشید کی مہمان داری کرنے والا، میزبان بمعنی مہمان داری کرنے والا جس کے یہاں کوئی مہمان جائے۔

قیصر روم کے بادشاہوں کا لقب۔

جمشید ایران کے مشہور بادشاہ کا نام جس سے جامِ جمشید منسوب ہے۔

مے کدۂ بے خروش = بے شور و غل کے میخانہ، شراب خانہ جہاں شور و غل نہ ہو۔

مینائے بے شراب = بغیر شراب کے شیشہ۔

مینا بمعنی شراب کا شیشہ، آبگینہ، شراب کی بوتل۔

محفل میں شورِ قلقلِ مینائے مل ہوا

لا ساقیا پیالہ کہ توبہ کا قُل ہوا (ذوق)

نہیں ہوا میں یہ بو نافۂ ختن کی سی
لپٹ ہے یہ تو کسی زلف پرشکن کی سی
(نظیر اکبر آبادی)

ناقوس = سنکھ۔

اذاں دی کعبہ میں ناقوس دیر میں پھونکا
کہاں کہاں ترا وحشی تجھے پکار آیا

ناکامی نگاہ = نگاہ کی ناکامی، نگاہ نارسائی،
نگاہ کا دیدار میں کامیاب نہ ہونا۔

ناکردہ گناہ = وہ گناہ جو کرنے سے رہ گئے ہیں، جو گناہ
نہیں کئے جاسکے۔

ناگزیر الفتِ ہستی = جان سے محبت کرنے کے لیے مجبور،
جان سے پیار کرنے کے لئے ناچار۔

نالہ فرسا = نالہ کش، نالہ کرنے والا۔

نالۂ مرغِ سحر = صبح کے بولنے والے پرندے کا نالہ۔
نالہ بمعنی آواز، چہچہانا، فریاد،
مرغِ سحر بمعنی صبح کو آواز نکالنے والا پرند۔

اے مرغ سحر عشق ز پروانہ بیاموز
کاز جاں شد و بیچارۂ آواز نیامد (سعدی)

ناموسِ پیمانِ محبت = آبروے عہد وفا، محبت کے
عہد کی آبرو۔
ناموس بمعنی آبرو، شرم، عفت۔

نسبت تو دیتے ہیں ترے لب سے ہر ایکدن
ناموس یوں ہی جائے گی آب حیات کی

ناموس دو عالم = کونین کی آبرو، دونوں جہاں کی عزت و توقیر۔

نامہ بر = خط لے جانے والا۔
نامہ بمعنی خط۔
بُردن لے جانا، بر بمعنی لے جانے والا۔

نامہ بر نے جواب کے بدلے
خط کے پرزوں کو لا دیا ہم کو (مجروح)

نامۂ دلدار = معشوق کا خط، نامۂ محبوب۔

ناہید = زہرہ، ایک ستارے کا نام جو تیسرے آسمان پر
ہے جس سے رقص و سرود منسوب ہے۔

اوس غیرت ناہید کی ہر تان ہے دیپک
شعلہ سا لپک جائے ہے آواز تو دیکھو (مومن)

غزل سرائی ناہید صرفہ لے نہ برد
درآں کہ حافظ برآورد آواز (حافظ شیرازی)

نبردِ عشق = معرکۂ عشق، عشق کی کشمکش۔

نبضِ بیمار بیمار کی نبض۔
نبض کلائی کی اس رگ کو کہتے ہیں جس کی حرکت سے طبیب
مریض کے جسم کی اندرونی کیفیت کی تشخیص کرتے ہیں۔

نبضِ پری = پری کی نبض۔

نبضِ جگر = جگر کی رگ۔

نبضِ خس = تنکے کی نبض۔
خس بمعنی سوکھی گھاس۔

آنکھوں کے گرد میری مژگاں کی ہے یہ صورت
جیسے کنارِ دریا خس بہ کے آ رہا ہے
(سودا)

نخچیر = شکار، جنگلی جانور، صید

ناز کھینچوں = ناز اٹھانا، نخرے اٹھانا۔

نازگراں مایگیٔ اشک = آنسوؤں کا گراں قدری پر فخر
کرنا، آنسوؤں کا بیش بہا ہونے پر غرور کرنا۔
گراں مایگی بمعنی گراں قدری جس کی قدر زیادہ ہو
مراد بیش بہا، گراں مایہ، بلند مرتبہ۔
گراں مایگی بمعنی بزرگی، سرداری، دولت مندی،
گراں مایہ سے مراد نفیس اور قیمتی شے۔

شرافت میں بے مثل آفاق سے
گراں مایہ اخلاق واشفاق سے (تسلیم)

ناسازگاری = مخالفت، ناموافقت۔

ناسزا = نامناسب، نازیبا، بے جا، نامعقول،
سفلہ، کمینہ، فرومایہ۔

نہ کہنا دخت رز کے حق میں حرف ناسزا واعظ
تجرد پیشہ رندوں کی نظر میں آنکھ کی چوٹ ہے (زکی)

جو ناسزا حضور شہ نامور گیا
دو ٹکڑے ہو کے نار میں وہ خیرہ سر گیا (امیر عشق)

ناصح = نصیحت کرنے والا، بری باتوں سے روکنے والا۔

یا تنگ نہ کر ناصح ناداں مجھے اتنا
یا چل کے دکھا دے دہن ایسا کمر ایسی (آزردہ)

ناصیہ = پیشانی، جبیں، ماتھا لغوی معنی پیشانی کے بال۔

اس آستاں کی ناصیہ سائی محال ہے
قدسی نگاہباں ہیں اگر پاسباں نہیں (ظہیر)

ناصیہ سا = ماتھا رگڑنے والا، سجدہ کرنے والا،
پیشانی گھسنے والا، جبہ سائی کرنے والا۔
ناصیہ بمعنی پیشانی کے بال مراد پیشانی۔
سائیدن مصدر گھسنا۔

ہو کچھ تو میری ناصیہ سائی پہ التفات
اتنا نیاز عشق کو رسوا نہ کیجئے

ناصیۂ عرش = عرش کی پیشانی۔

ناصیہ فرسا = پیشانی رگڑنے والا، ماتھا رگڑنے والا۔
ناصیہ بمعنی پیشانی، پیشانی کے بال، ماتھا۔
فرسا بمعنی گھسنے والا۔
فرسودن (فرسائیدن) گھسنا، بہت پرانا ہونا۔

دیکھتے ہو طرف سنگ در آتے جاتے
مجھ کو دیکھو کہ ہوا ناصیہ فرسا کیسا (داغ)

ناطقہ = قوت گویائی، بات چیت کا ملکہ۔

توحید میں مقام نہیں قال وقیل کا
ہے کس کو ناطقہ ترے ذکر جمیل کا (فسانۂ آزاد)

ناف زمیں = زمین کی ناف، مرکز زمین، وسط زمین،
زمین کا مرکز۔

ناف غزال = ہرن کی ناف، غزال اس ہرن کو کہتے
ہیں جس کی ناف سے مشک نکلتا ہے۔

نافہ = ایسے ہرن کی ناف کی پوٹلی جس سے مشک نکلتی ہے
مشک کی تھیلی جو ہرن کی ناف سے نکلتی ہے۔

آئے جو صبا کوچۂ گیسو سے چمن میں
بن جائیں ابھی نافۂ آہوئے ختن پھول

نشاطِ آمدِ فصل بہاری = فصل بہار آنے کی خوشی۔

نشاطِ آہنگ = مسرور، خوش۔

نشاطِ بہار = بہار کی شادمانی، موسم بہار میں خوشی کا سرور۔

نشاطِ داغِ غمِ عشق = غمِ عشق کے داغ کی خوشی۔

نشاطِ عامِ عوام = عوام کے لیے عام خوشی۔

نشاطِ عشق = عشق کی امنگ، عشق کا مزا، سرورِ عشق، کیفِ عشق۔

نشاطِ کار = کام کرنے کی امنگ۔

نشانِ جگرِ سوختہ = جلے ہوئے دل کا نشان، جلے ہوئے دل کا پتہ۔

نشنیدن = نہ سننا۔

نشوونما = بالیدگی، بڑھنا، پنپنا، روئیدگی۔

طینتِ آدم میں تھی اللہ کیا نشوونما
ایک مشتِ خاک یوں پھیلی کہ دنیا ہوگئی
(ثاقب لکھنوی)

نشۂ رنگ = رنگ کا نشہ۔

نشۂ فکرِ سخن = شاعری کرنے کا نشہ۔

نشہ ہا شادابِ رنگ = نشہ شراب کی رنگینی و شادابی رنگ محفل سے شراب کے نشہ میں تازگی۔

نشیب و فراز = بلند و پست، اتار چڑھاؤ، اونچ نیچ۔

پتلوں سے خاک کے یہ گڑھے بھر سکیں کہیں
دھبّہ مٹے زمیں کے نشیب و فراز کا
(آتش)

وہ کیا سمجھ سکیں گے نشیب و فرازِ دہر
جو چل رہے ہیں راہ کو ہموار دیکھ کر
(ثاقب لکھنوی)

نصیرِ دولت و دیں = دین اور حکومت کے مددگار۔

نُطق = گویائی، بات کرنا، کلام کرنا، گفتگو۔

ویسا نہ ہوا اک لفظ زباں سے تری جاری
پیدا کرے ہرگز نہ ترا نطق وہ توقیر
(عبرت الغافلین)

نظارہ سوز = آنکھوں کو جلانے والا مراد آنکھوں کو چکا چوند کر دینے والا، آنکھوں کو خیرہ کر دینے والا۔

نظارگی = دیدار، ناظر، دیکھنے کا عمل، نظرباز، دیکھنا، دیدبازی۔

نظارۂ جمال = حسن محبوب کا نظارہ، جمال دوست کا دیدار۔

نظارۂ نرگس = نرگس کا نظارہ کرنا۔ نرگس اندر سے زرد اور باہر سے سفید رنگ کا پھول جو آنکھ کی شکل کا ہوتا ہے نرگس کے پھول سے معشوق کی آنکھ کو تشبیہ دیتے ہیں۔

پوچھتی ہے وہ نرگسِ مخمور
کس کو دعویٰ ہے پارسائی کا (آصف)

نظربندی = نگاہوں میں باندھ دیا جانا، حراست اور نگرانی قائم کرنے کے معنی میں بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔

دیکھیں سب کچھ اور نہ دیکھیں کیا نظربندی ہے یہ
دیکھیے اس کام کو اور کام کے استاد کو
(غافل)

مرتا ہوں یوں کہ بستہ فتراک کیوں نہیں
میں ہوں وہی کہ تم جسے نخچیر کر چکے (انور)

نخشب = قدیم زمانہ میں ماوراء النہر (ترکستان) میں ایک شہر تھا ترکی زبان میں اس کو قرشی کہتے ہیں۔ ایک شخص جو حکیم مقنع کے نام سے موسوم ہے بعض کیمیاوی اجزا سے ایک چاند بنایا تھا جو ایک کنویں سے طلوع ہو کر اسی کنویں میں غروب ہوتا تھا اس کی روشنی چار فرسنگ تک جاتی تھی۔ کہتے ہیں کہ یہ چاند دو ماہ تک غروب نہیں ہوتا تھا اس طلسمی چاند کو ماہ نخشب اور جس کنویں سے چاند نکلتا تھا اس کو چاہ نخشب کہتے ہیں۔

مہ سیماب داغ قلب مضطر
لحد عاشق کی نخشب کا کنواں ہے (قدر بلگرامی)

نخل رطب فشاں = کھجوریں ٹپکانے والا درخت۔
نخل بمعنی درخت، شجر۔

تھا کون سا نخل جس نے دیکھی نہ خزاں
وہ کون سے گل کھلے جو مرجھا نہ گئے (انیس)

رُطب بمعنی خرمائے تر، تازہ کھجور۔

ندیم دوست = محبوب کا ہم نشیں، دوست کا مصاحب۔

آداب کی جگہ ہے زکی بزم اتحاد
نازک ہے مثل شیشہ ولے دل ندیم کا (زکی)

ندرِ دل فریبی عنواں = دلفریب القاب کی ندر۔

نزار = کمزور، ضعیف، لاغر۔

مرا ہوں فرقت گل میں تو برگ گل ہو کفن
مرا برنگ رگ گل بدن نزار ہوا (ناسخ)

نژند = غمگین، اندوہناک، افسردہ، سرنگوں۔

سارے عالم سے کرے ہے کج روی چرخ نژند
قافیہ ہے بند اب بس امن کی راہیں ہیں بند (میر)

نسیم مصر = مصر کی سمت سے آنے والی ہوا۔
حضرت یعقوبؑ اپنے فرزند حضرت یوسفؑ کی جدائی میں نابینا ہو گئے تھے جب قید سے نکلنے کے بعد حضرت یوسف عزیز مصر کے عہدہ پر متمکن ہوئے اور ان کے بھائی بزمانۂ قحط غلہ لینے کے لیے کنعان سے مصر گئے تو حضرت یوسف نے خود کو ظاہر کر کے اپنا پیراہن حضرت یعقوب کے لیے روانہ کیا تاکہ اس کی بو سے ان کی بینائی واپس آجائے حضرت یوسف کے برادران جب اس پیراہن کو لے کر مصر سے کنعان کی طرف پہونچ رہے تھے تو دور ہی سے حضرت یعقوب کو اپنے بیٹے حضرت یوسف کی خوشبو محسوس ہوتی رہی۔

نسیہ و نقد دو عالم = دونوں جہاں کے نقد اور ادھار یعنی نقد دنیا اور عقبیٰ کا ادھار۔
نسیہ بمعنی ادھار، قرض۔

دل میں سوچے کہ کون ٹھوکر کھائے
کون نسیہ پر اپنا نقد گنوائے (قدر بلگرامی)

نشاط = خوشی، شادمانی، انبساط

تمھاری بزم تو ایسی ہی تھی نشاط افزا
رقیب نے بھی اگر پی سُرور آیا ہے (داغ)

نفسِ قیس = مجنوں کی سانس۔
نفعِ عبادت = عبادت سے فائدہ ، عبادت کا حاصل۔
نفی = نہیں ، انکار ، اثبات کی ضد۔
نقابِ خاک = خاک کی نقاب۔
نقاشِ یک تمثال شیریں = شیریں کی تصویر بنانے والا۔
نقاش بمعنی بنانے والا ، تمثال تصویر ، شکل ، صورت۔

ہجر دلدار میں بھی وصل کا حاصل ہے لطف
ہر گھڑی پیش نظر یار کی تمثال ہے آج (زند)

نقشِ پا = پاؤں کا نشان ، نقشِ قدم۔

نہ آیا خاک بھی رستہ سمجھ میں عمر رفتہ کا
مگر سمجھے تو داغ معصیت کو نقشِ پا سمجھے (ذوق)

نقشِ پئے مور = چیونٹی کے پاؤں کے نشان۔
مور بمعنی چیونٹی۔
نقشِ پئے ناقۂ سلمیٰ = سلمیٰ کی اونٹنی کے پاؤں کا نشان
سلمیٰ عرب کی ایک روایتی معشوقہ۔
نقشِ سویدا = دل پہ کے کالے نقطے کا نشان۔ دل پر جو کالا تل کا سا نشان ہوتا ہے اسکو سویدا کہتے ہیں۔

شرم سے تم کو سمٹنا ہے سمو جس سے
دل میں بن جاؤ سویدا پتلیوں میں تل بنو (عزیز لکھنوی)

نقشِ قدم = پاؤں کا نشان جو راستہ میں چلنے سے بنتے ہیں ، نقشِ پا۔

شکل نسیم صبح جو سوئے چمن گئے
آئی بہار نقشِ قدم پھول بن گئے (مودب)

نقشِ لاحول = لاحول کا تعویذ ، لاحول شیطان کو بھگانے کی آیت لاحول مخفف ہے لاحول ولاقوت الا باللہ کا ، خداوند تعالیٰ کے سوا کسی میں کچھ طاقت اور زور نہیں ہے۔

لاحول بھیجتے ہیں مخیر شراب پر
حضرت ہمارے اب تو بڑے پارسا ہوئے (مخیر)

نقشِ مُریدی = مرید کی سند ، مریدی کا تصویر۔
نقشِ معنی = اہل معنی کی ظاہرداری ، اہل حقیقت کا اظہار۔
نقشِ نازِ بتِ طنّاز = شوخ و بے باک معشوق کے ناز و انداز کی تصویر ، نقش بمعنی تصویر ، شبیہ۔

نقش شیریں میں ترے حسن کی پرواز کہاں
یہ نزاکت یہ ادا اور یہ انداز کہاں (مصحفی)

ناز بمعنی انداز ، معشوقانہ ادائیں۔
بُت بمعنی صنم ، مورت مجازاً معشوق۔

ترے بندوں سے کر بیٹھے یہ بُت دعویٰ خدائی کا
تماشا دیکھتا ہوں تیری شانِ کبریائی کا (لاعلم)

طناز بمعنی شوخ ، بے باک ، بہت طنز کرنے والا۔

لگے بالیں پہ وہ طناز سراپا انداز
مجھ سے یہ کہنے لگا کیوں ہے تو غمگیں ناحق (ذوق)

نقشِ وفا = وفا کا نقش ، وفا کرنے کا زبانی جمع خرچ۔
نقش و نگارِ طاقِ نسیاں = بھول کے طاق کے نقش و نگار بن کر رہ گئیں ، سب بھول گئے ، فراموش ہو گئیں
نقش و نگار بمعنی بیل بوٹے ، طاق دیوار میں محرابدار

مستحق دار کو حکم نظر بندی ملا
کیا کہوں کیسے رہائی ہوتے ہوتے رہ گئی (الاعلم)

نظر خوکردۂ اختر شماری = تارے گننے کی عادت رکھنے والی نظر ، وہ آنکھ جس کو رات بھر تارے گنتے رہنے کی عادت پڑ گئی ہو۔

نظرہائے تیز تیز = غصہ بھری نگاہیں ، غضب آلود تیور۔

نظرگاہِ حیا = شرم کا سبب۔
نظر گاہ بمعنی تماشا گاہ ، سیر گاہ۔

نعل بہا = وہ خراج جو کمزور بادشاہ طاقتور بادشاہ کو ادا کرے، وہ رقم جو مفتوح بادشاہ فاتح بادشاہ کو اس کی فوج کی واپسی کے تاوان کے طور پر ادا کرے۔

نعلین از پا مکش سیر تر و خشک کن
نعل بہا خواستن از دل قلزم خوش است (باقر کاشی)

داغ بر سینہ نشان سم رخش غم اوست
جان و دل عرض کنم نعل بہائے دارد (ظہوری)

نغمۂ زیر و بم ہستی = زندگی کے نغمہ کا اتار چڑھاؤ۔
زیر و بم بمعنی سروں کا نیچا اونچا کرنا ، ڈھولک کے دونوں رخ۔

شادیانے خوشی کے بجنے لگے
زیر و بم رعد سا گرجنے لگے (ہشت گلزار)

نغمہ سنج = نغمہ سرا ، دلکش آواز سے بولنا۔

گلوں سے دور رکھا مثل بلبل نغمہ سنجی نے
ہمیں خاموش مانند زبان خار رہنا تھا (تعشق)

نغمۂ شادی = شادی کا نغمہ ، ترانۂ مسرت۔
نغمہ بمعنی راگ ، گانا ، گیت ، سریلی آواز ،
شادی بمعنی خوشی۔

نفس = سانس جمع انفاس ، دم ، ساعت ، لمحہ۔

نازک مزاجیاں وہ پری وش دکھا گئی
کاٹے گلے نفس کی جو آواز آ گئی (تعشق)

دنیا جو نہ میں چند نفس کے لیے لیتا
جنت کا علاقہ مری جاگیر میں آتا (اشرف

نفس اہل وفا = اہل وفا کی سانس ، اہل وفا کی آہ۔

نفس باد صبا = باد صبا کا جھونکا۔

نفسِ بے اثر = آہ بے اثر۔
نفس بمعنی سانس مراد آہ۔

نفس پرور = روح پرور ، جاں فزا۔
پروردن (پروراندن) پالنا ، پروردہ اور پر
اسی مصدر سے نکلے ہیں۔

دل سے رکھتے ہیں لباس یوسف گل کو عز
اس میں پاتے ہیں تری بوئے نفس پرور کو (رزمی)

نفس جاں گداز = جان کو پگھلا دینے والی آہ۔
نفس بمعنی سانس۔
گداختن پگھلانا ، جاں گداز جو جان کو پگھلا دے

نفس صدق گزیں = سچائی کو پسند کرنے والی س

نفس عطر سائے گل = عطر سے بسی ہوئی سانس ،
پھولوں کی خوشبو۔

وہ ملاقات کہ جو وجہ شکستِ دل تھی
اب نگاہ غلط انداز کو بھی یاد نہیں (ظہیر کاشمیری)

نگاہ گلچیں = گلچیں کی نظر۔

نگہ جلوہ پرست = جلوہ کی پرستش کرنے والی نگاہ۔

نگہ سرمہ سا = نگاہ سرگیں، سرمہ لگی ہوئی آنکھوں کی نگاہ۔

نگینِ نام شاہد = نگینہ جس پر محبوب کا نام کندہ ہو۔

نمام = چغلخور، سخن چیں، غماز۔
(پودینہ کے لیے بھی یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے)

نمرود = حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں ایک کافر بادشاہ تھا جس نے خدائی کا دعویٰ کیا تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کا حکم دیا تھا۔ جو خدا کے حکم سے گلزار بن گئی تھی۔

ع نارِ نمرود کو کیا گلزار

نمِ شبنم = شبنم کی نمی، قطرۂ شبنم۔

نمک پاشِ خراشِ دل = دل کی خراشوں کی نمک پاشی، دل کے زخموں پر نمک چھڑکنا
نمک پاش بمعنی نمک چھڑکنے والا

اے نمک پاش تجھے اپنی ملاحت کی قسم
بات تو جب ہے کہ ہر زخم نمکداں ہو جائے (ابدم واثق)

نمود = نشان، دکھاوٹ، ظہور، شہرت، ناموری، علامت۔

مرحبا دستِ جنوں اس تری چالاکی کو
نہ رہی نام کو بھی تارِ گریباں کی نمود (ظفر)

اے آسماں نمود نہیں اپنی چاہیے
بعد فنا مزار کا اپنے نشاں نہ ہو (آتش)

اے ظفر خاک سے انساں کا بنا ہے پتلا
خاکساری ہی سے دنیا میں ہے انساں کا نمود (ظفر)

بلا سے تری میں اگر مر گیا
نمود اسمیں تیری تو قاتل ہوئی (رند)

نمودِ سایۂ و نور = سایہ اور نور کا وجود۔
نمود بمعنی ہستی، بود، وجود، موجودگی، حیات۔

نمودِ صور = صورتوں کا ظاہر ہونا۔
نمود بمعنی ظہور۔ صُوَر جمع ہے صورت کی بمعنی اشکال۔

نمو کرنا = اُگنا، بڑھنا، افزائش، روئیدہ ہونا۔

نشتروں سے دل بلبل کو لہو کرتے ہیں
کیاریوں میں شجر و گُل جو نمو کرتے ہیں (ضیا)

ننگِ بے ہنری = بے ہنری کی شرم۔

ننگِ پیراہن = پیراہن کے لیے باعث ننگ۔
ننگ بمعنی شرم، رسوائی، بدنامی۔

یہ ننگ و نام مبارک رہے تجھے اے شیخ
مجھے نہ ننگ سے ہے ننگ کچھ نہ نام سے کام (میر سوز)

پیراہن ۔ پہننے کا لباس، قمیص، کُرتا۔

پیراہن صد چاک کفن ہوے گا اس کا
سر نیزے پہ اور خاک پہ تن ہوے گا اس کا (انیس)

ننگِ پیری = ضعیف کے لیے باعثِ شرم۔

جگہ چھوٹی موٹی چیزیں رکھنے کے لیے ہوتی تھی۔

میرے خوں سے اس کے در پر ہوں اگر نقش و نگار
اے ظفر اک ایک ہو وہ رشک صد گلزار نقش (ظفر)

اگر طاق میں تم نے رکھ دی کتاب
تو کیا دو گے کل امتحاں میں جواب (مولوی اسمٰعیل)

نقطۂ پرکار تمنا = تمنا کے پرکار کا مرکز۔

نکتہ چیں = معترض، عیب گیر، خرابیاں نکالنے والا، مین میخ نکالنے والا، عیب پکڑنے والا۔

گاہ کہتا ہوں کہ کچھ دریافت کیجے حال دل
گاہ کہتا ہوں کہ کیا اس نکتہ چیں سے پوچھیے (نکہت)

مٹایا ہم نے تل کا جل کا ان کے منھ پہ بوسے سے
لگے کہنے نہ تھا معلوم یاں ہیں نکتہ چیں بیٹھے (ظفر)

پھول جھڑتے ہیں ترے منھ سے جو اے رنگیں بیاں
نکتہ چیں آیا تری محفل میں گلچیں ہو گیا (داغ)

نکتہ داں = نکتہ شناس، باریک بیں، دقیقہ رس، سخن فہم۔

لکھی شہ کے خال معنبر کی مدح
قلم نے ہمیں نکتہ داں کر دیا (انیس)

نکتہ سرا ہونا = نکتے بیان کرنا، باریک مضامین نظم کرنا، علمی نکات کا نظم کرنا۔

نکتہ ہائے خرد فزا = عقل کو بڑھانے والے نکتے۔

نکوہش = ملامت، سرزنش، دھمکی۔

نکو نامی فرہاد = فرہاد کی نیک نامی، فرہاد شیریں کا عاشق جس نے خسرو کے کہنے سے شیریں کو حاصل کرنے کے لیے کوہ بے ستون کو کاٹ کر دودھ کی نہر نکالی تھی۔ اور پھر یہ اطلاع پا کر کہ شیریں مر چکی ہے اپنا سر پھوڑ کر خود کو ہلاک کر لیا۔

نکہتِ گل = پھول کی خوشبو۔
نکہت بمعنی خوشبو۔

نہ چھیڑ اے نکہت باد بہاری راہ لگ اپنی
تجھے اٹکھیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں (انشا)

نکیرین = وہ دو فرشتے جو قبر میں دفن ہونے کے بعد مردے سے سوال و جواب کے لیے آتے ہیں۔

نکیرین آئے ہیں تربت میں بے پوچھے نہ چھوڑیں گے
بتاؤ کیا کہوں؟ استاد جبریل امیں آؤ (محشر لکھنوی)

نگار = معشوق، بت، خوبصورت۔

نگار آتش رخ = آگ کی طرح سرخ دہکتے ہوئے چہرہ والا معشوق۔

نگاہِ آشنا = دوست کی نظر، پہچانی ہوئی نگاہ۔

نگاہِ بے حجاب = بے حجاب نگاہ ناز، ایسی نگاہ ناز جس میں بے تکلفی اور بے حجابی ہو۔

نگاہِ بے محابا = بے تکلف نظر، بیباک نگاہ، شرم و حیا کے بغیر دیکھنا۔

نگاہِ عجز = ترک ہوس، عاجزی کی نظر۔

نگاہِ غلط انداز = انجان نظروں سے دیکھنا، سہوں کر نظر ڈالنا، اچٹتی ہوئی نگاہ، سرسری نظر۔

ہر طرف برگِ خزاں ہے نوحہ خوانِ عندلیب (مؤدب)

نوحہ گر = نوحہ کرنے والا ، آہ و بکا کرنے والا ، روتے پیٹنے والا ، بین کرنے والا ۔

آئے بہن کے پاس کہا ہو کے نوحہ گر
خیمے میں جاؤ ڈر ہے کہیں کھل نہ جائے سر (مؤدب)

نوحۂ غم = نوحۂ الم ۔

نوحہ کسی کی موت پر جو نظم کہی جائے اس کو نوحہ کہتے ہیں ۔ نوحہ بمعنی رونا ، بین کرنا ، مردے کی لاش پر آواز سے رونا ۔

نورالعینِ دامن = دامن کی آنکھوں کی روشنی ، دامن کی آنکھ کا تارا ۔

نوروز = یکم فروری جبکہ اہلِ نجوم کے حساب سے آفتاب برجِ حمل میں داخل ہوتا ہے یہ پارسیوں کے نئے سال کے آغاز کا دن ہے یہ آتش پرستوں کی عید نوروز کا دن ہے جس دن ایرانی قومی جشن مناتے ہیں (کنایۃً) خوشی کا دن ۔

خوشی ہے عید ہے اغیار میں جلسے ہیں باغوں میں
وہاں تو رات دن نوروز ہی نوروز رہتا ہے (داغ)

نوشت و خواند = لکھائی پڑھائی ، لکھنا پڑھنا ۔

نوشتن مصدر لکھنا ۔ خواندن مصدر پڑھنا ۔

نومیدیِ جاوید = ہمیشہ کے لیے ناامیدی ، دائمی مایوسی ۔

نوید = خوش خبری ، مژدہ ، بشارت ۔

لگ گئی آنکھ دیکھتا کیا خواب میں ہوں
کہ مجسم نظر آتی ہے نوید بہجت

نویدِ امن = امن کی خوش خبری ۔

نویدِ مقدمِ یار = معشوق کی تشریف آوری کی خوش خبری ۔

نوید بمعنی خوش خبری ، مژدہ ، بشارت ۔

سنیۂ بختی نوید وصل دیتی ہے مجھے ہر دم
مسافر کو خوشی ہوتی ہے وقتِ شام منزل کی (معنی)

نہ چرخ و ہفت اختر = نو آسمان اور سات ستارے مراد کائنات ۔

نو چرخ بمعنی نو آسمان ۔ ہفت اختر بمعنی سبع سیارہ ، عقد ثریا ، پروین ۔ سات ستارے یعنی قمر ، عطارد ، زہرہ ، شمس ، مریخ ، مشتری ، زحل ۔

نیازِ حسرتِ دیدار = نذرِ حسرتِ دیدار ، دیدار تمنا کے پیش کش ۔

نیامِ پردۂ زخمِ جگر = زخمِ جگر کے پردے کی نیام (جس میں خنجرِ ناز بطور امانت رکھا ہوا ہے) ۔

نیرنگِ بیتابی = بے تابی کی نیرنگیاں ، بے تابی کے شعبدے ، بے تابی بمعنی بے قراری ۔

نیرنگِ تمنا = تمنا کے نئے نئے رنگ ، فریبِ تمنا ۔

نیرنگ بمعنی فریب ، افسوں ۔

خوبی سے کرے دلوں کو تسخیر
نیرنگِ نسیمِ باغِ کشمیر (گلزارِ نسیم)

نیرنگِ نظر = فریبِ نظر ، طلسمِ نگاہ ۔

نیرنگ بمعنی مکر ، فریب ، حیلہ ، دھوکا ، شعبدہ ۔

ننگِ سجدہ = سجدہ کے لیے باعثِ ننگ۔
ننگ بمعنی شرم، لحاظ، حیا، غیرت، ذلّت، رسوائی، ہتکی۔

افسوس کہ مرگیا ذکی آج
باقی وہی ننگ خانداں تھا (ذکی)
لایا مرے مزار پہ اس کو یہ جذبِ عشق
جس بے وفا کو نام سے بھی میرے ننگ تھا (میر)

ننگ وجود = ہستی کے لیے شرم کا باعث، ہستی کے لیے بدنامی کا سبب۔

نو آموزِ فنا = فنا کے مقامات تک پہونچنے کے لیے سیکھنے والا مبتدی۔ نو آموز بمعنی نوسکھا، مبتدی، اناڑی، فنا، مٹنا۔

ہم سے نو آموز سے صیاد راضی ہوچکا
نغمہ سنجی اک طرف آتی نہیں فریاد بھی (جلیل)

نوا پرداز = آواز نکالنا، گفتگو کرنا، بات کرنا، سخن گو ہونا، گویا ہونا، نوازن، نواساز، نواسنج۔

ہم وہ ترانہ سنج ہیں جس باغ میں گئے
زاغ و زغن کو مرغ نوازن بنا دیا (رشک)

نوازش ہائے بیجا = بے موقع مہربانیاں، بے محل عنایتیں۔

نواسنجِ فغاں = آہ وزاری کرنے والا۔
نواسنج بمعنی مطرب، گانے والا۔

کیوں نہ ہو کوچۂ محبوب میں عاشق نالاں
اس گلستاں کو یہ مرغانِ نواسنج دیے (اوزیر)

نواسنجانِ گلشن = گلشن میں نواسنجیاں کرنے والے، صحن چمن میں چہچہانے والے، گلستاں میں نغمہ سرائی کرنے والے
نواسنج بمعنی آواز نکالنا، چہچہانا، چیخنا، فریاد کرنا۔

کسی کو دے کے دل کوئی نواسنج فغاں کیوں ہو
نہ ہو جب دل ہی پہلو میں تو پھر منہ میں زباں کیوں ہو
(غالب)

نواہائے راز = پوشیدہ آوازیں۔

نوائے جگر خراش = کلیجا چھیلنے والے نالے۔
نوا بمعنی آواز۔ خراش بمعنی چھیلنے والا مصدر۔ خراشیدن چھیلنا۔

نوائے مرغِ گرفتار = گرفتار پرند کی فریاد، بند پرند کی آواز۔

نوبر نخل باغ سُلطاں = بادشاہ کے باغ کا تازہ پھل شاہی باغ کے درخت کا ثمر نورسیدہ۔

نوبہار حدیقۂ اسلام = اسلام کے باغ کی تازہ بہار۔
حدیقہ ایسے باغ کو کہتے ہیں جو چہار دیواری سے محصور ہو

عطر گل حدیقۂ ایماں حسینؓ ہیں (انیس)

نوبہار بمعنی بہار کی ابتدا۔

نوبہارِ ناز = ایسے ناز و انداز والا معشوق جس کی اٹھتی ہوئی جوانی ہو۔

رنگ لایا ہے لڑکپن آپ کا
نوبہار گلشن ایجاد ہو (صبا)

نوحہ خواں = نوحہ پڑھنے والا، ماتم کرنے والا، سوگ منانے والا۔

اس نے بوسے لب میگوں کے دیئے وعدے پر
مژدہ اے بادہ کشاں بکنے لگی وام شراب (شاہ نصیر)

ہماری قیمت دل لیجیے کہ ہم تو کبھی
ادھار لیتے ہیں سودا نہ وام لیتے ہیں (داغ)

واماندگی = تھکن ، تکان ، تھکاوٹ ، پیچھے رہ جانا۔

وا ہو جانا = کھل جانا ، باز ہو جانا۔

دو قدم بڑھ کے دیکھا کیا ہے
ایک دروازہ باغ کا وا ہے (قلق)

کچھ انبساط ہو لے چمن سے دور نہیں
جو وا ہو غنچۂ منقار بلبل تصویر (ذوق)

وبال دوش = کاندھوں کے لیے ناقابل برداشت ، بوجھ ، سختی ، دکھ ، گرانی۔

وبال بمعنی گرانی ، بوجھ۔

پھٹے ہیں کان کے پردے دم آیا ہونٹوں پر
وبال گوش ہے نالہ بلائے جاں فریاد (وزیر)

وجد ذوق = فرط شوق۔

وجد بمعنی بے خودی ، حال ، جذبہ ، حالت بے خودی۔

ہر چند بگولہ مضطر ہے اک جوش تو اس کے اندر ہے
اک وجد تو ہے اک رقص تو ہے بے چین سہی برباد سہی

وجود بحر = سمندر کی موجودگی ، سمندر کا موجود ہونا۔

وجود بمعنی ہستی ، حیات ، زندگی ، تکوین۔

وجود ذات ملائک کو کالعدم کہتا
سمجھتا مور کو ہم صورت بتان چگل (محشر لکھنوی)

وجہ تسلی = تسکین کا سبب ، تشفی کا موجب۔

وحشت = بدکنا ، آدمیوں سے بھاگنا ، جنون ، دیوانہ پن۔

وحشت کرنا شیوہ ہے کچھ اچھی آنکھوں والوں کا (میر تقی میر)

صبر وحشت اثر نہ ہو جائے
کہیں صحرا بھی گھر نہ ہو جائے (مومن)

وحشت آتش دل = آتش دل کی وحشت ، دل کی آگ بھڑکنے سے گھبراہٹ۔

وحشت طبیعت ایجاد = اختراع پسند طبیعتوں کی وحشت ، ایسی طبیعتیں جو جدت طرازی اور معنی آفرینی کو پسند کرتی ہیں۔

وحشت کدہ = وحشت کا گھر ، وحشت خانہ ، وحشت سرا۔

وحشت کدۂ تلاش = جستجو کا وحشت کدہ مراد دنیا جہاں ساری زندگی انسان تلاش و جستجو کے جنون میں گذار دیتا ہے۔

وداع شوق = شوق کا رخصت ہونا۔

ودیعت خانۂ بیداد کاوش ہائے مژگاں = پلکوں کی سعی ستم آرائی کا امین۔

ودیعت بمعنی امانت ودیعت خانہ جس میں امانت۔
بیداد بمعنی ظلم ، ستم ، بے دردی محفوظ ہو۔
کاوش بمعنی کوشش ، کھوج ، تلاش ، جستجو۔
مژگاں بمعنی پلکیں۔

ودیعت مژگان یار = معشوق کی پلکوں کی امانت۔

ڈھیر دیکھے گل رخوں کی خاک کے
وہ کیا نیرنگ ہیں افلاک کے

نیرنگ یک بتخانہ = ایک بت کدہ کی رنگینیاں، کسی بت خانہ کی رونق بت خانہ مراد بزم حسیناں۔

نیروے تن = طاقت جسمانی۔

نیستاں = نے اگنے کی جگہ، وہ مقام جہاں نرکل پیدا ہوتے ہیں۔ بمعنی بانسری۔

مرد فقیر حق حق کرتے ہیں بورئے پر
شیر اپنے نیستاں میں آتش ڈکارتے ہیں
(آتش)

نیش = ڈنک، کانٹا، تیز نوک۔

ترک لذت کر دلا پہنچے نہ تا تجھ کو گزند
نوش تو پیچھے ہے پہلے نیش ہے زنبور کا
(ناسخ)

نیشتر = نشتر، فصد کھولنے کا اوزار، ڈنک، نوک دار اوزار۔

ہم اس نگاہ ناز کو سمجھے تھے نیشتر
تم نے تو مسکرا کے رگ جاں بنا دیا
(اصغر گونڈوی)

نیشکر = گنا، پونڈا۔

وصف ان شیریں دہانوں کا لکھوں گر اے وزیر
نیشکر دم میں بنا دوں کلک گوہر بار کو
(وزیر)

و

وابستہ تن = جسم سے وابستہ، جسم میں مقید، پابند جسم

واحسرتا = افسوس، حیف کی جگہ، ہائے ہائے، ہے ہے۔

گلا شہید کا یاد آگیا بہت روئے
کہا پکار کے واحسرتا بہت روئے ر…

وادی پرخار = کانٹوں سے بھری ہوئی وادی۔
وادی بمعنی گھاٹی، نشیبی زمین، کوہستانی … نشیب پر ہو، منزل، راستہ۔

کلیم اللہ کو اس وادی میں یکتا کہ سکیں ک…
بعینہ دیکھتے ہیں آنکھ سے نور خدا…

پرخار بمعنی کانٹوں سے بھری ہوئی۔

وارث گنج و تخت و افسر = تخت و تاج اور … کے مالک۔

وارث ملک = ملک کا وارث۔

وارستگی = آزادی، فارغ البالی۔
وارستہ بمعنی آزاد، فارغ البال، بے…

فلک وارستہ پھرنے دے ہے کوئی…
گیا ہے آخرش زنجیر سے بیل دما…

وارستہ = آزاد، فارغ۔

ہوں نہ پابند تعلق ہیں جو وارس…
نام میں بھی ہے جدا اک ایک ح…

واشد گل = پھول کھلنا۔
واشد بمعنی شگفتگی، کشادگی۔

ترے ہاتھ سے واشد دل نہ…
کھلے گا نہ تجھ سے معما

وام = قرض، ادھار۔

مری زباں جلانے سے کیا جلے گا اثر
کہ جانتے ہی نہیں ہتھکنڈے دعا کے تم (داغ)

دل ترا چھین کر عدو کو دیا
ہتھکنڈے ہیں یہ دستِ قدرت کے (داغ)

ہجوم خم دوش مزدور = مزدور کے کاندھے کے جھکاؤ کی زیادتی۔

ہجوم بمعنی بھیڑ، انبوہ، اژدہام، کثرت۔

میں چلا لے کے ہجوم غم و حسرت ہمراہ
اور وہ خوش ہیں کہ میں بزم سے تنہا نکلا (زکی)

ہجوم درد غریبی = بے وطنی کی تکلیفوں کا انبوہ۔

ہجوم گریہ = رونے کی زیادتی۔

ہجوم ناامیدی = ناامیدیوں کا اژدہام، مایوسیوں کا جمگھٹا۔

ہدف = نشانہ، تد، مار۔

ناوک اندازیٔ مژگاں کو تری دیکھ کے آج
دل کی چھاتی پہ ہے ظالم ہدف تیر رہا (ظفر)

ہدف ناوک بیداد = تیرِ ستم کا نشانہ۔

ہدف بمعنی نشانہ ، اونچی چیز۔

ناوک بمعنی تیر بیداد بمعنی ظلم، ستم۔

ہر بُن مو سے = ہر بال کی جڑ سے۔

بُن بمعنی جڑ۔ مو بمعنی بال۔

ہر بُنِ مو سے آہ کرتا ہوں
تم پہ جس دم نگاہ کرتا ہوں (لاعلم)

ہرزہ = بیہودہ، لغو، نامعقول۔

ہرزہ گردی میں زبس وہ بُت ہرجائی ہے
آج اللہ نے صورت ہمیں دکھلائی ہے

ہرزہ سرا ہوں = بیہودہ گو، فضول بکواس کر رہا ہوں۔

ہر گوشۂ بساط = فرش کا ہر کونہ۔

گوشہ بمعنی کونا۔ بساط بمعنی فرش، شطرنجی، بچھونا، اسباب، دسترس۔

ہستیٔ اشیا = چیزوں کی موجودگی، وجودِ اشیاء۔

ہلاک حسرت پابوس = پاؤں چومنے کی آرزو میں مرنا۔

ہلاک فریب وفائے گُل = پھولوں کی وفاداری کے فریب کا کشتہ، فریبِ وفائے گل پر مٹا ہوا۔

ہمت دشوار پسند = مشکلات کو پسند کرنے والی ہمت۔

ہم طرحی = ہم آہنگی، ہم آواز ہونا۔

ہم نفس = دوست، ندیم، ہمدم، ہمکلام۔

بےکسوں کا پوچھنے والا یہاں کوئی نہیں
ہم نفس کوئی نہیں ہے ہم زباں کوئی نہیں (مولف)

ہمہ ناامیدی = سرتاسر ناامیدی۔

ہمہ بدگمانی = تمام بدگمانی۔

ہمہ بمعنی سب، تمام، کل۔

ہمہ پیمانہ ذوق تحسین = کلیتاً داد و تحسین حاصل کرنے کا پیمانہ۔

ہمہ خمیازۂ عرض صورت = سراسر عرض صورت کا خمیازہ۔

خمیازہ بمعنی انگڑائی، مکافات، بدلہ، پشیمانی۔

ودیعت بمعنی امانت ، سپردگی

ودیعت میں نے رکھا ہے کسی کو
پسِ مردن غبارِ ناتواں میں (زکی)

ورطۂ ملامت = ملامت کا گرداب ، ملامت کا بھنور۔

ورطہ بمعنی مقامِ ہلاکت ، گرداب ، بھنور ، پانی کا چکر۔

اس ورطے سے تختہ جو کوئی پہنچے کنارے
تو میر وطن میرے بھی شاید یہ پہنچ جائے (میر)

وصیِ ختمِ رُسل = جس کے حق میں رسول اللہ نے وصیت کی۔
(بموجب عقیدہ اہلِ تشیع) مراد حضرت علیؓ۔

وصی بمعنی وہ شخص جس کو وصیت کی گئی ہو ، وصیت
پر عمل کرنے والا۔

چھپائیں کیونکر عقیدہ اپنا کہیں گے جبتک ہے روح باقی
وصی و داماد مصطفےٰ کا سوائے شیرِ خدا نہیں ہے (امین لکھنوی)

وضع = روش ، طریقہ ، حالت ، دھج ، ڈھنگ ،
دستور ، طور طریق۔

ہر وضع دلفریب ہے ہر رنگ دل پذیر
کیا بات ہے کسی کے تنِ جامہ زیب کی (حسرت موہانی)

وضعِ احتیاط = طرزِ احتیاط ، نظم و ضبط ، سنجیدگی۔

وعدۂ صبر آزما = ایسا وعدہ جو طاقتِ صبر کو آزمائش میں
مبتلا کرے یعنی وعدہ وفا ہونے کے انتظار میں بڑے
طویل عرصہ تک صبر برداشت کرنا پڑے۔

وفا مقابل = وفا کرنے کے لیے آمادہ ہونا۔

وفورِ اشک = آنسوؤں کی کثرت ، اشکوں کی زیادتی۔

وقتِ وداعِ بہار = بہار کے رخصت ہونے کا وقت

وقفِ احباب = محبت کرنے والوں کے لیے وقف ،
چاہنے والوں کے لیے مختص۔

وقفِ بسترِ سنجاب = سنجاب کے بستر کے لیے وقف۔

سنجاب۔ ترکستان میں گلہری کی مانند چوہے سے بڑا
ایک جانور ہوتا ہے جس کی کھال سے پوستین اور بستر بنایا
جاتا ہے ، اس کا رنگ خاکی ہوتا ہے۔

وقفِ کشمکش = مستقل اضطراب و بے چینی میں مبتلا ،
بے چینی کے لیے وقف۔

وقِنا عذابَ النار = (اے خدا) ہمکو آگ کے عذاب
سے محفوظ رکھ۔

ہ

ہاتھ دھو بیٹھنا = ناامید ہوجانا ، مایوس ہوجانا
آس چھوڑ بیٹھنا۔

بھلا میں ہاتھ دھو بیٹھوں نہ کیونکر جان سے
کہ چلنے میں تمہاری موج دریا کی روانی

جھک گئے ہیں آج اک ساغر سے ہم
ہاتھ دھو بیٹھے مَے کوثر سے ہم (دا

ہتھکنڈے = کارگزاری ، شعبدے ، چال بازی
عیاری ، دھوکا بازی۔

ہتھکنڈے غیر کے سن کر مجھے مکرا لوگے
پہلے دو چار گواہوں کو بلالوں تو کہوں

ہولِ دل = دل کی دھڑکن ، اختلاج قلب ، دل کا دھک دھک کرنا ۔

ہول بمعنی خوف ، ڈر ، دہشت ، ہیبت ۔

بس کہ ہے خوف بلائے شب فرقت سے مجھے
ہم نشیں ہول نہیں ہول قیامت ہے مجھے (نکہت)

قامت وہ یاد آتے ہی یوں ہولِ دل ہوا
ہو دل کو ہول جیسے قیامت کے نام سے (معروف)

ہیچ مدانی = کچھ نہ جاننا ، لاعلمی ، ناواقفیت ۔

آسودہ اپنی ہیچ مدانی سے ہوں ذکی
اندیشۂ فلک سے متاعِ ہنر نہ کی (ذکی)

ہیچ بمعنی بے حقیقت ، ناموجود ، معدوم ، لاشے ۔

مانند حباب ایک نفس میں ہے خرابی
اس منزل فانی میں ہے بنیاد مکاں ہیچ
خوبان جہاں کا ہے تو کیا محو تماشا
جنکی کہ کمر ہیچ ہے جن کا کہ دہاں ہیچ (ظفر)

ہیولا = (ہیولیٰ) مادہ ، صورت ، طینت ، ماہیت ، خاکہ ، ناشائستہ ۔

جلوہ کس کا ہے صور کیا ہے ہیولا کیا ہے
میں کوئی چیز ہوں تم نے مجھے سمجھا کیا ہے (ظہیر)

جنوں سے میرے مجنوں بھاگتا جیسے بگولا ہے
کہ میں صورت ہوں وحشت کی وہ یوں ہی اک ہیولا ہے (ذوق)

ی

یادگار نالہ = نالۂ دل کی یادگار ۔

یاس خیز = یاس انگیز ، مایوس کن ۔

یاس بمعنی ناامیدی ، ہراس ، مایوسی ۔

یاس اس درجہ ہو گئی ہے کہ اب
وصل بھی آرزو فزا نہ ہوا (مجروح)

یک الف = ایک سیدھی لکیر ۔

فولاد کے آئینہ پر صیقل کرنے سے جو لکیر پڑتی ہے اس کو الف صیقل کہتے ہیں ۔

یک بیاباں = کثرت ۔

یک بیابان ماندگی = ایک پورے بیاباں کی صحرانوردی کی تھکن، مراد بہت زیادہ تھکن جو بیابان کی آوارگی کا نتیجہ ہو ۔

یک قلم = بالکل ، سربسر ، سراسر ، اول سے آخر تک ، یک لخت ۔

سچ ہی سچ لکھا ہے قاصد خط یہ ہم نے یک قلم
جھوٹ ہو تو ہاتھ ابھی اپنے قلم کرتے ہیں ہم (ظفر)

شرح فراق کا اثر دیکھ کے خط میں نامہ بر
کرتی قلم ہے یک قلم حرف رقم الگ الگ (ظفر)

یک قلم انگیز = بالکل برانگیختہ کرنے والا ۔

یک قلم بمعنی بالکل ، سراسر ، فوراً ۔

انگیز کا مصدر انگیختن (انگیزیدن) ہے اٹھنا ، اٹھانا ، ابھارنا ، برداشت کرنا ۔

جس کی جانب سے ترا تیر نگاہ تیز چلے
اس کا دل میرا ہی سا ہو تو اسے انگیز کرے (ظفر)

یک کفِ خس = مٹھی بھر گھاس ، مٹھی بھر تنکے ۔

جوڑے کا معانقہ طرب خیز
خمیازۂ قوس بہجت انگیز (مولانا سبط حسن ظفر)

عرض ، صورت ، اظہار ، ظاہر داری ، نمود نمائش۔

ہمہ معمور شوق بلبل = بلبل کے چہچہوں سے معمور ، بلبلوں کی کثرت سے آباد۔

ہنجار = طرز ، روش ، راہ ، راستہ۔

ہنگام کمال = مکمل ہونے کے وقت ، جب کامل ہو جائے۔ تکمیل کو پہنچ جانے پر مراد بدر بن جانے کے بعد۔

ہنگامہ پیدائی = ہنگامہ کا ظاہر ہونا ، ہنگامہ آرائی۔ ہنگامہ کا وجود میں آنا۔

ہنگامہ بمعنی انبوہ ، اژدہام ، بھیڑ ، ہجوم۔

ہے گرمی ہنگامہ تڑپنا مرے دل کا
اک اک کو دکھاتے ہیں تماشا مرے دل کا (ظہیر)

ہنگامۂ زبونی ہمت = حوصلہ کی پستی کا ہنگامہ۔

ہنگامہ بمعنی بھیڑ ، بلوہ ، اژدہام۔

زبوں بمعنی خراب ، خوار ، خرابی ، خواری۔

زبونی ہمت بمعنی ہمت کی پستی ، ہمت کی خرابی۔

ہنگامۂ یارب = یارب یارب کرنے کا شور فریاد کرنا۔

ہوا باندھنا = رعب بٹھانا ، شیخی بگھارنا ، ڈینگ مارنا ، زمین آسمان کے قلابے ملانا۔

فلک کی خبر کب ہے ان شاعروں کو
یوں ہی بیٹھے گھر میں ہوا باندھتے ہیں
(مصحفی)

حضرت داغ تو شاعر ہیں ہوا باندھتے ہیں
نہ دعا کی کوئی صورت نہ اثر کی صورت

ہوا خواہ = ہمدرد ، خیر خواہ ، بہی خواہ ، بھلائی چاہنے والا دوست ، خیر اندیش۔

چلو جھوٹی سچی نہ باتیں بناؤ
خبر تک نہ لی اس ہوا خواہ کی (ظہیر)

ہوائے جلوۂ ناز = آرزوئے جلوہ ناز ، جلوہ دیکھنے کی تمنا۔

ہوائے دیدار = دیدار کی خواہش ، آرزوئے دید۔

ہوائے سیر گل = کھلے ہوئے پھولوں کی بہار دیکھنے کی خواہش۔ ہوا بمعنی خواہش۔

ہوائے کشت وفا = وفا کی کھیتی کی آرزو۔

ہوس = لالچ ، حرص ، خبط ، آرزو ، شوق ، تمنا۔

عدم ہے زیر قدم لامکاں ہے پیش نظر
ترے دہن کی ہوس ہے ترے کمر کی ہوا (دبیر)

ہوس بال و پر = بال و پر ہونے کی تمنا ، بال و پر رکھنے کی خواہش۔

ہوس زر = روپیہ کی لالچ ، دولت کی لالچ۔

ہوس سیر و تماشا = گھومنے پھرنے کا شوق ، سیر سپاٹے کی خواہش۔

ہوس شعلہ = شعلہ کی ہوس ، شعلہ کی لالچ شعلہ کی خواہش

ہوس گل = پھول کی لالچ ، پھول کی طمع۔

فارسی

آوارہ گرد اشعار

تحقیق

نواب رحمت اللہ خاں شروانی

یک سطر غبار = تھوڑا سا غبار ، خط غبار میں میں لکھی ہوئی ایک سطر۔

خط غبار ایک قسم کی تحریر مثلاً خطِ گلزار ، خط نسخ ، خط نستعلیق ، خطِ ریحان وغیرہ۔ خط غبار دو الگ الگ کاغذوں پر لکھا جاتا ہے دونوں کاغذوں کو ملا کر حروف پڑھے جاتے ہیں ورنہ تحریر غبار سی معلوم ہوتی ہے۔

لیا ہاتھ میں خانۂ مُشکبار
لکھا نسخ و ریحان و خطِ غبار (میر حسن)

یوسفِ ثانی = حسن و جمال کے اعتبار سے دوسرا یوسف۔

حضرت یوسفؑ حضرت یعقوبؑ کے فرزند تھے اور بنی اسرائیل پیغمبر تھے ان کا حسن شہرۂ آفاق تھا۔ عزیز مصر کی بیوی زلیخا ان کے حسن پر فریفتہ ہو گئی تھی۔

اسی باعث تو قتل عاشقاں سے منع کرتے تھے
اکیلے پھر رہے ہو یوسفِ بے کارواں ہو کر (وزیر)

یوسف کے زنداں = یوسف علیہ السلام کو مندرجہ سلسلہ کی پاداش میں قید خانہ / زنداں میں ڈالا گیا۔

________ وہ قید خانہ جس میں حضرت یعقوبؑ کے بیٹے یوسفؑ کو بحیثیت قیدی رکھا گیا تھا۔

حرفِ چند

بہت سے زبان زد شعر ایسے ہیں جن سے لطف سب اٹھاتے ہیں مگر کم لوگ جانتے ہیں کہ ہیں کس کے! اچھی بات (یا اچھے شعر) کے لیے کہا تو یہی گیا ہے کہ یہ دیکھو کہ کیا کہا، یہ مت دیکھو کہ کس نے کہا۔ مگر پھر خیال آ ہی جاتا ہے کہ کوئی اچھی بات ہے تو کہنے والے کو بھی یاد کر ہی لیا جائے۔ اس نے 'تو نیکی کر دریا میں ڈال' پر عمل کیا، ہم کسی کی نیکی کو دریا برد کیوں کریں۔

ہماری درخواست پر نواب رحمت اللہ خاں شروانی صاحب نے اپنے مطالعہ کے نتائج قلمبند کر دیے ہیں۔ قاضی عبدالودود صاحب تو اب ہمیشگی میں جا ملے۔ اب ہمارے ہم عصروں میں اس خاص فن میں ایسا عبور کم ہی کسی دوسرے کو حاصل ہے۔ اور ہو بھی کیسے سکتا ہے: قاضی صاحب کے مانند ان کے پاس بھی جو وقت بھی ہے صرف کتابوں کے مطالعہ کے لیے ہے، جس کے ثمرات ہم تک پہنچتے رہتے ہیں۔

تو، جناب، اب آپ بھی لطف اٹھائیے۔

—— ع ر ب

آثار پدیداست صنادید عجم را

عرفی شیرازی کا مصرع ہے(۱) - پورا شعر اس طرح ہے:

از نقش و نگار در و دیوار شکستہ　　آثار پدید است صنادید عجم را

آغشتہ ایم ہر سر خارے بخون دل　　قانون باغبانی صحرا نوشتہ ایم

یہ شعر مرزا غالب کا ہے(۲) -

آفتاب آمد دلیل آفتاب　　گر دلیلت باید از وی رو متاب

یہ شعر مولانا روم کی مثنوی کا ہے (۳) -

آنانکہ خاک را بنظر کیمیا کنند　　آیا بود کہ گوشۂ چشمی بما کنند

یہ شعر حافظ شیرازی کا ہے(۴) -

انچہ ما در کار داریم اکثری در کار نیست

یہ مصرع مرزا عبدالقادر بیدل کا ہے(۵) - مکمل شعر اس طرح ہے

حرص قانع نیست بیدل ورنہ از ساز معاش　　انچہ ما در کار داریم اکثری در کار نیست

آن قدح بشکست و آں ساقی نماند

یہ مصرع فرید الدین عطار کا ہے(۶) - مکمل شعر اس طرح ہے:

از جمالش ذرہای باقی نماند　　آں قدح بشکست و آں ساقی نماند

آنہا کہ خواندہ ام، ھمہ از یاد من برفت　　الاّ حدیث دوست کہ تکرار می کنم

یہ شعر شیخ سعدی کا ہے(۷) -

۲

اگر ماند شبی ماند شب دیگر نمی ماند

یہ مصرع سلیم طہرانی کا ہے(۱۳)۔ پورا شعر اس طرح ہے

چو در غمخانۂ ما آید آں دلبر نمی ماند — اگر ماند شبی ماند شب دیگر نمی ماند

اگر یکسر موی برتر پرم — فروغ تجلّی بسوزد پرم

یہ شعر شیخ سعدی کی بوستاں کا ہے(۱۴)۔

الا تابغفلت نخفتی کہ نوم — حرامست بر چشم سالار قوم

شیخ سعدی کی بوستاں کا شعر ہے(۱۵)۔

الا تا نگرید، کہ عرش عظیم — بلرزد ہی چوں بگرید یتیم

یہ شعر بھی شیخ سعدی کی بوستاں کا ہے(۱۶)۔

امید وار بود آدمی بخیر کسان — مرا بخیر تو امید نیست شر مرسان

شیخ سعدی کی گلستاں کا شعر ہے(۱۷)۔

ای باد صبا ایں ہمہ آوردۂ تست

صاحب آتشکدہ آذر نے قمری آملی کے تذکرے میں ایک پوری رباعی نقل کی ہے(۱۸)۔ یہ مصرع سلمان ساوجی کے یہاں بھی ملتا ہے(۱۹)۔ لیکن چونکہ قمری آملی، سلمان ساوجی سے زیادہ قدیم العہد ہے اس لیے اس شعر کے سلسلہ میں قمری آملی کو ترجیح دی گئی ہے۔ قمری آملی کی رباعی اس طرح ہے:

ای آب رواں سرو برآوردۂ تست — وی سرو چماں چمن سرا پردۂ تست

ای غنچہ عروس باغ پروردۂ تست — ای باد صبا ایں ہمہ آوردۂ تست

۲

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند

مصرع شیخ سعدی کی گلستاں کا ہے(۸)۔ پورا قطعہ اس طرح ہے۔

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند　　تا تو نانی بکف آری و بغفلت نخوری

ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرمانبردار　　شرط انصاف نباشد کہ تو فرمان نبری

ادیم زمین سفرۂ عام اوست　　بریں خوان یغما چہ دشمن چہ دوست

سعدی شیرازی کی بوستاں کا شعر ہے(۹)۔

از دوزخیاں پرس کہ اعراف بہشت است

شیخ سعدی کی گلستاں کے ایک قطعہ کا مصرع ہے(۱۰)۔ پورا قطعہ اس طرح ہے:

ای سیر! ترا نان جویں خوش ننماید　　معشوق منست آنکہ بنزدیک تو زشت است

حوران بہشتی را دوزخ بود اعراف　　از دوزخیان پرس کہ اعراف بہشت است

افسردہ دل افسردہ کند انجمنے را

مخلص خاں مخلص کا مصرع ہے(۱۱)۔ مکمل شعر یوں ہے:

در مجلس خود راہ مدہ ہمچو منے را　　افسردہ دل افسردہ کند انجمنے را

اسی مضمون کا ایک شعر حسابی نطنزی کا ہے جو یہ ہے:

زیں بزم بروں رفت و نکو رفت حسابی　　کآزردہ دل آزردہ کند انجمنے را

اگر جز تو داند کہ عزم تو چیست　　برآں رای و دانش بباید گریست

شیخ سعدی کی بوستاں کا شعر ہے(۱۲)۔ عام طور پر مصرع ثانی اس طرح مشہور ہے۔

بریں عقل و دانش بباید گریست

ایں کہ می بینم بہ بیداریست یارب یا بخواب

انوری کا مصرع ہے(۲۶)۔ پورا شعر اس طرح ہے:

ایں کہ می بینم بہ بیداریست یارب یا بخواب　　خویشتن را در چنیں نعمت پس از چندیں عذاب

این گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

شیخ سعدی کا شعر ہے(۲۷)۔ پورا شعر اس طرح ہے:

گر کند میل بخوباں دل من عیب مکن　　این گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

اسی غزل کا یہ شعر ہے، لیکن ایران سے چھپے ہوئے دیوان اوحدی مراغہ ای میں اس پوری غزل کو اوحدی سے منسوب کردیا گیا ہے(۲۸)۔ جو صریحاً غلط ہے۔

ای ہمنفسان محفل ما　　رفتید ولی نہ از دل ما

فیضی کا شعر ہے(۲۹)۔

بآب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روی زیبارا

یہ مصرع حافظ شیرازی کا ہے(۳۰)۔ پورا شعر اس طرح ہے:

زعشق نا تمام ما جمال یار مستغنی است　　بآب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روی زیبارا

بادوستاں تلطف بادشمناں مدارا

یہ مصرع حافظ شیرازی کا ہے(۳۱)۔ پورا شعر اس طرح ہے:

آسایش دوگیتی تفسیر این دو حرفست　　بادوستاں تلطف با دشمناں مدارا

قزوینی کے مرتبہ دیوان حافظ میں مصرع ثانی اس طرح ہے۔(۳۲) بادوستاں مروت بادشمناں مدارا

با سایہ ترا نمی پسندم　　عشقست و ہزار بدگمانی

یہ شعر والہ داغستانی کا ہے(۳۳)۔

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم ۔۔۔ وز ہر چہ گفتہ اند و شنیدیم و خواندہ ایم
مجلس تمام گشت و بآخر رسید عمر ۔۔۔ ما ہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم

پورا قطعہ مشہور ہے اور یہ شیخ سعدی کی گلستان میں ہے(۲۰)۔

ای بسا آرزو کہ خاک شد است

پژمان نے اپنی فارسی تالیف "بہترین اشعار" میں اسے امام فخرالدین رازی کا لکھا ہے، جو ان کے ایک قطعہ کا مصرع چہارم ہے(۲۱)۔ پورا قطعہ اس طرح ہے۔

گر بمانیم زندہ بر دوزیم ۔۔۔ جامہ ای کز فراق چاک شد است
ور بمردیم عذر ما بپذیر ۔۔۔ ای بسا آرزو کہ خاک شد است

محمد عوفی نے لباب الالباب میں اسے اس طرح درج کیا ہے(۲۲):

گر بمانیم باز بر دوزیم ۔۔۔ دامنی کز فراق چاک شد است
ور نمانیم عذر ما بپذیر ۔۔۔ ای بسا آرزو کہ خاک شد است

لیکن یہ مصرع زبان زد عوام اس طرح ہے ع اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

اے تماشا گاہ عالم روی تو ۔۔۔ تو کجا بہر تماشا می روی

یہ شعر شیخ سعدی کا ہے(۲۳)۔ اس شعر کو علامہ اقبال نے یوں تضمین کیا ہے(۲۴):

اے فلک مشت غبار کوی تو ۔۔۔ اے تماشا گاہ عالم روی تو
ہمچو موج آتش تہ پا می روی ۔۔۔ تو کجا بہر تماشا می روی

ای گل بتو خشنودم تو بوی کسی داری

حسن سجزی کا مصرع ہے(۲۵)۔ پورا شعر اس طرح ہے۔

ای سرو بتو شادم قدت بفلاں ماند ۔۔۔ ای گل بتو خشنودم تو بوی کسی داری

شبلی نے شعرالعجم میں 'خشنودم' کے بجائے 'خرسندم' لکھا ہے۔

بدنام کنندۂ نکو نامی چند

شیریں مغربی کی رباعی کا مصرع ہے (۴۳) - پوری رباعی اس طرح ہے:

نابردہ بصبح در طلب شامی چند | نہنادہ برون زخویشتن گامی چند
در کسوت خاص آمدۂ عامی چند | بدنام کنندۂ نکو نامی چند

بر رسولان پیام باشد و بس

شیخ سعدی کی گلستاں کے ایک قطعہ کا مصرع ہے (۴۴) - پورا قطعہ اس طرح ہے

ما نصیحت بجای خود کردیم | روزگاری دریں بسر بردیم
گر نیاید بگوش رغبت کس | بر رسولان پیام باشد و بس

چوتھا مصرع اس طرح بھی مشہور ہے - ؎ بر رسولان بلاغ باشد و بس

بر عکس نہند نام زنگی کافور

یغما جندقی کی ایک رباعی کا مصرع ہے (۴۵) - پوری رباعی اس طرح ہے:

آں ظلمت محض کامد از خطہ نور | زنہار بنام او نگردی مغرور
چوں سگ نجس است طاہرش میخوانند | بر عکس نہند نام زنگی کافور

بر کفی جام شریعت، بر کفی سندان عشق | ہر ہوسناکی نداند جام و سندان باختن

شیخ سعدی کا شعر ہے (۴۶) -

بر مزار ما شہیداں نہ چراغی نہ گلی

تجلی کاشانی کا مصرع ہے (۴۷) - پورا شعر اس طرح ہے:

برمزار ما شہیداں نی چراغی نی گلی | ہر طرف پروانہ ای در طوف و ہر سو بلبلی

یہ شعر اس طرح بھی مشہور ہے:

بر مزار ما غریباں نی چراغی نی گلی | نی پر پروانہ سوزد نی صدای بلبلی

عام طور پر لوگ اسے ملکہ نور جہاں سے منسوب کرتے ہیں -

برو ایں دام بر مرغ دگر نہ | کہ عنقا را بلند است آشیانہ

حافظ کا شعر ہے (۴۸) -

باکریماں کارہا دشوار نیست

یہ مصرع مولانا روم کی مثنوی کا ہے(۳۴)۔ پورا شعر اس طرح ہے۔

تو مگو مارا بداں شہ بار نیست　　باکریماں کارہا دشوار نیست

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

حافظ کا یہ مصرع اسی طرح مشہور ہے، لیکن قزوینی نے اسے اس طرح نقل کیا ہے (۳۵)

ببیں تفاوت رہ کز کجاست تا بکجا

مکمل شعر اس طرح ہے:

صلاح کار کجا و من خراب کجا　　ببیں تفاوت رہ کز کجاست تا بکجا

یہ مطلع کا شعر ہے لیکن پژمان نے اسے یوں روایت کیا ہے(۳۶)۔

چہ نسبت است برندی صلاح و تقویٰ را　　ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

بخرد راہ عشق می پوئی　　بہ چراغ آفتاب می جوئی

یہ شعر خاقانی شروانی کا ہے(۳۷)۔ محمود شبستری کا ایک اسی مضمون کا شعر پیش خدمت ہے(۳۸):

زہی ناداں کہ او خورشید تاباں　　بنور شمع جوید در بیاباں

بخشم رفتۂ مارا کہ میبرد پیغام　　بیا کہ ما سپر انداختیم اگر جنگست

شیخ سعدی کی غزل کا شعر ہے(۳۹)۔

بدم گفتی و خرسندم عفاک اللہ نکو گفتی
سگم خواندی و خشنودم جزاک اللہ کرم کردی

شیخ سعدی کا شعر ہے(۴۰)۔ اس شعر کے مصرع اولیٰ کو حافظ نے تضمین کیا ہے(۴۱)۔ اور حافظ کی تضمین ؟ زیادہ مشہور ہے۔ جو یہ ہے:۔

بدم گفتی و خرسندم عفاک اللہ نکو گفتی　　جواب تلخ می زیبد لب لعل شکرخا را

قزوینی کے مرتبہ نسخہ میں مصرع اولیٰ کی قرات بدلی ہوئی ہے(۴۲)۔

تمتع بہر گوشہ ای یافتم   ز ہر خرمنی خوشہ ای یافتم

شیخ سعدی کی بوستاں کا شعر ہے(۵۶) ۔

تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

یہ مصرع نسبتی تھانیسری کا ہے(۵۷) ۔ پورا شعر اس طرح ہے:

یکدل و خیل آرزو دل بچہ مدعا نہم   تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

تواضع کند ہوشمند گزیں   نہد شاخ پُر میوہ سر بر زمین

شیخ سعدی کی بوستاں کا شعر ہے(۵۸) ۔

تو برای وصل کردن آمدی   یا برای فصل کردن آمدی

مولانا روم کی مثنوی کا شعر ہے (۵۹) ۔

تو بینا و ما خائف از یکدگر   کہ تو پردہ پوشی و ما پردہ در

یہ شعر بھی شیخ سعدی کی بوستاں کا ہے (۶۰) ۔

تو دل شکستہ ای نہ کہ گوہر شکستہ ای

یہ مصرع چندر بھان برہمن کا ہے (۶۱) ۔ پورا شعر اس طرح ہے:

تاوان اگر ز لعل دہی در حساب نیست   تو دل شکستہ ای نہ کہ گوہر شکستہ ای

تو عشق گلی داری، من عشق گل اندامی

یہ مصرع شیخ سعدی کی غزل کا ہے) (۶۲) ۔ پورا شعر اس طرح ہے ۔

ای بلبل اگر نالی من باتو ہم آوازم   تو عشق گلی داری، من عشق گل اندامی

رند نے اپنے اس مندرجہ ذیل اردو شعر کا خیال غالباً سعدی کے اسی شعر سے لیا ہے:

آعندلیب مل کے کریں آہ و زاریاں   تو ہائے گل پکار میں چلاؤں ہائے دل

بسیار شیوہ ہست بتان را کہ نام نیست

فغانی شیرازی کا مصرع ہے (۴۹)۔ پورا شعر اس طرح ہے

خوبی ہمیں کرشمہ و ناز و خرام نیست　　بسیار شیوہ ہست بتان را کہ نام نیست

یہ مصرع اس طرح بھی مشہور ہے۔ بسیار شیوہ ہاست بتان را کہ نام نیست

صاحبِ خریطۂ جواہر نے موخر الذکر قرأت کو ہی اختیار کیا ہے۔

بضاعت نیاوردم ، الّا امید　　خدایا زعفوم مکن نا امید

شیخ سعدی کی بوستاں کا شعر ہے (۵۰)۔

بنی آدم اعضای یکدیگراند

شیخ سعدی کی گلستاں کے ایک قطعہ کا مصرع ہے (۵۱)۔ پورا قطعہ اس طرح ہے

بنی آدم اعضای یکدیگراند　　کہ در آفرینش ز یک گوہرند

چو عضوی بدرد آورد روزگار　　دگر عضوہا را نماند قرار

تو کز محنت دیگراں بی غمی　　نشاید کہ نامت نہند آدمی

تا درا و نور معرفت بینی

شیخ سعدی کی گلستاں کے ایک شعر کا مصرع ثانی ہے (۵۲)۔ پورا شعر اس طرح ہے

اندرون از طعام خالی دار　　تا در او نور معرفت بینی

تا نپنداری کہ تنہا می روی

شیخ سعدی کی غزل کا مصرع ہے (۵۳)۔ پورا شعر اس طرح ہے

دیدۂ سعدی و دل ہمراہ تست　　تا نپنداری کہ تنہا می روی

تربیت نا اہل زا چوں گردگان برگنبد است

گلستان سعدی کا مصرع ہے (۵۴)۔ پورا شعر اس طرح ہے

پرتو نیکان نگیرد ہر کہ بنیادش بد است　　تربیت نا اہل را چوں گردکان بر گنبد است

ترسم نرسی بکعبہ ای اعرابی　　کایں رہ کہ تو میروی بترکستانست

شیخ سعدی کا شعر ہے (۵۵)۔

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

صاحب گلستان مسرت نے اسے غنی کی طرف منسوب کیا ہے(۷۰)۔ لیکن یہ غنی کشمیری نہیں ہیں۔ غنی تخلص کے کافی شعراء ملتے ہیں لیکن یہ کس غنی کی طرف منسوب ہے اس کا ذکر نہیں ملتا ہے۔ پورا شعر اس طرح ہے:

بگرد کعبہ ہندو شد مسلمان گشت بی ایمان	چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

چہ خوش بودی اگر بودی زبانش در دہان من

یہ مصرع امیر خسرو کا ہے(۷۱)۔ پورا شعر اس طرح ہے:

زبان اوست ترکی گوی و من ترکی نمیدانم	چہ خوش بودی اگر بودی زبانش در دہان من

اس کا مصرع اولیٰ یوں زبان زد عوام ہے ے زبان یار من ترکی و من ترکی نمی دانم

یا پھر یوں بھی ے زبان شوخ من ترکی و من ترکی نمی دانم ۔ خریطہ جواہر میں یہ دوسری روایت ہی ملتی ہے (۷۲)

چہ دلاور است دزدی کہ بشب چراغ دارد

حافظ کا یہ مصرع خاصا مشہور ہے۔ دیوان حافظ کے تقریباً تمام قلمی ـــــ نسخوں میں یہ مصرع اسی طرح درج ہے(۷۳)۔ اس مصرع کی مناسبت سے حافظ کی ایک فال بھی مشہور ہے۔ لیکن شاید اس فال کے تعلق سے "... بشب چراغ دارد" کی جگہ "... بکف چراغ دارد" مشہور ہوگیا ہے۔ حالانکہ اوّل الذکر ہی صحیح ہے۔ پورا شعر اس طرح ہے:

بفروغ چہرہ زلفت رہ دل زند ہمہ شب	چہ دلاور است دزدی کہ بشب چراغ دارد

ایران کے مطبوعہ نسخوں میں یہ شعر صرف پژمان کے مرتبہ دیوان حافظ میں ہی ملتا ہے وہ بھی قدیم طباعت والے نسخے میں، اور وہاں یہ بشب کی روایت ہی سے مروی ہے۔ جن مخطوطوں میں شعر ملتا ہے ان میں سے کسی میں بشب ہے اور کسی میں بکف۔

تو ہم گردن از حکم داور مپیچ   کہ گردن نپیچد ز حکم تو ہیچ

شیخ سعدی کی بوستاں کا شعر ہے(۶۳)۔

جان ز نظّارہ خراب و ناز او زاندازہ بیش   من بوی مست و ساقی پر دہد پیمانہ را

یہ شعر امیر خسرو کا ہے(۶۴)۔

جای گل گل باش و جای خار خار

شیخ سعدی کے ایک قصیدے کا مصرع ہے(۶۵)۔ پورا شعر اس طرح ہے:

با بداں بد باش و با نیکان نکو   جای گل گل باش و جای خار خار

جعفر از بنگال و صادق از دکن   ننگ آدم ننگ دین ننگ وطن

علامہ اقبال کے "جاوید نامہ" میں شامل ایک نظم "ارواح رذیلہ کہ با ملک و ملت غداری کردہ و دوزخ ایشاں را قبول نکردہ" کا شعر ہے(۶۶)۔

جہاندیدہ بسیار گوید دروغ

شیخ سعدی کی گلستاں کے ایک قطعہ کا مصرع چہارم ہے(۶۷)۔ پورا قطعہ یوں ہے:

غریبی گرت ماست پیش آورد   دو پیمانہ آبست و یک چمچہ دوغ
اگر راست میخواہی از من شنو   جہاندیدہ بسیار گوید دروغ

چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

شیخ سعدی کی گلستاں کا مصرع ہے(۶۸)۔ پورا شعر اس طرح ہے

گر نبیند بروز شپرہ چشم   چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

چناں قحط سالی شد اندر دمشق   کہ یاران فراموش کردند عشق

یہ شعر شیخ سعدی کی بوستاں کا ہے(۶۹)۔

خر عیسیٰ گرش بمکہ برند چوں بیاید، ہنوز خر باشد

یہ شعر شیخ سعدی کی گلستاں کا ہے(۸۰)۔ مصرع اول اس طرح مشہور ہے۔ خر عیسیٰ اگر بمکہ رود

خطا بر بزرگان گرفتن خطاست

یہ مصرع شیخ سعدی کی گلستاں کا ہے(۸۱)۔ پورا شعر اس طرح ہے:

نہ در ہر سخن بحث کردن رواست خطا بر بزرگان گرفتن خطا ست

مصرع ثانی اس طرح مشہور ہے۔ خطای بزرگاں گرفتن خطااست

خفتہ را خفتہ کی کند بیدار

حکیم سنائی کا مصرع ہے(۸۲)۔ پورا شعر اس طرح ہے:

عالمت غافلست و تو غافل خفتہ را خفتہ کی کند بیدار

سنائی کے اس قول کی تردید کرتے ہوئے سعدی نے گلستاں میں اس مصرع کو تضمین کیا ہے۔ سعدی کا قطعہ ہے: (۸۳)

باطلست آنچہ مدعی گوید خفتہ را خفتہ کی کند بیدار

مرد باید کہ گیرد اندر گوش ور نوشتہ است پند بردیوار

خوردن برای زیستن و ذکر کردن ست

یہ مصرع شیخ سعدی کی گلستاں کا ہے(۸۴)۔ پورا شعر اس طرح ہے

خوردن برای زیستن و ذکر کردنست تو معتقد کہ زیستن از بہر خوردنست

خوشتر آں باشد کہ سّر دلبراں گفتہ آید در حدیث دیگراں

مولانا روم کی مثنوی کا شعر ہے(۸۵)۔

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

یہ مصرع محمود شبستری کی مثنوی ۔ گلشن راز ۔ کا ہے(۴)۔ پورا شعر اس طرح ہے:

چہ نسبت خاک را با عالم پاک — کہ ادراکست عجز از درک ادراک

اس شعر کی نشاندہی زبیر صاحب (احمد آباد) نے فرمائی تھی۔

چیست دنیا از خدا غافل بدن — نے قماش و نقرہ و میزان و زن

یہ شعر مولانا روم کی مثنوی کا ہے(۵)۔ اس شعر کا مصرع ثانی یوں مشہور ہے۔

نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

حاجت مشاطہ نیست روی دلآرام را

یہ مصرع شیخ سعدی کی گلستاں کا ہے(۶)۔ پورا شعر اس طرح ہے:

وصف ترا گر کنند ورنکنند اہل فضل — حاجت مشاطہ نیست روی دلآرام را

حاصل عمر نثار رہ یاری کردم — شادم از زندگی خویش کہ کاری کردم

سام مرزا سامی صفوی نے اپنی تالیف ۔ تحفۂ سامی ۔ میں اپنے تذکرے کے ذیل میں یہ شعر درج کیا ہے(۷)۔

خاکساران را جہان بحقارت منگر — تو چہ دانی کہ دریں گرد سواری باشد

اوحدی مراغہ ای کا شعر ہے(۸)۔ اس شعر کو براؤن نے بھی اپنی تصنیف Literary History of Persia میں نقل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو جلد ۳، ص ۱۴۵

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

یہ مصرع مرزا مظہر جانجاناں کا ہے(۹)۔ مکمل شعر اس طرح ہے:

بنا کردند خوش رسمی بخون و خاک غلطیدن — خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

دوستی با پیلبانان یا مکن یا طلب کن خانه ای در خورد پیل

شیخ سعدی کی گلستاں کا شعر ہے(۹۲)۔ یہ شعر عام طور پر اس طرح مشہور ہے:

یا مکن با پیلبانان دوستی یا بنا کن خانه ای در خورد پیل

دہن سگ بلقمہ دوختہ بہ

شیخ سعدی کی گلستاں کے ایک قطعہ کا آخری مصرع ہے(۹۳)۔ پورا قطعہ اس طرح ہے:

تا دل دوستاں بدست آری بوستان پدر فروختہ بہ
پختن دیگ نیک خواہاں را ہر چہ رخت سراست سوختہ بہ
با بد اندیش ہم نکوئی کن دہن سگ بلقمہ دوختہ بہ

دیدار می نمائی و پرہیز می کنی بازار خویش و آتش ما تیز می کنی

شیخ سعدی کا شعر ہے(۹۴)۔

دیر آمدہ ای ز راہ دور آمدہ ای

ناصر علی سرہندی کی ایک نعتیہ رباعی کا مصرع ہے(۹۵)۔ مکمل رباعی اس طرح ہے:

پیش از ہمہ شاہان غیور آمدہ ای ہر چند کہ آخر بظہور آمدہ ای
ای ختم رسل قرب تو معلوم شد دیر آمدہ ای ز راہ دور آمدہ ای

رای رای تست، خواہی جنگ و خواہی آشتی

ما قلم در سر کشیدیم اختیار خویش را

شیخ سعدی کا شعر ہے(۹۶)۔

رسیدہ بود بلای ولی بخیر گذشت

آصفی ہروی کا مصرع ہے پورا شعر اس طرح ہے(۹۷)۔

نزاکت درد مئی و محتسب زدیر گذشت رسیدہ بود بلای ولی بخیر گذشت

خوش درخشید ولی دولت مستعجل بود

یہ مصرع حافظ شیرازی کا ہے (۸۶) پورا شعر اس طرح ہے:

راستی خاتم فیروزۂ بو اسحاقی خوش درخشید ولی دولت مستعجل بود

در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

یہ مصرع شیخ سعدی کی گلستاں کا ہے (۸۷) پورا شعر اس طرح ہے

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

مصرع ثانی اس طرح بھی مشہور ہے۔ از باغ لالہ روید و از شورہ بوم خس

در عمل کوش و ہر چہ خواہی پوش

یہ مصرع بھی شیخ سعدی کی گلستاں کا ہے (۸۸) پورا شعر اس طرح ہے۔

در عمل کوش و ہرچہ خواہی پوش تاج بر سر نہ و علم بر دوش

دل افگندیم بسم اللہ مجریھا و مرسٰھا

شیخ علی حزیں کی ایک غزل کا مصرع ثانی ہے (۸۹) مکمل شعر اس طرح ہے۔

دریں دریای بے پایان دریں طوفان شور افزا دل افگندیم بسم اللہ مجریھا و مرسٰھا

دلقت بچہ کار آید و تسبیح و مرقع خود را ز عملہای نکوہیدہ بری دار

حاجت بکلاہ برکی داشتنت نیست درویش صفت باش و کلاہ تتری دار

شیخ سعدی کی گلستاں کا قطعہ ہے (۹۰)۔

دوست آں باشد کہ گیرد دست دوست

شیخ سعدی کی گلستاں کے ایک قطعہ کا مصرع ہے (۹۱) پورا قطعہ اس طرح ہے

دوست مشمار آنکہ در نعمت زند لاف یاری و برادر خواندگی

دوست آں باشد کہ گیرد دست دوست در پریشان حالی و در ماندگی

سپردم بتو مایۂ خویش را　　تو دانی حساب کم وبیش را

نظامی گنجوی کی مثنوی " شرفنامہ " کا شعر ہے(١٠٣)۔

سلام روستایی بی طمع نیست

پورا شعر اس طرح ہے:

صلوٰۃِ گر بہ از روے ورع نیست　　سلام روستایی بے طمع نیست

عبدالباقی ہناوندی نے مآثر رحیمی جلد سوم میں یہ شعر انیسی شاملو کے تذکرے کے تحت لکھا ہے(١٠٤)۔
مذکورہ بالا مصرع تھوڑی تبدیلی کے ساتھ اس طرح بھی ضرب المثل کی حیثیت رکھتا ہے۔

سلام روستایی بی غرض نیست

شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا

ہلالی چغتائی کا مصرع ہے(١٠٥)۔ مکمل شعر اس طرح ہے:

گر یار کند میل ، ہلالی ، عجبی نیست　　شاہان چہ عجب گر بنوازند گدارا

صوفی نہ شود صافی تا در نکشد جامی

شیخ سعدی کا مصرع ہے(١٠٦)۔ پورا شعر اس طرح ہے

بسیار سفر باید تا پختہ شود خامی　　صوفی نشود صافی تا در نکشد جامی

طاقت صحبت نداشت خانہ بہ مہمان گذاشت

مولانا جامی کا مصرع ہے(١٠٧)۔ پورا شعر اس طرح ہے

جان تن فرسودہ را باغم ہجراں گذاشت　　طاقت صحبت نداشت حانہ بہ مہمان گذاشت

مصرع ثانی یوں زبان زد عوام ہے۔ طاقت مہماں نداشت خانہ بہ مہماں گذاشت

عاقبت منزل ما وادی خاموشانست　　حالیا غلغلہ در گنبدِ افلاک انداز

یہ شعر حافظ شیرازی کا ہے(١٠٨)۔

رفت و منزل بدیگری پرداخت

شیخ سعدی کی گلستاں کا مصرع ہے(۹۸)۔ پورا شعر اس طرح ہے:

ہر کہ آمد عمارتی نو ساخت رفت و منزل بدیگری پرداخت

روا‌ق منظر چشم من آشیانۂ تست کرم نما و فرود آکہ خانہ خانۂ تست

یہ شعر حافظ کا ہے(۹۹ الف)۔

روز محشر کہ جانگداز بود اولیں پرسش از نماز بود

یہ شعر شرف الدین بخاری، جنہیں شرف الدین ابوتوامہ کہتے ہیں، کی مثنوی نام حق کا ہے(۹۹ب

ثانی اسطرح مشہور ہے ۔ اولیں پرسش نماز بود

زان پیشتر کہ بانگ برآید فلاں نماند

شیخ سعدی کی گلستاں کا مصرع ہے(۱۰۰)۔ پورا شعر اس طرح ہے:

خیری کن ای فلان و غنیمت شمار عمر زان پیشتر کہ بانگ برآید فلاں نماند

زعشق تا بصبوری ہزار فرسنگست

شیخ سعدی کا مصرع ہے(۱۰۱)۔ پورا شعر اس طرح ہے:

دلی کہ عاشق و صابر بود مگر سنگست زعشق تا بصبوری ہزار فرسنگست

ز فرق تا قدمش ہر کجا کہ می نگرم کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجا

یہ شعر نظیری کا ہے(۱۰۲)۔ مصرع اولی اس طرح بھی مشہور ہے ۔ ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم

قلم اینجا رسید و سر بشکست

خاقانی شروانی کا مصرع ہے(۱۱۵) ۔ مکمل شعر اس طرح ہے:

قصہ ہا می نوشت خاقانی قلم اینجا رسید و سر بشکست

قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

یہ مصرع آصفی ہروی کا ہے(۱۱۶) ۔ پورا شعر اس طرح ہے:

بہار آمد و گل گل زداغ اوست دلم قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

کار ساز ما بہ فکر کار ما فکر ما و کار ما آزار ما

صاحب ریاض العارفین نے کامل خراسانی کے تذکرے کے ذیل میں یہ شعر نقل کیا ہے(۱۱۷) ۔ مصرع ثانی اس طرح بھی مشہور ہے ۔ فکر ما در کار ما آزار ما

کجا دانند حال ما سبکباران ساحلہا

حافظ شیرازی کا مصرع ہے(۱۱۸) ۔ پورا شعر اس طرح ہے:

شب تاریک و بیم موج و گردابی چنیں ہایل کجا دانند حال ما سبکباران ساحلہا

کرم کردی الہٰی زندہ باشی

امیر خسرو کا مصرع ہے(۱۱۹) ۔ پورا شعر اس طرح ہے:

من درویش را کشتی بہ غمزہ کرم کردی ، الہٰی زندہ باشی

کلاہ گوشۂ دہقان بآفتاب رسید کہ سایہ بر سرش انداخت چوں تو سلطانی

شیخ سعدی کی گلستاں کا یہ شعر ہے(۱۲۰) ۔

کانرا کہ خبر شد خبری باز نیامد

یہ مصرع شیخ سعدی کی گلستاں کا ہے(۱۲۱) ۔ پورا شعر اس طرح ہے:

ایں مدعیاں در طلبش بیخبرانند کانرا کہ خبر شد خبری باز نیامد

عبادت بجز خدمت خلق نیست بتسبیح و سجادہ و دلق نیست

یہ شعر شیخ سعدی کی بوستاں کا ہے (۱۰۹)۔

عشق را بو حنیفہ درس نکرد شافعی را در او روایت نیست

مولانا روم کا شعر ہے (۱۱۰)۔

عطار روح بود و سنائی دو چشم او ما از پیٔ سنائی و عطار آمدیم

یہ شعر مولانا روم کے صاحبزادے سلطان ولد کا ہے (۱۱۱)۔ تھوڑی تبدیلی کے ساتھ اس طرح بھی ہے:

عطار روح بود و سنائی دو چشم دل ما قبلۂ سنائی و عطار آمدیم

اس شعر کو عام طور سے مولانا روم سے منسوب کیا جاتا ہے جو غلط ہے۔ اس غلط نسبت کی اصل ذمہ مطبع نول کشور پر ہے، جس نے یہ پوری غزل دیوان شمس تبریز (دیوان رومی، ۱۹۱۷ء) میں چھاپ د (ص ۵۶۴)۔ تفصیل کے ملاحظہ ہو مقدمہ دیوان سلطان ولد، ص ہشت۔

علم چوں بر دل زند یاری شود علم چوں بر تن زند باری شود

یہ شعر مولانا روم کی مثنوی معنوی کا ہے (۱۱۲)۔ یہ شعر عام طور پر اس طرح سے مشہور ہے:

علم را بر دل زنی یاری بود علم را بر تن زنی ماری بود

علّامہ اقبالؒ نے اپنی نظم "پیر رومی و مرید ہندی" (بالِ جبریل) میں یہی دوسری روایت اختیار کی ہے۔

غریب شہر سخنہای گفتنی دارد

یہ مصرع مرزا غالب کا ہے (۱۱۳) مکمل شعر اس طرح ہے:

بیاورید گر اینجا بود زباندانی غریب شہر سخنہای گفتنی دارد

فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

حافظ شیرازی کا مصرع ہے (۱۱۴)۔ پورا شعر یوں ہے:

تو و طوبیٰ و ما و قامت یار فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

که من آن قد موزون می شناسم

شبیهی کاشانی کا مصرع ہے(۱۳۰)۔ شیخ علی حزیں نے اپنے سفینہ میں اسے درج کیا ہے۔ پورا شعر اس طرح ہے:

بہر رنگی کہ خواہی جامہ میپوش — کہ من آں قد موزوں می شناسم

ضرب المثل کے طور سے مصرع ثانی اس طرح مشہور ہے ۔) من انداز قدت را میشناسم

که هرچه دوست پسندد بجای دوست، رواست

شیخ سعدی کی غزل کا مصرع ہے(۱۳۱)۔ پورا شعر اس طرح ہے:

مرا بهر چه کنی، دل نخواهی آزردن — که هرچه دوست پسندد بجای دوست رواست

که هستی را نمی بینم بقای

شیخ سعدی کی گلستاں کا مصرع ہے(۱۳۲)۔ پورا شعر اس طرح ہے

غرض نقشیست کز ما باز ماند — که هستی را نمی بینم بقای

گاهی گاهی باز خوان این دفتر پارینه را — تازه خواهی داشتن گر داغهای سینه را

شعر چودھری خوشی محمد خاں ناظر کا ہے(۱۳۳)۔ پہلے مصرع میں "دفتر" کی جگہ "قصہ" مشہور ہے۔

گدا گر تواضع کند خوی اوست — زگردن فرازاں تواضع نکوست

شیخ سعدی کی بوستاں کا شعر ہے(۱۳۴)۔

ر، ای زاهد دعای خیر میگوئی مرا این گو — که آن آواره از کوی بتان آواره تر بادا

یہ شعر امیر خسرو کا ہے(۱۳۵)۔

گربۂ محروم اگر پر داشتی — تخم کنجشک از زمین برداشتی

شعر شیخ سعدی کی مثنوی کا ہے(۱۳۶)۔

کہ آئین جہاں گاہی چناں گاہی چنیں باشد

یہ مصرع شاہی سبزواری کا ہے(۱۲۲) - پورا شعر اس طرح ہے:

زرنج و راحت گیتی ، مرنجاں دل ، مشو خرم   کہ آئین جہان گاہی چناں گاہی چنیں با

کہ ایں عجوز عروس ہزار داماد است

حافظ شیرازی کا مصرع ہے(۱۲۳) - پورا شعر اس طرح ہے:

مجو درستی کار از جہان سست نہاد   کہ ایں عجوز عروس ہزار داماد است

اقبال نے اس مصرع کو تضمین کیا ہے(۱۲۴) - اقبال کا شعر یہ ہے:

ہزار مرتبہ کابل نکوتر از دلّی ست   کہ ایں عجوزہ عروس ہزار داماد است

کایں گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

یہ مصرع شیخ سعدی کی غزل کا ہے(۱۲۵) - پورا شعر اس طرح ہے:

گر کند میل بخوبان دل من ، عیب مکن   کایں گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

کہ زور مردم آزاری ندارم

شیخ سعدی کی مثنوی کا مصرع ہے(۱۲۶) - پورا شعر اس طرح ہے:

کجا خود شکر ایں نعمت گزارم   کہ زور مردم آزاری ندارم

اس مصرع کو حافظ نے تضمین کیا ہے(۱۲۷) - حافظ شعر یہ ہے:

من از بازوی خود دارم بسی شکر   کہ زور مردم آزاری ندارم

کہ گل بدست تو از شاخ تازہ تر ماند

طالب آملی کا مصرع ہے(۱۲۸) - مکمل شعر اس طرح ہے:

بغارت چمنت بر بہار منتہاست   کہ گل بدست تو از شاخ تازہ تر ماند

اقبال نے اس مصرع کو تضمین کیا ہے - ان کا شعر ہے:(۱۲۹)

بگیر این ہمہ سرمایۂ بہار از من   کہ گل بدست تو از شاخ تازہ تر ماند

مصلحت نیست کہ از پردہ برون افتد راز
ورنہ در مجلس رندان خبری نیست کہ نیست

یہ شعر حافظ شیرازی کا ہے (۱۴۴)۔

مغان کہ دانۂ انگور آب می سازند ستارہ می شکنند آفتاب می سازند

صاحب آتشکدہ آذر نے فرج اللہ شوستری کے تذکرے کے ذیل میں یہ شعر لکھا ہے (۱۴۵)۔

ملک اقلیمی بگیرد پادشاہ

یہ مصرع شیخ سعدی کی گلستاں کا ہے (۱۴۶)۔ پورا شعر اس طرح ہے:

ملک اقلیمی بگیرد پادشاہ همچناں دربند اقلیمی دگر

من آں مورم کہ در پایم بمالند نہ زنبوری کہ از دستم بنالند

یہ شعر شیخ سعدی کی مثنوی میں شامل ہے (۱۴۷)۔

منعم بکوہ و دشت و بیابان غریب نیست ہر جا کہ رفت، خیمہ زد و خوابگاہ ساخت

یہ شعر شیخ سعدی کی گلستاں میں ہے (۱۴۸)۔ مصرع ثانی میں خوابگاہ کی جگہ "بارگاہ" بھی مستعمل ہے:

ہر جا کہ رفت خیمہ زد و بارگاہ ساخت

موجیم کہ آسودگیٔ ما عدم ماست ما زندہ بہ آنیم کہ آرام نگیریم

یہ شعر کلیم کاشانی کا ہے (۱۴۹)۔ مصرع ثانی اس طرح بھی مشہور ہے: مازندہ ازانیم کہ آرام نگیریم

علامہ اقبال نے بھی اس شعر کو تضمین کیا ہے۔

می باقی و ماہتاب باقیست مارا بتو صد حساب باقیست

یہ شعر نسبتی تھانیسری کا ہے (۱۴۹ب)۔

گر کام دل بگریہ میسر شود ز دوست صد سال می توان بہ تمنا گریستن

یہ شعر عرفی شیرازی کا ہے (۱۳۷) ۔ عام طور پر یہ شعر اس طرح مشہور ہے:

عرفی اگر بگریہ میسر شدی وصال صد سال می توان بہ تمنا گریستن

حالانکہ اس غزل کا مقطع اس طرح ہے

عرفی حریف دیدۂ تر نیستی ولی صد بار گریہ آورد این ناگریستن

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

یہ شعر اس طرح مشہور گیا ہے حالانکہ اس کی اصل قرأت یہ ہے۔

مطلق آن آواز خود از شاہ بود گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

یہ شعر مولانا روم کی مثنوی معنوی کا ہے (۱۳۸) ۔

اللہ الحمد کہ آں نقش کہ خاطر میخواست آمد آخر ز پس پردۂ تقدیر پدید

یہ شعر مولانا جامی کا ہے (۱۳۹) ۔

مرا از شکستن چناں عار ناید کہ از ناکسان خواستن مومیائی

یہ شعر عمادی شہریاری کا ہے (۱۴۰) ۔ علامہ اقبال نے اسے بانگ درا میں تضمین کیا ہے اور وہاں مصرع ثانی
میں ناکساں کی بجائے دیگراں نظم کیا ہے (۱۴۱) ۔

مرا خود کاشکی مادر نزادی

یہ مصرع شیخ سعدی کا ہے (۱۴۲) ۔ پورا شعر اس طرح ہے:

خردمندان پیشین راست گفتند مرا خود کاشکی مادر نزادی

مرد باید کہ گیرد اندر گوش در نوشت است پند بر دیوار

یہ شعر شیخ سعدی کی گلستاں کا ہے (۱۴۳) ۔

نمی گردید کوتہ رشتۂ معنی رہا کردم   حکایت بود بے پایاں بخاموشی ادا کردم

یہ شعر نظیری کا ہے(۱۵۵) ۔

نہ ہر جای مرکب تواں تاختن   کہ جاہا سپر باید انداختن

یہ شعر بوستان سعدی کا ہے(۱۵۶) ۔

نیم نانی گر خورد مرد خدای

یہ مصرع شیخ سعدی کی گلستاں کا ہے(۱۵۷) ۔ پورا شعر اس طرح ہے:

نیم نانی گر خورد مرد خدای   بذل درویشاں کند نیمی دگر

وزیری چنیں شہریاری چناں

نظامی گنجوی کی مثنوی "شرفنامہ" کا مصرع ہے(۱۵۸) ۔ پورا شعر اس طرح ہے:

وزیری چنیں شہریاری چناں   جہاں چوں نگیرد قراری چناں

وگر خواہی سلامت بر کنار است

یہ مصرع شیخ سعدی کی گلستاں کا ہے(۱۵۹) ۔ پورا شعر اس طرح ہے:

بدریا در ، منافع بی شمارست   وگر خواہی سلامت . بر کنارست

ہر بنای کہنہ کآبادان کنند   نہ کہ اول کہنہ را ویران کنند

یہ شعر مولانا روم کی مثنوی معنوی کا ہے(۱۶۰) ۔ اس شعر کا مصرع ثانی یوں مشہور ہوا ہے ۔

اول آن بنیاد را ویران کنند

اقبال نے بھی جب اپنی نظم "خضر راہ" میں اس شعر کو تضمین کیا تو اس مصرع کی مذکورہ ثانی شکل کو ہی لیا ہے(۱۶۱) ۔ اقبال کا شعر یہ ہے:

گفت رومی ہر بنای کہنہ کآبادان کنند   می ندانی اول آں بنیاد را ویران کنند

نام نیک رفتگاں ضایع مکن   تا بماند نام نیکت یادگار

شیخ سعدی کے ایک قطعہ کا شعر ہے(۱۵۰) ۔ پورا قطعہ اس طرح ہے۔

هر که خیری کرد و موقوف گذاشت   رسم خیرش همچنان بر جای دار
نام نیک رفتگان ضایع مکن   تا بماند نام نیکت یادگار

مصرع چہارم یوں مشہور ہے۔ تا بماند نام نیکت برقرار

نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

یہ مصرع امیر خسرو کا ہے(۱۵۱) ۔ پورا شعر اس طرح ہے:

هر دو عالم قیمت خود گفته ای   نرخ بالا کن که ارزانی هنوز

نشان مرد حق دیگر چہ گویم ۔ چو مرگ آید تبسم بر لب اوست

علامہ اقبال کے قطعہ کا شعر ہے(۱۵۲) ۔ مکمل قطعہ اس طرح ہے۔

سحر ها در گریبان شب اوست   دو گیتی را فروغ از کوکب اوست
نشان مرد حق دیگر چه گویم   چو مرگ آید تبسم بر لب اوست

تیسرا مصرع عام طور پر "نشان مرد مومن با تو گویم" مشہور ہے۔

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم
چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

مولانا روم کی غزل کا شعر ہے(۱۵۳) ۔ ایک نسخہ میں اس کی ترتیب الٹ گئی ہے۔

نہ شگوفہ ای نہ برگی نہ ثمر نہ سایہ دارم   ہمہ حیرتم کہ دہقان بچہ کار کشت

یہ شعر ذوقی اردستانی کا ہے(۱۵۴) ۔

۲۷

همه شوق آمده بودم همه حرماں رفتم

یہ مصرع عرفی شیرازی کا ہے(۱۶۸)۔ مکمل شعر اس طرح ہے:

از در دوست چہ گویم بچہ عنواں رفتم　　همه شوق آمده بودم همه حرماں رفتم

یقیں می داں کہ شیران شکاری　　دراین رہ خواستند از مور یاری

فریدالدین عطار کی مثنوی "اسرار نامہ" کا شعر ہے(۱۶۹)۔ اسے عبدالحق محدث دہلوی نے اپنے ایک مکتوب میں تحریر کیا ہے(۱۷۰)۔ اقبال نے بھی زبورِ عجم میں اپنی نظم "گلشن راز جدید" میں تضمین کیا ہے(۱۷۱)۔

ہر چہ بادا باد ما کشتی در آب انداختیم

یہ مصرع واقف لاہوری کا ہے (۱۶۲) - پورا شعر اس طرح ہے

تا بکے از بزم مے باشیم واقف بر کنار ہر چہ بادا باد ما کشتی در آب انداختیم

ہر روز روز عید است ہر شب شب برات است

یہ مصرع نسبتی تھانیسری کا ہے (۱۶۳) - پورا شعر اس طرح ہے

آں را کہ آں رخ و زلف سرمایۂ حیاتست ہر روز روز عید است ہر شب شب برات است

ہر کسے را بہرِ کارے ساختند میل آن را در دلش انداختند

یہ شعر مولانا روم کی مثنوی معنوی کا ہے (۱۶۴) -

ہر ملک ملکِ ماست کہ ملک خدای ماست

یہ مصرع اقبال کی پیام مشرق کی ایک نظم "الملکِ للہ" کا ہے (۱۶۵) - پوری نظم یہ ہے ؎

طارق چو بر کنارۂ اندلس سفینہ سوخت گفتند کار تو بہ نگاہ خرد خطاست

دوریم از سواد وطن باز چوں رسیم ؟ ترک سبب ز روئے شریعت کجا رواست

خندید و دست خویش بہ شمشیر برد و گفت ہر ملک ملکِ ماست کہ ملک خدای ماست

ہزار بار برو صد ہزار بار بیا

یہ مصرع مرزا غالب کا ہے (۱۶۶) - مکمل شعر اس طرح ہے:

وداع و وصل جداگانہ لذتی دارد ہزار بار برو صد ہزار بار بیا

ہمت بلند دار کہ نزد خدا و خلق باشد بقدر ہمت تو اعتبار تو

یہ شعر ابن یمین فریومدی کا ہے (۱۶۷) -

حواشی

۱- عرفی، جمال الدین کلیات اشعار مولانا شیرازی، مرتب: جواہر وجدی ص ۸

۲- مرزا غالب: کلیات غالب، مطبع اودھ اخبار لکھنو، ۱۸۷۲ء، ص ۲۹۲

۳- مثنوی معنوی دفتر اول، ص ۹

۴- حافظ: دیوان خواجہ شمس الدین محمد حافظ شیرازی: باہتمام محمد قزوینی و دکتر غنی تہران (۱۳۶۰ھ)، ص ۱۳۲

۵- میرزا عبد القادر بیدل: کلیات بیدل جلد اول، مرتب: خلیل اللہ خلیلی، کابل، ۱۳۴۱ش، ص ۳۳۹

۶- فرید الدین عطار: منطق الطیر، کتابفروشی تائید، اصفہان، ۱۳۴۸ش چاپ چہارم، ص ۱۱۸

۷- شیخ سعدی: غزلیات سعدی، مشمولہ کلیات سعدی، مرتبہ محمد علی فروغی، مطبوعہ ایران (س ن)، ص ۳۳۹

۸- شیخ سعدی: گلستان سعدی، از کلیات سعدی، مرتبہ محمد علی فروغی، استاد عبد العظیم قریب، مطبوعہ ایران (س ن)، ص ۲

۹- شیخ سعدی: بوستان سعدی، مشمولہ کلیات سعدی، مرتبہ محمد علی فروغی، مطبوعہ ایران (س ن)، ص ۲

۱۰- شیخ سعدی: گلستان سعدی، مشمولہ کلیات سعدی مرتبہ محمد علی فروغی و استاد عبد العظیم قریب، مطبوعہ ایران (س ن)، ص ۳۲

۱۱- پژمان: بہترین اشعار، طہران، ۱۳۱۳ش، ص ۱۶۵

۱۲- شیخ سعدی: بوستان سعدی، مشمولہ کلیات سعدی،

۲۵۔ حسن سجزی : دیوان حسن سجزی دہلوی، مرتب مسعود علی محوی، مکتبۂ ابراہیمیہ مشین پریس، حیدرآباد، ۱۳۵۲ھ، ص ۳۸۴
۲۶۔ انوری : دیوان انوری، جلد اول، مرتب محمد تقی مدرس رضوی، ۱۳۶۴ش ص ۲۵
۲۷۔ سعدی شیرازی : غزلیات سعدی مشمولہ کلیات سعدی، ص ۱۸۷

۲۸۔اوحدی مراغہ ای: دیوان اوحدی، ص ۲۰۸
۲۹۔ فیضی: شیخ ابوالفیض، کلیات فیضی مرتبہ اے۔ڈی ارشد، ادارہ تحقیقات پاکستان، دانشگاہ پنجاب لاہور، ۱۹۶۷ء، ص ۱۲۳
۳۰۔ حافظ : دیوان خواجہ شمس الدین محمد حافظ شیرازی: باہتمام محمد قزوینی و دکتر قاسم غنی، تہران (۱۳۶۰ھ)، ص ۳
۳۱۔ حافظ : دیوان حافظ، باہتمام حسین پژمان، تہران، ۱۳۱۵ش، ص ۲

۳۲۔ حافظ : دیوان خواجہ شمس الدین حافظ شیرازی : باہتمام محمد قزوینی و دکتر قاسم غنی، تہران (۱۳۶۰ھ)، ص ۵
۳۳۔والہ داغستانی: دیوان،
۳۴۔مولانا روم: مثنوی معنوی، دفتر اول، ص ۱۵
۳۵۔دیوان خواجہ شمس الدین محمد حافظ شیرازی: باہتمام محمد قزوینی و دکتر قاسم غنی، تہران (۱۳۶۰ھ)، ص ۳

مرتبہ محمد علی فروغی، مطبوعہ ایران (س ن)، ص ۶۷

۱۳۔ سلیم طہرانی: دیوان سلیم طہرانی (قلمی)، مملوکہ مزمل اللہ خاں لائبریری، علی گڑھ، ک ۶ ۱۳ ۱۱۱ھ ق ۱۶۲ اب

۱۴۔ شیخ سعدی: بوستان سعدی، مشمولہ کلیات سعدی، مرتبہ محمد علی فروغی، مطبوعہ ایران (س ن)، ص ۶

۱۵۔ شیخ سعدی: بوستان سعدی، مشمولہ کلیات سعدی، مرتبہ محمد علی فروغی، مطبوعہ ایران (س ن)، ص ۳۵

۱۶۔ شیخ سعدی: بوستان سعدی، مشمولہ کلیات سعدی مرتبہ محمد علی فروغی، مطبوعہ ایران (س ن)، ص ۷۰

۱۷۔ شیخ سعدی: گلستان سعدی، مشمولہ کلیات سعدی، مرتبہ محمد علی فروغی واستاد عبدالعظیم قریب، مطبوعہ ایران (س ن)، ص ۱۱۹

۱۸۔ آذر ـــــ، لطف علی بیگ: آتشکدہ آذر، مرتب سید جعفر شہیدی، ۱۳۳۷، ص ۱۷۲

۱۹۔ دیوان سلمان ساوجی، ص ۶۲۸

۲۰۔ شیخ سعدی: گلستان سعدی، مشمولہ کلیات سعدی، مرتبہ محمد علی فروغی واستاد عبدالعظیم قریب، مطبوعہ ایران (س ن)، ص ۳

۲۱۔ پژمان: بہترین اشعار، تہران ۱۳۱۳ش، ص ۳۱

۲۲۔ محمد عوفی: تذکرہ لباب الالباب، مرتبہ محمد قزوینی وسعید نفیسی، ۱۳۶۱ ص ۲۸۷

۲۳۔ تذکرہ مخزن الغرائب ص ـــ

۲۴۔ رموز بیخودی، ص ۹۳

۵۰۔ شیخ سعدی: بوستان سعدی، مشمولہ کلیات سعدی، مرتبہ محمد علی فروغی، مطبوعہ ایران (س ن)، ص ۲۴۹
۵۱۔ شیخ سعدی: گلستان سعدی، مشمولہ کلیات سعدی، مرتبہ محمد علی فروغی و استاد عبدالعظیم قریب، مطبوعہ ایران (س ن)، ص ۲۵
۵۲۔ شیخ سعدی: گلستان سعدی، مشمولہ کلیات سعدی، مرتبہ محمد علی فروغی و استاد عبدالعظیم قریب، مطبوعہ ایران (س ن)، ص ٦٦
۵۳۔ شیخ سعدی: غزلیات سعدی، مشمولہ کلیات سعدی، مرتبہ محمد علی فروغی، مطبوعہ ایران (س ن)، ص ۵۲۳
۵۴۔ شیخ سعدی: گلستان سعدی، مشمولہ کلیات سعدی، مرتبہ محمد علی فروغی و استاد عبدالعظیم قریب، مطبوعہ ایران (س ن)، ص ۱۸
۵۵۔ شیخ سعدی: مجالس پنجگانہ، مشمولہ کلیات سعدی، مرتبہ محمد علی فروغی، مطبوعہ ایران (س ن)، ص ۴۹
۵٦۔ شیخ سعدی: بوستان سعدی، مشمولہ کلیات سعدی، مرتبہ محمد علی فروغی، مطبوعہ ایران (س ن)، ص ٦
۵۷۔ نسبتی تھانیسری: انتخاب نسبتی تھانیسری (قلمی)، مملوکہ مزمل اللہ خاں لائبریری علیگڑھ ق ۲٦ ب
۵۸۔ شیخ سعدی: بوستان سعدی، مشمولہ کلیات سعدی، مرتبہ محمد علی فروغی، مطبوعہ ایران (س ن)، ص ۱۲۱
۵۹۔ مثنوی معنوی، دفتر دوم ص ۳۴۲
٦۰۔ شیخ سعدی: بوستان سعدی، مشمولہ کلیات سعدی،

۳۶۔ دیوان حافظ : باہتمام حسین پژمان، تہران، ۱۳۱۵ ش، ص ۳

۳۷۔ خاقانی شروانی: دیوان خاقانی شروانی ۱۳۶۲ش، ص ۵۶۳

۳۸۔ مثنوی گلشن راز، ص ۷

۳۹۔ شیخ سعدی: غزلیات سعدی، مشمولہ کلیات سعدی، مرتبہ محمد علی فروغی، مطبوعہ ایران (س ن)، ص ۶۰

۴۰۔ شیخ سعدی: غزلیات سعدی، مشمولہ کلیات سعدی، مرتبہ محمد علی فروغی، مطبوعہ ایران (س ن)، ص ۴۳۸

۴۱۔ دیوان حافظ، مرتبہ پژمان، ص ۳

۴۲۔ دیوان حافظ، مرتبہ قزوینی ص ۴

۴۳۔ مغربی، شیخ محمد شیریں: دیوان مغربی، بمبئی، ۱۳۰۵ ھ، ص ۱۲۵

۴۴۔ شیخ سعدی: گلستان سعدی، مشمولہ کلیات سعدی، مرتبہ محمد علی فروغی، مطبوعہ ایران (س ن)، ص ۲۱۷

۴۵۔ یغما جندقی: دیوان میرزا ابوالحسن المتخلص بہ یغما، بمبئی ۱۳۰۲، ص ۲۳۱

۴۶۔ شیخ سعدی: غزلیات عرفانی، مشمولہ کلیات سعدی، مرتبہ محمد علی فروغی، مطبوعہ ایران (س ن)، ص ۱۱۳

۴۷۔ سفینہ شیخ علی حزیں: مرتب مسعود علی، حیدرآباد دکن، ۱۹۳۰ء، ص ۳۲

۴۸۔ دیوان حافظ، مرتبہ قزوینی ص ۲۹۷

۴۹۔ فغانی شیرازی : دیوان اشعار بابافغانی شیرازی، مرتب احمد سہیلی خوانساری، ۱۳۵۳ش، ص ۱۶۶

المعانی، مطبع مصطفائی کانپور، ۱۲۶۷ھ، ص ۸۸

۷۱۔ امیر خسرو: کلیات غزلیات خسرو ۶۱۷

۷۲۔ خریطہ جواہر ص ۔۔۔۔

۷۳۔ حافظ: دیوان حافظ، باہتمام حسین پژمان، تہران، ۱۳۱۵ش، ص ۷۰

۷۴۔ محمود شبستری: گلشن راز، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۷۸ء، ص ۹

۷۵۔ مثنوی معنوی، دفتر اول ص ۶۱

۷۶۔ شیخ سعدی: گلستان سعدی، از کلیات سعدی، مرتبہ محمد علی فروغی و استاد عبدالعظیم قریب، مطبوعہ ایران (س ن)، ص ۱۰

۷۷۔ سام مرزا سامی صفوی: تحفۂ سامی، مرتب وحید دستگردی ص ۱۹۱

۷۸۔ اوحدی مراغہ ای: مرتبہ سید یوشع، مدراس ۱۹۵۱ء ص ۷

۷۹۔ مرزا مظہر جانجاناں: دیوان مرزا مظہر جانجاناں، مطبع مصطفائی، کانپور، ۱۲۷۱ھ ص ۷.

۸۰۔ شیخ سعدی: گلستان سعدی، مشمولہ کلیات سعدی، مرتبہ محمد علی فروغی و استاد عبدالعظیم قریب، مطبوعہ ایران (س ن)، ص ۱۵۴

۸۱۔ شیخ سعدی: گلستان سعدی، مشمولہ کلیات سعدی، مرتبہ محمد علی فروغی و استاد عبدالعظیم قریب، مطبوعہ ایران (س ن)، ص ۱۴۳

۸۲۔ سنائی: دیوان حکیم سنائی، بکوشش مظاہر مصفا، ۱۳۳۶ش، ص ۱۲۲

مرتبہ محمد علی فروغی، مطبوعہ ایران (س ن)، ص ۲۴۸
۶۱۔ چندر بھان برہمن: دیوان برہمن، ق ۰۷ الف مملوکہ مزمل اللہ خاں لائبریری علی گڑھ۔
۶۲۔ شیخ سعدی: غزلیات سعدی، مشمولہ کلیات سعدی، مرتبہ محمد علی فروغی، مطبوعہ ایران (س ن)، ص ۴۹۰
۶۳۔ شیخ سعدی: بوستان سعدی، مشمولہ کلیات سعدی، مرتبہ محمد علی فروغی، مطبوعہ ایران (س ن)، ص ۱۲
۶۴۔ امیر خسرو: کلیات غزلیات خسرو، جلد سوم، مرتب اقبال صلاح الدین، پیکیجز لمٹیڈ، لاہور، ۱۹۷۴ء، ص ۱۱۰
۶۵۔ شیخ سعدی: قصاید سعدی، مشمولہ کلیات سعدی، مرتبہ محمد علی فروغی، مطبوعہ ایران (و س ن)، ص ۲۸
۶۶۔ اقبال، محمد: جاوید نامہ در نظم "ارواح رذیلہ کہ با ملک و ملت غداری کردہ و دوزخ ایشاں را قبول نکردہ" لاہور، ۱۹۴۷ء، ص ۱۶۶
۶۷۔ شیخ سعدی: گلستان سعدی، مشمولہ کلیات سعدی، مرتبہ محمد علی فروغی و استاد عبدالعظیم قریب، مطبوعہ ایران (س ن)، ص ۴۶
۶۸۔ شیخ سعدی: گلستان سعدی، مشمولہ کلیات سعدی، مرتبہ محمد علی فروغی و استاد عبدالعظیم قریب، مطبوعہ ایران (س ن)، ص ۲۱
۶۹۔ شیخ سعدی: بوستان سعدی، مشمولہ کلیات سعدی، مرتبہ محمد علی فروغی، مطبوعہ ایران (س ن)، ص ۳۶
۷۰۔ شاکر، عبدالرحمن: گلستان مسرت ملقب بہ حدائق

۹۳- شیخ سعدی. گلستان سعدی، مشمولہ کلیات سعدی، مرتبہ محمد علی فروغی و استاد عبدالعظیم قریب، مطبوعہ ایران (س ن)، ص ۴۷
۹۴- شیخ سعدی: غزلیات سعدی، مشمولہ کلیات سعدی، مرتبہ محمد علی فروغی، مطبوعہ ایران (س ن)، ص ۵۱۵
۹۵- ناصر علی سرہندی: دیوان ناصر علی، مطبع نولکشور (لکھنؤ)، ۱۸۷۹ء ص ۱۰۶
۹۶- شیخ سعدی: غزلیات سعدی، مشمولہ کلیات سعدی، مرتبہ محمد علی فروغی، مطبوعہ ایران (س ن)، ص ۱۱
۹۷- آصفی ہروی: دیوان (قلمی) ق ۱۲ب، مملوکہ مزمل لائبریری، علیگڑھ
۹۸- شیخ سعدی: گلستان سعدی، از کلیات سعدی، مرتبہ محمد علی فروغی و استاد عبدالعظیم قریب، مطبوعہ ایران (س ن)، ص ۵
۹۹ (الف)- حافظ: دیوان خواجہ شمس الدین محمد حافظ شیرازی، باہتمام محمد قزوینی و قاسم غنی، تہران، ۱۳۶۰ھ ص ۲۵
۹۹ (ب)- شرف الدین بخاری: مثنوی نام حق (قلمی)، ق ۲ الف، مملوکہ مزمل لائبریری، علیگڑھ
۱۰۰- شیخ سعدی: گلستان سعدی، از کلیات سعدی، مرتبہ محمد علی فروغی و استاد عبدالعظیم قریب، مطبوعہ ایران (س ن)، ص ۱۵
۱۰۱- شیخ سعدی: غزلیات سعدی، مشمولہ کلیات سعدی،

۸۳- گلستان سعدی مشمولہ کلیات سعدی ص ۸۷
۸۴- شیخ سعدی: گلستان سعدی، مشمولہ کلیات سعدی،
مرتبہ محمد علی فروغی و استاد عبدالعظیم قریب، مطبوعہ
ایران (س ن)، ص ۸۷
۸۵- مثنوی معنوی، دفتراول ص ۱۰
۸۶- حافظ: دیوان خواجہ شمس الدین محمد حافظشیرازی،
باہتمام محمد قزوینی و قاسم غنی، تہران، ۱۳۶۰ھ، ص ۱۴۱
۸۷- شیخ سعدی: گلستان سعدی، مشمولہ کلیات سعدی،
مرتبہ محمد علی فروغی و استاد عبدالعظیم قریب، مطبوعہ
ایران (س ن)، ص ۲۰
۸۸- شیخ سعدی: گلستان سعدی، مشمولہ کلیات سعدی،
مرتبہ محمد علی فروغی و استاد عبدالعظیم قریب، مطبوعہ
ایران (س ن)، ص ۵۵
۸۹- شیخ علی حزیں: دیوان حزیں، مرتب بیژن ترقی،
۱۳۵۰ش، ص ۲۰۲
۹۰- شیخ سعدی: گلستان سعدی، مشمولہ کلیات سعدی،
مرتبہ محمد علی فروغی و استاد عبدالعظیم قریب، مطبوعہ
ایران (س ن)، ص ۶۲
۹۱- شیخ سعدی: گلستان سعدی، مشمولہ کلیات سعدی،
مرتبہ محمد علی فروغی و استاد عبدالعظیم قریب، مطبوعہ
ایران (س ن)، ص ۳۱
۹۲- شیخ سعدی: گلستان سعدی، مشمولہ کلیات سعدی،
مرتبہ محمد علی فروغی و استاد عبدالعظیم قریب، مطبوعہ
ایران (س ن)، ص ۲۰۷

۱۱۴- حافظ : دیوان خواجہ شمس الدین محمد حافظ شیرازی، باہتمام محمد قزوینی و قاسم غنی، تہران، ۱۳۶۰ھ، ص ۴۰
۱۱۵- خاقانی شروانی : دیوان خاقانی شروانی، ۱۳۶۲ش، ص ۴۶۸
۱۱۶- آصفی ہروی : دیوان (قلمی)، ق ۳ ب، مملوکہ مزمل اللہ خاں لائبریری علی گڑھ
۱۱۷- ہدایت، رضا قلی خاں: تذکرہ ریاض العارفین، مرتب مہر علی گرکانی، ۱۳۴۴ش، ۴۷۰ص
۱۱۸- حافظ : دیوان خواجہ شمس الدین محمد حافظ شیرازی، باہتمام محمد قزوینی و قاسم غنی، تہران، ۱۳۶۰ھ، ص ۲
۱۱۹- امیر خسرو: کلیات غزلیات خسرو، جلد چہارم، مرتب اقبال صلاح الدین، پیکجز لمیٹڈ، لاہور، ۱۹۷۵، ص ۳۵۲
۱۲۰- شیخ سعدی: گلستان سعدی، از کلیات سعدی، مرتبہ محمد علی فروغی و استاد عبدالعظیم قریب، مطبوعہ ایران (س ن)، ص ۹۷
۱۲۱- شیخ سعدی: گلستان سعدی، از کلیات سعدی، مرتبہ محمد علی فروغی و استاد عبدالعظیم قریب، مطبوعہ ایران (س ن)، ص ۳
۱۲۲- شاہی سبزواری: دیوان امیر شاہی سبزواری، مرتب: سعید حمیدیان، ۱۳۴۸ش، ص ۳۰
۱۲۳- حافظ : دیوان حافظ، اہتمام حسین پژمان، تہران، ۱۳۱۵ش، ص ۹

مرتبہ محمد علی فروغی، مطبوعہ ایران (س ن)، ص ۶۰
۱۰۲- نظیری دیوان نظیری نیشاپوری، مرتب مظ
مصفا، ۱۳۴۰ش ص ۴۶
۱۰۳- نظامی گنجوی حکیم: شرفنامہ، " کلیات خمسہ
تہران، ۱۳۵۱ش، ص ۴۲۸
۱۰۴- عبد الباقی نہاوندی: مآثر رحیمی
۱۰۵- ھلالی : دیوان ہلالی چغتائی، مرتب سعید نفیسی
۱۳۳۷ش، ص ۲
۱۰۶- شیخ سعدی: غزلیات سعدی، مشمولہ کلیات سعدی
مرتبہ محمد علی فروغی، مطبوعہ ایران (س ن)، ص ۴۹۰
۱۰۷- جامی: کلیات جامی مطبع نولکشور، کانپور، ۱۹۰۰ء
ص ۱۲۰
۱۰۸- حافظ: دیوان خواجہ شمس الدین محمد حافظشیرازی
باہتمام محمد قزوینی و قاسم غنی، تہران، ۱۳۶۰ھ، ص
۱۷۹
۱۰۹- شیخ سعدی: بوستان سعدی، مشمولہ کلیات سعدی
مرتبہ محمد علی فروغی، مطبوعہ ایران (س ن)، ص ۳۳
۱۱۰- مولانا روم: دیوان موسوم بہ شمس الحقایق، مرتب
رضاقلی ہدایت، تبریز، ۱۲۸۰ھ ص ۱۳۹
۱۱۱- سلطان ولد، بہاء الدین محمد بلخی: مولوی دیگر (دیوان
سلطان ولد): مصحح حامد ربانی، ۱۳۶۳ص، ص ۲۴۰
۱۱۲- مثنوی معنوی دفتر اول ص ۲۱۲
۱۱۳- مرزا غالب: کلیات غالب، مطبع اودھ اخبار لکھنو،
۱۸۷۲ء ص ۴۴۲

سعدی، مرتبہ محمد علی فروغی، مطبوعہ ایران (س ن)،
ص ۱۶۶
۱۳۷۔ عرفی شیرازی: کلیات اشعار مولانا عرفی شیرازی،
مرتب: جواہر وجدی، ص ۴۹۱
۱۳۸۔ مثنوی معنوی، دفتر اول، ص ۱۱۸
۱۳۹۔ جامی: کلیات جامی، مطبع نولکشور، کانپور، ۱۹۰۰ء
ص ۲۴۴
۱۴۰۔ پژمان: بہترین اشعار، طہران، ۱۳۱۳ش، ص ۴۱۹
۱۴۱۔ بانگ درا، ص ۔۔۔
۱۴۲۔ شیخ سعدی: مراثی سعدی، مشمولہ کلیات سعدی،
مرتبہ محمد علی فروغی، مطبوعہ ایران (س ن)، ص ۶۶
۱۴۳۔ شیخ سعدی: گلستان سعدی، مشمولہ کلیات سعدی،
مرتبہ محمد علی فروغی و استاد عبدالعظیم قریب مطبوعہ
ایران (س ن)، ص ۸۷
۱۴۴۔ حافظ : دیوان خواجہ شمس الدین محمد حافظ
شیرازی، باہتمام محمد قزوینی و قاسم غنی، تہران، ۱۳۶۰
ھ، ص ۵۱
۱۴۵۔ آذر، لطف علی: آتشکدۂ آذر، مرتب سید جعفر
شہیدی، ۱۳۳۷ش، ص ۲۶۹
۱۴۶۔ شیخ سعدی: گلستان سعدی، مشمولہ کلیات سعدی،
مرتبہ محمد علی فروغی و استاد عبدالعظیم قریب مطبوعہ
ایران (س ن)، ص ۱۷
۱۴۷۔ شیخ سعدی: مثنویات سعدی، مشمولہ کلیات

۱۲۴۔ مسافر۔۔۔۔

۱۲۵۔ شیخ سعدی: غزلیات سعدی، مشمولہ کلیات سعدی، مرتبہ محمد علی فروغی، مطبوعہ ایران (س ن)، ص ۱۸۷

۱۲۶۔ شیخ سعدی: مثنویات سعدی، مشمولہ کلیات سعدی، مرتبہ محمد علی فروغی، مطبوعہ ایران (س ن)، ص ۱۶۵

۱۲۷۔ دیوان حافظ، مرتبہ پژمان، ص ۱۵۵

۱۲۸۔ طالب آملی: کلیات اشعار ملک الشعرا، طالب آملی، مرتب طاہر شہاب، ص ۴۶۷

۱۲۹۔ اقبال: ضرب کلیم، ص ۹

۱۳۰۔ سفینۂ شیخ علی حزیں، مرتبہ مسعود علی، جامعہ عثمانیہ حیدرآباد، ۱۹۳۰ء، ص ۱۷

۱۳۱۔ شیخ سعدی: غزلیات سعدی، مشمولہ کلیات سعدی، مرتبہ محمد علی فروغی، مطبوعہ ایران (س ن)، ص ۳۵

۱۳۲۔ شیخ سعدی: گلستان سعدی، از کلیات سعدی، مرتبہ محمد علی فروغی و استاد عبدالعظیم قریب، مطبوعہ ایران (س ن)، ص ۱۱

۱۳۳۔ خوشی محمد خاں ناظر: دیوان

۱۳۴۔ شیخ سعدی: غزلیات سعدی، مشمولہ کلیات سعدی، مرتبہ محمد علی فروغی، مطبوعہ ایران (س ن)، ص ۹

۱۳۵۔ امیر خسرو: کلیات غزلیات خسرو، جلد سوم، مرتب اقبال صلاح الدین، پیکیجز لمٹیڈ، لاہور، ۱۹۷۴ء، ص ۱۴۲

۱۳۶۔ شیخ سعدی: مثنویات سعدی، مشمولہ کلیات

مصفا، ۱۳۴۰ش، ص ۲۸۵
۱۵۶- شیخ سعدی: بوستان سعدی، مشمولہ کلیات سعدی، مرتبہ محمد علی فروغی، مطبوعہ ایران (س ن)، ص ۴
۱۵۷- شیخ سعدی: گلستان سعدی، مشمولہ کلیات سعدی، مرتبہ محمد علی فروغی و استاد عبدالعظیم قریب مطبوعہ ایران (س ن)، ص ۲۹
۱۵۸- نظامی گنجوی، حکیم: شرفنامہ "کلیات خمسہ"، تہران، ۱۳۵۱ش ص ۸۸۶
۱۵۹- شیخ سعدی: گلستان سعدی، مشمولہ کلیات سعدی، مرتبہ محمد علی فروغی و استاد عبدالعظیم قریب مطبوعہ ایران (س ن)، ص ۳۱
۱۶۰- مثنوی معنوی، دفترچہارم، ص ۴۱۷
۱۶۱- بانگ درا، ص ۳۰۰
۱۶۲- واقف لاہوری، شیخ نور العین: دیوان واقف، مطبع منشی نولکشور، کانپور، ۱۸۸۷ء، ص ۲۱۴
۱۶۳- نسبتی تھانیسری: انتخاب نسبتی تھانیسری (قلمی)، مملوکہ مزمل اللہ خاں لائبریری علی گڑھ، ق ۹ ب
۱۶۴- مثنوی معنوی، دفترسوم ص ۲۹
۱۶۵- اقبال، سر محمد: پیام مشرق، در نظم "الملک للہ"، لاہور، ۱۹۵۴ء ص ۱۵۰
۱۶۶- مرزا غالب: کلیات غالب، مطبع اودھ اخبار، لکھنو ۱۸۷۲ء، ص ۳۶۳
۱۶۷- ابن یمین: دیوان اشعار ایبن یمین- مرتب حسین

سعدی، مرتبہ محمد علی فروغی، مطبوعہ ایران (س ن)، ص ۱۶۵

۱۴۸۔ شیخ سعدی: گلستان سعدی، مشمولہ کلیات سعدی، مرتبہ محمد علی فروغی و استاد عبدالعظیم قریب مطبوعہ ایران (س ن)، ص ۱۰۳

۱۴۹ (الف)۔ کلیم کاشانی، ابوطالب: دیوان ابوطالب کلیم کاشانی، مرتب پرتو بیضائی، ۱۳۳۶ش، ص ۳۲۶

۱۴۹ (ب)۔ نستی تھانیسری: انتخاب نستی تھانیسری (قلمی)، مملوکہ مزمل اللہ خاں لائبریری علی گڑھ، ق ۶ الف

۱۵۰۔ شیخ سعدی: قطعات سعدی، مشمولہ کلیات سعدی، مرتبہ محمد علی فروغی، مطبوعہ ایران (س ن)، ص ۱۴۱

۱۵۱۔ امیر خسرو: کلیات غزلیات خسرو، جلد سوم، مرتب اقبال صلاح الدین، پیکجز لیمٹڈ، لاہور، ۱۹۷۴ء، ص ۹۷

۱۵۲۔ اقبال، محمد: ارمغان حجاز، احسن برادرز، ۱۹۵۱ء، ص ۱۶۵

۱۵۳۔ مولانا روم: دیوان موسوم بشمس الحقایق، مرتب رضاقلی ہدایت، تبریز، ۱۲۸۰ھ ص ۲۵۹

۱۵۴۔ سفینہ شیخ علی حزیں، مرتبہ مسعود علی، دارالطبع جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد، ۱۹۳۰ء، ص ۴۸ و بزم ایران: سید محمد رضا طباطبا الیزدی، نظامی پریس لکھنؤ ۱۹۲۶ء، ص ۴۷۶

۱۵۵۔ نظیری: دیوان نظیری نیشاپوری، مرتب مظاہر

اشاریہ

شعرائے کرام

علی باستانی راد، ۱۳۴۴ش، ص ۵۰۲
۱۶۸۔ عرفی، جمال الدین: کلیات اشعار مولانا عرفی شیرازی، مرتب جواہر وجدی، ص ۹۲
۱۶۹۔ فرید الدین عطار: اسرار نامہ، مرتب دکتر سید صادق گوہرین، ۱۳۳۸ش، ص ۱۲۲
۱۷۰۔ عبدالحق محدث دہلوی: مکتوبات شیخ (برحواشی اخبار الاخیار)، ص ۵
۱۷۱۔ اقبال: زبور عجم، ص ۲۱۳

●●

بیاضِ آزاد

ابوالکلام آزاد کی تحریروں میں مستعمل اشعار

حرفِ چند

مولانا ابوالکلام آزاد کی مختلف تصانیف اور ان کے جریدوں میں شائع شدہ تحریروں سے یہ اشعار جمع کیے گئے ہیں۔ مولانا کا شعری ذوق بڑا اچھا تھا اور نثر میں شعر استعمال کرنا شروع سے ان کا ذوقِ فضول تھا۔

اشعار کے استعمال کی کیفیت یہ ہے کہ مثلاً غبارِ خاطر میں سوائے ۵ر دسمبر ۱۹۴۲ء کے مکتوب کے (پانچویں مجلسی حلقے کی سرگزشت) پوری کتاب میں صرف ایک ورق ایسا بھاگ نکلا ہے جس پر کوئی شعر/مصرع نہیں ہے۔ ورنہ ہر ورق پر آپ کو کوئی مصرع یا شعر ضرور ملے گا۔

اس بیاض میں اردو کے ۱۵۵ اشعار، ۱۱۶ مصرعے، فارسی کے ۷۲۷ اشعار، ۱۹۳ مصرعے اور عربی کے ۲۷۳ اشعار ۱۳ مصرعے ہیں۔

رہی ان اشعار کی تخریج، تو چند جگہوں پر ہم نے دو چار سامنے کے ماخذ سے انھیں دیکھ لیا اور لکھ دیا لیکن سارے اشعار کے لیے تو ہمارے عصر میں اس فن کے امام نواب رحمت اللہ خاں شروانی صاحب سے درخواست کی جا رہی ہے کہ وہ اس کے لیے وقت نکالیں، جنھوں نے اس سے قبل غبارِ خاطر اور تذکرہ کے اشعار کی تخریج میں مالک رام صاحب کی مدد کی تھی۔

اس بیاض کے اردو، فارسی حصے میں اشعار کی ترتیب ردیف وار کے بجائے شعر کے ابتدائی حرف/لفظ سے ہو گئی ہے (بلکہ غور سے دیکھیں تو الفبائی ترتیب بھی جا بجا بگڑ گئی ہے)۔ مناسب تر یہ تھا کہ ترتیب ردیف وار ہوتی جس سے ایک ہی غزل کے اشعار جو جا بجا بکھر گئے ہیں، ایک ہی جگہ آجاتے۔ عربی میں البتہ ردیف وار ہے۔ اگلے ایڈیشن میں یہ ترتیب عربی ہی کے انداز پر ردیف وار رکھی جائے گی۔

دوسرے یہ کہ اس بیاض میں ایسے متعدد شعر نقل ہونے سے رہ گئے جو غبارِ خاطر، تذکرہ، ترجمان القرآن اور خطوط میں موجود ہیں۔ ایسے رہ جانے والے شعر اگلے ایڈیشن میں اضافہ کیے جائیں گے، جن کی تخریج اب اس لیے آسان تر ہو گئی ہے کہ مالک رام صاحب نے ان چاروں کو ایڈیٹ کیا ہے اور نواب رحمت اللہ خاں شروانی کے تعاون و توجہ سے انھوں نے بڑے سلیقے سے اشعار کی تخریج کر دی ہے، بلکہ خود ہماری اس بیاضِ آزاد کے بہت سے اشعار کی تخریج ان کتابوں کی مدد سے بآسانی ہو سکتی ہے اگر کوئی تھوڑا سا بھی وقت لگا دے (کچھ تو ہوئی، باقی آیندہ)۔ یوں بھی کی کرائی محنت موجود ہے تو بہت زیادہ ضرورت بھی نہیں رہی ہے۔

(ع دب)
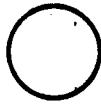
آگ سے ابتدائے عشق میں ہم — ہوگئے خاک انتہا ہے یہ
آنکھوں میں دوں اس آئنہ رو کو جگہ ولے — ٹپکا کرے ہے بسکہ یہ گھر نم بہت ہے یاں

آیا تھا وقت ریل کے کھلنے کا بھی قریب — تھا بارگاہ خاص میں خلقت کا ازدہام (غالب)
اس کشمکش میں "آپکا" مداح "نامور" — "آقائے نامور" سے نہ کچھ کرسکا کلام (غالب)

اب تو آرام سے گذرتی ہے — عاقبت کی خبر خدا جانے (شاہ عالم ثانی)
اب چھیڑ یہ رکھی ہے کہ عاشق ہو تم کہیں — القصہ خوش گذرتی ہے اس بدگمان سے

اخبار لودھیانہ میں میری نظر پڑی — تحریر ایک، جس سے ہوا بندہ تلخ کام (غالب)
ٹکڑے ہوا ہے دیکھ کے تحریر کو جگر — کاتب کی آستیں ہے مگر تیغ بے نیام (غالب)
وہ فرد جس میں نام ہے تیرا غلط لکھا — جب یاد آگئی ہے کلیجہ لیا ہے تھام (غالب)

ادائیں شب کی تو سب لوگ دیکھتے ہیں مگر — ہم ان کی بگڑی ہوئی سحر کو دیکھتے ہیں
ادھر اللہ سے واصل، ادھر مخلوق میں شامل! — مقام اس برزخ کبریٰ میں تھا حرف مشدّد کا!
اس بحث ناصواب میں کیونکر نہ جائے دل — میں دل کو آزماؤں، مجھے آزمائے دل

ے

بیکاریٔ جنوں میں ہے سر پیٹنے کا شغل — جب ہاتھ ٹوٹ جائیں تو پھر کیا کرے کوئی (غالب)

پامال اک نظر میں قرار و ثبات ہے — اس کا نہ دیکھنا نگہ التفات ہے

پھر چھیڑا امیر حسن نے اپنا قصہ — بس آج کی شب بھی سو چکے ہم (میر حسن)

پھر دیکھیے اندازِ گل افشانیٔ گفتار — رکھ دے کوئی پیمانۂ صہبا مرے آگے! (غالب)

پہلے ڈالی ہے سررشتۂ امید میں گانٹھ — پیچھے ٹھونکی ہے بُنِ ناخنِ تدبیر میں کیل (غالب)

پہلے ہی اپنی کون سی تھی قدر و منزلت — پر شب کی منتوں نے ڈبو دی رہی سہی

پہنچا تو ہوگا سمع مبارک میں حال میرؔ — اس پر بھی جی میں آئے تو دل کو لگائیے (میر)

تالیف نسخہ ہائے وفا کر رہا تھا میں — مجموعۂ خیال ابھی فرد فرد تھا (غالب)

تردامنی پہ شیخ ہماری نہ جائیو — دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں (درد)

تعزیرِ جرمِ عشق ہے بے صرفہ محتسب — بڑھتا ہے اور ذوقِ گنہ یاں سزا کے بعد (غالب)

تکلف سے بری ہے حسنِ ذاتی — قبائے گل میں گل بوٹا کہاں ہے؟ (آتش)

تم جسے یاد کرو پھر اسے کیا یاد رہے — نہ خدائی کی ہو پروا نہ خدا یاد رہے

ترے بیجا ہے مجھے اپنی تباہی کا گلہ — اس میں کچھ شائبۂ خوبیٔ تقدیر بھی تھا (غالب)

تھک تھک کے ہر مقام پہ دو چار رہ گئے — تیرا پتہ نہ پائیں تو ناچار کیا کریں! (غالب)

جس کا تو قاتل ہو، اس کے واسطے — کون سی لذت ہے خنجر سے لذیذ

جو کام میں غیر کے ہوئیں صرف — افسوس وہ دلربا ادائیں!

جو کوئی آئے ہے نزدیک ہی بیٹھے ہے ترے — ہم کہاں تک ترے پہلو سے سرکتے جائیں؟

جولاں کو ہے اس کی قصدِ پامال — اے خاک! نوید سرفرازی! (مومن)

چاک مت کر جیب بے ایامِ گل — کچھ ادھر کا بھی اشارہ چاہیے! (غالب)

چاہیے اچھوں کو جتنا چاہیے — وہ اگر چاہیں تو پھر کیا چاہیے (غالب)

حکمِ اخیر کی تھی توقع بروزِ حشر — باقی رہا نہ دن ہی جب اظہار ہو چکا!

خدایا جذبۂ دل کی مگر تاثیر الٹی ہے — کہ جتنا کھینچتا ہوں اور کھنچتا جائے ہے مجھ سے (غالب)

اس بزم پر فروغ میں اس تیرہ بخت کو — نمبر ملا، نشست میں از روئے اہتمام

اس کی محفل کی دیکھنا تہذیب — بات کا انتظام ہوتا ہے

اس وقت ہے دعا و اجابت کا وقت میر — اک نعرہ تو بھی پیشکش صبح گاہ کر

اس باعث سے دایہ طفل کو افیون دیتی ہے — کتا ہو جائے لذت آشنائی دوراں سے (ذوق)

اسی کی سی کہنے لگے اہل حشر — کہیں پرسش داد خواہاں نہیں (آزردہ)

اُگ رہا ہے در و دیوار پہ سبزہ غالب — ہم بیاباں میں ہیں اور گھر میں بہار آئی ہے (غالب)

اللہ رے گمرہی، بت و بت خانہ چھوڑ کر — مومن چلا ہے کعبے کو اک پارسا کے ساتھ (مومن)

اندھیرا ہے، تلاطم ہے، ہوائے تند ہے، لیکن — ہمیں ڈر اے محمد کیا، ہمارے ناخدا تم ہو

اے برق تو ذرا کہیں تڑپی ٹھہر گئی — یاں عمر کٹ چکی ہے اسی اضطراب میں

اے خانہ برانداز چمن کچھ تو ادھر بھی! — گل پھینکے ہے اوروں کی طرف بلکہ ثمر بھی (سودا)

ایک بوسے پہ یہ لڑائی؟ حیف — دس نہیں، سو نہیں، ہزار نہیں

اک عمر چاہیے کہ گوارا ہو نیش عشق — رکھی ہے آج لذت زخم جگر کہاں؟ (حالی)

ایک ہم ہیں، کہ ہوئے ایسے پشیمان، کہ بس — ایک وہ ہیں، کہ جنھیں چاہ کے ارماں ہونگے! (مومن)

بتوں کی دید کو جاتا ہوں دیر میں قائم — مجھے کچھ اور ارادہ نہیں خدا نہ کرے (قائم چاندپوری)

بڑا مزہ ہو جو محشر میں ہم کریں شکوہ — وہ منتوں سے کہیں "چپ رہو خدا کیلئے"

بوسۂ لب تو دیا، کیا کہنا — لیجیے کچھ بڑھ کے بھی ہمت ہوگی؟

بہت سعی کیجے تو مر رہیے میر — بس اپنا تو اتنا ہی مقدور ہے (میر)

بہت لگتا ہے جی صحبت میں ان کی — وہ اپنی ذات میں ایک انجمن ہیں

بہ تسکیں دل نے رکھ لی ہے غنیمت جان کر — وہ جو وقت ناز کچھ جنبش ترے ابرو میں ہے!

بیخود اس دور میں ہیں سب حاتم — ان دنوں کیا شراب سستی ہے

سر پر ہجومِ دردِ غریبی سے ڈالیے — وہ ایک مشتِ خاک کہ صحرا کہیں جسے (غالب)

سنتے ہیں جو بہشت کی تعریف سب درست — لیکن خدا کرے، وہ تری جلوہ گاہ ہو! (غالب)

شکست و فتح نصیبوں سے ہے ولے اے میرؔ — مقابلہ تو دلِ ناتواں نے خوب کیا! (محمد یار خاں میرؔ)

شوریدگی کے ہاتھ سے سر ہے وبالِ دوش — صحرا میں اے خدا کوئی دیوار بھی نہیں (غالب)

شیخ جی آپ کے آتے ہی ہوا دیر خراب — قصدِ کعبہ کا نہ کیجے گا بہ ایں یُمنِ قدوم! (مومن)

طوفانِ نوح لانے سے اے چشم فائدہ؟ — دو اشک بھی بہت ہیں اگر کچھ اثر کریں.

عوض نہ لے مرے جرم و گناہِ بے حد کا — الٰہی تجھ کو غفور الرحیم کہتے ہیں

غالبؔ ندیمِ دوست سے آتی ہے بوئے دوست — مشغولِ حق ہوں بندگیِ بوتراب میں! (غالب)

غصہ میں ان کو کچھ نہ رہا تن بدن کا ہوش — کیا لطف ہم نے شب کو اٹھائے عتاب میں!

غلط سہی اثرِ آہ و نالہ، پر ناظمؔ — رہے نہ دل میں ہوس، آؤ یہ بھی کر دیکھو (ناظم)

فروغِ حق کو نہ ہوگا زوال دنیا میں — ہمیشہ بدر رہے گا 'ہلال' دنیا میں

فریاد کی کوئی لے نہیں ہے — نالہ پابندِ نے نہیں ہے! (غالب)

قائل تو ہو گئے ہیں وہ تاثیرِ عشق سے — موقع نکالنا سو یہ حکمت کی بات ہے

قسمت کیا ہر ایک کو قسّامِ ازل نے — جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا

قید میں بھی ترے وحشی کو رہی زلف کی یاد — ہاں کچھ اک رنجِ گرانباریِ زنجیر بھی تھا (غالب)

کام تھے عشق میں بہت، پر میرؔ — ہم ہی فارغ ہوئے شتابی سے (میر)

کامل اس فرقۂ زہّاد سے اٹھا نہ کوئی — کچھ ہوئے تو یہی رندانِ قدح خوار ہوئے (آزردہ)

کبھی حکایتِ رنجِ گراں نشیں لکھیے — کبھی شکایتِ صبرِ گریز پا کہیے! (غالب)

کبھی خوش بھی کیا ہے جی کسی رندِ شرابی کا — بھڑا دے منہ سے منہ ساقی ہمارا اور گلابی کا! (درد)

کچھ ہو رہے گا عشق و ہوس میں بھی امتیاز — آیا ہے اب مزاج ترا امتحان پر (نیر)

ے کیا کعبہ میں، جو سرِّ بت خانہ سے آگہ ہے — یہاں تو کوئی صورت بھی ہے، واں اللہ ہی اللہ ہے! (ذوق)

کس نے یوں پیار کیا؟ کس نے وفا کی ایسی؟ — کیوں کریں قتل کسی کو وہ ہمارے ہوتے؟

کیسے گلے رقیب کے کیا طعنِ اقربا — تیرا ہی جی نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں

۸

خطاب و خلعت و اعزاز مول لینے کو — کوئی ہے ملک فروش اور کوئی قوم فروش
نیا یہ پاس ادب ہے کہ بدلے سجدوں کے — ہوئی ہیں مسجدیں پامال صدہا پاپوش

دامن اس کا تو بھلا دور ہے اے دست جنوں — کیوں ہے بیکار، گریباں تو مرا دور نہیں (...

درخور عشق حقیقی ہیں یہ اہل تقویٰ — ہم سے لوگوں کے لیے عشق بتاں پیدا ہے

درد ہے جاں کے عوض ہر رگ و پے میں ساری — چارہ گر ہم نہیں ہونے کے جو درماں ہوگا!

دلا یہ درد و الم بھی تو مغتنم ہے، کہ آخر — نہ نالۂ سحری ہے نہ آہ نیم شبی ہے

دماغ عطر پیراہن نہیں ہے — غم آوارگی ہائے صبا کیا (غالب

دوست نے خاطر دشمن سے کیا مجھ کو ہلاک — رنج یہ ہے کہ وہ کم حوصلہ نازاں ہوگا

دونوں جہان دے کے وہ سمجھے یہ خوش رہا — یاں آپڑی یہ شرم کہ تکرار کیا کریں! (غال

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا — میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے! (غال

ڈھونڈ لاتے تمھیں اس بت کو خدارا اے شیخ — تم خدا ترس تھے، اک کام ہمارا کرتے!

رات اور زلف کا یہ افسانہ — قصہ کوتہ، بڑی کہانی ہے

رگ و پے میں جب اترے زہر غم تب دیکھیے کیا ہو — ابھی تو تلخیِ کام و دہن کی آزمائش ہے! (...

رو میں ہے رخش عمر، کہاں دیکھیے تھمے — نے ہاتھ باگ پر ہے، نہ پا ہے رکاب میں! (غا

رہا ہوں رندی میں، اور پارسائی میں — مری نظر میں ہیں رندان و پارسا ایک ایک (غا

رہے اک بانکپن بھی بے دماغی میں تو زیبا ہے — بڑھا دو چین ابرو پر ادائے کج کلامی کو

رہے پہلو میں وہ یا اس کا خنجر — غرض دل بھر تا ہے ہمنشیں سے

زاہد امید رحمت حق اور ہجو مے! — پہلے شراب پی کے گنہگار بھی تو ہو

زباں جلائی، کیے قطع ہاتھ پہنچوں سے — یہ بند و بست ہوئے ہیں مری دعا کیلیے! (...

ساقی مے دے کہ اہلِ مجلس — پانی پانی پکارتے ہیں!

سب صورتیں بدل گئیں ناگاہ، یک قلم — ناظم رہا، نہ نذر، نہ خلعت کا انتظام (...

سخت شرمائے وہ، اتنا نہ سمجھتا تھا انہیں — چھیڑنا تھا تو کوئی شکوہ بیجا کرتا

سراپا رہن عشق و ناگزیر الفت ہستی — عبادت برق کی کرتا ہوں اور افسوس حاصل کا (غالب)

...رحال چشم و دل یہ ہے — اس کو آرام اس کو خواب نہیں! (افسردہ)

...آواز پہ، ہرچند سر اڑ جائے — قاتل سے وہ لیکن یہ کہے جائے کہ "ہاں اور" (غالب)

...بدے زیر سایہ اک گھر بنا لیا ہے — یہ بندۂ کمینہ ہمسایۂ خدا ہے (غالب)

...کا قصور سہی سب بناؤ میں — کیا اس نے اس نظر کو بھی پرفن بنا دیا؟

...س کعبے کا ناظم بگر جا کر وہاں — عبرت آتی ہے، کہ کیا بتخانہ ویراں ہو گیا؟ ناظم

...مدے ناز و غمزہ، ولے گفتگو میں کام — چلتا نہیں ہے دشنۂ خنجر کہے بغیر! (غالب)

...لے جو حشر میں تو لوں زبان ناصح کی — عجیب چیز ہے یہ طولِ مدعا کیلیے (داغ)

...دیا ناچار ورنہ انساں — ہے وہ خود بیں کہ خدا کا بھی نہ قائل ہوتا

...ا کی داد، نہ جرم عدو سے بحث — کیا خوبیاں ہیں میرے تغافل شعار میں

...چشم شوق کو الزام خاک دوں — تیری نگاہ شرم سے کیا کچھ عیاں نہیں؟

...اور بزم بادہ کش ہوئے گئیں مجھے — یہ کم نگاہیاں تیری بزم شراب میں

...بزم مے سے یوں تشنہ کام آؤں — گر میں نے کی تھی توبہ ساقی کو کیا ہوا تھا (غالب)

...سے، عشوہ سے، غمزہ سے لگا لیتے ہیں — وہ جسے چاہتے ہیں اپنا بنا لیتے ہیں

...ہوں کی بھی حسرت کی ملے داد — یارب اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے! (غالب)

...س نہ انجمن آرزو سے باہر کھینچ! — اگر شراب نہیں انتظار ساغر کھینچ! (غالب)

...میں جنوں میں بلا سے ہو گھر خراب — دو گز زمیں کے بدلے بیاباں گراں نہیں غالب

...نمود اپنی دکھا وہ گھڑی میں ڈوب گیا — کہے تو میر بھی اک بلبلہ تھا پانی کا (میر)

...یا بھی میسر ہوا بچانے کو — ہمیشہ خواب ہی دیکھا کیے چھپر کھٹ کا

...ی ضعف سے لب تک دعا ہی، ورنہ سدا — در قبول تو اس آرزو میں باز رہا!

...یں نہ ہو قتل، انصاف یہ ہے — کہ ہم خود بدآموز قاتل ہوئے ہیں (ثاقب لکھنوی)

نہ ہم سمجھے نہ تم آئے کہیں سے — پسینہ پونچھیے اپنی جبیں سے (انور دہلوی)

...یں بے طاقت گفتار اور اگر ہو بھی — تو کس امید پہ کہیے کہ مدعا کیا ہے؟

...کاں میں ہے، نہ صیاد کمیں میں — گوشے میں قفس کے مجھے آرام بہت ہے (غالب)

کشتوں کا تیری چشمِ سیہ مست کے مزار | ہوگا خراب بھی تو خرابات ہوویگا!

کلیوں میں اہتزاز ہے پرواز حسن کی | سینچا تھا کس نے باغ کو مرغی کے خون سے

کون ایسا ہے جسے دست ہو دلسازی میں | شیشہ ٹوٹے تو کریں لاکھ ہنر سے پیوند (سودا)

کوئی تو بات ہنسی کی نکلے | خندۂ صبحِ قیامت ہی سہی!

کہاں وہ دل ہے، کہاں اب وہ ہمتیں دل کی | لہو رگوں میں ہے لیکن کہاں وہ باقی جوش

گلے میں طوقِ غلامی ہے زیورِ ناموس | گئے وہ دن کہ پھرا کرتے تھے علم بردوش

نہیں ہے گو "بعمل کوش" پر عمل اپنا | مگر یہ کہتا ہے فیشن کہ "ہرچہ خواہی پوش"

کہتے ہوئے ساقی سے حیا آتی ہے ورنہ | یوں ہے کہ مجھے دردِ تہہ جام بہت ہے! (غالب)

کھلے کیا دل در و دیوار کے آثار باقی ہیں | ہوا ہر چند گھر ویران صحرا پھر بھی صحرا ہے

کھو گیا دل کھو گیا، ہوتا تو کیا ہوتا امیرؔ | جانے دو اک بے وفا جاتا رہا جاتا رہا

کی ہم نفسوں نے اثرِ گریہ میں تقریر | اچھے رہے آپ اس سے مگر مجھ کو ڈبو آئے (غالب)

گالی سے کون خوش ہو مگر حسنِ اتفاق | جو تیری خو تھی، وہ ہی مرا مدعا ہوا

گلگونۂ عارض ہے، نہ ہے رنگِ حنا تو | اے خوں شدہ دل! تو تو کسی کام نہ آیا!

گلہائے رنگ رنگ سے ہے زینتِ چمن | اے ذوقؔ اس جہاں میں ہے زیب اختلاف سے (ذوق)

گو مے ہے تند و تلخ، پہ ساقی ہے دلربا | اے شیخ بن پڑے گی نہ کچھ ہاں کیے بغیر

گو وہ سنتے نہیں پر ہم تو کسی حیلے سے | ایک دو بات محبت کی سنا آتے ہیں!

لذتِ معصیتِ عشق نہ پوچھ | خلد میں بھی یہ بلا یاد آئی (غالب)

لغزش نہ ہو، بلا ہے حسینوں کا التفات | اے دل سنبھل، وہ دشمنِ جاں مہرباں ہے اب

لیجائیے دکھلانے اسے مصر کا بازار | خواہاں نہیں پر کوئی واں جنسِ گراں کا (غالب)

مجلس طرازیوں کے چکھاؤں گا سب مزے | تم اتفاق سے کہیں تنہا اگر ملے

مجھے یہ ڈر ہے دلِ زندہ! تو نہ مر جائے | کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے! (درد)

محابا کیا ہے، میں ضامن، ادھر دیکھ | شہیدانِ نگہ کا خوں بہا کیا؟ (غالب)

محرم نہیں ہے تو ہی نواہائے راز کا | یاں ورنہ جو حجاب ہے، پردہ ہے ساز کا (غالب)

ہیں یتیمانِ حسین کے ہم ادنیٰ خادم — دم گریہ تمہیں اے اہلِ عزا یاد رہے

یارانِ تیز گام نے محمل کو جا لیا — ہم محو نالۂ جرسِ کارواں رہے (حالی)

یاں سے واں، واں سے یہاں، حکم ہوا وصل کی شب — ہم اٹھاتے ہی بچھاتے رہے بستر اپنا

یاں عجز بے ریا ہے نہ واں ناز دلفریب — شکر بجا رہا گلۂ بے سبب تلک

یاں لعل فسوں ساز نے باتوں میں لگایا — دے پیچ ادھر زلف اڑا لے گئی دل کو

یہ آرزو تھی تجھے گل کے روبرو کرتے — ہم اور بلبل بیتاب گفتگو کرتے

یہ بزم مے ہے یاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی — جو بڑھ کر خود اٹھا لے ہاتھ میں مینا اسی کا ہے (شاد عظیم آبادی)

یہ کہہ کے رخنے ڈالئے ان کی نقاب میں — اچھے برے کا حال کھلے کیا حجاب میں

یہ لوگ بھی غضب ہیں کہ دل پر یہ اختیار — شب موم کر لیا، سحر آہن بنا لیا (میر)

مصرعے:

آباد ایک گھر ہے جہانِ خراب میں! (مومن)

آج ہی گھر میں بوریا نہ ہوا (غالب)

اب آنکھیں رہتی ہیں دو دو پہر بند

اب جس جگہ کہ داغ ہے یاں پہلے درد تھا (میر)

اب کے بھی دن بہار کے یوں ہی گزر گئے (میر)

اڑتی سی اک خبر تھی زبانی طیور کی (غالب)

اڑنے سے پیشتر ہی مرا رنگ زرد تھا (غالب)

اے کشتی نہیں ملتی اسے ساحل نہیں ملتا

اس گھر میں جلایا ہے چراغ آرزو برسوں (ابن انشا)

اک نگار آتشیں رخ، سر کھلا (غالب)

الٹی شکایتیں ہوئیں احسان ہو گیا

اور کھل جائیں گے دو چار ملاقاتوں میں (داغ)

اے ہم نفس، نزاکت آواز دیکھنا (مومن)

بارے ہوئی قبول بڑی التجا کے بعد

بزم میں اہلِ نظر بھی تھے تماشائی بھی (حالی)

بگڑنے میں بھی زلف اس کی بنا لی (مومن)

بہت آگے گئے، باقی جو ہیں طیار بیٹھے ہیں! (سید انشا)

تم سے جہاں میں لاکھ سہی، تم مگر کہاں (حالی)

توفیق باندازۂ ہمت ہے ازل سے (غالب)

ترا آنا نہ تھا ظالم، مگر تمہید جانے کی! (غالب)

چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی (حالی)

چلی تھی برچھی کسی پر کسی کے آن لگی (ذوق)

حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے (ذوق)

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا، جو سنا افسانہ تھا

در بار میں جو مجھ پہ چلی چشمک عوام (غالب)

دل سے دیوانے کو مت چھیڑ، یہ زنجیر نہ کھینچ! (مومن)

نیم بسمل اس نے گر چھوڑا، تو کچھ پروا نہیں — پر یہ غم ہے اعتبار دستِ قاتل اٹھ گیا

وصال پہ ہے جو وصل امتحان کر دیکھو — امیر یوں ہی سہی چند روز مر دیکھو! (امیر مینائی)

وفاداری بشرطِ استواری اصل ایماں ہے — مرے بتخانے میں تو کعبے میں گاڑو برہمن کو (غالب)

وہ حلقہ ہائے زلف، کمیں میں ہیں اے خدا! — رکھیو میرے دعویِ وارستگی کی شرم! (غالب)

وہ زمانہ کیا ہوا جب مری آہ میں اثر تھا — یہی چشم خوں فشاں تھی، یہی دل، یہی جگر تھا

وہ شیفتہ کہ دھوم تھی حضرتِ زہد کی — میں کیا کہوں کہ رات مجھے کس کے گھر ملے!! (مصطفیٰ خان شیفتہ)

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی — اب آبروئے شیوۂ اہلِ نظر گئی (غالب)

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو — بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر! (غالب)

مقصد ہے ناز و غمزہ ولے گفتگو میں کام — چلتا نہیں ہے دشنہ و خنجر کہے بغیر (غالب)

ہر داغِ معاصی مرا اس دامن تر سے — جوں حرفِ سرِ کاغذِ نم اٹھ نہیں سکتا! (ذوق)

ہستی سے عدم تک نفسِ چند کی ہے راہ — دنیا سے گزرنا سفر ایسا ہے کہاں کا (سودا)

ہستی کے مت فریب میں آ جائیو اسد — عالم تمام حلقۂ دامِ خیال ہے (غالب)

ہم بھی منہ میں زبان رکھتے ہیں — کاش پوچھو کہ مدعا کیا ہے (غالب)

ہم سا کوئی گمنام زمانے میں نہ ہوگا — گم ہو وہ نگیں جس پہ کھدے نام ہمارا (ناسخ)

ہم ہوئے تم ہوئے کہ میر ہوئے — انھیں زلفوں کے سب اسیر ہوئے (میر)

ہوتا ہے ازدہام تمنا اسی قدر — ہوتی ہے جتنی دیر کشود نقاب میں

ہوس گل کا تصور میں بھی کھٹکا نہ رہا — عجب آرام دیا بے پر و بالی نے مجھے (غالب)

ہے آج سرگزشت اپنی — کل اس کی کہانیاں بنیں گی! (امیر مینائی)

ہے اعتماد مرے بخت خفتہ پر کیا کیا — دگرنہ خواب کہاں چشم پاسباں کیلئے (مومن)

ہے ایک خلق کا خوں اشک خوں فشاں پہ مرے — سکھائی طرز لے دامن اٹھا کے آنے کی (مومن)

ہیں آج کیوں ذلیل، کہ کل تک نہ تھی پسند — گستاخیٔ فرشتہ ہماری جناب میں (غالب)

ہیں ستارے کچھ، نظر آتے ہیں کچھ — دیتے ہیں دھوکہ یہ بازیگر کھلا! (غالب)

فارسی

آسماں بار امانت نتوانست کشید | قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند (حافظ)

آسودہ باد خاطر غالب کہ خوے اوست | آمیختن بہ بادۂ صافی گلاب را ! (غالب)

آغشتہ ایم ہر سر خارے بخون دل | قانون باغبانی صحرا نوشتہ ایم ! (غالب)

آمادہ گشتہ ام دگر امشب نظارہ را | پیوند کردہ ام جگر پارہ پارہ را

آں بیع را کہ روز ازل با تو کردہ ایم | اصلا دراں حدیث اقالہ نمی رود !

آنچہ دانا کند کند ناداں | لیک بعد از خرابی بسیار

آنچہ دل از فکر آں می سوخت، بیم ہجر بود | آخر از بے مہری گردوں بہ آں ہم ساختیم (شرف جہاں)

آنانکہ غم تو برگزیدند ہمہ | در کوئے شہادت آرمیدند ہمہ !

در معرکۂ دو کون فتح از عشق است | با آنکہ سپاہ او شہیدند ہمہ !

آنکس کہ ترا بخواست جاں راچہ کند؟ | فرزند و عیال و خان و ماں راچہ کند؟

دیوانہ کنی ہر دو جہانش بخشی | دیوانۂ تو ہر دو جہاں راچہ کند؟

آنکہ او در کلبۂ احزاں پسر گم کردہ یافت | تو کہ چیزے گم نہ کردی، از کجا پیدا شود ! (نظیری)

آنکہ دائم ہوس سوختن ما می کرد | کاش می آید و از دور تماشائی کرد

آنکہ ایں نامۂ سربستہ نوشتہ است نخست | گرہے سخت بہ سر رشتۂ مضمون زدہ است ! (عرفی)

آنکہ شیراں را کند روبہ مزاج | احتیاج ست، احتیاج ست، احتیاج

آں نیست کہ صحرائے سخن جادہ ندارد | با دوں روش کج نظری راچہ کند کس؟

آں نیست کہ من ہم نفساں را بگزارم | با آبلہ پایاں چہ کنم ! قافلہ تیز است ! (عرفی)

آں نیست کہ من ہم نفساں را نشناسم | با آبلہ پایاں چہ کنم، قافلہ تیز است !

آں ہمہ شعبدہائے کہ کند دیں ایں جا | سامری پیش عصا و ید بیضا می کرد

آہ ازاں حوصلۂ تنگ و ازاں حسن بلند | کہ دلم را گلہ از حسرت دیدار تو نیست ! (عرفی)

دل کے ویرانے میں بھی ہو جائے دم بھر چاندنی (ناسخ)

دو کرونیں ہیں عالم غفلت میں خواب کی ([illegible])

دھری شراب ہے، بیٹھے ہیں جابجا ساقی!

دہن کا ذکر کیا، یاں سر ہی نایاب ہے گریباں سے! (ذوق)

ذکر حبیب کم نہیں وصل حبیب سے!

رہے نہ دل میں ہوس، آ ذرا یہ بھی کر دیکھو! ([illegible])

زنداں میں بھی خیال بیاباں نورد تھا (غالب)

ساغر کو مرے ہاتھ سے لیجو کہ چلا میں! (میر درد)

سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے

سرگشتۂ خمار رسوم و قیود تھا (غالب)

شرب الیہود کرتے ہیں نصرانیوں میں ہم! (ذوق)

صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کیلیے (غالب)

عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

فقیرانہ آئے صدا کر چلے! (میر)

کرتے ہیں بھرنے کو یاں خالی تفنگ

کس کس کی مہر ہے سر محضر لگی ہوئی؟ ([illegible])

کہ گر نہ ہو تو کہاں جائیں، ہو تو کیوں کر ہو؟ (غالب)

کیسے کچھ بزم کے بھی ہمت ہو گی؟

کہ مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ (غالب)

کیا خوبیاں ہیں میر تغافل شعار میں!

کیا شکوہ تم سے، رو لیے اپنے نصیب کو!

گزر چکی ہے یہ فصل بہار ہم پر بھی! ([illegible])

گویا نہ وہ زمیں ہے، نہ وہ آسماں ہے اب! ([illegible])

گیا ہے سانپ نکل اب لکیر پیٹا کر

لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں! (غالب)

لیے بیٹھا ہے اک دو چار جام واژگوں وہ بھی! (غالب)

مجموعہ خیال ابھی فرد فرد تھا (غالب)

مقام اس برزخ کبریٰ میں تھا حرف مشدد کا!

مگر ستم زدہ ہوں ذوق خامہ فرسا کا (غالب)

منہ پھیر کر ادھر کو، ادھر کو بڑھا کے ہاتھ (نظیر)

میاں، خوش رہو، ہم دعا کر چلے! (میر)

میسر دونوں ہاتھ نکلے کام کے! (داغ)

نام اس کا آسماں ٹھہرا لیا تحریر میں! ([illegible])

نسیم صبح، تیری مہربانی! ([illegible])

نسیم صبح جو چھو جائے، رنگ ہو میلا! (انشا)

نکل گیا ہے وہ کوسوں دیار حرماں سے (مصحفی)

نگاہ لطف کے امیدوار ہم بھی ہیں (امیر مینائی)

نوحۂ غم ہی سہی، نغمۂ شادی نہ سہی (غالب)

نے وہ سرور و شوق، نہ جوش و خروش ہے! (غالب)

وہ رہزن اور پھر لیے کیسے!

ہائے کمبخت تو نے پی ہی نہیں! (داغ)

ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں؟ (حالی)

ہمارا بھی تو آخر زور چلتا ہے گریباں پر! (غالب)

ہیں خواب میں ہنوز جو جاگے ہیں خواب میں! (غالب)

ہیں یہی کہنے کو وہ بھی، اور کیا کہنے کو ہیں؟

یہ بعد از انفصال اب اور ہی جھگڑا نکل آیا (مومن)

مصرع اول	مصرع دوم	شاعر
از یک حدیثِ لطف کہ آں ہم دروغ بود	امشب ز دفترِ گلہ صد باب شستہ ایم	(نظیری)
ازیں فزوں نتوانی بمن جفا، ورنہ	تو آں نئی کہ جفائے توانی و نکنی	
اسباب طرب ابر از مجلس بیروں	زاں پیش کہ ناگاہ ثقیلے رسد از در	(قاآنی)
اسرار ازل را نہ تو دانی و نہ من	ویں حرف معمہ نہ تو خوانی و نہ من!	(خیام)
اعتدال معانی از من پرس	کہ مزاج سخن شناختہ ام	(فیضی)
افسوس کہ یاراں ہمہ از دست شدند	در پائے اجل یگاں یگاں پست شدند	
…وں ہجوم کار بود مانع وصال	گل پر شد آں چناں کہ در بوستاں گرفت!	
اگر بمرد عدو جائے شادمانی نیست	کہ زندگانی ما نیز جاودانی نیست	(سعدی)
اگر بہ ناز براند مرو کہ آخر کار	بصد نیاز بخواند ترا و ناز کنی!	
…اغ دریں شبستاں خمار شرم عدم نہ گیرد	ز چشمک قطرہ جام گیرم بہ آں شکوہے کہ جم نہ گیرد!	(بیدل)
اگر شراب خوری جرعہ فشاں بر خاک	ازاں گناہ کہ نفعے رسد بغیر چہ باک!	(حافظ)
اگر فردوس بر روئے زمین است	ہمیں است و ہمیں است و ہمین است	
اگر نہ بہر من از بہر خود عزیزم دار	کہ بندہ خوبی او خوبی خداوند است	
امروز نہ شاعرم، حکیم	دانندۂ حادث و قدیم	(فیضی)
ہر موئے زمن تمام گوش ست	خاموشی من بصد خروش است	
ایں بادہ کہ جوشد از ایاغم	خونے ست چکیدہ از دماغم	
…مید صلح ازاں با شکیب ایوب ست	کہ دشمن آتش انگیز و دوست محبوب ست	
امید کہ چوں بندہ تنگ مایہ نباشی	مے خوردن ہر روزہ ز عادات کرام ست	(غالب)
امید ہست کہ بیگانگی عرفی را	بہ دوستی سخنہائے آشنا بخشند!	
اندکے پیش تو گفتم غم دل، ترسیدم	کہ تو آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار ست	
…ذکہ اے نالہ امشب بے اثر می بینمت	آنکہ ہر شب می شنید از من مگر بیدار نیست	
انکار مئ خلق باش، تصدیق اینست	مشغول بہ خویش باش توفیق اینست	رباعی (بیدل)
تبعیت خلق از حقت باطل کرد	ترک تقلید گیر، تحقیق اینست	

آہ ایں چہ دوستی ست کہ سرہائے یک دگر
خویشاں برید و بر رہِ قاتل نہادہ اند

آئندہ و گذشتہ تمنا و حسرت ست
یک کاشکے بود کہ بصد جا نوشتہ ایم

آئینہ ما رُوئے ترا عکس پذیر ست
گر تو نہ نمائی گنہ از جانب ما نیست (مظہر جانجاناں)

آئینہ نقش بند طلسم خیال نیست
تصویر خود بلوحِ دگر می کشیم ما! (بیدل)

احرام عہد روز ازل کعبہ کوئے دوست
جز راہ عشق ہر کہ رود در خطا رود

احوال ما ز حوصلۂ نامہ بیش بود
لختے ز حال خویش بسیما نوشتہ ایم!

ازاں بدرد دگرھے کہ زماں گرفتارم
کہ شیوہ ہائے ترا با ہم آشنائی نیست

ازاں بدیر مغانم عزیز می دارند
کہ آتشے کہ نمیرد، ہمیشہ در دل ماست (حافظ)

ازاں سلب تو ہر دم تفاوتی دارد
کہ قد سرو نہ بینی و سایہ پیمائی

ازاں کہ پیرویِ خلق گمرہی آرد
نمی رویم بہ راہے کہ کارواں رفتہ است (راقم مشہدی)

از بہر چہ گویم "ہست" از خود خبرم چوں نیست
وز بہر چہ گویم "نیست" با او نظرے چوں ہست!

از حق ایں چہ سوال ست کہ معشوق تو کیست؟
ایں سخن را چہ جواب ست، تو ہم میدانی!

از حضرت شہنشہ خاطر نشان من بود
در رمز مدح سنجی صد گونہ کامرانی

از رد و ہم قبول تو فارغ نشستہ ایم
اے آنکہ خوب ما نشناسی ز زشت ما!

از ساز برگ قافلۂ بے خوداں مپرس
بے نالہ می رود جرسِ کاروانِ ما! (بیدل)

از صد سخن پیرم یک حرف مرا یاد ست
"عالم نہ شود ویراں تا میکدہ آباد است"! (دیوانِ حافظ)

از فرش خانہ تا بہ لب بام ازان من
وز صحن خانہ تا بہ ثریا ازان تو!

از ما بحلے یک مباد ایں ہمہ بیداد
در حوصلۂ مسلم خداوند نگنجد

از ما مپرس درد دل ما، کہ یک زماں
خود را بحیلہ پیش تو خاموش کردہ ایم ([illegible])

از مکافات عمل غافل مشو
گندم از گندم بروید جو ز جو

از منطق و حکمت نہ کشاید در معشوق
ایں ہا ہمہ آرائش افسانۂ عشق ست!

از نالہ ام مرنج کہ آخر شد ست کار
شمع خموشم و ز سرم دود می رود!

از نگہ چشم تہی گشت و تماشا ماندہ ست
در زباں حرف نماندہ ست و سخنہا ماندہ ست! (ظہوری)

ے کرمی گوئی، چراجامے بجانے می خری؟ — ایں سخن با ساقی ما گو کہ ارزاں کردہ است! (خاقانی)

اے متاع درد در بازار جاں انداختہ! — گوہر ہر سود در جیب زیاں انداختہ!

اے محمد گر قیامت سر بروں آری زخاک — سر برآور دیں قیامت درمیان خلق بیں

خون خلقے بے گناہے بحریم مسجدت — زآستاں بگذشتہ دارا خون دل از آستیں

پیروان دین حق را خوں بخاک آغشتہ شد — از پئے خاکے کہ ہر مسلم بروسائد جبیں

اے معتکف زاویۂ ندوہ کجائی — از پردہ بروں آی کہ ما محرم رازیم

اے ہم نفسان محفل ما — رفتید ولے نہ از دل ما

با چوں توئی معاملہ برخویش منت است — از شکوۂ تو شکر گزار خودیم ما! (غالب)

بادۂ آں درخور ہر ہوش نیست — حلقۂ آں سخرۂ ہر گوش نیست! (درد)

بادہ در جوش ست یاراں منتظر — ساقیا خذ ما صفا دع ما کدر

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست — در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس! (سعدی)

با رفیقاں زخود رفتہ سفر دست نہ داد — سیر صحرائے جنوں حیف کہ تنہا کردیم! (عبدالرؤف [illegible])

باز آ باز آ! ہر آنچہ ہستی باز آ! — گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ!

ایں درگہ ما درگہ نومیدی نیست — صد بار اگر توبہ شکستی باز آ! ([illegible])

باز اے دل بار کہ باشی کہ با ما نیستی! — در کجائی، چند روزے شد کہ پیدا نیستی!

باز نوائے بلبلاں عشق تو یاد می دہد — ہر کہ بعشق نیست خوش عمر بباد می دہد!

بازم از نو خم ابروئے کسے در نظر ست — سلخ ماہ دگر و غرۂ ماہ دگر ست!!

بازم بہ کلبہ کیست، نہ شمع و نہ آفتاب — بام و درم ز ذرہ و پروانہ پر شدہ ست! (ظہوری)

باشد کہ دریں میکدہ دریابیم — آں نور کہ در صومعہا گم کردیم

با گنہ گاراں بگویم تا نیندازند دل — من وفائے دوست را در بے وفائی یافتم!

بال بکشا و صفیر از شجر طوبی زن! — حیف باشد چوں تو مرغے کہ اسیر قفسے! (حافظ)

بالا بلند سرو قد خوش خرام من — کوتاہ کرد قصۂ عمر دراز من!

بالتفات نگارم چہ جائے تہنیت ست؟ — دعا کنید کہ نوعے ز امتحان نبود

او در وداع من بجزع، گریۂ وبہار — بطلے سہ چار ماندہ، و روزے سہ چار خوش! (نظامی)

رباعی

ایں جملہ کتابہا کہ در بر داری — سودے نہ کند چو نفس کافر داری
سر را بہ زمیں بہی تو در وقت نماز — آں را بہ زمیں بنہ، کہ در سر داری!

ایں دلیل از جبر می آورد او از اختیار — ایں سخن ہم درمیان ماندہ ست امر بین بین

ایں رسم و راہ تازہ ز حرمان عہد ماست — عنقا بروزگار کسے نامہ بر نبود (نظامی)

ایں رہ منزل قدس است میندیش و بیا — میل ازیں راہ خطا باشد ہمیں تا نکنی

ایں سخن را چوں تو مبدأ بودۂ — گر بیفزاید تو اش افزودۂ

ایں کلام صوفیاں شوم نیست — مثنوی مولوی روم نیست

رباعی

ایں کوزہ چو من عاشق زارے بودست — در بند سرے زلف نگارے بودست
ایں دستہ کہ بر گردن وے می بینی — دستیست کہ در گردن یارے بودست!

ایکہ ہرگز فرامشت نہ کنم — ہیچت از بندہ یاد می آید؟

اے بروں از وہم و قال و قیل من — خاک بر فرق من و تمثیل من (ایضاً)

قطعہ

اے تیر غمت را دل عشاق نشانہ — خلقے بتو مشغول و تو غائب زمیانہ
گہ معتکف دیرم و گہ ساکن کعبہ — یعنی کہ ترا می طلبم خانہ بخانہ! (جامی)

اے خوش آں عاشق سرمست کہ برپائے حبیب — سر و دستار نہ داند کہ کدام اندازد

اے غائب از نظر کہ شدی ہمنشین دل — می بینمت عیاں و دعا می فرستمت (حافظ)

ایکاش بدے بجائے یک جاں صد جاں — تا یک یک ازاں دگر بمیرم

اے کہ بودی افتخار دین و دنیا پیش ازیں — داستانت یاد دارد ہم زمان و ہم زمین

اے کہ اندر چشمۂ شور ست جات — تو چہ دانی شط و جیحون و فرات؟

چوں تو ہم میکنی تو نور ذات — ذات نبود، وصف اسما و صفات

چوں قدم آمد، حدث گردد عبث — پس کجا داند قدیمی را حدث؟

وہم مخلوق ست و مولود آمد ست — حق نزائیدست او لم یولد ست!

برو ایں دام بر مرغ دگر نہ | کہ عنقا را بلند است آشیانہ! (حافظ)

بزیر شاخ گل افعی گزیدہ بلبل را | نوا گران نخوردہ گزند را چہ خبر؟

بس کافر است زاہد از برہمن و لیکن | او را بت است در سر در آستیں ندارد

اطاعت کوش گر عشق بلا انگیز می خواہی | متاع جمع کن، شاید کہ غارت گر شود پیدا!

بغیر دل ہمہ نقش و نگار بے معنی ست | ہمیں ورق کہ سیہ گشت، مدعا اینجاست! (نظیری)

گر ز مسیح از سر ما کشتگانِ عشق | یک زندہ کردنِ تو بہ صد خوں برابر است (شرف جہاں قزوینی)

بگو حدیث وفا، از تو باور است، بگو | شوم فدائے دروغے کہ راست مانند است (ظہوری)

ائے ہجر دارد انتظار پیر کنعانی | کسے داند کہ چوں یوسف عزیزے در سفر دارد!

بلبل بہ شاخ سرو بہ گلبانگ پہلوی | می خواند دوش درس مقامات معنوی (حافظ)

یعنی بیا، کہ آتش موسیٰ نمود گل | تا از درخت نکتۂ تحقیق بشنوی

بلوح تربت پروانہ ایں رقم دیدم | کہ آتشے کہ مرا سوخت، خویش را ہم سوخت

بمزاحت نگفتم ایں گفتار | ہزل بگذار و جد ازو بردار!

بملک ہستی ما رو نہادہ سلطانے | کہ ما بہ صلح دہیم، او بہ جنگ می طلبد!

بندگانِ تو کہ در عشق خداوندانند | دو جہاں را بہ تمنائے تو بفروختہ اند! (عرفی)

بندۂ را کہ بفرمان خدا راہ رود | نگزارند کہ در بند زلیخا ماند

بنشیں در دل ویرانہ ام اے گنج مراد! | کہ من ایں خانہ بسودائے تو ویراں کردم

بنوش می چو سبک روح ہے حریف مدام | علی الخصوص دریں دم کہ سرگراں داری (حافظ)

بودند تنک شراب در مجلس عمر | یک لحظہ زما پیشترک مست شدند

بوئے آں دود کہ امسال بہ ہمسایہ رسید | ز آتشے بود کہ در خانۂ من پار گرفت! (وحید اصفہانی)

بہ بدمستی سزد گر متہم سازد مرا ساقی | ہنوز از بادۂ دوشینہ ام پیمانہ بو دارد! (نظیری)

بحسن خلق تواں کرد صید اہل نظر | بہ دام و دانہ نگیرند مرغ دانا را

بہ تبسم، بہ خموشی، بہ تکلم، بہ نگاہ، | می تواں برد بہر شیوہ دل آساں از من!

بہ خنجر زمیں را میستاں کنم | بہ نیزہ ہوا را نیستاں کنم! (فردوسی)

بامن آویزش او الفت موج ست و کنار
دمبدم با من و ہر لحظہ گریزاں از من! (حلیم)

بانگ قلم دریں شب تار
بس معنی خفتہ کردہ بیدار

می ریخت ز سحر کاری ژرف
از صبح ستارۂ زمن حرف

ہر نغمہ کہ بستہ ام بریں تار
ناقوس نہفتہ ام بہ زنار

ایں گل کہ بہ بوستاں نثاری ست
از من بہ بہار یادگاری ست

بایں کہ کعبہ نمایاں شود ز پا منشیں
کہ نیم گام جدائی ہزار فرسنگ است!

بجز از زندگی قامت موزون نازم
یک قبا نیست کہ شائستہ اندام تو نیست (ظہوری)

بجان و دل، اگر ہست میل نعمت
مئے مغانہ سبیل و در مغاں باز ست

بجرم عشق اگر کشتی مرا ممنون احسانم
گناہ زاہد بے درد یارب چیست حیرانم (حزیں)

بجرم عشق توام می کشند غوغائیست
تو نیز بر سر بام آکہ خوش تماشائیست!

بجز متاع تجرد بہ بار خویش مبند
بہ ہر سفر کہ روی شرمسار رہزن باش

بحث و جدل بجاے ماں، میکدہ جوے کاندراں
کس نفس از جدل نزد، کس سخن از فدک نخواست

بخرام سوے کلبۂ احزان من شبے
تا بنگری کہ عشق تو با ما چہ میکند؟

بدم گفتی و خرسندم عفاک اللہ نکو گفتی
جواب تلخ می زیبد لب لعل شکر خارا (حافظ)

بدہ بشارت طوبیٰ کہ مرغ ہمت ما
براں درخت نشیند کہ بے ثمر باشد

بدیدار تو دل شادند باہم دوستان تو
ترا ہم شادماں خواہم چو روے دوستاں بینی! (عرفی)

برآرم دیار از ہمہ لشکرش
بہ آتش بسوزم ہمہ کشورش! (فردوسی)

براہل ذوق در فیض در نمی بندد
نوائے بلبل اگر نیست صوت زاغ شنو!

بر چہرۂ حقیقت اگر ماند پردۂ
جرم نگاہ دیدۂ صورت پرست ماست! (ظہوری)

بر زمین نارسیدہ می پرسد:
خانۂ انوری کجا باشد؟ (انوری)

بر سر تربت من چوں گذری، ہمت خواہ
کہ زیارت گہ مرداں جہاں خواہد بود (حافظ)

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقی دفتریست معرفت کردگار (سعدی)

پایم به پیش از سر ایں کو نمی رود — یاراں خبر دهید که ایں جلوه گاه کیست؟ (نظیری)

پس از سی سال ایں معنی محقق شد بخاقانی — که بورانیست باذنجان و باذنجان بورانی

پری نهفته رخ و دیو در کرشمه و ناز — بسوخت عقل ز حیرت که ایں چه بوالعجبی ست (حافظ)

…خ روزے که دریں مرحله مهلت داریم — خوش بیاسائے زمانے که زماں ایں همه نیست (حافظ)

پهلو به شگافید و به بینید دلم را — تا چند بگویم که چناں ست چناں نیست!

پے نافه هائے خجسته بو، مپسند زحمت جستجو — بخیالِ حلقهٔ زلف او، گرہے خورو به ختن درآ (بیدل)

پیر ما گفت خطا در قلم صنع نرفت — آفریں بر نظر پاک و خطا پوشش باد! (حافظ)

پیکاں ترا بجاں خریدار — من مرهم دیگراں نخواهم

تا بغایت ما هنر پنداشتیم — عاشقی هم ننگ و عارے بوده است! (حسنی ناعم)

تا تازه و تر زنم رقم را! — در باده کشیده ام قلم را! (عرفی)

تا تو بیدار شوی، ناله کشیدم ورنه — عشق کاریست که بے آه و فغاں نیز کنند (اقبال)

تاثیر آه و ناله مسلم، ولے مترس — ما را هنوز عربده با خویشتن بس ست

تا دست رسم بود زدم چاک گریباں — شرمندگی از خرقهٔ پشمینه ندارم (حزیں)

تا فصلے از حقیقت اشیا نوشته ایم — آفاق را مرادفِ عنقا نوشته ایم! (غالب)

تا کے چو موج بحر بهر سو شتافتن — در عین بحر پائے چو گرداب بند کن! (نظیری)

تا منفعل ز رنجش بیجانه بینمش — می آرم اعترافِ گناه نبوده را

تا نهال آرزوکے بر دهد — حالیا رفتیم و تخمے کاشتیم

تحقیق ز حال ما ز نگی می تواں نمود — لختے ز حال خویش بسیما نوشته ایم

ترا ز کنگرهٔ عرش می زنند صفیر — ندانمت که دریں دامگه چه افتاد ست (حافظ)

ترا نواله دمادم ز خوان "یطعمنی" — ترا پیاله مدام از شراب "یسقینی"

مرا تو قبله دینی، ازاں سبب گفتم — بمردماں که "لکم دینکم ولی دینی"

…ک جاں در ره آں سرو رواں ایں همه نیست — عشق اگر نرخ نهد، قیمت جاں ایں همه نیست

ترک جان و ترک مال و ترک سر — در طریق عشق اول منزل است

بہ درد و صاف ترا حکم نیست، دم درکش — کہ ہر چہ ساقیِ ما ریخت عین الطاف ست

بہ رمز نکتہ ادائی کنم، کہ خلوتیاں — سرِ سبو بکشادند و در فرو بستند!

بہ ہر کجا ناز سر بر آرد، نیاز ہم پائے کم ندارد — تو و خرامے و صد تغافل، من و نگاہے و صد تمنا!

بہر کس شیوۂ خاصی در ایثار ست ارزانی — ز من مدح و ز لار ڈ ایلن برا گنجینہ افشانی

بہ فسانۂ ہوس طرب، ہتی از خودیم و پر از طلب — چہ دمد ز صنعت صفرئے بجز ایں کہ نالہ فزوں کند

بہ کیش صدق و صفا حرفِ عہد بیکار ست — نگاہ اہل محبت تمام سوگند ست!

بہ نازکی نہ بری پے بہ منزلِ مقصود — مگر طریق رہش از سرِ نیاز کنی!

بہ نا گرفتہ چناں مرحے وزید بدم — کزاں بر آئینہ آسماں غبار آمد

بہ وحشت تارسم، صد بار بر خاک انگنہ شوقم — کہ نو پروازم و شاخِ بلندے آشیاں دارم (ظہوری)

بہر تو شنیدہ ام سخن ہا — شاید کہ تو ہم شنیدہ باشی

بہ یک تاختن تا کجا تاختم — چہ گردن کشاں را سر انداختم!

بیا تا گل بر افشانیم و می در ساغر اندازیم — فلک را سقف بشگافیم و طرح نو در اندازیم! (حافظ)

چو در دست ست رودے خوش بزن مطرب سرودے خوش — کہ دست افشاں غزل خوانیم و پا کوباں سر اندازیم! (حافظ)

بیا کہ رونق ایں کارخانہ کم نشود — ز زہد ہم چو توئی یا بہ فسق ہمچو منی (حافظ)

بیدا ہے میان دو خواب ست زندگی! — گرد تخیل دو سراب ست زندگی! (بیدل)

از لطمۂ دو موج حبابے دمیدہ ست — یعنی طلسم نقش بر آب ست زندگی! (بیدل)

بیا کہ مسئلۂ عشق ازاں دقیق تر ست — کہ حل شود ز شرف از فکرِ باطل ہمہ کس

بے پردہ تاب محرمیِ راز ما مجوے — خوں گشتن دل از مژہ و آستیں شناس

بے خار گل نباشد و بے نیش نوش ہم — تدبیر چیست؟ وضع جہاں ایں چنیں فتاد (حافظ)

پُر کن ز بادہ جام دمادم بگوشِ ہوش — بشنو از و حکایتِ جمشید و کیقباد (حافظ)

بیفشاں جرعۂ بر خاک حالِ اہلِ شوکت بیں — کہ از جمشید و کیخسرو ہزاراں داستاں دارد! (حافظ)

پائے استدلالیاں چوبیں بود — پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

جمال حال شود ترجمان استغراق / دلیل آب جگر تفتگی و تشنہ لبی ست!

جمال صورت اگر واژگوں کنم بینند / کہ خرقہ پشمینی طلا رموافست

جمال کعبہ مگر عذر رہرواں خواہد / کہ جان خستہ دلاں سوخت در بیابانش

جمال ہمنشیں در من اثر کرد / وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

جوہر طینت آدم ز خمیرِ دگر ست / تو توقع ز گل کوزہ گراں می داری (حافظ)

جوہر نشیں من در تہِ زنگار بماند / آں کہ آئینۂ من ساخت نہ پرداخت دریغ!

تو نظیری ز فلک آمدہ بودی چو مسیح / باز پس رفتی و کس قدر تو نشناخت دریغ!

اگر اینست، و ابرو ایں، و ناز و عشوہ ایں / الفراق اے ہوش و تقویٰ! الوداع اے عقل و دیں!

چشم دارم از مسلمانانِ ہند / عاطفت بر حالِ ما بیچارگان

چشم و گوش دست و پایم او گرفت / من بدر رفتم سرایم او گرفت!

چل سال رنج و غصہ کشیدیم و عاقبت / تدبیرِ ما بہ دستِ شراب دو سالہ بود! (حافظ)

چناں افیون ساقی در مے افگند / حریفاں را نہ سر ماند و نہ دستار (حافظ)

چناں قحط سالے شد اندر دمشق / کہ یاراں فراموش کردند عشق (سعدی)

چنداں کہ دست و پا زدم آشفتہ تر شدم / ساکن شدم میانۂ دریا کنار شد! (عرفی)

چو بشنوی سخن اہلِ دل مگو کہ خطا ست / سخن شناس نہ ٔ دلبرا خطا اینجاست! (حافظ)

چو تخم اشک بہ کلفت سرشتہ اند مرا / بہ نا امیدی جاوید کشتہ اند مرا

ز آب بے اثرم داغ خامکاری خویش / ز آتشے کہ ندارم، برشتہ اند مرا (بیدل)

چو سقف خانہ ہوا دار یک مقام مشو / گہے سحاب چمن، گاہ دود گلخن باش

چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم / نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم (عرفی)

چو مہمان خراباتی بعشرت باش باِرنداں / کہ دردسر کشی جاناں، گر ایں مستی خمار آرد (حافظ)

چو می بینم کسے از کوئے او دل شاد می آید / فریبے کز وے اول خوردہ بودم یاد می آید

چوں دستِ ما بہ دامنِ وصلش نمی رسید / پائے طلب شکستہ بداماں نشستہ ایم (ذوالفنون)

تفاوت است میان شنیدن من و تو — تو بستن در و من فتح باب می‌شنوم!

تلقین درس اہل نظر یک اشارت است — کردم اشارتے و مکرر نمی‌کنم! (حافظ)

تمیز نیک و بد روزگار کار تو نیست — چو چشم آئینہ در خوب و زشت حیراں باش! (صائب)

تو ز لالہ چناں بر فروخت باد بہار — کہ غنچہ غرق عرق گشت و گل بجوش آمد! (حافظ)

تو بخویشتن چہ کردی کہ بما کنی نظیری — بخدا کہ واجب آمد ز تو احتراز کردن

تو شبانہ می‌نمائی، بہ بر کہ بودی امشب؟ — کہ ہنوز چشم مستت اثر خمار دارد

تو طریق صلوٰۃ کے دانی — گر نہ خوانی خلاصۂ کیدانی

تو فتنۂ زمانہ شدی ورنہ روزگار — بوداست پیش ازیں قدرے آرمیدہ تو!

تو گل از باغ می‌خواہی من از گل باغ می‌جویم — من از آتش دخاں بینم تو آتش از دخاں بینی

تو مپندار کہ ایں زمزمہ بے چیزے ہست! — گوش نزدیک لبم آر کہ آوازے ہست! (نظیری)

تو نخل خوش ثمر کیستی؟ کہ باغ و چمن — ہمہ ز خویش بریدہ و در تو پیوستند!

تو نخل میوہ فشاں باش در حدیقۂ دہر — کہ ہر درخت قوی خشک شد کہ بشکستند

تو نظر باز نۂ، ورنہ تغافل نگہ است — تو زباں فہم نۂ، ورنہ خموشی سخن است! (طالب آملی)

تو نیز بادہ بچنگ آر و راہِ صحرا گیر — کہ مرغ نغمہ سرا ساز خوش نوا آورد! (حافظ)

تو و طوبیٰ و ما و قامت دوست — فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

تو و طوبیٰ و ما و قامت یار — فکر ہر کس بقدر ہمت اوست! (حافظ)

تو ہم شب را بسر کی بری اے شمع کم فرصت! — گرفتم سرخوشی پروانہ آتش بجانی را!

جاں بجاناں دہ، وگرنہ از تو بستاند اجل — خود تو منصف باش اے دل ایں بکن یا آں بکن!

جاں ز تن بردی و در جانی ہنوز — دردہا دادی و درمانی ہنوز

جرم منست پیش تو گر قدر من کم ست — خود کردہ ام پسند خریدار خویش را

جز سجدہ متاع دگر از کس نہ پذیرفت — خاکے کہ ز نقش قدم او اثرے داشت!

جز محبت ہر چہ بردم، سود در محشر نداشت — دین و دانش عرض کردم کس بچیزے برنداشت (نظیری)

جلوۂ کارواں ما نیست بہ نالۂ جرس — عشق تو راہ می‌برد، شوق تو زاد می‌دہد (فیضی)

حریفان رہ دیر کردند گم — فویلٌ لہم ثم ویلٌ لہم!!

حسد تہمت آزادی سروم بگداخت — کیں مرادیست کہ بر تہمت آں حسد ست (طالب)

حسن ز بصرہ، بلال از حبش، صہیب از روم — ز خاکِ مکہ ابوجہل، ایں چہ بوالعجبی ست! (حافظ)

حور و جنت جلوہ بر زاہد دہد در راہ دوست — اندک اندک عشق در کار آورد بیگانہ را! (نظیری)

خارہا از اثر گرمیٔ رفتارم سوخت — منتے بر قدم راہروانِ ست مرا! (غالب)

خاک کویش خود پسند افتاد در جذب سجود — سجدہ از بہر حرم نگذاشت در سیمائے من! (غالب)

خاموشی ما گشت بد آموز بتاں را — ورنہ اثرے بود ازیں پیش فغاں را

خانۂ شرع خرابست، کہ اربابِ صلاح — در عمارت گریٔ گنبد دستار خودند

خدا گواہ کہ گر جرم ما ہمیں عشق ست — گناہ گبر و مسلماں بجرم ما بخشند! (عرفی)

خدائے شیوۂ رحمت کہ در لباس بہار — بعذر خواہیٔ رندان بادہ نوش آمد!

خشک سالیست دریں عہد، فرارائے اشک — زاں دیار کہ تو می آئی، یاراں چونست؟

خلاف رسم دریں عہد فرق عادتہا ست — کہ کارہائے چنیں از شمار بوالعجبی ست!

خلق را بیدار باید بود ز آب چشم من — ویں عجب کاں دم کہ می گریم کسے بیدار نیست (سعدی)

خلقے نشان دوست طلب می کنند و باز — از دوست غافل اند بہ چندیں نشاں کہ ہست! (اوحدی)

خمار ماند در توبہ، و دلِ ساقی، — بہ یک تبسم مینا شکست و بست و کشاد!

خمیازہ سنج تہمت عیش رمیدہ ایم — ے آں قدر نہ بود کہ رنج خمار برد!

خواہی کہ عیب ہائے تو روشن شود ترا — یک دم منافقانہ نشین در کمین خویش (عرفی)

خوبی ہمیں کرشمہ و ناز و خرام نیست — بسیار شیوہ ہاست بتاں را کہ نام نیست (صائب)

خورشیدِ مے ز مشرقِ ساغر طلوع کرد — گر برگ عیش می طلبی ترک خواب کن! (حافظ)

خوشتر از فکر مئے و جام چہ خواہد بودن — تا بہ بینیم سر انجام چہ خواہد بودن! (حافظ)

خوش زمزمۂ گوشۂ تنہائی خویشم — از جوش و خروشِ گل و بلبل خرم نیست!

خوش دلکش ست قصۂ خوبان روزگار — تو یوسفی و قصۂ تو احسن القصص (جامی)

خوشست کوثر و پاک ست بادۂ کہ در وست — ازاں رحیق مقدس دریں خمار چہ حظ؟

چوں دمبدم عنایت توفیق ممکن ست   در تنگ نائے نزع نہ کوشد کسے چرا؟

چوں شتر مرغ بداں ایں نفس را   می کشد بار و نہ پرد بر ہوا

گر بپر گوئیش، گوید اشترم   ور نہی بارش، بگوید طائرم

چہ بودے از بدل ایں درد ہم نہاں بودے   کہ کارے من نہ چنیں بودے از چناں بودے

چہ عظمت دادۂ یارب بخلق آں عظیم الشاں   کہ "انی عبدہ" گوید بجائے قول "سبحانی"

چہ گویمت کہ بہ میخانہ دوش مست خراب   سروش عالم غیبم چہ مژدہ ہا دادست (حافظ)

چہ لازم ست کہ بدنام قتل ما باشی؟   ستارۂ و فلک و بخت و روزگارے ہست!

چہ لطف ہا کہ دریں شیوۂ نہانی نیست   عنایتے کہ تو داری بمن، بیانی نیست (وحشی بافقی)

چہ مبارک سحرے بود و چہ فرخندہ شبے!   آں شب قدر کہ ایں تازہ براتم دادند!

چہ مستی ست، نہ دانم، کہ رو بہ ما آورد   کہ بود ساقی و ایں بادہ از کجا آورد؟ (حافظ)

چیں بر جبیں ز جنبش ہر خس نمی رسد   دریا دلاں چو موج گر آرمیدہ اند!

حاجی بہ رہ کعبہ رواں کیں رہ دین ست   خوش می رود، اما رہ مقصود نہ اینست

حاصل کار گہ کون و مکاں ایں ہمہ نیست   بادہ پیش آر، کہ اسباب جہاں ایں ہمہ نیست (حافظ)

حافظ دگر چہ می طلبی از نعیم دہر؟   مے می خوری و طرۂ دلدار می کشی! (حافظ)

حافظ صبور باش کہ در راہ عاشقی   ہر کس کہ جاں نداد بجاناں نمی رسد (حافظ)

حدیث عشق چہ داند کسے کہ در ہمہ عمر   بسر نہ کوفتہ باشد در سرائے را! (سعدی)

حدیث چون و چرا درد سر دہد ساقی   پیالہ گیر و بیاسا ز عمر خویش دمے

حدیث دوست بگوشم رسد ز پردۂ دل   حکایت نے و صوت رباب را چہ کنم

حدیث عشق و مستی زمن بشنو، نہ از واعظ   کہ با جام و سبو ہر شب قرین ماہ و پروینم! (حافظ)

حرم جویاں درے را می پرستند   فقیہاں دفترے را می پرستند!

برافگن پردہ تا معلوم گردد   کہ یاراں دیگرے را می پرستند!

حریف ساقی و دردی نمی نشاط اینجاست   تمیز ناخوش و خوش می کنی بلا اینجاست (نظیری)

حریف کاوش مژگاں خونریزش نہ، ناصح   بدست آور رگ جانے و نشتر را تماشا کن! (غالب)

در سجده که تن نه ز سر می شود جدا — در کشور وفا گنهش نام کرده اند
یارب ز سیل حادثهٔ طوفاں رسیده باد — بت خانه که خانقهش نام کرده اند
درس وفا اگر بود زمزمهٔ محبتی — جمعه به مکتب آورد طفل گریزپای را (نظیری)
در کار ماست ناله و ما در ہوائے او — پروانۂ چراغ مزار خودیم ما
در کوئے ما شکسته دلی می خرند و بس — بازار خود فروشی ازاں سوئے دیگر ست! (حافظ)
درماندهٔ صلاح و فسادیم، الحذر — زیں رسم ہا که مردم عاقل نہاده اند! (فغانی)
در مجلس ما زاہدا زنہار تکلف نیست — البته تو می گنجی، عمامه نمی گنجد!
در مجلس وصالش غمہا کشیدہ مرداں — چوں دور خسرو آمد، مے در سبو نماندہ
در مذہب کس را نه رسد دعوی توحید — منزل گه مردان موحد سر دار ست
در وقت فتنه بودم غمگیں، بود با من — زاری و بے نوائی، پیری و ناتوانی
حاشا که بوده باشم "باغی" آشکارا — حاشا که کرده باشم ترک وفا نہانی

درون حلقۂ خود ہر گدا شہنشاہ ست — قدم بروں منه از حد خویش و سلطان باش
در ہیچ پرده نیست نه باشد نوائے تو — عالم پر ست از تو و خالیست جائے تو (صائب)
در ہیچ نسخه معنی لفظ امید نیست — فرہنگ نامہ ہائے تمنا نوشته ایم
دریں تعلیم شد عمر و ہنوز ابجد ہمی خوانم — نه دانم کے سبق آموخته ام شد به دیوانش! (خاقانی)
دریں جگر گسل آشوب کز صعوبت آں — سپاہدار سپہرے به زینہار آمد
گوارہ دعوی غالب بغزمندے گہنی — ہمیں بس ست که ہرگز نه رستگار آمد

دریں چمن که ہوا داغ شبنم آرائی ست — تسلیے به ہزار اضطراب می بافند! (بیدل)
دریں چمن که بہار و خزاں ہم آغوش ست — زمانه جام بدست و جنازه بر دوش ست ([illegible])
دریں دو ہفته که چوں گل دریں گلستانی — کشاده روئے تر از رازہائے مستاں باش! (صائب)

دریں زمانه رفیقے که خالی از خلل ست — صراحئ مئے ناب و سفینۂ غزل ست
جریده رو که گزرگاه عافیت تنگ ست — پیاله گیر، که عمر عزیز بے بدل ست (حافظ)

خوشش باد انسیمِ صبحگاهی — که درد شب نشیناں را دوا کرد!

خوش فرشِ بوریا و گدائی و خواب امن — کیں عیش نیست درخور اورنگ خسروی!

خویش را بر نوک منقار ستم کیشاں زدم — آں قدر زخمے کہ دل می خواست در خنجر نبود

خیال قد بلند تو می کند دل من — تو دست کوتہِ من بین و آستینِ دراز!

دارم دلے گرداں، کہ من قبلہ نمائی خوانمش — رو سوے ابروئیش کند، ہرچند می گردانمش

دائم کسے بقافلہ بودہ ست پاسباں — بیدار شو کہ چشم رفیقاں بخواب شد

دبیر نکتہ سنجی، ساحری، نے نے غلط گفتم — فسوں سازی فسوں خوانی فسون سامری دانی

درازیِ شبِ بیداریِ من اینہمہ نیست — زبخت من خبر آرید تا کجا خفتست؟

در بیاباں گر بہ شوقِ کعبہ خواہی زد قدم — سرزنشہا گر کند خارِ مغیلاں، غم مخور!

در بیابانِ فنا گم شدن آخر تا چند؟ — رہ بپرسیم مگر رہ بہ مہمات بریم

در پردہ و برہمہ کس پردہ می دری — باہر کس و با تو کسے را وصال نیست!

در جستجوئے ما نہ کشی زحمت سراغ — جائے رسیدہ ایم کہ عنقا نمی رسد

در جنوں بیکار نتواں زیستن — آتشم تیز ست و داماں می زنم

در خرابات تم نہ دید کسی خراب — بادہ پنداری کہ پنہاں می زنم

در دشت آرزو نہ بود بیم دام و دد — ملہے ست ایں کہ ہم ز تو خیزد بلائے تو!

دردا کہ طبیب صبر می فرماید — ویں نفس حریص را شکری باید!

در دل ما غم دنیا غم معشوق شود — بادہ گر خام بود پختہ کند شیشہ ما

در دہر چو یک من و آں ہم کافر — پس در ہمہ دہر یک مسلماں نبود

در دہر کسے بگل عذارے نرسید — تا بر دلش از زمانہ خارے نرسید

در شانہ نگر کہ تا بصد شاخ نشد — دستش بسر زلف نگارے نرسید

در راہ خدا دل ز خودم بے خود کن — وانگہ بےخود ز خود بخود راہم دہ!

در روزگار ما تو اندر شمار یافت — خود در روزگار آنچہ دریں روزگار یافت

در رہ عشق نہ شد کس بیقیں محرم راز — ہر کسے بر حسب فہم گمانے دارد

در رہ منزل لیلیٰ کہ خطرہاست بجاں — شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

چه کنم با که تواں گفت، که او | در کنار من و من مهجورم

دوش کز گردش بختم گله بر روے تو بود | چشم سوے فلک و روے سخن سوے تو بود

دورے وصلش طلسم اعتبار ما شکست | ورنه ایں عجزے که می بینی، غبار ناز بود! (بیدل)

دی پیر مے فروش که ذکرش بخیر باد | گفتا "شراب نوش و غم دل ببر ز یاد"

گفتم "بباد می دہدم باده نام و ننگ" | گفتا "قبول کن سخن و ہرچه باد باد" (حافظ)

دیدار شد میسر و بوس و کنار ہم | از بخت شکر دارم و از روزگار ہم

دیده ام شاخ گلے بر خویش می پیچم که کاش | می توانستم بیکدست ایں قدر ساغر گرفت! (رضی دانش)

دیوانگاں ہزار گریباں دریده اند | دست طلب به دامن صحرا نمی رسد (بیدل)

دی واعظکے آمد در مسجد جامع | چوں برف ہمه جامه سپید از پا تا سر

چشمش نه سوے چپ، و چشمش نه سوے راست | تا خود که سلامے کند از منعم و مفطر (قاآنی)

راہے که خضر داشت ز سر چشمه دور بود | لب تشنگی ز راه دگر بوده ایم ما! (عرفی)

رخش خطے کشیده در نکوئی | که بیروں نیست از ما خوبروئی!

رسیدن ہاے منقار ہما بر استخوان غالب | پس از عمرے بیادم داد رسم و راه پیکاں را (غالب)

رسید نالۂ من از جفاے استبداد | بر آسماں و شنیدند تیر و کیوانش

اگر بگوش حکومت نمی رسد، زاں است | که سالہاست که از جسم باده شد جانش

رشتۂ در گردنم افگنده دوست | می برد ہر جا که خاطر خواه اوست

رشک آیدم به روشنی دیده ہاے خلق | دانسته ام که از اثر گرد راه کیست (غالب)

رشک ز ملے دلم نیست بجز عیش جناب | یافت یک پیرہن ہستی و آں ہم کفن ست!

رغبت جاه چه و نفرت اسباب کدام؟ | زیں ہوسہا بگذر یا نگذر، می گذرد!

رفتم که خار از پا کشم، محمل نہاں شد از نظر | یک لحظه غافل گشتم و صد ساله راہم دور شد! (ملا قمی)

رقم کشان یمین و یسار دشمن تو | که می کنند سخن سنجی و قلم رانی

رموز مملکت خویش خسرواں دانند | گداے گوشه نشینی تو حافظا مخروش

رنجیده می روی ز سر کوے او سلیم! | چوں می شود، نیاید اگر از قفا کسے؟ (سلیم)

در ۲، کہ کوہکن از ذوق داد جاں چہ سخن! — ہمیں کہ تیشہ بہ سر دیر زد، سخن باقی ست! (مصنف علیہ الرحمہ)

دریں قلمرو کف غبارم، بہ ہیچ کس ہمسری ندارم — کمال میزان احترامم بہ سمت کز ذرہ کم نہ گیرد! (بیدل)

دریں میدان پر نیرنگ حیران ست آئینہ — کہ یک ہنگامہ آرائی و صد کشور تماشائی! (نظیری)

دست مجنوں و دامن لیلیٰ — روئے محمود و خاکِ پائے ایاز

دعا کنید بوقت شہادتم او را — کہ ایں دمیست کہ درہائے آسماں باز ست

دفتر تمام گشت و بہ پایاں رسید عمر — ما ہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم

دگر ز ایمن راہ قرب کعبہ چہ حظ — مرا کہ ناقہ ز رفتار ماند و پا خفتست

دل از تمکین شود بے ذوق نہار — گہے طفلی شود مستانہ می رقص!

دل شکستہ دراں کوچہ می کنند درست — چنانکہ خود نشناسی کہ از کجا بشکست (نظیری)

دل کشتۂ یکتائی حسن ست، وگرنہ — در پیش تو آئینہ شکستن ہنرے بود! (بیدل)

دل کہ جمع ست، غم از بے سر و سامانی نیست — فکر جمعیت اگر نیست، پریشانی نیست (نظیری)

دل و جانم بہ تو مشغول و نظر در چپ و راست — تا نداند رقیباں کہ تو منظور منی! (سعدی)

دماغ بر فلک و دل بہ پائے مہر بتاں — چگونہ حرف زنم، دل کجا دماغ کجا؟ (کلیم)

دمے ز صدق برآور، کہ آرزو بخشاں — ہزار گنج اجابت بیک دعا بخشند!

دنبال تو بودن گنہ از جانب ما نیست — با غمزہ بگو، تا دل مردم نرباید

دوائے درد دل خود ازاں مفرح جوئے — کہ در صراحی چینی و شیشۂ حلبیست

دو یار زیرک، از بادۂ کہن دو منی — فراغتی، و کتابی، و گوشۂ چمنی (حافظ)

من ایں مقام بدنیا و عاقبت ندہم — اگرچہ در پیم افتند خلق انجمنی!

ز چشم ساکن بیت الحزن بمن گرید — کہ من اسیر بمعشوق او بفرزندست

دو دل بودن دریں رہ سخت عیبست سالک را — خجل ہستم ز کفر خود کہ دارد بوئے ایماں ہم! (شبلی)

دوردستاں را باحساں یاد کردن ہمت ست — ورنہ ہر نخلے بہ پائے خود ثمر می افگند (صائب)

دو عالم نقد جاں بر دست دارند — بہ بازارے کہ سودائے تو باشد!

دوست نزدیک تر از من بمن است — ویں عجب تر کہ من از وی دورم

دلبرم کہ رساند نوازش قلمے
کجاست پیک صبا گو بیا بکن کرمے

زر پرستی می کند دل را سیاہ
آخر ایں صفرا بہ سودا می کشد!

زسال نو دگرے بروے کار آمد
ہزار و ہشت صد و شست در شمار آید

شرح قصہ ما رفت خواب از چشم ظالمان را
شب آخر گشتہ و افسانہ از افسانہ می خیزد!

شیخ شہر جابجا دم بہ تزویر مسلمانی
مدارا گر بہ اِیں کافر نمی کردم چہ می کردم! (ایضاً)

زعاشقان جہاں غیر ما نماند کسے
بیار بادہ کہ ما ہم غنیمتیم بسے

زغارت چمنت بر بہار منتہا ست
کہ گل بدامن ما دستہ دستہ می آید (طالب آملی)

زفرق تا قدمش ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست!

زکدام شہر آئی کہ بدوستاں نہ پرسی
مگر اندراں ولایت کہ توئی وفا نباشد؟

زمام خاطر ما بستۂ تصرف تست
اگر یقین نداری بامتحان برخیز!

زمانہ گلشنِ عیشِ کرا بہ یغما داد؟
کہ گل بہ دامن ما دستہ دستہ می آید! (ر ر ر)

زمرغان حرم در کام زاغاں طعمہ اندازد
مدار روزگار سفلہ پرور را تماشا کن

زمیں را منم تاج تارک نشیں
مجنباں مرا تا بجنبد زمین

زنادانی دل پر جہل و پر مکر
گرفتار ز سلیماں زری دبو بکر

چو یکدم زین تخیل می نوستی
ندانم تا خدا را کہ پرستی

زندہ کش جاں نباشد دیدہ؟
گر نہ دیدستی بیا، ما را بہ بین

زنسیم جانفزایت دل مردہ زندہ گردد
زکدام باغی اے گل کہ چنیں خوش است بویت

زین مصیبت قوم را با دیدۂ پر خون نگر
گر نہ دیدستی سحاب خوں چکاں را بر زمین

ساقی بہ صبوحی نفسے پیشتر از صبح
برخیز کہ تا صبح شدن تاب نہ دارم

ساقی بہ ہمہ بادۂ زیک خم دہد، اما
در مجلس او مستی ہر یک ز شرابے ست

سالہا دل طلب جام جم از ما می کرد
آنچہ خود داشت ز بیگانہ تمنا می کرد

رند هزار شیوه را طاعت حق گران نبود — لیک صنم به سجده در ناصیه مشترک نخواست (غالب)

روان فدائے تو، نام کے ، دهٔ ناصح! — زہے لطافت ذوق که در بیان تو نیست!

روشن از پرتو رویت نظرے نیست که نیست — منت خاک درت بر بصرے نیست که نیست

رو مسخرگی پیشه کن و مطربی موز — تا داد خود از کهتر و مهتر بستانی!

روے بازار مرادم وزعرفی بانست — دیدهٔ تر می فروشم دامن تر میخرم (عرفی)

روے کشاده باید و پیشانی فراخ — آن جا که لطمه هائے ید الله می زنند (نظیری)

رہ روان را خستگی راه نیست — عشق خود راه است و هم خود منزل ست (انا…)

زان دل شوریده را بر ناوک خود می نہم — کاشیان مرغ مجنون شد دل شیدائے من

زان سا که خرامد به رسن مرد رسن باز — آهسته خرامید و موزون دم و قتر

زان شکستم که به دنبال دل خویش مدام — در نشیب شکن زلف پریشان رفتم!

زاهد از ما خوشهٔ تاکے بچشم کم مبیں — ہیں نمی دانی کہ یک پیمانہ نقصان کردہ ام (غالب)

زاهد به نماز و روزه ضبطے دارد — سرمد به مے و پیالہ ربطے دارد

زاهد غرور داشت سلامت نه برد راه — انداز ره نیاز بدار السلام رفت

زبان ببند و نظر باز کن که منع کلیم — اشارت از ادب آموزی تقاضا ست

زبسکه در دل تنگم خیال آن گل بود — نغیر خواب من امشب صفیر بلبل بود

ز بندگی بنشینی به تخت سلطانی — اگر تو خدمت محمود چون ایاز کنی

زنار کی نه برد پے به منزل مقصود — مگر طریق روش از سر نیاز کنی

اگر بناز براند مرو که آخر کار — بعد نیاز بخواند ترا و ناز کنی

ز تیغ بے نیازی تا توانی قطع هستی کن — فلک تا افگند از پا ترا، خود پیش دستی کن ([illegible])

ز خار زار محبت دل ترا چه خبر؟ — که گل به جیب نه گنجد قبائے تنگ ترا (نظیری)

ز خیلے درد کشان غیر ما نماند کسے — بیار باده که ما هم غنیمتیم بسے

ز دامنے که کشادیم ما تهی دستان — تو میوهٔ سر شاخ بلند را چه خبر؟

ز دست شاهد سیمیں عذار عیسی دم — شراب نوش و رها کن حدیث عاد و ثمود را (حافظ)

شنیدم کہ مردان راہ خدا | دل دشمناں ہم نہ کردند تنگ
ترا کے میسر شود ایں مقام | کہ با دوستانت خلافست و جنگ (سعدی)

شنیدہ ام کہ سگاں را قلادہ می بندی | چرا بہ گردن حافظ نمی نہی رسنے؟

شوریست نوا ریزی تار نفسم را، | پیمانۂ اے جنبش مضراب کجائی؟ (غزالی مشہدی)

شورے شد و از خواب عدم چشم کشودیم | دیدیم کہ باقی است شب فتنہ، غنودیم (غزالی مشہدی)

شیر شو، شیرانہ در صحرائے شیراں پائے نہ، | مرد شو، مردانہ پند ناصحاں را گوش دار!

شیریں تر از حکایت ما نیست قصۂ | تاریخ روزگار سراپا نوشتہ ایم! (نظیری)

شیرینئ تبسم ہر غنچہ را مپرس | در شیر صبح خندۂ گلہا شکر گذاشت! (کلیم)

صبا بہ تہنیت پیر مے فروش آمد | کہ موسم طرب و عیش و نازو نوش آمد!
ہوا مسیح نفس گشت و باد نافہ کشا | درخت سبز شد و مرغ در خروش آمد! (حافظ)

صبا بہ خوش خبری ہدہد سلیمان ست | کہ مژدۂ طرب از گلشن سبا آورد (حافظ)

صبا وقت سحر بوئے ز زلف یار می آورد | دل شوریدہ ما را ز نو در کار می آورد! ([illegible])

صبح ست و ژالہ پلد از سر بہمنی | برگ صبوح ساز و بزن جام یک منی
گر صبح دم خمار ترا درد سر دہد | پیشانی خمار ہماں بہ کہ بشکنی
ساقی، بہوش باش، کہ غم در کمین ماست | مطرب نگاہدار ہمیں رہ کہ می زنی (حافظ)

ساقی، بہ بے نیازی یزداں کہ می بیار | تا بشنوی ز صورت مغنی "ہو الغنی"

صد دیدہ بہ ورطۂ دل افتاد | کیں موج گہر بساحل افتاد
بگداختہ آبگینۂ دل | آئینہ دہم بدست محفل
آنم کہ بسحر کاری ژرف | از شعلہ تراش کردہ ام حرف

صفیر مرغ بر آمد، بط شراب کجاست | فغاں فتاد ز بلبل، نقاب گل کہ درید! (حافظ)

سنے در دل ما یافتہ راہ | نحن لا نعبد الا ایاہ

در خاستن از گرد منا کم نہ ماند | خلق پندارد کہ مے خوردست و مست افتادہ است (غنیمت کنجاہی)

طبائع جز کشش کارے ندانند | حکیما ایں کشش را عشق خوانند

سبک زجائے نگیری کہ برگراں گہراست	متاع من کہ نصیبش مباد ارزانی
ستم ست گر ہوست کشد کہ بہ سیر سرو و سمن درآ	تو ز غنچہ کم نہ دمیدۂ در دل کشا
سخن طرازی و دانش ہنر نظیری نیست	قبول دوست مگر نالۂ حزیں گردد!
سخن عشق بدل درنہ و لب را مکشا	سر ایں شیشہ فرو بند کہ بادے نخو
سراغ یک نگاہ آشنا در کس نمی یابم	جہاں چو نرگستان بے تو چشم کوری
سر روحانیاں داری ولے خود را ندیدستی	بخواب خود در آتا قبلۂ روحانیان
سرشکم رفتہ رفتہ بے تو دریا شد، تماشا کن	بیا در کشتی چشمم نشیں و سیر دریا کن
سگ آستانہ اما ہمہ شب قلادہ خایم	کہ سرشکار دارم نہ ہوائے پاسبا
سنگ را دل خوں شود از نالہائے زار من	ایں دل فولاد تو یک ذرہ سرگیر نیست
سوختت بے وجہم، تماشا را نگر!	کشتۂ بے جرم مسیحا را ببیں!
زندہ کش جاں نہ باشد دیدۂ؟	گرندیدستی، بیا ما را ببیں!
سہ چیز ست آنکہ پایانے ندارد:	شب من، درد من، افسانۂ من!
سینۂ گرم نہ داری مطلب صحبت عشق	آتشے نیست چو در مجمرات، عود مخر
شاہا ز مئی گراں چہ برخواہد خاست	وز مستی ہر زاں چہ برخواہد خاست
شر مست، جہاں خراب دشمن پس و پیش	پیداست کزیں میاں چہ برخواہد خاست
شدیم خاک و لیکن بہ بوئے تربت ما	تواں شناخت کزیں خاک مردی خیزد
شراب تلخ دہ ساقی کہ مرد افگن بود زورش	کہ تا یک دم بیاسایم ز دنیا و شر و شورش
شراب لطف پر در جام می ریزی و می ترسم	کز زود آخر شود ایں نشہ من در خمار
شرر بنالہ بہ عمر بال ادب می بیزم	کہ بہ گوش تو مبادا رسد آواز درشت
شکر شکن شوند ہمہ طوطیان ہند	زیں قند پارسی کہ بہ بنگالہ می رود (حافظ)
شکست رنگ شباب و ہنوز رعنائی	دراں دیار کہ زادی، ہنوز آنجائی
شمعہا بردہ ام از صدقۂ خاک شہدا	تا دل و دیدۂ خوننابہ فشانم دادند!
شمۂ از داستان عشق شور انگیز ماست	ایں حکایتہا کہ از فرہاد و شیریں کردہ اند!

فارغ نہ شدہ خلق ز تسلیم و تشہد — برجست چو بوزینہ و بنشست بہ منبر (قاآنی)

فاش می گویم و از گفتۂ خود دلشادم — بندۂ عشقم و از ہر دو جہاں آزادم

فتادم دام بر گنجشک و شادم یاد آں ہمت — کہ گر سیمرغ می آمد بدام، آزاد می کردم (عرفی)

فدائے شیوۂ رحمت کہ در لباس بہار — بعذر خواہی رندان بادہ نوش آمد! (غالب)

فراق دوست اگر اندک ست اندک نیست — درون دیدہ اگر نیم موست، بسیار ست!

فرخندہ شبے باید و خوش مہتابے — تا با تو حکایت کنم از ہر بابے (رومی)

فرزانۂ یگانہ، اذ منش بہادر — کاموخت دانش از وے آئین کاروانی

فرصت دیدنِ گل آہ کہ بسیار کم است — آرزوے دل مرغانِ چمن بسیار است

فرصت ز دست رفتہ و حسرت فشردہ پائے — کار از دوا گذشتہ و افسوں نکردہ کس (غالب)

فریاد حافظ ایں ہمہ آخر بہرزہ نیست — ہم قصۂ غریب و بیانِ عجیب ہست (حافظ)

فریب جہاں قصۂ روشن ست — بہ بیں تا چہ زاید، شب آبستن ست (حافظ)

فصل گل و طرف جوئبار و لب کشت — با یک دو سہ اہل و لعبتی حور سرشت

پیش آر قدح کہ بادہ نوشانِ صبوح — آسودہ ز مسجد اند و فارغ ز کنشت

فلسفی سرّ حقیقت نتوانست کشود — گشت راز دگر آں راز کہ افشا می کرد

فیض روح القدس ار باز مدد فرماید — دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا می کرد! (حافظ)

فیضی حریف مجلس رنداں بود مدام — ہرگز قدم ز دائرہ بیروں نماندہ است

فیضے عجبے یافتم از صبح ببینید — ایں جادۂ روشن رہ میخانہ نہ باشد (احمد ندیم قاسمی)

فیضی گماں مبر کہ غم دل نگفتہ ماند — اسرار عشق آں چہ تواں گفت، گفتہ ایم

قبول خاطر معشوق شرط دیدار است — بہ حکم شوق تماشا مکن کہ بے ادبی ست!

قلم از عشوہ نمائیست کہ من میدانم — سر ایں فتنہ ز جائیست کہ من میدانم

قدح بہ شرط ادب گیر زاں کہ ترکیبش — ز کاسۂ سر جمشید و بہمن ست و قباد (حافظ)

قسم بنام تو خوردن دلیل غیرت نیست — بخاک پاک تو آں ہم کمال بے ادبی ست

قصۂ عشق بشیرازہ نگنجد زنہار — بگذارید کہ ایں نسخہ مجزا ماند (غالب)

طفلان شہر بے خبرند از جنون ما — یا این جنون ہنوز سزاوار سنگ نیست

طے می شود این رہ بدرخشیدن برقے — ما بے خبران منتظر شمع و چراغیم! (از [illegible]

ظلم او آنکہ ہستی خود را — ساخت فانی بقائے سرمد را

جہل او آنکہ ہر چہ جز حق بود — صورت آن ز لوح دل بر بود

نیک ظلمے کہ عین معدلت ست — نغز جہلے کہ مغز معرفت ست

عارف ہم از اسلام خراب ست و ہم از کفر — پروانہ چراغ حرم و دیر نداند

عاشق نہ شدی، محنت الفت نہ کشیدی — کس پیش تو غم نامۂ ہجران چہ کشاید؟ ([illegible]

عالم بے خبری طرفہ بہشتے بود است — حیف صد حیف کہ ما زود خبردار شدیم! ([illegible]

عجب است گر نہ باشد خضرے بہ جستجویم — کہ فتادہ ام بہ ظلمت چہ زلال زندگانی (از نظیری)

عدیل ہمت ساقی ست فطرت عرفی — کہ حاتم دگران و گدائے خویشتن است! (عرفی)

عشق اگر مرد ست مرد ے تاب دیدار آورد — ورنہ چوں موسیٰ بسے آورد بسیار آورد (عرفی)

عید آمد و افزود غم را غم دیگر — ماتم زدہ را عید بود ماتم دیگر

عید ست، و نشاط و طرب و زمزمہ عام ست — مے نوش، گنہ بر من اگر بادہ حرام ست!

از روزہ اگر کوفت بادہ دوا گیر — این مسئلہ حل گشت ز ساقی کہ امام ست! (غالب)

عیش این باغ بہ اندازۂ یک تنگ دل ست — کاش گل غنچہ شود تا دل ما بکشاید! (قدسی)

عیشم بکام ست با یار دلخواہ — الحمد للہ الحمد للہ!

غازی نپۓ شہادت اندر تگ و پو ست — غافل کہ شہید عشق فاضل تر از وست

در روز قیامت این، بآں، کہ ماند؟ — کیں کشتۂ دشمن است، و آں کشتۂ او ست

غالب اگر فن سخن دیں بودے — آں دین را ایزدی کتاب این بودے

غافل مرو کہ تا در بیت الحرام عشق — صد منزل ست و منزل اول قیامت ست

غلط گفتی "چرا سجادۂ تقویٰ گرو کردی"؟ — بہ زہد آلودہ بودم، گر نمی کردم چہ می کردم! ([illegible])

غمت بشہر شبیخوں زناں بہ بنگہ خلق — عسس بخانۂ و شہ در حرم سرا خفتست

غیر انساں کش نکردہ قبول — زانکہ انسان ظلوم بود و جہول

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم　　چنانکہ حرف عصا گفت موسیٰ اندر طور

ما بجامے کہ ز جم ماند، قناعت کردیم　　سکندر بد حسید آنچہ ز دارا ماند

مارا تو بہشت اگر بہ طاعت بخشی　　آں بیع بود، لطف و عطائے تو کجاست؟ (خیام)

مارا زبان شکوہ ز بیداد چرخ نیست　　از ما خطے بہ مہر خموشی گرفتہ اند (طالب آملی)

ما طفل کم سواد و سبق قصہ ہائے دوست　　صد بار خواندہ و دگر از سر گرفتہ ایم

ما مرد زہد و توبہ و طامات نیستم　　با ما بجام بادۂ صافی خطاب کن

ما نبودیم بدیں مرتبہ راضی غالبؔ　　شعر خود خواہش آں کرد کہ گردد فن ما! (غالب)

مباش غرّہ عرفی کہ زلف قامت دوست　　جزائے ہمت عالی و دست کوتہ ماست (عرفی)

مبیں حقیر گدایان عشق را کیں قوم　　شہان بے کمر و خسروان بے کلہ اند! (حافظ)

مپرس تا چہ نوشتست کلک قاصر ما　　خط غبار من است ایں غبار خاطر ما! ([illegible])

مپرس رہ کہ ز سرہائے رہروانِ حرم　　نشانہاست کہ منزل بہ منزل افتادست

مثال ما لب دریا و آب مستسقی ست　　دہند شوق وے رخصت نظر ندہند

مجلس چو برشکست تماشا بما رسید　　در بزم چوں نماند کسے، جا بما رسید!

مجنوں بہ ریگ بادیہ غمہائے خود شمرد　　یاد زمانہ کہ غم دل حساب داشت

محتسب خم شکست و من سر او　　سن بالسن والجروح قصاص (حافظ)

محرم راز دل شیدائے من　　کس نمی بینم ز خاص و عام را

مخاطب اندکے نازک مزاج ست　　سخن کم گو، کہ کم گفتن رواج است

مدار صحبت ما بر حدیث زیر لبی ست　　کہ اہل شوق عوام اند و گفتگو عربی ست

مرا اے مے فروش آں بیخودی نیست　　مگر در بادہ آبے کردہ باشی

مرا جا شد، خرم را تیز جا شد　　زن دہقان بزاید یا نزاید

مرا دلے ست بہ کفر آشنا، کہ چندیں بار　　بہ کعبہ بردم و بازش برہمن آوردم! (چندربھان برہمن)

گرچہ خوردیم نسبتے ست بزرگ — ذرۂ آفتاب تابانیم!

گر گفتۂ ز عشق گہے حرف آشنا — آں ہم حکایتیست کہ از من شنیدہ ای

گر من آلودہ دامنم چہ عجب — ہمہ عالم گواہ عصمت اوست (حافظ)

گر نویسم شرح آں بے حد شود — مثنوی ہفتاد من کاغذ شود! (رومی)

گریز داز صف ما ہر کہ مرد غوغا نیست — کسیکہ کشتہ نشد از قبیلۂ ما نیست! (نظیری)

گزشتم از گلہ، در وصل زحمتم بادا — زبان کوتہ و دست دراز می خواہم

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود — گرچہ از حلقوم عبداللہ بود (رومی)

گفتی کہ چرا حال دل زار نہ گوئی؟ — من خود کنم آغاز، بہ پایاں کہ رساند؟ (حسن سجزی)

گل فشانند بہ بستر ہمہ چوں عرفی و من — مشت خس چینم و بر بستر خواب اندازم

گناہ گرچہ نبود اختیار ما حافظ — تو در طریق ادب کوش و گو گناہ من ست (حافظ)

گو زخم عاشقانہ کہ در جلوہ گاہ حسن — صد چاک دل بتار نگاہے رفو کنند

گوش اگر گوش تو و، نالہ اگر نالۂ من — آنچہ البتہ بجائے نرسد فریاد ست!

گوہر دل نازنیناں را کی افتد قبول — ورنہ من صد بار در راہ نیازش درشتم!

گوہر مخزن اسرار ہمانست کہ بود — حقۂ مہر بداں مہر و نشانست کہ بود

حافظا باز نما قصۂ خونابۂ چشم — کہ دریں چشمہ ہماں آب رواں ست کہ بود (حافظ)

گویند مگر سعدی چندیں سخن عشقش — می گویم و بعد از من گویند بہ ستانہا!

گہے از دست، گہے از دل، و گاہے ز پا مانم — بہ سرعت می روی اے عمر! می ترسم کہ وا مانم!

گیرم کہ وقت ذبح طپیدن گناہ من — دیدن ہلاک و رحم نہ کردن گناہ کیست؟

لالہ ساغر گیر و نرگس مست و بر ما نام فسق! — داوری خواہم مگر یارب کرا داور کنم؟ (حافظ)

لب تشنہ رفت دامن پرہیز تو نہ کرد — زاں چشمۂ کہ خضر و سکندر وضو کنند

لباس صورت اگر واژگوں کنم بینند — کہ خرقۂ خشن ما بہ طلا باف است (عرفی)

لختے بر داز دل، گذرد ہر کہ ز پیشم — من قاش فروش دل صد پارۂ خویشم!!

من بدکنم و تو بد مکافات دہی — پس فرق میان من و تو چیست بگو (خیام)

من بندۂ عاصیم، رضائے تو کجا ست؟ — تاریک دلم نور و صفائے تو کجاست؟ (خیام)

ما را تو بہشت اگر بطاعت بخشی — آں بیع بود، لطف و عطائے تو کجاست؟ (")

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی — تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری (امیر خسرو)

منکر نتواں گشت اگر دم زنم از عشق — ایں نشۂ بمن گر نبود با دگرے ہست (عرفی)

من کشتۂ کرشمۂ مژگاں کہ بر جگر — خنجر زد آں چناں کہ نگہ را خبر نہ شد! (وحشی)

منم و ہمیں تمنا کہ بوقتِ جاں سپردن — بہ رُخ تو دیدہ باشم، تو درون دیدہ باشی

من و بیدل حریف کس بیجانیستم زاہد — تو و قطع منازلہا، من و یک لغزش پائے (بیدل)

من و دل گر فنا شدیم چہ باک — غرض اندر میان سلامت اوست! (حافظ)

موجیم کہ آسودگی ما عدم ماست — ما زندہ ازانیم کہ آرام نگیریم! (کلیم)

مئے صافی ز فرنگ آید و شاہد ز تتار — ما ندانیم کہ بسطامی و بغدادی ہست! (غالب)

واہی و تندو، تیز، و دانگہ بسیار! — ایں بادہ فروش ہست، ساقی کوثر نیست!

می خوردن و شاد بودن آئین منست — فارغ بودن ز کفر دیں، دین منست

گفتم بعروس دہر کابین تو چیست؟ — گفتا "دل خرم تو کابین منست"!

می کشد شعلہ سری از دل صد پارۂ ما — جوش آتش بود امروز بہ فوارۂ ما! (فغانی)

مے بہ نہاد مکن عرضہ کہ ایں جوہر ناب — پیش ایں قوم بہ شورابۂ زمزم نرسد (غالب)

مے خور بہ شعر بندہ کہ دل تنگیت مباد — بعد از تو خاک بر سر اسباب دنیوی

مے میان شیشۂ ساقی نگر — آتشے گویا بہ آب آلودہ اند! (ظہوری)

ناجواں مرداں فراہم کردہ بودند انجمن — زود در ہنگامۂ بطلاں فتور انداختیم

ناروا بود بہ بازار جہاں جنس وفا — رونقے گشتم و از طالع دکاں رفتم (غالب)

ناز پروردہ تنعم نہ برد راہ بدوست — عاشقی شیوۂ رنداں بلاکش باشد

نازم فریب صلح کہ غالب ز کوئے دوست — ناکام رفت و خاطر امیدوار برد!

ناصح گفت کہ جز غم چہ ہنر دارد عشق — گفتم "اے خواجۂ عاقل! ہنرے بہتر ازیں"! (حافظ)

مراد و خضر عناں گیسر باید از چپ و راست | کہ کج روی نکنم ورنہ عزم راہ خطاست

مرا کہ شیشۂ دل در زیارت سنگ ست | کجا دماغ مئے ناب و نغمۂ چنگ ست

مردم در انتظار و دریں پردہ راہ نیست | یا ہست و پردہ دار نشانم نمی دہد (حافظ)

مرغان باغ قافیہ سنجند و بذلہ گو | تا خواجہ می خورد بہ غزلہائے پہلوی (حافظ)

مرو بخواب کہ حافظ بہ بارگاہ قبول | ز وردِ نیم شب و درسِ صبح گاہ رسید (حافظ)

مرہم از لبہاش می جویند ہر جان فگار | ولے بر ریشے کہ آں را از نمک مرہم کنند

مست بر بستر من افتد و رنداں دانند | حالت مست کہ بر بستر ہشیار افتد!

مجو بہ ملک شاہی، کہ در ولایت عشق | گدا بہ تخت نشانند و پادشہ گیرند

مشاطہ را بگو کہ بر اسباب حسن دوست | چیزے فزوں کند کہ تماشا بما رسد!

مشتق چو نیک درنگری عین مصدر ست | کیں در صفات ظاہر خود مضمر آمدہ

مشکل حکایتے ست کہ ہر ذرہ عین اوست | اماں نمی تواں کہ اشارت باو کنند! (مغانی)

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز | ورنہ در محفل رنداں خبرے نیست کہ نیست

معشوق در میانۂ جاں، مدعی کجاست | گل در دماغ می دمد آسیب خار چیست؟ (عرفی)

معشوق ما بہ شیوۂ ہر کس موافق ست | با ما شراب خورد و بزاہد نماز کرد

معمورۂ دلے اگرت ہست باز گوے | کیں جا سخن بملک فریدوں نمی رود!

مکن تغافل ازاں بیشتر کہ می ترسم | گماں برند کہ ایں بندہ بے خداوند ست!

مقصود ما ز دیر و حرم جز حبیب نیست | ہر جا کنیم سجدہ بداں آستاں رسد

مگو کہ نکتہ سرایان عشق خاموش اند | کہ خوف نازکیٔ اصحاب پنبہ در گوش اند

مگوئی کہ آتش پرستاں بدند | پرستندگاں نیک یزداں بدند

ملت عشق از ہمہ دین ہا جدا ست | عاشقاں را مذہب و ملت خدا ست (رومی)

من ارچہ عاشقم و رند مست و نامہ سیاہ | ہزار شکر کہ یاران شہر بے گنہند

من ازیں رنج گرانبار چہ لذت یابم | کہ بہ اندازۂ آں صبر و ثباتم دادند! (عرفی)

من ایں مقام بدنیا و عاقبت ندہم | اگرچہ در پیم افتند خلق انجمنے! (حافظ)

وادی یثرب کجاست؟ آه زهجران او! — دامن دل میکشد، خار مغیلان او!

وانکه به سرو گردن و ریش و لب و بینی — بس عشوه بیاورده سخن کرده چنیں سر (قاآنی)

وجود او همه حسن ست و هستیم همه عشق — به بخت دشمن و اقبال دوست سوگندست!

وداع و وصل جداگانه لذتے دارد — هزار بار برو، صد هزار بار بیا! (غالب)

در از جوئے خلدش بهنگام آب — به بیخ انگبیں ریزی و شهد ناب

وسعتے پیدا کن اے صحرا که امشب در غمش — لشکر آه من از دل خیمه بیروں می زند (غنی)

وضع زمانه قابل دیدن دوباره نیست — رو پس نه کرد، هر که ازیں خاکداں گذشت! (کلیم)

وفا کنند که بیگانه آشنا گردد — ترا چه شد که کمی پرسی آشنائے را

وقت ست که در پیچ و خم نوحه سرائی — سوز دنفس نوحه گر از تلخ نوائی

وقت ست کز آں پردگیاں، گر ز تعظم — بر درگه شاه کرده فلک ناصیه سائی

از خیمهٔ آتش زده عریاں بدر آیند — چوں شعله رخاں بر سر شاں کرده ہوائی

جاں ہمه فرسوده تشویش اسیری — دلها ہمه خوں گشته اندوه رہائی

وقت عرفی خوش، که نکشود اگر در بر رخش — بر در نکشوده ساکن شد، در دیگر نه زد! (عرفی)

ره عشق ست که گشتن ندارد باز گشت — جرم را ایں جا عقوبت ہست و استغفار نیست! (عرفی)

آں کو خاطر مجموع و یار ہمنشیں دارد — سعادت ہمدم او گشت و دولت ہم قریں دارد

ہر جاده که از نقش پئے تست به گلشن — چاکیست بجیب ہوس انداختهٔ ما

ہر چند که نیست رنگ و بویم — آخر نه گیاه باغ اویم! (سعدی)

ہر چه در حیله به آفاق دریں جا حاضر — مومن و ارمنی و گبر و نصارا و یہود! (نظامی گنجوی)

ہر چه ہست از قامت ناساز و بے اندام ماست — ورنه تشریف تو بر بالائے کس دشوار نیست!

ہر کس نه شناسندهٔ راز ست و گرنه — اینها ہمه راز ست که معلوم عوام است! (عرفی)

ہرگز نمیرد آنکه دلش زنده شد بعشق — ثبت ست بر جریدهٔ عالم دوام ما (حافظ)

ہر موج معانی که ز جیحون دلم خاست — تا ساحل لب آمده بر تافت عناں را

ما گوشه را نه بهر قناعت گرفته ایم | تن پروری به گوشهٔ خاطر رسیده است

ناگاه تند بادی کزاں ساخت در قلمرو | برهم زد آں بنا را نیرنگ آسمانی!

نالد از بهر رهائی نه کند مرغ اسیر | خورد افسوس زمانی که گرفتار نبود! (نظیری)

نسخهٔ شوق به شیرازه نگنجد زنهار | بگذارید که این نسخه مجزا ماند! (غالب)

نصیب ماست بهشت ای خداشناس برو | که مستحق کرامت گناهکارانند

نغمه از نالیست نی از نی بداں | مستی از ساقیست نه از می بداں

نشاط عمر ملاقات دوستداران است | چه حظ برد خضر از عمر جاوداں تنها؟

نشناس سیرتی ست تمنای مردمی | از دیو لاخ هند که آدم نداشته ست

نفائس دل و دیں می دهم به نیم نگاه | بمن معامله کن که راست گفتارم

نفس باد صبا مشک فشاں خواهد شد | عالم پیر دگر باره جواں خواهد شد! (حافظ)

نفس موافق طبع جهانیاں نه کشی | به هر کجا که تبسم خزند شیون باش!

نقاب چهرهٔ امید باشد گرد نومیدی | غبار دیدهٔ یعقوب آخر توتیا گردد (صائب)

نوای بلبلت ای گل کجا پسند افتد | که گوش هوش به مرغان هرزه گو داری! (حافظ)

نوبت زهد فروشان ریاکار گذشت | وقت شادی و طرب کردن رنداں برخاست

نهاں از وی به رغبش داشتم تماشائی | نظر به جانب ما کرد و شرمسار شدم (نورجهان)

نه با صحرا سری دارم، نه با گلزار سودائی | به هر جائی روم، از خویش می جوشد تماشائی! (بیدل)

نه باندازهٔ بازوست کمندم هیهات | ورنه با گوشهٔ بامیم سروکاری هست! (عرفی)

نه دانم تا چه برق فتنه خواهد ریخت بر هوشم | تصور کرده ام بگسستن بند نقابش را

نه داغ تازه می کارد، نه زخم کهنه می خارد! | بده یارب دلی کیں صورت بیجاں نمی خواهم! (اقبال)

نه کنی چاره لب خشک مسلمانی را | ای به ترسا بچگاں کرده می ناب سبیل! (غالب)

نگویمت که همه ساله می پرستی کن | سه ماه می خور و نه ماه پارسا باش (حافظ)

نمی ماند ایں باده اصلا به آب | تو گوئی که حل کرده اند آفتاب! (ملا محمد [illegible])

نه هر درخت تحمل کند جفای خزاں | غلام همت سروم که ایں قدم دارم! (حافظ)

کجاست محرم رازے، کہ یک زماں — دل شرح آں دہد کہ چہ دید و چہا شنید! (حافظ)

یادفا، یا خبرِ وصلِ تو یا مرگِ رقیب، — بازیِ چرخ ازیں یک دو سہ کارے بکند (حافظ)

یک بار نالہ کردہ ام از دردِ اشتیاق — از شش جہت ہنوز صدا می تواں شنید (عبدالرزاق فیاض)

یک چراغیست دریں خانہ، کہ از پرتوِ آں — ہر کجا می نگری، انجمنے ساختہ اند! (فیضی)

یک حرف بیش نیست سراسر حدیثِ شوق — ایں طرفہ ترکہ ہیچ بہ پایاں نمی رسد! (کلیم)

یک نالۂ مستانہ زجائے نہ شنیدیم — ویراں شود آں شہر کہ مے خانہ ندارد! (کاظم قمی)

یک ناوکِ کاری زکمانِ تو نخوردم — ہر زخم تو محتاج بہ زخمِ دگرم کرد! (زکی ہمدانی)

آخر آمد زپس پردۂ تقدیر پدید (جامی)

آخر ایں صفرا بہ سودا می کشد

آشنارا حال این ست، وائے بر بیگانہ! (قطب)

آفتے بود ایں شکار افگن کزیں صحرا گذشت!

آمد بزیرِ تیغ و تعجیلش نمی کنند

آن ہم بسعیِ غمزۂ مردم شکار داد ست

از خویشتن گم ست کرا رہبری کند؟

از ما بجز حکایتِ مہر و وفا مپرس (حافظ)

از مئے دوشیں قدرے تند تر! (شبلی)

افسردہ دل افسردہ کند انجمنے را! (مسائی نظیری)

اگر برافگند از رخ نقاب را چہ کنم

اگر دستے کنم پیدا، نمی یابم گریباں را (بیدل)

اگر ما درد دل داریم، زاہد درد دیں دارد (بیدل)

اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمی ماند

اگر نہ دیدی تپیدنِ دل، شنیدنی بود نالہ ما! (بیدل)

اندک اندک عشق در کار آورد بیگانہ را

او خویشتن گم ست کرا رہبری کند

او در من و من در و فتادہ! (سعدی)

اول و آخر ایں کہنہ کتاب افتاد ست! (کلیم)

ایں خیال ست و محال ست جنوں

ایں زمیں را آسمانِ دیگر ست!

ایں سخن را چہ جواب است، تو ہم میدانی! (حسن سجزی)

ایں سخن نیز بہ اندازۂ ادراکِ من ست! (عرفی)

ایں شقاوت بزور بازو نیست!

ایں کہ در جام و سبو دارم مہیا آتش ست (رامی)

ایں کہ می بینم بہ بیداریست یا رب یا بخواب؟

ہر نظر گو ہریں کہ بیاد تو گفتہ ام
دل رخنہ کردہ و جگر خویش سفتہ ام

ہر وقتِ خوش کہ دست دہد مغتنم شمار
کس را وقوف نیست کہ انجام کار چیست؟ (حافظ)

ہر وقت بد کہ روے دہد آب سیل داں
ہر نقش خوش کہ جلوہ کند موج آب گیر! (ظہوری)

ہزار رخنہ بدام دمِ رایہ سادہ دلی
تمام عمر در اندیشۂ رہائی رفت

ہزار قافلۂ شوق می کشد شبگیر
کہ بارِ عیش کشاید بخطۂ کشمیر (فیضی)

ہست از پس پردہ گفتگوے من و تو
چوں پردہ برافتد، نہ تو مانی و نہ من! (خیام)

ہست صحرا چوں کفِ دست و بر داز لالہ جام
خوش کفِ دستے کہ چندیں جام صہبا برگرفت! (خسرو)

ہست مجلس براں قرار کہ بود!
ہست مطرب براں ترانہ ہنوز!

ہفت آسماں بگردش و ما در میانہ ایم
غالب دگر مپرس کہ بر ما چہ می رود!

ہم از غالب حریفے ہاے حق است
کہ یک عالم حریف کردکے نیست

ہماں عشق ست بر خود بستہ چندیں داستاں، ورنہ
کسے بر معنی یک حرف صد دفتر نمی سازد!

ہماے، گو مفگن سایۂ شرف ہرگز
دراں دیار کہ طوطی کم از زغن باشد! (حافظ)

ہمچو ماہی میرد اعم پوششِ دیگر نہ بود
تا کفن آمد، ہمیں یک جامہ برتن داشتم! (کلیم)

ہمرہ غیری و می گوئی بیا عرفی توہم
لطف فرمودی، برو، کیں پاے را رفتار نیست

ہم سمندر باش و ہم ماہی کہ در اقلیمِ عشق
روے دریا سلسبیل و قعرِ دریا آتش ست! (عرفی)

ہم کعبہ و ہم بتکدہ سنگ رہ ما بود
رفتیم و صنم بر سر محراب شکستیم (فیضی)

ہمہ اندر زمن بتو اینست
کہ تو طفلی و خانہ رنگین است!

ہمہ شہر پر زخوباں منم و خیال ماہے
چہ کنم کہ نفسِ بدخو نہ کند بہ کس نگاہے

ہیبت حق ست، ایں از خلق نیست!
ہیبت ایں مرد صاحب دلق نیست!

ہیچ گہ ذوقِ طلب از جستجو باز م نہ داشت
دانہ می چیدم دراں روزے کہ خرمن داشتم! (کلیم)

یارب بہ زاہداں چہ دہی خلد رایگاں؟
ذوق بتاں نہ دیدہ و دل خوں نکردہ کس!

یارب دل پاک و جان آگاہم دہ!
آہ شب و گریۂ سحر گاہم دہ!

یارب ز سیل حادثہ طوفاں رسیدہ اند
بت خانہ کہ خانہ نقش نام کردہ اند (فیضی)

چہ خورد با مداد فرزندم!
چہ نسبت خاک را با عالم پاک
حریفاں را سر ماند و نہ دستار!
حسب حالے نہ نوشتیم و شد ایامے چند
خام بودم، پختہ شدم، سوختم!
خفتہ را خفتہ کے کند بیدار؟
خلاص حافظ ازاں زلف تابدار مباد
خواب غفلت بہر ابرو بیدارے ست (...)
خواہم کہ دگر بتکدہ سازیم حرم را (غالب)
خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گل کوزہ!
دارد آئینہ دارد کہ محروم ست از تماش! (...)
...ا تو بہ من نرخِ بادہ ارزاں کرد! (...)
خیال کن تو کجائی و ما کجا واعظ!
در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند
در حضرت کریم تقاضا چہ حاجت است
درد ما دادی و درمانی ہنوز! (خسرو)
وقت ست دگر بتکدہ سازند حرم را!
دگر ما شنیدستی ایں ہم شنو! (...)
دل دیوانہ دارم کہ در صحراست پنداری (غالب)
دہن سگ بہ لقمہ دوختہ بہ!
دیداری نمائی و پرہیز می کنی
دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا می کرد
ز دوش عربدہ با خلق خدا نتواں کرد (حافظ)

ذکر تو منسوخ کرد عشق اوائل!
راہ نسبت طلبی بیں کہ چہ شایان رفتم
رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گزشت! (...)
زبیتابی سرم میگردد و بالیں نمی باید
ز چشم آستیں بردار و اشکم را تماشا کن!
زدیم بر صف رنداں و ہر چہ بادا باد! (حافظ)
ز ساغر گردما غم ترک کردم، چہ می کردم! (...)
زہر مرض کہ بنالد کسے شراب دہند! (...)
زہے مراتب خوابے کہ بہ ز بیداری ست! (...)
زیں ہو سہا بگذر یا نہ گذر، می گذرد!
ساقی بدہ رطل گراں، کاں کی دہقاں و ... (...)
ستم رسیدہ یکے، نا امید واریکے! (غالب)
سر ایں فتنہ ز جائیست کہ من می دانم! (بیدل)
سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی
شرطست کہ داستاں نہ گویم
صد بیاباں بگذشت و دگرے در پیش ست (...)
ضائع آں کشور کہ سلطانش نیست!
طبع مشکل بود، ما بر خویش آساں کردہ ایم!
طفل نادانم و اول سبق ست!
طفیلی جمع شد چنداں کہ جائے ما گم شد! (نظیری)
عار دارد کفر از ایمان من!!
عالم ہمہ افسانۂ ما دارد و ما ہیچ! (...)
عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد!

این نشہ بمن گر نبود یاد گرے ہست!
این نگاہیست کہ شائستۂ دیدارے ہست (غنی)
اے آتش فراقت دلہا، کباب کردہ!
اے تو افلاطون و جالینوس ما!
اے خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست
اے طبل بلند بانگ، در باطن ہیچ! (سعدی)
اے کوتاہ آستیناں! تا کے دراز دستی! (حافظ)
اے گل بتو خرسندم، تو بوئے کسے داری! (جامی)
اے نسیم سحری، یاد دہش عہد قدیم
باز از ہوائے چیستم آرزو ست!
بازی خواہم ز سر گیرم رہ بیہودہ را (نظیری)
بایک جہاں کدورت، باناایں خرابہ جائے ست ([illegible])
بیں کہ نقش المہلہ باطل افتاد ست! (نظیری)
بردند و بہ بادشاہ قسمت کردند را
برعکس نہند نام زنگی کافور! (نوعی)
برہمن می شدم گر ایں قدر زناری بستم
بریں مژدہ گر جاں فشانم رواست!
بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست؟
بہ ارباب معنی رابہ زنگ اصحاب صورت را! ([illegible])
بہر یک گل، زحمت صد خار می باید کشید!
بہ صد دفتر نگنجد حدیث درد مشتاقے
بیار بادہ کہ ما ہم غنیمتیم بسے!
بیا کہ ما سپر انداختیم اگر جنگ ست! (عرفی)

بیچارہ آں اسیر امیدوار تست!
بے حکم شرع آب خوردن خطا ست
پندار را آتش ایں جا بہ شرار افتاد ست!
پیش ازیں صد داغ بر دل داشتم اکنوں یکی ست
تا ساغرت پرست، بنوشان و نوش کن! (حافظ)
ترا چہ شد کہ نمی پرسی آشنائے را
ترک ہمہ گیر و آشنائے ہمہ باش! (حالی)
تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو!
تن ہمہ داغ داغ شد، پنبہ کجا کجا نہی؟
تو خود حدیث مفصل بخواں ازیں مجمل!
تو دانی حساب کم و بیش را!
تو نیز بر سر بام آ کہ خوش تماشائیست! ([illegible])
جوشیدہ خون تازہ ز داغ کہن مرا
تو و قطع منازل نہا من و یک لغزش پائے (بیدل)
جائے بود کہ بر قامت او دوختہ بود! (حافظ)
جرس فریاد می دارد کہ بربندید محملہا (حافظ)
جز نغمۂ محبت سازم نوا نہ دارد! (غالب)
جواں بخت، و جواں طالع، جواں باد!
چشم سوئے فلک و روئے سخن سوی تو بود (نظیری)
چناں بردند صبر از دل کہ ترکاں خوان یغما را!
چو کفر از کعبہ برخیزد، کجا ماند مسلمانی (غنی)
چو صفحہ تمام شد، ورق برگردد ([illegible])
چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند! (حافظ)

من اندازقدت رامی شناسم! هان بانگ بلند است ایں، پوشیده نمی گویم

وفائے دوست را در بے وفائی یافتم هر که خواهد میل دیدن، در سخن بینند مرا!

من وگرز و میدان و افراسیاب (فردوسی) هر لحظه بطرز دگران یار بر آمد

میاں طالب و مطلوب رمزے ست هست ایں قصه مشهور و تو هم می دانی!

می بردهر جا که خاطر خواه ست هشدار که سیلاب فنا در پیش است

می گویم و بعد از من گویند بدستانها! همچو عیدے که در ایام بهار آمد و رفت! (غالب)

ناخلف باشم اگر من بجوے نفروشم همیں ورق که سیه گشت، مدعا ایں جاست! (نظیری)

نامردی و مردی قدمے فاصله دارد! یاراں خبر دهید که ایں جلوه گاه کیست؟ (نظیری)

نرخ بالا کن که ارزانی هنوز! یاراں صلائے عام ست گر می کنید کارے! (حافظ)

نشسته ایم که از ما غبار برخیزد! یارما ایں دارد و آں نیز هم! (حافظ)

نفسے بیاد تو می زنم، چه عبارت و چه معانیم (بیدل) یقیں عشق کن و از سر گماں برخیز!

ولے برصید که یک باشد سیادے چند! یکے بدزدی دل رفت و پرده دار یکے

ولے گر در پس امروز بود فردائے! (حافظ) یکے ست نسبت شیرازی و بدخشانی! (رحیم خانه)

دلے دیوانه دارم که در صحرا پنداری! گو تو خوش باش که ما گوش به احمق نکنیم

ایں ماتم سخت است که گویند جواں مرد

عربی

وحماه، لبنان، وکیف بقطعها وهن الشتاء، وصیفهن شتاء (متنبی)

ومليحة شهدت لها ضراتها والفضل ما شهدت به الاعداء!

اردنا خطة لا ضيم فيها يستوى بيننا فيها السواء

قد كنت آمل ان اموت ولا ارى فوق المنابر من امة خاطبا

فالله اخر مدتى فتطاولت حتى رأيت من الزمان عجائبا

فى كل يوم لا يزال خطيبهم وسط الجموع لآل احمد عائبا

فالذى منهما خرجنا انا لا ادرى يلقى خيرا او يلقى وبالا

عشق ازیں بسیار کردست و کند! عطار
عشق ست و ہزار بدگمانی حافظ
عمرت دراز باد کہ ایں ہم غنیمت ست!
غرض اندر میان سلامت اوست!
غرض دو گونہ عذابست جان مجنوں را!
قدرے گرید، وہم بر سر افسانہ رود! خسرو
قبلہ گم شد محتسب میخانہ را آباد کن!
قدرے گریم و وہم بر سر افسانہ روم
قصہ کوتہ گشت ورنہ دردسر بسیار بود!
قومے بجد و جہد گرفتند وصل دوست
قومے دگر حوالہ بتقدیر می کنند!
قیاس کن ز گلستان من بہار مرا!
کار مشکل بود، ما بر خویش آساں کردہ ایم! غالب
کاں سوختہ را جاں شد و آواز نیامد
کاں را کہ خبر شد، خبرش باز نیامد! سعدی
کردیم ہزار بار توبہ!
کس نہ دارد ذوق مستی مے گساراں را چہ شد حافظ
کہ گفتہ بود کہ دردش دوا پذیر مباد خیرہ
کوتہ نظر ببیں کہ سخن مختصر گرفت! حافظ
کوتہ نتواں کرد کہ ایں قصہ درازست! حافظ
کہ من بخویش نمودم صد اہتمام و نشد!
کہ در تاخیر آفتہا، و عاشق را زیاں دارد
کہ بلبلاں ہمہ مستند و باغباں تنہا! صائب

کہ عشق آساں نمود اول، ولے افتاد مشکلہا! حافظ
کہ آنچہ ساقی ما ریخت عین الطاف است
کہ زود آخر شود ایں نشہ و من در خمار افتم
کیں زمین را آسمانے دیگر ست!
کیں خستہ اگر دیر زید، شام بمیرد!
گر تو دامن بکشی دست کسے کوتہ نیست
گرچہ خوب است، ولیکن قدرے بہتر ازیں! حافظ
گر غم خوریم خوش نبود، بہ کہ مے خوریم! حافظ
گر نکتہ دان عشقی، خوش بشنو ایں حکایت! حافظ
گوئی ایں طائفہ ایں جا گہرے یافتہ اند فیضی
لا لہ ساغر گیر و نرگس مست و بر ما نام فسق!
لب تشنگی ز راہ دگر بردہ ایم ما!
لختے ز حال خویش بہ سیما نوشتہ ایم نظیری
ماجرا ہاست بآں چشم فسوں ساز مرا
ما زندہ ازانیم کہ آرام نگیریم! کلیم
ما ہمہ بندۂ وایں قوم خداوندانند!!
ما ہیچ نہ گفتیم و حکایت بدر افتاد! سعدی
متاع من کہ نصیبش مبادا ارزانی! عرفی
مجلس چوں بر شکست تماشا بما رسید!
مدار روزگار سفلہ پرور را تماشا کن!
مرغ زیرک چوں بدام افتد تحمل بایدش حافظ
معلوم شد کہ ہیچ معلوم نہ شد! حکیم
مگر اندراں دیارے کہ توئی وفا نباشد!

ن الدنيا فانك لاتبـــقى   وخذ صفوها ما ان صفت ودع الرنقا

من الدهر الذى قد امنته   فلم يبق لى حالا ولم يرع لى حقــا

لت صناديد الرجال، ولم ادع   عدواً، ولم امهل على طغيه خلقا

خلت دار الملك من كل نازع   فشردتهم غرباً، ومزقتهم شرقــا

ولم يغن عنى ما جمعت، ولم اجد   لذى ملك منها ولا راغب رفقا

ابلغت النجم غرو رفعة   وصارت رقاب الخلق اجمع لى رقا

مانى الردى سهمًا، فاخمد جمرتى   فها ان اذا فى حضرتى عاجلاً القى

فياليت شعرى بعد موتى ما القى   الى نعم الرحمٰن ام ناره القى

اشدد حيازيك للموت   فان الموت لاقيكا

ولا تجزع من الموت   اذا حل بواديكا

اليف لا اقتل حتى اقتــلا   ولن اصاب اليوما لا مقتلا

اضربهم بالسيف ضربا مفصلا   لا ناكلا فيهم ولا مهــللا

بطواه يطوى البلاد كليــلا   تائمًا فى عروض الفلاة ذليلا

وما كان قيس هلكه هلك واحد   ولكنه بنيان قوم تهدما!

ماحارس لايبرح الدهر بيتها   وان ذبحت صلى عليها وزمزما

دوالله لولا خشية الناس والحيا   لعانقتها بين المقام وزمزما

ولما قسا قلبى وضاقت مذاهبى   جعلت الرجا منى لعفوك سلّما

تعظمنى ذنبى فلما قرنته   بعفوك ربى كان عفوك اعظمًا

يفلقن هاما من رجال اعزة   علينا وهم كانوا اعق واظلما

لايسالون اخاهم حين يندبهم   فى النائبات على ماقال برهانا

انا من اهوىٰ، ومن اهوىٰ انا   نحن روحان حللنا بدنا

فاذا ابصرتنى، ابصرتــه   واذا ابصرته، ابصرتنا

اتانى هواها قبل ان اعرف الهوىٰ   فصادف قلبا فارغاً فتمكنا

والذی لاینال الامن الشر | فتنا به الخطوب انتیابا

وقلت ذالک من قول الغلاة وما | ذنب الغلاة اذا لم یوردکذبا

فاصف قبل رد الطرف من سبأ | بعرش بلقیس وافی یخرق الحجبا

فانت فی آصف لم تغل فی بلی | فی حیدر انا غال، ان ذا عجبا

انکرت لیلة اذ صار الوصی الی | ارض المدائن بما ان لها طلبا

وغسل الطهر سلمانا وعاد الی | عراص یثرب ولاصباح ما وجبا

ولم یستتر فی رایة غیر نفسه | ولم یرض الاقائم الصیف صاحبا

ولو قلت لی مت، مت سمعا وطاعة | وقلت لداعی الموت اهلا ومرحبا

اذ قرت کالی نضة وذهبا | انا قلت الملک المحجبا

قلت خیر الناس اما دلیا | وخیرهم اذ ینسبون نسبا

اذا هم القی بین عینیه عزمه | ونکب عن ذکر العواقب جانبا

ان کان احمد خیر المرسلین فذا | خیر الوصیین اوکل الحدیث هبا

وما الدهر الامن رواة قصائدی | اذا قلت شعرا، اصبح الدهر منشدا — متنبی

ان الطبیب بطبه ودوائه | لایستطیع دفاع مذروه اتی

ما للطبیب یموت بالداء الذی | قد کان یبری مثله فی مامضی

هلک المداوی والذی | جلب الدوا وباعه ومن اشتری

دانک عبدی یا زمان وانی | علی الرغم منی اری لک سیدا

وما انا راض انی واطی الثری | ولی همة لاترتضی الافق مقعدا

زدنی بفرط الحب فیک تحیرا | وارحم حشا بلظی هواک تسعرا

لیث یدق الاسد الیموسا | ولا یهاب الفیل والجاموسا

علیک مثل الذی صلیت فاعتصمی | عینا فان لجنب المرء مضطجعا

وهم صلبوا عبدی فی جذع نخلة | فلاعطست شیبان الاباجدعا

ویسجدون کما سمعت کلامها | خروا العزة سجدا ورکوعا — نجم ۵۰

ابى لهم ان يعرفوا نصبهم انهم — بنونا تق كانت كثيراً عيالها

ستعلم ليلى اىُّ دين تداينت — واىُّ غريم فى التقاضى غريمها

وهل افسد الدين الا الملوك — واحبار سوء ورهبانها

اندم هديت هاديا مهديا — فاليوم تلقى جدك النبيا

وحسنا والمرتضى عليا — وذا الجناحين الفتى الكميا

ن الوسائل للملوك ببابهم — ووسيلة العظمى بهذا الباب!

اترجوان تكون، وانت شيخ — كما قد كنت ايام الشباب؟

لقد كذبت نفسك ليس ثوبٌ — دريس كالجديد من الثياب؟

ية لولى العهد احكمها — بالنصح منه وبالاشفاق والحدب

وكذا الفضل عقدا لا انتقاض له — لمصطفى من بنى العباس منتخب

سارت مشرقة وسرت مغرب — شتان بين مشرق ومغرب!

، فان الحب داعية الحب — وكم من بعيد الدار مستوجب القرب! علی بن الجہم

ـهبت على مقدار كفى زماننا — ونفسى على مقدار كفك يطلب

ت لها "ما اذنبت؟" قالت مجيبة — "وجودك ذنب لا يقاس به ذنب!"

من لم يكن للوصال اهلا — فكل طاعاته ذنوب!

ومن مذهبى حب الديار لاهلها — وللناس فيما يعشقون مذاهب

مل والله طبيبى — عن مقاساة الذى بى

سوف الغنى عن قريب — لعدو وحبيب!

لتهن امير المومنين كرامة — عليه بها شكرى له وجوب

بان ولى العهد مامون هاشم — بدا فضله اذ قام وهو خطيب

ولما رماه الناس من كل جانب — بابصارهم، والعود منه صليب

رماهم بقول: انصتوا لجماله — وفى دونه للسامعين عجيب

للامام: جزاك الله مغفرة — لا يجمع الدهر بين السخل والذيب

صلی الاله علی جسم تضمنه — قبر فاصبح فیه العدل مدفونا

قد خالف الحق لا یبغی به بدلا — فصار بالحق والایمان مقرونا

ومن لبس النعال واحتذاها — ومن قرأ المثانی والمئینا

اذا استقبلت وجه ابی حسین — رأیت البدر راع الناظرینا

ولولا الله لا انسی علینا — وحسن صلاته فی الراکعینا

افی الشهر الحرام فجعتمونا — بخیر الناس طرا اجمعینا

الا یا عین ویحک اسعدینا — الا وابکی امیر المؤمنینا

رزینا خیر من رکب المطایا — وفارسها ومن رکب السفینا

انا لنرخص یوم الروع انفسنا — ولو نسام بها فی الامن اغلینا

فقدمت الادیم لراهشیه — فالقی قولها کذبا ومینا

یارب لا تسلبنی حبها ابدا — ویرحم الله عبدا قال آمینا

وشد وشدة اخری فجروا — بارجل مثلهم ورموجوینا

دب فی الفناء سفلا وعلوا — دار لی اموت عضوا فعضوا

ذهبت شرتی بجدة نفسی — وتذکرة طاعة الله نضوا

لیس من ساعة مضت لی الا — نقضتنی بمرها لی جزوا

لهف نفسی علی لیال وایام — تملیتهن لعبا ولهوا

قد اسانا کل الاساءة فالهم — صفحا عنا وغفرا وعفوا

بلاد بها نیطت علی تمائمی — واول ارض مس جلدی ترابها

اذا لم تکن الا الاسنة مرکبا — فلا یسع المضطر الا رکوبها

لا تقل دارها بشرقی نجد — کل نجد للعامریة دارها

واقلیة یسعی علیها فتیم — معطرس ابدیت عن خلخالها

وخمار غانیة عقدت براسها — اصلا وکان منشرا بشمالها

وليس بها الا الرقيم مجاوراً — وصيدهم، والقوم فی الكهف همد

ومتی يساعدنا الوصال ودهرنا — يومان، يوم نوی ويوم صدود!

ستبدی لك الايام ماكنت جاهلا — ويأتيك بالاخبار من لم تزود!

اتری ابن هند للخلافة مالكا — هيهات ذاك وما اراد بعيد

منتك نفسك فی الخلاء ضلالة — اغراك عمرو للشقاء وسعيد

فارجع بانكد طائر بنحوستها — لاقت عليا اسعد وسعود!

ماشئت قل فيه، فانت مصدق — فالحب يقضی والمحاسن تشهد

فلوكنت يا مجنون تضنی من الهوی — لبت كما بات السليم المسهد

تلك آثارنا تدل علينا — فاسئلوا حالنا عن الآثار!

تمتع من شميم عرار نجد — فما بعد العشيه من عرار

قد علمت حقا بنو غفار — وخندف بعد بنی نزار

لنضربن معشر الفجار — بكل غضب صارم بتار

يا قوم زودوا عن بنی اللعار — بالمشرفی والقنا الخطار

اقول لصاحبی والعيش تهوی — بنا بين المنيفة فالضمار

وان صخرا لتأتم الهداة به — كانه علم فی راسه نار

ماشئت، لاماشاءت الاقدار — فاحكم فانت الواحد القهار!

شهور ينقضين ماشعرنا — بانصاف لهن ولا سرار!

فلما ليلهن فخير ليل — واطيب مايكون من النهار!

ونحن اناس لا توسط بيننا — لنا الصدر دون العالمين او القبر — ابو فراس الحمدانی

اذا جاء موسیٰ والقی العصا — فقد بطل السحر والساحر!

صبحك الله قبيل الفجر — بالهاشميين الطوال الزهر

بكل قطاع حسام يفری — حمزة ليثی وعلی صقری

هتك وحقی حجاب الستر — ما للبغايا بعدها من فخر

السّغل غروهم الذیب غفلته — والذیب یعلم ما بالضل من طیب

ولقد تھیلی الصبا من ارضھا — فیلذ مس ھبوبھا ویطیب!

کشفت لھم عن ساقھا — وبدا من الشر الصراح

اقتلونی! اقتلونی یا ثقات! — ان فی قتلی حیاة لا ممات

مررت علی ابیات آل محمّد — فلم ارھا کعھدھا یوم حلت

فلا یبعد اللّٰہ الدیار واھلھا — وان اصبحت من اھلھا قد تخلت

وان قتیل الطف من آل ھاشم — اذل رقاب المسلمین فذلت

وکانوا رجاء ثم صاروا رزیة — فقد عظمت تلک الرزایا وجلت

الم تر ان الارض اصبحت مریضة — لفقد حسین والبلاد اقشعرت

وقد اعولت تبکی السماء لفقده — وانجمھا ناحت علیہ وصلت

تمنت سلیمی ان نموت بحبھا — واھون شئ عندنا، ما تمنت

وما تنفع الاداب والعلم والحجی — وصاحبھا عند الکمال یموت

شربت الحب کاسا بعد کاس — فما نفد الشراب ولا رویت

واضیعة الناس والدین الحنیف وما — تلقاہ من حادثات الدھر والجواد

ھتک وقتل واحداث یشیب بھا — راس الولید وتعذیب واصفاد

ونار لو نفخت بھا اضاءت — ولکن انت تنفخ فی الرماد

فلما عصونی کنت منھم وقد اری — غوایتھم وانّنی غیر مھتد

ثلاثة ایام ھی الدھر کلہ — وما ھن: الامس والیوم والغد!

وما القمر الا واحد غیر انّہ — یغیب ویأتی بالضیاء المجدد!

ولیس اللّٰہ بمستنکر — ان یجمع العالم فی واحد

وھل انا الا من غزیة ان غوت — غویت وان ترشد غزیة ارشد

وحدثتنی یا سعد عنھا فزدتنی — جنونا فزدنی من حدیثک یا سعد!

الا ان لیلی بالعراق مریضة — وانت خلی البال تلھو وترقد!

فانما اولادنا بيننا ... واكبادنا تمشی علی الارض

لکان لی مضطرب واسع ... فی الارض ذات الطول العرض

لولابنیات کزغب القطا ... رددن من بعض الی بعض

هنیا لارباب النعیم نعیمها ... وللعشق المسکین مایتجرع

تدوم علی ان امنح الورد قصة ... وماتستوی والورد ساعة تفرع

واذا المنیة انشبت اظفارها ... الفیت کل تمیمة لاتنفع

ایتها النفس اجملی جزعا ... فان ماتحذرین قد وقع

وقمت الیه باللجام میسرا ... هنالک یجزینی بما کنت اصنع

تذکرت ایاما مضت ولیالیا ... خلت فجری من ذکرهن دموی

الا هل لی الی وقت الوصال رجوع؟ ... وهل بعد اعراض الحبیب تواصل

وهل لبدور قد افلن طلوع؟

اذا کان هذا الدمع یجری صبابة ... علی غیر لیلی فهو دمع مضیع

کیف الوصول الی سعاد ودونها ... قلل الجبال وبینهن حتوف

قلبی یحدثنی بانک متلفی ... روحی فداک عرفت ام لم تعرف

قدا ستوی بشر علی العراق ... من غیر سیف ودم مهراق

اهدیتنی ورقا لم تهدنی ورقا ... قل لی بلا ورق ماینفع الورق؟

الی الله اشکو ما الاقی من الهوی ... بلیلی، ففی قلبی جوی وحریق

کان فؤادی فیه مور بقادح ... وفیه لهیب ساطع وبروق!

اظل ذبیح العقل ما اطعم الکری ... وللقلب منی انه وخفوق!

بری حبها جسمی وقلبی ومهجتی ... فلم یبق الا عظم وعروق!

اذا ذکرتها النفس ماتت صبابة ... لها زفرة قتالة وشهیق!

وقد صرت مجنونا من الحب هائما ... کانی عان فی القیود وثیق!

فلم ار کالدعاء اعم نفعا ... واعظم فی مکافات الصدیق

نحن جزيناكم بيوم بدر … والحرب يوم الحرب ذات سعر

ماكان عن عتبة لي من صبر … ابي وعمي واخي وصبري

نشكر وحشي على عمري … حتى تغيب اعظمي في قبري

يابنت رقاع عظيم الكفر … خزيت في بدر وغير بدر

غدا سمرا بين الانام حديثهم … واذا سمر يلذ المسامع لسمرا

تحية مشتاق والف ترحم … على الشهداء الطاهرين من الوزر

ان تعقروا بي فانا ابن الحر … اشجع من ذي لبد هزبر

واخوه العداوة لايمر بصالح … الا يلمزه بكذاب اشر

فلا تسئلن عما جرى يوم حصرهم … وذالك بما ليس يدخل في حصر

قد بايع الثقلان في مهد الهدى … لمحمد بن زبيدة بنة جعفر

انشر من العلم ما اوتيته علما … وما عليك اذا لم تفهم البقر

عمارتنا شتى وحسنك واحد … وكل الى ذاك الجمال يشيرا

رق الزجاج ورقت الخمر … فتشابها فتشاكل الامرا

اراك عصى الدمع شيمتك الصبر … اما للهوى نهي عليك ولا امر

كان لم يكن بين الحجون الى الصفا … انيس ولم يسمر بمكة سامرا

تداويت من ليلى بليلى عن الهوى … كما يتداوى شارب الخمر بالخمرا

مطهرون نقيات جيوبهم … تجرى الصلوة عليهم اينما ذكروا

من لم يكن علويا حين تنسبه … فما له في قديم الدهر مفتخر

الله لما برى خلقا فاتقنه … صفاكم واصطفاكم ايها البشر

فانتم الملا الاعلى وعندكم … علم الكتاب وما جاءت به السور

فما فرحت نفسي بدنيا اصبتها … ولكن الى الله الكريم اصير

وورا وذالك فلا اقول لانني … سر لسان النطق منه اخرس

يذكرني طلوع الشمس صخرا … واذكره بكل غروب شمس

صاحب ابن عباد

عمرو بن الحارث

ولكن دينا قد اردت صلاحه | لحاذر ان تقضی علیه العمائم
سلط الموت والمنون علیهم | فلهم فی صدی المقابر هام
وابرح مایکون الشوق یوما | اذا دنت الخیام من الخیام
بشتان مابین الیزیدین فی الندی | یزید سلیم والاعز بن حاتم
خلقنا رجالا للتجلد والاسی | وتلک الایامی للبکاء والماتم
لسان علی فی الهوی وهو ناطق | ودیعی نصیح فی الهوی وهو اعجم!
ثلاثة آلاف وعبد وقینة | وضرب علی بالحسام المصمم
فلا مهر اغلی من علی وان علی | ولا فتک الادون فتک ابن ملجم
الی الملک القرم وابن الهمام | ولیث الکتیبة فی المزدحم
اذا هی زادت فی النوی، زاد فی الهوی | فلا قلبه یسلو ولا هی سترحم
فلو قبل مبکاها بکیت صبابة | بسعدی شفیت النفس قبل التندم
ولا کن بکت قبلی فهیج لی البکاء | بکاها، فقلت الفضل للمتقدم   عدی بن الرقاع
ماذا تقولون ان قال النبی لکم | ماذا فعلتم وانتم آخر الامم!
بعترتی وباهلی بعد مفتقدی | منهم اساری ومنهم ضرجوا بدم
وقابلها الرحمن فی دفنها | وصلی علی روحها وارتسم
منزه عن شریک فی محاسنه | فجوهر الحسن فیه غیر منقسم   البوصیری
اما فی بنی حصن من ابن کریهة | من القوم طلاب الترات عشمشم
فان کنت لا تدری، فتلک مصیبة | وان کنت تدری، فالمصیبة اعظم
ودع عنک عمروا ان عمروا مسالم | وهل بطن عمرو غیر شبر المطعم
العلم ادل محتاج الی القلم | وشفرة السیف تستغنی عن القلم
فان انتم لم تثاروا وتدیتم | فمشوا باذان النعام المعلم!
وان عرارا ان یکن غیر واضح | فانی احب الجون ذا المنکب العمم
وما شجانی انی کنت نائما | اعلل من برد بطیب التنسم   عدی بن رقاع

يقولون "ليلى" بالعراق مريضة — فما لك لا تضنى وانت صديق!

شفى الله "مرضى" بالعراق فانني — على كل مرضى بالعراق شفيق!

فان تك "ليلى" بالعراق مريضة — فانى فى بحر الحتوف غريق!

اهيم باقطار البلاد وعرضها — ومالى الى "ليلى" الغداة طريق!

يا رب فى الملك فيطرحنى فى البرك — ثم يصطادنى كانى من السمك

الا فى سبيل المجد ما انا فاعل — عفاف واقدام وحزم ونائل!

اذا اصلتنى والسلاح مشيحة — الى الروع لم اصبح على سلم وائل

ولو كانت النساء كمن ذكرنا — لفضلت النساء على الرجال!

فيا دارها بالخيف ان مزارها — قريب، ولاكن دون ذالك اهوال (مكرر

وهل ينبت الخطى الا وشيجة — وتغرس الا فى منابتها النخل

نزلوا بمكة فى قبائل هاشم — ونزلت بالبيداء ابعد منزل!

والغول بين يدى يظهر تارة — ويكاد يخفى مثل ضوء المشعل

ومن بعد هذا ما يدق بيانه — وما كتمه احظى لديه واجمل

فمن شاء فلينظر الى فمنظرى — نذير الى من ظن ان الهوى سهل

يا دهر اف لك من خليل — كم لك فى الاشراق والاصيل

من طالب وصاحب قتيل — والدهر لا يقنع بالبديل

وانما الامر الى الجليل — وكل حى سالك السبيل

اذا ما انقضت منى من الدهر مدتى — فان عزاء الباكيات قليل!

سيعرض عن ذكرى وتنسى مودتى — ويحدث بعدى للخليل خليل!

قليل منك يكفينى، ولاكن — قليلك لا يقال له قليل

لنا جبل يحتله من نجيره — منيف يرد الطرف وهو كليل

رسا اصله تحت الثرى، وسما به — الى النجم فرع لا ينال طويل

ولست ابالى ان يقال محمد — ابل او التطعت اليه الماتم

ولكن ديناً قد اردت صلاحه — احاذر ان تقضي عليه العمائم

سلط الموت والمنون عليهم — فلهم في صدى المقابر هام

وابرح ما يكون الشوق يوما — اذا دنت الخيام من الخيام

لشتان ما بين اليزيدين في الندى — يزيد سليم والاغر بن حاتم

خلقنا رجالا للتجلد والاسى — وتلك الغواني للبكاء والمآتم

لسان علي في الهوى وهو ناطق — ودمعي نصيحي في الهوى وهو اعجم

ثلاثة آلاف وعبد وقينة — وضرب علي بالحسام المصمم

فلا مهر اغلى من علي وان غلا — ولا فتك الا دون فتك ابن ملجم

الى الملك القرم وابن الهمام — وليث الكتيبة في المزدحم

اذا هي زادت في النوى زاد في الهوى — فلا قلبه يسلو ولا هي ترحم

فلو قبل مبكاها بكيت صبابة — بسعدى شفيت النفس قبل التندم

ولكن بكت قبلي فهيج لي البكا — بكاها فقلت الفضل للمتقدم (عدي بن رقاع)

ماذا تقولون ان قال النبي لكم — ماذا فعلتم وانتم آخر الامم!

بعترتي وباهلي بعد مفتقدي — منهم اسارى ومنهم ضرجوا بدم

وقابلها الريح صفو دنها — وصلى على دنها وارتسم

منزه عن شريك في محاسنه — فجوهر الحسن فيه غير منقسم ا (البوصيري)

اما في بني حصن من ابن كريهة — من القوم طلاب التراث غشمشم

فان كنت لا تدري، فتلك مصيبة — وان كنت تدري، فالمصيبة اعظم

ودع عنك عمرا ان عمرا مسالم — وهل بطن عمرو غير شبر لمطعم

العلم اذل محتاج الى القلم — وشفرة السيف تستغني عن القلم

فان انتم لم تثأروا واتديتم — فمشوا باذان النعام المصلم!

وان عارا ان يكن غير واضح — فاني احب الجون ذا المنكب العمم

وما شجاني انني كنت نائما — اعلل من برد بطيب التنسم (طوى بن ريان)

الی ان دعت ورقاء من غصن ایکة | تغرد مبکاها بحسن الترنم — طرفی بن رماح
الصبر یحمد فی المواطن کلها | الا علیك فانها مذموم
سقیم مل منه اقربوه | واسلمه المداوی والحمیم
اجد الملامة فی هواك لذیذة | حبا لذکرك، فیلمنی اللوم! — ابو الشیص الخزاعی
نصحت فلم افلح وغشوا فافلحوا | فاوردنی نصحی بدار هوان
فان عشت لم انصح وان مت فلعنوا | ذوی النصح من بعدی بکل لسان
فیا عتاب زفن قاررتان | ذی الخیر وذی لشر الهوان
لمثل هذا یذوب القلب من کمد | ان کان فی القلب اسلام وایمان
ان الامام اخو النبی محمد | علم الهدی ومنارة الایمان
دنعه الحتوف وسرامام لوائه | قد ما بابیض صارم وسنان
ماذا التقاطع فی الاسلام بینکم | وانتم یا عباد الله اخوان
شمر کفعل ابیك یا ابن عمارة | یوم الطعان وملتقی الاقران
وانصر علیا، والحسین ورهطه | واقصد لهند وابنها بهوان
انا من بالنفس النفسیة ربها | ولیس لها فی الخلق کلهم ثمن
بها نشتری الجنات ان انا بعتها | بشی سواها، ان ذ الکم غبن
اذا اذهب نفسی بشی اصیب | فقد ذهب الدنیا وقد ذهب الثمن
کان مملوکی فاضحی مالکی | ان هذا من اعاجیب الزمن!
انا زهیر وانا ابن ایقین | اذودهم بالسیف عن حسین
انظرونا نقتبس من نورکم | ان هذا النور رب العالمین!
الموت فیه جمیع الناس تشترك | لا سوقة منهم یبقی ولا ملك
ماضر اهل قلیل فی مقابرهم | ولیس یغنی عن الملاك ما ملکوا
مضی الدهور وما اتین بمثله | ولقد اتی فعجزن عن نظرائه
یا اهل بیت رسول الله حبکم | فرض من الله فی القرآن انزله

چند خط میرے نام

ڈاکٹر عبدالجلیل فریدی اور بعض دوسرے اکابر کے خطوط

پیشکش

جناب آصف علی خاں

حرفِ چند

ڈاکٹر فریدی (عبدالجلیل فریدی) کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ اسلامیانِ ہند نے ۴۷ء کے بعد کے بحرانی دور (Crisis) میں بھی ایسے جری بطل جلیل پیدا کر دیئے کہ ان کا محض خیال آتے آتے بھی سینہ فخر سے چوڑا ہونے لگتا ہے۔ اللہ ان کی قبر کو نور سے بھر دے۔ ان کے، اور کچھ اور مشاہیر کے خطوط ہمیں عزیز مکرم آصف علی خاں صاحب سے ملے۔ اصل لائبریری کے لیے، اور نقل آپکی خدمت میں پیش ہیں۔

آصف علی خاں صاحب، نامور باپ شرافت علی خاں صاحب مرحوم کے فرزند، رامپور کے سماجی کارکنوں میں ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ (صولت پبلک لائبریری، رامپور کے اعزازی سکریٹری بھی ہیں)، یہی سماجی خدمت کا رشتہ فریدی صاحب کو بھی قریب لے آیا تھا۔ عندلیب شادانی اور شرافت علی خاں صاحب کی رامپور کی قدیم بے تکلف دوستی تھی، ہر وقت کا ساتھ۔ پھر یہ ڈھاکہ چلے گئے، پھر ۴۷ء آیا اور پھر سب کچھ بکھر گیا۔ عادل رشید، شکیل بدایونی اور شرف زیدی سے آصف صاحب نے جو ایک رسالہ احسن نکالا تھا، اس رشتے سے خط و کتابت تھی۔ ان حضرات سے آصف صاحب کی خط و کتابت ۵۶ء سے ۷۰ء کے درمیان ہوئی۔

بطور تعارف رشید احمد صدیقی کا ایک مضمون اور دو خطوط شروع میں (ڈاکٹر مسعود حسین کے شکریہ کے ساتھ) شامل کیے جا رہے ہیں، ایک تو فریدی صاحب کے بارے میں ہے اور دوسرا فریدی صاحب کے نام۔ دونوں کی بڑی اہمیت ہے۔ پہلے کی کچھ زیادہ ہی، جس میں انھوں نے فریدی صاحب کے بارے میں لکھا ہے:

> "... ایسی خوبیوں کا ڈاکٹر اور انسان دونوں میری نظر سے تو گزرا نہیں... انکی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ لالچ مطلق نہیں ہے۔ حذاقت اور دردمندی میں شبہ نہیں۔ جتنے سچے اور پکے مسلمان ہیں اتنے ہی خوش اطوار، خوش گفتار اور خوش شمائل شخص بھی۔ انکی خوبیاں ان سے ملنے پر واضح ہونگی۔"

ایسا بے غرض، بے جگر، جیالا، حفظ الرحمن کے بعد میری نظر سے اب تک نہیں

گزرا، جو صرف دوسروں کے لیے جیا ہو، اور سمپورنانندوں اور سی بی گپتاؤں کے لکھ
میں ہمیشہ سر اٹھا کے چلا ہو۔

وہ شام مجھے اب تک نہیں بھولی! مفتی صاحب مرحوم (مفتی عتیق الرحمن) کے یہاں
روز کی معمولی باتیں چل رہی تھیں کہ ایک صاحب داخل ہوئے چال جیسے کڑی کمان کا تیر!
آپسی سلام اور مزاج پرسی کے بعد مفتی صاحب نے بلوایا۔ "ڈاکٹر فریدی صاحب" اور پھر فوراً
انھیں مخاطب کر کے کہنے لگے کہ ڈاکٹر صاحب اپنے کو فنا کر ڈالنے کا پورا تہیا کر لیا ہے۔
فریدی صاحب نے مفتی صاحب کا ہاتھ اور کس کے پکڑ لیا، مسکرائے جیسے کہہ رہے ہوں
"اول و آخر فنا، ظاہر و باطن فنا"۔ وہ مسکراتے رہے اور ان کے چہرے پر نوریں تحریر
میں اقبال کے مصرعوں کے سوا کچھ بھی نظر نہیں آرہا تھا:

سلسلۂ روز و شب، نقش گر حادثات ٭ سلسلۂ روز و شب، اصل حیات و ممات • سلسلۂ
روز و شب تار حریر دو رنگ ٭ جس سے بناتی ہے ذات اپنی قبائے صفات • آنی و فانی تمام
معجزہ ہائے ہنر ٭ کار جہاں بے ثبات! کار جہاں بے ثبات • اول و آخر فنا، باطن و ظاہر فنا ٭
نقش کہن ہو کہ نو، منزل آخر فنا • ہے مگر اس نقش میں رنگ ثبات دوام ٭ جس کو کیا ہو کسی
مرد خدا نے تمام!

"فنا کر ڈالیے اپنے آپ کو" مفتی صاحب کی آواز میں تلخی آگئی تھی، مگر ڈاکٹر صاحب آپ کے
فنا ہونے سے ہمارا کام بنے گا نہیں، بگڑ ضرور جائے گا۔ قوم کو جن کی ضرورت ہے وہ
اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالیں تو پھر قوم کا بنے گا کیا۔

فریدی صاحب نے اپنے کو فنا کرنے میں ذرا جلدی کر دی۔ زندگی کی شمع کے دونوں
سرے جلا رکھے تھے انھوں نے، کب تک ساتھ دیتی وہ ان کا۔ لیکن جتنا بھی جیے ان گنت
دلوں پر اپنا نقش تو چھوڑ گئے۔ اور شیر کی ایک دن کی زندگی یقیناً گیدڑ کی سو برس کی
زندگی سے بہتر ہے۔

آصف صاحب نے اپنا ایک قیمتی ذاتی اثاثہ خدا بخش لائبریری کی نذر کر دیا تو لائبریری نے
بھی مناسب سمجھا کہ قوم کی امانت کو قوم تک پہنچا دیا جائے:

ع بگیر ایں ہمہ سرمایۂ بہار از من

(ع۔ ب)

تعارف

جناب رشید احمد صدیقی

Dr. A. J. Faridi
Faridi Clinic
Faridi Buildings
Hazratganj
- Lucknow -

Dr. Masud Husain Khan
"Jawad Manzil"
(Dudhpur)
Aligarh

خدا رحمت کند

پروفیسر رشید احمد صدیقی

آج کم و بیش ۲۰ سال ہوئے ہوں گے قلب کی شکایت کے سلسلے میں سردی
یک رات کو ایک دوست کی وساطت سے پہلی بار ڈاکٹر صاحب کی کلینک میں حاضر ہوا
کس شرافت و شگفتگی سے مرحوم نے پذیرائی کی تھی! غیر معمولی توجہ اور ہمدردی سے
حالات سنے۔ جتنے طریقے چیک اپ کے ہو سکتے تھے وہ عمل میں لائے جن میں
ں الکٹرک کارڈیوگراف (E.C.G) بھی تھا۔ دوائیں اپنے پاس سے دیں۔ پھر جس
ت و محبت سے ساتھ لے کر کلینک سے باہر آئے اور خدا حافظ کہا، وہ تمام باتیں
ں وقت کس بے قراری سے یاد آتی ہیں۔ جب سے تا دمِ آخر مرحوم نے اس تعلق
و اس طرح نباہا جیسے وہ میرا شمار اپنے مخصوص دوستوں اور عزیزوں میں کرتے ہوں۔

مرحوم جتنے اچھے شخص تھے اتنے ہی اچھے مسلمان۔ وہ ہر ایک کے درد و
واری میں سہل الحصول تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو جن نعمتوں سے نوازا تھا ان کو
ھوں نے دوسروں کے لیے مستقلاً وقف رکھا۔ فرض شناسی، کردار کی بلندی اور
یزگی، دلیری اور دریا دلی کا موقع یا معرکہ ہو تو مرحوم کسی قسم کی تفریق، دوست،
شمن تک کی تفریق کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ ان کا دشمن بھی ان کی دوستی کو اپنی
نی سے بالاتر سمجھنے پر مجبور تھا۔ اس بارۂ خاص میں وہ مسلمانوں کی عظیم روایات کے
سے معتبر نمائندہ تھے۔

مسلم یونی ورسٹی ترمیمی ایکٹ کے احتجاج میں جو بڑا اجتماع لکھنؤ میں ہوا تھا
در ڈاکٹر صاحب نے آزارِ قلب کے شدائد اور خطروں کی مطلق پروانہ کرتے ہوئے اور
ن رعایتوں کے باوجود جو حکام اعلیٰ ان کی صحت اور مرتبت کے پیشِ نظر اُن کے لیے
لحوظ رکھنا چاہتے تھے اپنے آپ کو رضا کارانہ نہیں بلکہ زبردستی، قید و بند میں دے دیا
اور اس کے بعد بھی، جب تک ان کے تمام ساتھی باہر نہیں آ گئے انھوں نے جیل سے

باہر قدم نہیں رکھا اور حکام کی اس پیش کش کو منظور نہیں کیا کہ وہ ساتھیوں سے
جیل سے باہر آجائیں، ایسا واقعہ ہے جو نہ ہم کبھی بھلا سکیں گے نہ اس عہد کی
تاریخ فراموش کر سکے گی۔ علی گڑھ کے نہ ہوتے ہوئے علی گڑھ سے مرحوم کا یہ
وشیفتگی ایک بڑی حقیقت کی دلیل ہے۔ جو سمجھ میں آتی ہے۔ بیان میں مشکل
آتی ہے۔ مثلاً جیسے علی گڑھ ہماری حمیت کی نشانی، ہماری زندگی کی دلیل اور ہما
پائندگی کی بشارت ہو!

دہلی کے مشہور ڈاکٹر مختار احمد انصاری کو بھی میں نے بہت قریب سے دیکھا
اور ان کے مہر و محبت سے بہرہ مند ہوا ہوں۔ انھوں نے میرا علاج جس شفقت
کیا وہ مجھے کبھی نہیں بھولے گا اور یہ اس وقت کی بات ہے جب میں ام۔ اے۔ او
کالج کا معمولی طالب علم تھا اور ڈاکٹر انصاری کا شمار ملک و ملت کے سربرآوردہ
پیشواؤں میں ہوتا تھا۔ بڑائی کی اُن میں بڑی نشانیاں تھیں۔ وہ نشانیاں ڈاکٹر فریدی
مرحوم میں بھی جس درجہ واضح ملتی ہیں ان کا خیال کرتا ہوں تو کتنا عجیب معلوم ہوتا ہے
کیسی خوشی ہوتی ہے لیکن اس خوشی کا حزیں احساس بھی کچھ کم نہیں۔ دونوں کی
خدمات، اخلاص، شہرت، شخصیت، یہاں تک کہ مردانہ اور شریفانہ شباہت میں
بھی مماثلت ملتی ہے۔ دونوں بڑے کھلے ہاتھ اور کھلے دل کے تھے۔ دونوں امراضِ
قلب کے ماہر معالج تھے دونوں آزارِ قلب کے بہانے اپنے پیدا کرنے والے سے
جاملے! سیاست کے فساد اور فضیحتے سے نپٹنے کی مجھ میں مطلق صلاحیت نہیں
اس وادی میں کبھی قدم نہیں رکھے لیکن اتنا بڑے اعتماد اور افتخار سے کہہ سکتا ہوں
کہ ڈاکٹر فریدی کی سیاست اور سیرت دونوں ایک ہی سکّے کے دو رُخ تھے۔ سکّہ بھی
زرِ کامل عیار! ڈاکٹر انصاری کی وفات پر دعا مانگی تھی کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو ان کے
حسنات کی فردوس میں جگہ دے۔ ڈاکٹر فریدی مرحوم کے لیے بھی خدا سے اسی
رحمت و مرحمت کا خواستگار ہوں!

آزادی ملنے اور ملک کے تقسیم ہوجانے کے بعد سے مسلم سیاست کے کاروبار
میں کسی مسلمان لیڈر کا کھرا اور نڈر ہونا معمولی بات نہیں تھی۔ اس اعتبار سے ڈاکٹر
فریدی یقیناً غیر معمولی تھے۔ ان کی سیاست الہامی ہو یا نہیں اس میں کسی قسم کا

ھوٹ کھانچا نہ تھا۔ ایک مدت سے ایسے ہندو یا مسلمان لیڈر نہیں دیکھے گئے جن کو
ر شخص ہندو مسلم تفریق کے الزام سے اونچا جانتا اور مانتا ہو۔

ڈاکٹر فریدی اس الزام سے بری اور برتر تھے ان کے اس مسلک کی
ریف و تصدیق ہر مسلک و خیال کے رہرو و رہنما نے کی ہے۔ جہاں تک میرا خیال
ہے حصولِ آزادی کے بعد ڈاکٹر فریدی نے مسلمانوں کی تنظیم و ترفع کی خاطر اپنی
ولت جس طرح بے دریغ صرف کی ہے کم ہی مسلم لیڈروں نے کی ہوگی۔ مرحوم سے
وسرے درجے کا فعل مشکل ہی سے کبھی سرزد ہوا ہوگا۔ حق و باطل کے معرکے
ں بڑے نڈر تھے اور جہاں خلق و مروت کا سوال ہو اتنے ہی نرم دل و فیاض تھے۔

لکھنؤ کے اوّل درجے کے ڈاکٹروں میں شمار ہوتا تھا لیکن برخلاف اوّل درجے
کے ڈاکٹروں کے وہ مریضوں کو ذریعہ آمدنی و استحصال نہیں سمجھتے تھے۔ ان کی
ظر مریضوں کی ہتھیلی پر نہیں ان کے دکھ درد پر ہوتی۔ یہ سعادت و سرفرازی آج کل
کے بہت کم ڈاکٹروں کو نصیب ہے۔ کیسی باغ و بہار طبیعت پائی تھی۔ لیکن بے تکلفی
بے اختیاری یا برہمی میں بھی زبان سے کوئی غیر متوازن کلمہ نہ نکلتا نہ آدابِ محفل کی
لاف ورزی ہوتی۔ لکھنؤ کے متوسط طبقے کی بڑی دیر میں آنے والی اور بہت دیر میں
انے والی تہذیب کا بڑا مکمل اور دلکش نمونہ تھے۔ تہذیب کا معیار اور اس کی
حافظت متوسط طبقے ہی کی ذمہ داری ہے اور اس کا امتیاز بھی!

کوئی موقع ہو وقت کتنا ہی تنگ ہو۔ علی گڑھ آنا ہوتا تو ملنے ضرور آتے۔ بہت
وش ہوتے اور اس کا اظہار ہنس بول کر اس طرح کرتے جیسے نہ ان کو کسی بات کا فکر و غم
ھا نہ کسی فکر و غم کو میرے پاس آنے دیں گے۔ آج کل کی دنیا جس ناگفتنی میں مبتلا ہے
ور اچھے لوگ جس بڑھتے ہوئے مصائب و محرومی سے دوچار ہیں اس کا جب کبھی
یر معمولی احساس ہوا، دل نے پناہ ڈھونڈی اور ہمت خواہ ہوا تو دور اور نزدیک
کے اعلیٰ اور اولوالعزم اشخاص یاد آنے لگتے تھے۔ اُن میں ایک ڈاکٹر فریدی ضرور
وتے۔ سوچتا ہوں، ڈھونڈتا ہوں اور آواز دیتا ہوں کہ اب یو۔پی کے مسلمانوں کی
یاسی رہبری کے لیے کون سربکف میدان میں آئے گا تو لکھنؤ ہی کے ایک
امور شاعر کا مصرعہ یاد آتا ہے: ع

اللہ رے سنّاٹا آواز نہیں آتی !

کچھ دن ہوئے مرحوم کا ایک خط مِلا تھا، حسبِ معمول میری صحت کے بارے میں دریافتِ حال کیا تھا۔ مسلمانوں میں سیاسی انتشار کا ذکر تھا جس سے وہ دوچار تھے۔ اپنی بعض تحریروں اور تقریروں کی نقلیں بھی بھیجی تھیں۔ میں نے اکبرؔ کا یہ شعر لکھ کر بھیج دیا تھا ؎

ہرچند بگولہ مضطر ہے اک جوش تو اُس کے اندر ہے
اک رقص تو ہے اک وجد تو ہے بےچین سہی برباد سہی

اور عرض کیا تھا کہ صحرائے نجد میں بگولہ ہی کا رول ادا کرنے میں بڑائی ہے جہاں انجام کو نہیں دیکھتے۔ PERFORMANCE (فریضہ کی بجا آوری) کو دیکھتے ہیں آج بگولہ ساکت اور صحرا سنسان ہے۔ دیکھیے اب

کون ہوتا ہے حریفِ مئے مرد افگنِ عشق !

ڈاکٹر فریدی طوفان سے ساحل تک، جاوید حبیب ۱۹۷۵ء

پیش گفتار★

سیاست سے مجھے کبھی کوئی دلچسپی نہیں رہی، سماجی کام میری روح کی غذا ہے۔ مگر جو لوگ ڈاکٹر صاحب (ڈاکٹر عبدالجلیل فریدی) سے قریب سے واقف رہے ہیں وہ جانتے ہیں کہ ان کی شخصیت میں کوئی ایسی عجیب، انوکھی، غیر معمولی بات تھی کہ جو ان کے پاس سے گزر بھی گیا پھر اس کا سحرِ سامری (سحرِ فریدی) سے بچ نکلنا دشوار ہی نہیں، ناممکن تھا۔ چنانچہ میرے اندر کا سماجی خدمت گزار راتوں رات سیاسی کارکن بن گیا کہ شاید ایسے ہی کسی کڑے لمحے میں راتوں رات ڈاکٹر فریدی بھی اپنی غیرت و حمیت کی مجبوری سے ایک ڈاکٹر سے سیاست کار بن گئے تھے۔

مسلم مجلس انھیں کی نمائندہ تھی اور ڈاکٹر فریدی کے ساتھ ہی وہ ختم بھی ہو گئی۔ جب ان کے لیے مالکِ حقیقی کا بلاوا آگیا تو ان کے اٹھ جانے کے بعد میری دلچسپی بھی مجلس سے ختم ہو گئی کہ:

تھی وہ ایک شخص کے تصور سے اب وہ رعنائی خیال کہاں

ڈاکٹر صاحب کی یادگار میرے نام کچھ خط ہیں اور، ڈاکٹر صاحب کی طرح یہ خط بھی قوم کی امانت ہیں۔ اس لیے میں نے مناسب سمجھا کہ انھیں خدا بخش لائبریری کی نذر کر دوں، یہ نذر قبول ہو۔

آصف علی خاں
محلہ کوتوالان، سام پور۔ یوپی

۲۵ مئی ۱۹۹۵ء
یومِ وفات ڈاکٹر فریدی مرحوم

پ۔ن۔ کچھ خط اور بھی مل گئے۔ ڈاکٹر مسعود لیب شادانی کے خط، عادل رشید، شکیل بدایونی، شرف زیدی کے خط! یہ بھی لائبریری کی نذر ہیں۔
(آصف)

★ آصف علی خاں کا خط خدا بخش لائبریری کے نام بطور پیش گفتار استعمال کر لیا گیا ہے۔

ڈاکٹر عبدالجلیل فریدی

ڈاکٹر عبدالجلیل فریدی

بنام آصف علی خاں

Lucknow
27. X. 67.

[My] dear Asaf,
Thanks for your letter (24X/67)
[received] this evening. I
[app]reciate your feelings and
[...]ce them to be a good
[...]men. If every Muslim
[st]arts thinking on your lines
[th]e problem will be solved
[...]ickly. It is for people like
[u]s to make others realise
[th]e seriousness of the situation
[a]nd beg them to take some
[co]ncrete steps. Simple
[w]eeping and cursing will
[no]t help.
It is for people like you
[t]o get out and go into the
[p]ublic and mobilise public

opinion, without wasting anymore time. Please make out a programme of touring Meerut Division. Manzoor should keep you company. Aqil Saheb will join you early in November. Let me know your plans. Let Iqbal organise all the constituencies of Rampur. He should go to Saharanpur & Meerut also.

Regarding Aligarh there is nothing to be despondent or loose heart. Supreme Court decision is NOT binding on us. We shall give a political fight and have 1920, 1951, & 1966 Ordinances & Act changed. The only ambition is to

to organise M.M.M. There should be a branch in every village. A cycle tour by young men, of the whole area — western U.P., should do the trick. Why don't you organise such a cycle trip of 3 weeks or 2 weeks. Explaining the aims and objects of the M.M.M., asking them to send and contribute liberally to the funds of the Majlis. You can be sure of the hospitality of the Muslims, wherever you go. It will be a unique experience. I wish I was younger and healthier to have accompanied you.

Yours

A. J.

دہلی
16/1/68

برادرم اصغر صاحب السلام علیکم

آپکا خط موصول برابر مل رہے ہیں اور حالات سے آگاہی
ہوتی ہے — آجکل حالات خراب ہیں اور دفتری
کاموں کی وجہ سے کسی کو خط وغیرہ کے جوابات دینے کی مہلت
ہی نہیں ہے —
ممبرشپ فارم آج سے چھپنا شروع ہو جائیں گے
ذرا جلدی قریبی ضلعوں کی خبر رکھیں تاکہ ممبر
جتنے زیادہ بن سکیں بنائے جائیں آپ کو نمائندہ
اور کوٹدوارا میں زیادہ کوشش کریں — وہاں
کے نمائندوں نے بہت پریشان کر رکھا ہے —
رامپور کا کیا حال ہے؟ ۲۸ جنوری کی مجلس عاملہ
کی میٹنگ ہونے کا ارادہ ہے۔ باضابطہ اطلاع جلد ہی
بھیجی جائیگی — آپ خود تشریف لائیں —
فقط
فریدی

पोस्ट कार्ड
POST CARD
केवल पता
ADDRESS ONLY

INDIA
6 nP
भारत

Asaf Ali Khan
Sahib
Mohalla Kotwalan
Rampur
U.P.

should see it. I have given my opinion in writing. We, in [illegible], have seen it and have advised hundreds of others to see the same. These mullahs are so narrow minded & silly that they do not realise the value of propaganda.

Are you doing anything about the [illegible] [illegible] in Rampur and its suburbs. Please persuade your men to wake up.

With best wishes

Yours

A. J. K.

and the printers will then be punished. Please immediately consult Iqbal and show him these papers.

Please keep the enclosed document Safely

Try to convince the writer that he is a coward in not publishing his name. He wants to embroil the whole community.

After taking necessary steps these papers should be returned to me.

With best wishes

Yours

A. J. [illegible]

۱۲

Lucknow.
3.5.68.

My dear Asif,
I hope both Iqbal and you returned safely & in comfort.
Please do have a talk with Mirza, Nawab Saheb, Aslam Khan and Fazal Khan Sb. about the proposals we discussed. Also some one in Sardar Aurangabad and Kotdwara. If both of you could discuss the matter with Rashid Mamlai & Nawab Hasanpur too, that would be of great help. This letter is just a reminder and to wake Iqbal up to action

Time is short and the policy has to be decided on these preliminary talks. The position is to be made clear. Please do talk to these persons. It would be better if you take Maulvi [illegible] along.

I am waiting for your answer.

Yours,

[illegible]

Fazal Khan Sahib came to see me and we had a long chat. Please contact and discuss the matter with him.

Swatantra Party must be discouraged. If Nickey insists, we should think of some other person, to take his place.

What about Swatantra & Shalam Swara. Mr Fazal Khan has some names in view. Please do see him

Begum Kishwar Ara came to see me, but I have not promised her anything. She will not make a good candidate.

Please keep Iqbal
aw alee and doing Smith
otherwise he slacks.
with best wishes

Yours

A. J. Al

पहला मोड़ First Fold

urgently need such literature
and one pamphlet can be
published for you. Please
send me a copy of it
as soon as it is ready. It
is most urgently needed.

Further I want
request to continue with
your efforts, without
losing of heart. Have faith
in your mission and
keep on going. You should
hold meetings in support
of our movement in
different parts of the
districts and mobilise
public opinion.
It feel need a little
rousing.

I would request you to come to Leo a few days before the Pakistan Convention to make all arrangements.

Yours ...

M. A. Jinnah

confusion at the outset among M.L.As, which has been exaggerated by our enemies. But every one acknowledges, that for the first time in 20 yrs, the question has been raised on the floor of the U.P. Assembly.

Many of us prefer the symbol of Camel and so the question of crescent and star has not been pressed.

Please let me know something about your local politics? Nawab, Aiday & Fazl Haq Khan — How are they.

w is Rangoon. My
laams to him.

Yours

A. J. Jil[illegible]

A. J. FARIDI
M.D.

FARIDI BUILDINGS
HAZRATGANJ
LUCKNOW

August 20th, 6

My dear Asaf,

Thanks for your letter and the kind offer.

I am trying to settle [illegible] debts of honour and shift it to Allahabad. It will be published from there from the 1st of Sept. It is only after that I shall have the time and resources to apply to the reorganisation of [illegible]

I am going to [illegible] in the second week of September and all the decisions will be taken after that. I shall write to you about it later.

Yours [illegible]
A. J. F[illegible]

A J FARIDI
MD

FARIDI BUILDINGS
HAZRATGANJ
LUCKNOW

8th Jan 70

My dear Asif,

Thanks for your letter and the enclosed application of the Saulat Public Library, which has been sent to Habib for further action.

Our next Conference is scheduled to be held at Kanpur on the 7th and 8th of Feb. We shall need your help and cooperation on that. The Kanpur people will be writing to you in this connection. Hope you and others are well.

Respect to Maulana Mohd [illegible]

Yours
A. J. F.

A. J. FARIDI
M.D.

FARIDI BUILDING
HAZRATGANJ
LUCKNOW

March 2[illegible]

My dear Asaf,

Since the last Kanpur Conference I have been constantly on the move. Delhi / Ahmedabad / Baroda / Ajmer kept me fully occupied, and on my return the exertion led to fever. Hence the delay in reply of to your letter of March 9th.

I am fully satisfied with the Kanpur Conference. Thanks to you everything, though not first class, went well. Due to your efforts the Kanpur unit was more cooperative than ever before. You should write to them especially to keep up their morale intact.

Regarding Nasimuddin, M.L.A. I think he is childish. I have absolutely no complaint against him, for nothing he has that complex. During meetings when important items are discussed, he is most of the time absent, in spite of invitation.

Regarding new office bearers, I have not as yet made up my mind. I shall decide about it on my return from Hyderabad, where I am going to attend the [illegible] of Muslim Conference

Instructions for April 26th 70.

Confidential

- Tour — Districts other than home — 4 w[illegible]
  - Fix dates from   to
  office to inform the district and person touring also to write to the M.M to arrange for his intradistrict tour

- Programme —
  - (a) To call on important Muslim personal[ities] & others
  - (b) To hold private meetings
  - (c) " " public " if possible
  - (d) " " Workers meetings.
  - [illegible] رکنیت — Enrollment of members of M.M
  - (e) " establish offices if possible
  - (f) Appeal for funds — Try to make each unit self sufficient
  - (g) Customers for Daw[at] — Nadvi [illegible]
    - realise old dues — List from [illegible]
  - (h) Talk about Hilal-Ahmar (Volunteer[s]
  - (i) Literature to be distributed:-
    1. مسلم مجلس کیوں — To reach every M[illegible]
    2. Tamir-i-Nau —
    3. Letter — [illegible]
    - One person to be made responsible for the above, in each area visited
  - (j) Basic unit of Majlis to be constituted
  - خاکساری (k) Practical role amongst the [illegible]
    - Literature — in Hindi to important persons.
  - (l) All the above literature to be reprinted Locally — frequently

(m) List of Full Service workers
in order of merit to be sent to office
(n) Muslims to get into census
offices, Defence Committees,
(o) Send a full day to day report
to me.
(p) General information about the R.S.S. Camps etc.
Note:- The districts visited will be
his responsibility later on also.
Make permanent contacts
and continue corresponding with them.

Suggest names of similar other groups - as
meeting tonight

- To write articles.
- Summer Camp.

A. J. FARIDI
M.D.

SHAKER GUNJ
23-B, ASHOK MARG
LUCKNOW
RES 23037, 22966 CLINIC

June 10th 70

My dear Asif,

I had expected you to come over here for the meeting of the W-C last Sunday. Maulana Mahmud Sahib told us that Manzoor & you were on your way. But you nor Manzoor turned up. The meeting was important, hence your presence was expected.

Iqbal must have told you the decisions. Why are you so dejected. There is nothing to worry about. Sultanpur has become one of our best units — as a matter of fact we have won one there. If you look after the few district which you had promised to organise when you came to Lko on April 26, every thing will be O.K. Please do wake up

A J FARIDI
M D

SHAKER GUNJ
23-B, ASHOK MARG
LUCKNOW
RES 23037; 22966 CLINIC

July 23-7-7

My dear Asif,

Thanks for your letter of congratulations regarding Allahabad but that is not enough. If you think that something should be done, then go ahead and organise meetings in the villages and town areas near about Rampur.

Nalch Iman has just written to me. Please ask him to carry on. I am writing to him separately.

The charm of League is gradually fading away due to wrong handling of Basin. It is a pity that a permanent rift has been created between us.

How about Badaun &
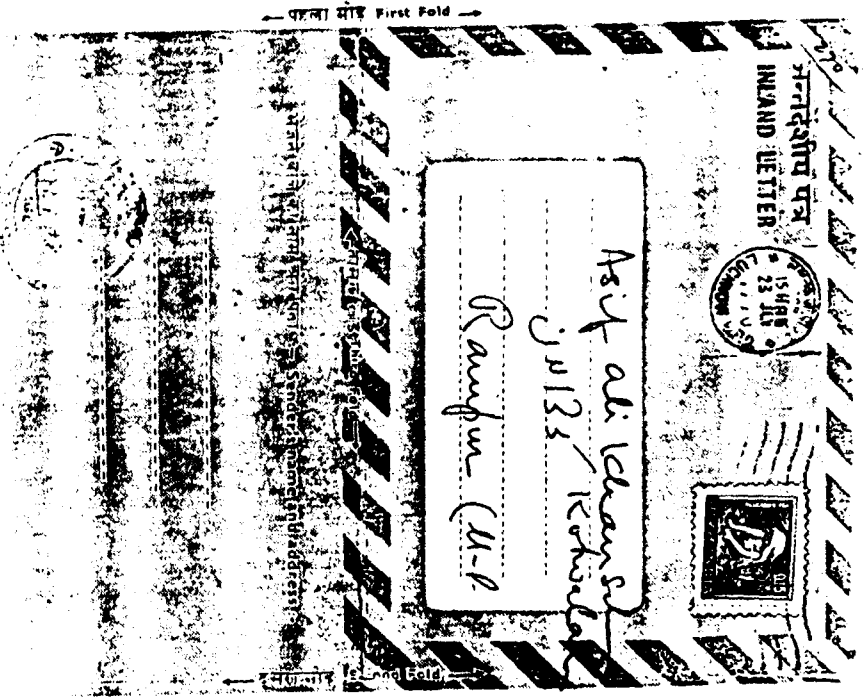
A. J. FARIDI
M.D

FARIDI BUILDINGS
HAZRATGANJ
LUCKNOW

Sept: 15, 70.

My dear Asif,

I am extremely sorry to hear about the sad demise of your grand-mother. May God give her a place in heaven, and you the strength to bear such a loss.

How could I doubt your sincerity and devotion for the Majlis. Your frequent parleys with Shameem did give one an impression to others that you were wavering. Your letter of Sept. 12 explains everything, and I agree with you. To say that League would achieve anything more than what Majlis has done, is absolutely wrong as the workers will be the same. When Shameem and Basir could not do anything outside their own cities, how can they now achieve anything more. It is plain logic. The initial glamour of League is also fading away.

ڈاکٹر عندلیب شادانی

بنام آصف علی خاں

۳۲- نیل کیت روڈ - رمنا - ڈھاکا - یکم نومبر سنہ ۱۹۵۶ء - آصف عزیزم - میں یورپ
گیا ہوا تھا - سات مہینے کے بعد پچھلے دو شنبہ کو ڈھاکے پہنچا تو آپ کا ۲۴ جون کا
لکھا ہوا پوسٹ کارڈ ملا - آپ نے اپنے چچا کے متعلق خوش گمانی سے کام لیا ہے
تھا - جواب میں تاخیر کی وجہ اب آپ کی سمجھ میں آ گئی ہوگی - آج کل آپ کیا کر رہے
ہیں؟ میٹرکولیشن کا امتحان تو پاس کر لیا ہوگا؟ لندن میں آپ کے پھوپھا
صاحب مسٹر زبیر صدیقی سے ملاقات ہوئی تھی - اپنے والد صاحب کو میرا بہت بہت سلام
کہیے - بہت بہت سی دعائیں - شادانی -

پوسٹ کارڈ
POST CARD
PAKISTAN POSTAGE

Mr. Asif
c/o Mr. Shafqat [illegible] Khan
Mohalla Kotwali
Rampur. U. P. India.

W. H. A. SHADANI.
M. A., Ph. D. (London)
Professor & Head of the Department

DEPARTMENT OF URDU AND PERSIAN
UNIVERSITY OF DACCA
DACCA—2.

The..

۱۳ - نیال گیت [illegible] ڈھاکہ - ۲

[illegible]
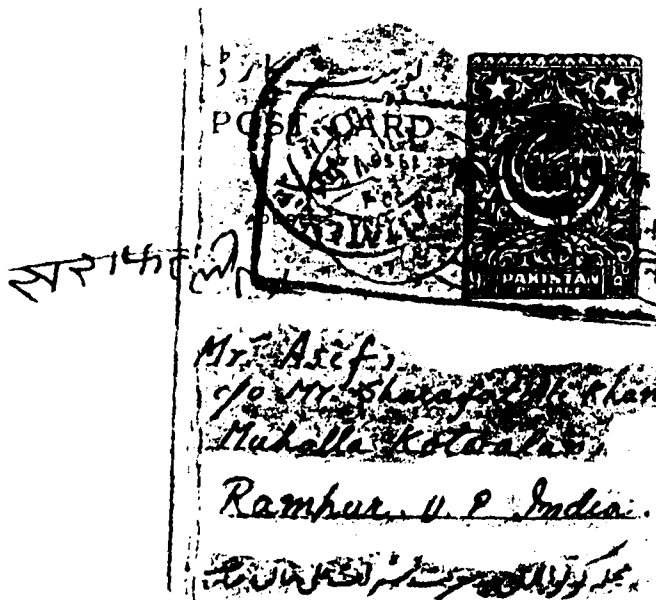
آصف، عزیزم - تمہارا ۱۲ جون کا خط مل گیا تھا اور میز کے کسی دراز میں
بھول گیا تھا - کئی بار جواب لکھنے کا ارادہ کیا مگر وہ خط ڈھونڈنے کے باوجود نہ ملا - بس اسی وجہ سے
جواب میں اتنی تاخیر ہوئی - آج اتفاق سے پرانے کاغذات میں وہ پوسٹ کارڈ نکل آیا اور میں
نے فوراً جواب لکھ دیا -

میرے اشعار کا مجموعہ "نشاطِ رفتہ" کے نام سے چھپا ہے اور
غلام علی اینڈ سنز - پبلشرز - کشمیری بازار - لاہور - نے شائع کیا ہے - کوئی بڑی تصویر تو
اس وقت موجود نہیں - چھوٹی تصویر ارسال ہے -

شرافت علی خان صاحب کو میرا سلام کہیے اور اپنی دادی صاحبہ کو بھی -
رام پور آنے اور سب سے ملنے کو جی تو بہت چاہتا ہے مگر حالات اجازت نہیں دیتے
ملاقات ہو جائے تو قاضی علی الدین صاحب کو میرا سلام کہہ دینا - زیادہ دعا - تمہارا چچا عندلیب شادانی
اس خط کی رسید بھیج دینا تاکہ اطمینان ہو جائے - فقط -

جناب عادل رشید

بنام آصف علی خاں

جناب شرف زیدی

بنام آصف علی خاں
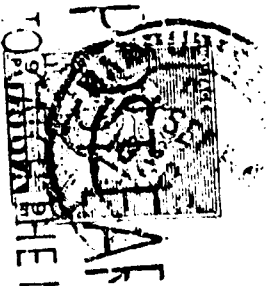
جناب شکیل احمد بدایونی

بنام آصف علی خاں

شکیل

نغمۂ عشق سناتا ہوں میں اس شان کے ساتھ ۔ رقص کرتا ہے زمانہ مرے وجدان کے ساتھ

اہل عرفاں سے ہے کیوں اہل سیاست کو گریز ۔ کیا فرشتوں کا تعلق نہیں انسان کے ساتھ

ہے برابر ذوق جنوں کو خرد کی زد میں ۔ اے خدا اب تو اٹھا لے مجھے ایمان کے ساتھ

وقف تعمیر زمن ہے مرا سیرت دنیا ۔ کون الجھے گا بہاروں میں گریبان کے ساتھ

دل بنا دوست تو کیا کیا نہ ستم اس نے کئے ۔ ہم بھی زندہ ہیں سنبھالے رہے ناداں کے ساتھ

داغ ماتھے پہ چلے شیخ و برہمن لیکر ۔ آشنا دیر و حرم تک نہ رہا ارماں کے ساتھ

غم جاناں غم ہستی غم حالات شکیل
کیا کہیں کتنی بلائیں ہیں دل زار کے ساتھ

شکیل بدایونی

پنہاں دل بیتاب میں ارمان بہت ہیں ۔ گر دنیا سلامت رہے مہمان بہت ہیں

تو خود کو فرشتہ نہ سمجھ واعظ نادان ۔ دنیا میں ترے رنگ کے انسان بہت ہیں

ترغیب سفر ہم کو نہ دے اے غم دوراں ۔ ہستی پہ غم عشق کے احسان بہت ہیں

ہنستا ہوا اک بار حوادث سے گذر جا ۔ پھر دیکھ کہ تیرے لئے میدان بہت ہیں

تنظیم جہاں چاہیے نئی ہو کہ پرانی ۔ میرے لئے یارب ترے فرمان بہت ہیں

ہے شرم و حیا، خوف خدا، مانع تقصیر ۔ کیوں جرم کی ہمت ہو نگہبان بہت ہیں

ذکر لب ساحل سے بھی کچھ نہیں حاصل ۔ کشتی کی خبر لیجئے طوفان بہت ہیں

ہوگا نہ شکیل آپ سے اظہار تمنا
مشکل ہیں وہی کام جو آسان بہت ہیں

شکیل بدایونی

مکتوب بنام قاضی عبدالودود

مکتوب نگار

Registered

राष्ट्रपति भवन नई दिल्ली - 110004
RASHTRAPATI BHAVAN NEW DELHI-110004
INDIA

نئی دہلی

۲۰ - مارچ سنہ ۱۹۷۵ ع

ودود بھائی - تسلیم

آپکا ۱۷ - مارچ سنہ ۱۹۷۵ ع کا خط مل کر کاشف حالات ہوا - ۱۷/ جنوری کے خط کی نقل بھیج رہا ہوں • نہ معلوم کس طرح رہ گئی -

نیمنہ اور ببو کے خط آتے رہتے ہیں - وہ سب خیریت سے ہیں - بیڈو کا داخلہ ٹرینٹی کالج کیمرج میں ہو گیا ہے - آجکل امتحان کی تیاریوں میں مصروف ہیں - امتحان اپریل کے آخر تک ختم ہوگا - انشااللہ اکتوبر میں لوٹ جائینگے -

غالب انسٹی ٹیوٹ کی ایگزیکٹو کمیٹی اور ٹرسٹیون کے سالہ جلسے غالباً ۱۲ - اپریل کے بعد کی تاریخوں میں ہوں - پرائم منسٹر سے تاریخ مانگی گئی ہے - اسکا انتظار ہے - یوسف حسین صاحب اب بہتر ہیں اور غالب انسٹی ٹیوٹ کا کام دیکھ رہے ہیں -

مئی کے شروع میں ایک ہفتہ کے لئے انڈونیشیا جاؤنگا • عابدہ بھی ساتھ جائینگی -

لکھئے اب آپ کی طبیعت کیسی ہے اور کب تک آپکا دہلی آنیکا ارادہ ہے -

میری • عابدہ اور بیڈو کی جانب سے بھابی صاحبہ کی خدمت میں اداب - عابدہ اور بیڈو سلام لکھواتے ہیں -

آپ کا
فخرالدین علی

جناب قاضی عبدالودود صاحب
بار ایٹ لا
بہادر پور کھر - پٹنہ - ۴

نقل

نئی دهلی

۱۷ - جنوری سنه ۱۹۷۵ ع

ودود بهائی - تسلیم

آپ کا یکم جنوری کا خط ملا - نورالدین کی موت سے بڑا دهکا لگا - اس خبر
جو کیفیت آپکی هوئی هوگی اسکا اندازه میں کرسکتا هوں - آپ ۲ - ب فروری میں
آئینگے تفصیل سے باتیں هونگی - تاریخ روانگی سے مطلع فرمائیے -

ثمینه واپس چلی گئی هیں - ان کے ساتهه یہاں سے آیا گئی هے - بحمد اللّٰه
ثمینه اور بچه ٹهیک هیں - انهیں کے ۱۵ - جنوری سنه ۱۹۷۵ ع کو هسپتال
لڑکی پیدا هوئی هے - اللّٰه کا شکر هے دونوں تندرست هیں - ابهی هسپ
هی هیں - پیر میاں تین هفتے کے لئے آئے هوئے تهے - کل هی واپس امریکه گ
عابده آپ کے خط کا جواب لکهه چکی [illegible] هے - جسکی ر
آپکو بهیج چکی هیں - تعجب هے که آپکو نهیں ملی -

امید که اب آپ کی طبیعت بہتر هوگی - هم سبکی جانب سے آپکو اور بهابی ص
اداب - مسعود میاں کو میری اور عابده کی جانب سے دعائیں -

آپکا

دستخط (فخرالدین ع

جناب قاضی عبدالودود صاحب
بار ایٹ لا
بهادر پور کهر - پٹنه - ۴

राष्ट्रपति भवन नई दिल्ली - 110004
RASHTRAPATI BHAVAN NEW DELHI - 110004
INDIA

نئی دھلی
یکم دسمبر سنہ ۱۹۷۵ ع

ودود بھائی - تسلیم

آپ کا خط مورخہ ۲۶ - نومبر سنہ ۱۹۷۵ ع ملا - مجھے کلکتہ کے دورے سے واپس آتے کے بعد ٹھنڈ لگنے کی وجہہ سے بخار کی حرارت ہوگئی تھی - اللہ کا شکر ہے اب بالکل ٹھیک ہوں -

کل مصر اور سوڈ ان کے دورے پر جا رہا ہوں ۱۱ - دسمبر کو واپسی ہوگی - ثمینہ بھی ساتھ جارہی ہیں - مصر سے امریکہ چلی جائینگی - انجم بھی ۲۸ - نومبر کو امریکہ سے آئی ہیں - عابدہ نے بین الاقوامی خواتین آرٹسٹ کی نمائش کا اہتمام ا - ولنگڈ ن کریسینٹ میں کیا تھا - کافی ملکوں نے اسمیں حصہ لیا اور بہت کامیاب رہی - عابدہ بھی دورہ پر ساتھہ رہینگی -

اپ اپنی خیریت سے مطلع فرماتے رہا کریں - خط میں دیر - تردد کا باعث بن جاتی ہے - عابدہ - ثمینہ اور انجم آپکو اور بھابی صاحبہ کو اداب لکھواتے ہیں - مسعود میاں کو ہم دونوں کی جانب سے دعائیں - بھابی صاحبہ کو میرا سلام پہنچادیجئیے -

آپ کا

جناب قاضی عبد الودود صاحب
بار - ایٹ - لا
بھاور پوکھر - پٹنہ - ۴

اور مناسب ہیں ۔ اور جو راہ آپ نے اختیار کی ہے وہ "صراط مستقیم" ہے ۔

آپ کا یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ ایسوسی ایٹڈ پریس ہماری تحریکوں کی طرف

مسلسل توجہ نہیں کرتا ۔ انشاء اللہ اس کا انتظام کروں گا ۔

مجھے اس کا بھی اتفاق ہے کہ آجکل جو مسلمان وزرا حکومت میں

آ گئے ہیں اُن سے کام لیا جائے ۔ میں ابھی خلیفہ اللہ صاحب سے مل کر آیا ہوں

اُن کو میں نے بہت کچھ آمادہ کیا ہے ۔

اور صبح میں گورنر جا رہا ہوں وہاں بھی ایک اور دوشنبہ مرد

ادبستان - دین دیال روڈ - لکھنؤ
۲۸؍ اگست ۵۳ء

محبی تسلیم

عنایت نامے کے جواب میں بہت تاخیر ہوئی - معذرت خواہ ہوں - اس کا خاص سبب تو میری بیماری ہے - میں ایک ہفتہ بیمار رہا اور اس کے نتیجے میں ایک مدت تک کوئی دماغی کام کرنے کے قابل نہیں رہا - جب کام کرنے کے قابل ہوا تو بعض بہت ضروری کام جو معین وقت کے اندر ہو جانا چاہیے تھے ان کو انجام دینے میں مصروف ہو گیا - آپ کے استفساروں کے جواب نمبروار ذیل میں درج کیے جاتے ہیں :-

۱- ہیرے سے ہری بہتر ہے -

۲- مالک دینار کے حالات کے لیے سب سے [illegible] زیادہ قدیم اور معتبر ماخذ ہجویری کی کشف المحجوب اور عطار کی تذکرۃ الاولیا ہیں - فرہنگ اندراج میں بھی ان کا ذکر ہے -

۳- اس قطعے کا دوسرا مصرع بھی درست ہے۔ جو دیکھتا تو کسے کون ان کو وا کرتا۔

مطلب = میں نے عہد کیا تھا کہ بغیر تمہارے آنکھیں نہ کھولوں گا یعنی صرف تم کو دیکھنے کے لیے آنکھیں کھولوں گا۔
مگر تم ملے نہیں۔ پھر اگر دیکھتا تو کس کو دیکھتا۔ تمہارے سوا کوئی اور۔ ان آنکھوں کو کھول نہیں سکتا تھا
اس حالت میں اپنے عہد کو پورا کرنا ضروری ہو گیا۔ اب یہ آنکھیں اسی قابل ہیں کہ بند رکھی جائیں۔
پھر جو آنکھیں تمہارے دیدار سے محروم رہیں ان کو آنکھیں کہنا بھی درست نہیں۔ وہ تو گویا در
رخنے تھے جن کا بند کر دینا ہی مناسب تھا۔

۴- اس شعر کے نقل کرنے میں شاید کچھ غلطی ہو گئی ہے۔ مہربانی کر کے پھر لکھ بھیجیے۔

۵- نخستین سے کچھ مطلب نہیں نکلتا۔

۶- حلم، وقار، سکون کی صفتیں زمین سے منسوب کی جاتی ہیں۔ اس لیے اطمینان کی
کیفیت کو زمین سے منسوب کرنے میں کوئی قباحت نظر نہیں آتی۔

۷- رقیب کے غرور نے ہم کو اپنی نظر سے گرا دیا۔ ہم اپنے حقیر مرتبے سے [illegible]
بلند تر سمجھنے لگے نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں کی نظر میں ہمارا اعتبار بھی پست ہو گیا۔ [illegible]
ہو گئے جیسے زمین اپنے کو آسمان سمجھنے لگے تو [illegible] اور بھی [illegible]

۸- اے زاہد تو مے نوشی کو عرفانِ حق کا سبب سمجھتا ہے۔ یہ تیری نادانی کی بات ہے کیونکہ
اگر تو ایک جام مے پی لے تو تیری عقل زائل ہو جائے۔ پھر جو معمولی باتیں تو سمجھ لیتا ہے [illegible]
ممکن نہیں ہے حق کی معرفت کا کیا ذکر۔ یہ تو رند بلا نوش ہی ہیں جن کی چشم باطن کھلی رہتی ہے [illegible]

۱- فائزہ نام کے خطوں کو ذرا جلد ملاحظہ فرما کر ان کی حقیقت سے مجھے مطلع [illegible]
میں ان کی اصلیت معلوم کرنے کے لیے بے چین ہوں۔

۲- آپ نے مدت ہوئی لکھا تھا کہ تاریخ محمدی کا ایک نسخہ انگلستان [illegible]

16 E, Wellesly Square,
Top Floor, Calcutta – 16

14. 11. 52

مخدوم مکرم سلام علیک ۔ مزاج شریف!

مرحمت نامہ سے سرفراز ہوا۔ راغب کی مثنویاں احوال بزم ہول، شورش عشق بھی ملیں ۔ جن کے لئے جناب کا شکرگزار ہوں ۔ اس مضمون کو "معیار" کے مضمون "دیوان راغب" کو ساتھ مطالعہ کرنے کے بعد راغب کی شخصیت اس درجہ اُجاگر ہو جاتی ہے کہ فدوی، نغاں، عشق، ضیا، اور میر حسن جیسے باکمالوں میں راغب بھی جگہ پانے کا صحیح طور پر مستحق نظر آتا ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ ان ناموروں کے لئے تاریخ ادبیات بہار میں ایک الگ باب مقرر کرنے کی ضرورت ہے ۔ ان کے ذکر کے بغیر بہار کی تاریخ مکمل نہیں ہو سکتی ۔ ان بزرگوں نے زبان کے رواج میں یقیناً اس خطۂ ملک کے لئے معیار اور ٹکسال کا کام کیا ۔ یہ امر ہمارے جذبۂ ممنونیت

کو اور زیادہ ابھارتا ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ ان بزرگوں کے فیض صحبت نے بعض خاص مقامی
ذی استعداد اصحاب کو پورے طور پر اُبھرنے کے مواقع عطا کئے۔ چنانچہ ضیاؔ نے رضاؔ عظیم آبادی
میر حزیںؔ نے شورشؔ عظیم آبادی، عشقؔ و فدویؔ نے راسخؔ عظیم آبادی، فغاںؔ نے میر وارث علی نالاںؔ
جیسے باکمال شعرا عطا کئے۔ ایسے شعرا جو وطنی نسبت بہار سے نہیں رکھتے مگر جن کے بعض ادبی
کارنامے یہیں سرانجام ہوئے اس قابل ہیں کہ ان کے مناصب کے اعتبار سے ان کو جگہ دی جائے۔

دیوان کمالؔ، مثنوی کلیان سنگھ عاشقؔ، کے متعلق مایوس کن تفصیلات پڑھیں۔
مجھ جیسے دور افتادہ شخص کے لئے گویا یہ چیزیں ہنوز احاطۂ مخطوطات ہی میں رہیں۔ کیونکہ اگلے سے
جو کئی بن شائع ہوئیں، وہ غائب ہیں اور 'معاصر' کے پچھلے پرچے نایاب۔ دیوان کمال میں اردو
مثنوی (تعداد اشعار ۲۰۰ مع معیار) کے علاوہ مزید اردو کلام کیا ہے۔ مطلع کریں۔

دیوان رضاؔ کے متعلق جو باتیں میں نے اپنے گزشتہ عریضہ میں دریافت کی ہیں ان پر مزید
روشنی ڈالیں۔ کلام دلدار کبھی آپ نے شائع کیا تھا اور اسی مضمون میں ان کے بقیہ اشعار مع حالات
کے متعلق کسی اور موقع پر شائع کرنے کا وعدہ بھی تھا۔ اس کی اشاعت کب اور کہاں ہوئی۔

مطلع فرمائیں۔

ع۲ راسخ کی شاگردی میر کے متعلق 'معیار' کے مندرجات جو تذکرۂ عشقی کی اطلاعات پر مبنی ہیں وہ قطعی تشفی بخش اور فیصلہ کن ہیں۔

رسالہ 'معاصر' سہ ماہی کے متعلق آپ نے جو کچھ لکھا ہے افسوسناک ہے۔ تعجب ہے کہ بہار کے چالیس پچاس لاکھ محبان اردو ایک سہ ماہی رسالہ بھی چلا نہیں سکتے۔ اگر یہ پرچہ بند ہو گیا تو پھر قدمائے بہار کے کلام کیونکر اشاعت پذیر ہوں گے۔ بغیر ان کی اشاعت کے اہل اردو میں پنجاب و دکن کی ہمسری محض بے معنی بات ہوگی جس کے مدعی ان دنوں اہل بہار میں اکثر لوگ نظر آتے ہیں۔ اگر کتابیں شائع نہ ہو سکیں تو پھر بجز صفحات معاصر کے اور کس کا سہارا ہوگا۔ مصارف طبع کے حالات سن کر جی تو چاہتا ہے کہ اس اتحاد ثلاثہ کو عناصر اربعہ میں تبدیل کر دوں مگر کیا کروں پاؤں کی بیڑیاں جو نوعیت کے اعتبار سے گوناگوں ہیں قدم روک لیتی ہیں۔ مگر مطبوعات لے کر وی۔ پی وصول کرنے کا یقین تو ضرور دلا سکتا ہوں۔

'معاصر' شمارہ ع۳ اور ع۴ کے متوقع مندرجات سن کر دل لگا ہوا ہے خدا کرے یہ

...رچے مجھ تک پہنچیں۔

پھلواری کے ارباب شعر و ادب متقدمین شعرائے بہار قرار پاتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ جوہری کا
کوئی بہاری ہمعصر شاید اتنی مقدار میں اردو کلام پیش نہیں کرسکتا۔ صرف مثنوی "گوہر جوہری"
دو ہزار چودہ (۲۰۱۴) اشعار پر مشتمل ہے (رسالہ اردو دہلی، اپریل ۴۰ء) دوسری مثنوی جس کی
جناب نے خبر دی ہے میں سمجھتا ہوں کہ وہ بھی طویل ہی ہوگی۔ علاوہ بریں ان کے قصائد، مناقب اور
مراثی بھی ہیں۔ شاہ نور الحسن تاباں کے مراثی بھی اب تک غیر مطبوعہ ہیں۔ جوہری کے تلامذہ میں (۱) مفتی
غلام مخدوم ثروت، (۲) غلام جیلانی سرشار، (۳) امان علی ترقی کے اردو کلام مشتمل بر مراثی بقول
جناب حکیم شعیب صاحب پھلواری میں موجود ہیں۔ یہ سارا ذخیرۂ ادب اگر شائع ہو جائے تو
ادبی اعتبار سے بہار کی تاریخ ہی دوسری ہو جائے۔

بڑی تعداد ایسے ارباب ادب کی ہے جن کے دواوین اب ناپید ہیں یا اعلیٰ پیمانہ کی تلاش و جستجو کے
منتظر ہیں۔ مگر ایسے باکمالوں کی بھی فہرست کافی طویل ہے جن کا کلام موجود ہے اور جو زیور طبع سے
آراستہ ہونیکے مستحق ہیں۔

عزیزی رضا دانش کی وساطت سے معاصر شمارہ ۲ بھی ملا۔ اس میں "دکنیات"

کے بالمقابل "بہاریات" کی اصطلاح بے حد پسند ہوئی اب بہاریات کے سلسلہ میں جو کچھ بھی ہو اس کو اسی جامع اور علمی عنوان کے تحت شائع کیا جائے۔ جناب کی ہر تحریر کسی نئی خبر کی حامل ہوتی ہے۔ چنانچہ ناول "نقش طاؤس" بھی اہل ادب کے لئے گویا ایک ادبی دریافت ہے۔ اب تک بہار کے چار یا پانچ ناولوں کے نام زبانوں پر تھے۔ (۱) اصلاح النسا (تصنیف ۱۸۸۱ء، اشاعت ۱۸۹۴ء) (۲) صورت الخیال (۱۸۸۸ء) (۳) فسانۂ خورشیدی (۱۸۸۶ء) (۴) نئی نویلی و محل خانہ (۱۹۰۲ء)۔ اب "نقش طاؤس" (۱۸۸۱ء) کی دریافت نے اس باب میں بہار کے تمول میں اضافہ کیا ہے۔ جناب فصیح الدین صاحب بلخی کا مضمون بھی بہت پسند آیا تاریخی اعتبار سے ایک قیمتی نوشتہ ہے۔

اب تک میں نے آپ کے کارناموں کے اس گوشہ کو موضوع بحث بنائے رکھا ہے جس کا تعلق بہاریات سے ہے۔ ورنہ (۱) جہان غالب (۲) تعین زمانہ (۳) آوارہ گرد اشعار وغیرہ بے حد قیمتی مضامین ہیں۔ جب ان عنوانات کے تحت مواد کافی ضخامت اختیار کر لے گا اور اس ذخیرۂ معلومات کو الگ الگ کتابوں میں احاطہ کیا جائے گا تو اساتذہ اور محققین کے ہاتھوں میں یہ کتابیں ریفرنس کی کتابوں کا حکم رکھیں گی۔ حقیقت یہ ہے کہ تحقیق میں آپ کی ذات اور

تنقید کے باب میں کلیم الدین صاحب کے گرانمایہ وجود نے عظیم آباد کو دوبارہ تاریخ ادب میں مرکزیت عطا کردی
ہے۔ بہت دنوں کے بعد پچھاں کو ایک بار پھر پورب کی طرف مڑنا پڑا ہے۔
کلام دل عظیم آبادی کے متعلق جناب عسکری صاحب سے کچھ باتیں ہوئی ہوں تو مطلع فرمائیں گے۔
پروفیسر ضیا صاحب سے معلوم ہوا کہ پھر سے میرا وطن بھی "موضوع تحقیق" ہو گیا ہے۔ عرض
ہے کہ میرا تعلق اطراف شیخپورہ میں ضلع مونگیر کی ایک بستی سے ہے اور یہاں سنٹرل کالج میں
شعبۂ اردو سے منسلک ہوں۔ ایک بات دریافت طلب بھی ہے کہ شاید کوئی قلمی تذکرہ ایسا بھی ملا
ہے جو شعرائے شیخپورہ و حسین آباد پر مشتمل ہے۔ مطلع فرمائیں گے۔
رسالہ 'معیار' کا مطلوبہ فائل مل گیا۔ جس کے لئے شکر گزار ہوں۔ مگر افسوس
ہے کہ اس کے بعض اوراق اتنے بوسیدہ اور آب زدہ ہیں کہ شاید بار بار مطالعہ کے متحمل بھی
نہ ہو سکیں۔ لائبریرین صاحب انجمن ترقی اردو پٹنہ کی یہ اطلاع بھی سمجھ میں نہ آئی کہ
فائل ۱۲ جلدوں پر مشتمل ہے۔ بہرحال اب یہ پرچے میرے قبضۂ اختیار میں تو
ہیں۔ والسلام۔ خدا کرے مزاج گرامی بخیر ہو۔

شاہ مقبول احمد

۲۲ (الف) میو...
ا...
۳ر فرو...

مکرمی،

آپ کی بیاض آج آپ کو رجسٹری کروا کے بھیجی ہے۔ میں نے سنڈیلے میں...
کرنے کی کوشش کی مگر کچھ پتا اُن لوگوں کا نہیں لگا جن کے نام بیاض میں...
بات یہ ہے کہ اب کوئی بوڑھا قصبے میں باقی نہیں جو پرانے زمانے کے لوگوں...
اتا پتا بتا سکے۔ اُس امام باڑے کا نشان بھی یقینی طور پر نہیں ملا جس کا ذ...
میں ہے۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ یہ وہی امام باڑا ہے جو میراث علی کا امام...
کہلاتا تھا۔ غالباً میراث علی کے باپ چچا یا دادا ہوں گے جن کا نام بیاض میں...
اب تو قصبے میں یہ حال ہے کہ جب میں نے میراث علی کا نام لیا تو لوگ حیرت سے...
منہ دیکھنے لگے کہ یہ کس کا نام لے رہے ہیں۔

حیرتی کا نام میں نے ایک ماخذ کی بنا پر لکھ دیا تھا۔ مگر اب یقین ہوتا ہے عشرتی...
بجائے حیرتی اُس ماخذ میں سہواً لکھ گیا ہوگا مگر حیرت ہے کہ اُس میں "حیرتی تونی" لکھا...

امید ہے کہ آپ خیروعافیت سے ہوں گے۔

نیاز مند

[illegible]

جب بھاگل پور جل رہا تھا

خدا بخش لائبریری میں تقاریر

موضوع :۔ انسان میں چھپے درندی کو کیسے رام کیا جائے۔

جب بھاگل پور جل رہا تھا اس کے آس پاس خدا بخش لائبریری نے اپنے سوچنے والوں کو جمع کیا، بمبئی سے، دہلی سے، علیگڑھ سے، پٹنہ اور اس کے نواح سے، اس مسئلے پر بات کرنے کے لیے کہ شریف مسلمان اور شریف ہندو بدمعاشوں اور دیش دروہیوں کا (میں لکھ یہ رہا تھا کہ بدمعاش ہندو اور بدمعاش مسلمان، مگر بدمعاش کا کچھ مذہب نہیں ہوتا۔) مل جل کے کیسے مقابلہ کریں۔ اس مہان دیش کو، جو انکی بدولت بڑا چھوٹا دیش ہوتا جارہا ہے، پھر کیسے دنیا میں سربلند کریں۔

باتیں ہوئیں بہت اچھی اور نتیجہ خیز، اور یہ سب ہندی میں ۱۹۹۱ء میں سامپردایکتا اور دیش کی ایکتا" کے نام سے چھپیں۔ لائبریری میں ہمارے ہمکار جاوید اشرف صاحب کی کوشش سے یہ مجموعہ اب اردو میں بھی آرہا ہے جو امید ہے پسند کیا جائے گا۔

(ع ر ب)

فہرست

چھ

ضمیمہ:

●●

یہ مجموعہ

خدابخش لائبریری ابتدا ہی سے قومی یکجہتی کی علمبردار رہی ہے، وطن اور برادرانِ وطن سے پیار خود لائبریری کے بانی خدابخش خاں اور ان کے خانوادے کا خاصہ رہا ہے۔ خدابخش خاں میں ہندوستانیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ وہ وطن دوستی اور ہندو مسلم اتحاد کے زبردست حامی تھے۔ وہ اپنے ہندو، مسلم دوستوں کو مجمع البحرین' کے فلسفہ کی روشنی میں ہمیشہ یہی سمجھاتے کہ:

"مذہب تو دراصل محبت کی تلاش ہے اور ایک ہی جگہ پہنچنے کے الگ الگ راستے ہیں
الٰہ آباد میں گنگ و جمن کا سنگم اسلام اور ہندوازم کو سمجھنے کے لیے ایک واضح مثال ہے"

نانک، چشتی، گاندھی، نہرو اور آزاد کا ہندستان، مختلف رنگ و نسل، زبان و تہذیب اور مختلف مذاہب و ادیان کا ملا جلا یہ متحدہ ہندستان جو آج نفرت اور فرقہ واریت کی آگ میں جھلس رہا ہے، نفرتوں کی یہ آگ اگر بجھائی نہ گئی تو دیش کی سالمیت، اس کی ترقی اور خوشحالی کو زبردست خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔ انسانوں کی بستی میں انسانیت کا خون، کمزوروں، معصوموں، ہموطنوں، ہمسایوں کا خون، دیش کے ماتھے پر ایک بدنما داغ بن کر ابھر رہا ہے۔ یہ خون ہندو ہوتا ہے نہ مسلمان، خون تو محض خون ہوتا ہے۔ یہ خون بھارت کے سپوتوں، بھارت کے جگر گوشوں کا خون ہوتا ہے، یہ خون بھارت کی بھائی چارگی' رواداری' امن پسندی کی قدیم روایتوں کا خون ہوتا ہے۔ یہ خون کی ہولی اگر بند نہ ہوئی تو لہو میں لتھڑا ہوا یہ ہندستان ایک دن اشکوں کے اتھاہ بھرے سمندر میں غرقاب ہو جائے گا۔ یہ ملک ٹوٹ جائے گا، بکھر جائے گا اور پھر کبھی متحد نہ ہو سکیگا۔ آج ہندستان انہیں خطرات سے دوچار ہے۔ نفرتیں زوال کا باعث ہوتی ہیں محبتیں خوش حالی و خوش اقبالی کی نوید ہوتی ہیں محبت مسرت بخش ہوتی ہے اور نفرت اذیت بخش!

بابری مسجد رام جنم بھومی تنازعہ کے سبب پورے دیش میں فرقہ واریت کا جو بول بالا ہوا، اور پھر

جس کی لپیٹ میں شہر کا شہر فرقہ واریت کی آگ میں جھلس کر رہ گیا، فرقہ واریت کا وہ شعلہ ب
ہوا، پورے دیش میں پھیلا اور دیش کی پرامن فضا کو دھواں دھواں کر گیا۔ اس قیامت خیز گھڑی میں جب ش
ہوتے ہی گھروں کے دروازے بند ہو جاتے تھے، گلزار شاہراہیں سنسان ہو جاتی تھیں، ڈرے سہمے ہوئے پنچھی بھی
اپنے گھونسلوں میں لوٹ آتے تھے، فرقہ پرستی کی اس درندگی کے خلاف، خدا بخش لائبریری نے ایک لائحہ عمل تیار
شہر کے پرامن شہریوں کو جوڑا، امن پسندوں کی ایک ٹیم تیار کی اور محلہ محلہ گھوم کر امن، بھائی چارگی اور قومی
کا پیغام عام کیا ـــــ فرقہ واریت اور قومی یکجہتی کے موضوع پر خطبات کا ایک سلسلہ شروع کیا جس سے ارد گرد کے ماح
پر ایک اچھا اثر پڑا۔ اس خطبات سیریز میں دانشوروں، اسکالروں اور امن پسندوں نے جو زریں خیالات
پیش کیے، وہ اس کتاب میں ترتیب کے ساتھ جمع کر دیئے گئے ہیں۔ یہ کتاب ـــــ "فرقہ واریت اور قومی یکجہتی
خدا بخش لائبریری کی طرف سے قوم کو ایک حقیر سا نذرانہ ہے۔ اس لو سے کہ ایسی چھوٹی چھوٹی شمعیں اگر روشن ہو
رہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ اندھیرا دور تک اور دیر تک روشنی سے لڑنے میں کامیاب رہے۔

سچائی کسی کی جاگیر نہیں، سچائی پر کسی کی اجارہ داری ممکن نہیں۔ آج جب کہ سچائی پر جھوٹ حاوی ہو
جا رہا ہے اور جھوٹ کے بادل پوری فضائے بسیط کو اپنی لپیٹ میں گرفتار کیے جا رہے ہیں، ایسے میں کہیں سے سچا
کی کوئی کرن پھوٹتی ہوئی نظر آتی ہے تو یہ امید بندھتی ہے کہ سچائی کی فتح یقینی ہے۔ سچائی کا اجالا دور دور تک
پھیلے اور پھیلتا ہی رہے، اسی روش پر خدا بخش لائبریری گامزن ہے۔ یہ فریضہ ہم میں سے ہر شخص اور ہر ادارہ
پر عائد ہوتا ہے خاص کر میڈیا، کتب خانے، اور علمی و ادبی، تہذیبی و ثقافتی ادارے سچائی کی اشاعت میں او
بھی اچھا رول ادا کر سکتے ہیں۔

فرقہ وارانہ مسئلے پر خدا بخش لائبریری کے خطبات سیریز میں جو تقاریر ہوئیں، وہ عام
استفادے کے پیش نظر، کتابی شکل میں اردو اور ہندی دونوں زبانوں میں شائع کی جا رہی ہیں۔ "فرقہ واریت
اور قومی یکجہتی" ہندی ایڈیشن "سامپردایکتا اور دیش کی ایکتا" شائع ہو کر منظر عام پر آچکا ہے۔
اگر یہ ۲۹ تحریریں ۳۹ جانوروں کو بھی آدمی بنا سکیں تو ہماری محنت سکارت ہو جائے گی۔

جاوید اشرف

محمد یونس سلیم (گورنر بہار)

دانشور اصل میں وہ ہے جو اپنے ماحول میں رونما حالات پر کڑی نظر رکھے اور اپنے دیانتدارانہ خیالات کو عوام کے سامنے ظاہر کرنے میں ذرا بھی جھجک اور مصلحت اندیشی سے کام نہ لے۔ بدقسمتی سے ہمارے ملک کے دانشور بھی خانوں میں بٹے ہوئے ہیں حالانکہ سچائی یا حقیقت خانوں میں تقسیم نہیں کی جاسکتی۔ اگر کوئی بات صحیح ہے تو جو شخص بھی کہے وہ بات صحیح ہے اور جو بات غلط ہے وہ پوری دنیا کے لیے غلط ہے۔

ہم دیکھ رہے ہیں کہ آج پورے ملک میں منافرت کے بیج نہ صرف بوئے جارہے ہیں بلکہ بارآوری کی جارہی ہے اس پر اگر دانشور خاموش رہیں گے تو چند سال بعد اس ملک کو تباہی سے بچانا مشکل ہو جائے گا۔ یہ ملک صدیوں سے مختلف مذاہب کے ماننے والوں کا گہوارہ رہا ہے سبھوں نے ایک دوسرے کو عزت واحترام سے دیکھا ہے ایک دوسرے کی عبادت گاہوں کا احترام کیا ہے۔ مسجد ہو مندر ہو یا گرجا سب اینٹوں سے بنتے ہیں لیکن کسی عبادت گاہ کی تعمیر کے لیے گاؤں گاؤں سے اینٹ منگوانا مختلف نعروں اور جلوس نکلوا کر کسی خاص مقام پر پہنچانا ہمارے دیش کی پرمپرا اور ساری دنیا کی تہذیبی قدروں کے خلاف ہے۔ سوال یہ ہے کہ کتنے دانشوروں نے اس طریقہ کار کے خلاف احتجاج کیا کتنے اخباروں نے اداریے لکھے، کتنے لوگوں نے کہا یہ دیش کی روایت کے خلاف ہے۔ ابھی کچھ دن پہلے بدقسمتی سے ایودھیا میں کچھ لوگ ہلاک ہوئے انکا کریاکرم کیا گیا اور اب ان کی راکھ کو مختلف گاؤں مختلف شہروں میں گھمایا جائے گا، ان کا ماتم کیا جائے گا اور نعروں کے ذریعہ منافرت کا اعلان کیا جائے گا کہ انہوں نے کس طرح اپنی جانیں مندر بنانے کے لیے نہیں مسجد کو گرانے کی کوشش کے لیے ہلاک کیں۔ دوستو! ہم کیا انسانوں کی بستی میں رہ رہے ہیں؟ تخریب پر فخر کرنا اور تخریب کو باعث فخر قرار دینا اگر اس ملک میں رواج پا جائے گا تو پھر ہم کہاں رہیں گے۔ میں نہیں مانتا دانشور بے اثر ہیں، ان کے اثرات ہیں! دانشور صرف شعرا ادبا ہی نہیں مذہبی علما بھی ہیں وہ سب اگر خاموش رہیں گے تو یہ ملک ہمارا کدھر جائے گا۔ ہم نے جو خواب اس ملک کو آزاد کرانے کا دیکھا تھا، ہم نے جو اپنا تن من نچھاور کرنے کا عزم کیا تھا وہ اس ہندستان

کو آزاد کرانے کے لیے نہیں کیا تھا۔ یہ ہمارے خوابوں کا ہندستان نہیں ہے۔ گاندھی، نہرو، آزاد، لوک مانیہ تلک کسی نے بھی انگریزوں کے خلاف منافرت پھیلانے کا کوئی کام نہیں کیا۔ پوری آزادی کی لڑائی میں کیا ایک واقعہ بھی کوئی بتا سکتا ہے کہ کسی گرجا کو ڈھایا گیا ہو، یہ ہندستان کی تہذیب نہیں ہے یہ ہماری روایت نہیں ہے۔ آج سب سے پہلا نشانہ مسجدوں کو بنایا جاتا ہے مسجد سے کیا دشمنی ہے مسجد میں مسلمان خدا کا نام ہی تو لیتے ہیں مندر میں جا کر آدمی پرماتما کا نام ہی تو لیتا ہے، وہاں وہ محبت کا سبق حاصل کرنے جاتا ہے، منافرت کا نہیں۔ جو لوگ مذہب کے نام پر انسانیت کا خون کریں وہ مذہب کے غدار ہیں، مذہب کے باغی ہیں۔ ایک مسجد ایک مندر کی کوئی وقعت نہیں ہے ایک انسان کی جان کے مقابلے میں۔ کوئی مسجد یا مندر منہدم ہو جائے تو دوبارہ بن سکتی ہے لیکن کسی کی جان اگر چلی جائے تو دوبارہ واپس نہیں آسکتی۔ اگر کسی ماں کی گود اجڑ جائے کسی جوان عورت کی مانگ کا سیندور لٹ جائے کسی کا بچہ یتیم ہو جائے تو اسکی تلافی دنیا کی کوئی طاقت نہیں کر سکتی ہے۔ اس وقت پوری قوم کنوئیں میں گرنے والی ہے اگر آپ منافرت کے کنوئیں میں پوری قوم کو گرنے سے بچا نہیں سکتے تو آپ کے سکوت کے لیے آپ کو معاف نہیں کیا جائے گا۔ یہ وقت ہندستان کو تباہی و بربادی سے بچانے کا ہے اگر ہندستان کو آپ ہندستان باقی رکھنا چاہتے ہیں تو آپ کا فریضہ ہے کہ آپ اپنے قلم کو حرکت دیں، اپنی زبان کو حرکت دیں اور اگر آپ چل پھر کر، دوڑ دھوپ کر کے، لوگوں کے خیالات بدلنے میں کامیابی حاصل کر سکتے ہیں تو آپ اپنا فریضہ انجام دیں۔ مختلف طریقوں سے ہمارے دانشور معاشرے پر معاشرے کے طریقہ فکر کا رخ بدلنے میں شدت کے ساتھ اثر انداز ہو سکتے ہیں، میں ایسا یقین رکھتا ہوں۔

اردن بھولے

فرقہ ورانہ فسادات کے سلسلے میں ضروری ہے کہ انٹلکچول کو ان کی ذمہ داری کا احساس دلایا جائے،
بابری مسجد کا مسئلہ اب کسی مذہب یا پارٹی تک محدود نہیں رہا بلکہ یہ سوال اب ملک کی سلامتی سے جڑ گیا ہے اسلئے
ہر فرقہ کے باشعور، صلح پسند لوگوں کو اس مسئلہ کا حقیقت پسندانہ جائزہ لینا چاہئے، مورخین ابتک یہ ثابت نہیں
کر سکے ہیں کہ ایودھیا میں کوئی رام پیدا ہوا بھی تھا لیکن ہندوؤں کا یہ اصرار ہے کہ مندر وہیں بنے گا چاہے کتنی ہی
لاشیں کیوں نہ گر جائیں۔ فساد پہلے دماغ میں شروع ہوتا ہے پھر سڑکوں پر آتا ہے۔ مسلمان اگر یہ چاہتے ہیں
یہاں کی تمام آبادی مسلمان ہو جائے یہ ناممکن ہے اسی طرح ہندو اگر ایسا چاہے تو یہ بھی حماقت ہے۔ مسئلہ یہ
ہے کہ جب ایک مذہب کے لوگ ایک پلیٹ فارم پر نہیں آسکتے تو پھر دو مذاہب کے لوگ کس طرح آسکتے
ہیں، مثال کے طور پر عراق ایران کی جنگ لے لیجئے، اسی طرح ہندوؤں میں بھی مسئلہ ہے، اگر کوئی شخص ہندو
ہونا چاہے تو اس کے سامنے سب سے بڑا سوال یہ آئے گا کہ وہ ہندو ہونے کے بعد کس ذات میں جائے گا،
ہندستان کا ایک سیکولر ڈھانچہ ہے یہاں کسی شخص پر مذہب کی تبدیلی کے لیے کسی قسم کا کوئی دباؤ نہیں ہے
آپ کے مدرسے آپ کی مسجدیں آزاد ہیں، ہندوؤں کو مسلمانوں سے کوئی خطرہ نہیں ہے وہ ہندستان کو اٹھا کر
کہاں لے جائیں گے، ان مسائل کے حل کے لیے تین چیزوں کی ضرورت ہے (۱) علمی مزاج (سائنٹفک ٹمپر)
(۲) ہیومنیٹیرین اسپرٹ (۳) اسیکولر آؤٹ لک۔ سیاسی پارٹیاں ذمہ دار ہیں، یہ لوگ طبقاتی مفاد کو ہوا دیتے ہیں جبکہ
مجموعی طور پر انہیں ملک کی سالمیت کو پیش نظر رکھنا چاہئے، اگر ہم لوگ یہ مان کر چلیں کہ ہم لوگوں کو اب یہاں سے کہیں
نہیں جانا ہے تو ہر جھگڑا نپٹایا جا سکتا ہے مسلم بادشاہوں پر مندر ڈھانے کے الزامات بے بنیاد ہیں، انہوں نے
اس ملک کو اپنا ملک سمجھا اسی طرح ہم تمام لوگوں کو بھی اس ملک کو اپنا ملک سمجھنا چاہئے، پڑوسی ملک بنگلہ دیش میں
مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ ہوا اس سے بہت اچھی حالت میں ہندوستان کے مسلمان ہیں۔

تو ادھر ادھر کی نہ بات کر یہ بتا کہ قافلے کیوں لٹے
مجھے رہزنوں سے نہیں غرض تری رہبری کا سوال ہے

ڈاکٹر انوار الحق حقی

آزادی سے قبل انگریزوں پر الزام جاتا تھا کہ وہ "لڑاؤ حکومت کرو" کی پالیسی پر عمل پیرا تھے، یہ پالیسی آج بھی ملک میں سرگرم ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی بھی ملک کی سیاست کا یہی مسلمہ اصول ہے۔ سائنس کے آبزرویشن اور ریڈنگ میں فاصلے اور زاویئے کا بڑا دخل ہوتا ہے، مناسب فاصلہ اور سیدھی آنکھ کے سامنے رکھ کر ریڈنگ کی جاتی ہے، دیکھنا یہ ہے آپ نے اس مسئلے کو کس زاویئے اور کس فاصلے سے دیکھا ہے۔ ہمارے اسکول کے دنوں میں ہندو مسلم کی بات خواب وخیال میں بھی نہ تھی جو تھے اپنی جگہ فرد تھے افراد تھے ان کی خوبی خرابی ان کی ذات سے وابستہ تھی نہ کہ کسی مذہب کسی فرد یا طبقہ سے۔ اسکول کالج میں بھی اساتذہ ہر ایک کو طالب علم کی حیثیت سے دیکھتے تھے مگر اب کل اور آج میں بڑا فرق آگیا ہے۔ میں نے اپنی ایک کتاب کا انتساب بھی اپنے ہندو اساتذہ کے نام کیا ہے جن کا میں مرہون منت ہوں، یہ وہ تھے جو انسانیت کا جذبہ پیدا کرتے تھے۔ ۴۷ء کی خونریزیوں کے باوجود میں پرامید تھا کہ یہ ایک وقتی جنون، وقتی بخار ہے جو وقت کے ساتھ اتر جائے گا اس وقت کی لیڈرشپ پر بھی بھروسہ تھا کہ وہ قوم کی اچھی رہنمائی کریں گے۔ مگر ۴۷ء کی گریٹ ڈیوائڈ کے اثرات ومضرات آج بھی دور نہیں ہو سکے ہیں۔ تقسیم بہت بڑی سیاسی شکست تھی بعد میں کرید کرید کر سیاسی مقصد کے تحت زخم ہرا کیا جاتا ہے پھر زخم رسنے لگتا ہے۔ معلوم ہوا جاتا تھا پچھم جا رہے ہیں پورب، ترقی کی بجائے تنزلی کی طرف۔ جب دستور بنایا تھا کہ نئے ہندستان کی تعمیر کریں گے اس میں آزادی ہوگی، اخوت وانصاف ہوگا جمہوری طریقوں سے نئی تہذیب کو جنم دیں گے پچھلی تہذیب ان اصولوں سے مبرا تھی، تہذیب سازی بڑا مشکل کام ہے جمہوری عمل خود ایک مشکل عمل ہے، جمہوری عمل کی اسپرٹ ہی کچھ اور ہوتی ہے یہ نہیں کہ الکشن ہوگیا حکومت بن گئی، آپ ووٹ دینے گئے تو پتہ چلا ووٹ پڑ چکے ہیں، الکشن سے اعتماد اٹھا دینے کو جی چاہتا ہے، یہ الکشن ہے کہ دھاندلی ہے ووٹ ڈالتے ہیں یا ڈالے جاتے ہیں۔ پھر جمہوریت کے یہ معنی بھی نہیں کہ اکثریت کا ہر فیصلہ صحیح ہے اقلیت غلطی پر ہے، کوئی مہذب طریقہ ہو کہ حکومت کس طرح چلائیں، اس میں اقلیت کا لحاظ بھی ضروری ہے جمہوریت میں بنیادی چیز اقلیت کے حقوق کی حفاظت اکثریت پر ہے پھر اقلیت کا بھی یہ کام بھی نہیں کہ ہر بات میں اکثریت کی مخالفت کریں۔ اس وقت کی نئی تہذیب میں حقوق تو ہیں فرائض کا چہرہ غائب ہوگیا ہے، پھر جمہوریت میں حزب مخالف کی بھی اہمیت ہوتی ہے انگلینڈ میں جو لیڈر آف اپوزیشن ہوتا ہے اس کا درجہ بھی وزیر کا ہوتا ہے کیونکہ وہ حکومت کی غلطیوں خامیوں کی نشاندہی کرتا ہے، اختلاف کرنے والا بھی اتنا ہی

صحیح ہو سکتا ہے جتنا ہم ہیں ہم اپنی رائے کو بھی وقت کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں تو رائے بدلنے کا بھی حق ہونا چاہئے اسلئے حقوق کی حفاظت کرنی چاہئے ورنہ جب جمہوری عمل مسخ ہو جائے گا تو تحریک و عمل پر بھی اثر پڑے گا۔ آج جذبہ رواداری کم گئی ہے، ہمارا دیش تو سچ مچ رنگا رنگ اور مہان ہے چمن کے اندر مختلف پھول کھلتے ہیں اسی سے چمن کی رنگینی ہوتی ہے۔ بینائی سے محروم کیا جانے کہ خوش رنگی کیا ہوتی ہے، ہندستان کے مختلف علاقوں میں گھوم جائیں معلوم ہوگا کس طرح مختلف ہیں ہم لوگ اور آپس میں کیسی ایکتا بھی ہے۔ ہم الگ الگ بھی ہیں پھر بھی ایک ہیں، اخلاق مروت مہمان نوازی میں ایک ہیں زبان لہجہ پوشاک طور طریقوں میں بھلے مختلف ہیں کھانے پینے میں بھی اختلاف ہے۔ ساؤتھ میں ننگے پاؤں رہنے کا بھی رواج ہے سپریم کورٹ کا ایک جج سوٹ پہن کر علیگڑھ کے ایک فنکشن میں آیا تو وہ ننگے پاؤں تھا، معلوم ہوا ساؤتھ میں یہی رواج ہے۔ ۱۹۶۴ء میں جبل پور رائٹ سے پہلا دھکا لگا کر اس پیمانے پر یہ چیز ہو رہی ہے ۱۹۷۷ء میں جے پرکاش نرائن کا ایک بیان میں نے پڑھا تھا کہ یہ فسادات یہ خونریزیاں ــــ ناسور ہیں تقسیم کے، مطلب یہ ہوا پاکستان والے کچھ کریں نہ کریں ناسور اپنی جگہ ہے، ناسور بہے گا۔ ناسور کا علاج ہونا چاہئے جو آج تک نہیں ہوا، وہ نسل تو ختم ہو گئی جو ۴۷ء کی کردہ ناکردہ گناہ کی پیداوار تھی پھر یہ نئی نسل کس چیز کا خمیازہ بھگت رہی ہے۔ میں متعدد بار کشمیر گیا وہاں میں نے ہندو مسلم فیلنگ زیرو سے بڑھتے دیکھا۔ آپ غور فرمائیں کہ ایک طرف گاندھی جی کی صدی منائی جارہی ہے مگر وہ احمد آباد میں کس دھوم سے منائی گئی کہ ایک رات قریب ڈیڑھ بجے احمد آباد سے فون آیا شہر میں آگ لگ گئی ہے خون خرابے کا بازار گرم ہے، یہ وہ سال ہے جسمیں گاندھی کی صدی منائی جارہی تھی یہ وہ صوبہ ہے جسے فخر ہونا چاہئے تھا گاندھی پر۔ یہ اسی لیے ہوا کہ ہم نے ناسور کو پکنے بڑھنے دیا اسکو بڑھاوا ملا ہماری کتابوں اخباروں رسالوں سے، سیدین مرحوم نے ٹکسٹ بک کا جائزہ لیا تھا انہوں نے رپورٹ دیدی مگر کچھ عمل نہ ہوا، گجرال کمیٹی کی رپورٹ اب کھٹی سے باہر آئی ہے اگر سیدین کی رپورٹ پر عمل ہوا ہوتا تو آج محاکے کی ضرورت نہ ہوتی۔ ٹیپو سلطان کی تعریف ہوتی ہے کسی بادشاہ کے مزار پر بھیڑ نہیں دیکھی ہوگی مگر ٹیپو کے مزار پر آج بھی ہزار ڈیڑھ ہزار زائرین کا مجمع رہتا ہے ان کی تعریف میں یہ لکھا ہے کہ وہ ہندوؤں پر زور نہیں دیتا تھا کہ وہ اسلامی قانون کی پابندی کرے مطلب یہ ہوا کہ ٹیپو کے سوا دوسرے بادشاہ ہندوؤں پر زور زبردستی اسلامی قانون نافذ کرتے تھے، ٹیپو سلطان کے محل کے اندر بھی مندر رہتا جس کا وہ انتظام کرتا تھا ایک کتاب میں لکھا تھا کہ وہ تین ہزار برہمنوں کو قتل کرا کر ناشتہ کرتا تھا اسکا مفہوم یہی نکلے گا کہ سب مسلمان حکمراں یہی کرتے رہے ہیں۔ اسی طرح دیکھا ہوگا لفظوں کا کھیل جہاں سکھوں نے مسلمانوں کو مارا تو وہاں killed لکھا

جہاں مسلمانوں نے سکھوں کو مارا وہاں Butterwel لکھا ان لفظوں سے کیا امیج بنے گا جو بدقسمتی سے ہ
ٹکسٹ بک میں شامل ہیں۔ یہ چیزیں دراصل انگریزوں سے پہلے شروع ہو چکی تھیں اسمیں راجہ رام موہن رائے و
آدمی بھی شامل تھا انہوں نے ۱۸۲۵ء میں جو میمورنڈم ایسٹ انڈیا کمپنی کو بھیجا تھا اسمیں شکریہ اور تعریف کرکے لکھا
مسلمانوں کا دور حکومت بڑا ظالمانہ تھا آپ نے مغلوں کے ظلم سے نجات دلائی۔ اور یہی صاحب شاہان دلی کی طرف
بنا کر انگلینڈ بھیجے گئے تھے۔ انگریزوں نے ہندستان کی تاریخ کو تین عہد میں تقسیم کیا، مسلم، ہندو اور برٹش پیریڈ
مذہب ہی پیریڈ تھا تو عیسائی پیریڈ بھی ہونا چاہیئے تھا اور جو ان کا مقصد تھا وہ ایلیٹ ڈاوسن نے واضح کر دیا تھا فار
اقتباسات کا ترجمہ کرکے کہ ہم نے کیسے ظالم و جابر (مغلوں) سے نجات دلائی۔ بعض لوگ تقریر کی روانی میں یہ اکثر بول
ہیں ہمیں سینکڑوں برس بعد آزادی ملی، برٹش تو سینکڑوں برس نہیں رہے۔ ایک غلط فہمی یہ بھی پھیلائی گئ
مسلم عہد میں مسلم حاکم اور ہندو محکوم تھے کیا مسلم حکمراں ہو جانے سے سب مسلمان حاکم اور سب ہندو محکو
ہو گئے حالانکہ بڑے بڑے عہدوں پر بلا امتیاز ہندو بھی بڑی تعداد میں فائز تھے۔ عام مسلمان تو ویسا ہی تھا ج
عام ہندو، حکومت تو ہندو و مسلم کے اوپر طبقے میں تھی، مسلم حکمراں اس قسم کی تفریق نہیں کرتے تھے۔ ہم لوگ صدی
سے ساتھ رہتے چلے آرہے ہیں ہم نے ایک ملی جلی تہذیب بنائی ایک زبان بھی بنائی اس کے باوجود ایک دوسرے ک
صحیح معنوں میں سمجھا نہیں۔ کچھ فاصلے رہے، عوامل جو بھی تھے لیکن کوشش کرنا ہے کہ ایک دوسرے کو سمجھیں اور
اور پڑوسی بن سکیں۔ میڈیا اخبار، ٹی وی اس خلیج کو پاٹنے کے بجائے بڑھا رہے ہیں آئے دن ایسی چیزیں دیکھ
سننے کو ملتی ہیں، جو کچھ ہمارے یہاں کمی تھی وہ سیاست نے پوری کر دی ہے، ۴۷ء میں بھی اتنے بڑے پیمانے پر قتل عا
نہیں ہوا جس طرح بعد میں ہوا، سیاست دراصل کرمنلائزیشن آف پالٹکس ہو گیا ہے۔ پہلے تھا کہ فلاں کرپٹ ہے
فلاں ہے اب دور بین سے دیکھنا ہوگا کون کرپٹ نہیں ہے۔ کرپشن فرقہ واریت کو دور کرتا ہے جہاں کرپشن ہے وہاں
فرقہ واریت نہیں ہے کیونکہ اسمیں ذات، مذہب کی تفریق نہیں ہوتی۔ ہمیں مایوس نہیں ہونا ہے ملک کی اکثریت
کا ذہن صاف ہے باوجود لولے لنگڑے ہونے کے ہمارے ملک میں جمہوریت چل رہی ہے انسان لولا لنگڑا
ہو جائے پھر بھی انسان ہی رہتا ہے، کمیونلزم کوئی بیماری نہیں ایک علامت ہے کسی کمیونٹی کا اپنے ملک کے لیے کام کرنا
کمیونلزم نہیں ہے لیکن حق ناحق نہیں۔ ملک کی اکثریت اب بھی اقدار کی قائل ہے چاہتی ہے کہ مہذب زندگی بسر کریں
فرد کو فرد کی حیثیت سے جانیں نہ کہ مذہب یا زبان کے نام پر۔ ڈیونڈرم میں پہلی بار گیا وہاں جا کر بھی دیکھا مندر مسجد بھی
دیکھے ایک جگہ سڑکوں کے بیچ مندر مسجد ساتھ ساتھ بنے ہوئے ہیں دونوں کی بونڈری وال ایک ہے، ایک بار

دسری منزل تعمیر کرنے کے لیے مسجد والے اپنی دیوار اٹھا رہے تھے تو مندر والوں نے خود آکر کہا آپ لوگ
ں اور دیوار کھڑی کر رہے ہیں ابھی مندر کی دیوار پر آپ مسجد کا دوسرا منزلہ اٹھا دیں، یہ تصویر تو ہم خواب میں
دیکھ سکتے ۔ اختلاف مذہب کی وجہ سے نہیں ہے ان لوگوں کی وجہ سے ہے جو مذہب کا لبادہ اوڑھے
ں، جمہوریت ہی چاہتے ہیں تو لامحالہ آپ سیکولرزم اپنائیں گے، ہندستان میں مسلمانوں کو جو بڑے بڑے
ملتے رہے وہ مسلمان ہونے کے ناطے نہیں بلکہ ذاتی خصوصیات کی بنا پر ملے ہیں مثلاً ڈاکٹر ذاکر حسین
لی احمد اور دوسرے لوگ اپنی اہلیت اور قابلیت کی وجہ کر بڑے عہدوں پر فائز ہوتے، سیکولرزم اپنا کر
لمانوں پر کوئی احسان نہیں کیا کس اسکیم پر آپ ہندو اسٹیٹ بنائیں گے ایک بحث اور چھیڑ دیجیے ،
سناتن دھرم بھی ہے، ایک پنڈورا باکس اور کھول دیجیے اس سے ہمارا نقصان نہیں ہوگا، ہندو راج میں
ن وزیر اعظم ہوتے تھے اور نظام حیدر آباد کے وزیر اعظم بھی ہندو تھے کوئی مسلمان صدر رہوتا ہے تو کیا وہ کوئی
رنے میں ہندو مسلمان کی تفریق کرتا ہے؟ پاکستان کی مثال آپ کیوں دیتے ہیں اگر پاکستان کو آپ موڈل
تو ٹھیک ہے اور اگر غلط سمجھتے ہیں تو یہاں یہ غلطی کیوں کرنا چاہتے ہیں۔ ملک میں ڈیموکریسی صحیح اور
ہو تبھی ہمارے حقوق محفوظ ہوں گے یہ جتنی کمزور ہوگی اتنی ہی خرابیاں ہوں گی۔ یہ نہیں ہو کہ جرائم پیشہ
ں میں جائیں ہمیں چاہیے کہ پہلے ہم اپنی اصلاح کریں، ہمارے اندر جو وحشی پن ہے اسے دور کریں یہ
جانوروں سے بھی زیادہ خونخوار ہوتا ہے۔

آج اس وقت دلوں کو، ذہنوں کو جوڑنے کی ضرورت ہے اس مقصد کے لیے دانشور چاہے ہندو ہو،
ہو سکھ ہو ان کا رول ہو سکتا ہے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں میں جو تفرقہ پیدا کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے کچھ
ں کچھ سوچنے والے طرح طرح سے جذبات ابھارنے کی کوشش کر رہے ہیں اسکو صحیح رخ پر لے جانے کی کوشش
ے ۔ دانشور اپنا کافی کنٹریبوشن رکھتا ہے وہی لوگوں کی ذہنیت کو اچھے رخ پر لے جانے کا راستہ ہے۔ اردو
ولر زبان ہے اسکی پیدائش ہی سیکولر ہوئی ہے اسکی نشو ونما بھی سیکولر ہوئی ہے اس کے ماننے والے بھی
ولر ہیں ملک کو عملی سیکولرزم پر لانے کی کوشش کی جائے، یہ اردو دانشوروں کی ذمہ داری ہے۔

ڈاکٹر اوم پرکاش پرشاد

ممتاز مورخ اور اس شہر نے ایک خصوصی پیغام بھیجا ہے، کہ ہندستان کی کسی لائبریری میں سپر دایک واد
کے خلاف اتنا سیمنار نہیں ہو رہا ہے، صرف ایک خدابخش لائبریری ہے جہاں مسلسل یہ پروگرام ہو رہا ہے اگی ایرزوش
کی مہم جو چل رہی ہے فوراً ختم ہونے والی ہے، ایسی سمسیا پھر کھڑی ہونے والی ہے، یہ لمبی لڑائی ہے، دب سکتی ہے
مگر ختم نہیں ہوگی، ضرورت ہے ایسی ہی بستی اور انسٹی ٹیوشن میں بھی ہو، دیہاتوں میں بھی ہو تو بہتر ہے۔ ہم لوگ سوچتے
ہیں دھرم کے نام پر ہو رہا ہے، میرا خیال ہے ایسے ہنگامے دھرم کے نام پر نہیں ہوتے آج تک تاریخ میں ایسا کوئی
ریکارڈ نہیں ملتا جہاں دھرم کے نام پر دنگے ہوتے ہوں، ہاں پرسنل انٹرسٹ کے تحت ہوئے ہیں۔ سینکڑوں
سال کی کہانی، راجپوت، راجپوت سے برہمن چھتری سے، اسلام کا ہندو سے، بودھ دھرم کا جین سے لڑائی ہوئی
ہو ایسا تاریخ میں نہیں ملتا۔ اس میں کہیں نہ کہیں راجنیتی، اکانومی چھپی رہتی ہے، جہاں جہاں رائٹ نہیں ہوئے
ویسے علاقے کا بھی مطالعہ ضرور ہونا چاہیے جہاں ہندو مسلم ہیں مگر رائٹ نہیں ہوتے جیسے پٹنہ۔ ہر شخص کو
پرسنل انٹرسٹ اپنا چاہیے کہ یونیٹی آئے چاہے خانے میں پان کی دکان پر، کپڑے کی دکان میں، رکشہ پر اور دیگر
معاملات میں نیشنل یونیٹی کی بات کریں، ہم لوگ ایک دوسرے کے سینٹمنٹ کو سمجھیں، بیسک سینٹمنٹ اکانومی سے
جڑا ہوا ہے، ضرورت ہے ہم اپنی اسمتی مضبوط کریں چاہے ہندو ہوں یا مسلم تاکہ ہماری اکانومی اچھی ہو، ٹاٹا برلا کی فیکٹری
میں ہندو مسلم کام کرتے ہیں وہاں نہیں ہوتا ہے اور یہ کہ ___ مغل، اورنگ زیب، پتن کا ذمہ دار کہاں تک ہے
ایسے سوال بھی امتحان میں نہیں پوچھے جائیں، سرکار یا پولس کیا کرے گی، ووٹ کی بدولت آڈیولوجی تیار ہوگی
تو انٹرسٹ پر لابھ کی بات ۲ نمبر پر ہوگی، دیکتی، راجنیتی لابھ ایک نمبر پر ہوگی۔ دنگا کی بنیاد دھرم نہیں پرسنل انٹرسٹ
ہے پولیٹیکل انٹرسٹ ہے کیا الکشن بیس نہیں تھا، اس کا مینیپولیشن اس طرح کیا گیا، کیوں شلانیاس کرایا
گیا، پھر کوئی کنسٹرکشن نہیں ہوگا جب تک اسمبلی الکشن نہ ہو جائے، یہ پولیٹیکل انٹرسٹ ہے کوئی کٹے مرے
اس سے کوئی مطلب نہیں، جو کہانی ساری ہے وہ آپ کے سامنے ہے، یہ اکانومی اور ایڈوکیشن دونوں سے
ریلیٹڈ ہے پولیٹیکل انٹرسٹ سپریم ہے، پہلے طے کریں ۲۶ تاریخ کو رام جنم بھومی کا مسئلہ جب betrayal of faith
ہوتا ہے تو Loss of confidence ہوتا ہے، گجرال صاحب نے اردو کی رپورٹ پندرہ سال
پہلے جمع کی تھی، پندرہ سال تک کسی حکومت نے کچھ نہیں کیا، الکشن سے کچھ دن پہلے حکومت نے ایسا کیا۔ کوئی
بھی دھرم نفرت نہیں سکھاتا، ادھر چار برسوں سے ساری راجنیتی پارٹیاں دھرم کو راجنیتی میں شامل کر رہی ہیں،

دھرم کو لے کر آگے بڑھ رہی ہیں چاہے کوئی بھی پارٹی ہو، وہ دیش کی ایکتا اور اکھنڈتا قائم کرنے کے پکچھ میں کم رہتی ہیں۔
سی پارٹیوں کو دھرم سے الگ رکھیں تبھی دنگے بند ہو سکتے ہیں۔

ڈاکٹر برج راج دیو پرشاد

وہ طبقہ جو راشٹر کی تعریف میں ایک یونیفارمیٹی کا ڈیمانڈ کرتا ہے وہ محض مغربی راشٹر کے کلچر سے
ر بجاوت ہو کر ایسی بات کرتا ہے جو ہندوستان کے ماحول میں لاگو نہیں ہوتا۔ اب ہندوستان میں کوئی ایسی
خصیت نہیں رہی، تجربہ کاروں کی کمی ہے۔ نیا ہندوستان ہر دن اُدے ہوتا ہے، یہ ہر دن اگتا رہا ہے۔ مصر
روم کی تہذیب پر آج کوئی رونے والا ہے، ہندوستان کی تہذیب کو آج تک کسی نے للکارا نہیں۔ آج کی جو حالت
ہے، پنجاب، کشمیر، آسام، تامل ناڈو میں جو سوال ہے وہ کیا دیش درو ہوں کا سوال ہے؟ ہم اسے دیش دروہ کا
سوال بنا دیتے ہیں ہر جگہ ایک قانون کی بات کرتے ہیں۔ ہندوستان کی راشٹریتا اس سے اوپر کی چیز ہے۔ ہمیں
اپنے دماغ سے اگر کچھ نکالنا ہے تو وہ یہ ہے کہ ہندو مسلمان سکھ عیسائی کے سامنے نیک بننے کا سوال ہے ایک
بننے کا نہیں۔ ہندو مسلمان کی مسلمانیت بچائے یہ ہماری تہذیب ہے۔ اس صدی میں ۱۸۵۷ کا راستہ ہی ہندوستان
کے انٹگریشن کا ہے دوسرا کچھ نہیں ہے۔

سردار بلبیر سنگھ

سکھ ازم کے سلسلے میں جو ایک غلط فہمی ہے، اکثر کوٹ کیا جاتا ہے "راج کرے گا خالصہ باقی رہے نہ کوئی"
اس میں دراصل لفظ باقی نہیں بلکہ آکی ہے جس کے معنی پاپی کے ہوتے ہیں، یعنی راج کرے گا خالصہ پاپی رہے نہ کوئی"
ہمیں اپنے مذہب کے ساتھ دوسرے مذہب کو سمجھنا چاہئے جب تک ہم انیکتا کو نہیں جانیں گے، ایکتا نہیں لا سکتے۔
مسلمان قرآن پڑھتا ہے، ہندو رامائن پڑھتے ہیں، سکھ گرو گرنتھ پڑھتے ہیں، عیسائی بائبل پڑھتے ہیں یہ سب
ایک جیسی چیز ہے، مسلمان سکھ عیسائی ہونا بری بات نہیں اصل میں ہمیں کٹر نہیں ہونا چاہئے، ہم اپنے مذہب کو
اچھی طرح سمجھ سکیں تو بہت ساری برائیوں سے بچ سکتے ہیں، گرو نانک جی نے کہا ہے پربھو کے نام سے ہی ترقی
ہو سکتی ہے، یہ پرانی بات جو کہی گئی ہے سب کا بھلا ہو اس سے مراد صرف اپنے مذہب کا بھلا ہو ایسا نہیں ہے، آج
سے چودہ سو سال پہلے محمد صاحب نے جو بات کہی وہی بات ہمارے یہاں بھی کہی گئی بولنے کی بھاشا الگ ہے

بات وہی ہے "اول اللہ نور پایا قدرت دے سب بندے" ایک ہی نور سے بنے ہیں تو کون بھلے کون بر
ہمارے اندر تفرقہ نہیں ہے، خدا کو نام تو ہم نے دے رکھا ہے، اللہ رام، رحیم، اور سب کو ہم لڑا رہے ہیں اس طر
ہم دن بھر میں کئی بار مرتے ہیں۔

ڈاکٹر ترپاٹھی

فنڈامنٹلسٹ لوگوں کی سازش یہی ہے کہ ہندستان سے جمہوریت ختم ہو جائے ہمیں اس سازش
ناکام کرنا ہے۔ گھٹنائیں گھٹتی ہیں، حادثہ ہوتا ہے مگر جس طرح میجوریٹی کیمونٹی کو رول ادا کرنا چاہیئے وہ نہیں کر پا
مندر مسجد جھگڑے کے سلسلے میں اتہاس کی جانکاری ہونی چاہیئے۔ مگر مسئلہ یہ ہے کہ مذہبی معاملات میں اگر سپریم
فیکٹس کیشن کرے تو کون پریویل کرے گا۔

تقی رحیم

ملک میں جو پارلیامنٹری ڈیموکریسی کا سسٹم ہے وہ اچھا ہے اور اس ملک میں یہی چلے گا۔ ایک حقیقت
اس ملک میں مختلف ذاتیں ہیں، زبانیں ہیں، علاقائیت ہے انہیں وہ اکسپلائٹ بھی کریں گے مگر اس میں گھبرانے کی
بات نہیں ہے۔ —— ہر قوم، ہر سماج میں خیر و شر کے دو پہلو ہوتے ہیں، خیر کو ابھارا جائے شر کو دبایا جائے، آج کے
حالات میں شری طاقتوں کو کیسے دبایا جائے یہ بھی ایک مسئلہ ہے۔ ۱۹۶۹ء میں جو کچھ ہوا یقیناً ہندستان کی سیاست
میں اہم واقعہ ہے، جب ہم کمیونلزم کی بات کریں گے تو ۱۸۵۷ء میں جائیں گے وہیں سے بات ہوتی ہے، پھر
۱۹۱۶ء میں تلک جناح معاہدہ، ۱۹۲۰ء میں خلافت تحریک پھر آریہ سماج کا سنگٹھن، پھر نہرو رپورٹ، پھر پارٹیشن
وہ لیڈر بھی ٹھیک تھے، نمائندگی کر رہے تھے، قائدین کو فکر تھی کہ ہم ہندو ووٹرس کے پاس جائیں گے، جناح مسلمانوں
کے پاس جائیں گے بات تو وہیں سے چلی اس کے اثرات آج بھی ہیں۔ تاریخی طور پر نئی نسل کو جب تک آگاہی
نہیں ہوگی شر پر قابو نہیں ہو سکتا ہے، لبرلزم کی جو بات ہے، جب ہم کہتے ہیں ہندو مسلم دونوں رہیں گے، مسلمان
رہیں گے تو اپنے عقیدے کے ساتھ رہیں گے، عقیدے کے معاملے میں ہندو صحیح لبرل ہیں مسلمان لبرل نہیں ہے
اگر ہندستان سیکولر ہے تو مسلمان کو تیار رہنا چاہیئے، ساتھ سے نفرت نہیں کرنا چاہیئے پاکی ناپاکی کی بات بھی ہندو
کو بھی ماننا چاہیئے آپ کے باجا کی آواز سن کر کان بند کریں گے، آپ سے پانی کا دام نہیں مانگے گا لیکن اگر کسی نے

لی پینک دیا تو ٹولرنس بھی ہونا چاہیے۔ تمام کمزوریوں کے باوجود عوام ان پڑھ ہیں، ملک نہیں ہے، بھاگلپور سے
لیکر ہرائٹ میں ہندو مسلم دونوں طرف سے ہر معاملے میں ہر سیاست میں عوام سمجھدار ہیں، وہ بڑھ رہے ہیں ان پر
بھروسہ کرنا چاہیے۔ مل جل کر کوئی راستہ نکالنا چاہیے ڈیفنس میں اپنے اوپر بھروسہ کریں، آپ فیصلہ کریں، سب
مسلمان جمع ہوجائیں تو کیا ہندو فرقہ پرستی کو روک سکیں گے کیا ہندو زندہ نہیں ہیں کیوں نہیں ہندو مسلم
مل کر محلہ محلہ گاؤں گاؤں یہ ذہن پیدا کریں اور مقابلہ کریں۔

○

میں ملٹی ڈیموکریسی کا مضبوط حامی ہوں۔ پارلیامنٹری ڈیموکریسی غلط نہیں ہے۔ یہ صحیح ہے کہ سیاستداں
کاسنزم، کمیونلزم رجنلزم کو بھی استعمال کریں گے۔ سوال یہ ہے اب ہم کیا کریں گے۔ آگے کا راستہ کیا ہے۔ ہم سات روز
سے مال سلامی سے پھلواری تک روز گھومتے رہے ایک بات نئی دیکھی۔ لنگور گلی پٹنہ سیٹی میں دس ہزار ہندوؤں کے
بیچ حیات اور حسنات دو بھائی رہتے ہیں، کچھ شرپسند عناصر نے ان کے مکان پر حملہ کرنا چاہا آگ لگانی چاہی تو محلے کے
ہندو دوڑ پڑے اور کچھ ہندو والنٹیئرس دن رات ان کے گھر پر پہرہ دینے لگے، کرفیو لگ گئی تو پولس نے ان لوگوں کو یہ کہہ کر
ہٹا دیا ہم خود ان کی حفاظت کریں گے تم لوگ اپنے اپنے گھر جاؤ، پولس کے اطمینان دلانے پر وہ لوگ گھر چلے گئے مگر کرفیو
کے دوران ہی شرپسندوں نے ان کے گھر میں آگ لگادی تو پھر وہی محلے والے کرفیو توڑ کر دوڑے اور آگ بجھائی۔ یہ بھی ایک
مثال ہے۔ اپنے محلے کے اڑوس پڑوس کو بھائی سمجھو، بھائی چارگی کا ماحول رکھو، کتنا واسطہ ہے آپ کا محلے کے لوگوں سے
اگر ایسا ہے تو خطرہ کچھ بھی نہیں۔ ہمارا تو یہ حال ہے ہم دور دور ٹیلیفون سے باتیں کر لیتے ہیں لیکن بغل میں کوئی غریب چھوٹا
آدمی ہے تو اس سے ہمارا کوئی ربط نہیں۔ ہماری جو اپنی روایت چلی آرہی ہے، نانک، چشتی، اور کبیر کی، اسکی حفاظت کرنی ہے۔ اتنا
مضبوطی کے ساتھ سیکولر فورسیز ہر سطح پر اٹھ کھڑی ہوئیں کہ اتنا پہلے کبھی نہیں ہوا۔ ہم اسے دنگا نہیں کہیں گے چھٹ پٹ
گھٹنا ہے۔ پورے پٹنہ میں چند دنوں کے ہنگامے کے دوران جتنا خون ہوا آپ ایک ماہ قبل کے عام دنوں سے مقابلہ کریں
تو اس دنگے میں موت کی تعداد یقیناً کم نکلے گی۔ ہمیں تسلیم کرنا چاہیے کہ سیکولر فورسیز اب بیدار ہو گئی ہیں۔

اچاریہ جگدیش شاستری

لڑائیاں ہر زمانے میں ہوتی رہی ہیں۔ ہندو ہندو آپس میں دھرم کے لیے لڑتے رہے ہیں۔ عیسائیوں میں بھی

آپسی اختلاف ہے مسلمانوں میں بھی آپسی اختلافات ہیں۔ یہ سب نا سمجھی کے کارن ہوتے ہیں۔ آج سیاستداں لوگ
لابھ اٹھا رہے ہیں، دھرم کا سوشن کر رہے ہیں دھرم تو ایسی چیز ہے جو مانوتا کا پاٹھ سکھاتی ہے۔ بڑے بڑے
ولی، رشی منی، اوتار آئے اور امن کا پیغام دے کر چلے گئے ان سبھوں نے سماج سے برائیاں دور کی ہیں اور اچھی باتیں
ہیں مگر ہم اسکا اپیوگ نہیں کرتے۔ یہاں تو ہندو ہندو میں لڑائی ہے وہ اپنے دیوتا کو برا کہتا ہے وہ اپنے دھرم کو
کہتا ہے۔ جہاں میں اتنے سارے پھول کھلے ہیں آپ کس پھول کو اونچا کہیں گے۔ سب انوکھا ہے اسکی کوئی تلنا
ہے اس کے پیچھے ہوا یہ ہے کہ پہاڑ پر چلنا ہے تو شیکھر پر جانا چاہتے ہیں راہنماؤں نے اپنے اپنے طور پر رہنمائی
دیکھو سیدھے اس راستے سے جانا ہے، کوئی دوسری راہ پکڑو گے تو شیکھر پر نہیں پہنچ سکو گے ہر ایک نے یہی بتا
دوسرا راستہ مت پکڑنا بھٹک جاؤگے۔ جب شیکھر پر پہنچا تو دیکھا کہ سب راستے تو یہیں پہنچاتے تھے اگر کہتے
پہنچا دے گا وہ بھی پہنچا دے گا تو کیا برا تھا۔ دھرم کوئی بھی ہو سب اپنی جگہ مہان ہے کوئی اونچا نیچا نہیں ہے۔ ما
کو ابھوکیٹ کرنے کی ضرورت ہے۔ ڈیموکریسی سے لابھ نہیں ہونے والا ہے۔ جن تنتر سے کچھ نہیں ہوگا ایک ہٹا
دوسرا وہی آئے گا۔ ووٹ ــــ والے زیادہ تر بدمعاش ہوتے ہیں۔ دنگوں میں زیادہ تر غنڈے مال لوٹنے
دلچسپ ہوتے ہیں۔ بھیڑ کی سائیکلوجی الگ ہوتی ہے اچھا آدمی بھی بھیڑ میں آجاتا ہے تو سب گن کھو دیتا ہے، پاگل ہو جاتا
اسکو ابھوکیٹ کیا جائے ۔

پروفیسر جمال خواجہ

تقریروں سے کچھ نہیں ہوتا عمل کی ضرورت ہے، ہمارے ملک کا کتنا اعلی کونسٹی ٹیوشن ہے، سیکولرز
ہے ڈیموکریسی ہے فنڈامنٹل رائٹ ہے، آزادی ہے، صرف امپلیمنٹیشن کی ضرورت ہے اور یہ ذمہ داری پولیٹیکل د
کی ہے۔ کمیونل ہارمونی میں جو رکارڈ لفٹ پارٹی کا رہا ہے وہ کانگرس کا کبھی نہیں رہا، اس وقت ملک میں کمیونلزم
جو بڑا انقلاب آیا ہے اس کے پیچھے سنگل فیکٹر کمیونل کارڈ کا معاملہ ہے خواہ اسکا جو بھی اثر پڑا۔ ہم لوگوں نے
ابھی علیگڑھ میں "نیو سرونٹس آف انڈیا سوسائٹی" قائم کی ہے، میں صدر ہوں، پروفیسر شیلندر سنگھ جنرل
سکریٹری ہیں، کل نو افراد فاؤنڈر ممبر ہیں اس سوسائٹی کے، ہم نے اچھے اچھے لوگوں سے خط و کتابت کی تھی ان کے
مشورے سے یہ سوسائٹی بنائی گئی ہے۔ ہم نے گوپال کرشن گوکھلے سے انسپائریشن لیا، یہ ایک غیر سیاسی
میٹا پالیٹیکل فیلڈ ہے یعنی جو سمسیائیں ہیں سیاسی معاشی سماجی آپ ان کو لیں لیکن غیر سیاسی انداز سے

(ٹ)یکل کریں جسے پرکاش نارائن نے لوک نیتی اور راج نیتی میں فرق کیا تھا، میں لوک نیتی سے کام کرنا چاہتا ہوں
یہ اس سے ملتی جلتی چیز ہے۔ ہمارے یہاں سیاستدانوں کی کمی نہیں اچھے بھی ہیں برے بھی، بلاخوف وخطر جو اصول
کی بات ہو، حق بات ہو اسے ہم رکھیں، یہ جرنلسٹ بھی کرتا ہے اکیڈمیشین بھی کرتا ہے یہ کافی نہیں ہے اس سے
اور آگے بڑھنا چاہئے، فیلڈ میں جائیں، ایسے طریقے اختیار کریں، حکومت کو سیاستدانوں کو اپنی بات سنائیں اور مجبور
کریں، آرگنائزڈ کونرشن یا سائیکلوجیکل، سوشل کونرشن ٹھیک نہیں ہے یہ ستیاگرہ کا رفارم اس وقت
ٹھیک تھا جب غیر ملکی حکمراں تھے اب یہ چیزیں ٹھیک نہیں ہیں، اب مورل پریشر کی کوئی ٹکنک سوچنی چاہئے،
ٹکنک آف موڈرن آرگنائزڈ پریشر پر سوچیں، جیسے جیسے کام کریں نئے ٹکنک سامنے آئے گی۔ ہمیں بھاگلپور جانا ہے
وہاں بڑا کام یہ کرنا ہے کہ کس طرح میوچول ٹرسٹ قائم کر سکتے ہیں، میٹیریل سپورٹ وہاں کافی پہنچ رہا ہے لیکن
ایسی خلیج ایسا ڈیوائیڈ ہے جس کا پاٹنا نہایت ضروری ہے۔ یہ غلط بات ہوگی کہ مسلمان جائیں تو مسلمان کو صرف مورل سپورٹ
کریں، ہندو بھائی بھی مارے گئے اور زخمی ہوئے ہیں، ایک کمسڈ ٹیم وہاں جائے اور غیر جانبداری سے دیکھے، دونوں
گروپ سے ملے میوچول ٹرسٹ پھر سے قائم کرنے کی کوشش کرے، آپ خود ڈیمورلائزڈ نہ ہوں۔ آپ غور کریں ۴۷ء
کے بعد یہ سب سے بھیانک واقعہ ہے، ملیانہ میرٹھ سے بھی آگے بڑھ گیا ہے، کیا ہر ہندو، ہر مسلمان کے دل میں نفرت
بھڑک رہی ہے ایسی بات نہیں ہے، ٹرین ایکسیڈنٹ ہوتا ہے ہوائی جہاز کا حادثہ ہوتا ہے ہم اسے بھی اسی طرح سمجھیں،
ہم اس سے مایوس نہ ہوں، تھوڑی سی تھنکنگ ہو، جہاں تک تھیورٹیکل ایشوز اور عمل کا سوال ہے میں اس میں جاؤنگا۔
خدابخش لائبریری ایک زبردست کریٹیو تھنکنگ کا ادارہ بن گیا ہے اس ادارے نے جو نیا ڈائمنشن پیدا کیا ہے
اس سے فائدہ اٹھانا چاہئے، آزادی فکر اور اختلافات سے مصالحت ڈیموکریسی کی جان ہے۔

چترانن مشرا

آج ملک میں جو کمیونلزم کی آگ لگی ہوئی ہے اسکا اندازہ مجھے دو تین سال پہلے سے تھا، ملک سے وفاداری
اور اہنسا کی باتیں جیسے اب مفقود ہوتی جا رہی ہیں، ہمارے یہاں دنگا وہی کرتے ہیں جو کرمنل ہیں، بھاگلپور میں جو کچھ
ہوا، ہم کہیں منہ دکھانے کے لائق نہیں رہے، آپ کمیونل ٹنشن کو الگ کر دیجئے پھر بھی کون سا دن ہے کہ خون نہیں ہوتا۔ پنجاب
سے چار گنا زیادہ بہار میں خون ہوا ہے یہ چھ مہینے کے رکارڈ سے معلوم ہوتا ہے۔ دراصل ایڈمنسٹریشن ہی ٹھپ ہے۔ اگر انتظامیہ
تحفظ نہیں دیتی تو کہیں سے محافظ کھوجنا پڑے گا، ہر جن بھی اپنے کرمنلس کو چنتے ہیں، ان کو اگوا کرتے ہیں پھر وہ

چناؤ جیت جاتے ہیں یوپی میں ۱۴ امیونسپل بورڈ کے چیرمین کرمنل ہیں۔ دنگا کے اعتبار سے احمد آباد، بمبئی وغیرہ زیا
اثر انداز ہیں۔ دراصل ہمارا کانسٹی ٹیوشن ہمارے لیے کوئی دے آف لائف نہیں ہے اگر وہ ہمارا دے آف لائف ہوتا تو یہ مس
نہیں ہوتا، پچھلے ۱۲ سال کے ریکارڈ کے مطابق دنگے میں ۳۰۰ سے ۶۰۰ کے بیچ لوگ مارے جاتے ہیں، آخر ہ
کانسٹی ٹیوشن کیا ہے اور اب کوئی گاندھی جی بھی نہیں رہے۔ گاندھی جی نے آزادی اور راشٹریہ ایکتا کا خواب دیکھا تھ
آزادی مل گئی مگر راشٹریہ ایکتا ادھورا رہ گیا، ان کی ہتیا کے بعد کسی نے اس مسئلہ کو اٹھایا نہ اس پر سوچا۔ اس کے لیے عمل ک
ضرورت ہے جو سیکولرزم کے آدھار پر ہوگا۔ آخر کار تر بھڑ کر ہم سب ایک ہو جائیں گے، اس ملک میں جتنا بھی حق ہند
کا ہے اس سے ایک پیسہ کم کسی دوسرے مذہب کا نہیں ہے۔ ہندی کا بھی اسی دھرتی پر جنم اور پالن پوسن ہوا۔ آج بڑے
پیمانے پر ہندوؤں نے ہسٹری کو اٹھالیا ہے وہ ایک ہزار سال پہلے کی بات کرتے ہیں، اشوک نے بھونیشور پر چڑھا
کردی کافی لوگ مارے گئے اس کے بعد پھر وہ تائب ہوا اور مذہب کو ماننے لگا، میں نے ایک بار بھونیشور والوں سے
کہا۔ تم سب مل کر اشوک کے اس جرم کے بدلے مجھے پیٹ دو، یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی۔ ہسٹری تو ماں کی طرح ہے، ماں
آپ اپنے چوائس کا نہیں کرسکتے چاہے وہ کالی ہو یا گوری ماں بہرحال ماں ہے۔ اس طرح ہسٹری سے سبق سیکھے اور
آگے بڑھتے۔ آج جو دنگے ہو رہے ہیں یہ مذہبی نہیں سیاسی ہیں، وہ سیاسی سادھو گاندھی نے ایک بار کہا تھا ایشور
اللہ ایک ہے، کیا ہم لوگ اسے اپنا سکیں گے۔ ہندوؤں کا نعرہ ہے کہ ہندوؤں کو خطرہ ہے، چپراسی سے راشٹرپتی تک
جب ہندو ہے تو خطرہ کس کو ہے۔ اسلام کے دامن میں بہت ساری اچھی چیزیں ہیں اسے دوسرے لوگوں کے لیے کھولا
تاکہ دوسرے بھی فائدہ اٹھا سکیں، لاکھوں آدمی نماز پڑھ رہے ہیں کیا دوسرے کو حق نہیں کہ وہ دیکھے کس طرح آپ نماز پڑھ رہے
ہیں۔ ہندو دھرم تو کچھ ایسا ہے کہ خدا کو ماننے سے لیکر نہیں ماننے تک ہے۔ اس دھرم میں اتنا دیوتا اتنا خدا ہے، یہ آج
کسی نے سنسس بھی کیا ہے یا نہیں، اس میں ایک دو اور جٹ جائے گا تو کیا خطرہ ہے۔ ہمارا خیال ہے سیکولرز
اور سیکولر فورسیز کو الگ کر دیا جائے، یہ جو نیا بھارت ہم لوگ چاہتے ہیں جس میں جھگڑا فساد ہے اس کا حل صرف سیکولر
لوگ نہیں کرسکتے، مذہب پرست لوگوں کو بھی جو دنگائی نہ ہوں کھل کر سامنے آنا ہوگا۔ ہم ان کی بھی قدر کریں۔ ہزاروں
سال پہلے تہذیب کا سب سے پہلے کس نے سندیشہ دیا ہندوستان کو، یہ تو مذہب ہی نے سکھایا یہ میرے چچیرے ہیں
وہ فلاں ہیں وہ فلاں، مذہب نہ ہوتا، تہذیب نہ ہوتی تو ہم لوگ جانور ہوتے۔ خرافاتی کی تعداد کم ہے، امن والوں کی
تعداد بڑی ہے لیکن ابھاگے بڑی تعداد میں ہو کر بھی ڈیفینسو ہیں، پیش قدمی ان کے ہاتھ ہے، جب مار لیا تب ہمیں
خبر پہنچی، اگر یہ نیشنل فورسیز آفینسو ہو جائیں تو کانسہ پلٹ جائے۔ ابھی بھی کانگریس میں نیشنلسٹ فورسیز بڑی تعداد

ہیں ہیں مگر پولیٹیکل وِل کی کمی ہے۔ ـــــــــــ قانون میں ترمیم ہونا چاہیئے کہ
کشن کے دوران کمیونلزم کا پرچار نہ ہو، کوئی واچ ڈوگ ہونا چاہیے۔ اگر سزا نہیں ہوتی ہے تو کوئی بھی کچھ کر سکتا ہے جو بھی
کرائم کرے اسے ضرور سزا ملنی چاہیئے تبھی کرائم کنٹرول ہوسکتا ہے۔ کوئی ایسا فورم ہو جو گورنمنٹ کو صلاح دے، باہری
لوگ بھی کنٹرول کریں، ہمارے یہاں جھگڑا بالکل مذہب کا نہیں ہے مذہب کے نام پر ہے ورنہ اگر جھگڑا مذہب کا ہوتا تو
نیپال میں ہوتا جہاں ہندو راشٹر ہے، جہاں مندر بھی ہے مسجد بھی ہے اور کبھی کچھ نہیں ہوتا۔ مذہب کے ویلوز ایک ہیں
طریقہ الگ الگ ہے، ہمارے یہاں فریڈم آف پریس ہے لیکن پریس فری نہیں ہے۔ مسلمانوں کے تناسب کے اعتبار
سے پولس فورس میں مسلمانوں کی بھرتی کے سلسلے میں سنٹر کو کئی صوبوں سے رضامندی آئی ہے مگر آپ کے بہار صوبے
نے اس سلسلے میں آج تک رضامندی نہیں بھیجی ہے۔

ڈاکٹر رضی احمد

آج ہندستان میں ضرورت ہے سچ بولنے کی، سچائی چھپانے کی کوشش ۴۴ سال سے کی جا رہی ہے۔ کوئی
بھی نیشن جھوٹ کی بنیاد پر زیادہ قائم نہیں رہ سکتی۔ ہم شترمرغ کی طرح ریت میں چونچ ڈال کر کہہ دیتے ہیں سب کچھ
خیریت ہے جبکہ ایسا نہیں ہے آج ہندستان میں تھیوری بہت ہے پریکٹیکل کچھ بھی نہیں، ہندو مسلمان کا مسئلہ
بڑا بڑھا ہے ایک بار ملک کا بٹوارہ ہو چکا ہے، کل کا کمیونلزم کچھ اور تھا، کل پاور کا مسئلہ تھا آج پاور کی چھینا جھپٹی
ہے اور Existence کا سوال ہے۔ ہسٹری آ چکی ہے اب نئی نسل کی ذمہ داری ہے کہ وہ ہندستان کی ذمہ داری
سمجھے۔ پارٹیشن ایسا زہریلا زخم ہے جسکو کوئی بھلانے کو تیار نہیں ساری ذمہ داری مسلمانوں کے سر منڈھ دی جاتی ہے۔
حقیقت کیا ہے یہ لیڈران جانتے بھی نہیں۔ پاکستان جو بنا تو صرف پانچ فیصد ایلیٹ کلاس نے ووٹ دیا وہاں تو
اڈلٹ فرنچائز تھا نہیں۔ بہار کے لوگ آگے آگے تھے ۳۷ء کی ہسٹری میں لیگ کا نام و نشان نہ تھا ۱۹۴۶ء، ۴۷ء
میں میجوریٹی مسلم لیگ کو ملی۔ علم روشنی کی راہ دکھاتی ہے پڑھا لکھا طبقہ فتنہ کی جڑ ہے یہ اپنے حق میں اکسپلائٹ کرنا
چاہتے ہیں، یہ پانچ فیصد منافق کی جماعت ہے وہ نئی نسل کو کچھ بتانا نہیں چاہتے ایک بھو میہار کھڑا ہو گیا وہ اسکا
مسیحا بن گیا کوئی سید کھڑا ہو گیا وہ مسلمان کا رہنما بن گیا اسے صرف ووٹ چاہیئے پھر وہ پوچھے گا بھی نہیں۔ وہ اپنے
فائدے کے لیے استحصال کرتا ہے۔ نئی نسل کب تک دھوکہ کھاتی رہے گی، عوام سمجھ لے ایلیٹ کلاس کا نہیں چلے گا۔
تب کچھ ہوگا، حکومت اپنی کمزوری ماننے کو تیار نہیں، کشمیر یا پنجاب کے مسئلے میں حکومت یہ کہہ کر نکل جاتی ہے انہیں

پاکستان کا ہاتھ ہے کشمیر میں ۹۰ نیصد مسلم ہیں، ہندستان بھی اسی ایشو میں جھوٹا ہو چکا ہے، بھاگلپور کا
کشمیر کے نوجوانوں پر ہوتا ہے، وہ سڑکوں پر اتر آتا ہے، ری ایکٹ کرتا ہے۔ پنجاب ایشو پر اندرا گاندھی
ہوا گر دالیٹن گنج پٹنہ سٹی کے پنجابیوں نے کیا کیا تھا، پنجابیوں کو ری ایکٹ کرنا چاہئے، نہ کرے تو وہ آدمی نہ
اسکو یہ کہہ کر نکل جانا کہ پاکستان کا ہاتھ ہے غلط ہے ایکشن کا ری ایکشن ہوگا جہاں بھی ہوگا۔

آزادی کے بعد ہندستان نے ڈیموکریسی اپنائی۔ وہ آج بھی اچھی حالت میں برقرار ہے۔ برنارڈ شا نے
سب سے اچھی ڈیموکریسی ایشیا میں ہندستان ہی میں ہے۔ ملے جلے مذاہب، ملی جلی نسل، ملی جلی زبان والے ملک
ڈیموکریسی ہی چل سکتی ہے وہ ڈیموکریسی کیسی ہوگی یہ نئی نسل پر منحصر ہے۔ ۴۷ء کی منسٹری میں یہ ابھر کر سامنے آ
پولیٹکل پارٹی کی اپنی حد ہے، وہ بڑے لوگوں میں تھے ان میں مورل کریج تھا، ان کی ایمانداری میں شک نہیں
نیشنلسٹ تھے۔ ۶۹ء میں ڈیموکریسی پر بڑی چوٹ آئی جب پاور کلکٹ کرنے کا سلسلہ چلا۔ ۱۸۸۵ء کی کانگر
۶۹ء تک رہی، ۱۹۰۷ء، ۱۹۱۲ء میں بھی اسپلٹ ہوئی، ۶۹ء میں ڈیموکریسی کی اسپرٹ میں روک لگی۔ کرانتی کی کو
جو جنتا نکلی وہ بھی ڈیموکریٹک نہیں تھی جنتا پارٹی بھی کئی خانوں میں بنٹ گئی۔ ۶۹ء کے بعد ڈھوکزم چلا،
درباری پن چلا، کشمیر سے کنیا کاری تک ہاہا کار مچ گیا، حکومت ہی کرپٹ ہے۔ بھاگلپور میں کیا ہوا، پولس کی اہم
دو پلول ہے، جسکی قیمت دو پلول ہو اس پر کیا یقین کہ وہ محافظت کرے گا۔ بھاگلپور، بہار شریف اور دوسری
پر جو کچھ ہوا اسمیں کوئی پولیٹکل وِل نہیں ہے، ہم ہیں۔ جب سماج ہندو مسلم خانوں میں بنٹ جائے گا تو پولس بھی ہند
ہے آپ انگلی کس طرف اٹھائیں گے۔ اس خانے میں بانٹنے کی واحد ذمہ دار سیاسی پارٹی ہے، ریلیجن کبھی نہیں با
ریلیجن کا سوداکرنے والی پارٹی بانٹتی ہے، پارٹیاں کمزور آسپیکٹ کو ابھاریں گی، بابری مسجد، رام شیلا وغیرہ سے
بڑا خطرہ ملک کی سالمیت کو ہے۔ ہمارے رہنما لبرل لوگ تھے آزادی سے قبل، آج بھی کمی نہیں، لبرل بھی حالا
کے تحت ووٹ لینا ہو تو بات کرے گا۔ ۸۲ء کی میرٹھ رائٹ میں میں نے شاہنواز خاں جیسے لبرل کو کمیونلسٹ مسل
میں گھرا ہوا دیکھا، شاہنواز نے کہا حالات بدلے ہوئے ہیں چونکہ میرٹھ سے انہیں الکشن لڑنا تھا۔ آج رضی
کو الکشن لڑنا ہوگا تو سبزی باغ کے چوراہے پر کہے گا اسلام خطرے میں ہے۔ ہندوؤں میں کہے گا مندر خطرے
ہے۔ پارٹیشن کے بعد وہ پیڑھی ختم ہو چکی جسکو درد تھا اگر پارٹیشن کے وقت ہندو راشٹر قرار دیا جاتا تو کوئی آواز
اٹھتی اس وقت تو مسلمانوں کی ہوائی اڑی ہوئی تھی مسلمان ہمایوں کے مقبرہ میں پناہ گزیں تھے۔ گاندھی جی کی لیڈرشپ
لبرل تھی، کہدیا ڈیموکریسی ہوگی مسلمان کو برابری کا رائٹ ملے گا۔ امبیدکر نے ٹرانسفر آف پولیشن کی بھی بات

ا نے تسلیم نہیں کیا۔
ووں کی سب سے بڑی کمزوری لبرلزم ہے، ——— ہندوؤں میں مذہب نام کی چیز
پانچ ہزار برس سے کرسی کی واحد شان ہے، ہندو میں پہاڑ پوجو، اینٹ پوجو، رام کی پوجا ہوتی تو دیل
انے تو اینٹ بھی پوج لیا اسی لبرلزم نے ہندستان کو بچایا ہے۔ چودہ پندرہ فیصد مسلمان کو آپ
ہٹلر اسٹالین نے بھی ایسا نہیں کیا، یہ ہیومن امپروچ سے باہر کی بات ہے پارلیامنٹ کی بھی اپنی لمیٹیشن
ا پاور کو ہٹانا چاہتے ہیں عوام اور نئی نسل کو چاہئے کہ صحیح انتخاب کرے۔ جنتا پارٹی کے دور میں
پر بات نہیں کی یہ پریکٹیکل ہے یا نہیں ہے۔ اندولن کا وہی ایک نیم ہے اس سے گھر ہی خطرے میں پڑ گیا
یئے چپراسی آپ کو سلام کرنے نہیں دے گا، یہ چھوٹے چھوٹے مسئلے ہیں۔ تین آزاد نسل جوان ہو چکی ہے
ں کی۔ ہر پارٹی جاتی ہے، تم ہی ماں باپ ہو ووٹ دو، جب ووٹ دے دیتا ہے تو چپراسی در پر آنے نہیں
ینے کو تیار نہیں، محافظت کرنے کو تیار نہیں۔ گاندھی جی کے پاس ایک بار ایک لڑکی نے شکایت کی۔
ن مجھے چھیڑتے ہیں، گاندھی جی کے سکریٹری نے کہا تم چپل اٹھا کر مارو، لڑکی نے گاندھی جی سے کہا آپکے
، ہیں چپل اٹھا کر مارو، یہ تو ہنسا کی بات ہو جائے گی، گاندھی جی نے کہا وہ ٹھیک کہتے ہیں تمہارے پاس
اس سے مارو، تم بھی مارنے کو تیار ہو جاؤ، مقابلہ کرو۔ اگر سماج پناہ نہیں دے گی مدد نہیں کرے گی تو
ے لیے ناجائز آرمس ضرور جمع کریں گے، پولس ساتھ نہیں دے گی تو کیا ہم بہو بیٹی کو مرنے دیں گے۔
اکثریت کی ذمہ داری ہے کہ وہ کھڑے ہو جائیں ورنہ اگر گھر گھر میں پستول ہو گیا تو ہندستان بیرت
مسلمان کو بھی اس مسئلے پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہئے۔ کیا مسلمانوں میں کمزوری نہیں ہے۔ سیکولر ڈیموکریسی
ہئے۔ ورنہ نیشنل انٹگریشن کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، انٹگریشن کی ضمانت ہے سیکولر ڈیموکریسی۔ ہماری سرکار ہر فنکشن
ائے سے کرتی ہے، صدر مندر میں سر ٹیکے گا۔ حکومت سیکولر ہو گی تو یہ چیز نہیں ہو گی۔ مذہب پرائیوٹ
جلوس نکال کر سنٹیمنٹ کی ہر کیوں پیدا کرتے ہیں، ہندو کو دیکھ کر مسلمان بھی جلوس نکالنے لگیں گے۔
آزادی سے قبل رائٹ ۲ وجہ سے شروع ہوتی تھی، گائے کی قربانی کے مسئلے پر پہلے رائٹ ہوتا تھا، مسجد میں
ے کے مسئلہ پر اتنے رائٹ کیوں ہوتے۔ نواب رامپور سے ایکبار کسی نے آکر کہا، یہ ہندو بھی مسجد کے سامنے
ہے اس سے نماز میں خلل ہوتا ہے نواب صاحب نے ہندوؤں سے کہا میں جس وقت نماز پڑھوں تم خوب
باؤ کیونکہ میری نماز میں کوئی فتور کوئی خلل کبھی نہیں ہوا، کیا آپ کا ایمان اتنا کمزور ہو گیا شیلانیاس ہو گیا

توکیا ایمان اسلام خطرے میں پڑ گیا یہ کارپوریشن کی سڑک پر آپ کی زمیداری ہے کیا۔ ان مسئلوں پر غور کرنا چاہئے۔ ایک نیا ہندستان کیسا ہوگا Live & let live کے لیے سیکولرزم اور ڈیموکریسی کا کوئی بدل نہیں ہے۔ بیساکھیوں پر کوئی سرکار نہیں چلتی۔ سنٹر اتنا مضبوط کر دیا کہ چیف منسٹر تو صوبیدار بن کر رہ گیا ہے۔ فیڈرل سسٹم لاگو ہوتا تو ہندستان اور مضبوط ہو جاتا۔ اسٹیٹ کو مضبوط کیا جاتا۔

۴۲ برس بعد بھی یہ کہا جاتا ہے کہ پارٹیشن مسلمانوں نے کرایا! ۵۰ فیصد مسلم لیگ ہے تو ۵۰ فیصد کانگریس بھی ذمہ دار ہے، دستخط دونوں فریق کے ہیں، دونوں مجرم ہیں کل کا ہندستان ہمارا ہونے والا ہے اور ہم ابھی اسی میں الجھے ہوئے ہیں تقسیم تم نے تمہارے باپ دادا نے کرائی۔ بابر نے مسجد بنا دی اس کا صلہ بھاگلپور کے لوگوں کو دینا پڑ رہا ہے۔ بابر کے باپ نے جو کچھ کیا ہم کیوں چکائیں۔ ایودھیا میں ۲ سے ۴ لاکھ لوگ ہیں ہم کبھی نہیں لڑے، یہ باہر کے لوگ لڑا رہے ہیں، اسی بابری مسجد کے مسئلے کو ابھار کر پانچ سال کے لیے پارلیامنٹ میں چلے گئے، زندگی بھر ٹیوشن کیا ایک سال میں اسّی لاکھ کمائے گا۔ ۶۹ء ہندستان کی ڈیموکریسی کی تاریخ میں داغ ہے، وزیر اعلیٰ صوبیدار بن کر رہ گیا ہے۔ کومن سول کوڈ بھی کیمونلزم سے جڑا ہوا ہے، لداخ سے کنیا کماری تک کس نے کہا چل سکتا ہے۔ لداخ میں لڑکوں کو پروپرٹی کی رائٹ نہیں ہے، ناگالینڈ میں سب سے چھوٹی لڑکی ساری پروپرٹی کی مالک ہوتی ہے اتنے میں ایک ہی لا کیسے چلے گا۔ مسلمانوں کو خود مسلم پرسنل لا کی کمزوری دور کرنا چاہئے، ابو حنیفہ کو ابن حنبل نے بدلا، سو سو برس میں انٹرپریٹیشن کی گنجائش ہے، یہ رائٹ میں غیر مسلم کو نہیں دوں گا یہ علماء پر ہے۔ علما بھی ورغلاتے ہیں، شاہ عبدالقادر نے جب قرآن کا فارسی میں ترجمہ کیا تو فتحپوری مسجد کو علما نے گھیر لیا کہ مار دیں گے، وہ مغلیہ دور تھا۔ ڈائیلاگ ہوا اصل یہ تھی کہ فارسی میں بھی قرآن سمجھنے لگے گا تو علما کی روزی روٹی کا سوال ہے، جو برہمن نے کیا تھا، دوسرا نہ جانے یہ ہماری ہوتی ہے امارۃ شرعیہ کی ہوتی ہے ۸۹ء میں ہر مسلمان امارۃ شرعیہ کو ماننے کے لیے تیار نہیں دلیل دیجئے، پرسنل لا کا سوال مجوب کا سوال ہے، اسلام میں قرآن میں اجتہاد کا راستہ رکا نہیں ہے علما کو چاہئے لوجیکل ڈسکس کریں۔ دنیا کے مسلمانوں نے سب کر لیا، ہندستان کا مسلمان کچھ نہیں کر رہا ہے۔ ایلیٹ کے دل میں کچھ ہوتا ہے زبان پر کچھ۔ بعض لوگوں میں یہ غلط فہمی ہے کہ مسلمان تو چار چار شادیاں کرتا ہے اس سے آبادی بڑھ رہی ہے، ایک بیوی تو مسلمان سے سنبھلنا مشکل ہے چار بیوی وہ کیسے رکھے گا ہندو دوست کو یہ سمجھانے کی ضرورت ہے۔

ڈبل پالیسی یہاں چلنے کو نہیں اسی نے ملک کو چوراہے پر کھڑا کر دیا ہے، نئی نسل کو پولیٹیشین اکسپلائٹ کرتے ہیں، کل مورل بیسڈ پالیٹکس تھی آج مفقود ہے۔ آج ووٹ کا سوال ہے، غنڈوں کی تعداد آبادی میں زیادہ ہو گئی، حاجی

ں کا لیڈر ہوا جا رہا ہے ۱۹۷۹ء میں جمشید پور رائٹ میں انور نام کا ایک غنڈہ مارا گیا، جمشید پور میں اتنا بڑا نماز
ں نہیں دیکھا گیا وہ غنڈہ ہمارا لیڈر ہو گیا۔ دوسرا ہندو لیڈر بھی اسی طرح ہے۔ کرائم کی لائف دس سال
ں پارلیامنٹ یا اسمبلی کی لائف بھی دس سال ہوگی جس سوسائٹی میں غنڈے لیڈر ہو جائیں گنگا
ں ہونا ہی ہے۔ ۱۹۴۷ء سے پہلے کی سیپر دایکتا میں شیئرنگ آف پاور تھا آج لوٹ کھسوٹ ہے ادھار یہ ہے
ے آئیں۔ اسکی ذمہ داری ہندستان کی پانچ فیصد ایلیٹ پر ہے وہی ہنگامے کی جڑ ہے۔ میں پانچ فیصد
سلمان کا کالا انگریز مانتا ہوں۔ وہ اپنے بچے کو کانوینٹ میں پڑھاتے ہیں پھر انگلینڈ بھیجتے ہیں اسطرح
ں ہے ان کی بھاشا۔ کچھ کرمنلس کام کرتے ہیں یہ پانچ فیصد پیچھے ہوتے ہیں، دوسری بات یہ کہ ہماری
یموکریسی بھی کافی حد تک ذمہ دار ہے مگر پارلیامنٹری ڈیموکریسی کا کوئی آلٹرنیٹو بھی نہیں، اگر کوئی
ے بڑا ہی آلٹرنیٹو ہوگا۔ اب ابسلوٹ پاور کرپشن ہے۔
ے ڈر کی بات یہ ہے کہ سیلف ڈیفنس کی تیاری میں کمیونٹی میں جو آرمس اکٹھا کرتے ہیں، آرمس کی
وتی ہے۔ پہلے کچھ کرے تم کرو، اس کا نیتر تو وہی درگ کرتا ہے جو آپ کے کنٹرول سے باہر ہوتا ہے
ی باری ہوتی ہے کون کتنا سرلاتا ہے۔ ہم اس راستے پر جا رہے ہیں جہاں پانچ فیصد ایلیٹ جھوٹے
ستان کو فرقہ داریت میں لے جا رہا ہے، حقیقتوں کو توڑ کر جو کچھ ہوا ۱۹۴۷ء کے پیچھے کیا کتابوں
ں جو ہے وہ بات ہوئی تھی۔
یموکریسی کا کوئی بدل نہیں ہے، سرودے والے گاندھی والے راستے کی تلاش کر رہے ہیں، جن شکتی
ی کامیابی نہیں ملی ہے، پنچایت، گرام سبھائیں بن جائیں تو آج کا نقشہ نہیں رہے گا، ہندستان میں
اب بھی باقی ہے مگر سیکولر ڈیموکریسی نہ ہوگی تو عوام امن محسوس نہیں کریں گے۔ عوام نے اپنی محافظت کیلیے
اسٹیٹ کے ہاتھ میں دیدیئے ہیں آج اسٹیٹ فیل ہو گیا۔ ہندو لبرلزم کی بات میں مانتا ہوں، عوام کی
ٹ نے گھیرا کر دیا، بھاگلپور ضلعے میں رٹ کیا تو ہندو نے ہائی کورٹ گیا تو ۱۹۷۹ء کی جمشید پور رائٹ
ام ال اے دینا ناتھ پانڈے، آر اس اس سنیل داس مشرا جی، اور سی پی آئی کے چھ ورکرس انودلو تھے،
یں پروگریسو فورس نے بھی آر اس اس سے کم رول ادا نہیں کیا، ہمیشہ یہی ہوتا ہے کہ وہ کیونل ہے وہ کیونل
اکسا کر سامنے لایا پھر گھر بیٹھ گئے، کیمونسٹ بھی جو میہار سے آگے نہیں بڑھا۔ مسلم پرسنل لا میں ضرور
وتی چاہیے۔ چند مولویوں کے ہاتھ میں اجارہ داری نہیں ہونی چاہیے، شاہ بانو کیس نے مسلمانوں کو عبرت

دلایا ہے ۱۹۴۷ء میں چودہ برس پہلے کی صورت حال میں بڑا فرق ہے، اجتہاد کا راستہ کھلا ہے۔ مذہب نے غور و فکر
اجتہاد کی تعلیم دی ہے لیکن مذہب کا استعمال جب سیاست کی طرح ہونے لگتا ہے تو کبھی علاءالدین کبھی اورنگزیب
بن کر سامنے آتا ہے، ایلیٹ کلاس میں بے ایمانی بھری ہے، ایمان کی آڑ میں اکسپلائٹ کرتا ہے، ایمانداری کی بات یہ
ہے کہ بابری مسجد کے سلسلے میں چار سو برس پرانی غلطی کا حساب آج نہیں چکانا چاہئے بنارس میں متھرا میں، بابری مسجد
کو دیکھ لیں، مندر کی زمین کو غصب کر لیا گیا ہے، اجمیر کی مسجد کے پیچھے مندر کا ملبہ آج بھی رکھا ہے، انگریزوں کو
کیوں بدنام کریں کیا ہندوؤں نے مسجد کو نقصان نہیں پہنچایا ہے، وشنوؤں نے کیا مندر نہیں توڑا ہے، تاریخ کے چکر
گھمانا اچھی بات نہیں۔ ان باتوں کے لیے اسکی اولاد ہرگز ذمہ دار نہیں۔ سچائی بولنے کی ضرورت ہے یہ آپ کی ذمہ داری
بنتی ہے سارے ہندو سارے مسلم بدمعاش نہیں ہیں، سوشل فورسیز مددگار ہو سکتی ہیں۔ کیونلزم جو پہلے بھی آج
فرق آگیا ہے، ــــ ہندستان میں سب مذاہب رہیں گے۔ ہر مذہب میں ہے جیو اور جینے دو۔ اس سے جوڑ کر کیسے
ہوتا ہے وہ کیمونل ہوتا ہے اسمیں سیاسی پارٹیاں ہیں، ووٹ کی راجنیتی ہیں اسکو کیسے کم کیا جائے یہی سوچنا ہے
اب تو لائسنس بھی دے رکھا ہے اٹھارہ برس کی انہوں نے۔

○

ہندستان میں ہر مذہب کے لوگ رہے ہیں اور رہیں گے لیکن کیا آج جیسے رہیں گے یا پہلے جیسے تھے
ویسے رہیں گے۔ آزاد ہندستان نے دانشور کہاں پیدا کیا، چاپلوس ضرور پیدا کیا ہے۔ یونیورسیٹیز کو شرپسندوں کا
سنٹر بنا دیا گیا، کوئی بولتا بھی نہیں، یہ دائرے ہیں جن پر ہمیں زندہ رہنا ہے۔ دنگا کبھی پٹنہ کی تاریخ میں نہیں ہوا تھا
اب ہو گیا اور بار بار ہوگا۔ کیمونلزم آج نسخہ ہے کرسی حاصل کرنے کا، یہ ہندو مسلمان کا سوال لے کر جو زہر پھیلایا جا رہا
ہے ہمت کے ساتھ کہئے یہ ہماری ذمہ داری ہے۔ آگے کا ہندستان نئی نسل پر منحصر ہے۔ آگے یہی نسل ہوگی جو
سڑکوں پر چلنے نہیں دیتی تو آگے کا ہندستان کیا ہوگا۔ اردو کی روایت سیکولرزم کی ہے۔ نوٹ پاتھ والا کتنا اردو
جانتا ہے رکشہ والا کتنا اردو جانتا ہے، لٹریچر کو ڈرائنگ روم سے سڑکوں پر لائیے۔

المیہ سیاست کا ہے دانشوری کا نہیں ہے۔ آج جو کچھ ہو رہا ہے ہر شخص جانتا ہے۔ دانشور اگر وہ دانشور
ہے تو وہ کبھی جھوٹ کو سچ نہیں کہے گا کبھی نہیں سوچے گا کہ منصب چاہئے اقتدار چاہئے، ہاں سیاستدانوں کے لیے
تاجروں کے لیے یہ بنیادی بات ہے۔ سیاستداں ایسے حالات کا پورا فائدہ اٹھاتا ہے۔ اور کرفیو میں تاجر دو کا چار

وصول کر لیتا ہے۔ دانشور اگر برائی کو روکنے کی کوشش نہیں کرتا، بدی کے مقابلے میں کھڑا نہیں ہوتا، تو وہ اپنی
دانش کی حد تک اس برائی اور خون خرابے کا ذمہ دار ہے۔ سقراط بہت بڑا دانشور تھا لیکن جب اس نے زہر کا پیالہ
پیا تو اس نے یہ ثابت کر دیا کہ دانشوری صرف ذہن کا نام نہیں بلکہ دانشوری ضمیر کا نام ہے۔ دانشور چپ رہے، مفکر
چپ رہے طلبہ چپ رہیں تو گویا انہوں نے چپ رہ کر دانشوری کو گرا دیا۔ سیاستداں بھی اچھا ہوتا ہے تو وہ بھی
دانشوروں کی صف میں آ جاتا ہے۔

ڈاکٹر رنگی پرشاد سنگھ

کیمونلزم اب اس دیش کے لیے کوئی نئی بات نہیں رہی، ایک بھولے بسرے یاد کو بار بار دہرایا جا رہا ہے،
دیش ان دنوں جن صورت حال سے گزر رہا ہے اس کے پیچھے کچھ انتر دیشی آتنک وادی ہیں جو بڑے پیمانے پر ملک
کے سکھ چین کو درہم برہم کرنے پر تلے ہیں، دراصل ملک میں بڑھتی ہوئی بے روزگاری نراشا، سماجک آرتھک وکاس
کی کمی کے کارن سماج میں کدا چار پھیل گئے ہیں، آزادی کے بعد بھی آزادی کے میٹھے پھل اچھی طرح دیکھنے کو نہیں مل سکے
ہیں دیش میں جو کانٹے پھیلے ہوئے ہیں ہمارا فرض ہے ان کو چن کر الگ کر دیں اور پھولوں کو سجا دیں تاکہ ملک مضبوط
ہو، اس کے لیے بودھ ہو، جین ہو، پارسی ہو، ہندو ہو، مسلمان ہو سب کو گہرائی سے اس مسئلے پر وچار کرنا ہے، برے
حالات کو بدل کر بہتر روپ میں لانا ہمارا فرض ہے آزادی حاصل کرنے کے لیے سبھوں نے ایک جٹ ہو کر قربانی دی پھر
سے بھی ہو سکتا ہے قربانی دینی پڑے، بہار نے بڑے بڑے وچارک اور مذہبی رہنماؤں کو جنم دیا ہے، بودھ ہو، جین
ہو، اگرو گوبند سنگھ ہوں۔ مہاتما گاندھی نے آزادی کی تحریک اسی بہار کے چمپارن علاقے سے شروع کی اسی طرح
راجندر پرشاد، مظہر الحق وغیرہ یہ سب تیاگی لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے عوام کو جگایا اور بھائی چارگی کا جذبہ پیدا
کیا، ہمیں چاہیے ان بزرگوں کے پیغامات اور افکار کو پڑھیں اور اپنی زندگی میں برتنے کی کوشش کریں، ہمارا ملک ایک
جمہوری ملک ہے مگر اس جمہوریت کا میٹھا پھل نصیب نہ ہو سکا۔ اس سلسلے میں اس عہد کے سب سے بڑے
رہنما میخائل گورباچوف نے جو قدم اٹھایا ہے وہ قابل تعریف ہے، امریکہ ملٹیننٹ کا دیش ہے جہاں سارے ملک کے
لوگ وہاں کے ناگرک ہیں حتیٰ کہ ایشیا کے لوگ بھی وہاں کے ناگرک ہیں پاکستان کے لوگ بھی لاکھوں کی تعداد
میں ہیں وہاں سب بڑے میل سے رہتے ہیں آپس میں کوئی بھید بھاؤ نہیں ہوتا، ہمارے ملک میں بھی مختلف مذاہب
اور رنگ و نسل کے لوگ بستے ہیں مگر افسوس کی بات ہے کہ اس دھرتی پر دھرم کے نام پر ہم لڑتے ہیں دھرم کے

نام پر دیش بانٹتے ہیں اور دھرم ہی کے نام پر ووٹ بھی مانگتے ہیں، بھاگلپور کا فساد بھی کتنا گھناؤنا فساد ہوا لیکن وہاں بھی کچھ ایسے گاؤں ہیں جہاں ہندو مائنوریٹی ہیں وہاں مسلمانوں نے ہندوؤں کی محافظت کی کہیں مائنوریٹی میں ہیں تو ہندوؤں نے بھی انہیں بچایا۔ یہ کچھ غنڈے اور پارٹیاں ایسی ہوتی ہیں جو سیاسی مصلحتوں کی بنا پر دنگا فساد کراتی ہیں، ہندو راشٹر کی بات بھی ہندوستان میں غلط ہے، بعض اسلامی ممالک میں اسلامی راشٹر کا نظریہ بھی لوگ جبر کے ساتھ قبول کرتے ہیں، دراصل آدمی کی بنیادی ضرورت پوری نہیں ہوتی تو اسکا ذہن تخریب کی طرف مائل ہو جاتا ہے، بابری مسجد رام جنم بھومی کے معاملے میں ہم لوگوں کو عدالت کے فیصلے کا احترام کرنا چاہیئے، تعجب ہے کہ ایودھیا میں اس طرح کا کوئی جھگڑا نہیں جبکہ باہر اس بات پر کافی تنازعہ ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مقامی لوگ پر امن رہنا چاہتے ہیں لیکن یہ ووٹ مانگنے والے ذاتی مفاد کی خاطر ایسی باتوں کو ہوا دیتے ہیں ان کا مقصد ذاتی مفاد ہوتا ہے ملک کی خدمت کا کوئی جذبہ کارفرما نہیں ہوتا، ایک اہم بات پر گہرائی سے ہم بھی غور نہیں کرتے کہ کسی راجیہ یا پولیٹیکل سسٹم کو ریلیجن کے ساتھ کیسا سلوک کرنا چاہیئے، ایک سمے تھا کہ ریلیجن کے جو لوگ ماننے والے ہوتے تھے ان کا لوگ مذاق اڑاتے تھے انہیں بیک ورڈ سمجھتے تھے، آپ نے دیکھا ہوگا آدمی جب موت کے قریب ہوتا ہے تو اس وقت خیال ہوتا ہے اس نے کیا اچھا کیا ہے اور کیا برا، مذہبی لوگ طرح طرح کے مس انٹرپریٹیشن دیکر لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں، اسلئے ہمیں صحیح مذہب کا گیان ہونا چاہیئے ساتھ ہی راشٹریتا کا بھی انوبھو ہونا چاہیئے تب ہم اس دیش کو ٹوٹنے سے بچا سکیں گے، بھائی برادری میں جھگڑا ہوتا ہی ہے اسکی ایکتا بھی وبھنتا ہی سے ہے، تو سب کو جاننے پہچاننے کے لیے مذہب ضروری ہے جو سچا ہندو سچا مسلمان ہو وہی سچا انسان بھی ہوگا۔

سبھدرا جوشی

کمیونلزم کے خلاف سنگٹھن بنانا ضروری ہے لیکن وہ کہیں کوئی ٹریننگ سے نہیں ملتی، بلکہ وہ فیلڈ میں کام کرکے اپنے تجربات و مشاہدات سے سیکھی جاتی ہے۔ ـــ اپنے تجربات و عینی مشاہدات کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا ـــــ

جب ہند و پاک کی تقسیم ہوئی، میں نے دلی میں لاشوں کے انبار دیکھے، محلے کا محلہ خاکستر دیکھا، وہ مناظر دیکھے جن کے تصور سے بدن پر رعشہ طاری ہو جاتا ہے، ایک عجیب افراتفری کسمپرسی، بے بسی کا عالم دیکھا، خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنھوں نے وہ دن، وہ حالات، وہ مناظر، وہ نقشے نہیں دیکھے۔

ہم لوگ گاندھی جی سے ملے ـــ انھوں نے پوچھا دلّی میں کتنے مارے گئے؟ ہم لوگوں نے جواب دیا "دس ہزار"

ہو؟ کوشش بہت کرتے ہیں مگر بچا نہیں پاتے۔ کانگریس کے ممبر کتنے ہیں ــــ؟ لاکھوں کی تعداد
ــے گئے؟ ایک بھی نہیں مارا گیا ــــ گاندھی جی نے کہا ــــ میں کیسے مان لوں تم لوگوں نے بچانے
نے میں کوئی تو ضرور مرتا ــــ پھر ہم نے کہا پولس بھی مارتی ہے، فوج بھی مارتی ہے، ہم کیا کریں ــــ؟
ــــ کانگریس والوں سے آج کیا سنتا ہوں، تم نے برطانیہ کی فوج کا مقابلہ کیا، آج اپنی پولس اپنی
ستے ہو ہم کیا کریں؟ شانتی کی آواز میں نرتا سے سیدھا اعلان تھا ــــ "بچاؤ" یہ بات گاندھی جی
کوئی دوسرا نہیں۔!

ے ۵۵ میل کے قریب پانی پت میں جو مسلمان پنجاب سے بچ کر آئے تھے ان کا کیمپ بن گیا تھا، گاندھی
گئے، وہاں کی بدنظمی کو دیکھ کر گاندھی جی پنجاب حکومت پر بہت بگڑے۔ مولوی لقاء اللہؒ گاندھی جی کے پاس
ہے تھے ــــ ہم نے آزادی کی جنگ میں حصہ لیا، آزادی آتے ہی بربادی شروع ہو گئی۔ گاندھی جی
یں کہا ــــ "کیا مسلمان ہونا کچھ گناہ ہی نہیں ہے، تم سمجھتے ہو" ــــ تم جیل گئے کانگریس کے کہنے
آج کانگریس اور دیش کی مانگ ہے تم پانی پت میں بیٹھ جاؤ، چاہے کوئی تمھیں کھانا دے نہ دے،
ے نہ رکھے، کوئی حفاظت کرے نہ کرے۔ آج مانگ ہے تم وہیں بیٹھ جاؤ ورنہ اگر تم پاکستان چلے گئے تو دنیا
یشن کی تھیوری مان لی۔ پانی پت میں مروگے، دیش کا بھلا ہوگا ــــ پھر پانی پت کی پوری آبادی
ہیں گئے، اکیلے رہ گئے۔ پاکستان سے بہت شرنارتھی وہاں آکر بسے جو ہندو تھے۔ وہیں ایک بار ایک
صاحب کے مزار پر جانے کا اتفاق ہوا، قبر پر جگہ جگہ دیئے جل رہے تھے میں نے شرنارتھیوں سے پوچھا یہ کون
ملا وہی مولانا جسے آپ لوگوں نے سر پر بٹھا رکھا ہے، وہ روز ہمیں ڈانٹتا ہے، صاف رکھو اور ہمیں کرنا پڑتا
دم تک وہ وہیں رہے۔

ی طرح اس کے آگے انبالہ ہے وہاں تھے کانگریس کے صدر مولانا عبدالغفار، ان کا سارا خاندان پاکستان
یلے رہ گئے۔ ۵۲ء کا جب پہلا چناؤ آیا، جبکہ ابھی تک لوگ سڑکوں پر پڑے تھے۔ مولانا عبدالغفار خاں کو
لیامنٹری بورڈ نے ان سے پوچھا کس کو ٹکٹ دیا جائے ــــ آپ نے کہا مجھ کو ــــ بورڈ کو کچھ تامل ہوا،
ــــ کوئی اور کنڈیڈیٹ، آپ نے پھر فرمایا میں سیٹی کانگریس کا صدر رہوں مجھ سے بہتر کون ہوگا۔ آخر انھیں
دلی سے کچھ فرینڈز کرس جائزہ لینے گئے۔ ایک شرنارتھی ہندو دکاندار سے حالات دریافت کیا ــــ اس
لا مسلمان رہ گیا ہے اور چناؤ میں کھڑا ہو گیا ہے، یہ ہار گیا تو ہماری ناک کٹ جائے گی اسلیے اسے توجتانا ہی

پڑے گا۔ چنانچہ وہ انتخاب جیت گئے اور تمام عمر جیتا رہا وہ اکیلا مسلمان۔ میرے علاقے کے جن سنگھی کہنے لگے، کانگریس نے سانپ کو کمڑا کر رکھا ہے ــــ میں نے کہا ہماری ہندوستانی سنسکرتی میں تو سانپ کی بھی پوجا ہوتی ہے"۔ یہ مذہب و ملت کے ٹھیکیدار جو انسان کو سانپ کہہ کر نفرت کرتے ہیں ان کا کیا ٹھکانا۔

آخری وقت میں مولانا جب رام منوہر لوہیا ہسپتال میں ذیفراش تھے بی بی امتہ السلام آپ کی خدمت گار تھیں۔ آپ کو رہ رہ کر ہوش آتا اور بگڑ جاتا تھا۔ پاکستان سے آپکے رشتہ داروں کو بلایا گیا ــــ آپ انھیں دیکھ کر ناراض ہو گئے، کہ کیا ضرورت تھی انھیں بلانے کی ــــ کان میں بی بی امتہ السلام کے چپکے سے کہا، بی بی جی دیکھنا کہیں ایسا نہ ہو میری بے ہوشی میں یہ مجھے اٹھا کر پاکستان لے جائیں، میں ہندوستان ہی میں دفن ہونا چاہتا ہوں ــــ یہ وہ ہستیاں تھیں جو گاندھی جی نے بنائی تھیں۔

اب آج کل ان اصول اور آدرش کی باتیں کرنا ایسا لگتا ہے کہ اس کی ضرورت ہی نہیں۔ اگر اس کو ہم نہیں رکھیں گے تو دیش نہیں رہ سکتا جمہوری ملک میں ہر آدمی کی برابر قیمت ہے۔ اگر کوئی سمجھے ہم مذہب کے بارے میں لوگوں کو ناگرک نہیں سمجھیں گے تو یہ غلط ہوگا۔ فرقہ پرست جماعتیں دیش کیلئے نہایت خطرناک ہیں۔

گرد گو لوالکر کے ان جملوں پر غور فرمایئے ــــ "ایک ہی مذہب کے لوگ دیش کے ناگرک ہو سکتے ہیں۔ ہندستان میں جو دوسرے مذاہب کے لوگ آئے وہ دیش کے ناگرک نہیں ہو سکتے ہیں۔ صرف ہندو ہی دیش کو پریم کر سکتے ہیں۔ مسلمان حملہ آور کی شکل میں ہندوستان آئے، تب سے آج تک وہ ہندوؤں کے انٹرسٹ کے خلاف کام کرتے رہے۔ ان کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرنا چاہیئے۔ بدقسمتی سے ہمارے آئین میں مسلمانوں کو برابر کے ادھیکار دیئے گئے ہیں اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے ایک بے وقوف باپ چور کو بیٹے کے برابر حق دے"۔

اسی طرح ان کی شعلہ انگیز زہر افشاں کتابیں مثلاً *Bunch of thought* وغیرہ ایسی کتابیں ہیں جو اکثریتی فرقہ کو بھڑکاتی ہیں۔ میجوریٹی میں جب فرقہ واریت ہوتی ہے تو اس سے فاشسزم آتا ہے۔ میجوریٹی کا پہلا فرض ہے کہ وہ اپنے کام، اپنی بات اور اپنی تحریروں سے ایسے حالات پیدا کرے کہ مائینوریٹیز اپنے کو برابر کا حقدار سمجھیں۔ صرف کانسٹیٹوشن *Constitution* میں لکھ دینے سے کچھ نہیں ہوتا۔

مائینوریٹیز کو بھی یہ خیال رہنا چاہیئے کہ ڈیموکریسی میں طاقت اور لڑائی سے کوئی حق لیا دیا یا چھینا نہیں جا سکتا۔ مائینوریٹیز کو آخر کار میجوریٹی سے گڈول بنا کر رہنا ہے۔

خراب سے خراب دنگے میں بھی مٹھی بھر لوگ دلچسپی لیتے ہیں، دیش کے عوام شانتی چاہتے ہیں، پر وہ آرگنائزڈ

ر0 نہیں۔ زیادہ تر لوگ بچانے کا کام کرتے ہیں، ارنے کا نہیں جس گھڑی سیاسی پارٹیاں
ں کہ نہ جانے کس کے ووٹ کم ہوجائیں گے، اس گھڑی دیش کے یہی عوام اپنی جان ہتھیلی میں
تے ہیں اور بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔
عوام کو متحد رہنا چاہیے اور ان سے کہنا چاہیے۔ حکومتیں بنتی اور بگڑتی ہیں لیکن دیش کے عوام
منظم ہو کر میدان میں آیئے۔
ں ایک ماسٹر جی اکیلے رہتے تھے۔ محلے میں ایک سردارنی جی رہتی تھیں۔ دنگا ہوا تو سردارنی جی نے
ہمارے ہوتے آپ کو کیا خطرہ — بعد میں دنگا اور بڑھ گیا۔ ماسٹر جی نے کہا اب کیا کریں سردارن
پ چلے جایئے — کل جا سکتا تھا اب تو جا بھی نہیں سکتا۔ میرے ساتھ چلو سردارن نے کہا۔ ماسٹر
تو پھر دیکھ لو کوشش کرکے۔ آگے آگے سردارنی جی پیچھے پیچھے ماسٹر جی۔ آگے سے ایک موب (mob) آیا
کالی اور بولی — گرو گووند سنگھ کی ہوں چیلی جس کو آنا ہے آجاؤ، چھ سات تم مروگے پھر میں مرنگی
ری — بھیڑ چھٹ گئی، تین چار موب اسی طرح ٹالا اور انھیں بچالے گئی۔ بچانے والے اسی طرح بچاتے ہیں۔
ں ایسا موقع ہو دو آدمی کھڑے ہوجائیں — خبردار! تو مارنے والے آگے بڑھ جائیں گے۔ یہ چیز بہت
حالات میں انسانیت نہیں رہ سکتی۔ بچوں کو بھالوں پر اٹھا لیتے ہیں؛ بچیوں پر اپمان کرتے ہیں
ں کا جو بڑوں کو یہ کرتے دیکھتے ہیں۔
ور میں ایک بار اٹل بہاری باجپائی کے خلاف الیکشن لڑی۔ میں تو یوپی سے واقف نہیں تھی کیونکہ
ں — میرے خلاف چہ میگوئیاں ہوئیں، سبھدرا جوشی کون ہے؟ اس کا ہندوسنسکرتی سے کوئی
ر یا نہیں لگاتی چوڑیاں نہیں پہنتی۔ اسے کیسے ووٹ دیا جائے۔ ہمارے کانگریسی ورکرس بہت گھبراتے
جو ہوں سو ہوں، جو سپاہی لڑنے جاتا ہے اس کی ذات برادری کون جانتا ہے، لوگ اس جھنڈے کو
کے نیچے وہ جان دینے جاتا ہے۔
تو ایک سپاہی ہوں اور میں تو اس ہندوسنسکرتی کو جانتی ہوں — کہ جب لکشمن نے کہا تھا —
ور نہیں پہچانتا، یہ تو سر کا زیور ہے، میں تو صرف پیروں کا زیور ہی پہچانتا ہوں، کیونکہ میں نے سیتا کا صرف
ہے۔
ء میں جب ایسے بھی لوگ نہیں ملتے تھے جو کہیں "ہاں مسلمان کو یہاں رہنا چاہیے" ایک دن ایک صاحب

پیلی دھوتی میں ایک کاغذ لے کر آئے ـــــ "تمہاری عزت میرے گھر میں ہے، آکر لے جاؤ" میری بیٹی غائب
ذرا میرے ساتھ چل کر اسے لے آؤ۔ میں پریشان ہوئی وہاں جانے کا کوئی نظم نہیں ہو رہا تھا۔ بالآخر جواہر لال جی
دو گارڈ لے کر بمشکل وہاں پہنچی۔ لوگوں سے پوچھا یہاں کوئی کھپیڑو رہتے ہیں ـــــ لوگوں نے بتایا وہ تو بڑا بدمعاش
خراب آدمی ہے، ایک مسلمان لڑکی کو اپنے گھر رکھا ہے، وہ اسے مارتا ہی نہیں، سب لوگ کہتے ہیں مگر وہ سنتا ہی نہیں۔
بھی پنچایت ہوئی ہے پتہ نہیں مارا کہ نہیں مارا۔ گاؤں پہنچ کر آواز دی ـــــ کھپیڑو کھپیڑو ـــــ ایک شخص آیا
الگ چپل، میلی دھوتی میں ـــــ پوچھا آپ کے یہاں لڑکی ہے، وہ ذرا گھبرایا ـــــ جواب سے گریز کیا ـــــ میں
گارڈ کو روک دیا اور کنارے لے جاکر بات کی' کہنے لگا میں تو ڈر گیا یہ لوگ مجھے پکڑنے آئے ہیں۔

پھر اس نے کہا کل میرے گھر جن سنگھ پارٹی نے حملہ کر دیا۔ سارا گھر پیسے کیلئے کھود ڈالا، لڑکی کو مارو لڑکی کو
یہی رٹ لگائی چنانچہ میں نے چھوٹے بھائی سے کہا اس کو باپ کے پاس پہنچا دو۔ دونوں کو میں نے بھگا دیا۔ اب بھگو
جانے وہ صحیح سلامت باپ کے پاس پہنچی یا ماری گئی۔ فوراً ہم لوگ واپس لوٹے تو دونوں لڑکیاں گھر پر موجود پائیں۔ ا
علاقے میں ایک بھی مسلمان نہیں رہا یہ اکیلا شخص گھر میں بیٹھا اسے بچا دیا۔

تو دیش ان ہی لوگوں کے بھروسے چل رہا ہے پولیس، فوج کے بھروسے نہیں، اور زیادہ تر لوگ ایسے ہی ہیں
ہم انتظار نہ کریں، ہم اٹھ کھڑے ہو جائیں۔ اکیلے دوکیلے کہنا بولنا چاہیے، میدان میں آنا چاہیے۔ دو آدمی کا
کامیاب ہوتے ہیں۔ اچھا آدمی یہ سمجھتا ہے میں اچھا ہوں تو یہ کافی ہے، ڈیموکریسی میں اتنا کافی نہیں۔ اچھا آدمی منظ
منظم ہو، وہ میدان میں نکلے اور انسانیت کو تباہ کرنے کی جو سازش ہو رہی ہے اسے ختم کرنے کی کوشش کرے۔

ریومر پھیلانے کی مشینری آر ایس ایس کی ہے۔ پروپگنڈے کی مشینری حکومت کی مشینری سے بھی زیادہ تیز
ملک ہی نہیں باہر ملکوں میں اس کی مشینری پھیلی ہوئی ہے۔

ڈاکٹر ذاکر حسین کے بارے میں ایک بار آر ایس ایس والوں نے یہ ہوائی اڑائی۔ یہ ہمارے جنرلس کو پلین سے زبر
لیجا رہے تھے۔ اب وہ ہوس ایرسٹ ہیں۔ بڑی مشکل سے وہ لوگ بچے۔ ایک وقت ایک ہی بات پورے ہندوستان اور بیر
ہندوستان پھیلی۔ اس کے بعد ایک عام جلسے میں ان کی تقریر ہوئی ـــــ تو پھر یہ خبر اڑائی ـــــ یہ تو دوسرے ملکوں
دکھانے کیلیے لے آئے ہیں پھر وہیں لے جائیں گے۔ یہ افواہ سن کر ـــــ ایک عام ہندو یہی کہے گا ـــــ اپ راشٹرپتی تھ
پہلی لڑائی میں ہی غداری کیا ـــــ عام مسلمان یہ کہے گا ـــــ ذاکر حسین کی قربانی کسی جواہر لال سے کم نہیں، اپ راشٹر
پتی دکھانے کے لیے بنایا لیکن اس پر یقین نہیں کیا۔

ان افواہوں سے بچنا چاہیے، مائینوریٹی کمیونلزم سے بھی بچنا چاہیے۔ یہ بھی نقصاندہ ہے۔ سکھ فرینڈس کہتے ہیں جو دلی میں ہوا کہیں آج تک نہیں ہوا۔ حالانکہ ایسا تو روز ہوتا ہے، میرٹھ میں کیا ہوا، ملیانہ میں کیا ہوا، بھیونڈی میں کیا ہوا اور دوسری جگہوں پر آئے دن جو کچھ ہوتا رہتا ہے، اسے کوئی نہیں دیکھتا۔

فرقہ پرستی جب ہمارا دروازہ کھٹکھٹائے گی تو ہم دیکھیں گے، دوسرے کو ہم نہیں دیکھیں گے۔ ایک درکرنے کہا اگر یہ ہو گیا کہ مسلمان کو نہیں مارنا ہے تو ہندو آپس میں مارنے لگیں گے، پنجاب میں آج یہی ہو رہا ہے۔

یہ تو نگیٹو اپچوڈ ——— (رویہ) کی بات ہے ہم دن بدن تنگ ذہن ہوتے جا رہے ہیں۔ ذات دھرم، فرقہ برادری ان تمام چیزوں سے ہم بالاتر ہو کر میدان میں آجائیں، آپ آگے آئیں گے آپ کے پیچھے چلنا ہوگی۔

اخیر میں محترمہ نے اپنی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا ——— یہ میرے لیے خوشی کی بات ہے کہ اتنی اہم جگہ آنے کا مجھے موقع ملا، آپ کی کتابیں، پرانی تاریخ کی چیزیں دیکھیں، یہاں سے جو بھی اس قسم کے لٹریچر کا فائدہ اٹھا سکتے ہیں وہ خوب اٹھائیں، زیادہ سے زیادہ ممبرس پڑھیں۔ ضروری نہیں یہ چیزیں ہم اکیسویں صدی میں سیکھیں۔ یہ تو ہمارے نیچر میں ہیں۔

کرنل ان کے سنہا

مذہب کے نام پر دنگا فساد اور سیاسی قلابازیاں ملک اور اہل ملک کے حق میں نقصاندہ ہیں۔ اس کی مذمت ہر سطح سے ہونی چاہیے۔ ہمارا ملک مختلف مذاہب کا مجموعہ ہے، یہاں ہر مذہب کو آزادی ہے، لیکن مذہب آدمی کا خالص ذاتی معاملہ ہوتا ہے، مذہب کی بنیاد پر ملک کے تئیں ہماری وفاداری میں کوئی فرق نہیں آنا چاہیے۔ آج اسی وفاداری کے جذبے کو جگانے کی ضرورت ہے جب تک ہمارا قومی وطنی جذبہ نہیں جاگتا ہمارا دیش آگے نہیں بڑھ سکتا۔ بسا اوقات فسادات محض غلط فہمی اور لاعلمی کا نتیجہ ہوتے ہیں، اگر ہم جان لیں ہم میں بہت سارے مشترک پہلو بھی ہیں تو پھر فسادات کے امکانات ختم ہو جائیں۔ اسکے لیے ایک دوسرے فرقہ کے لوگوں کو سمجھنے اور سمجھانے کی ضرورت ہے۔ ہر گلی ہر محلہ میں کارنر میٹنگ ہو اس سے فرقہ وارانہ ہم آہنگی بحال کرنے میں مدد ملیگی۔ یہ گلی کوچہ محلہ پڑوس کے لوگ ایک دوسرے کے خیالات و افکار سے نابلد ہوتے ہیں اور کچھ دوسرے غلط قسم کے لوگ غلط فہمیاں پھیلا کر اپنا الو سیدھا کر لیتے ہیں۔ یہی غلط فہمیاں کشیدگی تناؤ اور دوریاں پیدا کرتی ہیں جو تنازعے کا سبب بنتی ہیں ان غلط فہمیوں کے ازالے کی بھی تدبیر ہونی چاہیے تاکہ یہ شیر و شکر ہو سکیں۔ حکومت بھی اس

مسئلے پر توجہ نہیں دیتی۔ وہ مختلف فروعی کاموں کے لیے کروڑوں روپے کا فنڈ فراہم کرتی ہے لیکن اس قسم کے ادا
یا تفریح گاہ کی تعمیر کے لیے کوئی گرانٹ نہیں دیتی۔ جہاں مختلف فرقے کے لوگ جمع ہوں، آپس میں تبادلہ خیال
کریں ایک دوسرے کو قریب سے دیکھیں، بلیں ایک دوسرے کو بہتر طور پر سمجھ سکیں دونوں فرقوں کے درمیان
جو مذہب کی دیوار کھڑی ہو گئی ہے دونوں کے بیچ جو منافرت جو خصومت ہے، ان خرابیوں کے خلاف ادب
مقابلہ کرنا ہوگا قومی یکجہتی کی راہ استوار کرنی ہوگی، قومی یکجہتی کی ان گنت مثالیں بکھری پڑی ہیں، انہیں سمجھنے کی ضرورت
ہے۔ رانی جھانسی کو جب میدان چھوڑنا پڑا تو اس وقت جو آخری وفادار دستہ تھا وہ ہیر ریجمنٹ تھی، وہ ہیر ریجمنٹ جس
ساتھ وفادار روہیلوں نے آخری دم تک ساتھ دیا اور پھر جب کرنل ڈاکر رانی کا پیچھا کرتا ہوا اس تک پہنچ گیا تو ۵۶
روہیلوں نے اپنی جان دے کر رانی کو بچایا، وہ تو ختم ہوتے ہی لیکن ڈاکر کو بھی ختم کر دیا اور چار روہیلے جو باقی بچے
وہ بہادر رانی کو بچا کر لے جانے میں کامیاب ہو گئے ہماری تاریخ میں ان واقعات کا ذکر محفوظ تو ہے مگر یاد نہیں دلایا
جاتا۔ اور یہ پچاس سال کے اندر کا واقعہ جو بزرگوں کو اب بھی یاد ہے کہاں بیان ہوتا ہے کہ وہ فساد جس میں پشتوں
کے پشتے لگ جاتے، کوئیلور کے پاس دونوں طرف تناتنی کے ماحول میں دو مسلح فرقے ایک دوسرے کو بھون
دینے کی فکر میں ہزاروں کی تعداد میں ایک دوسرے کے خلاف صف آرا تھے اور ان دونوں کو روکنے کی ہمت اور
تدبیر کرنے والے صرف دو پولس افسر تھے، ایک ہندوستان کا پہلا ہندوستانی انسپکٹر جنرل آف پولس الک سنہا
اور دوسرا کتب خانہ خدا بخش کے بانی کا بیٹا شہاب الدین خدا بخش۔

○

اردو ایک ملی جلی ہندوستانی زبان ہے اس میں ہر پھول کی مہک ہے اسلیے یہ چمن کی جان ہے۔
اچھے لوگ خاموش رہیں، برائی کے پھیلنے کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ خوشی ہے کہ اردو دانشور خاموش نہیں بیٹھا ہے۔

سید حامد

اگر کوئی ہندو بزرگ ہے تو وہ مسلمانوں کا بھی بزرگ ہے اور کوئی مسلمان بزرگ ہندوؤں کا بھی بزرگ
ہے۔ دونوں قوموں کا یہ عظیم رشتہ بہت پرانا ہے، یہ سات سو سال کا ہمارا بہت بڑا سرمایہ ہے اسے بچانا ہے بڑھانا
ہے۔ اور محفوظ کرنا ہے۔ ہندو مسلم یگانگت کو دو دفعہ بڑا دھکا لگا، پہلی بار جب ملک آزاد ہوا، پھر جب تقسیم ہوا،

آج جو کچھ ہو رہا ہے یہ اس دھکّے کے برابر ہے یا ہو جائے گا، وہ خوش ہمسائیگی، وہ صلح و آشتی، وہ اخلاق، وہ مروّت وہ رشتہ داری وہ جاں سپاری آج سب ختم ہوتی جارہی ہے شاید ملک اسے برداشت نہ کرسکے۔ آج ملک میں اتنا بڑا طوفان آیا ہوا ہے جس کے بڑھنے کے امکانات ہیں، جگہ جگہ خونریزیاں ہورہی ہیں مگر حیرت ہے کہ سب چپ ہیں حالانکہ سب کچھ چھوڑ کر اس آگ کو بجھانے میں لگ جانا چاہیئے ورنہ جمہوریت کے جتنے لوازمات ہیں سب برباد ہوجائیں گے اس کی گمبھیرتا کا اندازہ ملک نے نہیں کیا ہے یہ انتہائی تشویشناک بات ہے۔ ہندو مسلم اختلافات کی ایک طویل داستان ہے جو ایک صدی پرانی بھی نہیں، یہ شرم کی بات ہے ڈوب مرنے کی بات ہے، ہم کہا کرتے تھے کہ انگریزوں نے پھوٹ ڈالی لیکن انگریزوں کے زمانے میں بھی اتنی خونریزیاں نہیں ہوئیں جتنی آزادی کے بعد ہوئی، اگر ملک کا ضمیر جاگ رہا ہے تو اسے ضرور ہوش آئے گا اور احساس ہوگا اور اگر سوگیا ہے تو کسی بے عنوانی اور کسی طوفان کا کوئی اثر نہ ہوگا۔

ایک اہم مسئلہ مسلمانوں کی قیادت کا بھی ہے، دو تین سال پیچھے مسلم قیادت نے ناعاقبت اندیشی کے وہ ثبوت فراہم کیے ہیں جس کی مثال ہندوستان کی تاریخ میں نہیں ملتی، ہم آستینیں چڑھاتے ہیں، مقابلے پر آتے ہیں، یہ طریقہ کسی سیکولر ملک میں روا نہیں۔ بابری مسجد کے مسئلے کو عدالت سے جلد فیصل کرایا جائے، ڈھائی سال پہلے یہ سوال ان سے کرتے تو نوے فیصد یہی کہتے زیادتی ہو رہی ہے۔ ہم نے رخ بدلتے ہوئے دیکھے ہیں انہیں محسوس کرایا گیا ہے، بابری مسجد مارچ کی بات، وہاں جاکر نماز پڑھنے کی بات، نماز پڑھنا اچھی بات ہے نماز کو یہ شکل دینا اتنے خطرات پیدا کر دینا بھی غلط ہے، یوم جمہوریہ کے بائیکاٹ کا کوئی جواز ہے ہی نہیں، یہ ثابت ہی نہیں کرسکتے کتنے ہندو کتنے مسلمان کی شرکت ہوئی، یہ اوچھا وار تھا، طریقہ کار بھی نامناسب تھا، ریلی کا اعلان بھی دانشمندانہ نہ تھا، میرٹھ میں یکطرفہ خونریزی ہوگئی۔

کسی اقلیت کی بقا اور سرخروئی کے لیے تین شرطیں لازمی ہیں ان میں ایک بھی پوری نہ ہوئی تو بقا مشتبہ ہوجائے گی اور کامیابی محال پہلی شرط اپنے دین، مسلک اور ثقافت پر مضبوطی سے کاربند رہنا ورنہ وجود ہی ختم ہوجائے گا، دوسری یہ کہ اکثریت کے افراد سے زیادہ محنت کرکے خود کو زیادہ لائق، کارگذار شہری بنانا۔ برابر بھی رہے تو وہ مواقع حاصل نہیں ہوں گے جو اکثریت کو ہوں گے۔ تیسری شرط، ہم اپنے تعلقات اکثریت سے شگفتہ، استوار اور خوشگوار رکھیں پہلی شرط کو ملحوظ رکھتے ہوئے۔ پہلی شرط پر ہم نے الٹا سید ھا عمل کیا، یوپی میں پیچھے جانے بھی نہیں کہ ہماری روایت کیا ہے۔ دوسری شرط بھی بالائے طاق رہی ہندووں کی بستی جائیں کوئی بیکار نہیں ملے گا۔ مسلم

محلوں میں مسلمان پیچھے سڑکوں پر باتیں کرتے ہوئے ہنسی مذاق کرتے ہوئے ملیں گے ان کے یہاں وقت کی
قدر و قیمت نہیں۔ تیسری بات میں ہم نے کوشش کی کہ ہندو دلوں کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھائیں، یہ کوشش
کے اندر زائل ہو گئی اس کے ذمہ دار ہمارے رہنما ہیں۔ سات سو سال میں جو انجام پایا تھا وہ سات دن میں گ
جب بھی ہم گھائل ہوئے ہم نے اپنی رہبری ایسوں کے سپرد کر دی جنہوں نے اپنی ناک سے آگے دیکھنا سیکھا
قیادت نے سوچ سمجھ کر ایسی شعلہ انگیز تقریریں کی کہ انہیں اور مشتعل، برافروختہ کر دیا صبر و ضبط کے پیمانے
تقسیم ملک کے بعد ایسی قیادت میسر نہ ہوئی جو دور اندیش ہو، آج کے فیصلے کا پچاس سال بعد نتیجہ کیا ہوگا
نے سوچا ہی نہیں۔ ہم دس دن آگے کی بات بھی نہیں سوچتے، برہم ہو جاتے ہیں، ہم نے دھوکے کھائے
ہماری معصومیت اور سادہ لوحی کا ثبوت ہے۔ رزمگاہ ہستی میں زندہ اور باقی رہنے کی ہم صلاحیت لے کر
ہمیں دھوکہ نہیں کھانا چاہیے سرنگوں نہیں ہونا چاہیے ہمیں افراط و تفریط سے بچنا ہے، اینٹ کا جوا
نہیں ہوتا، آپ منظم کیجئے اس کے بعد سوچئے جواب سڑکوں پر نہیں وہ جواب کالجوں، یونیورسٹیوں میں
میں ایوانوں میں آپ زیادہ دے سکتے ہیں۔ دلائل کا جواب صرف دلائل ہوتے ہیں، ہنگامہ احتجاج نہیں
سر ولیم میور نے اہانت رسول پر جو کتاب لکھی، سرسید اپنی ساری پونجی بیچ کر ولایت گئے کتابوں کا مطالعہ کر
مدلل جواب لکھا کہ انگریز مورخین کو بھی اعتراف کرنا پڑا یہ بہتر کتاب ہے۔ یہ ہوتا ہے جواب۔ سڑکوں پر اتر آ
دینا یہ افراط ہے، ایک تفریط ہے جیسے کہ ایک حلقہ فکر ایسا پرورش پا رہا ہے جو کہتا ہے ہم کو صلح حدیبیہ کو ملحوظ
ہوئے مسئلے کو دبا دینا ہے سرنگوں ہو کر چلنا ہے، اقلیت کے لیے سرنگوں ہو کر چلنے کی بات بھی اتنا ہی مخدوش ہے
ملک میں اتنی بڑی اقلیت ہو کر ہم عزت نفس کو خیرباد کہہ دیں اسکا کوئی سوال نہیں ہوتا۔ عزت نفس اگر چلا
تو کچھ باقی نہیں رہتا۔ قیادت کو اب سمجھنا ہوگا جو قائد دور اندیش نہ ہو ان پر تکیہ کرنا چھوڑ دیں، وقت کا یہ تقاض

ہندوؤں اور مسلمانوں میں نفاق کس طرح ہوا، انگریز مورخین نے تاریخ کو مسخ کیا کہ مسلم حکمراں ظ
اور کینہ پرور تھے ترقی پسند مورخین کی ایک کھیپ ایسی اٹھی جس نے اس گرد کو صاف کرنے کی کوشش کی۔ ت
ہوتی ہے، جو بتاتی ہے عوام کے رجحانات کیا تھے تاریخ کے اس نقطہ نظر نے تاریخ کے رخ کو بدل دیا ہے
حکمرانوں کے خلاف الزامات بے بنیاد ہیں ایک بادشاہ جس نے سو بھائیوں کو قتل کیا خزانہ لٹا دیا وہ سمبل ت
کا، وہ بادشاہ جس نے اپنی ذات پر ایک پیسہ صرف کرنا گوارا نہ کیا وہ معتوب ہے تاریخ کو دوبارہ لکھنا ہوگا۔
بہت جلد بدل جاتی ہے ان باتوں کو بھی بدلنا ہوگا۔ دوسرا تقسیم ہے۔ یہ سمجھا گیا کہ ملک کے دو بالاتر تین ٹکڑ

کرا دیئے، یہ تسلیم مگر معلوم ہونا چاہیئے کہ فی الحقیقت تقسیم کرانے والے ہندو مسلمان دونوں تھے، محافظ خانے سے جو دستاویز
ہوئے جو بارہ جلدوں میں چھپ گئے ہیں ان میں واضح ثبوت ہے کہ تقسیم کی ذمہ داری کانگریس پر بھی ہے، آزاد
پہلی بار انڈیا ونس فریڈم میں اسطرف توجہ دلائی تو کہا گیا یہ ان کی کتاب ہے ہی نہیں۔ تیس صفحات کے متعلق بھی یہی
ہیں یہ مولانا کی نہیں ہے، یہ بات جب نہیں چلی تو اسے غلط بیانی پر محمول کیا گیا، یہ پچاس سال پہلے کی تاریخ ہے اسمیں
ی تبدیلی ہو سکتی ہے تو سات سو سال کی تاریخ میں نجانے کتنی تبدیلیاں ہوئی ہونگی۔ تاریخ کی غلطیوں کی صحت
ں ہم نے کوشش نہیں کی۔ آپ کے اسلاف کا طریقہ کار کیا رہا اس پر بھی نظر کرنی چاہیئے۔ حضرت عمر فاروق رضہ جب یروشلم
ے گرجا میں تشریف لے گئے، نماز کا وقت آیا تو پادریوں نے گرجا میں نماز پڑھنے کا آفر دیا تو آپ نے فرمایا مسلمانوں کو جب
معلوم ہوگا ہم نے گرجا میں نماز ادا کی ہے تو وہ اسمیں اپنا حق سمجھنے لگیں گے یہ بات ناجائز ہوگی، چنانچہ باہر نماز ادا کی۔
سپین کی تاریخ دیکھئے جابجا لمحہ بلمحہ اسکی پابندی ملے گی۔ اسلام کی روش یہ ہے کہ اسمیں صلح ہے تسلیم ہے، رضا ہے۔

تیسری بات، ہندو مسلم کے درمیان ایک خلیج ہے۔ فسادات کے سبب مسلمان اکھڑنے لگے، اہل وطن کو یہ
شکایت ہے کہ مسلمان اس جوش و خروش سے ملک کے معاملات میں حصہ نہیں لیتے، جس کا سب کچھ لٹ گیا وہ جوش و
خروش کا مظاہرہ کیسے کرے گا یہ بات طبع کے خلاف ہے پھر ایک بات یہ کہ ہندوستان کی آبادی کثیر ہے، بے روزگاری
عام نہ ہوتی تو تعلقات بہتر ہوتے پہلے نوے پچانوے فیصد لوگ مسلمانوں سے ہمدردی رکھتے تھے یہ تناسب
رفتہ رفتہ بدل گیا، ہم اس رواداری کی شمع کو روشن رکھیں گے جو ہندوستان نے ہزاروں سال پہلے جلائی تھی۔ غیر مسلموں
کو یہ بتانا ہے کہ وہ بھی، ہم بھی یہاں آئے، وہ آئے تو یہاں کی آبادی راندۂ درگاہ ہو کر دریا چل کے پار بھیج دی گئی، ہم
آئے تو کسی کو نہیں بھگایا ہمیں اس بات پر فخر ہے، دراوڑ میں تلخی بھی ایک تاریخی حقیقت ہے، لہذا ہمارا کوئی ایسا
اندراج نہیں ہے کہ ہم سر جھکائیں ہم نے ملک کو ملک بنایا ہے۔ ہندوستان کی روایت کی داد دیجئے کہ آدم کش جنرلوں
کی اولاد چنگیز اور تیمور کے خاندان سے تعلق رکھنے والا بابر جب ہندوستان آتا ہے تو وہ صلح، امن کا مرقع بن جاتا
ہے، فنون لطیفہ، ہنر کے فن کے لیے گنا جاتا ہے، یہ ہندوستان کی رواداری کی ہوا کا اثر تھا وہ کس انداز سے
آیا اور کسطرح حکومت کی یہ بات قابل فخر ہے۔

ہم کو غور کرنا چاہیئے کہ ہم نے کیوں اپنے آپ کو جذبات کا تابع بنا لیا ہے، یہی وجہ ہے کہ اپنے بیگانے جب
چاہیں ہمیں بھڑکا دیں۔ ہم نے جب کبھی ناانصافی محسوس کی، مظالم کا ہدف بنے، حکومت کی بارگاہ میں فریاد کی،
دلاسہ ملا کہ مداوا کریں گے، مگر آپ نے ایک لمحہ کے لیے بھی نہیں سوچا کہ جمہوری حکومت کسی مائنورٹی کے سلسلے میں

کوئی فیصلہ نہیں کرے گی جب تک انہیں یقین نہ ہو جائے کہ اکثریت تیار ہے، بات اس وقت بنتی جب ہما
تخاطب اہل وطن سے ساتھ ہوتا کہ ہم اتنے سالوں سے ساتھ رہتے آئے ہیں، ہمارے گاؤں دیہات کے رشتے،
تمہارے بزرگ کو ہم اپنا بزرگ مانتے ہیں، فساد برپا ہوتا ہے، انتظامیہ کمزور ہوتی ہے اسمیں اقلیت کا بڑا نقص
ہوتا ہے، ہم بڑی اقلیت ہیں ہیں آٹھ ہندستانیوں میں ایک مسلمان ہے ملک کیسے برقرار رہے گا اگر ہم پیچھے رہ گئے
ہم دونوں مل کر اس ملک کی تقدیر بدل سکتے ہیں، پیام انسانیت کے لیے من حیث الملت ہمارا فرض ہے کہ اس زما
میں اخلاق کی ساری قدریں مسمار ہو رہی ہیں، ہمیں چاہئیے کہ دیوار کی کجی کو اپنی پشت لگا کر سیدھی کر دیں، جو کا
ہیں وہ کریں، اگر ہم کر سکتے ہوں تو ہم کریں اسمیں کوئی تمیز نہ ہو، کون ہندو ہے، کون مسلمان۔ ایک ہی معاشرہ ہے، دونو
ایک دوسرے سے گتھے ہوئے ہیں، سینکڑوں کام ہیں جو ہندو مسلم سکھ عیسائی کے ساتھ مل کر کرنے کا ہے، یہ کام کرنے لگیں
تو تناؤ دور ہونے لگیں گے۔ اجتماعی طور پر فاصلہ رکھیں گے تو بدگمانیاں ہونگی جو ملک کے حق میں نہیں ہے۔ ہم نے
تحمل سے کام کیا تنظیم سے کام نہیں کیا۔ ہم اس وقت الزام نہیں دیں گے، الزام سے ضد ہوتی ہے ہجو سے کوئی نتیجہ
نہیں نکلے گا۔

یو پی میں اردو کو جب تسلیم کیا گیا تو بدایوں میں فساد ہو گیا، حالانکہ ہندی کی توانائی کا راز اردو کو سا
لے کر چلنے میں ہے یہ بات ان کے لیکھک سمجھ گئے ہیں، وہ الفاظ ہی نہیں اردو کے اسالیب کو بھی برت رہے ہیں، ہو
کے ذہن میں یہ بات بٹھا دی گئی ہے کہ اردو نے ہی پاکستان بنوایا جو صد فیصد غلط ہے۔ اس وقت جو جراءت مل
ہے اسی میں ایسے لوگ موجود ہیں جو آواز بلند کر رہے ہیں۔ مذہب بیر نہیں رکھتا، ہندو اپنے مذہب میں پکے ہیں
اخلاقی قدروں میں پکے ہیں، وہ بھی ہیں، ہم بھی ہیں، وہ انصاف پسند اشتراکی اور ترقی پسند لوگ جنہیں یہ بات کہنی
چاہئیے وہ نہیں کہہ رہے ہیں۔ مصلحت اسی میں ہے کہ ہمیں تعاون کا ہاتھ بڑھانا چاہئیے، آستین چڑھانا مہلک ہوگا
ہمیں آپ اپنے کو سمیٹ کر رکھنا ہے، بکھرنے سے بچانا ہے، آگے کا منصوبہ بنانا ہے، دفاع تحفظ کا انتظام کرنا
چاہیے، تعلیم کے لیے جٹ جانا چاہئیے ہم سائنس حتی کہ سوشل سائنس میں بھی بہت پیچھے ہیں ہم نے اردو زبان و ادب کو
ہی اوڑھنا بچھونا بنا لیا ہے یہ ناعاقبت اندیشی ہے۔ زندگی کے کسی شعبے میں ہمارا کوئی امتیاز نہیں ہے، آپ کو ملک کی
قد و قامت کے چھ مسلمان نہیں ملیں گے چھ ہزار ہندو مل جائیں گے، ہمارے ہاتھ میں قلم نہیں ہے، ہماری پڑھائی
سطحی ہوتی ہے، ہم خون کے قطرے بہانے لگتے ہیں پسینہ نہیں بہاتے۔ پسینہ بہائے بغیر ملت نہیں بنتی۔ پسینہ بہانا
سیکھیے خون بہانے کی ضرورت نہیں۔ ایک minimum کمیونیکیشن پروگرام بھی ضروری ہے دوسروں تک اپنی بات

ھے کا جواب نرمی سے دیں گے، تمیز سے بات کہیں گے تو سنی جائے گی چار کے بعد چار سو سنیں گے۔
روز نامہ نکالنے کے سلسلے میں ہمارے حوصلے بلند تھے جو مسلمانوں کو بھی ترغیب دیتا اعتدال کا فی الحال
ں نکال رہے ہیں جس کا نام ہے دی نیشن کرانیکل :
ل انٹگریشن کا لفظ غلط ہے، قومی یکجہتی صحیح ہے، اس کے لیے پرچار سے کام نہیں ہوگا۔ بنیاد انصاف
لے ناانصافی ختم کیجئے، کمیونلزم نیشنل انٹگریشن کے خلاف جاتی ہے۔ بڑی قیادت کا زمانہ ختم ہو گیا اب
ئے فورسیز کام کر رہے ہیں۔ فسادات کی جڑ میں اقتصادی مسائل بھی ہوتے ہیں، ہمارے یہاں بے روزگاری
پ ایک دوسرے سے تعاون اور دوستی کا ہاتھ بڑھائیے۔ ایک ہاتھ کو پہلے حرکت دیجئے دوسرے میں
ہیں اپنے ملک کی رواداری پر ناز ہے یہ روایت تین چار سو سال پرانی ہے اسے باقی رہنا چاہئے اسی میں
ں کی بقا ہے۔

○

ان شرما (دیوندر ناتھ شرما)

ے مذہب کے علاوہ دوسرے مذاہب کو برا سمجھنا ہی سمپردائکتا ہے، تمام دھرموں میں بنیادی چیز ایکتا ہے، ہم
ٹنے لگے ہیں۔ دراصل کسی مذہب کے جب followers بڑھتے ہیں تو اپنے اپنے ڈھنگ سے
جاتا ہے اسی سے سمپردائکتا پیدا ہوتی ہے۔ رگ وید میں کہا گیا ہے۔ وہ خدا کی ہستی ایک ہی ہے لوگ
ے نام بتا دیتے ہیں، آپ اسے اشور کہیں، رام کہیں، رحیم کہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ پانی تو برستا ہے مگر ہم
تے ہیں یہ ہم پر منحصر ہے دھنورتو برس رہا ہے مگر ہم کتنا لے سکے ہیں یہ اپنے اپنے ظرف کی بات ہے:
ں روپ کو نہیں سمجھنے سے سمپردائکتا پیدا ہوتی ہے، یہ تنگ دلی تنگ نظری کا ایک روپ ہے جو اشور
ہے، ہم نے زمین آسمان، پانی کو بانٹا، اس سے بھی تشفی نہ ہوئی تو اشور کو بھی بانٹ دیا۔ اب کوئی اشور
ون سی زبان جانتا ہے، یہ ہماری ناسمجھی ہے جو سمجھیں کہ وہ ایک ہی بھاشا جانتا ہے، یہ تنگ نظر تنگ دل
ے جو اس روپ میں دیکھتا ہے۔ جب سے انسان ہے تب سے سمپردائکتا ہے اگر یہ نہ ہوتی تو راجنیتی میں
ں ہوئیں وہ نہ ہوتیں لیکن وہ لڑائیاں دراصل دھرم کو غلط روپ میں پیش کرنے والوں کے کارن
ے لیے مکہ پچھم میں ہے مگر یورپ والوں کے لیے تو مکہ پچھم میں نہیں ہوگا۔ ویدانت میں ایک جگہ
کھ پر بھروسہ نہ کرو، سب سے نزدیک پہنچی ہے خود آنکھ اسے نہیں دیکھ سکتی، ہم دنیا کو دیکھنا چاہتے

ہو۔اس آنکھ سے بڑی سچائی، بڑی ہستی کو دیکھنے کا دعویٰ کرتے ہو تو وہ آنکھ پیدا کرو۔

نیشنل انٹگریشن کا لفظ آزادی کے بعد سننے کو ملا، ممکن ہے پہلے بھی رہا ہو، مگر جیسے جیسے آزادی کا جذبہ ٹلتا گیا یہ لفظ آسمان میں گونجنے لگا ہے اور اب تو یہ مسئلہ کافی سنگین ہو گیا ہے۔ ہندستان کو ہم نے انٹگریٹیڈ نیشن مانا ہے اسمیں نیشنل انٹگریشن کی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ ہندستان کا اتہاس دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دیش میں آپس میں لڑائیاں ہوتی رہی ہیں مگر لڑائیوں کے باوجود ملک کی انٹگریٹی پر کبھی آنچ نہیں آئی ہمیشہ ایک ہونے سے دوسرے ہونے تک اس ملک کو ایک اکائی کے روپ میں دیکھا گیا۔ آخر وہ کیا چیز ہے جو نیشنل انٹگریشن میں رکاوٹ ڈالتی ہے۔

دنگے ہوتے نہیں ہیں کرائے جاتے ہیں۔ ۱۸۵۷ء کے بعد کی ساری چیزیں تصویروں کی طرح سامنے ہیں پہلے انگریز سیفٹی دھار کا کام کرتے تھے سارا الزام ان پر جاتا تھا آج بیالیس سال بعد بھی دنگے اب تک بند نہیں ہوئے، یہی نہیں ملک کی انٹگریٹی پر سوال اٹھ کھڑا ہوتا ہے کبھی پورب کبھی پچھم سے آواز سنائی دینے لگتی ہے، ہم الگ ہو جائیں گے۔ ملک میں رہ کر لڑائی ہوتی ہے مگر انجام ایسا نہیں ہوتا جو چیز آج کل سنائی پڑتی ہے، ہم دوا دے رہے ہیں مگر بیماری کی تشخیص نہیں کر رہے ہیں کہ کون سی بیماری کی دوا دے رہے ہیں۔ ہندوؤں کے بیچ بھی لڑائیاں ہوتی ہیں ذات پات کی لڑائی، مسلمانوں کے بیچ شیعہ سنی جھگڑے سامنے آتے ہیں، لکھنؤ میں شاید کوئی سال ایسا نہیں گذرتا کہ شیعہ سنی جھگڑے نہ ہوتے ہوں۔ ایران عراق جنگ کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ ایک فریق شیعہ ہے ایک سنی۔ ہندستان میں ترکی سلطنت ۱۲۰۶ء میں قائم ہوئی، آج آٹھ سو سال ہو گئے لیکن اتنے دن ساتھ رہ کر بھی ہم نے ایک دوسرے کو کتنا جانا یہ ایک اہم سوال ہے۔ جاننے کی کتنی کوشش کی اور کیوں نہیں کی۔ عیدالاضحیٰ اور عیدالفطر میں کیا فرق ہے، ہندو دوستوں سے مجھے آج تک جواب نہیں ملا۔

آزادی کے بعد سیکولرزم کے نام پر مذہب کی تعلیم اٹھا دی گئی، مذہب صرف مذہب نہیں ہے وہ کلچر سے بھی جڑا ہوا ہے، مذہب مذہب ہے اور وہ اچھا ہے اسکو پھر سے شروع کرنے کی ضرورت ہے۔ اسکول میں پہلے جو مذہب کی تعلیم دی جاتی تھی، مسلم کو اسلام کا پاٹھ، ہندو کو ہندوازم کا پاٹھ، اسمیں ترمیم کی ضرورت ہے تاکہ ایک دوسرے کو جانیں اور غلط فہمی دور کر سکیں۔ نیشنل انٹگریشن کا صرف ایک ہی پہلو نہیں ہے اسکا ہسٹریکل، جیوگرافیکل، اکانومکل، کلچرل اور لٹریری پہلو بھی ہے جس میں ہر پل وچار کرنے کی ضرورت ہے ان سب میں اکانومک پہلو بہت اہم ہے جب تک ہم اسکا حل نہیں نکالتے تب تک اور حل بہت کام کے ثابت نہیں ہوں گے۔ ۴۲ سال سے ہم انٹگریشن جپ رہے

ہیں لگر آگے بڑھنے کے بجائے پیچھے کھسکتے گئے ہیں۔ اپنے میں مجول کنفیڈنس ڈولپ کریں اسکی کمی ہے، ہم مجلسوں میں اندر کچھ رکھتے ہیں باہر کچھ ہوتے ہیں، جتنا دل میں رہتا ہے اتنا نہیں ہوتے، گویا نیمے دروں نیمے بروں والی کیفیت ہے اسمیں کمی آنی چاہئیے یہ سوچ کر بات کریں کہ بات نہیں کریں گے تو وہاں لیوا ثابت ہوگی۔ صداقت آشرم میں ایک بار بلایا گیا وہاں میں نے کہا تھا کہ آپ جسے پھنسی سمجھ رہے ہیں وہ کینسر ہے علاج کینسر کا ہونا چاہئیے ورنہ روگی مر جائے گا۔ صاف گوئی سے بڑھ کر کوئی بات اچھی نہیں۔ ہم کئی روپوں میں بنٹے ہوئے ہیں جو کمی تھی سیاست پورا کرتی چلی جا رہی ہے۔ سماج کو ملک کو کتنے حصوں میں بانٹا جاسکتا ہے یہ کوئی ہم سے سیکھے۔ لڑنے کے فیز ہوتے ہیں شانتی کے فیز نہیں ہوتے امن چین ایک ٹکنے والی چیز ہوتی ہے اسمیں کبھی بلبلے اٹھ سکتے ہیں لیکن وہ بلبلے پھر مٹ جاتے ہیں پھر اپنے تئیں سچے روپ میں بہنے لگتے ہیں۔ ہمارے یہاں دلی میں ایک نیشنل انٹگریشن کونسل بھی ہے، کئی سال تک اسکی بیٹھک ہی نہیں ہوئی ہے، یہ مرض کیا ایسا ہے کہ کئی سال تک دوا کی ضرورت ہی نہیں پڑ رہی ہے جبتک اس چیز کو اندولن کا روپ نہیں دیں گے، تب تک مسئلہ حل ہوتا دکھائی نہیں دیتا۔ اسمیں ہر آدمی کی مدد چاہئیے، اور وہ مدد نیمے دروں نیمے بروں والا نہیں، کھلے دل سے چاہئیے۔ چین اور امریکہ مل سکتے ہیں تو دنیا میں کون نہیں مل سکتا چین اور امریکہ کے درمیان الگاؤ دنیا میں مشکل سے ملے گا۔ ہم ایک ملک ایک ناگرکتا والے پڑوسی دوست، سبندھی نہیں مل سکیں کیا یہ ماننے کی چیز ہے، برلن کی دیواریں بھی ڈھادی گئیں، ساری دیواریں ڈھہہ رہی ہیں مگر ہندستان کی دیوار اور اونچی اور اونچی ہوتی جا رہی ہے۔

ڈیوائڈ اینڈ رول صرف انگریزوں کا ہی اصول نہ تھا، یہ سیاست کا ٹکسالی اصول ہے، ہندستان کی سیاست میں چار چیز کو ہتھیار مانا گیا ہے، سام، دان، گنڈا اور بھید۔ پہلے سمجھاؤ، نہ سمجھے تو دان دو، اس سے کام نہ چلے تو ڈراؤ دھمکاؤ، پھر بھی کام نہ چلے تو پھوٹ ڈالو۔ یہ ڈیوائڈ اینڈ رول والا سدھانت بڑا پرانا اور پکا ہے، ملک میں بارہا آزمایا گیا اور کامیاب پایا گیا ہے۔ اخباروں میں خبر آتی ہے یہ ودیشی طاقت کرا رہی ہے مگر کس سے کرا رہی ہے، امریکہ میں کیوں نہیں کچھ کرا لیتی ہے۔ سی آئی اے کے کارنامے دوسری جگہ دیکھنے کو ملتے ہیں، ہمارے انٹلی جنس کے لوگ وہاں کیا کرتے ہیں ان کی انٹلی جنسی اتنی زوردار ہے کہ راج پاٹ الٹ جاتا ہے، ہمارے دیش میں اندرا گاندھی کے قتل کا اتنا بڑا حادثہ ہو گیا لیکن ہماری انٹلی جنس اسکا بھی پتہ نہ چلا سکی۔ ہمارے بھیتر راشٹری ایکتا کی بھاونا کمزور ہے ایک دھکّے سے ٹوٹ جاتا ہے اسے مضبوط کرنے کی ضرورت ہے۔ آج دنیا کو امن کی ضرورت ہے، دنیا بھر کی چیزیں ہم اپنے سلیبس میں رکھتے ہیں اسکول کالج کے بچوں کے لیے مگر اس سلسلے کی کوئی چیز ہمارے سلیبس میں نہیں ہے،

ایڈمنسٹریشن کو سرکولیٹ کرے کہ جو کچھ ہوا ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ بھاگلپور یونیورسٹی میں کوئی اردو کے پروفیسر ہیں
۲۵ اکتوبر کو اپنے گھر پہ تھے انہیں گھر سے باہر بلایا گیا ایریسٹ کیا گیا، لوکپ میں بند کیا گیا اور مارا پیٹا گیا۔ اگلے دن انہیں
ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے سامنے لایا گیا، انہوں نے پوچھا آپ کے پاس کیا کیا اسلحے ہیں جواب دیا ایک نائف ہو سکتی
ہے اس کے سوا کچھ بھی نہیں۔ مجسٹریٹ صاحب نے کہا آپ جھوٹ بول رہے ہیں کتاب پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائیں، پھر
کہا یہ مسلمان ہیں انہیں جھوٹ بولنے کی عادت ہے، آپ شاید کبھی پٹے نہیں پٹ کر دیکھئے ان کو پیٹا گیا پھر بند کر دیا
گیا، دسمبر میں چھوٹنے کے بعد پریس کو یہ بیان دیا۔ پولس کا جو طریقہ ہوتا ہے وہ بدلا نہیں جا سکتا، ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ جب
ایک لیول ہے اس سے ایسا Expect ہم نہیں کر سکتے۔ چیف منسٹر سے ہمیں کہنا چاہیے کہ ایک جنرل ٹائپ کا سرکلر
ڈی ایم، ایس پی کو بھیجیں، ایسے ایسے واقعات ہوتے ہیں امید نہیں کی جا سکتی کہ آپ سے ایسا ہوگا جن سے ہوا ان
کو وارننگ بھی دی جانی چاہیے کہ ایسے واقعات نہ ہوں۔ ضلع پداھیکاری، ایس پی اور کچھ افسروں کا ٹرانسفر بھی کیا گیا ہے،
دو گزیٹیڈ آفیسر، آدھی درجن پولس کا Suspention بھی ہوا، پانچ سو دنگائیوں کے خلاف مقدمے بھی درج ہوئے
ہیں اس کے ساتھ فوری عمل یہ بھی ہوا ہے کہ ایک کمیشن آف انکوائری بھی بنائی گئی ہے جس میں ہائی کورٹ کے جج کی تقرری
کی گئی ہے جو چھان بین کرے گا اور اسٹیٹ کو سبمٹ کرے گا، پانچویں بات ان معاملوں کے لیے آدھا درجن ارجنٹ
نہ کچھ کی تقرری، سپرد ایک دنگوں کی جانچ، دو گاؤں کے لوگوں پر جرمانہ بھی عائد کیا گیا ہے، کچھ لوگوں کو جو گھر
سے باہر ہیں ان کی زمینوں پر دوسرے لوگوں نے قبضہ کر رکھا ہے حکومت کو چاہیے کہ ان زمینوں پر قبضہ دلائے، ۲۴
گھروں کی مرمت کے لیے چھ لاکھ کے حساب سے گرانٹ کیا گیا ہے۔ اٹھارہ راحت چھیتروں میں دس ہزار لوگوں کو کھانا
وستر دیا جا رہا ہے، لاکھ روپیہ مرنے والے کے وارثین کو دیا جا رہا ہے۔ روپیہ آدمی کی کمی کو پوری نہیں کر سکتا
مگر کتنے کو دیا جائے، سرکار کے آنکڑے کے مطابق پانچ چھ سو، اصلیت ڈیڑھ دو ہزار ہے، ہر بار نئی خبر ملتی ہے اس کا
کہیں کوئی ریکارڈ نہیں ہے۔ سنکھیا نردھارت کرنے کے بعد ہی معاوضہ دیا جائے۔ مسجدوں کی دوبارہ تعمیر کے لیے
بھی انودان دیا جا رہا ہے۔ وہاں پر کرگھا ادیوگ بہت ہے، ہست کرگھا ہے یا الکٹریکل ہے یا پٹ کرگھا ہے ان
کرگھوں کے لیے ۲۵۔۳۲ فیصد گرانٹ، باقی لون، ان کی بازآبادکاری کے لیے، ۱۸۶۰ کوئنٹل چاول ۹۰۰ کوئنٹل دال
پروائڈ کیے جا رہے ہیں، ساری دھوتی چادر وغیرہ بانٹی جا رہی ہے، باہر کی کچھ ایجنسی بھی مدد کر رہی ہے، مہاراشٹر
سرکار نے کچھ کپڑے بھیجے ہیں، بوکارو اسٹیل نے کچھ پروپوزل دیا ہے ٹسکو نے بھی تیس ٹن جی آئی شیٹ دینے کا وعدہ
کیا ہے کیا یہ سمبل اشتہار ہے یا سچ مچ مدد ہوگی، کوشش ہونی چاہیے کہ جو حکومت کر رہی ہے وہ صحیح طور پر پورا ہو۔

ہسٹری میں اتنا ہائی آرڈر کا کیرنیج ہوا ہو تو مجھے یاد نہیں پڑتا، پارٹیشن تک کا سنتا تھا مگر اس ٹائپ کا کبھی نہیں سنا۔ ہم لوگ ایودھیا بھی جائیں گے، کوئی کچھ کہہ دیتا ہے اور کوئی کچھ، سمجھ میں نہیں آتا۔ کیونل رائٹ کے سلسلے میں انشورنس کی بات مشکل معلوم ہوتی ہے کیونکہ یہ improductive factor ہے، ایڈمنسٹریشن کو ریسپونسو کر دیا جائے اس سلسلے میں حکومت نے بھی اعلان کر دیا ہے ہماری سوسائٹی ابھی فورمیٹو اسٹیج میں ہے، پی ان حق، سبھدرا جوشی، علی اکبر، لی ان پانڈے، ہمارے سرپرست ہیں فونڈنگ ممبر نو ہیں جن میں جمال خواجہ پریسیڈنٹ ہیں، میں سکریٹری ہوں اور دوسرے پروفیسر ال پی شرما، مسعود الحسن، سے آرسر ما، اجے اس یادو، متین موہر، مسٹر طارق، کل نو لوگوں کی یونٹ ہے نو کی وجہ یہ ہے کہ رجسٹریشن کے لیے ممبرشپ نکسڈ ہے، ایسے لوگ ہیں جن کا پارٹی افلیشن نہ ہو وہ انڈیپنڈنٹ لوگ ہوں، آرگنائزیشن کی ضرورت اسلئے بھی ہے کہ کسی آرگنائزیشن کے تھرو آپ کہیں جائیں تو ٹھیک سے بات کرے گا۔ مورل پریشر کام کیسے کرے گا جب مورل ہی نہیں ہو، ہم کسی ام ال اے، ام پی کو پکڑیں تو وہ پانچ سال بعد نظر آتے ہیں۔

○

عرفان اللہ خاں

آج ملک تیزی سے بدل رہا ہے، اچھائیاں برائیوں میں بدل رہی ہیں ۱۹۴۷ء سے ۱۹۸۹ء تک کتنا فرق آگیا ہے۔ آئندہ اور بھی تبدیلیاں ہونگی، لیکن امید اب بھی زندہ ہے، ممکن ہے آئندہ برائیوں کے بدلے اچھائیاں آجائیں، پوری دنیا ٹکنالوجی کے میدان میں آگے بڑھ چکی ہے، ہمارے ملک میں بھی کافی ترقی ہوئی مگر ٹکنالوجی کے ساتھ ہمارا ذہن اتنا ترقی نہیں کر سکا ہے۔ ہم ہر چیز میں قوم و ملک کے لیے سوچتے ہیں، کاش اپنے دیش کو ہم ایسا خوشنما دیش بنا سکیں جس میں کوئی بھیونڈی کوئی میرٹھ کوئی بھاگلپور نہ ہو۔

اسلام ایک ڈائنامک چیز ہے، ہماری قوم نے اسے ہلکا کر دیا ہے، ہم ہر چیز کو کیسے برداشت کر رہے ہیں، ہم اپنے کردار و عمل سے کیوں نہیں اپنوں کو اور دوسروں کو یہ یقین دلاتے ہیں کہ ہم میں بھی کوئی شخصیت کوئی کردار ہے جو ملک کے لیے مفید ثابت ہو سکتا ہے۔ ہم بھی ملک کی اہم اکائی ہیں، ہمارے بغیر ملک متحد نہیں رہ سکے گا، ہم صلاحیت پیدا کریں اور اپنے فن میں موتی بن جائیں۔ یہودی میڈیا پر چھاگئے، میڈیا بہت اہم چیز ہوتی ہے۔ ہمیں میڈیا، بینکنگ اور بزنس کی سمت بڑھنا چاہیے، بینکنگ جو انڈسٹری کو فنانس کرتی ہے، بزنس کی بیس بینکنگ ہے اس میں زبردست اپورچونٹی ہے، جب تک ملک کی معاشیات کو نہیں کنٹرول کریں گے آپ کچھ نہیں کر سکتے۔

کرنل محبوب احمد

ہمارا دیش مختلف رنگ روپ، ذات و نسل، زبان و مذاہب اور مختلف کھان پان کا مجموعہ ہے، یہی ہمارے ملک کی خصوصیت ہے۔ ہمارے ملک میں مذاہب کا بھی گہرا نقش ہے جو اس ملک کی اساس ہے ہمیں ایسے رنگا رنگ دیش پر فخر ہے۔ ہمارے دیش نے بڑے بڑے رہنماؤں کو جنم دیا گاندھی، نہرو، آزاد، جناح، جن کی حیثیت بین الاقوامی تھی کیا ہم اپنی نگاہوں کے سامنے اس ملک کو ٹوٹنے اور برباد ہونے دیں گے ہرگز نہیں میں ہندو مسلم کی بات نہیں کرتا میں تو کہتا ہوں کہ ایک ہندستانی نے اپنے ہندستانی بھائی کو مارا، مارنے والا اور مرنے والا دونوں اسی ملک کے سپوت ہیں۔ تمام باشندگان ہند ایک ملت ہیں ان میں کوئی امتیاز کوئی تفریق نہیں۔ ملک کی تقسیم سے ملک کمزور ہوتا ہے، تقسیم پاکستان کے سبب بھی ہمارا ملک کمزور ہوا اسلیے ہمیں اس ملک کو مزید ٹوٹنے سے بچانا ہے اور ان عناصر کے خلاف علم جہاد بلند کرنا ہے جو اس ملک کو توڑنے کے درپے ہیں۔ وہ جس نے گاندھی جی کا قتل کیا وہ بھی کوئی غیر نہیں تھا ہندستانی تھا مسز اندرا گاندھی کا قتل کرنے والا بھی ہندستانی تھا اور حد تو یہ کہ وہ محافظ تھا۔ بھلا ایک سپاہی کو زیب نہیں دیتا کہ وہ کسی خاتون پر ہاتھ اٹھائے۔ پٹنہ میں کبھی فرقہ وارانہ فساد نہیں ہوا، ان دنگوں کے لیے پوری کیمونیٹی کو ذمہ دار قرار نہیں دینا چاہئے، ایک چھوٹا سا طبقہ فساد کراتا ہے، فساد میں بھی کوئی پنڈت کوئی ملا یا کوئی رہنما بھی مارا نہیں جاتا بلکہ نچلے طبقے کے عوام مارے جاتے ہیں، یہ کرائم ہے۔ ہمیں چاہئے کہ گاؤں گاؤں، محلہ محلہ گھومیں اور بتائیں کہ ہم نے بڑی قربانیاں دے کر اس ملک کو بچایا ہے آزاد کرایا ہے، ہم کسی کو اس ملک میں فساد مچانے کی اجازت نہیں دینگے اس سے خود ہمارا اور ملک کا نقصان ہوگا۔ مذہب تو بہت ضروری چیز ہے یہ کسی پیڑ کی جڑ کی طرح ہے مگر سچا مذہب۔ صرف مندر مسجد جانا ہی مذہب نہیں ہے مذہب ہمیں رواداری، برابری، اتحاد، عفو و درگذر اور اخلاقی قدروں کا سبق سکھاتا ہے۔ آپ نے سنا ہوگا راکیش شرما جب چاند پر گیا اور اس سے پوچھا گیا ہندستان کیسا نظر آرہا ہے اس نے یہی کہا تھا۔ سارے جہاں سے اچھا ہندستاں ہمارا۔ یہی ہے ہمارا ہندستان غور فرمایئے اس ہندستان کو سب سے اچھا اپنا وطن نظر آیا، یہ حب الوطنی کی پہچان ہے۔ ہمارا بھارت تو ایک ماں کی طرح ہے جو اپنے آغوش میں بلا امتیاز و تفریق ہر اچھے برے کالے گورے کو سمیٹے ہوئے ہے اس کی محبت اور شفقت سب کے ساتھ یکساں ہے، ہمیں بھی چاہتے کہ اپنے مادر وطن کی آبرو پر کوئی آنچ آنے کا موقع نہیں دیں۔ اسکے لیے ہر طبقہ کے لوگوں کو بالخصوص شاعروں ادیبوں، دانشوروں، سماجی کارکنوں کو اٹھنا ہوگا اور کوئی اقدام کرنا ہوگا۔ ہم بوڑھے لوگ تو چند دنوں کے مہمان

نوجوانوں کی پوری عمر باقی ہے انہیں اس ملک کو زیادہ ترقی یافتہ بنانا ہے۔ ہر وہ ہندستانی جو اس ملک میں پیدا ہوا
برابر کا حقدار ہے، ہم ہندو اسلئے ہو جاتے ہیں کہ ہندو گھر میں پیدا ہوئے مسلمان اسلئے ہو جاتے ہیں کہ مسلم گھرانے
میں پیدا ہوئے، ہم سب برابر ہیں، ہمارے یہاں تعلیم کی کمی ہے خاص کر اچھی تعلیم۔ تعلیمی سطح پر بھی اس ملک کو آگے
بڑھانا ہوگا۔ پورا اپروچ یہ ہے کہ ہندستان ہمارا ہے آپ کا ہے سب کا ہے خوش قسمتی سے یہاں اچھے زیادہ ہیں
خراب کم، فنڈامنٹلسٹ مسلمانوں میں زیادہ ہیں ہندووں میں کم۔ حاجی مستان کو ہم نیتا نہیں سمجھتے وہ لیڈر نہیں
پیسے والا آدمی ہے، وقت ایسا آگیا ہے کہ وہ مدد کرتا ہے اسلئے لوگ اس کے پاس جاتے ہیں، ہندستان بڑا ملک
ہے ہم اپنے آپ کو اچھا ہندوستانی بنائیں، دوسرا ٹھیک ہو نہ ہو یہ اسکی ذمہ داری ہے۔

○

ہندستان صرف ایک ملک نہیں ایک براعظم ہے، یہاں بھانت بھانت کے لوگ رہتے بستے ہیں۔
طرح طرح کی بولیاں بولتے ہیں، طرح طرح کا باس پہنتے ہیں، قسم قسم کی تہذیب قسم قسم کا تمدن ہے یہ دیش
مختلف مذاہب، مختلف نسل مختلف زبان اور مختلف رنگ و روپ کے لوگوں کا ایک ملا جلا سنگم ہے،
یہ صد رنگی ہی دراصل اس ملک کا حسن ہے جو اس ملک کو حسین اور عظیم بناتی ہے۔ ہم ایک ساتھ رہتے ہیں کھاتے
پیتے ہیں ہنستے بولتے ہیں کبھی لڑ بھی جاتے ہیں لیکن جب بھی دیش پر آنچ آتی ہے ہم سب ایک ہو جاتے ہیں
اپنی قومیت پہ کوئی آنچ ہم آنے نہیں دیتے یہ یقیناً بہت بڑی بات ہے۔ ہمارے ملک میں مذہب کی بنیاد بہت
گہری اور وسیع ہے مگر مذہب کی روح اور مذہب کے اسپرٹ سے ہم ناآشنا ہیں ہمیں یہ خیال رکھنا چاہئے کہ یہ
ملک ہمارا ہے آپ کا ہے، ہم سب کا ہے اور ہم سب کو مل کر اس ملک کو بچانا ہے اس ملک کو آگے بڑھانا ہے
ہمیں ہم سب مل کر اس ملک کی خدمت کریں اور اس ملک میں چار چاند لگائیں۔ رواداری اس ملک کی روایت
رہی ہے ہمیں اپنی اس روایت کی حفاظت کرنی ہے، ہمیں ایک دوسرے سے رابطہ رکھنا چاہئے ایک دوسرے
سے ملنا چاہئے اور آپسی گفتگو سے اپنے مسائل کا حل نکالنا چاہئے۔

" جب ہندستان آزادی کی لڑائی لڑ رہا تھا تو اس وقت دانشوروں کا بڑا رول تھا لیکن ملک آزاد
ہو جانے کے بعد کیا ہمارے دانشوروں نے اتنا ہی جذبہ دکھایا اتنا ہی رول ادا کیا جو لڑائی کے وقت ادا کر رہے
تھے، فیصلہ آپ خود کیجئے۔ ہندستان صرف ایک ملک نہیں ایک براعظم ہے، یہ ایک وشال دیش ہے۔ یہاں
مختلف زبان مختلف تہذیب، مختلف رہن سہن مختلف مذاہب کے لوگ رہتے بستے ہیں یہی رنگا رنگی
اس ملک کا حسن ہے۔ محبت میں نااتفاقی ہوتی ہے لوگ آپس میں لڑتے بھی ہیں لیکن جب ملک پر خطرہ

ہو سب ایک ہو جاتے ہیں۔ ابھی جو خطرہ ہے وہ بہت بڑا ہے، ہندستان کا دشمن باہر سے آکر نہیں
پہنچا سکتا ہے بڑا دشمن خود ہندستانی ہے جس سے زیادہ نقصان کا خدشہ ہے آج ذات پات کے
ہو رہا ہے افسوس کی بات ہے۔ یہ کہنا کہ چونکہ ہم اسی فیصدی ہیں اسلئے میرا جو حق ہے پورے ہندس
ماننا ہی چاہیے یہ ہندستان کی عظمت کے خلاف ہے، وہ لوگ جو کہتے ہیں ہم اسی فیصدی کو ریپریز
ہیں ٹھیک نہیں ہے۔ اسی فیصدی سے زیادہ لوگ ہندستانیت رکھنا چاہتے ہیں۔ اس ملک کو بڑھا
ہیں۔ یہ دیش ہمارا ہے آپ کا ہے ہم سب کا ہے اس دیش کی خدمت ہم نہ کریں تو کون کرے گا اس ملک
ہم آگے نہ بڑھائیں تو کون بڑھائے گا۔ کیا ہمارا فرض نہیں کہ دیش کی خدمت کریں، دیش کی خدمت
اعزاز کی بات ہوتی ہے، دیش کی خاطر مرنے والا مرتا نہیں بلکہ امر ہو جاتا ہے، بھگت سنگھ، چندر شیکھر
اشفاق اللہ جنہوں نے دیش کی خاطر اپنی جانیں دیں وہ آج بھی زندہ ہیں۔ وہ جو شاعر، ادیب ہیں ان کے
میں بڑی طاقت ہے وہ دل ہلا سکتے ہیں، رلا سکتے ہیں، قوم کو جگا سکتے ہیں، انہیں راہ راست پر لا سکتے
دیش آپ سے کچھ مانگ رہا ہے، ہم سے کچھ طلب کر رہا ہے ہم نہ دیں گے تو کون دے گا۔

پروفیسر محسن

ہمارا خیال ہے نیشنل انٹگریشن کی بات چھوڑ دیں، اموشنل انٹگریشن کی بات کریں تو یہ خود ختم ہو
گا ہمارے ملک میں ابھی صحیح نیشنلزم کا تصور ابھرا ہی نہیں اسکا اندازہ آپ یوم آزادی اور یوم جمہوریہ کے
لگا سکتے ہیں کہ سوائے سرکاری مقامات کے کسی گھر پر قومی جھنڈا آپ نہیں دیکھیں گے، حالانکہ یہی تو سمبل ہے
نیشنلزم کا، دوسرے ملکوں میں جائیں تو دیکھیں گے اس دن کیا جوش اور امنگ ہوتا ہے عوام میں یہاں
کچھ بھی نہیں، تو نیشنلزم تو یہاں ہے ہی نہیں، آزادی کی لڑائی میں ہمارا سارا فوکس انگریزوں کو نکالنے کی
تھا نیشنل انٹگریشن کا نہیں تھا یہی وجہ ہے اپنے گھروں میں قومی تہواروں میں نہ قومی جھنڈے لہراتے ہیں
قومی ترانہ اس جوش کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں جب ہندو ہندو سے ملے گا، مسلمان مسلمان سے ملے گا
دوسرے انداز سے بات کرے گا، اپنے کاسٹ میں دل کھول کر بات کرے گا اور دوسروں کے سامنے دل میں کچھ
رکھے گا، زبان سے کچھ کہے گا، اسلئے ضرورت ہے کہ رسم ملاقات کے لیے اپنوں کی طرح غیروں سے بھی
کی جائے اور وہ جو گھر سے نکل کر دوسروں کے دل ٹٹولتے ہیں، انہیں اپنے ہی دل سے پہلے سوالات کرنے چاہئیں۔ د
فساد میں اینٹی سوشل ایلیمنٹ کام کرتے ہیں، دراصل ہمارے درمیان ایک سائیکلوجیکل بیریر پیدا ہو گیا ہے، جب

پس میں ملتے تھے اب وہ بات نہیں رہی، ہندو مسلم ہی کیا ایک ذات کا دوسری ذات سے بیر بڑ ہے
ل کھول کر نہیں ملتے، دوسرے پر الزام دیتے ہیں پہلے اپنا دل بدلنا چاہیے، انسانی فطرت بھی
reciproca ہے، دل کھول کر ملے گا تو دل کھول کر ملیں گے لوگ، ہندو مسلم کی بات آئے گی
ں جب تک نہیں ہوتا ہے تو اسٹیریو ٹائپ بن جاتا ہے۔ انگریزوں نے ہندو مسلم کا جو امیج بنایا ہے اس
سے معلوم ہوگا کہ مسلمانوں اور ہندوؤں میں بڑا فرق ہے اسکا علاج بچپن ہی سے کرنا ہے۔

...شید

ج ہمارے ملک میں جو ماحول بن گیا ہے اسمیں کتاب کی وقعت بڑھ جاتی ہے، کتاب جو بھی اس دور کے
ہ بچے کی پیٹھ پر لاد دی جاتی ہے، ہمیں دیکھنا ہے کون سی کتاب ان کے لیے مفید ہو سکتی ہے، بچے کا ذہن
ں طرح ہوتا ہے جو چھاپ ایک بار پڑ گئی آخر وقت تک رہ جاتی ہے۔ ابھی بھاگلپور میں جو فساد ہوا ک
ے ایک رپورٹر ان کے سنہا نے بھاگلپور سے جو رپورٹ بھیجی ہے پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں انہوں
ر جب وہ بھاگلپور اترے تو پاس کے کھیت سے چیخنے کی آواز آئی، دیکھا کہ ایک گیارہ سال کا بچہ دو تین
ے کو کاٹ رہا ہے، کتنا شدید نفرت کا جذبہ ہم نے سکھایا ہے ۴۷ء میں بھی نفرت کا یہ معیار بدگمانی کی
ہی ہوگی، جو ٹھیک سے کوئی بات نہیں سمجھ سکتا وہ تین سال کے بچوں کو ذبح کر رہا ہے، بچوں کے
ہیں اسکی کوشش ہونی چاہیے۔ یہ دور پڑھائی کا ہے، بچہ پڑھے تو کیا پڑھے کون سی کتاب پڑھے
پڑھے اگر آپ انسانیت کے لیے ایک قدم آگے بڑھاتے ہیں تو وہ ہزار قدم کے برابر ہوگا۔ کیوں چل رہا ہے
یسی کون سی فصل تیار کرنی ہے جو فضا میں زہر گھول رہا ہے۔ میں اس سرزمین سے ہو کر آ رہا ہوں جہاں
یت اور شیطانیت رقص کر رہی ہے آپ کے ساتھ میں اپنے آپ کو بھی ملزم گردانتا ہوں۔ اس دور
ب تک پڑھ لکھ کر کچھ نہ بن جائیں کچھ کر نہیں سکتے۔ وہ بوڑھا سرسید جو یہ کہہ کر چلا گیا "سرکاری نوکری میں
ل حل نہیں ہونگے" سرکاری نوکری ملتا آئے اور اپنے لوگوں کو فیضیاب کیجئے جمہوریت اسکی اجازت
چند ماہ پہلے بجاج صاحب سے گفتگو ہوئی جو ایک بڑی صنعت کے مالک ہیں، انہوں نے بتایا ہزاروں
ں فیکٹری میں کام کرتے ہیں، اس میں اقلیت کا تناسب ‎.001٪‎ ہے، ہم نے پوچھا اقلیت کے ورکرس
وں ہیں، جواب دیا جان بوجھ کر ایسا کرتے ہیں کیونکہ یہاں ماحول کچھ عجیب ہے، وہاں اوم رکھ کر بھجن
ی شروعات کرتے ہیں اس ماحول میں دوسرے لوگ کام نہیں کر سکتے۔ ہمارے یہاں ۹۶ فیصد سے زائد

صنعت اکثریت کے ہاتھ میں ہے اس طرح ہمارے پنپے جائیں کہاں۔ ان حقائق کا سامنا کرنا ہوگا، شتر مرغ کی
ریت میں چونچ ڈالنے اور ڈرائنگ روم کی سیاست سے کام نہیں چلے گا، ہمیں تعلیمی میدان میں آگے بڑھنا ہوگا
دوسروں پر سبقت لے جانا ہوگا، یہی ایک راہ نجات ہے۔

ہدایت اللہ خاں

بیماری کی اہم وجہ یہ ہے کہ جو لوگ صحیح الذہن ہیں وہ خاموش ہیں وہ اپنے ڈرائنگ روم، اپنے گھروں
محدود ہو کر رہ جاتے ہیں، یہ طبقہ سامنے آئے۔ حکیم کا نسخہ صبح شام ہم پڑھتے ہی رہیں اور دوا نہ کریں پرہیز
نہ کریں تو نسخہ پڑھتے ہی رہ جائیں گے مرض کا علاج نہیں ہو سکے گا آج بھی بڑی اکثریت جھگڑوں کے خلاف ہے
کتنی باتیں کی جا رہی ہیں اس کے باوجود دن بدن ہم قدم بقدم خطرناک صورت حال کی طرف دیش کو لیجا رہے ہیں
ذہن صاف کرنے کی بات ہے۔ ہمیں بھی اپنے ذہن کا محاسبہ کرنا ہے ہم کوشش کریں کہ اس چمن میں ہر رنگ کا
پھول کھلتا رہے ایک مضبوط تحریک چلے، ٹولوں محلوں میں ذہن کی صفائی ہو آگے کا راستہ بھی طے ہو۔ گفتگو بھی ہو
لیکن عمل ضرور ہو، ہمیں چاہئے کہ ہم دیش کو توڑنے کے بجائے جوڑنے کی پیش قدمی کریں۔

ڈاکٹر احمد عبدالحیٔ

آبادی کی اکثریت چاہتی ہے مل کر رہیں امن سے رہیں، اپنے کنسٹیٹیوشن سے ملک کو آگے بڑھائیں لیکن
جب فساد بھڑک اٹھتا ہے تو میجوریٹی سائیلینٹ ہو جاتی ہے۔ دنگائی تو نہ ہندو ہوتے ہیں نہ مسلمان، یہ
صرف بدمعاش ہوتے ہیں وہ ایسے حالات پیدا کر دیتے ہیں۔ اس موقع پر حیرت ہے وہی لوگ جو ایک ساتھ
اٹھتے بیٹھتے ہیں ایسے ہو جاتے ہیں جیسے کبھی کی جان پہچان ہی نہیں۔ ایک رات مصلح پور (پٹنہ) کے پاس کچھ ہنگامہ
ہوا دونوں جانب سے نعرے بازی ہوئی، صبح ہوئی تو ہم وہاں گئے قریب میں اپنے دوست ترپاٹھی اور سی کے
نارائن ان سے ملے انہوں نے کہا ہمیں افسوس ہے کہ ہم لوگ اس ہنگامے میں نہیں آئے تو ہم چار ہی آدمی نکلیں گھوم جائیں
چنانچہ ہم تیس آدمی ہاتھ میں ہاتھ ڈال مصلح پور محلہ میں نکلے آگے چل کر ڈیڑھ ہزار آدمی ہمارے ساتھ ہو گئے۔
اس ملک کو بہت بڑا ملک بننا ہے سبھی لوگ رہیں گے تبھی یہ ملک بڑا ہوگا ورنہ چھوٹا ہوتے ہوتے ایک دن یہ دیش
ختم ہو جائے گا۔ ہماری ایک اسٹرونگ فیلنگ strong feeling یہ ہے کہ ویسٹرن کنٹریز کے طرز پر
جس طرح ڈیموکریسی ہمارے یہاں چل رہی ہے شاید ہم اس میزان پر پورے نہیں اترتے اس میں کچھ
تبدیلی لانی ہوگی۔

احمد یوسف

ہمیں ایک دوسرے کے مذہب کو سمجھنا چاہئے اسکی بڑی سخت ضرورت ہے کیونکہ نہ مسلمان ہندو دھرم کو اچھی طرح جانتا ہے اور نہ ہندو اسلام مذہب کو اس سے غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں، اس کے ساتھ ایک خاص بات یہ ہے کہ آزادی کے بعد تیسری نسل آئی ہے اور وہ یہ تاریخ پڑھ کر آئی ہے جو بہت ہی distorted ہے، اس میں ایک خاص ایج کو بہت خراب کر کے دکھایا گیا ہے اور ایک ایج کو کافی گلوریفائی کیا گیا ہے۔ ہم لوگوں کے جنریشن نے جو تاریخ پڑھی تھی اسمیں یہ سب خرابیاں نہیں تھیں، ٹولرنس جو اوپر کے جنریشن میں تھا وہ ان کے ہاں نہیں ہے، وہ کہتے ہیں فلاں ایسا تھا فلاں ایسا تھا، مغل ایسے تھے پٹھان ایسے تھے ان سب تاریخ میں ڈسٹورشن ہے۔ اس کے متعلق بڑے پیمانے پر کوشش ہونی چاہئے کہ تاریخی کتابوں سے ایسے غلط مواد کو ڈھونڈ کر نکالیں اور اسے دور کرنے کی کوشش کریں۔

اروند کمار

ہر ویکتی کی یہاں کوئی اکویٹی نہیں ہے، سماج میں اکویٹی کیسے آئے گی، ایلیٹ کلاس کی جو بات ہے، پولیٹیشن بیوروکریٹ کو توڑنا پڑے گا، اکانومک اسٹرکچر دیکھیں تو ہم سوشلسٹ زیادہ ہیں، کیپٹلیسٹ کم۔ وہ اپنی اکانومی نہ بانٹیں تو ہم بھوکے رہ جائیں، پارلیامنٹری ڈیموکریسی کو بدلا نہیں جا سکتا، ہمارا جو طریقہ ہے قانون بنانے کا اس میں پریورتن کی ضرورت ہے، قانون لاگو کرنے کی مشینری میں بھی پریورتن کی ضرورت ہے، امریکہ جیسے ڈولپڈ کنٹری میں جب قانون بنتے ہیں تو انٹرسٹ گروپ سے مشورہ لے لیا جاتا ہے کہ تمہارے لیے قانون بنا رہے ہیں، ہم بھی انٹرسٹ کو مضبوط کریں۔ ہم لوگ ویلفیر اسٹیٹ میں رہ رہے ہیں، ال فیر اسٹیٹ میں نہیں۔ ایڈمنسٹریشن پر اخلاقی اور نفسیاتی دباؤ ڈالنا ہی بہتر ہوگا کیونکہ وہ عوام کو جوابدہ نہیں ہیں بلکہ اپنے آفیسروں کو جوابدہ ہیں، کیوں نہیں ہم اپنے عوامی نمائندے ام ال اے، ام پی کے ذریعہ دباؤ ڈالیں، وہ علاقے جہاں دنگے ہوتے ہیں ان علاقوں کا لونگ ٹرم سولوشن کے لیے مطالعہ ہونا چاہیے، کیوں نہیں اس قسم کے حادثات کے لیے انشورنس پالیسی کی بات بھی اٹھائی جائے۔

ایشور دیال

اکثر کہا جاتا ہے کہ ایکشن کا ری ایکشن ہوتا ہے، مگر ایکشن کہاں سے ہوا ۴۷ء کے پہلے یا بٹوارے کے سمے کیا پاکستان یا بنگلہ دیش میں ملٹی ریلجیس قوم نہیں ہے وہاں اگر ایکشن ہوا تو ری ایکشن میں ہندو راشٹر کا کیا جواب ہے؟ ہندو قوم میں لبرلزم ہے شوک کے لیے جس دھرم میں ریجڈنس ہے، جیسے شاہ بانو کیس، کمال ترکی پاشا، پرسنل لا میں امنڈمنٹ ہوتے رہے، یہ انسان نے کیا ہے، کومن سول کوڈ ہندوستان میں نہیں، مولی لائف میں

میں لاکھوں لاکھ خرچ ہوا۔ ہریجنوں کو مندر نہیں جانے دیا جاتا یہ ہٹ دھرمی ہے۔ آریوں کے زمانے میں جو نعرہ لگا ساری دنیا کو آرین بناؤ، شنکراچاریہ ہندستان آئے، ناگا جو فوج ہے اس کے خلاف۔ دراوڑیوں نے بودھ دھرم پر حملہ کیا مٹھ اجاڑ دیئے، پوجا پجاتا اور پجاری کیوں، تم اپنے پاپ سے ڈرے ہوتے ہو اسی لیے تم ایسا کر رہے ہو دوسرے کے خلاف۔

علامہ اقبال کا ترانہ، چین و عرب ہمارا ہندوستاں ہمارا اور مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا" اس سے سمپردائکتا کی بو آتی ہے۔ آج کی دنیا بہت سکڑ گئی ہے چند برسوں سے شیوسینا، بال ٹھاکرے، آر ایس ایس کی ترقی سے سمپردائکتا بھیانک ہو گئی ہے میجورٹی کمیونلزم بھاری ہو رہا ہے۔ دھرم تو سائنس کی طرح ہے سائنس کو مارنے کے لیے استعمال کریں یا فائدہ اٹھانے کے لیے، اصلی دھرم کہاں ہے اب تو نقل رہ گیا ہے۔ پہلے بھی بڑے بڑے دھارمک نیتا تھے جو کمیونل نہیں تھے بہت سے دھارمک نہیں تھے اور کمیونل تھے۔ عام آدمی کمیونل نہیں ہوتا، صحیح دھرم رائٹ نہیں کرتا اس میں دھارک ترک نہیں آتے، رائٹ میں کچھ ایسے تتو آتے ہیں جسکا دھرم سے لینا دینا نہیں مثلاً مسلمان تو ہمیشہ ہندو کا الٹا ہوتا ہے وغیرہ دھرم ایک سوشل انسٹی ٹیوشن کی طرح کام کر رہا ہے اس کے کلچرل ڈائمنشن ہیں اسمیں کنفلکٹ بھی ہے۔ آخر کمیونلزم کا genesis کیا ہے یہ genesis کہاں تک لے جاتا ہے۔ آج کل رائٹ میں لوکل انوولمنٹ ہو جاتا ہے آپ جائیں نہ جائیں آپ پر بھی بم گرے گا۔ جب دھرم کے نام پہ دنگے ہوتے ہیں تو ہم رائٹ کی سنگیا دیتے ہیں وہی جب جنرل ہو جاتا ہے تو وہ جینوسائیڈ ہو جاتا ہے۔

الکھ کمار جھا

ایودھیا میں رام شیلا نیاس کے دن پٹنہ کے تمام اسکول بند کر دیئے گئے اور ان بچوں کو یہ بتایا گیا کہ آج ہندو مسلمان کو اور مسلمان ہندو کو ماریں گے، یہ کتنا اہم مدا ہے جو ننھے ننھے بچوں کے ذہن میں ڈالا گیا ہے، کل نو بھارت ٹائمز میں ایک خبر دیکھنے کو ملی کہ مسلم سمپردائی کے لوگوں نے گاندھی میدان میں بھاگلپور میں قتل کیے گئے مسلم بھائیوں کے لیے نماز جنازہ پڑھی، یہ مجھ کو ٹھیک لگا ہے، یہی بات سبھی سموداے کے لوگوں کے لیے ہوتی تو اچھی بات ہوتی، ودیوستھا کے ذریعہ ہمیں صحیح بات نہیں بتائی جاتی اور جو دوشی ہے اسے سزا بھی نہیں دیا جاتا، مظفر پور میں ایکبار ہندو مسلم ٹکراؤ ہو گیا تھا، فضل احمد صاحب ایس پی نے چوبیس گھنٹے کے اندر کنٹرول کر لیا، کہیں کچھ ہونے نہیں دیا تو نیت کی بات ہوتی ہے ابھی نیتا جو لوگ ہیں ان پر وشواس نہیں ہے، ادھر جو کچھ ہو رہا ہے سب وہی کر تے ہیں، آج آوشیکتا ہے کہ ان غنڈوں لفنگوں کی راج نیتی کو صاف کریں غیر راجنیتی استر پہ سنگٹھن کی کمی ہے۔

ہم پیس کی باتیں کرتے ہیں مگر پیس ہرگز ممکن نہیں جب تک کہ ہمارے مائنڈ میں پیس نہ ہو، وہ مائنڈ جس میں شرارت اور فساد بھرا ہوا ہو، وہ مائنڈ جس میں مایوسی ہو پہلے ایسے مائنڈ کی صفائی ضروری ہے ورنہ وہ ڈسٹرب مائنڈ کوئی پیس کی بات قبول نہیں کرے گا، ایٹیٹیوڈ میں تبدیلی کی ضرورت ہے، اسٹرکچر میں بھی تبدیلی کی ضرورت ہے اور مورل لیڈرشپ ڈولپ کرنے کی او شکتا ہے ۔

ایوب سید

خدا بخش لائبریری کی تنظیم اور ذخیرے کو دیکھ کر خیال ہوا کہ یہ کام آگے بڑھنا چاہیے۔ ہم اس خزینہ کو پورے ہندستان میں پھیلا سکتے ہیں کمیونیکیٹ کر سکتے ہیں، اس سے دوسروں کو بتا سکتے ہیں کہ مسلمانوں نے اس ملک کو کیا کچھ دیا ہے مخلوط تہذیب بنانے میں، موسیقی میں، تھنکنگ میں پڑھائی لکھائی میں۔ ہمارے کنٹریبوشن سے سلسلے میں صرف دو فیصد لوگوں کو ہی معلوم ہے اگر ہمارا کمیونیکیشن فعال رہے تو نفرت نہیں رہے گی ذہن صاف ہوگا۔

بھاگلپور میں جو کچھ ہوا افسوسناک ہوا۔ ہم جو جان دیتے ہیں، ایمان دیتے ہیں، پندرہ ہزار لوگوں کا قتل آسان نہیں ہے۔ وہاں جو قتل عام ہوا ہے ہم اسے برداشت نہیں کر سکتے۔ اس قتل عام نے یہ بتایا کہ ملک نے ابتک ہمیں قبول نہیں کیا ہے یہ ملک ہمارا ہے، ہم اسے چھوڑ بھی نہیں سکتے۔ ہندوؤں کے ساتھ مل کر کس طرح ہم اس قتل کو روک سکتے ہیں، ہر سال بدتر سے بدتر واقعات ہو رہے ہیں، میرٹھ دیکھ کر ہم مرادآباد بھول جاتے ہیں، بھاگلپور دیکھ کر میرٹھ بھول جاتے ہیں۔ وہ میرٹھ کے غریب بنکر جو خوبصورت کپڑے بنتے ہیں، خوبصورت چوڑیاں بناتے ہیں وہ دستکار مسلمان جو اپنی دستکاری سے اس ملک کو خوبصورت بناتے ہیں، آخر ہمارا گناہ کیا ہے جو ہمیں قتل کیا جاتا ہے، ہماری سیکورٹی آف لائف کیا ہے ۔

پرسوں ایودھیا گیا، بابری مسجد کے اندر بھی گیا وہاں کے چیف پجاری لال داس سے ملاقات ہوئی، میں نے اپنا تعارف کرایا کہ میں مسلمان ہوں میرا نام فلاں ہے انہوں نے بڑے اعزاز بڑی محبت سے استقبال کیا، الگ اپنے مکان لے گئے، ان سے موجودہ حالات پر کافی گفتگو ہوئی انہوں نے فرمایا جو کچھ ہو رہا ہے وہ غلط ہے۔ ہندو دھرم کسی کی زمین پر قبضہ نہیں سکھاتا نفرت نہیں سکھاتا مسجد توڑ کر مندر بنانا نہیں سکھاتا، بجرنگ دل اور شیو سینا والے یہ سب کچھ کر رہے ہیں، جب تک میں اس زمین پر ہوں مندر بنانے نہیں دوں گا۔ شیلانیاس جہاں کیا گیا ہے وہ ادھار رنگ ہے وہاں مندر نہیں بن سکتا۔ کیونکہ وہ اکھاڑہ کی زمین ہے اور جس کی زمین ہے اس نے مندر

بنانے کی اجازت نہیں دی ہے، دوسری بات یہ کہ شیلا نیاس جس جگہ ہوا وہ پیشاب خانہ ہے کھدائی پر
کی نکل آئی اس میں سے قبر کی ہڈیاں نکلی ہیں۔ اس مہنت نے یہ بھی بتایا کہ اس گڑھ کے اندر ہندو مسلم
کوئی بھی آسکتا ہے۔ بابری مسجد رام جنم بھومی کا فیصلہ فیض آباد اور ایودھیا کے لوگ مل کر کریں گے، ہند
کریں گے، آر ایس ایس، وشو ہندو پریشد اور بجرنگ دل والوں کو اس کے فیصلے کا کوئی حق نہیں ہوتا۔

ایودھیا میں چار ہزار مندر اور چھ سو مسجد ہیں۔ ایودھیا کا سب سے بڑا مندر سندر رکھون ہے ج
آئے تھے وہاں پلے تھے بڑھے تھے، اس مندر کی چابی میر عثمان احمد کے پاس ہے جو مسلمان ہیں، وہ
سے اس مندر کو صبح کھولتے اور شام بند کرتے ہیں ان کی اسّی سال عمر ہے۔ پانچ سال پہلے جب میر عثمان
اور انہیں خون کی ضرورت پڑی تو ہنومان گڑھ کے ایک مہنت نے اپنا خون دے کر ان کی جان بچائی
مسلمان کی رگوں میں ایک ہندو کا خون دوڑ رہا ہے، آج کیا ہو گیا ہے، کیا ہو رہا ہے اس ملک میں ایود
میں ایک اور مندر ہے بڑا پرانا مندر، اسمیں روز شام کو شہنائی بجائی جاتی ہے اور شہنائی بجانے والا مسلمان
ایک روز وہ بیمار پڑ گئے شہنائی نہیں بج سکی تو اس مندر میں پوجا نہیں ہوئی، تین سو سال سے اسی مسلمان کا
شہنائی بجاتا چلا آرہا ہے۔ لال داس نے کہا ایودھیا کے اندر کسی مسلمان کو پریشان ہوتے ہوئے میں نہیں دیکھ
اور نہ کوئی شخص ایودھیا میں کسی مسلمان پر ہاتھ اٹھا سکتا ہے ورنہ الٹا اسی پر ہاتھ اٹھایا جائے گا۔ ہندو مذہب
یقین رکھتا ہے وہ کبھی ایسا نہیں کر سکتا۔ الغرض سب ہندو اور سبھی مسلمان برے نہیں ہوتے اکثریت اچھے لوگ
کی ہے۔ اب کوئی کمیونل رائٹ نہیں ہوتا بلکہ نسل کشی ہوتی ہے۔ ہمیں مخلوط پولس کا نظم کرنا پڑے گا اور جب
پولس فورس میں اقلیتوں کی بحالی نہیں ہوگی ہم فسادات پر کنٹرول نہیں کر سکتے۔

مسز بھارتی

ہم کچھ کر نہیں پاتے ہیں ہم آپس میں، سوچنے کے لیے ہمیں اس طرح کی میٹنگ ضروری ہے۔ بڑی
انٹرایکشن کی ہے۔ اپنی اپنی جگہ اپنے اپنے محلے میں اس طرح کی میٹنگ ضرور کریں۔ فیکٹس سے لوگوں کو باخبر کریں۔
بھومی کے مسئلے میں فیکٹس کتابوں اور میگزینوں کے پنوں میں رہ گئے عوام تک نہیں آئے کہ حقیقت کیا ہے۔ اسے چھوٹے چھو
پمفلٹ کی شکل میں عام کیا جائے۔ میڈیا کا رول بھی ادھر خراب رہا، نو بھارت ٹائمز اور آج کی سرخیوں نے جذبات کو
اور بھڑکایا ہے۔ اس طرح کی آفس کا ہم گھیراؤ کریں۔ ینگ جنریشن بھی کنفیوزڈ ہے، سیاسی پارٹیاں نوجوانوں کو اکسپلائٹ
کرتی ہیں، نوجوانوں کو بھی جگانا ضروری ہے۔ ڈیموکریسی پر جب ہم ڈسکشن کرتے ہیں تو اپنے ووٹنگ رائٹ کو
نہیں چھوڑنا چاہئے اس کے لیے ماحول تیار کریں۔

ڈاکٹر بی. مکھوپادھیائے

آج جو کچھ ہو رہا ہے یہ آل انڈیا فینومینا نہیں ہے یہ رجنل فینومینا ہے، اس قسم کا دنگا بنگال میں کیوں
نہیں ہوتا۔ مذہب برا نہیں ہوتا مذہب کی غلط تعبیر کرنے والے غلط عمل کرنے والے برے ہوتے ہیں۔ ہر دھرم امن و
شانتی کا پیغام دیتا ہے، محبت، بھائی چارگی، اتحاد کا سبق دیتا ہے۔ سچ تو یہ کہ اسلام کے ماننے والے اسلام کے
اسلام پہ صحیح طور پر کاربند نہیں اور نہ ہندو دھرم والے اپنے دھرم کے سچے پیرو ہیں اپنے اپنے دھرم پر ہر شخص
سچائی کے ساتھ عمل کرتا ہے تو یہ جنگ وجدال، فتنہ وفساد اس پیمانے پر نہ ہو۔ ہمیں تو مل جل کر ایک ساتھ رہنا
ہے، ہم جائیں گے کہاں۔ ہم فیصلہ کریں کہ رائٹ نہیں ہونے دیں گے، ہم ایک ساتھ مل جل کر رہنا سیکھیں،
ایک ساتھ ہنس بول کر جینا سیکھیں، ملک کو مذہب سے بالاتر ہونا چاہئے۔ مصیبت یہ ہے کہ کرپشن،
برائی دھرم کے اندر آگئی ہے، سیاسی لوگ مذہب کو سیاست سے جوڑ رہے ہیں اسی کو انہوں نے قومی علاقائی
اور انفرادی شناخت بنالیا ہے۔ اب ہمیں اس کے لیے انفرادی اور اجتماعی طور پر سوچنا ہے کہ آگے کیا کریں،
ہم اپنے پیغام کو عام کریں، اپنے عمل کو تیز کریں اور پورے دیش میں بھائی چارگی اور قومی یکجہتی کی فضا قائم کریں
پارلیامنٹری ڈیموکریسی ہی ملک کے لیے واحد ذریعہ فلاح ہے، یہ کمیونل دنگے اپنے محلے اپنے علاقے کے لوگوں
کے ذریعہ ہی روکے جاسکتے ہیں

مسز ڈاکٹر بی. مکھوپادھیائے

کوئی مذہب دوسرے کو دکھ پہنچانا نہیں سکھاتا، بلکہ آپس میں محبت اور میل جول سکھاتا ہے۔ یہ ساری دشمنی، عداوت،
دنگا فساد دراصل پاور کے حصول کے لیے ہے۔ مسلمان ہو یا ہندو، وہ پاور چاہتا ہے اقتدار چاہتا ہے۔ ہر آدمی کے حقوق کا خیال رکھنا چاہئے۔

پردیپ رائے

ہنسا صرف ہنسا ہے یہ نہ ہندو کے خلاف ہوتی ہے نہ مسلمان کے خلاف، یہ تو انسانیت کے خلاف
ہوتی ہے۔ دنیا میں دو سچ ہے ہر بات کے لیے، ایک ہی چیز ایک کے لیے ہنسا ہے تو دوسرے کے لیے اہنسا اور
دونوں کے لیے دونوں کو دلیلیں مل جاتی ہیں۔

پیر نب مکھرجی

قومی یکجہتی کی سب سے اچھی مثال پٹنہ سیٹی ہے جہاں مسجد اور مندر ایک ہی جگہ ساتھ
ساتھ ہیں اور دونوں جماعت میں کبھی کوئی جھگڑا اختلاف نہیں ہوتا۔ لوگوں کا ایک سکشن ہے جو اپنے آپ کو انڈین

تصور کرتا ہے ورنہ آزادی کے بعد ہم میں سے کوئی یہ نہیں سوچتا کہ وہ ہندستانی ہے۔ جب الکشن آتا ہے تو یگانگ
سے تمام بندھن توڑ کر کاسٹ کلاس، مذہب کو بنیاد بنا لیتا ہے اور ہم بھی کاسٹ کلاس، ریلیجین کو ووٹ دیتے ہیں ا
کیوں؟ یہ بیج کس نے بویا، رولنگ پارٹی اس کے لیے ڈائرکٹ ذمہ دار ہے وہ بہاری، مدراسی، بنگالی، کاشمیر
یہ علاقائی توڑ، اتنا ہی نہیں ہر علاقے میں الگ الگ سکشن ہیں میتھلی، بھوجپوری، برہمن چھتری راجپوت، یادو، شیو
غرض طرح طرح کے فرقے اس ملک میں پیدا ہو گئے ہیں کوئی اب ہندستانی نہیں رہا بلکہ اپنے اپنے محدود دائرے
کی علامت بن کر رہ گیا ہے، آخر یہ ڈویزن، یہ تفریق کیوں؟ خود ہمارے پی ام بیک ورڈ فورورڈ، ہریجن آدیبا
کی باتیں کرتے ہیں جب ملک میں یہ تفریق ہو تو پیٹیریوٹیزم کہاں باقی رہی، اسی طرح میں برا فیل کرتا ہوں
جب مائنوریٹیز کا لفظ کوئی استعمال کرتا ہے یہ مائنوریٹی میجوریٹی کی بات کیا، سب ہندستانی ہیں کوئی اقلیت
نہیں ہے، پہلے یہ بھید بھاؤ نہیں تھا اس ملک میں سب مل جل کر رہتے تھے۔ اس ملک کی ایک پرانی روایت
رواداری بھی ایک ٹریڈیشن اور کنونشن تھا، ہمارے ایک مسلم دوست ہر سال بقرعید میں ایک ران مجھے ضرور بھیجتے
یہ بھائی چارگی آج بھی باقی ہے یہی اتحاد لاتا ہے، کوئی غیر نہیں ہے کوئی کسی کا دشمن یا مخالف نہیں ہے سب آپس
دوست ہیں اس کے لیے ہمیں کوئی موثر اقدام کرنا ہوگا خواہ وہ جلسہ جلوس کی شکل میں ہو یا کوئی اور شکل ہو۔

پنکج سنہا

ہمیں اس بات سے اتفاق ہے کہ ہندوؤں کو مسلم نام شامل کرنا چاہیے، انٹر ریلیشن کو سویکار کرنا
ہندو یا مسلم ناگرک اپنے نام میں آگے پیچھے کچھ جوڑ سکتے ہیں جیسے محمد الوک کمار سنہا، نینی تال میں ایک دوسر
ہیں جو زنف محمد، اسی طرح رام اقبال رائے، رام اقبال سنگھ بھی ملیں گے، آپسی میل جول، رشتے ناطے، شادی
کو بھی بڑھاوا دینا ہوگا تبھی نفرت دور ہو سکتی ہے۔

تبریز احمد

مس ریپریزنٹیشن آف ہسٹری کمیونلزم کے لیے ذمہ دار ہے، بنارس کی مسجد اور مندر کے سلسلے میں غو
کرنا ہوگا۔ اس وقت وہاں کے حالات کیا تھے، تاجر گزرا کرتے تھے وہ لوگ لوٹ کھسوٹ کرتے تھے، پٹا کرتے
ان پر پیشاب تک کر دیا کرتے تھے، اورنگ زیب کو شکایت پہنچی تو سول ڈریس میں وہ خود پہنچے اور شکایت در
پایا انہوں نے فوراً فورس بلوایا، ان لوگوں کو ایریسٹ کیا، پولس چوکی بنوادی، ہندو مسلمان دونوں رہتے، مسلما
سے لیے مسئلہ تھا کہ نماز کہاں پڑھیں، انہوں نے مندر کے بغل میں مسجد تعمیر کر دی تاکہ مندر کے لوگ مسجد پر اور مس

ے لوگ مندر پر نظر رکھیں، اسی طرح قطب مینار کی مسجد، قوت الاسلام کی مسجد۔ ہسٹری کو anecdote
یں کرنا چاہیئے، میڈیول پریڈ میں دنیا بھر میں کہیں بھی دوسرے مذہب پر اٹیک ہوئے ہیں تو آج اسکا بھار ہم پر
وں؟ اسکا ایک ہی مقصد ہے ووٹ اکٹھا کرنا، اسی نے ملک کو توڑا ہے۔

ب جاوید عالم

ہندوؤں میں بھی اچھے لوگ ہیں، انہیں بھی مسلمانوں سے ہمدردی ہے، جب فساد کا دور چل رہا تھا تو
برے ہندو ساتھیوں نے کہا تم ہمارے یہاں چلے آؤ زیادہ سیف رہوگے، میں نے مذاق سے کہا، نہیں بھائی کیا پتہ
ہیں تمہاری بھی نظر بدل جائے، اس نے وشواس دلایا میں اپنی جان پر کھیل کر تمہیں بچاؤں گا تمہاری حفاظت کروں گا۔
ہت سارے ہندو بھائی ایسے ہیں، ہمارے پارلیمنٹ میں جو بیٹھے ہیں وہ سیکولرزم کی بات کرتے ہیں مگر پانچ فیصد
سے زیادہ سیکولر ہونے کے یوگ نہیں اور جب تک ان لوگوں کو ہٹا کر انٹلکچول لوگوں کو نہیں لایا جاتا سیکولرزم
آئے گی ہی نہیں عوام میں سیکولر ذہنیت لانے کے لیے سکول کالج یا کسی طرح کا ادارہ ہو جہاں سیکولرزم کی تربیت دی جائے۔

کامریڈ حبیب الرحمٰن

ہندوؤں کی برلزم بوگس پرچار ہے، ذات پات کے مذہب نے پانچ ہزار برسوں سے اپنے نیچے کے لوگوں کو
دلت ولت بنا کر رکھا ہے، کیا وہ ہریجنوں کو ذلیل نہیں کرتے، یہ ہیومنزم برلزم کی بھی بات نہیں، انڈیوجول کی بات
نہیں، ایگو کی بات ہوتی ہے، ایسا ہی قوموں اور فرقوں کا ایگو ہوتا ہے نفرت پھیلا کر اسلام سے اچھا کوئی مذہب نہیں
ہے، ہم سے زیادہ کوئی شر پیدا کرنے والا نہیں عیسائی بھی، ہندو بھی۔ مذہب اور ذات کا جو گروپ ایگو ہے نفرت کی بنیاد
پیدا کرتا ہے اسلیے اگر مذہب کو ہیومنائز نہیں کیا، غلط ایگو کو نہیں توڑا تو جنگ ہوتی ہی رہے گی چاہے ہندو مسلم
ہریجن، راجپوت، شیعہ سنی کی جنگ ہو، یہ نفرت پھیلاتا ہے۔ سنہ ۶۹ء کے بعد بڑا ڈیوائیڈ آیا۔ ڈیموکریسی کو ایک خاندان
نے مونوپلائز کیا، اندرا نے یہ طریقہ اپنایا، اس طرح حساب کرو کہ ہمارے خاندان سے حکومت نہ نکلے، بدنصیبی سے دونوں بیٹے ناکارے نکلے

جمہوریت میں جہاں معاویہ کی حکومت کی بات آئی وہاں کربلا اور حسین کی شہادت بھی ہوگی، کانگریس میں
بھی اندرا سے زیادہ گناہگار اس دور میں کوئی نہیں، راجیو تو اندرا جیسا بھی عقل نہیں رکھتا، سنہ [illegible]ء میں کانگریس
کی اپنی لڑائی ہوئی جس سے پل ملتا ہے، نیا پانی آتا ہے روک دیتے ہیں، ہم آخری خاندان ہیں آخری حکومت
بھی ہماری ہونی چاہیئے، تازہ پانی نہیں آتا ہے تو پانی میں سڑاند پیدا ہوتا ہے، اندرا، سنجے نے پانی میں جو سڑاند پیدا
کی وہ ہم بھگت رہے ہیں۔ ہمارے ملک میں آج بھی کیپٹلزم کا دور دورہ ہے اسی اکانومی نے طبقات کی نئی روش

ینشن سے نئے پوائنٹ پیدا کیے، برلا کی آمدنی ۵۰ کروڑ تھی آج ۰۰ ، کروڑ ہے اور اب تو ارب کھرب کی بات ہے جواہر
نہرو کے راج میں بھی پارلیامنٹ کے تیس ممبران برلا کی روٹی کھاتے رہتے تھے ان کے پیرول پر رہتے تھے، اس نے
بوسیاں پیدا کی ٹاٹا، برلا، وردی پہن کر منسٹر بن کر پھر اخبار کی ایک نئی لابی پیدا ہوئی، سرچ لائٹ برلا کی، اسٹیٹسمین
ٹاٹا نے خریدا، اسی طرح انڈین اکسپریس، ہندستان ٹائمز، ٹائمز آف انڈیا وغیرہ، اب پبلک او پنین مونوپولائز
کرنا شروع کیا، رائٹ میں شیوسینا، بال ٹھاکرے آگے آئے، انھوں نے ریجنلزم کو جگایا، یہ ریجنلزم، کیمونلزم کرمنلائزیشن
اور کیمونلائزیشن آف انڈین پولیٹکس ہے۔ اسطرح یا تو ملک مضبوطی سے فیڈرل ملک بنے گا یا لبنان پنجاب
لنکا بن جائے گا۔ مذاہب کو جتنا پرسنلائز کر کے رکھا جائے اتنا ہی اچھا ہے آپ کا مذہب گھر پہ، سڑک پر سماجی
نظام۔ مذہب کو سڑک پہ نہ لائے، یونیفورم سول کوڈ نہیں بن سکتا۔

ڈاکٹر حسن احمد

کمیونٹی یا کیمونل نیلنگ، ہندستان میں اس کے معنی برے ہوتے ہیں مگر بذات خود برے معنی میں نہیں،
۱۹۵۰ء میں دستور بنا جو بہت اچھا تھا مگر پارلیامنٹری ڈیموکریسی کو صحیح طور پر نافذ نہیں کیا گیا۔ کنفلکٹ ہر سوسائٹی میں رہا
ہے۔ آئن سٹائن نے اپنے طور پر اس زمانے کے لوگوں کو ختم کیا، اس نے سگمن فرائڈ کو خط لکھا جس کے جواب میں
سگمن نے کہا۔ It is an stinctual urg

O

لڑائی تو ہوگی ہی مگر کنفلکٹ کم سے کم کیا جا سکتا ہے۔ ارسطو نے کہا تھا کہ Distributic Justice سماج میں ضروری ہے
لڑائی اس لیے ہوتی ہے جو لوگ برابر سمجھتے ہیں انہیں کم ملتا ہے وہ چاہتے ہیں سسٹم کو بدل دیں جسکی وجہ سے کم مل رہا ہے
اور جو سمجھتا ہے ہم بہتر ہیں وہ بھی چاہتا ہے بدل جائیں۔ اگر سوسائٹی میں چار آدمی برابر ہوں تو Kingship کو بھی
rotate کر دو، آفس ہو اسے بھی روٹیٹ کر دو تاکہ ہر کوئی مستفید ہو سکے، سماج میں جو deprived ہوگا وہ
تبدیلی کی کوشش نہیں کرتا، crush کرنے کی وجہ سے بہت پریشانیاں سماج میں آ جاتی ہیں، ایک ڈکٹیٹر کے بعد
دوسرا ڈکٹیٹر آ جائے گا، اس لیے زیادہ تر ملکوں میں جمہوری حکومت پائی جانے لگی ہے۔ ڈیموکریٹک گورنمنٹ پائیدار
گورنمنٹ ہوتی ہے بہتر یہی ہے کہ دبا کر نہیں satisfy کر کے حکومت چلائی جائے۔ آج رومانیہ میں جو ہوا دوسری
جگہ ہوا، خبر ایک جگہ سے دوسری جگہ پھیلنے سے بھی موومنٹ دوسری جگہ شروع ہو جاتی ہے پارلیمنٹری ڈیموکریسی ہی
اس وقت سب سے زیادہ موزوں ہے مسلمانوں کو پارٹیسپیٹ کرنے کا موقع نہیں مل رہا ہے۔ ایک سرکلر پنڈت پنتھ

ے میں نسلا تھا کہ مسلمانوں کو پوس میں نہیں لو، اس کے نتیجے میں گیپ بڑھتا جا رہا ہے، دو قسم کی زندگی ہو گئی
یشن بڑھ گیا ہے۔ اگر مسلمانوں کو بھی آبادی کے لحاظ سے پوس میں تحصیل میں گراس روٹ سے بھی اوپر
ملتا تو یہ confrontation نہیں ہوتا یہ گراس روٹ سولوشن ہوتا، جب سب ساتھ مل کر کام
ں تو دوستی بنتی ہے اور کام بھی انہی دوستی کی وجہ سے ہوتا ہے، گراس روٹ سولوشن یہی ہے کہ لوگوں کو
تھ کام کرنے کا موقع دیا جائے، دوسری بات یہ ہے کہ مسلمانوں کا پولیٹیکل کلچر امیچورڈ ہے اس کے برخلاف
ں کا میچورڈ ہے نیچے بنیاد بنتی ہے تعلیم کی اس کے اوپر عمارت قائم ہوتی ہے سیاسی تنظیم یا گورنمنٹ کی
یوشن کی، جاپان، جرمن یا اٹلی کو توڑ دیا گیا مگر ان کے یہاں انفرا اسٹرکچر موجود تھا تعلیم موجود تھی تربیت
ں، یہ جب موجود رہتا ہے تو سیاسی ڈھانچہ کھڑا ہو جاتا ہے۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد جرمن نے اپنے آپ کو
، دوسری جنگ عظیم کے بعد نہ صرف سیاسی بلکہ معاشی ڈھانچہ بھی اور مضبوط ہو گیا، دوسری جگہ جہاں تعلیم نہیں
ف نعرے تھے وہاں صرف سیاسی آزادی دے دی گئی اور وہاں اس طرح توڑ پھوڑ کر رکھا کہ عام آدمی کو کچھ نہ
، بنگلہ دیش، پاکستان، عراق، افریقہ وغیرہ، اگر کلچرل فونڈیشن نہیں ہے تو پولیٹیکل اسٹرکچر بھی پائیدار نہیں ہوتا
ں نے بھی تعلیمی اہمیت پر زیادہ زور نہیں دیا، سرسید کے تعلیمی نظام کا خواب بھی ادھورا رہا، نیچے کا حصہ کٹ کر رہ
کا حصہ صرف بڑھا سرسید کا مقصد تھا کہ اسکول گاؤں گاؤں گلی گلی میں پھیلے لیکن یہ توجہ ہمارے یہاں
ہے اسکی وجہ کہ سیاست بھی جذباتی اور بلا مقصد ہو کر رہ گئی ہے اس تعلیم و تربیت کی اہمیت کو ہمارے رہنماؤں
سوس نہیں کیا، نہ ہم کو زور دیا کہ ہم کو مین اسٹریم میں شامل ہونا ہے۔ ہندستان کے مسلمانوں کو دکانداری بھی
ہیں آتی اس طرح بات کرتے ہیں جو ایک دکاندار کے لیے موزوں نہیں، ایڈمنسٹریشن میں ایک حد تک وہ
بل رہتا ہے، ایک تو اپنے ویلوز ہیں حرام اور حلال، دوسرے ڈر ہے وہ جانتا ہے کوئی سپورٹ کرنے والا نہیں
اگر ہم رولر ہوتے تو پالیسی بناتے، ایک حد تک ان لوگوں کو پارٹیسپیٹ کرنے دیتے، آپسی ہارمونی اتنی
ٹوٹتی، نکتہ سے نکتہ ہونا ضروری نہیں، یہ ضروری نہیں کہ کیمونلزم بڑھنے سے ہندستان کا نقصان ہے
ستان آج بہت ترقی کر گیا ہے، ٹکنالوجی میں یہاں کی مشینری چیکوسلوواکیہ تک جاری ہے۔ ہندوؤں کی سمجھدار
ڈرشپ رہی ہے ہندستان میں وجہ یہ ہے کہ انہوں نے مسلمانوں سے مل کر کام کیا ہے ہندستان میں تلک جی
ھی جی، نہرو، جناح وغیرہ یہ اکیلے نہیں کام کرتے تھے ان کے اوپر حکیم اجمل اور دوسرے مسلمانوں کا کافی اثر تھا،
نتے تھے یہ زیادہ اچھا ہے دونوں کے لیے کہ کسی ایک کو کاٹ پیس کر رکھا جائے۔ پولٹکس کے کئی راستے ہیں

ایک راستہ وہ بھی ہے جو مہاراشٹر کی ایک پارٹی کا ہے، ایک راستہ کانگریس کا بھی ہے ایک راستہ نئی پارٹی کا بھی ہے، دوسرے بہت سے جھگڑے ہیں، رزرویشن کا، کاسٹ کا جھگڑا، اگر یہاں کی تعلیم کچھ ایسی رہی ہے جب ہندو مسلم جھگڑے کو آگے بڑھا دیا جاتا ہے دوسری سب چیزیں پیچھے رہ جاتی ہیں۔ مونٹ بیٹن کی تجویز کو ہفتوں میں مان لیا وہ کانگریس جس نے پارٹیشن آف بنگال کو نہیں مانا، وہ جب دیو آیا تو سب پیچھے چلے گئے، ہندستان کے لوگ انگریزوں کی طرح ٹھنڈے دماغ کے ہیں نہیں، یہ جذباتی ہیں۔ جذبات میں سب چیز پیچھے مڑ جاتی ہے۔ یہ اتنا بڑا پارٹیشن ہوا، ریفرنڈم تو ہوا نہیں، بعد میں جنرل باڈی میں رکھ دیا گیا۔ شکاگو میں ۶۷ء، ۶۸ء میں سب سے بڑے رائٹ ہوئے، خبر آئی بلیک یوتھ نے دکانیں لوٹ لی، پولس سے بھی لڑ پڑے، کافی نقصان ہوا، پندرہ دن کے بعد رپورٹ آئی بلیک یوتھ اور پولس میں ہوگیا ہے، اسے دور کر دیا گیا پھر آج تک کوئی خبر نہیں آئی۔ عام طور پر ہندو مسلم کمیونل نہیں ہے، ضروری ہے کہ پولس کمیونل نہ ہو۔ ایک بات یہ بھی ہے کہ پولس اور بیوروکریسی کو ڈیموکریٹائز نہیں کیا گیا، اس پی اور لوکل پولس کا پیمنٹ لوکل بوڈیز سے ملنا چاہیے اور وہ لوکل بوڈیز زندہ ہو۔ ریزرویشن کی جو بات ہے وہ محدود مدت کے لیے کیا جا سکتا ہے، بیچ کا راستہ نبھایا جا سکتا ہے۔

خورشید عالم خاں

آج جو سمسیا دیش میں ہے وہ پریم ہی سے قابو پایا جا سکتا ہے، دیش میں بہت سارے دھرم ہیں، ہندوؤں کے لیے گیتا، رامائن مسلمانوں کے لیے قرآن، عیسائیوں کے لیے بائیبل، سبھی دھرموں کا ایک ہی لکھ ہے پریم اور پریم ہی سے ہم کمیونلزم پر کنٹرول کر سکتے ہیں۔

○

○ — سمینار اور لکچروں سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا، کرنے کا کام تو یہ ہے کہ دانشوروں کی ایک ٹیم بنے۔ کوئی گٹھن ہو، کوئی تنظیم ہو وہ ان علاقوں کا دورہ کرے جہاں فساد ہوئے ہیں، جہاں انسانیت کے خون کی ہولی کھیلی جا رہی ہے وہاں کسی ہندو کسی مسلمان کی موت نہیں بلکہ انسانیت کی موت ہو رہی ہے اور رفتہ رفتہ یہ اسطرح جڑ پکڑ رہی ہے کہ ہمارے existence پر خطرہ لاحق ہوگیا ہے۔ دراصل انٹلکچول عام لوگوں سے بالکل الگ ہیں، وہ گاؤں گاؤں گھر میں اور جس طرح ڈراما کرتے ہیں اس طرح کام کریں۔

دوبے جی

کسی انسان کی زندگی کے لیے لاکھ روپیہ کچھ نہیں ہے، یہ ایک عارضی امداد ہے، کیا وجود ہے ان روپیوں

کا اس زندگی کے سامنے۔ بھاگلپور میں جو کچھ ہوا، بہت برا ہوا، لوک سبھا کا چناؤ ہو گیا، اگر چناؤ کا اعلان نہیں ہوتا تو یہ کبھی نہیں ہوتا، یہ آگ لگائی گئی ہے کیسے ووٹ کو تخریبی بنا کر دو، اس وقت دل ایمان سامنے رکھ کر ہم بتائیں کہ ان مظلوموں کی دادرسی اور بازآبادکاری کے لیے ابتک کیا کنٹریبوٹ کر سکے ہیں؟۔

ذکی وارثی

ہم ہمیشہ دوسروں کے بارے میں سوچتے ہیں اپنے بارے میں کوئی سوچتا ہی نہیں، اردو صحافت کا بھی اثر ہے ہمارے اندر بھی احساس پیدا ہو منصفانہ حق نہیں ملا، ہر ناکامی کو یہ سمجھتا ہے اس کا حق تلف ہوا ہے، یہ نہیں اور بھی اسباب ہیں، سوال ہے co-existence کا اس کے لیے ضروری ہے ہم اپنے اندر کو اُلٹی بڑھائیں، ہم سیاسی انجمنوں کے ذریعہ سماجی بات نہیں سوچتے اگر ہم ہوا میں سماجی اندولن لے کر نکلیں، ہالوں سے نکل کر چوراہوں پر آئیے، کمیونٹی میں کمیونیکیشن گیپ دور کرنا ضروری ہے۔

ذکیہ مشہدی

ہم جو یہاں گفتگو کر رہے ہیں ان چیزوں کو عوام تک اور نیم تعلیم یافتہ لوگوں تک کیسے لیجائیں جب تک اسٹریٹ انڈراسٹینڈنگ نہ ہو، اسٹریٹ تھنکنگ نہ ہو تو مسئلہ حل نہیں ہوگا، ایک بار یوپی میں حامدہ بیگم اور حامدہ حبیب اللہ کسی مسلم کنڈیڈیٹ کی کنواسنگ میں دیہات گئیں، تو کسی نے کہا مسلمان تو گائے کا گوشت کھاتا ہے تو انھی میں سے ایک عورت نے منہ توڑ جواب دیا "وہ کھات ہے تو اپنے منہ سے کھات ہے تو رپیٹ کاہے پیڑات ہے" ایک اور کلاس کی، مسلم بات سنئے جس نے کہا "مسلمانوں کا راج رہا تو اس نے بھی کم شیطانی نہیں کی" یہ سیدھے سادے ان پڑھ لوگوں کی اسٹریٹ تھنکنگ ہے، دوسری طرف انٹلکچول دماغ بھی بہت سارے غلط ہیں تو ٹیڑھے دماغ کو سیدھا کرنا ہے انسان کے ذریعہ کچھ پریکٹیکل کرانا ہے۔ ہمارے والد صاحب نے چاروں وید پڑھا ہے ہمارے گھر میں آج بھی چاروں وید رکھے ہیں وہ کہتے ہیں بہت ساری قرآن کی باتیں آپس میں بھی مل جاتی ہیں، یہ بات تو ہر کوئی کہتا ہے کہ ایک ہی چیز سب میں مل جاتی ہے لیکن یہ کیوں نہیں کہتے کہ کہاں کہاں الگ ہوتا ہے، کہاں کہاں اختلاف ہوتا ہے۔

رامائن سنگھ

پارلیامنٹری ڈیموکریسی تو ہو گئی مگر ڈیوٹی نہیں سکھایا۔ بھارت میں سبھی طرح کے لوگ رہتے ہیں اور رہیں گے انہیں کوئی نکال نہیں سکتا۔ ودیش میں بھی ہر جگہ کے لوگ رہتے ہیں، ہر مذہب کے لوگ رہتے ہیں مگر وہاں

کوئی جھگڑا کوئی بھید بھاؤ نہیں ہوتا اس سے ہمیں سبق لینا چاہیے۔ موجودہ چناؤ کا سسٹم ہی بگاڑ کا کارن ہے، پیسہ
کھڑا کرتا ہے اور غنڈہ گردی سے الکشن جیتتا ہے ہندستان بڑا دیش ہے بڑا رہے گا۔ ہمیں شکچھا دینا ہوگا لوگوں کو
دنگے ہم نے بہت دیکھے ہیں مگر یہ بھی دیکھا ہے کہ جہاں کہیں بھی دس بیس آدمی کھڑے ہو گئے دنگا نہیں ہونے دیا۔

رشید حسن خاں

کیمونلزم کا پرابلم صرف بہار نہیں پورے دیش کا ہے، دیکھنا ہوگا اسکی جڑ کہاں ہے، وائرس کہاں
سے پھیل رہا ہے ہمارے خیال میں برین واشنگ کی ضرورت ہے، فرقہ پرست تنظیموں کو ختم کر دیا جائے، غلط
قسم کے لٹریچر کو نشٹ کر دیا جائے، نصابی کتابوں میں سدھار لایا جائے بھائی چارگی اور اتحاد کو بڑھاوا دینے
کے لیے اس قسم کا لٹریچر تیار کیا جائے اور اسکو عام کیا جائے۔

ریاض احمد

سیکولرزم کو فروغ دینے کے لیے پانچ چیزیں اہم ہیں۔ اول یہ کہ سمینار کو اور بڑھایا جائے یہ خدا بخش تک
محدود نہ رہے بلکہ اسکول کالج اور گاؤں گاؤں میں اسکا اہتمام کیا جائے، ہندستان میں جو غنڈہ ازم ہے اسکو ختم کیا جائے
ساتھ ہی ۸۹ء میں جو کمیونل وائلنس ہوئے اور اس سے قبل ۶۷ء میں جو ہوئے، یہ کس گورنمنٹ میں اتنے رائٹ ہوئے
جو گورنمنٹ ناکام رہی اس گورنمنٹ کو ضرور بدل دیا جائے اور ایسی گورنمنٹ لائیں جو سیکولرزم کو بڑھاوا دے۔
تیسری بات یہ کہ دنگے میں پولس فورس بھی یکطرفہ ہو جاتی ہے ایک سیکولر فورس بنائی جائے جو رائٹ کو دبائے اسمیں
ہندو مسلم سکھ عیسائی، ہریجن سبھی ہوں، چوتھی بات اسپیشل کورٹ بنائی جائے اور گلٹی کو ضرور سزا دی جائے پانچویں
بات جو فنڈامنٹلسٹ ہیں خواہ ہندو ہوں یا مسلم ان کو ضرور بین کر دیا جائے۔ اگر سیکولرزم کو بڑھاوا دینا ہے۔

سنجوگ پرشاد

نفرت اور عداوت ختم کرنے کی جو بات ہے یہ کام صرف کیمونزم کر سکتی ہے کیونکہ اس میں برابری کا درجہ
دیا گیا ہے کوئی شخص اگر بھوکا ہے تو پہلے اسے روٹی دی جائے گی، یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ وہ ہندو ہے یا مسلمان،
دھرم اگر اس راہ میں رکاوٹ ہے تو اسے ختم کرنا ہی ہوگا۔

سپمردایک دنگے میں جو ہنسا ہوتی ہے وہ بہت خطرناک ہے آج بھی گاندھی کے دیش میں ہنسا ہوتی
ہے ہنسا میں کوئی ہندو مسلم نہیں مرتا بلکہ انسانیت کی موت ہوتی ہے، بھائی بندھوؤں کی موت ہوتی ہے اسکا
بنیادی کارن دوسری جگہ ہے آزادی کے سمے بھی گاؤں میں بیس آدمی پڑھے لکھے تھے، آج بھی چالیس یا ساٹھ

ے لکھے ہیں، ان میں کوئی سمجھ نہیں ہے۔ یہ مسجد گئے تو ملاؤں نے کچھ سمجھا دیا، مندر گئے تو شنکراچاریہ نے
سمجھایا۔ ایسے ایسے ہندو میں ہیں اور اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے، آج بھی چالیس آدمی کو گاؤں میں روٹی نہیں
وہ لوگ کسی نہ کسی روپ میں ہنسا کرے گا ہی، ہندو مسلمان کو جوڑ لیجئے تو دوسرے روپ میں ہنسا ہوتی ہے،
اسنتوش سے پیدا ہوتا ہے غریبی، بھوک مری سے پیدا ہوتا ہے۔ اسی کو دور کرنا ہے۔

شفیع مشہدی

ہم جن لوگوں کے انٹلکچول ہونے کا دعوی کرتے ہیں ان میں ایک اچاریہ دنیش شرما جی بھی ہیں، لیکن مسئلہ
ہے کہ وہ کیا کریں، ہم کیا کریں آج یہیں یہ فیصلہ ہو، آپ کی لیڈرشپ میں ایک گروپ بنے جو سوچے اور مختلف علاقوں
میں جاکر ذہن صاف کرے۔ تاریکی میں ایک بھی چراغ جلایا جائیگا تو کچھ تو روشنی ہوگی۔ اقلیت کی حیثیت ہمیشہ سامنے
رکھنی چاہیے اس میں ہمارا کردار کیا ہے، جاپان کے ہیروشیما اور ناگاساکی کے واقعہ سے آج بھی دل دہل جاتا ہے
لیکن آج جاپان لینڈ آف رائزنگ سن بنا ہوا ہے، امریکہ کی معیشت بھی اس کے ٹکنالوجیکل ڈولپمنٹ سے خائف ہے
ہٹلر اور مسولینی کے معاملہ ہی کو لیجئے آج وہی یہودی یورپ کے کوک پٹ (cockpit) میں بیٹھے ہوئے
ہیں، تیسری بات ہے انڈراسٹینڈنگ، محض کسی کی طرف سے دل میں کچھ پال لینا۔ پانی وہیں گندا ہوتا ہے جہاں
نکلنے کا راستہ نہ ملے، بدکردار چند ہوتے ہیں، چوری ہوتی ہے تو بڑی تیاری سے ہوتی ہے، چور بدن میں تیل لگاکر اور
پوری طرح مسلح ہوکر آتا ہے اور آپ اس وقت بیخبر سوئے رہتے ہیں لیکن وہ بڑا بزدل بھی ہوتا ہے آپ صرف پکار دیجیے
ہیں کون ہے تو وہ بھاگ جاتا ہے، تو ریزسٹ کرنے کی بھی کوشش کیجئے تاکہ اینٹی سوشل ایلیمنٹ پر روک لگ سکے،
سرچ لائٹ آفس میں آکر کچھ شرپسندوں نے ایک بار توڑ پھوڑ مچایا تو انڈین نیشن کے لوگوں نے مار بھگایا، ابھی اخبار
میں ایک صاحب کی اپیل شائع ہوئی ہے جس میں مسکراتی ہوئی تصویر بھی آئی، یہ مسکرانے کا موقع نہیں تھا۔
اقلیت کی حیثیت سے ہمیشہ ہمیں یہ ملحوظ رکھنا چاہیے کہ ہمارا کردار کیا ہو، جاپان میں ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم
کا واقعہ ہمارے سامنے ہے، لیکن آج جاپان کیا ہے، میں اور میرا ہندستان تو کیا امریکہ کی معیشت بھی اس سے خائف
ہے، دوسری بڑی مثال یہودیوں کی ہے ہٹلر اور یہودی کا معاملہ، آج دیکھئے یہ یورپ کے کوک پٹ میں بیٹھے ہوئے
ہیں۔ تو یہ کردار بنانے کی بات تھی، پھر انڈراسٹینڈنگ (تفہیم) کی بات بھی ہے، محض کسی کی طرف سے کوئی بات پال کر
نہیں رکھنا چاہیے، اسی طرح کھلے دل سے نہ ملنا اس سے بھی بڑی بیماریاں پھیلتی ہیں، چونکہ پانی وہیں گندا ہوتا ہے
جہاں اسے باہر نکلنے کا راستہ نہ ملے۔ ہندو، مسلم ان دو بڑی کمیونٹیز کی سب سے بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ ہم نے ایک

دوسرے کو cultural manifestation سے جانا، ہم دونوں نے ایک دوسرے کے اسپرٹ کو نہیں
سمجھا، ایک دوسرے کے داخلی حیثیت سے نہیں پہچانا، تو بنیادی اسپرٹ کو سمجھنے کی ضرورت ہے اور اسکی ضرورت
ہے کہ وِل پاور کو کیسے ڈولپ کریں۔ ۱۸ مارچ کو جے پی موومنٹ کے دوران سرچ لائٹ کے دفتر میں آگ لگادی
تو انڈین نیشن کے لوگوں نے resist کیا اور انہیں مار بھگایا، تو اسکی بھی ضرورت ہوتی ہے اسلئے کہ بدکردار یا
برے لوگ ہمیشہ معدودے چند ہوتے ہیں اور اسکی حیثیت اس چور کی ہوتی ہے جو آپ کے گھر میں چوری کیلئے
سے آتا ہے، وہ تیل لگاکے، لنگوٹ باندھ کے، ہتھیارے کر آتا ہے آپ اس وقت بے خبر سوئے ہوئے ہوتے ہیں
لیکن آپ صرف پکار دیتے ہیں کہ کون ہے؟ تو وہ بے تحاشا بھاگ جاتا ہے، یہ ٹھیک ہے کہ آج جو لوگ سامنے آئے
ہیں وہ اتنے کمزور قلب کے نہیں ہیں کہ آپ کہہ دیں گے تو وہ بھاگ جائے گا، تو آپ اس طرح resist کرنے کی
بھی کوشش کریں تاکہ انٹی سوشلزم آپ پر حاوی نہ ہوسکے۔

شمبھو کمار

سمپردایکتا کے سمادھان کے لیے میرے ذہن میں ایک بات یہ آئی ہے کہ مہاتما گاندھی، راجندر پرشاد
اور دوسرے بڑے لوگوں نے جس طرح کام کیا ہم لوگ اس طرح کیوں نہیں کر سکتے۔ اپنے دیش ہی نہیں ساری دنیا
میں کرانتی لاسکتے ہیں، ہمارے سماج میں بہت سارے لوگ ایسے ہیں جو ہندو دھرم اسلام اور سکھ ازم کو اچھی طرح
جانتے ہیں مگر سماج میں سہکار نہیں کر پاتے۔ کوئی بھی دھرم ہو سب کا ادیش ایک ہی ہوتا ہے کہ وہ ستیہ ہو اور
مانوتا کا کلیان ہو چاہے وہ کسی مادھیم سے ہو میں سمجھتا ہوں کہ صرف بھاشا کا انتر ہے اور وہ نام ہے ہندو یا مسلمان
شروع میں لوگوں نے غلطی کی ہے نام ہی نہیں دینا چاہئے اس سے الگ واد پیدا ہوتی ہے، میں نے کئی جگہ لکھا ہوا دیکھا
"گرو سے کہو ہم ہندو ہیں" اسکا مطلب یہ ہے کہ مسلمان بھائیوں کو کچھ ڈاؤن کرنے کی پرتی کریا ہے، مسلم بھائی جب
دیکھیں گے تو ضرور ان کے دل میں ہندوؤں کے خلاف نفرت ہوگی پھر وہ بھی لکھیں گے "گرو سے کہو ہم مسلمان ہیں"
اس طرح یہ بات ہر جگہ پیدا ہوتی چلی جائیگی جو جھگڑے کا گھر ہوگا آخر اس کا سولوشن کیا ہونا چاہئے آپ اپنے بھائیوں
اپنے پڑوسیوں میں کس طرح یہ وشواس پیدا کرسکیں کہ یہ جو ہو رہا ہے وہ غلط ہے۔

شیام ناتھ شرن

سمپردایکتا کا ذمہ دار کون ہے یہاں کچھ پیڑھی کا بھی انتر ہے پہلے مہاتما گاندھی جیسے لوگ تھے آج
راجیو گاندھی ہیں گاندھی نے ۴۷ء میں کوشش کی تھی اس وقت اتنا برا حال بھی نہ تھا وہ تو دیش دیش رٹ کر

پر چھوڑ گئے، یہ تخت پر بیٹھ کر دیش کو بھول گئے یہ اپنی راجنیتی اور اپنی کرسی کے لیے سمپردایکتا کو ہوا دیتے
ہیں راجنیتی سے ٹکرانا ہوگا۔ یہاں لوک تنتر ہے مگر لوک لکت ہوتا جارہا ہے اور تنتر حاوی ہوتا جارہا ہے
جمہوریہ کے بائیکاٹ کا اعلان بھی غلط تھا، الکشن میں کسی پارٹی کو ووٹ دو، نہ دو، پراچین کال میں دھرم
پر حاوی تھا، یہ دھرم والے پھر حاوی ہوتے جارہے ہیں کل پولنگ ہے، دن بھر سیریل اور فلم کا پروگرام ہے
لوگ فلم دیکھنے میں رہیں اور وہاں ووٹ چھپ جائے، ہمودھان کی دھارائیں بدلنی ہونگی، ایکتا ہونی چاہیئے
ہند اور جے شری رام سے ایکتا پیدا نہیں ہوئی۔

عرفان احسن صفدری

عام طور پر لوگ کہتے ہیں دل سے دل ملائے اور یہ سلسلہ جاری رکھیے لیکن میں کہتا ہوں کہ دل سے دل ملائیں
نہیں بلکہ جو دل ملے ہوئے ہوں ان کو نہ توڑیے، دل ملانے کی بات تو مشکل ہوتی ہے۔ مرے ایک ہندو دوست ہیں
ان کی بچی بیمار ہوئی تو سب سے پہلی آواز مجھ کو دی کہ عرفان تمہارا بلڈ گروپ مل رہا ہے، مری بچی کو خون کی ضرورت
ہے۔ یہ اور بات مجھے موقع نہیں مل سکا کسی اور نے یہ خدمت انجام دے دی ایسا کیوں ہوا۔ کل اگر میں سوچوں گا میں
ایک ہندو بچے کو کیوں خون دوں وہ تو ہمارے ہی خون کے درپے رہتے ہیں، تو یہ انسانیت سے گری ہوئی بات
ہوگی۔ فسادات میں ملیٹری پولس کا رول خراب ہوتا ہے، مرادآباد میں پی اے سی نے جینوسائیڈ کیا اسی طرح بہار
میں بی ایم پی اقلیت کی نسل کشی کر رہی ہے اس کے لیے بی اے سی اور بی ام پی میں مسلمانوں کا بھی اپوائنٹمنٹ ہو تبھی
کنٹرول ہو سکتا ہے۔ سیاستداں ہمارے رہنما نہیں ہیں کیونکہ وہ اپنے سوارتھ کے لیے کچھ بھی کر سکتے ہیں۔

عمران احمد

ہر مذہب کی بڑی مضبوط بنیاد ہے، کعبہ اگر ڈھادیا جائے تو اسلام نہیں مٹ جائے گا، کوئی ٹمپل توڑ دیا
جائے تو ہندوازم کا خاتمہ نہیں ہوگا، اگر جا توڑ دیا جائے تو عیسائیت ختم نہیں ہوگی، ہم مذہب کو کسی صورت میں
ختم نہیں کر سکتے، ان لوگوں کو بھی لایا جائے جو آپ سے اختلاف کرتے ہیں، مثلاً ڈاکٹر آریہ کو بھی بلایا جائے
ان کے خیالات بھی سنے جائیں۔

اس وقت جو حالات ہندستان میں ہیں، نئی نسل کے ذہن میں چند سوالات اٹھتے ہیں۔ مسجد مندر
ایشو میں حکومت کا کیا ہاتھ ہے کیا رول رہا ہے تالا لگا تالا کھلا اس پرابلم سچویشن میں ہم کیسے پہنچے ہیں۔ آزادی

کے بعد بھی ابتک فیصلہ نہیں کر پائے کہ ایک ساتھ رہنا ہے، وجہ کیا ہے، علاج کیا ہے۔ دنیا میں کتنے انقلاب ہو چکے ان کے ہیروز آج ان کے ویلن ہیں، اتنے ڈیکیڈ تک جو جھوٹ بولا گیا ہے چاہیں گے کہ سچ بولا جائے ۱۹۴۷ء میں ہندستان کا انڈیپنڈنس نہیں ہوا، پارٹیشن ہوا ہے۔ تقسیم کے وقت ہم نہیں تھے ہم سے پوچھا نہیں گیا وہ سب کانگریسی تھے، آج ہم کیوں بھگتیں گے۔ اس وقت کی لیڈرشپ ذمہ داریوں کو چھوڑ بیٹھی تھی۔ اور بیٹھنے کیلئے سیاست کی کرسی چاہیے تھی۔ آج کے حالات میں سماج کو سوشل ایمبونس کی ضرورت ہے دانشوروں کو چاہیے اس پر غور کریں ٹیمز آف پینل کے ذریعہ سوشل ایمبولینسیز تیار کیے جائیں تو فائدہ مند ہوگا۔ ہر عمر کے لوگوں کو چاہیے کہ انہیں اخلاقی انسانی ہمدردی

فضل احمد

کیمونلزم اور نیشنل انٹگریشن دونوں اہم مسئلے ہیں، میں نے اس کا مطالعہ کیا سروس میں تجربہ کیا کبھی کامیاب رہا کبھی ناکام ہوا کبھی تکلیف اٹھائی کبھی خوشیاں حاصل کی، تجربے کی بنا پر کہتا ہوں کہ ہماری قوم میں کیمونلزم نہیں ہے خواہ ہندو ہوں یا مسلمان ان کو ہوا دی جاتی ہے اور اہل اقتدار انہیں ہوا دیتے ہیں ورنہ ۱۹۶۹ء میں خود اندرا جی نے کہا تھا کہ احمد آباد رائٹ کے بعد اب دیہاتوں میں یہ واقعات نہیں ہوتے شہروں میں ہوتے ہیں اور بدقسمتی سے تعلیم یافتہ طبقہ اس میں حصہ لیتا ہے، دو سال قبل بی ان پانڈے نے خدا بخش میں قومی یکجہتی پر لکچر دیا تھا اسے لائبریری نے شائع بھی کر دیا ہے اس خطبے میں پانڈے جی نے نصابی کتابوں میں پھیلے زہر اور غلط تاریخی حقائق کا پردہ فاش کیا ہے اور بہت کچھ مثالیں دی ہیں لیکن وہ کتابیں آج بھی ہمارے اسکول کالج میں پڑھائی جاتی ہیں، دراصل شروع ہی سے نفرت کی بنیاد رکھی جاتی ہے اور دیوار انگریزوں نے کھڑی کی ہے لیکن آزادی کے بعد سوائے زبانی جمع خرچ کے اور کچھ نہیں ہوا، اسکول کی کتابوں کی تصحیح آج تک نہیں ہو سکی ۱۹۶۴ء میں یونیسکو کے تحت کونسل بنی تھی پھر ان سی ای آر ٹی بنی مگر وہ بھی زیادہ ترقی نہ کر سکی ۱۹۶۱ء میں نیشنل انٹگریشن کونسل جبل پور رائٹ کے بعد بنی ۱۹۶۱ء کے بعد صرف دو ایک میٹنگ ہوئی۔ جب بھی کوئی بڑا واقعہ ہوتا ہے تو صرف باسی کڑھی میں ابال ہوتا ہے لوگ خواب خرگوش ہو جاتے ہیں، یہ سب خالس، فیک، فول، فیوٹائل اور فریب ہے۔ صلاحیت پر میں کبھی شک نہیں کرتا، کوئی مسلم ذہانت میں کسی سے کم نہیں، دراصل نیتیں صاف نہیں، ویسٹ بنگال حکومت کی کارکردگی اس معنی میں شاندار رہی سوائے ایک بار بھیورمرشدآباد فساد کے جس میں محدود ۴۰ آدمی مارے گئے، پھر ۱۹۸۰ء سے کوئی بڑا واقعہ رونما نہیں ہوا۔ جولائی سے آج تک جو بھی فساد ہوا وہ خاص قسم کے اسٹیٹ میں ہوا، پولس ایڈمنسٹریشن چاہے تو واقعات میں کنٹرول ہو سکتے ہیں احمد آباد کی طرح تین سال تک فسادات نہیں چل سکتے میں نہیں مانتا، یہ نیتوں کا سوال ہے

صلاحیت کا سوال نہیں مسلمانوں کے سلسلے میں جو غلط فہمیاں ہیں کہ وہ فورنرس ہیں تو اس ملک میں سبھی فورنرس
ہیں سوائے آدیباسی کے بلکہ دراوڑ بھی شاید اسمیں اختلاف ہو۔ یہاں جتنے بھی حکمراں آئے سوائے انگریز کے سبھوں
نے اس ملک کو اپنا ملک سمجھا اسکو ترقی دی سبھوں نے اس ملک کی ثقافت، تہذیب و ترقی میں نمایاں حصہ لیا حتی کہ
انگریزوں نے بھی، یہ کہنا کہ وہ اس ملک کے باشی نہیں غلط ہے۔ یہ کیوں کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں نے اس ملک پر حملہ
کیا، دوسری قوم جو بھی آئی ان کے مذہب پر کمنٹ نہیں کیا جاتا، کرشچین آئے، رشین آئے مگر صرف مسلمانوں کا نام کیوں
لیا جاتا ہے، ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم گرا تو کیوں نہیں کہا جاتا یہ کرشچین بم تھا، فرقہ وارانہ فسادات کے سلسلے
میں سچی بات یہ ہے کہ نیت صاف ہو تو ہم روک سکتے ہیں، لوگوں نے روکا بھی، جوڈیشیل انکوائری کی بہت ساری رپورٹیں
شائع ہوئیں، جسٹس ریڈی کی احمد آباد رپورٹ، جسٹس سکینہ کی مراد آباد رپورٹ، میرٹھ کی رپورٹ، سنہا کی جمشید پور
رپورٹ، یہ سب ایماندارانہ رپورٹیں تھیں جو شائع بھی ہوئیں مگر کوئی کاروائی نہیں ہوئی، کیا فائدہ ایسی انکوائریوں کا
جس میں وقت، پیسہ ضائع ہوتا ہے مگر عمل ہی نہیں ہوتا۔ ہم نے ایماندارانہ طور پر مرض کی تشخیص نہیں کی گو ہم میں
صلاحیت تھی مگر ہمت اور ذہنی ایمانداری نہیں تھی۔ مذہبی تحریک ویسٹرن ورلڈ سے شروع ہوئی ایرانی انقلاب کے بعد
اسلامک فنڈامنٹلزم کی بات پیدا ہوئی، قرآن کہتا ہے "ہر زمانے میں خدا نے ہادی بھیجے" اور دوسری جگہ فرمایا" ہم نے
نبوت کے لحاظ سے کوئی تفریق نہیں کی" دنیا میں جتنے بھی ہادی پیغمبر رشی منی خدا نے بھیجے ہم ان کی پاکی پر یقین کرتے ہیں
ہم یہ نہیں کہہ سکتے رام میرا ہے کرشن میرا ہے حضرت محمدؐ میرے ہیں، وہ سب کے لیے ہیں۔ مری امیدیں اس ملک اس
قوم سے وابستہ ہیں۔

کملیش کنول

کتابیں لکھنے اور اتہاس کے ساتھ چھیڑ چھاڑ جو ابھی جاری ہے، اس طرح کیسے سمپردایک سدبھاؤ رہے،
اورنگ زیب وکرت آدمی تھا، اگر ہم رام کو غنڈہ مان لیں تو کیا ہرج ہے، اسلیے ضرورت ہے کہ ہم ان روڑھیوں کو توڑ دیں
مروڑ کر موڑ دیں اور جس سے دیش کا بھلا نہ ہو وہ کام چھوڑ دیں۔
غلط فہمیوں کو دور کرنا اور درشکوں کا دل جیتنا بہت ضروری ہے، دیش کا وبھاجن ہم ابتک نہیں بھول
پائے کہ ہم مسلمان ہیں وہ ہندو، ہندستان جو وبھاجت ہوا ہے ہم اسکو توڑنے کے لیے پریاس کریں چاہے وبھاجن
سماپت ہو یا نہ ہو وہ اس کے لیے سکری ہو جائیں ہندستان میں صرف ہندو لوگ جیسے آر ایس ایس اور کچھ دوسرے
لوگ آواز اٹھا رہے ہیں کہ بھارت اکھنڈ ہو۔

ڈاکٹر محمود الحسن

عقیدہ اور اصول اپنی جگہ ہوتے ہیں عمل بڑی چیز ہوتی ہے، سماج ریفلکٹ کرتا ہے، دراصل ہندستان میں مسلم سماج جس طرح بنا ہے، جو بد عنوان ہے بے ایمان اسی طرح ہے جیسا ہندو سماج میں ہوتا ہے، علیگڑھ جامعہ کی تاریخ میں آج تک کوئی وائس چانسلر نہیں آیا جو سید نہ ہو پٹھان نہ ہو، کیا یہ ریفلکٹ نہیں کرتا ہے۔

اندرا گاندھی قتل کے بعد دلی میں جب ہندو اور سکھ کے درمیان دنگا ہوا اس وقت دلی میں تھا اس وقت لوگ خوفزدہ تھے کہیں سکھ ہم پر حملہ نہ کریں مسجد سے ایک رات مائک سے اعلان ہوا ہشیار ہو جائیں سکھ حملہ کرنے والے ہیں، وہی اعلان مندر سے ہو رہا تھا، مندر کے اعلان کو مسجد ریسیو کرتا تھا اور یہاں بھی اعلان ہوتا تھا سب لوگ پریشان تھے، حالانکہ دور دور تک کہیں سکھ کا نام و نشان نہیں تھا اور وہ بہت دور سے اتنی بڑی ہندو مسلم آبادی پر کیوں حملہ کرنے لگے، میں نکلا اور بڑھتا گیا کہ دیکھیں کدھر سے کون حملہ کرنے آ رہا ہے، دور تک کوئی نام و نشان نہ تھا واپس لوٹا اور لوگوں کو تسکین دلایا کس طرح منظم کوشش ہوتی ہے کسی موقع سے ابھارنے کی، عوام کو ساتھ کرنے کی، عام لوگ فرقہ پرست نہیں ہوتے خاص لوگ بھی نارمل حالات میں فرقہ پرست نہیں ہوتے، ایسے موقع پر تھوڑا ہمت اور عقل سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ پھر یہ کہ لوگوں میں یگانگت کا احساس پیدا کیا جائے، ایک دوسرے کو لوگ پہچانیں۔ بہت سی تعلیمی تنظیمیں وجود میں آئیں ہمارے ملک میں ان کی رپورٹ میں اس بات کی طرف دھیان نہیں دیا گیا کہ اگر ہندو اور مسلمان ایک خاص سطح پر اور ایک خاص انداز میں ایک دوسرے کے مذہب کو سمجھ سکیں تو ہماری سماجی زندگی پر اسکا مثبت اثر پڑے گا ہمارے انتظامیہ پر بھی اسکا اچھا اثر پڑے گا اور اس کے لیے ظاہر ہے کہ مذاہب کا مطالعہ ضروری ہے، ایک بات میرے ذہن میں یہ آتی ہے کہ ایسے ادارے جو ہندوؤں کے ہاں یا مسلمانوں کے ہیں پاٹھ شالہ یا اونچے ادارے جہاں مذہب کی تعلیم دی جاتی ہے وہاں یہ کام شروع ہو تو بہت فائدہ ہوگا، ایک دوسرے کے مذاہب کو جاننے کی ایک عملی کوشش ہونی چاہئے یا ایسی کتابیں تیار کی جائیں جو ہندو مذہب یا دنیا کے جو اور عالمی مذاہب ہیں ان کو سمجھنے میں مدد ملے اس طرح سے ہندو اداروں کو بھی اسلام مذہب کی کتابیں چھاپنی چاہئے اس سے غلط فہمیوں کا ازالہ ہوگا اور ذہن بننے میں معاون ثابت ہوگا۔

محمود عالم

محبت اور نفرت کے جذبات متوازی ہوتے ہیں، محبت کی ہوا چلنی چاہئے، مسلم کی حیثیت سے اپنے حلیف یا حریف کو اخلاقی میدان میں ہی شکست دے سکتے ہیں تاکہ وہ کہہ سکیں کہ مسلمان ہی کا معاشرہ اچھا ہے۔

یکتا کی جڑ نیتکتا میں ہے آج جو کچھ ہو رہا ہے اسی وجہ سے ہو رہا ہے۔ نیتکتا کا مطلب ہے سچ کو
ٹ کہا جائے ہم لوگوں میں سے کسی میں ایسی ہمت نہیں رہ گئی ہے کہ حق کو حق کہیں اور غلط کو غلط
سے اچنبھا ہوتی ہے انڈیا اور پاکستان کے بیچ کرکٹ میچ میں پاکستان ہار جاتے تو ہندو خوش
ہار جائے تو مسلمان خوش ہوتے ہیں۔ آخر کیوں؟ اسکا برا پربھاؤ بچوں پر پڑتا ہے، ہم جو کچھ بھی اچھا
بچوں کے لیے کرتے ہیں ان بچوں میں ہم بیج بو رہے ہیں، یہیں سے سمپردایکتا کو ابھارتے ہیں،
لیے نیتکتا بہت ضروری ہے۔ اس طرح الکشن میں ہم غلط لوگوں کو چنتے ہیں، چونکہ ہم سچ کو سچ
غلط کو چن کر بھیج دیتے ہیں، وہ وہاں جاکر سیکولرزم کی بات کرتے ہیں مگر وہ خود نہیں جانتے سیکولرزم
دنگا پھیلاتے ہیں، ہم لوگ تو کچھ بھی نہیں جانتے۔ اس لیے ہم لوگ سچ کو سچ کہنے کے لیے تیار
یہاں سمینار میں باتیں تو کرتے ہیں، یہ ہونا چاہیے وہ ہونا چاہیے مگر اسکو کار رچ روپ دینا چاہیے
سیا حل نہیں ہو گی۔

دیش میں جو بھی دنگا فساد کرتا ہے وہ ہندو یا مسلمان کا دشمن نہیں دیش کا دشمن ہے۔ اگر آپ کو
ہے تو آپ ملک میں ہرگز خون خرابہ پسند نہیں کریں گے، میں صرف اپنے بھائیوں سے یہ التجا کروں گی
س آدمی یہ بات لوگوں تک پہنچائیں تو کتنوں تک یہ پہنچ جائے گی جب فاقے ہوتے ہیں لوگ کسمپرسی
، وہ پچاس ہزار کیمپوں میں پڑے ہیں، انہیں تو ملک ہی کو کھلانا پڑیگا، اسکا بوجھ تو ملک ہی پر پڑے
کریں کہ ہم خود ہی ملک کے دشمن ہیں تو پھر جو چاہیں کریں۔ یہ آپس میں نام رکھنے کی بات بھی بیکار
ے اس سے ہماری شخصیت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، اگر اسکا بھی ہماری شخصیت پر اثر پڑنے لگے تو ہمارا ملک
ا، جتنی مشکل سے آزادی حاصل ہوتی ہے اس سے زیادہ اسکی حفاظت مشکل ہوتی ہے، اگر آپ کو
فاظت کرنی ہے تو یہ پیغام گھر گھر پہنچا دیں کہ جو فساد کرے گا وہ ملک کا دشمن ہوگا یہ الکشن جو یہاں
پ سب لوگ طے کریں کہ جو خود خواہشمند ہو ہم اسکو ووٹ نہیں دیں گے بلکہ جس کو ہم مل کر کھڑا کریں جس نے
ے لیے کچھ خدمت کی ہو ہم اسے ووٹ دیں گے، آج ووٹ میں لاکھوں خرچ کرتے ہیں اور کروڑوں کماتے
تیس چالیس فیصد جو پڑھے لکھے لوگ ہیں ان میں سے ہر شخص ایک مشن بنالے تو پھر دیکھیے کیا ہوتا ہے اس ملک میں۔

نرائن جھا

میں برہمن پریوار کا لڑکا ہوں، دیوہار کا بھی ادھیین کیا ہوں، متھلا سنسکرتی اپنے پرمپرا کا بھگت ہوں
اپنشد میں کہا گیا ہے "ہم ایک برہمانڈ کو پریوار کے روپ میں دیکھتے ہیں" ان باتوں کے باوجود میں سب سے پہلے
منش ہوں، یہی جیون کا اُدّیش ہے، ایک بار ایک محمدن حکیم کے پاس گیا، ان سے صاف صاف بتایا کہ میں
ہندو ہوں، انہوں نے دوا بھی دیا حال بھی پوچھا، وہ مجھے بیٹا کی طرح ماننے لگے، سمپردایکتا کو کاٹنے کے لیے ہم خود
کافی ہوسکتے ہیں اگر ہم اپنے اپنے استر پر کوشش کریں۔

وجیہ الدین

کیمونلزم ایک ایسا مسئلہ ہے جس نے ہندستان کی جڑوں کو ہلا رکھا ہے، ہمارا کونسٹی ٹیوشن بڑا انوکھا ہے یہ
درست ہے مگر صحیح طور پر یہ رائج ہوا یا نہیں، برابری سماج میں ہے یا نہیں، یہ بھی دیکھنا ہے، دوسری بات یہ کہ سرکار اور پولس
ہماری مخالف ہے اس پر زیادہ امید نہیں کی جاسکتی، بھاگلپور کا واقعہ معمولی نہیں، آگے دوسرا تیسرا بھاگلپور نہ بنے
اس پر غور کرنا ہے، لینگویج پرابلم بھی کیمونلزم کو بڑھانے لگا ہے اسے معمولی نہ سمجھا جائے، اردو ہندی کا معاملہ سنگین
بھی ہوسکتا ہے، تھری لنگویج فارمولا میں ایک نیشنل ہندی ہے لیکن موڈرن لنگویج کے طور پر سنسکرت لایا جائے
اردو کی دیوستھانہ کی جائے یہ غلط ہے، اردو کے خلاف جو نعرے لگائے گئے، اردو ہندی جڑواں نہیں ہے اور" اردو
تھو بالڑکوں پر خون گرے گا سڑکوں پتہ آج کہا کل بہا دیا، عثمانیہ یونیورسٹی میں ڈاکٹر چنا ریڈی نے ام بی اس اردو
میں کیا تھا، اردو پڑھ کر ٹکنالوجی بھی اپنائی جاسکتی ہے، اسی طرح " اردو کورس چاہئے تو پاکستان جائے" جیسے نعرے
کیا اختلاف پیدا نہیں کرتے، ٹی وی پر مختصر رامائن ہے، مختصر مہابھارت ہے مگر مختصر قرآن نہیں ہے، یہ صحیح ہے کہ تعلیم
کی کمی ہے مگر فرقہ واریت کو پشرونائزیشن ایجوکیٹیڈ لوگوں سے ملتا ہے بڑے بڑے گھروں سے یہ ہو رہا ہے، پیسہ
اور دماغ ملتا ہے، فرقہ واریت میں پڑھے لکھے لوگ شامل ہیں، آخر یہ ایسا کیوں کرتے ہیں شاعری میں بھی اب مایوسی آگئی ہے
فسادات میں مکانات جلتے ہیں، لوگ گاجر مولی کی طرح مارے کاٹے جاتے ہیں اس وقت جب کرفیو
نافذ ہوتا ہے، انکوائری کمیشن بیٹھتی ہے مگر انکوائری رپورٹ کہاں جاتی ہے ۱۹۶۰ء میں جمشید پور میں رائٹ ہوا،
۱۹۴۷ء میں رائٹ ہوا، ہم موت وزیست کے درمیان جھوتے رہے اس میں کتنے لوگوں کو سزا دی گئی، پارٹیشن کا دکھ
جو ہماری نسل کو لگا اسے اظہار نہیں کیا جاسکتا ۱۹۵۲ء سے ایک نئی پارٹی وجود میں آئی ۱۹۵۲ء سے ۱۹۹۰ء تک فعال
رہی اور گل کھلاتی رہی افسوس ہے کہ اب خشونت سنگھ جیسا ایک ایماندار صحافی بھی اس میں شامل ہوگیا ہے۔

ضمیمہ

پٹنہ کے شہریوں کا مشترکہ پریس بیانیہ

ہندستان ایک سخت دور سے گزر رہا ہے ہم نیتاجی کے نقش قدم پر چلنے والے محسوس کرتے ہیں کہ قومی ایکتا اور وحدت کو ہر حیثیت میں بچانا ہے، بھارت ہمارا ملک ہے، اس ملک کی سب عورتوں کا سب مردوں کا ملک ہے، ہر بوڑھے اور جوان کا ملک ہے اور ہم سب کا فرض ہے کہ اسکو بچائیں اسکی حفاظت کریں۔ کچھ تنگ دل لوگوں نے اس عظیم بھارت کو آپس میں بانٹنے کا رویہ اپنایا ہے، کبھی یہ دھرم اور مذہب کی بنا پر بانٹتے ہیں کبھی جاتیوں میں بانٹتے ہیں کبھی زبان کا بھاشا کا سوال اٹھا کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینا چاہتے ہیں، یہ بڑا خطرناک رجحان ہے اور ہم اپنے تمام بھائیوں بہنوں سے اپیل کرتے ہیں کہ ان سے بانٹنے والی طاقتوں کے خلاف صف آرا ہو جائیں اور ان کے ملک دشمن عزائم کو کامیاب نہ ہونے دیں اس میٹنگ نے اس بات کا بھی چرچا کیا کہ نیتاجی نے آزاد ہند فوج بناتے وقت ایک عوامی جلسے میں کہا تھا، نوجوانوں کو خطاب کرتے ہوئے کہ "تم اور ہم خوش نصیب ہیں کہ ایسے زمانے میں پیدا ہوئے جب ہندستان کو ہماری ضرورت ہے۔ اس بات سے بڑی عزت اور کیا ہوگی کہ ہم اپنے مادر وطن کے لیے کوئی حقیر سی قربانی دے سکیں، بھگت سنگھ، اشفاق اللہ اور چندر شیکھر کبھی نہیں مریں گے وہ امر ہیں" بیان جاری رکھتے ہوئے کہا گیا ہے کہ ہندستان صدیوں سے دنیا کے تقریباً ہر مذہب کا گھر رہا ہے اور ہر مذہب نے اپنے اپنے طور سے قوم کی عظمت کو بڑھایا ہے اور یہ اسلیے کہ تمام ہندستانی ہر مذہب کی عبادت گاہ کا احترام کرنے کی قدیم روایت پر خوش دلی سے عمل کرتے رہے ہیں۔ ہمیں اس روایت پر فخر ہے اور ہم اس کو قائم رکھنے کے لیے اپنی پوری جدوجہد کریں گے۔

"رام جنم بھومی بابری مسجد مسئلے پر ہماری یہ سوچی سمجھی رائے ہے کہ ایودھیا میں رام مندر بننا چاہئے لیکن بابری مسجد کی عظمت و وقار پوری طرح محفوظ رکھا جانا چاہئے۔ مسجد گرا کر مندر بنانا ہماری روایت نہیں ہے۔ ہماری روایت میں

مسجد و مندر ساتھ ساتھ چلتے ہیں ہمیں اس روایت کا پاس رکھنا ہے، اس روایت کو زندہ رکھنا ہے اور اسی روایت کو آگے بڑھانا ہے اور اسی لیے ہم عوام سے اپیل کرتے ہیں خاص کر نوجوانوں سے کہ ہندستان کی اس ایکتا اور اس خوبصورتی کو بچانے کے لیے مل کر آگے آجائیں اور قوم دشمن عناصر سے اس دیش کو تباہ ہونے سے بچالیں جے ہند۔

(کرنل محبوب احمد، رامائن سنگھ، معزز جہاں، عمران احمد، رام آدھار سنگھ، ڈاکٹر عابد رضا بیدار)

اداریہ نوبھارت ٹائمز

تاریخ میں ہم پڑھتے ہیں کہ ہندستان اپنی آپسی پھوٹ کے سبب بار بار ہارا اور بکھرا لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ وہ لوگ اور تھے جنہوں نے وہ پرانی بیوقوفیاں کیں۔ بیسویں صدی میں رہنے والے ہم روشن خیال لوگ مانتے ہیں کہ تاریخ سے ہم اتنا تیکھا سبق لے چکے ہیں کہ اب ہم ان غلطیوں کو دہرا ہی نہیں سکتے جو ہمارے اسلاف نے ایک تاریک زمانے میں کی تھیں لیکن ایسا نہیں ہے، ہم وہی ہیں جو ہمارے اسلاف تھے، اگر ان کی دم ٹیڑھی تھی تو آج ۱۹۹۰ء میں ساری دنیا کی آنکھوں کے سامنے ہماری بھی دم ٹیڑھی رہی ہے لیکن ہم انکار کر رہے ہیں کہ ایسا ہو رہا ہے کہ اپنی آپسی پھوٹ کے سبب ہندستان ایک بار پھر بکھر رہا ہے۔ اگر ہم مان بھی رہے ہیں تو اس پھوٹ کا ٹھیکرا کسی دوسرے کے سر پر پھوڑ رہے ہیں اور ہم بھول رہے ہیں کہ ہندستان کے بکھرنے کے بعد یہ سوال بے مطلب ہو جائے گا کہ بکھراؤ کے لیے زیادہ دوشی کون تھا۔

ذرا آس پاس دیکھئے، پنجاب بھارت کے ہاتھ سے جا رہا ہے۔ ویاس ندی کے اس پار بندوق والوں کا راج لگ بھگ قائم ہو گیا ہے اور سرکاری مشینری تار تار ہو چکی ہے۔ اتنے ہزار قتل پنجاب میں ہو چکے ہیں لیکن عدالت میں کوئی مقدمے نہیں چل رہے ہیں، اسکولوں میں قومی گیت نہیں گایا جا سکتا اور ہندی نہیں پڑھائی جا سکتی گاؤں میں کتے پالنے کی مناہٹ ہے کیونکہ وہ بھونک کر پولس یا سی آر پی کو آگاہ کر سکتے ہیں سرکاری انجینئر ان علاقوں میں سڑک نہیں بنا سکتے کیونکہ سڑکوں پر سرکاری گاڑیاں آجا سکتی ہیں، بجلی کا بل ان علاقوں میں کوئی نہیں بھرتا اور درجنوں بجلی کرمچاری مارے جا چکے ہیں لیکن آمدنی کا دسواں حصہ وصول کرنے کے لیے دھمکیاں آتی ہیں اور اغوے ہوتے ہیں اور پیسہ دینا ہی پڑتا ہے۔ پاکستان میں بیٹھی سوہن سنگھ کی پنتھک کمیٹی حکم دیتی ہے تو پنجاب کے سارے اخبارات اپنا طرز بیان بدل دیتے ہیں اور وہ آتنک وادیوں کو ملیٹنٹ لکھتے ہیں، شاید آئندہ پنجاب کو خالصتان بھی لکھنا پڑے اور سرکاری دفتروں کو بھی حکم ہو جائے کہ جو پنجاب لکھے گا وہ مارا جائے گا پنتھک کمیٹی نے پنجابی کے

استعمال کا حکم دیا تو اس کا فوری سرکاری دفتروں میں پالن ہونے لگا، اتنی تیزی سے تو ملائم سنگھ یادو کی ہندی استعمال کی ہدایت کا بھی اترپردیش میں پالن نہیں ہوا ہوگا۔ پولس کے اعلیٰ افسران مارے جارہے ہیں، سینا کے ٹینکوں پر سرنگ لگا کر حملے ہورہے ہیں، بسوں میں مسافروں کو پکڑ کر مارا جارہا ہے۔ کھاڑکو لوگ اب چھپے نہیں رہے اور بچ نہیں رہے وہ پولس، سی آر پی اور بی ایس ایف کے سامنے آکر اسے چنوتی دے رہے ہیں اور سب کو ناکارہ ثابت کر رہے ہیں۔ اخبار جان ہتھیلی پر لے کر نکل رہے ہیں اور ان کے مالک گویا جنگی علاقے میں ایک خندق کھود کر بہادری سے بیٹھے ہوتے ہیں جب اخبار بنٹتے ہیں تب سائیکل پر ہاکروں کے ساتھ بندوق دھاری سپاہیوں کو جانا پڑتا ہے، سکھ آبادی اپنے گاؤں چھوڑ چھوڑ کر شہروں میں بس رہی ہے، ظاہر ہے کہ یہ دہشت گردی ختم ہو تو سب سے زیادہ راحت اس سے پنجاب کے سکھوں کو ملے گی لیکن جب دلی کے سر کے اوپر یہ سب چل رہا ہے تب گنگا جمنا والے آریاورت کا دھیان کہاں ہے؟

آریاورت کی سب سے بڑی چنتا یہ ہے کہ ۱۵۲۷ء میں بابر نے جس مسجد کو بنوایا تھا اس کا فیصلہ آج اور ابھی ہو کیونکہ اگر آج اور ابھی فیصلہ نہیں ہوا تو شاید بھگوان رام کی شکست ہو جائیگی اور ۱۹۹۱ء تک بابر کا راج سارے ہندستان پر قبضہ ہو جائے گا۔ یہ کتنی افسوسناک صورت حال ہے کہ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو پہلی بار ملے اس بلبے چوڑے آزاد دیش کو ہم اپنی ناک نہیں مانتے، اپنی لاثانی جمہوریت کو ہم اس دھرتی کا سب سے نایاب چمتکار مندر نہیں مانتے، ۴۳ سال تک اس دیش کے ایک اور اکھنڈ رہنے کو ہم دنیا کا آٹھواں عجوبہ نہیں مانتے لیکن ۱۵۲۷ کا ایک بھولا بسرا مقدمہ جیتنے کے لیے ہم قومی تحریک کے پونے دوسو سال کے سرمائے کو لٹانے کے لیے تیار ہیں ظاہر ہے کہ ہم ایودھیا کے لیے نہیں بلکہ ۱۹۹۰ء کی نئی سنجوگیتا کے لیے لڑ رہے ہیں۔

آپ کو ایسی کئی کتھائیں یاد ہونگی کہ جب حملہ آور لاہور آگیا یا پانی پت آگیا تب بھی دلی کے سلطان اپنی رنگ رلیوں میں محو رہے، دلی والوں کو اپنی دلی، سونی پت اور گڑگاؤں سے بھی ہمیشہ دور لگتی رہی ہے ایسا اب بھی ہو رہا ہے۔ جب بھارت کے پردھان منتری کو اپنا وقت کشمیر، پنجاب، آسام اور تاملناڈو کے لیے دینا چاہیے تب لوگ ایودھیا کو مسئلہ نمبر ایک بنانے پر آمادہ ہیں۔ لیکن اگر ہمارے ایک لیڈر نے دیش کو ایودھیا کیندرت اور دوسرے نے اسے جاتی کیندرت کر دیا تو آریاورت کے اس شل کرنے والے ہنگامے میں ہمیں پتہ ہی نہیں چلے گا کہ بھارت کے مختلف صوبے کیا ہم سے کٹ کر الگ ہو گئے۔ اگر ہم اپنے آپ کو مفلوج کریں گے تو معلوم بھی نہیں ہوگا کہ پڑوس کے کمروں میں کون آیا تھا جو گھر کا سارا سامان اٹھا لے گیا۔

ایڈوانی کہتے ہیں کہ میری لڑائی مسلمانوں سے نہیں، نقلی سیکولر عناصر سے ہے اور ان ہندوؤں سے ہے جو
اپنے ہندو ہونے کو حقارت سے دیکھتے ہیں اور مسلمانوں کی ہر موڑ پر حوصلہ افزائی کرتے ہیں، اس بحث کو فی الحال
چھوڑیئے، لیکن ہمارا کہنا یہ ہے کہ لال کرشن ایڈوانی جن ہواؤں کو بڑھاوا دے رہے ہیں ان کے چلتے مستقبل میں خطرہ
یہ ہے کہ ہندوؤں کے ہاتھوں ہی یہ ہندستان نہ ٹوٹ جائے۔ اگر ایودھیا واد اور جاتی واد کے سبب دیش بنتا رہا
اور مرکزی سرکار کو سانس لینے اور ہوش میں آنے تک کی فرصت نہیں ملی تو کشمیر اور پنجاب ہم کھو دیں گے اس کے بعد
اگر ہندو اکثریتی بھارت کے ہندوؤں نے اس دیش کی اکھنڈتا کے تئیں اپنا بھرم کھو دیا تو وہ کون سی ڈوری
ہے جو آسام یا تامل ناڈو کے ہندوؤں کو بھارت سے باندھ کر رکھ سکیں گی۔ پنجاب کو الگ ہوتا دیکھ کر آسام کیوں نہیں الگ
ہونا چاہے گا؟ اس طرح ایودھیا میں ہمیں مندر مل جائے گا لیکن ہم سچ مچ، ۵۲ ایں جا پہنچیں گے اور یہ سب
ہندوؤں کے ہاتھوں ہوگا کیونکہ کشمیر کے علاوہ مسلمان اب کہیں بھی کیا کر سکتے سوائے اس کے کہ وہ آریاورت
کو بھی لبنان کی طرح چھلنی کر دیں۔ ایک مستحکم اور پائیدار ہندو راشٹر جب آریاورت کی دھرتی پر بھی قائم کرنا مشکل
ہے اور لال کرشن ایڈوانی جب کوئی دھرم راج سچ مچ چاہتے ہی نہیں تو یہ سارا بکھیڑا ہو کس کے لیے رہا ہے؟

نقلی سیکولر لوگ ہندوؤں کو حقارت سے نہ دیکھیں اور مسلمانوں کی بیجا پشت پناہی نہ کریں یہ بھی اندولن
کا ایک جائز ایشو ہو سکتا ہے لیکن ذرا ان مدّوں کو سموچی تصویر کے اندر رکھ کر دیکھئے تب لگے گا کہ لوک تنتر کی منڈی
آپنچے میں لمبے عرصہ تک جھوج کر ان کا حل کھوجا جا سکتا ہے، سارے دیش کو جلا کر آج اور ابھی ان کا حل کون درست
مانے گا، سنجوگیتا کی خاطر لڑائی لڑنا بھی متعلقہ فرقوں کو ان دنوں حیات و موت کا ہی سوال لگا ہوگا لیکن اگر ہمارا نظریہ
آج بھی محض سنجوگیتا پر مبنی ہے تو پھر ہم میں اور ہمارے اگلوں میں فرق کیا رہا تھا اس کی بھولوں نے ہمیں کیا سکھایا؟

جے دیپ سنگھ برار

قائداعظم محمد علی جناح شاید ہندستانی برصغیر کے بیسویں صدی کے سب سے کامیاب لیڈر تھے۔ کسی بڑی
سیاسی جماعت، تنظیم، سیاسی پروگرام یا مسلم طاقت کے بغیر انہوں نے ہزاروں سال کی تہذیب اور جدید دور میں ملحقہ ہندستان
کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کرکے نئے مذہبی ملک پاکستان کو قائم کرنے میں کامیابی حاصل کی۔

پاکستان کے قیام کے لیے ان کے پاس اپنے قلم اور زبان کے علاوہ اور کوئی طاقت نہیں تھی۔ اس قلم اور زبان سے
انہوں نے مسلم ملک کے نظریے کو بڑھاتے ہوئے ایک ایسا مذہبی ملک قائم کیا جس کے بارے میں انہوں نے اعلان کیا

تھا کہ وہ ہندستانی مسلمانوں کے لیے دھرتی پر جنت کے مانند ہوگا۔ ہندو وہاں پر مسلمانوں پر حاوی نہیں ہوں گے اور مسلمانوں کو اپنے سنہرے مستقبل کی تعمیر کی آزادی ہوگی۔ یہ بات اور ہے کہ آج تک اس دھرتی پر جنت، یعنی پاکستان میں، تاناشاہوں اور فوجی جنرلوں کو ہی اپنا سنہرا مستقبل بنانے کی آزادی رہی ہے کسی عام آدمی کو نہیں۔ بہرحال نوتعمیر اس جنت میں قائداعظم محمد علی جناح اور لیاقت علی خاں جیسے لوگ ہوائی جہازوں پر چڑھ کر ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان کا پرچم بلند کرنے چلے لیکن اسی جنت میں بسنے کے لیے سنہرے مستقبل کا خواب لے کر چلے لاکھوں مسلمانوں کی کٹی ہوئی لاشیں بھی ٹرینوں میں لد کر پہنچیں۔ حالانکہ ان بے گناہوں اور غریبوں کے بسنے کے لیے پاکستان میں لاکھوں ہندوؤں اور سکھوں نے جگہ چھوڑی تھی اور ان میں سے بھی لاکھوں بے گناہوں کی لاشیں ہندستان میں آنے والی ٹرینوں میں لد کر پہنچی تھیں۔

نئے اسلامی ملک پاکستان کی زمین پر انفرادی آزادی اور جمہوریت کے پودے کو اسلام کے نام پر تاناشاہی اور فوجی بوٹوں سے بار بار کچلا گیا۔ ۱۹۷۱ء کے عام انتخاب میں جب شیخ مجیب اور ان کی عوامی لیگ کو الکشن جیتنے کے بعد پاکستان میں ایک جمہوری حکومت قائم کر کے وزیراعظم بننے کا موقع آیا تو مغربی پاکستان کی مسلم فوجوں نے بنگال کے مسلمان پر جو ظلم ڈھائے، وہ انسانیت کے نام پر ہمیشہ کے لیے بدنما داغ رہیں گے۔ لاکھوں بنگالی مسلمانوں کا قتل عام کرنے کے لیے پنجابی جنرل یحییٰ خاں اور سندھی لیڈر ذوالفقار علی بھٹو ایک تھے۔ لیکن بنگلا دیش آزاد ہونے کے بعد جب بھٹو صاحب پاکستان میں گدی نشیں ہوئے تو ان کے فوجی بھائی جنرل ضیاء الحق نے انہیں پھانسی دینے میں کوئی دیر نہیں کی۔ جو مسلمان ہندستان کے دیگر صوبوں سے اپنے گھر بار چھوڑ کر ۱۹۴۷ء میں پاکستان بسنے کے لیے گئے تھے، ان کی اس قربانی کے لیے پاکستان کے پرانے باشندوں نے انہیں مہاجر کا نام دیا۔ ان مہاجروں کی جو نئی نسل پاکستان میں پیدا ہوئی وہ بھی مہاجر ہی کہلائی اور توقع یہی ہے کہ ان کی آنے والی نسلیں بھی مہاجر ہی کہلائیں گی۔ پاکستان کا ہر پنجابی، سندھی یا پٹھان آج بھی ہر مہاجر کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ پاکستان میں پنجابی مسلمانوں نے سندھی مسلمانوں کو، سندھی مسلمانوں نے مہاجروں کو، مہاجروں نے پٹھانوں کو اور سبھی نے ایک دوسرے کو جس تعداد میں قتل کیا ہے، شاید اس کا دسواں یا بیسواں حصہ شہری بھی اس سے پانچ چھ گنا۔ ہندستان میں ہندو مسلم فسادات میں نہیں مرے۔ جمہوریت کو کچلنے اور ہندستان کے مسلمان پر ظلم کرنے کا یہ سلسلہ آج بھی پاکستان میں تھما نہیں ہے۔

تقسیم کے وقت کروڑوں مسلمان ہندستان میں رہ گئے۔ مہاتما گاندھی کا کہنا تھا کہ ہندستان سیکولر ملک ہوگا اس لئے مسلمان ہندستان میں ہی رہیں۔ کروڑوں مسلمانوں کا کہنا تھا کہ وہ اپنے وطن کی مٹی کو، اپنی تہذیبی وراثت کو، اپنے آباواجداد، بزرگوں کی قبروں کو چھوڑ کر پاکستان کی شکل میں دھرتی پر جنت کی شہرت حاصل کرنا نہیں چاہتے۔ کروڑوں

غریب اور محنت کش مسلمانوں کی یہ ہمت بھی نہیں تھی کہ وہ ایک نئے اجنبی سماج میں جاکر نئی زندگی شروع کریں۔ ان سبھی نے مذہبی جنون کے سارے خطروں کو دیکھتے ہوئے بھی ہندستان میں رہنے کا فیصلہ کیا۔ پر بہت سے ہندوؤں نے ان مسلمانوں کا ہندستان میں رہنا مناسب نہیں سمجھا کیونکہ ان کا خیال تھا کہ جب مذہب اور آبادی کی بنیاد پہ ملک کا بٹوارہ ہو کر پاکستان بن چکا ہے تو ان مسلمانوں کو ہندستان میں رہنے کا حق نہیں ہے۔ اسی بنیاد پر ان عناصر نے ہندستانی مسلمانوں کو ہمیشہ شک اور نفرت کی نگاہ سے دیکھا۔ اس صورت حال سے بچنے کے لیے مسلمانوں نے کسی بھی دوسرے اقلیتی طبقے کی طرح اس وقت کی برسر اقتدار پارٹی کانگرس کا پلہ پکڑ لیا اور بہ آسانی کانگرس کا ووٹ بنک بن گئے۔ کانگرس مخالف ووٹر اس رشتے کا سیاسی اور دنیا بھر میں اقلیتوں کی ذہنی صورت حال کا تجزیہ کرنے سے چوک گئے۔ اور انہوں نے اسے کانگرس کی مسلم ناز برداری کی پالیسی قرار دے دی۔ کانگرس نے بھی جب اتنے بڑے ووٹ بنک کو اپنے ساتھ خود ہی جڑتے دیکھا تو سوائے کچھ سیاسی عہدوں اور سرپرستی کے، مسلمانوں کی معاشی، تعلیمی یا سماجی ترقی کے لیے کچھ بھی کرنا ضروری نہیں سمجھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ہندستانی مسلمان معاشی سماجی اور تعلیمی اعتبار سے پچھڑتا چلا گیا۔ اس کے نتیجے کے لیڈروں نے اس کے پچھڑے پن کا فائدہ اٹھا کر اکثریتی ہندوؤں کے ذریعہ نگلے جانے کا خوف دکھا کر اپنے چنگل میں رکھنے کی کاروائی اور تیز کر دی کیونکہ اسی میں ان کی قیادت اور محفوظ ہو گئی۔ دوسری طرف اسے شک کی نظروں سے دیکھنے والوں کا اس پر شک اور بھی گہرا ہوتا گیا کیونکہ پچھڑے پن کی وجہ سے مسلمان سماج سے کٹتا جا رہا تھا۔ اس شک نے مسلمانوں کو اور بھی گھٹن سے بھر دیا۔ خاص طور پر جب آج کا نوجوان مسلمان اپنی اس حالت پر غور کرتا ہے تو وہ جہاں ایک طرف سماج میں اپنے آپ کو پچھڑا پا کر ہندستانی نظام کے ذریعہ نظر انداز ہوتا محسوس کرتا ہے، تو دوسری طرف اپنے اوپر ہونے والے ناحق شک کے نتیجے میں غصّہ سے بھر جاتا ہے۔ قائد اعظم جناح کا مذہبی ملک کا نعرہ دے کر پاکستان کا حکمراں بننے کی مستی اور آسان سیاست نے ہندستانی برصغیر کے مسلمانوں کو، خواہ وہ پاکستان میں ہوں، بنگلادیش میں ہوں یا ہندستان میں، ایسے حالات میں ڈال دیا کہ وہ پاکستان، بنگلادیش میں اپنے ہی ہم مذہب لوگوں کے مظالم کے شکار رہیں تو ہندستان میں شک اور پچھڑے پن کے دائرے میں چلنے پر مجبور رہیں۔ ۱۹۴۷ء کے پہلے کے ہندستان کا معاشی نظام، انتظامی مشنری، سیاسی اور سماجی ڈھانچے کا ایک خوش نصیب و برابر کا حصہ دار مسلم سماج، پاکستان اور ہندستان میں جس تباہی کی منزل تک پہنچ چکا ہے، اس تباہی کو سمجھنے کے لیے جہاں نڈر دل کی ضرورت ہے وہیں بدگمانیوں سے خالی دماغ کی بھی ضرورت ہے۔ لیکن اس صورت حال کا کون ذمہ دار ہے؟ یقینی طور سے قائد اعظم جناح جیسے لوگ جنہوں نے اپنی حکومت کے لیے اسلامی ملک کے قیام کا نعرہ دیا اور وہ تمام لوگ بھی جنہوں نے ہندستان کی حکومت

حاصل کرنے کے لیے اس نعرے کا مقابلہ نہ کرکے حالات سے سمجھوتہ کرلیا۔ کچھ بھی ہو لیکن ہندستانی برصغیر کے مسلمان کی تباہی کا انتظام پورا ہو چکا تھا۔ برسوں تک لگا کہ ہندستان میں رہ رہے باقی مذہبوں کے لوگ مسلمانوں کی اس بدحالی کو دیکھ کر مذہب کے قیام کے اصول سے پرہیز کریں گے۔ لیکن افسوس کہ ۱۹۸۰ کے آتے آتے ایک طرف بڑے مذہب کے سیاسی لیڈروں نے اپنی سیاسی لڑائی کے لیے مذہب کو ڈھال اور تلوار دونوں بنالیا۔ ۱۹۸۰ میں پنجاب میں الکشن ہار جانے کے بعد ایک سیاسی پارٹی نے مذہب اور سیاست کے ملے جلے بارود میں دھیرے دھیرے مذہب کو بڑھانا شروع کر دیا۔ پہلے پنجاب کے ساتھ انصاف کی مانگ، پھر سکھوں کی عزت کی حفاظت اور آخر میں سکھوں کے لیے ایک آزاد ریاست جہاں خالصتان کا بول بالا ہوگا کے قیام کا نعرہ دے کر ایک سنگین دھماکے کی کگار پر لا کھڑا کیا۔ سکھ ہندستان کی اصل دھارا میں ہی نہیں تھے، بلکہ ان کے گروؤں کی ۴۰۰ سال پرانی تعلیم کے بنیادی اصولوں یعنی ذات پات کے نظام کا خاتمہ، انسان انسان کی برابری ہر شخص کو مذہبی آزادی کا حق مذہبی مملکت کی مختلف ریاستوں کے استحصال کے خلاف جنگ یعنی سماجی انصاف کی بنیادوں کا اپنے میں اختیار کرکے ہی ہندستان کا جدید دستور بنا تھا ۱۹۸۰ تک سکھ سارے ملک میں جس کسی جگہ بھی کام کرتے تھے وہ اس میں سب سے اونچے عہدے تک پہنچ چکے تھے۔ عام طور پر پورے ملک میں سکھوں کو سردار جی کے لقب سے جانا جاتا تھا۔ ہر ایک ذات اور طبقے کے لوگ کسی بھی ذات کے سکھ کو قومیت کی علامت مانتے تھے۔ مذہبی ملک کے محافظ کی علامت میں یہاں تک کہ ریل مسافر اگر کسی پسنجر گاڑی کے ڈبے میں چار سکھوں کو بیٹھے دیکھتے تو وہ اس ڈبے میں اسلئے بیٹھ جاتے تھے کہ راستے میں لٹیرے آگئے تو سردار جی بھی مسافر کی حفاظت کریں گے۔ لیکن سیاست اور مذہب کی دھماکہ خیز ملاوٹ سے جو دھماکہ ہوا، اسکے نتیجے میں پاک صاف گردوارہ میں، جس میں ظالم برطانوی زمانے میں بھی پولس نہیں گئی تھی، فوج کو داخل ہونا پڑا اور امن کے مرکز کو خون سے غسل کرنا پڑا۔ اس کا اگلا نتیجہ ایک وزیراعظم کا قتل، ہزاروں بے گناہ سکھوں کا قتل عام اور پنجاب کو تباہی کے کنارے تک پہنچانے کی شکل میں سامنے آیا۔ پنجاب کے باہر رہنے والے سکھوں کے سماجی، معاشی اور سیاسی وقار کو گہرا دھکا لگا۔ پنجاب میں سکھوں نے سکھوں کا جتنا خون بہایا ہے، وہ پاکستان میں مسلمانوں کے ہاتھوں مسلمانوں کے بہائے گئے خون کے مقابلے میں کچھ کم نہیں ہے سکھ مذہبی مملکت کی تعمیر پوری ہونے سے پہلے پنجاب کے کھیت کھلیانوں میں لوک ترانوں کی جگہ اسٹین گنوں کی بے رحم آوازوں نے لے لی ہے۔ ہریالی سے ڈھکی زمین خون سے شرابور ہو رہی ہے اور جمہوریت وہاں سے ایک طویل عرصے کے لیے کوچ کرتی نظر آرہی ہے یہ تو یقینی نہیں ہے کہ ہندستان کے ہندو اور مسلمان آج سکھوں پر کتنا یقین کرتے ہیں لیکن یہ ہے کہ اگر سکھوں

کے گاؤں میں بھی آج کوئی نیا اجنبی سکھ آجائے تو سبھی سکھ اسے مشکوک ہو کر دیکھتے ہیں۔ عام زبان سے سردار جی کا خطاب ختم ہو رہا ہے۔ آج اگر مسافروں سے بھرے ٹرین کے ڈبے میں دو چار اجنبی سکھ اگر بیٹھ جائیں اور باقی مسافروں میں سے دو چار مسافر اگر خوف زدہ ہو کر ڈبہ بدل لیں تو یہ کوئی تعجب کا واقعہ نہیں مانا جاتا۔ اس ملک کے سب سے بہادر طبقے سکھوں کو آپ اپنے مذہبی مملکت کے قیام سے پہلے ہی ان سب تکلیفوں کو برداشت کرنا پڑ رہا ہے، جو مسلمانوں نے پاکستان بننے کے بعد پاکستان جاکر جھیلے اور ان سب شکوک کے سایے میں جینا پڑ رہا ہے، جن کے سایے میں ہندستانی مسلمانوں نے ۱۹۴۷ء کے بعد ہندستان میں جینا سیکھا۔

ہندستان کی سرزمین تمام امکانات سے بھرپور رہی ہے۔ اس نے مختلف موقعوں پر ہندو، بودھ، سکھ، مسلمانوں سبھی کو اپنی اپنی سوجھ بوجھ اور اپنے اپنے ہنر سے اپنی اپنی تصویر بنانے اور بگاڑنے کا موقع دیا۔ جن مسلمانوں نے اپنی ہمت، ہنر، محنت اور چالاکی سے ہندستان میں ایسی مسلم ریاستیں قائم کیں، جو سیکڑوں سال چلیں، انہیں مسلمانوں نے بیسویں صدی میں اسلامی مذہبی حکومت کا نعرہ دینے والے خود غرض سیاسی لیڈروں کے پیچھے لگ کر اپنی تباہی کا راستہ اختیار کیا۔ جن سکھوں نے اپنی بہادری، محنت، ہنر اور قربانی سے مسلسل ۲۰۰ برس تک سارے ہندستان کا دل جیتا، وہ مذہبی مملکت کی تلاش میں عزت و احترام کی بنیادوں سے اتر کر اندھیری وادیوں میں مذہبی جنون کے اسلحوں سے لیس ہو کر ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہیں۔ اب سبھی کی نظریں ہندستان کے تیسرے خاص اور سب سے بڑے مذہب یعنی ہندوؤں پر ٹکی ہوئی ہے۔ کیا وہ بھی ہندستان کے بے شمار امکانات کا فائدہ اسی طرح اٹھائیں گے اور بھارتیہ جنتا پارٹی، وشو ہندو پریشد اور راشٹریہ سنویہ سیوک سنگھ کی قیادت قبول کر کے ہندستانی راشٹر کی جگہ ہندو راشٹر کے قیام کی راہ پر چلیں گے؟ اگر بھارتیہ جنتا پارٹی کو سموچے ہندستان کی نمائندگی کرنا ہے، ہندستان کی عوام کا دل جیتنا ہے، ہندستان کی تعمیر نو کرنا ہے، تو وہ اپنے نام کا ہندستانی حصہ بھلا نہیں سکتی اور اگر وہ اپنی اس ذمہ داری کو سمجھتی ہے، تو اس ہندتو پر کسی کو اعتراض نہیں ہونا چاہئے۔ اگر بی جے پی اپنے آپ کو سیاسی معاملات سے جوڑتی ہے تو شاید ملک میں آزاد اور صحت مند جمہوری نظام کی ترقی کو ملتی اور وہ ایک مناسب قومی متبادل بن کر ابھرتی۔ لیکن انہوں نے اپنے آپ کو وشو ہندو پریشد سے جوڑا ہے اور کہا ہے کہ وہ وشو ہندو پریشد کے فیصلے کو تسلیم کریں گے۔ وی ایچ پی کا اعلان شدہ مقصد ہندو راشٹر کا قیام ہے یعنی مذہب کے نام پر ہی ملک بن سکتا ہے۔ اس اعلان نے پاکستان اور خالصتان کے قیام کے اصول کی، اپنے آپ کو ہندوؤں کا واحد نمائندہ کہنے والی، وی ایچ پی نے تصدیق کر دی ہے۔ ملک کے دستور اور قانون کو توڑ کر زبردستی مندر تعمیر کا اعلان کر کے بی جے پی نے اپنے آپ کو

مدعے سے جوڑا ہے، جس سے قائدِ اعظم نے ڈائرکٹ ایکشن کا نعرہ دیکر اپنے آپ کو جوڑا تھا۔ ہندوؤں کو ان کے وقار اور احترام کو لٹنے کے نعرے کے ساتھ اسی طرح مذہبی نشانات کا استعمال کیا ہے جس طرح قائدِ اعظم نے مسلمانوں کو ان کا کھویا ہوا وقار اور احترام لوٹانے کے نعرے کے ساتھ اسلام کا استعمال کیا تھا اور جیسے پنجاب میں مذہب کی سیاست کرنے والوں نے سکھوں کو ایسے ملک کے قیام جس میں انہیں آزادی کی خوشی سے شرابور ہونے اور اپنے کھوئے ہوئے وقار کو پھر سے حاصل کرنے کا موقع ملے گا، کا نقشہ بنا کر دیا تھا۔ ہندستانی برِ اعظم کے مسلمان اور سکھ جدید دور میں مذہبی حکومت کے قیام کے راستے چل کر اپنے آپ کو تباہ کر چکے ہیں۔

بی جے پی نے یہ سوال پیش کیا ہے کہ ایسی صورتِ حال میں ہندستان کے ہندوؤں کو دھرم راشٹر کے قیام کی راہ پر چل کر اپنے آپ کو تباہ کرنے کا حق کیوں نہیں ہے؟ جب ہندو راشٹر قائم ہوگا تو اس دیش میں حکومت کرنے کی خواہش صرف بی جے پی کے لیڈروں کو نہیں ہوگی۔ اگر ہندستان اکثریتی ہندو فرقہ دھرم راشٹر کے قیام کا عزم کرے گا تو یقینی ہے کہ سیاست کرنے کے لیے پاکستان اور پنجاب کی طرح ہی ایک اس نئے لیڈر کو جس کی نظر کرسی پر ہوگی، بی جے پی سے زیادہ تیز، زہریلی زبان اور طریقے کا استعمال کرنا ہوگا۔ ان لیڈروں کو ہندستانی تاریخ سے اور بھی گرم مرچ کیلے مذہبی نشانات کو تلاش کرنے میں دیر نہیں لگے گی۔ لیکن یہاں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ دھرم راجیہ اور جمہوریت ساتھ مل کر رہ پانا ناممکن ہے اور پوری دنیا کی تاریخ اس حقیقت کی گواہ ہے۔ اسلئے یہ طے ہے کہ تمام مذہبی اور انسانی قدروں کو پامال کر کے زبردستی بنائے گئے مندر کے مدعے پر بنا دھرم راشٹر پہلے جمہوریت کو نگلے گا۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ ایسا دھرم راشٹر سب سے پہلے مسلمانوں، سکھوں، بودھوں، جینوں یا عیسائیوں سے ہی ٹکرائے۔ ان مذہبی گُٹوں کی تعداد اتنی نہیں ہے کہ وہ ایسا دھرم راشٹر کے امکانی حکمرانوں کا تختہ پلٹ سکیں۔ ایسی صورت میں ہندو حکمرانوں کی مختلف حکومت چاہنے والے ہندو ہندتو کے نام پر ہی کریں گے۔ کیا شیو سینا کے چیف کو لال قلعے پر بھگوا جھنڈا لہرانے کی خواہش نہیں ہوگی؟ کیا مراٹھوں کے لیے مہاراشٹر میں ایک ہندو مراٹھا راشٹر کے قیام کا تصور دہلی میں بھی بنیادی طور پر ہندی علاقوں کی بی جے پی کے ہندو راشٹر سے زیادہ دلکش نہیں ہوگا؟ کیا تمل ناڈ کے تملوں کو درمک کی قیادت میں چولا راجیہ کی جگمگاتی تاریخ، دہلی میں شمالی ہند کے ذریعہ قائم شدہ ہندو راشٹر کے بازار ایک تمل ہندو راشٹر قائم کرنے کے حوصلے کو زیادہ تقویت نہیں پہنچائے گا؟ کیا شیو، وشنو اور کرشن بھگت اپنے اپنے دیوتاؤں کو نیچی جگہ بٹھانے تیار ہو جائیں گے؟ کیا ہندو راشٹر میں حکومت کی تبدیلی اسی بنیاد پر ہوگی کہ کسی پارٹی کی رتھ یاترا کے ساتھ کتنے ترشول والے اور تلوار لے کر چلنے والے نوجوان ہیں؟ یا اے کے ۴۷ اور کلاشنکوف رائفلیں لے کر چلنے والوں کی

گنتی کیا ہے؟ کیا ہندو راشٹر میں اقتدار ہتھیانے کے لیے لیڈروں کو اپنی رتھ یاترا میں نوجوانوں کو روکنے کا نا
کرتے ہوئے بھی دوسرے مذہب، فرقے یا ذات کی اولادوں کا خاتمہ کرنے کے نعرے لگانے کی تعلیم دینا ند
نہیں ہوگا؟ ایسی صورت حال ہندستان میں مختلف فرقوں، مذہبوں، ذاتوں اور طبقوں کی یکجہتی کے ایک
میں پرونے والے ہندو مذہب کیا ہندستانی کو ہندستانی سے الگ کرنے والا اسلحہ نہیں بن کر رہ جائے گا؟ ج
پاکستان اور پنجاب میں اسلام اور سکھ مذہب کے ساتھ ہوا؟ کیا سیاست کی فٹ بال بننے کے بعد ہندو مذہب
متحد ہونے کے بجائے ٹوٹنے کا خطرہ نہیں بڑھ جائے گا؟ اور آخر میں کیا کچھ مخصوص، مایوس اور دوراند
سے محروم لیڈروں کو دہلی کی گدی پر قابض کرانے کے لیے اس دیش کے کروڑوں ہندوؤں کو اسی اندھی گلی
اترنا ہوگا، جس میں اتر کر ۱۹۴۷ء میں ہندستانی برصغیر کا مسلمان تباہ ہوا اور ۸۰ء کی دہائی میں سکھ وقار کی بلن
سے گرے؟ یعنی کیا ہندوؤں کو بھی ان دونوں کی طرح ہندستان کی بے شمار امیدوں میں سے اپنی تقدیر بنا
کا نہیں، بلکہ اپنی تقدیر بگاڑنے کا بدلہ چننا ہے۔

حدیث کی عظمت

پہلی قسط

ڈاکٹر حمید اللہ کے مرتبہ

صحیفۂ ہمام بن منبہؒ (م ۱۱۰ھ)

سے ایک انتخاب

حضرت ابو ہریرہؓ کا اپنے شاگرد ہمام بن منبہ کے لیے مرتب کیا ہوا "الصحیفۃ الصحیحۃ" موسوم بہ صحیفۂ ہمام بن منبہ ۵۸ھ سے پہلے کی تالیف ہے۔

حدیث کا یہ قدیم ترین مجموعہ ہمارے مخدوم ڈاکٹر حمید اللہ کی بدولت ہم تک پہنچا۔ اس کے لیے پورے عالم اسلام کو انکا ممنون ہونا چاہیئے۔ وہ ہم سے دور پیرس میں رہے اور ہملوگ علم سے دور سیاست کے بکھیڑوں میں ایسے پڑے رہے کہ یہ جواہر پارے چھپ کے بھی نظر سے اوجھل رہے ہیں۔ حالانکہ اسکی طباعت کو چالیس سال گزر چکے ہیں۔

مخطوطہ صحیفۂ ہمام بن منبہ، برلن میں ۱۹۵۳ء میں دریافت ہوا اور اسی سال المجمع العلمی دمشق سے عربی متن طبع ہوا۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کے بھائی جناب حبیب اللہ صاحب نے اس کا اردو ترجمہ کیا یہ دونوں (عربی اور اردو) یکجا ۱۹۵۵ء میں چھپے۔

ہم نے مناسب سمجھا کہ صحیفہ ہمام بن منبہ کا انتخاب آپ کی خدمت میں پیش کردیں۔

(ع-ر-ب)

مجموعۂ حدیث

صحیفہ ہمام بن منبہ

سے انتخاب

① میری مثال اس شخص کے مانند ہے جس نے آگ سلگائی ہو۔ جب اطراف کی چیزیں روشن ہو جاتی ہیں تو پروانے اور زمین پر رینگنے والے وہ (کیڑے مکوڑے) جو آگ میں گرا کرتے ہیں اس میں گرنے لگتے ہیں اور وہ شخص ان کو (اس میں گرنے سے) روکنے لگتا ہے۔ لیکن وہ اس پر غالب ہو جاتے ہیں اور اس میں گھس جاتے ہیں۔ پس یہی میری اور تمہاری مثال ہے۔ میں تم کو آگ سے بچانے کی کوشش کرتا ہوں (اور چلاتا ہوں) کہ آگ سے ہٹو، آگ سے ہٹو (مگر تم سنتے ہی نہیں)، پھر تم مجھ پر غالب آجاتے ہو اور آگ میں گھس جاتے ہو۔

② (بد) گمانی سے بچو، تم (بد) گمانی سے بچو، کیونکہ (بد) گمانی سب سے زیادہ جھوٹی بات ہے، اور تم آپس میں خرید و فروخت میں دھوکہ بازی نہ کرو، اور آپس میں حسد نہ کرو، اور نہ نفسانیت سے آپس میں مقابلہ کرو، اور نہ آپس میں بغض رکھو، اور نہ قطع تعلق کرو، اور اے اللہ کے بندو! تم آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔

③ جب اللہ نے خلقت کو پیدا کیا تو یہ عبارت لکھ دی اور یہ اس کے پاس عرش کے اوپر (موجود) ہے کہ "یقیناً میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔"

④ قسم ہے اس ذات کی جسکے ہاتھ میں محمد کی جان ہے میں جو کچھ جانتا ہوں اگر تم بھی جانتے ہوتے تو یقیناً روتے زیادہ ہنستے کم۔

⑤ روزہ ایک ڈھال ہے اگر تم میں سے کوئی شخص کسی دن روزہ رکھے تو اس کو جہالت سے پیش نہ آنا چاہیے، اگر کوئی شخص اس سے لڑائی کرے یا اسکو گالی دے تو یہ کہنا چاہیے کہ میں روزہ دار ہوں، میں روزہ دار ہوں۔

⑥ نبیوں میں سے ایک نبی ایک درخت کے نیچے اترے، تو ایک چیونٹی نے انھیں کاٹا، اس پر انھوں نے اپنا سامان وہاں سے نکلوایا اسے آگ لگوا کر جلا ڈالا اس پر (اللہ نے) انکی طرف وحی کی کہ کیا (قصور) صرف ایک چیونٹی کا نہ تھا؟

⑦ جو شخص اللہ سے ملاقات کرنی پسند کرتا ہے تو اللہ بھی اس سے ملاقات کرنی پسند کرتا ہے اور

جو شخص اللہ سے ملاقات کرنی پسند نہیں کرتا تو اللہ بھی اس سے ملاقات کرنی پسند نہیں کرتا۔

⑧ قیامت اس وقت تک نہ آئے گی جب تک کہ تم میں مال کی کثرت نہ ہو جائے، وہ بہا بہا پھر
یہاں تک کہ مالدار کو اس بات کی فکر ہوگی کہ اس سے اس کا صدقہ (زکوٰۃ) کون قبول کرے گا۔
اور علم اٹھا لیا جائے گا، اور زمانہ (قیامت سے) قریب تر ہو جائے گا اور فتنے ظاہر ہوں گے، اور
کثرت سے ہوگا۔ (لوگوں نے کہا) یا رسول اللہ! ہرج کیا ہے؟ آپ نے فرمایا، قتل، خونریزی۔

⑨ قیامت اس وقت تک نہ آئے گی جب تک کہ تقریباً تیس جھوٹے دجال نہ نکلیں، ان میں
ہر ایک دعویٰ کرے گا کہ وہ اللہ کا فرستادہ ہے۔

⑩ اللہ عزوجل نے فرمایا، میں نے اپنے صالح بندوں کے لیے ایسی چیزیں تیار کر رکھی ہیں جن کو نہ کس
آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی آدمی کے دل میں ان کا خیال گزرا۔

⑪ مجھے اس وقت تک چھوڑے رکھو جب تک کہ میں تمہیں چھوڑے رکھوں کیونکہ جو لوگ تم سے
پہلے گزرے وہ اپنے پیغمبروں سے سوال کر کے اور پھر ان کو نہ ماننے کے باعث ہلاک ہو گئے۔ پھر جب میں تمہیں کس
چیز سے منع کروں تو اس چیز سے بچو، اور جب میں تمہیں کسی بات کا حکم دوں تو تم سے جتنا ہو سکے اس پر عمل کرو۔

⑫ جب تم میں سے کوئی شخص ایسے شخص کو دیکھے جس سے اسکو مال اور اخلاق میں فضیلت دی گئی ہو تو اسکو
چاہیے کہ ایسے آدمی کو دیکھے جو اپنے سے کم ہو، نہ کہ ایسے شخص کو جو بالاتر ہو۔ (تاکہ حسد کی جگہ اللہ کا شکر کر سکے۔)

⑬ رعب کے ذریعہ سے میری مدد کی گئی اور مجھے جامع کلمے دیئے گئے ہیں۔

⑭ (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) نذر ماننے سے انسان کو کوئی ایسی چیز نہیں مل جاتی جو میں نے اس کی قسمت
میں مقدر نہ کی ہو بلکہ نذر ماننے سے وہ شخص صرف ایسی چیز حاصل کرتا ہے جو میں نے اس کے لیے پہلے ہی سے
مقدر کر رکھی ہے۔ البتہ نذر کی خاطر بخیل سے (کچھ خیرات) نکل آتی ہے، اور وہ مجھے اس کی خاطر ایسی چیز دیتا
ہے جو اس سے پہلے نہیں دیتا تھا۔

⑮ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، "خیرات کر، میں تجھے اور دوں گا۔"

⑯ عیسیٰ بن مریمؑ نے ایک شخص کو چوری کرتے ہوئے دیکھا۔ اس پر عیسیٰؑ نے اس سے کہا، کیا تم نے چوری
کی؟ اس نے کہا، ہرگز نہیں قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، عیسیٰؑ نے کہا، میں اللہ پر ایمان
لاتا ہوں اور اپنی آنکھ کو جھٹلاتا ہوں۔

⑰ امام اس لیے ہے کہ اس کی اقتداکی جائے، اس لیے تم امام سے اختلاف نہ کرو، جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو۔

⑱ داؤد کو قرآن (زبور) پڑھنا آسان کر دیا گیا تھا۔ وہ اپنے گھوڑے پر زین لگانے کا حکم دیتے اور زین لگنے سے پہلے ہی (پورا) قرآن پڑھ لیا کرتے تھے اور وہ سوائے اپنے ہاتھ کی کمائی کے کوئی چیز نہیں کھایا کرتے تھے۔

⑲ صالح آدمی کا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔

⑳ چھوٹے کو بڑے پر، اور گزرنے والے کو بیٹھے ہوئے پر اور قلیل (جماعت) کو کثیر (جماعت) پر سلام کرنا چاہیے۔

㉑ جب میرا بندہ دل میں یہ کہے کہ نیک کام کرے گا تو میں اس کے ایک نیکی لکھ لیتا ہوں جب تک کہ وہ اس کو نہ کرے پھر جب وہ اس کو کرتا ہے تو میں اس کے لیے اس جیسی دس (نیکیاں) لکھ لیتا ہوں، اور جب یہ کہے کہ وہ برا کام کرے گا تو میں اس کو معاف کر دیتا ہوں جب تک کہ وہ برا کام نہ کرے پھر جب وہ برا کام کرتا ہے تو میں اس کے لیے صرف ایک برائی لکھ لیتا ہوں۔

㉒ کثیر مال سے تونگری نہیں ہے بلکہ تونگری دل کی تونگری ہے۔

㉓ مالدار کا وعدہ کو ٹالتے رہنا بھی ایک ظلم ہے، تم میں سے کسی کا کسی پیٹ بھرے سے پالا پڑے تو چاہیے کہ اس کا پیچھا کرے۔

㉔ اللہ کو سب سے زیادہ غصہ میں لانیوالا اور سب سے زیادہ خبیث اور اللہ کا سب سے زیادہ غصہ اٹھانے والا وہ شخص ہوگا جس کو شاہِ شاہان (بادشاہوں کا بادشاہ) کہتے ہوں، اللہ عز وجل کے سوائے کوئی بادشاہ نہیں ہے۔

㉕ ایک شخص تھا دو چادروں میں اکڑتے ہوئے چل رہا تھا اور اس کو اپنے نفس پر غرور تھا اتنے میں وہ زمین میں دھنس گیا اور وہ قیامت کے دن تک دھنستا رہے گا۔

㉖ اللہ عز وجل نے فرمایا، میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں جیسا گمان کہ وہ میرے ساتھ رکھتا ہے۔

㉗ لوگوں کا چھوٹی سی ہڈی (کسی کو دینا) بھی اس وقت تک کے لیے نیکی ہے جب تک کہ آفتاب طلوع ہوتا رہے۔ آپ نے فرمایا، دو آدمیوں کے درمیان انصاف کرنا بھی نیکی ہے، اور کسی آدمی کو سوار ہونے میں مدد دینا اور اس کو یا اس کے اسباب کو سوار کرانا بھی نیکی ہے اور میٹھی اچھی بات کرنا بھی نیکی ہے،

اور ہر قدم جو نماز کی طرف چل کر جائے وہ بھی نیکی ہے اور راستہ سے ایذا دور کرنا بھی نیکی ہے۔

(۲۸) یہ چکر لگانے والا جو (بھیک مانگنے کے لیے) لوگوں کے پاس چکر لگایا کرتا ہے اور ایک لق[مہ یا]
دو لقمے یا ایک کھجور یا دو کھجور پاتا ہے تو وہ مسکین نہیں ہے، اصل میں مسکین وہ ہے جس کے پاس مال [نہ ہو]
اور لوگوں سے مانگنے میں شرم کرے اور لوگ اس کی حالت نہیں جانتے کہ اس کو کچھ خیرات دے سکی[ں۔]

(۲۹) ایک شخص تھا جس نے کسی سے ایک زمین خریدی، پھر جس شخص نے زمین خریدی تھی اس نے [اس]
زمین میں ایک گھڑا پایا جس میں سونا تھا، زمین کے خریدار نے (بائع سے) کہا، مجھ سے اپنا سونا لے لو، می[ں نے]
تو تم سے زمین خریدی تھی، سونا نہیں خریدا تھا، مگر جس شخص نے زمین فروخت کی تھی اس نے کہا، میں تو ز[مین]
اور جو کچھ اس میں ہے تمہیں بیچ ڈالا تھا۔ اس پر ان دونوں نے ایک حَکَم (پنچ) بنایا۔ حکم نے کہا، کیا تمہیں او[لاد]
ہے؟ ان میں سے ایک نے کہا، مجھے ایک لڑکا ہے اور دوسرے نے کہا، مجھے ایک لڑکی ہے۔ اس نے کہا، لڑ[کے]
سے لڑکی کی شادی کر دو اور سونا اپنے ہی پر خرچ کرو اور صدقہ دو۔

(۳۰) تم میں سے اگر کسی کی سواری کا جانور گم ہو جائے پھر مل جائے تو کیا اس کو خوشی ہو گی کہ نہیں؟
لوگوں نے کہا، ہاں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے جب
بندہ توبہ کرتا ہے تو اللہ کو بندہ کی توبہ سے اس سے زیادہ خوشی ہوتی ہے جتنی کہ کسی شخص کو (گم شدہ) سواری
کے پھر مل جانے سے (خوشی ہوتی ہے)۔

(۳۱) اللہ عزوجل نے فرمایا، جب میرا بندہ مجھ سے ایک بالشت آگے بڑھ کر ملتا ہے تو میں اس سے ایک
ہاتھ بڑھ کر ملتا ہوں، اور جب میرا بندہ مجھ سے ایک ہاتھ بڑھ کر ملتا ہے تو میں اس سے دو ہاتھ بڑھ کر ملتا
ہوں، اور جب مجھ سے دو ہاتھ بڑھ کر ملتا ہے تو میں اس کے پاس اس سے زیادہ تیز جاتا ہوں۔

(۳۲) قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے، اگر میرے پاس اُحد (ایک پہاڑ کا نام)
کے برابر بھی سونا ہوتا تو میں اس بات کو پسند کرتا کہ تین رات گزرنے سے پہلے اگر کوئی اس کو لینے والا ہوتا
تو ایک دینار بھی باقی نہ رکھوں، میں کوئی چیز باقی رکھ کر اپنے کو (اللہ کے سامنے) مقروض نہیں بنانا چاہتا۔

(۳۳) جب تمہارا کھانا پکانے والا تمہارے پاس تمہارا کھانا لائے، جس نے تمہیں گرمی اور دھوئیں سے
بچایا تو اس کو بھی اپنے ساتھ کھانے کے لیے بلا لو ورنہ اس کے ہاتھ میں لقمہ ہی دے دو۔

(۳۴) (جنت کے) لوگوں کے درمیان نہ تو اختلاف ہو گا اور نہ ان کے دلوں میں ایک دوسرے سے

تمام اللہ کی حمد و ثنا بیان کریں گے۔
ی چوری کرنے کی حالت میں (سچا) مومن نہیں ہوتا، کوئی شخص زنا کرنے کی حالت میں مومن
ممنوع چیز لینے، شراب پینے کی حالت میں مومن نہیں ہوتا، اور قسم ہے اس ذات کی جس
ن ہے کہ تم میں سے کوئی شخص دغا بازی کرے تو دغا بازی کرنے کی حالت میں وہ مومن نہیں
ہو۔
س ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے، اس امت کا کوئی شخص، یا یہودی یا نصرانی
ر مرجائے اور اس چیز پر ایمان نہ لائے جس کے ساتھ مجھے بھیجا گیا ہے تو وہ دوزخ کے

ہ دریافت پر دریافت کرتے رہو گے، یہاں تک کہ تم میں سے کوئی یہ بھی کہے گا کہ یہ اللہ ہے
یدا کیا، تو پھر اللہ کو کس نے پیدا کیا؟
وہ لوگ قسم کھانے کے لیے مجبور کیے جائیں اور دونوں حیا کریں تو ان کے درمیان قرعہ ڈالو۔
تم سے کوئی شخص اونٹنی یا بکری خرید کرے جس کا دودھ دھوکہ دینے کے لیے کئی وقت کا نہ نچوڑا
دودھ نچوڑنے کے بعد دو باتوں کا اختیار ہوگا، یا تو اس کو رکھ لے ورنہ اس کو واپس کردے
کھجور دیدے (دودھ کے معاوضہ میں)۔
ب تم میں سے کوئی امام بن کر لوگوں کو نماز پڑھائے تو اس کو چاہیے کہ نماز کو مختصر کرے، کیونکہ
ڑھے بھی ہوتے ہیں، ضعیف بھی ہوتے ہیں، اور اگر تنہا نماز کے لیے کھڑا رہے تو جتنا چاہے دراز

وپ ذرا ٹھنڈی ہونے کے بعد نماز پڑھو، کیونکہ سخت دھوپ دوزخ کی بھاپ ہے۔
ب نماز کے لیے اذان دی جائے تو اس کے لیے جاؤ مگر اس طرح چلو کہ تم پر سکون و اطمینان ہو،
س کو پڑھ لو اور جو چھوٹ گئی ہے اس کو پورا کر لو۔
تمہارا بھائی کوئی چیز خرید رہا ہو تو تم اس کو نہ خریدو، اور اگر تمہارا بھائی منگنی کر رہا ہو تو تم
سے) منگنی نہ کرو (بلکہ انتظار کرو اور فارغ ہو جائے پھر جو چاہے کرو)۔

مضطر مجاز

کرنول/حیدرآباد

اُردو ریسرچ کانگریس وغیرہ

پچھلے چھ ماہ سے میری پوسٹنگ حیدرآباد سے دور دراز ایک مقام کرنول پر ہوگئی ہے۔ یہاں بالکل تیلگو کا ماحول ہے اور کام کی اس قدر زیادتی ہے کہ الامان والحفیظ! میرا حال بھی فانی کا سا ہوگیا ہے:

البتہ وہ ناواقف اسرار حکومت   کرنول کے اک گوشہ ویراں میں ملے گا

فانی کے لئے ناندیڑ تھا، میرے لئے کرنول قسام ازل نے لکھ دیا ہے۔

پچھلے ماہ تک انجمن ہائے امداد باہمی کے انتخابات چل رہے تھے تو پندرہ تا اٹھارہ گھنٹے کام چل رہا تھا، اب کم ہوئے پر بھی بارہ گھنٹے تو کھینچ ہی لیتا ہے۔ بقول داغ:

گرتے پڑتے بھی یہ مرے نالے   ساتواں آسمان لیتے ہیں

علم اور شعر و ادب کی فضا سے بہت دور ہوں۔ آپ کا پیام موج صبا کی طرح آیا پھر ایسا موقع بار بار ہاتھ لگنے والا نہیں کہ،

صحبت اہل صفا یک دم دو دم   ایں دو دم سرمایہ بود و عدم

مگر ملازمت کی مجبوریوں نے ہاتھ پکڑ لیے ہیں۔ ڈیڑھ مہینے کے بعد ایک دن کے لیے گھر جاسکا۔ کانگریس میں شرکت کے لئے چار پانچ دن کی رخصت درکار ہے (جس کا ملنا محال ہے) کیونکہ، بقول غالب:

حیدرآباد بہت دور ہے، اس سمت کے لوگ   اس طرف کو نہیں جاتے ہیں، جو جاتے ہیں تو کم

خیر کوئی بات نہیں، یار زندہ صحبت باقی! اللہ کریم اور کوئی راستہ نکالے گا۔ مگر یہ آپ نے کن ازکار رفتہ لوگوں کو جمع کیا ہے جن میں سے بیشتر یا تو ناظم ہیں یا متشاعر، یا پھر خرچ شدہ قوتیں ہیں، نئے لوگوں کو بھی آپ نے ضرور بلایا ہوگا مگر شاید نام نہیں لکھے۔

خدا کرے آپ کی کانگریس کامیاب ہو، سنگ اور آہن کا ٹکراؤ مزہ دے گا۔ کاش میں بھی وہاں حاضر ہوتا اور "ضبط سخن" نہ کرسکتا!

عدم شرکت کا ٹیلیگرام ابھی ابھی روانہ کیا ہے۔ دوبارہ معافی کا خواستگار ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو مع الخیر خوش و خرم رکھے اور ایسے ہنگامے کرواتا رہے۔

ابھی ابھی آپ کا عطوفت نامہ آیا آخر آپ نے ملاقات کی ایک سبیل نکال ہی لی۔ میں بھی ۲۸ فروری کو فارغ التحصیل والضلع یعنی ریٹائر ہوگیا۔ بس اب میں ہوں اور ماتم یک شہر آرزو کہ کتنا وقت ضایع ہوگیا۔ کیا کچھ کیا جاسکتا تھا اور کچھ نہ ہوسکا۔ خیر گذشت آنچہ گذشت! اب ارادہ ہے کہ پتھر کے صنم پوجوں گا، اور شب و روز لکھنے پڑھنے ہی کی مشغولیت میں رہوں گا۔ کئی Plans بنا رکھے ہیں دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ آپ نے جو یہ مژدہ وہاں آجانے کا سنایا ہے۔ تو میرا سایہ مجھ سے دو قدم آگے ہے۔ ابھی تو رمضان چل رہا ہے۔ انشاء اللہ مارچ کے آخری یا اپریل کے پہلے ہفتہ میں عازم در دوست ہونگے۔ آج یا کل ڈاکٹر فاطمی اور مسز فاطمی کو بھی میں یہ مژدہ جاں فزا سنا دوں گا۔

حسب الحکم کچھ اشعار روانہ کر رہا ہوں ملک کی طرح جلتے ہوئے ہیں۔ رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں معاف! بقول فیض:

لب پر ہے تلخی مئے ایام ورنہ فیض ہم تلخی کلام پہ مائل ذرا نہ تھے

ان شعروں پر اپنی رائے سے مطلع فرمائیں۔ Fatmis سے بات کرکے پھر آپ کو لکھوں گا تب تک کے لیے وقفہ۔ امید کہ مزاج گرامی بخیر ہونگے۔

یہاں آپ سے ملاقاتیں بڑی رواروی کی رہیں، تاہم بقول مرشد لاہوری:

صحبت اہل صفا یک دم دو دم ایں دو دم سرمایہ بود و عدم

زندگی کا نقشہ بڑا عجیب ہوگیا ہے محشر کا سا سماں ہے۔ عدم کا یہ شعر یاد آتا ہے:

کیا لطف ملاقات سر جادۂ ہستی ہم آپ سے محشر میں ملاقات کرینگے

حالی نے جب یہ کہا تھا۔ امت پہ تری آکے عجب وقت پڑا ہے۔ تو ان کے سان و گمان میں بھی یہ حالات نہ ہونگے۔ بہر حال وقت دعا ہے۔ ممکن ہے دسمبر میں میرا دلی آنا ہو تو وہاں سے خدمت گرامی میں حاضر ہوں گا:

صحبت اہل صفا، نور و حضور و سرور سرخوش و پر سوز ہے لالہ لب آبجو

امید کہ مزاج گرامی بخیر ہونگے۔

میرا تبادلہ بہ حیثیت ڈسٹرکٹ کوآپریٹیو آفیسر کرنول ہوگیا ہے۔ پچھلے دنوں حیدرآباد گیا تو آپ کا کرم نامہ نظر نواز ہوا جس میں آپ نے کسی دعوت نامے کا ذکر کیا ہے جو لائبریری کی طرف سے جاری کیا گیا ہے۔ میں ۱۱ نومبر تک حیدرآباد ہی میں تھا اس وقت تک کوئی دعوت نامہ وہاں نہیں پہنچا، کچھ کارکنان رسل وسائل کی گڑبڑ معلوم ہوتی ہے۔ آپ کے گرامی نامہ سے تو کچھ بھی مترشح نہیں کہ آخر دعوت کس ضمن میں ہے۔ غالباً کوئی سیمینار وغیرہ ہوگا۔ اگر ہنوز وقت باقی ہے تو اس کی کاپی درج ذیل پتے پر روانہ فرمانے کی اپنے دفتر کو ہدایت فرمائیں تو موجب کرم ہوگا:

karnaul 518005 A.P Dist. co-oprative officer

ضلع کا یہ مستقر حیدرآباد سے ساڑھے چار گھنٹے کے فاصلے پر ہے۔ ہفتے عشرے میں ایک بار حیدرآباد جاتا رہتا ہوں۔

پتہ نہیں کارکنان قضا و قدر کو کیا منظور ہے۔ آپ سے ملاقات کی صورت نکلتی بھی ہے یا نہیں، پٹنہ سے ہمیں کیا لینا ہے:

کرتے ہیں جو بہشت کی تعریف سب درست

ہمیں تو یہی خوشی ہے کہ وہ "دوست" کی جلوہ گاہ ہے۔

آپ کا بھی حیدرآباد کی طرف نکلنا بہت مشکل ہے۔ پچھلی مرتبہ آپ ایک Special Assigment لے کر آئے تھے جو ظاہر ہے کہ ہر بار ممکن نہیں۔ حیدرآباد کے لیے غالب نے بہت پہلے ہی صداقت نامہ دے دیا تھا۔

حیدرآباد بہت دور ہے، اس ملک کے لوگ اس طرف کو نہیں جاتے ہیں، جو جاتے ہیں تو کم

امید کہ مزاج گرامی بخیر ہونگے۔

جناب شبنم رومانی صاحب
مدیر سہ ماہی "اقدار"
۲۰۷، گھڑیالی بلڈنگ، صدر، کراچی

مورخہ ۱۹ جولائی ۱۹۹۵ء

مکرمی ۔ سلام مسنون

آپ کے جریدے کے تین شمارے ۸۷-۸۹، ۹۰-۹۲ اور ۹۳-۹۵ ملے۔ رسائل کے با
آپ کے شمارہ ۹۰-۹۲ کے صفحہ ۴۰۵ پر ہمارے پرچے کا ذکر "تاخیر سے چھپنے والوں" میں کیا گیا ۔
درست نہیں ہے۔ "اقدار" اپنی صوری اور معنوی وقعت کے ساتھ ساتھ اپنی پابندیِ اشاع
بھی شہرت رکھتا ہے اور اردو دنیا میں بہت پسند کیا جاتا ہے۔ ہم عموماً بیرونی ممالک کے ہمعصر پرچ
یا تبادلے کی کاپی نہیں بھیجتے (یا یوں کہیے کہ اعزازی ترسیل کی استطاعت نہیں رکھتے) لیکن، استثنےٰ
پر آپ کو پورا سیٹ (۱۲ شماروں پر مشتمل) بھجوا رہے ہیں۔ پہلا شمارہ نایاب ہے وہ پیش نہیں کیا جا سک
بات اور۔ اس پرچے کا ڈکلریشن بے شک ماہنامے کا ہے، مگر چھپتا سہ ماہی ہے (پوسٹ آفس والے
جریدوں کو رعایتی پوسٹیج کا حقدار نہیں سمجھتے)۔

رسید سے مطلع فرمائیے اور اپنے کسی آئندہ شمارے میں ممکنہ تلافی بھی کر دیجیے۔

آپ کا مخلص
شبنم رومانی
مدیر

پس نوشت

آپ کے کسی شمارے میں ہمارے جریدے کا ذکر سرورق کی تصویر کے ساتھ تھا۔ یاد نہیں پڑ
کون سا شمارہ تھا۔ ازراہِ کرم تلاش کر کے ہمارے ریکارڈ کیلئے بھجوائیے۔

سید امین الحسن رضوی
۵۱۔ ودھی اپارٹمنٹس
پٹ پڑگنج، دہلی۔۹۲

زندگی بیمہ

مکرمی! زندگی کے بیمہ (لائف انشورنس) کے مسئلہ پر قومی آواز کے ہفتہ وار ضمیمہ میں عبدالرحمٰن صاحب کے مضمون کی دونوں قسطوں، ۲۵ ستمبر کے شمارے میں ابن الاسرار صاحب اور یکم اکتوبر کے شمارے میں اقبال حسین صاحب کے حوالے سے مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ یہ تینوں حضرات حقیقی صورت حال سے واقف نہیں ہیں۔ میں چونکہ اسلامی فقہہ اکاڈمی سے متعلق ہوں اور بیمہ زندگی کے مسئلہ پر غور کے ہر مرحلہ میں شریک رہا ہوں اس لیے صحیح صورت حال پیش کرتا ہوں۔

ابن الاسرار صاحب کی یہ اطلاع درست نہیں ہے کہ فقہہ اکاڈمی کے سالانہ اجلاس حیدر آباد (۹۔ ۱۲ اگست ۹۱ء) میں پندرہ علما نے زندگی کے بیمہ کے جواز کا فتویٰ دے دیا تھا۔ اس اجلاس میں جب علما کی ایک کمیٹی اس مسئلہ پر غور کر رہی تھی تو انشورنس کمپنیوں کے ایک ضابطہ کے سرسری مطالعہ سے یہ سمجھا گیا کہ فسادات میں جان و مال کے اتلاف پر انشورنس کمپنیاں کوئی رقم ادا نہیں کرتیں۔ اس بنا پر اس مسئلہ پر غور ملتوی کر دیا گیا اور سترہ علما کی ایک دوسری کمیٹی تشکیل دی گئی کہ وہ دیگر ماہرین کی مدد سے اس بارے میں انشورنس کمپنیوں کے ضابطے کے بارے میں صحیح علم حاصل کرے اور پھر مسئلہ کے شرعی پہلو پر اپنی رائے پیش کرے۔ چنانچہ اس کمیٹی کو یہ وضاحت حاصل ہو گئی کہ فرقہ وارانہ فسادات میں جان و مال کے نقصان پر بھی انشورنس کمپنیاں رقم ادا کرتی ہیں تو ان سترہ علما کے ساتھ چند اور

علما شامل ہوئے اور فقہ اکاڈمی کے سالانہ اجلاس منعقدہ ۳۰ر اکتوبر تا ۲ر نومبر ۹۲ء (جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ) میں
فرقہ وارانہ فسادات کے دوران جان و مال کے نقصان کا بیمہ کرانے کی شرعی حیثیت پر ان علما نے غور کیا اور اپنی
رائے دی پھر ان کی رائے کو کھلے اجلاس میں مباحثہ کے لیے پیش کیا گیا۔ اس کے بعد جو فیصلہ ہوا اس کا آخری جزو یہ
"مروجہ انشورنس اگرچہ شریعت میں ناجائز ہے کیونکہ وہ ربوٰ، قمار، غرر جیسے
شرعی طور پر ممنوع معاملات پر مشتمل ہے لیکن ہندستان کے موجودہ حالات میں جبکہ مسلمانوں
کے جان و مال اور صنعت اور تجارت وغیرہ کو فسادات کی وجہ سے ہر آن شدید خطرہ لاحق
ہے۔ اس کے پیش نظر 'الضرورت تبیح المحظورات' رفع ضرر، دفع حرج اور تحفظ جان و مال
کی شرعاً اہمیت کی بنا پر ہندستان کے موجودہ حالات میں جان و مال کا بیمہ کرانے کی
شرعاً اجازت ہے۔"

کمیٹی نے اپنی رائے پیش کرتے ہوئے مجلس تحقیقات شرعیہ، لکھنؤ اور دار العلوم دیوبند کے فتووں کو
پیش نظر رکھا تھا۔ فقہ اکادمی کے اس فیصلے پر ہندستان کے مختلف علاقوں کی ۲۵ معروف دینی درس گاہوں سے
تعلق رکھنے والے اور دوسرے دینی اداروں سے متعلق ۵۲ علما نے دستخط کیے جن میں پانچ علما دار العلوم دیوبند اور
دو دار العلوم ندوۃ العلما لکھنؤ سے وابستہ ہیں۔ ان ۵۲ علما میں سے مولانا شمس پیرزادہ، مولانا نذیر احمد قاسمی اور
مولانا اشفاق احمد نے دستخط کرتے ہوئے "بہ درجۂ مجبوری درست ہے" کے نوٹ کا اضافہ کیا اور تین علما، (مولانا شبیر احمد
مرادآبادی، مولانا عبد اللہ پھولپوری) مدرسہ سرائے میر اعظم گڑھ اور مفتی محی الدین صاحب، ترکیسر گجرات نے صرف
املاک کے بیمہ کو درست قرار دیا۔ اس مسئلہ پر مختلف اہل علم کی جو تحریری رائیں اجلاس سے قبل وصول ہوئی تھیں وہ
اور اجلاس کی مکمل روداد اکاڈمی کے مجلہ بحث و نظر میں شائع ہو چکی ہے اور صرف انشورنس کے مسئلہ پر ایک
مختصر سے پمفلٹ کی صورت میں بھی۔ مجھے امید ہے کہ میری اس وضاحت سے بات صاف ہو گئی ہوگی۔ بس اتنا اور
عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ علما اور مفتیان کرام کے تعلق سے یہ سوظنی کہ وہ کسی دباؤ میں آکر یا کسی کی خوشنودی
حاصل کرنے کے لیے فتویٰ دیتے ہیں۔ کوئی صحت مند طرز فکر نہیں ہے اور اسلامی تعلیمات کے خلاف بھی ہے۔

میں کسی درجہ میں بھی اپنے کو اس کا اہل نہیں سمجھتا کہ اقبال حسن صاحب نے علما سے جو سوال کیا ہے، اس کا
جواب اپنے طور پر دے سکوں تاہم اتنا عرض کر سکتا ہوں کہ پراویڈنٹ فنڈ اور گریجوٹی کی رقم کو بینک میں جمع

کر اس سے حاصل ہونے والے "منافع" کو تمام علما بالاتفاق سود قرار دیتے ہیں جس کے لینے اور اپنے پر خرچ کرنے
رعی طور پر قطعی حرام سمجھتے ہیں۔ رہی اس بدنصیبی کی بات کہ مسلمانوں کی کوئی تنظیم یا ادارہ ایسا نہیں ہے جہاں
رقم کو محفوظ کرکے اس کے منافع سے گزارہ کیا جا سکے تو بے شک یہ ایک بہت المناک حقیقت ہے اور
حیثیت مجموعی پوری امت مسلمہ کی اور بالخصوص مسلم قیادت کی ذمہ داری ہے کہ اس اہم اور سنگین مسئلہ سے
دہ برآ ہونے کی کوشش کی جائے البتہ اس ذیل میں اتنا عرض کردوں کہ اسلامی فقہ اکاڈمی نے ایک اسلامی
یاتی ادارہ قائم کرنے اور اس کے عملی پہلوؤں پر مشتمل تفصیلی رپورٹ تیار کرنے کے لیے ماہرین معاشیات
ر بنکنگ اور علما کی ایک مشترکہ کمیٹی کچھ عرصہ پہلے قائم کردی گئی ہے اس کمیٹی کا کام آخری مرحلہ میں ہے
ر امید ہے کہ فقہ اکاڈمی کے آئندہ سالانہ اجلاس میں جو جنوری ۹۵ء میں بھڑوچ (گجرات) میں ہوگا۔ ماہرین
اس کمیٹی کی فائنل رپورٹ پیش کردی جائے گی۔

(قومی آواز، ۹ر اکتوبر ۱۹۹۴ء)

وجاہت علی سندیلوی
نصرت منزل سندیلہ (یو۔پی)

اردو سیکھنے کے لیے قواعد

اب اس عمر میں سفر کرنے سے بہت گھبرانے لگا ہوں۔ بہرکیف دعا کیجیے کہ کبھی پٹنے کی حاضری اور آپ
ملنے کا موقع مل سکے۔

"بولتا قاعدہ" کی زیراکس کاپی اکبر علی خاں صاحب نے مجھے رضا لائبریری سے بھیج دی ہے۔ یہ قاعدہ شہزا
مکرّم جاہ کے لیے خصوصی طور پر تالیف کیا گیا تھا۔ پہلے یہ محلات کی چہار دیواری تک محدود تھا، لیکن اب بعد کے
ایڈیشن عوام کے لیے بازار میں بھی دستیاب ہو جاتے ہیں۔ تعجب ہے کہ محترمی حیات اللہ انصاری صاحب کے
مشہور عام قاعدے "دس دن میں اردو" کی تمام تر بنیاد اسی قاعدے پر ہے۔ انھوں نے کچھ ردّ و بدل ضرور کی ہے
لیکن طریقۂ تعلیم بالکل یکساں ہے۔ میں نے خود "آسان اردو" کے نام سے ایک قاعدہ مرتب کیا ہے۔ اتر پردیش
اردو اکادمی نے اُسے شائع کیا ہے۔ چار ایڈیشن طبع ہو چکے ہیں۔ آخری ایڈیشن بیس ہزار جلدوں کا تھا۔ اسی میں تر
اور اضافے کے لیے دوسرے قاعدے دیکھتا رہتا ہوں۔

جناب ڈاکٹر عابد رضا بیدار صاحب　　　　السلام علیکم

ممکن ہے میرے اس مکتوب مطبوعہ روزنامہ "سیاست" کے بعض مندرجات سے
کو حیرت ہو مثلاً جامع مسجد دہلی کی خوشنمائی بحال کرنے میں آنجہانی سنجے گاندھی کا حصہ
میرے اس عریضہ میں اس انکشاف سے بھی آپ کو ضرور تعجب ہوگا کہ ۱۹۵۸/1958 / ۱۹۵۹/1959 میں
دوران قیام دہلی مجھے دہلی میونسپلٹی نے اس کمیٹی کا CONVENOR مقرر کیا تھا جو

JAMA MASJID AREA REDEVELOPMENT COMMITTEE

کے نام سے تشکیل دی گئی تھی اس کے ایک دور کے صدر نشیں جناب نور الدین احمد مرحوم اور ایک
دور میں محترمہ ارونا آصف علی تھیں !!

مخلص

مصطفیٰ شروانی

۱۹۹۵ء

...مع مسجد دہلی کی نگہداشت :

...نامہ سیاست مورخہ ۲۱ جنوری ۱۹۹۵ء میں جامع مسجد دہلی کی مناسب نگہداشت اور عدم صفائی کے
...سلہ شائع ہوا ہے وہ حقائق پر مبنی ہے۔ شہنشاہ شہاب الدین محمد شاہجہاں ۱۶۲۷ تا ۱۶۵۸ کی تعمیر کردہ
...د جو ایک پہاڑی پر اس وجہ سے تعمیر کی گئی تاکہ اس کے صحن کی سطح لال قلعہ میں تخت طاؤس کے کلس کی
... ہو۔ اسکی دیکھ بھال اور صفائی کا اس تاریخی امارت کے شایانِ شان اہتمام نہیں ہے۔ جن بلوریں فانوس
Ha... کا مراسلہ میں تذکرہ فرمایا گیا ہے ان میں سے درمیانی بہت بڑا بلوریں جھاڑ ۱۹۶۲ میں شاہ عبدالعزیز

الـسود ۔ نراپتی دہلی آمد کے موقعہ پر پیش کیا تھا۔ جسے austria سے منگایا گیا تھا۔ اور جس کا وزن ایک ٹن بتایا
گیا ہے۔ سرسید احمد خاں مرحوم نے اپنی بے مثل تصنیف آثار الصنادید ۱۹۰۴ء میں دہلی کی اس جامع مسجد کا بہت مفصل
تذکرہ کیا ہے۔ اس مسجد کی تعمیر پر پانچ ہزار مزدور روز کام کرتے تھے اور ۱۶۵۶ میں مسجد کی تعمیر مکمل ہوئی تھی۔

جامع مسجد دہلی کا موجودہ انتظام مرکزی وقف بورڈ کے تفویض ہے۔ پیش امام کا سرکاری عہدہ نائب
ASSTT. SECRETARY کے مماثل ہے۔ پیش امام کی تنخواہ اور الاؤنس دہلی انتظامیہ ادا کرتا ہے۔ لیکن یہ ر
بورڈ سے وصول کی جاتی ہے۔ ۱۹۷۲ میں آنجہانی سنجے گاندھی نے جامع مسجد دہلی کی سیڑھیوں پر خوانچہ والوں اور کھانے
کی اشیاء فروخت کرنے والوں کو وہاں سے منتقل کرنے کا بہت تدبر اور تدبیر سے اہتمام کیا تھا جس سے مسجد کی
بیرونی نفاست بحال آگئی تھی۔ لیکن اب پھر وہی کیفیت شروع ہو گئی ہے۔ ۲۸ رجولائی ۱۹۹۴ء کو جامع مسجد دہلی کے
شمالی دروازہ پر مینار کا سنگ مرمر کا ۲۰۰ کیلو وزنی برج اچانک گر گیا تھا۔ چھ ماہ سے زائد گذر جانے کے باوجود اسے
دوبارہ نصب نہیں کیا گیا۔ بہرحال حکومت کی توجہ ان اہم امور کی جانب مبذول ہونی بے حد ضروری ہے۔

مصطفیٰ شروانی

چند تصویر بتاں

- ۱۹۴۷ء کے اردو مشاہیر
- ۱۹۶۰ء کے آس پاس کے اردو مشاہیر
- ۱۹۷۱ء کے آس پاس کے اردو مشاہیر

۱۹۲۷ء کی تصویر

یہ اس موقع پر لی گئی جب قاضی صاحب کے دولتکدہ پر عبدالحق راجندر پیکٹ پر دستخط ہوئے، گاندھی کا آشیرواد جسمیں شامل تھی۔ (مگر قاضی صاحب خود سخت ناراض تھے!) اس گروپ فوٹوگراف میں (دائیں سے بائیں نشستہ) پروفیسر عسکری، محمود شیر، قاضی عبدالودود، مولوی عبدالحق، پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی، سلطان احمد (صحافی بعد پٹنہ گورنمنٹ اردو لائبریری میں ہے) اور کیفی صاحب کا پوتا/ نواسہ/ متبنّیٰ ——— اور پچھلی صف میں (دائیں سے بائیں) پٹنہ سٹی کے کوئی صاحب، نبیرۂ شاد غالباً بہزاد فاطمی، پٹنہ سٹی کے کوئی صاحب، نقی احمد ارشاد، علامہ جوہر نظامی، پٹنہ سٹی کے کوئی صاحب، اور کوئی صاحب۔

۱۹۶۰ء کے آس پاس

(دائیں سے بائیں): فراق، محمد عتیق صدیقی، سری نواس لاہوٹی، فیض، سجاد ظہیر، مخدوم، ڈاکٹر علیم

۱۹۷۱ء کی تصویر

(دائیں سے بائیں): مالک رام صاحب کے خویش، نارنگ، پنڈت کنزرد، دوارکا داس شعلہ، ڈاکٹر عابد حسین، کرنل زیدی، مالک رام، کوئی صاحب، اسلوب احمد انصاری، کوئی صاحب، عرش ملسیانی، کوئی صاحب، کوئی صاحب، ڈاکٹر یوسف حسین، حکیم عبدالحمید، پروفیسر مجیب (آگے)، کوئی صاحب، سعید احمد اکبرآبادی (پیچھے کوئی صاحب)، آل احمد سرور (پیچھے کوئی صاحب)، ضیاء الحسن فاروقی، علی جواد زیدی، مختارالدین احمد (آرزو)، عابد رضا بیدار

۱۹۳۷ء کے اردو مشاہیر

۱۹۷۱ء کے آس پاس کے اردو مشاہیر

چند حسینوں کے خطوط (= دستخط)

عطیہ ڈاکٹر اقبال حسین مرحوم

Signatures of National Leaders

Presented by Dr. Iqbal Husain

Signaturesof National Leaders

Swami Vivekanand

Gopal Krishn Gokhle

M.K.Gandhi

C.R.Das

Vallabhbhai Patel

Sarojini Naidu

B.C.Roy

Rajindra Prasad

Jawaharlal Nehru

Subhas Chandra Bose

Rammohun Roy

Iswar Chandra Sarma

Dadabhai Naoroji

Bankim Chandra Chattopadhyay

W.C.Banerjee

Shri Shivnath Shastri

Surendranath Banerjee

Balgangadhar Tilak

Rabindranath Tagore

Motilal Nehru

Madan Mohan Malviya

Dr. Iqbal Husain ·

———

Till yesterday thou wast a silent watcher of the Angel's ways,
See thy own ways today mirrored in the glass of Time
Time will obey the message of thy eyes,
And the stars in the skies will watch thee from far
Boundless is the sweep of thy imagination
And heaven itself is within the reach of thy sighs!
Build thy Ego; behold the power of thy sighs!
Thy spark has the lustre of the blazing Sun;
A new world is latent in thy creative skill!
A given Paradise is a poor thing in thy eyes;
Thy Paradise is the fruit of thy own Labours!
Man, made of clay, behold the fruits of thy ceaseless quest!

150. Men of vision! it is good to have an eye for beauty,
But the eye that percieves not Reality has no vision,
The objective of Art is an yearning for the immortal life,
And not this fleeting breath, transitory like the spark,
O 'Spring rain'! the shell and the pearl are both worthless,
If they do not throw the heart of the river into a ferment,
Nations do not revive without miracles,
And Art, which lacks the vigour of Moses' stroke, is dead!

Even as Faqir he acts like a king!
If the soldier is without faith, (a Muslim Kafir)
He relies on the sword!
If he is endowed with faith (Momin Muslim)
He can fight without armour!
If the Muslim is without faith (a kafir Muslim),
He is slave to destiny!
Endowed with faith, (Momin Muslim)
He becomes the destiny of Allah!

148. Life is strengthened by submission and willing obedience (to God)
Death is naught but an illusion and a mirage
The man of God is a tiger and death is its prey
Death is only a stage in its limitless career
The 'Perfect man' sweeps down on death
As the eagle sweeps down on the dove.
The slave dies many times from the fear of death,
Which makes life impossible for him
The free man has a totally different outlook
Death only invests him with new life!
He is regardful of self, not apprehensive of death,
The death of the free is but for an instant.
Pass beyond the death that is reconciled to the graved
For such death is the death of animals and beasts

149. Open the eyes, look at the earth and the sky,
Look at the sun rising gloriously in the East!
Look at this unveiled glory hidden behind veils;
Suffer the pain and torture of seperation!
Be not impatient; watch the struggle of hope and fear!
These hills and deserts, these winds and clouds,
These silent spheres, these somes of the skies —
All are under thy sway;

If one cannot live in the world as beseems a man,
Then it is better to die like the brave.
Life has only one law,
Life is power made manifest,
And its mainspring is the passion for victory
Life is the seed and power the corn:
Power explains the mystry of truth and falsehood.

146. What is history, O stranger to thyself?
A tale, a story, a fable?
No! It makes thee conscious of Self,
Capable in action and efficient in quest!
Sharpens thee like a dagger on the whetstone
And then strikes thee like a dagger on the whetstone
And then strikes thee on the face of thy world!
Behold the dormant flame in its fire,
Behold Tommorrow in the lap of its Today!
Its candle is like a guiding star for the nation's luck
Making bright both tonight and yesternight!
The experienced eye that beholds the past
Recreats its image before thee!
Assimilate history and grow strong,
Drawing life from the breathe are gone!
The Present rears its head out of the Past,
And thy Future emerges out of the Present!
Wouldst thou achieve the everlasting life?
Sever not the bonds of the past with the present and the future!
Life is the perception of the surge of continuity;
For the wine-drinkers, it is the gurgling of the wine in the flask!

147. If the Muslim is an unbeliever (a Kafir),
He can neither be a king nor a Faqir!
If he (the Muslim) is a true believer, (a Momin)

143. It is a sin to utter harsh words
For the believer and unbeliever are alike children of God.
What is ADMIYAT (humanism)? Respect for man!
To learn to appreciate true place in life's economy
The man of Love learns the ways of God
And is benevolent alike to the believer and the unbeliever;
Welcome faith and unfaith alike to the heart!
If the heart flees from the heart, woe betide the heart?
The heart is. no doubt, shut in this prison-house of clay,
But the entire Universe is the domain of the heart

144. Love is lacking and intelligence stings him like a viper
Man has failed to subordinate his intelligence to love.
He is so entangled in the mazes of reason,
That he is unable to distinguish between profit and loss!
He has traced the stars in their course
But lost his way in the labyrinth of his own ideas!
He has ensnred the rays of the sun
But not illumined the dark night of life!

145. Build thy Man into a World!
If thou wilt not build thine own habitation,
Others will make bricks of thy clay
Arise and create a new world
Wrap thyself in flames, be an Abraham.
To conform meekly to this unfavourable world
Is to fling away thy buckler on the field of battle
The man of strong character who is master of himself
Will find fortune
If the world does not comply with his humour,
He will try the hazard of war with Heaven!
By his own strength he will produce
A new world which will do his pleasure.

138. To the free man, the sccrets of destiny stand revealed;
He secs in his dream the vision of the world to be;
And when the call to prayer awakens him,
He transforms his dream world into a reality

139. To the free man, the secrets of destiny stand revealed;
He sees in his dream the vision of the world to be;
And when the call to prayer awakens him,
He transforms his dream world into a reality

140. This world which is a riot of colour and sound,
This world which is under the sway of Death;
This world which is an idol-house of sight and sound,
Where life is naught but eating and drinking —
'Tis only the first-stage in the pilgrimage of the Ego,
Traveller, it is not thy goal!
Forge ahead, shattering this great obstruction,
Conquering this illusion of space and time!
There are many worlds still unborn,
For the mind of creation is not a void!
All are awaiting thy triumphant advance.

141. Art thou a mere particle of dust?
Tighten the knot of thy ego
And hold fast to thy tiny being!
How glorious to burnish one's ego
And to test its lustre in the presence of the Sun!
Rechisel then thy ancient frame,
And build up a new being
Or else thy ego is a mere ring of smoke!

142. Religion is a constant yearning for perfection,
It begins in reverence and ends in Love;

The web and woof of every being is from motion;
All this urge for growth is derived from motion!
Not only the wayfarers but the courses, too are in motion,
Everywhere there is motion, hidden or revealed!
The caravan and the camel, the desert and the oasis,
Whatever you see is restless with the pain of motion!

134. I tremble to think of your shame when, on the Judgement Day,
God will put you the question:
"You learnt the word of Truth from Us,
Why did you fail to pass it on to others?"

135. If one forgets the story of his past
He lapses into non-existence.

136. For the man without Faith,
The Pen and the Sword are alike worthless!
When there is no Faith
Neither wood nor iron have any value!

137. Either a persistent exalting of the Lord's name
In the wide expanse of the heavens,
Or prayers and counting of the beads
In the lap of the earth:
That is the religion of God-intoxicated,
Self-conscious individuals,
This is the religion of the priests and plants and stones!

Thou art a Muslim; do not bind thy heart to any country,
Do not lose thyself in this world of dialectic!
Win over the hearts, for within its wide expanse,
This whole universe of water and clay can lose itself!

131. The Prophet migrated from his birth-place,
And thus revealed the secret of the Muslim's nationalism
His wisdom established a world-encircling community
On the foundations of the 'Kalima'!
By the grass of his overflowing bounty
The whole earth because a mosque for us!
Live in the ocean like the fish,
Freed from the fetters of locality:
He, who frees himself from the prison house of directions,
Becomes all-pervasive like the sky!

132. This is the land, centre of the hopes of the East,
This is the land, watered by Iqbal's tears!
This is the land, light of the eyes of the moon and stars,
Whose shells are precious as the finest pearls
From this land have emerged those profound thinkers
For whom every storm-tossed ocean is shallow'.
The musical strings that warmed the assembly's heart,
Are now, alas, silent and unthrummed!
The Brahman is asleep on the threshold of the temple,
The Muslim laments his fate under the arch of the mosque
Turn away neither from the East nor from the West
Nature beckons you to turn every night into day!

133. You and I are but waves in the stream of life;
Every instant this Universe is in flux!
Life is changing at every intake of breath,
For it is ever in the quest of a new world!

The modern age, which has kindled a hundred lamps,
Has opened its eyes in its lap.

127. That Florentine worshipper of Untruth,
Blinded the eyes of man with his antimony.
He wrote a new code for the guidance of rulers
And sowed the seed of wars in our clay.
like AZAR his occupation was idol-making,
His religion made the state into a diety
And presented what was evil as good.
He kissed the feet of this diety
And tested truth on the criterion of profit.

128. They have undermined foundations of brotherhood
And established nationality on the basis of the country.
When they made this idea the assembly's lamp
Mankind split up into warring tribes.
'Humanity' became but a legend,
And man a stranger to man!
The soul fled from the body,
Only the outer forms remained.

129. The mind of man is ever making and worshipping idols
Ever in the quest for new forms!
He has again revived the traditions of AZAR
And fashioned yet another diety!
This diety is thrilled by the shedding of blood,
It is variously named as Colour and Race and Country
Mankind has been slaughtered like sheep
At the altar of this inauspicious Idol!

130. Our heart is bound neither to Syria nor Turkey nor India,
Its birth-place is nought but Islam!

Thou art brighter than the bright moon:
Live so that every particle may recieve thy illumina

123. Movement gives colour and meaning to life
Movement is reality, rest is an illusion!

124. What is that infuses one breath in a hundred hearts?
It is one of the secrets of faith in TAWHID!
Be united and thus make Tawhid visible;
Realize its latent meaning in action!
Faith and Wisdom and Law all spring from it,
It is the source of strength and power and stability!
Its power exalts the nature of man
And makes him an entirely new being!
Fear and doubt die out; action becomes alive!
The eye that can look into the heart of the Universe!
"There is no god but God" is the capital of our life!
Its bond weaves our seceded thoughts together.

125. Speak again of the country of Ind —
Whose blade of grass is more precious than a garder
Whose mosques alas are silent like the grave,
Whose temples are cold and without fire!
My heart still bleeds for love of this land,
Its memory is dear as life itself!
Imagine its grief from the depth of our own —
Alas for the beloved who knows not the lover!

What Islam gave to the World:

126. Liberty took its birth from the gracious message (of
This sweet wine dripped from its grapes.
It was impatient of invidious distinctions,
Equality was implicit in its being.

118. The objective of knowledge is the purity of the intellect
The objective of FAQR is the purity of the heart and the vision!
When the sword of the self is sharpened on the whetstone of FAQR,
The stroke of a single soldier acquires the might of an army!

119. Even if you belong to the lords of the earth,
Do not forego the grace of FAQR!
Many a man who understands truth and possesses vision
Becomes corrupted by an excess of riches!
The excess of riches steals compassion from the heart
And substitutes pride for humility!

120. The 'classes' are bereft of virtue and large-heartedness;
Among the 'masses' I have often found truth and sincerity.

121. Hold fast to the ways of Truth,
Rid thyself of the fear of kings and nobles'
Do not forsake justice in anger or in joy
In poverty or in affluence!
Power is not achieved in this world or the next,
Except through the discipline of the body and the mind
Life is nought but the joy of soaring,
The nest is not congenial to its nature!
Live, firm as the diamond, in the service of faith,
Concentrate the heart on God and live without fear.

122. Pass beyond the East and resist the spell of the West,
All this old and new is not worth a barley-grain!
The jewel, that thou hast bartered to the people of darkness,
Is too precious to be entrusted even to Gabriel!
Life is self-regarding and creates its own assembly,
Traveller with the caravan, go with all, be independent of all!

111. Do you know the inner meaning of God's Command:
"The secret of a joyous life is to live dangerously".

112. O high soaring bird, death is preferable to the livelihood
Which clips thy wings and arrests thy flight.

113. The self-respecting FAQR will soon have its day,
The greed for gold and silver has corrupted the soul of the Wes

114. In power, as in subjugation, FAQR is the shield
That protects the pure-hearted.

115. The withdrawal from the world of matter
Is not the end of true renunciation;
It means the conquest of the earth and the heavens!
I wash my hands of the ascetic's FAQR
Which is nought but poverty and grieving!
The nation that has lost the wealth of Taimur's courage
Can neiher cultivate FAQR nor win an empire!

116. There is a FAQR which only teaches to the hunter,
There is a FAQR which shows how man can conquer the world
There is a FAQR which makes nations humble and depressed,
There is a FAQR which endows the dust with the attributes of
There is a FAQR, Taught by Husain
Which is the source of spiritual wealth;
This wealth of Husain is the heritage of the Muslim.

117. Superior is that FAQIR to Darius and Alexander
Whose FAQR is imbued with teh spirit of Ali

Relive yourself of the fears of others,
You are a power-asleep; shake yourself awake.

107. Locked in the prison-house of fear that you are
Learn from the Prophet the precept "Fear not"!
If you believe in God, free yourself from all fear,
And all the apprehension of profit and loss!
And fear, except God's, inhibtis action,
It is dacoit that waylays the caravan of life.
When its seed is planted on your soil,
Life is denied self-expression!

108. When they moulded thee of clay,
Love and fear were mingled in thy making:
Fear of this world and of the world to come, fear of death,
Fear of all the pains of earth and heaven,
Love of riches and power, Love of country,
Love of self and kindred and wife.
So long as thou holdst the staff of *La Ilah*
Thou wilt break every spell of fear.
One to whom God is as the soul in his body,
Does not bow his head before untruth.

109. When Love teaches the ways of self-respect,
The secrets of domination are revealed to the slaves.
The FAQIR whose FAQR savours of the FAQR of Ali
Is superior to Darius and Alexander.
Courage and Truth are attributes of the brave,
For the lions of Allah do not know fear!

110. Freedom and Death are the wealth of the FAQIR
All these measures of silver and gold are meant for others!

The entire world bows to its eternal glory
The heart alone challenges its sway at every step.

101. He subordinates everything to God
His seeing and not seeing, his eating and drinking and sleepin

:02. In all thy actions let thy aim be to draw night to God,
That his Glory may be made manifest by thee.
Peace becomes an evil if its object is aught else;
War is good if its object is God!
Whoso draws the sword for anything except God,
Finds it sheathed in his own breast.

103. The MOMIN is alive and at war with himself
He sweeps down on himself as the wolf on the dear!

104. Subservience to others is a proof of the self's immaturity
Rise superior to such learning. O bearer of the cross!
How long wilt thou bow at the court of kings/
Learn from thy God the joy of self-respect.
Love, inspired with courage, will one day attain its goal,
And the business, of coquetry will have lost its hold.

105. Flattery, treachery, cunning and spite,
Are all nurtured in the bosom of fear;
Every hidden evil, nestling in your heart,
Is the product of fear if you will rightly regard.

106. Let love burn away all fear,
Fear only God and live like a lion.
The fear of God is the beginning of faith
The fear of others is veiled idolatry!

But venture out in the quest of the granary!
If thou hast the lustre of the Sun,
Venture out into the expanse of the skies.
If thou hast a heart that can brave the arrow,
Live and die in the world like the eagle.
What do creeds, ceremonies and faiths avail in life?
An instant of lion's life
Is worth a hundred years of a rat's!

98. The man of God is not dependent on circumstances;
Life is not a swing of the pendulum!
If you are a Muslim, learn to be independent
Be a blessing for all the peoples of the Earth.
Depend not for your livelihood on the charity of the lowminded
You are like Joseph; do not hold yourself cheap.
"Spurn contemptuously the empire of Caius,
Stake your head but do not sacrifice honour".
That nation is truly a nation which does not compromise
Learn the inner meaning of Mohammad's message,
Rid yourself of all dcities but God.

99. Glowing with the light of self as thou art
Make self strong and thou wilt endure.
Since I am acquainted with the harmony of Life
I will tell thee what is the secret of Life —
To sink into thyself like the pearl
Then to emerge from thine inward solitude
What is life but to be freed from moving round others
And to regard thyself as the Holy Temple?

100. Intellect reigns over all beings of clay and light
Nothing is beyond the reach of the God-given mind!

What is Love? An attack on the infinite.
Leaving the world without a glimpse of the grave.
Love, fed on barley, threw open Khaibar's heavy gate
And so lit the heart of the moon.
When it solicits selfhood from God,
It becomes the rider and the world is stead.

95. What is impossible to us is possible for Love.
The Capital of the Intellect is apprehension and doubt,
Of Love, faith and resolution.
Intellect builds that it may destroy
Love destroys that it may rehabilitate
Intellect says: 'Live happy and content'
Love says 'Learn submission and achieve freedom'.

96. The MOMIN prays to God for the death
That is followed by resurrection
The other death, which is the goal of the eager quest,
The last affirmation of God's greatness on the battlefield!
The wars of the kings are but loot and destruction
The war of the MOMIN is the tradition of the Prophet
What is the MOMIN's war? A migration towards the Belove
A withdrawal from the world to seek refuge with the beloved
Though all deaths are sweet for the Momin
The death of Ali's son is unique, indeed.
He who has spoken the word of Love to the nations,
Described war as the "asceticism of Islam"
None but the martyr knows this Truth, who buys this knowle
with his own blood.

97. Wouldst thou come into this transitory world? Refrain!
Wouldst thou come from non-existence into existence? Refra
If thou dost, don't lose thyself like a spark,

90. When self is fortified by Love
It becomes the law-giver to the world.

91. If Vision is the goal of the Intellect,
It because both the path and the guide.
Intellect elucidates this world of smell and colour,
It brings you to the stage of absorption and ecstasy
And then, like Gabriel, leaves you alone.
Love never guides you anyone to solitude,
Its very perception of self acts as a screen.
In the early stages it yearns for fellow trevellers
Ultimately, it means, trevelling all alone!

92. The East percieved God and failed to percieve the world
The West lost itself in the world and fled from God
To open the eyes on God is worship
To see oneself unveiled is life!

93. The luminous point whose name is the self,
Is the life-spark beneath our dust!
By love it is made lasting,
More living, more burning, more glowing,
Transmit thy handful of dust into gold,
Kiss the threshold of the perfect Man.
Be constant in devotion to thy beloved,
That thou mayst cast thy noose and capture God!

94. Love knows not the months and the years,
Nor the slow or quick, nor the nearness or the distance of the path.
Intellect bores a hole through the mountain,
Or goes around it by circumlocution.
But, Love makes the mountain light like a blade of grass
And the heart quick moving like the moon.

84. Love is denied to the modern, and Intellect bites him like a serpe
He has failed to subordinate Intellect to Love
He has succeeded in tracing the course of the stars
But failed to pick his way in the labrinth of his own ideas!
He has got so entangled in the maze of his Knowledge
That he cannot judge between Profit and Loss;
He has snared the rays of the Sun,
But failed to light the dark night of his life!

85. I am raising a new army from the kingdom of Love
Because the HARAM is threatened by the revolt of the intellect!
I have achieved such eminence
That Intellect is honoured by a pilgrimage to this shrine!
Imagine not that Intellect has no rackoning;
The eye of faith always sits in judgement on it!

86. Pass beyond the Intellect and grapple with the waves in Love's
For, in Intellect's shallow rivulet there are no pearls.

87. Till Intellect is blest by Love
It is naught but a kaleidoscope of ideas.
The Intellect, whose impetuous flame burns up the universe,
Learns from Love the art of lighting it up

88. Love is the preceptor of the Intellect and the Heart and the Visio
If there is no Love, religion and its precepts
Are nothing but an idol-house of vain imaginings.

89. When the self is fortified by Intellect
It is envy of Gabriel;
If it is fortified by Love
It becomes the trumpet call of ISRAFIL.

Love is not satisfied with the cycle of union and seperation,
It craves for nothing less than Beauty everlasting!
It begins with prostration before idols
And ends with liberation from the beloved!
Our creed, like that of the swift-footed wave,
Is the adoption of the road and rejection of the goal!

79. Tis the intellect of man that conquers the Universe,
'Tis Love that aspires to conquer Infinity!
"Who loves truely the beauty of Being,
Who becomes the master of all that exists"

80. Do not seek guidance from the Intellect
Which has a thousand wiles!
Come to Love which excels
By the singleness off purpose!

81. Pass beyond the Intellect-post
It merely lights the way;
It is not the goal.

82. Intellect lights up the wayfarer's eyes;
What is Intellect: a lantern by the roadside!
The storms and stresses that rage inside the house
What does the roadside lamp know about them?

83. Intellect is but a chain round the feet of this age;
Where is the restlessness of spirit that is mine?
Behold the Universe with the eyes of Love
If you wish to discover its secrets;
Viewed with the eyes of the Intellect
It is nothing but an illusion and a mirage.

For there are a thousand wines still,
Untasted, in the veins of the grape.

75. Love proclaimed the birth of a being with an yearning heart
Beauty trembled at the birth of a being gifted with vision
Nature was worried that, out of passive clay,
Was born at last a being,
Self-creating, self-destroying, self-regarding!
World went round from the heavens to the solitude of Eternity,
"Beware, ye who are veiled, the render of veils is born at last!"
Desire, unconscious of self, wrapt in slumber,
Opened its eyes in the lap of life,
And lo! a new world came into being!

76. *Addresses He, to Man:*
Life is both mortal and immortal,
It is all creativity and eagerness!
Art thou alive? then be eager, be creative,
Like Me encompass the whole universe
Shatter into pieces what is not conginial to thee,
Bring forth another world out of thy imagination!
It is irksome to the free person
To live in a world of other's making!

77. He who lacks the power of creation
Is naught to us but an athiest and an agnostic!
He has not taken his share of Our Beauty,
He has not eaten the fruit of the Tree of Life!
Man of truth! Be sharp and incisive like the sword,
And become the destiny of thy own world.

78. The wayfarer who knows the secret of travel
Is more afraid of the goal than of the highway dacoit!

Only to vanish arise all the miracles of Art,
All in this world passes away — all in the world passes away!
Death the beginning and end — death for the hid and the visible;
The peattern may be old or new, death is the journey's end!
"Yet, in this transient world, some works unending abide
Works wrought by men of God into perception's grace!
The work of such men glows with the radiance of love

!. When the web and woof of his (Community's) activity is slow & lifeless;
When the bud of his intellect un-opened,
When he fights shy of effort and struggle,
And does not exploit the treasures of Nature,
God brings into being some inspired Person,
Who expands a word into a volume:
A player who, with his musical notes,
Endows this clay with a new life!
He creates new lines of insight
And brings a garden to bloom in the desert!
He gives a new form to the naked intellect,
And invests its poverty with riches!
He strikes off the fatters from the feet of the slaves
And frees them from the tyranny of gods!
He assures them that they are no one's bondsmen,
Nor inferior to these mute idols!

73. This Universe is parhaps still unfinished,
For one can hear the command:
"Let there be" and lo! it is born.

74. Imagine not that the tavern-keeper's work
Has come to its appointed end;

66. Do not look down upon this Unity of God!
Art thou dead? This unity of outlook will revive thee;
Give up this life without a centre and attain firmness.
Wouldst thou attain prestige and power?
Strive for the unity of thought with action.

67. The unity of hearts brings the Community (Millat) into b
This Sina is aglow with that single flame!
A nation should have a unity of ideas,
One single purpose running through his mind!
A unity of sentiments should inspire its being
And a single criterion for sifting good from evil!
What is this folly, identifying the Millat with the country'
What is this folly, worshipping water and air and clay?
It is foolish to pride oneself on one's ancestry,
For it has sway over the body and the body is mortal
Our Millat has an entirely different basis
It is enshrined in the sanctuary of our hearts.

68. The individual is alive through relationship of the body tc
The nation is alive through conserving its past traditions.
The individual dies if the river of life goes dry,
The nation dies if it loses hold of the purpose of life.

69. If it (the nation) becomes oblivious of its past history,
It lapses into non-existence.

70. The man of God descends from Heaven like lightning,
Consuming in his fire cities and plains, East and West;
We are all emotionally inspired by his fire,
Otherwise we would be but poor creatures of water & cla

I admire the courage of the wayfarer,
Who disdains to set his feet
On the path that is not beset
With deserts and mountains and streams.

O heart! look for the secret of life in the bud
Reality is revealed in its appearance!
It grows out of the dark earth
But keeps its gaze towards the rays of the sun!

The stars tremble in their courses by man's Upward march!
Lest this befallen star should become the perfect moon!

What is the world of the mind?
It is yearning, intoxication, absorption and eagerness!
What is the world of the body?
It is profit and loss, artifice and intrigue!
Once achieved, the riches of the mind abide,
The riches of the body are like the shadows
They come and they pass away!
There is no foreigner's sway in the world of the mind
Nor of any priests, Shaikhs or Brahmans.
Deeply was I humiliated by the Qalandar's remark:
When you bow before others,
Neither the body nor the mind are yours"!

What is Millat, ye believers in the oneness of God?
It means having one sight in a thousand eyes!
Men of truth have the same reasoning and assertion:
"Our tents may be apart but our hearts are united!"
Unity of outlook transforms specks of dust into the Sun;
Have singleness of Vision, and you will see Truth unveiled;

56. If thou art wounded, make thy pain thy remedy!
Accustom thyself to thorns, that thou mayst become
Entirely one with the garden.

57. The secret of a joyous life is to live dangerously!
Strike thyself again on the whetston,
So as to become sharper than the well-tempered sword.
Danger tests one's strength and capacit
An is the touchstone of the powers of the mind and the body.

58. Because thy being is immature,
Thou hast become abased!
Because thy body is soft,
Thou art burnt!
Be void of fear, grief and anxiety;
Be hard as stone, be a diamond!
Whoever strives hard and holds tight,
The two worlds are illumined by him!
In firmness consists the glory of Life;
Weakness is worthlessness and immaturity.

59. A MOMIN is a flashing sword against untruth,
And a protesting shield for Truth!
His affirmation and negation
Are the criteria for Good and Evil!
Great is his forgiveness, his justice, his generosity and his grace,
Even in anger he knows how to be kind.

60. Join the circle of the care-free wine drinkers
Follow not the Pir who is afraid of turmoil.

50. Dest thou know the secret of life?
Do not, then, seek or accept á heart
Unpricked by the thorn of Desire.

51. What shell I do? My nature is averse to rest;
My heart is impatient like the breeze in the poppy field;
when the eye beholds an object of beauty
The heart yearns for something more beautiful still;
From the spark to the star, from the star to the sun
Is my quest;
I have no desire for a goal,
For me, rest spells death!
With an impatient eye and a hopeful heart
I seek for the end of that which is endless

52. What does the poppy bring?
Neither the wine nor the flagon!
Its endowment is only the infinite yearning of its heart!

53. Feast not on the shore, for there
Softly breathes the tune of life.
Grapple with the wave and dare!
Immortality is strife.

54. Leave out the story of the restless moth,
whose tale of burning repels my ears:
That moth alone is a true moth
Who is active in striving and can swallow the flame

55. How aptly did Sikandar remark to Khizr:
Participate actively in the struggle of life!
You watch the battle from the edge of the battle-field:
Die in the thick of the fight and gain everlasting life.

For my days are still dark and sunless!
Aptly did the half-burnt moth rejoin:
Thou canst not find this secret in a book.
It is yearning that quickens the tempo of life
And endows it with wings to soar.

46. I hold that knowledge and intelligence cheap
Which takes away the crusander's sword and shield.

47. May God fire thee with the force of a tempest,
For the waters of thy sea are calm and still;
The book cannot be thy solution,
For, thou art only a reader; it has not been REVEALE

48. Life is preserved by purpose;
Because of the goal its caravan tinkles!
Life is latent in seeking.
Its origin is hidden in Desire!
Keep Desire alive in thy heart,
Lest thy handful of dust becomes a tomb!
Desire is a noose for hunting ideals,
A binder for the book of deeds!
It gives for the earth the power of soaring
It is a Khizr to the Moses of perception!
'Tis Desire that enriches life,
And the intellect is a child of its womb!

49. 'Tis Desire that makes the blood of màn run warm,
By the lamp of Desire this dust is enkindled.
Life is occupied with conquest alone
And the one charm for conquest is Desire.

His bow-string is vibrant with new melodies!
His nature abhors repetition;
His path is not like the circle traced by a compass!
To the slave, Time is a chain,
His lips speak only of Fate!
The courage of the free becomes a counseller of Fate,
His is the hand that shapes the events!

41. Cut your path with an axe of your own,
It is a sin to tread the beaten paths of others!
If you achieve something unique and original,
Even a sin becomes a virtue!

42. What is origin of thought and action?
An urge to revolution!
What is originality of thought and action?
A renaissance of national life!
It is the source of life's miracles
Transforming granite into the purest of pearls!

43. Would you esnare the phoenix of knowledge?
Rely less on belief and learn to doubt.

44. Science is an instrument for the preservation of life,
Science is a means of establishing the self,
Science and Art servants of life —
Slavers born and bred in its house.

45. Last night I heard the book-worm lament
To the moth in my library:
I have lived inside the pages of the Sina's books,
And seen many volumes of Farabi's writings,
But the secret of life I have failed to grasp,

Cannot be conquered without the persistent crusad
The save of the West anxious for display,
Borrows from her only their dance and music.
He barters his precious soul for frivolous sport;
Self-indulgently he grasps what is easy,
And his weak nature accepts it with readiness!
But the quest of what is easy in life
Proves that spirit has fled from the body!

37. How long wilt thou sue for office
And ride like children, on reeds?
A nature that fixes its gaze on the sky
Becomes debased by receiving benefits -
Albeit thou art poor and wretched
And overwhelmed by affliction,
Seek not thy daily bread from the bounty of anothe
Seek not waves of water from the fountain of the S

38. Enslaved, life is reduced to a small rivulet, Free, it i
boundless ocean!
How long wilt thou abide under the wings of others
Learn to wing thy flight freely in the garden breeze.

39. How long, O heart, this burning like the moth?
How long, this aversion to the ways of true manhoo
Burn thyself once for all in thy own flame,
How long this fluttering round the stranger's fire?

40. I will tell you a subtle point, bright as a pearl
That you may distinguish between the slave and the
The slave is by nature repetitive,
His experiences are bereft of originality!
The free man is always busily creative,

.1. Asking disintegraters the self,
And deprives of illumination the Sinai-bush of the self
By asking, poverty is made more abject.
By beggeing, the beggar is made poorer.
He who can stalk across skies
Should not find it difficult to walk on earth!

2. Incur not an obligation to the glass-makers of the West,
Make thy own flagon and thy cup with the clay of Ind.

3. Lod into thy own clay for the fire that is lacking
The *light of another is not worth striving for.*

4. Never was I mendicant for another's Vision,
And looked at the world but with my own eyes.

5. You have learnt and stored up the knowledge of the strangers
And polished your face with their rouge;
You borrow luck from their ways
Till I know not whether you are yourself or some one else
Your mind is chained to their ideas;
The very breath in your throat plays on the strings of others!
Borrowed converse pours from your lips,
Borrowed desires nestle in your hearts!
How long this circling round the assembly's fire?
Have you a heart? Then burn yourself in your own fire.
An individual becomes unique through self-relalization.
A nation becomes truely itself when it is true to it.

36. When one steadly burns the midnight oil,
One gains access to the domain of knowledge and wisdom!
The world of meaning which has no frontiers

Life is in proportion to this strength;
When a drop of water gets the self's lesson by heart
It makes its worthless existence a pearl!
As the grass discovered the power of growth in its self,
Its aspiration clove the breast of the garden!
Because the Earth has a being that is firm,
The captive moon goes round it perpetually!
The being of the Sun is stronger than that of the Earth,
Therefore is the Earth bewitched by the Sun's eye!
When life gathers strength from the self,
The river of life expands into an ocean!
Sweet is the world of living phenomena to the living spirit,
Dear is the world of ideas to the dead spirit.
Love, which is the well-spring of life, Love to which death itsel
forbidden.
Though swiftly and violently rolls the flood of time
Love itself is a flood which can stem all on-coming waves.
In Love's calendar is written not merely the passing present
But other ages too — ages that have no name!
"Love is the breath of Gabreil, Love is the prophet's heart,
Love the messenger of God, love the voice of God!
Under love's ecstasy glows brighter our mortal clay,
Love is the unripe wine, love the beautiful cup!
Love is the priest of the shrine, love the commander of the heart
Love has not yet admitted defeat;
Why do you hesitate to give it a trial?
Love that only gives & does not demand a return but may
ultimately recieve it back in undreamt of measures!

30. How aptly remarked the singing fowl,
Nestling in the tree, on an early morn:
Bring forth whatever is hid in thy breast:
A wailing, a sigh, a lament, or a song!

5. Time is a great blessing;
While it kills and destroys,
It also brings out the hidden possibilities of things.

6. Personal Immortatlity is not one's by right;
'Tis to be achieved by personal effort,
Man is only a candidate for it.

7. The hand of the Momin is the hand of God,
Powerful, creative, efficient and helpful,
He is made of clay but has the quality of Light;
Is a creature of God but shares in his attributes.
He is soft of speech but strenuous in quest,
His purity of heart and conduct remains unsullied in peace and war.
Few are his desires, but high his aspirations,
His manners, charm and his glance warms the heart.

28. God asked me; 'Is this world of mine congenial to thee'
I said: 'No', and he answered: 'Then shatter it to bits'.
Shatter this sorry scheme of things entire,
And mould it nearer to the heart's desire.

9. Love is the wayfarer, with its thousand habitations
Love is the singer's plucking song from the chords of life
Love is the brightness of life, love is the fire of life!
Everything is preoccupied with self-expression,
Every atom a candidate for greatness!
Life without this impulse spells death;
By the perfecting of this individuality man becomes like God!.
The force of individuality makes the mustard seed into a mountain,
Its weakening reduces the mountain into a mustard seed!
Thou alone art the Reality in this Universe.
All the rest is mirage!
Since the life of the Universe comes from the strength of the self

20. No matter if you are the ruler of a land,
Forego not the quality of Faqr at any price;
Many a man, gifted with true discernment & clear vision,
Becomes debased by excess of riches;
For it saps the heart of all sypmpathy,
And substitutes arrogance for gracious humility.

21. They have disrupted the idea of fraternity,
And built the structure of the community on a geographical basis
When the country is installed as the only beacon light,
Mankind is split up into tribes;
Humanity has become a mere fable,
And man a stranger to man,
The soul has escaped from the body, leaving only the corpse behi
Humanity is lost, only the nations remain.

22. Life without change is caught in the stillness of death,
A nation's soul is quickened in the stresses of Revolution,
Like a tempered sword in Destiny's hand is the nation,
That sits in constant judgement over its deeds.

23. Without the hearts' warm blood coursing through them,
All creations are imperfect,
And music is naught but an empty mania,

24. He has been able to trace in the courses of the stars,
But is unable to travel in the world of his ideas;
He has so lost himself in the labyrinths of his mind,
That he cannot distinguish between right and wrong;
He has ensnared the rays of the sun,
But failed to illumine the dark night of his life.

Fast and furious blows the storm;
But calmly lights his lamp,
The man of God whom he has given,
The attributes of a king.

The individual exists because of the bonds,
That link him up with the commune;
Alone, he is naught.
Even as the wave has an entity as part of the river,
Outside it, it is naught.

6. Glowing with the kight of a self thou art,
Make self strong and thou wilt endure.
Knowing as I do the harmony of life,
I will reveal to thee its hidden secret:
'Tis to sink into thyself like the pearl,
Then to emerge from thine inward solitude;
What is life but to be freed from moving round others,
And to regard one self as the Holy Temple.

7. Feast not on the shore, for there
Safely breathes the tune of life;
Grapple with the waves & dare,
Immortality is Strife.

8. O, heart, Look for the secret of life in bud;
For reality is revealed in its Appearance.
It grows out of the darkness of the earth,
But its gaze is fixed on the lustre of the sun.

9. A single uncontrolled manifestation of Intellect,
May set the whole world ablaze;
Tutoured by Love, it can illuminate the universe.

6. Love plunged unafraid in the fire kindled by Namrud,
While reason still watched continuously from the rooftop.

7. Hard his lot and frail his being like a rose leaf,
Yet no form of reality is so powerful,
So inspiring and so beautiful as the spirit of man.

8. Out of the head of hundred donkeys,
The creative thinking of a gifted individual cannot emerge.

9. If the pattern is poor, Lord; what good is repetition?
Does this cheapening fashion a new pattern,
Lord, create a maturer Man,
It does not behove thee to make these clumsy toys of clay.

10. Look thy own clay for the fire that seems dead,
Borrowed light is not worth striving.

11. Flash over hills and deserts, flash over dales and gardens,
The lightening that revolves round itself dies in the heart of the cloud.

12. Out of the wealth of my imagination,
A hundred Worlds take shape, like flowers;
Why hast Thou alone created this one sorry world, steeped in despair.

13. Fettered & cramped,
Life is like a little sluggish rivulet;
Free, it becomes the boundless ocean.

Although I have not been able to express it very attractively,
Perhaps my words may evoke an echo in thy heart.
Religion is either a lauding of God's name
In the wide expanse of the heavens,
Or passive prayer of turning of beeds in the lap of the night.
That is the religion of self-conscious God-intoxicated men,
This is the religion of the priest, the trees & the stones.

2. If the Muslim is a Kafir he can neither conquer nor renounce the World,
If he is a Momin, (man of true faith) he is a king even when he has renounced the World.
If he is a Kafir, he relies on the sword,
If a Momin he carries on the good fight without it.
If he is a Kafir, he is a slave of his own fate,
If a Momin, he forges his own fate in the name of the Lord".

3. Elevate thy ego so that,
Before God determines thy fate,
He should first ask 'What is that thou desirst'.

4. Every moment the Momin reveals new graces, new charms.
In his words and actions he bears testimony to God.
Righteous indignation & forgiveness, purity and power,
When these four elements combine, they make a true Muslim.
His will judges the purposes of Nature,
He is like the dew that cools the heart of the poppy,
And the storm that frightens the heart of the rivers.

5. He alone is the Leader of thy age
who makes thee discontented with the near and the immediate.

Iqbal's Poetry

As Translated by

K. G. Saiyidain

مولانا آزاد کے ساتھ کام کیا (۱۹۵۰ - ۵۸ء) دہلی آنے سے پہلے میں حکومت بمبئی کا مشیر تعلیم تھا
۔ ۴۷ء) (اور اس سے پہلے میں نے سابق ریاست رام پور میں چند سال گزارے۔ (۱۹۴۵-۴۷ء)

(۱۹۵۲ء میں کہا تھا) "اب عمر کی اس منزل میں آچکا ہوں، جب عام حالات میں مجھے اپنے
ڑھا سمجھنا چاہیے۔ لیکن میں زمانۂ سابق میں اور اب تک بچوں اور نوجوانوں کے ساتھ اپنا
نا بہت سا وقت گزارا کیا ہوں کہ مجھے شاید یہ کہنا بے زیب نہ ہو کہ میں نے ابھی تک
کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالے ہیں۔

[۸ دسمبر ۱۹۷۰ء کو انتقال سے ایک برس پہلے] "جیسے جیسے میں بوڑھا ہوتا جاتا ہوں
ر میری کشتی ندی کے دوسرے کنارے کے قریب ہوتی جا رہی ہے، جو زندگی کی آخری تقدیر ہے، یہ خواہش
مجھے بے چین کیے رکھتی ہے کہ میں نوجوانوں سے اپنا تعلق قائم رکھوں!

◆◆

Lying scattered throughout his books, his articles and addresses, these renderings into English of Iqbal's Persian/Urdu verses have been collected, in bits, from Saiyidain's well-known, less known, and sometimes rarely known writings.

◆◆

Speaking in first person singular, Iqbal has been inspiring me from my school days. His poems written for youngsters, made into a beautiful melody by some of the most excellent master-singers, now available on audio-cassette ***'Iqbal Bachchon ke liye'*** still bring me into sweet ecstasy. Like Saiyidain Saheb, Iqbal has become for me a life-long friend who leads me like a kindly light. And, Saiyidain Saheb has been close to my heart on yet another account; he half-belonged to Rampur, my home-town: Aziz Jahan Saiyidain being a daughter of that former princely State. As the chief architect of the entire edifice of modern education in Rampur state, he is still well-remembered there with love and respect, and thatby all the more has become a lovely figure for me. Last but not the least, I have heard so many things about him, all of them most sweet memories, from my Baba, that sometimes I feel very much deprived, very sorry, of not having seen him, having listen to him, while I passed my early years in Delhi itself, his last abroad: My God, Why I was not born earlier to be able to see the stalwarts of Indo-Muslim Culture.

Shayesta Khan

میں نے ہمیشہ پُل بنانے میں دلچسپی لی ہے۔ اُن علاقوں کے مابین پُل سازی جہاں
ہونے چاہیئے تھے مگر جہاں تحفظ پسندی اور عدم تفاہم کے سبب فاصلے ہی فاصلے ہیں اس
میں میرے لئے بڑی کشش ہے کہ زندگی اور تعلیم کے درمیان ایسا پُل بناؤں، جو اسکول سے
ہوتا ہوا خالقِ کائنات کے ہر مظہر تک لے جائے، نہ کہ کسی خاص تنگ و محدود گوشے
مجھے یہ احساس مضطرب کئے رہتا ہے کہ ہم چھوٹے چھوٹے خول میں ایسے گھرتے جا رہے ہیں کہ تمام دکھ
فراموش ہوئی جاتی ہے۔ ہم اپنے اپنے پیشوں، مصروفیتوں اور مشغولیتوں میں ایسے اندر
جا رہے ہیں، جینے کے سلیقہ کی طرف کوئی توجہ ہی نہیں رہ رہی ہے ..... ہماری اندرونی زندگی
مرکزِ ثقل باہر کی جانب کھسکتا جا رہا ہے اور اندیشہ ہے کہ وہ کہیں اپنی بنیاد ہی نہ کھو بیٹھے

دوستی کا حسن، ساتھیوں کے ساتھ گفتگو کا حسن، حسنِ معاملگی، دوسروں کے ساتھ مل بانٹنے
آمادگی، اپنی تنہائی میں بھی مگن رہنے کی صلاحیت اور یہ صلاحیت کہ اس تنہائی کو بڑے مصنفوں اور
بڑی کتابوں کے سہارے خوشگوار بنایا جا سکے، فن اور فطرت کے حسن میں کھویا جا سکے۔ مجھے
احساس مضطرب کیے رہتا ہے کہ ..... (یہ) تمام و کمال زندگی فراموش ہوتی جا رہی ہے!
میں اصطلاحات کے چکر میں نہیں پڑتا، نہ صرف یہ کہ اس سے اپنی پیشہ ورانہ کم مائگی چھپی
ہے۔ بلکہ دوسرے کے لئے آسانی سے سمجھ آجاتا ہوں، پھر ایسا بھی خیال رہتا ہے کہ میری بات
متخصص کے لئے نہیں جتنی ان لوگوں کے لئے جنہیں تعلیم سے ایک عمومی دلچسپی ہے۔ اور بہتر ہو
اگر ہم پر یہ بات روشن ہو جائے کہ تعلیم تو بنیادی طور سے سبھی کی دلچسپی کی چیز ہے۔
[میں نے] لفظوں کو نرمی، صداقت اور حرارت کے ساتھ استعمال کیا ہے: لفظوں کو
ہمیشہ خدا کی امانت سمجھا اور اسی طرح برتا ہے! لفظ میں ہمیشہ شرافت، دیانت اور انسان دوستی برتی
ہے۔ ہمیشہ لفظوں کو انسانیت کے گداز اور حسن میں سمو کر استعمال کرنے کی کوشش کی ہے! لفظوں
کو اعتدال اور دلنوازی کے ساتھ برتا ہے۔
میں نے (وزارتِ تعلیم میں) بحیثیت ان کے جوائنٹ سکریٹری اور سکریٹری کے آٹھ سال سے

(Iqbal's Educational Philosophy) وجود میں آئی ۔ اس اثنا میں مہاتما گا
کی قیادت میں ہندوستان سیاسی میدان میں آزادی کے حصول کے لئے جدوجہد کرتا آگے بڑھ
تھا ۔ گاندھی جی نے حیاتِ قومی کے بہت سے تقریباً سارے میدانوں میں کچھ غیرمعمولی اضافہ کیا
طرح تعلیم میں بھی اپنی بنیادی تعلیم کی اسکیم کے ذریعہ انقلابی اثر ڈالا ۔ میں بنیادی تعلیم کی تحریک
بہت قریب ہوتا گیا اور یہ قربت نظری اور عملی دونوں ہی صورتوں میں رہی ۔ جس کے نتیجہ میں
بہت سے بیسک اسکول اور ٹریننگ اسکول قائم کرادیئے خاص کر کشمیر اور بمبئی کی ریاستوں
انتظامی امور سے وابستگی نے بہت سے مسائل اور ہر سطح کے معلموں سے واقفیت کے مو
فراہم کئے ، ملک کے سماجی معاشی اور تہذیبی حالات کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ۔ اور اب ا
ہوا کہ اچھی تعلیم کے لئے اچھا سماج بھی ضروری ہے ۔ " دی اسکول آف دی نیوچر" میں میری اپر
یکرخی تھی ، اس کا مجھے اب احساس ہونے لگا ، وہاں میں نے فرد پر کچھ زیادہ ہی زور دے دیا
اور سماجی نظام پر بہت کم توجہ کی تھی ۔ اپنے نئے افکار کے پیشِ نظر میں نے اسے " پرابلمس آف
ایجوکیشنل ری کنسٹرکشن " (Problems of Educational Reconstruction) کے نا
سے دوبارہ لکھا ۔ فرد اور سماج کے رشتہ پر کچھ اور تیز تر فکر " ایجوکیشن کلچر اینڈ دی سوشل آرڈ
(Education, Culture & Social Order) کی صورت میں آئی ۔

اس اثنا میں ۱۹۴۷ء کے بعد سے مجھے بہت سے ملکوں کو دیکھنے کے مواقع ملے ، اور
انگلستان ، فرانس ، سوئزرلینڈ ، امریکہ ، چین ، عراق ، سوڈان ، سعودی عرب ، اسکینڈینیویا ، یوگوسلا
اور یونسکو میں ممتاز ماہرینِ تعلیم اور دوسرے مفکروں سے ملاقاتیں رہیں ۔ پھر آسٹریلیا کا ایک مفید
اور دلچسپ دورہ رہا ۔ اور مجھ پر یہ امر واضح ہو گیا کہ دنیا کے لوگوں میں آپسی مفاہمت بڑھانے کے لئے
زیادہ سے زیادہ کوشش کرنی چاہیئے اور یہ کام لیڈروں اور سائنس دانوں کے ساتھ ساتھ معلموں کا
بھی ہے ۔ جامعات کے معلموں سے گاؤں کے معمولی معلم تک سب کا ، کہ وہ بتائیں اور ذہنوں
میں رچائیں کہ پوری دنیا ایک بستی ہے ۔ اور ایٹم بم کے دور میں اپنی قومی ڈیڑھ اینٹ کی
مسجد بنانا ایک مہلک کھیل ہوگا یہی نکتہ ہے جو بڑھ کے " ایجوکیشن فار انٹرنیشنل انڈر اسٹینڈنگ
(Edn. for Int. Understanding) میں ڈھل گیا ہے ۔

جو اس شریف دل کی دھڑکن بن چکی تھی یہیں ڈاکٹر ذاکر حسین کو اپنے ذہن اور شخصیت کے
م میں ڈھالتے دیکھا۔ یہیں طفیل احمد صاحب کو دیکھا ظاہری ملمعوں سے قطعی بے نیاز جسم کے
نے کا دل اور فولاد کا کیریکٹر چھپائے خاموشی، لیکن عزم راسخ کے ساتھ سماجی اصلاح اور
ت کے لئے ہمہ تن اضطراب اور بے چینی! یہیں سید سجاد حیدر (یلدرم) کو دیکھا خلوص اور
کے ساتھ اپنے ملنے والوں میں ادبی ذوق کی جوت جگاتے ہوئے، یہیں اقبال "افکار اسلامی
ل نو" پر اپنے مشہور لکچر دینے کے لئے آئے اور مجھے انہیں قریب سے دیکھنے کی سعادت نصیب
یہیں پہلی بار ہندوستانی نسائیت کے زیور مسز سروجنی نائیڈو اور اپنی پہلی چانسلر بھوپال کی عظیم
دیکھنے کا موقع ملا۔

یادوں کے خزانے سے جو نام جلدی جلدی ابھرتے چلے آئے، ان میں سے چند ایک کا ذکر
کیا جو میرے لئے سرچشمۂ فیضان بنے ہیں۔ اور یہ ذکر اس لئے کیا کہ ہر وہ شخص جس نے عظمت کو چھو
، اس کا یہ فرض ہو جاتا ہے کہ اس سعادت کو جو قسمت کی یاوری اس کے حصہ میں لے آئی، دوسروں
ی بانٹے!

پھر یہی یونیورسٹی تھی جہاں میں نے بطور استاد اپنی زندگی کا آغاز کیا، اور تعلیمات میں نہ صرف
شہ بلکہ اپنا شغف بھی دریافت کیا، وہ شغف جو دل سے قریب ترین ہے اور جس میں خود اظہاری
ش کا ہیں اور خدمت کا میدان تلاش کیا ہے۔

چالیس سال گزر گئے اس بات کو جب میں انگلستان میں تعلیم کی ٹریننگ لے کر ہندوستان
ہیں ہوا میرا سب سے پہلا تقرر ٹریننگ کالج (علی گڑھ) میں ہوا۔ جہاں مجھے معلموں کو ٹریننگ دینی
۔ اس سلسلہ کے مسائل پر سوچنے اور ان سے نبٹنے کے عمل میں، میں نے "دی اسکول آف دی
چر" (The School of The Future) تصنیف کی۔ تقریباً اسی زمانے میں اقبال
شاعری اور فلسفہ میں میری دلچسپی بڑھ گئی .... (اور) "اقبال کی ایجوکیشنل فلاسفی"

as teacher. Later he served the Governments of Kashmir, of Rampur S
and of Bombay, followed by the Govt. of India, Ministry of Education u
Abul Kalam Azad. He wrote more than two dozen books in English
Urdu. He passed away in 1970 and is survived by his three daught
among them Syeda Saiyidain Hameed. For his monumental work, *'An
meN charAgh'*, he won the Sahitya Akadmi Award, which in those days v
considered a prestigious one.

◆◆

Luckily, most of the details briefed above, have been penned down
the great Iqbalist himself, in some of his English writings, which rende
into Urdu have since been incorporated in '***Afkar-e Saiyidain***'. For tho
interested in details, I reproduce below the relevant portions:-

میں حالی کا نواسہ ہوں، جو ۱۹ویں صدی کے مشہور ترین شعراء میں سے ایک ہیں اور غالب
کے شاگرد۔

میری پرورش کٹر مذہبی ماحول میں ہوئی۔

والدہ مرحومہ کی ذات میں، میں نے سب سے پہلے اور سب سے زیادہ واضح طور پر ان صفات کا
جلوہ دیکھا جن پر تہذیب نفس کا دارومدار ہے اور جن کی مثال سے مجھ پر یہ حقیقت روشن ہوئی
کہ انسانی زندگی محض خود غرضی اور نفس پرستی کی مجنونانہ جدوجہد کا نام نہیں، بلکہ اس سے بہت بلند اور ارفع
و اعلیٰ چیز ہے۔

میرے والد خواجہ غلام الثقلین اپنی آخری عمر میں میرٹھ میں وکالت، سماج سیوا اور
اخبار نویسی کا کام کرتے تھے۔ جس میں ان کی توجہ وکالت کی طرف کم اور اخبار نویسی کے ذریعہ
سماج سیوا کی طرف زیادہ تھی۔ میں نے بچپن میں اپنی تعلیم کا ایک حصہ اسی شہر میرٹھ میں حاصل کیا تھا۔
خصوصاً قرأت کا فن یہاں کے ایک مشہور استاد سے سیکھا تھا۔ میرے ایک بہت قریبی عزیز (بہنوئی)
سید محمد مستحسن زبیری یہیں رہتے، یہیں بیرسٹری کی، یہیں اپنی شرافت اور قابلیت کی وجہ سے مشہور
ہوئے اور یہیں کی خاک میں دفن ہوئے۔

علی گڑھ میں، میں نے چار سال طالب علم کی حیثیت سے گزارے۔ اور تقریباً بارہ برس
استاد کی حیثیت سے۔ جب ۱۹۱۹ء میں، میں نے داخلہ لیا تو اس درس گاہ کے ساتھ میرا چالیس سال کا

Foreword

K.G. (Khwaja Ghulamus) Saiyidain was one of the finest products of Islam in modern India. As good in rendering English into Urdu, as Urdu/Persian into English, his first major work on Iqbal's educational Philosophy has become a classic on Iqbal studies, and Saiyidain has been too well known to the students of Iqbal to be introduced at length. While Principal at Aligarh Teacher's Training College he wrote his pioneer work. Thereafter Iqbal remained a close companion throughout his life: his guide his teacher, his bosom friend.

And he has imbibed Iqbal's spirit to such an extent that one would wonder if Iqbal could have translated his verses more faithfully in letter and spirit than Saiyidain did. Quite a few of us may not perhaps be aware of the translations of his verses made by Iqbal himself. A few of them are as under:

چناں بزی کہ اگر مرگ تست مرگ دوام   خدا زکردہ خود شرمسار نہ گردد

Live so beautifully that, if death
Is the end of all,
God himself may be put to shame,
For having ended thy career.

یقین اللہ مستی خود گزینی   یقین مثل خلیل آتش نشینی

سن اے تہذیب حاضر کے گرفتار   غلامی سے ہے بدتر بے یقینی

Truth in God is ecstasy and emanicipation,
Like Khalil to sit in conflagration.
Hark ye o slave of present civilization!
Ineidelity, than bondage is worse, an occupation.

Dedicated to

Syeda bahen ***(Dr. Syeda Saiyidain Hameed)***

Iqbal's Poetry

As Translated by

K. G. Saiyidain

Comp. by

Shayesta Khan

Letters to the Editor

Letters to the Editor Qaumi Awaz

Eminents of Urdu Literature

Signatures of National Leaders

Donated by Dr. Iqbal Husain

Journal No. 97

CONTENTS

1995

Price Rs. 75/-

Printed by Pakiza Offset Press, Mohammadpur Road, Shahganj, Patna-6 and published by Khuda Bakhsh Oriental Public Library, Patna-4.

Khuda Bakhsh Library Journal

Khuda Bakhsh Oriental Public Library
Patna

خدابخش لائبریری

جرنل پٹنہ

۹۸

خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ

رجسٹریشن نمبر: ۲۲۴۲۴/۷۷
شمارہ : اٹھانوے

سالانہ : ۳۰۰ رُپے
: ۶۰ ڈالر ایشیا، ۱۲۰ ڈالر دیگر ممالک

اس شمارے کی قیمت: پچھتر رُپے

۱۹۹۴ء

مصطفےٰ کمال ہاشمی نے جے۔ ٹی۔ ایس پرنٹرس پٹنہ میں چھپوا کر خدا بخش لائبریری پٹنہ سے شائع کیا۔

کچھ اس جرنل کے بارے میں

خدابخش صدی یادگار تقریبات کا پانچ سالہ پروگرام بنایا گیا تھا جو ۹۱ء میں شروع ہوا اور ۹۵ء پر ختم ہو رہا ہے۔ اس میں یہ طے ہوا کہ ۱۰۰ اہم کتابیں شائع کی جائیں۔

اس میں یہ تجویز بھی ہوئی کہ جرنل کا وقفہ اشاعت ماہانہ کر دیا جائے اور اسی اعتبار سے ۱۹۹۱ء سے شمارہ نمبر گنے جانے لگے لیکن، چونکہ یہ عملاً ممکن نہ ہو سکا کہ جس نوعیت کا یہ پرچہ تھا اس کے معیار کو برقرار رکھتے ہوئے اس کی ماہانہ اشاعت میں تسلسل رہے، اس لیے وہ شائع تو تماہی ہوتا رہا لیکن شماروں کی گنتی میں اُسے ماہنامہ تسلیم کیا جاتا رہا یعنی جنوری تا مارچ کے پرچے کو جنوری، فروری، مارچ گنا گیا اور تین پرچے شمار کیے گئے جبکہ واقعتہً وہ ایک ہی تھا۔ یہ سلسلہ ۱۹۹۴ء کی پہلی تماہی تک چلا۔

۱۹۹۴ء کی دوسری تماہی سے یہ خیالی سلسلہ واقعیت کی طرف مڑ گیا یعنی شمارہ ۹۶ سے ہر تماہی نمبر گنتی میں ایک ہی شمار کیا گیا۔ گویا نمبر ۹۶ سے یہ پھر اپنی اصل کی طرف لوٹ گیا ہے۔

ایک بات اور بھی؛ دس سال تک کے شماروں کا حساب مالی سال سے چلتا رہا۔ ۱۹۸۷ء میں ایک فاضل شمارہ، نمبر ۴۴ مالی سال ۱۹۸۸ء کی پہلی تماہی میں دینے کے بجائے، ۱۹۸۷ء کی آخری تماہی کے ساتھ دیدیا گیا تاکہ مالی سال کا حساب رکھنے کے بجائے عام تقویم جنوری تا دسمبر کا سادہ سا حساب جرنل کی اشاعت میں بھی قائم رکھا جائے۔

خریدار افراد اور اداروں کے لیے یہ دونوں نکتے کوئی مسئلہ کبھی نہیں بنائے گئے اور انہیں ایک سال میں ۴ شمارے باقاعدہ ملتے رہے، گویا وہاں یہ تماہی ہی بنا رہا اور اس لحاظ سے اس کا چندہ بھی چلتا رہا۔

تاہم یہ تفصیل دینی اس لیے ضروری تھی کہ نمبروں کی گنتی جو ۱۹۹۱ء سے ایک کو تین میں بدلی وہ صرف تخیلی ہی سمجھا جائے کہ اب جرنل پھر اپنی اصل پر واپس آچکا ہے۔

چار شمارے ہر سال پیش کیے جاتے رہے اور شروع میں جب 75/= روپے سالانہ قیمت تھی تو ہزار صفحات کے بقدر اور جب قیمت 300/= روپے سالانہ ہو گئی تو تقریباً دو ہزار صفحات کے لگ بھگ خریداروں کو دیے جاتے رہے ہیں۔

شمارہ ۴۴ تک مالی سال کا حساب چلتا تھا تو ہم ۴ شمارے دیتے تھے، یہ ۱۹۸۷ء کی بات ہے۔ اسی سال ہم نے ایک شمارہ زائد دیکر مالی سال کو عام تقویم میں مدغم/تبدیل کرلیا۔

اور پھر ۱۹۸۸ء سے یہ سال بہ سال چلتا رہا۔ لیکن بس اتنا رہا کہ نمبر ایک تماہی کے بجائے تین[۳] مہینوں کے پڑتے رہے یعنی ایک = تین تاآں کہ ۱۹۹۴ء کی دوسری تماہی سے تخیل پھر واقعیت کی طرف مڑ گیا۔ یہ بات ابھی تک ریکارڈ میں نہیں آئی تھی، آجانی چاہیئے تھی۔ تاخیر سے سہی معذرت کے ساتھ آجانی چاہیئے۔

——— مدیر

تاریخ کیساتھ کھلواڑ

درسی کتابوں میں زہریلا مواد

تاریخ ہند (عہد وسطی) سمینار منعقدہ مارچ ۱۹۸۸ء
کے مقالات اور بحثیں

آزاد ہندستان کو آناد رہناہے تو اپنی تاریخ کو بھی غلامانہ اثرات سے آزاد کرنا ہوگا۔ غلام
سے غلاموں سے لڑتا ہے نفرت کرتاہے کیونکہ اس کا آقا لڑانے میں ہی فتح پاتا رہتاہے۔ ہماری تاریخ
ہی پر ابھی تک غلامی کے سائے منڈلا رہے ہیں، خاص کر بچوں کے لیے جو کتابیں لکھی جاتی ہیں ان میں خاموشی
ساتھ زہر خورانی کی جاتی رہتی ہے اور انسانوں کو انسانوں سے نفرت کرنا سکھایا/پڑھایا جاتاہے: دنیا
ں سے کہاں پہنچ رہی ہے اور ہم ابھی تک **مسجد گراؤ** مندر بناؤ **مندر گراؤ** مسجد بناؤ کے چکر سے نہیں نکل پائے ہیں۔
خدابخش لائبریری نے مارچ ۱۹۸۸ء میں اس موضوع پر سمینار کیا جسمیں اہم مورخ جمع ہوئے ——
—— اپنی کہی دوسروں کی سنی، اس سب کا حاصل پیش خدمت ہے۔

ع ر ب

فہرست

ظفرالاسلام
علی گڑھ

تاریخ کی درسی کتابیں اور فیروز شاہ تغلق

خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری (پٹنہ) کے زیر اہتمام ۲۲ تا ۲۶ مارچ ۱۹۸۸ء کو عہد وسطیٰ کی ہندستانی تاریخ سے متعلق مخطوطات پر جنوبی ایشیائی ریجنل سیمینار منعقد ہوا۔ اس سیمینار کے دو اجلاس مختلف اسکولوں کی تاریخی درسیات کے تنقیدی جائزے کیلئے مخصوص تھے، جن کے بارے میں عام تاثر یہ پایا جاتا ہے کہ وہ مسلمانوں کے تئیں ہندوؤں میں نفرت و عداوت کے جذبات پیدا کرنے میں اہم رول ادا کرتی ہیں۔ اس مخصوص اجلاس میں ملک کے مختلف اداروں کے مندوبین کے علاوہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے ڈاکٹر جمال محمد صدیقی، ڈاکٹر افضال حسین اور جناب ارشد الاسلام شریک ہوئے۔ سیمینار کے عام موضوع کی مناسبت سے میرا مقالہ عربی کے ایک تاریخی مخطوطہ پر تھا لیکن تاریخی درسیات سے دلچسپی کی وجہ سے میں اس کے مخصوص اجلاس میں بھی شریک رہا اور اس موضوع پر متعدد مقالہ نگاروں کی تحقیقات اور ان پر بحث و مباحثہ سے مستفید ہوا۔ اس سیشن میں پیش کیے جانے والے مقالات سے دو باتیں خاص طور سے ابھر کر سامنے آئیں۔ اول یہ کہ درسی کتابوں کے تاریخی اسباق کے مطابق عہد وسطیٰ کے وہ مسلم حکمراں زیادہ متعصب، تنگ نظر اور فرقہ پرست واقع ہوئے تھے جو دینی میلانات اور مذہبی رجحانات کے لیے معروف تھے۔ اس کا بخوبی اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ان درسی کتابوں سے منافرت پھیلانے والے جو اقتباسات بطور مثال پیش کئے گئے تھے ان میں سے بیشتر کا تعلق فیروز شاہ تغلق (۱۳۵۱ - ۱۳۸۸ء) اور اورنگ زیب عالمگیر (۱۶۵۸ - ۱۷۰۷ء) سے تھا۔ دوسرے یہ کہ مذہب کی پابندی یا اسلامی شریعت کی پیروی اور تعصب و تنگ نظری میں گہرا رشتہ ہے۔ اس کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ ان درسی کتابوں میں پہلے ان مسلم بادشاہوں کو شریعت کا متبع اور اسلام کا نمائندہ بتایا گیا ہے اور پھر ہندو عوام کے ساتھ ان کی ظلم و زیادتی کی "مفروضہ" کہانی اس انداز میں پیش کی گئی ہے کہ یہ ایک دوسرے کے لازم و ملزوم معلوم ہوتے ہیں۔

تاریخی حقائق کی روشنی میں غور کیا جائے تو مذکورہ دونوں باتیں بے بنیاد اور غلط ثابت ہوں گی۔ اس میں شبہ

نہیں کہ سلاطین دہلی اور شاہان مغلیہ فکری و نظری طور پر اسلامی شریعت کی بالادستی کے قائل تھے اور ان کے یہاں ظاہری
طور پر شریعت کا احترام اور شرعی قوانین کا پاس ولحاظ پایا جاتا تھا، لیکن یہ کہنا خلاف واقعہ ہوگا کہ ان کی شخصی و عوامی زندگی
صحیح معنوں میں اسلامی تعلیمات کی عکاسی تھی یا یہ کہ ان کا نظم حکومت شریعت کے عین مطابق تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کی
حکومت کا نظام شاہانہ تھا اور سیاست و حکومت کی دنیا میں ان کے پیش نظر مختلف عوامل (مذہبی تقاضے، خاندانی
روایتیں، سیاسی مصلحتیں، انتظامی ضروریات اور مقامی حالات) ہوتے تھے جو ان کی کارکردگی کی راہ متعین کرتے تھے۔
ان میں سے کس عامل کو کس معاملے میں ترجیحی مقام حاصل ہوتا تھا، اس کا فیصلہ موقع و محل کی مناسبت اور سلطان کی صوا
دید پر منحصر تھا۔ اس لیے اگر کوئی ان کے ہر ایک عمل کو اسلام سے منسوب کرے یا ان کے جملہ اقدام کو اسلامی تعلیمات کا متقاضی
قرار دے تو اسے کیسے حق بجانب کہا جا سکتا ہے۔ تاریخ کی درسی کتابوں میں ایک جانب مسلم حکمرانوں سے بہت سی ایسی
باتیں منسوب کی گئی ہیں جو ان کے عہد میں انجام پذیر نہیں ہوئیں۔ دوسری جانب برادران وطن کے ساتھ ان کے روا
ناروا ہر نوع کے سلوک کو اس طور پر پیش کیا گیا ہے کہ یہ تمام تر بربنائے تقاضائے اسلام تھا۔ اسی بات کی وضاحت کیلئے
یہاں تاریخی مآخذ کی روشنی میں فیروز شاہ کی بابت درسی کتابوں کے بیانات کا تنقیدی تجزیہ پیش کیا جائے گا۔ اس سے یہ حقیقت
کھل کر سامنے آئے گی کہ کس طرح تاریخی واقعات کو توڑ مروڑ یا بڑھا چڑھا کر بیان کیا جاتا ہے تاکہ معصوم بچوں کے ذہنوں
میں مسلم حکمرانوں بالخصوص مذہبی رجحان رکھنے والوں کی ایک بھیانک تصویر جم جائے اور مسلمانوں کے تئیں نفرت و عداوت
کا احساس بیدار ہو جائے۔

درسی کتابوں میں فیروز شاہ کے جس اقدام کو سب سے زیادہ اہمیت و شہرت دی جاتی ہے، وہ ہندوؤں
پر جزیہ کا نفاذ ہے۔ اسے ایک زائد مالی بوجھ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس انداز میں اس کا ذکر کیا جاتا ہے کہ فیروز شاہ
نے ہندوستان میں پہلی بار یہ قانون لاگو کیا۔ یہاں اس کی گنجائش نہیں کہ اسلام کے تصور جزیہ اور اس کی تاریخ پر روشنی
ڈالی جائے لیکن یہ وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ ہندوستان میں یہ قانون کسی نہ کسی صورت میں فاتح سندھ
محمد بن قاسم کے زمانے سے رائج تھا۔ فیروز شاہ نے اس میں صرف یہ ترمیم کی کہ اس نے برہمنوں کو بھی (جو پہلے اس سے
مستثنیٰ تھے) اس کی ادائیگی کا پابند قرار دیا۔ سلطان کا یہ اقدام معاصر علماء سے مشورہ اور ان کی متفقہ رائے پر مبنی
تھا کہ جملہ برہمن اپنی سماجی و معاشی مصروفیات کی وجہ سے پروہت اور معابد کے خدام کے زمرے میں شامل نہیں
کیے جا سکتے جو شریعت کی رو سے جزیے سے مستثنیٰ ہوتے ہیں۔ فیروز شاہ کے عہد میں قانون جزیہ کے اجراء کا بہت
تذکرہ ملتا ہے۔ لیکن اس جانب شاید ہی کہیں اشارہ کیا جاتا ہے کہ اس نے برہمنوں کے ساتھ رعایت کرتے ہوئے

فی کی اور تمام برہمنوں پر یکساں طور پہ فی نفر دس تنکا مقرر کیا۔ فیروزشاہ کے اس اقدام کو سمجھنے
ر رکھنا ضروری ہے کہ اس نے شرعی قوانین کی روشنی میں نظام محاصل میں اصلاح پیدا کرنے کی کوشش
محاصل کی وصولی بند کر دیا جو شریعت سے ثابت ہیں اور اس نے حکومت کے ذرائع آمدنی کی تشخیص
بے ضابطگیاں کی جا رہی تھیں انھیں رفع کیا۔ شریعت کی روشنی میں قانون جزیہ کا اجرا سلطان کی اس
یتھا نہ کہ ہندوؤں کے خلاف کوئی تعزیری اقدام یا ان کی مالی ذمہ داریوں میں اضافہ کرنا۔ دلچسپ بات
ں کوئی درسی کتاب جزیہ کے ذکر سے خالی ہو لیکن اس کا حوالہ شاذ و نادر ہی کہیں ملتا ہے کہ سلطان نے
ے محاصل معاف کیے جو شریعت سے ثابت نہیں تھے۔ یہ محاصل زیادہ تر مقامی نوعیت کے تھے جو کسانوں
ور مختلف پیشہ والوں سے وصول کیے جاتے تھے۔ ظاہر ہے کہ سلطان کے اس اقدام سے ہندو و مسلم سبھی
ور اس کی یہ معافی کسی خاص طبقے تک محدود نہ تھی۔
سی کتابیں مسلم حکمرانوں سے عمومی طور پر مندروں کا انہدام منسوب کرتی ہیں۔ فیروزشاہ کا اس ضمن میں
یں ہے لیکن فیروزشاہ اور مذہب پسند سلاطین کے ساتھ خصوصیت یہ ہے کہ اس عمل کو ان کے دینی رجحان
یا جاتا ہے کہ گویا یہ عمل مسلم حکمرانوں کے فرائض میں داخل ہے۔ اول تو یہ کہ بت شکنی یا منادر کی تخریب کو
اسلام پسندی کا لازمہ سمجھنا اسلام کی غلط ترجمانی اور اس کے مزاج سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ اسلام
ہب کی عبادت گاہوں کے احترام کی تعلیم دیتا ہے وہ کسی مسلم شہر میں حکومت کی اجازت کے بغیر ذمیوں
میر کی اجازت نہیں دیتا لیکن قدیم منادر کے خلاف کسی اقدام کو روا نہیں سمجھتا۔ شریعت میں صرف
یں مندر کے انہدام کی اجازت ہے جب اس کے ضابطے کے خلاف ان کی تعمیر عمل میں آئی ہو یا پھر وہ کسی
اقی خرابی کے پھیلنے کا ذریعہ بن جائیں لیکن اگر کسی سلطان یا بادشاہ کے یہاں اس اصول کی خلاف ورزی
تو اسے اسلام سے منسوب کرنا انصاف کا تقاضا ہوگا اور نہ اس کا دفاع صحیح ہوگا۔ اس حقیقت سے
یا جا سکتا کہ عہد وسطیٰ کے ہندستان میں مندروں کے انہدام کے واقعات پیش آئے لیکن انھیں بیان
ت یہ دیکھنا ضروری ہے کہ کن حالات و اسباب کے تحت یہ واقعات رونما ہوئے۔ یہ مندر نیا تو نہیں تھا جو کسی
یں تعمیر کیا گیا۔ جنگی حالت یا فوجی مہم کے دوران اس کے لوٹنے کا واقعہ تو پیش نہیں آیا۔ یا یہ حکومت کے خلاف
ں و سازشوں کا اڈہ یا غیر اخلاقی اعمال کے پھیلنے کا ذریعہ تو نہیں بن گئے تھے۔ فیروزشاہ کی بابت معاصر مآخذ
ات سے صاف طور پر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے عہد میں زیادہ تر نئے منادر کو مسمار کیا گیا جو اسلامی ضابطے کی

خلاف ورزی میں بنائے گئے تھے۔ تغلق پور، صلاح پور اور گوہانہ کے منادر کے ضمن میں خاص طور پر یہی وجہ بیان کی گئی ہے[4]۔ جاج نگر اور نگرکوٹ کے مندر فوجی مہم کے دوران منہدم کیے گئے[5]۔ اور بعض مندر کی بابت یہ صراحت ملتی ہے کہ اس لیے توڑے گئے کہ وہ گمراہی و بداخلاقی پھیلانے کا وسیلہ بن گئے تھے[6]۔ انھیں عوامل کے تحت فیروز شاہ کے عہد میں مندر توڑے گئے۔ ایسا نہیں ہے کہ منادر کا انہدام اس کی بنی بنائی سیاسی پالیسی کا حصہ تھا۔ اس ضمن میں ایشوری کی یہ رائے بہت متوازن معلوم ہوتی ہے :

"فیروز شاہ نے ایک طرف اسلامی قانون کے تحت اور دوسری طرف پبلک بھلائی کے پیش نظر ان مندروں کو توڑا۔ فیروز شاہ نے عام طور سے بحیثیت سرکاری پالیسی کے مندر نہیں توڑے[7]۔"

فیروز شاہ دراصل لوگوں کی مذہبی و اخلاقی زندگی کے سدھار کا خواہاں تھا اور وہ ان تمام ذرائع کو بند کرنا چاہتا تھا جو اس کے لیے ضرر رساں تھے۔ یہاں یہ ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ سلطان نے اسی مقصد کے پیش نظر مندروں میں عورتوں کا جانا ممنوع قرار دیا[8]۔ اور دوسری جانب مزاروں پر عورتوں کی حاضری پر پابندی عائد کی[9]۔ اس لیے کہ اس کی وجہ سے اوباش و بدطینت لوگوں کو غیر اخلاقی اعمال میں ملوث ہونے اور مذموم حرکتیں کرنے کا موقع ملتا تھا۔ اگر اس ممانعتی حکم کے پیچھے جو جذبہ کارفرما تھا اسے نہ ذکر کیا جائے یا صرف مندروں کے سلسلے میں بات کہی جائے تو یقیناً اس سے ظاہر ہوگا کہ سلطان متعصب و تنگ نظر واقع ہوا تھا۔ اور اس طرح آخرکار ہمارے فرقہ وارانہ جذبات کو بھی ہوا لگے گی۔ واقعہ یہ ہے کہ فیروز شاہ نے ہندوؤں سے متعلق جو اصول و ضوابط جاری کیے یا انتظامی اقدام اٹھائے وہ اس کی عام سیاسی پالیسی اور اصلاحی کوششوں کا جز تھے۔ ان سے مقصود سماجی و شہری حقوق کو سلب کرنا نہ تھا۔ سلطان کے زمانۂ حکومت میں ہندوؤں کو وہ تمام حقوق و مراعات حاصل تھے جو ذمی کی حیثیت سے شریعت کی روشنی میں انھیں ملنے چاہییے۔ تاریخی و فقہی مآخذ اس کی واضح شہادت پیش کرتے ہیں جس کی تفصیل میں جانے کا موقع یہاں نہیں ہے[10]۔

اسی طرح فیروز شاہ کے بارے میں یہ بھی ذکر کیا جاتا ہے کہ وہ ایک کٹر سنّی مسلمان تھا اور اس نے مختلف ایسے فرقوں و تحریکوں کے خلاف سخت معاندانہ رویہ اختیار کیا جو عام سنّی عقاید و نظریات سے میل نہیں کھاتے تھے۔ اس ضمن میں خاص طور سے شیعہ فرقہ کا نام لیا جاتا ہے۔ فیروز شاہ نے بعض متشدد شیعوں کے خلاف جو سخت قدم اٹھایا اگر اس کے پس منظر کی وضاحت کے بغیر یا سلطان کی دینی و سماجی اصلاحات سے الگ کر کے اس واقعہ کو بیان کیا جائے تو یہ بلاشبہ سلطان کے تعصب و تنگ نظری کی کھلی ہوئی دلیل فراہم کرے گا لیکن اگر اسے اس تناظر میں دیکھا جائے کہ سلطان نے ایک صالح و صحتمند

شرے کی تعمیر کے لیے دینی افکار و نظریات کی پرورش اور مذہبی و اخلاقی زندگی میں بگاڑ پیدا کرنے والے عقاید و
الات کے سدباب کیلئے کوشش کی اور ان فرقوں و تحریکوں کے رہنماؤں کو قرار واقعی سزا دینے میں کسی نرمی کا ثبوت
یں دیا جو اپنے گمراہ کن افکار و اعمال کے ذریعہ ذہنی بے راہ روی اور فکری کجی پیدا کرتے تھے[11]۔ اور اگر یہ بھی ملحوظ
طر رکھا جائے کہ اس ضمن میں اس نے اباحتی و ملاحدہ فرقے کے سرغنہ، وحدت الوجودی فلسفہ کی آڑ میں گمراہی پھیلانے
والے بعض نام نہاد صوفیاء، فساد عقیدہ کی دعوت دینے والے کچھ شیعہ اور فتنۂ ارتداد کو ہوا دینے والے بعض برہمن
میں کوئی تفریق و امتیاز نہیں برتا[12] تو اسے تنگ نظری یا کسی فرقے کی سرگرمیوں پر بیجا پابندی سے تعبیر کرنا حقائق کو مسخ
کرنا ہوگا۔ "فتوحات فیروز شاہی" میں صاف صاف مذکور ہے کہ سلطان نے ان شیعوں کے تئیں سخت رویہ اختیار
کیا جو دین کے مسلمہ عقائد کے خلاف افکار کی تبلیغ میں مصروف تھے اور لوگوں میں فکری کجروی پیدا کر رہے تھے[13]۔
ورنہ جہاں تک اہل بیت سے عمومی طور پر سلطان کی عقیدت و محبت کا سوال ہے معاصر مورخ برنی کے یہ الفاظ
اس پر گواہ ہیں :

"در اخلاص اہل بیت رسول رب العالمین و در محبت خاندان خاتم النبیین گوی سبقت از
بادشاہان ربع مسکون ربودہ است[14]۔"

سلطان فیروز شاہ تغلق کی سیاسی و مذہبی پالیسی کے بارے میں جو غلط بیانی پائی جاتی ہے۔ اس سے قطع نظر
علوم و فنون کی دنیا میں اس کی دلچسپیوں اور اس کے عہد کی سرگرمیوں کی بھی صحیح عکاسی نہیں کی جاتی۔ عام طور پر یہ
سمجھا جاتا ہے کہ اس نے صرف مذہبی علوم اور اسلامی لٹریچر میں دلچسپی لی اور اس کے عہد میں انہی علوم کی کتابوں کی
تالیف و تصنیف عمل میں آئی اور یہ کہ دوسرے علوم سے اس کا کوئی واسطہ نہیں تھا اور نہ ہی ان کی ترویج و اشاعت
کی جانب اس نے کوئی توجہ دی۔ واقعہ یہ ہے کہ سلطان کی علمی سرگرمیوں کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ بلاشبہ فقہ و فقہی
علوم سے اسے خصوصی شغف تھا۔ لیکن اس کے ساتھ تاریخ، علم ہیئت و طب میں بھی اس کی دلچسپی کا ثبوت ملتا ہے[15]۔
عہد فیروز شاہی کی تصنیفی و تالیفی یادگاروں میں تفسیر تاتارخانی، فتاوای فیروز شاہی، فتاوای تاتارخانی، فوائد فیروز
شاہی اور طرفۃ الفقہاء کا عام طور پر تذکرہ کیا جاتا ہے۔ لیکن اس کا حوالہ بہت کم ملتا ہے کہ اس کے دور میں تاریخ، طب
اور ہیئت و موسیقی سے متعلق کتابیں بھی لکھی گئیں۔ جن میں بعض اسی کے نام معنون ہوئیں۔ مثلاً تاریخ فیروز شاہی، طب
فیروز شاہی اور دلائل فیروز شاہی۔ یہاں یہ ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ موخر الذکر کتاب علم ہیئت کی ایک سنسکرت
کتاب کا فارسی ترجمہ ہے جسے سلطان کی ایما پر عزالدین خالد خانی نے کیا تھا[16]۔ علم ہیئت سے اس کی ذاتی دلچسپی

حواشی و مراجع

۱۔ شمس سراج عفیف، تاریخ فیروز شاہی، کلکتہ، ۱۸۹۱ء، ص ۲۸۴۔ حنفی مسلک کے مطابق مالی اعتبار سے ذمیوں کو تین طبقوں میں تقسیم کرکے ایک متعین تناسب کے ساتھ ان پر جزیہ عائد کیا جاتا ہے۔ فیروز شاہ نے یہاں شافعی و مالکی فقہاء کی رائے کو اختیار کیا جس کے مطابق ذمیوں کی طبقاتی تقسیم ضروری نہیں۔ امام اپنی صوابدید سے تمام ذمی باشندوں پر جزیہ کی یکساں مقدار عائد کرسکتا ہے۔

۲۔ تفصیل کے لیے دیکھئے راقم کا مضمون "عہد فیروز شاہی کا نظم محاصل شرعی قوانین کی روشنی میں" تحقیقات اسلامی (علی گڑھ) ۳/۱ جنوری، مارچ ۱۹۸۴ء۔ ص ۲۸-۴۲۔

۳۔ فتوحات فیروز شاہی۔ علی گڑھ ۱۹۵۴ء۔ ص ۵۔ عفیف۔ محولہ بالا۔ ص ۲۷۸-۲۷۹۔

۴۔ فتوحات فیروز شاہی۔ ص ۹-۱۰۔

۵۔ خلیق احمد نظامی، سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، دہلی، ۱۹۵۸ء۔ ص ۴۳۷۔

۶۔ فتوحات فیروز شاہی۔ ص ۹-۱۰۔

۷۔ ایشور ٹوپا۔ ہندی مسلمان حکمرانوں کے سیاسی اصول۔ انجمن ترقی اردو علی گڑھ، ۱۹۶۲ء۔ ص ۸۹۔

۸۔ سبحان رائے بھنڈاری۔ "خلاصۃ التواریخ" دہلی، ۱۹۱۸ء ص ۲۵۰

۹۔ فتوحات فیروز شاہی۔ ص ۸-۹

۱۰۔ اس موضوع پر بحث راقم کے مضمون "غیر مسلموں سے تعلقات کی نوعیت فتاوای فیروز شاہی کی روشنی میں" زندگی نو، ۳/ستمبر ۱۹۸۷ء۔ (ص ۱۶-۲۵) میں دیکھی جاسکتی ہے۔

۱۱۔ اس موضوع پر تفصیل کے لیے دیکھیے راقم کا مضمون "فیروز شاہ تغلق کی دینی و سماجی خدمات"۔ تحقیقات اسلامی۔ ۵/۲ اپریل۔جون ۱۹۸۶ء۔ ص ۴۶-۵۷۔

۱۲۔ فتوحات فیروز شاہی۔ ص ۶-۸ و عفیف، ۳۷۹-۳۸۲

۱۳۔ فتوحات فیروز شاہی۔ ص ۶۔ نیز دیکھئے سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات۔ ص ۴۲۳-۴۲۴

۱۴۔ ضیاء الدین برنی۔ تاریخ فیروز شاہی، کلکتہ، ۱۸۶۰ء ص ۵۸۰۔

۱۵۔ "سیرت فیروز شاہی" نقل (مخطوطہ اورینٹل پبلک لائبریری بانکی پور) مولانا آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، یونیورسٹی کلکشن، فارسیہ اخبار ۱۱۱۔ ص ۱۴۷، ۲۹۲-۲۹۷، ۳۰۵-۳۴۰۔

۱۶۔ عبدالقادر بدایونی، منتخب التواریخ، کلکتہ، ۱۸۶۸ء۔ ۱/۲۴۹۔ "سیرت فیروز شاہی" ص ۲۹۳۔

۱۷۔ "سیرت فیروز شاہی" ص ۹۵

۱۸۔ "فتوحات فیروز شاہی" ص ۱۵-۱۶، عفیف، ص ۳۵۶۔ "سیرت فیروز شاہی" ص ۲۲۵-۲۳۸-۲۴۰-۳۰۴۔

۱۹۔ "این این بالا۔ پروموشن آف لرننگ ان انڈیا۔ دہلی، ۱۹۷۳ء ص ۵۶۔

۲۰۔ عفیف۔ ص ۳۳۴-۳۳۵

۲۱۔ عفیف۔ ص ۳۴۹-۳۵۱۔ سیرت فیروز شاہی۔ ص ۲۳۸-۲۳۹۔

۲۲۔ برنی۔ ص ۵۶۷ عفیف ص ۱۲۷-۱۲۹

۲۳۔ برنی۔ ص ۵۷۴ عفیف ص ۹۴۔ "سیرت فیروز شاہی" ۲۱۱-۲۱۲

۲۴۔ عفیف ص ۹۲

۲۵۔ "فتوحات فیروز شاہی" ص ۲۔

جناب تقی رحیم
پٹنہ

نصابی کتابوں میں فرقہ پرستی

پچھلے کئی برسوں سے خدا بخش لائبریری پٹنہ، ہمدرد فاؤنڈیشن دہلی اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے تعاون سے اہم مخطوطات پر جنوبی ایشیائی علاقائی کانفرنس کرتی چلی آرہی ہے۔ اس سے پہلے طب، صوفیت اور اردو ادب و دانشوری سے متعلق مخطوطات پر پٹنہ، علی گڑھ اور دلی میں سمینار ہو چکے ہیں۔ اس سال عہد وسطیٰ کی تاریخ سے متعلق مخطوطات پر ۲۲ رسے ۲۶ مارچ تک پنج روزہ سمینار خدا بخش لائبریری (پٹنہ) کی عمارت میں ہوا۔ جس کا افتتاح بہار کے گورنر شری گوبند نرائن سنگھ نے کیا۔ اس بار کے سمینار میں خدا بخش لائبریری کے ڈائرکٹر جناب عابد رضا بیدار نے ابتدائی اور ثانوی اسکولوں کی نصابی کتابوں میں فرقہ وارانہ نفرت و تعصب پیدا کرنے والی عبارتوں کا جائزہ لینے اور ان کے تدارک کی صورتوں پر غور و بحث کرنے کے لیے مخصوص نشستوں کا انتظام بھی کیا تھا اور اس کے لیے مختلف ریاستوں کے فضلا سے ان کی اپنی ریاست کی نصابی کتابوں کے متعلق خاص طور پر مقالے بھی لکھوائے تھے جو اس سمینار میں پیش ہوئے اور ان پر کافی جاندار بحثیں ہوئیں۔

اس پنج روزہ سمینار کی تفصیلی رپورٹ اخبارات میں آچکی ہے۔ اور یوں بھی اس موضوع کے فنی پہلوؤں سے ناواقف ہونے کے سبب مخطوطات سے متعلق ہوئی بحث کے بارے میں ہم کوئی رائے دینے کی پوزیشن میں نہیں ہیں لیکن ایک سماجی کارکن کی حیثیت سے ہمیں اس امر کا شدید احساس ہے کہ ہمارے ملک میں خاص کر ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان فرقہ وارانہ نفرت و تعصب کا اصل سبب عہد وسطیٰ کی تاریخ کی وہ مسخ شدہ تصویر ہے جسے برطانوی سامراجیوں نے ہمارے درمیان پھوٹ ڈالنے کے مقصد سے ایک منصوبہ بند سازش کے تحت تیار کروا کر ہماری درسی کتابوں میں شامل کر دیا تھا۔ اور آزادی کے بعد بھی ملک کی تاریخ کو صحیح صورت میں پیش کرنے کی طرف کوئی دھیان نہیں دیا گیا اور ہم تفرقہ ساز مغربی مورخوں کے پڑھائے ہوئے سبق ہی کو آج تک طوطے کی طرح رٹتے چلے جا رہے ہیں۔ چنانچہ اسی احساس کے تحت ہم نے نصابی کتابوں کا جائزہ لینے والی خصوصی نشستوں میں شرکت کی اور ان پر ہوئی بحثوں پر آج اپنا خیال ظاہر کرنا چاہتے ہیں۔

اصل میں انگریزوں نے اپنے دور حکومت میں ہندوؤں کے دلوں کے اندر مسلمانوں کی طرف سے بدظنی پیدا

کرنے کے لیے مسلم حکمرانوں کے مذہبی جبر اور ظلم و ستم کی کچھ ایسی من گھڑت داستانیں تاریخ کی کتابوں میں بھر دیں جنہیں پڑھ کر عہد وسطیٰ کی تاریخ کا بہت ہی بھیانک اور ڈراؤنا تصور ہندوؤں کے ذہن میں قائم ہو گیا اور وہ اپنی تمام گراوٹ کا سبب مسلمانوں کو ماننے لگے۔ گرچہ تاریخ کی اس مسخ شدہ تصویر کو درست کرنے کی کوشش کچھ مسلمان فضلا کی طرف سے کی بھی گئی۔ خاص کر مولانا شبلی نعمانی اور ان کے قائم کردہ ادارے دارالمصنفین (اعظم گڑھ) نے اس سلسلے میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔ لیکن ان کا کام یک رخا اور صرف اردو تک محدود رہا اس لیے اس کا خاطر خواہ اثر نہیں ہو سکا۔ قومی تحریک کے شباب کے دور میں پنڈت سندر لال اور کچھ دوسرے ہندو بزرگوں نے بھی اس طرف توجہ دی تھی لیکن ہماری قومی تحریک کی احیاء پرستانہ جبلی کمزوریوں کے سبب اس کا بھی کوئی خاص اثر نہیں ہو سکا اور لوگ عام طور پر نصابی اور دوسری طرح کی تاریخی کتابوں کے ذریعہ پھیلائے گئے نفرت و تعصب کے زہر ہی سے متاثر رہے اس دوران غلامی کے دور سے لے کر آزادی کے زمانے تک درسی کتابوں میں درج دل آزار تحریروں اور ان کے ذریعہ مذہبی منافرت اور تعصب کے پھیلائے جانے کے خلاف مسلمانوں کی طرف سے وقت وقت پر ایجی ٹیشن بھی ہوتے رہے۔ لیکن قومی یکجہتی کے تناظر میں اس مسئلے کو علمی انداز سے حل کرنے کی منصوبہ بند اجتماعی کوشش کا فقدان رہا۔ ہمارے خیال میں اس سیمینار کے موقع پر پہلی بار اس جانب کامیاب قدم بڑھانے کی کوشش کی گئی ہے جہاں عہد وسطیٰ کی تاریخ کے اساتذہ کے ملک گیر اجتماع میں اس مسئلہ پر معروضی ڈھنگ سے ٹھوس حوالوں کی روشنی میں کھل کر اجتماعی بحث ہوئی اور متفقہ طور پر کچھ سفارشات پیش کی گئیں۔

اس سیمینار کے اندر نصابی کتابوں سے متعلق ہوئی مخصوص نشستوں میں بہار، مہاراشٹر، دہلی، یوپی، گجرات، آندھرا اور مدھیہ پردیش کی درسی کتابوں کے جائزے پر مشتمل الگ الگ خصوصی مقالات کے علاوہ سارے ملک کے اندر رائج نصابی کتابوں کا عمومی جائزہ بھی قومی یکجہتی کے نقطۂ نظر سے اس سبجکٹ کے ماہر اساتذہ نے پیش کیا اور اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والے فضلا کی ایک بڑی جماعت نے اس پر کھلے دل سے بحث کی۔ بحث میں حصہ لینے والوں میں سے ایک ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کو چھوڑ کر جن کا خیال تھا کہ اس طرح کی دل آزاری باتیں ادھر چالیس برسوں کے اندر لکھی جانے لگی ہیں۔ باقی بھی لوگ اس امر پر متفق تھے کہ نصابی کتابوں میں مذہبی نفرت و تعصب کا زہر انگریزوں نے اپنی حکمرانی کے دور میں بھرنا شروع کیا تھا مگر نو آبادیاتی غلامی کے اس دور کی لعنت کا سلسلہ آزادی کے بعد بھی اب تک جاری ہے بلکہ مسٹر سوشیل سریواستو کا تو مقالہ ہی اس موضوع پر تھا کہ ہندوستانیوں کی نظروں میں انگریزی حکومت کو رحمت کا سایہ ثابت کرنے کے لیے اس ہی نے مسلم حکمرانوں اور ان کی حکومت کی کتنی غلط اور مسخ شدہ

تصویر اپنی مرتب کردہ تاریخ ہند میں پیش کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انگریزی حکومت کے دور میں پڑھائی جانے والی
تاریخ کی تمام درسی کتابیں جو اِس مِل کے مسخ کردہ واقعات اور زہریلے خیالات سے بھری پڑی ہیں اور اس کے منحوس
ثرات آج بھی ہماری تمام نصابی کتابوں پر قائم ہیں۔

نصابی کتابوں کا جائزہ لینے والے سبھی مقالہ نگاروں کو عام طور پر یہ شکایت تھی کہ محمود غزنوی، فیروز تغلق،
علاؤالدین خلجی، اور اورنگ زیب وغیرہ کے مظالم کو بیان کرنے میں انتہائی مبالغہ سے کام لیا گیا ہے اور ان کی برائیوں
و ان کی اسلامیت سے منسوب کر کے اور ان کی ساری زبردستی اور زیادتیوں کو ہندو دشمنی سے تعبیر کر کے خواہ مخواہ مذہبی
منافرت پھیلانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کے ساتھ ہی مذہبی رواداری پر مبنی ان کے کیے کاموں کو سرے سے
نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ گورنمنٹ کالج رامپور کے پروفیسر اوم پرکاش گپتا نے جماعت اسلامی کی نصابی کتابوں میں اکبر کے عقائد و
کردار پر جس ناروا ڈھنگ سے حملہ کیا گیا تھا اس کا حوالہ پیش کرتے ہوئے اس متعصبانہ انداز تحریر کی شکایت کی۔

بحث میں حصہ لیتے ہوئے غلام سرور صاحب نے فرمایا کہ ہم بادشاہوں کی وکالت کیوں کریں؟ ان کی بادشاہیت
ہی سرے سے اسلامی حکم کے خلاف تھی۔ پیغمبرؐ اسلام کی عزت و حرمت پر اپنی جانیں قربان کر دینے کو ہمیں تیار رہنا
چاہیئے، یہ فرض ہم پر عاید ہوتا ہے اب دیکھئے ہمارے ہاتھ میں "مدھیہ کالین بھارت" ہے اس میں حضورؐ کی ذات مبارک پر
اروا حملے کئے ہیں۔ بھاگلپور کے ایک پروفیسر نے اسے کورس کیلئے لکھا تھا۔ اس پر ایجی ٹیشن ہوا تو بہار سرکار نے اسے ضبط
کر لیا مگر مصنف نے اسے پھر شائع کر دیا ہے۔ ہو بہو کلر اس بار اسے شریمتی اندرا گاندھی کے نام ارپت (معنون) کیا ہے۔ اب
کس کی مجال ہے اس کتاب کو ضبط کرنے کی دھڑلے سے بک رہی ہے ستیہ رتھو پرکاش بھی ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے
اس میں جو کچھ اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف لکھا گیا ہے آپ اسے سن کر برداشت نہیں کر سکتے اس کتاب کی اشاعت پہلے
ممنوع تھی اب بلینڈ ہٹا دیا گیا ہے اور نہایت ہی سستے داموں فروخت ہو رہی ہے اصل میں اس طرح کے سوالات کو اٹھانا چاہیئے۔

ڈاکٹر رضی احمد نے میکالے کے تعلیمی سسٹم پر چوٹ کرتے ہوئے کہا کہ جب تک تعلیم کا یہ طریقہ جاری رہے گا ہماری
غلامانہ ذہنیت نہیں بدلے گی اور ہم آپس میں لڑتے رہیں گے۔ شاہد رام نگری صاحب نے کہا کہ تاریخ میں صرف بادشاہوں کے
قصے درج ہیں ضرورت ہے کہ مذہبی بزرگوں کے واقعات زندگی بھی پڑھائے جائیں اس سے اسلام کی صحیح صورت سامنے
آئے گی اور لوگوں کو اسلام کو سمجھنے میں مدد ملے گی جس میں قومی یکجہتی پیدا ہو گی۔ کیونکہ مذہبی بزرگوں نے زور زبردستی
کے بجائے محبت اور بھائی چارہ کا پیغام دیا ہے۔

دوسرے دن کی نشست میں ہم نے یہ کہتے ہوئے کہ ہم کسی ٹکسٹ بک کا حوالہ پیش نہیں کریں گے بلکہ ایک ایسی شخصیت

کی تحریر کا حوالہ پیش کر رہے ہیں جس کا اثر ٹکسٹ بک تیار کرنے والے سبھی لوگوں کے ذہن اور دماغ پر ہے۔ د شواہد یہاں اس کی جھلکیاں سے حسب ذیل حوالہ پیش کیے:۔

(۱) اکبر کے وقت کی مذہبی رواداری اس کے لڑکے جہانگیر کے راج میں بھی جاری رہی۔ لیکن پھر یہ دھیرے دھیرے گھٹتی گئی اور عیسائیوں اور ہندوؤں پر کچھ مظالم ہونے لگے۔ بعد میں اورنگ زیب کے راج میں مندروں کو توڑ کر اور بدنام جزیہ ٹیکس دوبارہ جاری کر کے ہندوؤں کو جان بوجھ کر ستانے کی کوشش کی گئی ص ۴۲۷

(۲) اس کے بعد آخری عظیم مغل اورنگ زیب آیا۔ وہ بڑی سادگی سے رہنے والا عابد تھا اور کٹر مذہبی تھا اور اپنے مذہب کے سوا کسی دوسرے مذہب کو برداشت نہیں کرتا تھا۔ اپنی ذاتی زندگی میں اورنگ زیب سادہ مزاج اور سنیاسی جیسا تھا۔ اس نے ارادہ کر کے ہندوؤں کو ستانے کی پالیسی چلائی۔ اس نے ہندوؤں پر جزیہ ٹیکس پھر لگا دیا جہاں تک ہو سکا ہندوؤں سے سب عہدے چھین لیے، اس نے ہزاروں ہندو مندروں کو توڑ ڈالا اور اس طرح سے بہت سی پرانی حسین عمارتوں کو دھول میں ملا دیا ص ۴۲۹۔

یہ حوالے پیش کرنے کے بعد ہم نے بتایا کہ یہ پنڈت جواہر لال نہرو کی تحریر ہے جنھیں ہم کسی طرح بھی فرقہ پرست نہیں کہہ سکتے ہیں پھر بھی اورنگ زیب کے متعلق نصابی کتابوں سے جتنے حوالے بھی یہاں پر پیش کیے گئے ان میں سے کسی سے بھی ان کی یہ تحریر کم سخت نہیں ہے۔ اس لیے جب انھیں فرقہ پرست نہیں کہا جا سکتا تو اسی طرح کی تحریر کے لیے دوسروں کو کیسے فرقہ پرست قرار دیا جا سکتا ہے؟ اسی طرح سے اوم پرکاش گپتا نے جماعت اسلامی کی درسی کتابوں سے جو حوالے پیش کیے ہیں اس سے کہیں زیادہ تفصیل کے ساتھ اور سخت الفاظ میں اکبر پر مولانا محمد میاں کی کتاب "علمائے ہند کا شاندار ماضی" میں حملہ کیا گیا ہے۔ واضح رہے کہ یہ کتاب مولانا حسین احمد مدنی کی سرپرستی میں مرتب کی گئی اور شائع ہوئی تھی۔ پنڈت جواہر لال نہرو اور مولانا حسین احمد مدنی دونوں قومی تحریک کے مانے ہوئے سالار اور کانگریس کے لیڈر رہتے پھر بھی تاریخ کو دیکھنے اور سمجھنے کے معاملے میں دونوں کا رویہ اتنا متضاد اور متخالف ہے کہ ایک کا ہیرو دوسرے کا ویلن ہے۔

یہ معاملہ کسی بادشاہ یا اس کی حکومت کی وکالت کا نہیں بلکہ اپنی تاریخ کو ٹھیک سے جاننے اور سمجھنے کا ہے۔

اصل میں اس الجھاوے کو بڑھانے میں انگریزوں کی تفرقہ ساز سامراجی پالیسی کے سوا خود ہماری قومی تحریک آزادی کی قیادت کی کمزوریوں کا بھی کافی حصہ رہا ہے۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مولانا ابوالکلام آزاد قومی تحریک میں حکومت الٰہیہ کا نعرہ لگاتے ہوئے شامل ہوئے تھے اور گاندھی جی نے رام راجیہ کی مالا جپتے ہوئے اس کی قیادت سنبھالی تھی۔ یہاں پر دوسرے مسلم رہنماؤں خاص کر علی برادران کا ذکر اسلیے ہم نے ضروری نہیں سمجھا کیوں کہ گاندھی جی کے ساتھ ویسا مستقبل اور شاندار

سیاسی اتحاد ان میں سے کسی کا بھی نہیں رہا جیسا مولانا آزاد کا، بہرکیف مولانا آزاد کے ذہن میں حکومت الٰہیہ کا اور گاندھی جی
کے ذہن میں رام راجیہ کا چاہے جتنا بھی بلند جمہوری اور سیکولر مفہوم رہا ہو مگر ان کے عام پیرووں کا ان مذہبی اصطلاحات
کی بھول بھلیوں میں گمراہ ہونا ضروری تھا۔ چنانچہ مولانا آزاد کے حکومت الٰہیہ کے نعروں سے متاثر مسلمانوں کے دلوں
میں اکبر کے لیے کوئی گنجائش کا پیدا ہونا ممکن نہیں تھا۔ ان کے سامنے تو زاہد مرتاض اورنگ زیب عالمگیر تاریخی طور پر
آدرش حکمران بنا رہا۔ اسی طرح سے گاندھی جی کے رام راجیہ کے نعرے کا اثر قبول کرنے والے ہندو اورنگ زیب کو کبھی بھی
اچھا حکمراں تسلیم نہیں کر سکتے ان کے دلوں میں تو اکبر کے لیے بھی مشکل ہی سے گنجائش نکل سکے گی وہ اپنا اصل ہیرو تو یقیناً
رانا پرتاپ ہی کو مانیں گے۔ اس طرح سے تحریک آزادی کے دوران ذمہ دار قائدین کی طرف سے لگائے گئے احیاء پرستانہ
نعروں کی وجہ سے عہد وسطیٰ کی تاریخ اور اس دور کے حکمرانوں اور حکومت کے متعلق وطن دوست ہندووں اور
مسلمانوں میں الگ الگ دو متضاد اور مختلف تصور قائم ہو گئے ہیں۔

یہ ٹھیک ہے کہ ہندووں اور مسلمانوں کے درمیان جھوٹ کا بیج انگریزوں نے بویا اور انھیں کی پرورش و
پرداخت سے اس کا زہریلا پودا برگ و بار بھی لایا لیکن ملک کی عوامی زندگی کو اس کے زہر سے پوری طرح شرابور کر دیا
ہماری قومی قیادت کی سیاسی حماقتوں نے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ برطانوی سامراجیوں کی ساری فتنہ انگیزیوں اور تفرقہ سازیوں
اور ہمارے تمام تر سماجی نقائص کے باوجود اس صدی کی دوسری دہائی میں مذہبی اور سماجی جکڑ بندیوں سے بلند ایک ایسی
آزاد خیال اور ترقی پسند قومی قیادت اس ملک میں ابھر چکی تھی جو ہندووں اور مسلمانوں کے سیاسی اتحاد کے بل پر دستوری
اصلاحات کے ذریعہ مکمل خود اختیاری حکومت حاصل کرنے پر یقین رکھتی تھی اور اپنے طور پر عوام کو گروہ بند کرنے میں کافی
حد تک کامیاب بھی تھی ۱۹۱۶ء کا لیگ کانگرس لکھنؤ پیکٹ، ہوم رول تحریک اور رولٹ ایکٹ کے خلاف ملک گیر ایجی ٹیشن
اس کے کھلے ثبوت ہیں۔ یہ بھی ایک تسلیم شدہ تاریخی حقیقت ہے کہ جلیان والا باغ کے مظالم اور خلافت کے سوال کو لے کر ۱۹۱۹ء
اور ۲۰ء میں ہندو مسلم اتحاد کا جیسا روح پرور نظارہ دیکھنے میں آیا ویسا سیاسی اتحاد ہندستان کی عوام کے درمیان تاریخ
کے کسی دور میں بھی نہیں قائم ہوا تھا۔ لیکن بعد میں عدم تعاون کی تحریک کو جس طرح سے مذہبی رنگ میں رنگ دیا گیا
اس سے عوامی زندگی میں احیاء پرستی کا زور بہت بڑھ گیا اور اس کا نتیجہ ہندووں اور مسلمانوں کی
سیاسی نااتفاقی کی صورت میں ظاہر ہوا جس نے متحدہ ہندستان اور متحدہ قومیت کے تصور ہی کو پارہ پارہ کر دیا۔

تاریخی مباحثہ میں اس بات پر ضرور دھیان رکھنا چاہئے کہ کوئی بھی آدمی چاہے وہ جتنا بھی عظیم اور بزرگ کیوں
نہ ہو دیوتا نہیں بن سکتا۔ اس کی انسانی کمزوریاں اس کے ساتھ لگی رہیں گی اور وہ غلطیاں کرتا رہے گا۔ چنانچہ اگر اکبر

اورا اورنگ زیب نے غلطیاں کیں تو گاندھی جی اور جواہر لال نے بھی کیں۔ مولانا آزاد، مولانا محمد علی اور مسٹر جناح نے بھی کیں۔ اگر سوامی دیانند سرسوتی نے غلطی کی تو سر سید نے بھی کی۔ ہمیں ان کی اچھی باتوں اور اچھے کاموں کو یاد رکھنا اور صالح روایات کو آگے بڑھانا ہے۔ لیکن ان کی غلطیوں کی کوئی تاویل کیے بغیر غلطی مان کر نظر انداز کر دینا ہے۔ اپنے رہنماؤں کی غلطیوں کا خمیازہ ہم لوگ بہت کافی بھگت چکے ہیں۔ اب ان سے سبق لے کر اس منقسم ہندستان کے شہری کی حیثیت سے ہمیں سارے مسائل کو نئے انداز اور نئے حوصلے کے ساتھ دیکھنا چاہیے۔ اکبر اور اورنگ زیب کی حکومت نہ اسلامی حکومت تھی اور نہ مسلمانوں کی حکومت تھی۔ وہ اسی طرح محض ایک شاہی خاندان کی حکومت تھی جس طرح سے اس ملک کے اندر کبھی موریہ اور گپتا ونش کی حکومتیں قائم تھیں۔ لیکن اس حقیقت سے انکار کرنا اپنی تاریخ کی عظمت سے انکار کرنا ہوگا کہ مغلیہ سلطنت کے دور میں ہندستان کی ایسی ہمہ طرفہ ترقی ہوئی اور اسے اتنا فروغ حاصل ہوا تھا کہ اس وقت اس کا شمار دنیا کے مضبوط ترین اور خوشحال ترین ملکوں میں ہوتا تھا اس کے ساتھ ہی یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اکبر کے مقابلے میں اورنگ زیب نے سلطنت کے حدود کو بہت بڑھایا۔ اور اس کے دور میں صنعت و حرفت اور زراعت و تجارت غرضکہ قومی معیشت کو ہر پہلو سے زیادہ فروغ حاصل ہوا۔ کیونکہ یورپین تجارتی کمپنیوں کی بدولت ہندستانی مال دنیا کی سبھی منڈیوں پر چھا گیا تھا۔ اور عالمی بازار میں اس کی مانگ بہت بڑھ گئی تھی۔ چنانچہ ساری دنیا کا سونا چاندی مختلف راستوں سے ہندستان میں کھنچا چلا آ رہا تھا۔

مغلیہ سلاطین یا ہندستان کے دوسرے مسلم حکمرانوں کے جبر و دباؤ، ظلم و زیادتی اور قتل و خون کے ذکر کے سلسلے میں یہ بات ذہن میں رکھنی ضروری ہے کہ اس زمانے میں تخت و تاج کا فیصلہ تلوار کے بل پر ہوتا تھا۔ اس لیے کشت و خون کا بازار برابر ہی گرم رہا کرتا تھا۔ اقتدار کے لیے یہ لڑائیاں ہندو اور مسلم حکمرانوں کے درمیان بھی ہوتی تھیں اور بسا اوقات دونوں ہی فریق ہم مذہب بھی ہوا کرتے تھے۔ لیکن ہر حالت میں لڑنے والے دونوں فریقوں کی طرف سے ہندو اور مسلمان دونوں ہی جانبازی کے لیے موجود رہتے تھے اس زمانے میں سیاسی وفاداری شخصی، خاندانی، نسلی، قبائلی یا علاقائی ہوتی تھی، مذہبی قطعی نہیں ہوتی تھی چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ محمود غزنوی سے لے کر بہادر شاہ ظفر تک جتنی لڑائیاں بھی اس ملک میں ہوئیں، ان میں سے کوئی بھی لڑائی ایسی نہیں جس میں مسلمان حکمرانوں کے ساتھ ان کے ہندو سردار سر کاٹنے اور کٹانے کو موجود نہیں رہتے ہوں۔

غرضکہ عہد وسطیٰ کی تاریخ کو اس دور کے خصوصی حالات اور ان سے پیدا اس زمانے کے سیاسی اخلاق و اقدار کی روشنی میں دیکھنے سے یہ حقیقت بالکل صاف ہو جاتی ہے کہ اورنگ زیب، اکبر، شیر شاہ اور علاء الدین خلجی جیسے اولوالعزم

اور بلند حوصلہ مسلمان حکمرانوں نے اپنی شمشیر زنی کی قوت اور حکمت و تدبر کے جوہر و ملک گیری کی صلاحیت کی بدولت ہندستان کی عظمت کو اسی طرح سے چار چاند لگایا اور اس کے اقبال کے ستارہ کو آسمانوں تک بلند کیا جس طرح سے اس کے پہلے چندر گپت، اشوک، سمندر گپت اور وکرمادتیہ جیسے باتدبیر اور تلوار کے دھنی ہندو حکمرانوں نے اپنی ہمت و شجاعت کی بدولت کبھی اس کی عظمت کو چار چاند لگائے تھے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی صاف ہو جاتی ہے کہ ذاتی اقتدار اور خاندانی حکومت کے لیے ہندو اور مسلم حکمرانوں کے درمیان ہوئی اس عہد کی لڑائیوں کو ہندوؤں اور مسلمانوں کی مذہبی جنگ قرار دینا فرقہ پرستوں کے دماغ کا فتور اور ویسی ہی خطرناک شرارت ہے جیسے اس زمانے میں ہندو اور مسلمان امیدواروں کے درمیان ہوئے کسی انتخابی مقابلہ کو ہندوؤں اور مسلمانوں کی مذہبی لڑائی کہنا!

یہ ٹھیک ہے کہ اس زمانے کے سماجی حالات اور سیاسی اخلاقی اقدار کو دیکھتے ہوئے پرتھوی راج، رانا پرتاپ اور شیواجی کو بھی ہندستان کی تاریخ میں ایک عزت کا مقام ملنا چاہیے۔ پر انہیں چندر گپت ثانی کے ہم پلہ قرار نہیں دیا گیا ہے۔ تو پھر انہیں شیر شاہ، اکبر اور اورنگ زیب کی صف میں کیسے جگہ دی جا سکتی ہے جن کی عظمت و شوکت اور ہیبت و قوت کا دبدبہ ساری مہذب دنیا میں تھا ان کی ہمت و مردانگی اور عزم و ارادے کی مضبوطی میں کوئی کلام نہیں! لیکن ایسا سمجھنا کہ وہ لوگ کسی بلند قومی یا مذہبی آدرش کے لیے لڑ رہے تھے، سراسر سادہ لوحی ہے! حقیقت یہ ہے کہ ان کے سامنے خاندانی اقتدار اور ذاتی افتخار کے سوا اور کوئی مقصد نہیں تھا۔

اور سب سے اہم بات اس سلسلے میں یہ ہے کہ علاؤالدین خلجی، شیر شاہ، اکبر اور اورنگ زیب یا اس دور کے دلی کے دوسرے مسلم حکمراں ہندستان کے اتحاد اور اس کی عظمت و شوکت اور قوت و جبروت کی علامت تھے جبکہ رانا پرتاپ اور شیواجی وغیرہ علاقائی خود مختاری کے علم بردار تھے۔ ہندستان کے تمام وطن دوست مدبروں اور دانشوروں کو سر جوڑ کر غور کرنا چاہیے کہ موجودہ حالات میں ان دونوں رجحانوں میں سے کس رجحان پر زور دیکر ہم ہندستان کے اتحاد کو مضبوط اور اس کی سالمیت کا تحفظ کر سکتے ہیں۔ ہندستان کی تاریخ کے ہر دور میں یہ دونوں رجحان کام کرتے رہے ہیں۔ کبھی ایک رجحان کا غلبہ رہا ہے اور کبھی دوسرے کا، لیکن ہندستان کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ اس ملک کو عظمت اور شوکت اسی وقت حاصل ہوئی جب علاقائی خود مختاری کے بے جا انتشار پھیلانے والے رجحان پر قابو پا کر اس سے متحد کیا گیا۔ اور دوسری صورت میں یعنی مرکزی قوت کے کمزور کرنے پر سارے ملک میں کمزوری آئی اور پورا ملک انتشار و زوال کا شکار ہوا۔

گرچہ اقتدار کے نشہ میں بدمست حکمرانوں کا دھیان ابھی تک اس طرف نہیں گیا ہے لیکن عام پڑھے لکھے لوگ اب نئے انداز میں سوچنے لگے ہیں۔ اس کا احساس تو ہمیں پہلے ہی سے تھا پر اس سمینار سے ہمارے اس احساس میں

اور بھی معقول لگی آئی۔ چنانچہ بحث میں حصہ لیتے ہوئے ڈاکٹر برج راج دیونے کہا کہ اگر مسلمانوں کے راج میں اسی طرح زبردستی مسلمان بنایا گیا ہوتا تو دلی اور اس کے ارد گرد اتنی بڑی تعداد میں ہندو باقی کیسے رہ جاتے ؟ اور پھر اس بڑی تبدیلی مذہب کے خلاف مذہبی بغاوت کیوں نہیں ہوئی ؟ سب سے بڑے پیمانے پر اور بڑی تعداد میں بنگال کے لوگوں نے مذہب تبدیل کیا جہاں سب سے کم زور زبردستی کرنے کا موقع تھا۔ اسی طرح سے بابو شیو پرساد سنہا نے کہا کہ محمود غزنوی حملہ آور تھا اور اسے حملہ آور کہنا چاہیئے۔ آج بھی انگلینڈ میں ولیم کو حملہ آور ہی کہا جاتا ہے۔ لیکن غور کرنے کی اصل بات یہ ہے کہ محمود غزنوی اپنے حملہ میں کامیاب کیوں اور کیسے ہوا ؟ بات یہ ہے کہ غزنوی پرتھوی راج کے مقابلے میں کہیں زیادہ بہتر فوجی افسر اور باصلاحیت انتظام کار تھا۔ اور بات صرف پرتھوی راج کی نہیں۔ اس وقت ہندوستان میں بے شمار خود مختار راجے تھے جو آپس میں لگاتار لڑتے رہتے تھے۔ ایسی حالت میں محمود غزنوی کا کامیاب ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ اور سومناتھ کے مندر کی مورتی محمود غزنوی نے نہیں توڑی تھی۔

کہنے کا مطلب یہ ہے کہ مایوسی کی کوئی وجہ نہیں۔ آزاد ہندوستان کے مسائل خود لوگوں کو نئے ڈھنگ سے سوچنے پر مجبور کر رہے ہیں۔ تاریخی تحقیق کا ذوق اور رجحان بڑھا ہے اور اب ایسی کتابیں اور مضامین ہندی اور انگریزی میں بھی چھپنے لگی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمان حکمرانوں نے اپنے دور میں ہندوستان کی معیشت و نظام مملکت اور تہذیب و ثقافت کو کتنا فروغ دیا۔ اور اورنگ زیب اور اس کے جیسے دوسرے مسلمان بادشاہوں کو ہندو کش ظالم اور ستمگر کہنا کتنا غلط ہے۔ کیونکہ انہوں نے اگر اپنی سیاسی اور انتظامی مصلحتوں سے کچھ مندروں اور مٹھوں کو ڈھایا تو ان ہی مصلحتوں سے کچھ مندر اور مٹھ تعمیر بھی کرائے اور انہیں بڑی بڑی جاگیریں اور عطیات بھی دیئے چنانچہ اس سیمینار میں اس طرح کے بہت سارے فرمانوں اور دستاویز کا مستند حوالوں سے چرچا ہوا۔ سچائی یہ ہے کہ پنڈت جواہر لال نہرو نے تاریخ عالم کی جھلکیاں ۱۹۳۰ء میں لکھی تھی۔ اس وقت تک بہت ساری تاریخی صداقتیں اس طرح سے منظر عام پر نہیں آئی تھیں جس طرح سے آج ہمارے سامنے ہیں۔ اس لیے اسی پرانی لکیر کا فقیر بنا رہنا غلط ہوگا ہمیں نئی تحقیقات کی روشنی میں سیاسی شخصیتوں کا نئے سرے سے جائزہ لینا اور اپنی تاریخ کو نئے انداز سے سمجھنا اور سمجھانا ہے ۱۹۳۰ء کے مقابلے میں تاریخی حقائق ہمارے سامنے زیادہ واضح صورت میں ابھر کر آگئے ہیں اس لیے تاریخی شخصیتوں کے مقام و مرتبہ کے تعین میں ہمیں زیادہ آسانی ہے۔ تاریخی تحقیق کا ذوق اور رجحان جس طرح بڑھتا جا رہا ہے اسے دیکھتے ہوئے یہ امید کرنا غلط نہیں کہ آنے والے دنوں میں نہ صرف اورنگ زیب اور اس کے جیسے دوسرے بادشاہ بلکہ مولانا محمد علی اور مسٹر جناح جیسے سیاسی رہنماؤں کو بھی ہندوستان کی تاریخ میں ان کے صحیح مقام اور مرتبہ کے مطابق جگہ دی جائے گی۔

ڈاکٹر کنور رفاقت علی خاں

پروفیسر شعبۂ تاریخ، جامعہ اسلامیہ،

جامعہ نگر، نئی دہلی - ۱۱۰۰۲۵

فرقہ وارانہ تاریخ نویسی

ہندستانی تاریخ کے سنجیدہ عالم بغیر کسی جھجک کے اس بات سے اتفاق کرتے ہیں کہ اس صدی کی فرقہ پرستی جو ہندستان، پاکستان اور بنگلہ دیش میں دیکھی جاتی ہے اس کی کوئی نظیر برعظیم کی عہد وسطیٰ یا عہد قدیم کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ بہت سارے عوامل جیسے درس وتدریس/حصول تعلیم/تاریخ نویسی بطور خاص عہد وسطیٰ اور عہد قدیم کا ایک موثر حربہ ہے۔ جس کے ذریعہ یہ فرقہ پرست سیاست میں نیز سماج میں فرقہ پرستی کو پھیلاتے ہیں اور اسے دائمی قدر بنانے کی سعی کرتے ہیں۔ فرقہ پرست مورخ تاریخ کو مختلف طریقوں سے استعمال کرتے ہیں لیکن ان کا مرکزی خیال یہ ہوتا ہے کہ ہندو اور مسلمان ایک ساتھ نہ رہ سکتے ہیں اور نہ کبھی رہے تھے۔ ایک سوچ سمجھ کر کام کرنے والے سیاسی اور سماجی نظام کے ماتحت۔ اور اگر انھیں ایک ساتھ رکھا گیا تو وہ آگ اور پانی کی طرح رہیں گے۔ آگ پانی کو اڑا دیتی ہے یا پھر پانی آگ کو بجھا دیتا ہے۔ ان کے الفاظ کے ذخیرے اور ان کا انتخاب مختلف ہے، لیکن ہندو اور مسلم فرقہ پرست ایک ہی زبان میں بولتے ہیں۔ ان کے علاوہ کچھ یوروپین، جنھیں ہم میں سے بیشتر لوگ سامراجی مدرسہ کہتے ہیں، ان سے مختلف نہیں ہیں۔ سیاست میں تینوں گروہ آپس میں ایک دوسرے کے ہم نوا ہیں۔

یہ تینوں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی جانب ایک مخاصمانہ رویہ رکھتے تھے کچھ مسلمان رہنماؤں نے یہ سوچا کہ کانگریس اس موقف کو طے کر چکی ہے کہ اونچی ذات کے ہندوؤں کی حکومت ہندوستان میں قائم کرے۔ ہندو فرقہ پرست رہنماؤں نے کانگریس کی ہندو دشمنی کا نقشہ پیش کیا۔ رائے بہادر لال چند پنجاب ہندو سبھا کے بانی (۱۹۰۹ء) نے کانگریس پر یہ الزام عائد کیا کہ وہ ہندوؤں کی خود عائد کردہ بدقسمتی ہے اور یہ کہ خاص ہندو مفاد کے لیے وہ کمزوری کا سرچشمہ ہے۔ ان کی کانگریس کے متعلق وہی رائے تھی جو آج کے ہندو فرقہ پرستوں کی ہے۔ یعنی یہ کہ یہ تنظیم مسلمانوں کو خوش کرتی ہے۔ اور ہندوؤں کے مفاد کی حفاظت کرنے سے انکار کرتی ہے۔ ساورکر سوچتا تھا کہ کانگریس کے رہنما (۱۹۳۸ء) ہر بار ہندوؤں کے مفاد سے غداری کرتے ہیں۔ لیکن مسلم لیگ کے آگے ناچتے رہتے ہیں۔ وہ سمجھتا تھا کہ کانگریس ایک ہندو دشمن اور وطن دشمن تنظیم ہے۔ اس قسم کی سیاست نے دو قسم کے تاریخ دانوں کو ہمارے سامنے پیش کیا ہے۔ ایک جانب تو سامراجی اور ہندو مسلم فرقہ پرست تھے اور دوسری جانب نام نہاد فرقہ پرست

تاریخ داں تھے۔ ایک گروہ یہ سوچتا تھا کہ اسلام کی آمد نے پہلی بار عظیم ہندستانی قومیت کی عمارت میں دراڑ ڈال دی، اور تب سے دو مختلف وجود کی شکل میں آئی۔ جادو ناتھ سرکار ایک مسلمان کو پردیسی دانشور سمجھتے ہیں۔ جو یہ سمجھتا ہے کہ وہ بغیر بنیادی تبدیلی بنے ہندستان میں رہتا ہے۔ آر سی مجمدار نے یہ بتایا کہ یہ دونوں فرقے ہرچند کہ ساتھ ساتھ رہتے تھے لیکن پھر بھی وہ اپنے اپنے محور کے گرد گھومتے تھے۔ کے ایم پانیکر تک کا یہ حال ہے کہ جہاں انھوں نے اکبر کے عہد میں قوم پرستی کے عناصر تلاش کیے ہیں، وہاں وہ عہد وسطیٰ کے عہد کو مستقل طور پر ہندو مسلم تنازعہ کا عہد کہتے ہیں۔" ان کے خیال میں شیواجی اور رانا پرتاپ" ہندو نام کے حامی تھے اور یہ گویا علامت تھے ہندو انڈیا کے نئے جنم کی۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام نے ہندستانی سماج کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ اوپر سے نیچے اور یہ جو آج کی زبان میں دو الگ قومیں تصور کی جاتی ہیں ان کا وجود ابتدا ہی میں عمل میں آگیا تھا۔ ایک ہی سرزمین پر متوازی خطوط پر چلنے والے سماج وجود میں آئے۔ ہر مرحلے پر وہ ایک دوسرے سے مختلف تھے اور شاید ہی کوئی رابطہ یا سماجی خلط ملط ان کے یہاں رہا ہو۔ بہت سے مسلم تاریخ داں بھی ہندوستانی عوام کے ماضی کے متعلق یہی رائے رکھتے ہیں۔ ہندستانی عوام جو پاکستان کے قیام کے بعد بھی ساتھ ساتھ رہتے ہیں باوجود اس کے کہ دو قومی نظریہ بنگلہ دیش کے قائم ہونے کے بعد تین قومی نظریے میں بدل گیا۔ مسلم مورخ اپنے ہندو مقابل سے پوری طور پر اتفاق کرتے ہیں۔ شیخ محمد اکرام جو کہ ایک ممتاز پاکستانی مورخ ہیں پانیکر کی مندرجہ بالا تحریر کو عظیم کارنامہ سمجھتے ہیں۔ دوسرے ایک اور عظیم المرتبت پاکستانی مورخ کہتا ہے کہ عہد وسطیٰ اور عہد حاضر کی ہندستانی تاریخ بہت حد تک ہندو مسلم مذہبی و تہذیبی تناؤ کی تاریخ ہے۔ ہندستان میں اسلام نے صدیوں تک اپنے بیرونی کردار کو قائم رکھا اور ہندستان کے مسلمان آج بھی انہیں خطوط پر سوچتے ہیں۔

تقسیم شدہ عوام کی تاریخ بھی برطانوی حکومت کی لڑاؤ اور حکومت کرو کی پالیسی کا ثمرہ ہے جو کہ تاریخ دانوں کے درمیان آج بھی ورثے کی حیثیت سے ثابت و سالم ہے۔ دو قومی نظریے کی شاخیں برطانوی راج کی زبردست حامی تھیں جناح برطانیہ کی حمایت کو سیاسی کھیل تصور کرتے تھے ۱۵۔ بھائی پرمانند نے یہ اعتراف کیا کہ برطانیہ کی حمایت پر وہ یوں زور دے رہے ہیں کہ برطانیہ سے جو مسلمان کا اشتراک ہے اس پر سبقت لے جا سکیں۔ ۱۵ یہ مثلث جن کا میں نے اوپر کی سطروں میں حوالہ دیا ہے۔ یعنی برطانوی سرکار، لیگ جس کی قیادت جناح کر رہے تھے اور ہندو مہاسبھا جس کی قیادت بھائی پرمانند جیسے لوگوں کے ہاتھ میں بلا مقابلہ ان کی پیش رفت نہیں ہو سکی۔ کانگریس نے مہاتما گاندھی کی قیادت میں ایک عوامی تحریک کی بنیاد ڈالی۔ یہ تحریک برطانوی سامراج کے خلاف تھی۔ انھوں نے اس بات کی حتی المقدور کوشش کی کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں یکجہتی قائم

ہو۔ ہندو اور مسلمان دانشوروں کی ایک جماعت نے دو قومی نظریے کو چیلنج کیا اور اس بنیادی اتحاد پر زور دیا جو عہد وسطیٰ کے ہندستان کے مختلف طبقوں میں پایا جاتا ہے۔ برعظیم ہند کے تاریخ دانوں کو واضح طور پر مندرجہ ذیل چار گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا تھا۔

(۱) اہل مغرب/سامراجی (۲) مسلم فرقہ پرست تاریخ داں

(۳) ہندو فرقہ پرست تاریخ داں (۴) قوم پرست تاریخ داں

اب نئے تاریخ دانوں کا ایک پانچواں گروہ بھی آگیا ہے جو کسی مذہبی گروہ کو ایک .... ایسی کا اس کے اندر اندرونی تناؤ نہ ہو ... نہیں کرتی۔ فرقے کی بنیاد وہ پیشے اور کاروبار پر رکھتے ہیں نہ کہ مذہب پر۔ ایک تفصیلی بحث اس مختصر سے مقالے میں ان سبھی قسم کی تاریخ نویسی پر ممکن نہیں ہے۔ چنانچہ میں خود کو ایک مختصر سے تبصرے میں محدود کرنا چاہتا ہوں۔ یہ تبصرہ فرقہ پرستانہ تاریخ نویسی کے کچھ بنیادی مشاہدوں پر مبنی ہوگا۔

بپن چندر نے پورے طور پر فرقہ پرستانہ تاریخ نویسی کے تاریخی متن کو جانچا ہے جو کہ میرے خیال میں بہترین تجزیہ ہے۔ فرقہ پرست نظریے کو غذا ملتی ہے فرقہ پرستانہ تاریخ نویسی سے اور قوم پرستانہ نظریے کو غذا ملتی ہے قوم پرستانہ تاریخ نویسی سے۔ فرقہ پرستانہ اور قوم پرستانہ تحریروں کی جن متعلقہ تاریخ نویسی سے غذا ملتی ہے اس طرح کی پیداوار کی ہمت افزائی کرتی ہے۔ زہر یا امرت آپ جو بھی کہنا مناسب سمجھیں دونوں طرح سے کام کرتا ہے۔ قوم پرست تاریخ داں بھی وہی اصول اور وہی طریقے استعمال کرتے ہیں۔ حقائق کے انتخاب خاص احتیاط سے امتیاز برت کر تاکہ اس سے دوسرے نتائج برآمد ہوں۔ فرقہ پرستانہ تاریخ نویسی کے اثرات اتنے زبردست تھے کہ قوم پرور رہنما بشمول عوامی رہنما گاندھی جی نے یہ تسلیم کیا کہ تاریخی ادوار میں بھی علیحدہ فرقے موجود تھے اور اس بات پر زور دیا کہ ان کے درمیان ایک کام چلاؤ اتحاد ہونا چاہیے جس طرح کہ عہد وسطیٰ میں ہوا تھا۔ قوم پرست تاریخ دانوں نے اکبر کو بحیثیت صلح کل پیش کیا ہے۔ برخلاف ان کے فرقہ پرست ہندوؤں اور مسلمانوں نے اپنے زاویہ نگاہ کی پیشکش کے لیے اورنگ زیب کا انتخاب کیا۔ ہرچند کہ یہ ایک حقیقت ہے کہ عہد وسطیٰ کی سوجھ بوجھ مذہبی اور نسلی بنیادوں پر قائم نہیں کی جا سکتی تھی۔ وہ بیشتر موقع پرستانہ ہوا کرتی تھی۔ ہر فرقے میں افقی اور عمودی تقسیم تھی جیسی کہ آج ہے۔

اہل برطانیہ اپنے تاریخ دانوں کے ذریعے کہ جن میں ایلیٹ کا نام بھی آتا ہے، ہندوؤں پر یہ تاثر قائم کرنا چاہتے تھے کہ سفید فام قوم نے انھیں ظالمانہ، پریشان کن اور ایذا رساں غلامی سے جو ان پر وحشی اور غیر متمدن مسلمانوں نے لاد دی تھی، آزاد کرایا۔ قوم پرست اور مارکسی اسکالروں نے ایلیٹ کے پیش لفظ سے کافی اقتباسات لیے ہیں یہ ثابت

کرنے کے لیے کہ فرقہ پرستانہ تاریخ نویسی کے بیج برطانیہ نے بوئے۔ اس میں فرقہ پرست مصنفین نے کھاد ڈالی اور دونوں فرقے کے غریب عوام کی قسمت پر اس کی فصل کاٹی۔ ان لوگوں نے جن کے معاشی مفادات ان باتوں سے وابستہ تھے مجھے انھیں دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

ہندوستان کی ایک تاریخ ہے۔ اس کا ارتقا موجودہ سماجی و اقتصادی مقام تک ہموار نہیں ہے اور نہ یہ ہے کہ وہ اہم واقعات سے خالی ہیں۔ ہندوستان کی تاریخ کا کوئی بھی عہد ایسا نہیں ہے جو کسی نہ کسی طرح کے تنازعہ سے آزاد رہا ہو۔ لیکن اس قسم کے تصادم اور لڑائی کا سبب سماجی و معاشی یا سیاسی ہوتا ہے مذہبی نہیں ہوتا۔ بالعموم لوگ یا تو اسی کے مذہب سے بیگانہ رہا کرتے تھے یا پھر اس کی عزت کرتے تھے اور اس کا مذہب ایک مخالفانہ رویہ بھی رکھتا ہو تو اسی کے ساتھ رواداری برتتے۔ اور یہ رواداری عالمگیر حیثیت رکھتی تھی۔ ایک حکمراں کی غیر رواداری، یا ایک مذہبی رہنما کا تعصب کبھی کبھی ناخوش گوار حالات پیدا کر دیتا لیکن ایسے مواقع شاذ و نادر ہی پیش آئے۔ ممتاز اسکالر مثلاً بپن چندر، رومیلا تھاپر، عرفان حبیب ایس، جے سید اور ستیش چندر کے علاوہ بہت سے لوگوں نے فرقہ پرستانہ تاریخ نویسی یا تو مخصوص طور پر یا پھر اپنی عام تصنیفات میں لکھ کر بہت کام کیا ہے۔ انھوں نے فرقہ پرست اور سامراجی تاریخ نویسی کی کمزوریوں کو بے نقاب کیا ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ابھی بھی اس بات کی ضرورت ہے کہ ایک بار پھر ان کتابوں کی جانچ پڑتال کی جائے جیسے وہ کتاب ہے جسے بھارتی ودیا بھون بمبئی نے شائع کیا ہے تاکہ عام طور پر عوام اور طلبا بطور خاص یہ جانیں کہ محمود غزنوی کے ہاتھوں سومناتھ کے مندر کا انہدام اور دیوتاؤں کے بت کو کشمیر کے میر شاہ کے حکم سے توڑ دینا اور جنوب کے ایک ہندو مہاراجہ کے ہاتھوں جینیوں کا قتل اور شمال میں ایک مسلمان بادشاہ کے حکم سے ہندوؤں کا قتل عام، یہ باتیں اتنی ہی سچ اور حقیق ہیں جیسے آگ کی ایجاد یا فولاد کا انکشاف۔ لیکن ساری باتیں تاریخ کی تشکیل نہیں کرتیں۔ ہندوستانی تاریخ میں کچھ فرضی مسئلے ہیں جنھیں فرقہ پرست تاریخ دانوں نے وضع کرکے فروغ دیا ہے ان میں سے کچھ پر میں بحث کرنا چاہتا ہوں۔

ہندو فرقہ پرست اور ہندو قوم پرست مورخوں نے ماضی قدیم کے ہندوستان کی عظمت کا گہرا اثر لیا ہے، اس فرق کے ساتھ کہ فرقہ پرست عہد قدیم سے متاثر ہیں۔ عہد وسطیٰ کے مہاراجوں اور فوجی سرداروں جیسے رانا پرتاپ اور شیواجی سے بھی متاثر ہیں۔ برخلاف اس کے قوم پرستوں کو اکبر پر اتنا ہی ناز ہے جتنا اشوک پر۔ ہندو فرقہ پرستانہ تاریخ نویسی کی کچھ نمایاں خصوصیتیں ہیں۔

(۱) ہندوستانی تاریخ کا عہد قدیم نہایت شاندار ہے۔ حد تو یہ ہے کہ منفی پہلوؤں کی بھی تعریف کی جاتی ہے یا انہیں نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔

(۲) ریاضی کے فارمولوں کی طرح انھوں نے ہندستانی تہذیب کے بھی مختلف نام دیئے ہیں، قدیم ہندستانی تہذیب، ہندو تہذیب، گپتا تہذیب جو کہ ہندوستانی تاریخ کا سنہرا دور ہے۔

(۳) عہد وسطیٰ سیاسی اور مذہبی ایذارسانی کے واقعات سے بھرا پڑا ہے۔ برخلاف اس کے قدیم ہندستان میں مکمل رواداری اور امن تھا۔

جی۔ڈی۔ برلا نے جو کہ عظیم صنعتی اور تجارتی اقلیم کے شہنشاہ ہیں۔ اپنے مالدار امدادی کرشنا میں وقف کے ذریعے اس دور کے طاقتور مرکزی وزیر کے۔ایم منشی کی بہترین دعاؤں کے ساتھ اور بدترین فرقہ پرست مؤرخ آر۔سی مجمدار کے دانشورانہ اشتراک میں ایک عظیم الشان سلسلے کی اشاعت میں مدد کی۔ یہ سلسلہ گیارہ جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کا نام سلسلہ حصّہ The History and Culture of the Indian People ہے اور یہ عام طور پر "ودیا بھون سیریز" کہلاتا ہے۔ یہ فرقہ پرستانہ تاریخ نویسی کا عجیب وغریب کا نمونہ ہے۔ بھارتی بھون کے صدر کے۔ایم منشی اور اس سلسلے کے جنرل ایڈیٹر آر۔سی مجمدار کو کہ جنھوں نے بڑی نفرت سے نام نہاد مسلم عہد، کے نظام تسمیہ کو خارج کر دیا ہے۔ یہ بات یاد نہیں رہی کہ ان کے اپنے نام منشی اور مجمدار عربی الفاظ ہیں۔ جیسے انعام دار، جاگیر دار اور فرد نویس اور دوسرے بہت سارے پیشہ وارانہ نام اور مسلمانوں کے درمیان ذات کی بنیاد پر رکھے گئے نام جیسے پاٹل، پٹیل، چودھری زندہ علامتیں ہیں، عہد وسطیٰ میں مختلف مذہبی لسانی اور قومی فرقوں کے آپس کے ملنے جلنے اور باہمی اختلاط کی۔

قدیم ہندستانی عہد، ہندستان کی تاریخ کا بہت بڑا عہد ہے۔ جدید ہندستان کی تاریخ کا عہد رگ وید کے عہد سے چھوٹا ہے اور نام نہاد مسلم عہد، وید کے عہد سے زیادہ بڑا نہیں ہے۔ ایک جادوئی منتر سے ہندستانی مورخوں نے جن میں آر۔سی مجمدار قابل ذکر ہیں، تہذیب کے تعلق سے اس پورے عہد کی شناخت گپتا کلچر کی ہے۔ الہامی کتاب رگ وید کو ۔ ۔ ۔ تیر کر جن کے دیوتاؤں کو ہندستانی بشمول آریا صدیوں پہلے بھول چکے تھے۔ رگ وید میں تقریباً ایک ہزار پچیس اشلوک تھے۔ ان میں ڈھائی سو کے قریب یعنی تقریباً ایک چوتھائی اشلوک عظیم اندرا کی شان میں ملتے ہیں۔ دوسرا اہم خدا ورن ہے جو کہ آسمانوں کا حکمراں ہے اور جو کہ طوفانوں کا بھگوان ہے۔ اگنی ہے جو مقدس آگ ہے۔ اور سب سے بڑھ کر سوم ہے جو بھگوان کے لیے نشہ آور مشروب ہے۔ تنا سوم کے لیے ایک سو پچیس اشلوک ملتے ہیں اور باقی اشلوک کی تقسیم دوسرے دیوتاؤں کے یہاں ہو جاتی ہے۔ یہ سارے دیوتا ہندو مذہب اور مذہبی رسوم کے آئے ہیں اور ان کا اساطیر میں قابل ذکر مقام نہیں ہے۔ سنہرے عہد کے نام ہندوؤں کے مذہب میں بھی ان کا کوئی خاص مقام نہیں ہے۔ وہ لوگ یا تو وشنو یا شیو یا ماں دیویوں کی پوجا کرتے تھے۔ اور یہ دیوی دیوتا ابتدائی دور کے آریاؤں کے لیے بالکل اجنبی تھے۔ آریا جن کی کوئی ذات

نہیں تھی، لیکن جو بعد میں ایک کٹر قسم کے ذات پات کے ماننے والے ہو گئے۔ مویشی پالنے والے مساوات پسند آریہ، اس کے بعد زراعت پیشہ آریہ جن کے ساتھ نصف غلام داسیاں ہوا کرتیں، اور اس کے بعد سامنتی آریہ۔ یہ سبھی لوگ کبھی بھی ایک تہذیبی گروہ میں نہیں رکھے جا سکتے ہیں۔ بے محل نہیں ہوگا اگر میں ڈی ڈی کوسمبی کے ودیا بھون کی جلد اول، دوم، سوم کے ایک حصے کا ترجمہ پیش کروں۔

"یوروپی تاریخ نویسی سائنسی طور پر صحیح ہے کیوں کہ اس کی بنیاد ان دستاویزات پر ہے جس کا تجزیہ بڑی ہوشیاری سے کیا گیا ہے۔ نیز آثار قدیمہ کی باقی ماندہ نشانیوں سے، کتبوں اور سکوں سے ان کا موازنہ کیا گیا ہے۔ عہد جدید کے ہندستانی مورخ نے . . . اس کی کوشش کی ہے۔ تعصب کے سطحی فرق کے ساتھ یہ مضحکہ خیز ہندستانی تاریخ نہیں ہے۔ جو آج بھی لکھی جا رہی ہے۔ جس میں پورانوں کو مذہبی عقائد بنا دیا گیا ہے۔ ویدوں کو لاکھوں سال پرانا قرار دیا گیا ہے؛ اور آج کی سبھی سائنسی ایجادات الیکٹرون اور جراثیم کش کی ایجادات کو تارک الدنیا جوگیوں سے منسوب کر دیا گیا ہے ... شہادتوں کے یوروپی معیاروں کو مستعار کیا گیا ہے۔ منطق اور . . . کی پیوند کاری کی گئی ہے۔ مقدس ہندو مت کی تمام تر بے وزن مابعد الطبیعات ہیں؛"

ہڑپا عہد، ویدک عہد، گپتا عہد اور راجپوت عہد، یہ سب نمائندگی کرتے ہیں مختلف صفوں اور مختلف تہذیبوں کی۔ ان میں سے ہندستانی تہذیب کونسی ہے؟ گپتا۔؟

گپتا عہد برہمن عہد کے احیا کے ہی لیے مشہور ہے۔ . . . اس واسطے کہ اس دور میں سنسکرت بہت ہی مرصع اور ترقی یافتہ شکل میں سامنے آئی اور سماجی اور طبیعاتی سائنسوں کو فروغ حاصل ہوا۔ یہ ترقی اس سے پہلے کے کرشنا عہد کے ترقی یافتہ مواد کی بنیاد پر ہوئی۔ اس دور میں ہندوستان کی اقتصادیات بہت اچھی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ زوال کا دور گپتا خاندان سے شروع ہوا۔ اس پر بھی گپتا عہد ہندستانی تاریخ کا سنہرا دور کہلاتا ہے۔ کشن خاندان جس نے ایک دولتمند ترقی یافتہ اور مضبوط ملک پر حکومت کی۔ شاید ہی کبھی وہ اس طرح قدر و منزلت اور عزت و محبت سے یاد کیے جاتے ہوں، جس طرح عظیم المرتبت گپتا یاد کیے جاتے ہیں۔ بدھ مت کے ماننے والے کشن کی ہندو گپتا کے مقابلے میں بے توجہی تاریخ کی جانب ایک فرقہ پرستانہ رویہ ہے۔

صدیاں گذرنے کے بعد کشن ستی واہن کے دور کی بیش قیمت تجارت کافی کم ہو گئی۔ ہر چند کہ شاہی خزانے اور مندروں میں سونے اور چاندی کا ڈھیر جمع تھا۔ زوال کا بیج نام نہاد سنہرے دور ہی میں ڈال گیا تھا۔ پروفیسر آر ایس شرما

نے انڈین ہسٹری کانگریس میں اپنا صدارتی خطبہ سناتے ہوئے کہا۔ کچھ باتیں شہروں کے عروج و زوال کے متعلق بھی کہنا چاہتا ہوں۔ اگر ہم شہر پازمانے کو ایک ۔ ۔ ۔ تو علم آثار قدیمہ اس بات کی شہادت بہم پہنچاتا ہے کہ کشن کے دور کے ہندستان میں ۔ ۔ ۔ کامل عروج پر پہنچ چکا تھا۔ سونکیہ (متھرا) کی کھدائی میں سات ہتیں تو کشن عمارت کی تھیں اور ایک تہہ گپتا عمارت کی تھی۔ گپتا عہد کی عمارتوں کی نوبت کشان عہد کے مقابلے میں ادے ۔۔ رودر، کہنے والوں کے لیے رنج و غم کا سبب ہوگی۔ اور یہ شمالی ہند میں علم آثار قدیمہ کی ایک حقیقت ہے۔

اس امر سے کوسامبی بھی اتفاق کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں "گپتا عہد کے سونے کے سکے تاثر ڈالتے ہیں، لیکن عام خرید و فروخت کیلیے مشکل ہی سے کام آتے ہیں۔ ان کے چاندی کے سکے تو بدنامی کی حد تک کم تر درجے کے تھے۔ موریہ عہد کے پہلے کے سوراخ کیے ہوئے سکے اور ۔۔۔ کے نایاب اندوختہ میں صرف ایک سکہ مشہور رہوا۔ اور اس کے متعلق بھی شبہ ہے کہ وہ چاندی کا تھا۔ چینی سیاح فاہیان اور ہون سیانگ اپنے بیان پر زور دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ بیشتر لین دین بغیر پیسے کی تھی۔ اور کوڑی بھی استعمال کی جاتی تھی لیکن سکے بہت کم استعمال ہوتے تھے۔ مندروں، منٹھوں اور جاگیرداروں کے یہاں کی دولت یا اجناس کا ذخیرہ ترسیل کے کام نہیں آتا تھا۔ ڈی۔ڈی کوسامبی اس بات سے اتفاق کرتے ہیں کہ ابتدائی گپتا عہد میں "پھیلتی ہوئی گاؤں کی آبادی نے ایک مضبوط مرکز کے لیے دولت جمع کی۔۔ تجارت بھی ترقی پر تھی" لیکن اجناس کی ٹکس پیداوار اور نقد تجارت کم تھی" باوجود اس کے کہ ڈھیر سارا سونا چاندی اور ہیرے جواہرات جو پوشیدہ تہہ خانوں میں بند تھے ۔۔۔ جو بیشتر بڑے پیمانے پر اجناس کی پیداوار کرتے تھے، زوال پذیر تھے۔ کبھی کے عظیم الشان شہر جیسے پٹنہ جو اب پیداوار کے لیے ضروری نہیں تھا۔ گاؤں میں بدل گیا جس میں کھنڈر بکھرے ہوئے تھے اور جسے لوگ مافوق الفطرت عناصر کی کارروائی تصور کرتے تھے۔

دوسرا اہم رویہ ہندو فرقہ پرستانہ تاریخ نویسی کا یہ ہے کہ اونچے طبقے کے ہندوستانی کلچر کی شناخت ہندومت سے کی جاتی ہے حتیٰ کہ دوسرے ممالک کے بیانات میں بھی۔ چین اور ہندستانی تہذیب کے آپسی تال میل کا حوالہ دیتے ہوئے بھارتی وِدیا بھون سیریز جلد پنجم کے مصنف کہتے ہیں کہ چین ہندو کلچر کے اثر میں آیا اور ہندو نوآبادیات سیام میں قائم ہوئی۔ مصنف نے اس امر کے لیے معذرت مانگے بغیر کہ اس نے بدھسٹ یا ہندستانی کی بجائے ہندو لکھا ہے۔ چین اور جنوبی مشرقی ایشیا میں بودھ مت کے فروغ کے متعلق تحریر کیا ہے۔ مزید برآں ال گوپال ______

______ ہمیں یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہندوستان میں غربت، مسلمانوں کے آمد سے شروع ہوئی۔ اسی طرح یہ سیریز جنوبی مشرقی ایشیا میں ایک اعلیٰ تہذیب کے زوال کے متعلق بتاتی ہے اور ساتھ ساتھ یہ

بھی اطلاع دیتی ہے کہ چشمے کا وہ منبع کہ جس نے ہندستانی نوآبادیات کی تہذیب کو دور دراز علاقے میں تیار کیا تھا خشک ہو چکا تھا۔ اسے براہ راست شمالی ہندستان میں مسلمانوں کی فتح سے ہم رشتہ کیے بغیر مصنف اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ ہندستان سے کوئی . . . نہیں اٹھایا گیا تھا۔ میں نہیں جانتا کہ سابق ہند چین ممالک کے مورخ اپنے قومی فن اور تہذیب کے متعلق کیا سوچتے ہیں لیکن اس سیریز کے مصنف یہ بتلاتے ہیں کہ دیسی زبان و فن کے پھیلاؤ نے ان ممالک میں تیزی سے تہذیب کے زوال کا سفر کیا۔

اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہندستانی ثقافت، روایت اور اساطیر بشمول بدھ ازم نے جنوبی مشرقی ایشیا کے بہت بڑے حصے پر نیز مرکزی اور مشرقی ایشیا پر گہرا اثر ڈالا ہے۔ لیکن اس اثر کی ماہیت ہر جگہ یکساں نہیں تھی۔ مقامی تہذیب اور روایتوں کو بہت زبردست رول ادا کرنا تھا۔ ہندوستانی بودھوں کی رسومات اور ان کے طور طریقے سے مختلف طور پر وہ لوگ ہزاروں دیوتاؤں کی پوجا کرتے ہیں یہاں تک کہ ان کے پجاری مچھلی اور گوشت کھاتے ہیں۔ اور بڑے چاؤ سے مندروں میں بودھ پر چڑھاتے ہیں۔ مزید یہ کہ مصنف کا سنسکرت پر اندھا فخر وہ انھیں پالی کو مقدس زبان اور مقدس عبارتوں کی زبان تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہے اور یہ کہ پالی کو پجاریوں کی زبان تسلیم کرتے ہوئے وہ اس بات پر افسوس کا اظہار کرتے ہیں کہ دیسی زبانوں نے سنسکرت کی جگہ لے لی۔

فرقہ پرستوں کا جذبہ صرف مذہبی اعتقادات تک محدود نہیں ہے۔ زبان و ادب کے معاملے میں بھی وہ لوگ کافی ذاتی ہوتے جاتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ نے تصنیف و تالیف کے لیے عربی کو ترجیح دی جو کہ حیثیت اور مرتبے میں برطانوی دور میں لاطینی کو بھی تھی۔ بہت سے لکھنے والوں نے وہی مقام سنسکرت کو دیا۔

سنسکرت ہندستان میں نہیں پیدا ہوئی۔ آریہ اپنے ساتھ ایک ترقی یافتہ زبان لائے اور جوں جوں زمانہ گزرتا گیا وہ انتہائی خوبصورت ادب کے سبب ترقی یافتہ اور مالا مال ہوتی گئی۔ تاہم وہ آخر ارباب اقتدار پجاریوں کی زبان ہو کر رہ گئی۔ رگ وید کے عظیم اشلوک ان لوگوں کے لیے جنھیں ہم مشکل سے تعلیم یافتہ کہہ سکتے ہیں بچوں کے گیت سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے تھے۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ معدودے چند پڑھے لکھے لوگوں کے لیے وجہ اثر پذیری بھی ہوتے۔ اپنشد اور دوسرے مذہبی ادب جو سنسکرت میں ہیں صرف کچھ عالموں کے لیے ہیں یا ان لوگوں کے لیے ہیں جو عالم ہونے والے ہیں ان کے علاوہ پجاریوں کے لیے ہیں۔ عنقریب پجاری منتر پڑھیں گے بچے کی پیدائش پر اور شادی بیاہ میں بالکل ہی اجنبی زبان میں۔

فارسی اور انگریزی کی طرح سنسکرت جو کہ دیوتاؤں کی زبان کہلاتی تھی حملہ آوروں کی زبان بھی تھی جو سنسکرت

بولنے والے آریوں کی تعداد نے جنوب میں ہندستان کو اپنا گھر بنا لیا تھا۔ ممکن ہے فارسی بولنے والے وسطی ایشیائی لوگوں سے کا انھوں نے بھی ہندستان کو اپنا گھر بنا لیا تھا کہیں زیادہ ہوں لیکن یہ حقیقت ہے کہ ان کی زبان کبھی عوام کی زبان نہیں ہوئی۔ تاہم بہت سارے ہندوستانی اہل قلم ہر زبان کے لیے مختلف طریقے سے بولتے ہیں۔ دو یا بون سیریز کا معاملہ عجیب و غریب ہے۔ جبکہ یوروپی اسکالر اس بات کا ذکر فخر سے کرتا ہے کہ لاطینی کو تیاگ دینے سے جدید یوروپی زبانوں کو فروغ حاصل ہوا۔ ہندستانی اہل قلم جنوب مشرقی ایشیا میں سنسکرت کے بجائے دیسی زبان کے رائج کیے جانے پر افسوس کا اظہار کرتا ہے اور وہ ناگر زبانوں کے عروج کو زبردست انحطاط سے تعبیر کرتا ہے۔

یہ اسکالر اس بات کی طرف دھیان نہیں دیتے ہیں کہ تامل الفاظ گریک اور مشرقی ایشیائی زبانوں میں داخل ہو رہے ہیں جس کے صاف صاف یہ معنی ہیں کہ دور دراز کے علاقوں میں ہندستان کے اثرات مرتسم ہو رہے ہیں۔ یقیناً ... دور میں سنسکرت کا احیا ہوا پھر بھی غریب دہقان اپنی مادری زبان نہیں بولتے تھے۔

کالی داس نے اپنے ناٹک سنسکرت میں لکھے۔ لیکن ان کے کردار شعور، عورتیں اور وہ دوسرے لوگ جو سماج کے پچھڑے ہوئے لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں پراکرت میں بولتے ہیں۔

ماقبل تقسیم کی فرقہ وارانہ تاریخ نویسی نیم پختہ تاریخ تھی، لیکن مابعد تقسیم کی تاریخ نویسی بشمول سیکولر تاریخ نویسی کی طوعنت سے اور وہ پورے طور پر پختہ ہیں۔ ہر چہار جانب بہت سے تحقیقی کام کیے گئے ہیں۔ ذیل کے پیراگرافوں میں میں سوچتا ہوں کہ رواداری کے مسئلے کی جانچ پڑتال کروں جس کی جانچ پڑتال مجھ سے پہلے رومیلا تھاپر، ہربنس مکھیا اور وپن چندر کر چکے ہیں۔ تسلسل کے خیال سے ممکن ہے کہ کچھ نکتوں کو دہرانے کی ضرورت محسوس ہو جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے اذیت رسانی اور نارواداری کی مثالیں گو کہ اکثر دیکھنے میں آجاتی تھیں پھر بھی مستثنیات میں تھیں اور ایک وسیع دیہی سوسائٹی میں ... تھیں۔ اور برداشت عالمگیر بھی تھی سوائے ان حالات میں جبکہ ایک گروہ، ذات اور طبقے کا ذریعہ معاش خطرے میں پڑ جائے۔ لاکھوں آدمی شہر سے میلوں دور رہتے ہیں اور جہاں شہر نہیں ہوتے وہاں سیاسی صدر مقام سے بہت دور رہتے ہیں۔ وہاں انھیں یہ جاننے کا بھی موقع نہیں ملتا کہ سیاسی اقتدار کس کے ہاتھ میں ہے۔ اور حکمراں جو بھی ہو حکمراں رہے گا۔ اور غلام غلام رہے گا۔ کسان کا جو بھی مذہب ہو انھیں اپنی زائد پیداوار سرکاری عملے زمیندار یا مہاجن کو دینی پڑتی ہے۔ سماجی تصادم رام راجیہ کے دور میں بھی ہوئے تھے۔ کہیں تو یہ خالصتاً معاشی ہوتے ہیں لیکن بیشتر حالات میں یہ نسل اور مذہب کا لبادہ اوڑھ کر آئے ہیں۔ محمود غزنوی کے حملے جو آج بھی ہندستانیوں کے احساس کو مجروح کر رہے ہیں بالا غرض حملے ہی تھے۔ اس نے ہر اس شے کو جو اس کی راہ میں آتی تھیں تباہ و برباد کر دیا۔ دوسرے حملے اور بھی

کچھ مختلف نہیں تھے۔ فرقہ پرست جہاں اربوں اور ترکوں کے حملے سے بیزار ہیں وہاں وہ ساکاس، ہنس اور گریک کے حملوں کے سلسلے میں غیر جانبدار ہیں لیکن آریوں کے حملے جو طوفانوں کی طرح یکے بعد دیگرے ہوتے تھے اور جو تقریباً ستر بار ہوئے ہیں۔ ان کے لیے مسرور کن ہوتے ہیں۔ آریوں کے حملے ان کے لیے باعث افتخار ہیں کیوں کہ انھوں نے ہندستان کو دیوتاؤں کے سماج میں پہنچا دیا اور اسے دھرم کی پوتر دھرتی بنا دیا۔ اور جنت کے لیے نیز نجات کیلیے ایک راہ بنادی چتور ورن کی حفاظت کی جو کہ دیوتاؤں کا نافذ کردہ سماج کا چار گنا نظم ہے۔ اور سنسکرت کو دیوتاؤں کی زبان بنا دیا اور اس ملک کو ایک ترقی یافتہ شہری سماج بنا دیا جو کہ آریوں کے حملے کے وقت موجود تھا۔ ان کے شہروں میں مندر ہوا کرتے تھے۔ جین ہڑپا کے کھنڈروں میں دیکھ سکتے تھے۔ اسکول کی درسی کتابیں نیز دوسری کتابیں یہ باتیں بتانے سے قاصر ہیں کہ آریوں نے ہمارے وطن میں کون کونسی تباہیاں مچائیں۔ کتنے شہروں کو انکے مندروں کے ۔ ۔ ۔ ۔ نے تباہ و برباد کیا۔ داراس کون تھے؟ ان کے ساتھ کیا سلوک روا رکھا گیا۔ اس نوع کے مطالعہ کے لیے ہمیں کوئی ماخذ نہیں ملتا؛ بجز آثار قدیمہ اور ہر دور کی مقبول الہامی کتاب رگ وید کے۔ ڈی۔ ڈی کوسامبی نے رگ وید سے معلومات حاصل کیں اور انھیں مختصراً ایک جملے میں بیان کیا: آریوں نے ہندستان کی تہذیب کی مکمل بیخ کنی کی۔ رگ وید بتاتا ہے کہ اندر نے شہروں کو تباہ کر دیا۔ داسوں کے بنائے ہوئے بندھ توڑ دیا لیکن انھوں نے تعمیر نہیں کی اور نہ زراعت کے لیے نہریں کھودیں۔

مختلف مسلم خاندانوں نے عظیم ہند کے مختلف علاقوں پر حکومت کی۔ ان میں سے کچھ حکمراں یقینی متعصب تھے۔ وقتاً فوقتاً [illegible] کے مارے گئے اور ان کے مندروں کو تباہ کر دیا گیا لیکن وہی متعصب مسلم حکمراں تھے جنھوں نے مسلمانوں کو بھی بے دریغ [illegible] شبلی اور فاروقی نے اورنگ زیب کو فقیر منش لکھا ہے جبکہ ہندو مصنفین نے انھیں سنگدل اور متعصب شیطان [illegible] ہیں۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ جب یہ "فقیر صفت" بادشاہ اپنی عظمتوں کے ساتھ شاہجہاں آباد دہلی کے لال قلعے میں [illegible] کے تخت طاؤس پر جلوہ افروز ہوا تو اس وقت اس کے باپ قلعہ اور تخت کے معمار نہایت ہی ذلت سے اپنے بیٹے کے قیدی کی [illegible] آگرے کے قلعے میں زندگی گذار رہے تھے اور مزید یہ کہ اورنگ زیب کا بڑا لڑکا جو اس کے لڑکوں میں سب سے زیادہ مستحق تھا۔ اسی طرح ذلت آمیز طریقے سے گوالیار کے قلعے میں قید تھا۔ اورنگ زیب کی لالچ کا یہ حال تھا کہ اس نے بار بار اس بات کا مطالبہ کیا کہ بیش بہا ہیرے جواہر جو اس وقت تک شاہجہاں کے ہاتھ میں تھے اس کے حوالے کیے جائیں۔ اپنے دورِ حکومت کے دوسرے حصے میں بلاشبہ اس نے ہندوؤں کے خلاف امتیازی قانون نافذ کیے لیکن اس کا ایک دوسرا رخ بھی تھا۔ اس نے بڑی فیاضی سے ہندوؤں کے مندروں کے لیے عطیات دیئے اور بڑی تعداد میں ہر عہدے پر ہندو افسروں کو بحال کیا اور یہ تعداد بشمول زمانہ اکبر کے عہد سے بہت زیادہ تھیں۔ انسانی جذبات کے سلسلے میں اس

کی تشویش کی بڑی شہرت تھی اور اس نوع کی مراعات اپنے ان قیدیوں کے ساتھ بھی روا رکھتا تھا جن سے وہ سخت نفرت کرتا تھا۔ مثال کے طور پر ہم شیواجی کے پوتے اور اس کی ماں کا نام لے سکتے ہیں جو اورنگ زیب کے قید میں تھے۔ اس نے اسے قید میں ضرور رکھا لیکن برسوں تک اس بات پر خاص توجہ دی کہ ہندوؤں کے رسم و رواج اور کھانے پینے میں ممنوعات کا خیال رکھا جائے۔

راسخ العقیدہ متعصب کٹر سنی مسلمان حکمراں مسلمانوں سے بھی تعصب برتتے تھے۔ فیروز شاہ اور اورنگ زیب نے بارہا صوفی فقیروں کی گردن مروادی۔ اورنگ زیب کی یہ پالیسی کہ اس نے مندروں کو ——— منہدم کرایا اور پھر دوسری طرف سب نے مندروں کو بیش بہا عطیات سے نوازا۔ اس قدر آپس میں متضاد ہیں کہ انھیں نہ تو فرقہ پرست تاریخدانوں کی زبانیں متعصبانہ کہیں گی اور نہ قوم پرور دانشوروں کی زبانیں رواداراانہ کہیں گی۔ اورنگ ایلورا کے گپھاؤں والے مندر کے حسن اور اس کی عظمت سے اس درجہ مشہور ہوا تھا کہ اس نے حیرت زدگی کے عالم میں اسے صنعت صناع حقیقی قرار دیا۔ میں اورنگ زیب کی طرف سے معذرت خواہ نہیں ہوں لیکن میں مخالف ہوں ان باتوں کا جو دونوں جانب کے فرقہ پرست اہل قلم لوگ کہتے ہیں۔ جادو ناتھ سرکار جیسے اعلےٰ مرتبت سوانح نگار نے مندر کے انہدام کے سلسلے میں کتاب کے اصل متن میں تحریر کیا ہے۔ لیکن کیلاش مندر کے لیے جو اس کے دل میں عقیدت تھی اسے ایک جگہ حاشیے میں شامل کیا ہے۔ (سرکار - - - - - - - - -) مسلمان فرقہ پرست اہل قلم اس کے برعکس لکھتے ہیں۔

قتل اور غارتگری عہد وسطیٰ میں بالعموم جنگوں میں ہوا کرتی۔ یا پھر کسی حملہ آور فوج کے ہاتھوں۔ لیکن حملہ آور یا جن پر حملہ کیا گیا ہو یا جنگ کے دونوں فریق کلی طور پر نہ ہندو ہوتے اور نہ کلی طور پر مسلمان ہوتے اور نہ جنگ میں قتل یکطرفہ ہوتے ہیں۔ فاتح فوج میں بھی کافی جانیں تلف ہوئیں۔ شہروں کی آبادی اور فوج کی تشکیل بالعموم ملی جلی ہوتی۔ حتیٰ کہ ہندو مسلم سپہ سالاروں کے مابین یعنی محمد بن قاسم اور راجہ داہر کے مابین جو جنگ ہوئی اس میں دونوں طرف کی فوج میں ہندو اور مسلمان ملے جلے تھے۔ داہر کی فوج میں مسلمان بھی تھے اور اسی طرح محمد بن قاسم کی فوج میں بھی ہندو فوجی شامل تھے۔ ان حالات میں ودیا بھون سیریز میں تحریر شدہ یہ عبارت مناسب نہیں دکھائی دیتی کہ ان جنگوں میں ہندو مارے گئے اور انھیں غلام بنایا گیا۔ شہروں کو مسمار کر دیا گیا اور مندروں کو برباد کر دیا گیا۔ ہمارے پاس کوئی ایسی شہادت نہیں کہ قتل کرتے وقت یا غلام بناتے وقت سپہ سالاروں نے یا فوجیوں نے (اور یہ بات ممکن بھی نہیں تھی) مذہب کی بنیاد پر تفتیش کی ہو۔ قتل کرنا اور غلام بنانا ہندستان میں مسلمانوں کی فتح بھی عام تھا اور ان لوگوں کے درمیان جو پورے طور پر مسلمان تھے۔ جنگ اور لڑائی کے طور طریقے یکساں تھے۔

ہوس پرستی بادشاہت کی خمیر میں ہوتی ہے۔ اقتدار کی ہوس نیز مال و متاع کی لالچ اور سلطنت کی توسیع کا سودا دماغ میں ایسا بھرا تھا کہ اس کی کوئی انتہا نہیں تھی۔ یہی اسباب ہیں جن کی بنا پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ سبھی بادشاہوں نے ایک ہی طریقے سے حکومت کی۔ اگر ضرورت ہوئی تو انھوں نے مذہب کا استعمال کیا ورنہ اسے نظر انداز کیا اور اگر جب انھوں نے یہ محسوس کیا کہ ان کی حکمت عملیوں کو بروئے کار لانے میں ضرورت اس بات کی ہے کہ مذہب کی مخالفت کی جائے تو انھوں نے اس کی مخالفت بھی کی۔ ہندو اور مسلمان حکمرانوں کو جب دولت کی ضرورت ہوتی تو وہ مندروں کو لوٹ لیتے چونکہ مندروں میں دولت کا انبار لگا رہتا۔ دوسری طرف مندروں میں سوائے اینٹ اور پتھروں کی دیواروں کے کچھ نہ ہوتا۔ اسلیے حملہ آوروں کی نگاہ کبھی مسجد کی طرف نہیں اٹھتی البتہ اس وقت وہ مندروں پر بھی حملہ کرتے جب انھیں یہ معلوم ہوتا کہ وہاں دشمن پناہ گزیں ہیں اور یہی سبب ہے کہ کعبہ جو خانہ خدا ہے اسے بھی نہیں چھوڑا گیا۔ رسول اللہ کی وفات کے کوئی پچاس سال بعد امیوں نے جو رسول اللہ کے رشتہ مندوں میں تھے، کعبہ کو ڈھا دیا۔

حد تو یہ ہے کہ کعبہ میں نصب شدہ سنگ اسود جسے لاکھوں مسلمان ہر سال چومتے ہیں، وہ اب سالم سیاہ اور بھورا پتھر نہیں ہے اس حملے میں یہ بھی چکنا چور ہو گیا تھا۔ متعصب مسلمانوں نے اپنے تعصبات میں کچھ مندروں کو مسمار کیا ہوگا لیکن یہ مثالیں مستثنیات میں ہیں۔ مقدس سنگ اسود کی جو کہ واحد پتھر ہے جسے مسلمان بوسہ دیتے ہیں اور قابل احترام گردانتے ہیں کی لوٹ بھی مستثنیات میں ہے۔ ایک بار جب طاقتور دشمن ۔ ۔ ۔ مسلمان اسے کسی دور افتادہ مقام پر لے بھاگے تو بیس برسوں سے زیادہ عرصے تک غمزدہ مسلمانوں نے دنیا پر خدا کے اس عظیم شے کو بوسہ دیے بغیر حج کے فرائض انجام دیے۔ اگر مسلمان حملہ آور کعبہ پر حملہ کرتے ہیں تو اپنے مفادات کو بارآور بنانے کے لیے وہ دنیا میں کسی بھی عمارت کو منہدم کر سکتے ہیں۔

عہد وسطیٰ یا قدیم ہندستان کے حکمراں آزاد خیال، جمہوریت پسند اور سیکولر نہیں ہوتے تھے۔ آج کے دور کی ان خوبیوں کو ان کے نام سے منسوب نہیں کیا جا سکتا ہے۔ وہ اپنے دور کی قدروں کے زیر تحت حکمرانی کرتے تھے۔ وہ استبداد پسند تھے۔ دینی حکومت جس نے اس کے اختیارات کی حدیں باندھ دی تھیں، ان کے مفاد کے خلاف تھی۔ اقتدار ان کا دین تھا۔ قصر کرسی کا ان کی ساری سیاست تھی۔ اقتدار کے لیے رسّہ کشی، مذہبی معاملات میں وہ روادار ہو سکتے تھے متعصب ہو سکتے تھے یا غیر متعلق رہ سکتے تھے۔ فرقہ پرستانہ عمل ایک ترقی پذیر اور مضبوط عمل سلطنت کے لیے سود مند ثابت نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس پر کار بند نہیں ہوتے لیکن اگر ضرورت پڑی تو بادشاہ اپنے فرقے کو بھی خواہ وہ نسلی ہو یا مذہبی دبانے سے باز نہیں آتا۔ تعصب، استبداد نہاد اور مغل نما مسلمان بادشاہوں کے بالخصوص ان کا تعصب اور تشدد ان کی ہندو رعایا کے لیے اتنے وسیع پیمانہ پر اور پرجوش طریقے سے مشہور کیا گیا کہ گویا الگ کوئی اس میں کوئی عار نہیں تھا کہ وہ ساری مسلم قوم کو بشمول دستکار مزدور اور کسان،

خون جرگہ، خون جتھا، لٹیرا، بحری قزاق، دشمن، تباہ کار طاقت، پرانے حملہ آور بدخواہ اور ہمارے پرانے دشمن اور ہمارے کٹر دشمن کہیں، اسی طرح کی دشنام طرازیاں عام ہیں۔ یہ شعور اس لیے بیدار ہوا کہ تاریخ کی جگہ ایسی تاریخ رواج پاگئی جو نیم صداقت پر مبنی تھی۔ یہ سچ ہے کہ چتوڑ کے قلعے سے مغل اقتدار کے خلاف دفاعی جنگ کی گئی۔ یہ صحیح ہے کہ رانا سنگرام سنگھ نے بابر کی مخالفت کی اور اس سے نبرد آزما ہوا۔ ان کے لڑکے اودے سنگھ نے اکبر سے شکست نہیں مانی اور ان کے پوتے رانا پرتاپ سنگھ نے ساری زندگی اکبر سے جنگ کی۔ یہ سچائی غلط بیانی میں بدل کر فرقہ پرستانہ ہو جاتی ہے۔ اگر آپ وہی کہیں جو ہاٹیکر اور دوسروں نے کہا تب ہم انھیں "ہندو مزاحمت کا مردِ میدان" کہیں۔ یہ امر نیم صداقت بن جاتا ہے اور مہمل تاریخ کہلانے لگتا ہے۔ اگر آپ اس بات کو نظر انداز کریں کہ سنگرام کی تقریباً نصف فوج مسلمانوں کی تھی جس کی کمان محمود لودی اور حسن خاں میواتی کے ہاتھوں میں تھی۔ چتوڑ کے محاصرے میں ٹوڈر مل اور بھگوان داس اکبر کے ساتھ تھے۔ اور اسمٰعیل خاں پیدل فوج کا سپہ سالار اودے سنگھ کی طرف تھا۔ ہلدی گھاٹ کی مشہور لڑائی میں حکیم سور رانا پرتاپ کی طرف سے لڑا۔ اور مان سنگھ اور دوسرے بہت سارے لوگ اکبر کی طرف سے۔ یہی بات خسرو شاہ اور غیاث الدین تغلق کی لڑائی کے متعلق بھی کہی جا سکتی ہے جو کہ دلی میں لڑی گئی تھی۔ دونوں طرف فوج ملی جلی تھی۔

ہندو فرقہ پرست اس بات سے اتفاق کرتے ہیں کہ سیاست سیاست تھی لیکن مذہبی تنگ نظری اور ظلم و استبداد ذاتی وجوہ کی بنا پر نہیں تھی بلکہ بنائے مذہب تھا۔ وہ کہتے ہیں۔

> "مذہب اسلام ایک قاتل کو قابل احترام سمجھتا ہے اور اسے ایک ... کی طرف قابل پرستش گردانتا ہے۔ یہ مذہب اپنے اہل مذہب کو دوسرے مذہب کے لوگوں کو مارنے کی ترغیب دیتا ہے اسلام کے عقیدے کے مطابق کافر کو قتل کرنا یا دوسرے مذہب والوں کے قتل کرنے سے اپنے ہم مذہبوں کی نظر میں بلند مرتبے پر پہنچ جاتا ہے۔ بصورت دیگر وہ شہید ہو جاتا ہے اور اس پر جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں۔"

مندرجہ بالا سطریں تحریر کرتے وقت فرقہ پرست یہ بھول جاتے ہیں کہ بھگوان کرشن نے اپنے عقیدتمندوں سے کہا تھا کہ وہ ان کے لیے لڑیں اور اس بات کا یقین دلایا کہ "اگر تم قتل کر دیئے گئے تو تمہیں جنت (شہید) ملے گی اور اگر جیت (غازی) گئے تو دنیا تمہاری ہوگی۔ تاریخ مذہبی اعتقادات اور مذہبی قانون کی کسوٹی پر نہیں پرکھی جا سکتی ہے۔ دھرم شاستر کا کوئی قانون ایسا نہیں ہے کہ جسے رامائن اور مہابھارت کی کہانی میں نہ توڑا گیا ہو اور شریعت کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جسے نام نہاد اسلامی دنیا نے چیلنج نہ کیا ہو۔ اگر عہد وسطیٰ میں مسلمانوں کے دور میں عصبیت تھی تو قدیم ہندوستان میں ہندوؤں کے

دور میں معاملہ مختلف نہیں تھا، لیکن جیسا کہ بیشتر کہا جا چکا ہے کہ یہ باتیں مستثنیات میں تھیں۔ رواداری قدیم ہندستان میں اور عصبیت عہد وسطیٰ کے ہندستان میں، یہ فرقہ پرستانہ تاریخ نویسی ہے۔ ہم لوگ بالعموم اسی نوع کی تاریخ نویسی کے مارے ہوئے ہیں اسلیے ضرورت اس کی ہے کہ قدیم ہندستان میں جو ادھر ادھر تاریخ کی مثالیں ملتی ہیں ان پر روشنی ڈالی جائے۔

رواداری اشوک کے ریاستی پالیسی کی روح تھی جسے انھوں نے آخری دم تک برتا۔ تاہم اپنی حکومت کے آخری زمانہ میں بودھ مت دوستی کی پالیسی میں اتنا متشدد ہو گیا کہ اجیوکار اور جین جنھیں اس کی سرپرستی اور آزادی حاصل تھی پریشانیوں میں گرفتار ہو گئے۔ آخر کار اس نے منحرف بودھ راہبوں اور راہباؤں کو اس طرح دبانا شروع کیا کہ حکومت کی حمایت واپس لے لی اور سنگھ سے ان کے اخراج کا حکم دیدیا۔

نریندر گپت نے جو کہ گپتا خاندان کے آخری حکمرانوں میں تھے ملدھ پر حملہ کیا اور بودھوں کے مقدس بودھی درخت کو گیا میں کٹوا دیا اور جہاں تک ممکن ہو سکا بودھ مت کی بیخ کنی کی تامل پرانوں کی روسے سیوادھرم کو جینیوں پر مظالم ڈھاکر مضبوطی سے قائم کیا گیا۔ آٹھ ہزار جینیوں کو ستونوں کے سہارے کھڑا کرکے ان کے جسم پر میخیں ٹھونک دی گئیں، حتیٰ کہ ملالج کو بھی جلادوں کے ہاتھوں اذیت اٹھانی پڑی۔

جسے سنہلنے (۱۱۲۸۔ ۱۱۵۵) جو کہ کلہانا کا ہم عصر تھا (مصنف راجہ ترنگنی) اور جو کشمیر کی خوبصورت وادی پر راج کرتا تھا بتوں کو تڑوایا اور سرینگر کے نزدیک ان لوگوں میں د رکو جلوادیا۔ اس سے بھی مورتیوں کو توڑنا اور مندروں کی جائیدادوں میں مداخلت بے جا کرنا روپے کے لیے نہ کہ مذہب کے لیے عام تھا۔ کشمیر میں آٹھویں صدی میں جے پدکے دور میں یہ واقعہ پیش آیا۔ حتیٰ کہ اگر ہارا کی زمین جو پجاریوں کے قبضے میں تھی حکمراں نے لے لی۔ دوسرے حکمراں سمکرا ورمن (۸۳۸۔ ۹۲) "مندروں سے وہ منافع لے لیا جو ـــــ صندل کی لکڑی اور دوسری چیزیں جو پوجا میں کام آتی ہیں کو بیچ کر ہوا تھا۔ (کلہانا)۔ اس نے جوسٹھ مندروں کو لوٹا اور مندر سے متعلق گاؤں کو اپنے قبضے میں لے لیا۔ ہندستانی تاریخ کا سب سے بڑا بت شکن ڈی۔ ڈی کوسامبی کے قول کے مطابق مہرشی (۱۰۸۹۔ ۱۱۰۱) تھا جس نے کشمیر میں سوائے چار مورتیوں کے سب کو توڑ ڈالا۔ یہ کام بڑے بے ضابطہ طور پر ایک مستقل راج منتری دیوت پرتنا ٹک کی نگرانی میں کیا گیا۔ کوسامبی مزید تحریر کرتے ہیں کہ مہرشی نے یہ کام اسی طرح شروع کیا کہ سب سے پہلے اس نے ایک غیر آباد بھیمک سیدا مندر (نزد ہرتشا) کہ جسے بھیم ساہی نے قائم کیا تھا کے خزانے کو ہنگامی طور پر ضبط کر لیا۔ اس کے بعد راجہ مہرشی نے دوسرے مندروں کے خلاف راست عمل شروع کر دیا۔ کوسامبی نے کشمیر کے سلسلے میں کلہانا کے بیان کو تسلیم کیا ہے۔ کلہانا لکھتا ہے کہ لالچی راجہ نے مندروں سے تمام نادر خزانے لوٹ لیے جنھیں اس کے پیشرو راجاؤں نے عطیہ کیا تھا۔ جب خزانے لوٹ لیے گئے تو بھگوان کی مورتیوں

پر قبضہ کرنے کے لیے اس نے اودے راج کو مقرر کیا۔ (جو کہ دیوتاؤں کی مورتیوں کو تہہ و بالا کرنے میں بڑی مشاقی رکھتا تھا) مورتیوں کی بے حرمتی کرنے کے لیے ننگے گداگروں سے کہ جن کی ناک اور دست و بازو گل چکے ہوتے دیوتاؤں پر بول و براز پھکوایا کرتا۔ کلہانا مزید اس بات کی توثیق کرتا ہے کہ کوئی گاؤں کوئی قصبہ اور کوئی شہر ایسا نہیں تھا جہاں کے مندروں کی مورتیاں اس تروسکا راج مہرشی کے ہاتھوں لوٹی نہیں گئی ہوں۔

بت شکنی کی ایک طویل روایت ہے۔ رگ وید کے زمانے میں آریاؤں نے شہروں کو بغیر بسے تباہ و برباد کر دیا۔ ہڑپا تہذیب میں بھی مندر رہوں گے جنھیں یقینی حملہ آوروں نے برباد کر دیا جیسا کہ بعد کے حملوں میں ہوا۔ موریوں کے عہد میں جو مورتیاں بنائی گئی تھیں وہ بعد کے موریہ راجاؤں نے حصول زر کے لیے پگھلا دیں۔

مذہبی تعصب تو بہت کم تھا لیکن کسی خاص مذہب کی سرپرستی قدیم عہد میں بھی اسی طرح عام تھی جس طرح عہد وسطیٰ میں عام تھی۔ موریہ خاندان کے جلوکا نے بودھ مت کے ماننے والوں پر مظالم ڈھائے۔ اور سائیوزم کا پرچار کیا اشوک راہبوں کو تحفے دیا کرتا۔ اجے وکاس کو تحفے میں کچھ نہیں ملی۔ دشرتھ کی تاجپوشی کے فوراً بعد۔ سلوسوکا نے جین مت کی طرفداری کی۔ کوٹلیہ نے اس بات کی وکالت کی کہ ریاست کو بھٹکتے ہوئے جوگیوں پر روک لگانے کے لیے طاقت کا استعمال کرنا چاہیے۔ برابر بھوچکا نے جینیوں کو ذلیل کیا۔ تعصب کی مثالیں اور مندروں کو مسمار کرنے کی مثالیں قدیم ہندستانی تاریخ میں کم ملتی ہیں کیوں کہ ایسے واقعات تعصب کے جو کشمیر میں مہرشی کے دور میں وقوع پذیر ہوئے بہت ہی مستثنیٰ ہیں۔ عہد وسطیٰ کی تاریخ میں تعصب کے ایسے واقعات کچھ زیادہ ہی ہیں۔ بہر کیف ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ قدیم ہندستانی تاریخ کے سلسلے میں ہمارے علم کی بنیاد صرف ایک مستند تاریخی تصنیف پر ہے اور وہ ہے "راج ترنگنی" برخلاف اس کے عہد وسطیٰ کے ہر بادشاہ پر کئی کئی کتابیں ملتی ہیں۔ مورخین کو اس امر پر غور و خوض کرنا چاہیے کہ کیا واقعی قدیم ہندستان میں عصبیت کے واقعات اور مندر شکنی کے واقعات کم ہوئے ہیں یا یہ کہ ہم ایسے واقعات سے بے خبر ہیں۔ یوں کہ ہمارے پاس کوئی تاریخی ماخذ نہیں ہے۔ سچائی جو بھی ہو فرق مزاج کا نہیں ہے درجے کا ہے۔ کیفیت کا نہیں ہے کمیت کا ہے۔ عام طور پر وہ عصبیت اور فرقہ وارانہ جنون جو آج دیکھنے کو ملتا ہے۔ قدیم ہندوستان یا عہد وسطیٰ کے ہندستان میں نہیں ملتا۔

عصبیت ان دونوں مذہبی فرقوں میں یوں نہیں تھی کہ ووٹ جمع کرنے والی جماعتیں اس دور میں ناپید تھیں۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ اس دور میں سماجی تصادم ضرور تھا۔ شودر اور دوسرے نچلے طبقے جن کی ہندستان میں اکثریت تھی دائمی محکومی کی زندگی گذار رہے تھے جن میں شاذ ہی کبھی اوپر جانے کی سماجی حرکت پذیری ہوئی۔

عہد وسطیٰ یا عہد قدیم میں وہ لوگ دائمی طور پر محکومی اور ذلت کا شکار رہے۔ چار ورنوں کی تقسیم جن کا

دعویٰ کرشن کرتے ہیں خود ان کی تخلیق کردہ ہے۔ وہ عورتوں کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ دیش اور شدر کی ناجائز اولاد ہیں برہمن کسانوں کو جنگجو طبقے کی غذا تصور کرتے ہیں۔ یہی وہ اعتقادات تھے جن کا برسر اقتدار جماعت نے پرچار کیا بہت کچھ قدیم ہندوستان میں نچلے طبقے میں سنگدلانہ استحصال کے متعلق لکھا جا چکا ہے۔ اور یہ ایسا موضوع ہے جسے فرقہ پرست مورخوں اور ماہر عمرانیات نے فراموش کیا ہے۔ چنانچہ میں اس بات کو سوامی دویکانند کی تحریر کے اقتباس کے ساتھ ختم کرتا ہوں جو یہ سمجھتے تھے کہ اس ملک کی تاریخ برسر اقتدار جماعت کی اس کوشش سے عبارت ہے کہ وہ مزدور پیشہ عوام پر اپنی برتری کو لازم قرار دیتے ہیں جن کے پیسے سے ان کی زندگی خوشگوار بنی اور اس میں آسودگی اور فراوانی آئی۔

> جب کبھی برہمنوں نے دستاویزات تحریر کی انھوں نے دوسروں کی آزادی اظہار کو سلب کر لیا۔ دیاکی (مہابھارت کے مصنف) نے ویدوں کی غلط تشریح پیش کی تاکہ وہ اس طرح غریبوں اور رشتہ داروں کی حق تلفی کریں۔
>
> .... اور وہ لوگ کہاں ہیں جن کی کمر توڑ جسمانی محنت نے تنہا برہمنوں کے اخلاقی مرتبے کو ممکن بتایا نیز چھتریوں کی فوجی طاقت اور ویشوں کی دوست کے قیام میں مدد کی۔ انسانوں کے اس طبقے کی تاریخ کہاں ہے جو نچلے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں جو کہ ہندوستانی سماج کا بہت بڑا سہارا ہیں اور پھر بھی ان کا ذکر ملک کی زندگی کے کسی عہد میں نہیں ملتا۔ جب کبھی شدروں نے اوپری طبقے سے چھوٹی سے چھوٹی مانگ کی ہے اپنے حصے کے سلسلے میں۔ تو اس وقت اوپری طبقے نے جس کی علم پر اجارہ داری ہے۔ ان کی زبان کاٹ دی اور ان کے جسم پر کوڑے برسائے"

فرقہ پرستانہ تاریخ نویسی دونوں کام کرتی ہے۔ وہ فرقہ پرستی کی پیداوار بھی ہے اور اسے پیدا کرتی ہے۔ ہندو سماج اور مسلمان سماج کا ذکر بغیر ذات پات طبقے اور اور نسلی امتیازات کے فرقہ پرستی پیدا کرتا ہے۔ ہندو اور مسلمان فرقہ پرست مورخوں کے خیال کی نیز برطانوی سامراجی اسکول کے خیال کی یکسانیت پاکستان کے قیام میں آنے کے بعد ختم نہیں ہوئی، وہ اب تک فرقہ پرستانہ تاریخ نویسی پر کاربند ہیں۔ مورخوں کا ایک طبقہ یہ دعویٰ کریگا کہ ہندستان میں اسلام عربوں اور ترکوں کی خون کی پیاسی تلوار کے سبب پھیلا۔ دوسرا طبقہ اس قول کو چیلنج کرے گا وہ کہے گا کہ اسلام نے ملک میں امن وامان پھیلایا۔ مسلمان صوفیا جنگ کے کشتوں کو اپنی محبت اور اپنی پاکیزہ زندگی سے قابو میں رکھتے اور اس طرح وہ اسلام کو فروغ دینے میں مدد ومعاون ثابت ہوئے۔ یہ دونوں طبقے یہ بھول جاتے ہیں کہ تمام فوجی، سیاسی اور روحانی سرگرمیوں کے بڑے مراکز میں ہندوؤں کی بالادستی تھی۔ شاہی دار الخلافہ، دہلی آگرہ۔ اورنگ آباد اور گلبرگہ علاقائی

ریاستوں کے دار الخلافہ یا صوبے مثلاً احمد آباد، احمد نگر، بیجاپور، حیدر آباد، الہ آباد، لکھنؤ، پٹنہ وغیرہ اور ان کے ساتھ صوفیوں کے مراکز جیسے اجمیر، کلیر، گوالیار اور فتح پور سیکری زندہ مثالیں ہیں اس بات کو پیش کرنے کے لیے کہ مذہب کی تبدیلی سے نہ حکمرانوں کا کوئی واسطہ تھا اور نہ صوفیوں کو۔ برخلاف اس کے اس سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ ہندو اور مسلمان ایک دوسرے کے مخالف نہیں تھے۔ وہ نہ صرف یہ کہ ساتھ رہے، بلکہ آج بھی ہندستان، پاکستان اور بنگلہ دیش میں ساتھ رہے ہیں ہرچند کہ فسادات کا سلسلہ جاری ہے۔ مزید یہ کہ فسادات فرقہ وارانہ نہیں ہوتے ہیں۔ دوسری نوعیت کے فسادات بھی ہوتے رہتے ہیں۔ مثلاً مسلم ریاست میں مسلمانوں کے درمیان مہاجروں اور پٹھانوں کے فسادات ہوتے ہیں اور ایک سیکولر ریاستوں میں ہندوؤں کے درمیان دلتوں اور غیر دلتوں کے فسادات ہوتے ہیں۔ سوسائٹی کبھی بھی انتشار سے آزاد نہیں ہوئی۔ لیکن تنہا مذہب اس کی ترغیب بہم نہیں پہنچاتا ہے۔

عہد وسطیٰ کے سماج کی حدوں میں رہ کر اکبر نے ایک ایسی قدم کی بنیاد ڈالی جو کسی خاص فرقے کی جاگیر نہیں تھی۔ سارے تعلیم یافتہ مسلمان پرزور احتجاج نہیں کرتے اگر وہ یہ سوچتے ہیں کہ انھیں وہ مقام نہیں ملا جس کی وہ پہلے کے دور میں تمنا رکھتے تھے۔ لیکن اکبر کے معاملے میں انھوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ مسلمانوں کو نظر انداز کرنے کی صحیح وجہ اکبر کا صلح کل ہے۔ ایسے دانشوروں نے جن کے ساتھ غفلت برتی گئی اور جو ہزار کوششوں کے باوجود کسی بڑے سرکاری عہدے پر نہیں پہنچ سکے جیسے عبد القادر بدایونی اور شیخ احمد سرہندی نے اکبر کی حکومت کی بے جا تنقید شروع کر دی۔ یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے فرقہ پرست مورخوں کی روحانی رہنمائی کی۔ اشتیاق احمد قریشی یہ سمجھتے ہیں کہ شیخ احمد سرہندی نے اسلامی تعلیمات سے گندگی نکال باہر کی اور اصلی عقیدے کی تبلیغ و اشاعت کی۔ مزید وہ یہ سمجھتے تھے کہ وہ راسخ العقیدہ لوگوں کے سچے رہنما ہیں۔ اور ان کے اس مرتبے کو لوگوں نے بالاتفاق رائے کر لیا ہے۔ شیخ احمد سرہندی کے خیالات کی اشاعت سے نیز ان جیسے اور دوسرے فلسفیوں کے خیالات کو عام کرنے سے لوگوں نے یہ عقیدہ استوار کر لیا کہ اسلام ہی تنہا صحیح مذہب تھا۔ اپنے اور اس کے پیروکار رہے ہیں انھیں رہنا چاہیے آقاؤں کی طرح اور دوسرے لوگوں کو ذلت و رسوائی میں رہنا چاہیے۔ ایسے دانشور نہ اپنے دور میں مقبول تھے، اور نہ آج مقبول ہیں۔ اور یہ وہ بات ہے جسے فرقہ پرست ہمیں ماننے کو کہتے ہیں یعنی وہ کہتے ہیں کہ مقبول تھے۔ سماج میں مقبول وہ تھے۔ جو امن و آشتی کا پیغام سناتے ہیں۔ حضرت نظام الدین اولیاء کا مزار آج بھی مرجع خلائق ہے اور شیخ احمد سرہندی کے مزار سے کہیں زیادہ لوگ اس پر حاضری دیتے ہیں۔

شیخ احمد سرہندی اس بات سے مطمئن نہیں تھے کہ انھوں نے اکبر کی غلط کاریوں کی نشاندہی اکبر کے عہد میں کر دی بلکہ وہ اس سے بھی کہیں زیادہ شدت سے ہندوؤں سے اور ان مسلمانوں سے بھی نفرت کرتے جو ان کے تصور اسلام کو نہیں مانتے۔

تھے۔ ایسے مفکر کو مثالی بنا کر پیش کرنے کے معنی یہ تھے کہ آپ ہٹلر اور ۔ ۔ ۔ کو مثال بنا رہے ہیں۔ دوسرے مذاہب کے دیوتاؤں کی کوئی عزت نہیں کرتے تھے اور ہندوؤں کے سب سے زیادہ پوجا کیے جانے والے بھگوان رام اور کرشن کی بھی بے عزتی کرتے اور انھیں اس دور کے نام نہاد ادنیٰ اور نیچ ذات کے مرتبے تک پہنچا دیتے، ادنیٰ ترین بھنگیوں کے مرتبے تک۔

مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ سب ہی انسان آدم اور حوا کی اولاد ہیں۔ لیکن سرہندی ایک بڑی تعداد میں آدم ــــــ کی اولاد سے نفرت کرتے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ اسلام کی عظمت اس بات میں ہے کہ بے دینوں اور بے دین کو، ذلیل و خوار کیا جائے۔ وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ انھیں (ہندو) ایک مقام دنیا اپنی سوسائٹی میں (ہندوؤں کو) اور (مسلمانوں) کو ان کی سوسائٹی میں اٹھنے بیٹھنے سے اسلام کو رسوائی ہوتی ہے۔ ہندوؤں کو اتنے ہی فاصلے پر بٹھانا چاہیے جتنے فاصلے پر کتوں کو بٹھلاتے ہیں۔ ہندوؤں سے اس کے نفرت کا جذبہ ساری حدوں کو توڑ پھوڑ کر نکل جاتا ہے۔ جب وہ یا علان کرتے ہیں کہ جزیہ عائد کرنے کا صحیح مقصد یہ ہے کہ انھیں ذلیل کیا جائے اور ان کی ذلت و خواری اس مقام پر پہنچ جائے کہ نہ تو وہ اچھے ملبوسات پہن سکیں اور نہ انھیں ساری زندگی ذہنی سکون مل سکے۔ ہندوؤں کو جو مسلمانوں کی طرح آدم کے بچے ہیں، مستقل ظلم اور خوف میں رکھنا ایک مسلمان بادشاہ کا فرض ہے۔ سرہندی کو ان مسلمانوں سے بے پناہ غصہ اور دشمنی ہے جنھیں وہ غیر مقلد اور رافضی سمجھتے ہیں۔ خاص طور پر شیعوں سے جن کے یہاں رسول اللہ کے بعد سے امامت کا سلسلہ جاری رہا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ سائنس (قرآن کے باہر) بیکار بھی ہے اور نقصاندہ بھی۔ سرہندی مسلمانوں کے ذہن کو مذہبی رسومات کی قید میں بند کرنا چاہتے ہیں اور ان ساری چیزوں پر زہر چھڑک دیتے ہیں جو ان کے فہم و ادراک سے باہر تھی۔ ان کی اسکیم میں سیکولر اور سائنس علم طلبا کو نہیں دینا چاہیے۔ مزید یہ کہ خود ان کی سماجی علوم کی واقفیت بے حد محدود تھی۔

شاہ ولی اللہ جو شاید ہندوستان میں سب سے بڑے مذہبی مفکر ہیں وہ بھی شیخ احمد سرہندی کی عظمت کو تسلیم کرتے ہیں۔ وہ انھیں المجاہد الف ثانی کے خطاب سے یاد کرتے ہیں کچھ مذہبی معاملات میں انھیں اختلاف ہے وہ وحدۃ الوجود کے معاملے ہیں لیکن ہندوؤں کے سلسلے میں ان کا بھی رویہ وہی ہے۔ "امام (شاہ یا قائد) ان سے (ہندوؤں سے) محکوموں اور پسماندہ لوگوں کی طرح فصل کٹوائی، غلہ پھنکوائیں اور دوسرے محنت کا کام لیں۔ اس طرح جس طرح ۔ ۔ ۔ کے جانوروں سے لیتے ہیں۔ ان نوع کے خیالات حاکموں اور محکوموں دونوں نے نظر انداز کیے لیکن ہمارے دور کے فرقہ پرست مورخوں کے لیے یہ نمونہ بن جاتے ہیں۔

فرقہ پرستانہ تاریخ نویس کا جوہر یہ ہے کہ ہندو عہد امن اور رواداری کا عہد تھا۔ برخلاف اس کے مسلم عہد تباہیوں اور بربادیوں کا عہد تھا، مکمل طور پر مسلمانوں کی حکمراں طبقے کے ساتھ شناخت قائم کرکے مسلمانوں کے فرقہ پرست مورخ مسلمان

بادشاہوں کا دفاع کرتے ہیں۔ دونوں قسم کے دانشوران لوگوں کو نظر انداز کرتے ہیں جو مال و متاع کی افزائش میں بہت مستعد تھے اور جن کی دولت نے حملہ آوروں اور سیاحوں کو اس ملک کی طرف دیکھنے پر مجبور کر دیا۔ اوپری طبقے پر سوامی دویکانند کی سخت تنقیدوں کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ ہندو عوام کی بڑی تعداد . . . ذہنیش اور ایسے لوگ جن کا تعلق کسی بھی طبقے سے نہیں تھا، یکساں ذلت اور غربت کی زندگی ہندو عہد اور مسلم عہد میں کر رہے تھے۔ مسلمانوں کی اکثریت کے ساتھ بھی جو اسی طبقے سے ابھری تھی، کم و بیش مسلم عہد میں وہی سلوک روا رکھا جاتا تھا۔ غریب مسلمان بھی غربت اور ذلت کی زندگی گذارا کرتے تھے۔ بہت سارے ایسے لوگ جو ہندستان میں اسلام کے مشعل بردار تھے، ہندوؤں کے لیے زہر بھری زبان رکھتے تھے اور کم ذات مسلمانوں کے لیے کوئی نرم گوشہ نہیں رکھتے تھے۔ ضیاء الدین برنی اس بات پر زور دیتے ہیں کہ انھیں ہر حال میں تعلیم سے الگ تھلگ رکھا جائے۔ ان کی نصیحت ۱۱ میں کہ جس میں انھوں نے مرکز میں سچائی کے قیام کی بات کی ہے، برنی کہتے ہیں: ہر نوع کے مدرسین کو سنجیدگی سے یہ حکم سنانا چاہیے کہ وہ کتوں کے گلے سے قیمتی پتھر نہ نکالیں اور نہ یہ کہ سور اور ریچھ کی گردن میں سونے کا پٹہ ڈالیں۔ مطلب یہ کہ کمینوں، رذیلوں، اور ناکاروں کو دکانداروں اور کم ذاتوں کو نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کے قاعدے کے علاوہ قرآن کی کچھ سورتیں اور مذہبی احکام سکھا دینے چاہئیں اور کہ ان کے بغیر ان کا مذہب درست نہیں ہوگا اور وہ صحیح نمازیں پڑھنے کے اہل نہیں ہو سکیں گے۔ لیکن ان چیزوں کے علاوہ انھیں اور کچھ نہ پڑھایا جائے ورنہ ان رذیلوں کی روح تفاخر محسوس کرے گی۔ ان لوگوں کو لکھنا پڑھنا نہیں سکھانا چاہیے، کیوں کہ کم ذاتوں کے علم میں دسترس حاصل کرنے سے بہت سی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ مذہبی معاملات اور حکومت کے معاملات میں جو ابتری پھیلی ہے، وہ ان میں کم ذاتوں کے سبب بے جواب ہنرمند ہو چکے ہیں۔ کیوں کہ علم کے سبب وہ گورنر (دلی) بن گئے ہیں۔ دیوبند کے تحصیل دار (عامل) بنے بیٹھے ہیں۔ اگر مدرس نافرمان ہے اور چھان بین کے وقت یہ معلوم ہوا کہ انھوں نے علم کی تقسیم کی ہے۔ اور کم ذاتوں کو لکھنا پڑھنا سکھلایا ہے تو یہ بات ناگزیر ہوگی کہ انھیں حکم عدولی کی سزا نہ دی جائے۔ شیخ احمد سرہندی نے علم کی اجازت دی لیکن صرف مذہبی علوم کی لیکن شاہ ولی اللہ اس بات کیلیے بھی تیار نہیں ہیں کہ عام مسلمانوں کو کچھ نہ کچھ مذہبی تعلیم دی جائے۔ انھوں نے یہ اعلان کیا کہ اہل اقتدار سختی سے ہدایت کردہ تجویزوں کو نافذ کریں اور اپنا مقصد نہ بتائیں اور انھیں یہ حق نہ دیں کہ کسی شرعی آئین کی طرف دیکھیں۔ انہیں (بادشاہ، قائد، اقتدار) چاہیے کہ وہ شریعت کے راز کے علم کو جو کہ تفصیلی آئین کا ایک ذریعہ ہے۔ عوام کے لیے راز بنائے رکھیں... ورنہ ان کے فکر کا دائرہ وسیع ہو جائے گا اور وہ لوگ تنازعہ میں پھنس جائیں گے۔ وہ اندھی تقلید کا حکم دیتے تھے۔ سید احمد خاں البتہ ایک جدید اصلاح پسند تھے۔ وہ اس بات کے لیے کوشاں تھے کہ کم ذات مسلمانوں کو بھی مغربی تعلیم بہم پہنچائی جائے۔ تاکہ وہ برطانوی نوکریوں کے حصول میں دوسرے ہندستانیوں کا مقابلہ کر سکیں۔ لیکن نوکریاں

ایک عام مسلمان کی جو اعلیٰ تعلیم یافتہ ہو، ذہین اور طباع ہو، معراج بنتیں۔ اقتدار کے مدارج اور فیصلے لینے والے عہدے سرسید احمد کے بقول انھیں اس وقت تک نہیں سونپے گئے تھے یا استحقاق اونچے گھرانے کے اشرافیہ کے لڑکوں کو حاصل ہے۔ مرکزی طور پر رہنمایانِ قوم ضیاء الدین برنی تا سید احمد خاں جنھیں خاص سرپرستی حاصل تھی اور جو کہ فلسفی تھے ایک خاص قسم کے مورخوں کے جو کہ مسلم اشرافیہ کی نمائندگی کر رہے تھے۔ مسلم اکثریت یا مسلم عوام کی نہیں۔ اور یوں مسلمانوں کی فرقہ وارانہ تاریخ نویسی بھی مسلم اقلیت کے مفاد کی نمائندگی کرتی ہے مسلم عوام کی نہیں۔

پاکستان کی تقسیم اور بنگلہ دیش کا وجود میں آنا، کراچی میں نسلی فسادات، افغانی مجاہدین کے درمیان شیعہ سنی تنازعہ اور ہندستان اور پاکستان میں غیر مذہبی مسائل کا ہجوم۔ یہ سارے امور اس بات کی متقاضی ہیں کہ دونوں جانب کے دانشوروں کو ہمارے شاندار ماضی کی پرتجسس چھان بین کرنی چاہیے۔ یہ باشعور اور محتاط چھان بین اسلیے اور بھی ضروری ہے کہ ہندوستان اور پاکستان کے سیکولر اہلِ قلم، سوویت یونین کے مارکس اہلِ قلم اور مغرب کے ــــــ مصنفین بالواسطہ یا بلاواسطہ برعظیم میں فرقہ پرستی کی ہمت افزائی کر رہے ہیں۔ - - - - - - - - - - نیویارک میں ۱۹۵۸ء میں شائع ہوئی ہے۔ یہ ایک عجیب مثال ہے مغربی ــــــ تاریخ نویسی کو فرقہ وارانہ تاریخ نویسی کی محکوم بنانے کی۔ یہ ایسی حیات ہے جس میں ہندستان نیز سوویت کے مارکسی مصنفین پیچھے نہیں رہتے ہیں۔ امریکی تصنیفات میں برنی، بدایونی، شیخ احمد سرہندی اور علی ہمدانی مسلمانوں کے ہیرو، اور ہندو تاریخ نویسی کے شیطان کافی جگہ پاتے ہیں جبکہ ابو الفضل اور دارا شکوہ ہندوستان کے اتحاد کے نمائندوں کو معمولی سا مقام دیا جاتا ہے اور عبدالرحیم خانخاناں، امیر خسرو، ملک محمد جائسی اور نور الدین رشی کو جو کہ مخلوط تہذیب کے شعرا ہیں، کو یکسر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔

بہت سی تصنیفات میں فرقہ پرستی اور پاکستان کے قیام کی مکمل طور پر مسلمانوں کی ساخت کی جاتی ہے۔ فرقہ پرستی اور علیحدگی پسندی سید احمد خاں سے شروع ہوتی ہے۔ اور محمد علی جناح پر ختم ہوتی ہے۔ عہد وسطیٰ کی ہندستانی تاریخ کا ایک سوویٹ ٹکسٹ بک میں مذہب کی بنیاد پر مطالعہ کرایا جاتا اور جدید ہندوستانی تاریخ خاص طور پر مابعد، ۱۸۵۷ء کی تاریخ بھی اسی طرح نقصان اٹھاتی ہے۔ فرقہ وارانہ تاریخ نویسی کے نمونے کے لیے دیکھیں ضمیمہ

ضمیمہ ۱: A

سر سید نے تقسیم کا بیج ڈالا

از: بی۔ آر نندا

ایک ایسے بیان سے جو کہ تین سو صفحوں کا احاطہ کرتا ہے اور احاطہ کرنے والا ایک بہت بڑا دانشور اور بزرگ مدبر ہے قاری یہ توقع رکھتا ہے کہ اس میں تقسیم ہندستان کے اسباب کا گہرا تجزیہ کیا جائے گا۔ لیکن مولانا آزاد خود کو کچھ واقعہ تک محدود کرتے ہیں اور کچھ تہمتیں تقسیم کرتے ہیں۔ ہم سے یہ کہا جاتا ہے کہ ہم اس بات پر یقین کرتے کہ اتنا بڑا انقلابی واقعہ، جیسے تقسیم ہند، اسلیے ہوا کہ جواہر لال نہرو نے ۱۹۳۷ء میں یوپی کی کانگریس وزارت میں مسلم لیگ کو دو سیٹ دینے سے انکار کیا تھا۔ یا ۱۹۴۶ء میں نہرو کے کیبنٹ مشن پلان پر غیر محتاط جملے، یا ولبھ بھائی پٹیل کا عبوری حکومت میں وزارت داخلہ کو اپنے ہاتھ میں رکھنا۔

واقعہ یہ ہے کہ مسلم علیحدگی پسندی جس کی انتہا تقسیم وطن پر ہوئی۔ اس کی جڑیں اس عشرے میں پیوست نہیں ہیں جس کا ذکر مولانا نے اپنی کتاب میں کیا ہے۔ ان کی تلاش ہمیں شملہ وفد، علیحدہ حق رائے دہندگی اور ۱۹۰۶ء میں مسلم لیگ کے قیام میں ڈھونڈنی ہوگی۔ بلکہ اس سے بھی پہلے ہمیں سر سید احمد خاں تک جانا ہوگا۔ جنھوں نے اس بات کے لیے زبردست دباؤ ڈالا کہ ان کی قوم قومی تحریک سے الگ ہو جائے۔ تحریک اس وقت رفتار میں آگئی کہ۔ سر سید احمد نے بہت بڑا سوالیہ نشان کھڑا کر دیا جس نے ہندستانی سیاست پر اگلے ساٹھ برسوں کے لیے سایہ ڈال دیا۔ آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کی کیا پوزیشن ہوگی؟ برطانوی استبداد کی جگہ ہندستان جمہوریت لے لیتی ہے۔ تو کیا وہ ہندوؤں کے لیے کوئی دائمی منفعت کی صورت پیدا کرے گی یونکہ وہ اپنی بھاری اکثریت کے سبب مسلمانوں کو بہت پیچھے چھوڑ دیتی ہے۔

برطانیہ دشمن جذبہ: پہلی جنگ عظیم کے کچھ ہی دنوں بعد جنگ بلقان اور ترکی کے مصائب نے ہندستانی مسلمانوں میں برطانیہ دشمنی کا جذبہ پیدا کر دیا اور کچھ برسوں تک مسلم لیگ لکھنو کے ایک گٹھ کے قبضے میں رہی جو کہ قوم پرستانہ رجحان رکھتا تھا ہندو مسلم اتحاد کو جنگ کے بعد ایک بڑھاوا ملا جب گاندھی نے ہندستانی مسلمانوں کے اس مطالبے کی حمایت کی کہ ترکی کی سلطانی سالمیت کی حفاظت کی جائے۔ فرقہ وارانہ تنازعہ اگلے عشرے میں طوفانوں کی طرح اٹھ کھڑا ہوا جبکہ مسلم علیحدہ پسندی منظر پر چھا گئی اور اس نے ہندستان کی سالمیت کی راہ کو مسخ کر دیا۔ اس ڈرامے کا جو اگلے عشرے میں کھیلا جانے والا تھا کا ایک مرکزی کردار جناح تھے۔

جیسا کہ ہمیں معلوم ہے جناح کو ۱۹۳۷ء کے الیکشن میں زبردست شکست ہوئی تھی۔ نہ صرف یہ کہ مسلمان ووٹروں نے ان کی پارٹی کو مسلم اکثریت کے صدیوں میں ہر امکان پر حکومت کے دروازے بند کر دیئے، بلکہ مسلم اقلیتی صوبے میں بھی

ان کی پارٹی ہار گئی۔ بہر حال وہ ایسے آدمی نہیں تھے کہ وہ تاریخ کو اپنے سر سے گزرنے کا موقع دیتے۔
وہ پروپیگنڈے اور نشر و اشاعت سے وہ چیز حاصل کرنا چاہتے تھے جو انھیں بیلٹ بکس سے نہیں ملی۔ انھوں نے فیصلہ کیا کہ مذہبی جذبات کی بارود کو استعمال کریں تاکہ سیاسی اثرات اور اقتدار حاصل کرنے میں کامیاب ہوں۔
کانگریس حکومتیں چند ہفتے کی بھی نہیں تھیں جبکہ انھوں نے ان پر یہ الزام عائد کرنا شروع کیا کہ وہ مسلمانوں پر مظالم ڈھا رہے ہیں۔ ان کے الزامات مولانا آزاد کے قول کے مطابق بے بنیاد تھے۔ لیکن انھوں نے بے انتہا شر پھیلایا اسلام خطرے میں ہے کی پکار کانگریس کے مظالم کی داستانیں اور ہندو راج کا خیال لے کر ان باتوں نے ایسی فضا قائم کر دی کہ جناح اپنا دو قومی نظریہ نیز تقسیم ہند کی تیاری کر لی۔
آزاد مسلم ہند کا تصور برعظیم میں گویا یادگار تھا۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی عظمت پارینہ کا۔ یہ دل لبھانے والے امکانات ایسے نہیں تھے کہ عام انسانوں کی نظر میں نہ آتے۔ مسلمانوں کا متوسط طبقہ جو کہ تاریخی اسباب کی بنا پر سرکاری نوکریوں تجارت اور صنعت کی دوڑ میں کچھ علاقوں میں پیچھے رہ گیا تھا اسے اس مسلم ریاست کا خیال بڑا ہی کشش انگیز محسوس ہوا بنگال اور پنجاب کے زمینداروں نے دیکھا کہ جواہر لال نہرو جیسے ترقی پسند سیاست دانوں سے نجات ملے گی جو کہ زمینداری ختم کرنے کی خطرناک بات کر رہے ہیں۔ مسلمان افسر اس بات پر خوش تھے کہ کچھ ریاستوں میں وہ ہندو خلافت کے بغیر کچھ نئے ارمن و سماء سے دو چار ہوں گے۔ ۲۰-۱۹۱۹ء میں ہندو مسلم اتحاد کا پانی بلند ترین نشان پر پہنچ گیا تھا۔
بہر حال یہ حقیقت سامنے آئی ہے کہ قومی جد و جہد نے نہیں بلکہ ترکی اور اسلام کے چند مقامات مقدسہ کی فکر نے خاص تحریک پیدا کی اور اس نے دونوں فرقوں کو ایک دوسرے کے قریب بھی کیا تھا۔ یہ مذہبی جذبہ عمیق بھی تھا اور اس میں خلوص بھی تھا لیکن یہ سوانی مقصد سے جڑا ہوا تھا جسے ترکوں نے خود ہی سلطان خلیفہ کے ادارے کو منسوخ کر کے ایک شرمناک انجام تک پہنچا دیا۔ چنانچہ مسلم فرقے کو قوم پرور تحریک کے قلب میں پہنچانے کا جو تجربہ تھا وہ اپنی نفسیاتی علیحدگی کو ختم کرنے میں ناکام رہا۔ اور اس نے اس بات کی تصدیق کر دی کہ اس کے اندر ایک رجحان یہ ہے کہ وہ سیاسی مسائل کو مذہبی زاویۂ نگاہ سے دیکھتا ہے۔

ہندو مسلم اتحاد کے تانے بانے، جس پر گاندھی نے بہت محنت کی تھی۔ تحریک عدم تعاون اور خلافت تحریک کے زوال کے بعد، تار تار بکھر گئے۔ ان کی آواز جس میں کبھی بڑی طاقت تھی، دونوں جانب کے متعصب لوگوں کی فرقہ پرستانہ الزام تراشیوں کے شور میں گم ہو گئی تھی۔ ایک مناسب نسخہ مختلف فرقوں کے درمیان اتحاد، جو ۱۹۲۰ء کے مشرے میں تھا وہ ایک آل پارٹیز کانفرنس کا منظور شدہ فرقہ وارانہ معاہدہ تھا۔ بہت ساری سیاسی پارٹیوں کے رہنما اور مذہبی تنظیموں نے

سرکاری نوکریوں کی تقسیم کی کوششیں کی. نیز مجلس قانون ساز میں سیٹوں کی. یہ سوراج کا مال غنیمت تھا۔ انھیں یہ بات بہت مشکل دکھائی دی کہ وہ اپنے معاندانہ دعوؤں پر کوئی تصفیہ کرسکیں۔

ادنیٰ سیاستیں : گاندھی یہ فریب کاری کی سیاست کو ناپسند کرتے تھے، وہ چاہتے تھے کہ ہندو ایسی فراخ دلی دکھائیں کہ مسلمانوں کے دل سے خوف نکل جائے۔ ان کی مسلمانوں کو بلینک چیک کی پیش کش کا مسلمانوں نے مذاق اڑایا۔ اور ہندوؤں نے اس پر احتجاج کیا۔ بدقسمتی سے ہندو سیاستدانوں میں فراخدلی کی اتنی ہی کمی تھی جتنی مسلمانوں میں بھرے کی۔

وہی ایک بیکار نمونہ اتحاد کانفرنس کا گول میز کانفرنس لندن میں دہرایا گیا۔ ۱۹۳۲ء میں حکومت برطانیہ نے کمیونل ایوارڈ کی صورت میں ایک حل نافذ کیا۔ جس نے مجلس قانون ساز کی تعداد اور طریقہ نمائندگی طے کر دیا۔ کمیونل ایوارڈ میں علیحدہ حق رائے دہندگی کی استواری کانگریس کی پالیسی کے منافی تھی۔ لیکن اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اسے نامنظور نہیں کریگی تاکہ کوئی ایسا حل نکل آئے جس پر سبھی فرقے اتفاق کرسکیں۔

گرچہ کمیونل ایوارڈ نے مسلم لیگ کے سبھی سیاسی مطالبات کو مان لیا تھا، ہندوؤں کے بالمقابل: مسلم سیاست پرانی ڈگر پر چلتی رہی. مسلمانوں تاجروں اور صنعت کاروں نے خالی میدانوں کے خواب دیکھنے شروع کیے۔ ایسے میدان جہاں وہ ہندوؤں کے مقابلے سے آزاد ہو کر شاندار بزنس کریں گے۔

علیحدگی پسند نظریہ : ۱۹۳۹ء میں دوسری جنگ چھڑ جانے سے علیحدہ پسندی کے نظریے کا خوب پرچار کیا گیا۔ لارڈ لنلیتھگو وائسرائے ہلا اور ان کے مشیر جو کانگریس کی پسپائی کی پیش بندی کر رہے تھے، دوستوں کی تلاش میں تھے۔ جنگ کے زمانے میں جناح نے اپنی پوزیشن مضبوط کرلی۔ وہ کافی محتاط تھے اس بات میں کہ انگریزوں سے ناچاقی نہ پیدا کی جائے۔ اور انھوں نے داؤں پیچ میں فضل الحق اور سکندر حیات جیسے جہاں دیدہ صوبائی سیاستدانوں کو نیچا دکھایا تھا اور انھیں قابو میں لے آئے تھے۔ جب کانگریس ۱۹۴۲ء میں ہندستان چھوڑو، تحریک کے لیے خود سیاسی جلا وطنی میں چلی گئی تو جناح برطانوی گورنروں کی مدد سے اس بات میں کامیاب ہوگئے کہ مسلم لیگ کی وزارت آسام سرحد، سندھ اور پنجاب میں قائم کر دی جائے۔ اس کوشش میں کہ آئینی تعطل کا (۱۹۳۹ء ـــ ۱۹۴۶ء) کوئی حل نکالا جائے انھوں نے کوئی نہ کوئی سیاسی فائدہ اپنے لیے یا اپنی پارٹی کے لیے حاصل کیا ہے۔ کرپس مشن ۱۹۴۲ء میں انھیں اہمیت یوں دی تھی کہ صوبوں کے عدم الحاق کی گنجائش کے معنی تھے یا بالواسطہ طور پر تقسیم کے اصول کی تصدیق کرنا۔ بدانجام بھولا بھائی لیاقت علی پیکٹ کو انھوں نے رد کر دیا تھا۔ لیکن انھوں نے کانگریس اور لیگ کے درمیان ایک عبوری حکومت میں مساوات کا خیال پیش کیا۔ گاندھی جناح مذاکرات جو ۱۹۴۴ء میں ہوئے لیگ لیڈر کے لیے اسلیے سود مند تھے کہ انھوں نے ان کے حلقے والوں میں ان کا مرتبہ بلند کر دیا۔

ان کے حق نامنظوری کے استعمال نے ۱۹۴۵ء کی شملہ کانفرنس کو ناکام بنا دیا۔[۴۴]

یہ کوئی حیرت کی بات نہیں آزادی کی طویل جنگ میں جو کانگریس اور حکومت برطانیہ کی جنگ تھی۔ برطانیہ نے مسلم لیگ کے لیے اپنے دل میں ایک نرم گوشہ پیدا کر لیا تھا۔ وہ خوش تھے کہ اب وہ مسلم علیحدہ پسندی کو استعمال کر سکتے تھے جس طرح انھوں نے راجواڑوں کو استعمال کیا۔ تاکہ قوم پرور ہندوؤں کو بند کر دیں۔ جیسا کہ برطانوی مورخ 'پیٹر یا ہارڈی' اپنے عالمانہ خطبے میں سیاست کے متعلق بتاتے ہیں۔ ان سے (برٹش) یہ توقع رکھتا ہے کہ وہ غیر فرقہ وارانہ قوم پرستی کے مقاصد کی ہمت افزائی کریں گے اور اس طرح خود بحیثیت فرمانروائے ہندستان اپنی موت کی جلدی کریں گے۔ یہ معنی رکھتا ہے کہ یہ دنیا میں برطانوی سیاسی اور اقتصادی مرتبے کا ایثار ہی نہیں ہوگا، بلکہ حکومتوں کی تاریخ کی دنیا میں ایک پیغمبرانہ بصیرت بھی ہوگی۔

دو قومی نظریہ اور اُس کی ابتدا

رفیق زکریا

میں بی۔ آر۔ نندا کی بڑی عزت کرتا ہوں۔ میں ان کی عالمانہ بصیرت اور تحقیق کاموں میں ان کی انتھک محنت کا بڑا قائل ہوں۔ اسلیے مجھے ان کے اس الزام پر کہ سرسید نے مسلم علیحدہ پسندی کا بیج ڈالا تھا۔ سخت حیرت ہوئی۔ یہاں بیشک وہ ہندستان اور پاکستان کے بہت سارے مورخوں کے نقش قدم پر چلے ہیں جو علی گڑھ تحریک کے بانی کو 'دو قومی نظریہ' کا بانی سمجھتے ہیں۔

ڈاکٹر   اپنے تحقیق کام

میں یہ نتیجہ برآمد کیا ہے کہ سید ہندستان میں فرقہ پرستی کے پیشرو تھے"

اور سرسی وائی چنتامنی کا خیال ہے کہ سید نے سب سے بڑا کام یہ کیا کہ اپنے انعال اور افکار سے اپنے ہم مذہبوں کو اس بات سے باز رکھا کہ وہ ہندوؤں کے ساتھ ملک کے عوامی کاموں میں مشترکہ پروگرام بنائیں۔

ہندوؤں کے دشمن : اسی طرح ڈاکٹر کے۔ بی۔ کرشنا نے اپنے مقالے میں یہ تحریر کیا ہے کہ یہ سرسید تھے جنھوں نے سب سے پہلے ہندستان میں ایک مسلم قوم کی بات کی تھی۔ ہندو دانشور اپنے سارے معاملات میں برطانیہ کے پیچھے صف بندی کر لیتے ہیں۔ جو سرسید کو ہندو دشمن کی حیثیت سے خوش آمدید کہتے ہیں۔ حیرت تو یہ ہے جو ایک ممتاز مورخ ہیں۔ یہاں تک کہہ گئے ہیں کہ سرسید کا مجموعی رویہ نظریہ پاکستان

کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

پاکستانی کچھ زیادہ ہی خوش ہیں کہ سرسید کو وہ تصور پاکستان کا بانی قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ پاکستان کے بانی جناح آخر آخر تک اس کی بالکل صحیح تعریف نہیں کر سکتے تھے۔ اور جب اس کا قیام عمل میں آ گیا تو انھوں نے دو قومی نظریے کو خیر باد کہہ کے نئی مملکت کو سیکولر مملکت قرار دیا۔ لیکن اس نے پاکستان کی سرکاری اشاعت
پر روک نہیں لگائی۔ جو پر مسرت انداز میں یہ دعویٰ کرتا ہے کہ سرسید پہلے مسلمان تھے جنھیں یہ احساس ہوا اور جنھوں نے اس بات کا اعلان کیا کہ ہندو اور مسلمان دو علیحدہ قومیں تھیں جن کے علیحدہ اور بسا اوقات متصادم معاشی، سیاسی اور تہذیبی مفادات تھے۔ وہ پہلے آدمی تھے جنھوں نے اپنی قوم کے لیے ایک علیحدہ ریاست کا دھندلا دھندلا سا خواب دیکھا تھا، یوں وہ پہلے پاکستانی تھے۔

سرسید اس پیش رفت کو پسند نہیں کرتے تھے لیکن انھوں نے اسے تسلیم کر لیا۔ جلد ہی وہ راجہ شیو پرشاد کی حکمت عملی سے بدظن ہو گئے۔ جو کانگریس کی نفرت میں مرکزی تنظیم سے یہ چاہتے تھے کہ وہ حکومت سے یہ مطالبہ کرتے کہ جلد سے جلد کانگریسی رہنماؤں پر بحیثیت مجرم کے مقدمہ دائر کرے اور اگر ضرورت پڑے تو تعزیرات ہند میں مزید کچھ دفعات کا اضافہ کر دے۔ سرسید نے اپنے ہندو رفقا سے اتفاق نہیں کیا اور پرانی مجلس کی از سر نو ایک نئے نام سے تنظیم کی۔
اسی اثنا میں پریس میں ایک
متنازعہ فیہ مسئلہ زور و شور سے چل پڑا کہ قوم کی تشکیل کس طرح ہوتی ہے۔ (یہ دو لفظ کا بڑی آزادہ روی سے تبادلہ ہوا۔) سرسید نے اپنے موقف کی صفائی میں ایک خط مورخہ ۱۰ نومبر ۱۸۸۸ء کے "پائنیر" میں شائع کر دیا۔

"لفظ قوم اور نیشن سے میں ہندو اور مسلمان دونوں لیتا ہوں اور لفظ قوم کے بھی یہی معنی میں سمجھتا ہوں میرے نزدیک یہ بات بالکل ہی غیر اہم ہے کہ لوگوں کا مذہبی عقیدہ کیا ہے۔ کیوں کہ مجھے یہ چیز بہت کم نظر آتی ہے۔ لیکن جو بات ہمارے مشاہدے میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ ہم سبھی لوگ، خواہ اس میں ہندو ہوں یا مسلمان ایک ہی سر زمین پر رہتے ہیں اور ایک ہی حاکم کی رعایا ہیں۔ ہم سبھوں کے لیے گذر اوقات کے ذرائع بھی ایک ہی ہیں۔ اور قحط کے مصائب سے بھی ہم یکساں پریشان ہوتے ہیں یہی کچھ اسباب ہیں جن کی بنا پر ہم ان دو فرقوں کو جو ہندوستان میں رہتے ہیں ہندو کہتے ہیں۔ یعنی کہ ہندوستان کے رہنے والے، اور اس زمانے میں جبکہ لیجسلیٹو کانفرنس کا ممبر تھا میں ان کی فلاح و بہبود کے لیے کوشاں رہا۔"

سرسید کا کردار : جواہر لال نہرو نے سرسید کے کردار کے متعلق بہت صحیح لکھا ہے۔ "سرسید اس امر میں حق بجانب تھے

کہ انھوں نے سارا زور مغربی تعلیم پر صرف کیا اور مسلمانوں کو اس راہ سے ہٹنے کی اجازت نہیں دی اور نہ اس بات کی
اجازت دی کہ وہ سیاست میں حصہ لیں کیوں کہ وہ اس نئے قسم کی ہندستانی قومیت کی تشکیل میں کوئی موثر رول ادا
کر سکتے ہیں اور وہ ہندوؤں کے ہاتھوں میں کہ جن کے پاس اعلیٰ تعلیم ہے اور جن کی معاشی حالت بھی نہیں اچھی ہے، کھیلنے
سے تباہ و برباد ہو جائیں گے۔

سچائی کیا ہے؟ اس میں شبہے کی گنجائش نہیں کہ سرسید مسلمان نوجوانوں کو جو اپنے ہندو مد مقابل سے انگریزی تعلیم
اور مغربی خیالات کے حصول میں بہت پیچھے تھے، اس بات کے لیے منع کرتے تھے کہ وہ نئی تشکیل شدہ انڈین نیشنل کانگریس میں
شریک ہو، اور ایسا کرتے ہوئے وہ یہ کہتے تھے کہ ہندو اور مسلم تو علیحدہ قوم یا نیشنز ہیں۔ وہ نمائندہ اداروں کی مخالفت کرتے
لیکن ان کی مخالفت فرقہ وارانہ نہیں تھی بلکہ انگریزوں کی دوستی اور وفاداری کے سبب تھی۔ لکھنؤ میں ۲۸ دسمبر ۱۸۸۷
میں اپنی تقریر میں، جو کہ کانگریس کے تیسرے سیشن منعقدہ مدراس کے موقع پر کی گئی تھی کہ جس کی صدارت بدرالدین طیب جی
نے کی تھی۔ سرسید نے بڑے تلخ لہجے میں اس کی مخالفت کی تھی۔ اور یہ کہا تھا کہ اس سے چند بنگالیوں کے علاوہ کسی کا بھلا
نہیں ہوگا۔ جن کا یہ حال ہے کہ کھانے کی میز پر چھری دیکھ کر اپنی کرسی تلے دبک جائیں گے۔ جس کا نتیجہ بے مقصد شور شرابے
کے کچھ اور نہیں نکلے گا۔ اور اس سے حکومت کے ایوانوں میں شک و شبہے کی فضا پیدا ہو گی۔

طویل جوابِ دعویٰ:

کے ممتاز مصنف
کو اس بات کی فکر تھی کہ مسلمان مخصوص طور پر انگریزوں کی نگاہ میں مشتبہ نہ قرار دیے جائیں۔ بہت ساری اخباروں نے
سرسید کی مذمت کی. نے ان کی تقریر کو مشتبہ، حماقت آمیز، بچکانہ اور خوشامدانہ کیا اور
ہے ان کی سال خوردہ، ذہانت پر افسوس کا اظہار کیا تھا۔ ان حملوں کا سرسید نے ایک
ایک طویل جواب دعویٰ دیا تھا اور اس بات کی وضاحت کی تھی کہ وہ ہندو مسلم دشمنی کے نقیب نہیں ہیں، برخلاف اس کے وہ
اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ ہندوستان ایک ایسی دلہن ہے جس کی ایک آنکھ ہندو ہے دوسری مسلمان؛ اور نہ کہ یہ وہ
بنگالیوں کے مخالف ہیں کہ جن کی ترقی اور جن کی عالی مرتبتی پر دراصل انھیں فخر ہے۔

بہر کیف وہ ہنگامہ و اشتعال کی سیاست کے مخالف تھے، اور انھوں نے ایک سرکلر ایسے سبھی ہندوؤں اور مسلمانوں
کے نام جاری کیا تھا جو کانگریس کے مخالف تھے اور ان سے یہ اپیل کی تھی وہ یکجا ہو کر برطانیہ کو یہ دکھا دیں کہ نہ صرف مسلمان بلکہ
بہت سارے ذی اثر اور طاقتور ہندو بھی اس تحریک کے ساتھ نہیں ہیں۔ انھوں نے
کی بنا اسلیے ڈالی کہ برطانیہ کو اس بات کا پمفلٹوں اور دوسرے طریقوں سے یقین دلایا جائے کہ سبھی

فرقے اور سبھی طبقے کے ہندوستان ملک کے وفادار ہیں۔ ان ساری سرگرمیوں میں سرسید کو بنارس کے نامور تعلقدار راجہ شیو پرشاد سے بڑی مدد ملی۔

ابتدا میں ایسوی ایشن نے متحدہ طور پر کام کیا لیکن بعد میں، سرسید کی کوششوں کے باوجود راجہ نے اسے دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک ہندو اور دوسرا مسلمان اور ان میں ربط پیدا کرنے کے لیے ایک تنظیم قائم کی گئی جس کا نام تھا جس کے صدر مہاراجہ بنارس تھے اور جس کے دو سکریٹری تھے سرسید اور راجہ بھنگا۔

نہرو نے کہا تھا کہ ان کا پیغام صحیح تھا اور اپنے وقت کے لحاظ سے ضروری تھا لیکن ایک ترقی پذیر گروہ کے لیے وہ آخری فکر کی حیثیت نہیں رکھتا ہے۔ عین ممکن ہے کہ اگر وہ ایک نسل تک اور زندہ رہ جائے تو وہ از سرنو اپنی سمت کا تعین کرتے۔
بنیادی طور پر سرسید اپنے مطمع نظر میں ترقی پسند تھے۔ وہ کٹرپن اور بنیاد پرستی سے بہت دور رہتے۔ سچ تو یہ ہے ملاؤں نے ان پر کفر کا فتویٰ صادر کر دیا تھا۔ ان کی تفسیر قرآن مولانا آزاد کی تفسیر سے بہت پہلے کی چیز ہے۔ قرانی نزاؤں ان اصولوں نے بے حد آزادانہ تاویل کی ہے، سود لینے کو جائز قرار دیا ہے۔ بے لگام کثیر الزوجیت پر اعتراض کیا ہے اور کہا ہے شریعت کا ایک قومی راستہ اختیار کرنا چاہیے۔

ملا حضرات ان سے اس قدر برہم تھے کہ انھوں نے امام مکہ سے ایک معتبر فتویٰ حاصل کیا جنھوں نے اپنے فرمان میں کہا تھا کہ یہ شخص غلطیوں کا ارتکاب کر رہا ہے اور لوگوں کو غلط کاموں پر آمادہ کر رہا ہے بلکہ یہ شیطان کا دلال ہے اور مسلمانوں کو گمراہ کرنا چاہتا ہے۔" اور مزید یہ کہ اس کے کالج کی حمایت کرنا گناہ ہے۔ بانی پر خدا کی لعنت۔ اور اگر یہ کالج ختم کر دیا جاتا ہے اس کو تہ وبالا کر دیا جائے اور اس کے بانی اور اس کے حامیوں کو دائرۂ اسلام سے خارج کر دیا جائے۔ بانی اسلام ازم کے جمال الدین افغانی کے نزدیک مردود تھے۔ علیگڑھ کے حالیہ سفر میں جہاں مجھے سرسید میموریل لکچر دینے کے لیے بلایا گیا تھا، میں نے یونیورسٹی کے وائس چانسلر سید ہاشم علی اور سرسید اکیڈمی کے ڈائرکٹر پروفیسر عتیق احمد کے ساتھ یہ تجویز پیش کی کہ سرسید کی تفسیر قرآن کا انگریزی میں ترجمہ ہونا چاہیے لیکن پھر دیکھا کہ وہ پس وپیش میں مبتلا ہیں یوں کہ انھیں اس بات کا خوف ہے کہ عین ممکن ہے کہ وہ بنیاد پرستوں کو اس بات کیلئے مشتعل کر دے کہ وہ پیچھے کی طرف کھڑے ہوں۔
پنڈت گووند بلبھ پنت نے مسلم یونیورسٹی میں کنووکیشن ایڈریس میں اس بات کی طرف اشارہ کیا تھا کہ سرسید تو علٰحدگی پسند تھے اور نہ تو فرقہ پرست تھے۔ ہندوستانی آزادی اور وسیع تر انسانیت کیلئے کوشاں رہے۔
ہم آج اتنے زمانے بعد بھی تقسیم کے مسائل پر گفتگو کرتے ہوئے بہت سے جالوں کو صاف نہیں کر سکے ہیں۔ تاریخی

صداقت کے حق میں ہمیں اس بات کے لیے تیار ہونا چاہیے کہ بار بار دہرائے ہوئے اساطیری قصوں کو بارود کی نذر کر دیں جیسا کہ
سر سید کے متعلق کہا جاتا ہے اسی طرح یہ خیال بھی عام ہے کہ یا تو چودھری رحمت علی یا پھر شاعر فلسفی اقبال پاکستان کے بانی
میں تھے لیکن میں دیکھتا ہوں کہ ان دو حضرات کی وکالت سے بہت پہلے لالا لاجپت رائے نے تیرہ مضامین کی قسطوں میں جو کہ
The Tribune (ٹریبون) میں نومبر ۲۶ سے دسمبر ۱۷/ ۱۹۲۴ء تک شائع ہوئیں۔ بڑے پر جوش انداز میں فرقہ وا
طور پر تقسیم پنجاب اور تقسیم بنگال کی وکالت کی ہے۔

ضمیمہ - B

شعبۂ تاریخ و ثقافت

فیکلٹی آف Humanities & languages

جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

M.A. (Previous/Final) Syllabus w.e.f. 1982-83

PAPER VIII (C)

Communalism in Indian Politics 1857-1947

(۱) ہندوستان میں مسلم فرقہ۔ تقسیم آبادی (۱۹۲۱ء) سماجی ڈھانچہ، تعلیمی نظام۔ مسلمانوں پر برطانوی کے اثرات اور ان کا ردعمل۔ فرائض اور بریلوی تحریکات۔ دارالعلوم دیوبند، احمدیہ اور علیگڑھ تحریک۔

(۲) مسلم لیگ کی بنیاد اور فرقہ وارانہ سیاست کا ظہور، برطانیہ کا کردار، ہندوستانی قومی تحریک کا مزاج اور اس خدوخال، ہندو احیاء پرست تحریکات کے ساتھ کانگریس کی راہ و رسم۔

(۳) پہلی جنگ عظیم کے اثرات اور ہندو مسلم اتحاد کی نشوونما، لکھنؤ پیکٹ، ہوم رول تحریک، رولٹ ستیہ گرہ،

(۴) پان اسلامک تحریکات اور اس کے تاریخی گذشتہ واقعات۔ عوامی ترتیب و تنظیم کی اہمیت، پریس کا رول خلافت کمیٹیاں، صوفیوں کی درگاہیں، علماء ہندوستان سیاست میں بطور خاص خلافت تحریک، خلافت اور عدم تعا کی تحریکات، محمد علی کا رول۔

(۵) فرقہ وارانہ کشمکش کی افزائش، کانگریس خلافت معاہدہ کا خاتم۔ فرقہ پرست تنظیموں کا احیا۔ شدھی سنگٹھن تنظیم، فرقہ وارانہ تشدد خاص طور پر بنگال، پنجاب اور یوپی کے مشاورت۔

(۶) کانگریس لیگ گفت و شنید (۱۹۲۲ء — ۱۹۳۰ء) مصالحتی کانفرنس، دہلی تجویزات، نہرو رپورٹ، ول میسز کانفرنس۔

(۷) مسلم لیگ کا عروج اور پاکستان کا مطالبہ، مسلم لیگ کی قیادت کا مطالبہ، پارٹی کی طبقاتی تشکیل... ان کی یاست اور اثرات، پاکستان کے مطالبے پر مختلف مسلم گروہوں کا ردعمل، دو قومی نظریے کا تنقیدی جائزہ۔

(۸) برطانوی حکمت عملی اور کانگریس مسلم لیگ تعطل کو ختم کرنے کی کوششیں، شملہ کانفرنس، کرپس ویزات اور کیبنٹ مشن پلان۔

(۹) فرقہ وارانہ تناظر میں سماجی اور اقتصادی عوامل، مذہبی نظریات کا رول اور فرقہ وارانہ شعور کو وغ دینے میں برطانیہ کا رول۔

(۱۰) تنقیدی جائزہ، فرقہ وارانہ مسائل کے مطالعہ کے مختلف طریقوں کا۔ ثانوی ادب پر تبصرہ اور متبادل طریقہ کا۔

قابل مطالعہ کتب:

(۱) پیٹر ہارڈی	The Muslim of British India
(۲) ڈبلو سی۔ اسمتھ	Modern Islam in India
(۳) مشیر الحسن	Nationalism & Communal Politics in India - 1916-1928
(۴) ایضاً	Mohamed Ali : Ideology & Politics
(۵) ایضاً	Communal & Pan-Islamic Trends in Colonial India
(۶) ایف۔ رابنن	Separatism among Indian Muslims
(۷) آر احمد	The Bengal Muslims, 1871-1906 A Quest for Identity.
(۸) پی براس	Language, Religion and Politics in North India
(۹) ڈی بیلیولڈ	Aligarh's First Generation
(۱۰) سی ڈبلو ٹرال	Sayyid Ahmad Khan: A Reinterpretation of Muslim Theology
(۱۱) ایس۔ آر۔ واسی	Lord Minto & The Indian Nationalist Movement
(۱۲) گیل مینالٹ	Rise of Muslims in Indian Politics 1885-1906
(۱۳) آر۔ زکریا	Hindu Muslim Relations in British India

(۱۴) جی۔آر۔ تھرسبے	The Khilafat Movement
(۱۵) ایچ ڈی۔ ہنڈوشن	The Great Divide
(۱۶) پی۔مدن	Muslims and Indian Nationalism
(۱۷) یو۔کورا	The Emergence of the demand for India's Partition, 1928-1940.
(۱۸) پی۔مدن	Divide and Quit
(۱۹) زیڈ۔ایچ۔فاروقی	The Deoband School and the Demand for Pakistan
(۲۰) آئی۔ایچ قریشی	Ulema in Politics - 1556-1947

مضامین

این۔جی بیریر	Muslim Politics in the Punjab 1810-1890' the Punjab Past and Present, April 1971
بپن چندر	Indian National Movement and the Communal Problem in Nationalism and Colonialism in Modern India
اپرنا باسو	Articles in B.R.Nanda (ed.) Essays in Modern Indian History
پرتھا چڑجی	Agrarian Relations and Communalism in Bengal, 1925-1935 in R. Guha (ed). Subaltern Studies I.
آر اے۔گورڈ	The Hindu Mahasabha and the Indian National Congress, 1915-1926, Modern Asian Studies, July 1973.
ایم۔حسین	The Delhi Proposals: A study in Communal Politics Ieshr, Vol.17, No.4, 1981.

جنرل

ایم۔مجیب	The Indian Muslims
ایم۔ٹی۔ٹائٹس	Indian Islam: The Religious Quest of India.
جے۔ایچ۔ تارکوہر	Modern Religious Movements in India.
این۔احمد	Islamic Modernism in India and Pakistan, 1857-1964.

تجزیہ

قابل مطالعہ کتابوں کی مجموعی تعداد	۱۹	فرقہ پرستی پر کتابیں (جنرل)	۱
مسلم مذہبی سیاسی تحریکات۔ رہنما	۱۳	ہندو مذہبی سیاسی تحریکات۔ رہنما	۵

جنرل کتابوں کی مجموعی تعداد ۴

فرقہ پرستی پر کتابیں (جنرل)	۰۴	مسلم مذہبی سیاسی تحریکات۔ رہنما

ہندو مذہبی سیاسی تحریکات۔ رہنما	Nil		
مضامین کی مجموعی تعداد	۰۶	فرقہ پرستی پر مضامین (جنرل)	۰۴
مسلم مذہبی سیاسی تحریکات۔ رہنما	۰۱	ہندو مذہبی سیاسی تحریکات۔ رہنما	۰۱

قابل مطالعہ کتابوں اور مضامین اور عام پڑھنے والی کتابوں کی مجموعی تعداد			۲۹
فرقہ پرستی پر (جنرل)	۱۱	مسلم مذہبی سیاسی رہنماؤں اور تحریکات پر	۱۷
ہندو مذہبی سیاسی رہنماؤں اور تحریکات پر ۱۔			

ضمیمہ ـــ c

ایک سویت مورخ عہد وسطیٰ کے ہندستان پر

ذیل میں کچھ منتخب جملے درج کئے گئے ہیں جن کی خاصیت فرقہ وارانہ ہے اور جہاں تک سیاسی تجزیوں میں مذہب کو خاص مقام دیا گیا ہے۔ ذیل مطالعہ کتاب درسی نوعیت کی تصنیف ہے جسے بائیں بازو کے طلبا بی۔ اے (آنرز) کے امتحانوں کیلئے استعمال کرتے ہیں۔ اس کا عہد وسطیٰ کا حصہ کے۔ انٹونووا کی تصنیف ہے اور اسے شائع کیا ہے Progressive Publishers اسکو نے سنہ اشاعت ۱۹۷۹ء ہے اور کتاب کا نام ہے A History of India, Vol. I

شمالی ہندوستان میں ترکیوں کی فتح کو مذہب سے منسوب کیا گیا ہے۔ جہاں یہ دیکھنے میں آیا کہ ابتدائی حملوں کا عہد قدیم کے مصنفوں نے ملک یا نسل سے رشتہ قائم کیا ہے۔

"ھند و قبائل کا حملہ"۔ "مشرقی ہندوستان میں یونانی فوج کی پیش قدمی"۔ "شاکا ز کے ایرانی قبائل وسط ایشیا سے شمال مغربی ہندستان میں داخل ہوئے"۔ "منگول طاقتیں"۔ ۱۳۹۔ ۲۰۳۔ ۲۰۴۔

"ترک نژاد مسلم فاتح کے حملے"۔ "شمالی ہندستان میں آہستہ آہستہ مسلم فاتحین کی حکمرانی میں ایک بڑی ریاست کا قیام عمل میں آیا۔۔۔ اور وہ نام نہاد مسلم دنیا کے دائرے میں داخل ہو گئی"۔ "منگولوں کے خطرے نے مسلم اشرافیہ کو چنگیز خاں کے ہندستان سے جانے کے بعد بھی تخت کے ارد گرد جمع کر رکھا تھا"۔ "التمش کے عہد میں مسلم کمانڈر مشرقی ہندستان پر غالب تھے۔ سین اسلام کو حکومت کا مذہب قرار دیا گیا"۔ "ہندستان میں مسلمانوں کی فتح سے پہلے ہندستان میں وقائع نگاری کا سلسلہ میں شروع ہو اتھا"۔

صفحات ۱۲۲، ۲۲۶

٢٠
٣٢

مصنف کا خیال ہے کہ مسلمانوں کی ایک مذہبی ریاست قائم ہو گئی تھی اور ہندو محکوموں کی طرح رہتے تھے، اس قس
کے نتائج مندرجہ بالا جملوں کی بنیاد پر نکالے گئے یا پھر مندرجہ ذیل جملوں کی بنیاد پر۔

" علاء الدین کے عہد میں ہندوؤں کے لیے ہتھیار لگا کر چلنا، عمدہ پوشاک استعمال کرنا اور رتھ سواری کرنا ممنوع تھا۔ یہ اقدامات اسلیے اٹھائے گئے تھے تاکہ پرجوش مسلمان خوش ہو جائیں علاء الدین کی ہندوؤں کو پریشان کرنے کی پالیسی سے۔ بڑے پیمانے پر بے اطمینانی پھیلی۔ مسلمان فوجی افسروں کو بہت سی رعایتیں دی گئیں لیکن اس سے صرف یہ ہوا کہ علیحدگی پسندی کا رجحان بڑھا۔ فیروز نے ہندوؤں اور شیعہ مسلمانوں کو عقوبت کا شکار بنایا۔ ہندو علاقوں کے خلاف کارروائی میں اس نے مقامی آبادی کو غلامی بنایا۔" ص ۲۰۶، ص ۲۰۸۔

یہ بات قابل غور ہے کہ مصنف نے علاء الدین پر تعصب اور جانبداری کا الزام عائد کیا ہے جہاں کہ جماعت اسلامی
کا ایک ممتاز رہنما جناب افضل حسین نے اسے مذہبی معاملات میں اکبر جیسا احمق قرار دیا ہے۔" آئینہ تاریخ ذیل ۱۹۸۶ء ص ۱۰۳۔ اسی
طرح کچھ حکمرانوں پر فیروز کے حملے مصنف "ہندو رجواڑے" لکھتا ہے، لیکن ایسا شخص شیواجی کے حملوں سے متاثر ہونے والوں کیلیے
نہیں قائم کیا گیا ہے۔

اقتصادی تاریخ میں بھی مصنف اکثر ہندو اور مسلم استعمال کرتا ہے۔ زمین کو بھی ہندو قرار دیا گیا ہے۔ ذیل کے جملے
خود وضاحتی ہیں۔ " دہلی سلطانوں کے پورے عہد میں ہندوؤں کی زمین ثابت و سالم رہیں... علاء الدین کے اصطلاحات... جس میں یہ بھی شامل تھا کہ عوام پر بڑے سے بڑا ٹیکس لادا جائے اور ہندو جاگیرداروں پر زائد ٹیکس کا بوجھ ڈال دیا جائے۔" ص ۲۱۱۔

" وسط ایشیا اور ایران سے جو مفتوحین مشرق کو ہانک دیئے جاتے تھے وہ بیچ دیئے جاتے اور ہندو ریاست میں رہنے والے لوگ جن کے خلاف جہاد یا مقدس جنگ کا اعلان کر دیا جاتا تھا انہیں بھی غلام بنا دیا جاتا تھا۔"

یہ جملہ ہندوستان کے فرقہ پرست مورخوں کی ذہنی افتاد کی عکاسی کرتا ہے۔ ایسے ممالک جہاں مسلمانوں کی غالب اکثریت
ہے وہاں کے غلام ایرانی اور وسط ایشیائی کہلاتے ہیں اور برخلاف اس کے ہندستانی علاقوں کو ہندو ریاست کے باشندے کہا جاتا ہے
بہمنی امراء کے گروہی تنازعات جو کہ دیسی اور بدیسی اور مقامی اور بیرونی کے درمیان ہوا کرتے تھے۔ اس شیعہ سنی
دشمنی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مزید یہ کہ بہمنی کا تنازعہ مسلم مالوہ کے ساتھ دو ملکوں کا تنازعہ قرار دیا جاتا تھا، لیکن وہ مملکتیں جن پر ہندو
حکمرانوں کی حکمرانی تھی وہ مختلف انداز سے دیکھی جاتی ہیں۔ ذیل کے جملے ملاحظہ ہوں،

"بہمنی بادشاہوں نے مالوہ پر فتح پائی۔ نیز کوکن کے بہت سے ہندو شہزادوں پر بھی فتح پائی۔" صفحہ ۲۱۵

دکن کی پانچ مملکتوں کے متعلق مصنف لکھتا ہے: "گرچہ ان ریاستوں کے حکمراں گو مسلمان تھے جو زیر نگیں علاقوں کی ہندو آبادی کو ستم کا نشانہ بناتے۔ پھر بھی جنگ سیاسی بنیادوں پر لڑی جاتی ... جب اس دور کی ریاستوں کو مسلم ریاستوں کے نام سے یاد کیا جاتا ہے تو یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ بات ریاست کے مذہب کے حوالے سے کی جارہی ہے جسے عوام پر تھونپا جاتا تھا اور جس کی حمایت حکمراں اور امراء کرتے": مصنف دوسری مسلم مملکتوں پر جانبداری اور تعصب کا الزام عائد کرتا ہے اور کہتا ہے کہ گولکنڈہ میں رہنے والے ہندو قاعدے کے مطابق اس طرح کے مظالم کا نشانہ نہیں بنائے جاتے تھے۔ جس طرح کے مظالم دکن کی دوسری ریاستوں میں ہندوؤں پر روا رکھے جاتے تھے" صفحہ ۲۱۶، صفحہ ۲۱۵۔

مصنف صاف صاف آر سی مجمدار اور اشتیاق حسین قریشی کے تیار کردہ فرقہ وارانہ خطوط پر چلا ہے۔ شاید کسی حد تک ان سے زیادہ فرقہ پرست ہوگیا ہے۔

" دہلی سلطانوں کے عہد میں اسلام کو ریاست کا مذہب قرار دیا گیا تھا اور اسے مقامی آبادی پر زبردستی تھونپا گیا تھا۔ ہندوؤں کے کچھ طبقے نے نیا مذہب قبول کیا تھا۔ ایک چھوٹے گروہ نے تو جبریہ اسلام قبول کیا۔ اور کچھ لوگوں نے اس خیال سے اسلام قبول کیا کہ انھیں اس طرح بہت سارے حقوق اور بہت ساری رعایتیں مل جائیں۔ اسلیے بھی کہ بڑے عہدوں پر صرف مسلمان ہی فائز ہو سکتے تھے... ملک کے بیشتر حصوں میں مسلمان حکمراں طبقے کی تشکیل کرتے تھے... قاعدے کے مطابق کسان بھی ہندو رہ گئے۔" صفحہ ۲۲۴۔

"اس میں شک ہے کہ اسلام واقعتاً ریاست کا مذہب تھا۔ مسلمانوں کے درمیان امراء اور غریب اور آقا اور غلام تھے۔ مزید یہ کہ ہندو صرف چند بڑے عہدوں کے لیے اپنا مذہب نہیں بدلتے تھے کیوں کہ ایسی بڑی آسامیاں بہت ہی کم تھیں۔ زمیندار جو بیشتر راجپوت تھے وہ دیہی علاقوں پر اپنا اقتدار قائم رکھتے تھے اور ہندو تاجر شاید امیر تر تھے۔ کسانوں میں ہندو اور مسلمان دونوں شامل تھے۔ سندھ اور بنگال میں مسلمان کسان مضبوط تھے۔ دربار میں سنیوں کی جانب سے معاندانہ مزاحمت بھی ہو[ئی] کیوں کہ بیرم خان شیعہ تھا اور شیعوں کو بڑے عہدے اور عطیات سے نوازتا جو اس کے ہم مذہب ہوتے۔" صفحہ ۱۔

"راجپوتوں کی وفاداری کی تبدیلی اور ان کا مسلمان حکمراں کی طرف جانا یہ وہ عمل تھا جس کے سبب شدت پسند راجپوت حلقوں میں احتجاج بلند کیا گیا۔ جہاں یہ بات کہی گئی ہندوؤں نے دربار میں پہنچ کر خود کو ذلیل کیا.... ان لوگوں نے (مسلم امراء) نے اکبر کی مختلف ہندو شہزادوں کے دربار میں شمولیت

کی مخالفت کی تھی" (صلا۲۳ ، ۲۳۳)۔

"اکبر نے جو اگلا قدم اٹھایا وہ تھا اپنے خاندان کے اقتدار کو مضبوط کرنا اور ہندوستان میں مسلمان جاگیرداروں کی بالادستی قائم کرنا۔ ساتھ میں اس نے ہندو آبادی کی حمایت اس طرح حاصل کی کہ ان پر جو مظالم ڈھائے جاتے تھے ان میں کمی کر دی۔ اس کی اس پالیسی سے مسلمان جاگیرداروں اور شیخوں کے درمیان انتشار پیدا ہوا... (یاتری ٹیکس اور جزیہ) مسلمان جاگیرداروں کے زور پر دوبارہ نافذ ہوا لیکن ایک بار پھر اسے ۱۵۸۰ء میں اکبر نے ختم کر دیا گیا" (ص ۲۴۰۔ ص ۲۴۱)

" جہانگیر کی تخت نشینی سے مذہبی رواداری کی اس پالیسی میں تھوڑی سی تبدیلی آئی جس کا اعلان اکبر نے کیا تھا۔ اس سے ہندو جاگیرداروں کی اکثریت اور مسلمانوں کے کچھ حلقے میں بے اطمینانی پھیلی" ص۲۴۲

مصنف نے یہ قیاس آرائی کی ہے کہ مذہبی جبر و تشدد جاری تھا جسے اکبر نے اپنے عہد میں کم کیا تھا۔ جہاں مسلمانوں کو غلام بنایا گیا وہاں مصنف نے اس کی مذہبی شناخت سے دامن بچایا ہے۔ لیکن ایسے سارے مواقع پر جب ظلم کا نشانہ کوئی ہندو بنا تھا مصنف نے نام کا اعلان کر دیا ہے۔ اس طرح عہد وسطیٰ میں غلام بنانے کے تاریخی عمل کو ہندوستان میں مسلمان حکمران کے دور کا فرقہ وارانہ جبر و ستم بنا کر پیش کیا گیا ہے۔ اور یہ بات جب ایک مارکسی مورخ کے قلم سے لکھی جاتی ہے تو بے حد تکلیف دہ ہو جاتی ہے۔

"اورنگ زیب کے تخت نشیں ہونے کے یہ معنی تھے کہ جاگیرداروں کے رجعت پسند حلقے کو اب دربار میں فیصلہ کن اقتدار حاصل ہو گیا ہے۔ یہ سرد طبع، خود غرض سیاست داں بڑا کٹر مسلمان تھا... وہ اس پالیسی کو اہم جانتا تھا جس کی روسے ہندوؤں کے حقوق سلب کر لیے گئے تھے۔ اور شیعہ مسلمانوں پر مظالم روا رکھے گئے تھے۔ اس خیال سے کہ قومی زندگی کو اسلامی شعار میں ڈھال دیا ہے۔ اورنگ زیب نے شراب خواری پر پابندی لگا دی اس کے علاوہ اس نے موسیقی، رقص و سرود اور بھنگ کی کاشت پر بھی پابندی عائد کر دی۔ ۱۶۶۵ء تا ۱۶۶۹ء کے زمانے میں اس نے یہ حکم صادر کر دیا کہ مندروں کو مسمار کر دیا جائے اور ان کے ملبے مسجدوں کی تعمیر عمل میں لائی جائے۔ ہندوؤں کو کسی قسم کے اعزازی نشان کے استعمال کی اجازت نہیں تھی اور نہ ہاتھی پر سوار ہونے کی اجازت تھی۔ یہ باتیں کبھی پورے طور پر نافذ نہیں ہوئیں" ص۲۵۵۔

مصنف نے صرف ایسے مواد کو پیش کیا ہے جو سامراجی مورخوں کے لیے سودمند ہے۔ جو لڑاؤ اور حکومت کرو کی پالیسی پر گامزن رہے ہیں۔ یا پھر ہندو فرقہ پرستوں کیلیے مراٹھا ریکارڈ کے غیر تحقیق شدہ مواد کو قبولیت کا درجہ دینے سے یہ ہوا کہ انھوں نے یہ تحریر کیا کہ بیجاپور کے سالار افضل خاں شیواجی کو دھوکے سے مارنا چاہتا تھا۔ لیکن خود ہی مارا گیا۔ لیکن مصنف سورت میں دھوکے

۲۰/۳۵

ے شیواجی کے داخلے کا اور اسی کے ہاتھوں ایسے ترقی یافتہ شہر کی لوٹ کا کوئی ذکر نہیں کرتا ہے۔ آگے اس کے بعد کے حالات کے بیان
میں مصنف نے مستقل طور پر ہندو فرقہ پرستوں کے طریقہ کار کو اپنائے رکھا ہے۔ سوویت تاریخ داں فرقہ پرست نہیں ہیں لیکن
فرقہ پرستانہ تاریخ نویسی کی ہندستانی تاریخ نویسی پر اتنی گہری چھاپ ہے کہ صرف ایک باشعور مصنف ہی ان کے اثر سے محفوظ رہ
سکتا ہے۔ سوویت اسکالر کا دوسرا کام بھی ان ہی خطوط پر چلتا ہے۔ دیکھیے۔

Kalara Z. Ashrafyan

The Historical Significance of the Turkish Conquest of Northern India in Horst Kruger (ed.) Kunwar Mohammad **Ashraf**, Delhi, 1969, pp. 67-83.

1. S.S.Pirzada (ed.) Foundation of Pakistan Karachi, 1970, Vol.II, pp. 557-558, see also p.560, see also M.A.Jinnah, Speeches and writings, (ed.) Jamiluddin Ahmed, Lahore, 1960, vol.1, pp.72-73, 77-88, 91-92, 122-123, 139, 141, 152-153, 185-186, 204-205, Passim, Z.A.Suleri, My Leader, pp. 12, 38, 42, 52-53, 55-56, 193, S. Gopal, Jawahar Lal Nehru A Biography, Vol.I, pp.238, Ram Gopal, Indian Muslims, A Political History 1858-1947, Bombay 1959, pp. 257-258, W.C.Smith, Modern Islam in India, Lahore, 1963 Reprint of 1946, pp 282, 285-286.

Bipan Chandra, Communalism in Modern India, Delhi 1984. یہ حوالے ملاحظہ ہو۔

ٹائمز آف انڈیا سموار، مدن ۱۹۸۹ء، نے بالا صاحب دیورس کی ایک تقریر شائع کی جو انھوں نے وشال ہندو سمیلن
میں دی تھی۔ آر ایس ایس کے سربراہ نے کہا کہ کانگریس سرکار نے اپنے عطا کردہ مفادات کے لیے اقلیتوں کو خوش کرنے کی وہی پالیسی
اختیار کی جو برطانیہ نے اپنائی تھی۔ اگلا صفحہ۔

2. Lal Chand, Self Ab egation in Politics, Lahore, 1938 pp. II, V, VI etc.

3. V.D.Savarkar, Hindu Rashtra Darshan, Bombay, 1949, pp.71. Also 28, 125, 260, 280, for detail see M.S. Golwalker, We or Our Nationhood Defined, Nagpur, 1947, pp. 20, 52, 68, 70-73; V.D. Savarkar, Hindu Sangathan, Bombay, 1940, pp. 205; 212; Bhai Parmanand, The Tribune June 27, 1936; Mushirul Hasan, Communal and Pan-Islamic Trend in Colonial India, 1916-28, New Delhi,1979, p.209.

Bipan Chandra - op.cit. یہ حوالہ ملاحظہ ہو۔

4. U.N.Ghoshal, Bhartiya Vidya Bhawan, History and **Culture of the Indian People**, Vol.V, p.498 hereafter **R.C.Ma umdar, op.cit.**

5. J.N.Sarkar, History of Aurangzeb, Calcutta, 1912, 1924, Vol.V, pp.487-488.

6. R.C.Ma umdar, op.cit Vol.VI. pp.616-617.

7. K. M. Panikar, A Survey of Indian History, Bombay, 1966, pp.125,164,167-168

8. S. M. Ikram, History of Muslim Civilization in India and Pakistan, Lahore, 1982, P.xxxiii. See also Ishtiaq Hussain Qureshi, The Muslim Community in India-Pakistan sub-continent, New York.

مصنف کا خیال ہے کہ مسلمانوں نے اپنا امتیازی کردار برقرار رکھنے کی شعوری کوشش کی۔

9. Aziz Ahmad, Studies in Islamic Culture in the Environment, Karachi, 1970, pp.73-74

10. Percival Spear, India, Pakistan and the West, London, 1958.

11. W.W.Hunter, Indian Musalman, Delhi, 1969.

12. Murry Titus, Indian Islam, London, 1930.

13. F.W.Thoman, Mutual Influences of Muhammadan and Hindus in India.

14. M.A.Jinnah, Speeches and Writings, Vol.1, p.78

15. Indian Annual Register 1924-46, Calcutta, 1937, Vol.II, pp.204-206

16. Bipin Chandra, op.cit, pp.209-236.

ہندو فرقہ پرستوں نے مسلمان بادشاہوں کی حکومت کو غیر ملکی حکومت اور مسلمانوں کو ہندوستانی سوسائٹی میں غیر ملکی عناصر قرار دیا۔ ہندو اور مسلم فرقہ پرست صاحب قلم نے بھی۔ یہ سمجھ رکھا ہے کہ عہد وسطیٰ کے ہندوستان میں مسلمان حکمراں تھے اور ہندوؤں کا تعلق محکوم نسل یا غلاموں سے تھا۔ مسلمانوں کے سارے حلقے اور طبقے حتیٰ کہ غریب دہقانی بھی حکمراں تھے اور ہندو راجہ زمیندار اور امراء محکوم تھے۔ کچھ مسلمان رہنماؤں نے یہ تک کہا کہ ہندوستان ہندوؤں کا نہیں ہو سکتا کیوں کہ وہ ایک ہزار سال تک دبے ہوئے رہے ہیں۔

ہندو اور مسلمان دو مختلف سماجی اکائیاں تھیں جو آپس میں ایک دوسرے میں ضم نہیں ہو سکتی تھیں۔ مسلمانوں نے یہ خیال ظاہر کیا کہ دونوں مختلف قوم ہے۔ (دو قومی نظریہ) انھوں نے ہندوؤں کو ایک قوم کی حیثیت سے تسلیم کیا۔ دوسری طرف فرقہ پرست ہندو مسلمانوں کو اتنا بھی مرتبہ دینے کو تیار نہیں تھے۔ ان کا یہ خیال تھا کہ ہندوستانی، ہندو ایک قوم ہیں، اور مسلمان جو کہ انگریزوں کی طرح رہتے ہیں، غیر ملکی ہیں۔ مگر انھوں نے ریاستوں کے مرتبے کا تعین کیا تھا۔ اگر حکمراں یا سردار ہندو ہے تو وہ ریاست ہندو ریاست کہلائے گی۔ اور اگر سربراہ مسلمان یا سکھ ہے تو ریاست مسلم ریاست یا سکھ ریاست کہلائے گی۔ مختصر یہ کہ اونچی ذات، طبقاتی تہذیب ہندوؤں اور مسلمانوں کی ہندو یا مسلم بن گئی۔

ہندو تہذیب ہندو فرقہ پرستوں کے قول کے مطابق گپتا سمراٹ کے عہد میں چوٹی پر پہنچ گئی۔ مسلم عہد میں یہ بتدریج گرتی گئی۔ یورپی نوآبادکاروں یا شہنشاہیت کے معماروں کے تہذیبی سے متاثر ہو کر ہندوؤں نے یہ سوچا کہ یہ لوگ وہ ہیں جنھوں نے پہلی بار ایک عظیم تہذیب و ثقافت کو فروغ دیا اور اسے دنیا کے مختلف حصوں میں پھیلایا۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو اندر پرکاش۔

A review of the History and work on the Hindu Mohammadan and Hindu Sanghatan Movment, New Delhi.

17. A. J. Syed, State, Religon and Society in Medieval India. op.cit.

صدارتی خطبہ، عہد وسطیٰ کا ہندستان سکشن

M. Habib, Politics and Society during the Early Medieval period, Vol.I, pp.1096-98 Passim.

Tara Chand, History of Freedom Movement in India, Vol.II, pp. 484-85

The History of India ۱۸۵۷ء کے غدر سے تقریباً دس سال پہلے ۱۸۴۹ء کتاب

as told by its own Historian, ایلیٹ نے اپنی کتاب کے دیباچہ میں لکھا کہ اس کتاب میں ان ہندوؤں کا بیان ہے جنھیں قتل کیا گیا۔ کے عام پابندی کی پوجا اور ممانعتوں کے متعلق دوسرے متعصبانہ اقدامات، کے متعلق بتوں کی بے حرمتی، مندروں کو تہہ و بالا کرنا، جبری تبدیلی مذہب اور شادی، جلاوطنیاں اور ضبطیاں، قتل اور قتل عام، ہوس رانیاں اور بلانوشیاں ان غداروں کی جوان سے منظر اٹھاتے ہیں۔

J. Syed, op.cit.

18. Satish Chandra, Communal Interpretation of Indian History, New Delhi.

Irfan Habib, The Contribution of Historians to the Process of National Integration in India Medieval Period, Proc. Indian History Congress, 1961.

Harbans Mukhia, Communalism a study in its Socio-Historical Perspective, Social Scientist, Vol.I, Aug.1972.

N. Barrier and N. Gerald, Roots of Communal Politics Romila Thapar, Harbans, Harbans Mukhia, Bipan chandr, Communalism and the writing of Indian History, New Delhi, 1978.

A. N. Vidyalankar

C. G. Shah, Marxism, Gandhism, Stalinism, Bombay, 1973.

Romlia Thapar, Past and Prejudice, Insterpretations of Ancient Indian History.

Kanpur Riots Enquiry Report, 1931.

Tara Chand, Society and state in Mughal Period.

19. History in annals of the Bhandarkar oriental Research Institute, Vol. xxxv, Poona- 1954,55, PP.194-201 or A.J. Syed D.D. Kosambi on History and Society, Bombay, 1985 PP. 65-71, Here after A.J. Syed, Kosambi, op.cit.

K.M. Munshi's Ideas of Aryavarta consiousness Sacred land of Dharma the high road to heaven and to salvation the Chatur Varnya, The divinely Ordained four fold order of Society, Sanskrit the language of the Gods, In his forwards in the series of History & Culture of Indian people (R.C. Mazumdar, op.cit.)

20. A.J. Syed Kosambi, op.cit, p.68.

20(A) R.S. Sharma, Problems of Social formations proc. Indian History Congress, 1975, Address, p.7.

20(B) A.J. Syed, Kosambi, op.cit, pp.179,80,25.
20(C) R.C.Mazumdar, opp. cit, Vol.V. P.759,
20(D) Ibid, pp. 764,
20(E) Ibid, p.265

21. A.J.Syed, Kosambi op.cit, p.82

22. For Shaho, See H.N. Sinha, Rise of Pehwas, pp.12,13, also Bipan Chandra, op.cit, p.199

23. Idira Prakashan, op.cit, p.4.

24. Geeta, ii,37, Kosambi quotes from the divine scripture "Kill your brother if duty calls, without passion" see for details A.J. Syed, Kosambi, op.cit, p.173.

25. Kantondva, G. Bongard levin and Kotousky, History of India, Vol. I, Moscow, 1979, see chapter on Asoka.

26. A.J. Syed, Kosambi, op.cit, p.179

نے یہ خیال ظاہر کیا کہ یہ بات قابل غور ہے کہ ہندوستانی کردار ہمیشہ اس قدر روادار
نہیں تھا۔ ایسے بھی زمانے آئے ہیں کہ لوگ عقیدوں، رسوم و رواج اور طرز عبادت پر کلے بازی شروع کر دیتے تھے۔

27. R.C. Manzumdar, op.cit, Vol.V, p.404

جنوب میں مشرقی شیو کے ماننے والوں اور وشنو کے ماننے والوں کے مابین تعصب کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں۔ یہ نہیں
کہا جاسکتا کہ ابتدائی عہد میں آریاؤں نے مندر نہیں بنوائے۔ بہرحال بدھوں نے مندر بنوائے اور ان میں پوجا کی، وہ سارے
بودھ مندر کہاں ہیں۔؟

28. S.N.Das Gupta, in R.C.Mazumdar, op.cit, Vol.V, p.149.

29. A.J. Syed, Kosambi op.cit, p.124.

30/31 Ibid, p.179. Kalhana 5,168-70, 1089,1090-1092, pp.631-633, 638-39, 1080-1098, vide Ibid R.S. Sharma, Qadeem Hindustan (Urdu) NCERT, New Delhi, p.124.

قدیم عہد میں بھی ایسی بے شمار مثالیں مل جاتی ہیں جہاں راجاؤں نے ہر ذات کی عورتوں کی عصمت دری کی۔ راجہ چکر ورمن نے ایک برہمن کی بیوی کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کیا تھا۔ A.J.Syed Kosambi, op.cit. p.116.

32. Geeta, 2.37; 4.13

33. A.J.Syed Kosambi, op.cit., p.83.

34. Binoy Kumar Roy, Socio-Economic Thoughts of Swami Vivekanand vide The Sunday observer December 6, 1987. See also D.D.Kosambi, Myth and Reality, V. Khandekar, Agarkar, his personality and thought: Dhanjay Keer 'Collected Works of Mahatma Phule'.

اس میں ودیا بھون سیریز کی پہلی دوسری اور تیسری جلدوں پر R.C. Mazumdar op.cit. تبصرہ کرتے ہوئے D.D. Kosambi کہتے ہیں، ہندوستانی تاریخ کی خصوصیت ہے، مزدوروں کا ترقی پذیر استحصال ذات اور طبقے کے دوہرے بوجھ تلے، زیادہ دنوں تک ہندوستان کی عظیم ثقافت اور اس کے عظیم الشان ماضی کے فلسفے کے بے سود ذکر میں خود کو غرق نہیں کر سکتا۔

35. A.J.Syed, Kosambi, op.cit, D.71

D.D. Kosambi مابعد کشن ستاداہن مذہبی خلفشار کو اقتصادیات کی زبوں حالی سے منسوب کرتے ہیں، وہ لکھتے ہیں۔

"اب سبھوں کے لیے کافی ہونے کا زمانہ نہیں رہا تھا کسی نہ کسی گروہ کو دیوار سے لگ جانا تھا۔ اسی طرح کی ایک مثال مشترکہ ہریراسلک کی ہے (جو نصف شیو اور نصف وشنو کی مورتی ہے۔) جس کا زمانہ بہت مختصر رہا لیکن گیارہویں صدی کے بہت بعد تک اس کا رواج قائم نہیں رہا۔ ہر برلکے یا نیوں نے دیکھا کہ ان کے مفادات بہت زیادہ الگ تھلگ ہیں۔ اور اس کی بجائے وشنو کی جدوجہد ہے۔ جب مغلوں کا اقبال بلندیوں پر تھا تو اکبر ایک ملے جلے مذہب دین الٰہی کا خواب دیکھ رہا تھا۔ اورنگ زیب اپنے گرتے ہوئے کو مغربی جبر و ستم اور ملحدوں پر جبریہ جزیہ نافذ کرکے بڑھا رہا تھا۔"

36. A.J.Syed, Kosambi, op.cit., p.180

عہد وسطیٰ یا عہد قدیم کی سوسائٹی یقینی طور آج کے معنوں میں سیکولر سوسائٹی نہیں تھی۔ عام طور پر بادشاہ اپنے ہم مذہبوں اور ہم نسلوں کی سرپرستی کرتا تھا۔ جب حکمراں مسلمان ہو تو یقینی طور پر مسلمان بہت زیادہ فائدے میں رہے۔ یہی معاملہ ہندوؤں اور سکھوں کا بھی۔ تاہم سبھی حالات میں اسے کلیہ نہیں بنا سکتے تھے۔ فائدہ اٹھانے والے کچھ منتخب لوگ ہوتے ورنہ غریب اور اچھوت

نمبر ۳۶

لوگ جن کا تعلق حکمراں کے مذہب سے ہوتا حسب دستور غریب اور اچھوت رہ جاتے۔ اشوک بالعموم بدھوں کی حمایت کرتا تھا۔ دشرتھ موریہ نے اشوک کی پالیسی بدل دی اور اپنی تاجپوشی کے دن ناگارجن پہاڑیوں کی کھوہ اجیویکاس کو دیدیا۔ سمپرتی نے جینیوں کی سرپرستی کی۔ جلوکا نے شیومت کو پھیلایا اور بدھوں پر مظالم ڈھائے۔ سلیسوکا جو کہ ایک ظالم راجہ تھا۔ بدھوں کا سرپرست تھا۔ ملاحظہ فرمائیں۔

K.A. Nilakanta and G. Srinivasachar, Advanced History of India, Bombay, Calcutta, Madras, New Delhi and Bangaloré, 1970, pp.106-109.

37. Ishtiaq Husain Qureshi, Barr-i-Azim Pak o Hind ki Millat-i-Islamia, Karachi, 1987, p.194. See also pp. 97, 190, 192-195, 201, 203.

38. Maktubat-i-Imam Rabban, Vol.1, Letter no.69.
39. Ibid. Letter no.163.
40. Ibid. Letter No.56.
41. Ibid. Letter nos. 65 and 195

42. Irfan Habib, Political role of Shaikh Ahmad Sirhindi and Shah Waliullah - Proceeding of Indian History, 1959, pp.210-11.

43. Sibte Hasan, Pakistan mein Tahzeb ka Irtiqa (Urdu), Karachi, 1981, p.324 etc.

شیخ سمجھتے تھے کہ افلاطون مسیح کا ہم عصر تھا۔

44. Shah Waliullah, Hajjatulla il Baligha, Vol.1, 259, vide Irfan Habib, op.cit. p.222.

شاہ ولی اللہ اور شیخ احمد سرہندی جیسے پائے کے مفکر نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ ان ممالک میں بھی جہاں مسلمانوں کی آبادی سو فیصد ہے اور جہاں غلام تک مسلمان ہیں۔ ایسے لوگوں کی ضرورت ہوتی ہے جو فصل کاٹیں غلے کی چھٹنی کریں۔ اور اسی سلسلے کے دوسرے کام کریں۔ مسلم مزدوروں اور غلاموں سے اسی طرح کام لیا جاتا ہے۔ جیسے باربرداری کے جانوروں اور بوجھ ڈھونے والے جانوروں سے لیا جاتا ہے۔ ایک روایت ہے کہ حضرت عمر کی لونڈی زاہدہ جب جنگل سے لکڑیوں کا ایک بھاری گٹھر اپنے آقا کے گھر لے جا رہی تھی تو خدا نے اس کی مدد کی تھی۔ ظاہر ہے کہ غلاموں (مسلمانوں) سے ان کی طاقت کہیں زیادہ کام لیا جاتا تھا۔ دارا شکوہ سفینۃ الاولیاء (اردو)، کراچی ۱۹۸۶ء ص ۲۵۷۔

۴۵۔ للن جی گوپال کا خیال ہے کہ ہندستانی مسلمانوں کے اقتدار میں آنے کے بعد زیادہ غریب ہو گیا۔ نئے حکمراں بمقابلہ راجپوت، لوٹ مار اور قتل و غارتگری کا بڑے ہولناک طریقے سے بازار گرم رکھتے تھے اور نتیجہ یہ کہ ایک اقبال مند ملک غموں میں ڈوب گیا۔ دوسرے ذرائع میں گوپال نے نکتین (پندرہویں صدی کا ایک یورپی سیاح) کے خیالوں سے استفادہ کیا ہے۔ نکتین کہتا ہے۔

٢٠
الھم

• زمین (بہمنی سلطنت) عوام سے بھری پڑی ہے۔ لیکن دیہاتوں کی آبادی بدقسمت آبادی سمجھی جاتی ہے۔ جہاں کہ امرا بے حد دولتمند ہیں اور عیش و آرام میں مست ہیں۔"

R.H. Major, India in the Fifteenth century, London, 1857, p.14.

اس بات کو ثابت کرنے کے لیے کہ مسلم عہد میں عزت تھی۔ گوپال نکتین کی اس شہادت کو نظر انداز کرتا ہے کہ "امرا انتہائی الدار ہیں اور عیش و عشرت میں مست ہیں۔ برخلاف اس کے اس بات پر زور دیتا ہے کہ زمین پر عوام کی بھری پڑی آبادی ہے لیکن جو دیہاتوں میں ہیں وہ بدقسمت ہیں۔" نکتین کے اس تبصرے پر جو اس نے دہلی سلطنت کی عزت اور افلاس کی تصویر کشی کے سلسلے میں کیا ہے۔ گوپال بے حد مزا اٹھاتا ہے لیکن ہندو عہد میں ان میں حالات کی پیشکش ہوتی ہے تو وہ لفظ اقبال منیم استعمال کرتا ہے۔ وہ لکھتا ہے۔ ہندستان ابھی تک بھرا پڑا ملک تھا لیکن اس کی خوش حالی پر حکمرانوں بشمول بڑے جاگیرداروں، تاجروں اور رمندروں کی اجارہ داری تھی۔ عام دیہاتی ہمارے عہد کا (راجپوت) بدحالی کی زندگی گذارتا تھا۔

Economic Life of Northern India, 700-1200, p.25).

ہندو عہد کی خوشحالی، مسلم عہد میں بدحالی، فرقہ پرستانہ تاریخ نویسی کی مثال ہے۔ اسی طرح K.S.LAL کا خیال ہے کہ مسلم عہد علامت ہے آبادی میں تخفیف کی لیکن وہ نکتین کی اس رائے کو نظر انداز کرتا ہے کہ زمین بے پناہ آباد ہے۔ گھٹتی ہوئی آبادی اور غربت (دہلی سلطنت میں) کے مسئلے پر تفصیلی بحث کیلئے عرفان حبیب کو ملاحظہ فرمائیے۔

Economic History of Delhi Sultanate, An Essay in Interpretation, Indian Historical Review, 1980.

46. Mohd. Habib's Political History of Delhi Sultanate, p.49.

47. Shah Waliullah, op.cit., Vol.I, p.225.

جمہوریت کی مخالفت کرتے ہوئے سید احمد نے یہ عذر پیش کیا۔

• یہ اشد ضروری ہے کہ وائسرائے کانسل کے ممبر اونچا سماجی مرتبہ رکھتے ہوں۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا ہماری اشرافیہ اس بات کو پسند کرے گی کہ ایک نچلے طبقے کا فرد یا گمنام خاندان کا فرد، خواہ وہ بی۔اے۔ یا ایم۔اے۔ میں کیوں نہ ہو اور یوں ضروری صلاحیت بھی رکھتا ہو۔ کیا ان سے اونچے عہدے پر رہ سکتا ہے اور کیا وہ یہ اختیار حاصل کر سکتا ہے کہ قانون بنائے اور ایسے قانون بنائے جس سے ان کی زندگی اور ان کی ترقی متاثر ہوتی ہو؟ ہرگز نہیں کوئی بھی اسے پسند نہیں کریگا۔ وائسرائے کے کانسل کی کرسی انتہائی عزت و مرتبت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ وائسرائے اپنے شریک کار کی حیثیت سے کسی

۲۰۴

اعلیٰ نسب فرد ہی کو لے سکتے ہیں۔ جس کے ساتھ وہ اپنے بھائی جیسا سلوک کریں۔ تقریبات میں لے مدعو کریں۔ جہاں ڈیوک اور ارل کے ساتھ وہ شریک طعام ہو۔"

Saiyed Ahmad Khan, edited by Shan Mohd. Writings and Speeches, Bombay, 1972, p.204.

48. See Mohibbul Hasan, 'Lacunae in the Study of Indian History' in Horst Kruger, Kunwar Mohammad Ashraf, Delhi, 1969, pp. 119-120.

49. See Appendix A1, B.R.Nanda article published in Times of India, November 23, 1988. To be read with the thirty pages of Azad. As Dr.Rafiq Zakaria's comments on A1 Appendix-B M.A. Final Course on Communalism in Modern India, 1857-1947, p.56-58, 1982-83.

50. Appendix C - Extracts from K.A.Anjonova's and others, History of India.

51. See N.G.Barrier (ed.) Rocts of Communal Politics, New Delhi, 1976. Refer therein report of the Kanpur Riots Enquiry Committee, 1931, and Bipan Chandra, Communalism in Modern India, Delhi, 1984, pp.11 No.10, 209-236.

مصنف کا نام ــــ ادارتی بورڈ بشمول سچدانند دھی کھانڈی، عبدالمالک، جگموہن سنگھ، گپتا یادو، راسک بہاری دکشت اور دھریندر ناتھ چترویدی (یوپی گورنمنٹ کے لیے جملہ حقوق محفوظ۔

کتاب کا نام ــــ اتہاس اور ناگرک جیون بھاگ ۲۔ رکھمے کیلیے پاٹھ پشتک۔

ابواب ــــ ۲۴ ابواب تاریخ کے حصے میں (۱۸۴ صفحات) ۱۲ ابواب علم سماجیات کے حصے میں (۱۶ صفحات)

صفحات ــــ ۲۰۰۔ ناشر ــــ لکشمی پرنٹنگ پریس، متھرا، ۱۹۸۶ء۔

تاریخ کی یہ درسی کتاب جو جامع ہے عہد وسطیٰ کے ہندستان کی تاریخ کو ۱۸۴ صفحات میں سمیٹ لیتی ہے۔ ان کا سائز ۱۲/۸×۱۸ کا ہے۔ بیانیہ کا کچھ حصہ تو غیر تاریخی دکھائی دیتا ہے۔ کچھ بیانات تو ایسے ہیں جو دیو مالائی نظر آتے ہیں (مثلاً شیواجی کی افضل خاں سے لڑائی، یا شیواجی کی اورنگ زیب کے دربار میں باریابی راجہ جے سنگھ کے ذریعے ہوئی، تب دربار میں ان کی تذلیل اور ان کی گرفتاری کی غداری)۔ نہ صرف یہ کہ ایسے نازک موضوع کے ساتھ انصاف نہیں کیا گیا ہے' لیکن جو ایک خاص مقصد کے تحت اور تعصب کے تحت اس عہد کی تاویل درجہ ششم کے طلبا کے آگے پیش کی جاتی ہے وہ اپنی نسل کی طرف جھکاؤ کے رجحان کی پشت پناہی کا جذبہ پیدا کرے گی اور وہ طلبا جن کا تعلق مسلم اقلیتی فرقے سے ہے وہ اپنی تاریخ اور تہذیب کے سلسلے میں خود کو مجرم گردانیں گے۔ اس کتاب کی ایسے لوگوں سے جانچ پڑتال کرانی چاہیے جو عہد وسطیٰ کے ماہر سمجھے جاتے ہیں۔ تاکہ وہ واقعاتی غلط بیانیوں کی نشاندھی کر سکیں۔

چونکہ صوبائی تعلیمی انتظامیہ سے یہ توقع نہیں کی جاتی کہ وہ اپنے نصاب میں ترمیم کرے یا غلطیوں کو خارج کرے۔ یہاں یہ مشورہ دیا جاتا ہے کہ یوپی گورنمنٹ پر یہ زور دیا جائے کہ ساتویں درجے کے عہد وسطیٰ کی تاریخ کی درسی کتاب جسے نے نئی دس کتابوں کے اس سلسلے میں شائع کیا ہے۔ جو قومی تعلیمی پالیسی ۱۹۸۳ء کے زیر تحت آتا ہے۔

میدکی جاتی ہے کہ کی درسی کتاب جس کے متعلق سفارش کی جائے گی اسے کل ھند پیمانے پر بحال کیا جائے۔ وہ عصبیتوں، تنگ نظریوں اور واقعاتی غلطیوں سے پاک ہوگی جو کہ صوبائی درسی کتابوں میں پائی جاتی ہیں۔

تفصیلی جانچ پڑتال : ایک نمایاں خرابی جو عام طور پر درسی کتابوں میں ملتی ہیں کہ دیوناگری حروف کو عربی حروف ف ز ظ ع غ خ ق کی جگہ استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ناموں اور مقاموں کے تلفظ میں صحیح آواز نہیں آپاتی ہیں اور ان کے استعمال میں کمل عامیانہ پن جھلکنے لگتا ہے۔ یہ خرابی کی درسی کتابوں میں نظر نہیں آتی ہیں جہاں امتیازی نشانات اور نقطے سختی سے استعمال کیے جاتے ہیں تاکہ صحیح تلفظ ادا ہو سکے۔ مثالیں :-

(محمود گجنوی، محمود گوری۔ گجن۔ گدر۔ اجمل کھان۔ کرآن۔ شرپیہ وغیرہ)۔

(۲) عہد وسطیٰ کے بادشاہوں اور سلاطین کے مرقعے جعلی اور بے محل ہوتے ہیں۔

(۳) تاریخ کو مسخ کرنے کی مثالیں اور عہد وسطیٰ کی حکومت کو ہندو عوام کے ساتھ ناروا سلوک کرتی ہے۔ ص ۶۵، ص ۷۶، ص ۱۵۲، ص ۱۵۳، ص ۱۵۴۔

(۴) تاریخی طور پر غیر مصدقہ اور متنازعہ فیہ واقعات کی پیشکش ص ۱۵، ص ۱۷۷، ص ۱۷۱، (کیا یہ تاریخی طور پر صحیح ہے کہ شیواجی راجہ جے سنگھ کے تعارف کرانے پر اورنگ زیب کے دربار میں مدعو کیا گیا تھا، وہاں اس کی تذلیل کی گئی اور بلا دجہ سے گرفتار کیا گیا؟)

(۵) عہد وسطیٰ کے ہندستان میں ثقافتی ترقیوں کے لیے جو کچھ کیا گیا، اور جو کارہائے نمایاں اس سمت میں انجام دیئے گئے انھیں چھوٹا کر کے پیش کرنا۔ مثلاً ص ۱۰۲-۲۱ میں یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ سندھ میں عربوں نے جملہ سائنسی علوم اور فنون لطیفہ کو لے لیا اور بعد ازیں وہ یورپیوں کو منتقل کر دیئے گئے۔ سندھ میں ثقافتی فروغ کے لیے جو کچھ عربوں نے کارنامے انجام دیئے انھیں یکسر نظر انداز کیا گیا۔

اسی طرح عام روش ان درسی کتابوں کی یہ ہے کہ ان میں عہد وسطیٰ کے حکمرانوں کو غیر ملکی اور وطن دشمن کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ سیاسی اتحاد اور ہندوستان کی علاقائی یکجہتی کے قیام کے سلسلے میں ان کی خدمات نیز قیام عدل اور انصاف کی عملداری کے لیے جو کچھ انھوں نے کیا اسے قطعی طور پر بھلا دیا گیا ہے۔ ص ۱۵۲ پر یہ درج ہے کہ اورنگ زیب نے ایک شاہی فرمان کی مدد سے کچھ زمین برہمنوں کو دی اس طرح پر جیسے یہ کہنا چاہ رہے ہوں کہ یہ تنہا مثال مستثنیات میں ہے یہ کوئی ہمیشہ کا اصل نہیں تھا۔) اسی طرح شیواجی کو ایک مثالی انسان بنا کر پیش کیا گیا ہے۔ ص ۱۶۱ وہ ایک بڑے قوم پرور اور عظیم معمار قوم تھے۔ اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ قوم پرستی کا نظریہ ان دونوں وجود میں آچکا تھا۔ وہ مرکزی حکومت کا بانی نہیں تھا بلکہ ایک قومی ہیرو تھا جو کہ ایک خیالی قوم کے مقصد کے لیے جنگ کرتا تھا۔

. مصنف ادارتی بورڈ۔ ستیش چندر، ارجن دیو، سروپ کمار، اندرپال، اوما مکھرجی، ونوددت گھیرا، اندرا کھنہ، اونکار دت اپادھیائے

ہشتم

گرو پرشاد ترپاٹھی اور سریندر سنگھ پنڈیر (جملہ حقوق محفوظ اتر پردیش گورنمنٹ)

تصنیف :— ہمارا اتہاس اور ناگرک جیون، بھاگ ۲۔ کچھا کے لیے پاٹھ پستک۔

پبلیشر :— ستیش بک انٹرپرائز، آگرہ، ۱۹۸۶ء۔

ابواب :— تاریخ۔ ۱۳ ابواب (۱۰۰ صفحے) سیوکیس ۱۴ ابواب (۳۸ صفحے)۔

یہ درسی کتاب موجودہ ہندوستان کی تاریخ برائے درجہ ہشتم کو ۱۰۷ صفحوں میں سمیٹتی ہے۔ اس کا سائز ۱۸×۲۲/۸ ہے۔ یہ کتاب موضوع کا ایک سطحی نقشہ پیش کرتی ہے اور موضوع کے ساتھ پورا انصاف نہیں کرتی ہے۔ یہ تجویز پیش کی جاتی ہے کہ جدید ہندوستان کی تاریخ برائے درجہ ہشتم کی کتاب کے سلسلے میں یوپی گورنمنٹ پر زور دیا جائے کہ وہ اسے اپنے نصاب میں شامل کرے جو کہ نئی تعلیمی پالیسی کے زیر تحت تیاری کے مراحل میں ہے۔ مزید یہ کہ نصاب کی صوبائی کتابیں مستقبل قریب میں کی درسی کتابوں سے سبقت لے جائیں گی ایسی کوئی امید نہیں ہے نہ کیفیت کے لحاظ سے نہ مشمولات کے حساب سے اور نہ صحت کے لحاظ سے۔

تفصیلی چھان بین : کچھ مثالیں تاریخی غلط بیانیوں کی درج ذیل ہیں۔ ص۱۱۱ پر سرسید احمد خاں کو برطانوی وفادار کے طور پر پیش کیا گیا ہے نہ کہ قوم پرست اور قومی اتحاد کا مجاہد۔ ان کی 'اسباب بغاوت ہند' کو اور کاؤنسل آف دی اسٹیٹ میں ہندستانیوں کی نمائندگی کے لیے ان کی زبردست وکالت کو سرے سے نظر انداز کیا گیا۔ اسی طرح انھیں ہندو دشمن قرار دیا گیا ہے کیوں کہ انھوں نے مسلمانوں کو یہ مشورہ دیا تھا کہ وہ انڈین نیشنل کانگریس میں شامل نہ ہوں۔ (اس طرح مکمل طور پر اس تاریخی سیاق و سباق کو چھوڑ دیا گیا ہے جس میں انھوں نے مسلمانوں کو یہ سمجھایا تھا کہ وہ شورش پسند سیاست میں شرکت سے احتراز کریں)

مثلاً تقسیم بنگال کو پورے طور پر وطن دشمن قرار دیا ہے اور بنگالی مسلمانوں نے بھی اس کی مخالفت کی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ قابل ذکر بنگالی اور غیر بنگالی مسلم کے متعلق یہ نہیں کہا گیا کہ اس نے اس کی مخالفت کی تھی۔ برعکس اس کے ہندو متوسط درجے کی پرتشدد جدوجہد نے تقسیم کی مخالفت میں۔ دونوں فرقوں کے درمیان نااتفاقی کا بیج بو دیا۔

ص۱۲۰ آل انڈیا مسلم کو برطانوی حکومت کی ایجاد قرار دیا گیا ہے۔ یہ بات بھی غیر مصدقہ ہے اور اس کے لکھنے کے پیچھے کوئی مقصد ہے۔

ص۱۴۰ پر جہاں یہ لکھا گیا ہے کہ یوپی مسلم لیگ حکومت کی ہوگی تھی وہاں اس حقیقت کو نظر انداز کیا گیا ہے کہ ۱۹۳۶ء میں کانگریس نے لیگ کے ساتھ الیکشن معاہدے پر دستخط کیا تھا۔

ہمارا اتہاس، حصہ دو : ص۲۰-۲۱ آخری پیراگراف میں اس بات کو نمایاں کیا گیا ہے کہ ہندوؤں نے علم ہیئت، ریاضیات،

فن موسیقی اور فن طب کے میدانوں میں ہندستانیوں نے بہت کچھ حاصل کیا۔ بعد ازیں، یہ ان میں عربوں کے ذریعے یور
کو منتقل کردی گئیں۔ (سندھ کے سماج اور سندھ کی ثقافت پر عربوں کے اثرات کو بالکل ہی چھوڑ دیا گیا ہے)

مسلمانوں کے ناموں کے تلفظ کے سلسلے میں ایک عامیانہ پن اختیار کیا گیا ہے وہ یوں کہ خاص امتیازی نشانوں ک

عربی حروف کی نشاندہی کرتے ہی چھوڑ دیا گیا ہے۔

محمود گجنوی، محمود گوری، گجنی، گدر۔ (یہ خرابی کی کتابوں میں نہیں ملتی ہے)

ص۲۳، ص۲۶ فرضی مرقعے جو بے محل ہیں، محمود گجنوی اور محمود گوری کی تشبیہیں۔ ص۳۲۔ غلط نقل الفاظ۔ کیقباد،

غلط نقل الفاظ، خلجی کی بجائے خلزی، ص۵ ممکن نقل الفاظ ص۵۵ ص۶۷ عدم رواد

علمار، ص۶ سمرقند۔ کچھ کہاں ص۶۰ عدم رواداری ص۶۷ عدم رواداری ص۶۷ سر کٹھیک چاری اور زرکش،

ص۹۳ مالک الشرق (لفظ کے نقل کی غلطی) ص۹۸ برابر؟ ص۱۰۱ ردھ ایش۔ ص۱۰۵ ص۱۱

ہندؤں کے جزیہ پر جزیہ لگادیا۔ مغل حکام نے اس ٹیکس کی وصولی میں ظلم کئے۔ ص۱۲۶ منیم کہاں؟ اور نگ زیب نے ایک فرمان کے
مدد سے کچھ برہمنوں کو زمین پردان کی۔ ص۱۵۱ کیا افضل خاں کا واقعہ صحیح ہے؟ ص۱۵۵ کیا راجہ سنگھ کی سفارش پر شیواجی
اورنگ زیب کے دربار میں آنا اور وہاں اس کی تذلیل اور پھر قید صحیح واقعہ ہے۔ ص۱۷۰ شیواجی کو ایک عظیم قوم پرست اور قو
کا معمار کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔

ہمارا اتہاس۔ حصہ تین ، ص۱۰-۱۲ ؟۔ ص۱۲ کتاب کے دوسرے حصے میں اسے چھوڑ دیا گیا ہے۔ ص۲۶ ؟ ص۵۵ ؟ برطا
پرست اور صرف وفادار۔ ص۱۱۱ سید احمد خاں اس واسطے قابل اعتماد ہوئے کہ وہ کمپنی، ۱۸۵۷ء میں اسباب بغاوت ہند
کونسلوں میں ہندستانیوں کی نمائندگی کے سلسلے میں ان کی کد و کاوش کو یکسر نظر انداز کیا گیا۔ ص۱۱۱ سر سید نے مسلمانوں ک
خبردار کیا تھا کہ وہ کانگریس میں شریک ہوں۔ زیادہ تر اس کی شورپسند سیاست کے سبب نہیں منع کیا تھا چونکہ ان کے اس و
کے حالات میں وہ ان کے لیے نقصاندہ ثابت ہوئی۔ یوں کہ ان کی پالیسی یہ تھی کہ انگریزوں کے ساتھ ایک مشترکہ مقصد کھڑا کیا
جائے ہندؤں کے خلاف۔ ص۱۱۹ اصلی واقعات اس کے برعکس ہیں۔ کوئی قابل ذکر مسلمان تقیم کے خلاف نہیں بولا۔ بلکہ سخ
ترین مخالفت ہندؤں کے اپر کلاس کے لوگوں کی طرف سے کچھ ایسی ہوئی کہ بنگالی مسلمان مستقبل میں اپنی پوزیشن کے سلسلے میں
خاصے خائف ہوگئے۔ ص۱۲۰ مسلم لیگ کا قیام۔ یہ نظریہ کہ مسلم لیگ برطانیہ کی رہنمائی میں قائم ہوئی اسے دلائل سے ثابت نہیں کیا۔ زیاد
معقول بات یہ نظر آتی ہے کہ یہ برطانیہ عہد میں مسلمانوں کے سربرآوردہ طبقے کی سیاسی بیداری کے عروج کا دور تھا۔ ص۱۳۳ ترکی کی ج
ترکستان۔ ص۱۳۶ ۱۹۱۹ کی بجائے ۱۹۰۹ء ہونا چاہیے۔ ص۱۴۰ کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان ۱۹۲۷ء میں انتخابی معاہدے کو نظر اند
کیا گیا ہے۔ مسلم لیگ کو طاقت کے بھوکے قرار دیا گیا ہے۔

پروفیسر اکبر رحمانی
جلگاؤں

قومی یکجہتی کے نقطۂ نظر سے

ابتدائی اور ثانوی جماعتوں کی تاریخ کی کتابوں کا تنقیدی جائزہ

تاریخ ماضی کے دلچسپ اور یادگار واقعات کی جستجو ہی کا نام نہیں جیسا کہ ہیروڈوٹس نے کہا تھا بلکہ یہ ایک ایسا آئینہ ہے جس میں ہم انسانی تہذیب کے عہد بہ عہد کے ارتقائی تصویریں بھی دیکھتے ہیں۔ یہ انسانی جد وجہد کی داستان پیش کرتی ہے۔ تاریخ اسلاف کے بیش بہا اور لازوال کارناموں کا ایسا خزینہ ہے جو آنے والی نسلوں کی رہنمائی کرتا ہے، ان میں جوش اور ولولہ پیدا کرتا ہے۔ انھیں حرکت و عمل پر ابھارتا ہے اور ان میں اولوالعزمی، بلند ہمتی، بہادری، اخوت رواداری اور اعلیٰ مقاصد کے لئے تن من دھن لٹانے کے جذبات پیدا کرتا ہے۔ اس لئے جو قوم اپنی تاریخ کو محفوظ کرلیتی ہے وہ گویا بقائے دوام کا سامان مہیا کرتی ہے۔ تاریخ کے اسی کردار کے پیش نظر حکیم الامت علامہ اقبال نے کہا تھا۔

قوم روشن از سوادِ سرگذشت — خودشناس آمد زیادِ سرگذشت
ضبط کن تاریخ را پائندہ شو — از نفس ہائے رمیدہ زندہ شو

مولانا سید سلیمان ندوی کہتے ہیں کہ "تاریخ کے فن کو قوموں کے پھوٹ اور میل میں بہت کچھ دخل ہے" یہ تاریخ کی درسی کتابیں ہی تھیں جس نے جرمن قوم میں نسلی تفاخر کے جذبے کو پروان چڑھا کر ان میں 'جارحانہ قوم پرستی' کو فروغ دیا تھا۔ اس جارحانہ قوم پرستی کے جو تباہ کن نتائج برآمد ہوئے تاریخ کا ہر طالب علم ان سے اچھی طرح واقف ہے۔ دوسری طرف ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی تاریخ اٹھا کر دیکھئے۔ آزادی کے بعد اہل امریکہ نے تاریخ کے ذریعے ایسا قومی جذبہ اور اتحاد پیدا کیا جس نے امریکی قوم کو آج دنیا کی سب سے زیادہ قابل رشک قوم بنا دیا ہے۔ اگر تاریخ سے قومی اتحاد اور حب الوطنی کا جذبہ نہ ابھارا جاتا تو آج اس قوم کا بھی شیرازہ منتشر ہو جاتا۔[1]

ویویز (Vives) جو اسپین کا باشندہ تھا اور ایک اعلیٰ درجے کا ادیب تھا اس نے سولھویں صدی میں

[1] تاریخ کیسے پڑھائیں از غالدیار خاں ص ۱۱۔

تاریخ کو اسکول کے نصاب میں شامل کرنے پر بہت زور دیا۔ اس کا کہنا تھا کہ جو قوم تاریخ سے بے بہرہ ہے اس
کے بوڑھے بھی بچے ہیں۔ تاریخ ہمیں انسانی جذبات اور ان کے اتار چڑھاؤ کو سمجھنے میں مدد دیتی ہے[۱]۔ اس کی
سترھویں صدی میں کومینس (Comenius) نے تاریخ کو اتنی اہمیت دی کہ یہ علم ابتدائی درجات سے لے کر
یونیورسٹی کے اعلیٰ درجوں تک پڑھایا جانے لگا[۲]۔

مقاصد تاریخ :۔ انگریزوں کے عہد میں تاریخ نویسی اور اسکولوں میں تاریخ پڑھانے کا بنیادی مقصد
مختلف فرقوں کے درمیان نفرت پیدا کرنا، خاص طور سے مسلمانوں اور ہندوؤں کو آپس میں لڑانا اور ان میں دشمنی
کے جذبات پیدا کرنا تھا۔ اس طرح اپنے اقتدار کو مستحکم کرنا تھا۔ اس کے جو مضر اثرات ہوئے وہ آج تک باقی ہیں۔ ان
مضر اثرات کو مٹانے کے لئے آزادی کے بعد کوٹھاری تعلیمی کمیشن (۱۹۶۶ء) کے سفارشات کی روشنی میں تمام ریاستوں میں
مختلف مضامین کے نصابات کی ازسرِ نو تدوین عمل میں آئیں۔ چنانچہ تاریخ کے جو مقاصد مقرر ہوئے وہ تھے:[۳]

1) To help pupils to realise that they are heirs to a rich common social heritage.

یعنی طلبہ میں اپنے ملک کی شاندار مشترکہ ثقافتی ورثے کے وارث ہونے کا احساس پیدا کرنا۔

2) To help pupils in understanting the present against the background of the past.

یعنی ماضی کے پس منظر میں حال کو سمجھنے میں طلبہ کی مدد کرنا۔

3) To develop patriotism, a spirit of national unity and to bring emotional integration among pupils.

یعنی طلبہ میں حب الوطنی اور قومی اتحاد کے جذبے کو فروغ دینا اور ان میں جذباتی ہم آہنگی و یک جہتی پیدا کرنا۔

جب ہم اپنے ملک کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ دیکھ کر بڑا دکھ ہوتا ہے کہ انگریزوں کو اس ملک سے رخصت
ہوئے چالیس سال کا عرصہ ہو چکا ہے مگر محبت و امن کی فردوس گاہ بننے کی بجائے ہمارا ملک آپسی لڑائیوں
اور نفرتوں کا جہنم کدہ بنا ہوا ہے۔ پھر وہی تقسیم سے قبل کا ماحول بنتا جا رہا ہے۔ ایسے حالات میں اکیسویں صدی
کی باتیں کرنا اپنا مضحکہ آپ اڑانا ہے، جگ ہنسائی ہے۔ آخر یہ بگاڑ کیسے پیدا ہوا؟ کون اس کے لئے ذمہ دار

۱؎ تاریخ کیسے پڑھائیں از خالد یار خاں ص ۳۲ ۲؎ ایضاً ۴۲-۴۳ ۳؎ syllabus for stds. I to Vii (Govt. of Maharashtra) Ed. 1972 page 147

ہے! یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس پر غیر جانبداری اور نہایت سنجیدگی کے ساتھ غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمارے ملک میں منصف مزاج اور غیر متعصب اشخاص کی کمی نہیں۔ ان میں سے ایک گوا کے گورنر ڈاکٹر گوپال سنگھ ہیں۔ گزشتہ سال (۱۹۸۷) گوا میں منعقدہ انڈین ہسٹری کانگریس کا افتتاح کرتے ہوئے انھوں نے ان الفاظ میں کہا تھا کہ :-

"آج ملک میں جو فرقہ وارانہ کشیدگی پائی جاتی ہے اس کی ذمہ داری تاریخ کی ان کتابوں پر ہے جو اسکولوں اور کالجوں میں پڑھائی جاتی ہیں۔ یہ تاریخی کتابیں تاریخ کے نام پر نفرت پھیلا رہی ہیں۔ یہ ہماری پھوٹ، شکست اور تذلیل کی تاریخ ہے۔ ہمیں پانی پت کی جنگوں میں اپنی شکستوں کی تاریخ کا تو علم ہے لیکن اس کا علم نہیں کہ اس ملک کے ہندوؤں اور مسلمانوں نے غیر ملکی حملہ آوروں کے خلاف متحد ہو کر مزاحمت کی تھی۔"[1]

اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ ملک کے موجودہ بگاڑ کے جو اسباب ہیں ان میں سے ایک بڑا سبب تاریخ کی وہ درسی کتابیں ہیں جو اسکولوں اور کالجوں میں پڑھائی جا رہی ہیں۔ یہ مبالغہ آرائی نہیں بلکہ سورج کی طرح روشن حقیقت ہے کہ ہمارے ملک میں تاریخ سے تعمیر کے بجائے تخریب کا، دلوں کو جوڑنے کی بجائے توڑنے کا، مختلف فرقوں میں محبت و دوستی کی بجائے نفرت و دشمنی کے جذبات پیدا کرنے کا کام لیا جا رہا ہے آپ کسی بھی ریاست کی تاریخ کی درسی کتاب اٹھا کر دیکھ لیجئے چاہے وہ ابتدائی درجے کی ہو یا ثانوی درجے کی، آپ کو اس میں فرقہ وارانہ جذبات کو مشتعل کرنے والے، بالخصوص مسلمانوں کے خلاف نفرت کے جذبات پیدا کرنے والے واقعات اور بیانات ملیں گے۔

اتر پردیش کے اسکولوں کی نصابی کتابوں کی جائزہ کمیٹی کے صدر شری این سی سکسینہ نے اپنی رپورٹ تاریخ کی درسی کتابوں کے بارے میں لکھا ہے کہ :-

"تعلیمی اداروں کے ابتدائی اور ثانوی درجوں میں تاریخ کی جو کتابیں پڑھائی جائیں ان کے ذریعے سے مختلف فرقوں میں مشترکہ ماضی کا شعور پیدا کیا جا سکتا ہے۔ . . . بدقسمتی سے اب تک ہندوستان کی تاریخ میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان پر فرقہ وارانہ رنگ چھایا رہا ہے۔ اسکولوں میں تاریخ کی جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں . . . وہ نسلی اور فرقہ وارانہ تعصب سے بھری ہوئی ہیں۔ ایک ہی فرقہ سے ہیرو کا

---

[1] بحوالہ ماہنامہ آموزگار۔ قومی یکجہتی نمبر، نومبر ۱۹۸۷ء۔

انتخاب کیا جاتا ہے، اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ وہی مسلمان حکمران اچھے تھے جو ہندوؤں پر مہربان تھے۔[1]"

اس رپورٹ میں انھوں نے تاریخ کی درسی کتابوں سے مثالیں بھی دی ہیں جن کا آئندہ ذکر کیا جائے گا لیکن اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ملک کی مختلف ریاستوں میں تاریخ کی جو درسی کتابیں رائج ہیں وہ تعصب اور فرقہ وارانہ زہر سے بھری ہوئی ہیں۔

عہد وسطیٰ کی تاریخ کا مسخ کرنا۔ ابتدائی، ثانوی اور اعلیٰ جماعتوں کی تاریخ کی درسی کتابوں میں ہندوستانی تاریخ کے جس عہد کو ہدفِ تنقید و ملامت بنایا گیا، سب سے زیادہ مسخ کیا گیا اور جسے فرقہ وارانہ منافرت بالخصوص مسلمانوں کے خلاف نفرت پھیلانے کا موثر ذریعہ بنایا گیا وہ عہد وسطیٰ کی تاریخ ہے۔ بالفاظِ دیگر اس ملک کے مسلمانوں کی ایک ہزار سالہ تاریخ کو خاص مقصد کے تحت منصوبہ بند طریقے سے مسخ کیا گیا۔ مسلم بادشاہوں کو ظالم، جابر، غیر منصف اور نارواداربنا کر پیش کیا گیا اور یہ سوچنے کی کسی نے زحمت نہ اٹھائی کہ ایسے ظالم بادشاہوں نے یہاں ایک ہزار سال تک کیسے حکومت کی ـــ عبد المجید سالک کہتے ہیں کہ:

"حقائق کے اعتبار سے یہ مسئلہ بالکل خارج از بحث ہونا چاہیئے کہ ہندوستان کے مسلم فاتحین سلاطین امرا اور حکام روادار تھے یا نہ تھے کیونکہ کالے کوسوں سے چل کر آئے ہوئے جن مٹھی بھر مسلمانوں نے اس ملک پر اپنی حکومتیں قائم کیں اور ہزار سال تک ان کو کامیابی سے چلاتے رہے ان کے لئے رواداری کے سوا اور کوئی طریقہ کار ہی نہ تھا اور نارواداری ان کے لئے ممکن نہ تھی۔ . . ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت کا طویل استحکام ہی اس امر کا روشن ثبوت ہے کہ مسلمان اربابِ حکومت اپنی رعایا کی نظروں میں قدر و عزت رکھتے تھے۔[2]"

اصل میں ہندوستان کی عہد وسطیٰ کی تاریخ کو مسخ کرنے کا کام انگریز مورخوں نے انجام دیا۔ انھوں نے اپنے اقتدار کو مستحکم کرنے کے لئے 'پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو' کی پالیسی اپنائی اور اسی کے ماتحت ہندوستان کی تاریخ اس طرح مرتب کی کہ وہ 'خونیں داستان' بن گئی اور انگریز 'فرشتۂ رحمت'! انگریز مورخین نے واقعات کو توڑ مروڑ کر یہ بتانے کی کوشش کی کہ عہد وسطیٰ کے ہندوستان میں اسلامی تہذیب اور ہندو تہذیب کے دھارے ایک دوسرے سے ٹکراتے رہتے تھے اور ان دونوں فرقوں کے معاشرتی، سیاسی اور اقتصادی زندگی میں کسی قسم کی

---

[1] ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری، جلد سوم ص ۳۲۲ [2] مسلم ثقافت ہندوستان میں، ص ۷۰، ۴۱ مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۵۷ء

شنز کر قدریں نہیں تھیں۔

انگریز مورخین نے جس مقصد کے لئے تاریخ کی کتابیں مرتب کیا اسکا کہیں بلاواسطہ اور کہیں بالواسطہ طریقے سے اظہار ہا ہے۔ مشہور انگریز مورخ ایلیٹ نے اپنی کتاب " History of india as told by its own historians میں مقصدِ تصنیف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

" اس کے پیش نظر صرف یہ مقصد ہے کہ وہ اپنے پیشرو حاکموں (یعنی مسلمان بادشاہوں) کے غیر منصفانہ عہد کی تاریکیوں کو دکھا کر اپنی قوم کے عہد حکومت کی روشنی دکھائے تاکہ ہندوستان کے رہنے والے اس کو (یعنی انگریزی حکومت کو) سایہ رحمت سمجھ کر اسے اطاعت مندانہ اخلاص کا خراج ہمیشہ پیش کریں ۔"

یعنی اس کا مقصد مسلمان حکمرانوں کو بدترین حکمران ثابت کرنا اور ان کے عہد کے ایسے کارنامے بیان کرنا نھیں پڑھ کر ان کے خلاف نفرت اور انتقام کے جذبات پیدا ہوں۔ چنانچہ ایلیٹ نے مسلم بادشاہوں کے عہد کے جو حالات اپنی کتاب میں بیان کئے ہیں اس کے بارے میں وہ اپنی کتاب کی پہلی جلد کے عموی پیش لفظ میں لکھتا ہے:

" . . . ایسے بادشاہوں کے حالات میں اگر ہم یہ پڑھیں تو تعجب نہ کریں کہ ان کے یہاں انصاف کا سرچشمہ بالکل ہی پراگندہ تھا۔ ریاست کے محصولات تشدد اور ظلم سے وصول کئے جاتے گاؤں میں آگ لگادی جاتی، لوگوں کے جسمانی حصے کاٹ دیئے جاتے . . . ہندو اگر مسلمان سے جھگڑا کرتے تو وہ قتل کر دیئے جاتے۔ ان کے لئے مذہبی جلوس نکالنا، اشنان کرنا ممنوع تھا۔ ان کے خلاف طرح طرح کے غیر رواداری نہ اقدام کئے جاتے۔ ان کی مورتیوں کو مسخ اور ان کے مندروں کو منہدم کر دیا جاتا۔ ان کو زبردستی مسلمان بنا لیا جاتا۔ ان کی لڑکیوں سے زور و ظلم سے شادی کرلی جاتی۔ انکی جائدادیں ضبط ہوجاتیں۔ قتل عام ہوتا رہتا۔ ایسے ظالم اپنی عیاشی اور شراب نوشی میں مست رہتے ۔" اور پھر آخر میں وہ لکھتا ہے کہ " ان کی یہ مرقع آرائی مبالغہ سے نہیں کی گئی ہے ۔"

ایلیٹ کی اس بددیانتی پر مولانا سید سلیمان ندوی نے آل انڈیا ہسٹری کانگریس منعقدہ مدراس دسمبر ۱۹۴۴ء میں دیئے گئے صدارتی خطبہ میں سخت تنقید کرتے ہوئے کہا تھا:

" یہ کہنا پڑے گا کہ ایلیٹ نے ان ترجموں میں دیانت سے کام نہیں لیا۔ جن کتابوں کے ترجمے اور

۱۔ دیباچہ ص ۲۲ بحوالہ روزنامہ اردو ٹائمز بمبئی ۲۱ فروری ۸۸ء ص ۲۹ جولائی ۱۹۷۷ء کو راجیہ سبھا میں پروفیسر با نڈے کی تقریر۔ بحوالہ ہندوستان کے مسلم حکمرانوں کی مذہبی رواداری جلد ۳ ۔ ص ۳۱۴ ۔

اقتباسات اس نے اپنی کتاب میں شامل کئے ہیں ان میں جا بجا علمی، تمدنی، عمرانی اور غیر سیاسی تفصیلات کچھ نہ کچھ ضرور ہیں۔ لیکن اس نے انھیں قصداً حذف کر دیا۔ اب فارسی سے ناآشنا اور ایلیٹ کی کتاب کو اپنا گائیڈ بنانے والا محقق سلطان سلاطین کے عہد کو صرف خون آلود اور قرون آشام پاتا ہے جس کے ذہنی اثرات مدتوں کی تحقیقات کے بعد مٹ سکیں گے۔"

ایلیٹ کی مرتبہ تاریخ کو ماخذ بنا کر درسی کتابیں ترتیب دی گئیں اور انھیں اسکولوں میں رائج کیا گیا جس کا مقصد ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان نفرت پیدا کرنا اور آپس میں لڑانا تھا۔ اس کی تصدیق برطانوی حکومت کے مراسلات اور دستاویزات سے بھی ہوتی ہے۔ ۲۶ مارچ ۱۸۸۷ء کو سیکریٹری آف اسٹیٹ جارج فرانسس ہملٹن نے لارڈ کرزن کو لکھا تھا کہ:

"۔۔۔ میرے خیال میں ہندوستان میں ہماری حکومت کو ابھی خطرہ نہیں ہے لیکن پچاس برس بعد یہ خطرہ ضرور سامنے آئے گا جب مغربی طرز کی شورش پسندی اور تنظیم کی قوت ابھرے گی لیکن ہم ہندوستانیوں میں تفرقہ پیدا کرتے رہیں تو اس سے ہماری حکومت مضبوط رہے گی۔ اس لئے ہم تعلیمی اداروں میں نصاب کی کتابیں ایسی پڑھائیں کہ یہاں کے مختلف فرقوں کے درمیان تفرقہ کی مضبوطی پیدا ہوتی رہے[۱]۔"

۱۴ر جنوری ۱۸۸۷ء کو کراس نے گورنر جنرل ڈفرن کو لکھا کہ:

"یہاں کے لوگوں میں مذہبی اختلافات پیدا کرنا ہمارے فائدے کے لئے ہے۔ اور آپ نے جو ہندوستانی تعلیم اور اس کے نصاب کے بننے کی تحقیقاتی کمیٹی بنائی ہے اس سے ہم اچھے نتائج کے متوقع ہیں[۲]۔"

اس طرح ایک خاص پالیسی کے ماتحت ہندوستان کی تاریخ سے متعلق نصاب کی کتابیں تیار کی گئیں۔ انگریزوں کی تاریخ نویسی سیاست کے تابع تھی۔ انگریز مورخین نے اپنی کتابوں میں مسلمانوں کے خلاف جس شدید نفرت کا اظہار کیا اس کا سراغ اس دور میں ملے گا جسے صلیبی لڑائیوں یا جہاد کی لڑائیوں کا دور کہتے ہیں جس میں عیسائیوں کو مسلمانوں کے ہاتھوں شرمناک شکستیں اٹھانی پڑیں۔ اس کے علاوہ ۱۸۵۷ء کے غدر نے مسلمانوں کو انگریزوں کا سیاسی رقیب بنا دیا تھا۔

انگریزوں سے پہلے ہندوستان میں کسی حکمراں نے سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے یہاں کے باشندوں کو آپس میں لڑایا نہ تھا۔ "پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو" یہ مذموم اصول انھوں نے قدیم ناخدا شناس رومی حکومت سے اخذ کیا تھا۔ اور اس کا واحد مقصد انگریزی حکومت کو مستحکم کرنا تھا جس کی تصدیق بمبئی کے گورنر سر جان مالکم

[۱، ۲] ۲۹ جولائی ۱۹۷۷ء کو راجیہ سبھا میں پروفیسر بانٹس کی تقریر بحوالہ ہندوستان کے مسلم حکمرانوں کی مذہبی رواداری جلد ۳ ص ۲۱۵۔ ایضاً

ما ایک مراسلے سے بھی ہوتی ہے:

"اس قدر وسیع ملک میں ہماری غیر معمولی قسم کی حکومت کی حفاظت اس امر پر ہے کہ ہماری عملداری میں جو بڑی بڑی جماعتیں ہیں ان کی عام تقسیم ہو اور پھر ایک جماعت کے ٹکڑے مختلف ذاتوں، فرقوں یا دوقوموں میں ہوں۔ جب تک یہ لوگ اس طریقے سے جدا رہیں گے، اس وقت تک غالباً کوئی بغاوت اٹھ کر ہماری قوم کے استحکام کو متزلزل نہیں کرے گا۔"[1]

سرسید احمد خاں کی مصالحانہ کوششوں سے پہلے تک انگریز حکام اور افسران مسلم دشمنی اور ہندو نوازی کی پالیسی پر عمل کرتے رہے۔ مسلم دشمنی کا یہ رجحان اس وقت نقطۂ عروج پر پہنچ گیا جب لارڈ ایلن برو Lord Ellen Borough نے گورنر جنرل کا عہدہ سنبھالا۔ اس نے ۱۸ جنوری ۱۸۴۳ء کو لارڈ ویلنگٹن کے نام جو خط لکھا ہے اس میں وہ لکھتا ہے کہ:

"میں اس حقیقت سے آنکھیں بند نہیں کر سکتا کہ یہ نسل (مسلمان) بنیادی طور پر ہماری دشمن ہے۔ اس لئے ہماری صحیح پالیسی یہ ہے کہ ہندوؤں کو خوش کیا جائے۔"[2]

مسلم دشمنی میں یہ انگریز گورنر اس قدر آگے بڑھ گیا کہ اس نے حکومت کی پوری مشنری ہندوؤں کو مسلمانوں کے خلاف ابھارنے میں صرف کر دی۔ اس کی مثال سومنات کے جعلی دروازوں کی واپسی سے ملتی ہے۔

<u>سومنات کے دروازوں کا واقعہ</u>: پہلی افغان جنگ ۱۸۳۹ء میں انگریزوں کو شکست ہوئی تھی انہیں بھاری جانی اور مالی نقصان کرنا پڑا تھا۔ فوراً ہی ایک دوسری فوج انتقام لینے کے لئے کابل روانہ کی گئی ج قندھار اور غزنی پر قبضہ کر کے کابل کی جانب بڑھی۔ جنرل ناٹ نے قلعہ غزنین کے دروازے کو اکھڑوا کر ہندوستان نہ کیا تھا۔ عینی شاہد مرزا عطا محمد شکار پوری رقم طراز ہے کہ یہ اقدام اس لئے کیا گیا تھا کہ ہندوستان کے لوگوں یقین آ جائے کہ خراسان دوبارہ فتح کر لیا گیا ہے۔ جب یہ دروازے ہندوستان پہنچے تو لارڈ ایلن برو نے ہندو مسلمان نفرت بڑھانے اور ہندو قوم پر عظیم احسان جتانے کا ایک سنہری موقع سمجھا۔ وہ شملہ سے وز پور پہنچا۔ دریائے ستلج کے پل کے پاس ایک عظیم الشان جشن منعقد کر کے اس نے کابل کے فاتح لشکر کا اور قلعہ غزنی ان دروازوں کا استقبال کیا۔ ان دروازوں کو اس نے سومنات کے مندر کے دروازے قرار دیا۔[3] اس موقع اس نے ہندو راجاؤں اور سرداروں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "آج بالآخر آٹھ سو سالہ پرانی بے عزتی کا بدلہ لے لیا گیا ہے۔"

---

[1] تاریخ تعلیم کمپنی کے عہد میں، از میو پاسو ص ۱۹۸ بحوالہ مسلمان اور مغربی تعلیم از سید محمد سلیم ص ۸۰ [2] مسلمان اور مغربی تعلیم ص ۸۱
[3] ایضاً ص ۹۲ ۔ مگر ہندوستانی سیاست میں مسلمانوں کا عروج از رفیق ذکریا ص ۲۱ ۔

پھر اس نے ہندو راجاؤں سے مخاطب ہو کر کہا، "اے سرہند، راجستھان، مالوہ، گجرات کے سردارو! میں یہ تحفہ اب آپ کے سپرد کرتا ہوں۔ ان دروازوں کو جو صندل کے بنے ہوئے ہیں آپ بصد احترام لے جا کر سومنات کے مندر میں نصب کرو۔"[1]

اس تقریب کے عینی شاہد کلارک مارشمین نے لکھا ہے کہ:

"یہ دروازے جنرل ناٹ کی تحویل میں تھے۔ ان کو ایک بیل گاڑی پر لادا گیا۔ ان پر قیمتی شال دوشالے ڈالے گئے۔ پھر گورنر جنرل کی قیادت میں ایک جلوس کی شکل میں سرہند سے ان کو آگرہ لایا گیا۔ راستے بھر دیہات کے ہزاروں ہندو ان کی پوجا کرتے تھے۔ ان کے آگے سجدہ کرتے تھے اور دیوتا سمجھ کر ان پر نذرانے چڑھاتے تھے۔ لیکن بعد میں یہ دروازے آگرہ سے آگے نہیں گئے۔ وہاں ایک گودام میں ڈال دیئے گئے۔"[2]

بعد میں ماہر تعمیرات جیمس فرگوسن نے یہ ثابت کر دکھایا کہ یہ دروازے دیوار کی لکڑی کے بنے ہوئے ہیں جب کہ سومنات کے مندر کے دروازے صندل کی لکڑی کے تھے۔[3] مگر گورنر جنرل نے جلوس نکال کر سارے ملک میں مسلمانوں کے خلاف نفرت ضرور پھیلا دی۔ آج بھی ہمارے ملک میں اس منافرت انگیز طریقہ پر عمل کیا جاتا ہے۔ مذہبی جلوسوں کے جو تباہ کن نتائج احمد آباد اور دیگر مقامات پر برآمد ہوئے ہیں وہ آپ سب پر عیاں ہیں۔ شاید اسی لئے مذہبی جلوس کی مخالفت کے مسئلہ پر ایوان حکومت میں سنجیدگی سے غور ہو رہا ہے۔

تاریخ نگاری کا موجودہ رجحان:۔ انگریزوں کی اس کھلی منافرت انگیز پالیسی سے ہندوستانی مورخوں کو چوکنا ہو کر اس کا سدباب کرنا چاہیئے تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو انگریز ۱۹۴۷ء سے کئی سال پہلے ہی ملک سے اپنا بوریا بستر لے کر چلے گئے ہوتے اور تقسیم کا زخم بھی سہنا نہ پڑتا۔ لیکن ہمارے مورخوں نے اپنے "مجازی استاد ازل" کے کہے ہوئے کو نہ صرف طوطی صفت دہرایا بلکہ مسلم دشمنی اور اسلام دشمنی میں وہ انگریزوں سے بھی آگے بڑھ جانے کی کوشش کرتے رہے۔ انھوں نے دور وسطیٰ کی تاریخ کو تنگ نظری اور تعصبات کے پھیلانے کا ذریعہ بنایا۔ ان ہندوستانی مورخین میں سر جدو ناتھ سرکار اور پی۔ این۔ اوک کے نام سرفہرست ہیں۔

جدو ناتھ سرکار نے اورنگ زیب پر پانچ جلدیں، شیواجی پر تین جلدیں اور سلطنت مغلیہ کے زوال پر چار جلدیں لکھ کر مغل سلاطین اور خاص طور پر اورنگ زیب اور اس کے پس پردہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نفرت پھیلانے میں اہم کردار ادا کیا۔ اس کام کے لئے برطانوی حکومت نے انھیں بہت سے اعزازات سے بھی نوازا۔ اس وقت بظاہر یہ معلوم ہوا کہ یہ ایک لائق مورخ کی مورخانہ تحقیقی کاوشوں کا محض خراج عقیدت ہے۔

---

[1] مسلمان اور مغربی تعلیم، ص ۹۷ [2] ایضاً ۹۲-۹۳ [3] ایضاً

مگر در اصل یہ انگریز حکمرانوں کی دلی خواہش کی تکمیل کا معاوضہ تھا۔[1]

جدو ناتھ سرکار نے اورنگ زیب اور اس کے جانشینوں کی تاریخ کو کچھ ایسے متعصبانہ رنگ میں پیش کیا کہ ہندوؤں میں مسلمانوں کے خلاف نفرت اور انتقام کے جذبات پیدا ہو گئے۔ پھر انہوں نے راجپوت اور مرہٹہ ذات کے ان سرداروں اور امیروں کو جنہوں نے مغل سلاطین کے خلاف جنگ کی ان کی بہادری اور شجاعت کے گن گائے اور انہیں 'قومی ہیرو' کا درجہ دے کر مسلم دور حکومت کو غیر ملکی قرار دے دیا۔ پھر انہوں نے اس بات کی بھی کوشش کی کہ مالوہ، راجپوتانہ اور مہاراشٹر کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کی جو تاریخ مرتب ہو ان میں ایسے واقعات ضرور شامل کئے جائیں جن سے مسلمانوں کے خلاف نفرت پھیلے۔ چنانچہ اپنے شاگرد اور راجپوت ریاست ستیا مؤ کے راجہ ڈاکٹر رگھوبیر سنگھ کو ۱۸ اپریل ۱۹۳۰ء کے خط میں تاریخ مالوہ شائع کرنے کے بارے میں مشورہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"تم اپنے تحقیقی مقالے کو ہندی میں شائع کرنے کا جو خیال پیش کیا ہے وہ اچھا خیال ہے لیکن اس بارے میں چند مشورے دینا چاہتا ہوں۔ "....also add the reaction against Jaziya and temple destruction in the Malwa from my Volumes 3 & 5" یعنی تاریخ اورنگ زیب جلد ۳ اور ۵ میں درج اس مواد کو بھی کتاب میں شامل کر لیں جس میں صوبہ مالوہ میں جزیہ کے اور مندروں کے انہدام کے خلاف ہندوؤں کے ردعمل کا تذکرہ ہے۔"[2]

"برطانوی حکومت کے زمانے میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے تعلقات میں جو ناخوشگواری بلکہ ایک دوسرے سے جو بیزاری پیدا ہوئی اس کی آگ میں جدو ناتھ سرکار کی تاریخ اورنگ زیب کی جلدیں تیل چھڑکتی رہیں"[3] لیکن برطانوی حکومت ختم ہو جانے کے بعد بھی یہ آگ ٹھنڈی نہیں ہوئی۔ اس دور آزادی میں تاریخ کو تفریقی سیاست کا آلہ کار بنانے کا رجحان نہ صرف باقی ہے بلکہ خاصا قوی ہے بقول ڈاکٹر ذاکر حسین:

آج بھی یہ دکھانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ ہندوستان میں ہندو مسلم تہذیبوں میں کبھی میل نہ ہوا ہمیشہ ٹکر ہوتی رہی اور آئندہ بھی ہوتی رہے گی جب تک ایک تہذیب دوسری تہذیب میں جذب نہ ہو جائے۔"

۱۹ جولائی ۱۹۷۷ء کو راجیہ سبھا میں جب یہ مسئلہ پیش ہوا کہ ہندوستان کے ازمنہ وسطیٰ کی تاریخ کا نصاب کیسا ہو کہ جس سے ثقافتی اور جذباتی ہم آہنگی پیدا ہو تو اس وقت پروفیسر بی۔ این پانڈے (جو فی الحال اڑیسہ کے گورنر ہیں) نے

---

[1] ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کی رواداری، جلد سوم ص ۱-۲ [2] Making of a princely Historian by V.G.Khobrekar & Tikekar (1975) Page 44 [3] مذہبی رواداری، جلد ۳ ص ۳۔

جو تقریر کی اس سے بھی تاریخ نگاری کے موجودہ رجحان پر روشنی پڑتی ہے۔ انہوں نے کہا تھا:

"بدقسمتی سے ہمارے اسکولوں اور کالجوں میں گذشتہ کئی نسلوں سے جو کتابیں پڑھائی جا رہی ہیں وہ وہی ہیں جو یورپی مصنفوں کی لکھی ہوئی ہیں۔ یورپی اساتذہ نے جو کچھ پڑھایا ہے اس کے اثرات کو ہندوستانی اب تک دور نہیں کر سکے ہیں۔ ایسی لکھی ہوئی تاریخوں سے جو تاثرات پیدا ہوتے ہیں وہ ہماری قومی زندگی کے سرچشمے کو آلودہ کئے ہوئے ہیں۔ ان کتابوں میں ایسے اختلافات پر زور دیا گیا ہے کہ ہندو مسلمان کس طرح ایک دوسرے کے خلاف تشدد آمیز رویہ اختیار کئے ہوئے تھے۔ وہ ایک دوسرے کے علاقے کو فتح کر کے لوٹ مار کرتے اور مذہبی تعصب دکھاتے۔ ان تاریخوں میں یہ بھی دکھایا گیا ہے کہ مسلمان ہندوؤں کے کلچر اور روایات کو تہس نہس کرنے میں مشغول رہے۔ ان کے مندروں اور محلوں کا انہدام کیا، ان کی مورتیاں توڑیں اور ان کے سامنے یہ خوفناک شرط پیش کرتے رہے کہ اسلام قبول کرو ورنہ تلوار استعمال کی جائے گی۔"

پروفیسر ہانشے نے مزید کہا کہ "پھر یہ چیزیں زندگی کے اس زمانے میں پڑھائی جاتی ہیں جب ذہن پر کسی چیز کا گہرا اثر پڑ جاتا ہے تو اس کا دور ہونا مشکل ہوتا ہے۔ اس لئے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ ہندو مسلمان ایک دوسرے کو شک و شبہ کی نظروں سے دیکھنے کے عادی ہو گئے اور ان میں باہمی بداعتمادی پیدا ہو گئی۔ ہندو یہ یقین کرنے پر مجبور ہو گئے کہ مسلمانوں کی آٹھ سو برس کی حکومتیں محض ہوا تھیں۔ وہ مسلمانوں کی تاریخ پر کوئی فخر محسوس نہیں کرتے بلکہ اس کو نظرانداز کر کے اپنی قدیم تاریخ ہی سے سب کچھ سیکھنا چاہتے ہیں ... اسی طرح مسلمانوں سے جب مغرب کی ایک عیسائی قوم نے ان کی قوت و اقتدار کو چھینا اور ہندوان کو حملہ آور سمجھنے کے عادی ہو گئے تو وہ اپنی خودداری اسی میں تصور کرنے لگے کہ یہاں کی تاریخ میں ان کے ہم مذہبوں نے جو شاندار کام انجام دیئے ہیں ان پر فخر کرتے رہیں اور اس سے پہلے کی تاریخ نظرانداز کر دیں جس کے سہارے ان کے تمدنی کارنامے ظہور پذیر ہوئے۔"[1]

پروفیسر ہانشے کی ان باتوں میں کافی سچائی ہے۔ آج اسکولوں میں پڑھائی جانے والی تاریخ کی درسی کتابوں سے یہی احساس ہوتا ہے کہ:

• ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد سے لے کر ۱۹۴۷ء تک غیر ملکیوں کی حکمرانی رہی۔ مسلم دور حکومت میں ہندوستانی

---

[1] مذہبی رواداری جلد ۲، ص ۱۳ - ۳۱۲ -

ام ملک تھا ۔ مسلمان بادشاہ ظالم و جابر تھے اور ہندوؤں کے دشمن تھے ۔ مسلمان بادشاہوں کا کام
توڑنا، مندروں کو برباد کرنا اور ہندوؤں کو زبردستی مسلمان بنانا تھا ۔ پھر مغلوں کے ساتھ راجپوتوں اور
کی لڑائیوں کو اس طرح پیش کیا گیا کہ وہ قومی لڑائیاں (Wars of National) اور ہندو مذہب کے رکھشا کی
بن گئیں ۔ ان جنگوں میں مارے جانے والے شہید آزادی کہلائے ۔

تاریخ کی درسی کتابوں سے مثالیں :۔ اب تک میں نے آپ کے سامنے دور وسطیٰ کی تاریخ نگاری
جائزہ پیش کیا اور یہ بتانے کی کوشش کی کہ دور محکومی سے دور آزادی تک اسکولوں کی درسی کتابوں میں
نگاری کے کیا رجحانات رہے ہیں ۔ تاریخ کی درسی کتابوں سے اب تک کوئی مثال نہیں دی ۔ آئیے اب
یں کہ ابتدائی اور ثانوی درجوں میں مروّجہ تاریخ کی درسی کتابوں میں ہندوستان کے عہد وسطیٰ کو کس طرح
ن خیز بنا کر پیش کیا گیا ہے تاکہ آپ میری باتوں کو بے دلیل نہ سمجھیں ۔ ان مثالوں سے آپ خود فیصلہ کر سکتے
یہ کتابیں قومی یکجہتی اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کی راہ میں رکاوٹ ہیں یا نہیں؟

دہلی کی تاریخی کتابیں :۔ ۲۰ جنوری ۱۹۸۴ کو نصابی کتابوں سے متعلق، ویں سالانہ کانفرنس پونہ میں
ئی تھی ۔ اس کانفرنس میں دہلی یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر مونس رضا نے جو کلیدی خطبہ پڑھا تھا اس میں
سنٹرل بورڈ آف سیکنڈری ایجوکیشن دہلی کی شائع کردہ تاریخ کی درسی کتابوں میں پائے جانے والے مخالف
مواد کی نشاندہی کی تھی ۔ ایک کتاب میں عنوان تھا "مسلمانوں کے حملے" ڈاکٹر صاحب نے کہا "اسے تاریخ
سکتا ۔ اس قسم کی تاریخ نویسی قومی یکجہتی کے لئے بے حد خطرناک ہے ۔ اس سے ہندو طلبہ کے دلوں میں نفرت
ت پیدا ہوتے ہیں اور وہ اپنے ہم جماعت مسلم طلبہ کے بارے میں سوچنے لگتے ہیں کہ ارے یہ تو حملہ آوروں کی
یں جنھوں نے عورتوں کی عزت لوٹیں اور طرح طرح کے ظلم کئے ۔ اور جب کہیں فرقہ وارانہ فساد پھوٹ پڑتا
لمان مارے جاتے ہیں تو آپ جانتے ہیں کہ اس قسم کی تاریخ پڑھنے والے ہندو ایسے واقعات کے بارے میں کیا سوچتے ہیں ۔

" After all what they have done, now they are getting somethi

in return good. " "اچھا ہوا کہ جو کچھ انھوں نے (ہندوؤں کے ساتھ) کیا تھا اس کا کچھ بدلہ تو ملا۔"

آپ نے ایک اور مثال دی ۔ تاریخ کی ایک کتاب میں درج تھا،

"فیروز شاہ تغلق مسلمان تھا پرنتو بڑا دیالو تھا"

Key-Note Address by Dr.Moonis Raza Page

ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ اس جملے میں فیروز شاہ تغلق سلمان تھا اور وہ دیالو تھا یہ دو جملے تو درست ہیں لیکن لفظ 'بر نتو' لائق تحقیق ہے " واقعی اس ایک لفظ نے متعصبانہ ذہنیت کو پوری طرح آشکار کر کے رکھ دیا ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ اس قسم کی قابلِ اعتراض مثالوں سے یو۔ پی کی تاریخ کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔

اتر پردیش کی تاریخ کی درسی کتابیں:- اب ذرا ہندوستان کے سب سے بڑے صوبے اتر پردیش کی درسی کتابوں سے چند مثالیں ملاحظہ کیجئے۔ یہ مثالیں اس رپورٹ سے ماخوذ ہیں جو قلیتی کمیشن کے جوائنٹ سکریٹری این۔ سی۔ سکسینہ نے حکومت کو پیش کی تھی جس میں اتر پردیش کی تمام درسی کتابوں کا جائزہ لیا گیا تھا۔ یو۔ پی۔ اسکولوں میں چھٹے، ساتویں اور آٹھویں درجے کے لئے نو بھارت حصہ اول، دوم اور سوم اور ہمارا اتہاس اور شاستر حصہ اول، دوم اور سوم یہ کتابیں حکومت کی جانب سے منظور شدہ ہیں۔

کتاب نو بھارت میں رانی درگاوتی اور اکبر پرش وردھن اور ہلدی گھاٹی کی لڑائی کا جس انداز میں ذکر کیا گیا ہے نہ صرف قابل اعتراض ہے بلکہ اس سے ایڈیٹر اور شاعر کا فرقہ وارانہ تعصب ظاہر ہوتا ہے۔ اس رپورٹ میں شری سکسینہ نے ایک اہم سوال کی طرف حکومت کی توجہ دلائی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

"... کیا ہماری حکومت ایسی کتابیں پڑھا کر نوجوانوں کے ذہن کو مسموم کرنے کی عظیم غلطی نہیں کر رہی ہے۔ اگر ہندو یہ پڑھ کر جوان ہوں کہ ایک ہزار برس تک مسلمانوں کی حکومت بربریت اور ظلم سے بھری رہی۔ تو کیا ان کے دماغ میں انتقام لینے کا جذبہ نہ پیدا ہوگا۔ اور ان کو یہ احساس نہ ہوگا کہ ماضی میں ان کی زندگی شرمناکی اور ذلت سے بھری رہی۔ اس جذبہ اور احساس کو پیدا کرنے کی ذمہ داری کس پر ہوگی، کسی پر نہیں بلکہ خود ہم پر ہوگی کہ ہم نے اپنے ملک میں فرقہ واریت کو پنپنے کا موقع دیا۔ ... اب جب ہم آزاد ہو چکے ہیں اور ہمارا ملک سیکولر بن گیا ہے تو مسلمانوں کے خلاف جو ہندو لشکری لڑے ان کو اچھالنا ہمارے قومی مفاد کے سراسر خلاف ہے۔"[1]

تاریخ کی نصابی کتاب کے حصہ دوم میں شیواجی کے باب میں لکھا ہے کہ:

" بھارت کے اتہاس میں راشٹری اندولن کرتاؤں اور مغل سامراج سے لوہا لینے والے ویروں میں شیواجی کا نام اگر یہ ہے جس پرکار سمراٹ اکبر کے شاسن کال میں میواڑ نریش رانا پرتاپ نے سوتنترتا کے یدھ کو جاری رکھا اسی پرکار موغل سمراٹ اورنگ زیب کو مہاراشٹر یہ وبھوتی

---

[1] ماہنامہ مسلم انڈیا دہلی، شمارہ دسمبر ۱۹۸۲ بحوالہ ہندوستانی مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری جلد سوم ص ۳۲۵۔

شیواجی نے ناگوں چنے چبوائے اور اپنا سوتنتر راجیہ استھاپت کیا۔"

سکسینہ جی کہتے ہیں کہ "اس میں زیادہ تر اس پر زور دیا گیا ہے کہ رانا پرتاپ اور شیواجی نے اپنے مادر وطن کی آزادی کے لئے مغلوں کے خلاف کیسی جد و جہد کی۔ سوال یہ ہے کہ کیا ہندوستان میں مغلوں کی حکومت غیر ملکی حکومت تھی؟ اگر موجودہ ہندوستان کے مسلمان یہ تصور کریں کہ وہ ایک غیر ملکی حکومت میں رہ رہے ہیں تو اس لئے کہ یہاں کا وزیر اعظم اور راشٹرپتی دونوں ہندو ہیں تو کیا ان کا یہ سمجھنا صحیح ہوگا؟ شیواجی ایک قومی ہیرو کیسے ہوسکتا ہے جب یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ وہ ایک فرقہ پرست مرہٹہ تھا۔ اپنے مذہب میں بہت کٹر تھا۔ تاریخ لکھنے والے اور ہماری حکومت کے ذمہ دار لوگ اس کا جواب دیں[۱]۔"

شری سکسینہ نے مزید کہا کہ "ایسی کتابیں لکھنے میں مخصوص اظہار بیان اور اصطلاحات کے ذریعے سے بھی تعصب کا اظہار کیا جاتا ہے اور یہ کوشش ہوتی ہے کہ مسلمانوں کے کارناموں کو کمتر دکھایا جائے اور ہندو حکمرانوں کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا جائے۔ ۔ ۔ ہم کو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ہمارے اساتذہ ابھی ایسی ہی تاریخ کی فرقہ وارانہ کتابیں پڑھ کر تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ پھر ظاہر ہے کہ وہ بھی فرقہ واریت سے خالی نہیں ہوتے ہیں۔ اس لئے یہ بے حد ضروری ہے کہ نصاب کی کتابیں ایسی لکھی جائیں کہ ان کو پڑھ کر ہمارے لڑکوں میں مشترکہ جذبات اور مشترکہ خیالات پیدا ہوتے رہیں[۲]۔"

شری سکسینہ کے پیش کردہ خیالات کی روشنی میں اگر تاریخ کی درسی کتابیں مرتب کی جائیں تو مجھے یقین ہے کہ ہندوستان میں قومی یکجہتی اور جذباتی ہم آہنگی کو زبردست تقویت پہنچے گی۔ اس لئے ہمیں ایسے واقعات سے پرہیز کرنا ہوگا جن سے فرقہ وارانہ جذبات میں اشتعال پیدا ہوتا ہو۔ تاریخ میں ایسے واقعات کی بھی کمی نہیں جن کے پڑھنے سے ہندوؤں اور مسلمانوں میں میل جول بڑھے اور اخوت کے جذبات پیدا ہوں۔ موجودہ حالات میں ہندوستان کی تاریخ کو از سر نو لکھنے کی ضرورت ہے۔ "ہندوستان کی جو تاریخ لکھی جائے اس کا مقصد بقول مولانا سید سلیمان ندوی "ہندوستان کے متفرق اجزاء کو جوڑنا ہو، توڑنا نہ ہو۔ حال کو ماضی کی ناگواری کی تلخی سے بڑھا کر کیوں برباد کیا جائے اور کیوں مستقبل کے لیے یہ کوشش جاری رہے کہ وہ کبھی خوش آیند نہ ہوسکے[۳]۔"

مہاراشٹر میں مروّجہ تاریخ کی نصابی کتابیں: - ریاست مہاراشٹر میں مروجہ تاریخ کی درسی کتابیں

۱۔ ماہنامہ مسلم انڈیا، دہلی شمارہ دسمبر ۱۹۸۳ء بحوالہ ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری جلد سوم ص ۳۲۶-۳۲۵ ۲۔ ایضاً ص ۳۲۷ ۳۔ ایضاً ص ۳۲۸ -

سب سے زیادہ فرقہ دارانہ رنگ لئے ہوئے ہیں یہ کتابیں پرائمری اسکولوں میں پڑھنے والے طلبہ جو کہ ناپختہ ذہن مالک ہوتے ہیں ان کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف نفرت اور انتقام کے جذبات پیدا کر رہی ہیں۔ ریاست بڑھتی ہوئی فرقہ دارانہ منافرت میں یہ نصابی کتابیں موثر رول ادا کر رہی ہیں۔ ان کتابوں میں تاریخی واقعات توڑ مروڑ کر پیش کیا گیا ہے۔ بعض واقعات اور بیانات ایسے تحریر کئے گئے ہیں کہ جن کی صحت مشکوک ہیں ا جنھیں صرف زیب داستان کے لئے بڑھایا گیا ہے۔ دکھ اور تعجب کی بات یہ ہے کہ مرکزی حکومت کے تعلیمی تحٰ ادارے N.C.E.R.T (نیشنل کونسل آف ایجوکیشن ریسرچ اینڈ ٹریننگ) کی ریویو کمیٹی نے بھی ان درسی کتابوں قومی یکجہتی کے منافی قرار دیتے ہوئے انھیں فوری طور پر بدلنے کی سفارش کی ہے۔ مگر اسٹیٹ بورڈ آف ٹیکس بکس کی ہسٹری کمیٹی نے یہ عذر پیش کیا کہ مستقبل قریب میں نصاب تبدیل ہونے جا رہا ہے اس وقت تاریخ پر کتابیں لازماً بدل دی جائیں گی لیکن NCERT نے اس عذر کو تسلیم نہیں کیا اور سختی سے ہدایت کی کہ وہ نصاب کی تبدیلی کا انتظار کئے بغیر قابل اعتراض مواد کو فوری طور پر کتابوں سے خارج کر دے ورنہ قومی یکجہتی اور جذباتی ہم آہنگی پر اس کے مضر اثرات مرتب ہوں گے۔ ہسٹری کمیٹی نے این سی ای آر ٹی کی ہدایتوں کو قابل اعتنا نہ سمجھا اور ان کتابوں کو بدلنا تو دور رہا، مخالف قومی یکجہتی مواد کو خارج کرنا تک گوارا نہ کیا۔

ملک میں بڑھتی ہوئی فرقہ واریت اور قومی یکجہتی کونسل میں تاریخ کی کتابوں کے بارے میں کی گئیں شکایتوں کے پیش نظر حکومت مہاراشٹر نے تاریخ اور مختلف زبانوں کی نصابی کتابوں کا جائزہ لینے کے لئے ۱۹۸۲ء میں مختلف ماہرین پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی تھی۔ اس کمیٹی نے بھی تاریخ کی کتابوں کو مسترد ومردود سمجھا اور قومی یکجہتی کے نقطۂ نظر سے قابل اعتراض پایا اور ایسے تمام مخالف قومی یکجہتی مواد کی نشاندہی کر کے انھیں خارج کرنے کی پرزور سفارش کی لیکن ہسٹری کمیٹی کی سیکریٹری اور اس کے اراکین ٹس سے مس نہ ہوئے۔ کیا اس کا مطلب یہ لیا جائے کہ ہسٹری کمیٹی کی سربراہ اور اس کے اراکین مسئلہ کی نزاکت کو سمجھنے کے نا اہل ہیں؟ کیا ان کا یہ منشا ہے کہ ریاست میں تشدد آمیز احتجاج ہو اور فرقہ وارانہ کشیدگی بڑھے؟ بہر صورت اس رویّے سے ریاستی حکومت اور NCERT دونوں کے وقار کو شدید مجروح کیا ہے۔ اگر اس معاملے کی پوری تحقیقات نہیں کی گئی تو آئندہ ان سیاسی اور تعلیمی اداروں پر سے عوام کا اعتماد اٹھ جائے گا۔ حکومت مہاراشٹر کی اسٹیرنگ کمیٹی کو اس ضمن میں بیورو سے بازپرس کرنی چاہیئے تھی۔ قومی کونسل برائے تعلیمی تحقیق و تربیت (NCERT) کی بھی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اس کا جائزہ لیتی رہے کہ اس کی ہدایتوں اور سفارشوں پر عمل ہو رہا ہے یا نہیں۔ ایسا محسوس

له اس معاملے میں قومی کونسل کا کام صرف ناصح کا رہ گیا ہے یا پھر اسے قومی یکجہتی سے دلچسپی نہیں رہی یا
فریبی کا شکار ہے ۔ نصابی ادارے کس طرح فریب دے رہے ہیں اس کی مثال ملاحظہ کیجئے ۔
۳۰ اور ۳۱ جنوری ۱۹۸۴ کو ٹیکسٹ بکس بیورو پونہ میں نصابی کتابوں سے متعلق ساتویں سالانہ کانفرنس
س کانفرنس کا اہتمام قومی کونسل کرتی ہے ۔ مختلف ریاستوں اور مرکز کے زیر انتظام علاقوں کے نصابی
ں اشاعت کے سرکاری اداروں کے نمائندے اس میں شرکت کرتے ہیں ۔ مذکورہ کانفرنس میں قومی یکجہتی
ابی کتابوں ، کے موضوع پر بھی تبادلۂ خیال ہوا ۔ اس کانفرنس میں کل ۱۷ سفارشات منظور ہوئیں لیکن تاریخ
کتابوں کے تعلق سے مندرجہ ذیل سفارشات بڑی اہمیت رکھتی ہیں :

The Conference recognised the role of text books in inculca
the ideals of national integration among the students. It was felt
textbooks may be continuously improved from the national integra
point of view .... It was agreed that elimination of the passages
the textbooks that are prejudicial to the stand point of national inte
ion was the first step. The conference felt that it is high time
that positive steps may be taken up to incorporate materials in th
xtbooks that promote national integration."

یعنی طلبہ میں قومی یکجہتی کے اصولوں کو ذہن نشین کرانے میں نصابی کتابیں جو کردار ادا کر رہی ہیں اسے یہ کانفرنس
ں ہے ۔ کانفرنس نے یہ بات بھی محسوس کی کہ قومی یکجہتی کے نقطۂ نظر سے نصابی کتابوں میں مسلسل اصلاح ہوتی
ہیئے ۔ اس سلسلہ میں پہلا قدم جس پر سب نے اتفاق کیا درسی کتابوں سے مخالف قومی یکجہتی مواد کا اخراج ہے ۔
ا محسوس کرتی ہے کہ اب کافی وقت گزر چکا ہے اس لئے نصابی کتابوں میں موافق قومی یکجہتی مواد شامل
کے لئے مثبت اقدامات کرنے میں تاخیر نہیں کرنی چاہیئے ۔

کیا ریاست کی ٹیکسٹ بکس ایجنسیوں نے اس سفارش کی تعمیل کی ؟ اگرچہ اس کانفرنس میں اس بات
ں کا اظہار کیا گیا کہ اکثر ریاستوں نے قومی یکجہتی کے نقطۂ نظر سے نصابی کتابوں کا جائزہ لے کر اصلاح کی ۔
طمینان ، خود فریبی کے سوا کچھ نہیں ۔ اکثر ریاستوں کی تاریخ کی درسی کتابوں میں آج بھی مخالف قومی یکجہتی

اسباق موجود ہیں جس مقام پر یہ ساتویں سالانہ کانفرنس ہوئی تھی وہاں کی تاریخ اور دیگر زبانوں کی درسی کتابوں میں گذشتہ ۱۰ سال میں کوئی اصلاح نہیں ہوئی۔ مہاراشٹر اسٹیٹ ٹکسٹ بکس بیورو نے یہ کہہ کر کانفرنس اور کونسل کو گمراہ کیا کہ:

The Bureau has already taken a positive step in this direction. The Bureau has adopted a continuous process of evaluating its textbooks. In the programme of this current year, all Geography textbooks from std. III to VII are being evaluated from national integration point of view using the guidelines provided by NCERT. (from Compliance Report)

یہ سچ ہے کہ جغرافیہ کی نصابی کتابوں میں اصلاح ہوئی ہے مگر تاریخ کی کتابیں جو تعصب اور فرقہ وارانہ منافرت کے زہر سے بھری ہوئی ہیں، نہ انھیں بدلا گیا اور نہ First step کے طور پر (جیسا کہ سفارش کی گئی تھی) مخالف قومی یکجہتی مواد کو خارج کیا گیا۔

اس کانفرنس میں تاریخ کی نصابی کتابوں سے متعلق مندرجہ ذیل سفارشات منظور کی گئی تھیں:

The Conference felt that history textbooks should give a balanced picture of historical developments of the whole country. Wherever regional histories are included, they may be presented in the context of the whole national history of the country.

"The Conference was of the opinion that historical facts are not to be concealed but judicious selection of facts has to be made according to mental maturity of the students. The facts selected have to be presented in a manner that children could appreciated historical developments in proper perspective."

ان سفارشات کی روشنی میں جب مہاراشٹر اور دیگر ریاستوں کی نصابی کتابوں کا جائزہ لیتے ہیں تو سخت مایوسی ہوتی ہے۔ ہر ریاست کی نصابی کتابوں میں عدم توازن ملتا ہے کہیں مسلمانوں کے کارناموں سے صرف نظر کیا گیا یا انھیں کمتر دکھایا گیا اور ہندو حکمرانوں کے کارناموں کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا گیا ہے کہیں

ہر علاقے کی غالب لسانی جماعت نے اپنی گزشتہ کامرانیوں کا ذکر مبالغہ آمیزی سے کیا جنھیں پڑھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہی چھوٹا سا علاقہ پورا ہندوستان ہے۔ اس طرح وطن پرستی کی بجائے علاقہ پرستی (Parochialism) کو ترجیح دی گئی۔ یہ تو عام شکایت ہے کہ ان کتابوں میں حقائق مسخ کئے گئے۔ تاریخی حقائق کے انتخاب انصاف سے کام نہیں لیا گیا اور مواد اس انداز سے پیش کیا گیا کہ فرقہ وارانہ رنجش اور تناؤ پیدا ہو۔

میرا پختہ خیال ہے کہ تاریخ کی نصابی کتابوں کی اصلاح کے لئے اب تک جتنی بھی سفارشات پیش کی گئی ہیں وہ سب کاغذ کی زینت بن کر رہ گئی ہیں۔ اور ریاستوں کا تو علم نہیں مگر ریاست مہاراشٹر میں (یہی حال دوسری ریاستوں میں بھی ہو) یہ بہانہ تراشا گیا کہ آئندہ جب نصابی کتابیں تبدیل ہوں گی تو ان سفارشات کو عمل میں لایا جائے گا اور ان کی روشنی میں تاریخ کی درسی کتابیں ترتیب دی جائیں گی۔ جیسا کہ بیورو کی کمپلائنس رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ:

" A programme of giving a balanced picture of historical development in the history textbooks has been worked out by the History Subject Committee of the Bureau. The same will be implemented while preparing new series of text books which will replace the exisiting series. While preparing the new series of textbooks all the recommendations of 7th National Conference will be taken into considera tion ".(Compliance Report page 10)

میرے خیال میں موجودہ صورتِ حال حوصلہ شکن اور مایوس کن ہے اور یہ اس وقت تک دور نہیں ہو سکتی جب تک نصابی کمیٹیوں اور سب کمیٹیوں میں ایسے افراد اور ماہرین نہ لئے جائیں جو دل سے ہندو مسلم اتحاد کے خواہاں ہوں، جو غیر متعصب، وسیع النظر، انصاف پسند اور سیکولر نقطۂ نظر رکھتے ہوں۔

ایسے وقت جب کہ ملک معاشی اور سیاسی انتشار کی حد سے دوچار ہے۔ مذہب، تہذیب، زبان، علاقے اور نسل کے نام پر علاحدگی پسندی کے رجحانات فروغ پا رہے ہیں۔ فرقہ وارانہ فسادات، دہشت گردی قتل و غارتگری میں دن بہ دن اضافہ ہو رہا ہے جس کی وجہ سے قومی اتحاد اور ملک کی سالمیت کو زبردست خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔ موجودہ حالات ان تمام ہندوستانیوں کے لئے ایک زبردست چیلنج ہے جو اپنے وطن سے دلی محبت رکھتے ہیں، اس کے اتحاد و یکجہتی کو چاہتے ہیں اور یہاں مختلف فرقوں کے درمیان اخوت اور بھائی چارگی کو دیکھنا پسند کرتے ہیں۔

قومی یکجہتی کے لئے پہلا اور نہایت ضروری اقدام یہ ہے کہ تاریخ کی موجودہ درسی کتابوں سے مخالف قومی یکجہتی

اسباق اور عبارتوں کو فوری طور پر خارج کر کے انھیں اس طرح ترتیب دیا جائے کہ ان کتابوں کو پڑھ کر طلبہ کے دلوں سے کدورت دور ہو، ایک دوسرے سے محبت و ہمدردی کے جذبات پیدا ہوں، ہندوستان کے مشترکہ ثقافتی ورثے کا احساس پیدا ہو۔ اور ان میں رواداری، انصاف، صداقت اور اخوت کے جذبات پیدا ہوں۔ ان کتابوں کے پڑھنے سے طلبہ میں مختلف تہذیبوں کو سمجھنے اور ان کی قدر کرنے کی قابلیت پیدا ہو۔ دور وسطیٰ کی تاریخ کو اس طرح مرتب کیا جائے کہ وہ اپنی انفرادیت کی شان برقرار رکھتے ہوئے بھی وسیع تر قومی تہذیب کا ایک جزو لاینفک معلوم ہو۔

آخر میں سابق صدر جمہوریہ ڈاکٹر ذاکر حسین کی تقریر کا ایک اقتباس پیش کرنا چاہتا ہوں۔ یہ تقریر انھوں نے دار المصنفین اعظم گڑھ کے جشن طلائی کے موقع پر کی تھی۔ انھوں نے مورخین سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا:

" میرا یہ پختہ خیال ہے جسے تاریخی نظریہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا لیکن ذہنی عقیدہ کہہ سکتا ہوں کہ صرف ہندوستان میں ہندو مسلم تہذیبوں ہی میں نہیں بلکہ دنیا میں کہیں بھی دو تہذیبوں میں ٹکراؤ نہیں ہوا۔ تہذیبیں ٹکرایا نہیں کرتیں، وحشتیں ٹکرایا کرتی ہیں۔ انسان کا وجود اس دنیا میں اربوں سال سے ہے۔ اس میں تہذیب کے چند ہزار سال نکال لیجیے تو باقی سارا زمانہ وحشت کا زمانہ تھا۔ اس لیے آج بھی ان افراد اور قوموں میں جنھیں ہم مہذب کہتے ہیں، تہذیب کی ایک ہلکی سی پرت کے نیچے نہ جانے کتنی پرتیں وحشت کی دبی ہوئی ہیں جو موقع ملنے پر ابھر آتی ہیں۔ دو قوموں کی تہذیبیں جب تک اپنی وحشتوں کو دبائے ہوئے ہیں آپس میں لڑتی نہیں بلکہ گلے ملتی ہیں اور تہذیبی قدروں کا لین دین کرتی ہیں لیکن جب ان کی وحشتیں ان کی تہذیبوں پر غالب آجاتی ہیں تو ایک تہذیب دوسری تہذیب سے بھڑ جاتی ہے اور دونوں ایک دوسرے کو نوچنے، کاٹنے اور بھنبھوڑنے لگتی ہیں۔ آپ سے میری یہ التجا ہے کہ وحشتوں کی روداد دوسروں کے لئے چھوڑ دیجیے۔ آپ تہذیبوں کی کہانی لکھیے اور نئے ہندستان کو ماضی کی روشنی میں حال کا یہ اہم ترین مسئلہ حل کرنے میں مدد دیجیے کہ کس طرح مختلف تہذیبوں کے الگ الگ رنگ و آہنگ کو ضروری حد تک قائم رکھتے ہوئے ان میں وہ ہم رنگی اور ہم آہنگی پیدا کرے جو ایک متحد اور مضبوط قوم بنانے کے لئے درکار ہے ؎ "

●●

ملا یہ مقالہ جنوبی ایشیائی علاقائی سمینار مورخہ ۲-۳ مارچ ۱۹۸۸ء منعقدہ خدا بخش لائبریری پٹنہ میں پڑھا گیا۔

ڈاکٹر نورجہاں صدیقی
جامعہ ملیہ اسلامیہ
نئی دہلی

تاریخ کے پنّوں سے

کوٹھاری کمیشن میں کہا گیا ہے: "ہندستان کا مستقبل اس کے اسکول کے کارخانوں میں ڈھل رہا ہے ان مراکز سے برآمد شدہ شخصیتوں پر ہی ملک کی فلاح و بہبودی کا انحصار ہے۔"

۱۹۶۶ء کی اس پیشین گوئی پر نظر رکھتے ہوئے آج ہم جب ۱۹۹۲ء کے ہندستان پر ایک نظر ڈالتے ہیں تو اس قول کی صداقت کا ہمیں پورا پورا اعتراف ہو جاتا ہے۔ ایک نئی نسل، جو آزادی کے بعد اسکول کے کارخانوں میں کچے مال کی شکل میں داخل ہوئی تھی، آج اُبھر شدہ پکّے مال کی شکل میں ملک کے تمدن و ثقافت پر آشکار ہو رہی ہے۔ یہی نہیں اس نو اُبھر شدہ شخصیات کے زیر سایہ ایک اور نیا ہندستان ننھے ننھے معصوم بچوں کی صورت میں ان کارخانوں میں زیر تجربہ ہے اور آنے والے دنوں میں کون کہہ سکتا ہے کہ ہندستان کا مستقبل کیا کروٹ لے گا۔

تعلیم اگر انسان کی انفرادی صلاحیتوں کو اُجاگر کرنے میں معاون ہے تو یہ انسان کی اجتماعی حیثیت کو قبول کرتی ہوئی 'احترام آدمیت' کی جانب بھی راغب کرتی ہے اور انسان کی ذہنی، علمی، فکری کوشش و قوّت کو تعمیری راہوں پر گامزن ہونے میں نہایت حسّاس کردار ادا کرتی ہے۔ اسی لیے شاید کوٹھاری کمیشن میں تعلیم کے مراکز کو کارخانوں سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اسکول کے نصاب میں دیگر مضامین کے ساتھ سوشل اسٹڈیز کی تاریخ یا اتہاس کا کردار بہت اہم ہے۔ کیونکہ گزرے ہوئے کل کو آج کے آئینے میں ان ہی اوراق سے دیکھا جاتا ہے۔ گو کہ تاریخ ملک و قوم کی ماضی کی داستان ہے، مگر حال کی تعمیر و توثیق میں بھی اس کا کردار ہے (اگر ہے تو؟)، یہ کیا کہ مورخ اپنی نوک قلم سے اور زور بیان سے زیر تجربہ ذہنوں کو کوئی بھی تاثر دے سکتا ہے، بالکل بجا ہے۔ اسی اہمیت کی بابت اسحاق برمن کا خیال ہے:

"تاریخ کسی بھی قوم کی جدوجہد میں متحرک قوت پیدا کرتی ہے۔ اور مورخ شعوری، نیم شعوری یہاں تک کہ غیر شعوری طور پر نئی نسل کو تعمیری یا تخریبی راہ پر گامزن کرتا ہے۔"

لیکن بد قسمتی تو یہ ہے کہ انسان بحیثیت مورخ معروضی نقطۂ نظر و انداز بیان نہ رکھ کر اپنے نام و تمدن میں مقید ہو کر رہ جاتا ہے۔ جس وجہ سے نہ صرف 'دور گزراں' کی بے لوث عکاسی میں فرق پڑتا ہے بلکہ ان کاغذی تلواروں

سے 'دورِ رواں' کی نسل کا بھی قتل عام کیا جاتا ہے۔

ہندستان کے اکثر مورخین نے برٹش مورخین کی مرتب کی گئی تاریخ کو ہی ماخذ مانا ہے جنکی صحت کو کبھی صداقت کی کسوٹی پر نہیں پرکھا گیا یا جان بوجھ کر نظر انداز کیا گیا Debates with Histories میں ایسے ہی دو برٹش مورخین میکاولے اور سل کی بابت کہا گیا ہے کہ گو کہ ان لوگوں نے ہندستان کی تاریخ مرتب کرنے میں وقت وصلاحیت کو صرف کیا مگر ان کا اپنا مغربی تمدن ہر جگہ حاوی رہا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کہیں بھی تاریخ کی بے لوث عکاسی نہ کر سکے۔ دوسری یہ کہ یہ بات بھی روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ ہندستان پر اپنا دبدبہ اور اثر قائم رکھنے کے لیے 'پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو' پر عمل کیا گیا۔ اسی زمانہ میں لکھی گئی تاریخ کی کتابوں سے پھر بھی کیا یہ امید کی جا سکتی ہے کہ اس میں واقعات کو صحیح صحت کے ساتھ پیش کیا گیا ہوگا۔ پھر یہ کہاں کی دانشمندی ہوئی کہ مورخ ان کتابوں سے خود بھی قنوطیت کا شکار ہوتے ہیں اور زیر تعلیم ذہنوں کو بھی اس راہ پر ڈال دیتے ہیں۔

آئیے اس ضمن میں کچھ اتہاس کی کتابوں پر تجزیاتی نظر ڈالیں۔

(۱) راشد نعمانی نے ۱۹۶۶ء میں اپنے ایم ایڈ ڈیزرٹیشن میں یوپی میں لاگو تاریخ کی کتابوں کا جائزہ لیا کہ وہ کس حد تک جمہوریت کے تقاضوں کو پورا کرتی ہیں۔ کتابیں ہیں:

(1) हमारा इतिहास Part-I, (2) हमारा इतिहास Part-II (3) हमारा इतिहास Part III by Ram Charan Vidyarthy.

مذکورہ مورخ رام چرن ودیارتھی نے اپنی کتاب میں مندرجہ ذیل باتوں کو تاریخ کے طالب علموں تک پہنچایا۔

۱۔ (i) میڈی ول پیریڈ (Medieval Period) ہندستانیوں کی غلامی کا پیریڈ ہے۔ ص۔ ۱۸۲

(ii) مسلم حکمرانوں نے ہندوؤں کو زبردستی مسلمان بنایا۔ ص ۱۰، ۱۱۔ بلبن نے۔ ص ۱۸۔ فیروز شاہ تغلق۔ ص ۲۸۔ سلاطین۔ ص۔ ۱۰۷، ۱۱۲، ۱۱۵،

(iii) ہندوؤں کے مندروں کو مسمار کیا گیا۔ ص۔ ۴، ۵، ۳۳، ۳۵، ۴۰، ۱۰۱، ۱۰۷، ۱۰۸۔

(iv) شیعہ فرقہ پر ظلم و ستم کیا گیا۔ کچھ مسلم حکمرانوں کے ذریعہ (گو موصوف کی نظر میں شیعہ مسلمان ہی نہیں) ص۔ ۱۸، ۳۳، ۱۰۱، ۲۸۔

भारत का इतिहास बलबीर बहादुर चौधरी (2)

Pub. [illegible] बुक डिपो, 2003 नई सड़क, दिल्ली 6

کتاب کے سرورق پر تحریر ہے:

Approved by the Central Board of Secondary Education New Delhi for Class XI under the 10+2 pattern vide circular No. F-2-(4)ACAD II/CC/HIST/79/25297. dated 18-7-1979.

ظاہر ہے اب یہ بتلانے کی ضرورت نہیں کہ یہ کتاب سرکار سے تسلیم شدہ ہے اور دہلی کے اسکول میں گیارہویں جماعت کے طالب علموں کو اپنی معلومات پہنچا رہی ہے۔ بطور بہادر چودھری صاحب کا انداز بیان ملاحظہ ہو:

ص ۲۸۰۔ محمود غزنوی۔

महमूद ग़ज़नवी.... कहा जाता है कि उसने प्रारम्भ से ही निश्चय कर लिया था कि इस्लाम का प्रचार व मूर्ती पूजकों का विनाश उसके जीवन का लक्ष्य होगा।... समृद्ध नगरों को लूटने व हिन्दुओं को कत्ल करने व मूर्तियों के भंग करने में एक ओर उसे अपार सम्पत्ति मिली तो दूसरी ओर वह स्वयं को बुत-शिकन कहलाने का गौरव प्राप्त कर सका।...

ص ۲۸۱ میں شیعوں کی بابت اظہار فرماتے ہیں: 'सभी मुसलमान शियाओं से घृणा करते हैं।'

(گویا ان کی نظر میں بھی شیعہ مسلمانوں سے الگ ہیں)

ص ۳۰۱ پیرا ۲

यद्यपि मुसलमान लेखकों ने ऐबक की उदारता व सहिष्णुता के लिए प्रशंसा की है। उसके चरित्र अध्ययन (کہاں سے؟) से प्रतीत (?) होता है कि वह हिन्दुओं के प्रति उदारता व सहिष्णुता की नीति का अनुसरण न कर सका। युद्धकाल में उसने हिन्दुओं का वध करवाया तथा मन्दिरों व मूर्तियों को तुड़वाया।

اسی طرح التمش: ص ۳۰۵، غیاث الدین بلبن: ص ۳۱۲، ۳۱۸۔ علاؤالدین: ص ۳۳۴۔ فیروز شاہ تغلق: ص ۳۴۳، ۳۴۴۔ بابر: ص ۴۱۶۔ شیر شاہ سوری: ص ۴۳۰۔ جہانگیر: ص ۴۷۶۔ شاہ جہاں: ص ۵۰۲ اورنگ زیب: ص ۳۰۔ ۵۲۹

مذکورہ بالا صفحات میں ان حکمرانوں کو کٹر مسلمان بتایا گیا۔ جنکا اوّلین فرض ہندوؤں کو مسلمان بنانا،

مورتیاں تڑوانا، مندروں کو مسجدوں میں بدلنا وغیرہ وغیرہ شامل تھا۔

(۳) "हमारी दिल्ली" तीसरी कक्षा के लिए NCERT-1987 वी॰पी॰सूरी
مذکورہ کتاب میں جہاں تیوہاروں کا تعارف کرایا گیا ہے، وہیں 'عید' کا تعارف بھی ان الفاظ میں کرایا گیا ہے: صفحہ ۶۴ پیرا-۳

दिल्ली में ईद का त्यौहार भी बड़ी धूम धाम और खुशी से मनाया जाता है। यह त्योहार मुहम्मद साहब के जन्मदिन के रूप में मनाया जाता है। (?)
ईद से पूर्व रमज़ान के महीने में मुस्लिम लोग रोज़े रखते हैं। (?)
سوچنے کی بات ہے کہ ایک طالب علم 'عید' کی پہچان کیا ان ہی الفاظ کی روشنی میں کرے؟ کیا یہ ٹھیک ہے؟

(۴) भारतीय मुसलमानों का राजनीतिक इतिहास

—— राम गोपाल मीनाक्षी प्रकाशन, मेरठ - 1970

مذکورہ کتاب میں آج کے مسلمانوں کا تعارف ان الفاظ سے کرایا گیا ہے: صفحہ-۱

"मुस्लिम शासन काल में ऊँची जातियों के बहुत से हिन्दू ऊँचे-2 पद और बड़ी-2 जागीरें प्राप्त करने के लोभ में मुसलमान बन गये... अधिकाँश छोटी जातियों के हिन्दू थे जिन्हें मुसलमान धर्म प्रचारकों ने समझा बुझा कर मुसलमान बना लिया।"

صفحہ-۱۴
"सभी मुस्लिम हुकूमतों में मुल्लाओं का दबदबा रहा।"

صفحہ-۲۷-۳۱
"इन पचास वर्षों में इतिहास का कुछ ऐसा ही क्रम चलता रहा कि मुसलमान हिन्दुओं से और हिन्दू मुसलमानों से इर्ष्या करने लगे।"

مذکورہ بالا اقتباسات سے صاف ظاہر ہے کہ یہ کارنامے کسی دودھ پیتے بچے کی شرارت نہیں بلکہ کوشش ہے کہ ہندو اور مسلم شہریوں کو ہندستان کی تعمیر و ترقی میں کبھی ایک پلیٹ فارم پر اکٹھے نہیں آنے دیا جائے۔ ایک فرقے کے ہاتھوں دوسرے کا استحصال ہمیشہ ہوتا رہے۔ تاریخ کے نام پر اتہاس کے نام پر آج کا ایک پڑوسی، اپنے دوسرے پڑوسی کے لیے کوئی صحت مند پہچان نہ لیکر صرف یہی سے کہ اس پر ظلم کیا گیا یا اس نے ظلم کیا۔
تاریخ کی کتابوں کا یہ میٹھا زہر پچھلے پینتالیس سالوں سے کارفرما ہے۔ اس لیے سوال یہ بھی باقی رہ جاتا ہے:

۱- کیا اس زہر کی روک تھام کے لیے فوری اور مؤثر کارروائی کی ضرورت ہے ؟
۲- کیا متاثر بیمار ذہنوں (زہر آلودہ) کو کسی صورت صحت مند افکار بھی دئے جا سکتے ہیں؟
نی، امن کے فروغ کے لیے)
۳- اساتذہ، طلبار، دانشور، مورخین، مصنفین اس سلسلے میں کیا اپنی خدمات انجام دے سکتے ہیں؟
ے سکیں!)
۴- کیا ملک کی بقا کے لیے ہندستان کے سارے شہری تاریخ کی ساری غلطیوں کو بھلا کر صرف ایک
ے حامی بن کر ایک پلیٹ فارم پر آ کر کہہ سکتے ہیں (اگر کہہ سکے تو!)

"ہم انسان ہیں ۔ ہم سب انسان ہیں
ہم ہندستانی ہیں ۔ ہم سب ہندستانی ہیں"

ڈاکٹر مہرافشاں فاروقی
الٰہ آباد

تاریخ کی غلط بیانیاں

کچھ مشہور درسی کتابوں کا مطالعہ

سیموئیل بٹلر نے ایک بار کہا تھا: "خدا ماضی کو بدل نہیں سکتا، مورخ بدل سکتے ہیں"۔ بہرحال کچھ غلط بیانیاں ایسی ہیں جو اس فن کے لئے پیشہ ورانہ خطرہ ہیں۔ وہ چپکے سے داخل ہو جاتی ہیں باوجود اس کے کہ مورخ کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ اپنے حالات کے محدود ادراک سے اوپر اٹھے اور واقعات کے سلسلے میں ایک گہری بصیرت مہیا کرے۔ مثال کے طور پر مورخ خواہ کتنا ہی ہوشمند ہو، اس پر عصبیت کا غلبہ ہو ہی جائے گا کیوں کہ اس کی جڑیں حال میں پیوست ہیں جو اس کے ماضی کے ادراک کو زنگ لگا دیں گی۔ اس کے طبقاتی مفاد کے علاوہ اس کی تہذیبی خصوصیتیں، اس کا عقیدہ ایک مستقبل کے بجائے دوسرے مستقبل میں اسکے فیصلوں حتیٰ کہ مقاصد اور حقائق کے انتخاب پر بھی اثرانداز ہوگا۔

ہندستان میں انسانی حالات نے ہندستانی مورخ کی ذمہ داریوں کو بے حد اہم لیکن نازک بنا دیا ہے کیا ہندستانی مورخ اس بات کی اجازت دے گا کہ اس کے فن کو نسلی، فرقہ وارانہ، طبقاتی اور ذات پات کی جنگوں میں ہتھیار کی طرح استعمال کیا جائے۔ کیا وہ حالات کا خاموش تماشائی بنا رہے گا، یا وہ سماجی انصاف کی کوشش کریگا۔

ہم جانتے ہیں کہ مستشرقین نے یہ خیال پھیلایا کہ ہندو عہد سنہری عہد تھا کہ جس کے بعد مسلمان کا تاریک عہد شروع ہوا۔ کچھ تو مستشرقین کا یہ وطیرہ کہ انہوں نے راجپوتوں، مرہٹوں اور سکھوں کی جانبازی کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا جس کے سبب ہماری سیاست میں نسلی، احیاپرستانہ اور علاقائی لب ولہجہ در آیا۔ الٰہ آباد اور علیگڑھ کے مورخ اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ انہوں نے مستشرقین کا زاویہ بدل دیا۔ تاہم کتنے ہندستانی یہ جانتے ہیں کہ مندر شکنی کبھی بھی مسلمانوں کی تفریح نہیں رہی تھی اور جزیہ اتنا معمولی ٹیکس تھا کہ دباؤ ڈال کر مذہب کی چیزیں تبدیل نہیں کی جاتی تھی۔

تاریخ کی کوئی خاص سماجی، اقتصادی یا سیاسی پابندی نہیں ہے۔ مورخ کا منصب یہ ہے کہ وہ ماضی کو سمجھے اور جہاں تک اسے قدرت حاصل ہو سچائی کو روشنی میں لائے۔ لیکن ہم صرف ایک دوسرے کے لئے نہ لکھیں ہمیں عوام تک پہنچنا چاہئے۔ ہمیں ان نوجوانوں کو تعلیم دینا چاہئے جو حساس ہیں اور بہت جلد تاثر تبدیل کر لیتے ہیں۔

ہائی اسکول اتہاس | یوپی سرکار کی نصابی داخل درسی کتاب برائے تاریخ جو درجہ دہم میں پڑھائی جاتی ہے۔ دو جلدوں

میں ہے۔ یہ کتاب پہلی بار ۸۶-۸۷ء میں شائع ہوئی تھی۔ یہ کتاب مختلف مصنفین کے مضامین کو یکجا کر کے شائع کی گئی ہے۔
کتاب سندھ وادی کی تہذیب سے پانی پت کی پہلی جنگ ۱۵۲۶ء کے عرصے کا احاطہ کرتی ہے۔ یہ مقابلتاً متوازن اور صحیح مثلاً ہیں دلی سلطنت کے قیام کے باب اور بعد ازیں ترک عہد کے باب کو نسبتاً غیر متعصبانہ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر وہ ابواب جو اسلام کے عروج، سندھ پر غزنوی کے حملے اور ترکیوں کے حملے سے متعلق ہیں، غیر متعصبانہ ہیں اور وہ غیر ہمدردانہ اور متعصبانہ نہیں ہیں، جیسا کہ ہم چند مشہور درسی کتابوں میں دیکھتے ہیں۔

مثلاً یہ کہ عربوں اور ترکوں کو عرب اور ترک حملہ آور کہا گیا ہے۔ نہ کہ پردے پردے میں انہیں مسلم حملہ آور کہا گیا ہے۔ (جو مذہبی جوش وخروش سے سرشار ہو اور جو ہندستانیوں کے خون کا پیاسا ہو) ہماری بیشتر درسی کتابوں میں یہی زبان ملتی ہے۔ پھر یہ کہ محمود غزنی کے حملے کا سبب یہ بتایا گیا ہے کہ وہ لٹیرا تھا اور اس کی خواہش تھی کہ وہ ایک عظیم فاتح کہلائے۔ وہ ہرگز کسی مذہبی جنون کے زیر اثر نہیں آیا تھا۔

غرضکہ اگر ایک سرسری نظر بھی ہم اس جلد پر ڈالیں تو ہمیں ان دونوں حصوں کا (کہ جن میں کتاب منقسم ہے) فرق صاف معلوم ہو جائے گا۔ پہلا ترکوں کے حملے سے پہلے کی ہندستانی تاریخ کا بیان ہے اور دوسرا حصہ دلی سلطنت سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ فرق دراصل مسخ شدگی یا واقعات کی غلط بیانی سے نہیں ہوا ہے، (حالانکہ اس میں کچھ تو غلط بیانیاں ملتی ہیں) بلکہ دراصل موضوع تک رسائی کے درمیان ہوا ہے۔ یہ بات یوں پیدا ہوتی ہے کہ کچھ حقیقتوں کا اور واقعات کا انتخاب کر کے ان پر زیادہ روشنی ڈالی گئی ہے اور کچھ پر بے حد کم۔

سلطنت عہد کے نظم ونسق کو بیان کرتے ہوئے ایک چھوٹی سرخی ملتی ہے "سلطنت کال کی دھارمک نیتی" یا یوں کہیے کہ "سلطنت عہد کی مذہبی پالیسی" یہاں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ سلطنت عہد مذہبی اور کلیتاً اسلامی مزاج رکھتا تھا۔ اس کے بعد یہ کوشش کی گئی ہے کہ یہ دکھایا جائے کہ کس طرح ہر سلطان اپنے مذہب کی فضیلت کا دعوی کرتا تھا اور اپنی اس رعایا کے حلق سے اسلام کو اتارنا چاہتا تھا جو اسے پسند نہیں کرتی تھی۔

"دلی سلطانوں کے پورے عہد میں اسلام دھرم پر سلطنت کی بنیاد قائم رہی۔ سبھی سلطانوں نے علماء کے طبقے کو اہمیت دی............ بعد میں اسلام دھرم کے قاضیوں کے فتوے پر پوجا ختم کرانے کے لئے ترک فاتحین نے مندروں کو توڑ کر مسجدیں بنائیں...... ایک نے اجمیر اور دلی میں ایسی ہی دو مسجدوں کی تعمیر کرا کر اپنی دھارمک خواہش کو پورا کیا .... علاء الدین خلجی نے بھی ہندو پرجا کو سلطنت کا غلام مانتے ہوئے ان پر ٹیکسوں کا اتنا بوجھ لاد دیا کہ ان کی کمر ٹوٹ گئی....... ص۲۵۱ تا ص۲۵۳۔

یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ اسلام کی عملی سیاست کو قرآن کے نظریات سے الگ کر دیا گیا تھا جب
سیاست کو فروغ ہوا تو اس نے بہت سے غیر اسلامی شعار کو اقتدار اور بادشاہت کے مزاج کے علاوہ اپنا لیا۔
طور پر سلطنت کی بنیاد خالصتاً طاقت پر تھی، نظم و نسق چلانے کے لئے ظلم و استبداد کا استعمال ضروری تھا
خزانہ بادشاہ کی ذاتی ملکیت تھی، اسراف بیجا اور فضول خرچی عام دستور تھا۔ دراصل سلطنت کے انتظام اس
قوانین سے بالاتر تھے۔ چند ایک انوکھی خصوصیتوں سے یہ نتیجہ نہیں نکال سکتے کہ شرعی احکامات سے مطابقت بر
تھی، اور سچ تو یہ ہے کہ علماء کے ہاتھ میں ایسی کوئی طاقت نہیں تھی جس سے وہ سلطان کو اس بات کے لئے مجبور کر
وہ سیاسی مطمح نظر میں تبدیلی کرے۔

آگے اس قسم کے بیانات ملتے ہیں۔ "شاسک کی دوارا سنکوچت بھاوناؤں کا پردرشن تھا شوست کا د
ساجک اور آرتھک استرپر ہن کیا گیا (ص۲۷، ص۲۷) اول تو یہ قاری کی نفسیات پر برا اثر ڈالتے ہیں اور
کہ حقائق کو مسخ کرکے پیش کرنے کی مثال بھی ہے۔ کب تک ہم اس قسم کی شہنائی بجاتے رہیں گے کہ ہندستان
سیاست ایک مذہبی سیاست تھی اور حکمرانوں کا خاص مقصد یہ تھا کہ وہ دارالحرب کو دارالاسلام میں تبدیل کریں۔

دوسری جلد میں غیر ضروری زور اور توجہ صرف کی گئی ہے مغل شہنشاہوں کی "مذہبی پالیسی" پر جس
ابتدا بابر سے ہوتی ہے اور اسے عروج ملتا ہے اورنگ زیب کے عہد میں۔ مصنفین کو اب تک مذہبی پالیسیوں کے
سیری نہیں ہوئی تھی اور ایک بار پھر سماجی اور تہذیبی حالات کے باب میں ہم دیکھتے ہیں کہ از سر نو مذہبی پالیسیوں پر
کی گئی ہے۔ (ص۱۷۱ - ص۱۸۱) ہمیں حیرت ہوتی ہے کہ کیا فی الواقع ہمایوں، شیر شاہ وغیرہ کی کوئی خاص مذہبی پالیسی
یقینی طور پر جو اطلاع بہم پہنچائی گئی ہے وہ اس سمت میں ہماری مدد نہیں کرتی ہے۔ بہر حال کامیابی سے فرقہ وار
تقسیم اور تشخص کو تیز کر دیتی ہے۔ اس طرح کے بیانات — "بابر نے اپنے سنسمرن میں ہندوؤں کو کافر کہا ہے اور ا
ورودھ لڑی گئی یدھ کو جہاد،..........

(الف) ہمایوں کی دھارمک نیتی اپنے پتا کی دھارمک نیتی سے بھن نہیں تھی۔

(ب) شاہزادہ کٹر سنی مسلمان تھا۔ اس نے ہندو مسلم ایکتا کو اگرسر کرنے والے انیک ریتی رواجوں کو پرتیاگ ک
دیا — حقیقت کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے کی مثالیں ہیں اور بے محل ہیں۔ بار بار اکبر کی مدح خوانیاں کی گئی ہیں کہ وہ
روادار تھا، رعایا پرور حکمراں تھا اور اس نے اپنی مذہبی پالیسی میں آزاد روی کو راہ دی۔ باقی سارے مغل بادشاہ
کو بالخصوص اورنگ زیب کو تنگ نظر مذہب پرست کہا گیا ہے جو اپنی ہندو رعایا پر مظالم ڈھاتا تھا، ہندوؤں کے مندر

مسمار کرتا تھا اور اسلام کو ان محکوموں کے حلق سے اتارنے کی کوشش کرتا تھا جنہیں اسلام پسند نہیں تھا اس کے بعد دانستہ
ہندو رلجاؤں کو اور بالخصوص شیواجی کو اس طور پر پیش کیا جاتا ہے کہ دوسرے مذاہب کے ساتھ حد درجہ رواداری
برتتا تھا خاص طور پر اسلام کے ساتھ ۔ اس بات کا خاص خیال رکھا جاتا ہے کہ شیواجی کے متعلق یہ تحریر کیا جائے کہ اس
کی فوج میں مسلم جرنل تھے اور وہ قرآن کا احترام کرتا تھا۔

"شیواجی نے اپنے ادھین رہنے والے مسلمانوں کو پورن دھارمک سوتنترتا دی"۔

ایک نوجوان مشتبہ ذہن پر ایسے متعصبانہ رویے کا کیا اثر پڑے گا۔ اسکے متعلق کچھ زیادہ نہیں کہا جا سکتا۔

مغل مراٹھا جنگ کے ذکر میں شیواجی کا نام بڑے احترام سے لیا جاتا ہے 'تھے'۔ 'ان کا'۔ اور اورنگ زیب
کو چھپی ہوئی گرنلیاں دشمنی کے انداز میں ۔' اسی کا'۔ تھا۔ (ص۱۷۵)

مغل عہد میں عورتوں کی حالت افسوسناک بتائی گئی ہے۔ اور اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ چونکہ ان کے
سر پر مسلم حکومت تھی، یہ الزام عائد کیا گیا ہے کہ اسلام میں عورتوں کا درجہ مردوں کے مقابلے میں بے حد کم ہے۔
ان کا سماج میں کوئی مقام نہیں تھا۔

"مسلمان شاسکوں اوم سرداروں کے دو راچار کے کارن بال ویواہ ادم پردہ پرتھا کا پرچلن سمپورن
سماج میں ہو گیا تھا ..... مغل کال میں استریوں کی شکچھا کا کوئی پربندھ نہیں تھا ..... پرنتو استریوں کا سماج میں کوئی ویشش
استھان نہیں تھا وے پرجیوی اور پرمے وستو ہی سمجھی جاتی تھیں۔ پریوار میں کنیا کا جنم اپ شگون سمجھا جاتا تھا۔"

اس قسم کی اطلاع نہ صرف یہ کہ غلط اور مسخ شدہ بلکہ یقینی طور پر مزاجاً اشتعال انگیز ہے۔ ایسے بیانوں کی
ہم توقع نہیں رکھتے ہیں ان درسی کتابوں میں جو ریاستی حکومت کی منظور شدہ اور سفارش شدہ ہیں ۔

حالیہ زمانے میں رہنما نوٹس کی کتابوں کا بازار میں سیلاب سا آگیا ہے۔ یہ گائیڈ بکس طلباء میں بے حد مقبول
ہیں ۔ میرٹھ کے ناشرین ایسی کتابوں کی اشاعت میں سب سے آگے ہیں۔ یہ کتابیں سوال جواب کے انداز میں لکھی گئی ہیں۔
سوال جواب کا انداز تاریخ وار واقعات کا پابند ہے۔ کچھ خاص فارمولے سوالوں کے جواب میں استعمال کئے گئے ہیں۔
ایسی کتابوں کے مصنف غالباً یہ سمجھتے ہیں کہ کسی ایک موضوع کے سلسلے میں جو سوالات اٹھائے جاتے ہیں ان کا ایک ہی
جواب ہوتا ہے ۔ مثلاً۔

"سندھو سبھتا کے نواسیوں کی سماجک و دیوسھا تتھا آرتھک پرگتی کا ورنن کیجئے"۔

"سندھو گھاٹی کے لوگوں کے سماجک اور دھارمک جیون کے ویشے میں آپ کیا جانتے ہیں ؟"

"سندھو گھاٹی کے لوگ شیو اور ماتر شکتیوں کے اپاسک تھے۔ کیا آپ اس مت کو سمجھتے ہیں؟"

ان سوالوں کا جواب ایک عام سا بیان (اگر آپ اسے بیان کہہ سکیں تو) ہوتا ہے سندھ وادی تہذیب کے عوامی سماجی، اقتصادی اور مذہبی زندگی کا حیرت ہوتی ہے کہ ایسے طلبا، جو ان گائیڈ بکس کے سہارے چلتے ہیں کس قسم کی تاریخ کا علم حاصل کرتے ہیں۔

بہرحال تعجب اس پر ہوتا ہے کہ یہ گائیڈ بکس، جو تاریخی اطلاعات بہم پہنچاتی ہیں وہ اس حد تک تنگ دلانہ متعصبانہ اور غلط نہیں ہیں جس حد تک ان سے توقع کی جاتی ہے۔ متن کا لہجہ تعمیمی، مبہم اور بے ضابطہ ہے۔ شاید جواب کی شکل اس بات کی ضرورت کا احساس دلاتی ہے کہ رسائی کس قدر متوازن ہونی چاہئے تھی۔

دوسرے فرقوں کے سلسلے میں ایک مقررشدہ اہانت آمیز عبارتیں ملتی ہیں۔ بیانات اس قسم کے ہیں۔
بدھ مت کے زوال کے اسباب میں ایک بڑا سبب مسلمانوں کا حملہ ہے۔
"مسلمانوں نے بھارت میں اپنے دھرم پرچار ہیتو بودھ مٹھوں ایوم دہاروں کو توڑ ڈالا۔ بھکشوں ایوم بھکشنو کو موت کے گھاٹ اتار ڈالا۔۔۔۔۔۔۔۔" ص ۴۵

ص ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۶۶، ۱۸۳، ۱۹۶، ۲۰۰، ۲۹۵، ۲۷۹، ۲۹۱ اور ۲۹۲ میں کچھ تراشے ہوئی تعبیریں ہیں، اور مسخ شدہ تاریخ ملتی ہے اور ضرورت اس کی ہے کہ اس پر نظر ثانی کی جائے۔

"A NEW TEXT BOOK OF INDIAN HISTOIY"

ڈل ان کندرا اور اس ڈل کندرا کی تالیف عام طور پر نصاب میں داخل ہے اور دسویں اور بارہویں درجے کے انگلش میڈیم اسکولوں کے طلبا کے مطالعے میں رہی ہے۔ یہ کتاب خاص طور پر اس کی جلد چہارم مسخ شدہ مواد اور غلط بیانیوں سے بھری پڑی ہے۔ یہ دانستہ طور پر دہلی سلطنت کی ایک غیر ہمدردانہ تصویر پیش کرتی ہے۔
"مسلم" حملوں سے ابتدا کرکے یہ الزام عائد کیا جاتا ہے کہ مسلمانوں نے بدھوں کو بڑی تعداد میں مروا دیا جنہوں نے اپنی موروثی کمزوریوں کے سبب ان کی کوئی مخالفت نہیں کی۔ اس بیان سے مسلمانوں کے ہاتھوں بے یار و مددگار بدھوں کے قتل کی تصویر ابھرتی ہے۔ مسلم حملے کو بدھ مت کے زوال کی اہم ترین وجہ بتائی گئی۔
اس موضوع کی بے رحمانہ پیشکش کے ساتھ ایسی بکواس نہیں جیسی کہ رسول اکرمؐ کی تعلیمات اور اسلام کے عروج و فروغ کے موقع پر ہوئی ہے کتاب میں اسلام کی جو خاص تعلیمات پیش کی گئی ہیں وہ درج ذیل ہیں
(۱) بت پرستی ایک لعنت ہے اور ہر شخص کو اس سے دامن بچانا چاہئے (۲) محمدؐ نے اپنے پیروکاروں

بات کی اجازت دی کہ وہ غلام رکھیں، لیکن ساتھ ہی ان سے یہ بھی کہا کہ وہ ان سے حسن سلوک برتیں (۳) وہ اس بات
ق میں نہیں تھے کہ عورتوں کو سماج میں ایک بڑا درجہ دیا جائے، انہیں حرم میں رہنا چاہئے اور آزادانہ گھومنا پھرنا نہیں چاہئے۔
) وہ شراب خوری کے مخالف تھے اور انہوں نے لحم خنزیر کے استعمال کو سختی سے منع کیا۔ (صفحہ ۲۷۵ صفحہ ۲۷۶)
یقینی طور پر یہ اسلامی عقائد کے نمایاں اصول نہیں ہیں اگر ہم ان تعلیمات کا بودھ کی تعلیمات سے مقابلہ
ں جو اس کتاب میں شامل کی گئی ہیں تو بیان کا تعصب صاف صاف نظر آجائے گا۔ ہمیں اس قسم کے بیانات ملتے ہیں
"محمود ایک آتش مزاج تنگ دل مسلمان تھا" (صفحہ ۲۷۹)
"ابتدا میں ہندوؤں کی بالادستی تھی اور انہوں نے تین چار ہزار مسلمانوں کو قتل کر دیا" صفحہ ۲۸۰
"ہندو بڑی دلیری سے لڑے لیکن بالآخر وہ شکست کھا گئے اور بڑی تعداد میں ان کو قتل کیا گیا" صفحہ ۲۸۱
پروفیسر ام۔ حبیب، ڈاکٹر ناظم اور جے ایم جعفر کی آواز کو کہ "محمود نے ہندوستانیوں کو لوٹ کر اور ان کی عبادت
وں کو توڑ کر اسلام کی کوئی خدمت نہیں کی کیونکہ اسلام نہ تو تہذیب کی غارت گری کو پسند کرتا ہے اور نہ حملہ آور کے
ٹ مار کے شعار کی بہت افزائی کرتا ہے، یہ کہہ کر رد کر دیا جاتا ہے کہ یہ جدید مسلم، مورخوں کی آراء ہیں۔ یہ مصنفین
بات پر یقین رکھتے ہیں کہ اپنے ہم عصروں کی نظر میں محمود بہت بڑا غازی تھا نیز اپنے عہد کا عظیم ترین مسلم بادشاہ
ا۔ لیکن وہ یہ کہنا بھول جاتے ہیں کہ اس دور میں اس قسم کی لوٹ مار اور غارت گری عام بات تھی۔ اکثر عہد
لی کی اقتصادیات ہمسایہ ریاست کی لوٹ مار کی بنیاد پر قائم ہوتی تھی۔
پھر بار بار یہ ٹیپ کا بند آتا ہے۔ بہت ساری مندریں مسمار کر دی گئیں۔ اور ان کی جگہ مسجدوں کی تعمیر ہوئی۔
ں سلطنت کے زوال کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے مصنف یہ سمجھتا ہے کہ مذہبی تنگ نظری کی پالیسی جسے
ں سلطانوں نے اختیار کیا بے حد اہم تھی۔
دہلی سلطانوں نے ہندوؤں کے خلاف مذہبی تعصب کی پالیسی اختیار کی۔ ان میں سے کچھ ایسے تھے
ے فیروز تغلق اور سکندر لودھی جنہیں ان پر مظالم ڈھانے میں بڑا لطف آتا تھا .... مال ومتاع اور شمشیر
نوں بڑی آزادی کے ساتھ جبری مذہبی تبدیلی کے لئے استعمال کئے گئے۔ مختلف قسم کے تکلیف دہ ٹیکس ان پر
ے گئے جن میں خاص ٹیکس جزیہ تھا جسے ہر ہندو کو جبراً ادا کرنا تھا......... اقتصادی طور پر وہ لوگ بکھر کر بالکل
ستے ہو گئے۔ وہ قانون کی نظر میں بھی برابری کا درجہ نہیں رکھتے تھے......... (صفحہ ۲۹۵ صفحہ ۲۹۶)
اس عبارت کی غلط بیانیاں اور دانستہ طور پر تاریخ کی مسخ شدگیاں بہت عیاں ہیں۔ اس نوع کی تاریخ

کے جو اثرات طلبار کے ذہن پر مرتسم ہوں گے ان کے متعلق مزید اول کیا کہا جائے۔ کتاب اس قسم کی غلطیوں سے بھری پڑی ہے۔ ذیل کے پیراگرافوں پر نظر ثانی ڈالنی چاہئے۔

PP. 8 , 76 , 191 , 192 , 196 , 265 , 266 , 267 , 268 , 269 ,
271 , 272 , 273 , 279 , 280 , 281 , 288 , 299 , 307 , 309 , 318 , 346 ,
385 , 391 , 395 , 413 , 414 , 423 .

دوسری جلد میں بھی وہی طریقہ اپنایا گیا ہے اکبر کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کا اور اورنگ زیب کو ملعون کرنیکا۔
تاریخ کی غلط بیانیوں کو جو درسی کتابوں میں ملتی ہیں انہیں ہم چھ بڑے حصوں میں تقسیم کرسکتے ہیں۔

(الف) تاریخ کی وہ توڑ مروڑ جو غیر حقیقی واقعات یا غلط واقعات کی پیشکش سے پیدا ہوتی ہے

(ب) تاریخ کو مسخ کرنے کی یہ کوشش کہ کچھ واقعات پر زیادہ زور دیا جائے اور ان پر زیادہ روشنی ڈالی جائے اور کچھ واقعات کا ذکر بس سرسری طور پر کیا جائے۔

(ج) وہ تاریخی غلط بیانیاں جو جان بوجھ کر کچھ صحیح واقعات کے انتخاب اور ان کی پیشکش اور دوسرے واقعات کو دبانے سے پیدا ہوتی ہیں۔

(د) غلط بیانیاں جو ہمدردانہ / غیر ہمدردانہ 'موضوع کی پیشکش سے پیدا ہوتی ہیں۔

(ہ) غلط بیانیاں جو اپنے نقطۂ نظر کو سمجھانے کے لئے بے محل حوالوں کی پیشکش سے پیدا ہوتی ہیں۔

(و) غلط بیانیاں جو غیر ذمہ دارانہ تحریر 'غلط اصطلاحات کے استعمال اور تعمیمیت سے پیدا ہوتی ہیں۔

اگر معیاری درسی کتابیں شائع ہوتی ہیں تو یہ سمجھیں کہ ہم نے نصف جنگ جیت لی۔ باقی نصف جنگ ہم اس وقت جیتیں گے جب ہم معلموں کو امتحان کے پرچوں کے سوالوں کے رجحان کے سلسلے میں تعلیم دیں گے۔

●●

جناب سید فاروق حسین شاہ
اسسٹنٹ ٹیچر
ایم۔اے۔تاریخ۔ایل ٹی
ایم۔آئی سی۔الٰہ آباد

نئی تعلیمی پالیسی اور اخلاقی تعلیم

ایک ٹیچر کی ڈائری

• تعارف •

زیر نظر مضمون کو سید فاروق حسین شاہ ایم۔اے (تاریخ) ایل۔ٹی نے ڈائری کی شکل میں قلمبند کیا ہے جو نئی تعلیمی پالیسی کے سلسلہ میں گورنمنٹ کالج الٰہ آباد ٹیچرس کے اخلاقی تعلیمی سنٹر میں ٹریننگ حاصل کرنے کے لیے شریک ہوئے تھے۔ جس کا مقصد تھا کہ طلبا کو اخلاقیات کا درس کس طرح دیا جائے اور ان میں موجود برائیوں کا سدھار کیسے کیا جائے؟ ٹریننگ میں جو باتیں بتائی گئیں سید فاروق حسین شاہ صاحب نے ان لکچرس کو نوٹ کر کے پیش کیا ہے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ہمارے مسلم بچوں پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوں گے۔ نئی تعلیمی پالیسی کی اس ٹریننگ سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہندی ہندو ہندوستانی کا پرانا نعرہ اب شرمندۂ تعبیر ہونے جا رہا ہے۔ نئی تعلیمی پالیسی کے پس پردہ ہندوستان کی تمام اقلیتوں کو اکثریت کی مذہبی روایات رہن سہن اور ان کے رسم و رواج میں رنگ دیا جائے گا تاکہ اقلیتوں کی اپنی الگ کوئی پہچان باقی نہ رہے۔ بالخصوص مسلمانوں کا اسلامی تشخص باقی نہ رہے۔ یہ پالیسی دستور کی صریح خلاف ورزی اور قومی یکجہتی کے خلاف ہے۔ اس کا فوراً نوٹس لیا جانا ضروری ہے۔

جون ۱۹۸۶ء

سکریٹری
دینی تعلیمی کونسل اتر پردیش لکھنؤ

میں اپنے ادارہ سے انسپکٹر آف اسکول کے خط نمبر ۸۹۵-۶۸۲/۱۶ مورخہ ۱۹/۴/۸۶ کے مطابق گورنمنٹ ٹریننگ کالج شیوکٹی الٰہ آباد ٹیچرس کے اخلاقی تعلیمی سینٹر پر جونیر کلاس کے طلبہ کو اخلاقیات کا درس دینے کے لیے ٹریننگ حاصل کرنے کے لیے بھیجا گیا۔ یہ ٹریننگ کا پانچواں اور آخری دور تھا جو ۲۶/۴/۸۶ سے ۲/۵/۸۶ تک چلا۔

پہلے روز ۲۶ اپریل ۱۹۸۶ء

ماسٹر آر۔پی۔سنگھ آئے اور انھوں نے ہم لوگوں کا نام رجسٹر پر لکھا اور جائننگ رپورٹ لکھائی پھر بتایا کہ اس میں کئی ماتحت ٹیچرس نہیں آئے ہیں۔ ہمارے تحت صرف نگر پالیکا اور ڈسٹرکٹ بورڈ کے ہی لوگ آتے ہیں۔ لیکن انسپکٹر صاحب

کا حکم ہے اس لیے آپ لوگوں کو ٹریننگ دی جا رہی ہے۔ نئی تعلیمی پالیسی میں ہو سکتا ہے کہ جونیر کلاس کی پڑھائی کا انتظا
نگر پالیکا اور ڈسٹرکٹ بورڈ کے سپرد کر دیا جائے۔ اخلاقی تعلیم کی ٹریننگ کے سلسلے میں ایک نردیش پستیکا GUIDE
BOOK) بھی بنائی گئی ہے۔ جو آپ لوگوں کو ہدایت کے لیے دی جائے گی۔ پھر انھوں نے موجودہ تعلیمی شعبہ میں پھیلی برائیو
مثلاً رشوت خوری، حرام خوری، نقل کا عام ہونا، طلبہ کا بدکردار ہونا وغیرہ وغیرہ کا ذکر کرتے ہوئے اخلاقی تعلیم ضروری بتایا اور
کہا کہ یہ اخلاقی تعلیم نئی تعلیمی پالیسی کے ساتھ بہت جلد آ رہی ہے۔ ہندستانی تہذیب اور ہندستانی وراثت و ہندستانی آب وہوا
کو مدنظر رکھ کر تحقیق ہو رہی ہے اور اخلاقی تعلیم کی کتابیں تیار کی جا رہی ہیں کیونکہ پہلے ہم ہندستانی میں پھر کچھ اور۔ اس تعلیم پر
سرکار بہت روپیہ خرچ کر رہی ہے اور نئی تبدیلی ہو رہی ہے، چونکہ اس وقت تعلیم کا پرسار ہو رہا ہے۔ اس اخلاقی تعلیم
اور نئی تعلیمی پالیسی کے لاگو ہوتے ہی ایک آندھی آئے گی۔ لیکن اس سے ہار نہیں ماننا چاہیے۔ یہ سب وقتی ہوگا بعد میں قابو
پالیا جائے گا۔ ہم یقیناً کامیاب ہوں گے جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہم تیزی سے اپنے مقصد کی جانب بڑھ رہے ہیں۔

ماسٹر آر۔ پی۔ سنگھ صاحب نے بتایا کہ ماہ دسمبر ۱۹۸۵ء میں ہردوار رشی کیش شانتی کنج جو اخلاقی تعلیم کا مرکزی سینٹر ہے
وہاں ان کے یہاں سے دہ پانڈے جی اور الہ آباد کے دیگر اداروں سے جس میں راج ماتا بر ہماری کماری ایشوری وشو ودیالیہ کے
لوگ بھی شامل تھے اخلاقیات کا درس حاصل کرنے ہردوار مرکزی تعلیمی سینٹر گئے۔ اس جگہ کو اس لیے چنا گیا کہ یہ ہندو
تہذیب کا ایک تاریخی مقام ہے جو نہایت دلکش اور تنہائی میں آباد ہے۔ وہاں اخلاقیات کا جو درس دیا جاتا ہے، اس
سے ہم لوگ بہت متاثر ہوئے۔ نہایت ہی دلکش ماحول تھا۔ صبح سویرے ہی ماتا گائتری کی میٹھی آواز میں رام دھن کی پرارتھنا
سے شروع ہوتا تھا۔ اس لیے میں بھی یہاں کلاس پرارتھنا سے شروع کروں گا۔ وہاں سارا کام وید منتر
سے شروع ہوتا تھا، ہندو تہذیب کے مطابق کھانا کھلایا جاتا تھا۔ کھانے کا وقت مقرر تھا۔ ماسٹر آر۔ پی
سنگھ صاحب نے تنقید کرتے ہوئے کہا کہ جو لوگ ایک برتن میں کھاتے اور ایک ہی گلاس میں پانی پیتے ہیں
بہت غلط ہے۔ کیونکہ اس سے بیماری ہو سکتی ہے۔ سائنس کے اصول کے بھی خلاف ہے۔ ہندو
طریقہ کے مطابق ہی کھانا ٹھیک ہے کیونکہ پتل دھو کر اور کھنڈر دھو کر دیا جاتا ہے جو کھانے
کے فوراً بعد پھینک دیا جاتا ہے۔ کیونکہ ہندستان ایک گرم دیش ہے، یہاں گرد وغیرہ اڑا کرتی ہے۔ اس لیے کھانے
سے پہلے ہاتھ اور پیروں کو دھویا جاتا ہے۔ اس لیے صرف ہندستانی آب وہوا کے لحاظ سے ہندستانی طور پر ہی کھانا درست
ہے۔ یہاں پر ماسٹر آر۔ پی۔ سنگھ صاحب نے بتایا کہ ہندستانی آب وہوا اور ہندستانی تہذیب کو ہی مدنظر رکھ کر ہم لوگوں کو
ٹریننگ دی گئی ہے۔ جو کھانا پکتا تھا، اس میں لہسن، پیاز وغیرہ کا استعمال بالکل نہیں کیا جاتا تھا۔ انھوں نے کہا کہ ہمیں

تہذیب اور اصولوں کو پھر سے زندہ کرنا چاہیے۔ اب وقت آگیا ہے کہ ان چیزوں کو پھر سے لاگو کیا
ئے۔ جو ہندستانی آب و ہوا کے حساب سے درست ہے بچے کمہار کی مٹی کے نمونے کی طرح
تے ہیں۔ انکو شروع میں جیسا چاہیے بنایا جاسکتا ہے۔ اس لیے آج چھوٹے بچوں کے لیے اخلاقی
بہت ضروری ہے۔ شیروانی انٹر کالج صلاح پور الہ آباد سے ٹریننگ میں آئے ہوئے ماسٹر حیات اللہ صاحب نے
بھی مذاہب کے اصول (FUNDAMENTALS) ایک ہی ہیں اور جتنی بھی اعلیٰ شخصیتیں ہوئی ہیں مثال کے طور پر گاندھی
ن کے چاروں طرف سبھی مذاہب کی کتابیں رکھی ہوتی تھیں۔ ایک طرف بائبل، ایک طرف قرآن، ایک طرف گیتا، گرو گرنتھ
ب، رامائن وغیرہ جنھیں پڑھ کر گاندھی جی مہان پرش ہوئے۔ انھوں نے بہت ہی اچھی مثال شہد کی مکھی کی دی کہ جس
ے سے شہد کی مکھی بغیر کسی تفریق کے ہر پھول پر بیٹھتی ہے اور رس حاصل کرتی ہے، اور جب اپنے چھتے میں جاکر اسے نکالتی ہے
س سے شہد بنتا ہے جو بہت ہی میٹھا ہوتا ہے مگر آج تمام مذہبی کتابیں الماریوں میں بند ہیں اور انھیں
ک چاٹ رہی ہے۔ اس پر ماسٹر آر۔ پی۔ سنگھ صاحب نے کہا کہ ہماری پرانی ہندو تہذیب
لٹریچر جو ٹکسیلہ اور نالندہ ... کی یونیورسٹی میں موجود تھا اختیار الدین بن بختیار
لجی نے اس پوری لائبریری کو نذر آتش کر دیا۔ انھوں نے کہا کہ ہمارے پاس ہر سوال کا جواب موجود ہے۔
ت اللہ صاحب نے تاریخ کا حوالہ دیکر کہا کہ آخر بختیار خلجی، محمد غوری اور بابر وغیرہ کو بلانے والا کون تھا؟ یہیں کے
ب ہی تو تھے اس کو سب نے قبول کیا۔ آر۔ پی۔ سنگھ صاحب نے کہا کہ آج اسی لیے تو نیتک شکچھا (اخلاقی تعلیم) بچوں کو
ا بہت ضروری ہے۔ حیات اللہ صاحب نے بتایا کہ موجودہ اخلاقی تعلیم کی بنیاد محکمہ تعلیمات اتر پردیش میں سب سے پہلے
چھا نردیشک (ڈائرکٹر آف ایجوکیشن) سچیدانند سنہاجی نے ۸۰/۱۰/۱۰ کو ڈالی تھی اس میں بھی شامل تھا ———
ٹائرمنٹ کے بعد انھوں نے اسے محکمہ تعلیمات کو سپرد کرتے ہوئے کہا کہ اب آپ لوگ جس طرح سے چاہیں چلائیں چنانچہ
ب اس کا مرکزی سینٹر ہردوار رشی کیش شانتی کنج ہے۔

ریخ ۲۷ اپریل ۱۹۸۶ء

اس روز کلاس میں ماسٹر سنگھ صاحب نے بتایا کہ ہردوار رشی کیش شانتی کنج میں تعلیم و ٹریننگ وید رامائن مہابھارت
تا کے نصیحت والے واقعات کو بیان کر کے گیتوں، کہانیوں، ناٹک و کھیل کود کے ذریعہ دی جاتی تھی۔ وہاں سے اچھے
چرس... گیتوں کے کیسٹ لائے گئے ہیں جو آپ لوگوں کو بھی سنائے جائیں گے۔
اخلاقی تعلیم کردار کو بنانے میں مدد کرتی ہے۔ ماسٹر آر۔ پی۔ سنگھ نے بتایا کہ گوشتہ

کھانے سے جسم گندہ ہوجاتا ہے، اس میں خرابی پیدا ہوجاتی ہے۔ انہوں نے کہا جو لوگ گوشت خور ہوتے ہیں وہ لڑاکو ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے کبھی کسی ملک پر حملہ نہیں کیا۔ اس ملک پر دوسرے ملک والوں نے حملہ کیا کیونکہ وہ لوگ گوشت خور تھے۔

تاریخ ۲۹ اپریل ۱۹۸۶ء

اس روز ماسٹر سنگھ صاحب نے پچھلی باتوں کو دہراتے ہوئے بتایا کہ آئیڈیل لوگ (آدرش پرش) رام کرشن وغیرہ ہوئے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ ہندوؤں میں شادی ایک سنسکار ہے جبکہ مسلمانوں میں اور دوسروں میں ایک معاہدہ ہے جو کبھی بھی ٹوٹ سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں ماسٹر سنگھ صاحب نے موجودہ شاہ بانو کیس کا ذکر کیا۔ بھارت میں عورت کو گرہ لکشمی اور شوہر کو دیوتا کہا گیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ غیر ملکی اثرات اور فلسفہ اپنانے سے ہم بھارتی نہیں رہ جائیں گے۔

اس روز ماسٹر لکشمی شنکر مشرا نے جو گیت سکھایا اس کو ایکشن کر کے بتایا۔ اس گیت کو بچوں کو ایکشن کے ساتھ سکھایا جائے گا۔ بھارت ماں کے سامنے بچوں کو آمنے سامنے ایک لائن میں کھڑا کیا جائے گا۔ سبھی لڑکے آمنے سامنے دو لائن میں کھڑے ہونگے داہنے ہاتھ سے بھارت ماں کی تصویر کی جانب اشارہ کر کے گیت شروع کیا جائے گا اور جہاں ہاتھ جوڑنا چاہیئے ادب سے زمین پر ایک گھٹنا ٹیک کر بھارت ماں کی تصویر کے سامنے ہاتھ جوڑ کر جھکنا پڑے گا۔ اسی طرح گنگا جی کی ریت سے چندن لگانے کی لائن کو کہتے وقت اسی طرح زمین پر انگلی ٹیک کر اسے ماتھے پر لگانا ہوگا۔ (یہ دراصل بھارت ماں اور گنگا پوجا کرنے کی تعلیم کا درس دینا ہے) گیت یہ ہے:

اے پیاری بھارت ماں تجھے ہم شیش جھکاتے ہیں
تیرے پر بلی بلی جاتے ہیں تیرے پر بلی بلی جاتے ہیں
لا سا ہس ہم کو ماں تیرے اس اونچ ہمالیہ سے

سبھی گیت پرانی ہندو تہذیب اور مذہبی عقائد کو مدنظر رکھ کر لکھے گئے ہیں۔ جنگ آزادی میں مسلمانوں کی قربانیوں کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ چھوٹے بچے چونکہ معصوم ہوتے ہیں اور گیت ناچ رنگ کے شوقین ہوتے ہیں۔ اس لیے ان پر گیتوں کے ذریعہ ہندو تہذیب دھیرے دھیرے خود بخود غالب آجائے گی۔

تاریخ پڑھاتے وقت اچھے اور برے نتائج کو بتانا اور اشوک، گوتم بدھ، شیواجی اور رانا پرتاپ کی

مثالیں پیش کرنا،

اعلیٰ شخصیتوں کی مثالیں پیش کرنا جیسے گرو کل کانگڑی میں سوامی شردھانند جی نے دس طلبہ سے گرو کل
تعلیم شروع کی تھی۔

ماسٹر سنگھ صاحب نے کہا کہ روح زندہ جاوید ہے۔ وہ کبھی نہیں مرتی۔ انھوں نے کہا کہ پونر جنم (انسان
کا بار بار مختلف شکل میں پیدا ہونا) میں یقین، پھر کرم پھل (انسان دنیا میں جس طرح کے کام کرتا ہے دوسرے جنم میں
اسی طرح اس کی شکل بن جاتی ہے، جیسے سانپ، چیونٹی وغیرہ) میں یقین کرنا۔

ماسٹر سنگھ صاحب نے کہا کہ یہ سب ایسے نکات ہیں جن سے پہلوان کو آسانی سے چت کیا جاسکتا ہے۔
اس جملے کو کہتے ہی ماسٹر سنگھ صاحب چونک کر پوچھ بیٹھے کہ کیا یہاں کچھ مسلمان بھی ہیں؟ میں بول اٹھا، جی ہاں میں ہوں
تب انھوں نے کہا کہ آپ کے مذہب میں ہے کہ جب کوئی مرتا ہے تو وہ قیامت کے روز اٹھتا ہے اور حساب کتاب
ہوتا ہے۔ لیکن ہمارے یہاں ایسا نہیں مانتے۔ ہمارے یہاں پونر جنم کے اصول کو مانا جاتا ہے، کیونکہ انسان سنسکار میں بندھا
ہوا ہے اور جب اس سے نجات پاتا ہے، تب ہی اسے نجات ملتی ہے ورنہ نہیں۔ میں نے اقبال کا شعر پڑھ کر سمجھانے
کی کوشش کی:

مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہے — کہ دانہ خاک میں مل کر گل گلزار ہوتا ہے

کرم کا پھل لازمی ہے اسی اصول سے ہم اچھے برے کی پہچان کر سکتے ہیں اس سلسلے میں ماسٹر سنگھ صاحب
نے "لویا پیڑ ببول کا" کی مثال دی۔

اس روز ماسٹر پانڈے جی نے اپنے کلاس میں یہ باتیں بتائیں:

خدا نے انسان کو اپنی سبھی خصوصیات سے سنوارا ہے، لیکن انسان دنیا کو سب کچھ سمجھ کر خدا کی طرف رجوع نہیں
ہوتا۔ ماسٹر پانڈے جی نے اتم مولیہ (روح کی قیمت) کو ثابت کرنے کے لیے پران کی کہانی شیر اور شادک کی مثال پیش
کی اور رامائن کے کرم یوگی کی مثال پیش کی کہ پونر جنم (بار بار جنم لینا) سب سے بڑا دکھ ہے۔ مرنے سے کچھ لمحے پہلے
پورے جنم کا نقشہ سامنے آتا ہے کیونکہ کال (جنم) کا پردا جو اس کے دماغ پر پڑا رہتا ہے۔ وہ مرتے وقت ہٹ جاتا ہے۔
ہماری حالت کیا ہے؟ اس سلسلے میں ماسٹر پانڈے جی نے ماسٹر سنگھ صاحب کی باتوں کو دہراتے
ہوئے انسانوں کی چار قسمیں بتائیں:

نر پامر: اس میں وہ لوگ آتے ہیں جو انسان نہیں۔ اپنی خواہشات اور اپنے مقصد کو پورا کرنے میں ہی

لگے رہتے ہیں۔ پانجلی ویاس بہت ہی عقل مند تھے۔ انھوں نے اٹھارہ کتابیں لکھیں اور لوگوں کو میگھا دان دیا (عقل ع
اس سلسلے میں ماسٹر پانڈے جی نے کہا کہ جیسا کھانا ہوگا، ویسی ہی عقل ہوگی۔ بد
ایک ہون کنڈ (ایک کڑاھا) ہے۔ اس میں اچھی چیزیں ڈالنا چاہیئے۔ جیسے ہون کنڈ میں اچھی چیز
ہی ڈالی جاتی ہیں۔ اگر گوشت خور ہے تو اس کی موت بد قت ہوگی اور وہ ۸۴۰۰۰ یونی پیچھے ہو جائے
جس میں اُسے تڑپنا پڑے گا۔ اس سلسلے میں ماسٹر پانڈے جی نے گائے اور بکرا کاٹنا افسوسناک اور غل
بتاتے ہوئے کہا کہ جب کبھی میں بکرا کاٹتے لوگوں کو دیکھتا ہوں تو سوچتا ہوں ک
یہ لوگ کتنے پاپی ہیں۔ کیوں کہ گائے کی ہی یونی کے بعد خدا نے انسان کو بنایا ہے
جو لوگ گوشت کھاتے ہیں وہ جب پیٹ میں جاکر سڑتا ہے تو اس سے جسم گندہ ہ
جاتا ہے۔

ویوہار (برتاؤ)

(۱) مسکان بھرے اخلاق کے ساتھ ملنا۔ آواز میں مٹھاس اور شرافت کا ہونا۔

(۲) اندری سنیم (اپنے جسم کے حصوں کو قابو میں رکھنا) یہ اسی وقت ممکن ہے جب ہمارا کھانا
ساتویک یا سادا ہو۔ اس سلسلے میں ماسٹر آر۔ پی سنگھ صاحب نے کہا کہ میں جب بنارس
جاتا ہوں تو اس مندر میں ضرور جاتا ہوں جس میں رانی پدمنی کے جوہر کی مورتیاں بنی ہوئی
ہیں۔ رانی پدمنی نے اپنی عزت و آبرو بچانے کے لئے تقریباً پانچ ہزار عورتوں کے ساتھ
جوبرتاؤ کیا تھا۔ اس منظر کو دیکھ کر میں سوچتا ہوں کہ کتنا بے رحم ہوگا علاء الدین
کہ اس نے بے گناہوں کا خون بہایا اور اس کو دیا (رحم) تک نہ آیا۔ کسی کو تکلیف نہ پہونچانا
چاہیئے۔

جناب ظفر احمد صدیقی
لکھنؤ

یوپی کی سرکاری نصابی کتابوں کا مختصر جائزہ

سرکاری نصاب تعلیم کے بارے میں بنیادی اعتراضات :

(۱) عقیدۂ توحید ذاتِ باری تعالیٰ، عقیدۂ رسالت، اور عقیدۂ حیات بعد الموت، اسلام کے تین بنیادی عقائد ہیں۔ نصاب کی کسی کتاب میں کسی ایسے سبق کا شامل کرنا جو براہ راست یا بالواسطہ اسلام کے ان بنیادی عقائد کے خلاف ہو یقیناً مسلمان بچوں کو اپنے مذہب کے معتقدات سے گمراہ کرنا ہوگا۔ زبان و ادب اور تاریخ کی (سرکاری منظور شدہ) کتابوں کو اس نقطۂ نگاہ سے دیکھئے تو ان میں سے ہر ایک میں ایسے اسباق شامل کئے گئے ہیں جو ہمارے مذہب کے متذکرہ بنیادی عقائد کی جڑ کاٹنے والے ہیں۔ اور انھیں پڑھ کر مسلمان بچہ ہرگز مسلمان نہیں رہ سکتا۔ مثلاً شیڈول الف (اے) میں ان کتابوں کے چند اقتباسات درج ہیں جو مختلف درجات کے نصاب کے لیے مقرر کی گئی ہیں:

(۲) ان کتابوں کے اسباق کی وضاحت کے لئے جو تصاویر شامل کی گئی ہیں ان سے معاملہ بد سے بدتر ہو جاتا ہے۔ وہ مذہب اسلام کے بنیادی عقائد کے سراسر مخالف ہیں۔ شیڈول (بی) میں مختلف کتابوں سے چند حوالجات پیش کیے گئے ہیں جن سے ہمارے نقطۂ نظر کی وضاحت ہو جائے گی۔

(۳) نصاب کی کتابوں میں بکثرت ایسے قصے اور کہانیاں ہیں جو ہندو دیومالا سے اخذ کی گئی ہیں۔ یہ بُت پرستی اور اوہام پرستی کی بالواسطہ تعلیم دیتی ہیں۔ اور اسلامی عقائد کے خلاف ہیں ان اسباق کو ذہن نشیں کرانے کے لیے سوالات اور ان کے قصے کہانیوں کو ڈرامائی شکل میں اسی طرح پیش کرنے کی ہدایات نے معاملے کو اور بھی سنگین بنا دیا ہے۔ (ملاحظہ ہو شیڈول۔ سی)

(۴) پرائمری اور جونیر ہائی اسکول کی نصابی کتابوں میں دعائیں، بھجن اور دوہے وغیرہ بھی شامل ہیں۔ ان میں زیادہ تر دیوتاؤں کا تذکرہ اور ان کی مدح سرائی ہے یا ان شخصیتوں کی تعظیم و تکریم ہے جنھیں اوتار بتایا گیا ہے اور انھیں خدائی کا منصب دیا گیا ہے۔ ہمارے بچوں کو یہ چیزیں زبانی یاد کرائی جاتی ہیں حالانکہ اوتار کا تصور اسلام کے نزدیک شرک ہے اور اس کے بنیادی عقائد توحید کے خلاف ہے یہ دعائیں اور بھجن ہمارے بچوں کے صاف اور سادہ ذہنوں پر مضر اثرات پیدا کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ (ملاحظہ ہو شیڈول۔ ڈی)

(۵) جن کتابوں میں ہندستانی تہذیب اور اخلاقیات کے نام سے مضامین و اسباق شامل کیے گئے ہیں۔ ان میں بھی خالص ہندو تہذیب کی تبلیغ و اشاعت کی گئی ہے۔ (ملاحظہ ہو شیڈول۔ ای)

(۶) موجودہ درسی کتابوں نیز غیر درسی کتابوں میں جو سرسری طور پر پڑھنے کے لئے منظور کی گئی ہیں یہ بات نمایاں طور پر نظر آتی ہے کہ ان میں مسلم بزرگانِ دین اور مصلحین کو قصداً نظر انداز کیا گیا ہے گویا کہ ہندستان میں مسلمانوں کے ہزار سالہ کارہائے نمایاں کو پسِ پشت ڈال کر یہ تاثر دیا گیا ہے کہ مسلمانوں نے ملک کے کسی شعبۂ زندگی میں کوئی بہتر کام کیا ہی نہیں۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ہماری نئی نسلوں میں احساسِ کمتری پیدا ہو جائے گا جو قوموں کے لیے پیغام موت ہے۔

(۷) تاریخ و زبان کی کتابوں کے ذریعہ مسلمانوں کے خلاف نفرت کے جذبات پیدا کرنے کی بھی باقاعدہ کوشش کی گئی ہے ایک تو بالعموم ان کتابوں میں مسلمانوں کی ان عظیم المرتبت ہستیوں اور اولیائے کرام کا کوئی تذکرہ ہی نہیں جن کی زندگیاں بلاشبہ بغیر امتیاز مذہب و ملت سب ہی ہندستانیوں کے لیے روحانی فیضان کا سرچشمہ مانی جا سکتی ہیں لیکن اگر کہیں کچھ مسلم شخصیتوں کا ذکر بھی ہے تو زیادہ تر ان کے کردار کی تصویر کشی کچھ اس انداز سے کی گئی ہے کہ جس سے نہ صرف ان شخصیتوں کے خلاف بلکہ ان کے مذہب کے خلاف بھی جذبات ابھر آئیں۔ (ملاحظہ ہو شیڈول۔ الف)

(۸) یو۔ پی میں سنسکرت کو بے جا طور پر سہ لسانی فارمولے میں شامل کر لیا گیا ہے اور اردو کی تعلیم کا معقول بندوبست نہیں کیا گیا ہے۔ عملاً سنسکرت کی حیثیت لازمی زبان کی ہو گئی ہے۔ ہمارے لڑکوں اور بچوں کو سنسکرت کے بھیس میں خالص ہندو مذہب کی تعلیم دی جاتی ہے جو نامذہبی پالیسی کے سراسر خلاف ہے۔

ملاحظہ ہو شیڈول (جی) جس میں سنسکرت کے حوالے دیئے گئے ہیں۔

(۹) باوجود مرکزی حکومت کی ہدایات کے اور باوجود ان احکامات کے جو ریاستی حکومت کے نام جاری ہوئے ہیں تعلیمی اداروں میں اردو کو اب تک اس کا جائز مقام نہیں ملا ہے۔ بہت سی تعلیم گاہوں میں اردو کی تعلیم کی آسانیاں نہیں فراہم ہوئی ہیں۔ ہماری مذہبی کتابیں زیادہ تر اردو میں ہیں اور ہماری تہذیب (کلچر) اردو زبان سے وابستہ ہے اردو کے ساتھ نامنصفانہ برتاؤ ہماری ثقافت و تہذیب کے لیے سدِ راہ بنا ہوا ہے۔

(۱۰) ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں کہ ہماری یہ منشاء ہرگز نہیں کہ ہم ہندو مذہب اور اس کے فلسفے یا اس کی دیومالا پر کوئی اعتراض کریں اور نہ ہم اس بات کے مخالف ہیں کہ ان پرائیوٹ درس گاہوں میں جو مختلف مذہبی تنظیموں یا افراد کی طرف سے چلائے جا رہے ہیں، مذہبی تعلیم دی جائے۔ ہماری معروضات کا منشاء صرف یہ ہے کہ جیسا کہ مسٹر چیلے نے اپنی مشہور

کتاب دستور اساسی کے دوسرے ایڈیشن ۱۹۵۴ء کے صفحہ ۷۵، ۷۶ پر لکھا ہے کہ:

"جب کسی ملک میں کئی ایک مذاہب ہوں تو حکومت کے لیے اسکولوں اور کالجوں میں مذہبی تعلیم دینا بغیر ان اصولوں کی خلاف ورزی کیے ہوئے جو دستور ہند میں دیے گئے ہیں عملاً ناممکن ہے، وجہ یہ ہے کہ ایسی صورت میں ان مذاہب میں سے کسی ایک ہی مذہب کی تعلیم دی جا سکتی ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ دیگر مذاہب کے پیرو حق مساوات سے محروم کر دیئے جائیں نیز یہ کہ پبلک فنڈ کسی ایک مذہب کی ترقی و اشاعت کے لیے صرف کیا جائے۔ اس کے علاوہ یہ بات دستور کی آرٹیکل ۲۸ (۱) کے بھی منافی ہے۔"

اسی طرح ہمارا منشا یہ بھی نہیں ہے کہ ہم ہندستان کی عظیم المرتبت شخصیتوں کی کوئی تنقیص یا توہین کریں۔ ہمارے دلوں میں ان کی بڑی عزت ہے۔ البتہ ہم یہ گوارہ نہیں کر سکتے کہ ہمارے بچوں کے ذہنوں میں ان کی زندگی کی تصویر اس طور پر پیش کی جائے جو انسان پرستی کی راہ پر لے جائے کیونکہ یہ چیز اسلام کے بنیادی عقیدۂ توحید کے منافی ہے۔ کوئی انسان خواہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو، اس کو خدا بنانا یا اس کی طرف خدائی صفات منسوب کرنا اسلام کے خلاف ہے۔

ظفر احمد صدیقی (وکیل)
کنوینر اصلاح نصاب کمیٹی دینی تعلیمی کونسل اترپردیش (لکھنؤ)

جون ــــ ۱۹۶۹ء

ضمیمہ (۱۷)

میں اُن بھگوتی سرسوتی کی پناہ مانگتا ہوں جو سفید کمبل، چاند یا برف کی مانند سفید لباس پہننے والی ... سفید کمبل پر بیٹھی ہوئی، برہما، وشنو، مہیش وغیرہ دیوتا جن کی ہمیشہ بندنا کرتے ہیں جو ہر طرح کی جہالت اور تاریکی دور کرنے والی ہیں۔ (سنسکرت پرویش صفحہ ۱)

میں ایسے شیوجی جو قابل پرستش ہیں اور چاند جن کا زیور ہے اُن کے پوت (گنیش جی) کی بندنا کرتا ہوں۔

(سنسکرت پرویش صفحہ ۱)

کافور کے مانند گورے رنگ والے دریا کے مجسّمے، سنسار کے مالک، دل کے کمل میں رہنے والے پاربتی سہت شنکر بھگوان کی میں بندنا کرتا ہوں۔ (سنسکرت سوبودھنی۔ صفحہ ۱)

حوالہ جات سنسکرت سدھا (ترجمہ)

ہاتھی کی سونڈ کی طرح منہ والے، بھوت پریتوں سے گھرے ہوئے، کیتھے اور جامن کے پھلوں کو سندر مان کر کھانے والے پاروتی کے لڑکے، تکلیف کو مٹانے والے تکلیف و مصیبت پر فتح پانے والے (گنیش جی) کے پاک قدم (قدموں) کو میں سلام کرتا ہوں۔ (سنسکرت سدھا حصہ اول۔ سبق تعلیم شروع کرنا)

گنگا جمنا، سرسوتی ندیوں کے کارن (سبب) ہی پریاگ کو تیرتھ راج کہا جاتا ہے گنگا ندی کو نمسکار (آداب) گنگا جمنا ندیوں کو پرنام (سلام) گنگا جمنا سرسوتی ندیوں کو پرنام (سلام) بنارس میں گنگا جمنا ندیوں کے کنارے پر اشنان کرنے سے بہت ثواب ہوتا ہے۔ (سنسکرت سدھا۔ حصہ اول سبق دریا بہتا ہے۔ صفحہ ۱۷)

"کھانے کی روز پوجا کرو۔" (سنسکرت سدھا۔ حصہ اول صفحہ ۲۴۔ ایڈیشن ۷۴ء)

تصویر کو دیکھو۔ یہ بھگوتی سرسوتی کی تصویر ہے، عقل دینے والی سرسوتی کو میں سلام کرتا ہوں جس کی مہربانی سے لوگ دیوتاؤں کے برابر ہو جاتے ہیں، اس زبان کی مالکن سرسوتی دیوی کو میں سلام کرتا ہوں۔

(سنسکرت سدھا۔ حصہ اول صفحہ ۲۵۔ ایڈیشن ۷۴ء)

جو پیدائش، پرورش کرنے والی اور مٹا دینے والی ہے، جو دکھ کو دور کرنے والی ہے، جو سب کا بھلا کرنے والی ہے، اس رام کی محبوب سیتا کو میں سلام کرتا ہوں۔ (سنسکرت سُدھا۔ حصہ اوّل۔ سبق گھو ہیش کے مالک رام کو میں سلام کرتا ہوں۔ صفحہ ۴،۷۔ ایڈیشن ۶۴ء شروع ہوتا ہے)۔

ہمالیہ کے شوہر، نیکیوں کے مالک ... بھوانی کو بیوی بنانے والے پانچ منہ والے شیو جی کو میں باادب سلام کرتا ہوں۔

"اے بھوانی کے شوہر، اے امن، اے کام دیو کے دشمن، اے پوری طرح پورے آپ کے علاوہ دوسرا کوئی بڑا ہے اور نہ میرے ماننے کے قابل ہے اور نہ پوجا کے قابل ہے"۔

(سنسکرت سُدھا حصہ دوم سبق بندنا (دُعا) صفحہ ا سے شروع ایڈیشن ۶۴ء)

دیوتاؤں کی پوجا دوپہر ہی سے کرنی چاہیئے۔ (سنسکرت سدھا حصہ دوم۔ سبق ہم سو سال زندہ رہیں) صفحہ ۴۸، ۴۹۔ ایڈیشن ۶۴ء)

"اے کروروں سورج کی طرح دمکتے ہوئے (چمکتے ہوئے) موٹے تازے جسم والے اور ٹیڑھے منہ والے بھگوان (گنیش جی) میرے سب کاموں میں ہمیشہ مختلف رکاوٹوں میں کمی کیجئے۔ (سنسکرت سدھا حصہ سوم سبق بندنا صفحہ ۱)

"آدمی کی سب مصیبتوں کو دور کرنے کے لیے سفید پوشاک پہننے والے چاند کی طرح صاف رنگ والے، چار ہاتھوں والے، خوش رہنے والے بھگوان وشنو کا دھیان رکھنا چاہیئے"۔ (سنسکرت سدھا حصہ سوم سبق بندنا صفحہ ا سے شروع)

"میں مصیبتوں کا خاتمہ کرنے والے، بھرپور مال و دولت دینے والے اور دُنیا میں سب سے خوبصورت رام جی کو بار بار سلام کرتا ہوں"۔ (سنسکرت سدھا حصہ ۳ صفحہ ۲)

خوش کرنے والے گنیش مجھے نیکی دیں، علم دینے والی دیوی سرسوتی میرا بھلا کریں بھلائی کرنے والے بھگوان شیو میرا بھلا کریں۔ (سنسکرت سدھا حصہ ۳ سبق دعا۔ صفحہ ۳)

"پیپل کا درخت، برگد کا درخت ... گنگا، سندھ، سرسوتی، گوداوری یہ سب ندیاں ہمارا بھلا کریں۔ لچھمی ... کلپ ورکش، چاندنی پھیلانے والے چاند ... کام دھینو گائے، امراوت ہاتھی .... یہ چودہ رتن دنیا میں روزانہ ہمارا بھلا کریں۔ (سنسکرت سدھا حصہ ۳ سبق دعا۔ صفحہ ۳ سے شروع)

آپ نے دیوالی منائی: یمراج بھی اس دن اپنی بہن جمنا کے گھر کھانا کھانے جاتا ہے اس لیے اس دن جمنا میں اشنان کرنے سے موت کے وقت کی تکلیف میں نہیں پھنسنا پڑتا۔ (نویر بھات حصہ ۲ صفحہ ۱۳۲ ایڈیشن ۶۳ء)

ہماری کام دھینو گائے: یہ ہماری ماتا ہے، اس کی سیوا سے ہم پوتر ہوتے ہیں۔ رگ وید میں گائے کے

بچھڑے تھایئل کو پتا (باپ) کہا گیا ہے۔ گائے دھرتی ماتا کی بھی ماں ہے، وہ ہماری کام دھینو ہے ہمارے پوجنے کے لائق

(ساہتیہ جوتسنا حصہ دوم صفحہ ۸ تا ۱۱۔ ایڈیشن ۶۴

جنم اشٹمی کے دن اگر ہم گائے کی پوجا کریں تو وہ ٹھیک ہی ہے... ندی کی پوجا، تلسی کی پوجا اگر اچھی سوچ سمجھ کر کریں تو اس سے انترکرنتر (ضمیر) کو اچھی سے اچھی سکھما (تعلیم) ملے گی۔

ساون کے مہینے میں بہت سی گائیں بیاتی ہیں۔ اگر گھر کی چھوٹی چھوٹی لڑکیاں کرتگیا (احسان مندی) ساتھ گایوں کے ادھر ادھر اچھلنے کودنے اور چرنے والے چھوٹے چھوٹے بچھڑوں کی ہلدی اور روئی سے پوجا کریں تو محبت پیدا ہوگی۔" (گدیہ گورو برائے ہائی اسکول صفحہ ۴۶۔ ایڈیشن ۶۲ء)۔

ندی ایشور نہیں ہے، پر ایشور کا اسمیرنتر (یاد کرانے والی) دیوی ضرور ہے اگر گورو کو سلام کرنا اُچت ہے ندی کی بھی بندنا کرنا انصاف ہے۔ (ہندی گدیہ بھارتی برائے ہائی اسکول صفحہ ۲۱-۲۲۔ ایڈیشن ۶۳ء)

شڈول (بی)

تصاویر و توضیحات:

- سورج کی طرف منہ کرکے اور ہاتھ جوڑ کر پرارتھنا۔ (بیسک ریڈر حصہ ۵ اُردو۔ ہندی صفحہ ا پر)
- گنگا جی کا سورگ سے اتر کر شیو جی کی جٹا میں آنا۔ (بیسک ریڈر حصہ ۵۔ ایڈیشن ۶۳ء صفحہ ۲ پر) اور (بیسک ریڈر ہندی حصہ سوم۔ ایڈیشن ۶۳ء صفحہ ۱۹ و ۲۰ پر)۔
- بھارت ماتا دیوی کے روپ میں دکھلائی گئی ہیں۔ (بیسک ریڈر اردو حصہ ۴۔ ایڈیشن ۶۲ء صفحہ ا پر)
- بھگوان کے مجسمے کے سامنے ہاتھ جوڑ کر پرارتھنا کرتے ہوئے۔ (نوپربھات حصہ اول صفحہ ا۔ ایڈیشن ۶۳ء)
- بھگوان کی مورت کے سامنے ہاتھ جوڑ کر پرارتھنا کرتے ہوئے۔ (نوپربھات حصہ دوم۔ صفحہ ا پر۔ ایڈیشن ۶۳ء
- شیو جی اور پاربتی جی کی تصویر اور اس کے نیچے عبارت: "دنیا کے ماں باپ پاربتی اور پرمیشور کی میں بندنا کرتا ہوں۔" (نوپربھات۔ حصہ دوم۔ سنسکرت۔ صفحہ ۲)
- تری دیو کا رنیت دیو کے سامنے ظاہر ہونا۔ (نوپربھات۔ حصہ سوم۔ صفحہ ۱۰۔ ایڈیشن ۶۳ء)
- گنگا دیوی کی دیومالائی شکل اسکے نیچے عبارت: "دیوتاؤں کی مالکہ بھگوتی گنگا" (نوپربھات حصہ سوم صفحہ ۲ سنسکرت۔ ایڈیشن ۶۳ء)۔

شڈول (سی)

ہندو دیومالا :

زبان کی تقریبًا تمام کتب میں خواہ وہ پرائمری درجات میں ہوں یا جونیئر ہائی اسکول کے لیے حتیٰ کہ ہمارے پوروج کے سٹ میں بھی کہانیاں عمومًا دیومالائی ہیں۔ تاریخی شخصیتوں کو بھی اس انداز سے پیش کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتابیں ہندو دیومالا کے پرچار کے لیے لکھی گئی ہیں۔ یہ بحث نہیں ہے کہ قصے کہاں تک حقیقت پسندی پر مبنی ہیں یا کس حد تک غیر فطری ہیں۔ ہندو دیومالا کے خلاف کوئی تنقید مقصود نہیں۔ اس سے زیادہ دیومالا خاص ہندو بچوں کو بھی طور پر پڑھائی جائے تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ ان دیومالائی قصوں سے نہ تو قومی یک جہتی میں کوئی اضافہ ہوتا ہے اور نہ ملکی ترقی میں۔ برخلاف بچے کی ذہنی ترقی رک جاتی ہے۔ رجعت پسندی اور اوہام پرستی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ ایک طرف بچہ ان دیومالائی قصوں کو پڑھتا ہے۔ دوسری طرف اس کے سامنے سائنس کے تجربات تاریخی مثالیں جغرافیائی حالات اور تحقیق شدہ واقعات ہوتے ہیں تو بچے کا ذہن سخت کش مکش میں مبتلا ہو جاتا ہے یہ بڑی ناانصافی ہے کہ سرکاری اور نیم سرکاری مدرسے ایک مذہب کی دیومالا کی تبلیغ کا ذریعہ بنائے جائیں اور دوسرے مذاہب کے بچوں کے خام ذہنوں میں ان کا اثر سمویا جائے۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ اس طرح کے دیومالائی اسباق کے سلسلے میں جو تصاویر بنی ہیں ان سے متاثر ہوئے بغیر کوئی بچہ رہ نہیں سکتا۔

شری کرشن کی وہ کہانی جس میں انھوں نے ہزار پھن والے ناگ کو ناتھ لیا۔ (بیسک ریڈر اول اردو صفحہ ۳۶ ایڈیشن ۶۹)

ایک غریب عورت بڑی عقیدت سے گنیش جی کی پوجا کرتی تھی۔ چترو سی کے دن کہیں سے مانگ جانچ کر تھوڑے سے تل لے آئی۔ اُن کا ہی ایک ٹوٹا چھوٹا سا لڈو بنا کر گنیش جی کو چڑھایا۔ اور بھوکی لیٹ رہی۔ گنیش جی بہت خوش ہوئے انھوں نے آن کر درشن دیئے کچھ دیر کے بعد وے اس سے بولے کہ میں نے اتنا کھا لیا ہے کہ پیٹ پھٹا جاتا ہے پاخانہ کے لیے جگہ بتلا۔ اس نے کہا مہاراج! دوسری جگہ کہاں ہے اسی کو پاک کیجئے۔ سویرے اٹھ کر دیکھا گیا تو اس کی جھونپڑی سونے سے بھر گئی تھی۔ پھر اسے دولت کی کمی نہیں ہوئی۔ اور گنیش جی نے اسے مکتی (نجات) دی۔

(ساہتیہ دیپ۔ حصہ اول صفحہ ۸، ایڈیشن ۶۹)

شڈول (ڈی)

بندنا، چوپائیاں اور دوہے:

سنسکرت کی عموماً تمام کتابوں کے شروع میں بندنا ہے ان سب میں خالص ہندو مذہب کے عقائد کی ترجمانی ہے کچھ شڈول (اے) میں دیئے جا چکے ہیں۔ ان کے علاوہ ہندی کتابوں میں زیادہ تر دوہے اور چوپائیاں ہیں جو تمام تر کھڑی بولی میں ہیں۔ دوہے اور چوپائیاں اور ہندی کی دیگر نظموں میں زیادہ تر ہندو مذہب کے بزرگوں کے تذکرے مذہبی و دیو مالائی انداز میں کئے گئے ہیں مختصراً حوالہ جات حسب ذیل ہیں۔

"میں لفظ اور معنی کے علم کے لیے لفظ اور معنی کی طرح ملے ہوئے دنیا کے ماں باپ پاربتی اور پرمیشور کو سلام کرتا ہوں"۔ ... بھوانی کو بیوی بنانے والے، پانچ منھ والے شیوجی کو میں باادب سلام کرتا ہوں"۔

(سنسکرت سدھا حصہ دوم سبق پہلا بندنا) ایڈیشن ۶۴ء منگل لیکھا دھا (سنسکرت سبودھنی شروع میں)۔

شڈول (ای)

ہندو کلچر و مذہب:

یوں تو پرائمری درجات سے لے کر اونچے درجات کی کتابوں میں ہندو مذہب و کلچر کا پرچار ہے خصوصیت سے پرائمری اور جونیر ہائی اسکول کے درجات میں پڑھائی جانے والی اردو، ہندی اور سنسکرت وغیرہ کی کتابیں دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ساری کتابیں ایک مخصوص مذہب کے عقائد کے پرچار کے لیے لکھی گئی ہیں۔ اسباق کے ساتھ جو توضیحی تصاویر دی گئی ہیں۔ نیز اسباق کے نیچے جو سوالات درج ہیں ان سے یہ حقیقت اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے سارے حوالہ جات دینا ممکن نہیں۔ چند حوالہ جات دیئے جا رہے ہیں۔

منیوں نے کہا کہ ناٹک تو دیوتاؤں کی آنکھوں کو شانتی عطا کرنے والا سہاونا یگیہ ہے۔ بھگوان شنکر نے بھی پاربتی کے ساتھ بیاہ کر کے اس ناٹک کو اپنے جسم میں تانڈو لاسی دو حصوں میں بانٹ لیا ہے۔ (چت لوگ صفحہ ۵ ایڈیشن ۶۴ء)

سبق کا سو نمبر: طلباء کو ہدایت اس کہانی کا ناٹک کھیلو۔ (بیسک ریڈر اردو حصہ سوم صفحہ ۲۶ ایڈیشن ۶۴ء)

سبق رامائن کی کہانی: اس کہانی کا ناٹک کھیلو۔ (بیسک اردو ریڈر حصہ سوم صفحہ ۲۲ تا ۲۴، ۶۴ء)

بچو! تم میں سے ایک طالب علم سگریو، ایک ہنومان، ایک رام اور ایک لچھمن بنے پھر تم لوگ اس نظم کا ناٹک کھیلو۔

(بیسک ریڈر اردو۔ چہارم۔ صفحہ ۶۵، ایڈیشن ۶۴ء)

ایک طالب علم پرسرام، ایک رام، ایک لچھمن اور ایک وشوامتر بنے اور مندرجہ بالا گفتگو کا ناٹک کیا جائے۔

(بیسک ریڈر اردو پنجم صفحہ ۷۶، ایڈیشن ۶۴ء)

سبق گنگا کا سورگ سے اترنا (بیسک ریڈر ہندی سوم صفحہ ۱۹ ایڈیشن ۶۳ء)

گنگا اشنان کا پورا بیان (بیسک ریڈر ہندی دوم صفحہ ۹۰ ایڈیشن ۶۳ء)

شیڈول اے، بی، سی، میں دی ہوئی مثالوں سے ظاہر ہوگا کہ کس طرح ہندو دھرم و تمدن کا پرچار کیا جا رہا ہے۔

ہماری کام دھینو (گائے) یہ ہماری ماتا ہے ... اس کی سیوا سے ہم پوتر ہوتے ہیں۔ (صفحہ ۸) رگ وید میں گائے کے بچھڑے تتھا بیل کو پتا (باپ) کہا گیا ہے (صفحہ ۱۰) گائے دھرتی ماتا کی ماں بھی ہے وہ ہماری کام دھینو ہے۔ ہمارے لیے پوجنے کے لائق ہے۔ (ساہتیہ جوتسنا حصہ دوم صفحہ ۸ تا ۱۱۔ ایڈیشن ۶۴ء)

کرشن سدا ما ملن (نظم) (ارن مالا سوم صفحہ ۹۴ تا ۹۹۔ ایڈیشن ۶۴ء)

گوپھا زنڈ، کرشن اور جسودا کے حالات نظم کیے گئے ہیں۔ (ارن مالا سوم صفحہ ۱۰۴ و ۱۰۵، ایڈیشن ۶۴ء)

جب جب لوگوں کے من میں دھرم کی عزت (श्रद्धा) اٹھ جاتی ہے تب تب اس (श्रद्धा) کو قائم (स्थिर) کرنے کے لیے مکت انسان (मुक्त पुरुष) اس سنسار میں اوتار لیتے ہیں... اسی طرح گوپیوں کی شدھ بھگت (शुद्ध-भक्ति) کے بارے میں جب لوگوں میں غیر اعتمادی (अश्रद्धा) پیدا ہوئی تب گوپیوں میں سے ایک نے شاید رادھا ہوں گی۔ میرا کا اوتار لے کر پریم دھرم کی پھر سے بنیاد ڈالی۔

(گدیہ گورو برائے ہائی اسکول صفحہ ۴۵۔ ایڈیشن ۶۲ء)

کنیا شالاؤں (نسواں اداروں) میں مختلف طریقوں (अनेक प्रकार) سے کرشن جینتی منائی جاسکے گی۔ گھر کے اندر کی زمین اچھی طرح لیپ کر سفید پتھر کی بکنی سے اور ابیر وغیرہ سے چوک پورنے کی (पुष्पयो मिता) رکھی جاسکے گی۔ لڑکیاں گیت گائیں۔ رہس کھیلیں کرشن جیون کا بیان طرح طرح سے نظم و نثر میں کریں گھر میں کلیوا لا کر سب مل کر کھائیں۔ جنم اشٹمی کے دن ہنڈولہ بندھوا کر لوریاں گائیں اس میں لڑکیوں کی مائیں ضرور حصہ لیں۔

(گدیہ گورو برائے ہائی اسکول صفحہ ۷۴ ایڈیشن ۶۲ء)

سوال: بھونیشور میں درشن اور پرشاد کا کیا طریقہ ہے؟ اس سلسلے میں پوری تفصیل دی گئی ہے کہ کس تیرتھ پر پہلے جانا چاہیئے، اس کے بعد کس تیرتھ پر جانا چاہیئے یا ترا کے آداب بتائے گئے ہیں۔ پرشاد کی تقسیم کی تفصیل بتائی گئی ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ شیو لنگ پر جو پرشاد چڑھایا جاتا ہے وہ محض تفریح سے قبول نہیں کیا جاسکتا۔

(ماڈل پروز سلیکشن فار ہائی اسکو صفحہ ۴۲، ۴۳)

(نوٹ): ایسے سبق سے عام طالب علم کے علم وعقل میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا محض ہندو کلچر کا پرچار مقصود ہے۔

شڈول (الف)

باہمی منافرت:

انگریز نے ہندستان میں اپنی سامراجیت قائم کرنے اور برقرار رکھنے کے لیے جہاں اور بہت سی تدابیر اختیار کی تھیں وہاں تاریخ کے واقعات کو اس طرح پیش کیا تھا جس سے ہندو اور مسلمان میں منافرت کا جذبہ پیدا ہو ملک میں ... یک جہتی پیدا کرنے کے لیے ضروری تھا کہ آپس کی منافرت دور کی جاتی. تاریخ کے وہ مضامین جن سے منافرت پیدا ہوتی ہے نہ لکھے جاتے مگر اس معاملہ میں سخت بداحتیاطی سے کام لیا گیا ہے. تاریخ کی کتابوں نیز دیگر کتابوں (ہمارے پوروج وغیرہ) میں مسلمانوں اور مسلمان حکمرانوں کے بارے میں جو واقعات لکھے گئے ہیں ان سے سخت منافرت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے جس کا نتیجہ آنکھوں کے سامنے ہے. آج نوجوان طلبہ اور نئے تعلیم یافتہ لوگوں میں منافرت کا جذبہ اتنا بڑھ گیا ہے جس سے پورے ملک کا امن وامان خطرے میں پڑ گیا ہے - ملاحظہ کے لیے اقتباسات حسب ذیل ہیں:

" دلی کے سلطانوں میں کچھ باتیں ایسی ہیں جو عام طور پر برابر چلتی رہیں. جیسے ہندوؤں کو اونچے عہدے نہ دینا، مندروں کو نشٹ بھرشٹ کرنا اور ہندوؤں سے جزیہ وصول کرنا" (ہمارا اتہاس حصہ دوم صفحہ ۳۳، ایڈیشن ۶۶ء)

(مصنف رام چرن ودیارتھی)

نوٹ: دلی کے سلطانوں کی خوبیوں پر پردہ ڈالا گیا ہے اور برائیاں منسوب کی گئی ہیں: " مندروں کو نشٹ بھرشٹ کر کے محمود غزنوی نے سدا کے لیے تمام ہندوؤں کے دل میں اسلام کے لیے نفرت کے جذبات پیدا کر دیے".

(ہمارا اتہاس حصہ دوم صفحہ ۵ ایڈیشن ۶۶ء) مصنف رام چرن ودیارتھی

نوٹ: عبارت بالا پڑھنے کے بعد قومی یک جہتی کا کوئی امکان نہیں رہتا بلکہ نفرت اور عداوت کے جذبات ابھرتے ہیں۔

" قطب الدین ایبک اور التمش نے سینکڑوں مندروں کو توڑوا کر ان کے پتھروں سے مسجدیں بنوائیں"

(ہمارا اتہاس حصہ دوم صفحہ ۳۵. ایڈیشن ۶۶ء) مصنف رام چرن ودیارتھی

"بلبن نے دوآبے کے ہندوؤں کو بڑی بے رحمی سے دبایا. آٹھ سال سے زیادہ عمر کے مردوں کو مروا ڈالا اور

عورتوں کو لونڈی بننے کے لیے مجبور کیا۔" (ہمارا اتہاس حصہ دوم صفحہ ۸۱۔ ایڈیشن ۶۶ء) مصنف رام چرن ودیارتھی

"ہندوؤں کو مسلمان بنانے اور شیعہ مسلمانوں کو کچلنے کی پالیسی نے اس (فیروز تغلق) کو بدنام کیا۔"

(ہمارا اتہاس حصہ دوم صفحہ ۸۸ ایڈیشن ۶۶ء) مصنف رام چرن ودیارتھی

"اورنگ زیب نے ... ایک پکے سنی مسلمان کے روپ میں راج کرنا چاہا۔ جب اسے موقع ملا تو وہ غیر سنیوں جیسے ہندوؤں، شیعہ و صوفی مسلمانوں کے خلاف قدم اٹھانے میں نہ چوکا ۱۶۶۹ء میں اورنگ زیب نے حکم دیا کہ ہندوؤں کے مندروں کو گرا دیا جائے۔ ان کی تعلیمات ان کے رسم و رواجوں کو مٹایا جائے۔ ہندوؤں کو سرکاری نوکریوں سے محروم کرنا شروع کیا اور مسلمان بننے کے لیے انھیں اونچے عہدے دینے کے لالچ دیئے۔"

(ہمارا اتہاس دوم صفحہ ۱۰۱ ایڈیشن ۶۶ء) مصنف رام چرن ودیارتھی

"گرو تیغ بہادر نے اورنگ زیب کے مذہبی مظالم سے تنگ آکر بادشاہ کی مخالفت کی۔ ان سے مسلمان ہونے کے لیے کہا گیا۔ گرو جی نے سر دے دیا گر دھرم نہیں دیا۔"

(ہمارا اتہاس دوم صفحہ ۱۰۴، ایڈیشن ۶۶ء) مصنف رام چرن ودیارتھی

"اس وقت دلی کے بادشاہ سے لڑائی (یدھ) کرنا نہیں چاہتے لیکن ایک راجپوت کماری کا ایک ہندو کنیا کی عزت (मर्यादा) کی رکشا (حفاظت) کا سوال ہے۔ آج ہی صبح روپ نگر کی ... کا ایک پتر (خط) لے کر ایک روپ نگر سے دوت (نامہ بر) آیا ہے۔ راجکماری نے لکھا ہے... دلی کا بادشاہ اورنگ زیب مجھ سے بیاہ کرنے آرہا ہے لیکن وہ میرا استھی مال (अस्थिमाल) ہی پا سکیں گے۔" (نو پربھات سوم صفحہ ۵۳ ایڈیشن ۶۳ء)

نوٹ: اورنگ زیب کے خلاف اس سے بڑا بہتان نہیں ہو سکتا۔

سبق پرتھوی راج کی آنکھ، پرتھوی راج کے قید کی حالت میں طرح طرح کے مظالم کی داستان

پرتھوی راج کی آنکھیں نکالنا:

"دو گرم سوجے میری آنکھوں کے سامنے لائے گئے۔ مجھے ان کی گرمی دھیرے دھیرے پاس آتی ہوئی جان پڑی... ایک لمحہ میں انھوں نے گرم سوجوں سے میری پلکوں کو چھید ڈالا۔ میری پتلیوں کو جلا کر ...

(دگندیہ پتا پار صفحہ ۳۹ تا ۴۴ ایڈیشن ۶۴ء)

نوٹ: ایسے واقعات لکھنے کے بعد قومی یک جہتی کی امید کرنا محض خام خیالی ہے۔ لکھنے والا مستند مورخ نہیں ہے اور نہ کسی مستند تاریخی کتاب کا حوالہ ہے بھلا اس سے مغل لوگ یا کوئی بھی کیسے ڈرنے لگے۔ اس لیے ہم پر

آگھات پر آگھات (مظالم پر مظالم) ہوئے"۔ (اگدیہ مکتا ہار صفحہ ۳۹ تا ۴۴۔ ایڈیشن ۶۴ء)
" پرتھوی راج کی آنکھوں میں محمد غوری نے نمک بھروادیا"۔ (اگدیہ مکرند صفحہ ۵۲)

شڈول (جی)

سنسکرت کے ذریعہ ہندو دیومالا، ہندو مذہب اور کلچر کی تعلیم :

گورنمنٹ آف انڈیا نے متعدد بار یہ بات واضح کردی ہے کہ سہ لسانی فارمولے میں سنسکرت نہیں آتی
سنسکرت کلاسیکل زبان ہے، اس کا شمار جدید زبان میں نہیں ہوسکتا، لہٰذا سنسکرت سہ لسانی فارمولے میں شامل
نہ کی جاوے۔ تیسری زبان میں اردو یا کوئی اور زبان پڑھائی جاوے۔ اس قسم کے اعلانات نیشنل ہیرالڈ اور دوسرے
اخبارات میں بار بار شائع ہوچکے ہیں۔ قومی آواز مورخہ ۱۷ اپریل ۶۲ء (صفحہ ا) پر یہ واضح کیا جاچکا ہے کہ کلاسیکل زبان کو
جدید زبان کا بدل نہ بنایا جاوے۔ آخری بار گورنمنٹ آف انڈیا کی طرف سے جو ہدایات جاری ہوئی ہیں۔ وہ نیشنل ہیرالڈ
مورخہ یکم جولائی ۶۴ء اور قومی آواز مورخہ ۲ جولائی ۶۴ء میں شائع ہوئی ہیں۔ گورنمنٹ آف انڈیا نے یہ اعلان کیا ہے کہ
مرکز نے ہندی بولنے والی ریاستوں کی یہ تجویز مسترد کردی ہے کہ سنسکرت کو سہ لسانی فارمولے میں تیسری زبان کی
حیثیت دی جائے۔

ان سب اعلانات کے باوجود یوپی گورنمنٹ سنسکرت زبان کو سہ لسانی فارمولے میں شامل رکھنے پر مصر
ہے دنیا کو دکھانے کے لیے سہ لسانی فارمولے میں اردو کو بھی شامل کردیا گیا ہے۔ مگر سارے منظور شدہ اسکولوں اور
کالجوں میں سنسکرت ہی پڑھائی جاتی ہے۔ چند گورنمنٹ اور اسلامیہ اسکولوں کو چھوڑ کر عام طور پر جونیر ہائی اسکولس
اور ہائی اسکولس میں اردو پڑھائی جانے کا کوئی بھی بندوبست نہیں ہے۔ طلبار مجبور کیے جاتے ہیں کہ وہ سنسکرت پڑھیں۔
یو۔ پی گورنمنٹ اور شعبۂ تعلیم کی طرف سے رسمی ہدایات جاری ہوتی ہیں۔ مگر ان نام نہاد ہدایات پر عمل درآمد نہیں ہوتا۔
اس سلسلے کی ساری ہدایات ردی کی ٹوکری میں ڈال دی جاتی ہیں۔ ان اسکولوں اور کالجوں سے کوئی باز پرس نہیں ہوتی جو
اردو کی تعلیم کا بندوبست نہیں کرتے۔ نتیجہ یہ ہے کہ عملاً یوپی میں سنسکرت کی حیثیت اختیاری مضمون کی نہیں بلکہ لازمی
مضمون کی ہوگئی ہے اس کے علاوہ ہندی مضمون کے ساتھ سنسکرت شامل کردی گئی ہے جو لازمی طور پر ہر طالب علم کو پڑھنا
پڑتا ہے۔ سنسکرت کی جو کتابیں کورس میں داخل ہیں اور سنسکرت کے جو مضامین ہندی لٹریچر کی کتابوں میں شامل
ہیں ان سے صاف ظاہر ہے کہ سنسکرت کی آڑ لیکر خالص ہندو مذہب، ہندو کلچر، اور ہندو دیومالا کی تعلیم مقصود ہے جو

دستورِ ہند میں دیئے ہوئے بنیادی حقوق کے بالکل خلاف ہے۔ سنسکرت کی منظور شدہ کتابوں کے اقتباس شیڈول اے، سی، ڈی میں دیئے جا چکے ہیں۔ صرف چند نمونے نیچے دیئے جاتے ہیں۔

سنسکرت کی کتابیں عموماً بندنا سے شروع ہوتی ہیں۔ مختلف مذاہب کی عبادت اور دعا کے طریقے الگ الگ ہیں۔ دعاؤں کا تعلق اکثر مذہب کے بنیادی عقائد سے ہوتا ہے۔ سنسکرت کی منظور شدہ کتابوں یعنی سنسکرت سدھا، سنسکرت پرویش اور سنسکرت سوبودھنی میں جو بندنائیں ہیں وہ سب ہندو مذہب کے عقائد کی ترجمانی کرتی ہیں مثالیں شیڈول ڈی (D) میں دی جا چکی ہیں۔ نمونے کے طور پر کچھ کا ترجمہ مختصراً دیا جا رہا ہے:

"پیپل کا درخت، برگد کا درخت، چندن کے درخت مادر اور کلپدرم نام کے درخت، جامن، نیم، کدم وغیرہ سیدھے بڑھنے والے درخت اور دودھ والے درخت اور سورگ (بہشت) میں خوبصورت سجے ہوئے چنت پرتھ . . . . اور سندن بن نام کے باغیچہ میں ہونے والے دیگر قسم کے دیو درخت، یہ سب درخت ہمارا کلیان (بھلا) کریں۔ گنگا، سندھ، سرسوتی گوداوری، نربدا، کاویری، سرجو، برہم پتر، چمپل، بیتوا، مہاندی وغیرہ پانی سے بھرے ہوئے سمندر وغیرہ یہ سب ندیاں ہمارا کلیان (بھلا) کریں۔ لچھمی، جواہر، منتری، کلپ درخت، شراب، دھن وتنتر، چاند، کام دھین گائے اراوت ہاتھی، امبھا وغیرہ۔ سات منھ والا اُچے شروا گھوڑا، وشنو کا دھنش، سنگھ زہر اور امرت یہ چودہ رتن دنیا میں روزانہ ہمارا بھلا کریں"۔ (سنسکرت سُدھا بھاگ ۳ منگل دُعا صفحہ ۳ ایڈیشن ۶۴ء)

ایسی دعائیں پڑھنے کے بعد مسلمان بچہ صحیح اسلامی عقائد پر کیسے قائم رہ سکے گا۔ سنسکرت مخصوص ہندو مذہب کی قدیم زبان ہے۔ سنسکرت کی کتابوں میں زیادہ اسباق ہندو مذہب اور اس کے مخصوص کلچر سے بھرے ہوئے ہیں۔

سبق منی سندھیا کرتا ہے:

(ترجمہ) یہ جگہ پوجا کرنے کی جگہ ہے۔ یہاں سب طرف پوجا کرنے کے سامان کی خوشبو پھیل رہی ہے ایک منی سندھیا کر رہا ہے۔ دو منی پھول لاتے ہیں۔ تین منی شاستر کی چرچا کرتے ہیں"۔

(سنسکرت سدھا حصہ اول صفحہ ۱۲)

(ترجمہ) بنارس میں گنگا اور ڈرمانڈیوں کے کنارے غسل کرنے سے بہت ثواب ہوتا ہے"۔

(سنسکرت سدھا حصہ اوّل صفحہ ۱۷، ایڈیشن ۶۴ء)

(ترجمہ) کھانے کی روز پوجا کرو"۔ (سنسکرت سدھا حصہ اوّل صفحہ ۲۴، ایڈیشن ۶۴ء)

(ترجمہ) بالوں کو سجانا۔ آنکھوں میں انجن ڈالنا۔ دانتوں کا دھونا اور دیوتاؤں کی پوجا دوپہری سے کرنا چاہیئے"۔ (سنسکرت سدھا حصہ دوم صفحہ ۴۸، ۴۹ ایڈیشن ۶۴ء)

بندنا: خلاصہ ترجمہ؛

قابل ستائش دیودوں میں کلپ درخت کے مانند شیوجی کو خوش کرنے والے گنیش جی کو میں پرنام کرتا ہوں جو سرسوتی دیوی کنڈ چاند برف (तुषार) جیسی صاف (स्वच्छ) عمدہ مالا کو پہنتی ہے جو سفید کپڑے پہنتی ہے جس کے ہاتھ میں خوبصورت بین باجہ رہتا ہے۔ جو شویت پدم (श्वेत पद्म) کے آسن پر بیٹھتی ہے جو برہما، بشنو، مہیش وغیرہ دیوتاؤں سے ہمیشہ بندنا کی جاتی ہے اور جو بیوقوفی کو دور کرتی ہے وہ میری رکھشا کریں"۔ (سنسکرت پرویش درجہ ۹ اور ۱۰ کے لیے سبق ا بندنا صفحہ ا ایڈیشن ۶۴ء)

مطلب:

ایک ہاتھ میں باجہ بجانے والا ہوتا ہے اور دوسرے ہاتھ میں مالا جپتی ہوئی ہنس کی پیٹھ پر بیٹھی ہوئی اس سرسوتی کو سلام کرتا ہوں جس کی مہربانی سے گونگے بولنے لگتے ہیں، لنگڑے درست ہو جاتے ہیں جو پہاڑوں کو پار کر لیتے ہیں۔ اس بڑے معبود وشنو کو میں آداب بجا کر سر جھکاتا ہوں"۔

(سنسکرت پریچے سبق بندنا برائے ہائی اسکول اور انٹرمیڈیٹ)

مطلب:

اس کھیت کے دیوتا کی میں نے کبھی پوجا نہیں کی اس وجہ سے میرا یہ کاشتکاری کا کام خراب ہو رہا ہے۔ اس لیے میں آج اس کی پوجا کروں گا۔ ایسا خیال کر کے کہیں سے دودھ منگا کر سکورے میں رکھ کر بانبی کے قریب جا کر بولا اے چھتر پال میں نے آج تک نہیں سمجھا کہ آپ یہاں رہتے ہیں۔ اسلیے پوجا نہیں کی، آپ معاف کریں، ایسا کہہ کر اور دودھ چڑھا کر چلا گیا۔ صبح جب آیا تو ایک اشرفی سکورے میں رکھی دیکھی۔ (سنسکرت بودھ منجری سبق لوبھ ناس کا دن صفحہ ۸ ایڈیشن ۶۴ء)

"جن کے تمام جاندار خادم ہیں کیتھ اور جامن کے پھلوں کے کھانے والے، غم کو دور کرنے والے اور تمام آلام کو رفع کرنے والے اُما (پاربتی) کے لڑکے گنیش جی کے قدموں کے سامنے میں جھکتا ہوں"۔ (سنسکرت سودھم حصہ اوّل ۶۵ء ایڈیشن برائے درجہ ششم صفحہ ۱)

"سفید رنگ والی۔ برہما کو ہمیشہ دل میں رکھنے والی ابتدائے آفرینش سے ہی دنیا میں سموئی ہوئی بین (ایک باجا) اور کتاب لیے ہوئے کمل کے پھول پر بیٹھی ہوئی۔ بےخوفی عطا کرنے والی۔ جہالت کی تاریکی (کم عقلی) کو دور کرنے والی، ہاتھ میں موتیوں کا مالا لینے والی اور عقل دینے والی

ں دیوی کے آگے میں جھکتا ہوں۔" (سنسکرت سوربھ حصہ اول ایڈیشن ۱۹۶۵ء صفو ا برائے درجہ ششم)

ا نازک جسم نیلے کمل کے مانند کالا ہے۔ جن کے بائیں حصہ میں سیتا جی زینت بخش
کے ہاتھ میں بڑا اور خوبصورت دھنش اور تیر ہے۔ ایسے رگھو کے خاندان کے مالک رام
ں جھکتا ہوں۔"

ساجبزادے رام رگھو کے خاندان سے تھا۔) (سنسکرت سوربھ حصہ اوّل ۶۵ ایڈیشن صفو ا برائے درجہ ششم)
ں کے سامنے جُھک کر تسلیم ہے۔ اور دیوی کا استقبال ہے۔"

(سنسکرت سوربھ حصہ اوّل ایڈیشن ۶۵ء صفو ۱۴ سبق ۹ برائے درجہ ششم)

ی ماں ہے۔ گائیں میرے آگے ہوں اور گائیں میرے پیچھے ہوں اور گائیں میرے بغل میں
ں کے بیچ میں رہوں یہی میری خواہش ہے۔

(سنسکرت سوربھ حصہ اوّل ایڈیشن ۶۵ء صفو ۲۵ سبق ۴ برائے درجہ ششم)

ی لکشمی (دولت) کی پوجا کرتے ہیں۔ اور چراغوں کی قطاریں جلاتے ہیں۔"

(سنسکرت سوربھ حصہ اوّل ایڈیشن ۶۵ء صفو ۴۳ سبق ۲۲ برائے درجہ ششم)

ند سفید جسم والے۔ مجسم رحم۔ عالم کے ماحصل۔ سانپوں کے راجہ۔ سانپ کا ہار پہنے
ں سکونت کرنے والے شیو اور ان کی بیوی پاربتی سمیت کے سامنے جھکتا ہوں۔"

(سنسکرت سوربھ حصہ دوم ایڈیشن ۶۵ء صفو ا سبق ا برائے درجہ ہفتم)

ند ہاتھوں سے کمل کے مانند پیروں کو کمل کے مانند منھ میں ڈالنے والے نیز دنیا جو کہ
کے مانند ہے پر بیٹھنے والے بھگوان بال کمند کو دل سے یاد کرتا ہوں۔"

(سنسکرت سوربھ حصہ دوم ایڈیشن ۶۵ء صفو ا سبق ا درجہ ہفتم)

شمی کا مکالمہ تم سب کی حفاظت کرے۔"

(سنسکرت سوربھ حصہ دوم اڈیشن ۶۵ء صفو ۸ سبق ۸ برائے درجہ ہفتم)

نداروں میں طاقت کی صورت سے موجود ہے اسے بار بار جھک کر سلام ہے۔"

(سنسکرت سوربھ حصہ دوم اڈیشن ۶۵ء صفو ۴۵ سبق ۱۵ برائے درجہ ہفتم)

ں کروڑ دیوتا دنیا کے ذریعہ پوجے جاتے ہیں ویسے ہی میں ان دونوں بڈھوں (ماں، باپ)

کی پوجا کرتا ہوں۔" (سنسکرت سوربھ حصہ سوم اڈیشن ۸۵ء صفحہ ۶۰ برائے درجہ ہشتم)

"گرو برہم ہے۔ گرو وشنو ہے۔ گرو شنکر دیوتا ہے۔ گرو ساکھشات وپر برہم ([illegible]) ان گروؤں کے لیے بندنا ہے۔

" کافور کی طرح سفید رنگ، گرو نشرا کے اوتار۔ دنیا کے حسن کا خلاصہ ([illegible]) تمام سانپوں کے ہار کو پہننے والے۔ ہمیشہ کمل کے دل میں بسنے والے مع پاربتی شنکر جی کی بندنا کرتا ہوں۔" (نو بھارتی صفحہ ۱۹۳)

سنسکرت کی ابتدا بندنا سے ہوتی ہے بندنا کے دوسرے شعر کا اردو ترجمہ حسب ذیل ہے۔

"جو برہما۔ وشنو۔ شنکر وغیرہ کے ذریعہ قابل پرستش ہے وہ سرسوتی دیوی لاعلمی کو نشٹ کرنے والی میری حفاظت کرے۔" (نو بھارتی بھاگ ۲ صفحہ ۲۲۹ اڈیشن ۶۷ء)

کتاب میں عموماً اکثریتی فرقہ کے افراد کی کہانیاں ان کی عظمت اور نیکی کے تذکرے ہیں لیکن اگر کہیں کسی مسلمان حکمراں یا اہم شخصیت کا تذکرہ کیا گیا ہے تو اس سے اس شخص کی بڑائی نہیں بلکہ منافرت کا جذبۂ عناد مقصود ہوتا ہے۔ جسکی مثال کتاب جلد ۲ کے سبق ۱۶ میں ابراہیم گاردی اور احمد شاہ ابدالی کی گفتگو کی تفصیل ہے۔ یہ گفتگو بالکل غیر مصدقہ ہے۔ کسی تاریخی کتاب سے ثابت نہیں کی جا سکتی۔ گفتگو کا طرز اور اس کے الفاظ سے ایک مسلم حکمراں کے خلاف نفرت انگیز جذبات پیدا کرنا مقصود ہیں۔

سنسکرت مثل دیگر ہندی زبان کی دوسری کتب کے اس کتاب کا بھی لازمی جزو ہے۔

سنسکرت کے حصہ کی ابتدا حسب معمول بندنا سے ہوتی ہے جس میں کرشن جی کو خداوندی صفات کا حامل دکھا کر سر جھکا کر ان کو تعظیم کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

●●

جناب حبیب اللہ اعظمی
لکھنؤ ایم اے۔ بی ٹی

یو پی کے اسکولوں کے نصاب میں داخل تاریخ و سماجیات کی کتابوں کا قومی یکجہتی کے نقطۂ نظر سے جائزہ

آج ہندستان میں مسلمانوں کے خلاف نفرت اور غم و غصہ بھڑکانے کا کام جہاں ہندو فرقہ وارانہ سیاسی پارٹیاں زور و شور سے کر رہی ہیں، وہیں اسکول میں پڑھائی جانے والی نصابی کتابوں خاص کر سماجی مضامین اور تاریخ کی کتابوں میں تاریخی واقعات کو مسخ کر کے ہندو مسلم رنگ میں اس طرح پیش کیا جاتا ہے۔ گویا مسلم بادشاہوں کی سلطنت کا قیام اور توسیع سلطنت اور راج پاٹ حاصل کرنے کی جد و جہد نہ تھی بلکہ ایک ہندو مسلم جنگ تھی۔ حالانکہ تاریخ شاہد ہے کہ ترک سلطانوں اور مغل بادشاہوں کے دور میں سپاہی سے لے کر بڑے عہدیداران، وزیر اور کمانڈر تک ہندو عہدیدار اسی طرح موجود تھے، جس طرح رانا پرتاپ اور شیواجی کی فوج اور وزارت میں مسلم افسران۔ اس دور میں سلطنت کی توسیع میں مسلم بادشاہ کسی مسلم سلطنت کو اپنی سلطنت میں شامل کرنے سے باز نہیں آتا تھا، اور نہ ہندو راجہ کسی ہندو راج پر قبضہ کرنے میں پیچھے رہتا تھا۔ اور ہندو مسلم عوام دونوں رعایا میں شمار ہوتے تھے۔ اور ان کا حال ایک جیسا تھا۔ اور کبھی بھی ان کے میل ملاپ اور بھائی چارگی میں بھید بھاؤ نہیں پیدا ہوا۔

مغل سلطنت کے کمزور پڑ جانے کے بعد انگریزوں کا اقتدار بڑھا اور آخر کار انھوں نے ہندستان پر اپنی سلطنت کا جھنڈا لہرا دیا۔ اور اس سلطنت کو قائم اور برقرار رکھنے کے لیے انھوں نے تاریخ کے واقعات کو اس طرح پیش کیا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں منافرت کا جذبہ پیدا ہو، اور انگریزی دور حکومت میں جب بھی ہندو مسلم یکجہتی پیدا ہوئی، انھوں نے اس کو ختم کرنے کے لیے جہاں بہت سے ہتھکنڈے اپنائے وہاں تاریخی واقعات کو مسخ کر کے اس طرح نصابی کتابوں اور تاریخ میں پیش کروایا گویا ہندو، مسلمان ایک قوم نہ ہو کر ایک دوسرے کے جانی دشمن تھے۔

یہی نہیں انھوں نے تاریخ کو ہندو دور اور مسلم دور کا رنگ دے کر دونوں فرقوں میں دوری پیدا کی

اور اپنے دور کو انہوں نے عیسائی دور نہیں کہا بلکہ اسے اپنے قومی نام انگریزی دور کا نام دیا گویا اگر انگریز نہ ہوں تو ہندو اور مسلمان امن و چین سے رہ نہیں سکتے۔

۱۹۴۷ء میں آزادی کے بعد ہمارے رہنماؤں نے ہندستان کو ایک جمہوری اور سیکولر دستور دیا کہ ملک میں یکجہتی اور اتحاد پیدا ہو مگر افسوس ہے کہ آزاد ہندستان کے متعصب اور ہندستان کو صرف ہندو راج بنانے کا خیال رکھنے والے تاریخ دانوں نے انگریز کے پھیلائے ہوئے اس زہر کو سماجی مضامین اور تاریخ میں کوٹ کوٹ کر بھر دیا اور ملک میں بجائے ہندو مسلم بھائی چارگی، محبت اور میل ملاپ کے نفرت و تعصب کی آگ کو روشن رکھا۔ کہتے ہیں کہ اگر نئی نسلوں کو نفرت اور تعصب کا سبق پڑھایا گیا تو وہ کسی ایک جگہ نہیں رکتا، اور آج آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہم مذہب ہونے کے باوجود پنجاب میں سکھ اور ہندو، تری پورہ میں قبائلی اور غیر قبائلی آسام میں آسامی اور غیر آسامی، دارجلنگ میں نیپالی اور غیر نیپالی کی آگ بھڑک اٹھی ہے۔ اب بھی اگر ہمارے مورخین کو ہوش آجائے اور نصابی کتابوں خاص کر تاریخ کی کتابوں سے ایسے واقعات نکال دیں جو صرف نفرت پیدا کرنے کے لیے لکھے گئے ہیں اور صحیح سیاق و سباق میں نہیں تحریر کیے گئے ہیں تو ملک کو برباد ہونے سے بچایا جا سکتا ہے۔

یہاں اتر پردیش میں درجہ ۳ سے درجہ ۶ تک پڑھائی جانے والی تاریخ کی کتابوں کے اقتباسات ملاحظہ کے لیے پیش ہیں جن سے نوجوان طلباء اور نئے تعلیم یافتہ لوگوں میں نفرت کا جذبہ اتنا بڑھ گیا ہے کہ پورے ملک کا امن و امان خطرے میں ہے۔

کتاب کا نام :۔ "ہماری دنیا ہمارا سماج" حصہ اوّل۔ برائے درجہ چہارم۔ ناشر:۔ شعبۂ تعلیم اتر پردیش۔ ایڈیشن ۱۹۸۶ء۔ سبق: ۱۲۔ "رامائن کی کہانی" صفحہ ۶۵ سے ۷۱ تک۔

سبق ۱۲، صفحہ ۱۱۱ پیراگراف ۱ سطر ۳ تا ۷: "سکھوں کے نویں گرو تیغ بہادر کو جب اورنگ زیب نے اسلام دھرم نہ اختیار کرنے پر قید کر لیا اور انھیں سزائے موت دی تب لڑائی اور بڑھ گئی۔"

یہ تاریخی حقیقت نہیں ہے گرو تیغ بہادر نے پنجاب میں سکھ حکومت قائم کرنے کے لئے بغاوت کی تھی اور باغی کی سزا جو اس زمانہ میں رائج تھی وہ اورنگ زیب نے دی، اور اس نے کبھی بھی کسی کو اسلام قبول کرنے کے لئے مجبور نہیں کیا۔ اس غلط بیانی سے قومی یکجہتی کو نقصان پہنچے گا اور مسلمانوں کے خلاف نفرت پیدا ہوگی۔

کتاب کا نام: "ہماری دنیا ہمارا سماج" حصہ سوم۔ برائے درجہ پنجم، ایڈیشن ۱۹۸۶ء۔ باب ۶ مبق۔

آزادی کی پہلی جنگ ۔ صفحہ ۱۴۲ تا ۱۴۳

۱۸۵۷ء کی پہلی جنگ آزادی میں مسلمانوں کے نام کو نظر انداز کیا گیا ہے ۔ مولانا فضل حق خیرآبادی، بیگم حضرت محل، مولوی احمد شاہ اور مولوی عظیم اللہ اور اس طرح کے بہت سے نام اس سبق میں جوڑنا چاہیئے ۔

باب: ۸ : سوتنترتا پرابتی مہاتما گاندھی : " ۱۹۲۲ء کے اسہیوگ آندولن (تحریک ترک موالات) میں مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی (علی برادرس) کے نام کے بغیر اس تحریک کا ذکر ادھورا اور نامکمل ہے۔ علی برادرس ہندو مسلم اتحاد کے علم بردار تھے۔ ان کا ذکر نہ کرنا بڑی تنگ نظری ہے۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ علی برادرس ہندو مسلم اتحاد کا نشان (SYMBOL) تھے۔ اسی طرح بھگت سنگھ اور چندر شیکھر آزاد کے نام کے ساتھ شہید اشفاق اللہ کا نام بھی آنا چاہیئے ۔ اس سے قومی یکجہتی کو فروغ حاصل ہوگا۔"

کتاب کا نام :۔ ہمارا ایتہاس، حصہ دوم ، برائے درجہ ۷ ۔ ناشر :۔ شعبۂ تعلیم اتر پردیش، ایڈیشن ۱۹۸۴ء

یہ کتاب بہت اچھی اسپرٹ میں لکھی گئی ہے ۔ اس سے قومی اتحاد میں مدد ملے گی ۔ اس کتاب میں تاریخ کو صحیح ڈھنگ سے پیش کیا گیا ہے ۔ صرف درج ذیل جملے اورنگ زیب پر الزام ہیں ۔

باب ۱۷: ص ۱۵۳ تا ۱۵۴ دوسری سطر: " اس کے شاشن کال (اورنگ زیب کے دور حکومت) کی ایک لکھیہ وشیشتا (خاص خوبی) یہ ہے کہ جہاں ایک طرف مندروں کو دھونس (منہدم) کیا گیا۔ وہاں کچھ استھانوں (جگہوں) کے برہمنوں اور پروہتوں کو سمراٹ (بادشاہ) کے دوارا (ذریعہ) زمین دی گئی۔"

نوٹ : اورنگ زیب اسلام مذہب کا پکا ماننے والا تھا وہ مندروں یا کسی بھی عبادت گاہ کو توڑنا اسلام مذہب کے خلاف سمجھتا تھا ۔

ص ۱۲۔ پیراگراف ۲۔ سطر ۲ سے ۴ : " ہندوؤں کو صرف چھوٹے عہدوں پر رکھا جاتا تھا۔"

نوٹ :۔ یہ قطعی غلط ہے ۔ اس جملہ سے آپس میں نفرت بڑھے گی ۔

باب ۱۲۔ ص ۱۴۹ ۔ پیراگراف ۲ ۔ سطر ۹، ۱۰ :۔ " اگرچہ کچھ مسلمان بھارت سے پاکستان بھاگ گئے، مگر پاکستان سے بھارت آنے والوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔" ——————

نوٹ :۔ پاکستان سے ہندستان آنے والوں اور ہندستان سے پاکستان جانے والوں کا مقابلہ بے معنی ہے ۔ اس سے منافرت کا جذبہ پیدا ہوگا جو قومی ایکتا کے خلاف ہے ۔

کتاب کا نام :۔ ہائی اسکول اتہاس۔ حصہ اوّل۔ برائے درجہ ۹ اور ۱۰۔ ناشر:۔ شعبۂ تعلیم اتر پردیش

ایڈیشن :۔ ۸۷ - ۱۹۸۶ء

باب : ۱۲ : تیمور کا آکرمن (حملہ) ص ۲۵۶ آخری پیراگراف : " پندرہ دن تک دلی میں لوٹ پاٹ تھا (اور) قتل عام ہوتا رہا۔ جنتا میں ہاہاکار مچ گیا۔ ایک لاکھ ہندو قیدی مار دیے گئے۔"

نوٹ : تیمور نے دلی میں جو قتل عام کرایا تھا۔ اس میں ہندو مسلم میں اس نے کوئی فرق نہیں کیا۔

ص : ۲۵۷ پیراگراف - ۱ : " وہ (تیمور) بہت سے سامان اپنے ساتھ لے کر واپسی میں میرٹھ تھا (اور) ہردوار کے مندروں تھا مورتیوں کو توڑتا ہوا واپس لوٹ پڑا۔ جموں کے ہندو راجہ پر آکرمن (حملہ) کیا۔ راجہ پراجت ہوا اور اسکو مسلمان بنانے کے لیے وِوَش کیا۔"

نوٹ : کیا اس سے ہندو مسلمان کے درمیان نفرت نہیں پیدا ہوگی۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ کیا یہ تاریخی اعتبار سے سچ ہے؟

باب : ۱۲ : ص : ۲۷۰ دھارمک اسہشنُتا کی نیتی (مذہبی تنگ نظری) : " ادھک تر (زیادہ) سلطانوں نے ہندوؤں پر اتیاچار (ظلم) کیے تھے۔ مورتیوں اور مندروں کو توڑا۔ اس سے ہندو سلطنت کے سامنے جھکتے گئے۔"

باب : ۱۳ : ص : ۲۷۲ تیسرا پیراگراف : " اسلام دھرماولمبی (اسلام مذہب کو ماننے والے) نے کفر کو مٹا کر بھارت کو دارالحرب سے دارالاسلام میں پریورن کرنا اپنا لکچھ (مقصد) سمجھا۔ شاسک ورگ دوارا (حکمراں طبقہ کے ذریعے) سنکیرن (تنگ نظر) بھاؤناؤں کا پردرشن تھا شاشوت (رعایا کا دھرم۔ سماجک اور آرتھک اتپیڑن کیا گیا (سماجی و معاشی بربادی کی گئی)۔"

باب : ۱۳ : ص ۲۷۶ - ۲۷۷ ہندو سماج : " راج کی بہوسنکھیک (اکثریت) جنتا ہندو تھی لیکن مسلمان ورگ شاسکوں دوارا پوشت ورگ تھا۔ (تحفظ یافتہ طبقہ تھا) وِشیش روپ سے (خاص طور سے) فیروز تغلق اور سکندر لودی کے شاسن کال کا وِورن (حال) اسمتان استھان پر دھرم سنکرنتا (تنگ دلی) کا پریچے دیتا ہے۔ مسلمانوں کے ڈر سے الپ آیو (کم عمری) میں لڑکیوں کے وواہ، جوہر پردا، جادو ٹونا، اندھ وشواس آدی پرتھا پرچلت ہوگئیں۔"

باب : ۱۳ : ص ۲۷۷ ۔ دوسرا پیراگراف : " دلی سلطنت کا شاسن ہندو جنتا کے پرتی اتیاچار پورن تھا۔ (دلی سلطانوں کا دور حکومت ہندو عوام کیلئے ظلم سے بھرا ہوا تھا)۔

باب : ۱۳ : ص ۲۸۳ ۔ چوتھا پیراگراف : " بھارت میں اسلام دھرم کا پرچار اس کے سدھانتوں کی سرلتا کے کارن (اصولوں کے آسان ہونے کی وجہ سے) اتنا نہیں ہوا جتنا تلوار کے بھئے سے (ڈر سے) ہوا۔"

نوٹ :۔ اس سے بڑھ کر تاریخی جھوٹ اور کیا ہو سکتا ہے۔ ہندوستان میں اسلام صوفیائے کرام کے دم خم سے

پھیلا۔ یہ خالص منافرت پیدا کرنے والی ذہنیت ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا۔

○

کتاب کا نام :۔ بھارت ورش کا سمپورن اتہاس۔ بھاگ :۔ ۱۔ برائے (XI اور XII) انٹرمیڈیٹ پراچین کال سے ۱۵۲۶ء تک ۔مصنف :۔ شری نیتر پانڈے ۔ ایڈیشن : ۱۹۸۷ء۔

ص : ۲۷۲ ۔ راجپوت یگ :۔ "ڈاکٹر ایشوری پرشاد نے بھی راجپوتوں کی پرشنسا (تعریف) کرتے ہوئے لکھا ہے 'راجپوتوں میں اُتم سمّان (خودداری) کی بھاؤنا اُونچ کوٹی کی تھی۔ وہ اپنے شتروؤں کے پرتی بھی ادار تھے (اپنے دشمنوں کے لیے بھی فراخ دل تھے۔) اور وجے (فتح) ہو جانے پر اس پرکار (اس طرح) بربرتا کے کاریہ (بربریت کے کام) نہیں کرتے تھے جن کا کیا جانا مسلم وجے کے پھل سروپ اوشیمبھاوی تھا۔ (مسلم فتح کے نتیجہ میں جن کا کیا جانا لازم تھا۔"

ص : ۲۷۸ :۔ "راج پال نے بڑی کایرتا (بزدلی) دکھائی۔ وہ قنوج چھوڑ کر بھاگ گیا اور اپنے ایک سامنت (جاگیردار) کے یہاں شرن (پناہ) لی۔ محمود نے قنوج کو اور وہاں کے مندروں کو خوب لوٹا۔"

ص : ۲۸۴ : سین ونش۔ پہلی تین سطریں :۔ "لگ بھگ ۱۲۶۰ء تک لکھمن سین کے ونشج بنگال میں شاسن کرتے رہے۔ انت (آخر) میں مسلمانوں نے اس ونش کا انت کر دیا۔"

ص : ۲۸۷ : (مسلمانوں کی سینک سپھلتا) آخری ۲ سطر : "مسلمان اپنے دھرم کے پرچار تتھا لوٹ کے لیے لڑتے تھے۔ اتیو (اس لیے) اُنھیں اُتساہ بھی اُدھک رہتا تھا۔ (حوصلہ بھی زیادہ رہتا تھا۔)"

ص : ۲۸۹ : پیراگراف۔ س : ۴، ۵ :۔ "وے اتنے کشل (ماہر) تیر انداز نہیں ہوتے تھے، جتنے کشل ان کے مسلمان شترو (دشمن) ہوتے تھے۔"

نوٹ :۔ بادشاہوں اور راجاؤں کی جنگ کو ہندو مسلم جنگ کی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔ اس سے فرقہ وارانہ ذہنیت پیدا ہوگی جو قومی یکجہتی کے لیے انتہائی نقصان دہ ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ باہر سے آنے والے مسلم بادشاہوں کا حملہ اپنی سلطنت کو بڑھانے اور دولت اکٹھا کرنے کے لیے تھا، جو اس دور کا ہر حکمراں چاہے ہندو ہو یا مسلمان اسی مقصد سے دوسری سلطنتوں پر حملہ کرتا تھا۔

باب : ۲۲ : ص : ۳۱۳ : س : ۳ : دھرم کا راجنیتک سوروپ :۔ "جب ۶۲۲ء میں محمدؐ صاحب مکّہ سے بھاگ کر مدینہ گئے تب انھوں نے وہاں پر اپنے انویائیوں (ماننے والوں) کی ایک سینا سنگٹھت کی اور مکّہ پر آکرمن کر دیا۔ اس پرکار انھوں نے اپنے سینیہ بل (فوجی طاقت) سے مکّہ میں سپھلتا پراپت کی (کامیابی حاصل کی)۔"

نوٹ: بھاگنا اور چیز ہے، اور کسی مقصد سے پہلو بدلنا بالکل دوسری چیز ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ایک مقصد کے لیے تھی۔ جب ان کی زندگی کو خطرہ اس حد تک پہنچا کہ ان کے ساتھ مقصد ہی ختم کر دیا جائے تو انھوں نے اس مقصد کو بچانے کے لیے نئے میدان اور نئی جگہ کا انتخاب کیا۔ بھاگنے کا لفظ اس جگہ غلط ہے اور اتنی بڑی شخصیت کے لئے اس کا استعمال نازیبا اور مکروہ بھی ہے۔

جو کام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں کرنا چاہتے تھے اور نہ کر سکے وہ مدینہ میں آسان ہو گیا۔ ہمدردوں اور ساتھیوں اور مقصد سے محبت کرنے والوں کی ایک چھوٹی موٹی جماعت اکٹھا ہو سکی۔ جس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصد کو اپنایا۔ اس کے لیے جینے مرنے کی ٹھانی ہے۔

ہر سنجیدہ بات اپنے سے جانے کے لیے امن و امان چاہتی ہے کہ میں یہ پہلی شرط بھی پوری نہیں ہو رہی تھی۔ اب مدینہ میں آپ کی بات سنی جا رہی تھی، اور آپ کی معمولی کوششوں سے مدینہ میں اس حد تک امن قائم ہو گیا تھا کہ ایک سٹی اسٹیٹ کی بنیاد رکھی جا سکے۔ اس سٹی اسٹیٹ میں مدینہ کے سارے رہنے والے شامل ہوئے اور انھوں نے آپ کے مقصد اور آپ کے کردار کے وزن کو محسوس کر کے آپؐ ہی کو پہلا امیر جماعت مقرر کیا۔

آپؐ کے ساتھ مدینہ والے تھے جو امن و امان کے مقصد سے آپؐ کے جھنڈے کے نیچے کھڑے ہوئے تھے۔ انویائیوں کی بھیڑ اور سینا نہ تھی۔

سچ یہ ہے کہ مدینہ پر سب سے پہلے مکہ والوں نے حملہ کیا۔ مدینہ کے امن کو بچانے میں آپؐ کی کوشش یہی رہی کہ اگر کوئی مقابلہ کرنا پڑے تو وہ مدینہ سے باہر ہو تاکہ امن و امان کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ ان مقابلوں میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی اتنی کم تعداد میں تھے کہ ان سے کسی پر چڑھائی کا اندیشہ ہو ہی نہیں سکتا تھا بلکہ اندیشہ تو یہ تھا کہ وہ اس مقابلہ میں پس کر کہیں ختم نہ ہو جائیں اور مقصد ہمیشہ کیلئے نیست و نابود نہ ہو جائے۔ جنگ بدر کی رات میں آپؐ کی دعا بھی یہی تھی کہ یہ مٹھی بھر کلمہ گو اگر آج مٹ گئے تو اے اللہ روئے زمین پر قیامت تک تیرا نام لیوا کوئی باقی نہ رہے گا۔ گویا مسلمان اپنی بے بساطی کے باوجود صرف اس لئے لڑ رہے تھے کہ اپنے پروردگار کے نام کو بچا لیں۔

<u>**ص: ۲۱۳: آخری پیراگراف: آخری ۳ سطر :۔**</u> "اس کا پرینام (نتیجہ) یہ ہوا کہ راجہ کا شاسن قرآن کے انوسار ہونے لگا اور راج میں مولویوں کا پربھاؤ بڑھا اور راج میں دھارمک اسہشنوتا کی نیتی کا انسرن کیا (حکومت میں مذہبی تنگ نظری کے اصول کی پابندی کی گئی) انیہ (دوسرے) دھرم والوں کے ساتھ انیائے تتھا اتیاچار (ناانصافی اور ظلم) کیا جانے لگا۔"

<u>**ص: ۲۱۴: س: ۴ سے آخر تک :۔**</u> "یہ پرچار شانتی پورک سنتوں دوارا نہیں ورن راجنیتکوں دوارا سیاسی

لوگوں کے ذریعہ) تلوار کے بل سے کیا گیا۔ پرینام یہ ہوا کہ جہاں کہیں اسلام کا پرچار ہوا وہاں کی دھرا رکت رنجیت کر دی گئی (وہاں کی سرزمین خون سے رنگ دی گئی) اور سیناادھیکچھ (فوجی کمانڈر) لوگ جہاد اتھوا دھرم یدھ کا نعرہ لگانے لگے۔ کبھی کبھی یہ دھرم یدھ ایسا بھینکر روپ دھارن کر لیتا کہ دانوتا تانڈو نرت کرنے لگتی۔ (یہ مذہبی جنگ ایسا خوفناک رخ اختیار کر لیتی تھی کہ شیطانیت ننگا ناچ ناچنے لگتی) اور دھرم کے نام پر امانوی (غیر انسانی) کاریہ کیے جانے لگے بشتابدیوں کے وشیلنت ہو جانے کے اپرانت بھی اسلام دھرم کی کٹرتا کا سوروپ ابھی سماپت نہیں ہوا۔ (صدیاں بیت جانے کے باوجود اسلام مذہب کی انتہاپسندی کی یہ شکل ابھی ختم نہیں ہوئی)"

نوٹ:۔ اسلام مذہب اور جہاد سے مصنف اتنا ناواقف ہے۔ یہ ایک تاریخ کے مصنف کے لیے شرم کی بات ہے۔ یہ سب بہتان ہے حقیقت سے اس کا دور کا بھی واسطہ نہیں۔ کیا اس تاریخ کو پڑھنے کے بعد کوئی بھی ہندستان میں ہندو، مسلم بھائی چارگی کا خیال کر سکتا ہے۔ مصنف کو دور رسولؐ کی عرب تاریخ کو پڑھ کر صحیح حقائق کو سامنے رکھنا چاہیے تھا۔ ضرورت ہے کہ "رحمت عالم" ہندی ایڈیشن مولانا سید سلیمان ندوی کی تصنیف کردہ اور راقم الحروف کی ترجمہ کردہ کی روشنی میں صحیح حقائق تاریخ میں لکھے جائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کا جب مکہ میں رہنا دشوار کر دیا گیا طرح طرح کے مظالم کئے گئے تو خدا کا حکم ہجرت کرنے اور مدینہ میں آباد ہونے کا آیا تب آپؐ نے مکہ چھوڑا اور مکہ کے کفار نے ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ مسلمانوں کو دنیا سے مٹا دینے کے لیے مدینہ پر حملہ کیا۔ جنگ بدر اور جنگ احد دو اہم جنگیں ہوئیں جن کا مطالعہ مصنف کو کرنا چاہیئے تھا۔ مکہ پر فتح بغیر ایک قطرہ خون بہائے حاصل ہوئی اور امن و شانتی کے پیغمبر نے ان سبھی قاتلوں کو بھی معاف کر دیا جنھوں نے اہم اور جان دینے والے صحابیوں کو شہید کیا تھا۔ فتح مکہ کے بعد ایسی عام معافی آج تک نہ ہوئی ہے اور نہ ہوگی کہ نہ جنگ میں ایک قطرہ خون بہا اور نہ فتح کے بعد۔

عرب واسیوں کا بھارت پر آکرمن کرنے کا لکچھ۔ ص: ۳ :۔ " ان کا دوسرا لکچھ بھارت میں اسلام دھرم کا پرچار کرنا تھا مورتیوں اور مندروں کو توڑنا تھا۔"

محمد بن قاسم کا آکرمن۔ ص: ۲۱۶: س ۵ سے ۱۰:۔ " دیول میں محمد بن قاسم نے بڑی کٹھورتا کا انسرن کیا (سختی کا برتاؤ کیا)۔ اس نے نگر باسیوں کو مسلمان بن جانے کی آگیا (حکم) دی۔ اور جب لوگوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا تب اس نے ان کی ہتیا (قتل) کی آگیا دے دی۔ کہا جاتا ہے کہ سترہ ورش کی آیو (عمر) کے سبھی پرشوں کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ اور استریوں (عورتوں) تتھا بچوں کو داس بنا لیا گیا۔ نگر کو خوب لوٹا گیا، اور لوٹ کا مال سینکوں (فوجیوں) میں بانٹ دیا گیا۔"

ص: ۲۱۷: پہلا پیراگراف۔ آخری سطر:۔ " جن لوگوں نے جزیہ دینا سویکار کر لیا۔ انھیں مسلمان نہیں

بنا یا گیا۔ یہاں پر ہندوؤں کے مندر کو بھی نہیں توڑا گیا پرنتو ان کی سمپتی لوٹ لی گئی۔"

ص: ۳۱۷، آخری پیراگراف :۔ "دیول میں اس نے بڑی کمٹھورتا کا ادیش دیا۔ اس سے بھارتی اتینت (بہت) بھیبھیت ہو گئے۔ وبے پرایت کرنے کے لیے بھارتیوں کو آتنکت (خوف زدہ) کر دینا آوشیک (ضروری) تھا۔"

ص: ۳۱۹، پہلا پیراگراف :۔ "جن ہندوؤں نے اسلام دھرم کو سویکار کرنے سے انکار کیا تھا انھیں جزیہ نامک کر (ٹیکس) دینا پڑتا تھا۔ جن سادھارن (عوام) کی استھتی (حالت) اچھی نہ تھی۔ انھیں انیک پرکار کی اسویدھاؤں (مشکلوں) کا سامنا کرنا پڑتا تھا نہ وہ اچھا وستر (پوشاک) پہن سکتے تھے نہ گھوڑے کی سواری کر سکتے تھے۔ . . . اتئیو ہندوؤں کے ساتھ پرایہ (برابر) اتیاچار (اکثر ظلم) ہوتا تھا۔

باب: ۲۵: ص: ۳۲۵: غزنی ونش :۔ "ترک لوگ بڑے ہی بربر تتھا لٹیرے تھے۔ وہ بڑے ہی کٹر پنتھی تھے اور دھارمک سہشنتا (مذہبی خیر سگالی) ان میں بالکل نہ تھی۔ . . . ترکوں نے نہ کیول (صرف) بھارت کی اپار سمپتی (بے انتہا دولت) کو لوٹا اور یہاں پر شاسن استھاپت کر (قائم کر) کئی سو ورشوں (کئی سو سال) تک یہاں شاسن کیا، ورن (بلکہ) انھوں نے ہندوؤں کے مندروں اور مورتیوں کو ودھونس (منہدم) کیا۔"

ص: ۳۲۶: س: ۱۰ سے ۱۲: "محمود بھارت پر اپنا استھائی راج (مستقل حکومت) استھاپت نہیں کرنا چاہتا تھا، ورن (بلکہ) بھارت کی سمپتی کو لوٹنے تتھا مندروں اور مورتیوں کو توڑنے کیلئے بھارت پر، بار بار آکرمن (حملہ) کیے۔"

ص: ۳۲۸، آخری پیراگراف: آخری ۵ سطریں :۔ "مسلمان اپنے استتو (وجود) کو بنائے رکھنے اور ہندوؤں کو مسلمان بنانے کے لیے درڑھ سنکلپ (پختہ ارادہ) کئے ہوئے تھے۔ ایسی استھتی میں (حالت میں) ہندوؤں کو اپنی رکچھا (تحفظ) کا مارگ ڈھونڈ نکالنا تھا۔ پھلت (نتیجتاً) انھوں نے مسلمانوں کو ملیچھ کہا اور ان کو اچھوت بتلایا۔"

ص: ۳۲۹: دوسرا پیراگراف: س: ۵، ۶:۔ "ترک لوگ اسلام دھرم کا پرچار کرنے کے لیے پران (جی جان) سے تیار رہتے تھے۔ وہ ہندوؤں کے ورُدھ (خلاف) جو مورتی پوجک تھے، جہاد کرنے کو تیار رہتے تھے۔"

ص: ۳۲۹: دوسرا پیراگراف: آخری ۵ سطر: "مندروں تتھا مورتیوں کو ودھونس (منہدم) کرنے سے ان کے (ترکوں کے) دھرم اُدیشوں کی پورتی ہوتی تھی اور ان کی سمپتی کو لوٹنے سے انھیں آرتھک لابھ ہوتا تھا۔ . . . دوسرا لکش تھا مورتی پوجکوں کو نشٹ کرنا۔ اتھوا انھیں مسلمان بنانا۔ اور ان کے مندروں تتھا ان کی مورتیوں کو نشٹ کرنا (برباد کرنا) تھا۔"

محمود کا بھارت پر آکرمن (حملہ) کرنے کا اُدیشیہ (مقصد)۔ ص: ۳۳۰: دوسرا پیرا :۔

...مود کا دوسرا اُدیشیہ ہندوؤں کے مندروں تتھا ان کی مورتیوں کو ونشٹ کرنا' اور انھیں لوٹنا تھا۔ ۔ ۔ مندروں کو ہی جن میں
...ٹ سمپتی بھری پڑی تھی' اپنے آکرمن کا لکچھ بنایا۔ مندروں تتھا مورتیوں کو دھونس (منہدم) کرنے سے دھن ملنے کے ساتھ ساتھ
...تی پوجا کے وِرُدھ دھرم یُدھ کرنے کی اس کی اکچھا (خواہش) کی پورتی ہوتی تھی۔ ۔ ۔ ۔
مورتیوں کو توڑنے کے کارن وہ اپنے کو بُت شکن کہلاتا تھا۔"

ص: ۲۳۰ : <u>آخری پیراگراف : آخری دو[۲] سطر</u> :۔ " اس میں سندیہ (شبہ) نہیں کہ اس نے ہندوؤں
...سلمان بنایا' اور ان کے مندروں تتھا مورتیوں کو ونشٹ کیا اور ان کے تیرتھ استھانوں کو روند ڈالا۔"

ص: ۲۳۲ : <u>دوسرا پیراگراف : پہلی تین سطریں</u> :۔ " محمود کی دھن پپاسا تتھا رکت پپاسا
...دولت اور خون کی پیاس) شانت نہ ہوئی۔ مورتیوں تتھا مندروں کو توڑنے، مورتی پوجکوں کی ہتیا کرنے تتھا انہیں مسلمان بنانے
...بھارت کی سمپتی کو لوٹنے کا کرم (سلسلہ) نرنتر (برابر) چلتا رہا۔"

ص: ۲۳۲ : <u>پیراگراف : ۳ : س : آخری ۳</u> :۔ " پرنتو بربر (ظالم) محمود کے ہاتھوں سے اس کی
...مانہ ہوسکی۔ اس نے متھرا تتھا برنداون کے مندروں تتھا مورتیوں کو دھونس کیا اور اَپار سمپتی اس کے ہاتھ لگی۔"

ص: ۲۲۵ : <u>پیراگراف : ۲ : س : ۱۷ سے ۲۲</u> :۔ " پرنتو ان دنوں تلوار کے بل سے اسلام کا پرچار
...جاتا۔ اسلامی جگت میں برا نہیں سمجھا جاتا تھا۔ محمد صاحب نے سویم (خود) مکہ پر چڑھائی کر لوگوں کو مسلمان بنایا تھا خلیفاؤں
...تلوار کے بل سے اسلام دھرم کا پرچار کیا تھا۔ مورتی پوجکوں کے وِرُدھ جہاد ان دنوں اسلام کی سیوا سمجھا جاتا تھا۔
...و ہندوؤں کے مندر تتھا مورتیوں کو توڑ کر وہ (محمود) اسلام دھرم کی سیوا ہی کر رہا تھا۔"

ص: ۲۲۶ : <u>آخری پیراگراف : س : ۳'۲</u> :۔ " اس نے (محمود غزنویؒ) مورتی پوجک ہندوؤں کے
...ساتھ جو کچھ اتیاچار کیا' وہ اس یگ کے انوکول (مطابق) تھا جس سے وہ پیدا ہوا تھا۔"

ص: ۲۴۱ : <u>پیراگراف : ۲ : س : ۹ سے ۱۱' اور ۱۵ سے ۱۶</u> :۔ " اجمیر میں چوہان راجاؤں کے بنائے
...ئے مندروں کو دھوست (گرادیا) کر دیا گیا۔ اور محمد غوری کے سوامی بھگت (وفادار) غلام قطب الدین ایبک نے وہاں پر
...مسجد بنوائی۔ ۔ ۔ ۔ ایبک نے دلی پر اپنا پربھتو استھاپت کر لیا۔ اور وہاں کے مندروں کو ونشٹ کر وہاں پر ایک مسجد
...رمان آرمبھ کر دیا (تعمیر شروع کر دی) جسے مسجد قوۃ الاسلام یعنی اسلام کی شکتی (طاقت) کہتے ہیں۔"

ص: ۲۴۱ : <u>پیراگراف : ۳ : آخری دو سطر</u> :۔ " محمد غوری نے بنارس پر اپنا ادھیکار استھاپت
...کیا اور وہاں کے مندروں کو نشٹ بھرشٹ (توڑ پھوڑ کر دیا۔"

ص: ۲۴۲ : آخری پیراگراف : آخری دو سطر :۔ "محمد غوری نے بھارت میں مسلمانوں کا استھائی (مستقل) سامراجیہ استھاپت کرنے کے لیے آکرمن کیا تھا۔"

ص: ۲۴۳ : آخری پیراگراف : آخری دو سطر :۔ "یدیپی (اگرچہ) محمود غزنوی کی بھانتی اس نے بھی ہندوؤں کے مندروں تتھا مورتیوں کو ونشٹ کیا۔"

ص: ۲۴۵ : پیراگراف : ۲ ۔ ص : ۲ سے ۴ تک۔ "مسلمانوں میں دھارمک اُتیجنا (مسلمانوں میں مذہبی ولولہ) محمد صاحب نے سوئیم (خود) اپنے دھرم کا پرچار کرنے کے لیے سینک بل کا سہارا لیا تھا۔ محمد صاحب کے اترادھیکاری (جانشین) خلیفاؤں نے بھی سینک بل سے اسلام دھرم کا پرچار کیا تھا۔ . . . ڈاکٹر ایشوری پرشاد نے ٹھیک ہی لکھا ہے: "مسلمانوں کو جو بھیتی کی پراپتی (حصول) اور مورتی پوجا کو دھوست (مٹانے) کرنے کے لیے اتسک تھے۔ دھارمک اتیجنا (مذہبی جوش) کے کارن جسے وہ سرلتا سے ادویلت (بھڑکا) کر سکتے تھے۔ نئے سینکو کے ابھاؤ (کمی) کا کبھی انوبھو (تجربہ) نہ کرنا پڑا۔"

ص: ۲۴۸ - ۲۴۹ : آخری پیراگراف : آخری دو سطریں :۔ "اسی سے ڈاکٹر ایشوری پرشاد نے لکھا ہے: "مسلمانوں کو افغان پہاڑیوں کے اس پار کے دیشوں میں سینک جیون (فوجی بھرتی) کا بڑھیا (اچھا) چھیتر (علاقہ) حاصل تھا جہاں سے وہ نرنتر نئی سینائیں ہندوؤں سے لڑنے کے لیے لا سکتے تھے۔"

"راجپوتوں کا دمن" ص : ۲۶۰ : پیراگراف : ۳ : آخری تین سطر : "۱۲۴۴ء میں اس نے (التمش) لاوارہ پر حملہ کیا اور وہاں کے مندروں کو نشٹ بھرشٹ کیا۔"

ص: ۲۶۲ : پیراگراف - اوّل : آخری تین سطریں :۔ "اتیو ہندوؤں کے ساتھ سدیو نیائے نہیں ہو پایا تھا۔ اس نے اسی پرکار ہندوؤں کے دیوالیوں (مندروں) کو نشٹ بھرشٹ کیا تھا۔ جس طرح ایک تتھا اس کے پہلے کے آکرمن کاریوں (حملہ آوروں) نے کیا تھا۔"

ص: ۲۶۸ : آخری پیراگراف : آخری چار سطریں : "اس نے (بلبن) اُپدروکاریوں (باغیوں) کی بستیوں کو جلوا دیا۔ نو ورش سے ادھیک اوستھا والے لوگوں کو تلوار کے گھاٹ اُتروا دیا اور استریوں تتھا بچوں کو بندی بنایا۔"

ص: ۴۱۴ : پہلی دو سطریں :۔ "فیروز بھی ایک کٹر سنی مسلمان تھا اور نہ کیول (صرف) ہندوؤں کو ورن (بلکہ) شیعہ مسلمانوں کو بھی وہ گھرنا (نفرت) کی درشٹی (نظر) سے دیکھتا تھا۔"

ص: ۴۱۵ : پہلی ۵ سطریں :۔ "اس نے (فیروز) ہندوؤں کے ساتھ ایک بڑا اتیاچار کیا اس نے برہمنوں پر پھر سے جزیہ کر (ٹیکس) لگوا دیا اور ایک برہمن کو اس نے سادھارن اپرادھ (معمولی جرم) کے لیے

راج بھون (محل) کے سامنے زندہ جلوا دیا تھا۔ اس نے ہندوؤں کے مندروں تھا ان کی مورتیوں کو اسی پرکار
وایا جس پرکار اس کے پہلے کٹر پنتھی سلطانوں نے کیا تھا۔"

ص: ۴۱۷: پہلا پیراگراف: س: ۴-۳ :۔ "اس پرکار نیائے ولیستھا دھرم پر بھاوت ہوگئی
اور ہندوؤں کے ساتھ نیائے ہونے کی بہت کم سمبھاونا رہ گئی تھی۔"

ص: ۴۱۸: آخری تین سطریں: "جاج نگر پر دھاوے"۔ "پری میں اس نے (فیروز) جگن ناتھ
مندر کو نشٹ بھرشٹ کروا دیا تھا، اور وہاں کی مورتیوں کو سمندر میں پھکوا دیا۔"

ص: ۴۱۸: س: ۶،۵ اور آخری ۴ سطریں: "نگر کوٹ پر آکرمن"۔ "یہاں پر سیکڑوں یاتری
درشن کے لیے آیا کرتے تھے اور مورتی کی پوجا کیا کرتے تھے۔ یہ سب فیروز کے لیے اسہیہ (ناقابل برداشت) تھا۔ . . . اس
جوالا مکھی مندر کو نشٹ بھرشٹ کروا دیا اور اس میں پرستھاپت دیوی کی مورتیوں کے ٹکڑے ٹکڑے کروا دیے اس پرکار
اس نے دھرماندھتا اور سنکیرنتا (مذہبی کٹرپن اور تنگدلی) کا پریچے دیا۔"

"فیروز کے کارناموں کا مولیانکن (تجزیہ)" ص: ۴۱۹: دوسرا پیراگراف: آخری تین
سطریں:۔ "فیروز میں دھارمک اسہشنتا (مذہبی غیر رواداری) تھی اور وہ ہندوؤں کے ساتھ کٹھورتا (سختی)
یوہار (برتاؤ) کرتا تھا۔"

ص: ۴۲۰: پہلا پیراگراف: س: ۱ سے تین:۔ "فیروز بڑے ہی سنکیرن وچار (تنگ خیال) کا شاسک
وہ اپنے یگ سے آگے نہ بڑھ سکا، اور نہ کیول ہندوؤں ورن (بلکہ) شیعہ مسلمانوں کے ساتھ بھی اس نے کٹھورتا کا برتاؤ کیا۔"

ص: ۴۲۱: پہلا پیراگراف: س: ۶،۵:۔ "تیمور کٹر مسلمان تھا۔ اور مورتی پوجکوں سے اسے گھرنا (نفرت)
اتیو وہ ان کے مندروں تھا مورتیوں کو توڑ کر ان کا بدھ (قتل) کروا کر غازی کی اپادھی (لقب) لینا چاہتا تھا۔"

ص: ۴۲۸: آخری پیراگراف: س: ۶، ۹:۔ "فیروز بڑا ہی کٹر تھا اسہشنو سنی مسلمان تھا۔ وہ
سکندر لودی) بڑا کٹر تھا اسہشنو مسلمان تھا۔ اس نے فیروز تغلق کی بھانتی دھارمک اسہشنوتا کی نیتی اپنائی اور ہندوؤں
ساتھ بڑا اتیاچار کیا۔ اس نے ان کے مندروں تھا مورتیوں کو توڑا اور ان کے ساتھ بھانت بھانت کے اتیاچار کیے۔"

ص: ۴۳۰: آخری پیراگراف: س: آخری:۔ "مسلمانوں نے کیول شکتی کے بل سے ہندوؤں
شاسن کرنے کا پریتن کیا تھا۔"

ص: ۴۳۱: س: ۹،۸:۔ اور ہندوؤں کے ساتھ بھِن بھِن (طرح طرح) پرکار (قسم) کے

اتیاچار کیے تھے۔"

ص : ۴۴۴ : پیراگراف : ۳ : آخری ۴ سطروں میں : " منگول لوگ اسلام دھرم کے انویائی (پیرو) نہ تھے۔ اتیو وہ مسلمانوں کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کرتے تھے جس پرکار (جس طرح) مسلمان ہندوؤں کے ساتھ۔"

ص : ۴۴۶ : آخری پیراگراف : ص : ۴ ، ۵ :۔ " (منگول) انھوں نے مسلمانوں کا اسی پرکار ہتیا کانڈ (قتل عام) کرایا جس پرکار مسلمانوں نے ہندوؤں کا کیا تھا۔"

ص : ۴۵۵ : ص : ۱۶-۱۸ :۔ " ان لوگوں (سلطانوں) نے اپنی ہندو پرجا (رعایا) کے ساتھ بھانت بھانت کے اتیاچار (طرح طرح کے ظلم) کیے۔ مسلم راجیوں میں ہندو لوگ اونچے اونچے سرکاری پدوں (عہدوں) سے ونچت (محروم) تھے۔"

ص : ۴۵۶ : دوسرا پیراگراف : ص : ۲ سے ۵ اور ۸ سے ۱۲ :۔ " پرنتو مسلمانوں کو مورتی پوجا سے گھور گھرنا (سخت نفرت) تھی اور مورتی پوجکوں کے ورُدھ (خلاف) جہاد یا دھرم یدھ کرنا وے اپنا کرتویہ (فرض) سمجھتے تھے۔ اتیو ہندوؤں کے مندروں تتھا ان میں پرستھاپت (رکھی ہوئی) مورتیوں کو توڑنا مسلمانوں کا کرتویہ (فرض) سا بن گیا تھا۔ . . . دلی سلطنت کی ہندو پرجا کو دھارمک سوتنترتا (آزادی) نہ تھی۔ . . . نہ نئے مندروں کو بنوانے نہ پرانے مندروں کے جیوں آدھار (مرمت) کرانے کی۔ ہندوؤں کے مندروں کو تڑوا کر مسجدیں بنوانا، سلطانوں کی نیتی کا ایک انگ بن گیا تھا۔ . . . ہندوؤں کو مسلمان بنانے کے لیے ان کے ساتھ بھانت بھانت کے اتیاچار کیے جاتے تھے، اور انھیں پرلوبھن (لالچ) دیے جاتے تھے۔"

ص : ۴۵۹ : "ہندوؤں کا راجنیتک ادھیکار سے ونچت ہونا" :۔ " مسلم راج کی پرجا ہونے کے کارن ہندو سبھی راجنیتک ادھیکاروں سے ونچت (محروم) ہو گئے۔ نہ وے سینا میں بھرتی ہو سکتے تھے، اور نہ انھیں اونچے سرکاری پد مل سکتے تھے۔ انھیں جزیہ نامک کر دینا پڑتا تھا اور وے سندیہ شنکا کی درشٹی سے دیکھے جاتے تھے۔"

ص : ۴۶۰ : ہندوؤں کے ساتھ ویوہار :۔ " مسلمانوں کے شاسن کال میں ہندوؤں کے ساتھ بڑا دُرویوہار (برا برتاؤ) کیا گیا۔ انھیں کافر سمجھا جاتا تھا اور انھیں بلات (طاقت) سے مسلمان بنالیا جاتا تھا۔ انھیں وِبھن پرکار سے اپمانت (بے عزت) کیا جاتا تھا، اور ناگرکتا (شہریت) کے ادھیکار (حق) سے ونچت (محروم) کر دیا گیا تھا۔"

نوٹ :۔ پورے سلطنت کے دور میں مورخ نے ہر لڑائی کو ہندوؤں اور مسلمانوں کی جنگ کا روپ دیا ہے۔ اور مندروں کو توڑ کر مسجدوں کی تعمیر کے اتنے قصے گڑھے ہیں اور بات بات پر مسلمانوں کا ظلم

ہندوؤں پر دکھایا ہے گویا پوری تاریخ کو مسخ کر کے ہندو مسلم جذبات کو بھڑکایا گیا ہے۔ اس تاریخ کو پڑھنے کے بعد کیا دونوں فرقوں میں نفرت کے جذبات نہیں پیدا ہوں گے ؟۔

○

کتاب کا نام :۔ بھارت کا سمپورن اتیہاس۔ حصہ : دو۔ مصنف :۔ شری نیتر پانڈے۔ ایڈیشن :۔ ۸۸ - ۱۹۸۷ء۔ ص : ۵۶ : دوسرا پیراگراف : س : ۱۱ سے ۱۵ : "رائے سین وجے" :۔ "پرنتو شیر شاہ نے اس کے ساتھ بہت بڑا وشواس گھات (دغا) کیا۔ اس نے راجپوتوں کا بھینشن تیاکانڈ (قتل عام) کروا دیا۔ کہا جاتا ہے کہ ایک بھی راجپوت زندہ نہ بچا۔ راجپوت استریوں نے (عورتوں نے) جوہر کر کے اپنے ستو (عزت) کی رکچھا (حفاظت) کی۔ پرنتو کچھ بچے مسلمانوں کے ہاتھوں پڑے جو غلام بنا لئے گئے۔ پورن مل کی ایک چھوٹی کنیا (لڑکی) کو نرتکی (رقاصہ) بنا کر اسے بازاروں میں نچایا گیا۔"

ص : ۹۶ : تیسرا پیراگراف : آخری سطریں : " جو آدر سمان رانا پرتاپ کو ہندو جات سے پراپت ہوتا ہے۔ اس کا شتانش (سواں حصہ) بھی ان چاٹوکاروں (جو راجپوت مغل دربار سے متعلق ہو گئے تھے) کو نہیں مل سکتا۔ جنھوں نے مغل دربار میں جا کر اپنی۔ اپنے کُل کی تتھا اپنی جات کی پرتشٹھا کی بلی چڑھا دی۔ (عزت کو قربان کر دیا)۔"

ص : ۹۶ : آخری پیراگراف :۔ " راجپوت راج ونشوں کے ساتھ ویواہک سمبندھ استھاپت کر کے اکبر نے راجپوتوں کی مریادا کو مٹی میں ملا دیا۔ یہاں پر دھیان دینے کی بات یہ ہے کہ اکبر نے راجپوت کنیاؤں کا ویواہ تو مسلمانوں کے ساتھ کروایا، پرنتو اس نے مسلمان کنیاؤں کا ویواہ ہندوؤں کے ساتھ پروتساہت (ہمت افزائی) نہیں کیا جن راجپوت راجاؤں نے اپنی بہن، بیٹیوں کا ویواہ مغلوں کے ساتھ کر دیا۔ ان کے ونشجوں کا مستک (متعلقین کا سر) آج بھی لجّا (شرم) سے جھک جاتا ہے۔"

ص : ۹۸ : تیسرا پیراگراف : س : ۲ سے ۴، اور آخری سطر :۔ " اس کی نیتی کا راجپوتوں کی شکست تتھا ان کے پراچین گورو تتھا پرتشٹھا پر بھیشن آگھات لگا کر راجپوتوں کی راجنیتک سوتنترتا (سیاسی آزادی) سماپت ہو گئی۔ اور مغل سامراج کے سیوک بن گئے اور اپنی مریادا تتھا پرتشٹھا کھو بیٹھے۔ ان کا پراچین گورو سماپت ہو گیا۔ اپنی بہن بیٹیوں کو لوگوں کو دیکر انھوں نے اپنی اپنے کل کی اپنی جات تتھا اپنے دیش کی پرتشٹھا تتھا مان مریادا کو دھول میں ملا دیا۔ . . . جن راجپوتوں نے جم کر مغلوں کا سامنا کیا اور ان کے سامنے نتمستک نہ ہوئے۔ ہندو جات آج بھی ان پر گورو کرتی ہے اور ان کو اپنا آدرش مان کر ان کے پدچنہوں (نشان قدم) پر چلنا اپنا دھرم سمجھتی ہے۔"

ص: ۱۵۵: دوسرا پیراگراف: آخری تین سطریں :- " انیہ (دوسرے) راجپوت
شی اس یدھ کو راشٹریہ یدھ کے روپ میں نہ دیکھ سکے اور نہ اسے ہندو جات کے سوتنترتا سنگرام (جنگ آزادی)
مانیتا دے سکے۔"

ص: ۱۶۹: تیسرا پیراگراف: س ۹، ۱۰، اور ۱۵، ۱۶ :- " یداکدا (کبھی کبھی) کٹر پنتھی مسلمانوں کو پرسن
رشن کرنے کے لیے جہانگیر اسہشنرتا (تعصب) کے بھی کاریہ کر دیتا تھا۔ . . . اس کے شاسن کال کے آٹھویں ورش
ں کی آگیاں (حکم) سے اجمیر میں پشکر کے نکٹ ہندو مندروں کو ونشٹ کیا گیا تھا۔"

ص: ۱۸۰: دوسرا پیراگراف :- " پرنتو جوجھار سنگھ کے پریوار کے ساتھ جو دُر ویوہار کیا وہ کدا پی
راہی نہیں تھا۔ راجپوت مہیلائیں جو جیوت (زندہ) پکڑی گئی تھیں۔ شاہی حرم اتھوا امیروں کے گھر میں سیوا کرنے کیلئے
(مجبور) کی گئیں۔ جوجھار سنگھ کے دو پتر (بیٹے) اور ایک پوتر (پوتا) کو مسلمان بنالیا گیا جو جھار سنگھ کے منتری
شیام اور اس کے پتر (لڑکے) جس نے مسلمان بننے سے انکار کر دیا تھا کی ہتیا کر دی گئی۔ جب شاہجہاں نے اورچھا
ں پردیش کیا تب ویر سنگھ کے وشال مندر کو دھوست کروا کر اس کے استھان پر ایک مسجد کا نرمان کروایا گیا تھا۔
سبھی کاریہ بڑے ہی ننندنیہ تھے۔ (قابل مذمت تھے)۔"

ص: ۱۹۲: پہلا پیراگراف: س: ۳، ۴، اور ۶ سے ۱۲ تک :- " دھارمک معاملوں میں
شاہجہاں اپنے پتا سے بھی ادھک کٹر بن گیا۔ . . . دھارمک کٹرتا کے بیج اس میں ودمان (موجود) تھے . . . اس کے پتا
کے شاسن کال میں جتنے مندروں کا نرمان آرمبھ کیا گیا تھا۔ ان سب کو گروا دیا گیا۔ اس آدیش کے انوسار کیول بنارس ہی میں ۷۶
مندروں کا وناش کروا دیا گیا۔ بندیلا یدھ کے اوسر پر بھی شاہجہاں نے ایسے کاریہ کیے جس سے اس کی دھارمک کٹرتا
بلکل سپشٹ (ظاہر) ہوتی ہے۔ اس کی آگیاں سے بندیل کھنڈ میں ہندو مندر تڑوائے گئے اور جوجھار سنگھ کے پتر (بیٹے)
مسلمان بنالیا گیا۔ شاہجہاں کے دھارمک کٹرتا کے اور بہت سے اُداہرن (مثالیں) ہیں۔"

ص: ۱۹۵: دوسرا پیراگراف :- " شاہجہاں نے اپنے شاسن کے پرارمبھ میں جس انودارتا تتھا
سہشنرتا کی نیتی کا انوسرن کیا ویمنس کا بیجا روپن کر دیا (نفرت کا بیج بو دیا)۔ . . . ہندو جنتا . . . دھیرے دھیرے اداسین
ہونے لگی۔ اورنگ زیب کے شاسن کال میں جب یہ دھارمک اسہشنرتا کا بیجا روپن شاہجہاں نے کیا تھا، پورنتا (پوری طرح) وکاس
پہنچ گئی۔ تب ہندو جنتا نے وِدروہ کا جھنڈا کھڑا کیا۔"

ص: ۱۹۶: آخری پیراگراف: س: ۲ سے ۶ :- " اس یدھ کے پھل سروپ (جنگ کے نتیجہ میں)

ایسا کٹر پنتھی ویکتی (شخص) مغل سامراجیہ کا بادشاہ بن گیا جس کی دُرنیتی (بری پالیسی) کے پھل سروپ مغل سامراجیہ پتن ادھکھ ہو گیا۔"

ص: ۲۰۳: تیسرا پیراگراف: س: ۳ سے ۶: ۔ " ڈاکٹر ایشوری پرشاد نے لکھا ہے۔ " راج کی نیتی دھارمک وچار میں رنجت تھی اور سمراٹ نے ایک کٹر پنتھی کی بھانتی شاسن کرنے کا پریتن کیا۔"

ص: ۲۰۴: آخری پیراگراف: س: ۲ سے آخر تک: ۔ " اورنگ زیب نے اپنی غیر مسلم پرجا پر بھانت بھانت کے اتیاچار کرنے آرمبھ کئے وہ ہندوؤں کا دمن تھا انمولن کر بھارت کو دارالاسلام ارتھات مسلم راج بنانا چاہتا تھا۔ اس نے اپنے اس ادیشیہ (مقصد) کی پورتی کے لیے ہندوؤں کے مندروں تھا مورتیوں کو تڑوا کران کے استھان پر مسجدوں کا بنوانا آرمبھ کیا۔ ہندو پاٹھ شالہ کو اس نے ونشٹ کر دیا۔ ان پر پھر سے جزیہ تھا تیرتھ یاترا کر لگا دیا۔"

ص: ۲۰۵: س: ۲ سے ۷ تک: ۔ " ہندوؤں کو بلات (طاقت سے) مسلمان بنایا گیا۔ اور ان کے ساتھ بھانت بھانت کے اتیاچار کیے گئے ہندوؤں کو مسلمان بنانے کے لئے دھن، پد تھا پرتشٹھا کے بھانت بھانت کے پرلوبھن دیے گئے۔ اس پرکار اس نے ہندو دھرم، ہندو سبھیتا (تہذیب) تھا سنسکرتی (تمدن) تھا ہندو جات کو سماپت کرنے کا پرتم پریاس کیا (پہلی کوشش کی)۔"

ص: ۲۰۶: دوسرا پیراگراف: س: آخری دو: ۔ " پرنتو پرجا کا تاتپریہ (مطلب) مسلم پرجا سے تھا، ہندو پرجا سے نہیں۔ ہندوؤں کو وہ کافر سمجھتا تھا اور ان کے پرتی (تئیں) وہ انُدار (غیر فراخ دل) تھا۔"

ص: ۲۰۶، ۲۰۷: آخری پیراگراف: ۔ " اسلام دھرم کے انوسار پرتیک (ہر ایک) بادشاہ کا یہ کرتویہ تھا کہ وہ اسلام دھرم کا پرچار کرے اور مورتی پوجکوں سے یدھ کرے۔ اسلام دھرم کا پکّا انویائی (پیرو) تھا پرم بھکت ہونے کے کارن ہندوؤں کو دبانے تھا ہندو دھرم کو ونشٹ کرنے کا پریتن کرنا اس نے (اورنگ زیب نے) اپنا پرم دھرم سمجھا۔ اسی سے ہیگ ہودے نے لکھا ہے۔" اورنگ زیب ایک کٹر پنتھی تھا جو اپنی ہو سنکھیک پرجا کے دھرم کو بھرشٹ سمجھتا تھا اور یدی (اگر) سمبھو ہو (ممکن ہو) تو وہ اسے انمولت کر دے۔ اس کے طریقے بہت برے تھے۔ اس نے آرتھک دمن (اقتصادی استحصال)۔ طاقت کے بل پر تبدیلی مذہب اور لوجا پر گرفت وغیرہ سے اپنے مقصد کو پورا کرنے کی کوشش کی۔

نوٹ: انگریزوں کی حکمت عملی تھی کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو لڑاؤ اور ان پر حکومت کرو۔ اسی لیے انگریز مؤرخوں نے اورنگ زیب اور دوسرے مسلم بادشاہوں کو اس رنگ میں پیش کیا کہ

ہندو مسلم ایکتا نہ رہنے پائے۔ اس تاریخ میں حوالے انھیں مؤرخوں سے لیے گئے ہیں، جس کی وجہ اورنگ زیب کا اصل روپ سامنے نہیں آتا۔"

ص: ۲۰۷ : مندر تتھا مورتیوں کا دھونس :۔ " تخت پر بیٹھنے سے پہلے ہی اورنگ ہندوؤں کی مندروں کو گروانا تتھا ان کی مورتیوں کو گروانا آرمبھ کر دیا تھا۔ جب وہ گجرات کا صوبہ دار تھا، انھیں احمد آباد میں چنتامنی کا مندر بن کر تیار ہوا تھا اورنگ زیب نے اس مندر کو دھوست کروادیا، اور اس کے استھ ایک مسجد بنوادی . . . بہار کے ادھیکاریوں کو یہ آدیش دیا کہ کٹک تتھا میدنا پور کے بیچ میں جتنے ہندو مندر ہیں سب کو گرادیا جائے۔ اورنگ زیب کی آگیاں سے سومناتھ کا دوسرا مندر بھی گروا دیا گیا۔ بنارس میں وشوناتھ مندر کو گرا کر وہاں پر ایک وشال مسجد کی تعمیر کی جو ابھی تک موجود ہے۔ متھرا میں کیشورائے مندر کی بھی یہ دشا ہوئی اور متھرا کا نام بدل کر اسلام آباد رکھ دیا گیا۔ آخر میں ۱۶۸۰ء میں اورنگ زیب کے حکم سے امبر کے سبھی مندروں کو گروا دیا گیا . . . اورنگ زیب نے یہ بھی فرمان جاری کر دیا کہ ہندو لوگ نہ تو پرانے مندروں کی توسیع کریں اور نہ نئے مندروں کی تعمیر کریں۔"

نوٹ : سلطانوں اور مغل بادشاہوں کے مندر گروانے کی اتنے بڑے پیمانے پر چرچا سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ہندستان میں مندروں کا وجود ہی باقی نہیں رہنا چاہیے تھا۔ یہ جان بوجھ کر ایسے جھوٹے واقعات گڑھ کر ہندوؤں اور مسلمانوں میں نفرت پیدا کرنے کی کوشش ہے۔

اورنگ زیب کے مندروں کے بارے میں دستاویز اور فرمان ابھی موجود ہیں۔ جس میں اس نے مندروں کو جاگیریں دی ہیں۔ پروہتوں کے نام زمینیں اور علاقے دیئے ہیں کہ ان سے مندر کے اخراجات پورے ہوتے رہیں۔ ان سب باتوں کے باوجود اس پر یہ الزام کتنا بڑا بہتان ہے۔

ص: ۲۰۸ : پہلا پیراگراف : ص : ۲، ۳ : "ھندو پاٹھ شالاؤں کا دھونس :۔" اس کے حکم سے ٹھٹھا، ملتان اور بنارس میں قائم سبھی تعلیمی اداروں کو برباد کر دیا گیا۔ ہندو تعلیم گاہوں میں نہ تو اسلام مذہب کے خلاف تعلیم دی جاسکتی تھی اور نہ ان درس گاہوں میں ہندو لوگ اپنے ہی مذہب کی تعلیم دے سکتے تھے۔ اورنگ زیب کے ان کاموں سے اس کی تنگ خیالی کا پتہ چلتا ہے۔"

ص: ۲۰۸ : دوسرا پیراگراف : ص : ۱، ۵ اور آخری ۴ سطریں : "ھندوؤں پر جزیہ کر (ٹیکس) :۔" اورنگ زیب نے غیر دانشمندی کا کام یہ کیا کہ اس نے پھر سے ہندوؤں پر جزیہ کر لگا دیا۔ اسلام مذہب

یہ قانون تھا کہ جو لوگ اسلام کو قبول نہ کریں، ان کے خلاف جہاد کیا جائے لیکن اگر وہ جزیہ کر دینے کے لئے تیار ہو
ئیں تو ان کی جان بخش دی جائے۔ . . . ہندوؤں کو جزیہ سے سخت نفرت تھی۔ اس ٹیکس کو پھر سے لگا کر اورنگ زیب
نے ہندوؤں بالخصوص راجپوتوں کے جذبات کو بہت ٹھیس پہنچائی۔"

نوٹ :۔ جزیہ کے متعلق ایک بہت بڑی غلط فہمی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو غیر مسلم فوج میں
بھرتی نہیں ہوتے تھے، ان کی اور ان کے خاندان کی حفاظت کے لیے ایک ٹیکس لیا جاتا تھا۔ اگر کوئی ان کی
حفاظت نہ کر سکے تو یہ ٹیکس واپس کر دیا جاتا تھا۔ محمد بن قاسم جب خلیفہ کے حکم سے ہندستان سے واپس
جا رہا تھا تو اس نے جزیہ میں لیا ہوا ٹیکس واپس کر دیا تھا۔ مسلمانوں سے دوسرے قسم کے ٹیکس لئے جاتے تھے۔
جو جزیہ سے اکثر زیادہ ہوتے تھے۔ جزیہ ٹیکس کو بدنام کرنے کیلئے انگریزوں نے اس کو یہ رنگ دیا گویا ہندوؤں
سے ہندو ہونے کی وجہ سے یہ ٹیکس لیا جاتا تھا ——— حالانکہ یہ ان کی جان و مال کی حفاظت کا ٹیکس تھا اور
اس کے علاوہ انھیں کوئی ٹیکس نہیں دینا پڑتا تھا۔

ص: ۲۰۸ : تیسرا پیراگراف، چنگی کے متعلق تفریقی حکمت عملی :۔ "صنعت اور تجارت
کے میدان میں بھی اورنگ زیب ہندوؤں اور مسلمانوں کو یکساں نظر سے نہیں دیکھ سکا۔ ہندو تاجروں کو اپنے مال پر ۵
فی صدی چنگی دینی پڑتی تھی، مگر مسلمان تاجروں کو اس کی نصف چنگی دینی پڑتی تھی۔ بعد میں اس نے مسلمان تاجروں پر
سے بالکل چنگی ہٹا دی۔"

ص: ۲۰۸-۲۰۹ : "سرکاری نوکریوں سے ہندوؤں کو ہٹانا" :۔ "محکمہ مال سے سبھی
ہندوؤں کو نکال دیا گیا۔"

ص: ۲۰۹ : بزور طاقت تبدیلی مذہب :۔ "ہندوؤں کو مسلمان بنانا اور اس طرح
دین کی خدمت کرنا اورنگ زیب اپنا مذہبی فرض سمجھتا تھا۔ . . . جو ہندو اس لالچ میں نہیں پڑتے تھے انھیں زبردستی مسلمان
بنانے کی کوشش کی جاتی تھی۔ متھرا کے گوکل نامی جاٹ کے سارے خاندان کو اسی طرح مسلمان بنا لیا گیا تھا۔ جو ہندو اسلام
مذہب کی تنقید یا اپنے مذہب کی تبلیغ کی کوشش کرتے تھے۔ انھیں بڑی سخت سزا دی جاتی تھی۔ اودھو بیراگی
نامی ہندو کو اپنے مذہب کی تبلیغ کرنے کی وجہ سے ہی مروا ڈالا گیا تھا۔"

ص: ۲۰۹ : "ہندوؤں پر معاشرتی پابندی" :۔ "اورنگ زیب کی سختی نے ہندوؤں کی
معاشرتی زندگی پر بھی سخت حملہ کیا۔ ۱۶۶۵ء میں اس نے یہ فرمان جاری کیا کہ راجپوتوں کے علاوہ کوئی دوسرا

ہندو ہاتھی، گھوڑا یا پالکی کی سواری نہیں کرسکتا۔"

ص: ۲۰۹-۲۱۰: س: ۲: "جاٹوں کی بغاوت:- " اس بغاوت کی خاص وجہ کیشورائے کے مندر کو تڑوانا تھا۔ جاٹ لوگ اس بے عزتی کو برداشت نہ کرسکے اور مغل گورنر عبدالنبی کا قتل کردیا۔ اورنگ زیب نے بڑی بے رحمی سے بغاوت کو فرو کردیا۔ گوکل اور اس کے خاندان کے لوگ قید کروائے گئے۔ گوکل کو کٹوا کر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کردیئے گئے اور اس کے گھر کے لوگوں کو زبردستی مسلمان بنالیا گیا۔"

ص: ۲۱۰: تیسرا پیراگراف: آخری سات سطر: سکھوں کی بغاوت:- " اورنگ زیب نے ہندوؤں کی مندروں کی طرح سکھوں کے مندروں کو بھی گروانا شروع کردیا۔ . . . گرو تیغ بہادر پکڑ لئے گئے اور دلی لائے گئے۔ ان سے اسلام قبول کرنے کے لئے کہا گیا اور جب انھوں نے ایسا کرنے سے انکار کردیا تب ۱۶۷۵ء میں ان کا قتل کردیا گیا۔"

ص: ۲۱۱: س: ۴ سے ۷ تک: "راجپوتوں کے ساتھ سنگھرش":- " آخر میں اورنگ زیب نے ایک زبردست فوج گرو کے خلاف بھیجی۔ گرو ہار گئے اور ان کے دو لڑکے قید کر لیے گئے۔ ان لڑکوں سے اسلام قبول کرنے کے لئے کہا گیا لیکن ان لڑکوں نے اس نفرت انگیز تجویز کو ٹھکرا دیا اور انھیں زندہ دیوار میں چنوا دیا۔ . . . اورنگ زیب کی ہندو مخالف حکمت عملی کی وجہ سے راجپوت حکومتوں کے ساتھ ان کی لڑائی ضروری ہوگئی۔"

ص: ۲۱۲: س: ۷-۸:- " مغل فوج نے مارواڑ کے شہروں کو خوب لوٹا۔ اس کے مندروں کو توڑا اور سارے ملک کو تاخت و تاراج کردیا۔"

ص: ۲۱۸: دوسرا پیراگراف: آخری چار سطریں:- " یہاں پر سمبھاجی کو بھانڈوں کا دستر (کپڑا) پہنا کر اسے دلی کی سڑکوں پر گھمایا گیا اور ہر پرکار سے اپمان (بے عزت) کر اسے کارا گار میں ڈال دیا گیا۔ پندرہ دنوں کی بھیانک یاتناؤں کے بعد اس کے شریر (جسم) کے ٹکڑے ٹکڑے کرکے مانس (گوشت) کو کتوں کو دے دیا گیا۔"

ص: ۲۲۰: س: ۲: "میرٹھ کا راشٹری سنگرام":- " وہ (اورنگ زیب) دکن میں اپنے راج کا وستار تھا ہندوستان کو سماپت کرنا چاہتا تھا۔ (ہندو حکومت کو ختم کرنا چاہتا تھا)۔"

ص: ۲۲۳: تیسرا پیراگراف: س: ۷ سے ۔ انک:- " اس کی (اورنگ زیب) ہندو پر جا اس کے دھارمک اتیاچاریوں کے کارن بڑی دکھی تھا دبن تھی۔ ہندوؤں کے مندروں تھا ان کی مورتیوں کو توڑا گیا اور اس کے استھان پر مسجدیں بنوائی گئیں۔"

ص: ۲۲۴: دوسرا پیراگراف:۔ " اورنگ زیب نے اپنے شاسن میں انیک سدھار کیے تھے پرنتو ان سدھاروں میں اس کی مسلم پرجا کو ہی لابھ ہوا تھا، ہندوؤں کو نہیں۔ . . . ہندوؤں کے ساتھ اس نے چاہے جتنا انیائے تتھا اتیاچار کیا ہو۔ پرنتو اپنی مسلم پرجا کے ساتھ وہ سدیو (ہمیشہ) نیائے (انصاف) کرتا تھا۔"

ص: ۲۲۰-۲۲۱: س: آخری، پہلی، وسطی، اور ۸-۹:۔ " مغلوں کا سکھوں کے نیتا بندا بیراگی کے ساتھ یدھ ہوا۔ جب پراست ہو جانے پر بندا بیراگی نے اسلام دھرم کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تب اس کا اور اس کے ساتھیوں کا بدھ کر دیا گیا۔ . . . فرخ سیر نے ہندوؤں پر پھر جزیہ نامک کر لگا دیا اور ان پر اتیاچار کرنے لگا۔"

ص: ۲۴۳: س: ۹ سے ۱۳ تک:۔ " ہندوؤں کی پربل سہانبھوتی جسے اکبر نے بڑی چالاکی سے پراپت کیا تھا۔ شاہجہاں کی غلط نیتی اور اس سے بھی ادھک اورنگ زیب کی کٹھور کٹر پنتھی نیتی سے دربل (کمزور سا) پڑ گئی۔ اورنگ زیب بڑا ہی دھرماندھ (مذہبی) کٹر سنی مسلمان تھا۔ اس نے نہ کیول (صرف) ہندوؤں ورن صوفی تتھا شیعہ مسلمانوں کے ساتھ بھی بڑا اتیاچار کیا۔"

ص: ۲۴۴: آخری پیراگراف: س: آخری تین:۔ " اورنگ زیب کے سمے (وقت) میں ہندو ویاپاریوں کو انیک اسویدھاؤں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ اتئیو ان کی دشا (حالت) کافی سوچنیہ (بدتر) ہو گئی تھی۔"

ص: ۲۴۷: آخری پیراگراف: س: ۳-۴:۔ " اس نے (بابر) ہندوؤں کے ورُدھ جو یدھ کیے تھے انہیں اس نے دھرم یدھ (جہاد) کے نام سے پکارا تھا۔ جو کافروں اتھوا مورتی پوجکوں کے ورُدھ کیا جاتا ہے۔"

ص: ۲۴۸: دوسرا پیراگراف: س: ۲ سے ۶، اور ۹، ۱۲ سے ۱۴ تک:۔ " اسہشنُتا (تنگ نظری) کی نیتی کا وچار آروپن (تخم ریزی) جہانگیر کے کال میں ہی ہو گیا تھا، کیونکہ اس نے پھر ہندوؤں کے مندروں تتھا ان کی مورتیوں کو تڑوانا اور مسلمان بنانا آرمبھ کر دیا۔ . . . اور ہندوؤں کے ساتھ بڑے اتیاچار کیے گئے۔ . . . (اورنگ زیب نے) نہ کیول ہندوؤں کے ساتھ بھانت بھانت کے اتیاچار کیے گئے ورن (بلکہ) صوفی تتھا شیعہ مسلمان بھی اتیاچار سے بچ نہ سکے۔"

ص: ۲۵۴: پہلا پیراگراف: س: ۷ اور ۸:۔ " وستوکلا (فن تعمیر) سے اورنگ زیب کو کوئی وشیش پریم (خاص لگاؤ) نہ تھا، پرنتو چونکہ مسجدوں کا بنوانا پرتییک مسلمان کا کرتویہ ہے۔ اتئیو اس نے ہندوؤں کے مندروں کو دھوست کرا کر مسجدیں اور خیبہ (مزور) بنوائیں۔"

ص: ۲۶۷: پہلا پیراگراف: س: ۹ سے ۱۱:۔ " جب اورنگ زیب دھرماندھ ہو کر ہندوؤں

کے ساتھ بھانت بھانت کے اتیاچار کر رہا تھا۔ اس کے ان اتیاچاروں نے ہندوؤں میں بھیانک پرتی کریا آرمبھ کردی۔ (خوفناک ردعمل شروع کردیا)۔"

ص: ۲۶۸: پہلا پیراگراف: س: ۷، ۸ اور ۹: ۔ "وہ (شیواجی) ہندو دھرم کے رکھشک کے روپ میں میدان میں اتر آیا اور مسلمانوں کے ورُدھ اس نے جہاد (دھرم یدھ) کی گھوشنا کر دی۔"

ص: ۲۷۱: س: ۸ سے ۱۱: "شیواجی کا مغلوں سے سنگھرش": ۔ "چونکہ اورنگ زیب ایک کٹر سنّی مسلمان تھا اور ہندوؤں کو بڑی گھرنا (نفرت) کی درشٹی سے دیکھتا تھا اتیو اپنے سامراجیہ کی سیما سر حد پر وہ ایک سوتنتر (آزاد) ہندو راج کا وکاس (ترقی) سہن نہ کر سکا۔ (برداشت نہ کر سکا)۔ . . . اورنگ زیب کی ہندو وِرودھی نیتی کے پھل سوروپ مہاراشٹر میں بھی بھیانک پرتی کریا آرمبھ ہو گئی۔ مراٹھوں نے شیواجی کے نیترتو (قیادت) میں سمپورن بھارت میں سوتنتر ہندو سامراجیہ کے استھاپت کرنے کا نشچے کر لیا۔"

نوٹ: شیواجی مراٹھا راجیہ قائم کرنا چاہتا تھا۔ یہ کہنا غلط ہے کہ وہ ہندو راجیہ قائم کرنا چاہتا تھا۔

ص: ۲۷۴: پہلا پیراگراف: س: ۲-۳: ۔ "شیواجی اورنگ زیب کی ہندو ورودھی نیتی سے کھِنّ ہو رہا تھا۔ (ناراض ہو رہا تھا)۔"

ص: ۲۷۷: پہلا پیراگراف: س: آخری ۴ سطریں: ۔ "شیواجی نے ان نوؤ کوں (نوجوانوں) کو سنگٹھت (مجتمع) کیا اور ہندو سامراجیہ کی استھاپنا کرنے میں انھیں لگا دیا۔"

ص: ۲۷۷: پیراگراف ۳-۴: س: ۲، ۳، اور آخری ۴ سطریں: ۔ "شیواجی ہندو جات تھا ہندو دھرم کے رکھشک (محافظ) کے روپ میں سوتنتر ہندو راجیہ کی استھاپنا کرنے کے لیے راجنیتک چھیتر میں اترے تھے۔ . . . ہندو سوراجیہ کا جو نعرہ شیواجی نے لگایا تھا وہ مسلمانوں کے ورُدھ بڑا سپھل سدھ ہوا۔"

ص: ۲۸۱: آخری پیراگراف: س: ۴ سے ۸: ۔ "جن پر (شیواجی) بھارت کی ہندو جنتا سدیو (ہمیشہ) گرو (فخر) کرے گی۔ . . . ہندو اپنی سوتنترتا (آزادی) کو کھو چکے تھے۔ اور ان کے مندروں تھا تیرتھ استھانوں کو نشٹ کر دیا گیا تھا۔"

ص: ۲۸۲: پیراگراف: س: ۱، ۵، اور آخری: ۔ "دکھن کے پربل (طاقت ور) ہندو راج سماپت ہو گئے تھے اور مسلمانوں کا آتنک (خوف) سروتر (چاروں طرف) ویاپت تھا۔ . . . شیواجی نے ان پرستھتیوں سے لابھ اٹھایا۔ ہندو جات کے مستک کو اونچا اٹھایا . . . سمپورن بھارت میں ہندو بادشاہی کو استھاپت کرنے تھا ہندو دھرم کی

۔کچھا کرنے کا نشچے کرلیا۔"

ص: ۲۸۵ : س : ۴ سے ۷ تک :۔" اس پرکار شیواجی نے اس بات کو سدھ کر دیا کہ ایک بار پھر سمپورن بھارت میں ہندو بادشاہی . . . کی استھاپنا کی جاسکتی ہے۔ یہ شیواجی کی اپور و دین ہے جو آج بھی ہندوؤں میں نوجیون کا سنچار کر رہی ہے اور کرتی رہے گی۔"

ص: ۲۸۵: دوسرا پیراگراف : س : ۹، اور ۱۰ :۔ " جب اورنگ زیب ہندوؤں کے ساتھ بھانت بھانت کے اتیاچار کر رہا تھا . . .

نوٹ :۔ اورنگ زیب اور شیواجی کی جنگ کو ہندو مسلم جنگ بنا دیا گیا ہے۔ جبکہ تاریخ شاہد ہے کہ رعایا میں ہندو مسلم تعصب کا کہیں بھی وجود نہیں تھا۔ اورنگ زیب کی فوج میں جہاں ہندو تھے وہیں شیواجی کے فوج میں مسلمان تھے۔ اورنگ زیب کی فوج کا سپہ سالار ہندو اور شیواجی کے توپ خانہ کا کمانڈر مسلمان تھا۔

ص: ۲۸۶ : دوسرا پیراگراف : س : ۴ سے ۶ :۔ " اور ہندو جنتا اورنگ زیب کے اتیاچاروں سے تراہ تراہ کر رہی تھی۔ دکھن بھارت میں وجے نگر کے ہندو راج کے ختم ہو جانے سے ہندو راج کا نام و نشان نہ رہ گیا۔"

ص: ۲۸۷ : پیراگراف : ۱ : آخری چار سطریں :۔ "شیواجی نے ہندو جات، ہندو دھرم، ہندو ریتی رواج اور پرمپراؤں کی رکچھا کی اور ہندو راشٹر کی پُنر استھاپنا کی (ہندو قومیت کو پھر سے قائم کیا واستو (حقیقت) میں سر جادو ناتھ سرکار کے لفظوں میں "وہ بھارت کا آخری ہندو راشٹر نرماتا تھا، جس نے ہندوؤں کے مستک کو ایک بار پھر اونچا اٹھایا۔"

ص: ۲۸۸ : س : ۶ سے ۹ :۔ " ۱۶۸۸ء میں مغل افسر شیخ نظام نے سمبھاجی اور ان کے ساتھیوں کو سنگمیشور نام کے مقام پر قید کر لیا۔ یہ لوگ اورنگ زیب کے سامنے لائے گئے اور پندرہ دنوں کے کرور (بے رحمی) ویوہار کے بعد اُن کو قتل کر دیا گیا۔"

ص: ۳۰۲ : تیسرا پیراگراف : آخری ساتے سطریں :۔ " اورنگ زیب اپنی ہندو ورودھی نیتی کا چکر چلا رہا تھا۔ اس نے سکھوں کے مندروں کو بھی گرانا آرمبھ کر دیا اور ان لوگوں کو نگروں سے نکال باہر کر دیا جو سکھوں سے گرو دکچھنا (نذرانہ) وصول کرتے تھے۔ . . . اورنگ زیب نے

انھیں (گرو تیغ بہادر) دلی بلوایا، اور اسلام قبول کرنے کے لئے کہا۔ گرو نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ اس لئے کئی طرح کی تکلیفیں دینے کے بعد ۱۶۷۵ء میں ان کا بدھ (قتل) کروا دیا گیا۔"

ص: ۵۰۹: "وہابی آندولن (تحریک)":۔ " اپنی تنگ نظری کی وجہ سے انھوں نے (سید احمد بریلوی) انگریزی تہذیب اور انگریزی تعلیم کی مخالفت کی۔ وہ ہندو مسلم ایکتا کے مخالف تھے اور ہندوؤں کو کافر کہتے تھے۔ واستو میں (حقیقت میں) وہ مسلمانوں کا راجیہ قائم کرنا چاہتے تھے۔"

ص: ۵۱۰: ص: ۶ سے ۸ اور آخری تین سطریں: علی گڈھ آندولن (علی گڈھ تحریک)۔

" سر سید احمد خاں نے مسلمانوں کو سمجھایا کہ برٹش سرکار کے ساتھ سہیوگ (تعاون) کرنے میں ہی ان کی بھلائی ہے۔ ہندوؤں سے چپکے رہنے میں ان کا کلیان (فائدہ) نہیں ہے۔

راجنیتک چھیتر میں انھوں نے مسلمانوں کو انگریزوں کے نزدیک لا دیا، لیکن ہندوؤں سے انھیں دور ہٹا دیا۔ ان کی یہ بھومیکا (طرز عمل) دیش کے لیے بڑی گھاتک سدھ ہوئی۔ (بڑی نقصان دہ ثابت ہوئی)

جناب جمال محمد صدیقی

ریڈر شعبہ تاریخ (سنٹر آف اڈوانس ہسٹری)
علیگڑھ مسلم یونیورسٹی، علیگڑھ-۲۰۲۰۰۱

تاریخ کی ایک فرقہ وارانہ تاویل

گورو گاتھا کا ایک کیفیاتی مطالعہ

اس مقالے میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ گورو گاتھا پر تبصرہ کیا جائے۔ یہ تاریخ کی مشہور درسی کتاب ہے۔ بغیر کسی ابہام کے اس کے مصنف تیج پال سیٹھی نے طلبا کو اپنا پیغام پہنچایا ہے۔ مصنف نے ایک خاص قسم کے سیاسی فلسفے کو طلبا کے دماغ تک پہنچانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا ہے۔ ان کے طریقہ فکر نے ہندستانی تاریخ کے سلسلے میں بنیادی فہم کو تہہ و بالا کر دیا ہے۔ ہر چند کہ کتاب کے نام سے ہم یہ نہیں سمجھ سکتے ہیں کہ یہ تاریخ کی کوئی درسی کتاب ہوگی۔ گورو گاتھا، کے معنی ہیں عظمت و سلطنت کے قصے۔ لیکن مصنف کے خیال میں ہندستانی تاریخ محض ہمارے پرکھوں کے مہتم بالشان قصے ہیں۔ ہمارے پرکھوں سے ہمیں اس بات کا واضح اشارہ ملتا ہے کہ وہ صاف صاف ایک خاص فرقے کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ وہ سارے ہندستان کے متعلق ایسی بات نہیں کر رہے ہیں۔ موجودہ نسل کے وجدان اور ان کے تجدید ثبات کے قصے کی پیشکش اس مصنف کے خاص مقاصد ہیں اور اسی کام کے لیے انھوں نے تاریخ کو توڑا مروڑا ہے تاکہ اس بات کی تائید ہو سکے۔

یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ یہ درسی کتاب جو نصاب میں داخل ہے کم سن طلبہ کیلیے لکھی گئی ہے۔ نفسیاتی طور پر اس عمر کے بچوں میں اپنے اردگرد کی سبھی اچھی اور بری باتوں کو جذب کرنے کا مادہ ہوتا ہے۔ ان کے دماغ کی تختی پر جو اس کتاب کی سطروں، صفحوں، خاکوں اور سوالناموں کی جو مہر لگے گی مستقبل میں ان کے عادات و اطوار پر اس کے بڑے دوررس نتائج ثبت ہوں گے۔ ہر چند کہ تاریخ نویسی کے کسی بھی معیار سے یہ تاریخ کی درسی کتاب نظر نہیں آتی۔ تاہم یہ تاریخ کی ایک ایسی درسی کتاب ہے جو یوپی بھر کے نصاب میں داخل ہے۔ چنانچہ یہ ممکن ہی نہیں کہ اس پر توجہ نہ دی جائے۔

ؔ تیج پال سیٹھی، گورو گاتھا، سرسوتی شیشو مندر پرکاشن لکھنؤ ۱۹۸۶ء۔ یہ تاریخ کی درسی کتاب سبھی سرسوتی شیشو مندر پرائمری اسکول، یوپی کے پرائمری درجات کے نصاب میں داخل ہے۔ یہ ایک پرائیوٹ ادارہ ہے جو آر۔ ایس۔ ایس کے انتظام میں چلتا ہے۔ اس کتاب میں کل سترہ ابواب ہیں۔ پہلے آٹھ ابواب ہندستانی تاریخ کے قدیم دور سے بحث کرتے ہیں اور بقیہ نو عہد وسطیٰ سے تعلق رکھتے ہیں۔ جو کہ اس مضمون کا خاص موضوع ہے۔

اس کتاب میں تفصیل سے ہندستانی تاریخ کے فرقہ واری نظریات کے بنیادی عنصر کو شامل کیا گیا ہے۔ رسول اکرم محمدؐ کے اصول ماننے والوں کے متعلق جنھوں نے ان کے وصال کے بعد ان کے مشن کو آگے بڑھایا وہ لکھتا ہے: "وہ جہاں بھی گئے تہذیب بکف گئے۔ ان کے ماننے والوں کی فوج نے ہر سمت میں طوفانوں کی طرح یلغار کی۔ ان کی راہ میں جو ممالک آئے انھیں انھوں نے تہ وبالا کر دیا، عبادت گاہیں اور دانش کدے روند ڈالے گئے۔ کتب خانے جلا دیئے گئے۔ غیر مذاہب کی دینی کتابیں پامال کر دی گئیں۔ ماؤں اور بہنوں کو پریشان کیا گیا۔ ان کے دلوں میں ہمدردی اور انصاف کا کوئی جذبہ نہیں تھا"

یہ پہلا رسمی تعارف اسلام اور اہل اسلام کا ہے۔ یہ فرقہ وارانہ تعصب ظاہر ہے کہ اس مقصد سے پیش کیا گیا ہے تاکہ قاری پر یہ اثر قائم کیا جائے کہ غیر رواداری تاراجی اور عیاشی یہ خاصیتیں جبلی طور پر اسلام پر ایمان لانے والوں کے اندر موجود تھیں۔ مصنف نے رسول اکرم محمدؐ پر بہتان تراشی سے گریز کیا ہے۔

کتاب ہمیں بتاتی ہے کہ "عثمان وہ پہلے کمانڈر تھے جن سے ہندستان کی جانب پیش قدمی کرنے کی غلطی سرزد ہوئی۔ عرب خلیفہ سے اس کمانڈر کی بری طرح شکست ہوئی۔ چاچ نے جو سندھ کا برہمن راجہ تھا، اپنی تیز تلوار سے ان کا استقبال کیا۔ پہلے ہی حملے میں ان کا سر غلہ کی بالی کی طرح کاٹ دیا گیا۔ ان کا بغیر سر کا جسم زمین پر تڑپ رہا تھا اور ان کی فوج کو کچل دیا گیا تھا" یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ عثمان دیبل کے نزدیک ایک جھڑپ میں چاچ کی فوج کے ہاتھوں مارے گئے۔ لیکن یہ لڑائی سندھ کی تاریخ میں کوئی فیصلہ کن حیثیت نہیں رکھتی ہے۔ مصنف نے اس واقعہ کو بڑھا چڑھا کے پیش کیا ہے۔

اگلے ستر سال کے واقعات کے متعلق لکھتے ہوئے مصنف یہ بیان کرتا ہے: "یہ عین دانشمندی ہوتی اگر اس ذلت آمیز برتاؤ کے بعد انھیں (مسلمانوں کو) حالات کا صحیح اندازہ ہو جاتا لیکن وہ جو کسی قسم کا احساس نہیں رکھتے، ان پر کسی عمل کا کیا اثر پڑتا ہے۔ یہ حریص حملہ آور تھے۔ اگلے ستر برسوں تک انھیں سر اٹھانے کی ہمت نہیں ہوئی۔ بعد ازیں محمد بن قاسم نے سندھ کے علاقے پر حملہ کیا۔ اس وقت راجہ داہر اس علاقے کا حکمراں تھا۔ برہمن آباد میں ایک بھیانک جنگ لڑی گئی۔ ایک جانب وحشی لٹیرے تھے اور دوسری جانب آزادی کے متوالے۔ راجہ داہر کو شکست دیکر قاسم اس کے دارالخلافہ میں داخل ہوا۔ سارا شہر شمشان بھومی بنا ہوا تھا۔ ان کے فوجیوں نے لوٹ مار اور قتل وغارتگری شروع کر دی۔ مصنف آگے ہمیں بتاتا ہے کہ کس طرح خلیفہ کے حکم سے محمد بن قاسم کو کتے کی طرح مارا گیا تھا اور یہ نتیجہ سوریہ دیوی اور پرمیلا دیوی کی سازشوں کا تھا جو کہ راجہ داہر کی لڑکیاں تھیں وہ مال غنیمت کے طور پر لائی گئی تھیں۔ مصنف نے اپنے بیان کو ایک تصویر کے ذریعے پیش کیا ہے جس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ قاسم زمین پر پڑے ہیں اور دونوں بہنیں ان کی لاش کے نزدیک کھڑی اپنی خوشی کا اظہار کر رہی ہیں۔ اس نقش پر جو سرخی لگائی گئی ہے وہ ہے 'پر از مسرت سوریہ اور پرمیلا محمد بن قاسم کی لاش پر'۔ مصنف

نے تاریخی واقعات کو خاصا مسخ کیا ہے۔ چاچ نامہ کی غلط پیش کش نے محمد بن قاسم کی موت کو سوریہ دیوی اور پرمیلا دیوی کی سازش کا افسانہ بنا دیا ہے۔ بلاذری جو کہ اس دور کے مستند مورخ ہیں اس واقعے کو محمد بن قاسم کی موت کا سبب نہیں بتاتے۔ پروفیسر ایس لعل اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ محمد بن قاسم نے شہریوں کو قتل عام سے بچایا اس کی کتاب کے، جو کہ سندھ کے حملے سے متعلق ہے۔ ذیلی عنوانات میں سے ایک عنوان ہے: قاسم کی حکمت عملی مذہبی رواداری کے سلسلے میں؛ وہ مزید لکھتے ہیں کہ راجہ داہر ایک غیر مقبول حکمراں تھا۔

اگلے باب میں جو کہ محمود غزنی کے بیان میں ہے۔ مصنف لکھتا ہے 'جب وہ تخت پر بیٹھا تو اس نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھے گا جب تک وہ پورے ہندستان کو طاقت کے زور پر مسلمان نہ کر دے۔ وہ اپنے اس منصوبے کو پورا کرنے کے لیے ارذل ترین سطح پر بھی جانے کو تیار تھا۔ سومناتھ کے مندر کو لوٹنے میں اس کا کچھ اور بھی مقصد تھا۔ چونکہ وہ بت پرستی کا مخالف تھا، اسلیے اس نے اپنا یہ فرض سمجھا کہ دوسرے مذہب کے دیوی دیوتاؤں کے بت کو توڑ پھوڑ دیا جائے" بت پرستی پر ایمان نہ رکھنا اور بات ہے اور بت شکنی حقیقی طور پر دوسری بات ہے۔ وہ ایک دوسرے کا منطقی نتیجہ نہیں ہیں۔ مصنف ہمیں یہ سمجھانے کی کوشش کر رہا ہے کہ مسلمان جو بت پرستی پر یقین نہیں رکھتے وہ عقیدتاً بت شکنی کو جائز سمجھتے ہیں۔ محمود غزنی نے اپنے شیوۂ بت شکنی سے اسلام کو بے حد نقصان پہنچایا ہے۔ لیکن محمود کے ان کرتوتوں کی سزا ایک مخصوص فرقہ کو کیوں دی جائے، کیوں انھیں ملعون کیا جائے اور مجموعی طور پر ایک خاص فرقہ کے احساسات کو کیوں مجروح کیا جائے۔

رائے پتھورا (پرتھوی راج چوہان) اور شہاب الدین کی جنگ کے متعلق مصنف ہمیں بتاتا ہے کہ "غزنویوں کی ٹوٹ پھوٹ کے بعد کئی ایک آزاد قبیلے ابھر کر سامنے آئے ان میں ایک دھوری بھی تھی۔ (مصنف یہ سمجھتا ہے کہ غوری دھوری کی بگڑی ہوئی شکل ہے)۔ ان لوگوں کو زبردستی مسلمان بنایا گیا ہے۔ ہندو انھیں غلطی سے ان کے پرانے دھرم پر واپس نہیں لاسکے اور ان کی شدھی نہیں کر سکے۔ اسی واسطے وہ ہندوؤں کے کٹر دشمن ہیں۔ اسی پیراگراف میں شدھی کا پیام خاصا واضح ہے۔

شہاب الدین غوری کے متعلق وہ لکھتا ہے۔ غوری نے کاشی نگری پر حملہ کیا اور کاشی جل کر راکھ ہوگئی، لاکھوں آدمی مارے گئے۔ مندروں کو مسمار کر دیا گیا اور کاشی میں وشوناتھ کا مسمار شدہ مندر اور متھرا میں کرشن جی کے جنم استھان کو مسجد میں تبدیل کر دیا گیا۔ آج تک وہ کھنڈرات زندہ صفت بیرون حملہ آوروں کی کہانی سنا رہے ہیں۔ مصنف ہمیں یہ بھی بتاتا ہے کہ غوری کو نابینا پرتھوی راج نے چوہان حکمرانوں کے درباری شاعر چاند باردل کے اشارے پر اپنے تیر کا نشانہ بنایا قطع اور انتقام کا پیغام متذکرہ بالا بیان میں خوبصورتی سے پیش کیا گیا ہے۔ ان بیانات سے یہ صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ ان مندروں کو بحال کرنے کی بات کی جا رہی ہے۔ جس سے جذبات برانگیختہ ہوتے ہیں اور مختلف فرقوں کے درمیان تناؤ پیدا ہوتا ہے

ہمعصر مورخوں کے مطابق جن میں منہاج حسن نظامی اور بعد کے دنوں میں عصامی بھی ہیں۔ رائے پتھورا سرسوتی کے نزدیک ترائن کی دوسری جنگ میں مارا گیا اور اجمیر کا علاقہ اس کے لڑکے کے سپرد کیا گیا تھا۔ شہاب الدین غوری کو کھوکر باغیوں نے مارچ ۱۲۰۶ء میں دبائیک کے مقام پر مارا تھا۔

مصنف کے الفاظ میں قطب الدین ایبک کی تخت نشینی کے بعد اگلے سوا تین سو سال کی تاریخ "مسلسل ظلم واستبداد کی تاریخ ہے۔ دشمنوں نے ہر سمت خوف اور دہشت کا راج قائم کر دیا۔ لوگوں کو تلوار کی نوک پر مذہب تبدیل کرنے پر مجبور کیا گیا۔ کروڑوں تہ تیغ کر دیئے گئے۔ مندر اور یادگار عمارتیں مسمار کر دی گئیں۔ خوفناک مظالم کے سبب جو ہر چہار طرف بپا تھے، عوام کے دلوں میں دہشت سی بیٹھ گئی۔ قطب مینار کے متعلق مصنف لکھتا ہے۔ یہ اس نے (قطب الدین ایبک) تعمیر نہیں کرایا تھا، وہ تو اس طرح کے مینار کی تعمیر کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ یہ دراصل سمندر گپت نے تعمیر کروایا تھا۔ اور اس کا اصل نام وشنو استمبھ تھا۔

قطب الدین کی تعمیر کے سلسلے میں مصنف پی۔ این۔ اوک آگے کی بات نہیں کہہ سکا ہے۔ عہد وسطیٰ کی تاریخی عمارتیں جنھیں سلاطین دلی یا مغل حکمرانوں نے بنوایا تھا انھیں کسی قدیم حکمراں کے نام سے منسوب کرنا بھی ایک پسندیدہ موضوع ہے' ان لوگوں کا جو تاریخ نویسی میں فرقہ وارانہ عصبیت کو راہ دیتے ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انھیں ان صناعی کی مبادیات کا بھی علم نہیں ہے۔ قرون وسطیٰ کی جو بھیانک تصویر مصنف نے کھینچی ہے وہ اس کے تخیل کا کمال ہے۔ پروفیسر ہربنس مکھیا نے سائنٹفک انداز سے ان عوامل کا تجزیہ کیا ہے۔ انھوں نے بڑی سچی بات کہی ہے کہ "انتظامیہ کی نچلی آسامیاں پورے طور پر ہندوؤں کے ہاتھوں میں رہیں چنانچہ یہ ہندو ہی تھے جنھوں نے ترکوں کی حکومت کے قیام میں ان کی مدد کی اور وہی اس کا نظم ونسق کرتے تھے۔ اگر ان کی مدد نہ ہوتی تو ترک بہت تھوڑی سی مدت ہندستان میں گزارتے۔ وہ آگے کہتے ہیں: ایسی کوئی شہادت نہیں ملتی جس سے یہ اندازہ لگایا جائے کہ ریاست خود ہی بڑے پیمانے پر ہندوؤں کو مسلمان بنا رہی تھی اور نہ یہ کہ غصے میں انھوں نے کوئی پرجوش قدم اٹھایا ہو تبلیغ دین کا منطقی طور پر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ تعداد میں وہ اتنے ہی تھے جتنا کھانے میں نمک ہوتا ہے۔ ترک یا مغل کیا ایک ایسی حکمت عملی پر قائم رہ سکتے تھے جو ہندو عوام سے مستقل دشمنی اور تنازعہ کی پالیسی ہو۔ ہندو جو ان سے تعداد میں کئی گنا زیادہ تھے۔

ہیمو وکرما دتیہ کے متعلق مصنف لکھتا ہے۔ اکبر کے عہد میں ہیمو نام کا ایک بہادر شخص سامنے آیا۔ وہ بڑا جنگجو تھا پہلے اس نے دلی میں بھی کام کیا تھا۔ اس نے بیرونی دشمنوں کو نکال باہر کرنے کا عہد مصمم کیا تھا۔ مناسب موقع دیکھ کر اس نے دلی پر حملہ کیا۔ مغل فوج ٹکڑوں میں بٹی ہوئی ہے۔ وہ بد دل ہو کر بھاگ گئی اور دلی آزاد ہو گئی۔ بھگوا جھنڈا ایک بار پھر دلی

کی فضاؤں میں آب وتاب کے ساتھ لہرایا تھا"۔ مصنف نے اس حکمراں کا نام نہیں دیا جس کی ماتحتی میں ہیمو نے دہلی میں رہ کر خدمت انجام دی تھی۔ اس سے قبل ہیمو نے ایک ذی اثر وزیر اعظم کی حیثیت سے محمد شاہ عادل سور (۱۵۵۴-۵۷ء) کے دربار میں نوکری کی تھی۔ کم از کم ہیمو کے نزدیک سبھی مسلمان بیرونی دشمن نہیں تھے۔ ہیمو کی فوج جس نے دہلی میں مغل فوج کو تتر بتر کر دیا تھا اس میں ایک بڑی تعداد میں افغان فوجی بھی شامل تھے۔ مبارک خاں بہادر خاں نہلوی خاں اس کی فوج کے اہم ونگ کمانڈر تھے۔ شادی خاں ککر بھی پانی پت کی لڑائی میں مارا گیا۔

اکبر کے متعلق مصنف لکھتا ہے "وہ فطرتاً عیار تھا۔ اور اس کی اس عیاری سے بہت سے حکمراں اس کے جال میں پھنس گئے تھے۔ لیکن ایک راجہ کو وہ بیوقوف نہیں بنا سکا۔ وہ (مہارانا پرتاپ) یہ نہیں بھولا تھا کہ اکبر بالآخر ایک بیرونی حکمراں ہے۔ انھیں اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ اکبر ملائم لہجے میں گفتگو کرتا ہے۔ کیوں کہ وہ بیرونی حکمراں تھا"۔

مصنف اپنے فرقہ وارانہ تعاصب کا تاریخ کے مسخ شدہ واقعات کے ذریعے پرچار کرتا ہے۔ ہلدی گھاٹ کی جنگ کے متعلق مصنف لکھتا ہے "ہلدی گھاٹی میں ایک بھیانک جنگ لڑی گئی۔ اکبر اپنی حکمت عملی میں کامیاب ہوا۔ وہ بڑا تیز آدمی تھا۔ اس مہم کی کمان اس نے اپنے لڑکے سلیم کو سونپی تھی۔ اسے مان سنگھ پر بھروسہ نہیں تھا۔ مان سنگھ اکبر کا ایک ادنیٰ نوکر تھا۔ میدان جنگ میں فوجیوں نے سلیم سے پوچھا "شاہزادے فوج میں دونوں جانب راجپوت ہیں ہم کسے ماریں! سلیم نے جواب دیا، کسی کو بھی مارو فتح ہماری ہوگی۔ سلیم دوست اور دشمن کی عدم پرکھ رکھتا تھا"۔

تاریخی واقعات کا تجزیہ کرنے کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اکبر اور مہارانا پرتاپ کی جنگ میں کسی مذہبی معاملے کا دخل نہ تھا۔ یہ محض دو حکمرانوں کی شاہی انا کی جنگ تھی۔ یعنی اکبر اور میواڑ کے رانا کی۔ ہلدی گھاٹی کی جنگ کا تجزیہ کرنے کے بعد ہمیں پروفیسر ایل سری واستو کا بیان صحیح نظر آتا ہے۔ "اس بات کا کوئی محل نظر نہیں آتا ہے کہ مغل دربار میں رانا کی ذاتی حاضری پر زور دیا جائے خاص طور پر اس حالت میں کہ اس نے اپنے بڑے لڑکے (امر سنگھ) کو آگرہ بھیج دیا تھا جس کے معنی یہ ہیں کہ اکبر کی فرمانروائی کو تسلیم کر لیا گیا۔ علاوہ ازیں یہ بات بھی نہیں بھولنی چاہیے کہ اکبر کے لڑکے اور اس کے ولیعہد جہانگیر نے رانا کے جذبات کا خیال کیا اور اس کی ذاتی شرکت پر اصرار نہیں کیا۔

مسلم حکمرانوں کو خون جمرگے کے طور پر پیش کرنے کے لیے اور بالواسطہ طریقہ پر اپنے قاری کو یہ یاد کرانے کے لیے کہ مسلمان ان کے پرانے اور کٹر دشمن ہیں، مصنف نے تاریخ کے آداب کو اپنی دشنام طرازی کا نشانہ بنا لیا ہے۔ ہم لوگ ان تاریخی ماخذوں کی صداقت کے سلسلے میں کوئی سوال نہیں اٹھائیں گے جن کا تعلق سلیم اور مسلمان فوجیوں کے مابین مکالمے سے ہے۔ لیکن اس بات کی نشاندہی کرنا از بسکہ ضروری ہے کہ ہلدی گھاٹی کی جنگ کے وقت (جون ۱۷، ۱۵۷۶ء) شہزادہ

سلیم کی عمر (تاریخ پیدائش ۳۰ اگست ۱۵۶۹ء) مشکل سے سات برس کی تھی۔ فوج کا پورا انتظام اکبر نے راجہ مان سنگھ کو سونپا تھا۔

زیر تبصرہ کتاب میں عہد وسطیٰ کے مسلمانوں کی حکومت کو ہر جگہ بیرونی حکومت کہا گیا ہے۔ آٹھ سو سال کی غلامی؟ یہ ایک مبالغہ آمیز فقرہ ہے جو عام طور پر مستعمل ہے۔ مسلم عہد حکومت کو ہندوستانی تاریخ کا تاریک ترین اور بنجر ترین دور بتایا جاتا ہے۔ رومیلا تھاپر کہتی ہیں۔" اگر آج کی فرقہ پرستی کے نظریے کو پرکھا جائے تو ہم سیدھے سیدھے اسی نتیجے پر پہنچیں گے کہ انھیں اس کی عقلی تائید تاریخی ماضی سے حاصل ہوتی ہے۔

میں یہاں تاریخ کی تاویل کی کچھ اور مثالیں مختلف مصنفوں کے یہاں سے پیش کروں گا۔

(۱) گرو ارجن دیو کو جہانگیر نے مروا دیا کیونکہ انھوں نے ان کے باغی لڑکے داراشکوہ کو امان دی تھی۔ (؟) (۲) بھائی متی داس کو آرے سے چروا دیا گیا۔ سوچیے کتنی تکلیف انھیں ہوئی ہوگی۔ (۳) قوم غلامی کی زنجیر کو توڑنے کے لیے بے قرار ہو گئی۔ غیر ملکیوں کے بڑے سے بڑے مظالم اب انھیں محکوم نہیں بنا سکتے تھے۔ (۴) آزادی کی جنگ ہمارے لیے مذہبی جنگ بن گئی۔ (۵) اپنے دھرم کی رسوائی کا حال یہ سن کر کہ گائیں اور برہمن ذبح کیے جا رہے ہیں، مندروں کو توڑا پھوڑا جا رہا ہے، ماؤں اور بہنوں کو ذلیل کیا جا رہا ہے، ان کے (شیواجی کے) جسم کی مچھلیاں غصے میں سخت ہو گئیں۔

اوپر میں نے کچھ مثالیں کتاب کے آخری چار ابواب سے پیش کی ہیں۔ ایک منتخب حوالہ سوالوں کا ہے جو ابواب میں درج شدہ سوالناموں سے حاصل کیے گئے۔ یہاں ان کی پیشکش بے محل نہیں ہوگی۔ ان سے مصنفین کے نقطۂ نظر کی وضاحت ہوتی ہے۔

(۱) پہلے مسلمان حملہ آور کا نام تھا .. .. ۳۴ (خالی جگہ کو پُر کیجیے) (۲) کس کے جسد پاک کو دشمنوں کی فوج بھی ہاتھ نہیں لگا سکتی تھی۔ ۳۵ (۳) نقشے پر دکھاؤ، قنوج متھرا اور کاشی ۳۶۔ (۴) سومناتھ کا انتقام کس نے لیا؟ ۳۷۔ (۵) نام بتائیں ۳۸۔ (الف) آرے سے کسے چیرا گیا تھا (.. .. ..) (ب) کسے قتل کیا گیا تھا (.. .. ..) (سی) کسے دیوار میں چنوا دیا گیا تھا (.. .. ..) (ڈی) کس کے منہ میں اس کے بیٹے کا گوشت ٹھونسا گیا تھا (.. ..) (ای) کس کے سر پر گرم تیل انڈیلا گیا تھا۔ (.. .. ..)۔

تاریخ میں اس قسم کے اشتعال انگیز بیانات بچوں کے ذہن پر ایک خاص قسم کے اثرات مرتب ہوں گے۔ کل ہند ہسٹری کانگریس ۱۹۶۱ء منعقدہ دہلی کے ایک سمپوزیم سیشن میں جس کا موضوع تھا "قومی یکجہتی کے عمل میں ہندوستانی تاریخ دانوں کی خدمات" — پروفیسر عرفان حبیب نے بتایا کہ جب اسکول سے یونیورسٹی کے اعلیٰ مدارج تک ہمارے نوجوانوں کو ماضی کی غلط کاریوں کے قصے جو خاموشی سے انتقام کی باتیں کرتے ہیں سنائے جائیں گے تو پھر یہ کوئی حیرت کی بات نہیں ہوگی کہ آج

بھی ہمارے ملک میں اقلیتوں کا قتل عام ہوتا ہے۔۳۹. ۱۹۶۱ء میں ممکن ہے کہ خاموشی سے انتقام کی آواز بلند کی جاتی ہو لیکن آج ۱۹۸۸ء میں یہ آواز بے حد بلند ہو گئی ہے۔

عہد وسطیٰ کے کچھ تاریخی مآخذ کی جھلکیوں کو ترجمہ کرنے اور انھیں ترتیب دینے کا مقصد اور ۱۸۴۹ء میں مسلمان حکمرانوں کی غلط کاریوں کو پیش کرنے میں جو ایلیٹ کا مقصد تھا، وہ آج بالکل سمجھ میں آجاتا ہے۔۴۰. لیکن "گورو گاتھا" کے مصنف کا مقصد بجز اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ ایسے حالات پیدا کر دیئے جائیں کہ فرقہ وارانہ جنون کا ابھرنا لازمی ہو جائے جو کہ مصنف کی دلی خواہش ہے۔

پروفیسر محمد حبیب کے بیانات جو ان کے مقالے سرہنری ایلیٹ میں درج ہیں، آج بھی ہمارے حالات سے مطابقت رکھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں "ماضی ہماری پہنچ سے باہر ہے، ہمیں جس کی فکر ہے وہ آج ہے اور آنے والا کل ہے"۔ فرقہ وارانہ امن وامان قائم رکھنے کیلیے یہ ضروری ہے کہ تاریخ کی ایسی درسی کتابوں پر پابندی لگا دی جائے۔

حوالے:

(۱) بپن چندر صحیح کہتے ہیں کہ درحقیقت اس امر میں کوئی مبالغہ نہیں ہے کہ تاریخ کی فرقہ وارانہ تاویل ہی ہندستان میں فرقہ پرستی کا خاص نظریہ ہے۔ اس کے بغیر فرقہ وارانہ نظریے کی تحویل میں کچھ بھی نہیں رہ جائے گا"

<u>Communalism in Modern India</u>, Vani Educational Books, Delhi, 1984, p.209.

(۲) کانپور کے فسادات کے لیے جو انڈین نیشنل کانگریس نے ایک انکوائری کمیٹی بنائی تھی اس نے ۱۹۳۲ء میں اپنی رپورٹ کے پیش لفظ میں اس امر کی نشاندہی کی ہے کہ عہد وسطیٰ کی تاریخ میں جو فرقہ وارانہ رجحان اسکول کی تاریخی کتابوں اور دوسری تاریخی کتابوں میں ملتا ہے۔ وہ ایک خاص کردار ادا کر رہا ہے دونوں فرقوں کو مضبوط بنانے میں ملاحظہ ہو بپن چندر .Op.cit., p.211 (۳) ملاحظہ ہو بپن چندر .Op.cit صفحات ۲۳۵-۲۱۴ (۴) گورو گاتھا ص ۵۳-۵۲ (۵) ایضاً (۶) ایضاً (۷) ایضاً ص ۵۳ (۸) ایضاً ص ۵۵-۵۴ <u>Early Muslim in India</u>, Books and Books Publishers, NewDelhi, 1984, pp.21-23, 50. (۹) گورو گاتھا ص ۵۸۔ ۵۹ (۱۰) غزنی کے قاضی نے سلطان مسعود سے ایک سونے کے بت کا نذرانہ لینے سے انکار کر دیا کیوں کہ جو جنگیں اس کے والد سلطان محمود نے کی تھیں وہ رسول اکرمؐ کے تصور جہاد سے مطابقت نہیں رکھتی تھیں۔ پروفیسر محمد حبیب 'The Urban Revolution in Northern India' <u>Politics and Society During the Early Medieval Period</u>, collected works of Prof.Md.Habib, ed. by Prof.K.A. Nizami, Peoples Publishing House, Delhi, 1974, Vol.I, p.60.

گوروگاتھا صہ ۶۴ (۱۲) ایضاً صہ ۶۷ مصنف اس بات کو بھی تسلیم کرتاہے کہ مذہبی مقامات کو مسمار کرنا رسول اکرمؐ کی تعلیم میں داخل نہیں ہے۔وہ لکھتاہے "اگر رسول اکرمؐ زندہ ہوتے تو وہ اس حکمراں کی حد درجہ مذمت کرتے" (۱۳) ایضاً صہ ۷۔۸
(۱۴) اس قسم کی تحریروں سے متاثر ہوکر بہت پہلے ۱۹۷۳ء میں راجستھان کے تین سینئر پروفیسروں نے بشمول جی۔بی پانڈے نے بر سر عام یہ مطالبہ کیا تھا کہ مسلمان رضاکارانہ طور پر سومناتھ کی کم از کم جزوی مرمت کیلئے فنڈ جمع کریں تاکہ تاریخی تلافی ہوسکے۔اس مذہبی غارتگری کی جس میں ان کے پرکھے بھی شامل تھے" ملاحظہ ہو، بپن چندر p.cit., p.226n.41.
(۱۵) A Comprehensive History of India, Vol.V. مولفہ پروفیسر محمد حبیب اور پروفیسر خلیق احمد نظامی پیپولز پبلشنگ ہاؤس دہلی، ۱۹۷۰ء صہ ۱۶۵۔۱۶۶ (۱۶) ایضاً صہ ۱۶۹ کے۔ایس لال Op.cit صہ ۴۷
(۱۷) گوروگاتھا صہ ۷۳۔۷۶۔ (۱۸) ایضاً صہ ۷۳ (۱۹) دیکھئے Romila Thapar, Communalism and the Writing of Indian History, P.P.House, Delhi, 1984, pp.1-23.
(۲۰) دیکھئے 'MEDIEVAL INDIAN HISTORY AND THE COMMUNAL APPROACH, PP28-58 VIDE. IBID.
(۲۱) ایک بار علماء کا ایک وفد التمش کے پاس گیا اور اس سے درخواست کی کہ وہ ہندوؤں کے ساتھ کچھ سخت گیر رویہ اختیار کرے۔التمش نے اپنے وزیر نظام الملک جنیدی سے کہا وہ علماء سے اس کا جواب دے دیں۔وزیر نے کہا "لیکن ابھی ہندستان کچھ ہی دن پہلے فتح ہوا ہے اور اس وقت مسلمان اتنی تعداد میں ہیں جیسے کھانے میں نمک ہو۔اگر اس قسم کے احکامات ہندوؤں کے خلاف صادر ہوجائیں تو عین ممکن ہے کہ وہ متحد ہوکر خلفشار برپا کریں اور چونکہ مسلمان مختصر تعداد میں ہیں اسلیے ہوسکتا ہے کہ وہ اس عام بےچینی کو دبا نہ سکیں' ملاحظہ ہو پروفیسر ایسکے نظامی، Some Aspects of Religion and Politics in India, ادارہ ادبیات دہلی، ۱۹۷۴ء صہ ۳۱۵۔۳۱۶
(۲۲) گوروگاتھا صہ ۸۴ (۲۳) A.L.Srivastava, Akbar the great, vol.I, Shivalal Agrawal & Company Publishers, Agra, 1967,pp.24-27.
(۲۴) گوروگاتھا صہ ۸۴ (۲۵) ایضاً صہ ۸۶ (۲۶) A.L.Srivastava, op.cit., vol.II, p.328.
(۲۷) ایضاً، جلد ۱، صہ ۲۴ (۲۸) رومیلا تھاپر vol. صہ ۱ (۲۹) گوروگاتھا صہ ۸۴
(۳۰) ایضاً صہ ۸۵ (۳۱) ایضاً صہ ۹۰ (۳۲) ایضاً صہ ۹۲ (۳۳) ایضاً صہ ۹۳ (۳۴) ایضاً صہ ۵۶ (۳۵) ایضاً صہ ۵۷ (۳۶) ایضاً صہ ۱۰ (۳۷) ایضاً صہ ۶۳ (۳۸) ایضاً صہ ۹۰ (۳۹) PIHC, 1963. Calcutta, p.354. (۴۰) ایضاً صہ ۱۵ (۴۱) 'Collected Works of Prof.Md.Habib', op.cit., vol.I, p.12.

ڈاکٹر طارق سعید
شعبۂ اردو، ساکیت پوسٹ گریجویٹ کالج
اودھ یونیورسٹی، فیض آباد

اتر پردیش کی نصابی کتب برائے درجہ ششم تا دہم کی روشنی میں

مُسلم حکمراں: تاریخ کا جائزہ

سب سے پہلے میں نہایت ادب سے یہ اعتراف کرنا چاہوں گا کہ میرے مقالے کا عنوان "مسلم حکمراں کی تاریخ کا جائزہ" میں لفظ مسلم ایک زائد لفظ ہے لیکن اسے آپ لغت کی مجبوری کہہ لیں یا میری کم علمی کہ مسلم کی اصطلاح کے بغیر محمد بن قاسم کے حملہ سے لے کر بہادر شاہ ظفر تک کی تاریخ کو کسی اور قوم، ملت یا مذہب کے نام منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ دراں حالیکہ "مسلم حکمراں" "مسلم لشکر" یا "مسلم حکومت" جیسی اصطلاح کے استعمال سے جو نقشہ ذہن میں فوراً تشکیل پاتا ہے، اس نقشہ یا امیج سے اتر پردیش سرکار کی نصاب کمیٹی درجہ ششم تا دہم کے ممبران نیز اس نصاب کو کتابی شکل دینے والے معزز مصنفین کا ذہن بالکل عاری ہے۔ نصاب کمیٹی کے ممبران معزز مصنفین کی جماعت کے علاوہ اس جماعت کے سرکاری مشیر کار، تاریخ کے موضوع کی ذیلی کمیٹی کے دوسرے رکن تعلیمی کارپوریشن کے سکریٹری اور ڈائریکٹر، مسلم حکمراں سے ایسی جانور خصلت مخلوق مراد لیتے ہیں جس کے ایک ہاتھ میں خونی تلوار ہے اور دوسرے میں ہرا ہلالی جھنڈا اور زبان پر نعرۂ تکبیر۔ افسوس اس امر پر ہے کہ مسلمان دانشور بھی چند تبدیلیوں کے ساتھ مسلم حکمراں کی یہی صفات بتاتے ہیں۔ اور وہ محمود غزنوی، محمد غوری اور علاء الدین جیسے Criminals کو مسلمان کہتے ہوئے شرماتے نہیں بلکہ طرہ یہ کہ ان کو فخر سے اپنا ہیرو بتاتے ہیں اور ان کی غلط کاریوں کی تاویل کرتے ہیں۔ برعکس ان کے، راشٹریہ کرت کتابوں کے مصنفین ان Criminals کو مسلمان کہہ کر گالیاں دیتے ہیں، معصوم ذہنوں میں زہر کا بیج بوتے ہیں اور مستقبل کے ہندستان کو سخت خطرے کی طرف لے جا رہے ہیں۔ راشٹریہ کرت کتابوں کے مصنفین سے محض اتنی شکایت ہے کہ انہوں نے Criminals کو مسلمان کہا ہے Criminals کی تاریخ کو بہت ہی خوبصورتی کے ساتھ، درجہ ششم تا دہم، رسالت مآب محمدؐ صاحب سے جوڑ دیا ہے۔ جب کہ رسالت مآب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کارنامہ ہے کہ انہوں نے Criminals کو امن و اسلام کا زندہ نمونہ بنا دیا، اور ان کی معدوم و موہوم شخصیتوں کو آفاقیت سے ہمکنار کیا۔

راشٹریہ کرت کتاب درجہ سات میں عربوں کا سندھ پر حملہ کے عنوان سے نہایت اختصار سے کام لیتے ہوئے راجہ داہر کے پسپائی کا ماتم کیا ہے اور بعد کے پیراگراف میں راجپوتوں کی قوت کو زیادہ اور خلفا کی قوت کو کمزور

بتاکر طالب علموں کے ذہنوں کو پراگندہ ہونے سے بچایا گیا ہے تاکہ وہ کتاب کے پہلے باب میں ہی مایوسی کا شکار نہ ہوں
لیکن نویں درجہ کی راشٹریہ کرت کتاب میں تفصیل سے سارے واقعات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ چند وہ الفاظ جو قابل
گرفت ہیں اور جذبہ محبت کے مخالف ہیں، ملاحظہ کریں،

"राजा दाहिर रावर नाम स्थान के समीप सन 712 ई० में युद्ध में पराजित
हुआ तथा रण भूमि में ही वीरगति को प्राप्त हुआ। दाहिर की वीरांगना पत्नी
रानी बाई ने अरबों के विरुद्ध सैन्य संचालन किया परन्तु वह शत्रु सेना
प्रबल भाव को रोकने में असमर्थ रही। विवश होकर राजा दाहिर की
पत्नी ने राजमहल की अन्य स्त्रियों सहित जौहर व्रत अपनाया और
अग्नि की शरण ली।" पृ 179

یہاں ایک طرف راجہ داہر کا वीरगति को प्राप्त होना ہے تو دوسری طرف विवश होकर
जौहर व्रत अपनाना ہے۔ ان دونوں باتوں کی روشنی میں اگر راجہ اور اس کی بیوی سے ہمدردی پیدا ہوتی ہے
تو مسلمانوں کے لئے نفرت کا جذبہ بیدار ہوتا ہے جو کسی طرح حق بجانب نہیں ہے۔ اگر معصوم طالب علموں کو
یہ معلوم ہوتا کہ محمد بن قاسم، ولید بن عبدالملک کی حکومت کے ایک سفاک و ظالم مشیر کار حجاج بن یوسف
کے اشاروں کا غلام و تابع ہے تو نفرت حجاج سے پیدا ہوتی، رسالت مآب حضرت عمر بن عبدالعزیز، محمد بن قاسم یا
ان کے دین اسلام سے نہیں۔ لیکن گیارہویں درجہ کی ایک کتاب मान्यता प्राप्त جس کے مصنف شیو
نارائن سنگھ رانا اور شیو راج سنگھ رانا ہیں माध्यमिक भारत भूमि का इतिहास نے محمد بن قاسم کے
712 عیسوی کے حملہ کو 1947 عیسوی کے تقسیم ہندستان کے حادثے سے خوبصورتی سے جوڑنے کی کوشش کی ہے تاکہ
اسلام اور مسلمان کے لئے ہندو ذہنوں میں کبھی جذبہ محبت بیدار نہ ہو۔ ان کے الفاظ ہیں:

"आक्रमण निर्णायक घटनाओं का यह तांता ऐसा लगा कि जिस में
परिणाम स्वरूप हमारे देश का विभाजन हुआ और 1947 ई० में पाकिस्तान
की स्थापना हुई।" पृ 227

درجہ سات میں الگ سے ایک باب قائم کر کے جس کا عنوان ہے، "तुर्कों के आक्रमण"
______ سے ترکی سلطنت کا جائزہ لیا گیا ہے جب کہ درجہ نو

میں "केन्द्रीय शक्ति का विघटन व विदेशी आक्रमण" کے باب میں محمد بن قاسم کے بیان کے ساتھ ہی "तुर्कों के आक्रमण महमूद गजनवी व मुहम्मद गोरी" کا ذیلی سرخی سے ترکوں کا مطالعہ کیا گیا ہے۔ محمود غزنوی کے نام ۱۷ حملے محمد غوری کے نام ۵ حملے درج کئے گئے ہیں۔ دونوں کو Criminals بتایا گیا ہے۔ مندروں کو توڑنا، دولت اکٹھا کرنا اور بے گناہوں کا قتل عام کرنا، دونوں کی خصوصیت بتائی گئی ہے۔ دونوں کو ہندو راجپوتوں کا دشمن کہا گیا ہے اور یہ بھی لکھا گیا کہ دونوں مقصد برآری کے لئے اسلام کا استعمال کرتے ہیں لیکن یہ کہیں نہیں لکھا گیا ہے کہ یہ دونوں اسلام کے معاملے میں اندھے تھے اور اسلامی سدھانتوں کو نہیں جانتے تھے، صرف نام کے مسلمان تھے۔ بلکہ افسوس ہے کہ درجہ نو کی راشٹریہ کرت کتاب میں "اب اسلام کی تلوار خلفاؤں سے ترکوں کو استھان ترت (स्थानान्तरित) ہو گئی" ص ۱۸۷ پر لکھا ہے، جب کہ لکھا یہ ہونا چاہئے تھا کہ "اب اسلام کی تلوار ظالموں سے شیطانوں کے پاس پہنچ گئی جو دراصل انہیں کے صفائے کے لئے پیدا کی گئی تھی۔ آگے اسی کتاب میں لکھا ہے "بھارت میں اسلام دھرم کے بیچا روپن کا شریہ بھی محمود کو ہی دیا جاتا ہے۔" ص ۱۸۸ مگر میں نہیں جانتا کہ ظلم سے انصاف کا بیج کیسے بویا جا سکتا ہے۔ زیادتی کس طرح امن قائم کر سکتی ہے۔ واضح رہے کہ طالب علموں پر یہ تاثر دینے کی کوشش کی جاتی ہے کہ اسلام ظلم و زیادتی کا نام ہے۔ تاکہ کچے ذہنوں میں نفرت بیدار ہو۔ اسی صفحہ پر محمود کی شخصیت کے لئے یہ الفاظ موجود ہیں۔

"वह निःसन्देह एक क्रूर बर्बर लुटेरा मानवता का शत्रु निर्मम आक्रमण कारी व सभ्यता और संस्कृति का विध्वंसक था"

یہ الفاظ سچے ہیں یا جھوٹے کی بحث سے قطع نظر کسی مسلمان میں کیا معمولی انسان کے لئے بھی درست نہیں۔ چہ جائیکہ مسلم حاکم یا اس کی حکومت، فی الواقع حضرت علی کے بعد دنیا نے مسلم حاکم کو دیکھا ہی نہیں۔ ۱۳۰۳ء گست علاء الدین خلجی کی سرکردگی میں اسی طرح کا ایک اور واقعہ صفحہ تاریخ پر سرزد ہوتا ہے جس کو درجہ نو کی کتاب میں مصنفوں نے "میوار الجیبان" سے عبارت کیا ہے پہلے راشٹریہ کرت کتاب کے درجہ ۷ کے الفاظ دیکھئے۔

"यहाँ भी वीर राजपूतों ने मातृभूमि की रक्षा के लिए अद्भुत साहस और शौर्य के साथ युद्ध किया। सुरक्षा की आशा न रहने पर अन्य राजपूत महिलाओं के साथ रानी पदमनी ने जौहर प्रथा के अनुसार आग में जल कर प्राण त्याग दिये।" पृष्ठ 48

اب درجہ نو کی کتاب سے انہیں خیالات کو اور نفرت پیدا کرنے والے الفاظ کی صورت میں دیکھیں!

"अलाउद्दीन चित्तौड़ के राजा रत्नसिंह की परम सुन्दरी रानी
नी को प्राप्त करना चाहता था। यद्यापी राजपूत सेनाएं पराजित
किन्तु भीषण रक्तपात के पश्चात भी सुल्तान पदमनी को प्राप्त
कर सका। रानी ने महल की अन्य स्त्रियों के साथ जौहर व्रत
नाया और अग्नि में जलकर मर गई। सुल्तान को राख ही हाथ लगी

ہندوستان کے مسلم حکمرانوں میں اورنگ زیب کا نام لئے بغیر مقالہ ادھورہ رہ جاتا ہے۔ درجہ
کی راشٹریہ کرت کتاب کے باب "اورنگ زیب" میں مسلم اور سکھ کے مابین کھائی بنانے کی زیادہ کوشش
گئی ہے اور مسلم اور ہندو کھائی کو جوں کا توں رہنے دیا گیا ہے۔ مثلاً ساتویں درجہ کی کتاب میں ہے:

"उसके शासन काल की एक मुख्य विशेषता यह है कि जहाँ
ड और मन्दिरों का विध्वंस हुआ वहीं कुछ स्थानों के ब्राहमणों
या पुरोहितों को सम्राट द्वारा भूमि प्रदान की गयी। इसके पीछे
र्मिक और राजनितिक तथा अन्य कारण हो सकते हैं।" (पृष्ठ 153-154)

لیکن ۱۰ویں درجہ کی راشٹریہ کرت کتاب یہ انکشاف کرتی ہے:

"औरंगजेब की धार्मिक नीति अकबर की धार्मिक नीति के ठीक
विपरीत थी उसने अकबर द्वारा किया उन सभी प्रयासों पर
जिन से हिन्दु मुसलिम एकीकरण को प्रोत्साहन मिलता था जिसका
चिन्ह मिटा दिया। उसके समय में इस्लाम को पुन: राज धर्म घोषित
किया गया। हिन्दू मन्दिरों अथवा पूजा स्थलों को नष्ट करवाना उसके
लिए साधारण बात बन गई।" (पृष्ठ 176)

آخر اورنگ زیب کا وہ کون سا اسلام تھا جس نے اس کی روزمرہ کی زندگی میں مندروں کو گرانے کے
عمل کو صحیح قرار دے دیا تھا۔ اگر کوئی مسلم حاکم کسی بھی مذہب کی کوئی عبادت گاہ کی ایک اینٹ یا ایک پتھر بھی اپنے
حکم سے کھسکا دے تو گویا مسلمان ہی نہیں رہ گیا۔ قرآن میں واضح حکم ہے کہ غیروں کے معبود کو برا نہ کہو کیونکہ بدلے

ں تمہارے اللہ کو بھی وہ بُرا کہیں گے۔ اور جس مسلمان نے بھی قرآن کے کسی ایک حکم سے بھی انکار یا تجاوز کیا سووہ
سلمان ہی نہیں۔ مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں کہ یا تو اورنگ زیب سرے سے مسلمان ہی نہ تھا اور یا اس نے کسی مندر
و قصداً گرایا ہی نہیں، اور اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ اس نے کسی مندر کو قصداً نہیں گرایا پھر بھی اسلام کی حد اس پر
جاری ہو گی کیونکہ اسلام کسی بھی شخص کو یہ اجازت نہیں دیتا کہ وہ اللہ کی زمین پر حاکم بن جائے۔ حکومت کا حق
صرف اللہ کو ہے۔ اسلام میں صاحب اقتدار حاکم نہیں، نائب خدا، نائب رسولؐ ہوتا ہے اور اورنگ زیب
نائب رسولؐ کے منصب پر فائز نہ تھا بلکہ دلی کے تخت پر رونق افروز تھا۔ جس کو ہمارے راشٹریہ کرت
کتابوں کے مصنفین نہیں جانتے اور پتہ نہیں کس ضد میں اورنگ زیب کے زمانے میں اسلام کو سرکاری مذہب
کا رتبہ دے دیتے ہیں جب کہ نائب رسولؐ حضرت علیؓ کے بعد اسلام کبھی کسی بھی اسٹیٹ کا دین نہیں۔

●●

ساتویں صدی میں دکنی سلطنت کے شاہ عادل شاہ نے شہنشاہ اکبر کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ایک بہت بڑا کتبخانہ
ائم کیا اور اس کتب خانہ کی نگرانی کے لیے سنسکرت کے ایک اسکالر داما پنڈت کی تقرری کی۔ عادل شاہ کے جانشین ابراہیم
ادل شاہ نے جن کو غریبوں کا دوست کہا جاتا تھا اور جن کو ان کی عدل گستری، غربا پروری اور منکسر المزاجی کی وجہ سے نوشیرواں ثانی
کہا جاتا تھا' انھوں نے اپنی بیشتر نظموں میں ہندوؤں کی علم کی دیوی کے گیت گائے تھے۔ مزید برآں انھوں نے چند ہندو تیرتھوں استھانوں
کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔

۱۵ ویں صدی کے دوران کشمیر میں شاہ زین العابدین نے اپنے پیش رو کی غلط پالیسیوں کی وجہ سے فرار ہو جانے
والے اور اپنے اپنے گھروں کو خیرباد کہہ کر چلے جانے والے ہندوؤں کو واپس لانے کے لیے اپنے خصوصی ایلچی بھیجے اور ان کی باز آبادکاری
کی۔ فارسی زبان کے ساتھ ساتھ سنسکرت پر بھی ان کو عبور تھا۔ انھوں نے اپنشد کا فارسی میں ترجمہ کرایا اور ہندوؤں کے تیوہاروں
میں آزادی اور دلچسپی کے ساتھ حصہ لیتے تھے اور کئی مندر بھی تعمیر کرائے تھے۔

بنگال میں سلطان ناظر شاہ اور سلطان حسین شاہ نام کے پٹھان بادشاہوں نے بھی مہابھارت اور بھاگوت پران کا ترجمہ
بنگالی زبان میں کرایا تھا۔ (قومی آواز ۲۶ نومبر ۱۹۹۲ء)

●●

پروفیسر اوم پرکاش گپتا
شعبۂ تاریخ، رضا پوسٹ گریجویٹ کالج
رامپور (یو۔پی)

یو۔پی کی سکنڈری کلاسوں کے نصاب میں

ہندستان کے عہد وسطیٰ پر تاریخی کتابیں

سیمی نار کا اضافی موضوع تھا "تاریخ کی غلط بیانیاں" جو واقعی قابل توجہ ہے کیونکہ
جائزہ بلاشبہ کچھ حقیقتوں کی وضاحت کرے گا جو ہماری سنجیدہ فکر کی مستحق ہیں۔

کتابوں پر تبصرہ کرنے سے پہلے مجھے اپنے مقصد کی صفائی کرنی ہوگی کہ میں نے ان خاص
اور تاریخ کے اس مخصوص عہد کا کیوں انتخاب کیا۔

سکنڈری درجات کی کتابوں کا انتخاب میں نے سن کے تقاضے سے کیا۔ اسکول کے سکنڈری درجات
میں درجہ ششم سے درجہ ہشتم شامل ہیں۔ ان درجات میں طلبا رکی عمر دس سال سے تیرہ سال کی ہوتی ہے
علم نفسیات کی رو سے اس سن و سال کے لڑکے سن بلوغ سے پہلے کے زمانے سے گزر رہے ہوتے ہیں۔ یہ بے
کمسنی کا زمانہ ہوتا ہے تاہم یہ زمانہ ہوتا ہے جب شخصیت کی نشو و نما کا کام شروع ہو جاتا ہے۔ دوستی ہمد
محبت اور سماجی انصاف کے اوصاف انسان کے اندر اسی زمانے میں پیدا ہوتے ہیں ۔ بچے میں جو صفات
اس دور میں پیدا ہونے لگتے ہیں اور وہ ساری زندگی اس کی مدد کرتے ہیں ۔ بلوغیت سے پہلے کا یہ زمانہ بچپن
عنفوان شباب کے درمیان کہیں آتا ہے، اس عمر کے بچے نہ تو اتنے ناپختہ ہوتے ہیں کہ پروں والی پری اور کانے دیو
کے وجود پر یقین لے آئیں اور نہ ان کا شعور اتنا پختہ ہوتا ہے کہ وہ تاریخی شعبوں کی زنبیل سے سچائی کو شناخت
کر کے برآمد کریں۔ وہ جذبات اور جوش و ولولے کی دنیا میں آباد رہتے ہیں اور ان کے یہاں منطق اور اسباب اہم
ہوتے ہیں۔ ایک بار جب وہ جذبات کے عفریت کے قبضے میں آ گئے تو پھر آسیب اتارنے والا عامل بھی ان کے
ڈھووں کی اصلاح نہیں کر سکتا۔ یہ وہ زمانہ ہوتا ہے کہ شخصیت کی تکمیل ابتدائی ڈھانچہ بنا لیتی ہے اور شخصیت کی
تکمیل سماجی ماحول سے ہم آہنگی کے لیے ضروری ہے۔

دوسرے یہ کہ میں نے صرف عہد وسطیٰ کی ہندستانی تاریخ میں یہ کتابیں منتخب کی ہیں اس میں بھی ایک

متعلق ہے۔ جیساکہ ہمیں معلوم ہے کہ عہد وسطیٰ کی ہندستانی تاریخ ہندو حکومت کے ٹوٹنے اور ہندستان میں ترکوں کی آمد سے شروع ہوتی ہے۔ تاریخ کی دیوی صرف شمشیر آہن کو جانتی ہے اور ان سپاہیوں کی ذکاوت و ہوشیاری سے واقف ہوتی ہے جن کے ہاتھ میں میدان جنگ ہوتا ہے۔ لیکن وہ مورخ جن کا ذہن مذہبی تنگ نظری کے کہرے سے بنا ہوا ہو وہ اس فتح کو ایک مذہب پر دوسرے مذہب کی فتح قرار دیتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ عہد وسطیٰ کا ہندستان دو مذہب اور دو تہذیب کے درمیان مقابلہ پیش کرتا ہے، لیکن اس مقابلے کے ہمیشہ یہ معنی نہیں ہوتے ہیں کہ جنگ و جدال بھی ہوتی ہوگی۔ ہمیشہ آپس میں ضم ہونے کا ہم آہنگی کا دور اور آپسی ربط کا عمل جاری رہا ہے۔ بہرحال فرقہ پرست جو مورخ کے بھیس میں آتے ہیں انھیں یہ موقع مل جاتا ہے کہ وہ سچائی کو تنگ نظری کے رنگ سے رنگ دیں۔ عصبیتوں کی روشنائی سے ہم بخوبی دونوں طرح کے کام لے سکتے ہیں یعنی ایک طرف اخلاقی سچائی کی بھی اس روشنائی سے مذمت کر سکتے ہیں اور پھر اسی روشنائی سے ہم ناز یبا جھوٹ کو پسند بھی کر سکتے ہیں۔ ایک ہندو مورخ تاریخ کی تاویل ہندو ذہنیت سے کر سکتا ہے اور مسلمان مورخ مسلم ذہنیت سے۔ عہد وسطیٰ کے ہندستان کی تاریخ فرقہ پرستی کو روشن رکھنے کے لیے سوکھی گھاس کا ڈھیر مہیا کرتی ہے۔

غرض ایک طرف تو سکنڈری درجات کے جذباتی بچے ہیں اور دوسری طرف نہایت ہی حساس عہد کی تاریخ ہے۔

میں نے اسکولوں کی تقسیم ان کے انتظامیہ کی بنیاد پر نہیں کی ہے بلکہ ذریعہ تعلیم کی بنیاد پر کی ہے۔ یو پی میں انگریزی میڈیم کے اسکول ہیں، ہندی میڈیم کے اور اردو میڈیم کے اسکول ہیں۔ اب ہم سکنڈری درجات کے نصاب میں جو عہد وسطیٰ کے ہندستان کی تاریخ کی درسی کتابیں ہیں ان پر اپنی توجہ ڈالیں گے۔

<u>انگریزی میڈیم اسکولوں کی درسی کتابیں</u>: ساتویں درجے کی کتاب جس کا نام ہے History & Civics. سنہ ۱۱۰۰ء اور ۱۷۰۷ء کی ہندستانی تاریخ کو اپنے احاطے میں لیتی ہے۔ یہ کتاب NCERT کے زیر اہتمام شائع کی گئی ہے اور یہ رومیلا تھاپر کی تصنیف ہے۔ میں مصنف کے تاریخی اپروچ پر تبصرہ کرنا ضروری نہیں سمجھتا۔ وہ روشن خیال تاریخی ادراک کی پنڈتوں میں سمجھی جاتی ہیں۔ واقعات سادے الفاظ میں پیش کیے گئے ہیں اور ایک معقول رویہ ان کی تاویل کے سلسلے میں رکھا گیا ہے۔ اس عہد کی اقتصادیات پر زور دیا گیا ہے۔ اس باب میں ۸۰۰-۱۲۰۰ Kingdom of the North A.D.

اس طرح پیش کیے گئے ہیں۔

سماج کے دیودھ ورگوں میں راشٹر سے ایکیکرن اوم بھاوتمک ایکتا کا وکاس کرنے میں سمانتا پردان کرنے کے ادیشیہ سے اترپردیش شاسن نے یہ نرنئے لیا ہے... کہ ایسی پستک مالا کی سرچنا کی جائے جو دیش کے بھاوی ناگرکوں کو بھارتیہ سماج کے کرمک وکاس کا سمیک بودھ کرانے کے ساتھ ساتھ ان میں لوک تانترک جیون شیلی، سروَ دھرم سدبھاؤ تتھا سماج واد جیسے راشٹریہ آدرشوں کے پرتی آستھا وکست کرنے میں سہایک ہوں۔

(اس مقصد سے کہ قوم اتحاد اور جذباتی یکجہتی کو سماج کے مختلف طبقے میں فروغ دیا جائے، حکومت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ سلسلہ وار کتابوں کی اشاعت کا سلسلہ شروع کیا جائے جو کہ ہندستانی سماج کے تدریجی ارتقا کا صحیح علم ملک کے مستقبل کے شہریوں کو پہنچانے میں مددمعاون ثابت ہوں نیز یہ کہ وہ زندگی کے جمہوری ڈھانچے اور سبھی مذاہب احترام اور سوشلزم کے عقیدے کو فروغ دینے میں مددگار بنیں)۔

کتاب کے مصنفین نے اس بات کی حتی المقدور کوشش کی ہے کہ وہ مندرجہ بالا اغراض ومقاصد پر سختی سے کاربند رہیں۔ حقایق کو سادے الفاظ میں پیش کیا گیا اور جو نتائج برآمد کیے گئے ان میں عصبیت کا کوئی دخل نہیں ہے۔ کچھ جانی بوجھی سچائیوں کو صاف گوئی اور ایمانداری کی زبان میں پیش کیا گیا ہے۔ ذیل میں کچھ حوالے پیش کیے گئے ہیں جن میں مسلمان بادشاہوں کے کردار اور اعمال کا جائزہ لیا گیا ہے۔

علاءالدین شاسن کے معاملے میں دھرم کے دخل کو پسند نہیں کرتا تھا۔ (ایضاً ص ۵۰)

فیروز کا اسلام دھرم میں اٹوٹ وشواس تھا پرنتو انیہ دھرم کے لوگوں کے ساتھ اس کا ویوہار ٹھیک نہیں تھا اس نے انیہ دھرم کے ادھیاؤں پر جزیہ لگایا، شیعہ مسلمانوں کے ساتھ بھی اس کا ویوہار ٹھیک نہیں تھا۔ (ایضاً ص ۵۷)

مندرجہ بالا کتاب کے مصنف نے ہلکے پھلکے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ ویوہار ٹھیک نہیں تھا (سلوک اچھا نہیں تھا) جس سے طلبا کے دل میں کوئی تلخ احساس نہیں پیدا ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ اس سچائی کو متوازن بنانے کے لیے اس کے بالمقابل ایک دوسری سچائی پیش کردی ہے۔ شیعہ مسلمانوں کے ساتھ بھی اس کا ویوہار ٹھیک نہیں تھا۔ لیکن جزیہ کا تعلق صرف ہندوؤں سے تھا لفظ انیہ دھرم کے لوگوں کے ساتھ، (دوسرے مذاہب) کو بدل کر لفظ 'ہندو' کا استعمال کرنا چاہیے۔ سکندر لودی کے متعلق کتاب کی تحریر یہ ہے۔

سکندر لودی انیہ دھرم کے ماننے والوں کے ساتھ اچھا دیوہار نہیں کرتا تھا' ان کے ساتھ کٹھر تا کا دیوہار کرتا تھا اور ان کے پوجا پاٹ پر اس نے پرتی بندھ لگا دیا تھا۔ (ایضاً ص ۶۵)
لفاظ مثلاً دھرم اتیاچار' ——— یہاں نہیں ملتے ہیں اور اس سے مصنفین کے رابروچ کا پتہ چلتا ہے۔ ایک سنجیدہ انصاف پسند اور دور رس تاویلات کا نمونہ ہم ذیل میں پیش کرتے ہوا ورنگ زیب کے متعلق ہے۔
وتیہ کرما کی پرتی کے لیے ہندوؤں پر جزیہ کر لگا دیا (یدیپی) اس کے سمے میں جزیہ کر کی در سلطنت کال کے فیروز تغلق تھا سکندر لودی کے سمے سے کم تھی کنتو کچھ مغل ادھیکاریوں نے کر کی وصولی میں اتیاچار کیے تھے۔ اس کے شاسن کال کی ایک مکھ وشیشتا یہ ہے کہ جہاں ایک اور مندر کا دھونش ہوا وہاں کچھ استھانوں کے برہمنوں تھا پروہتوں کو سمراٹ دوارا بھومی پردان کی گئی۔ کچھ دھرم بری ورتن بھی ہوئے کنتو دیکتیگت دھارمک سوتنترتا پر روک نہیں لگائی گئی۔ (ایضاً ص ۱۵۴-۱۵۵)
م اورنگ زیب کی مذہبی پالیسی کے مندرجہ بالا جائزے کا مقابلہ N.C.E.R.T کی اس درسی کتاب سے جن پر انگلش میڈیم اسکولوں کے باب میں ہم بحث کر چکے ہیں تو ہمیں یہ کہنا پڑے گا کہ ہندی کی یہ کتاب اپنے ایپروچ میں انگریزی کی درسی کتاب سے کہیں زیادہ سیکولر ہے۔ مندرجہ بالا جائزے ولفیوں نظر آتا ہے کہ تاریخی سچائیوں کے علم سے بہت زیادہ بہرہ مند ہیں' اور انھیں سیکولرازم ی گہرا احساس ہے۔ وہ ہمارے شکریے کے مستحق ہیں۔
چنانچہ وہ درسی کتاب جسے یوپی سرکار نے اپنے سکنڈری اسکولوں کے نصاب میں رکھی ہے کجہتی کے نقطۂ نگاہ سے تاریخ نویسی کی ایک مثالی کوشش ہے۔
<u>دو میڈیم اسکول</u>۔ ہر چند کہ ہم میں سے بیشتر لوگوں نے خوش اسلوبی سے پبلک اسکول کلچر سے ہم آہنگی ہے۔ تاہم ہم میں سے بہت سے لوگوں پر اب تک مکتب کا خوف مسلط ہے۔ ایسے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ طلبا لا صرف مکتب اور مدرسے کے ذریعے ہو سکتا ہے۔ ان مکتبوں اور مدرسوں کا اپنا ایک خاص انتظام ہے ن کا ایک خاص طریقۂ تعلیم بھی ہے اس لیے وہ اپنے مخصوص نصاب کے ساتھ چلتے ہیں۔ لیکن منجملہ ضامین کے تاریخ بھی ایک مضمون ہے جو ان اسکولوں میں پڑھائی جاتی ہے۔ یوپی میں بہت ے اردو میڈیم اسکول موجود ہیں۔

تاریخ کی وہ درسی کتاب جو ان اداروں کے نصاب میں داخل ہے، وہ اس وقت ہمارے
ہے اور اس پر ہم تبصرہ کررہے ہیں۔ کتاب کا نام آئینۂ تاریخ ہے۔ اور یہ دو حصوں میں ہے۔ پہلا
کے قدیم باشندوں سے شروع ہوکر تغلق خاندان کے زوال پر ختم ہوتا ہے۔ دوسرا حصہ سلط
کے دوسرے خاندانوں کا نیز مغل عہد کا احاطہ کرتا ہے۔ کتاب کے مصنف افضل حسین ہیں اور یہ مکتبہ
دہلی سے شائع ہوئی ہے۔

پیش لفظ میں مصنف نے تاریخ نویسی کے مختلف رجحانات پر بحث کی ہے ا
اس نقطۂ نظر پر پہنچتا ہے:

"اگر ایک مسلمان صحیح اسلامی ذہنیت کے ساتھ تاریخ کا مطالعہ کرے تو اس کا فرض ہے کہ ج
ممکن ہو وہ واقعات کو جیسے وہ فی الواقع گذرے ہیں بلا کسی تعصب کے جوں کا توں سامنے رکھ
(ایضاً جلد اول ص ۵)

آئیے اب ہم اس کے کچھ ابواب کا جائزہ لیں اور یہ دیکھیں کہ مصنف کس حد تک ایسی تاریخ لکھنے میں
سکے جس میں تعصب کا شائبہ بھی نہ ہو۔ مصنف نے پورے ۵ صفحات پر علاء الدین خلجی کے عہد کو
ہے۔ اس نے جو مالی اصلاحات کی ہیں اور جو معاشی منصوبے بنائے ہیں ان پر ہم بحث نہیں کریں گ
ڈھائی صفحے پر پھیلی ہوئی ایک گفتگو ہے جو علاء الدین اور دلّی کے قاضی مغیث کے درمیان ہوئی ہے۔ اس باب کا ع
رکھا گیا ہے۔ علاء الدین اور قاضی مغیث الدین۔ تاریخ فیروز شاہی میں ضیاء الدین برنی کے ارادے
جو لوگ واقف ہیں جنہوں نے مندرجہ بالا شخصیتوں کی گفتگو کو پیش کیا ہے وہ اس مصنف کے خیال
لگالیں گے۔ فیروز شاہ کے مذہبی رویے کو اس طرح پیش کیا جا سکتا ہے:

وہ شریعت کا بہت پابند تھا اور اسلام کی اشاعت کا دل سے خواہاں تھا۔ (ایضاً جلد اول ص ۵
بھگتی مت کے اثرات' نام کی سرخی کے تحت جو لکھا گیا ہے۔ اس میں مصنف نے یہ اشارہ کیا ہے۔
"تمام مذاہب سچے ہیں اسی اصول کی اشاعت نے سیدھا اور سچا راستہ تلاش کرنے کی ضرورت
کے احساس کو گھٹا دیا چنانچہ دین حق کی اشاعت میں اس سے کافی رکاوٹ پیدا ہوئی" (ایضاً جلد اول
سکندر لودی کے ذاتی کردار کو مصنف نے اس طرح پیش کیا ہے:
"تقویٰ اور پاکبازی میں سکندر اپنے باپ سے بھی آگے تھا۔ ارکان اسلام کی خود سختی سے پابندی کرتا

اور دوسروں کو اس کی ترغیب دیتا" \ (ایضاً جلد اوّل ص ۴۷)

مصنف نے ہندوؤں کے ساتھ اس کے رویے کا کچھ بھی ذکر نہیں کیا ہے۔ حالانکہ اس نے اس کے کٹر مذہبی مزاج کی سخت تنقید کی ہے، لیکن اس نے ڈاڑھی رکھنے کے سلسلے میں اس کے نفرت انگیز رویئے کا ذکر نہیں کیا ہے۔ (عبداللہ، تاریخ داؤدی میں فولیو ۷۹ - ۸۰، اور تاریخ سلاطین افغانی، ص ۲۲ میں احمد یادگار نے حوالہ دیا ہے اس گفتگو کا جو اس کے اور حاجی عبدالوہاب کے مابین داڑھی کے سلسلے میں ہوئی ہے۔

افضل حسین کی مندرجہ بالا تصنیف 'طبقات ناظری' کا بیسویں صدی کا ایڈیشن نظر آتا ہے اور یہ محسوس ہوتا ہے کہ منہاج السراج کا آسیب اس کے ساتھ کام کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی جود و سخا سے ان سارے مسلمان بادشاہوں کو جنہوں نے تاج و تخت سنبھالا بخش دے گا۔ وہ کہتا ہے:

اللہ تعالیٰ نے اسے غیر معمولی سوجھ بوجھ دی تھی (ایضاً جلد دوم ص ۱۰۲)

اللہ تعالیٰ اسے جزائے خیر دے (ایضاً جلد دوم ص ۱۰۳)

باری تعالیٰ نے اسے سکندر جیسی صالح اولاد عطا فرمائی (ایضاً جلد دوم ص ۴۴)

لیکن ان بیانات کو تبصرے میں شامل نہیں کرنا چاہیے کیونکہ ان روایتی مدرسوں میں تاریخ کی تعلیم لازماً اسی نوع کے جائزے کو اپنی درسیات میں شامل کرے گی۔

شہنشاہ اکبر کی مذہبی رواداری کی پالیسی ہندوؤں کے ساتھ اور اس کی پرخلوص کوشش کہ ہندومت اور اسلام میں بے حد قربت ہو جائے ایسی کوشش ہے کہ اسے نہایت عزت و احترام کے ساتھ ہندستان کی تاریخ میں شامل کرنا چاہیے۔ اکبر کی رواداری نے اس رستے ہوئے زخم پر مرہم رکھا جو ماقبل کے تنگ نظر حکمرانوں نے لگائے تھے۔ لیکن 'آئینہ تاریخ' کا مصنف یوں نظر آتا ہے کہ اکبر کے پیکر کو برباد کرنے کے درپے ہے۔ اس نے عبدالقادر بدایونی کا بہروپ بھر لیا ہے، اور بجائے اس کے کہ وہ اکبر کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان ہو وہ اسے اسلام دشمن قرار دیتا ہے۔ 'اسلام سے بغاوت اور دین الٰہی کا فتنہ' اس عنوان کے زیر تحت وہ لکھتا ہے:

"دین سے اس کی ساری عقیدت بغاوت میں بدل گئی اور بعد میں تو وہ ایسا کھیل کھیلا کہ مذہب و اخلاق و شرافت و انسانیت نے سر پٹک لیا۔ شیعت کی طرف راغب ہوا تو متعہ کو جائز کر کے خود امام عادل بن بیٹھا اور سُنی علماء کو اور اکابر دین کو بے حد اذیتیں پہنچائیں... ہندومت کی طرف بڑھا

تو وضع قطع اور طرز معاشرت ہندوانی اختیار کی ... مندر بنوا کر بت پرستی کا باقاعدہ انتظام کیا
(ایضاً جلد دوم ص ۔۔

وہ دارالشکوہ کے متعلق لکھتا ہے۔

"اس کے عقائد اور اعمال کے باعث تینوں بھائی اور ذمہ دار علمار اسے مرتد اور اسلام سے خارج
شمار کرتے تھے" (ایضاً جلد دوم ص ۱۷۴)

لہذا ایک اکبر ہی کے سلسلے میں جو کچھ اس نے لکھا ہے اس سے کتاب کی قدر و قیمت کا تعین بہ آسانی کیا جا
ہے۔ ہر چند کہ یہ کتاب فرقہ پرستی کا زہر نہیں اگلتی تاہم اس سے مسلمانوں کے اندر اس نوع کے جذبا
ابھرتے ہیں کہ ہندستان کے کٹر پنتھی مسلمان حکمرانوں کے گم گشتہ ایام کو دوبارہ بحال کیا جائے۔

تجاویز: عہد وسطیٰ کے ہندستان کی جتنی تاریخی کتابیں سکنڈری درجات کے لیے شائع ہوئی ہیں ان پر از
نظر ڈالی جائے۔ ایک معیاری درسی کتاب ایسے مورخوں کی سرپرستی میں لکھی جانی چاہیے جن کی ایماندا
بحیثیت سکولر مورخ کے مسلم ہے اور ان پر کوئی انگلی نہیں اٹھا سکتا۔ یہ کتابیں اصل اور مقامی زبانوں میں
شائع ہونی چاہئیں لیکن ان کا موضوع ایک ہی ہونا چاہیے۔ پرائیویٹ اداروں کو اس بات کی اجازت ہو
دینی چاہیے کہ وہ اپنے طریقے سے تعلیم دیں۔ ان کا نظم و نسق، اسٹاف نصاب اور وہ درسی کتابیں جو پڑھ
جاتی ہیں وہ 'سنٹرل بورڈ آف ایجوکیشن' کے اختیار میں رہیں۔

میرے اپنے محسوسات یہ ہیں کہ مذہب سب سے زیادہ اثر انگیز اور حرکی ہے قومی یکجہتی کی راہ ہیں
ہمارے مارکسی مورخوں کے لیے رد ہو سکتی ہے۔ نیز ان لوگوں کے لیے جو دنیاوی زندگی کے متمنی ہیں۔ لیک
روح کی غذا تو محبت کی شراب ہے جس کا دائمی سرچشمہ مذہب ہے۔ ہمارے دور کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے
ہم آج خدا کے متعلق بہت کم جانتے ہیں لیکن خدا کی وکالت سب سے زیادہ کرتے ہیں۔ ہم خدا کے لیے مسج
اور مندر کی چہار دیواری میں جنگ کر رہے ہیں، لیکن ہمیں اپنے دلوں میں اس کی موجودگی کا کبھی احساس نہیں
ہوتا چنانچہ میری تجویز یہ ہے کہ تمام بڑے مذاہب کا تقابلی مطالعہ اختصار کے ساتھ ہماری درسی کتابوں میں شامل
ہونا چاہیے کیوں کہ مختلف مذاہب کی ایکتائی کی روح 'وہ ابدی صداقت ہے کہ خدا حاضر و ناظر ہے اور ہم
سبھی اسی روشنی کی مخلوق ہیں۔ مذہب کی روشنی کے سامنے غلط مذہبی نعرے جو بہکانے والوں تنگ نظر والو
اور فرقہ پرستوں کی طرف سے اٹھائے جاتے ہیں، کہیں پنپ نہیں سکتے ہمارے طلبا کو چاہیے کہ وہ مذہب

کی سچی اسپرٹ کو مذہبی سیاسی پروپیگنڈے سے الگ کر دیں۔ یہ محسوس ہوتا ہے کہ ہماری تاریخ کی درسی کتابوں نے یہ عہد کرلیا ہے کہ وہ طلبا کو صرف سیاسی نوعیت کا مواد فراہم کریں گی۔ فتوحات اور انتظام و انصرام کی کہانیاں بڑے جوش و خروش سے پیش کی جاتی ہیں۔ نہ تو مذہب کی سچی اسپرٹ کی تعریف کی جاتی ہے اور نہ فقیروں اور سادھوؤں کی مذہبیت کو تابناک بنا کر پیش کیا جاتا۔ کہیں بھی ہندو سنتوں اور صوفیوں کی مذہبی تہذیبی ہم آہنگی کی کوششوں کی کوئی مثال نہیں پیش کی جاتی ہے۔ سکنڈری درجات کے کتنے طلبا کو یہ بتلایا گیا ہے کہ حضرت نظام الدین اولیاء لوگوں کو بہ زور مشرف بہ اسلام کرنے کے سخت مخالف تھے اور انھوں نے جذب کے عالم میں کہا تھا۔ ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاہے۔

اسکول کے درجوں کی کتنی کتابیں ہیں جنہوں نے اس حقیقت سے پردہ اٹھایا ہے کہ ہندو جوگی معزز مہمانوں کی طرح صوفیوں کی خانقاہوں میں رہا کرتے تھے؟ ہمارے بچوں کو مندروں کی دولت کے حصول کے لیے محمود کی لوٹ مار کے قصے سنائے جاتے ہیں، لیکن انھیں یہ نہیں بتایا جاتا کہ ہندو اس کی فوج میں بھی تھے اور معزز شہریوں کی طرح اس کی حکمرانی میں غزنی میں بھی رہتے تھے۔

ایسی ساری سچائیوں کو عہد وسطیٰ کی تاریخ کی درسی کتابوں میں شامل کرنا چاہیے۔

خلاصہ:

صرف عہد وسطیٰ کی ہندستانی تاریخ کا میرا انتخاب منطقی ہے۔ جیسا کہ ہمیں معلوم ہے، عہد وسطیٰ کی ہندستانی تاریخ ترکوں کی ہندستان میں آمد اور ہندو راج کے خاتمے سے شروع ہوتی ہے۔ تاریخ کا شعور صرف لوہے کی تلوار کو جانتا ہے اور ان سپاہیوں کی ہوشیاری سے واقف ہے جنھوں نے اسے میدان جنگ میں اٹھایا لیکن وہ تاریخ داں جن کے اذہان مذہبی تنگ نظری کی شکلوں سے بنے ہوئے ہیں اسکو ایک مذہب پر دوسرے مذہب کی فتح قرار دیتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ عہد وسطیٰ کا ہندستان دو مذاہب اور دو کلچر کا تصادم پیش کرتا ہے لیکن اس تصادم کے یہ معنی نہیں ہے کہ ہمیشہ اسلحوں کی ٹکر ہوتی ہوگی۔ ایک عمل جذب ہونے کا، ہم آہنگی کا اور مرکب بننے کا جاری تھا۔ بہرحال تاریخ والوں کا بھیس بدل کر فرقہ پرستوں کو یہ موقع ہاتھ آیا ہے کہ وہ تنگ نظری میں صداقت کو رنگ دیں۔ عصبیتوں کی روشنائی کو اچھی طرح اخلاقی صداقت کی مذمت میں بھی صرف کیا جا سکتا ہے اور نامناسب جھوٹ کی پسندیدگی میں بھی۔ ایک ہندو تاریخداں تاریخ کی تاویل اپنے ہندو ذہن سے کرسکتا ہے اور مسلم تاریخداں مسلم

ذہن سے عہدِ وسطیٰ کی مسلم ہندستان کی تاریخ ڈھیروں سوکھی گھاس فرقہ پرستی کی ایندھن کے لیے مہیا کرتی ہے۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک طرف تو سکنڈری درجات کے جذباتی لڑکے ہیں اور دوسری طرف تاریخ کا سب سے زیادہ حساس عہد ہے۔ مذہب کو بھی مصنف نے بخشا نہیں ہے۔

' مندروں کو تہ وبالا کرنے سے ایک دوسرا فائدہ بھی تھا۔ وہ (محمود) یہ دعویٰ کر سکتا تھا، اور اس نے ایسا کیا بھی کہ بتوں کو توڑ کر اس نے مذہبی فضیلت حاصل کر لی ہے۔

میرا یہ خیال ہے کہ ہندستان کی عہدِ وسطیٰ کی تاریخ کی درسی کتابیں طلبا کے ذہن کو خاصا مشتعل کرتی ہیں کیونکہ ان میں غیر ضروری توجہ صرف کی جاتی ہے مسلم حملہ آوروں کے بت شکنی کے واقعات کو مبالغہ آمیز طور پر پیش کرنے میں اور ان مذہبی مظالم کی پیش کش میں جنھیں کچھ بادشاہوں نے روا رکھا۔ فیروز شاہ تغلق، سکندر لودھی، جو دہلی سلطانوں سے تعلق رکھتے ہیں اور مغل عہد کے اورنگ زیب یہ وہ حکمراں ہیں جو تاریخ دانوں کی عصبیت کا شکار رہے۔ ہندو ذہنیت رکھنے والے تاریخ دانوں نے ان لوگوں کو ہندوؤں اور ہندومت کے تسلیم شدہ دشمنوں کی طرح پیش کیا ہے، اور دوسری طرف مسلم تاریخ دانوں نے انھیں احتراماً غازی کا مرتبہ دے دیا ہے۔ اور ان کی قدر و منزلت میں انھیں ملحدوں کی سرزمین پر دینِ محمدی کا حمایتی، محافظ اور نگہبان قرار دیا۔ لیکن یہ کتاب کسی سنجیدہ فرقہ وارانہ بادوں سے خالی نظر آتی ہے۔ اگر کوئی کچی بات تاریخی واقعات کے سلسلے میں ایسی کہی گئی ہے جس سے احساسات مجروح ہو سکتے ہیں تو دوسری سچائی میٹھی گولی کی طرح پیش کی گئی ہے تاکہ توازن قائم رہے۔ مثال کے طور پر فیروز تغلق کی مذہبی پالیسی ان الفاظ سے شروع ہوتی ہے۔

" اس نے راسخ العقیدہ مسلمانوں کو اس بات کی اجازت دے دی کہ وہ چند معاملات میں ریاست کی پالیسی پر اثر ڈالیں۔ وہ صرف غیر مسلمانوں کے سلسلے ہی میں نہیں بلکہ ان مسلمانوں کے سلسلے میں بھی جو راسخ العقیدہ نہیں تھے، کم روادار تھا۔ (ایضاً ص ۵)

لیکن سلطان کا غیر مسلمانوں کی جانب کم رواداری کے رویے کو قدیم ہندستانی تہذیب سے اس کی محبت ایک توازن بخش دیتی ہے۔ کتاب یہ رواداری اس طرح پیش کرتی ہے۔

" فیروز کو ہندستان کی قدیم تہذیب سے محبت تھی۔ سنسکرت کی بہت ساری قدیم کتابیں جن میں مذہب اور فلسفے کی کتابیں شامل تھیں اس نے عربی اور فارسی میں ترجمہ کرائیں" (ایضاً ص ۵۳)

لیکن مصنف کا اورنگ زیب کی مذہبی پالیسی کے سلسلے میں جو اندازہ ہے وہ ہماری خصوصی توجہ کا مستحق ہے۔

"حالات اور بھی بدتر یوں ہو گئے کہ وہ ایک کٹر مسلم گروہ سے متاثر تھا اور اس نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ شریعت اسلامی کے عین مطابق حکومت کرے گا...... جب اس نے جزیہ عاید کیا تو وہ غیر مقبول ہو گیا (غیر مسلمانوں پر ایک POLL TAX) ۔ اسے اس بات کا احساس نہیں ہوا کہ بادشاہ کا کام خوش اسلوبی سے حکومت کرنا ہے اور یہ کہ مذہب کو حکومت کے کاموں میں دخل اندازی نہیں کرنی چاہیئے۔ (ایضاً ص ۱۴۱-۱۴۲)

بلاشبہ مندرجہ بالا جملے صداقت پر مبنی ہیں، لیکن یہ نصف صداقت ہے۔ مصنف کو طلبار کے علم میں یہ بات بھی لانی چاہیئے کہ اورنگ زیب نے کچھ مندروں اور گرودواروں کو کچھ زمین عطیات بھی دیے۔ (دیکھئے بی این پانڈے کے خدا بخش یادگاری لکچر ۱۹۸۶ء)۔ اس کے علاوہ اورنگ زیب نے ان لوگوں کے سامنے جو کچھ ہندو افسروں کی شاہی نوکریوں سے معطلی کا مطالبہ کر رہے تھے کھلے بندوں یہ اعلان کیا کہ مذہب کو حکومت کے سیکولر کاموں سے کوئی تعلق نہیں ہونا چاہیے اور اس قسم کے کاموں میں تعصب کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے ۔

لیکن سب سے بڑھ کر یہ کہ، زیر تبصرہ درسی کتاب میں تاریخی صداقتوں کو کہیں بھی توڑ مروڑ کر پیش نہیں کیا گیا ہے کتاب میں کسی خاص فرقے کے بادشاہ کے لیے کوئی مدحیہ انداز اختیار نہیں کیا گیا ہے۔

"بھکتی گروہ کے اثرات کے زیر عنوان مصنف اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ:

"تمام مذاہب سچے ہیں اس اصول کی اشاعت نے سیدھا اور سچا راستہ تلاش کرنے کی ضرورت کے احساس کو گھٹا دیا چنانچہ دینِ حق کی اشاعت میں اس سے کافی رُکاوٹ پیدا ہوئی"۔ vol II P.221

سکندر لودھی کے ذاتی کردار کے متعلق مصنف نے درج ذیل باتیں کی ہیں

"تقویٰ اور پاکبازی میں سکندر اپنے باپ سے بھی آگے تھا ارکانِ اسلام کی خود سختی سے پابندی کرتا تھا اور دوسروں کو اس کی ترغیب دیتا"۔ Ibid. vol. II. P. 47

مصنف نے ہندوؤں کے متعلق اس کے مذہبی رویے کے سلسلے میں کوئی بات نہیں کی ہے، ہرچند کہ اس سے سکندر کی کٹر مذہبی فطرت کے حق میں زبردست وزن پڑا ہے۔ لیکن اس نے یہ نہیں لکھا ہے کہ سکندر داڑھی رکھنے والوں کے لیے ایک بے رخی کا رویہ اختیار کرتا تھا (عبداللہ تاریخ داؤدی ص ۱۰-۱۱) اور احمد یادگار تاریخ سلاطین افغان ص ۶۲ میں داڑھی کے متعلق حاجی عبدالوہاب سے اپنی گفتگو کا حوالہ اس طرح پیش کرتے ہیں۔)

مغل شہنشاہ اکبر کی ہندوؤں کی جانب مذہبی رواداری کی پالیسی اور اس کی پرخلوص کوشش ہندو مت اور اسلام کی آمیزش تیار کرنے کی جانب، ہندوستان کی تاریخ میں ایک عزت کا مقام پائے گی، اکبر کی مذہبی رواداری

اس رستے ہوئے زخم کے لیے مرہم کا کام کرتی ہے، جو اس سے پہلے کے متشدد حکمرانوں نے لگائے تھے۔ لیکن آئین تا...
کے مصنف اکبر کی تصویر کو ماند کرنے کے درپے ہیں۔ ان پر عبدالقادر بدایونی کی مہر لگی ہے۔ بجائے اس کے کہ وہ اکبر
کے گن گائیں، وہ اسے اسلام کا دشمن قرار دے دیتے ہیں۔ اسلام کے خلاف بغاوت کے زیر عنوان وہ لکھتے ہیں:

"دین سے اس کی ساری عقیدت بغاوت میں بدل گئی اور بعد میں تو وہ ایسا کھیل کھیلا کہ مذہب و اخلاق اور شرافت و انسانیت نے سر ٹیک لیا۔ شیعیت کی طرف راغب ہوا تو متعہ کو جائز کر کے خود امام عادل بن بیٹھا اور سُنی علماء کو اور اکابر دین کو بے حد اذیتیں پہنچائیں ۔ ۔ ۔ ہندو مت کی طرف بڑھا تو وضع قطع اور طرز معاشرت ہندووانی اختیار کی ۔ ۔ ۔ مندر بنوا کر بت پرستی کا باقاعدہ انتظام کیا۔" Ibid, VOL. II, P. 120

وہ داراشکوہ کے متعلق یہ لکھتے ہیں:

"اس کے عقائد اور اعمال کے باعث تینوں بھائی اور ذمہ دار علماء اسے مرتد اور اسلام سے خارج شمار کرتے تھے۔" Ibid, VOL. II. P. 174

چنانچہ اکبر کا یہ جائزہ ہی اس درسی کتاب کی قدر و قیمت کا تعین کرنے کے لیے کافی ہے۔ گو کہ یہ کتاب فرقہ پرستی کا مہلک زہر نہیں اگلتی ہے تاہم اس سے مسلمانوں کے جذبات اس سمت میں ابھر سکتے ہیں کہ ہندوستان کے راسخ العقیدہ مسلمان حکمرانوں کے گذرے ہوئے دور کو دوبارہ بحال کیا جائے۔

مشورے:- تمام عہد وسطیٰ کی تاریخ کی ایسی ساری کتابیں جو سکنڈری درجات کے نصاب میں داخل ہیں، نظر ثانی کی مستحق ہیں۔ ایک معیاری درسی کتاب تیار کی جائے ایسے تاریخ دانوں کی سرپرستی میں، جن کی دیانتداری پر کوئی انگلی نہیں اٹھا سکتا ہے۔ کتاب کو قومی اور علاقائی زبانوں میں پیش کیا جا سکتا ہے، لیکن اُنکا نصف مضمون ایک ہی ہونا چاہیئے۔ پرائیوٹ اداروں کو اس بات کی اجازت نہیں دینی چاہیئے کہ وہ تعلیم پر اپنے انداز سے دباؤ ڈالیں۔ ان کی انتظامیہ عملے، نصاب، اور جو کتابیں درجات میں داخل کی گئی ہیں وہ مرکزی بورڈ آف ایجوکیشن کے زیر نگرانی کام کریں۔

جناب اشفاق علی
لکھنؤ

جنگم باڑی مٹھ کے لیے مسلم بادشاہوں کے عطیات

جنگم باڑی مٹھ:

کاشی کی قدامت اور عظمت کی مختلف روایتوں میں سے یہاں کا "جنگم باڑی مٹھ" بھی ایک ہے۔ جنگم باڑی مٹھ اور محلے سے شاید ہی کوئی کاشی کا رہنے والا غیر متعارف ہو۔ البتہ جنگم باڑی مٹھ کے ان تاریخی منظروں سے ضرور ہی صرف تھوڑے سے عالم ہی باخبر ہوں گے جن پر جنگم باڑی مٹھ کی قدامت مبنی ہے۔ یوں تو کاشی میں اور بھی بہت سے مٹھ ہیں، جنکی عظمت اور قدامت کچھ کم قابل ذکر نہیں، پھر بھی لوگوں کا کہنا ہے اور جس کے لیے تاریخی ثبوت بھی ہیں کہ جنگم باڑی مٹھ یہاں کا سب سے قدیم مٹھ ہے۔ وہ صرف مٹھ ہی نہیں ایک بڑا ادارہ بھی ہے۔

یہ ویرشَیو فرقہ والوں کا مٹھ ہے۔ ویرشَیومت کے بانی خود بھگوان شنکر تھے، ایسا کہا جاتا ہے۔ اس قول کے متعلق مختلف باتیں کہی جا سکتی ہیں۔ اس مت کی قدامت کے متعلق ہندو دھرم کی مستند کتابوں میں جو باتیں مذکور ہیں، وہ ویرشَیومت کو شیو کی طرح ہی انادی بتلاتے ہیں۔ چینی سیاح ہیون چیانگ کے سفرنامہ میں بھی ۱۲ جگہوں پر پاشوپتوں شیووں کا ذکر ہے۔

چودہ سو سال پرانا کاغذ:

اس مٹھ میں بادشاہوں کے ذریعہ دیے گئے دان پتروں (ہبہ ناموں) کا بھی ایک اہم میوزیم ہے۔ انھیں دیکھ کر یہ ماننا پڑتا ہے کہ جنگم باڑی مٹھ ایک پرانا تاریخی مٹھ ہے۔ چودہ سو سال پرانا ۵۷۴ء کا ایک فرمان آج بھی مٹھ میں محفوظ ہے۔ جس پر کاشی کے اسوقت کے حکمراں شری جے نند دیو کا ہبہ نامہ درج ہے جس کے مطابق انھوں نے مٹھ کو جنگم پور کی وہ زمین دان کی تھی جسمیں اب کاشی ہندو یونیورسٹی قائم ہے۔ اس فرمان کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہ ہبہ نامہ ایک فریم میں لگاکر آج تک مٹھ میں رکھا ہوا ہے۔ اس کاغذ کی صداقت کو چیلنج کرتے ہوئے (ضلع کورٹ سے لیکر) ہائی کورٹ تک ایک مقدمہ بھی لڑا گیا تھا جس میں بیس برسوں کی بحث کے بعد آخر میں یہ مان لیا گیا کہ یہ اور مٹھ سے متعلق دوسرے ہبہ نامہ صحیح ہیں۔ کچھ مورخوں نے بھی لکھا ہے کہ

ہندستان میں کاغذ کا استعمال مسلم حملہ کے بعد ہوا۔ لیکن مشہور مورخ رائے بہادر پنڈت گوری شنکر اوگیا کی کتاب " دی کولیوگرافی آف انڈیا " میں ص۱۴۲ پر لکھا ہوا ہے کہ عیسوی صدی کے چار سو سال پہلے بھی ہندستان میں روئی سے کاغذ بنا کرتے تھے۔ اس بنیاد پر بھی جے نند دیو کا ہبہ نامہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔

اس کے بعد کچھ لوگ کاغذ کی تحریر پر سوال اٹھاتے ہیں کہ چھٹی صدی میں جو تحریر رائج تھی یہ اس سے مختلف ہے۔ لیکن اس سلسلہ میں بھی متعدد رائیں ہیں۔ شری لوئی رائیس کی کتاب " ایپی گرافیکا کرناٹیکا " میں کہا گیا ہے کہ اس ہبہ نامہ کی تحریر وہی ہے جو اس زمانہ میں رائج تھی۔ یہ ماہرین تحریر کے اختلاف کا موضوع ہے۔ ہم یہاں صرف اتنا کہہ سکتے ہیں کہ الہ آباد ہائی کورٹ نے بھی بڑے بڑے مورخوں کی دلیلوں کی بنیاد پر اسے صحیح مانا ہے۔

کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ چھٹی صدی میں جے نند دیو نامی کوئی شخص کاشی کا حکمراں نہیں تھا۔ اس کے خلاف تاریخ اس بات کا ثبوت ہے کہ پانچویں صدی میں قنوج کے راجا نے کاشی پر قبضہ کیا تھا اور کاشی کے راجا اس کے تحت خود مختار راجا بنے رہے اسطرح یہ ثابت ہے کہ جے نند دیو اسوقت کاشی کے راجا تھے اور انھوں نے یہ دان کیا تھا۔ اس ہبہ نامہ کی ایک مصدقہ نقل تانبے کے ورق پر لکھی ہوئی ہے جسے مہاراجہ پربھو نارائن سنگھ نے لکھوا دیا ہے۔ یہ بھی مٹھ میں محفوظ ہے۔

مسلم حکمرانوں کے عطیات :

اس مٹھ میں ہمایوں، اکبر، جہانگیر، شاہجہاں، اورنگ زیب اور محمد شاہ کے ذریعہ مختلف اوقات میں مٹھ کو دیئے گئے دان پتر بھی اپنی اصلی حالت میں منتشر حالت میں رکھے ہوئے ہیں۔ ہندو راجاؤں کا مٹھ کو دان دینا تو فطری تھا ہی، لیکن ان مغل بادشاہوں کے ذریعہ مٹھ کو دیئے گئے دان انکے تئیں آج کل رائج ہندو مخالف نظریات کا واضح تردید کرتے ہیں۔ یہ دان پتر بناوٹی نہیں۔ (ضلع کورٹ سے لیکر) الہ آباد ہائی کورٹ تک برسوں انکی چھان بین کی جا چکی ہے، اور سر یدوناتھ سرکار جیسے دور مغلیہ کے ماہر مورخ کو بھی انکی سچائی ماننے کیلئے مجبور ہونا پڑا ہے۔ بنارس گزیٹیر میں ص۱۲۳ پر بھی ان فرمانوں کا صاف ذکر ہے۔ ان فرمانوں میں اس مٹھ کو دیئے گئے زمینوں کا ذکر ہے۔ ہمایوں بادشاہ نے مرزا پور ضلع کے چنار نامی علاقہ میں جنگم موازی مٹھ کے سادھوؤں کی امداد کے لیے تین سو بیگھہ زمین دان کی تھی۔ ان کے بعد کے سبھی مغل بادشاہوں نے اس فرمان کو مانتے ہوئے نئے فرمان بھی جاری کیے جو اب تک مٹھ میں ہیں۔ مغل بادشاہوں کے دان پتر (فرمان) ۱۵۳۰ء سے ۱۷۴۸ء صدی تک کے بیچ کے ہیں۔ ہمایوں کے بعد اکبر نے ۴۸۰ بگھا زمین دان کی۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ان فرمانوں میں یہ ذکر نہیں ہے کہ معافی میں دی گئی یہ زمین کونسی ہے۔ اکبر کے تین فرمان یہاں ہیں۔ جہانگیر کے وقت کے بھی دو فرمان ہیں، جن میں اکبر کے ذریعہ کیے گئے دان (عطیہ) کی جانچ اور اسکی حمایت ہے۔ شاہجہاں کے وقت کے ۱۶ فرمان ہیں۔

اورنگ زیب نے خود شیو درشن کیا :

مغلوں میں سب سے سخت اور مشہور ہندو مخالف اورنگ زیب کے سلسلہ میں تو یہاں تک کہا جاتا ہے کہ جب وہ کاشی آیا، مندروں کے انہدام کی مہم میں جنگم باڑی مٹھ پہنچا، لیکن داخل ہوتے ہی اسے ایسا لگا کہ کوئی عظیم البتہ کالے دیو کی شبیہ اسکی طرف سرخ سرخ آنکھوں سے دیکھ رہی ہے اور اسے نگل جائے گی۔ حکومت اور فوجی طاقت سے لیس شہنشاہ اورنگ زیب کانپ اٹھا اور فوراً باہر آیا اور مٹھ کے انہدام کا ارادہ ترک کر کے اس نے بھی زمین عطیہ کیا۔ اصلی دستخط شدہ کاغذ اب تک مٹھ میں محفوظ ہے جس میں یہ سب کچھ لکھا ہوا ہے۔

اس مٹھ کے تحت نیپال کے بھرتپور نامی مقام میں بھی ایک جنگم باڑی مٹھ ہے، جسے شاہ نیپال جے رُدر مل دیو نے وکرمی سمبت ۶۹۲ کی جیسٹھ شکل اشٹمی کو بھومی دان دیا تھا۔ شاہ نیپال کا یہ فرمان بھرتپور میں آج بھی ایک پتھر پر کھدا ہوا محفوظ ہے۔
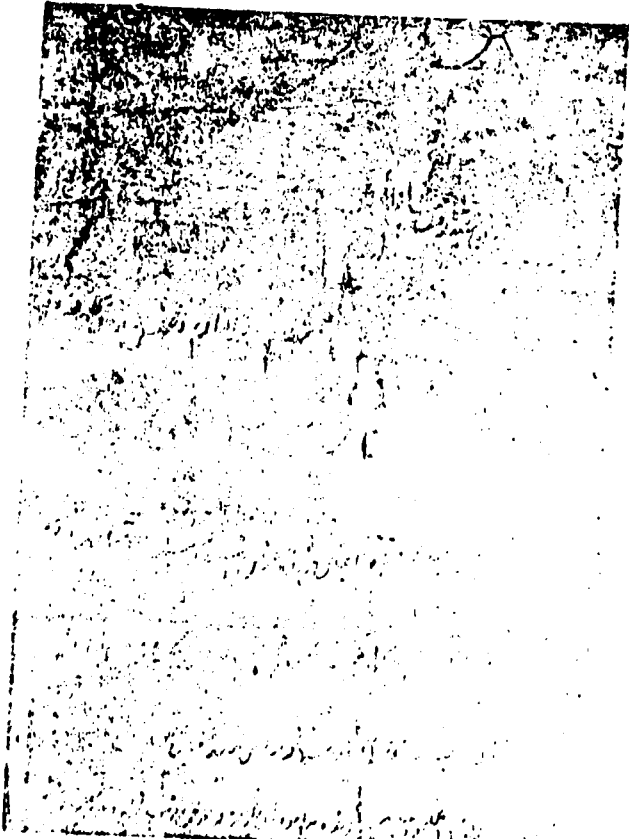
ہمایوں بادشاہ کا فرمان

اکبر وجہانگیر وغیرہ بادشاہوں کے ذریعہ منظور شدہ فرامین

اورنگ زیب کا فرمان

شاہ جہاں کا فرمان

("آج" خصوصی شہری شمارہ مورخہ ۱۲/۷/۱۹۵۰ء)
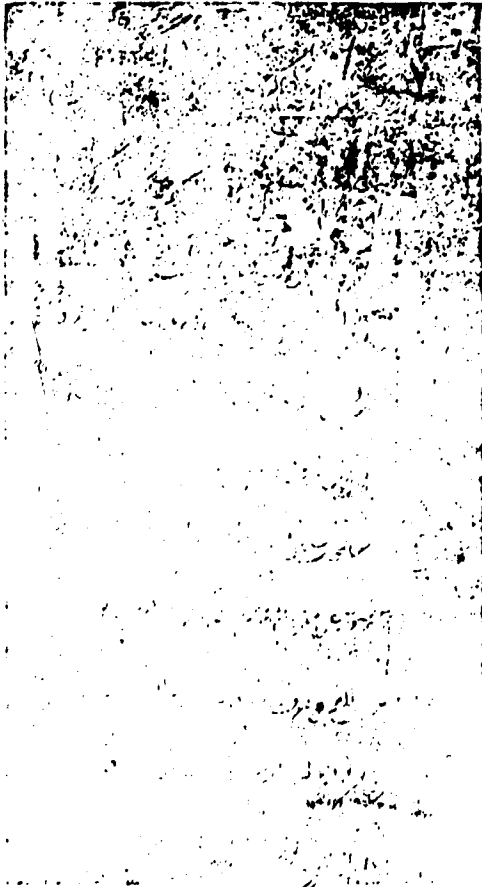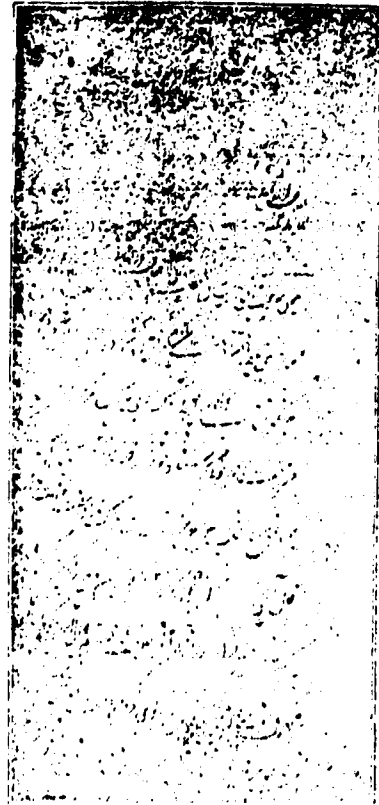
جناب مہر الٰہی
علیگڑھ

این سی۔ای۔آر۔ٹی۔کی تیار کردہ نصابی کتابوں میں قابل اعتراض مواد

نام کتاب۔ تاریخ اور علم شہریت (VIII)

باب ۹۔ ہندستانی قومی تحریک کا وجود میں آنا۔ (ص ۱۶۸)

تم سید احمد بریلوی کی بغاوت کے بارے میں پڑھ چکے ہو۔ اس بغاوت کو "وہابی بغاوت" کہا جاتا ہے۔ ۱۸۵۷ کے بعد بھی کافی عرصہ تک یہ بغاوت چلتی رہی۔ انیسویں صدی کی آٹھویں دہائی میں اس بغاوت کو دبا دیا گیا کچھ وہابی رہنماؤں نے سہارن پور کے نزدیک دیوبند میں ایک اسکول قائم کیا۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ اس اسکول کے لئے انگریزی سرکار یا اس کے حامیتوں سے کوئی مدد نہیں لیں گے۔ دیوبند کا اسکول اپنے طلبا کے دلوں میں قوم پرستی کے احساس کو ابھارتا رہا۔ اس کے طلبا ملک کی آزادی کے لیے کوشش کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔

Wahabi Movement کا ترجمہ وہابی بغاوت کیا ہے (۲) اس ادارہ کے بانی کا نام نہیں دیا ہے۔ کس سن میں قائم کیا؟۔ (۳) اور ان شخصیتوں نے جنگ آزادی میں کیا قربانیاں دیں۔۔ فاضل مصنف/مرتب نے کوشش کی ہے کہ طلبا کو کم سے کم معلومات فراہم کی جائیں۔

"اسی زمانہ میں کچھ تعلیم یافتہ مسلمانوں نے حاکموں سے تعاون کی پالیسی کی ضرورت محسوس کی۔ وہ انگریز حاکموں کی مدد سے اپنی حالت بہتر بنانا چاہتے تھے۔ کچھ تحریکیں بھی شروع ہوئیں ان کا مقصد جدید تعلیم پھیلانا، پردہ کی رسم کو ختم کرنا اور ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کی رسم کو ختم کرنا تھا، ۱۸۶۳ میں نواب عبداللطیف نے کلکتہ کی مسلم ادبی سوسائٹی کی بنیاد ڈالی۔" ص ۲۲۱

مندرجہ بالا تحریک کا مقصد پردہ کی رسم کو ختم کرنا یا ایک سے زیادہ شادی کرنے پر پابندی لگانا نہیں تھا۔ یہ گمراہ کن بیان ہے۔

● سماجی اور مذہبی اصلاح کی تحریکیں (ص ۲۱۳)

برھمو سماج، وید سماج اور پراتھنا سماج اور آریہ سماج:
رام کرشنا مشن کا بیان۔

دیانند ویدوں کو مطلق سچ مانتے تھے، وہ ہندومت کو ایک متعین اور جنگجو شکل دینا چاہتے تھے۔ انہوں نے

بھی (شدھی کرن) کا طریقہ شروع کیا۔ جو ہندو بھی مسلمان یا عیسائی بن گئے تھے انہیں وہ پھر ہندو بنانا چاہتے تھے۔" (ص۔ ۲۱۸)

ہماری سماجی یا مذہبی مصلح/مصلحین وہ کسی بھی فرقے سے متعلق ہوں وہ بھی Communalism کے لقمۂ سموم کے اسیر تھے۔

کیا اس پہلو کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، یا سچ کو سچ کے طور پر پیش کرنے کے فارمولے پر عمل کرنا چاہئے خواہ نتیجہ کچھ بھی ہو؟ اس عبارت کو اگر حذف کر دیا جاتا تو بہتر تھا۔

سر سید احمد خاں کے بارے میں بہت کم اور ناقص معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

"مسلم اصلاحی تحریکیں" (ص ۲۲۰ تا ۲۲۲)

سر سید احمد خاں: سر سید احمد خاں کی پیدائش مغل دربار کے ایک سردار کے خاندان میں ۱۸۱۷ء میں ہوئی تھی۔ انہوں نے ایک منصف کے عہدہ پر ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت شروع کی۔ وہ بغاوت کے دنوں میں بھی کمپنی کے وفادار رہے اس لیے انگریزی حکام ان کی بات پر دھیان دیتے تھے انہوں نے انگریزوں کو مسلمانوں کی ابتر حالت کے بارے میں بتایا۔ کافی کہنے سننے کے بعد سر سید احمد خاں انگریزوں کو مسلمانوں کی حالت پر دھیان دینے کے لیے تیار کر سکے۔ مسلمان صرف یہی چاہتے تھے کہ کوئی ان کے مذہبی معاملات میں دخل نہ دے۔ (جملہ اضافی ہے)

انگریزی کی کتاب History and Civics میں یہ عبارت نہیں ہے۔

ہندی Text اور اردو Text کی عبارتوں میں تقریباً یکسانیت ہے۔

"ان کے سامنے سب سے مشکل سوال (یا کام) مذہب اور تعلیم کے متعلق اصلاحی کام تھا۔ انہوں نے مسلمانوں سے پاکیزگی اور سادگی کو اپنانے کے لیے کہا جو اسلام کے بنیادی اصول تھے۔ کیا اسلام کے بنیادی اصول پاکیزگی اور سادگی ہی ہیں؟

انگلش Text کی عبارت اس طرح ہے:

"Syed Ahmed Khan (1817-98) came from a family of nobles of the Mughal Court. He joined the service of the Company as a Judicial officer and remained loyal to them during the days of the Revolt. This gave him a right to speak for his community which the rules could not long ignore. He pointed out to the British the

depressed position of the Indian Muslims when the rules had declared as their 'real enemies and most dangerous rivals.' After hard persuation, Syed Ahmed Khan was able to convince the British officials of the necessity of a better understanding of the Indian Muslims." (p.2341)

(۱) اردو text میں سرسید احمد خاں ہے اور انگلش text میں سید احمد خاں۔ (۲) اردو text میں صرف سال پیدائش ۱۸۱۷ دیا ہے جبکہ انگلش text میں سال پیدائش اور وفات (۱۸۹۸-۱۸۱۷) دیا ہے۔
(۳) اردو اور ہندی کی کتابوں کی عبارتوں میں یکسانیت ہے۔ جبکہ انگلش ایڈیشن میں دوسری جگہوں پر بھی فرق ہے۔

- کتاب 'اسباب بغاوت ہند' کا ذکر کہیں نہیں ہے۔ • صرف انگریزوں سے وفاداری کا تصور ابھرتا ہے۔
- سرسید کا اصل مقصد، مسلمانوں میں تعلیم جدید کی طرف توجہ دلانا تھا، مذہبی اصلاح نہیں تھا۔ • 'تہذیب الاخلاق' کا نام بھی نہیں دیا۔

مجموعی حیثیت سے سرسید کی تصویر ایک انگریز پرست شخص کی ابھرتی ہے۔ اور یہی مقصد معلوم ہوتا ہے۔

نتیجہ:۔ اردو اور ہندی کے طلبا کو بعض وہ حقائق نہیں معلوم ہوسکتے جو انگریزی کے اسی درجہ کے طالب علم کو معلوم ہوتے ہیں دونوں میں یہ تفریق کیوں رکھی گئی ہے۔ اسکی کیا مصلحت ہے؟

("with courage and wisdom" کا ترجمہ)

"ہمت اور دانشمندی کے ساتھ انہوں نے ان رکاوٹوں کو راستہ سے ہٹایا"۔ انگریزی تعلیم پھیلانے کے لیے انہوں نے نئے اسکول قائم کیے۔ انہوں نے ۱۸۶۴ء میں سائنٹفک سوسائٹی کی بنیاد ڈالی۔ اس سوسائٹی نے سائنس اور دوسرے موضوعات پر لکھی ہوئی انگریزی کتابوں کا اردو ترجمہ شائع کیا۔ سماجی اصلاح کے متعلق آزاد خیالوں کی اشاعت کرنے کے لیے انہوں نے ایک انگریزی۔ اردو اخبار بھی نکالا...

..(تہذیب الاخلاق کے بارے میں غلط اطلاع ہے۔ تہذیب الاخلاق صرف اردو میں نکلتا تھا۔)
ان کی سب سے بڑی کامیابی ۱۸۷۵ء میں علی گڑھ میں محمڈن اینگلو اورینٹل کالج کا قیام تھا۔ آگے چل کر وہ مسلمانوں کا سب سے اہم تعلیمی ادارہ بن گیا۔ اس میں کئی معلم انگلینڈ سے بلائے گئے تھے سارے ہندستان کے بڑے بڑے مسلمانوں نے کالج کی حمایت کی۔ انگریزوں نے اس کی توسیع میں کافی دلچسپی دکھائی۔ (ص ۲۲۲) ——

۱۲۹

انڈین نیشنل کانگریس کے سلسلہ میں

انہوں نے مسلمانوں سے انڈین نیشنل کانگرس میں شامل نہ ہونے کے لیے کہا۔ ان کی خواہش تھی کہ مسلمان انگریزوں سے اچھے تعلقات بنا کر اپنی حالت کو بہتر بنائیں: (ص ۲۲۲)

"ब्रिटिश सरकार ने मुसलमानों को समझाया कि उनका हित हिन्दुओं से अलग होने में है। अतः अंग्रेज़ सरकार के प्रोत्साहन से आगा खाँ तथा अन्य मुस्लिम नेताओं ने 1906ई0 में मुस्लिम-लीग की स्थापना की।"

भाग-3.

مسلم رہنماؤں کی تصویریں:-

تاریخ سے متعلق پہلے حصہ پر کل ۰۵ تصاویریں۔ مسلم حکمرانوں کی تصاویر۔

• سراج الدولہ • ٹیپو سلطان • بہادر شاہ ظفر • سرسید احمد خاں • بدرالدین طیب جی • اور مولانا آزاد کی تصاویر نہیں ہیں • امرت سر میں ایک جلوس میں علی برادران۔ (غیر واضح تصویر) • عبدالغفار خاں • جواہر لال کی تین جگہ مختلف پوز میں تصاویر • مہاتما گاندھی کی صرف ایک جگہ۔

۱۵۴

میری رائے ہے کہ تاریخ کی کتابوں میں ایسے اقتباس لکھ کر ہندستان میں فرقہ واریت نہ پھیلایا جائے۔ تاریخی حقائق کو پیش کرنا ضروری ہے مگر اس میں تعصب نہ برتا جائے اور دونوں فرقوں کے بادشاہوں حکمرانوں یا بزرگوں کی ایک طرح عزت کی جائے۔ تاریخی حقائق کو پیش کرنا ضروری ہے مختلف عمر کے مطابق یا مختلف ضرورتوں کے تحت ہی پیش کیا جائے۔ مورخ کو ہدایت دی جائے کہ نفرت اور تعصب کا عینک ہٹا کر ہی اسکول کے طالب علموں کے لیے تاریخ مرتب کریں تو زیادہ فائدہ مند ہوگا۔ ہندستان کی یک جہتی خطرے میں ہے۔ اس لیے اس طرف توجہ دینے کی اشد ضرورت ہے۔

••

ڈاکٹر ارشد الاسلام
شعبۂ تاریخ، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

تاریخ کی درسی کتابیں: ایک تنقیدی جائزہ

اترپردیش سے متعلق (تیسرے درجے سے آٹھویں درجے تک)

یہاں ہم مختلف درسی کتابوں کی کچھ عبارتیں ابتدائی نمونے کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ اس مطمح نظر کے طریقہ پیشکش کی وضاحت کے لیے جو تاریخ کو حکمرانوں اور بادشاہوں کی جاگیر نہیں سمجھتا۔

"وہ بہت دھن لولوپ تھا اور دھن دیش بھارت پر آکرمن کر دھن لوٹنے کو اچھک تھا" ص ۳۲

"محمود سوئم تو پڑھا لکھا نہیں تھا پر ودّ وانوں کا آدر کرتا تھا" ص ۲۵

ہمارا اتہاس اور ناگرک جیون (بھاگ ۲)۔

دولت کی ہوس اور جہالت دو وصف جو سطور بالا میں نظر آتے ہیں جو عوامی روایتوں میں اینٹی ہیرو کردار کا امتیاز کرتے ہیں۔ تاریخ اس کے اوپر اپنا مقدمہ کھڑا کرنا چاہتی ہے۔ جیسا کہ ہم محمود غزنوی کے کیس میں دیکھتے ہیں۔ اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ سلطان ہمیشہ جنگ میں حاصل شدہ مال غنیمت کو اپنے خزانے کے لیے قانونی جائداد سمجھتا تھا اور مندر میں دولت جمع کرنے کی خلاف ورزی کرتا تھا۔ (ناظم ۱۹۷۱ء، PP ۱۶۳-۶۴)۔

حاصل شدہ ریکارڈوں کی بھرمار S.C.E.R.T کی درسی کتابوں کو پھیلائے ہوئے اس خیال کی راہ میں حائل ہو جاتے ہیں کہ سلطان ہندستان پر حکومت کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے فتح کیے ہوئے حصے کو اپنی اقلیم میں ملا لیا اور لاہور میں اپنا گورنر مقرر کر دیا۔ (ناظم ص ۱۰۸، ۱۹۷۱ء)۔ محمود غزنوی کو مندرجہ بالا بیان کے برخلاف قرآن، فقہ اور دینوی علوم میں دستگاہ حاصل تھی۔ اس کے باپ سبکتگین نے اسے 'پندنامہ' سے روشناس کرایا، جسے سیاست پر ایک معرکۃ الآرا تصنیف سمجھا جاتا ہے (ناظم ص ۳۵) عونی سلطان کی علمی اور شعری صلاحیتوں کا ثبوت بہم پہنچاتا ہے۔ اس نے 'تفرید الفرد' نام کی ایک کتاب تصنیف کی تھی جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ فقہ پر ایک معیاری تصنیف تھی۔ (حاجی خلیفہ II P32)

"ترکی میں دھرم کا جوش بہت ادھک تھا۔ نئے راجیہ جیتنے کی اتسا سے بھی ان کا منوبل اونچا تھا

وے کیول دِجے پراپت کرنے کے لکش کو اپنے سامنے رکھتا تھا اور اسے پراپت کرنے کے لیے اچت تھا
اچوپت سادھنی کا پریوگ کرنے میں سنکوچ نہیں کرتے تھے۔" ص ۱۳۱

ناجائز طریقے سے اقتدار کو اپنے قبضے میں کرنا سلطانوں کا آخری مقصد ہوتا۔ یہ بات اس تاریخ میں موجود ہے جو ہندستان میں اسکول کے بچوں کو پڑھنے کو ملتی ہے۔ ترک بہرحال قبائلی تھے۔ اور ان کے اندر وحشیانہ جبلتیں موجود تھیں لیکن انھیں جمہوری اصولوں سے محبت تھی اور اکثر حالات میں جب موروثی حقوق کے معاملات ان کے سامنے ہوتے تو وہ انتخابات کراتے (قریشی pp. 217 1971) تاہم وہ اپنی پسند کو شاہی محل ہی تک محدود رکھتے۔

فیروز کا اسلام دھرم میں اٹوٹ وشواس تھا پرنتو انیہ دھرم کے لوگوں کے ساتھ ان کا ویوہار ٹھیک نہیں تھا۔ اس نے انیہ دھرم کے انویایو پر جزیہ کر لگایا۔ شیعہ مسلمانوں کے ساتھ بھی اس کا ویوہار ٹھیک نہ تھا۔ اس کے شاسن میں ملاّ و علماء (اسلام دھرم کے رودھان دھرم ادھیکاری) کا پربھاؤ ادھک بڑھ گیا تھا۔

"کافروں سے بغض" یہ ایک رویہ ہے جو تاریخ کی درسی کتابوں کی رسائی کی امتیازی خصوصیت ہے۔ تازہ حوالے صاف صاف درگزر اور حقائق کی غلط پیش کش کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ بلاشک و شبہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ فیروز ایک پارسا مسلمان تھا لیکن ان غیر مسلموں پر جزیہ لگانے کا حادثہ جو اس سے پہلے کے حاکموں کے دور میں معاف تھا، یہ بتاتا ہے کہ اس میں کچھ شاہی تعصب کا دخل نہ تھا۔ فیروز کی سمجھ میں راہبوں، پجاریوں اور وہ سارے لوگ جن کی مذہبی مصروفیتیں ہیں نیز عورتوں اور بچوں پر جزیہ کی ادائیگی معاف ہے۔ بہرحال وہ برہمن جو پوجاپاٹ کی ذمہ داریوں سے الگ ہے ان پر پہلی بار ٹیکس نافذ کیا گیا۔ لیکن ان پر ٹیکس گھٹا کر معمولی سی رقم کر دیا گیا یعنی دس تنکہ اور پچاس جیتل سالانہ کر دیا گیا۔ یہ کمی برہمنوں کے بڑھتے ہوئے احتجاج کے پیش نظر کی گئی" (مصنف pp. 383-384، قریشی 1971 p.67) لیکن یہ دعویٰ کہ اس نے (فیروز) جزیہ ذمیوں پر عائد کیا۔ گمراہ کن ہے۔ پول ٹیکس اور جزیہ کو فاتح سندھ محمد بن قاسم کے زمانے سے دیکھنا چاہیے (محمد علی کوفی، ۱۹۶۹ء ۲۸۸ P)۔ مندرجہ بالا عبارت حوالہ دیتی ہے شیعہ مسلمانوں کا Per. Sc. فتوحات فیروزشاہی میں سلطان شیعوں میں ملحدوں اور (IBAHATIYAHS) کو چنتا ہے اور مجرموں کے ساتھ ان کی زناکاری کا ذکر کرتا ہے اور انھیں قتل کا حکم دیتا ہے۔ جلاوطنی اور سزا کا مرتکب قرار دیتا ہے کیوں کہ ان باتوں کے لیے ملک کے سماجی اور مذہبی قانون میں سخت مخالفت کی گئی ہے۔ (فیروزشاہ) ۶۰۷ PP) بہرکیف ایشوری اتوپا (۱۲۴۳) نے فیروز نے انصاف اور دادرسی کا جو قانون" نافذ کیا تھا اس کی کامیابی کا ذکر کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ کسی بھی فرد کے ہاتھ میں ایذا پہنچانے اور ظلم ڈھانے کی طاقت نہیں ہے۔

"وہ (سکندر) انیہ دھرم کے ماننے والے کے ساتھ اچھا ویوہار نہیں کرتا تھا۔ ان کے پرتی کٹھورتا کا ویوہار کرتا تھا اور ان کے پوجا پاٹ پر اس نے پرتی بندھ لگایا تھا" ص۶۵۔

یہ سطریں ایک ایسے مغرور شاہزادے کی نفسیاتی حالت کی ترجمانی کر رہی ہیں جو تخت کا خواب دیکھ رہا تھا۔ تاریخ داؤدی، نوجوان لودی کی زندگی کا ایک واقعہ سناتی ہے کہ مذہبی جوش میں وہ ایک پرانے مندر کو مسمار کرنے اور ہندوؤں کو مقدس پانی میں نہانے سے روکنے کے لیے جا رہا تھا کہ ایک مشہور عالم عبداللہ اجودھانی کی مزاحمت پر اس کا غصہ فرو ہوا جنھوں نے اسے محبت کیساتھ یہ سمجھایا تھا کہ وہ زمیوں کے حقوق کی حفاظت کو شہزادگی کے فرائض میں داخل کرے۔ (عبداللہ ۱۹۵۴ء) بعد میں یہ بات مشاہدے میں آئی کہ سکندر عوام کی نگاہ میں معیاری شخص قرار پایا۔ (قریشی p.183) ہندوؤں نے روحانی اور علمی دھارے میں شریک ہونا شروع کر دیا اور مسلمانوں کے ذہین شاگردوں میں ان کا شمار ہوا۔ (فرشتہ I.P. 323) ایک ہندو شاعر جو اپنے فرضی نام برہمن کے نام سے جانے جاتے تھے انھیں مسلم کالج میں پروفیسر کی جگہ ملی۔ (بدایونی I.P. 323) اس کے علاوہ بہت سارے آخذ (e.g. TIBBI-I-SIKANDARI) بعد کے دنوں میں سنسکرت ادب اور ویدک طریقہ علاج سے اس کی وابستگی کا ذکر کیا ہے۔ طبقات اکبری اور دوسرے ذرائع اس بات کی بے شمار شہادتیں فراہم کرتی ہیں کہ سلطان نے بغیر کسی عصبیت کے امدادی کاموں کا بیڑا اٹھایا۔ (عبداللہ ص۴ نظام الدین احمد ص۳۲۶) اس نے اپنی رعایا میں پکا ہوا کھانا اور غلہ تقسیم کر دایا۔ ہندوؤں کے درمیان غلہ یوں تقسیم کروایا کہ ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق مسلمانوں کے ہاتھ کا پکا کھانا کھانا ممنوع ہے۔

"ادھی کانش سلطانوں نے بھارتی جنتا کی سکھ سویدھا پر کوئی دھیان نہیں دیا۔ ان کے شاسن کا مکھیہ اُدیش یہ تھا کہ ان کی اپنی اور اپنے دربار یوں امیری و جاگیرداری کی سکھ سویدھا و شان و شوکت میں کوئی کمی نہ ہونے پائے۔ ص۶۸

سلطان اپنا ادھی کانش سمے تتھا شکتی یودھوں ہی میں لگاتے تھے۔ سلطان کے شاسن کا پرمکھ اُدیش سامراج وستار اور شترو کا دمن کرنا تھا۔ اسی کارن وے اپنی پرجا کی بھلائی کے کارج پر ادھک دھیان نہیں دے پاتے تھے۔" ص۶۸

تاریخ فیروز شاہی ہمیں بتاتی ہے کہ سلطانوں نے عوامی مفاد میں کون کون سے کام کیے۔ التمش نے اپنے پینے کے پانی کا ایک بڑا حوض مہرولی میں (حوض شمس) بنوایا جو آج بھی لوگوں کے استعمال میں ہے۔ تغلق نے صرف یہ کہ سات سو میل لمبی سڑک دلی سے دولت آباد تک بنوائی بلکہ اس نے پولس کے محکمے کی ہمت افزائی کی اور ڈاک اور سفیر کاری کے انتظامات

ام کی بہبودگی کے لیے کیے. پہلی بار فیروزشاہ نے سماجی حالات کا جائزہ لیا اور اس نے ایک دیوان خیرات قائم کیا تاکہ ان
وں کی مالی مدد کی جائے جو جوان بیٹیوں کی شادی کرنا چاہتے ہیں لیکن ان کی استطاعت نہیں رکھتے۔ (مصنف ص۳۴۹ تا
۳۵۰) محمد تغلق نے بے روزگاری اور گداگری کے مسائل پر غور و خوض کیا اور اس نے ستی کی بھیانک اور غیر انسانی رسم
کے خلاف آواز اٹھائی جیسا کہ ابن بطوطہ لکھتا ہے۔ (حماری ص۳۹)

"اچھے سینکوں کو کبھی کبھی جاگیریں دی جاتی تھیں۔ ان سے کم کو نقد بیتن دیا جاتا تھا۔ یدھ سے لوٹی ہوئی
سمپتی کا کچھ بھاگ سینکوں کو بھی بانٹ دیا جاتا تھا۔ کچھ ہندو سینکیں بھی رکھے جاتے تھے پر انھیں اونچے
پد نہیں دیئے جاتے تھے۔" ص۱۰

نہ صرف فوج میں بلکہ انتظامیہ میں بھی بہت سارے مقامی ہندوؤں کی ایسے اونچے عہدوں پر ترقی ہوگئی جس کے
مستحق تھے۔ تاریخ بیہقی (ص۴۱۳ تا ص۵۶۰) تلک کو پیش کرتی ہے جو کہ حجام ذات کا ہندو تھا۔ اور جو غزنوی کے عہد میں فوج
جنرل ہوگیا تھا۔ اس کے علاوہ بہت سے ہندو جنرلوں کا ذکر آتا ہے جنھیں ان کی وفاداری اور بہادری کے لیے سلطان
ایبک اور بلبن نے القابوں سے نوازا تھا (برنی ص۱۰۱ حسن نظامی ۸۶ ۱۵ء) غزنوی کی فوج کے مشہور ہندو جنرلوں میں
سوندی رائے ہندو ہجرائے اور ناتھ شامل ہیں (ایشوری ٹوپا ص۴۶) عصامی ہندو جنرلوں میں گل چند را اور سہج رائے کا بھی ذکر
کرتا ہے جو کہ غیاث الدین تغلق کی فوج میں تھے (عصامی ص۲۷۵)

"ان کا شاسن جنتا کے پریم پر نہیں ورن سینیک شکتی پر آدھارت تھا۔ سلطان کی شکتی جہاں تک
پہنچ سکتی تھی وہاں تک ان کا شاسن چلتا تھا۔ جس بھاگ میں ان کی سینیک شکتی دربل پڑ جاتی تھی
وہ بھاگ ان کے سلراج سے نکل جاتا تھا۔" ص۶۹

تاریخ کیقباد جیسے بادشاہوں کی نشاندہی کر دیتی ہے جن کا واحد مشغلہ عیش کوشی تھا۔ یکا دکا بہیمانہ مظالم
کے واقعات تاریخ کو بدنما کر دیتے ہیں لیکن بادشاہوں سے یہ توقع رکھنا کہ وہ انسانیت اور اعلیٰ اوصاف کے نمونہ بن جائیں
ایسا ہی ہے جیسے ہم ان سے انسان کامل ہونے کی توقع کریں۔ (قریشی ص۲۱۸) وہ تفصیل سے سلطانوں کی رعایا پروری
کی بات کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ وہ (سلطان) اس بات کی تمنا کرتے تھے کہ وہ خلق خدا کی خدمت کریں اور ان کا تحفظ کریں
جن کی ذمہ داری ان کے سر ہے۔ (ص۲۱۹) ان کے فلاحی ادارے اسپتال، مسافر خانہ، سرائے، کاروان سرائے، اسلیے کھولے
جاتے کہ عوام قحط اور خشک سالی سے محفوظ رہ سکیں، اخلاقی اصول وغیرہ، جو سلطانوں نے برتے ان کا خاصا بیان ہم عصر
ماخذوں میں ملتا ہے۔ دستاویزات یہ بتاتی ہیں کہ شاہی کچہریاں کور دہ علاقوں میں کام کرتی تھیں تاکہ غریب عوام محفوظ

رہیں اور انصاف میں آسانیاں پیدا ہوں: مسالک الابصار، صبح الاعشار، عفیف فیروز شاہ اور فتوحات فیروز شاہی دوسرے کچھ اہم مآخذ ہیں جو کہ ملتی جلتی آرا کو رد کرتے ہیں جن کا نمونہ ہم نے اوپر کے متن میں دیکھا۔ کہا جاتا ہے کہ دلی میں تغلق کے عہد میں تقریباً ۷ ہسپتال تھے اور یہ بڑی ہی خوش اسلوبی سے کام کرتے تھے۔ یہاں معالج اور سرجن بھی تھے اور بیمار داری خدمت کے لیے خدام بھی موجود تھے۔ اشیائے خورد و نوش اور دوائیں حکومت کی طرف سے مہیا کی جاتی تھیں۔

قریشی کہتا ہے کہ متنازعہ فیہ مسائل پر ماہر قانون داں بیٹھے رہتے تھے لیکن بالآخر رواداری اور قانون کی حکمرانی ہندستان میں مسلم نظام سیاست کا بنیادی اصول بن جاتے۔ بہرحال یہ بات قابل توجہ ہے کہ مغل حکمرانوں کو ہمیشہ یہاں کا باشندہ سمجھا گیا اور انھوں نے ایک مخلوط تہذیب کے فروغ کے لیے جو کوششیں کی تھیں انھیں ہمیشہ سراہا گیا اور اس کی جھلکیاں ان کے آئین جہاں بانی، فن تعمیر، فن موسیقی اور فن مصوری میں نظر آتی ہیں۔

۱۱ زبان جو سلسلہ خیال کی پیشکش کا ذریعہ ہے۔ ایک اہم رول ادا کرتی ہے۔ شخصی طاقتوں کے کردار کی صداقت کے یقین میں جو ان کتابوں کا غالب مسئلہ ہے۔ یہاں کچھ مثالیں پیش کی جاتی ہیں یہ دکھلانے کے لیے کہ کرداری پیکروں کو پیش کرنے میں کس طرح زبان استعمال کی جاتی ہے اور قاری کے ذہن پر اس کا کیا اثر قائم ہوتا ہے۔ رانا پرتاپ یا شیواجی کا ذکر شریفانہ زبان میں کیا جاتا ہے۔ دوسری طرف مسلمانوں کے ذکر میں جو زبان استعمال کی جاتی ہے اس سے جو پیکر ابھرتا ہے وہ ایک ولین کا ہے جو قابل نفرت ہے۔ یہاں یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ جن ہندوؤں کو ہندو حکمرانوں نے امتیازی حیثیت دی ان کے لیے نفرت آمیز لہجہ نہیں اختیار کیا گیا ہے۔ اور اسی طرح اس کے برعکس بھی ہوتا ہے۔

"رانا پرتاپ بھیشن یدھ کرتے ہوئے گھائل ہوئے۔" ص۱۲۷

"رانا پرتاپ اپنا راج پن، پراپت کرنے میں لگے رہے۔" ص۱۲۷

"اورنگ زیب سے ملنے وہ (شیواجی) آگرہ آئے۔" ص۱۵۱

"اورنگ زیب ہو نتر راجیہ کی استھاپنا کرنا چاہتا تھا۔" ص۱۵۱

"اورنگ زیب جون، پشاور گیا۔" ص۱۵۰

شخصیتوں کے کارنامے جو جنگ آزادی کے تاریخی واقعات میں ملتے ہیں۔ ان کا ذکر غیر ذمہ دارانہ طور پر کیا گیا ہے۔ کچھ لوگ بڑی اہمیت کے حامل ہیں، مثلاً کانپور کے عظیم اللہ خاں، بریلی کے بہادر خاں، احمد اللہ شاہ، جنرل بخت خاں، مولوی سرفراز علی جو شہرت نہیں پاسکے۔ باوجود اس کے کہ ۱۸۵۷ء کے واقعات میں ان کا ذکر ناگزیر ہے۔ اسی طرح حسرت موہانی، علی برادران، آزاد سبحانی اور دوسرے بہت سارے لوگ جو روشنی کا مینار رہے ہیں، ہماری نو آبادیات مخالف جنگ میں

بچوں کے خیال میں کوئی جگہ نہیں پاتے۔ تاریخی واقعات کی پیشکش میں مصنف کا رویہ یا تو معذرت خواہانہ ہوتا ہے یا پھر وہ غرور و تعصب میں بہہ جاتا ہے۔ ان کی نفسیاتی صحت کا نتیجہ نہ صرف یہ کہ تاریخی تناظر کو مسخ کرتا ہے بلکہ واقعات کی غلط بیانی سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا ہے، اورنگزیب کے دربار میں شیواجی کی ملاقات جذبات صدائے خون سے پر ہے۔ تصنیف جذبات میں بہہ جاتی ہے اورنگ زیب کے اسی سلوک پر کہ اس نے شیواجی کو پنج ہزاری منصب داروں میں شامل کیا۔ اور ذرا اس رویے کا مقابلہ کیجئے شیواجی کے اس رویے سے کہ جنھوں نے اورنگ زیب سے انتقام لینے کا عہد کیا اور نتیجے میں ۱۶۷۴ء میں ذریعۂ فخر و مباہات کے طور پر مراٹھا راج قائم کیا۔ تاہم اس بات کا اعتراف کیا کہ زہر میں لہریں جو کہ لاشعور میں سرگرم عمل رہتی ہیں اپنے ساتھ غرور و عصبیت کو بھی لے کر چلتی ہیں۔ لائق تحسین احتیاط برتا گیا ہے۔ ان کے اظہار کو نظر انداز کرتے ہیں

لکشمی بائی دیش کی آزادی کے لیے انگریزوں سے لڑی، اتہاس میں جھانسی کی رانی کے نام سے پرسدھ ہیں

شیواجی اورنگ زیب سے بھینٹ کرنے کیلئے آگرہ پہنچے کہ ان کا دربار میں اچت سمان کیا جائے گا۔ کنتو اورنگ زیب کے بیوہار سے انھیں پریشانی اٹھانی پڑی۔ ان کے رُشٹ ہونے پر مغل سمراٹ نے انھیں قید کر لیا، کنتو وہ چترائی سے دان کی گئی مٹھائی کے ٹوکرے میں بیٹھ کر اورنگ زیب کے چنگل سے بچ کر باہر نکل آئے۔ وے متھرا ہوتے ہوئے مہاراشٹر پہنچ گئے۔ انھوں نے دوبارہ سورت پر آکرمن کرکے کافی دھن ایکتر کیا ۔ ۱۶۷۴ء میں رائے گڑھ میں بڑے ٹھاٹ باٹ کے ساتھ سوتنتر شاسن کے روپ میں شیواجی راجیہ بھیشک ہوا۔ ص۱۷۱

سفارشات (۱) ممتاز اسکالروں کی ایک کمیٹی کی تشکیل ہونی چاہیے جس کے سپرد یہ کام کیا جائے کہ وہ وقتاً فوقتاً تاریخ کی درسی کتابوں کا جائزہ لیتی رہے تاکہ ضروری معلومات فراہم کی جائیں اور غیر علمی تفصیلات کی اصلاح کی جائے۔

(۲) اگر تاریخ پڑھانے کا یہ مقصد ہے کہ طلبا کو تاریخ کے مختلف عہد میں سماجی اور پیداواری رشتوں کی حرکیات سے روشناس کرایا جائے۔ تو پھر اس کو اسی طرح پیش کرنا چاہیے۔

(۳) شخصی طاقتوں کی مدح خوانیاں تاریخ نہیں بن سکتیں۔ اسلیے بہادری اور بہیمیت کی تفصیل کی جگہ نفسیاتی سماجی اور اقتصادی محکومی جو شاہ کی طرف سے ہوتی ہیں، ان کا ذکر کرنا چاہیے۔

(۴) قوم پرستی کا وہ تصور جو درسی کتابوں میں درج ہے اس کی اصلاح ہونی چاہیے اور قوم پرور نظریات کا جامع اور صحت مند تصور پیش کرنا چاہیے۔

(۵) مصنفین کو یہ ہدایت دینی چاہیے کہ وہ ایسی زبان استعمال کریں جو ان کی ذاتی اور سماجی تعصبات کی حامل نہ ہو۔

کتابیات

فارسی اور عربی تصنیفات: عبداللہ۔ تاریخ داودی مولفہ اس۔ اے۔ رشید ۱۹۵۴ء۔ آصف شمس سراج تاریخ
فیروز شاہی، کلکتہ ۱۸۹۰ء۔ علی بن حامد کوفی، چچ نامہ مؤلفہ ان اے بلوچ، اسلام آباد، ۱۹۸۳ء۔ علی قلعات سندی صبح العشا
انگریزی ترجمہ، اٹو اسپائز علیگڑھ، ۔ العتبی۔ تاریخ یمن۔ فارسی ترجمہ جرباد غنی مولفہ طہران۔ عوفی۔ جوامع الحکایات
B.M.MS. OR 236 A.H. 1272 بیہقی A.F تاریخ بیہقی مؤلفہ W.H.MORLEY, CAL. 1862.
برنی ضیاء الدین۔ تاریخ فیروز شاہی کلکتہ ۱۸۹۰ء۔ فرشتہ۔ تاریخ فرشتہ مولفہ نولکشور لکھنو، ۱۸۷۴ء۔ فیروز شاہ تغلق، فتوحات
فیروز شاہی مولفہ اس۔ اے۔ رشید، علیگڑھ ۱۹۵۴ء۔ حسن نظامی تاج المآثر آصفیہ لائبریری No.283 ابن بطوطہ۔ زہد
انگریزی ترجمہ آغا مہدی حسن بڑودا ۱۹۵۳ء۔ عصامی۔ اے۔ ام فتوح السلاطین۔ مولفہ یو۔ او شا، مدراس ۱۹۴۸ء۔ نظام الدین
احمد۔ طبقات اکبری، کلکتہ ۱۹۲۷ء۔ شہاب الدین عمری۔ مسالک الابصار، انگریزی ترجمہ آئی۔ ایچ۔ صدیقی۔ قاضی ایم احمد دہلی ۱۹۷۲
جدید تصنیفات: ناظم ام۔ محمود آف غزنہ، دہلی ۱۹۷۱ء۔ قریشی، آئی۔ ایچ Administration of the Sultanate of Delhi, Delhi 1971
ٹوپا الیشورا Pakistan in Pre-Mughal Times, Delhi. 1976.

مضمون۔ ظفر الاسلام

FATAWAI-I-FIRUZ SHAHI and the problems of Muslims Non-Muslims relatives in the 14th Century India. Bulletin of Comparative Religion, Hamdard Nagar. July 1981.

جناب راجا برار

تاریخ میں ہیرپھیر

اتر پردیش کی برسرِ اقتدار جماعت بھارتیہ جنتا پارٹی نے اپنے ایک سالہ دورِ اقتدار میں تواریخ کے میدان میں جو غیر معمولی تبدیلیاں کی ہیں وہ دور رس اثرات کی حامل ہیں اور یہ ملک کے سیکولر نظام اور اس کی سالمیت و یکجہتی کے لیے اپنے اندر زبردست خطرات لیے ہوئی ہے اس طرح اس سے ملکی آئین میں اقلیتوں کو حاصل تعلیمی حقوق کی بھی پامالی ہو رہی ہے۔

دراصل یہ عناصر ہندوستان کی گنگا جمنی تہذیب کو ایک "مخصوص کلچر" میں رنگنے کی ایک بڑی اور منظم کوششوں میں لگے ہوئے ہیں تاکہ وہ اس ملک کی ڈگر کو اپنے مخصوص نظریہ کے عین مطابق موڑ سکیں اس سارے منصوبہ بند آپریشن کے پیچھے آر ایس ایس کے بزرگ نظریہ ساز اور تاریخ داں پروفیسر اوم ناگپالا کا دماغ ہے جو مدھیہ پردیش کالج ایجوکیشن بورڈ میں ایک کلیدی عہدہ پر فائز ہیں۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جب کسی تنظیم یا جماعت پر فرقہ پرستی کا بھوت سوار ہو جائے تو اس کے سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت مفلوج ہو جاتی ہے۔ یہ جماعت بھی "ہندی۔ ہندو۔ ہندوستان" کے فلسفہ کو ان چار ریاستوں میں تھوپنا چاہتی ہے جہاں وہ برسرِ اقتدار ہے اور وہ اس کام کو "حب الوطنی" کا تقاضہ قرار دیتی ہے۔

بنیادی طور پر اس سوچ کے پیچھے ایک نسل اور ایک مذہب پر مبنی "راشٹر" کا نظریہ کام کر رہا ہے جو آر ایس ایس کے سابق سرسنگھ چالک (صدر) گرو گولوالکر نے پیش کیا تھا جو ہٹلر کی شخصیت سے متاثر تھے۔ ۱۹۳۹ء میں شائع ایک کتاب میں گولوالکر نے نظریہ تعنیم کی بھی تشریح کرتے ہوئے کہا کہ "ہندوستان کے تمام غیر ہندوؤں کو نہ صرف ہندو کلچر کو اپنانا چاہیے بلکہ ہندو دھرم کے تئیں عقیدت و احترام کا جذبہ بھی رکھنا چاہیے اور اس کے تمام باشندوں کو خواہ وہ کسی بھی مذہب یا فرقہ یا علاقہ سے تعلق رکھتے ہوں انھیں ہندو نسل اور ہندو تہذیب کو اپنانا چاہیے۔

ان چار ریاستوں (یوپی، مدھیہ پردیش، راجستھان اور ہماچل پردیش) میں جہاں بی جے پی برسرِ اقتدار ہے دراصل تواریخ میں ہیرپھیر اور نصابِ تعلیم میں تبدیلی کے لیے یہی سوچ محرک بنی ہوئی ہے۔ ان کوششوں کا مقصد آریاؤں کی بالادستی اور تفوق (superemacy) ثابت کرنا، ویدک تہذیب و تمدن کی عظمتِ رفتہ کو اجاگر کرنا،

اور قرونِ وسطیٰ کے ہندو حکمرانوں کی جرأت بہادری کو سامنے لائے ہے جو دہلی کے سلاطین اور مغل بادشاہوں کے خلاف برسرِ پیکار رہے تھے اس کے تحت تاریخ کی کتابوں میں صرف "نئے تاریخی حقائق" ہی شامل نہیں کیے گئے بلکہ پہلے سے موجود چند اسباق کو بھی حذف کر دیا گیا ہے۔

حال ہی میں ان ریاستوں کے وزرائے تعلیم کی ایک مشترکہ میٹنگ ہوئی تھی جس میں ایک ایجوکیشن پلان تیار کیا گیا گو ماضی میں بھی اس سلسلہ میں کوشش کی جاتی رہی ہے۔ جنتا پارٹی کے دورِ اقتدار (۷۹ - ۱۹۷۷ء) میں بھی حکمراں جماعت میں شامل جن سنگھ (موجودہ بھارتیہ جنتا پارٹی) نے این سی ای آر ٹی کی درسی کتابوں میں تبدیلی کی مانگ کی تھی مگر اس میں کوئی بڑی رکاوٹ نہیں ملی تھی تاہم ایل کے ایڈوانی کے وزیر اطلاعات ونشریات ہونے کے باعث سرکاری ذرائع ابلاغ میں ان عناصر کو در اندازہونے کا موقع مل گیا تھا۔

گو ملک میں بہت پہلے سے آر ایس ایس کا طریقۂ تعلیم رائج ہے مگر اس کی کوئی سرکاری حیثیت نہیں رہی اس کے تعلیمی نظریات کے پھیلاؤ کے لیے ودیا بھارتی نامی اس کی صفِ اول کی ایک تنظیم ہے جس کے تحت ملک بھر میں ہزاروں اسکول چل رہے ہیں۔ اتر پردیش میں ہی ایسے اسکولوں کی تعداد ۳۲۵ ہے جن میں تین لاکھ بچے زیرِ تعلیم ہیں ان اسکولوں میں جو نصاب پڑھایا جارہا ہے۔ اب وہ سرکار کی سرپرستی میں چلنے والے اسکولوں میں بھی پڑھانا شروع ہو گیا ہے حتیٰ کہ مدھیہ پردیش حکومت نے اس تنظیم کو پرائمری اور مڈل اسکول سطح کے امتحانات منعقد کرنے کے اختیارات بھی تفویض کردیے ہیں جہاں انکے زیرِ اہتمام ۸۰۰ اسکول چل رہے ہیں۔

یہ عناصر اب اس ملک کی شاندار تاریخ کو مسخ کرکے اپنے مزاج اور فطرت کے مطابق بنانا چاہتے ہیں۔ اس سے قبل کے مورخ مغل حکمرانوں کو انگریزوں کی طرح اس ملک کا حکمراں نہیں تسلیم کرتے بلکہ انھیں غیر ملکی حملہ آور اور لٹیرا قرار دیتے ہیں یہاں تک کہ اکبر جیسے بادشاہ کو جنھوں نے صلح کل کی پالیسی کو اپنایا اور اس ملک کو اپنا مادرِ وطن تصور کیا۔ ایک غیر ملکی حملہ آور قرار دے رہے ہیں جبکہ اکبر کے سپہ سالار مان سنگھ کو "دھرتی کا لال" تصور کرتے ہیں۔ عہدِ وسطیٰ کی تاریخ جو ہندستانی تاریخ کا ایک بیش قیمت سرمایہ ہے۔ کو یہ عناصر مسخ کر رہے ہیں اس طرح رانا پرتاپ اور مغل حکمراں کے درمیان ہلدی گھاٹی پر اقتدار کی جنگ کو مذہبی رنگ دینے کی کوشش کی جارہی ہے۔ رانا پرتاپ نے اراولی پہاڑ پر جو کیمپ لگایا تھا اس پر کیسریا جھنڈا دکھایا جارہا ہے شیام نرائن پانڈے کی نظم "ہلدی گھاٹی" جس کو ۱۹۸۵ء میں ہندی درسی کتاب سے خارج کر دیا گیا تھا۔ اب اس کو دوبارہ شامل نصاب کرلیا گیا ہے۔

تعلیمی پالیسی میں جو تبدیلیاں کی گئی ہیں وہ بنیادی طور پر ایک مخصوص سیاسی جماعت کے مقاصد کی تکمیل کے لیے

ات تک کی تاریخ کی کتابوں میں سب سے بڑی اور اہم تبدیلی سندھ تہذیب یا ہڑپا تہذیب سے متعلق ہے۔
ک کا ہی باشندہ قرار دیا گیا ہے اور دعوے کے ثبوت میں ہندستان کا ایک قدیم نقشہ بھی دیا گیا ہے اور کہا گیا
ں کا اصل وطن ہندستان ہی تھا اور وہ کسی دوسرے ملک سے نقل مکانی کر کے یہاں نہیں آئے تھے جبکہ پنڈت
رو نے اپنی کتاب "بھارت ایک کھوج" میں آریاؤں کو غیر ملکی قرار دیا ہے۔

تاریخ کی کتاب کے دوسرے حصہ کے باب ۱۱ میں ہندستان کی نشاۃ ثانیہ اور تعمیر جدید کے حوالے سے صفحہ ۲۷۷ پر
لاح" مضمون میں کہا گیا ہے کہ ہندو سماج میں پھیلی ہوئی برائیوں کے خلاف جہاد کرنے والوں میں مہاتما گاندھی،
انند، چیتنیہ پربھو ریداس، کوم ورشندے سوامی، شردھانند کے اصلاح معاشرہ کے پروگراموں کی چرچا کی
لانکہ تاریخ گواہ ہے کہ بدھ مذہب کو ختم کرنے کے لیے اس ملک میں کیا کچھ نہیں کیا گیا۔

اسی کتاب کے باب ۱۲ میں نیتاجی سبھاش چندر بوس ۱۹۴۰ء میں ناگپور میں آر ایس ایس کے بانی ڈاکٹر کیسو راؤ
ار سے ملاقات کا خصوصی ذکر کیا گیا ہے اسی باب میں ہیڈگوار کے ایک قول بھارت بھارتیوں کے لیے ہے اور
ہے" کو نقل کیا ہے اور پنڈت مدن موہن مالویہ سے ہیڈگوار کے دیرینہ مراسم کو اجاگر کیا ہے اس کے ساتھ ہی دلتوں کے
ر بھیم راؤ امبیڈکر کو بھی ۱۹۳۹ء میں آر ایس ایس کے ایک کیمپ میں شریک ہونے کا انکشاف کیا گیا ہے اور اس
لکھا گیا ہے کہ ڈاکٹر امبیڈکر کو یہ اطمینان ہو گیا تھا کہ اب اس ملک میں ہندوؤں کی اعلیٰ ذات اور پچھڑی ذات
ں کوئی تفریق نہیں ہے. ڈاکٹر امبیڈکر کا حوالہ دے کر سماج کے ایک بہت بڑے طبقہ کو سیاسی طور پر فرقہ پرستوں
نے کے لیے یہ حربہ استعمال کیا گیا ہے۔

پہلے باب میں شہنشاہ بابر کی مذہبی پالیسی کو اپنے ڈھنگ سے پیش کرتے ہوئے لکھا گیا ہے کہ بابر کے مقامی
باقی نے اجودھیا میں مندر کی جگہ مسجد تعمیر کرائی تھی اگرچہ یہ معاملہ ابھی متنازعہ ہے اس کے باوجود ہندو عوام
ندر ہی تصور کرتے ہیں اسی طرح درسی کتاب سے گاندھی جی پر جو مضمون تھا اس کو نکال دیا گیا ہے. طرفہ تماشہ یہ کہ
کے لیے منظور شدہ ہندی کتاب نو بھارتی کے تازہ ایڈیشن میں گاندھی جی پر مضمون "میرا بچپن" کا بھی وہی حشر ہوا ہے
اسی طرح امریکہ کے ابراہم لنکن جنھوں نے دنیا کو جمہوری نظام کا فلسفہ دیا اور امریکہ کے صدر کی حیثیت سے انھیں
احترام ہستی تصور کیا جاتا ہے پر مضمون بھی نو بھارتی سے کھرچ دیا گیا ہے۔ درجہ ششم کے لیے ہندی کی رائج کتاب
ان بھارتی سے سنت شاعر کبیر داس کو بھی نکال دیا گیا ہے۔

اسی کتاب میں حضرت محمد صاحبؐ کے عنوان سے ایک مضمون تھا تاکہ اکثریتی فرقہ کے بچے بھی اسلام اور اس

کے پیغمبر کی تعلیمات سے واقف ہو سکیں۔ لیکن اسے حذف کر دیا گیا ہے۔

آر ایس ایس کے افکار و نظریات کے زبردست مبلغ اور محقق پی۔ این اوک جنھوں نے چند برس قبل ایک کتاب میں لکھا تھا کہ آگرہ کا تاج محل دراصل شیو مندر تھا جس کو مغل حکمراں شاہجہاں نے توڑ کر تاج محل بنوایا تھا اس مضمون کو سرکاری درسی کتاب میں شامل کیا گیا ہے۔ سرکاری اسکولوں میں رائج ترمیم شدہ ایڈیشنوں میں آر ایس ایس کے اہم لیڈروں کو جدید ہندستان کے معمار کی فہرست میں شامل کر لیا گیا ہے اور انھیں جنگ آزادی کا سورما قرار دیا ہے۔

درسی کتاب میں اجودھیا کے مندر مسجد تنازعہ کو لے کر ایک نئی تاریخ کو جنم دیا جا رہا ہے تاکہ کمسن بچوں میں بھی فرقہ پرستی کا زہر گھولا جا سکے اور ان میں مسلمانوں سے انتقام کا جذبہ پروان چڑھ سکے۔

ہندستان میں ودیا بھارتی کے علاوہ ایسی متعدد تنظیمیں ہیں جو تعلیم کے میدان میں ہندو کلچر کے لیے کام کر رہے ہیں۔ ان میں نمایاں طور پر ڈی اے وی ایجوکیشنل سوسائٹی ملک بھر میں ۵۰۰ کے قریب اسکول اور کالج چلا رہی ہے جس کا مقصد تعلیمی اداروں میں آریہ سماجی افکار کی تشہیر کرنا ہے۔

"رام کرشن مشن" کے زیر اہتمام بھی سو سے زائد اسکول چل رہے ہیں۔ اس سوسائٹی کا صدر مقام کلکتہ ہے۔ یہ سوسائٹی ووِیکا نند اور رام کرشن کے نظریہ کو فروغ دے رہی ہے۔ "سناتن دھرم سبھا" کے بھی تقریباً سو اسکول اور کالجوں کا مقصد ہندو دھرم کی تشہیر و اشاعت کرنا ہے۔ آندھرا پردیش کے علاقہ میں ووِیکا نند مشن کے بھی تقریباً ۱۵۰ اسکول چل رہے ہیں اور اس سوسائٹی کا بنیادی کام عیسائی مشنریوں کے زیر اہتمام چلنے والے تعلیمی اداروں کا توڑ کرنا ہے۔

اتر پردیش کے وزیر تعلیم کا یہ اعلان کہ اب ان کی سرکار کسی بھی اقلیتی ادارہ کو تسلیم نہیں کرے گی کیوں کہ ان اقلیتوں کے اداروں سے علیحدگی پسندی کے رجحان میں اضافہ ہوتا ہے۔ حالانکہ ملکی آئین میں اقلیتوں کو اپنی مرضی سے اسکول قائم کرنے اور انھیں چلانے کے اختیارات کی ضمانت دی گئی ہے۔

وزیر موصوف نے مزید فرمایا کہ اردو کے کسی بھی اسکول کو کھولنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ علاوہ بریں انگریزی میڈیم اسکول خاص طور پر پرائمری اسکولوں کو چلانے پر بھی پابندی عائد کر دی جائے گی۔ کیونکہ بیشتر پرائمری اسکول ہندی سے منظور شدہ ہیں لیکن اس فیصلے سے صد فیصد خواندگی کی جو شرح مقرر کی گئی ہے وہ پوری نہیں ہو سکے گی۔ اتر پردیش میں ویسے بھی خواندگی کی شرح قومی سطح سے بہت کم ہے۔ اسی طرح ہائی اسکول سطح تک سنسکرت کی تعلیم کو بھی لازمی قرار دیا گیا ہے اور اب ہر طالب علم کو خواہ وہ کسی بھی مذہب یا فرقہ سے تعلق رکھتا ہو اسے لازمی طور پر سنسکرت بھی پڑھنی ہوگی۔

اردو کے سلسلے میں نرائن دت تیواری کی چیف منسٹر شپ میں اردو کو دوسری سرکاری زبان قرار دینے کا جب

علان کیا گیا تھا تو اس ذہنیت سے تعلق رکھنے والے طلبا نے ایک نعرہ دیا تھا۔

اردو اگر تھوپی گئی لڑکوں پر
تو خون بہے گا سڑکوں پر

اس طرح کی لسانی جارحیت کے پیچھے جو ذہن کام کر رہا ہے وہ ملک میں اقلیتوں کی زبان اور کلچر کو رفتہ رفتہ نیست و نابود کر دینا چاہتا ہے تاکہ آگے چل کر تمام اقلیتیں اس ہندو راشٹر کی دھارا میں شامل ہو کر اپنی پہچان اور شناخت کو ختم کر دیں۔ وہیں ریاستی سرکار اپنے اس طرزِ عمل سے ریاست کے کروڑوں نیم خواں اور جذباتی ہندو عوام کی ہمدردیاں حاصل کرنا چاہتی ہے جن کے جذباتی استحصال کے ذریعہ وہ راج سنگھاسن تک پہنچی ہے۔

وزیرِ تعلیم نے یہ بھی اعلان کیا ہے کہ اب ہندی کتابوں میں "گ" سے "گدھا" نہیں بلکہ یہ اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ یہ عناصر دیو مالائی کلچر کو "گڑنیش" پڑھایا جائے گا۔ اسے فروغ دینے کے لیے مذہبی ہستیوں کے نام پر تعلیم دینا چاہتے ہیں۔ ایسا ہی ایک فیصلہ ریاضی سے متعلق ہے کہ اب سرکاری اسکول میں ویدک گڑنت پڑھائی جائے گی۔ کیونکہ یہ حساب ویدک عہد کا ایک عظیم کارنامہ ہے ویدک گڑنت کی تدریس کے سلسلے میں صوبہ کے ریاضی کے استادوں کو لکھنؤ میں ٹریننگ بھی دی جا چکی ہے۔

درسی کتابوں میں جس طرح سے ترمیم کی جا رہی ہے اس سے کم سن بچوں کے ذہن پراگندہ ہو جائیں گے اور اس صوبہ کے طالب علموں کو قومی سطح پر مقابلہ جاتی امتحان میں سخت دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے گا کیونکہ وہ اپنے ڈھنگ سے تاریخ کی تشریح کریں گے اور علم ریاضی کے سوالوں کو ویدوں کے منتروں کی روشنی میں حل کریں گے۔!! ●●

(فیچر اینڈ نیوز الائنس)

جناب احمد یوسف
پٹنہ

بہار کی درسی کتابیں

رسول اللہ کے متعلق

(۱) "By the time of his (Prophet Mohammad) death, his teachings has spread over the whole of Arabia. These teachings were collected in the Holy Book named the Quran." (Learning History - Ancient India - class VI, p.111).

● قرآن خدا کا کلام ہے، یہ رسول اللہ کی تعلیمات کا مجموعہ نہیں۔

(۲) "مسلمان محمدؐ صاحب کے علاوہ فقیروں اور مزاروں کی بھی پوجا کرنے لگے" (سوگم بھارتیہ اتہاس۔ درجہ ہفتم) ص ۶۸

● مسلمان محمدؐ صاحب کی پوجا نہیں کرتے۔ محمد صاحب ان کے پیغمبر ہیں۔ ان پر کلام پاک نازل ہوا اور وہ خاتم المرسلین ہیں۔ مسلمان مزاروں کی پوجا نہیں کرتے۔ صاحب مزار سے عقیدت کے معنی پوجا نہیں ہوتے ہیں۔

(۳) "محمدؐ نے ایک نوین دھرم اسلام کا اپدیش دیا" (اتہاس اور ناگرک شاستر) برائے درجہ ہفتم ص ۴

● اب تک تو ہندی کی کتابوں میں محمدؐ صاحب لکھنے کی روایت تھی۔ اس مصنف نے "صاحب" کا استعمال بھی غیر ضروری قرار دیا۔

ہندستان میں مسلم عہد

(۴) "مسلم سامراج" (سوگم بھارتیہ اتہاس۔ درجہ ہفتم) ص ۱۵

● مسلمان یہاں کبھی سید کبھی پٹھان اور کبھی مغل بن کر آئے۔ اس لیے مسلم سامراج کی اصطلاح غلط ہے۔

(۵) "مسلمان آکرمن ہوتے رہے" (سوگم بھارتیہ اتہاس۔ درجہ ہفتم) ص ۴

— مسلمان آکرمن کی بجائے پٹھان آکرمن یا مغلیہ آکرمن کہہ سکتے ہیں، یا پھر غزنوی کا آکرمن یا غوری کا آکرمن ۔

(۶) " اس چھن بھن ہوتے ہوئے سین سامراج کو مسلم آکرمن کاریوں نے اپنے دمن سے سماپت کر دیا" (سوگم بھارتیہ اتہاس - درجہ ہفتم) ص ۱۵

— ظاہر ہے کہ جب آکرمن کاری تھے تو پھر دمن بھی کیا ہوگا۔ یہ بار بار دمن کا ذکر آپ کیوں کرتے ہیں۔

(۷) " بھارت میں مسلم سامراج استھاپت ہوا" (سوگم بھارتیہ اتہاس - درجہ ہفتم) ص ۱۸

— مسلم سامراج کی بجائے سید سامراج، پٹھان سامراج وغیرہ کہہ سکتے ہیں۔

(۸) " وہ پہلا ایسا مسلم آکرمن کاری تھا جو مسلم شاسن استھاپت کرنا چاہتا تھا، اس میں اسے سپھلتا بھی ملی۔ محمد غوری کو اس کارن بھارت میں مسلم راجیہ کا استھاپک کہا جاتا ہے" (سوگم بھارتیہ اتہاس - درجہ ہفتم) ص ۳۲

— "مسلم راجیہ" تاریخی طور پر یہ بات غلط ہے ۔

(۹) اور بھارت میں مسلمان سامراج کی نیو پڑی" لودی خاندان (سوگم بھارتیہ اتہاس - درجہ ہفتم) ص ۵۵

— ہر خاندان کے ساتھ ہی لکھتے ہیں کہ ہندستان میں مسلمان سامراج کی نیو پڑی ۔

(۱۰) " وہ (ہیمو بقال) مغلوں کو کھدیڑ کر بھارت میں ہندو راج استھاپت کرنا چاہتا تھا" (سوگم بھارتیہ اتہاس - درجہ ہفتم) ص ۹۶

محمود غزنوی سے متعلق

(۱۱) " ۱۰۰۹ - ۱۰۰۸ میں محمود کا چھٹا آکرمن پورن (پنجاب) پر ہوا... اس میں دھارمک کٹرتا بھی ادھیک تھی"

(سوگم بھارتیہ اتہاس - درجہ ہفتم) ص ۳۱

— یہاں دھارمک کٹرتا کا سوال کہاں اٹھتا ہے؟ ۔ لوٹ مار دھرم نہیں ہے ۔

(۱۲) " محمود کے آکرمن کی دِشائیں تھیں۔ لوٹ پاٹ، ہتیا، اگن کانڈ، مندروں کی سمپتی لوٹنا، مورتیوں کو توڑنا، مورتی پوجکوں کی ہتیا کرنا وغیرہ" (سوگم بھارتیہ اتہاس - درجہ ہفتم) ص ۳۲

— یہ جنگیں اپنے علاقوں کے توسیع کے لیے کی جاتی تھیں، سرحدیں بھی متعین شدہ نہیں تھیں۔ لیکن ان باتوں کا ذکر بار بار کرنے سے فرقہ وارانہ اشتعال پیدا ہوتا ہے ۔

علاء الدین خلجی

(۱۳) " وہ (علاء الدین خلجی) پہلا ترک مسلمان تھا، جس نے راجنیتی اور دھرم کو ایک دوسرے سے الگ رکھا۔"

(سوگم بھارتیہ اتہاس - درجہ ہفتم) ص ۴۶

● کیا اس سے پہلے ایسا نہیں تھا؟

(۱۴) "اسلام دھرم کا پرسدھ گرنتھ، قرآن شریف قانون کا آدھار تھا۔ (سلطنت کال ہت) (سوگم بھارتیہ اتہاس۔ درجہ ہفتم) ص ۱۵

● کیا سلطنت پیریڈ میں ہی بادشاہ شرعی حکومت کر رہا تھا۔ علاء الدین خلجی کے متعلق کس حد تک یہ بات کہی جا سکتی ہے۔

جزیہ

(۱۵) ہندوؤں کو بھومی کر کے علاوہ مکان کر، پشو کر اور جزیہ بھی دینے پڑتے تھے" (عہد علاء الدین خلجی سوگم بھارتیہ اتہاس درجہ ہفتم) ص ۴۰

● جزیہ کے متعلق تو بہت سنا گیا ہے لیکن ہندوؤں کو زمین ٹیکس اور پولیس ٹیکس دینا پڑتا تھا یہ بات نہیں سنی تھی۔

(۱۶) "ہندوؤں کو لگان کے علاوہ مکان اور مویشیوں پر ٹیکس اور جزیہ بھی دینا پڑتا تھا" (بہ سلسلہ علاء الدین خلجی — ہندستان کی تاریخ۔ ۲۔ درجہ ہفتم) ص ۶۰

جبری مسلمان بنانا

(۱۷) "ہندوؤں کا مسلمان کے روپ میں جاتی پری ورتن دو روپوں میں ہوا۔ بہت سے ہندو مسلمانوں سے دوابک سمبندھ کر اور ان کے ریتی رواجوں کو اپنا کر سویچھا سے مسلمان بنے۔ دوسری اور دباؤ میں آ کر بھی انھیں مسلمان بنا پڑا۔ سلطنت کے پرارمبھ کے سمے مسلمانوں نے دھرم پری ورتن کے لیے زبردستی کی تھی۔" (سوگم بھارتیہ اتہاس۔ درجہ ہفتم) ص ۶۶-۶۷

● بڑے پیمانے پر ایسا کبھی نہیں۔

(۱۸) "اپنی شکتی کے بل پر مسلمانوں نے یہاں اسلام کا پرچار کیا۔" (سوگم بھارتیہ اتہاس۔ درجہ ہفتم) ص ۶۷

● طاقت کے بل پر عام طور سے ایسا نہیں ہوا۔ صوفیوں نے محبت کے گیت گائے۔

اورنگ زیب

(۱۹) "راجیہ کے اونچے پدوں پر اس نے پرائے بمسلمانوں کو ہی نیوکت کیا۔" (سوگم بھارتیہ اتہاس درجہ ہفتم) ص ۱۰۶

● غلط تاریخ۔

(۲۰) "مندروں کو توڑ وا کر اس نے مسجدیں بنوائیں" (سوگم بھارتیہ اتہاس۔ درجہ ہفتم) ص ۱۰۷

● غلط تاریخ۔

(۲۱) "اورنگ زیب نے پاٹھ شالاؤں کی سہایتا بند کر دی" (سوگم بھارتیہ اتہاس — درجہ ہفتم) ص ۱۲۳

● یہ کہاں تک صحیح ہے؟

(۲۲) "اورنگ زیب نے ایسے بہت سارے قانون وضع کیے جو ہندوؤں کے حق میں اچھے نہیں تھے۔ ۱۶۵۹ء میں اس نے

مندروں کا بننا بند کر دیا" (ہندستان کی تاریخ - (۲) درجہ ہفتم) ص ۱۴۲

(۲ «تین سال بعد لگان وصولی کے شعبے میں ہندوؤں کی تقرری بند کرنے کا حکم جاری ہوا صدیوں سے ہندو ہی دیکھ بھال کرتے آرہے تھے۔ عرب عہد حکومت سے ہی تقریباً یہ صورت حال رہی تھی۔" (ہندستان کی تاریخ (۲) درجہ ہفتم) ص ۱۴۲

(۲ " ۱۶۷۹ء میں اس نے ہندوؤں پر پھر جزیہ نافذ کر دیا۔ یہ ٹیکس ہر بالغ مرد کو دینا پڑتا تھا اس لیے غریبوں کو اس سے پریشانی ہوئی۔ ہولی دیوالی وغیرہ منانے کی تو بات ہی نہیں تھی۔" (ہندستان کی تاریخ۔ درجہ ہفتم) ص ۱۴۲

قومی ترانہ

(۲ " قومی ترانہ مندرجہ ذیل ہے۔ جن گن من ... اہم تاریخی رول ادا کرنے والے بندے ماترم گیت کو جن گن من کی طرح ہی اعزاز بخشا ... (علم تمدن حصہ دوم درجہ ہفتم) ص ۴

● اقبال کے ترانہ 'سارے جہاں سے اچھا' کی بھی ایک تاریخی حیثیت ہے اور وہ آزادی سے پہلے بھی مقبول تھا اور آج تو وہ بندے ماترم سے زیادہ مقبول ہے اس کا ذکر کیوں نہیں ؟

● قومی گیت میں آپ نے 'بندے ماترم' کو رکھا ہے' یہاں اقبال کے 'سارے جہاں سے اچھا' کو بھی رکھنا چاہیے ہمارا دیش۔ درجہ چہارم) ص ۱۶۱

● قومی ترانے میں جب آپ بندے ماترم کو شامل کرتے ہیں' تو آپ کو اقبال کا قومی ترانہ سارے جہاں سے اچھا بھی رکھنا چاہیے" (ہمارا بھارت۔ درجہ چہارم) ص ۱۶

قومی دھارے سے مسلمانوں کو الگ کرنے کی پالیسی

(۲ قومی لیڈروں میں جہاں آپ نے ڈاکٹر راجندر پرشاد' ڈاکٹر سری کرشن سنگھ اور ڈاکٹر انوگرہ نرائن سنگھ کا ذکر کیا ہے وہاں آپ کو مولانا مظہر الحق' شاہ زبیر' ڈاکٹر محمود اور پروفیسر باری کا بھی ذکر کرنا تھا۔ (ہمارا بہار۔ درجہ سوم)

(۲ بہار کے بڑے لوگوں میں جہاں آپ نے جنک' جراسندھ' گوتم بدھ' مہابیر' شیر شاہ' کنور سنگھ اور برسا بھگوان کا نام دیا ہے وہیں آپ نے ڈاکٹر راجندر پرشاد کا نام دیا ہے۔ اس جگہ آپ کو مولانا مظہر الحق کا نام بھی دینا تھا اور ڈاکٹر راجندر پرشاد سے پہلے دینا تھا۔ (سرمایہ بہار۔ درجہ سوم) ص ۱۱۷

(۲ "ہندستان کی آزادی میں بہتری عورتوں کی کارگزاریاں قابل تعریف رہی ہیں' اس سلسلے میں کستوربا' سروجنی نائیڈو کملا نہرو کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں" (سنہری زندگی۔ درجہ ۱۰-۹) ص ۲۲۵

● اور بی اماں ۔ ریحان طیب جی۔ کلثوم سیانی' امۃ الاسلام اور حسرت موہانی کی بہادر بی بی۔ ؟

تعلیمِ اسلام

(۲۹) "رگ وید کے سروتی سوکت میں تعلیم کی اہمیت پر اس طرح روشنی ڈالی گئی ہے" (علم تمدن۔ حصہ ۲۔ درجہ ہشتم) ص ۱۰۵

● ہندستان میں دو بڑے فرقے ہندو اور مسلمان بستے ہیں۔ آپ تعلیم کی افادیت کے سلسلے میں رگ وید کا حوالہ دیتے ہیں تو پھر قرآن پاک اور احادیث سے حوالہ کیوں نہیں دیتے ۔

متفرقات

(۳۰) " اسلام دھرم کے علاوہ صوفی سمپردائے . . ."

(سوگم بھارتیہ اتہاس ۔ درجہ ہفتم) ص ۶۹

● صوفیوں کا کوئی علیحدہ مذہب نہیں تھا وہ شرع کے پابند لوگ تھے اور تزکیۂ نفس کے مسئلے پر سختی سے کاربند تھے

(۳۱) آزاد بھارت نے چار بار اپنی آزادی اور سالمیت کو برقرار رکھنے کے لیے مذہبی لڑائی کی ہے" (علم تمدن حصہ ۲ درجہ ہشتم ص)

● یہ قومی لڑائی تھی اسے آپ مذہبی لڑائی نہ کہیں۔ مذہبی لڑائی کہنے سے کنفیوژن پیدا ہوتا ہے ۔

(۳۲) عید الاضحیٰ مسلمانوں کا بہت بڑا تیوہار ہے" (ہمارا دیش۔ درجہ چہارم) ص ۱۱۵

● لیکن اس سے بڑا تو عید الفطر ہے جس کا آپ نے ذکر نہیں کیا۔

(۳۳) بقرعید سے زیادہ مسلمانوں کے یہاں عید کی اہمیت ہے آپ نے بقرعید کا ذکر کیا عید کا ذکر نہیں کیا ہے۔ (ہمارا بہار درجہ چہارم) ص ۱۱

(۳۴) "کنبہ کے ارکان وقت پر پوجا پاٹ وغیرہ کرتے رہتے ہیں" (زندگی۔ حصہ ۵۔ درجہ ۱۰) ص ۳۱

● مسلمان پوجا پاٹ نہیں کرتے اس لیے ان کا لحاظ کرتے ہوئے پوجا پاٹ کے ساتھ عبادت بھی لکھیے ۔

(۳۵) "عید اور محرم مسلمانوں کے مشہور تیوہار ہیں" (ہمارا بہار۔ درجہ ۵۔) ص ۱۲۲

● محرم مسلمانوں کا تیوہار نہیں، یہ ان کے لیے غم کا موقع ہے ۔

(۳۶) "مسلمانوں کے ویش بھوشا (پائجامہ، اچکن، شیروانی وغیرہ پہناوے) کا انوکرن آرمبھ کیا"

● اچکن اور شیروانی خالص ہندستانی پہناوے ہیں اور ایک Composite Culture کی دین ہیں۔

(۳۷) اسی استھان پر مہاتما شیخ سلیم چشتی رہتا تھا (اتہاس اور ناگرک شاستر۔ درجہ ہفتم) ص ۱۲۰

(۳۸) پرمپرا وادی مسلمانوں کا نیتا شیخ احمد سرہندی تھا" (اتہاس اور ناگرک شاستر۔ درجہ ہفتم) ص ۱۴۳

مختصر یہ کہ اس فرقہ پرستی نے جہالت اور گمراہی کا جال سا پھیلا دیا ہے ۔

ڈاکٹر غلام ربانی

ایم۔ ٹی۔ ٹی۔ کالج۔ بریاتو ستار کولونی
پوسٹ میڈیکل کالج، رانچی ۸۳۴۰۰۹ (بہار)

بہار کے اسکولوں کے نصاب میں داخل
تاریخ وسماجیات کی کتابوں کا جائزہ

میں نے اپنے مقالہ میں بہار کے اسکولوں کے نصاب میں داخل تاریخ وسماجیات کی کتابوں کا تنقیدی جائزہ لیا ہے۔ رانچی ضلع جو بہار میں عمدہ تعلیم کا ایک اچھا مرکز ہے، اُسی کو خصوصی طور پر توجہ کا مرکز بنایا ہے۔ یہ ضلع ریاست بہار میں تعلیم کے لئے انفرادی حیثیت رکھتا ہے۔ اس ضلع میں پوری ریاست کے مختلف اسکولوں کے نصاب پڑھائے جاتے ہیں۔ نصاب کے لحاظ سے میں نے اسکولوں کو تین درجوں میں تقسیم کیا ہے جو مندرجہ ذیل ہیں:۔

1. Indian Certificate School Syllabus.
2. Centrai Board of Secondary Syllabus.
3. Bihar Secondary School Syllabus.

کوٹھاری کمیشن (National Education Commission) کی رپوٹ کا پہلا جملہ اس طرح ہے:

"The destiny of India is being shaped in her class rooms."

یعنی:- "भारत के भविष्य का निर्माण उसके अध्ययन कक्षों में हो रहा है।"

درجہ میں جیسی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں ویسا ہی ذہن بچوں کا بن جاتا ہے۔

میں (I.C.S.E.) کی تاریخ کی مندرجہ ذیل کتاب کے سطور پیش کر رہا ہوں جو نفرت اور فرقہ واریت کی فضا ہموار کرتے ہیں:

کتاب کا نام:۔

"Indian History and Culture" by S.L.Kaeley, V.K.Bhandari and T.Sushila, 3rd edition, 1987, Publisher Inter University Press (P) Ltd.
Educational Publishers,
30/7 Shakti Nagar, Delhi-110007.

صفحہ ۱۷۸، پر مندرجہ ذیل سطور محمود غزنوی کے بارے میں ہیں:

عنوان :-

Mahmud of Ghazni

"In 1019 A.D. Mahmud led an expedition against Rajya Pal, the Pratihara ruler of Kanauj who submitted without resistance. The Sultan is said to have plundered as many as 10,000 temples and after collecting a huge booty returned to Ghazni."

صفحہ ۱۷۹ پر اسی عنوان کے تحت مندرجہ ذیل سطور ہیں:

"The Muslim forces reached Anhilwara in January 1025 A.D. but its ruler Bhim Dev fled for safety. More than 50,000 people were slain and huge booty fell into the hands of the invader."

اسی صفحہ پر دوسرا پیراگراف اس طرح ہے:

"His last invasion was against the Jats of Sind who had tried to deprive him of some of his booty from Somnath on his way back to Ghazni. He attacked them in 1026-27 A.D. and put many of them to death."

صفحہ ۱۷۹ عنوان The Results of Mahmud's invasions کے تحت مندرجہ ذیل سطور ہیں:

Sir Woolsely Haig rightly says

"His wanton destruction of the temples - the great institutions of art and architecture since ancient India - gave a death below to the art and architecture of the country."

صفحہ ۱۹۴ پر عنوان An estimate of Ala-ud-Din Khilji کے تحت مندرجہ ذیل سطور ہیں:

Lanepoole (aptly) says about Ala-ud-Din
"A bloody and unscrupulous tyrant yet none may refuse him the title of a strong and a capable ruler."

فیروز شاہ تغلق کے بارے میں صفحہ ۲۰۰ پر عنوان Firoz Shah Tughlaq ——— His religious- intolerance: کے تحت مندرجہ ذیل سطور ہیں:

"Firoz was a devout Muslim of the orthodox Sunni and was intolerant of the practices of the Shias as well as of the Hindus. He imposed Jazia on the Brahmins, who had hitherto been exempted from it. He did not allow the Hindus to build any new temple. He also sought to secure converts from the Hindus by promising them exemption from the Jazia."

تیمور کے حملے کے بارے میں صفحہ ۲۰۱ پر عنوان Timur's invasion of India کے تحت مندرجہ ذیل

پیراگراف ہے :

"Having stayed in Delhi for a fortnight, Timur embarked upon his hamelvard journey, plundering Meerut, Haridwar, Nagarkot and Jammu on the way. He relieved the State treasury of the Delhi Sultanate of all the wealth accumulated during the past two hundred years."

تیمور ہی کے بارے میں اسی صفحہ کے دوسرے پیراگراف میں اس طرح درج ہے :

Badauni observes

"The city was utterly ruined and for the two whole months not a bird moved a wing in Delhi."

ہمایوں کے (Character) کے بارے میں صفحہ ۲۱۷ پر عنوان Humayun's character کے تحت مندرجہ ذیل جملے لکھے گئے ہیں :

"After a moment of trumph, he would make himself busy in his 'Harem' and dream away the precious hours in the opium-eaters paradise, whilst his enemies were thundering at the gate."

جہانگیر بادشاہ کے بارے میں عنوان Rebellion of Prince Khusrau کے تحت صفحہ ۲۲۵ پر مندرجہ ذیل اقتباس درج ہے :

"The sixth Guru Arjun Dev was asked to a pay a fine of rupees two lakhs for his offence of supporting Khusrau. When the Guru refused to pay the fine, he was arrested and tortured to death in Lahore."

صفحہ ۲۲۷ پر عنوان Trouble with Portuguese کے تحت مندرجہ ذیل سطور لکھے گئے ہیں :

"The Portuguese who had been in India for long, resorted to the policy of forcible convasion of Indians to Christianity. More after than not, they looted and attacked Indian ships."

صفحہ ۲۴۴ پر عنوان Aurangzeb's Religious Policy کے تحت مندرجہ ذیل اقتباس درج ہے۔

"Aurangzeb was an orthodox Sunni Musalman and the great object of his life was to make India a 'land fit for Islam'. He aimed at setting up a pure Islamic state based on the Quranic law. An order was issued in A.D.1659 forbidding the construction of new temples. In A.D.1664 he forbade even the repair of old temples. In A.D.1667 he imposed a professional tax on Hindu Merchants while Muslims traders were exempted from the payment of any such tax. In A.D.1668 the Hindus lose restrained from celebrating the Hindus religious fairs and festivals. In A.D.1669 a general order was issued

that all Hindus Pathshalas and temple school should be demolished. The officers of 'Public morals' were instructed to destroy Hindu place of worship. The Somnath temple at Patam, the Vishvanath temple of Varanasi and the Keshavnath temple of Mathura were razed to the ground and with their materials stately mosques were erected to deminate the cities.

Many Hindus who were unable to pay the tax, turned Mohammadans to obtain relief from the insults of the collectors. Stipends and gifts were levished on the converts and posts were offered to them in public services."

اسی صفحہ پر مصنفین نے لکھا ہے کہ :

"The acquisition of a Qanungoship on condition of embracing Islam passed into a proverb."

صفحہ ۲۴۵ پر عنوان Rebellions of the Sikhs کے تحت مصنفین نے لکھا ہے کہ :

"The peacful evolution of Sikhism had received a rude shock when their fifth Guru Arjun Dev was executed at Lahore in A.D.1606 under the orders of Jahangir.

Relations between the Sikhs and the Mughals took a crucial turn when Aurangzeb occupied the throne of Delhi.

Sikh temples were ordered to be destroyed and the ninth Guru Tegh Bahadur was summoned to the Royal Court. The Guru was asked to choose between conversion to Islam or death. On his refusal to embrace Islam the Guru was tortured for five days and eventually beheaded in December 1675 at Chandni Chawk in Delhi."

صفحہ ۲۴۵ پر عنوان Aurangzeb and the Rajputs کے تحت یہ جملہ لکھا ہوا ہے :

In the words of Smith

"The Deccan proved to be the grave of his reputation as well as his body."

اب میں بہار سکنڈری اسکول کے نصاب میں داخل "आधुनिक भारत का इतिहास" کے چند اقتباسات پیش کر رہا ہوں جو قابل اعتراض ہیں :-

چند سطور صفحہ ۱۸ پر اس طرح درج ہیں :

"बाबर ने राजपूतों के खिलाफ युद्ध में जिहाद का नारा दिया था और अपने आदमियों को यह कहकर उनके विरुद्ध लड़ने के

लिए भड़काया था कि वे काफिर हैं और उनके विरुद्ध युद्ध करना उनका धार्मिक कर्तव्य है।"

بچوں کے ذہن پر اس کا بہت خراب اثر پڑتا ہے اور فرقہ واریت کی بنیاد پڑتی ہے۔ صفحہ ۱۰۲ پر لکھا ہوا ہے کہ:

"बाबर मध्य एशिया तथा भारत पर लुटेरे दलों तथा शाही सरकार, तैमूर तथा अकबर के बीच की कड़ी है। एशिया के दो खूंखार विजेताओं चंगेज और तैमूर का खून उसकी नसों में दौड़ रहा था और तातारों की साहसिकता तथा अशान्ति उसे विरासत में मिली थी।"

ان جملوں کے ذریعہ اسے خونخوار اور بدامنی پھیلانے والا بتایا گیا ہے اس حساب سے ابھی کے ہندستانی مسلمانوں میں اسی کا خون ہے۔ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کے لیے کیا (Impression) ہونگے۔

ہمایوں کے بارے میں حرم کی طرف مائل ہو جاتا اور مشغول رہنا طالب علموں کے ذہنوں کو ایک قدم اور آگے سوچنے پر مجبور کرتا ہے۔

صفحہ ۱۰۲ پر شاہ جہاں کے بارے میں مصنف لکھتا ہے:

"1612ई0 में ही उसने यह आदेश निकाल दिया कि उसके साम्राज्य में उसके पिता के शासनकाल में जितने मन्दिरों का निर्माण आरम्भ किया गया था उन सबको गिरवा दिया जाय। इस आदेश के अनुसार केवल बनारस में ही 76 मन्दिरों को विनाश करवा दिया गया। बुन्देलखण्ड के हिन्दू मन्दिर तोड़वाये गये और जुझार सिंह के पुत्रों को मुसलमान बना लिया गया।"

ان جملوں سے ہندو لڑکوں میں مسلمانوں کے لیے نفرت، دشمنی اور عبادت گاہوں کو مسمار کرنے کا انتقامی جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

شاہ جہاں کے لیے کیسا ذلت آمیز جملہ استعمال کیا گیا ہے:۔

शाहजहाँ के शासनकाल का सम्पूर्ण गौरव उसके द्वारा निर्माण कराये गये भव्य भवनों पर आधारित है लेकिन यहीं हमें यह

नहीं भूलना चाहिए कि इन भवनों का निर्माण प्रजा का रक्त-
शोषण करके किया गया था । अमीरों के धन को छीनकर प्रजा
पर अत्याधिक कर लगाकर जमा किया गया था और मजदूरों
से प्रायः जबरदस्ती काम लिया गया था । इस प्रकार शान-
शौकत के लिए जन - साधारण का अत्याधिक शोषण किया
गया था ।"

جس تاج محل کو دیکھ کر ساری دنیا حیرت میں آجاتی ہے اور بنانے والے بادشاہ کا شوق، کاریگری، اور ہندست
کی دولت ہندستان میں ہی خرچ کرکے اس کا سر بلند کرنے کے بارے میں تعریفوں کا انبار لگا دیتی ہے، جب
تاج محل پر ہندستان کو فخر ہے کہ سات عجائبات میں سے ایک ہے، اس بادشاہ کے بارے میں یہ کہکر کہ عوام
خون چوس کر اور مزدوروں سے اکثر زبردستی کام لیا گیا ہے، سارا مزہ کرکرا کر دیا گیا ہے۔ حقیقی معنوں میں
دیکھا جائے تو مغل بادشاہ کے بعد سے آج تک حکمرانوں نے عوام کا خون چوسا مگر ایک محل بھی تاج محل جیسا
نہیں بنا کر دکھایا۔ تاریخی حقائق کو اس طرح (توڑ موڑ کر) پیش کرنا ساری خوشیوں پر پانی پھیر دیتا ہے۔

اورنگ زیب کے بارے میں مصنف لکھتا ہے کہ:

अपने शासनकाल के पहले समयों में उसने मन्दिरों के गिराने
का शाही फरमान जारी किया । अकेले इलाहाबाद प्रदेश
में और बनारस में 22 मन्दिरों को गिरा दिया गया ।
हिन्दुओं को मुसलमान बनाने के लिए प्रेरित किया तथा
इस्लाम धर्म स्वीकार करने के लिए बाध्य किया ।

اس اقتباس سے طالب علموں کے ذہنوں میں اورنگ زیب کے لیے نفرت پیدا ہوتی ہے اور مسلمانوں کے خلاف انتقامی
جذبہ بھڑکتا ہے اور ان کا ذہن گندہ ہو جاتا ہے۔

اورنگ زیب کے بارے میں مصنف لکھتا ہے کہ:

"औरंगजेब ने अनेक हिन्दू मन्दिरों को गिराने के आदेश
जारी किये । जिस समय वह गुजरात का सूबेदार था उसी
समय से उसने हिन्दू मन्दिरों के विध्वंस का कार्य आरम्भ कर
दिया । अहमदाबाद के चिन्तामणि मन्दिर में गो-हत्या
कराकर उसने उसे मस्जिद में परिवर्तित करवा दिया ।

सिंहासनारूढ़ होते ही उसने यह आज्ञा दी कि कटक से मेदनीपुर तक जितने भी हिन्दू मन्दिर हैं वे सभी गिरा दिये जायें। शासनकाल के बारहवें वर्ष में उसने यह आज्ञा प्रसारित की कि हिन्दुओं के जितने भी मन्दिर हैं वे सभी नष्ट कर दिये जायें और उसके रीति रिवाजों का दमन कर लिया जाये। उसकी धार्मिक कट्टरता के कारण ही सोमनाथ का मन्दिर बनारस का विश्वनाथ मन्दिर तथा मथुरा का केशव राय का मन्दिर नष्ट किया गया। उसने मन्दिरों का निर्माण भी निषेध करवा दिया।"

مندرجہ بالا جملوں میں مندروں کے گرانے کا حکم جاری کیا، جتنا مندر میں گو ہٹیا کرا کر مندر کو مسجد میں تبدیل کر دیا۔ ہندوؤں کے رسم و رواج کو ختم کروا دیا۔ سومناتھ، متھرا، بنارس کے مندروں کو برباد کرا دیا۔ اور مندروں کی تعمیر کو منع کروا دیا، طالب علم کے (Sentiments) کو کافی چوٹ لگتی ہے۔ زمانے سے طالب علم ان جملوں کو پڑھ رہے ہیں جس سے فرقہ واریت کی فضا تیار ہو رہی ہے۔ اور انتقامی جذبہ بھڑک رہا ہے۔ اسی جذبہ نفرت کے تحت ہندوستان کے مختلف علاقوں میں فرقہ وارانہ فسادات ہو رہے ہیں اور مسلمانوں کی عبادت گاہوں کو برباد کرنے اور قبضہ کرنے کی ناپاک کوششیں ہو رہی ہیں۔ طالب علموں کا ذہن گندہ اور زہر آلود ہو رہا ہے۔

مسلمانوں اور جاٹوں کے درمیان برتاؤ کے بارے میں مصنف لکھتا ہے کہ :

"मथुरा के जाटों के जमींदार गोकुल को पराजित कर सपरिवार पकड़ लिया और आगरे की पुलिस चौकी पर उसके अंगों को काट काटकर फेंक दिया गया और उसकी हत्या कर दी गयी। उसका परिवार जबरदस्ती मुसलमान बना लिया गया। पाँच हजार जाट युद्ध में मारे गये।"

اس اقتباس سے مسلمانوں اور جاٹوں کے درمیان، نفرت، دشمنی اور فرقہ واریت کا جذبہ بھڑکتا ہے۔

اسی طرح "اورنگ زیب اور راجپوت" عنوان کے تحت یہ بتایا گیا ہے کہ اورنگ زیب راجپوتوں سے جانوروں کی طرح نفرت کرتا تھا، اور شیطان سمجھتا تھا۔ راجپوت طالب علموں کی خودداری کو کافی چوٹ پہنچتی ہے۔ نفرت اور دشمنی کا بیج جو ان جملوں میں بویا گیا ہے یہ آگے چل کر فرقہ واریت کا مواد فراہم کر سکتا ہے۔

میری رائے ہے کہ تاریخ کی کتابوں میں ایسے اقتباس لکھ کر ہندستان میں فرقہ واریت نہ پھیلایا جائے۔ تاریخی حقائق کو پیش کرنا ضروری ہے مگر اس میں تعصب نہ برتا جائے اور دونوں فرقوں کے بادشاہوں حکمرانوں یا بزرگوں کی ایک طرح عزت کی جائے۔ تاریخی حقائق کو پیش کرنا ضروری ہے مختلف عمر کے مطابق یا مختلف ضرورتوں کے تحت ہی پیش کیا جائے۔ مورّخ کو ہدایت دی جائے کہ نفرت اور تعصب کا عینک ہٹا کر ہی اسکول کے طالب علموں کے لیے تاریخ مرتب کریں تو زیادہ فائدہ مند ہوگا۔ ہندستان کی یک جہتی خطرے میں ہے۔ اس لیے اس طرف توجہ دینے کی اشد ضرورت ہے۔

پروفیسر ایس۔ اے۔ ایچ حقی
علی گڑھ

بہار کے اسکولوں کے نصاب میں داخل

تاریخ وسماجیات کی کتابوں کا جائزہ

ہندستان کی باتصویر تاریخ پارٹ ۱ (ہندستان عہد قدیم میں):

یہ ایک درسی کتاب ہے جو عہد اولیٰ سے ابتدائی عہد وسطیٰ تک کی ہندستان کی تاریخ پیش کرتی ہے نئے تعلیمی منصوبے کے تحت اس۔ ایل KAELEY نے ترتیب دیا ہے اور وی کے۔ بھنڈاری اور جے۔ FUSTE نے اس پر نظر ثانی کی ہے۔ اس کا مقصد یہ بتایا گیا ہے کہ اس سے طلبا میں قومی یکجہتی کا احساس فروغ پائے گا، چنانچہ یہ کتاب اس مقصد کو بہت حد تک پورا کرتی ہے۔

بہرحال، یہاں ایک بیان غالباً نادانستہ طور پر شامل کیا گیا ہے جو ہماری خصوصی توجہ کا مستحق ہے۔ کثرت میں وحدت ہمارے سماج کی اہم خصوصیت ہے اور ہندستانی قومیت ہمارے گنگا جمنی ملے جلے کلچر کی عکاسی کرتی ہے، اور اپنے کردار میں سیکولر ہے۔ چنانچہ فاضل مصنفین نے (ص ۱۰۹) جو بیان پیش کیا ہے یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ آخر اس کی کیا ضرورت ہے اور اس کی کیا توجیہ کی جا سکتی ہے۔ درج ذیل سطریں ملاحظہ فرمائیں۔

"ویدک لٹریچر کا بڑا اثر یہ ہوا کہ وہ متحد کرنے والی طاقت بن گیا اور اس نے یہ ثابت کر دیا کہ وہ ہندستانیوں کی اکثریت کو ایک قوم میں سمونے کی صلاحیت رکھتا ہے (تاکیدی حصہ اضافہ)۔ کیا ان کے کہنے کا مفہوم یہ ہے کہ یہ صرف اکثریت ہے جو قوم کی تشکیل کرتی ہے اور یہ کہ اتحاد یا قومیت کی بنیاد مذہب پر ہے اور یوں غیر ہندو، ہندستان کے قومی دھارے (main stream) کا حصہ نہیں ہیں؟

جدید تاریخ کی کتاب (جے۔ کے۔ بھٹناگر اور آئی۔ آر۔ مہتا) پتامبر بک ڈپو، نئی دہلی ۱۹۷۹ء):

یہ کتاب NCERT کے نصاب پر تیار کی گئی ہے اور ہندستانی تاریخ کے قدیم عہد کو اپنے احاطے میں لیتی ہے۔ اس کی شروعات ابتدائی انسان کی زندگی سے ہوتی ہے اور یہ مہرشی دیو دمنی پر ختم ہوتی ہے۔

میرے خیال میں اس کتاب میں کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے، بہرحال، اس میں دو بیانات ایسے ہیں

جن پر توجہ دینے اور ازسر نو سوچنے کی ضرورت ہے۔

(۱) عوام کے دلوں میں اس بات کی زبردست خواہش کہ ملک کے طول و عرض میں ایک ہی
جاری و ساری ہو جائے (ص۱۵)

(۲) مہندر ورما کا نام، ہمیشہ تاریخ میں زندہ رہے گا کیونکہ اس نے بہت سارے عظیم الشان مند
اس عظیم اور طاقتور حکمراں نے یقینی کچھ اور کما لائق توصیف کارنامے انجام دیے۔

A Combined Text Book of History & Civics

(Fourth Revised Edition 1986)

ڈی۔ این۔ کندرا (گوئیل برادرس پرکاش نئی دہلی:

یہ کتاب درجہ ششم کے لیے لکھی گئی ہے اور یہ .N.C.E.R.T نئی دہلی کے تاریخ اور سماجیات
کے مطابق تیار کی گئی ہے۔

اسی کا تاریخی حصہ ہندستانی تاریخ کے عہد قدیم سے تعلق رکھتا ہے یعنی ابتدائی دنوں سے لے کر عہد
تک یہ کتاب خوش سلیقگی سے لکھی گئی ہے، اور میرے خیال میں اس میں کوئی ایسا قابل تنقید مواد نہیں ہے جس سے مختلف
آپس میں بغض و عداوت پیدا ہو اور جس سے فرقہ وارانہ اتحاد اور قومی ایکتا بری طرح اثر انداز ہو۔

X اور II ستیش چندرا۔ حصہ دوم۔ Medieval India

میں نے غایت درجہ دلچسپی سے اس کتاب کا مطالعہ کیا، اسے پڑھ کر خوشی ہوئی، اور میں اس کے وسیع
نقطہ نظر، فکر کی طہارت، اور عالمانہ تجزیے یا فیصلے سے جو کتاب کی خصوصیت بن جاتے ہیں بے حد متاثر ہوا۔
یہ کتاب خاصی مشہور ہے اور یہ اس لائق ہے کہ یہ بطریق احسن انسان دوستی، سیکولرزم، قومی یکجہتی
اور جمہوریت کے اقدار اور تصورات کو فروغ دے جیسا کہ NCERT چاہتی ہے۔

زیر تبصرہ جلد ۱۵۲۶ سے اٹھارویں صدی کے ابتدائی حصے تک کو اپنے دائرے میں لیتا ہے۔ پروفیسر ستیش
نے ان طاقتوں اور ان عوامل کو جنہوں نے عہد وسطیٰ میں ہندستانی سماج اور اس کی تہذیب کو ڈھالا تھا،
اور اس پر زیادہ سے زیادہ توجہ ڈالی ہے۔ مختلف علاقے اور مختلف مذاہب کے عوام کی خدمات پر جو انہوں نے
سماج اور تہذیب کی ترقی کی راہ میں انجام دی تھیں۔

History & civics (برائے درجہ ششم):

یہ کتاب N.C.E.R.T نئی دہلی نے زیر سرپرستی ایک ادارتی بورڈ کے جس کے چیرمین ہیں۔ ایس گوئل اور پروفیسر نورالحسن، پروفیسر ستیش چندرا، اور پروفیسر رومیلا تھاپر ممبر نے تیار کی ہے اس طرح سماجیات (civics) کا حصہ DR. D. C. MUL اور شری بی سی شرما نے تیار کیا ہے۔

یہ کتاب بڑی خوش سلیقگی اور خوش ادائیگی سے تحریر میں لائی گئی ہے تاکہ انسان دوستی، سیکولرزم، قومی یکجہتی، سوشلزم اور جمہوریت کی قدروں اور نظریوں کو بڑھاوا دیا جائے۔ یہ کتاب بھول چوک اور عصبیت سے پاک ہے کہ یہ باتیں عموم اسکول کی درسی کتابوں میں ملتی ہیں۔ یہ کتاب عہد قدیم کے ہندستان کو معروضی اور سائنسی انداز سے پیش کرتی ہے۔ اپنے بزرگوں کے کارنامے پر یہ معقول پسندانہ اور حق پسندانہ تفاخر کے احساس کی تعلیم دیتی ہے اس خوبی کے ساتھ کہ اس میں احیا پرستانہ قوم پرستی، یا عہد قدیم کے ہندستانی سماج کی کمزوریوں اور خامیوں پر لیپ پوت کرنے کا عمل نہیں ملتا۔

بہرحال اس میں کچھ غلطیاں اور کچھ فروگذاشتیں بھی ملتی ہیں۔ پیغمبر محمدؐ کے متعلق جو صفحہ ۱۳۸ میں یہ تحریر کیا گیا ہے "وہ اپنا رزق ان قافلوں میں کام کر کے حاصل کرتے تھے جو اجناس کو ایک مقام سے دوسرے مقام پر پہنچاتا تھا" اور یہ کہ "اس طرح انہیں ویران صحراؤں میں طول طویل سفر کرنا پڑتا تھا جس کے سبب انہیں غور و خوض کا خاصا وقت ملتا تھا" وہ غلط ہے۔ وہ اس طرح کے غور و فکر اور استغراق کے لیے غار حرا میں گوشہ نشیں ہو جایا کرتے تھے یہ بیان بھی اسی طرح صفحہ ۱۳۹ کہ "انہوں نے پہلے اپنے خاندان، اپنی زوجہ اور اپنے رشتہ داروں کو مشرف بہ اسلام کیا" غلط ہے۔ وہ لوگ جو ابتدا میں اسلام لائے ان میں ان کی زوجہ، خدیجہ، ان کے دوست ابوبکر ان کے بھتیجے علی اور ان کے خادم زید تھے جب کہ ان کے بیشتر رشتہ داروں نے مخالفانہ اور معاندانہ رویہ اختیار کر رکھا تھا۔

History and civics (برائے درجہ ھفتم):

یہ کتاب N.C.E.R.T کی بہم کردہ ہدایات کے عین مطابق تیار کی گئی ہے اس معروضیت اور ہوشمندی کے ساتھ جو اس درسی کتاب کی خصوصیت تھی جو درجہ ششم کے لیے تیار کی گئی تھی۔ تاریخ کے حصے میں قرون وسطیٰ کا جائزہ لیا گیا ہے اور سماجیات کے حصے میں یہ بتایا گیا ہے کہ ہم اپنا نظم کس طرح چلاتے ہیں، یعنی وہ دستور اور وہ حکومت جس کے زیر سایہ ہم رہتے ہیں۔

۔ بہرحال یہ بات حیرت انگیز نظر آتی ہے کہ اس کتاب میں جو پراز معلومات ہے اور جو کافی غور و فکر کے بعد لکھی گئی ہے کچھ ایسی فروگذاشتیں ملتی ہیں جن کے متعلق یہ تو نہیں کہا جا سکتا ہے کہ ان میں حقائق کو دبا دیا گیا ہے، تاہم وہ ایک متنازعہ فیہ شخصیت کی غلط تعبیر کو یقین میں بدلنے کی کوشش کرتی ہیں۔ جزیہ کا دوبارہ بحال کرنا (غیر مسلمانوں پر پول ٹیکس) اور اورنگ زیب

کے ہاتھوں مندروں کو مسمار کرنے کے واقعہ (ص۴۲) کو بیان کیا گیا ہے لیکن ضروری وضاحتوں کے ساتھ نہیں کیا گیا ہے
جزیہ ایک ٹیکس تھا جو ان لوگوں پر لاگو کیا جاتا تھا جو فوجی خدمات انجام نہیں دیتے تھے اور اسکا دائرہ اثر بہت ہی ہلکا تھا
بیماریوں، عورتوں، بچوں، حکومت کے معذوروں اور ناداروں کو اس ٹیکس سے خارج کر دیا گیا تھا اور مندر
جو مسمار کیے گئے تھے وہ مذہبی سے زیادہ سیاسی بنیادوں پر مسمار کیے گئے تھے۔ اورنگ زیب کی ہندو دشمنی کے سلسلے میں
جو عام غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں، انہیں دور کرنے کے لیے، اس بات کا حوالہ دینا چاہیے کہ اس نے مندروں کو عطیات دیے
کبھی کبھی خاص اپنی تحریر میں اپنی مہر کے ساتھ اور یہ کہ ہندو منصب داروں کی تعداد اس کے عہد میں اکبر کے عہد سے کہیں
زیادہ تھی، اور ہندو امراء میں مراٹھے نصف سے زیادہ تھے،

(برائے درجہ ہشتم)

زیر تبصرہ کتاب NCERT کے زیر اہتمام تیار کی گئی۔ یہ آج کے ہندستان کی تاریخ اور آزاد ہندستان کے کارہائے نمایاں
اور چنوتیوں پر بحث کرتی ہے۔ اسے پڑھ کر مجھے بڑی خوشی ہوئی اور اس نے مجھے یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ ہماری تاریخ اور سیاست
کا لب ولہجہ اور اس کا معیار کیا ہوتا اور وہ کتنا سمٹ جاتی اگر ہماری نسل کو ایسی غیر جانب دار اور متوازن تاریخ جدید ہندستان
کی پڑھنے کو ملتی۔ یہ تاریخی ارتقا کا تجزیہ افراد اور خاص خاص واقعات کے مطالعہ سے نہیں کرتی ہے۔ جیسا کہ ہم لوگوں نے اسکول
کے دنوں میں کیا تھا بلکہ تحریکوں اور اداروں کے مطالعہ کے ذریعے کرتی ہے۔

سماجیات کا حصہ روشن خیال شہریت کی ضرورتوں کو بحث میں لاتا ہے اور کل کے شہریوں کو ہمارے قومی مقاصد
اور جمہوریت، ہندستانی سماج اور ہمارے سماجی مسائل اور اقتصادی چنوتیوں، پنج سالہ منصوبے، بڑھتی ہوئی آبادی اور ترقی
اور آخر میں ہندستان کے دفاعی اور خارجہ پالیسی، ہمسایوں کے ساتھ تعلقات اور ہندستان اور U.N کے متعلق ہمیں آگاہ کرتا ہے
بہر حال میرے خیال میں کتاب میں ایک بڑی فروگذاشت رہ گئی ہے اور وہ ہے انتہا پسندوں کے کردار کے سلسلے
میں۔ انتہا پسند سیاست میں انتہا پسند تھے لیکن سماجی معاملات میں قدامت پسند اور احیاء پسند بھی تھے۔ اس کتاب کی قدر و قیمت
میں مزید اضافہ ہو جاتا، اور فرقہ پرستی، ذات پرستی، مقامیت اور جارحانہ وطن پرستی کے متعلق ہمیں صحیح ادراک حاصل
ہوتا گر حوالے دیے جاتے انتہا پسندوں کے اس رول کے متعلق جو انہوں نے احیاء پرستی کی تعلیم اور اسے بڑھاوا دینے کے
سلسلے میں انجام دیے، جس نے برطانوی راج کی شاطرانہ پالیسی کے ساتھ مل کر ایسے بیج بوئے کہ اس نے چالیس کے عشرے اور
آنے والے عشروں میں ایسی فصل پیدا کی جو سخت ضرر رساں تھی۔

یہ کتاب مڈل اسکول کے درجات کے لیے، تاریخ کی تین کتابوں کے سلسلے کی پہلی کتاب ہے۔ مصنف نے اس بات
شش کی ہے کہ وہ ماضی کے مطالعے میں طلبا کی دلچسپی اور ان کی شرکت کو زیادہ کریں اس طرح جہاں ممکن ہو، وہاں
نے کے لیے ماضی کو زندہ کریں کہ اس طرح ماضی کے واقعات آج کے حالات سے ہم رشتہ ہو جائیں اور یہ کام انہوں نے
د حسن و خوبی سے انجام دیا ہے۔

میرے خیال میں سماج کے مختلف حلقوں میں مصروفیت اور دوستانہ تعلقات کے زاویہ نگاہ سے اس میں کوئی
قابل اعتراض نہیں ہے۔ بہرحال، یہ بات بے محل نہیں ہوگی اگر یہ بتایا جائے کہ اشوک کی تعریف و تحسین اکبر کے
کام کو نظرانداز کر دیتی ہے کہ اس نے اپنی عظیم سلطنت کے مختلف فرقوں میں ہم آہنگی پیدا کی تھی (ص۵)۔ اسی طرح
شنکراچاریہ کے اس رول کو جو انہوں نے بدھ مت کے زوال یا انہیں آخری ضرب، پہنچانے کے سلسلے میں ادا کیا تھا
نظرانداز کر جاتی ہے، اور مٹھوں اور لائبریریوں کو جس پرجوش انداز سے انہوں نے تباہ کیا تھا مسلمانوں سے منسوب کر دیتی
ہے جو یقینی قابل گرفت عمل ہے۔

AN ILLUSTRATED HISTORY OF INDIAN BOOK

(Oxford University Press, 1977)

یہ کتاب عام درسی کتابوں سے بالخصوص ان کتابوں سے جو ۶۰ء کے عشرے تک رائج تھیں، ایک خوش آیند انحراف
ہے۔ یہ تقریباً چار سو سال کے عرصے کو اپنے احاطے میں لیتی ہے یعنی سولہویں صدی میں یورپی تجارتی بستیوں کے قیام کے
د سے ۱۹۴۷ء میں حصول آزادی کے وقت تک۔ یہ کتاب ہندستانی سیاست کی تاریخ کی ان درسی کتابوں میں ایک اور کا اضافہ
یں کرتی، جن میں بالعموم جنگجوؤں کی تفصیل، انتظامی اصلاحات اور دستوری ارتقا کا حال ملتا ہے، مصنف نے یہ سب
ی کیا ہے لیکن یہ اس غرض سے کیا ہے تاکہ وہ اس دور کی تاریخ کا یقین کرتے ہیں۔ اقتصادی، سیاسی، سماجی اور تہذیبی
امل کو ایک دوسرے کے پابند دکھائے ہیں۔ یہ کتاب جو بہ صورت دیگر قابل قدر تصنیف ہے اس میں مصنف کے یک طرفہ طریقہ فکر
ے لوگوں کو حیرت ہوتی ہے۔ وہ مختلف عقائد کے کارہائے نمایاں کو اجاگر کرنے میں ناکام ہے۔ خصوصیت کے ساتھ ہندستانی سماج کی نشوونما
تحریک آزادی میں مسلمانوں نے جو رول ادا کیا ہے اسے وہ احاطہ تحریر میں نہیں لے سکا ہے۔ مثال کے طور پر اس کتاب میں
ضرت محل، بخت خاں، بدرالدین طیب جی، محمد علی، شاہ نواز حتیٰ کہ مولانا آزاد کے نام کی تلاش [illegible]

جناب اشفاق علی
لکھنؤ

تاریخی کتب میں زہریلا مواد

چونکہ ساؤتھ ایشین ریجنل سمینار صوبہ بہار کے صدر مقام پر منعقد ہو رہا ہے۔ اسی لیے میں سب سے پہلے ایک ایسے حکمراں کے حالات پر مبنی کتاب کے سلسلہ میں گفتگو کرنے جا رہا ہوں، جس کا تعلق اسی صوبہ بہار کے مشہور مقام سہسرام سے تھا، یعنی شیر شاہ سوری۔ کتاب کا نام ہے "شیر شاہ اور اُس کا عہد"۔ مصنف کا نام ہے "کالکا رنجن قانون گو"۔ کتاب کے مترجم ہیں "سری رام آسرے شرما" (جنھوں نے زبان اردو میں ترجمہ کیا ہے)۔ اور اس کے ناشر ہیں ترقی اردو بورڈ کے اے۔ کے گھوش صاحب۔ آر۔ کے پورم نئی دہلی ترقی اردو بورڈ کا سلسلہ مطبوعات نمبر ۲۴۵ ہے۔

اس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۸۱ء میں نیشنل پبلشنگ ہاؤس انصاری روڈ نئی دہلی سے شائع ہوا ہے۔ کتاب کی طباعت کا مقصد اس کے پیش لفظ اور دیباچہ میں یہ بیان کیا گیا ہے:

> "اردو زبان کی ترویج و اشاعت کے لیے حکومت ہند و وزارت تعلیم و ثقافت کے تحت ماہرین سے جدید علوم پر ایسی کتابیں لکھوانا جو کہ زبان اور قوم کی ترقی میں معاون ثابت ہوں۔"

اب میں اس کتاب کے کچھ اقتباسات بطور نمونہ پیش کر رہا ہوں، جس کے ملاحظہ سے معلوم ہوگا کہ یہ کتاب اپنے مقاصد میں کہاں تک کامیاب ہے:

> "اگر ہم ایک صدی سے قبل شمالی ہند کے اسلامی ادب کے مرکزوں میں قیام کرنے والے عالموں کی زندگی کا مطالعہ کریں تو ہم یہ دیکھیں گے کہ زمانہ سلف کی بے ہنگم فضا میں عالم نسبتاً کہیں زیادہ آزاد، بے فکر اور لاابالی ہوتے تھے۔" ص ۹،

اس اقتباس میں علمائے سلف کے متعلق نامناسب تبصرہ کیا گیا ہے۔ یہ اقتباس بھی قابل ملاحظہ ہے:

> "روایت ہے کہ کسی موقع پر شیر شاہ کی زبان سے یہ الفاظ نکلے کہ اس کا پوتا نور خاں بن عادل خاں اپنے والد اور چچا سے زیادہ اس کا وارث بننے کا مستحق ہے۔ یہ ایک ایسی معمولی کمزوری تھی جس سے کہ رسول اللہؐ بھی مستثنیٰ نہ تھے۔" ص ۶۸۲

۲

ہم تاریخ کی دوسری کتاب "تاریخ شاہجہان" پیش کرتے ہیں۔

کتاب کا نام: ــــ "تاریخ شاہجہان"۔ مصنف کا نام: ــــ ڈاکٹر بینی پرشاد سکسینہ۔ مترجم کا نام:
...ممتاز حسین۔ اشاعت: ــــ ترقی اردو بورڈ کی طرف سے باشتراک انڈین کونسل آف ہسٹوریکل
...شائع ہوئی۔

...کتاب کے چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیں۔ جس میں شاہجہاں کی کردارکشی بے رحمی سے کی گئی ہے:

...برنیر (مستشرق عالم) کا الزام ہے کہ شاہجہاں کا ناجائز تعلق اپنی لڑکی جہاں آرا سے تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ
...بڑی لڑکی بہت خوبصورت تھی۔ اس کے اعضاءِ جسم نہایت دلکش تھے۔ اس کا باپ اس سے پُرجوش
...محبت کرتا تھا۔ افواہ یہ ہے کہ اس کی اُنسیت بڑھتے بڑھتے اس درجہ پر پہنچی جس کا ذکر کرنا .
..." ص ۲۸۶

...بات یہ ہے کہ ہندوستانی مورخ ایک یورپی مورخ کے حوالہ سے بات کرتا ہے۔ جو کہ مغلوں کو بدنام
...ام ہے۔

... " اس کا جواز ملاؤں کے فتوے پر تھا۔ یہ لوگ ماہرین قانونِ شریعت سمجھے جاتے تھے۔ ان
...یہ نامناسب ہوتا کہ بادشاہ کو اس درخت سے پھل حاصل نہ کرنے دیا جائے جس کو
...لگایا ہو۔" ص ۲۸۷

...علماءِ شریعت پر براہ راست حملہ کیا گیا ہے۔ اور انھیں کس قدر گھٹیا درجہ فتویٰ فروش ثابت

... " اگرچہ یہ امر قابلِ یقین ہے کہ شاہجہاں بے حد نفس پرستی کا دلدادہ تھا۔ اس کے ماننے کی
...کہ اس کی لڑکی مختلف ناجائز معاشقوں میں ملوث تھی۔ اس لیے اس کی نظر میں یہ بات قابلِ یقین
...ہے کہ باپ و بیٹی اتنے بداخلاق ہو سکتے ہیں۔ جتنا وہ موردِ الزام ٹھہرائے گئے۔" ص ۲۸۸
...جہاں آرا بنتِ شاہجہاں کے متعلق کتنے گرے ہوئے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔
..." منوچی کہتا ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاہجہاں کو صرف ایک فکر عورت کی تلاش کی رہتی
...یہ بھی لکھا ہے کہ جعفر خاں اور خلیل اللہ خاں امراء کی بیویوں سے شاہجہاں کے تعلقات ناجائز

تھے۔ یہ بات اتنی مشہور ہو گئی تھی کہ جب جعفر خاں کی بیوی باہر نکلتی تو بھکاری اس کو پکار کر کہتے، اے شاہجہاں کی داشتہ ہم کو بھی یاد رکھنا۔" ص ۲۸۵

ان الزامات کو پڑھنے کے بعد نئی نسلوں کے ذہن میں شاہجہاں کی کیا تصویر قائم ہوگی۔

اس سلسلے میں خود مصنفِ کتاب بینی پرشاد صاحب سکسینہ کی رائے بڑی اہمیت کی حامل ہے جو انھوں نے شاہجہاں کے متعلق قائم کی ہے :

"کوئی عیش پسند بدکار اس بلندی پر نہیں پہنچ سکتا۔ بحیثیت شاہزادہ وہ ہم کو فرض شناس معلوم ہوتا ہے۔ بحیثیت حکمراں اس نے اپنے دل و دماغ کے وہ جوہر دکھائے جو ایک بادشاہ کے شایانِ شان ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ وہ خون میں پیر کر تخت تک پہنچا تھا، لیکن وہ مہربان اور انصاف پسند بادشاہ تھا۔ قدرت نے اس کو غیر معمولی گرمی عمل، زبردست نکتہ رسی، شجاعت، ہمت اور سب سے بڑھ کر عدیم المثال محرکانہ قوت عطا کی تھی۔" ص ۲۸۹

آگے چل کر مصنفِ کتاب سکسینہ صاحب مغربی سیاحوں کے بیانات کو خود ہی تسلیم نہیں کرتے ہیں :

" ۱۷ ویں صدی کے نصف اوّل میں بڑی تعداد میں مغربی سیاح ———— ہندستان آئے۔ ان سیاحوں کو فوجی برتری کا وہم تھا۔ ہندستانیوں کیلئے وحشی کا لفظ ان کی زبانوں پر تھا۔ ان میں بہت سے ایسے تھے جن کو مستند سیاسی حالات کی آگاہی نہ تھی۔ اس لیے انھوں نے افواہ اور بازاری خبروں کا قلمبند کرنا کافی سمجھا۔ ان میں بعض تو کم تعلیم یافتہ اور نا اہل تھے۔ وہ صحیح زاویۂ نظر سے کام نہ لے سکتے تھے۔ جو سیاح تعلیم یافتہ اور بلند خاندانوں سے متعلق تھے، اُن میں ایک دوسرے قسم کا عیب تھا۔ یہ لوگ مغل حکومت اور ہندستانی اداروں کو اس نظامِ حکومت کی کسوٹی پر پرکھتے جو ان کے ذہنوں میں پہلے سے تھا۔ جب نتیجہ ان کی امیدوں سے کم نظر آتا تو معائب کو زیادہ اہمیت دیتے اور محاسن کو نظر انداز کر دیتے۔ میرا خیال ہے کہ ان سیاحوں کا بیان صداقت سے دور ہے۔" ص ۳۰

کیا اس متنازعہ اور غیر [illegible] مواد کے پڑھنے سے ہندستانیوں کے دلوں میں قومی یکجہتی اور محبت پیدا ہوگی یا اس کو پڑھ کر تاج محل کے خالق اور لال قلعہ کے معمار کے متعلق انتہائی نفرت انگیز بدگمانیاں جنم لیں گی۔

ہندستانی مو[illegible]ین سے میری درخواست ہے کہ وہ "تاریخ" ایسے مقدس موضوع کو متنازعہ، شبہات سے اور نفرت انگیز مواد سے پاک رکھنے کی کوشش کریں تاکہ ہندستانی تاریخ ہماری نئی نسل کو تعمیری ذہن عطا کر سکے۔

کٹر اخلاق اثر
بھوپال

مدھیہ پردیش کی درسی کتابوں میں دل آزاری

درسی کتابیں گرچہ استاد کے لیے تعلیمی مواد کے معیار و مقدار کا نمونہ ہوتی ہیں لیکن طلبہ کے لیے نئی معلومات
ریکارڈ ہونے کے علاوہ ایک ایسی شاہراہ کی طرح ہوتی ہیں جس پر تعلیم کا کارواں گامزن ہوتا ہے۔ ان کی حیثیت
ک میدان جیسی ہوتی ہے جہاں طلبہ مہارت زبان کی مشق کرتے ہیں۔ ان تمام خوبیوں کے باوجود درسی کتاب
ا حیثیت ایک ذریعہ سے زیادہ نہیں کہ تعلیم بغیر درسی کتاب کے بھی دی جا سکتی ہے۔

ہر برس تقریباً چار سو کروڑ روپے کی درسی کتابیں شائع ہوتی ہیں لیکن ابھی تک درسی کتابوں پر اس پایہ کی
قیق نہیں ہو سکی ہے جس کی وہ متقاضی ہے۔ ۱۹۴۷ء کے بعد سے مختلف زاویوں سے درسی کتابوں کا جائزہ لیا گیا
ہے۔ جہاں تک اردو اور اقلیتی مسائل کا تعلق ہے۔ ایک تحقیقی مقالے میں اردو اور ہندی کے الفاظ کا درسی
تب کے نقطۂ نظر سے، مطالعہ کیا گیا ہے۔ دوسرے مقالے میں درسی کتب میں اقلیتی فرقے کی زندگی کی جھلکیوں
جائزہ لیا گیا جو ناقابل اطمینان تھا۔

مولانا آزاد کے دورِ وزارت اور ڈاکٹر ذاکر حسین کے دورِ صدارت میں درسی کتابوں اور اقلیتی فرقے کے
سائل سے متعلق کئی وفود نے دونوں ماہرین تعلیم سے ملاقاتیں کی تھیں۔ مرکزی حکومت نے ۱۹۶۸ء میں غلام السیدین
میٹی تشکیل دی تھی جس کی رپورٹ شائع نہیں ہو سکی۔ اس کے بعد سری نگر میں قومی یکجہتی کانفرنس نے درسی کتابوں خاص
ر سے تاریخ کے موضوع پر قومی مفادات کو ملحوظ رکھنے پر زور دیا تھا۔ این۔ سی۔ ای۔ آر۔ ٹی نے قومی یکجہتی کے
نقطۂ نگاہ سے درسی کتابوں کا تجزیہ کروایا تھا اور ۱۹۸۶ء میں مدراس میں منعقدہ درسی کتابوں سے متعلق سہ روزہ
نفرنس میں درسی کتابوں کے جو بنیادی اور مرکزی عناصر لازم قرار دیئے تھے ان میں سیکولرزم اور مشترکہ تہذیبی سرمایہ
ے تحفظ کو بھی شامل کیا تھا۔ مہاراشٹر میں سرو دھرم سمبھاؤ کمیٹی نے بھی اسی نوعیت کا کام شروع کیا تھا جو بعض اسباب
ی وجہ سے پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔

ان ساری کوششوں کے علاوہ تمام ادارے جو درسی کتابیں شائع کرتے ہیں وقتاً فوقتاً کتابوں کا تجزیہ

کرواتے رہتے ہیں اور غیر ضروری، غیر حقیقی اور قابل اعتراض مواد کو نئے اڈیشنوں سے خ
کبھی کبھی درسی کتابوں میں قابل اعتراض مواد کم علمی یا لاعلمی کی وجہ سے راہ پالیتا ہے۔ کبھی کبھی دا
کا نتیجہ ہوتا ہے۔ ضروری نہیں کہ قابل اعتراض مواد اکثریتی فرقہ کا پیداوار ہو۔ کبھی کبھی ایک ا
میں بھی بعض تحریریں دل آزاری کا سبب بن جاتی ہیں۔ تہذیبی زندگی اور اس سے وا
علاوہ قومی نظریات، تاریخی واقعات، تاریخ کی تعبیر و تشریح اور عقائد کے اظہار میں مخ
فرقوں میں بدگمانیاں پیدا ہوتی ہیں جو کبھی کبھی مذہبی فسادات کی شکل میں تبدیل ہو جاتی ہیں
کا جائزہ لیں تو درج مواد کبھی فرقوں اور کبھی قومی نقطہ نگاہ سے قابل اعتراض قرار دیا جاتا ہے۔
پر اعتراض کیا گیا ہے۔

عقیدہ:۔ "وندے ماترم گا کر ہم مادر وطن کی تعظیم کرتے ہیں۔ مادر وطن ہمیں غذا دیتی ہے
چڑھاتی ہے۔ اس کے دیئے ہوئے جوش و ہمت کی وجہ سے ہم بڑے بڑے کارنامے ا
ہم ایک ہی ماں کی اولاد ہیں۔"

ڈاکٹر وسنے موہن شرما نے آٹھویں کلاس کی معاون مطالعہ میں مختلف مگر خطرناک
ٹرانسوال حکومت نے قانون پاس کیا تھا کہ ہندستانی سرکاری دفتروں میں
میں اپنا نام درج کروائیں گے۔ جو اس مقصد کے لئے درخواست نہیں دے گا اس کو مجرم ق
عائد کیا جائے گا، جیل میں ڈال دیا جائے گا یا جلاوطن کر دیا جائے گا۔ گاندھی جی سمجھ گئے کہ سرکا
گاندھی جی نے میٹنگ میں فیصلہ کیا کہ کوئی نام نہیں لکھوائے گا۔ نام نہ لکھوانے پر دو ماہ کے
کے ساتھیوں کے ساتھ گرفتار کروالیا گیا۔ گاندھی جی کو سمجھایا گیا کہ اگر وہ خوشی سے نام رجسٹ
تو اس قانون کو واپس لے لیا جائے گا۔ گاندھی جی راضی ہو گئے تو ان کو آزاد کر دیا گیا۔

"جیل سے چھوٹتے ہی انہوں نے ستیہ گرہیوں کا ایک جلسہ کیا اور سمجھوتے کی شرطوں کو
گئی ہے۔ ہماری جیت [illegible] ہے۔ اب آپ اپنی مرضی سے ایشیائی رجسٹر میں اپنا نام لکھوا سکے
"[illegible] کہتا ہے ہماری جیت ہوئی ہے؟ سامنے بیٹھا ہوا پٹھان میر عالم گرج اٹھا۔" نا
بات تو قائم رہی۔ گاندھی جی نے سمجھا کر کہا ہمیں اپنی مرضی سے نام درج کرانا ہے۔ سرکار زبردس

۱؎ مہاراشٹر کی تاریخ کی آٹھویں درجہ کی کتاب

تو آپ کیا کریں گے؟" پٹھان نے پوچھا۔

"میں تو نام درج کراؤں گا اور سب سے پہلے کراؤں گا" گاندھی جی نے جواب دیا۔ پٹھان جوش میں بولا معلوم ہوتا ہے آپ کو سرکار نے رشوت دے دی ہے۔ تبھی آپ نے ایسا غلط سمجھوتا کیا۔"

پٹھان کا شک بے بنیاد ہے اسے کوئی نہ مانے" یہ کہہ کر گاندھی جی جب جلسہ سے اٹھ کر جانے لگے تو پٹھان نے دھمکی دی "یاد رکھنا! میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جو نام درج کرانے جائے گا اسے میں موت کے گھاٹ اتارے بغیر نہیں چھوڑوں گا" چلتے چلتے گاندھی جی نے کہا "مجھے اپنے بھائی کے ہاتھوں مرنے میں خوشی ہوگی" نام درج کرا کر ہندوستانیوں کو ٹرانسوال میں رہنے کا اجازت نامہ لینا پڑتا تھا۔ حکومت نے اجازت نامہ حاصل کرنے کی مدت تین مہینے رکھی تھی۔

اجازت نامہ حاصل کرنے کے لئے گاندھی جی ایشیائی دفتر کے لئے روانہ ہوئے۔ راستہ میں میر عالم ملا۔ اس نے ہمیشہ کی طرح انہیں سلام نہیں کیا۔ وہ انہیں گھور رہا تھا۔ گاندھی جی نے خود اس سے پوچھا "کیوں خان کیسے ہو؟" خان نے خشک لہجہ میں جواب دیا "اچھا ہی ہوں" جب گاندھی جی دفتر کی طرف بڑھے تو میر عالم نے لپک کر پوچھا کہاں جا رہے ہو؟ گاندھی جی نے جیسے ہی کہا نام درج کرانے اور اجازت نامہ لینے، تبھی اس نے ان کے سر پر لاٹھی جما دی۔ گاندھی جی "ہرے رام" کہہ کر نیچے گر پڑے۔ اسی حالت میں خان کے ساتھیوں نے انہیں لاتیں لگائیں اور ڈنڈے برسائے۔

اس کے بعد ۳۰ جنوری ۱۹۴۸ کا بیان ملاحظہ فرمائیے:۔

۱۹۴۸ کو جنوری کی ۳۰ تاریخ تھی جمعہ کا دن تھا۔ شام رات کی جانب آہستہ آہستہ قدم بڑھا رہی تھی گھڑی نے پانچ بجا دیئے تھے۔ برلا ہاؤس کے صحن میں عوام کا ہجوم مہاتما گاندھی کی آمد کے انتظار میں تھا۔ پرارتھنا سبھا میں ان کی آمد کا وقت ہو رہا تھا۔

"باپو کو آج کیا ہو گیا! وہ تو کبھی تاخیر سے نہیں آتے۔ لوگ آپس میں کانا پھوسی کر رہے تھے۔ ذرا اپنی گھڑی تو دیکھو کہیں وہی تاخیر سے نہ چل رہی ہو" کچھ لوگ ہوشیار ہو کر بول رہے تھے۔ پانچ بج کر ۱۲ منٹ ہوئے۔ لوگوں نے دیکھا مہاتما جی لان میں دو لڑکیوں آبھا اور منو کے کاندھوں پر ہاتھ رکھے جلدی جلدی چلے آ رہے ہیں۔ کاندھے پر کھادی کی شال اوڑھے ہوئے ہیں۔ دلی میں کپکپانے والی سردی جو برس رہی تھی۔ وہ بہت لاغر دکھائی دے رہے تھے۔ وہ پرارتھنا کے مخصوص مقام پر آئے۔ لوگ ان کے قریب جلدی جلدی بڑھنے لگے۔ وہ ہاتھ جوڑے اسٹیج پر مشکل سے پانچ ہی سیڑھیاں چڑھے ہوں گے کہ ایک آدمی ہجوم میں سے لپکا اور اس نے پیر چھونے

کے انداز میں جھک کر ان کی چھاتی میں پستول تان دیا اور لگاتار تین فائر کیے۔ مہاتما جی کے منہ سے صرف "ہے را
نکلا اور بے ہوش ہو کر زمین پر گر گئے۔ لوگوں میں کھلبلی مچ گئی قاتل پکڑ لیا گیا۔ جنتا اس پر بری طرح ٹوٹ
تھی مگر پولس اسے کھینچ کر جلد ہی میدان سے باہر لے گئی۔

کتاب کی مشق میں میر عالم پر نوٹ ہے جو اس کی بے رحمی کو اور نمایاں کر دیتی ہے اور جب گاندھی
کے قاتل کا نام یا اس کا مذہب بیان نہیں کیا جاتا تو ذہن میر عالم کی طرف گھوم جاتا ہے۔

دورِ غلامی:- پروفیسر آل احمد سرور نے سیدین لکچر کے موقع پر فرمایا تھا کہ "مجھے یاد پڑتا ہے کہ ۱۵ اگ
۱۹۴۷ء کی رات کو جب میں لکھنؤ کی سڑکوں پر آزادی کا جشن دیکھ رہا تھا تو میرے کانوں میں دو علاحدہ نعرے گونج رہ
تھے۔ ایک جواہر لال نہرو کا کہ دو سو سال کی غلامی کے بعد آزاد ہو رہے ہیں۔ دوسرا پنڈت گووند ولبھ پنت کا
ہم ایک ہزار سال کی غلامی سے آزاد ہوئے ہیں حکومت جواہر لال نہرو کی تھی مگر بات پنت کی مقبول تھی۔

تو بھارتی حصہ اوّل میں ہلدی گھاٹی نظم شامل ہے جس سے ایک ہزار سال کی ہندستان کی غلامی کا
تصور پیدا ہوتا ہے۔ بعض مورخین نے ۱۷۵۷ء میں پلاسی کی شکست اور ۱۹۴۷ء میں آزادی کی درمیانی مدت یعنی
ایک سو نوے برس کو غلامی کا دور کہا ہے جو جواہر لال نہرو کے غلامی کے دو سو برس کی مدت کے قریب آ جاتا
ہے۔ درسی کتاب کے طور پر استعمال کی جانے والی بیشتر کتابوں میں پانچ سو سے ایک ہزار کی مدت کو دورِ غلامی
کہا گیا ہے اور اس وجہ سے درسی کتابوں میں ایسا مواد راہ پا گیا ہے مثال کے طور پر تو بھارتی حصہ دوم میں لکھا ہے:

"رانی درگاوتی جس نے ملک کی عزت پر آنچ نہ آنے دی۔ جانتی تھی کہ کسی نہ کسی دن مغل بادشاہ اکبر
کی گدھ جیسی نظر اس کے چھوٹے سے راجیہ پر پڑے گی۔ . . . اکبر کا لالچی جذبہ جاگ اٹھا۔"

اس اقتباس میں درگاوتی کے چھوٹے سے راجیہ کی جگہ لفظ ملک سے ہندستان کا تصور پیدا ہوتا ہے۔
شیواجی، مہارانا پرتاپ اور دوسرے راجاؤں کے واقعات کے بیان میں اکثر ایسا پیرایہ اختیار کیا گیا ہے جو جدل آزادی کا سبب بنا ہے۔

امتحان کا پرچہ اور اسلام:- مہاراشٹر اسٹیٹ بورڈ آف ایجوکیشن ایک سرکاری ادارہ ہے جو سال میں
دو بار امتحانات منعقد کرتا ہے۔ ۱۷ اکتوبر ۱۹۸۷ء کے بارہویں درجے کے امتحان میں انگریزی پرچے کا سوال نمبر درج ذیل ہے:

"یہ صحیح ہے کہ بعض اوقات مذہب اتحاد کی بنیاد بنتا ہے مگر بعض اوقات انتشار کی بھی وجہ بن
جاتا ہے اور ایشیائی قوم پرستی کے تعلق سے اسلام اسی قسم کا دوہرا کردار ادا کرتا ہے۔ ہندستان میں
جناح اور اس کے حامیوں کا اصرار تھا کہ مسلمان ایک قوم ہیں لہٰذا انھوں نے پاکستان کا مطالبہ کیا اسے

حاصل بھی کیا۔ پاکستان کے دو بازو تھے یعنی مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان۔ دونوں بازو ایک دوسرے
سے ہزاروں میل کی دوری پر واقع تھے۔ اس کے باوجود یہ تصور کر لیا گیا کہ اسلام اتنا طاقتور ہے کہ دونوں
بازوؤں کو ایک دوسرے سے منسلک رکھ سکتا ہے۔ لیکن بعد میں تاریخ نے اس تخیل کو غلط ثابت کیا۔
مشرق وسطی میں بہت سے عرب رہنماؤں نے عرب اور شمالی افریقہ پر مشتمل ایک مسلم ریاست قائم
کرنے کی کوشش کی مگر ان علاقوں کے مسلمانوں میں سیاسی اور دیگر اختلافات پائے جانے کی وجہ سے اس
مقصد کو حاصل کرنے میں کامیابی نہیں ہوئی۔ درج بالا اقتباس پر پانچ سوالات قائم کئے گئے تھے:۔

(۱) افرو ایشیائی قوم پرستی کے ضمن میں اسلام کون سا دوہرا کردار ادا کرتا ہے؟ (۲) جناح اور اس کے حامیوں
کا دعوی کیا تھا؟ (۳) تاریخ نے اسے بعد میں کیا ثابت کیا؟ (۴) مشرق وسطی میں عرب لیڈروں کے کیا عزائم تھے؟
(۵) مشرق وسطی میں ایک مسلم ریاست کے قیام کی کوشش کیوں ناکام ہو گئی؟

ابوالکلام آزاد نے بھی مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان کے دیرپا اتحاد پر شک کا اظہار کیا تھا۔ امتحان
کے پرچے میں نزاعی مسائل کی جگہ معروضی طرز کے سوالات کو ترجیح دینا پسند کیا گیا ہے۔

سوالات کے نمونے:۔ مدھیہ پردیش اسٹیٹ بورڈ آف ایجوکیشن نے مختلف مضامین میں "Question
بینک" شائع کئے ہیں۔ ان میں انگریزی کے تعلیمی مواد میں تقریباً خط اور درخواست لکھنے کے دس سوالات و
جوابات درج کئے گئے ہیں۔ ان میں سے ہر سوال میں لکھا گیا ہے کہ فرض کرو کہ تم فلاں ہو اور فلاں کے نام اس مضمون
کا خط یا درخواست لکھو۔ ان میں تمام خطوط ایک فرقے کے افراد کے ذریعہ اسی فرقے کے افراد کے نام تحریر کئے
گئے ہیں۔ ان خطوط اور درخواست کے مطالعہ سے محسوس ہوتا ہے کہ ایک ہی فرقہ کے افراد اس علاقے میں آباد
ہیں اور یہ کہ دوسرے فرقوں کو نظر انداز کیا گیا ہے۔

یکساں سرورق:۔ بعض ریاستوں میں درسی کتابوں کے یکساں سرورق شائع کئے گئے ہیں اور ان پر
بنی تصاویر سے گنگا جمنی تہذیب کی نمائندگی نہیں ہوتی۔ مہاراشٹر کی اردو کی پہلی کتاب میں بنی تصویر پر دو بچے مراٹھوں
کے تہذیبی لباس میں مراٹھی کی پہلی کتاب پڑھ رہے ہیں جب کہ مدھیہ پردیش کی پہلی کتاب کے سرورق پر تصویریں مشترکہ
تہذیب کی نمائندگی نہیں کرتیں۔

چند تجاویز:۔ ہمارا دور درسی کتب کے ذریعہ سے تعلیم کا دور ہے۔ رسمی تعلیم تو رسمی تعلیم غیر رسمی تعلیم
میں بھی درسی کتب استعمال کی جا رہی ہیں۔ اس لئے درسی کتب میں معیار بندی کی چند تجاویز پیش کی جا رہی ہیں:۔

(۱) نصاب اور درسی کتاب کی اشاعت سے قبل مسودات کا حصول، قومی نقطۂ نظر سے ان کا
منفی پہلوؤں پر علمی انداز سے بحث اور ضروری تبدیلی۔ (۲) ایک خاص سطح سے درسی کتابوں میں مختلف
کے افراد کے نام شامل کئے جائیں۔ (۳) تصویروں میں بھی مشترکہ تہذیب کا خیال رکھا جائے۔ (۴) او
شواجی، مہارانہ پرتاپ اور گرو گوبند سنگھ نے رواداری سے بھی کام لیا تھا اور دوسرے فرقوں کے
بھروسہ بھی کیا تھا ایسے افراد اور واقعات کو نمایاں کیا جائے اور ان کی یادگاریں بھی قائم کی جائیں۔ تاکہ ا
فرقہ وارانہ تنظیمیں اورنگ زیب، شواجی، مہارانہ پرتاپ اور گرو گوبند سنگھ کا اپنے نظریات کی تشکیل
نہ کر سکیں۔ (۵) مدراس میں منعقد ہوئی سہ روزہ کل ہند درسی کتب کانفرنس میں ایک ہی مضمون پر ایک
کی جگہ مختلف زاویوں سے لکھی ہوئی کتابوں کے مطالعہ اور ایسی کتابوں کی تیاری کی وکالت کی گئی تھی۔ تاریخ
میں دور غلامی کی مدت کے بارے میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ اس لئے کانفرنس کے فیصلے پر نظر ثانی
محسوس ہوئی۔ (۶) مسلمان بادشاہوں کی خدمات مختلف شکلوں میں قائم کی جائیں تاکہ یہ یاد دلا
ہم صرف دو سو سال کی غلامی کے بعد آزاد ہوئے ہیں۔ (۷) سارس ممالک سے متعلق مضامین تاکہ تعلقا
بنیاد مضبوط ہو۔ (۸) تاریخ کی کتب لکھنے اور خاص طور سے انداز بیان کے لئے N.C.E.R.T ورکشاپ
کرے اور مختلف صوبوں کی N.C.E.R.T کو بھی متوجہ کرے۔

ڈاکٹر سید حامد حسین
۸۴/۴ پروفیسرز کالونی، بھوپال ۲-۴۶۲۰۰

مدھیہ پردیش کی درسی کتب میں مسلم تاریخ کی یک طرفہ ترجمانی

مدھیہ پردیش کے اسکولوں میں پہلے درجے سے دسویں درجے تک پڑھائی جانے والی ساری کتابیں حکومت مدھیہ پردیش کے محکمۂ تعلیم کی جانب سے تیار کی جاتی ہیں اور انھیں ایک سرکاری ادارہ مدھیہ پردیش ٹیکسٹ بک نگم چھاپ کے شائع کرتا ہے۔ زبانوں کے مطالعے سے متعلق بعض کتابوں کو چھوڑکر باقی سب کتابیں بنیادی طور پر ہندی زبان میں تیار کی جاتی ہیں اور انگریزی یا اردو میں پڑھائے جانے کے لیے ان کا انگریزی یا اردو ترجمہ اسکولوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔

تاریخ کا مطالعہ چھٹے درجے سے "ساماجک ادھین" یا سماجی تعلیم کے مضمون کے تحت شروع کیا جاتا ہے۔ اور ہندستان پر اسلامی اثرات اور مسلم حکمرانوں کی حکومت کا مطالعہ ساتویں درجے سے داخل نصاب ہے۔ ساتویں درجے کے طالب علم کی عمر اوسطاً گیارہ سال کی ہوتی ہے اور بچہ ذہنی اعتبار سے ایک نہایت نازک مرحلے پر ہوتا ہے۔ یہی وہ عمر ہے جہاں سے اس کے ذہنی رویے کی تشکیل ہوتی ہے اور اگر خصوصی احتیاط نہ برتی جائے تو وہ غیر متوازن رجحانات کا شکار ہو سکتا ہے۔ درسی کتب اور اساتذہ کی رہبری اس کے ذہنی رویے کو بنانے میں خاص طور پر معاون ہوتی ہیں۔ لہٰذا بچوں کے ذہنی رجحان کو متعین کرنے میں درسی کتب اور اساتذہ دونوں کا ایک اہم کردار ہوتا ہے۔

لیکن جب ہم مدھیہ پردیش کے اسکولوں میں تاریخ کے مطالعے کے لیے داخلِ نصاب کتابوں پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں یہ اندازہ ہوتا ہے کہ انھیں اس احتیاط اور ذمہ دارانہ احساس کے ساتھ تیار نہیں کیا گیا ہے جس کی ضرورت تھی اور اس کے نتیجے میں سیکولر، غیر جانبدارانہ اور قومی ہم آہنگی پر مبنی جس رجحان کی تشکیل پر توجہ دی جانی چاہیے اس کے امکانات معدوم ہوتے نظر آتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ مڈل اور سیکنڈری اسکول کی تعلیم کی اس سطح پر کوئی بھی موضوع پوری تفصیلات کے

ساتھ پڑھانا ممکن نہیں۔ لہٰذا ان درجوں کے لیے درسی کتب کو تیار کرتے وقت مصنفین کو تفصیلات کا انتخاب کرنا پڑتا ہے اور یہ طے کرنا پڑتا ہے کہ طالب علموں کو موضوع کے کن اہم پہلوؤں سے متعارف کیا جائے۔ کن تفصیلات کو پیش کیا جائے، یہ طے کرنا بڑی اہم بات ہے۔ تاریخ کی کتابوں میں یہ مسئلہ بعض خاص پیچیدگیوں کا حامل ہے۔ بعض حقائق پر بار بار روشنی ڈال کر اور بعض دوسرے حقائق کو نظر انداز کر کے ہم ایک بالکل جداگانہ تاثر پیدا کرتے ہیں۔ حکومت مدھیہ پردیش کے ذریعہ ساتویں درجے کے لیے جو تاریخ کی درسی کتاب تیار کی گئی ہے اس میں بھی حقائق کی اس ایک طرفہ پیش کش کی مثالیں جابجا نظر آتی ہیں۔ مثلاً

"محمود کو مندروں کے نشٹ کرنے سے ایک اور لابھ بھی ہوا۔ اس نے مورتیوں کو توڑا۔ اس سے وہ دھارمک نیتا بھی بن گیا اور مسلم جگت میں سمان کی درشٹی سے دیکھا گیا"[۱]

"وہ اسلام کا بھی کٹر انویائی تھا (پیرو) اور دھرم پرچار کے لیے اس میں نیا جوش تھا... اس نے مندروں میں جمع سونے، چاندی اور بہومولیہ رتنوں کو لوٹا اور انھیں نشٹ کیا۔ ہر دھاوے کے بعد وہ مندروں اور نگروں کی اتل سمپتی (بے پناہ دولت) کو لوٹ کر نگروں کو اجاڑ کر مندروں تتھا مورتیوں کو نشٹ کر غزنی لوٹ گیا...."[۲]

اس کے بعد محمود کے حملوں کے نتائج پر بحث کرتے ہوئے نہ صرف یہ بتایا گیا ہے کہ "دیش کے کئی سندر مندر اور کلاکرتیاں ہمیشہ کے لیے نشٹ ہو گئیں" بلکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ:

"کشمیر کے انیک ہندوؤں کو بل پورک (جبراً) مسلمان بنایا گیا۔ انیہ ترکی وجیتاؤں نے اسلام کے پرتی ہندوؤں کے من میں گھرنا بھاؤ (نفرت کا جذبہ) پیدا کیا"[۳]

ترکوں کی کامیابی کے اسباب کا جائزہ لیتے ہوئے تحریر کیا گیا ہے:

"راجپوت دھرم یدھ دوارا ہی وجے کرنا چاہتے تھے۔ لیکن ترکوں نے سادھنوں کے نیتک (اخلاقی) پہلو پر دھیان نہ دے کر کیول وجے کو اپنا لکشیہ (مقصد) بنایا۔ اس لیے یدھ میں چھل کپٹ سے بھی کام لینے میں وہ نہ چوکے"[۴]

گویا یہ لڑائیاں حکومت اور اقتدار کی لڑائیاں نہیں بلکہ حق اور باطل کی لڑائیاں تھیں اور راجپوتوں نے حق شناسی کا پورا پورا ثبوت دیا جب کہ ترکوں نے سارے غیر اخلاقی ذرائع استعمال کیے۔

۱- "سماجک ادھین"۔ درجہ ۷، (بزبان ہندی) حصۂ تاریخ مرتبہ جے، پی، چوبے مدھیہ پردیش پاٹھیہ پستک نگم۔ بھوپال ۱۹۸۴ء

۲- ایضاً ص ۲۰-۲۱ - ۳- ایضاً ص ۲۲ - ۴- ایضاً ص ۲۶ -

ہندستان کی تاریخ کو صرف غیرمسلموں کے مفادات کو بنیاد بنا کر دیکھنے اور پرکھنے کا یہ انداز اس
...ی کتاب کا غالب رجحان ہے۔ چنانچہ ہندوؤں پر مسلمان حکمرانوں کی زیادتیوں کا بار بار ذکر کرنا ضروری سمجھا گیا ہے
...والدین خلجی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا گیا ہے:

"علاء الدین کے سمے ہندو جب تب دد روہ (مخالف) کر بیٹھتے تھے۔ انھیں دبانے کے لیے سلطان نے ان پر کروں (ٹیکسوں) کا ایسا بوجھ لاد دیا کہ وہ سر اٹھانے کی فرصت بھی نہ پا سکے۔ لگان اپج کا آدھا کر دیا مویشیوں کی چرائی اور کسان کے مکان پر بھی کر لگا دیا۔ اس لوٹ کی نیتی سے دھنی ورگ کے ہندو بھی اجڑ گئے اور نمن ورگ (نچلے طبقے) کے لوگ کنگال ہو گئے![1]"

...روز شاہ خلجی کے عہد میں علما کی حکومت میں اہمیت کو بھی اسی پیمانے سے ناپا گیا ہے۔

"شاسن میں ملا اور مولوی کا پربھاؤ بڑھ گیا جس سے ہندوؤں پر اتیا چاروں (مظالم) کی وردھی (زیادتی) ہوئی۔[2]"

...سلاطین کے عہد کے مجموعی جائزے میں بھی مذہبی زیادتیوں کی جانب خاص طور پر توجہ دلائی گئی ہے بلکہ انھیں ...ان سلاطین کے زوال کی ایک وجہ بتایا گیا ہے۔ چنانچہ لکھا گیا ہے:

"دلی کے ترک راجیہ کا ادیشیہ اسلام کا پرچار کرنا تھا۔ مسلمانوں نے کبھی لالچ دے کر اور کبھی بل پوروک (جبراً) لوگوں کو اسلام دھرم اپنانے کے لیے بادھیہ (مجبور) کیا۔ ان کے مندروں اور نگروں کو نشٹ کیا۔ ان پر جزیہ (ایک پرکار کا کر جو غیرمسلم کو دینا پڑتا تھا) لگایا۔ انھیں شاسن اور سینا (فوج) میں اونچی نوکریوں سے ونچت (محروم) رکھا۔ اس کے علاوہ انھوں نے لوٹ کھسوٹ مچائی اور عام جنتا کی بھلائی کے لیے کوئی کاریہ نہیں کیا۔ تب بھلا اس کے سمرتھن اور سہولتوں کے الجھاؤ میں ترک راجیہ کتنے دن چل سکتا تھا۔[3]"

سلاطین کے قانونی نظام پر بھی اسی نقطۂ نظر سے تبصرہ کیا گیا ہے:

"قاضی حدیث کے انوسار نیائے کرتے تھے۔ اتہ (لہٰذا) ہندوؤں کے ساتھ پرایہ (اکثر) انیائے ہوتا تھا۔[4]"

ہندو سماج پوری طرح پریشانیوں میں الجھا ہوا تھا:

"ہندوؤں کا سماجک جیون ان کی پرادھینتا (غلامی) کے کارن بڑا شوچنیہ (قابل افسوس) تھا۔

۱۔ ساماجک ادھین۔ درجہ ۷۔ (بزبان ہندی) حصۂ تاریخ مرتبہ جے پی چوبے مدھیہ پردیش پاٹھیہ پستک نگم۔ بھوپال ص ۳۱۔ ۳۲۔ ۲۔ ایضاً ص ۳۵۔ ۳۔ ایضاً ص ۳۹۔ ۴۔ ایضاً ص ۴۵۔ ۴۶

وہ مسلمانوں سے ہین (حقیر) سمجھے جاتے تھے۔ انھیں شاسن اور سینا میں اونچی نوکریاں نہیں دی جاتی تھیں۔ اوپر سے اپنی جان مال کی رکھشا کے لیے انھیں راجیہ کو جزیہ کر (ٹیکس) دینا پڑتا تھا۔ مندر بنوانے تھا اپنے دھرم پالن کی بھی انھیں سوتنترتا نہیں تھی[1]،،

مسلمانوں کے تعلق سے ہندو سماج میں برائیاں ہی پیدا ہوئیں۔

"ترکوں کے پربھاو سے ہندو سماج میں بھی استریوں کا مان (عزت) کرمشہ (رفتہ رفتہ) گھٹنے لگا۔ ان میں بال دواہ 'پردہ پرتھا' کا چلن بڑھا۔ راج گھرانوں اور دھنی ورگوں میں بہو وواہ (کئی بیویاں رکھنا) رو کھک ہونے لگا۔ ان پرتھاؤں کے کارن استریوں کی ساماجک استھتی بہت گرگئی۔ اونچی جاتیوں کو چھوڑ کر انیہ (دوسری) جاتیوں میں 'ودھوا وواہ' (بیوہ کی شادی) طلاق، سواچھا (اپنی اپنی پسند) سے وواہ کا چلن تھا تھا ان میں پردہ کی پرتھا نہیں تھی[2]،،

مذہبی حالت کے جاننے میں ایک بار پھر مسلمانوں کی بت شکنی اور جبر زبردستی کو یاد دلایا گیا ہے:

"دلی کے ترکی سلطان اسلام کے کٹر انویائی (پیرو) تھے۔ اس لیے انھوں نے ہندوؤں کے مندروں اور مورتیوں کو بھنگ کیا تھا انھیں طرح طرح کے پرلوبھن (لالچ) دے کر اور بل پریوگ کر کے مسلمان بننے کے لیے بادھیہ (مجبور) کیا۔ انیک نردھن لوگوں نے کروں (ٹیکسوں) کی مار ہلکا کرنے کے لیے تھا شودروں اور اچھوتوں نے ہندو سماج کی کٹرتا کے کارن سواچھا (اپنی مرضی) سے اسلام دھرم گرہن کر لیا[3]،،

مغل بادشاہوں کے مختصراً ذکر کے بعد شیواجی مراٹھا راج پر تفصیلی بحث دی گئی ہے شیواجی کے خاص مقاصد بیان کرتے ہوئے تحریر کیا گیا ہے:

"ان کے راجیہ کا ادیشیہ (مقصد) ہندو سوراجیہ کی استھاپنا اور ہندو دھرم، برہمن اور گو (گائے) کی رکھشا کرنا تھا۔ شیواجی کے راجیہ کا ادیشیہ سوراجیہ کی استھاپنا اور ہندو دھرم ایوم (اور) سنسکرتی کی گھوشنا تھا سنرکھشن کرنا تھا۔ انھوں نے دکشن کے سلطانوں اور سمراٹ اورنگ زیب کے اتیاچاروں سے پیڑت نظام سے تڑپتی جنتا کے دھارمک جوش کا اپیوگ (استعمال) کیا۔ پرنتو مسجدوں کو نہ کبھی توڑا نہ کبھی قرآن کا اپمان کیا۔ اس بھانتی انھوں نے اپنی دھارمک اُدارتا کی نیتی سے انیک مسلمانوں کو بھی پرسنّ کر لیا[4]،،

ا۔ ساماجک ادھین۔ دو جے سے۔ (بزبان ہندی) حصہ تاریخ مرتبہ جے پی چوبے مدھیہ پردیش پاٹھیہ پستک نگم بھوپال۔ ص ۴۷
۲۔ ایضاً ص ۴۸۔ ۳۔ ایضاً ص ۴۹۔ ۴۔ ایضاً ص ۱۲۰۔

(مس)لمانوں کو ہندستانی تاریخ سے کس طرح الگ رکھنے کی کوشش کی گئی ہے اس کی ایک اور مثال درسی کتب (م)یں شامل جدوجہد آزادی کی داستان ہے۔ ہندستانی تاریخ کے اس اہم دور کو آٹھویں درجے کے سماجی تعلیم (س)اماجک ادھین) اور نویں اور دسویں درجے کی تاریخ کے مضمون کا حصہ بنایا گیا ہے۔ لیکن اس تین سالہ (ن)صاب میں کہیں جنگ آزادی میں شامل اہم مسلم رہنماؤں پر کوئی نوٹ شامل نہیں۔ یہاں تک کہ آٹھویں درجے (کی) ساماجک ادھین اور دسویں درجے کے اتہاس میں آزادی ملنے سے قبل کے حالات کا ذکر کرتے ہوئے (بھ)ی مولانا ابوالکلام آزاد کا نام کہیں دکھائی نہیں دیتا۔ بلکہ نویں درجے کی تاریخ کی کتاب میں تو یہ عبارت ملتی ہے:

"اس سمے مسلم لیگ کا نیترتو (قیادت) راشٹریہ وچار دھارا کے مولانا عبدل ابوالکلام آزاد (کذا)۔ حکیم اجمل خاں، ڈاکٹر انصاری، ڈاکٹر کچلو، سید محمود اور آصف علی کر رہے تھے۔ ۱۹۱۶ء میں لکھنؤ میں مسلم لیگ اور کانگریس کا ادھی ویشن ہوا جس میں مسلمانوں نے انگریزوں کے ورُدھ (خلاف) آندولن میں کانگریس کا ساتھ دینے کا وچن دیا۔ اسے ہی لکھنؤ سمجھوتہ کہتے ہیں۔۔۔۔ اس میں کانگریس نے راشٹریتا (قومیت) کے سدھانت کا بلیدان کر دیا۔ سامپردایک (فرقہ وارانہ) پرتی ندھتو (نمائندگی) کے وشے (موضوع) میں کانگریس اپنے کو دھوکے میں ڈالے ہوئی تھی۔ آرمبھ میں ہی یدی اس برائی کو نہ بڑھنے دیا ہوتا تو یہ لیگ پاکستان کی مانگ نہ کرتی۔ واستو میں لکھنؤ سمجھوتہ کانگریس دوارا مسلم لیگ کو سنتشٹ کرنے کے لیے کیا گیا تھا۔"[۱]

اس عبارت سے طالب علم کے ذہن میں یہ غلط فہمی پیدا ہونے کا پورا امکان ہے کہ وہ سارے مسلمان رہنما جن کا نام لیا گیا ہے وہ ہندستان کی تعلیم کے مخالف اور پاکستان کے حق میں تھے۔ اس رویے کے پیش نظر پھر سرسید احمد خاں اور ڈاکٹر اقبال کے بارے میں درج ذیل اقتباسات پر تو کسی قسم کے اعتراض کی گنجائش نہیں رہ جاتی: سرسید احمد خاں کے بارے میں نویں درجے کی تاریخ میں لکھا گیا ہے:

"سن ۱۸۸۵ء میں کانگریس کی استھاپنا سے اس کا (انگریز سرکار کا) بھے (خوف) اور بھی بڑھا۔ بھارتیوں میں پھوٹ ڈالنے کی درشٹی سے برٹش سرکار کی نیتی مسلم سامپردایکتا (فرقہ واریت) کو پروتساہت (حوصلہ افزائی) کرنے کی ہوگی۔ اپنی ادیشیہ (مقصد) کی پورتی کے لیے اس نے سدھاروادی مسلم نیتا سرسید احمد خاں کو بھی اپنے پکش (حق) میں کر لیا۔"[۲]

۱۔ "اتہاس ایوم ناگرک شاستر" درجہ ۹، حصہ "اتہاس (بزبان ہندی)، مدھیہ پردیش پاٹھیہ پستک نگم بھوپال۔ ۱۹۸۷ء ص ۷۹۔۔۔۸۰ ۲۔ "اتہاس ایوم ناگرک شاستر" [illegible]

اسی کتاب میں ڈاکٹر اقبال کا تعارف ان الفاظ میں کرایا گیا ہے۔

"سر محمد اقبال نے بھارتیہ مسلمانوں کے لیے ایک پرتھک (جداگانہ) راشٹر کی کلپنا کی تھی.... سر محمد اقبال ایک داشنک (مفکر) اور مہان کوی تھے جن کی نظم کی یہ کمت (مندرجہ ذیل) پنکتیاں (اشعار) ہر بھارت واسی کے زبان پر تھیں "سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا * ہم بلبلیں ہیں اس کی یہ گلستاں ہمارا"
ان کے دوارا مسلمانوں کے لیے ایک پرتھک راشٹر کی کلپنا سے دیش بھر کے سوتنترتا پریمی لوگوں کو بڑا دھکا لگا۔"[1]

آخر میں میں ایک اور درسی کتاب سے دو اقتباسات پیش کر کے واضح کرنا چاہوں گا کہ مسلم تاریخ کو غیر جانب دارانہ انداز سے پیش کرنے کی کس طرح کوشش کی جاسکتی ہے اور انھیں موضوعات کو جنھیں انگریز مورخین نے فرقہ وارانہ بے اعتمادی کی فضا پیدا کرنے کے لیے استعمال کیا ہے، متوازن اور معروضی انداز سے کس طرح پیش کیا جاسکتا ہے۔

نیشنل کونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ (این سی۔ ای۔ آر۔ ٹی) نے سنٹرل اسکول کے گیارہویں اور بارہویں درجوں کے لیے تاریخ کی جو کتابیں تیار کی ہیں۔ ان میں سے دو ہندوستانی تاریخ کے مسلم دور سے تعلق رکھتی ہیں۔ انھیں کی پہلی جلد میں پروفیسر ستیش چندر، محمود غزنوی اور شہاب الدین غوری کا مقابلہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ان میں سے کسی کو اسلام سے سروکار نہ تھا۔ جو حاکم ان کے آگے ہتھیار ڈال دیتا وہ اسے اپنے علاقے پر حکومت کرنے دیتے، یہ الگ بات ہے کہ بعض دوسری وجوہ سے اس کی سلطنت کو پورا یا جزوی طور پر اپنی عملداری میں شامل کرنا پڑے۔ محمود اور شہاب الدین دونوں نے ہندو افسروں سے کام لیا لیکن دونوں میں سے کسی نے اپنے مقاصد کے لیے اور نہ ہی ہندوستانی شہروں اور مندروں کی لوٹ مار کے لیے اسلام کا نعرہ لگایا۔" (انگریزی سے ترجمہ)[2]

سلاطین کے عہد میں مندروں اور ہندو مذہب کے جانب رویے پر تبصرہ کرتے ہوئے پروفیسر ستیش چندر نے تحریر کیا ہے:

"ہندوؤں، جینیوں وغیرہ کی عبادت گاہوں کی جانب ان کی پالیسی شریعت کے مطابق تھی جو اسلام کے مقابلے میں نئی عبادت گاہوں کی تعمیر کی ممانعت کرتی ہے۔ لیکن اس نے پرانے مندروں کی مرمت کی اجازت دی کیوں کہ عمارتیں ہمیشہ نہیں چلتیں۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ گاؤں میں جہاں اسلام پر عمل نہیں ہوتا تھا مندروں کے قیام پر کوئی ممانعت نہیں تھی اور نہ ہی گھروں میں۔ لیکن جنگ کے زمانہ میں یہ کھلے دل والی پالیسی نہیں اپنائی جاتی۔ اس وقت اسلام کے دشمن چاہے وہ انسان ہوں یا

۱۔ اتہاس ایوم ناگرک شاستر۔ درجہ ۱۰۔ ص ۲۵۔ ۲۔ SATISH CHANDRA, MEDIEVAL INDIA, PART-I (TEXTBOOK FOR CLASSES XI-XII), NCERT, 1978 p. 40

دیوتا۔ ان سے جنگ کر کے ان کو تہ و بالا کر دیا جاتا تھا" (ترجمہ[1])

...ے قطع نظر کرکے کہ مورخ نے کن شہادتوں سے یہ نتائج لگائے ہیں، مورخ کا رویہ بالکل واضح ہے کہ وہ تاریخ
...ذہن کے تاریک گوشوں میں روشنی بہم پہنچانے کے لیے استعمال کرنا چاہتا ہے۔ اس کی یہ خواہش نہیں ہے کہ
ان تاریکیوں میں اور اضافہ کرے۔ تاریخ جس معروضیت اور غیر جانبداری کی ضرورت مند ہے اسے ایک علمی مقصد
...ے ساتھ ساتھ ایک قومی مقصد کی حیثیت سے تسلیم کیا جانا چاہیے اور تاریخ کو غلط فہمیوں، بے اعتمادیوں، جانبداریوں
...ہوا دینے کا آلہ بنانے کی بجائے اسے حالات کو صحیح پس منظر میں سمجھنے اور جذبات پر منطق اور مصلحت پر علمیت کی
...لادستی کو برقرار کرنے کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔ یہ ذمہ داری اس وقت اور بھی بڑھ جاتی ہے جب درسی کتب
...یار کرانے کا کام سرکار نے خود اپنے ہاتھ میں سنبھالا۔ مدھیہ پردیش کے اسکولوں میں رائج اس قسم کی درسی کتب
...لمی اور قومی دونوں اعتبار سے ایک تشویش ناک صورت پیش کرتی ہیں اور ان میں ترمیم و اصلاح کی بہت زیادہ گنجائش ہے۔

---

1. SATISH CHANDRA, MEDIEVAL INDIA, PART-I (TEXTBOOK FOR CLASSES XI-XII), NCERT, 1978 p. 40

نصابی کتابوں میں تبدیلی، فسطائیت کا پہلا عمل

ہندستان کی تاریخ کو مسخ کرنا فرقہ پرستی کے نظریہ کا اہم عنصر تھا۔ تاریخ کو مسخ کرنے کی سازش پر برطانوی دورِ حکومت سے ہی عمل ہو رہا ہے۔ تاریخ کے نصاب کا جائزہ لینے والوں کا خیال ہے کہ برطانوی حکمرانوں نے ہی تاریخ کو فرقہ وارانہ رنگ دینے کی مہم شروع کی تھی، اس کے علاوہ ہماری جدوجہد آزادی کے ابتدائی دور میں ہندستانی قوم پرستی کے بعض پہلوؤں سے متاثر مورخین نے بھی تاریخ کو مسخ کیا ہے۔

ملک کی آزادی سے پہلے ہی قوم پرست مورخین نے تاریخ میں کی گئی ان تبدیلیوں کو درست کرنا شروع کر دیا تھا اور ملک کی آزادی کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔

تاریخی معلومات کا عمومی بلکہ واحد ذریعہ وہ نصابی کتابیں ہوتی ہیں جو ریاست کے تعلیمی عہدے دار اسکولوں کے لئے منتخب کرتے ہیں۔ نصابی کتابوں کی اسی اہمیت کے پیش نظر پچھلی دو تین دہائیوں کے دوران فرقہ وارانہ نقطۂ نظر سے تاریخ کی نصابی کتابوں کو نجات دلانے کی کوشش تو کی گئی ہے اور اس کے خاطر خواہ نتائج بھی برآمد ہوئے ہیں، مگر ۱۹۷۰ء کے آخری حصّہ میں اس عمل کو پلٹنے کی منظم کوشش کی گئی تھی۔

نصابی کتابوں کی تیاری کے لئے نیشنل کونسل آف ریسرچ اینڈ ٹریننگ (این سی ای آر ٹی) کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا گیا ہے۔ اس ادارہ نے تاریخ کی کئی نصابی کتابیں تیار کی ہیں، یہ کتابیں ممتاز مورخین نے لکھی ہیں۔ یہ کتابیں بالعموم سیکولر اور سائنٹفک انداز فکر کی حامل ہیں۔

این۔ سی۔ ای۔ آر۔ ٹی نے تاریخ کی تعلیم کے لئے دیگر مواد کا جائزہ لینے اور اس میں کی گئی تبدیلیوں کو دور کرنے کے لئے بھی ایک پروگرام شروع کیا ہے۔ سیکنڈری درجہ تک استعمال کی جانے والی نصابی کتابیں عام طور سے ریاستی حکومت کے مختلف ادارے تیار

کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ بعض پرائیوٹ پبلشروں کی کتابیں بھی نصاب میں شامل کی جاتی ہیں۔ نصابی کتابوں کی تیاری اور طباعت میں جاری کرپشن اور دوسری لعنتوں کو ختم کرنے کیلئے کافی کوششیں کی گئی ہیں، مگر اس کے باوجود ریاستی اداروں اور پرائیوٹ پبلشروں کی شائع کی ہوئی نصابی کتابوں کے معیار میں کوئی خاص بہتری نہیں آئی ہے۔ کچھ عرصہ قبل ریاستوں میں ماہرین تعلیم نے نصابی کتابوں کا جائزہ لیا تھا۔ ان کی رپورٹ کے مطابق ملک میں استعمال کی جانے والی نصابی کتابوں کا معیار اطمینان بخش نہیں ہے۔ کتابوں کا جائزہ لیتے وقت یہ پیمانہ طے کیا گیا تھا کہ یہ دیکھا جائے کہ ماضی کے واقعات کو معتبر اور باوثوق حقائق کی بنیاد پر پیش کیا گیا ہے۔ نیز جو حقائق بیان کئے جارہے ہیں، وہ غلط نہ ہوں اور ان سے فرقہ وارانہ ذات پات اور علاقائی تعصبات کو فروغ حاصل نہ ہو۔

ایک ریاستی سکنڈری ایجوکیشن بورڈ نے پرائیوٹ پبلشروں کی بارہ کتابوں کو نصاب میں لگانے کی سفارش کی تھی۔ یہ تمام کتابیں غیر معیاری تھیں، اس لئے انھیں نصاب سے خارج کرنے کا مشورہ دیا گیا۔

تاریخ کی بدترین نصابی کتابیں دہلی اور بعض دیگر ریاستوں میں استعمال کی جاتی ہیں۔ یہ کتابیں بالعموم پرائیوٹ اسکولوں کے نصاب میں شامل ہوتی ہیں، زیادہ تر پرائیوٹ اسکول ریاستی تعلیمی بورڈ سے ملحق ہیں، مگر بورڈ نصابی کتابوں کے معیار کا جائزہ نہیں لیتا۔ اسکولوں کو آزادی ہوتی ہے کہ وہ من پسند کتابیں استعمال کریں۔

لاعلمی ہی علم ہے

دہلی کے پرائیوٹ اسکولوں میں استعمال کی جانے والی نصابی کتابوں کے ذریعہ بچوں کو تاریخ کا جو علم دیا جاتا ہے، اس کی کچھ مثالیں پیش کرنا مناسب ہوگا۔

ذات پات کے نظام کے بارے میں ایک نصابی کتاب میں کہا گیا ہے: اس (ذات پات کے نظام) سے ہندو مذہب اور کلچر کی بقاء میں کافی مدد ملی۔ اس کی وجہ سے خون کی پاکیزگی اور اخلاقیات کا اعلیٰ معیار برقرار رہا۔"

ہندستانی تاریخ پر جغرافیہ کے اثرات کے بارے میں کہا گیا ہے: "اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ شمال و جنوب کی اس تقسیم سے علیحدگی پسند رجحانات پرورش پائے ہیں مگر اس سے ہمیں فائدہ بھی ہوا ہے۔ خطرہ کے وقت اس نے شمال کے کلچر کے تحفظ کیلئے "حفاظتی خطہ" کا کردار ادا کیا ہے۔ جب بھی مسلمانوں نے شمالی ہند میں ہندوؤں پر جبر و تشدد کیا تو وہ اپنی جان بچانے کے لئے جنوب کی طرف فرار ہوگئے۔ اس طرح ہندو کلچر، ادب اور مذہب کو محفوظ رکھا جا سکا۔ یہ سب کچھ ست پوڑہ اور وندھیاچل کی پہاڑیوں کی موجودگی کی وجہ سے ممکن ہو سکا۔"

آریائی نسل کے بارے میں نصابی کتاب میں کہا گیا ہے۔ "آریائی نسل کو دنیا کی اعلیٰ ترین اور مہذب نسلوں میں شمار

کیا جاتا ہے ۔۔۔ ہندستان، انگلینڈ، ایران، جرمنی، اسپین، فرانس وغیرہ کے زیادہ تر لوگ آریائی نسل کا ہونے پر فخر محسوس کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ان کی رگوں میں آریاؤں کا خالص خون رواں ہے۔"

تاریخ کو مسخ کرنے کی بدترین کوشش ہندستانی قرون وسطیٰ کی تاریخ کے نصاب میں کی گئی ہے۔ زیادہ تر نصابی کتابوں میں اس پوری مدت کو غیر ملکی مسلم حکمرانوں اور ہندو رعایا کی کشمکش کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ زیادہ تر کتابوں کے ذریعہ نوجوان ذہنوں کو یہ تاثر دیا گیا ہے کہ مسلمانوں کا مطلب ہی یہ ہے کہ وہ دوسرے مذاہب کو برداشت نہیں کر سکتے۔ یہاں اس طرح کے بعض اقتباسات کو نقل کرنا مناسب ہوگا۔

محمود غزنوی کے بارے میں کہا گیا ہے: "محمود ایک لٹیرا تھا۔ وہ ہندستان میں اپنی حکومت نہیں قائم کرنا چاہتا تھا۔ وہ بہت لالچی تھا۔ وہ پکا مسلمان تھا۔ اس نے مندروں کو ڈھایا اور ہندوؤں کو قتل کیا۔"

اکبر کے بارے میں کہا گیا ہے: "حالانکہ وہ مسلمان تھا مگر اس نے اپنی ہندو رعایا کو مذہب اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا۔"

اورنگ زیب کے تعلق سے کہا گیا ہے: "اس نے اپنی حکومت کے سارے مالی وسائل اپنے مبلغین کے حوالے کر دیے ۔۔۔ ہندوؤں کے لیے حکومت کی ملازمت کے دروازے بند کر دیے گئے تھے۔"

شواجی کے تعلق سے کہا گیا ہے: "اپنے ملک اور مذہب کو غیر ملکی غلامی کے جوئے سے نجات دلانے کا خیال ان کے ذہن میں پیدا ہوا، اور انھوں نے ساری زندگی اس مقدس فریضہ کے لیے وقف کر دی ۔۔۔ ان کے شکر گزار انھیں بھگوان کا اوتار مانتے ہیں۔ آج بھی عظیم ہمالیہ سے لے کر کیپ کرون تک طاقتور ہندو فرقہ کی نبض اس عظیم مرہٹہ لیڈر کا نام سن کر تیز ہو جاتی ہے۔

توہمات بطور تاریخ

آخری اقتباس ۔۔۔ آر۔ سی۔ مجمدار کی کتاب "مختصر تاریخ ہند" سے ہے جو پہلے ۱۹۲۸ء میں شائع ہوئی تھی جس کا ۴۳واں ترمیم شدہ ایڈیشن ۱۹۷۰ء میں شائع ہوا ہے۔ یہ کتاب اب بھی ملک کے بعض حصوں میں نصاب میں استعمال کی جاتی ہے۔ اوپر جن کتابوں کا حوالہ دیا گیا ہے، ان کے مصنفین میں صرف مجمدار ہی پیشہ ور مورخ ہیں۔ دیگر مصنفین تاریخ کی تعلیم ان پڑھے ہیں اور انھوں نے معمولی لسانی تبدیلی کے ذریعہ دوسری نصابی کتابوں کو نقل کر دیا ہے مگر اس انداز سے جیسے یہ سب مسلمہ تاریخی حقائق ہیں۔

ڈاکٹر مجمدار بھارتیہ ودیا بھون کی گیارہ جلدوں والی "ہندستانی عوام کی تاریخ اور کلچر" نامی کتاب کے جنرل

...یٹر ہیں۔ اس کتاب کی تیاری کے پروگرام سے کئی عالم وابستہ تھے، مگر ان سب میں ایک قدر مشترک تھی، وہ ایک طے شدہ ...ہ وارانہ فریم ورک میں کام کر رہے تھے۔

اس کتاب کی پہلی جلد (ویدک دور) کے دیباچہ میں ڈاکٹر مجمدار نے کہا ہے:

"اس جلد میں وہ تصویر پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے جسے ہندو تہذیب کی سحر کہا جا سکتا ہے... دوسری دو جلدوں میں اس کی (ہندو تہذیب کی) صبح کی بھرپور عظمت، دوپہر کی شان و شوکت کی منظر کشی کی گئی ہے۔ چوتھی جلد میں زوال پذیر دن کے سائے نظر آنے لگتے ہیں۔ جبکہ پانچویں میں شب کا اندھیرا طاری ہو چکا ہے۔ اسکے بعد جہاں تک ہندو تہذیب کا تعلق ہے، شب کا تاریک اندھیرا ہے۔ یہ ایسی تاریکی ہے جو آج بھی چھائی ہوئی ہے۔"

...م کے سائے سے کھیا وید حملہ کا حوالہ دیا گیا ہے اور دہلی سلطنت کے قیام کو رات کی تاریکی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چھٹی جلد (دہلی ...سلطنت) کے دیباچہ میں مجمدار لکھتے ہیں:

"ہندستانی تاریخ میں پہلی مرتبہ دو اہم فرقے اور کلچر ایک دوسرے کے مقابل تھے۔ ہندستان پہلی مرتبہ مستقل طور پر دو یونٹوں میں تقسیم ہو گیا۔ ان دو فرقوں میں ایک دوسرے سے میل ملاپ یا قریبی مستقل تال میل کی گنجائش نہیں تھی۔ ہندستان اس وقت جس مسئلہ سے دوچار ہوا، وہ آنے والے چھ سو برسوں تک کیلئے اتنا پیچیدہ اور الجھا ہوا ثابت ہوا کہ ہندستان کی تقسیم کے باوجود بھی حل نہیں ہو سکا۔ اس کے لئے (ہندستان کے لئے) برطانوی حکومت کا قیام ایک طرح کی غیر ملکی غلامی کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔"

...ریخ پر حملہ

مجمدار کے خیالات پر مبنی ان طویل اقتباسات کو پیش کرنے کا مقصد پوری طرح سے یہ واضح کرنا ہے کہ فرقہ پرست ...رخین ہندستان کی تاریخ کو کس نظر سے دیکھتے ہیں۔ اس فرقہ وارانہ تاریخ کو کالجوں اور یونیورسٹیوں کے نصاب میں شامل کرنے ...لائق سمجھا گیا اور جنتا پارٹی کے دور حکومت میں تو اسی نقطہ نظر سے ان کا تمام زبانوں میں ترجمہ کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

نصابی کتابوں میں مسخ شدہ تاریخ کی شمولیت ریاستی حکومتوں کے باقاعدہ فیصلہ کا نتیجہ نہیں تھی، ایسے مسخ شدہ ...حقائق تو ان کتابوں میں بھی شامل ہیں جو قومیائے ہوئے اداروں نے شائع کی ہیں۔

تاریخ کے فرقہ وارانہ نقطہ نظر کو تھوپنے کی منظم کوشش پہلی مرتبہ ۱۹۷۷ء میں جنتا پارٹی کی حکومت بننے کے ...ی گئی۔ (اس حکومت میں جن سنگھی شامل تھے) اسی وقت این سی ای آر ٹی کی تیار کی ہوئی بعض نصابی کتابوں کو نصا... ...ے خارج کرنے کی کوشش کی گئی تھی اور یہ کہا گیا تھا کہ این سی ای آر ٹی کی کتابیں "ایسا نقطہ نظر پیش کرتی ہیں جو ملک

درس وتدریس اور تعلیم میں معروف تھے۔ وہ جنگلوں میں رہتے تھے، جبکہ دوسرے لوگ شہری زندگی گذار رہے تھے، سڑک، سمندر اور دریائی راستوں سے دور دراز تک تجارت کرتے تھے۔ آج کا ہندستان بھی ایسا ہی ہے گاؤں ہیں جب کہ شہروں کی تعداد چھ سو ہے۔ دونوں کے معیار زندگی میں فرق ہے، حالانکہ دونوں ہی زندگی قدروں کے حامل ہیں۔

بھارتیہ جنتا پارٹی حکومت نے حال ہی میں ہائی اسکول اتہاس، بھاگ ایک کے نام سے جو نصاب کی ہے، اس میں اس "تحقیق" کو شامل کیا گیا ہے۔

ہندستانی کلچر کیا ہے؟

نصابی کتاب میں تبدیلی کی ضرورت علانیہ سے زیادہ "حب الوطنی" کے جذبہ سے متاثر ہے، اس کا بھی ہے کہ اب یہ پرچار کیا جا رہا ہے کہ ہندستان کے کلچر اور تہذیب کے اصل خالق تو آریہ ہی ہیں۔ یہ کہا جا رہا ہے کہ میں جو کلچر پیدا ہوا، جو بنیادی طور پر ہندو کلچر ہے، وہی اصل ہندستانی کلچر ہے، بعد میں جو کچھ ہوا وہ تو غیر ملکی جارحیہ ہے جسے پوری طرح سے مسترد کر دینا چاہئے، جو لوگ جن کے آباء و اجداد مقامی باشندے نہیں تھے اور ان کا کلچر جو قد کا جزو نہیں ہے، وہ ہندستانی کلچر نہیں ہے۔

ایک اخباری نامہ نگار نے اتر پردیش کے وزیر تعلیم سے سوال کیا تھا کہ آریائی ہندستانی تھے اگر کا ثبوت موجود ہے تو اسے پہلے نصابی کتابوں میں کیوں شامل نہیں کیا گیا۔ انھوں نے جواب دیا "یہ سابقہ حکو فاش غلطی تھی۔ دراصل اسے نصاب میں شامل کرنا ان پارٹیوں کے انتخابی حساب وکتاب کے خلاف ہوتا کیونکہ ان آریہ، ہندو دھرم، شیو، درگا، شیواجی اور رانا پرتاپ کی بات کرنی پڑتی۔ اس سے کافی لوگ خاص طور سے ناراض ہو جاتے اور انھیں ووٹ بینک کھونا پڑتا۔"

آریائی قوم کا وطن ہندستان بتانے اور اسے ہندوازم، اس کے دیوی دیوتاؤں اور بعض تاریخی کردا سے جوڑنے کا مقصد یہ جتانا ہے کہ جو پوری طرح سے مقامی نہیں ہیں، وہ ہندستانی نہیں ہو سکتے ہیں۔

مقامی لوگ ہی اصل ہندستانی ہیں، اور جو مقامی نہیں ہیں وہ کم ہندستانی ہیں، اسی تھیوری کی مدھیہ پردیش کی کانگریسی حکومت راجپوتوں کے دباؤ میں آگئی تھی کہ این سی ای۔ آر۔ ٹی کی ایک کتاب کے ان پر سیاہی پھیر دیے، جس میں یہ کہا گیا تھا کہ راجپوت دراصل ایک غیر ملکی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس کتاب میں گیا تھا کہ یہ غیر ملکی نسل دراصل دوسری صدی قبل مسیح سے چھٹی صدی عیسوی کے دوران ہندستان

آباد ہوگئی تھی۔

مورخ آر۔سی۔مجمدار نے ہندستانی تہذیب کی "سحر" سے لیکر دہلی سلطنت کے قیام تک یعنی دسویں صدی عیسوی
شب تاریک" تک احاطہ کیا ہے۔ ان کے لیے برطانوی سامراجی حکومت کا قیام اسی "شب تاریک" کا تسلسل ہے۔
ایک غیر ملکی حکومت کی جگہ دوسری غیر ملکی حکومت قائم ہوگئی۔ سنگھ پریوار نے "شب تاریک" کی تاریکی کو پندرہ
برس کی طوالت عطا کر دی ہے۔

بی۔جے۔پی کی قومی تاریخ کانفرنس نے تاریخ کی نصابی کتاب مرتب کرنے کے لیے جو اصول متعین کیے ہیں،
میں حسب ذیل ہدایات بھی شامل ہیں:

"سکندر اعظم کے حملہ سے لے کر برطانوی غلامی سے نجات تک کی طویل مدت، ہندستانی مزاحمت کی شاندار روایتوں سے بھری پڑی ہے۔ عام طور سے اس مزاحمت اور اس کے لیڈروں کو ان کے حقیقی پس منظر کے ساتھ ابھارا جائے۔ ان سے وابستہ قوم پرستی، قومی افتخار اور قومی کردار کو ابھارا جائے، تاکہ طالب علموں کے ذہن میں ہماری قوم اور ملک کی یکجہتی کے دفاع کا احساس پیدا ہو۔"

سنگھ پریوار کی طلبا اور ٹیچر تنظیموں نے جو میمورنڈم دیا ہے، اس میں جو مانگ کی گئی ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

"پچھلے ڈھائی ہزار برس میں غیر ملکی حملہ آوروں کے خلاف ہندستان کی جدوجہد آزادی میں مکمل اور غیر جانبدار تاریخ پڑھائی جائے۔ شاید اس جدوجہد آزادی میں ٹیپو سلطان (اور دیگر ایسے راجاؤں) سے آزادی بھی شامل ہوگی جو انگریزوں نے ہمارے لیے حاصل کی تھی۔"

میمورنڈم میں کہا گیا ہے کہ:

"بھگوان کی کرپا سے ٹیپو کو اقتدار سے بے دخل کیا گیا اور ویڈیار حکومت کا تسلسل قائم ہوا۔"

بھی تاریخ کی کتابوں کو "جدوجہد آزادی" کے اس نئے پس منظر کے ساتھ از سر نو مرتب کرنے کا کام تو نہیں کیا گیا۔
یہ نصابی کتابوں میں اوراشر وغیرہ کرکے "نسلی صفائی" کا ہندستانی انداز ہوگا) مگر نصابی کتابوں میں بعض تبدیلیاں
ضرور کر دی گئی ہیں۔

تحریک آزادی کی تاریخ

چانکیہ نے پورے بھارت کو ایک قوم کی حیثیت سے منظم کرنے کی سعی کی تھی۔ اس مقصد سے ایک بیان بھی
نصاب میں شامل کیا گیا ہے۔ اشوک اعظم سے متعلق باب میں تین جملوں کا اضافہ کیا گیا ہے۔ یہ جملے ہیں:

"یہ بات نوٹ کرنے کے لائق ہے کہ اتنی بڑی سلطنت قائم کرنے کے باوجود، اشوک نے اپنے فر
صرف ایک رسم الخط (براہمی)، صرف ایک زبان (پاکتی سنسکرت) میں ہی کندہ کرائے۔ یہ اس دور کے قوم
کی علامت ہے۔"

اگر ان جملوں کے مصنفین کو پتہ چل گیا کہ اشوک اعظم نے اپنے فرمان خروسٹھی، آرامی (سامی) اور یونانی میں بھی کندہ
تو وہ اسی کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں اشوک اعظم کو بھی غیر محب وطن قرار دے دیں گے۔

بابر اور بابری مسجد کے متعلق تاریخ کی کتابوں میں اتر پردیش کی بی۔ جے۔ پی حکومت نے جو تبدیلیاں کی ہ
حصولیابی کی حیثیت سے بلیسٹ نہیں کی ہے بلکہ خاموشی سے تبدیلیاں کر دی گئی ہیں۔ "ہائی اسکول اتہاس بھاگ دو" :
میں بابر کے متعلق جو باب شامل تھا اس سے یہ تاثر قائم ہوتا تھا کہ "بابر مذہبی معاملات میں روادار تھا۔ اس کا حوالہ نکال
اسی باب میں مغلوں کی مذہبی پالیسی کے بارے میں ایک نیا بیان شامل کیا گیا ہے، جو اس طرح ہے :

" بابر کے ایک مقامی حاکم کر باقی (میر باقی کیوں نہیں لکھا گیا) نے ایودھیا میں ایک منہدم مندر کی
مسجد تعمیر کی۔ حالانکہ یہ ڈھانچہ متنازعہ ہے، پھر بھی ہندو اسے مندر مانتے ہیں۔

یہاں جس ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کیا گیا ہے وہ حیرت انگیز ہے۔ رام یا وشنو مندر کہنا تو دور کی بات، یہ بھی نہیں کہا گیا
کی تعمیر کے لیے مندر کو منہدم کیا گیا۔

بیسویں صدی کی جد وجہد آزادی کے باب میں اضافی مواد شامل کیا گیا ہے۔ یہ مواد سبھاش چندر بوس اور
بھیم راؤ امبیڈکر کے بارے میں ہے۔ اس کے علاوہ تین صفحات آر۔ ایس۔ ایس کے بانی کیشو راؤ ہیڈگیوار کے بارے م
کیے گئے ہیں۔ ان کے تین صفحات میں بتایا گیا ہے کہ کیسے ہیڈگیوار نے محبان وطن کے دلوں کو جیت لیا اور کیسے قومی رہ
ان کی تعریف کی۔

جیسا کہ پہلے کہا گیا نصابی کتابوں کو از سر نو مرتب کرنے کا کام پورا نہیں کیا گیا ہے۔ مگر تاریخ و ثقافت پر کتاب
کرکے شائع کرنے کے لیے ایک کمیٹی تشکیل دے دی گئی ہے۔

نئی کتابیں کیسی ہوں گی اور اس میں کیسا مواد شامل کیا جائے گا، اس کا اندازہ ان کتابوں سے لگایا جا
ہے جو سنگھ پریوار کی ایک تنظیم کے اسکولوں (شیشو مندر) میں پڑھائی جاتی ہیں۔ ان اسکولوں کی چوتھی اور پانچویں
میں جو تاریخ کی کتاب پڑھائی جاتی ہے اس میں قومی مزاحمت کا ذکر سکندر کے حملے سے شروع ہوتا ہے۔ ان
کتابوں میں اشتعال انگیز زبان میں ان شکستوں کا ذکر کیا گیا ہے، جو "ہندستانیوں" نے سکندر کے بعد سے تمام غ

حملہ آوروں کو دیں۔

بعض مثالیں پیش خدمت ہیں:

" پرتھوی راج نے محمد غوری کو ہلاک کیا' غوری کی لاش پرتھوی راج کے قدموں پر ایسے پڑی تھی جیسے اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کر رہی ہو۔ قطب مینار سمدرا گپت نے تعمیر کرایا تھا اور اس کا اصلی نام "وشنو استمبھ" ہے۔ پیشوا مادھو راؤ کے تحت ہندستان آزاد ملک بن گیا۔"

انداز تحریر کا اندازہ لگانے کے لئے بعض جملوں کا ترجمہ حاضر ہے:

" سینکڑوں بدمعاش راکھشش ہمارے ملک کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتے تھے۔ لاتعداد لٹیرے اور حملہ آور اپنی بڑی بڑی فوجوں کے ساتھ آئے۔ بہت سے فاتح عالم ہونے کے دعویدار کی حیثیت سے آئے مگر انھیں بھاگنے پر مجبور ہونا پڑا۔ کچھ نے پورے بھارت پر حکومت قائم کرنے کی کوشش کی مگر انھیں ساری زندگی میدان جنگ میں گذارنی پڑی۔ یہ بیچارے ایک رات بھی سکون کی نیند نہیں سو سکے۔ کچھ نے ہندو دھرم کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کا ارادہ کیا مگر خود انھیں اکھاڑ پھینکا گیا۔"

" اس کے بعد وہ حملہ آور آئے جن کے ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے میں قرآن تھا۔ تلوار کے بل پر لاتعداد ہندوؤں کو زبردستی مسلمان بنایا گیا۔ آزادی کی لڑائی ایک مذہبی لڑائی بن گئی۔ لاتعداد لوگوں نے مذہب کے لئے اپنی جانیں قربان کر دیں۔ ہم ایک کے بعد دوسری جنگ جیتتے گئے۔ ہم نے کبھی بھی غیر ملکی حکمرانوں کو چین سے بیٹھنے نہیں دیا مگر ہم اپنے سے جدا ہوئے بھائیوں کو پھر سے ہندو نہیں بنا سکے...."

" ان ہزاروں برسوں میں لاکھوں غیر ملکی آئے، مگر ان میں سے ہر ایک کو شرمناک شکست سے دوچار ہونا پڑا... ان میں سے کچھ کو ہم نے ہضم کر لیا... جب ہم متحد نہیں تھے تو ہم پہچان نہیں سکے کہ کون ہمارا ہے اور کون پرایا۔ اس لئے ہم انھیں اپنے میں جذب نہیں کر سکے جو ہم سے جدا ہو گئے تھے۔ ان میں سے کچھ لوگ آج بھی مغل، پٹھان اور عیسائی ہیں۔"

ان کتابوں کے ذریعہ جس حب الوطنی کا درس دیا جا رہا ہے اس سے متعصب نسل تیار ہو گی۔ حال ہی میں مدھیہ پردیش حکومت نے ان سنگھی اسکولوں کو ریاستی حکام کے چنگل سے آزاد کر دیا ہے، اور انھیں پانچویں اور ساتویں جماعت کے بعد الگ سے امتحان لینے کا اختیار دے دیا ہے۔ گویا اب وہ ریاستی تعلیمی بورڈ کے تحت نہیں بلکہ سنگھی اسکولوں کا بورڈ الگ ہے۔

سنگھی تعلیمی بورڈ

مدھیہ پردیش کے ہائر ایجوکیشن گرانٹ کمیشن نے ایک نئی نصابی کتاب "بھارت کی سانسکرت وراثت" کے نام سے تیار کی ہے۔ اس کتاب کے مطابق ہندستان دنیا کی سب سے قدیم اور مالا مال ثقافت ہے۔ اس کتاب میں بھی اس "حقیقت" کو اجاگر کیا ہے کہ آریائوں کا اصل وطن ہندستان ہے۔ مگر مصنف اس بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہتے کہ آریائی اور دراوڑ دو الگ الگ نسل ہیں یا محض نسلی گروہ۔ وہ گونڈ، بھیل اور سنتھال کو بھی دراوڑ مانتے ہیں۔

ہندستان کے ماضی کے تعلق سے بعض اور "تحقیقات" بھی کی گئی ہیں، جنھیں دیگر علوم کی کتابوں میں ٹھونسا جارہا ہے۔ اپریل ۱۹۹۲ء میں ویدک علم الحساب پر الہ آباد میں ایک ورکشاپ ہوئی تھی جس کی "تحقیقات" کو سیکنڈری سطح پر علم الحساب کے نصاب میں لازمی قرار دے دیا گیا ہے۔ اگلے برس سے انجینئرنگ کالجوں میں اسے لازمی مضمون قرار دینے کی تجویز ہے۔

اس ورکشاپ کے شرکاء میں سے ایک نے کہا کہ "دنیا بھر میں جو ریاضی پڑھائی جاتی ہے وہ دراصل ویدک ریاضی ہے۔ ویدک ریاضی کا طریقہ زیادہ سود مند اور درست ہے۔ یہ جدید کمپیوٹر سے بھی زیادہ آسان طریقہ ہے۔"

ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ اس سے طالب علموں میں قومی افتخار پیدا ہوتا ہے۔ بی۔ جے۔ پی حکومت کے وزیر تعلیم نے جو "تاریخ پر قومی کنونشن" میں شریک تھے، پورے اعتماد کے ساتھ دعویٰ کیا تھا کہ ریاضی اور سائنس میں ہندستان نے جو کچھ کامیابی حاصل کی ہے، دنیا کا کوئی ملک اس کی ہمسری نہیں کر سکتا۔

بی۔ جے۔ پی کی حکومتیں ہندستان کے ماضی کا جو تصور نصابی کتابوں میں داخل کر رہی تھیں، وہ ہمیشہ سے فرقہ واریت کی آئیڈیالوجی کا لازمی حصہ رہا ہے۔ ماضی میں شعبہ تعلیم کے حکام نے اصولی طور پر یہ مان لیا تھا کہ ایسے تصورات کو نصابی کتابوں میں جگہ نہیں ملنی چاہیئے، اس کے باوجود کسی نہ کسی شکل میں یہ تصورات نصاب میں در آئے ہیں، مگر اب تو سیاست کے اختیارات کو استعمال کر کے باقاعدہ ان تصورات کو نصاب کا حصہ بنانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ کوشش یہ ہے کہ تاریخ کو ایک علم کی بجائے فرقہ وارانہ پروپگنڈے کا ہتھیار بنا لیا جائے۔

۱۹۷۷ء میں سیکولر نصابی کتابوں کو تاریخ کے نصاب سے خارج کرنے کی سازش کو مورخین اور دوسرے لوگوں کی مشترکہ مساعی سے ناکام بنا دیا گیا تھا۔ وقت آچکا ہے کہ ایک بار پھر اس سازش کو اسی طرح سے شکست دی جائے۔

ہفت روزہ "حیات" نئی دھلی
۲۸ فروری ۱۹۹۳ء

ڈاکٹر نور رفاقت علی خاں
جامعہ ملیہ اسلامیہ
نئی دہلی

عہد وسطیٰ کے ابواب برائے ہائر سکنڈری (دہلی)

ہندستانی تاریخ کے پرچے کا ایک جائزہ

(۱۹۶۴ء۔ ۱۹۷۲ء)

ہائر سکنڈری (دہلی) کے ہندستانی تاریخ کے عہد وسطیٰ کے ابواب کا (۱۹۶۴ء تا ۱۹۷۲ء) میں نے جائزہ لیا۔ ایسے عام سوالات جو ہندستانی تاریخ کے ہر حصے کو اپنی گرفت میں لیتے ہیں اور عام نوٹس کو اس سروے میں شامل نہیں کیا گیا ہے۔

اس سروے کا نتیجہ انتہائی افسوسناک ہے ان لوگوں کے لیے جو یہ جانتے ہیں کہ تاریخ کا میدان آہستہ آہستہ وسیع ہوتا گیا ہے اور وہ اپنی حدوں میں معاشرتی انسان کے ہر پہلو کو لے لیتا ہے، تاریخ کو ہم ایسا مضمون سمجھتے ہیں جو ہماری سمجھ کو سوسائٹی کی تبدیلیوں اور آج تک کی ارتقائی کیفیتوں کے سمت میں عمیق بناتا ہے اور عصری تبدیلیوں کے عمل کے سلسلے میں ہماری سمجھ میں اضافہ کرتا ہے۔ کلاس روم کی پڑھائی اور طلبا کی ذاتی پڑھائی بیشتر امتحانوں کے مقصد سے کیجاتی ہے، اس لیے امتحان کے پرچوں کی اہمیت بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ یہ صورت حال کہ پچھلی چوتھائی صدی میں سوالوں کے ڈھرے میں کوئی خاطر خواہ تبدیلی نہیں آئی اور کم و بیش وہی سوالات دہرائے جا رہے ہیں جو برطانوی حکومت کے دور میں آتے تھے۔ قابل غور ہے۔ یہ بات زیادہ اہمیت اختیار کر لیتی ہے جب یہ عام طور پر تسلیم کر لیا جائے کہ "پچھلے چند برسوں (تاریخ) کے درس و تدریس میں اہم تبدیلیاں آئی ہیں۔ یہ تبدیلیاں اس مضمون کے سبھی پہلوؤں میں ہوئی ہیں اس کا تصور، مطالعے کا طریقہ کار، اس کا مواد اور درجے میں تعلیم کے اصول و ضوابط۔"[۱]

یہ سروے بتاتا ہے کہ نو برسوں کے اندر یعنی ۱۹۶۴ء سے ۱۹۷۲ء کے وقفے میں عہد وسطیٰ کی تاریخ پر کتیس[۳۱] سوالات پوچھے گئے۔ ان سوالوں میں انیس[۱۹] سوال سیاسی تاریخ سے تعلق رکھتے ہیں، دس سوالات مختلف حکمرانوں کے عہد میں اصلاحات اور نظم و نسق کے متعلق پوچھے گئے، اور مذہب پر بھگتی تحریک کے تعلق سے۔ حیرت ہوتی ہے اس بات پر کہ سماجی اور معاشی تاریخ کو یکسر نظر انداز کیا گیا ہے۔ سماجی، معاشی اور انتظامی ادارے کہیں کوئی مقام نہیں رکھتے ہیں، اور ایک بھی ایسا سوال نہیں اٹھایا گیا جس کی بنیاد پر طلبا کی عہد وسطیٰ کے سماج کے سلسلے میں اس شعور کا کہ وہ ایک بڑھتی ہوئی تنظیم

کا درجہ رکھتا تھا، یقین کیا جائے۔

اسی ڈھیرے کی گہری چھان بین ہمیں یہ بتاتی ہے کہ وہ انیس سوال جو سیاسی تاریخ پہ تھے ان میں دو الہی حاکموں کے سلسلے میں ہیں۔ علاءالدین خلجی اور دو تغلق بادشاہ دہلی سلطنت میں، اور بابر، شیر شاہ، اکبر، شیواجی اور اورنگزیب مغل عہد میں۔ اسی طرح اصلاحات اور نظم و نسق کا تعلق مندرجہ بالا بادشاہوں سے ہے۔

تقریباً سارے سوالات جو امتحان میں پوچھے گئے ہیں وہ فرداً فرداً حکمرانوں کے کارنامے، اصلاحات اور حکمت عملی کے متعلق ہیں۔ حتیٰ کہ عہد بہ عہد تاریخ کا مطالعہ، جو کہ ایک غلط طریقہ کار ہے۔ اتمام سے بہت بعید ہے۔ ان دس برسوں کے عرصے میں ایک بھی سوال درج ذیل شخصیتوں سے متعلق نہیں پوچھا گیا۔

قطب الدین ایبک، التمش کے جانشیں، جلال الدین خلجی، مبارک شاہ خلجی، غیاث الدین تغلق، فیروز شاہ کے جانشیں، سید حکمراں، لودھی حکمراں، ہمایوں، جہانگیر، شاہجہاں۔

یہ بات قابل توجہ ہے کہ اگر ترک مغل کی پیمائش وقت کے پیمانے پر کی جائے تو نصف سے زیادہ عہد وسطیٰ کا عہد مکمل طور پر نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور یہاں ڈیڑھ ڈیڑھ سو سال کا خلا ہے۔

یہ سروے مزید بتاتا ہے کہ ہندستانی تاریخ کا امکان ہائر سکنڈری امتحان میں بے حد محدود ہے۔ اکتیس سوالوں میں سب کے سب شاہی دہلی یا آگرہ کے متعلق ہیں اور ایک بھی سوال آسام، بنگال، اڑیسہ، جونپور، راجپوتانہ، گجرات، سندھ، کشمیر، مالوہ، خاندیش، براٹ، احمد نگر، گولکنڈہ، بیجاپور، وجے نگر، کرناٹک اور مالابار کے صوبائی حکمرانوں کے متعلق نہیں تھا۔ اگر ہم ہندستانی تاریخ کے امکان کا امتحان کے پرچوں کی بنیاد پر ایک خاکہ کھینچیں ہندستان کے نقشے کو سامنے رکھ کر تو وہ گھٹ کر گنگا کا سطح مرتفع اور کونکن تک جائے گا اور اس مختصر سے علاقے کے سلسلے میں بھی تاریخ کے طلبا کی واقفیت بےحد غیر اطمینان بخش ہے، کیونکہ عہد وسطیٰ کے ہندستان کی تاریخ کے ایک نہایت ہی تنگ دائرہ سے واقفیت طلبا کے لیے کافی سمجھی جاتی ہے۔ (یعنی سیاسی اور انتظامی) اور وہ بھی الگ تھلگ۔ زمان اور مکان کی بنیاد پر۔

ذیل کی فہرست اس نظام کے کھوکھلے پن کی طرف اشارہ کرتی ہے جہاں کہ تاریخ کی تعلیم کا مقصد ہی مضمون کے امکانات کو تنگ کر کے اور اسے چند حکمرانوں کے ذاتی کارنامے بنا کر، ضبط ربط کر دیا جاتا ہے۔

ان نو برسوں میں مندرجہ ذیل سوالوں سے صرف ایک سوال آیا۔

• محمد غوری مسلم حکومت کے بانی کی حیثیت • راجپوت شکست کے اسباب • التمش کی ابتدائی مشکلات • سلطنت کے دفاع کے لیے بلبن کے اقدامات • غلام خاندان کا عظیم ترین حکمراں • محمد بن تغلق کے منصوبے • فیروز شاہ

کے کارنامے • تغلق سلطنت کے زوال کے اسباب • بابر کا نظم ونسق • بھگتی تحریک • گرو نانک کی تعلیمات • مغل حکومت کی اہمیت۔

مندرجہ ذیل موضوعات پر ایک سے زیادہ سوال کیے گئے تھے۔

• علاءالدین — نظم ونسق

• شیرشاہ — نظم ونسق

• اکبر — اصلاحات، کردار اور کارنامے، مذہبی پالیسی، شہنشاہیت کا تصور — راجپوت سلطنتوں کے ساتھ تعلقات — نظم ونسق

• اورنگ زیب — تخمینہ — مذہبی پالیسی — بادشاہت کا تصور۔

• شیواجی — کارنامے اور انتظامی امور • مغل سلطنت — انحطاط وزوال۔

مندرجہ بالا سروے پر نظر ڈالنے سے ہمیں اس بات کا علم ہوتا ہے کہ عہد وسطیٰ کی ہندستانی تاریخ کے پرچے برائے دہلی ہائر سکنڈری امتحان میں چھ اہم موضوعات ہیں۔ ان چھ موضوعات میں تقریباً ہر سال ایک سوال اکبر پر اور ان موضوعات میں سے ایک سال کے وقفے کے بعد ایک سوال ضرور آتا ہے یہ سوالات ہیں علاءالدین، شیرشاہ، اورنگزیب، شیواجی اور مغل عہد کا انحطاط۔ ہوشیار لڑکے پچھلے سال کے سوال کی بنیاد پر تین چار موضوعات کی نشاندہی کرسکتے ہیں، جس سے امتحان میں ان کی کامیابی لازمی امر بن جاتی ہے۔

اس نوع کی تعلیم بے معنی ہے۔

مجھے یقین ہے کہ معمولی تبدیلیاں اور ہلکی پھلکی ترمیم ہائر سکنڈری کے نصاب میں کچھ زیادہ سودمند ثابت نہیں ہوگی۔ روایتی تعلیم سے ملکی انحراف اور درسی کتابوں کی از سر نو تصنیف وتالیف کی فوری ضرورت ہے۔

••

جناب خواجہ معین الدین
گجرات

گجرات کی نصابی کتابیں برائے درجہ چہارم تا ہفتم
علم معاشرت کا جائزہ

آزادی کے بعد ملک کے مدبر رہنماؤں نے ملک کی سالمیت کے بارے میں کافی غور وخوض کرنے کے بعد آئین مرتب کیا۔ ملک کی سالمیت کے لئے قومی یکجہتی کا نظریہ قبول کیا۔

آج بھارت ایک جمہوری ملک ہے۔ دستور ہند کے تحت بھارت میں بسنے والی ہر قوم کو اپنی تہذیب وثقافت کے تحفظ کا حق حاصل ہے۔ اپنے اپنے مذہب پر چلنے کا اختیار دیا گیا ہے۔ یہ حقوق واختیارات اس لئے دیئے گئے ہیں کہ بھارت میں بسنے والی مختلف اقوام کے الگ الگ مذہب ہیں۔ الگ الگ مسلک ہیں۔ قومی اتحاد اور یکجہتی کی بقا کے لئے یہ حقوق واختیارات ناگزیر ہیں۔ لیکن بھارت میں کچھ اس طرح کی تحریکیں نشوونما پا رہی ہیں جو ملک کے جمہوری نظریے کے لئے زہر قاتل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ قومی اتحاد کا شیرازہ بکھرنے اور ہندستان کے چپے چپے میں قومی منافرت کا زہر پھیلانے کے لئے ان فرقہ پرست جماعتوں نے جو ذرائع اختیار کر رکھے ہیں، ان سے کافی زہر پھیل چکا ہے۔ ان فرقہ پرست جماعتوں نے اپنے اثر ورسوخ کے ذریعے ہر شعبے میں اپنے آدمی گھسا دیئے ہیں۔ شعبہ تعلیم وتدریس میں بھی ایسے آدمی گھسا دیئے گئے ہیں جو درسی کتابوں کے ذریعے قومی منافرت کے زہر کو اسکولوں میں پڑھنے والے معصوم بچوں کے ذہنوں میں پھیلا رہے ہیں۔

آیئے! گجرات کے پرائمری اسکولوں کی "علم معاشرت" کی درسی کتابوں کا جائزہ لیں۔ "علم معاشرت" کی حیثیت سے نصاب میں داخل ہونے والی کتابوں میں ہمارے ماہرین تعلیمات کی کارگزاریوں کو چشم حیرت سے دیکھیں اور یہ جانیں کہ "فرقہ پرست ذہن" ملک کی سالمیت کے لئے کس طرح خطرہ بنے ہوئے ہیں۔ خصوصاً مسلم دشمنی میں کس طرح پیش پیش ہیں وہ معلوم کریں۔

"ماحولیات (جماعت چہارم) کا جائزہ لیں۔ اس کتاب میں ملک کی تاریخ سے مناسبت رکھنے والے اسباق یہ ہیں۔ سبق ۲۳ والیہ۔ والمیکی۔ ۲۴ بھگوان بدھ ۲۵ مہاویر سوامی ۲۶ گرونانک ۲۷ رضاں مجید

۲۷ جھانسی کی رانی ۲۹ سردار پٹیل کا بچپن ۳۰ نہرو چاچا کا بچپن ۳۱ ٹھکر بابا

ان اسباق کو دیکھئے۔ یہ اسباق ہندو مذہب، بدھ مذہب، جین مذہب، سکھ مذہب اور جنگ آزادی سے تعلق رکھنے والے کچھ رہنماؤں سے متعلق ہیں۔ ان اسباق میں یہ دکھانے کے لئے کہ مسلمانوں کے ساتھ ناانصافی نہیں کی گئی ہے، ایک ۱۲ سطروں کا بہت ننھا منا سا سبق "رمضان عید" منتخب کیا گیا ہے۔ مندرجہ بالا اسباق کی فہرست سے پتا چلتا ہے کہ تقریباً ہر فرقے (مسلم فرقے کے سوا) کے مذہب اور بانی مذہب کے حالات زندگی سے بچوں کو روشناس کرایا جارہا ہے، لیکن مذہب اسلام کی کسی بھی شخصیت کو یہاں کوئی جگہ حاصل نہیں ہے۔ انصاف کا تقاضہ تو یہ ہے کہ جس طرح ہر قوم ہر مذہب کی نامور شخصیتوں کا انتخاب کیا گیا ہے، اسی طرح مذہب اسلام کی کسی نامور شخصیت کا انتخاب کرنا ضروری تھا۔ مذہب اسلام میں نامور شخصیتوں کا فقدان نہیں ہے۔ "رمضان عید" ایک ایسا سبق ہے جس کا انتخاب زبان دانی کی کتابوں میں ہونا چاہیئے ـــــ جنگ آزادی کے رہنماؤں کے انتخاب میں بھی ناانصافی سے کام لیا گیا ہے۔ ایک بھی مسلم رہنما کے تعلق سے کوئی سبق منتخب نہیں کیا گیا۔ کیا اس طرح کی دانستہ حرکتوں سے مسلمانوں کی دل شکنی نہیں ہوگی؟

جماعت پنجم کے لئے "تاریخ کی کتاب کی حیثیت سے مورخہ یکم دسمبر ۱۹۸۰ء سے نصابی کتب کے لئے منظور شدہ کتاب" علم معاشرت "جماعت پنجم"۔ نصاب میں شامل کی گئی ہے۔ اس کتاب میں بھی "متعصب ذہن" کا جادو سر چڑھ کر بولتا معلوم ہوتا ہے۔ جماعت چہارم کی ماحولیات میں شامل کئے گئے کچھ اسباق دوبارہ مزید معلومات کے لئے پنجم جماعت میں شامل کئے گئے۔ سبق "حضرت عیسیٰؑ کی انسان دوستی" میں بعض جملے ایسے ہیں جن پر اعتراض کیا جاسکتا ہے۔ ایک جگہ یوں لکھا ہے "حضرت عیسیٰؑ نے سمجھایا: "اس طرح جو حقیر ہے۔ جس نے بہت بڑے کام کئے ہیں اس کو خدا جلد معاف کردیتا ہے۔" اس جملے کی تاریخی حیثیت کیا ہے اور اس میں کتنی صداقت ہے، یہ بات پورے وثوق سے نہیں کہی جاسکتی۔ لیکن اس جملے سے یہ تاثر ضرور پیدا ہوتا ہے کہ زیادہ بُرے کام کرنا کوئی عیب نہیں ہے بلکہ جلد معافی حاصل کرنے کے لئے بڑے بڑے گناہ کرنا لازمی ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ سے منسوب یہ حیرت انگیز "فیاضی" اور خدا کی یہ "رحمدلی" کا عقیدہ ہمارے معاشرے کی کیا صورت بنادے گا اس کا اندازہ تو یورپ کے ممالک کی موجودہ تہذیب سے لگایا جاسکتا ہے۔

اسی سبق میں اسلامی عقیدے کے خلاف یہ بات پیش کی گئی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کو صلیب پر لٹکادیا گیا تھا۔ (گو عیسائی عقیدہ یہی ہے) لیکن تاریخی کتب میں عیسائی عقیدے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کا کیا عقیدہ

ہے وہ بھی پیش کرنا چاہیئے تاکہ طلبہ کو حضرت عیسیٰ کے صلیب پر چڑھائے جانے کے تعلق سے عقیدہ معا
سبق "ولبھی پور کا دار العلوم" میں "ولبھی پور کے دار العلوم" کے خاتمے کا سبب بھارت پر
ٹھہرایا ہے۔ لیکن تاریخ یہ بتاتی ہے کہ عربوں کے حملے کے بعد بھی دار العلوم عرصے تک چلتا رہا، عربوں
پر حملہ کیا ہی نہیں۔ عربوں پر دار العلوم کو تباہ کرنے کا الزام سرے سے غلط ہے۔ ولبھی پور کی
جین اور بدھ مذہب کی آپس کی لڑائی تھی ـــــ دراصل راشٹرکوٹ خاندان نے ولبھی پور کو تبا
امپیریل گزیٹیر میں لکھا ہے کہ ولبھی پور کی تباہی ۷۷۰ء میں ہوئی (بحوالہ تاریخ سندھ قدیم ص ۱۱۵ مط
ماخوذ از تاریخ گجرات۔ مؤلف پروفیسر سید ابوظفر ندوی) گجرات پر عبدالملک کا حملہ (یہ حملہ عرب تا
میں جو لوٹ مار کی گئی تھی اس کے تدارک کے لئے کیا گیا تھا) ولبھی پور کی تباہی کے بعد ہوا تھا۔ اس کے
کا گجرات پر کوئی حملہ نہیں ہوا (تاریخ گجرات۔ مؤلف سید ابوظفر ندوی)۔

سبق "گجرات میں پارسیوں کی آمد" میں بھی اشتعال انگیز جملے لکھے گئے ہیں۔ اس طرح کے ج
قومی یکجہتی کا کردار مجروح ہوتا ہے۔ قومی اتحاد کا شیرازہ بکھر جاتا ہے۔ گجرات میں پارسیوں کی آمد
•عربوں کا ایران پر حملہ" بتائی گئی ہے۔ اس تاریخی حقیقت کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اس درسی ک
اگلتے ہوئے جملے ملاحظہ فرمائیے۔

"فاتحین نے ایران کی قوم کو اسلام مذہب قبول کرنے پر مجبور کیا۔ ان لوگوں سے برداشت ن
مختلف علاقوں میں بھاگ نکلے" ـــ یہ ایک تاریخی جھوٹ ہے۔ عرب فاتحین نے ایرانیوں ک
مسلمان ہرگز نہیں بنایا۔ حملے کے سینکڑوں برس کے بعد آج بھی ایران میں آتش کدہ سرد نہیں ہوا ہے۔
لشکر کسی جابر بادشاہ کا بھیجا ہوا لشکر نہ تھا۔ یہ خدا رسیدہ مجاہد تھے جنہیں "لا اکراہ فی الدین" کا قرآنی سبق
تھا۔ آج بھی ایران میں زرتشتی مذہب قائم ہے۔ جو لوگ ذمی بن کر رہے وہ اپنے مذہب پر قائم ر
بھی ان کی اولاد ایران میں اپنے آبائی مذہب پر قائم ہیں۔ ایران چھوڑنے والے پارسی دراصل اپنی
مال کی حفاظت کے لئے بھاگے تھے۔ بھاگنے والے پارسیوں کو اپنے مذہب اور تہذیب سے بہت
ہے۔ یہ بات بھی بہت حد تک صحیح نہیں ہے۔ ہندستان میں مغلوں کے دور میں پارسیوں نے مغل رسم
اپنائے تھے۔ انگریزوں کے دور میں انگریزوں سے تعلقات قائم کر کے انگریزوں کا رہن سہن اخت
جان و مال کے تحفظ کے لئے "جیسا دیس ویسا بھیس" کی حکمتِ عملی اختیار کی گئی تھی۔

اس سبق میں پارسیوں کو جس طرح مظلوم بتایا گیا ہے، اسی طرح سدھ راج جے سنگھ کے زمانے میں گجرات کے کھنبایت کے علاقے میں پارسیوں نے سازش کر کے مسلمانوں پر مظالم ڈھائے تھے، اس کا ذکر بھی سبق ۱۹ "سدھ راج جے سنگھ" میں کرنا چاہیئے تھا۔

پانچویں جماعت کی اس درسی کتاب میں ایک سبق بھیم دیو اول کے نام سے شامل کیا گیا ہے۔ بھیم دیو اول کے زمانے میں سلطان محمود غزنوی نے سومناتھ پر حملہ کیا تھا۔ یہ ایک ایسی تاریخی حقیقت ہے کہ اس سے ذرہ برابر بھی انکار نہیں کیا جا سکتا، لیکن موجودہ دور میں قومی اتحاد کو برقرار رکھنے کے لئے اس تاریخی حقیقت کو طلبہ کے سامنے پیش نہ کرنا ہی بہتر ہے۔ لیکن ایک خاص مقصد کے تحت، ایک خاص طریقے سے محمود غزنوی کے اس حملے کے واقعات کو تاریخ میں پیش کیا جا رہا ہے۔ جس کی وجہ سے ہندو طلبہ کے ذہنوں میں مسلمانوں کے خلاف زہر بھرنے کا کام لیا جا تا ہے۔ اس سبق کے چند جملے ملاحظہ فرمایئے۔

"(۱) وہ پردیسی حملہ آور افغانستان کے شہر غزنی کا سلطان تھا۔ وہ بہت جنگجو تھا، مورتیوں اور مندروں کو توڑتا، بڑی جنگی فوج کے ساتھ سومناتھ کے مندر پر حملے کرتا۔ (۲) محمود کئی سال سے بھارت کے مختلف علاقوں پر حملے کیا کرتا تھا اور مندروں کو توڑ کر بے حد دولت لوٹتا تھا۔"

مندرجہ بالا جملوں سے ہندو طلبہ کے ذہنوں میں کیا ردّعمل پیدا ہو سکتا ہے اس سے ہم بخوبی واقف ہیں علاوہ اس کے تاریخ پڑھانے والا استاد اگر بہت متعصب ذہن رکھتا ہو تو وہ اس واقعہ کو کس انداز میں پیش کر سکتا ہے اس کا بھی ہم اندازہ کر سکتے ہیں۔ میں پھر کہتا ہوں کہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے۔ لیکن پھر بھی اس حقیقت کو تاریخ کی کتابوں میں پیش کرنے سے ہمیں گریز کرنا چاہیئے۔ حقیقت کو چھپانے کے لئے نہیں بلکہ قومی اتحاد کے لئے، ملک کی سالمیت کے لئے ایسا کرنا ناگزیر ہو گا۔ میرا یہ مشورہ غلط بھی نہیں ہے، کیونکہ تاریخ گجرات اور تاریخ ہند کا مطالعہ کرنے سے ایسے تاریخی حقائق بھی ہمارے سامنے آتے ہیں کہ ہندو راجاؤں اور جین راجاؤں میں کئی جنگیں ہوئی ہیں، دونوں مذہب کے راجاؤں نے ایک دوسرے کے مذہب کے مندر توڑے ہیں۔ لوٹ مار کی ہے۔ لیکن ان واقعات کو درسی کتابوں کی ترتیب کرنے والے ہمارے ماہرین درسی کتابوں میں اس لئے شامل نہیں کرنا چاہتے کہ ان واقعات کو پیش کرنے کی وجہ سے ہندو جین اتحاد، بدھ ہندو اتحاد پر اثر پڑتا ہے۔ ان اقوام میں باہم منافرت پیدا ہونے کا سبب بن سکتا ہے۔ اس لئے ان واقعات کا سرسری ذکر بھی درسی کتابوں میں نہیں کیا جاتا۔ ایک تاریخی واقعہ ملاحظہ فرمایئے جس سے معلوم ہو گا کہ ایک ہندو راجہ نے جین مذہب والوں پر کتنا ظلم کیا ہے۔

کیا اس طرح کے واقعات کو درسی کتابوں میں پیش کیا جاتا ہے۔ تاریخی واقعہ یوں ہے۔

"چونکہ کمار پال کے کوئی لڑکا نہ تھا۔ اس لئے اس کا بھانجہ اجے پال راجہ ہوا۔ یہ شیو مذہب کا
بڑا متعصب تھا۔ اس نے جین مذہب والوں پر بڑا ظلم کیا۔ جینی علماء میں سے کپردی نامی کو کھو
میں ڈالوایا۔ رام چندر نامی وِدوان (عالم) کو جو ایک سو کتابوں کا مصنف تھا تپتے ہوئے تانبے
پر بٹھال کر مار ڈالا۔ کمار پال کے بنوائے ہوئے اکثر مندروں کو گروا دیا۔ جینیوں کے سردار کو قتل کیا او
کے بہترین اور مدبر سردار مرہٹ کو قتل کر دیا" (ماخوذ از تاریخ گجرات۔ ص ۱۰۷، عنوان اجے
سولنکی ۱۰۷، تا ۱۱۰، مؤلف ۔ پروفیسر سید ابوظفر ندوی)

اس لحاظ سے اجے پال اور محمود غزنوی ایک طرح کے مجرم ہیں۔ لیکن اجے پال سولنکی کا ذکر
میں اس لئے نہیں کیا جاتا کہ اس ذکر سے ہندو جین اتحاد کو ضرب پہنچتی ہے۔ لیکن ہندو مسلم اتحاد کو ضرب
محمود غزنوی کا ذکر لازمی طور سے کیا جاتا ہے۔ اجے پال سولنکی کے مظالم سے احتراز کیا جاتا ہے تو محمود غزنوی
بھی احتراز کرنا چاہیئے۔

علم معاشرت کی اس درسی کتاب میں جغرافیہ سے تعلق رکھنے والے اسباق میں گجرات کے تمام علا
کی طرزِ معاشرت کی معلومات دی گئی ہے۔ لیکن "طرزِ معاشرت" میں صرف ہندو اور جین طرزِ معاشرت
ہے۔ ہندو تہواروں، مندروں، تیرتھ گاہوں، ہندو راجاؤں کے بنوائے ہوئے تالابوں اور ہندو
مختلف فرقوں کے بانیوں کے متبرک مقامات، میلے ٹھیلے اور ان کے مقامات اور ہندو راجاؤں
ذکر بڑی تفصیل سے موجود ہے، لیکن مسلم عہد کے تاریخی مقامات اور فن تعمیر کا کوئی ذکر نہیں۔ چاپانیر
کے بنائے ہوئے قلعے اور مساجد جو فن تعمیر کا بہترین نمونہ ہیں لیکن انکا کوئی ذکر نہیں۔ مدھولکا کے ملاؤ تالاب
نے بنایا ہے، کا ذکر تو کیا گیا لیکن مسلم عہد کے "خان تالاب" کا کوئی ذکر نہیں۔ مختلف ماتاؤں کے چھوٹے
کا ذکر آجاتا ہے لیکن مسلم تہذیب و ثقافت اور اتحاد کی اشاعت کرنے والے بزرگوں کے تاریخی مقا
ان کے مزارات جو فن تعمیر کا اعلیٰ نمونہ ہیں ان کا ذکر تک نہیں کیا گیا۔ احمد آباد کے جھولتا مینار جو فن تعمیر
عالمی شہرت رکھتے ہیں، جنہیں دیکھنے کے لئے آج بھی غیر ملکی سیاح جوق در جوق چلے آتے ہیں، ان کا ذکر
ذہن" کی طبیعت کو ناگوار گزرا ہے۔ صرف سدی سید کی جالی کا ذکر ہے۔ لیکن یہ جالی کس نے بنوائی
میں کندہ کی گئی ہے، اس کا کوئی ذکر نہیں۔ سدھ راج کے "شہر لنگ تالاب" کا ذکر تو بڑے پر جوش

جاسکتا ہے لیکن مسلمان بادشاہوں کا نام لے کران کی بنوائی ہوئی تاریخی عمارتوں کا ذکر غیر ضروری ٹھہرا۔
طرز معاشرت کو پیش کرنے کا یہ گھٹیا ڈھنگ صرف ایک ہی فرقہ کی طرز معاشرت کو اجاگر کرنا چاہتا ہے مقصد
کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ طلبہ یہ نہ جان سکیں کہ گجرات کی تہذیب و ثقافت کو عظیم الشان بنانے میں مسلمانوں کا
بڑا حصہ ہے۔ گنگا جمنی تہذیب کے یہ منکرین دراصل قومی اتحاد کے دشمن ہیں۔ درسی کتابوں کو اس طرح ترتیب
دینے کا یہ رویہ حقائق سے انحراف کر کے منافرت کو تقویت پہنچاکر قومی یکجہتی کے دامن کو داغدار کرتا ہے۔
آئیے اب "علم معاشرت" جماعت ششم کا جائزہ لیں۔
یہاں بھی وہی حال ہے جو پچھلی کتابوں کا ہے "سومناتھ کی کہانی سبق ۷" کے عنوان سے محمود غزنوی کا
سومناتھ پر حملے کے واقعات کا ذکر کیا گیا ہے
سبق ۹ " علاؤالدین خلجی۔ ایک ماہر حکمراں " میں علاؤالدین کو ایک ماہر حکمراں کے طور پر پیش کیا گیا ہے لیکن
ساتھ ہی ساتھ اس پر ہندو دشمنی کا بہتان بھی لگایا گیا ہے۔ اس سبق کا ایک جملہ ملاحظہ فرمائیے "ہندوؤں کے ساتھ
اس کا برتاؤ اچھا نہیں تھا۔ اس لئے ہندوؤں سے مسلمانوں کے مقابلے میں زیادہ لگان وصول کیا جاتا تھا" لیکن
تاریخی حقائق کچھ اور بتاتے ہیں۔ علاؤالدین خلجی کے دور میں جودھپور کا ایک ہندو مصنف علاؤالدین خلجی کے
منصفانہ رویے کی تعریف کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ اس نے ایک کتبے میں علاؤالدین کو تہنیت پیش کی ہے۔
وہ کہتا ہے "خدا کی مانند شجاعت نے زمین کو ظلم و ستم اور نجاست سے پاک کر دیا تھا"۔ (ماخوذ از ہندوستان
میں مسلم حکومتوں کی اساس" مؤلف اے۔ بی۔ ایم حبیب اللہ)
سبق ۱۲ " اورنگ زیب اور شیواجی" میں مندرجہ ذیل جملے معصوم طلبہ کے ذہنوں میں مذہبی منافرت
کا زہر پیدا کرتے ہیں۔ اورنگ زیب کے تعلق سے لکھا ہے۔
" اورنگ زیب کی مذہبی حکمت عملی بہت کڑی تھی۔ اس نے ہندوؤں کو اعلیٰ عہدوں سے برطرف
کر دیا۔ اکبر نے جزیہ کو معاف کر دیا تھا وہ اس نے پھر سے وصول کرنا شروع کیا۔ اس نے تقریبات پر پابندی
لگائی مندر گرا کر مسجدیں بنوائیں۔ ہندوؤں کو مسلح رہنے سے منع کر دیا۔ انہیں گھوڑے پر سوار ہونے اور پالکی میں بیٹھنے سے منع کیا"۔
اوپر کے تمام تر الزامات بے بنیاد ہیں۔ راجہ جے سنگھ خود اورنگ زیب کی فوج میں اعلیٰ عہدے پر فائز
تھا۔ یہ صحیح ہے کہ اس نے جزیہ ٹیکس وصول کیا لیکن ساتھ ہی ساتھ دوسرے کئی محصولات اس نے معاف کئے۔ اورنگ
زیب کی حکومت بہت وسیع تھی۔ وہ اگر مندر توڑنے والا بادشاہ ہوتا تو ہندوستان کے ہر صوبے میں مندر ٹوٹے

جلتے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اس کے عہد میں دو ایک مندر جو توڑے گئے اس کی وجہ سیاسی تھی نہ کہ مذہبی۔ آنجہانی اندرا گاندھی نے بھی سیاسی وجہ کی بناپر سورن مندر پر حملہ کرنے کا حکم صادر کیا تھا۔

بالفرض اگر الزامات کو تسلیم کر بھی لیا جائے تو ان ہندو اور بدھ راجاؤں کو کیوں معاف کر دیا جاتا ہے جنھوں نے اپنے اپنے عہد میں مندر توڑے۔ لوٹ مار کی۔ مثلاً گجرات میں اہل واڑے کے قریب وبھوی اور کیمبے (کھمبائت) کے جین مندروں کو ۱۱۹۳ء اور ۱۲۱۰ء کے درمیان مالوا کے پرمار راجہ سبھاتا ورمان نے تباہ و برباد کیا تھا۔ راجہ ہرش نے (جو بدھ مذہب کا پیرو تھا) جس کا تعلق کشمیر کے دوسرے لوہار اسلسلہ سلاطین سے تھا اپنے خزانے کو بھرنے کے لئے متعدد ہندو مندروں کو تاخت و تاراج کیا تھا۔ (ماخوذ از ہندوستان میں مسلم حکومتوں کی اساس۔ مؤلف۔ اے۔ بی۔ ایم حبیب اللہ)

خود شیواجی نے سورت اور احمد آباد کو بلا امتیاز مذہب و ملت بری طرح سے لوٹا لیکن شیواجی کے لوٹ مار کے واقعات اس سبق میں پیش نہیں کئے گئے۔ بلکہ شیواجی کو ہندوؤں کے مذہبی رہنما کی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔

اس طرح مسلم بادشاہوں کو ہدف ملامت بنا کر اور ہندو راجاؤں کو "دھرم رکھشک" تسلیم کرنے کی پالیسی قومی اتحاد اور ملک کی سالمیت کے لئے زبردست خطرہ ثابت ہو رہی ہے۔ جو حقائق اور مشورے اس جائزے میں دیئے گئے ہیں وہ ملک کی بقا کے لئے قابل قبول ٹھہرتے ہیں۔

"علم معاشرت" کی کتابوں کی ازسرِ نو تشکیل لازمی ہے۔ اور یہ تشکیلِ نو غیر متعصب ذہن رکھنے والوں کے ذریعے ہی ممکن ہے۔

مورخہ ۵ جنوری ۱۹۸۳ء سے منظور شدہ کتاب "علم معاشرت" جماعت ہفتم میں سبق ۱۶ "سوراج کے لئے جدوجہد" میں مسلم رہنماؤں کا کوئی رول نہیں بتایا گیا ہے۔ جذبۂ وطن پرستی کو ہوا دینے والوں میں صرف سریندر ناتھ بنرجی، گوپال کرشن گوکھلے اور لوک مانیہ تلک کے نام دیئے گئے ہیں۔ ایک بھی مسلم رہنما کا نام نہیں دیا گیا جب کہ مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا حسرت موہانی، ڈاکٹر عبدالحمید انصاری، علی برادران، حکیم اجمل خاں اور مولانا محمود الحسن ایسے قومی اور مذہبی رہنما ہیں جنھوں نے آزادی کی جدوجہد میں نمایاں حصہ لیا ہے۔ جیل کی سزائیں بھی کاٹی ہیں۔ اپنے مال و اسباب کی قربانیاں بھی دی ہیں۔

اسی سبق میں سر سید احمد خاں پر بے بنیاد الزام لگایا گیا ہے۔ چند جملے ملاحظہ ہوں: "کانگریس کو منظم ہونے سے روکنے کے لئے اب انگریزوں نے تفریق و امتیاز کی پالیسی پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ سر سید احمد نام کے ایک

سلمان رہنا کو انہوں نے مشورہ دیا کہ وہ کانگریس سے الگ رہیں اور ان کو اپنا ہم نوا بنا لیا۔"

سرسید وہ ہستی ہے جنہوں نے ہندو اور مسلمان کو اپنی دو آنکھوں سے تشبیہ دی ہے۔ "رسالہ
سباب بغاوت ہند" لکھ کر انگریزوں کو قصوروار ٹھہرایا ہے۔ لیکن یہاں ماہرین انہیں انگریزوں کا طرفدار بنا
ر پیش کر رہے ہیں۔ جنگ آزادی میں مسلمانوں نے جو قربانیاں پیش کی ہیں اس کا ذکر نہیں ملتا۔ مسلم رہنماؤں کے تعلق
ے کوئی الگ سبق منتخب کیا جانا چاہیے تھا۔ لیکن سبق نمبر ۹ "دو محبان وطن" کے نام سے صرف سردار ولبھ بھائی پٹیل
ور جواہر لال نہرو کا ذکر کیا گیا ہے۔ مولانا آزاد کیوں یاد نہیں آئے؟ مولانا محمد علی جوہر کیوں بھلا دیئے گئے؟ خدارا
بھی کبھی ان کا بھی ذکر خیر کچھ تفصیل کے ساتھ ہوا کرے تو انصاف ہاتھ سے نہیں جائے گا۔

میرا مشورہ ہے کہ علم معاشرت کی کتابوں میں سے ہر اس جملے کو نکال دیا جائے جو قومی اتحاد کو توڑنے کا
ذمہ دار بن سکتا ہے۔ اور مسلم دشمنی سے پرہیز بھی لازمی ہے۔ اور اگر ہر طرح کے حقائق پیش کرنا ہی ناگزیر ہے تو
ان ہندو راجاؤں، جین اور بدھ راجاؤں کا بھی ذکر کیا جائے جنہوں نے ایک دوسرے کے مندر توڑے، لوٹ
مار کی، قتل عام برپا کیا۔

امید کہ میں نے جو کچھ تاریخی حقائق پیش کئے ہیں ان پر غور و خوض کیا جائے گا۔

●●

جناب الیاس قریشی
احمد آباد

گجرات کی درسی کتابوں میں زہر

جماعت پنجم :

۱۔ سبق نمبر ۱۳، صفحہ نمبر ۶۴، پیراگراف نمبر ۳ : "آج سے بارہ سو سال پہلے بھارت پر عربوں نے حملہ کیا۔ حملے کی وجہ سے ییرک خاندان کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ لیکن ییرک راجاؤں کے ساتھ ہی ولبھی پور کے دار العلوم کی عظمت بھی کم ہو گئی۔"

۲۔ سبق نمبر ۱۴، صفحہ نمبر ۶۸، پیراگراف نمبر ۲: "فاتحین نے ایران کی قوم کو اسلام مذہب قبول کرنے پر مجبور ک

۳۔ سبق نمبر ۱۷، صفحہ نمبر ۸۲، پیراگراف نمبر ۲ : "مورتیوں اور مندروں کو توڑتا، بڑی جنگی فوج کے ساتھ سومناتھ کے مندر پر حملے کرتا۔"

۴۔ سبق نمبر ۱۷، صفحہ نمبر ۸۴، پیراگراف نمبر ۱: "محمود نے سومناتھ کا مندر توڑا۔"

جماعت ششم :

۱۔ سبق نمبر ۲، صفحہ نمبر ۷، پیراگراف نمبر ۱: "غزنی کا سلطان غزنوی دولت کا بہت حریص تھا۔ اس نے سومناتھ کے مندر کی دولت کی تعریفیں سن کر اس کو لوٹنے کے لیے سومناتھ پر حملہ کیا۔"

۲۔ سبق نمبر ۲، صفحہ نمبر ۷، پیراگراف نمبر ۲ : "محمود غزنوی کو بیش بہا جواہرات، ہیرے، لعل وغیرہ مل کر تقریباً بیس لاکھ سے زیادہ کا مال مندر میں سے ملا تھا۔ اس طرح سومناتھ کے شاندار شوالہ کی لوٹ ہوئی۔"

۳۔ سبق نمبر ۶، صفحہ نمبر ۲۲، پیراگراف نمبر ۲ : "علاء الدین بڑا متکبر، دغاباز اور نہایت ہی بُرا آدمی تھا۔"

۴۔ سبق نمبر ۶، صفحہ نمبر ۲۳، پیراگراف نمبر ۳ : "ہندوؤں کی طرف اس کا رویہ بہت سخت تھا۔ اس نے ان کے لیے سخت قوانین نافذ کیے۔ اور ان سے جزیہ وغیرہ وصول کرتا تھا۔"

۵۔ سبق نمبر ۱۲، صفحہ نمبر ۴۲، پیراگراف نمبر ۶ : اس نے ہندوؤں کو اعلیٰ عہدوں سے برطرف کر دیا۔

نے جس جزیہ کو معاف کر دیا تھا وہ اس نے پھر سے وصول کرنا شروع کیا۔ اس نے تقریبات پر پابندی عائد کی۔
مندر گرا کر مسجدیں بنوائیں۔ ہندوؤں کو مسلح رہنے سے منع کر دیا۔ انھیں گھوڑے پر سواری اور پالکی میں بیٹھنے سے منع کر دیا۔

۶۔ سبق نمبر ۱۲، صفحہ نمبر ۴۴، پیراگراف نمبر ۱: "اس نے شیعوں کے ساتھ بھی تعصب بھرا برتاؤ کیا۔

۷۔ سبق نمبر ۱۲، صفحہ نمبر ۴۴، پیراگراف نمبر ۳: "اورنگ زیب نے اپنی سیاسی پالیسی سے سب کو دشمن بنا
لیا تھا۔ وہ شکی، ضدی، بے رحم تھا۔ اس کی ساری زندگی سازشوں اور جنگوں میں گزری۔"

۸۔ سبق نمبر ۱۲، صفحہ نمبر ۴۵، پیراگراف نمبر ۳: "شیواجی کو فریب دے کر قتل کرنے کے لیے دوستی کا ماحول
پیدا کر کے اس کو ملاقات کے لیے افضل خاں نے بلایا۔ ہوشیار شیواجی کو یہ بھید معلوم ہو گیا۔ وہ پہلے سے تیاری کر کے
اس سے ملنے گیا۔ افضل خاں شیواجی سے دوستانہ طریقے سے ملا اور اس وقت شیواجی کی گردن بغل میں دبا کر تلوار سے
وار کیا۔ مگر شیواجی نے لوہے کی زرہ پہن رکھی تھی۔ شیواجی نے باگھ نکھ سے افضل خاں کا پیٹ چیر ڈالا۔"

۹۔ سبق نمبر ۱۲، صفحہ ۴۶، پیراگراف نمبر ۵: "یہ سمرتھ سوامی رام داس مغلوں اور مسلمانوں کے مظالم
سے ہندو دھرم کو بچانے کیلیے جگہ جگہ مٹھ قائم کر رکھے تھے۔ اورنگ زیب نے لوگوں کو منظم کر رکھا تھا۔"

جماعت ہفتم

۱۔ سبق نمبر ۱، صفحہ نمبر ۶۵: "بارہویں صدی کے آخر میں بیرونی حملہ آور خلجی نے بہار پر حملہ کیا تب
اس نے نالندہ دار العلوم کا خاتمہ کیا تھا۔"

۲۔ سبق نمبر ۱۱، صفحہ نمبر ۷۱: "جاوا میں اسلام مذہب پھیلا چنانچہ مجاہیت کے ہندو راجہ کو بھاگ جانا پڑا۔"

جماعت نہم

۱۔ سبق نمبر ۴، صفحہ نمبر ۳۰ "دونوں خلیفاؤں نے جبراً مذہب تبدیل کرنے کی رسم پر روک (پابندی) لگا رکھی تھی۔"

۲۔ سبق نمبر ۴، صفحہ نمبر ۳۲ "وقت گزرنے پر خلفا رجاہ و حشمت کے لالچ کی طرف مڑے۔ اور
رفاہِ عام کی جانب لاپرواہی برتی۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ حکومت کیلیے وہ آپس میں جھگڑتے رہے۔ نتیجہ
یہ ہوا کہ خلافت کا زوال ہوا۔"

۳۔ سبق نمبر ۵، صفحہ نمبر ۴۸ "مسلمانوں کی آمد سے ہندوؤں کے سماجی درجے پر ضرب لگی۔ مسلم حکمرانوں
کو ہندوؤں پر اعتماد نہ تھا۔"

۴۔ سبق نمبر ۷، صفحہ نمبر ۶۶ "اورنگ زیب ہٹی، وہمی اور مذہب کے معاملے میں بڑا ہی تنگ نظر

تھا۔ دیگر مذاہب کی جانب اس کا سلوک بے رحمانہ تھا۔"

۵۔ سبق نمبر ۷، صفحہ نمبر ۴۷ "اورنگ زیب صرف غیر مسلموں کے ساتھ ہی نہیں بلکہ شیعہ مسلک کے مسلمانوں کی جانب بھی بے رحم رہا۔ اس نظریہ کی وجہ سے جب مخالفت ہوئی تب اسے فرو کرنے کے لیے وہ مورتیوں اور مندروں کے خاتمے کرنے کی حد تک پہنچ گیا۔"

مندرجہ بالا جملے گجرات کی درسی کتابوں کے ہیں ان جملوں یا پیراگراف سے مندرجہ ذیل نکات ہمارے سامنے آتے ہیں
۱۔ مسلمان ہماری سنسکرتی، علوم اور مذہب کے دشمن تھے۔ ۲۔ ہماری حکومتوں کا خاتمہ مسلمانوں نے کیا ۳۔ مسلمانوں نے مندروں کو توڑا۔ ۴۔ مسلمانوں نے تعلیمی اداروں اور کتب خانوں کو تباہ و برباد کیا۔ ۵ شیوا ہندو قوم کے رہنما تھے۔ ۶؟۔ اورنگ زیب مسلم قوم کے رہنما تھے۔

"مسلمانوں کے آنے سے ہندو حکومتوں کا خاتمہ ہوا" ایسا بتانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ حالانکہ حکومتوں کا عروج و زوال ازل سے ہر ملک و ملت میں نظر آتا ہے۔ ان جنگوں کو بھی ایسے ہی زاویے سے دیکھنا چاہیے۔ مسلم حکومتوں نے بھی بھارت میں آپس میں جنگیں کی ہیں۔ بلکہ مسلمانوں نے آپس میں ہندوؤں سے زیادہ جنگیں کی ہیں یہ جنگیں ساری حصول اقتدار کی تھیں جہاد اور غزوات نہ تھے۔

مسلمان گویا ہندو سنسکرتی کے دشمن تھے۔ انھوں نے نالندہ اور دوسرے دارالعلوم کو صفحۂ ہستی سے مٹاد یہ بات غلط ہے۔ عباسی خلیفاؤں کے دربار میں ہندستانی علوم و فنون کی قدر و منزلت تھی۔ برہمنوں کی حکمت و فراست کے بغداد کے علما معترف تھے۔ ہندسہ اور علم الحساب میں ہندستان ہی کی اولیت اور سبقت مسلمانوں کے نزدیک مسلم چیز تھی۔ مامون کے قائم کردہ دارالترجمہ میں کئی ہندو فضلا بھی تھے۔ مسعودی وغیرہ نے ہند طبیبوں کے نام گنوائے ہیں۔ اور ان کی حذاقت کا اعتراف کیا ہے۔ البیرونی ان سب باتوں پر ایک شاہد عادل ہے۔ ابن مقفع نے "پنج تنتر" کا ترجمہ "کلیلہ و دمنہ" کے نام سے کیا۔ وہ آج تک عالم اسلام میں مقبول ہے۔ اور اس کے ذریعے دنیا کی مختلف زبانوں میں تراجم ہوئے۔ فارسی میں اسی کتاب کے کئی منظوم و منثور ترجمے ہوئے۔ اکبر کے عہد تک یہ یہاں کے براہمنوں کی ذہانت اور معاملہ فہمی کو خراج عقیدت پیش کیا گیا۔ دارا نے "उपनिषद (اوپنشد) کے ترجمے کیے۔ محمد غوث گوالیاری نے "یوگ" کے مطالعہ کے بعد "अमृत कुंड" (امرت کنڈ) ترجمہ کیا۔ گوالیا کے ہندی شاعر سندر کو شاہجہاں نے "مہاکوی رائے" یعنی دربار کے ملک الشعراء کا رتبہ عنایت کیا تھا۔ اور اس کی مصنفہ سندر سنگار کے فارسی ترجمہ کا ایک مخطوطہ احمد آباد کے شہر قاضی رضاء الحق صاحب کے پاس ہے۔

…یا سنسکرت کے "نگارین" پر فارسی میں ایک نادر کتاب ہے۔ ہندوؤں کی عظیم سنسکرتی کے ہر تابناک پہلو پر …سی اور عربی میں کتابیں دستیاب ہیں۔ ہندوستانی سنسکرتی کو مسلمان بادشاہوں اور اولیاء اللہ دونوں نے سراہا ہے۔

اسی طرح گجرات میں مراٹھوں کے ہاتھوں مسلمانوں کے کئی کتب خانے ضائع ہوئے ہیں۔ نہ وہ مسلم دشمنی تھی …سلم علوم و فنون سے بیر۔ جنگ کی تباہیوں میں یہ باتیں عام ہوتی ہیں۔ مہاراجہ شیواجی راؤ نے بڑودہ اسٹیٹ میں …ارسی عربی کے فروغ کے لیے کیا نہیں کیا۔ عرب جغرافیہ نویسوں اور سیاحوں نے بھارت کی والہانہ انداز میں …ریف کی ہے۔ ان مراعات کا بھی ذکر کیا ہے جو ہندوستان میں آباد مسلمانوں کو ہندو راجاؤں کی طرف سے مہیا …یں۔ نویں جماعت کی کتاب میں کہا گیا ہے کہ اول دو خلفائے راشدین نے اشاعت اسلام بالجبر پر پابندی لگائی۔ …جملہ اس مسموم ذہنیت کی غمازی کرتا ہے کہ جس کے ذمہ دار متعصب مستشرقین ہیں۔ انھوں نے اپنی مہم اور …ریروں سے یہ بات ذہن نشیں کرادی ہے کہ اسلام کی اشاعت بزور تلوار ہوئی ہے۔ اور مسلمانوں سے تعلق …کھنے والے ذہن میں حقائق کو پس پشت ڈال کر بطیب خاطر اس کو دہرایا ہے۔ اور اشارہ غالباً اس طرف ہے کہ …ھارت میں بھی اسلام کی اشاعت بالجبر ہوئی ہے۔ حالانکہ قرآن میں کہا گیا ہے کہ "لا اکراہ فی الدین" ہندوستان میں …سلام صوفیائے کرام کی کوششوں سے پھیلا ہے۔

شیواجی اور اورنگ زیب کی جنگوں کو صحیح زاویۂ نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔ ان کو حصول اقتدار کی …جنگیں سمجھنا چاہیے۔ وہ جنگیں مہارانا پرتاپ اور اکبر کے درمیان ہوں یا اورنگ زیب اور دکن کے شیعہ حکومتوں …کے خلاف ہوں۔ مذہبی تفریق لشکر کشی کی محرک نہیں تھی۔ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اس زمانے میں قومیت بہ اعتبار مذہب کا تصور عنقا تھا۔

ماضی کے واقعات کو موجودہ انتشار افزا سیاسی زاویوں سے نہیں دیکھنا چاہیے۔ کیونکہ ہمارا مستقبل مشترک …ہے۔ مندرجہ بالا نکات ایک مسموم ذہن کے فارمیٹ (Format) کا لاشعوری طور پر ایک حصہ بن چکی ہے۔ گویا کوئی بھی تاریخی کتاب ان نکات پر زہر افشانی کیے بغیر نامکمل ہے۔

جناب ایم۔ اے۔ بیگ
واردھا

مہاراشٹر کی درسی کتابیں

"اپنا بھارت"

شیواجی کی لڑائی کو اس کتاب میں "سوراج کی لڑائی" کہا گیا ہے۔ "ہندوی سوراج"۔ اسی طرح شائستہ خان کا ذکر صفحہ ۴۳ سے صفحہ ۵۴ تک ہے۔ میں نے جا بجا نشانات لگا دیئے ہیں۔ جا بجا ہندوی سوراج کا ذکر کیا ہے۔ صفحہ ۵۱ پر بادشاہ کی دغابازی کے عنوان سے اورنگ زیب کا ذکر کیا ہے۔ شیواجی کی تاج پوشی کا ذکر ہے۔ تاج پوشی کے سلسلہ میں غلط بیانی سے کام لیا گیا ہے، اور سوراج کے قیام کی بات کی گئی ہے اور جا بجا مسلمانوں کو "دشمن" کہا گیا ہے۔ اس کے بعد "اپنا بھارت" پانچویں جماعت کے لیے ہے۔ اس میں شہنشاہ اکبر، شاہجہاں، اور اورنگ زیب کا ذکر ہے۔

اس کے بعد "اپنا بھارت" چھٹی جماعت کے لیے ہے۔ اس میں وہی شیواجی کا ذکر ہے، اور انہی باتوں کو دہرایا گیا ہے جو پہلی کتابوں میں ہیں۔ لیکن زیادہ تفصیل کے ساتھ۔

اس کے بعد کی کتابیں بھی اسی قسم کی ہیں، ان کو میں نے چھوڑ دیا ہے۔ ان کتابوں میں سادھو۔ سنتوں کا ذکر ہے بڑی تفصیل سے۔ لیکن مسلمان صوفیوں خواجہ اجمیری اور بندہ نواز گیسو دراز کا کہیں ذکر نہیں۔ میں نے عجلت میں یہ کتابیں سرسری نظر سے دیکھی ہیں، ممکن ہے آپ ان سے کچھ کام لے سکیں۔

●●

اب احمد یوسف
پٹنہ

مہاراشٹر کی درسی کتابیں

نا بھارت"

اس کتاب نے ہندوستان کی تاریخ کا بالکل ہی نیا تصور پیش کیا ہے ۔ہندی بولنے والے علاقوں کے لئے
تصور بڑا ہی عجیب سا اور بڑا ہی مختلف سا نظر آتا ہے ۔اگر ہندی علاقوں کے لوگ اس کے فرقہ پرستانہ
حان کی وجہ سے Reject نہ کریں تو بھی وہ اس کے مراٹھی Chauvinism کے سبب ضرور Reject کر دیں گے۔
ں کتاب میں مرکزیت مہاراشٹر کو حاصل ہو گئی ہے ۔دلی کی مرکزیت کو یہ کتاب تسلیم نہیں کرتی، اور مرہٹوں کو
ں کی آزادی (سوراج) کا سب سے بڑا محافظ تصور کرتی ہے ۔اس سوراج کا نام مصنف نے محض ایک سیکولر
نگ دینے کی غرض سے ہندوی سوراج رکھا ہے ۔غور سے دیکھا جائے تو یہ "ہندوی سوراج" بجز ہندو احیاء
رستی کے اور کوئی دوسری شئے نہیں ہے ۔

یہاں مغل بادشاہ ظالم، دغاباز اور فریبی ہیں، مگر شیواجی بہادر جفاکش اور سچے آدمی ہیں۔
ٹر ہندو ہیں مگر دوسرے مذاہب کی بھی عزت کرتے ہیں ۔

ص ۱۹" باجی پربھو جیسے بہادر کی جان خطرے میں ڈالنا شیواجی کو منظور نہ تھا، لیکن انہیں سوراج
ی حفاظت بھی مقصود تھی ۔" ص ۲۲" شائستہ خاں کا حملہ گویا سوراج کے لئے دوسری بڑی آفت تھی ۔" ص ۲۳
ورنگ زیب کو یہ حال معلوم ہوا تو وہ بہت ناراض ہوا . . . شائستہ خاں کی شکست سے شیواجی راجہ کی دھاک
بیٹھ گئی، اس موقع پر انہوں نے جو دلیری اور موقع شناسی کا مظاہرہ کیا اس کی نظیر ملنی مشکل ہے ۔" ص ۲۳ "مذہبی
سومات شردھا بندگیت سات دریاؤں کے مقدس پانی سے شیواجی راجا کو نہلایا گیا ۔" ص ۳۰ "شیواجی مہاراج
نے اشٹ پردھان (آٹھ وزراء) کا تقرر کیا اور ایک نئے سنہ کی ابتدا کی ۔یہ سنہ ہندوی سوراج کے اقتدار
کا مظہر ہے ۔" ص ۳۱ "کرناٹک میں کئی چھوٹی ہندو ریاستیں تھیں انہیں اور عادل شاہی ریاستوں کو متحد کر کے
ورنگ زیب کو زیر کرنے کا مہاراج کا ارادہ تھا ۔" ص ۳۴ "اورنگ زیب نے اس سے کہا ۔"اگر تم مسلمان
ہو جاتے ہو تو تمہاری جان بخشی کی جائے گی . . . سمبھاجی نے اپنے دھرم کی خاطر اپنی جان دے دی ۔" اس کا یہ

ایثار بے مثال ہے، وہ شہید کہلایا۔" ص ۲۲" مہاراشٹر میں سینہ گڑھ، راج گڑھ، پرچنڈ گڑھ، پنہالا کے علاقوں پر مغلوں کا قبضہ تھا اور سوراج کا بہت سا علاقہ انہوں نے حاصل کیا تھا۔" ص ۵۲ سوراج کی لڑائی کا اختتام "سوراج کو برقرار رکھنے کے لئے مرہٹے چھبیس سال تک پوری بہادری کے ساتھ اورنگ زیب سے لڑتے رہے ... اسی لئے انھوں نے اورنگ زیب جیسے طاقتور دشمن کو زیر کیا۔" ص ۵۲ "اسی وقت دلی کے بادشاہ کی مدد کر کے پیشوا نے مالوے کے لئے سند حاصل کر لی (۱۷۴۳)۔" ص ۱۱۳" ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں کسی مسلمان کا ذکر نہیں۔" ص ۱۱۴" ہولی، پولا اور دسہرہ وغیرہ تہوار جوش و خروش کے ساتھ منائے جاتے ہیں۔ محرم تہوار نہیں۔

اپنا بھارت۔ تاریخ کی پہلی کتاب۔ پانچویں جماعت کے لئے II :۔ ص ۳ رام اور کرشن سے پنڈت نہرو تک کے ذکر میں کسی مسلمان کا ذکر نہیں۔" ص ۶۵ "شہاب الدین محمد غوری . . کی اشاعت کرنے کے لئے وہ منزل بہ منزل دلی کی طرف بڑھ رہا تھا۔" ص ۸۵ "رانا پرتاب نے اپنے تمام سرداروں کو اکٹھا کیا . . . اپنی جوشیلی تقریروں سے سپاہیوں کی ہمت بڑھائی، سب نے سوراج کے لئے آخری دم تک لڑنے کا عہد کیا۔" ص ۹۶ پابند شریعت بادشاہ :۔ اورنگ زیب ایک سنی مسلمان تھا . . . اسلام اور سنی جماعت کے اصولوں کی اشاعت کرنا اس کا مقصد تھا . . . اورنگ زیب نے اپنے مذہبی برتاؤ کی وجہ سے سلطنت میں رہنے والے ہندو جاٹ، سکھ، ستنامی لوگوں کا دل دکھایا تھا۔" ص ۹۷ "گرو تیغ بہادر ۱۶۶۴ء میں گدی نشین ہوئے . . . بادشاہ نے انہیں گرفتار کیا اور مذہب اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔" ص ۱۰۱ "اورنگ زیب نے ہندوؤں پر جزیہ عائد کیا تھا، اس پر شیواجی نے اورنگ زیب کو سخت الفاظ میں ایک خط لکھا اور جزیہ سے متعلق ناراضگی کا اظہار کیا۔" ص ۱۰۲ "دشمنوں کو زیر کر کے شیواجی نے ہندوی سوراج قائم کیا۔" ص ۱۰۳ "راجا سنبھاجی کو قید کر کے بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ بادشاہ نے ان سے کہا "اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو تمہاری جان بخشی کی جائے گی . . . بادشاہ نے انہیں سخت تکلیفیں دے کر مار ڈالا۔" ص ۵۱ "باہر سے آنے والے ان مسلمانوں نے اپنی سلطنتیں قائم کیں اور یہیں رہنے لگے، پہلے انھوں نے یہاں کے لوگوں کو زبردستی مسلمان بنایا۔"

بڑوں کی کہانیاں تیسری جماعت کے لئے III :۔ اس کتاب میں ۲۲ بڑوں کے ذکر میں صرف ایک مسلمان کا نام آتا ہے یعنی مولانا ابوالکلام آزاد کا۔

اگر انہیں صرف کانگریس کے سابق صدر ہونے کے سبب پیش کیا گیا ہے تو ان کے ساتھ طیب جی،

اجمل خاں اور ڈاکٹر انصاری کا نام بھی شامل کرنا تھا۔ سیاست دانوں میں مولانا محمد علی، حسرت موہانی
رفیع احمد قدوائی کا نام دینا تھا۔ ماہر تعلیمات کی حیثیت سے بھی اور ہندستان کے پہلے مسلمان صدر کی حیثیت
سے بھی ڈاکٹر ذاکر حسین کا نام رکھنا تھا۔ اسی طرح اور بھی کچھ لوگ تھے لیکن مصنف نے صرف ایک مسلمان کا نام رکھنا کافی سمجھا۔

چھتر پتی شیواجی (چوتھی جماعت کے لئے) :۔ "چھتر پتی شیواجی" پر یہ کتاب ایک نیم تاریخی تصنیف
کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہاں بھی دلی کی مرکزیت کو تسلیم نہیں کیا گیا۔ یہاں بھی سوراج کی بات کی گئی ہے اور
یہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ شیواجی نے مہاراشٹر میں سوراج کی بنیاد رکھی تھی۔ یہ کتاب بھی مراٹھا وطن پرستی
کے زیر اثر لکھی گئی ہے۔

ص ۱ "مہاراشٹر میں شیواجی سے ساڑھے تین سو سال پہلے سوراج نہیں تھا مہاراشٹر کے بڑے حصے
پر احمد نگر کے بادشاہ نظام شاہ اور بیجاپور کے حکمراں عادل شاہ کا قبضہ تھا۔ . . دونوں بادشاہ دشمنی
کی وجہ سے اکثر آپس میں لڑا کرتے تھے۔ . . لوگوں کو پوجا پاٹ کرنے اور تہوار منانے کی آزادی نہ
تھی۔" ص ۱۳ "مغل بادشاہ شاہ جہاں نے دکن کو فتح کرنے کے لئے ایک بہت بڑی فوج روانہ کی تھی۔"

اس وقت ہندستان میں اگر کوئی مرکزی حکومت تھی تو وہ دلی میں مغلوں کی حکومت تھی۔ مغل بادشاہ
کہہ کر یہ تصور دینے کی کوشش کی جاتی ہے کہ دوسرے چھوٹے حکمرانوں کی طرح مغل بھی تھے۔

ص ۱۶ "شیوبا بھونسلے خاندان کی بزرگ ہستی شری رام چندر جی تھے جنھوں نے ظالم راون کو مار کر عوام کو سکھی
بنایا تھا۔" ص ۱۸ "شری رام و کرشن کے خاندان میں تمہارا جنم ہوا ہے تم بھی ظالموں کو ختم کر سکتے ہو۔" ص ۲۷ "اسی سے شیواجی
کی ہمت اور بڑھی۔ انہیں محسوس ہوا کہ انہیں بھوانی ماتا کا آشیرواد حاصل ہے۔" تاریخ کو ہندوایا جا رہا ہے۔

ص ۴۲ "مغلوں کے حملوں سے مہاراشٹر برباد ہو گیا تھا۔ اس وقت دلی میں مغل بادشاہ اورنگ زیب حکمراں
تھا۔ شیواجی نے اس کے علاقے پر حملے کئے جس کی وجہ سے بادشاہ کو غصہ آگیا۔"

اورنگ زیب دلی کا حکمراں تھا اور دلی کا حکمراں ہی ہندستان کی تقدیر کا مالک سمجھا جاتا تھا۔ یہ جملے تو
یہ کہہ رہے ہیں کہ شیواجی ہندستان کے بادشاہ تھے اور اورنگ زیب نے ان کے خلاف بغاوت کر دی تھی۔

ص ۴۶ شیواجی کے لئے ۔ "اس کامیابی کے بعد شیواجی خاموش نہیں بیٹھے۔ ـــــ اورنگ زیب کے
لئے ـــ "اورنگ زیب کو بہت غصہ آیا اور اس نے مرہٹہ سلطنت کو ختم کرنے کا ارادہ کر لیا۔"

••

پروفیسر اکبر رحمانی

جلگاؤں

بڑھتی ہوئی منافرت میں نصابی کتابوں کا رول

آج ہمارا ملک فرقہ وارانہ، علاقائی، نسلی، لسانی اور مذہبی منافرتوں کی آگ میں جل رہا ہے۔ قتل و غارت گری، آتش زنی، لوٹ مار، دہشت گردی، ڈاکہ زنی، آبروریزی روزمرّہ کا معمول بن چکے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے قصبات و دیہات جو امن و آشتی، محبت اور بھائی چارگی کے گہوارے تھے اب وہ بھی فرقہ وارانہ منافرت کی بھیانک آگ میں جل رہے ہیں۔ علامہ اقبالؔ نے عہدِ غلامی میں ہندوستان کے بارے میں درد بھرے انداز میں جس حقیقت کا اظہار کیا تھا وہ آزادی کے چالیس سال گزرنے کے بعد بھی سچ ہے ؎

سرزمیں اپنی قیامت کی نفاق انگیز ہے
وصل کیسا یاں تو اک قربِ فراق انگیز ہے

تعصب، تنگ نظری، فرقہ پرستی اور مذہبی منافرت زندگی کے تمام شعبوں پر چھائی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ آج کل تو فرقہ وارانہ صورتِ حال اس قدر "دھماکہ خیز" ہے کہ ذرا سی چنگاری دکھانے ہی سے یہ جوالا مکھی کی طرح پھٹ پڑتا ہے۔ اس بڑھتی ہوئی منافرت کے لیے جہاں ایک طرف خود غرض اور مفاد پرست سیاستداں ذمّہ دار ہیں تو وہاں دوسری طرف ملک کا نظامِ تعلیم اور اس سے کہیں زیادہ درسی و نصابی کتابیں ذمّہ دار ہیں۔ آپ نے وہ مشہور کہاوت تو ضرور سنی ہوگی کہ "جیسا بوؤ گے ویسا کاٹو گے۔" آج ہمارے اردگرد نفرت، دشمنی اور تعصّب کی جو فصل لہلہا رہی ہے وہ نتیجہ ہے اُس تخم ریزی کا جو ہمارے تعلیمی نظام نے نصابی کتابوں کے

دنیا کو انجام دی ہے، مگر ہمیں اب بھی اس کا احساس نہیں ہے۔

ایک مفکّر نے بڑے پتے کی بات کہی ہے۔ وہ کہتا ہے اگر کوئی نیم حکیم غلط نسخہ تجویز کر دے تو مریض کو جان سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے۔ یہ ایک فرد کا نقصان ہوتا ہے۔ لیکن اگر درسی کتابوں میں ایسا مواد شامل کر دیا جائے جو نہ صرف ذہنوں کو بگاڑے بلکہ ہم چوں ما دیگرے نیست کا احساس پیدا کرے، اپنے سوا دوسروں سے نفرت کرنے کی تعلیم دے، عدم رواداری سکھائے، انتقامی جذبات کو بھڑکائے، نسلی غرور میں مبتلا کر دے تو ایسا نصاب اور ایسی نصابی کتابیں عظیم تباہی وبربادی لاتی ہیں۔ یہ پوری نسل کی تباہی ہوتی ہے۔ اس سے صرف ایک فرد کا نقصان نہیں ہوتا بلکہ پوری دنیا کی انسانیت خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ امن وامان اور سماجی زندگی کا سکون درہم برہم ہو کر رہ جاتا ہے۔

مدرسوں میں پڑھنے والے طلبہ ناپختہ ذہن کے مالک ہوتے ہیں۔ ان میں اچھے بُرے کی تمیز نہیں ہوتی۔ ان کا ذہن ایک خالی تختی کی مانند ہوتا ہے کہ اس پر استاد جو چاہے لکھ دے اور درسی کتابیں جو اثرات مرتب کردیں، اُسے وہ من وعن قبول کر لیتا ہے، اور آئندہ زندگی میں بھی یہ باتیں اس کے ذہن سے محو نہیں ہوتی ہیں۔

پھر یہ کہ اس منزل پر طلبہ کو جو باتیں پڑھائی اور سکھائی جاتی ہیں انہیں وہ حقیقت سمجھتا ہے۔ چوں کہ اس وقت اس میں اچھائی اور بُرائی کو پرکھنے کی صلاحیت نہیں ہوتی ہے، وہ استاد کی کہی ہوئی باتوں اور درسی کتابوں میں درج باتوں ہی کو صحیح سمجھتا ہے۔ لہٰذا اگر نصابی کتابوں میں کوئی غلط اور گمراہ کن بات یا واقعہ بیان کیا جائے تو طلبہ اسے صحیح سمجھ کر ذہن نشین کرلیں گے اور تمام زندگی ان کے ذہن سے یہ محو نہیں ہوگا۔ بچوں کا یہی ذہنی بگاڑ اور غلط تعلیم وتدریس آگے چل کر قوم وملک کے لیے تباہی وبربادی کا باعث بن جاتی ہے۔ تاریخِ عالم

میں اس کی کئی مثالیں ملتی ہیں ۔

دو عالمی جنگوں کے اسباب کا گہرائی سے جائزہ لیں تو آپ کو :

• ایک بہت بڑا سبب یہ معلوم ہوگا کہ جرمنی کے مدرسوں میں جو تاریخ پڑھائی گئی تھی اسی کے یہ تباہ کن نتائج تھے ۔" [1]

تاریخ کی درسی کتابوں نے بچپن ہی سے جرمن قوم کے دل و دماغ میں نسلی برتری و تفاخر کا احساس پیدا کر دیا تھا ۔ انہیں غیر آریاؤں سے نفرت کرنا سکھایا ۔ ایک قوم (ایک راشٹر)، ایک زبان (ایک بھاشا)، ایک کلچر (ایک سنسکرتی) نے انہیں متحد ضرور کیا تھا لیکن ان میں "جارحانہ قوم پرستی" کو فروغ دیا تھا اور پھر اس جارحیت کے جو نتائج برآمد ہوئے، تاریخ کا ہر طالب علم ان نتائج سے اچھی طرح واقف ہے ۔

اگر کوئی غیر جانب داری سے موجودہ درسی و نصابی کتابوں کا جائزہ لے کر یہ نتیجہ اخذ کرے کہ ہمارا ملک بھی جرمنی کی راہ پر گامزن ہے تو مبالغہ نہ ہوگا بلکہ ایک تلخ حقیقت کا اظہار ہوگا ۔ اس تلخ حقیقت سے آنکھیں چرانے کی بجائے اس کا سامنا کرنا ہی ملک و قوم اور انسانیت کے مفاد میں ہوگا ۔

آج ہمارے ملک میں ابتدائی، ثانوی اور اعلیٰ ثانوی مدارس میں جو نصابی کتابیں رائج ہیں اگر ان کا قومی یک جہتی کے نقطۂ نظر سے تنقیدی جائزہ لیا جائے تو آپ بھی اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ یہ نصابی کتابیں ہمارے ملک میں وہی رول ادا کر رہی ہیں جو ہٹلر کے جرمنی میں درسی کتابوں نے انجام دیا تھا ۔ بعض نصابی کتابوں کے ذریعے نہ صرف فرقہ وارانہ منافرت پھیلائی جا رہی ہے بلکہ ایک مخصوص فرقے اور مذہب کے خلاف جذبات کو مشتعل کر کے تشدد اور جارحیت

---

[1] تاریخ کیسے پڑھائیں، خالد یار خاں ص ۸ - ۹ شائع کردہ اردو اکیڈمی سندھ سن اشاعت جنوری ۱۹۶۱ء

کو فروغ دیا جارہا ہے۔

اِن درسی کتابوں میں آپ دیکھیں گے کہ ایک مخصوص فرقے کے مذہب، تاریخ، کلچر، ادب، مشاہیر، تہوار اور کارناموں کا زیادہ تذکرہ ہے اور دوسرے فرقوں کے کارہائے نمایاں کو یا تو بالکل نظر انداز کیا گیا یا ان کی قدر کم کی گئی یا پھر توڑ مروڑ کر غلط انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

یہاں یہ حقیقت پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ جب تمام فرقوں کی مشترکہ جد و جہد سے ملک آزاد ہوا، تو ہم نے جمہوری نظامِ زندگی کو اپنایا، تاکہ سب کے ساتھ یکساں سلوک ہو۔ مذہب، ذات، زبان اور نسل کی بنیاد پر کسی کے ساتھ تفریق یا ترجیحی سلوک نہ ہو۔ پھر ہم نے اپنا ایک نیا آئین بنایا جس میں انصاف پر مبنی معاشرے کے قیام کا عہد کیا گیا۔ اقلیتوں کے مذہبی، تعلیمی اور ثقافتی حقوق کو بنیادی حقوق کا درجہ دے کر ان کے تحفظ کی ضمانت بھی دی تاکہ اکثریت کو من مانی کرنے سے روکا جاسکے اور اقلیتوں کے دل سے عدمِ تحفظ کا احساس دور کیا جاسکے۔

یہ جان کر کہ ہمارا ملک کئی مذاہب، زبانوں اور تہذیبوں کا گہوارہ ہے اور کثرت میں وحدت (Unity in diversity) ہماری شان ہے۔ ہم نے سیکولرزم (Secularism) کو اپنایا۔ اس کا مطلب مذہب کی نفی نہیں، بلکہ سیکولرزم کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ مملکت کا کوئی مذہب نہ ہوگا، تمام مذاہب کا یکساں احترام ہوگا۔ مذہبی رہنماؤں، پیغمبروں اور مذہبی کتابوں کی قدر و منزلت ہوگی۔ ان کی اہانت و تذلیل نہ ہوگی۔

ان تسلیم شدہ حقائق کی روشنی میں جب نصابی کتابوں کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں متضاد و مخالف باتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ان نصابی کتابوں میں ہندو مائتھالوجی اور تصورات کا ذکر اس طرح ملتا ہے جیسے یہی تمام باشندگانِ ملک کا عقیدہ ہے۔ ایسا

لگتا ہے کہ چھوٹے چھوٹے بچوں کے ذہنوں میں داستانوں، کہانیوں، Fairy Tales (پریوں کی کہانیوں)، مکالموں، نظموں اور گیتوں کے ذریعے ایک مخصوص مذہب کے کردار اور دیو مالائی تصورات کو بٹھایا جا رہا ہے۔

شجاعت اور بہادری کی مثال دینا ہو تو بھیم، کرشن اور ارجن کے کردار کو پیش کیا جاتا ہے۔ بلند ہمتی اور خودداری کے لیے شیواجی اور رانا پرتاپ کی مثالیں دی جاتی ہیں۔ عفت و پاکیزگی کے لیے سیتا اور والدین کی اطاعت اور فرماں برداری کے لیے رام کے کردار کو قابلِ تقلید بتایا جاتا ہے۔

آپ کسی بھی ریاست کی غیر اردو زبانوں کی نصابی کتابیں اٹھا کر دیکھ لیجیے، ان میں آپ کو ایک مخصوص فرقے کے لوگوں، اس کے مذہبی کرداروں، اس کے بادشاہوں اور دیو مالائی تصورات کا ذکر ملے گا۔ ان درسی کتابوں میں آٹے میں نمک کے برابر ایک دو مسلم کردار نظر آئیں گے، وہ بھی ایسے جو طلبہ کے لیے قابلِ تقلید نہ ہوں مسلم بادشاہوں سے تو جیسے انہیں چڑ سی ہے۔ کوئی بادشاہ ان کی نظر میں انصاف پسند ہے، نہ بہادر، نہ عقل مند۔ یہ تمام باتیں قومی یک جہتی کے منافی ہیں۔

لسانی درسیات (Language Text Books) کی تدوین کے رہنما اصول :

زبان وسیلۂ اظہار اور ذریعۂ ابلاغ و ترسیل ہے۔ زبان ہی کے ذریعے انسان اپنے ماحول اور معاشرے سے ہم آہنگ ہوتا ہے۔ بچے کی شخصیت کی مکمل نشوونما میں یہ اہم کردار ادا کرتی ہے۔

ابتدائی اور ثانوی سطح پر غیر مادری زبان کی تدریس کا مقصد طلبہ میں بولنے، لکھنے، سمجھنے اور پڑھنے کی مہارتیں پیدا کرنا ہے۔ ہمارے ملک میں علاقائی زبان کے علاوہ ہندی اور انگریزی زبانیں لازمی طور پر سکھائی جاتی ہیں۔ ان زبانوں کی نصابی

ابیں مرتب کرتے وقت نہایت احتیاط سے کام لینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ تاریخ اور
انوں کی درسی کتابوں کی ترتیب و تدوین "کارگہہِ شیشہ گری" سے بھی زیادہ نازک کام ہے۔
درسی کتابوں میں کسی ایک فرقے کے لوگوں اور اس کے مذہبی کرداروں اور شخصیتوں کا
وہ تذکرہ اور کسی فرقے کے خلاف نفرت اور دشمنی کے جذبات نہ پیدا ہوں اس کا خیال
ھنا ضروری ہوتا ہے۔

کچھ عرصہ پہلے قومی کونسل برائے تعلیم، تحقیق و تربیت (NCERT)
تمام ریاستوں کو ہدایت جاری کی تھی کہ وہ نصابی کتابیں مرتب کرتے وقت اس بات پر
وصی توجہ دیں کہ اس میں کسی مخصوص مذہب، فرقے یا کلچر کا تذکرہ نہ ہو۔ ہمارے
ک میں قوموں کی شناخت، مذہب سے ہوتی ہے اس لیے درسی کتابوں میں کسی بھی مذہب،
اس کے اصولوں یا اس کی شخصیتوں کا اہانت آمیز ذکر نہیں ہونا چاہیے۔ یہ مذہبی
م رواداری قومی یک جہتی کے منافی ہے۔ "ہدایت نامے" کے الفاظ یہ ہیں:

"In text books religious intolerance may be reflected in the form of derograting remarks for religious books, tenets, personalities and people of a particular community, obviously such references cannot be accepted and retained in text books."

"If the passage chosen and the descriptions in the book as a whole are specifically related to the life,

culture and practices of community or one religion only ..... should be considered objectionable." ؎

قومی کونسل نے اپنے "ہدایت نامہ برائے مبصرینِ درسیات" میں مزید وضاحت کی ہے کہ درسی کتاب میں مخصوص فرقے کے خیالی کرداروں کا ذکر نہ ہونا چاہیے۔ ہاں مختلف فرقوں کے تہواروں اور رسوم کا تذکرہ قابلِ اعتراض نہیں ہے۔ لیکن اس نقطۂ نظر سے "عدم توازن" قابلِ اعتراض ہے۔ قومی کونسل نے مندرجہ ذیل پانچ باتوں کو قابلِ اعتراض اور قومی یک جہتی کے منافی قرار دے کر درسی کتابوں کو ان سے پاک کرنے کی ہدایت کی ہے:

(۱) فرقہ پرستی (Communalism)

(۲) ذات پات اور چھوت چھات (Casteism and Untouchability)

(۳) علاقہ پرستی اور لسانی عصبیت (Regionalism and Linguism)

(۴) نسل پرستی یا اونچ نیچ (Racialism)

(۵) ضعیف الاعتقادی یا اوہام پرستی اور ظلمت پسندی (Superstition and Obscurantism)

ان اصولوں کی روشنی میں مرتبین کتاب کو نثر و نظم کا انتخاب نہایت [illegible] انداز میں کرنا چاہیے تھا لیکن ہم دیکھتے ہیں اکثر ریاستوں کی لسانی درسی کتابوں میں

؎ Instructions for evaluating Language text books.

بالا ہدایات پر عمل نہیں کیا گیا ہے۔

معیار اصول: قومی کونسل نے جو معیار اصول (Criteria) مقرر کیے ہیں ان کی وضاحت بھی کر دی ہے تاکہ من مانی تشریح کی گنجائش نہ رہے۔ اس موقع پر ہدایت نامے کے چند اقتباسات دینا ضروری خیال کرتا ہوں تاکہ تعلیم و تدریس سے وابستہ حضرات ان کی روشنی میں اپنے اپنے علاقے کی درسی کتابوں کا جائزہ لے کر قومی یک جہتی کے منافی قابلِ اعتراض مواد کی نشاندہی کر کے مرکزی اور صوبائی حکومتوں کو متوجہ کرا سکیں۔

(۱) فرقہ پرستی سے متعلق وضاحتی اقتباس اس سے پہلے دیا جا چکا ہے۔

(۲) قومی کونسل نے "ذات پات اور چھوت چھات" کے بارے میں ہدایت دیتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ پیدائشی اعتبار سے انسانوں کے درمیان اعلیٰ و ادنیٰ کی تمیز و تفریق کرنا اور بعض کو اچھوت قرار دینا سراسر غیر انسانی فعل ہے۔ اس کی وجہ سے ایک خاص گروہ "قومی دھارے" سے کٹ جاتا ہے جس کی وجہ سے قومی یک جہتی کو نقصان پہنچتا ہے۔ اس قسم کی تفریق برتنا اب قابلِ تعزیر جرم ہے:

" Therefore, glorifying or condemning reference to the caste status of an individual or group of people should be considered undesirable in a text-book. "

یعنی درسی کتاب میں کسی ایسی بات کی طرف اشارہ تک نہ ہونا چاہیے جس میں کسی فرد یا گروہ کی ذات کے اعلیٰ و ادنیٰ ہونے کی بنا پر تحقیر و ستائش کی گئی ہو۔

(۳) کونسل نے تیسرے اصول "علاقہ پرستی اور لسانی عصبیت" کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ہندوستان ایک وسیع ملک ہے جو رنگارنگ کلچر اور مختلف بولیوں کا گہوارہ ہے۔ مختلف علاقوں کی زبان، کلچر، روایات اور رسوم جداگانہ

ہونے کے باوجود ان میں کئی باتیں مشترک ہیں، اسی لیے ہندوستان کا کلچر ایک مشترکہ کلچر ہے۔ یہ کسی خاص فرقے اور مذہب یا کسی خاص علاقے کا کلچر نہیں ہے۔ یہاں مختلف تہذیبوں اور علاقوں کے درمیان لین دین ہوا ہے۔ اس لیے ایک مشترکہ کلچر وجود میں آیا جو ہمارے ملک کی امتیازی شان ہے۔ یہی مشترکہ کلچر "کثرت میں وحدت" کا سماں پیش کرتا ہے اس لیے اس امتیازی خوبی کو زیادہ سے زیادہ ابھارنا چاہیے۔ اس کے برخلاف:

" Any reference to exclusiveness of a particular regional culture or language, or over glorification of a particular culture and language by derograting the other should be treated as objectionable material in a textbook."

یعنی درسی کتاب میں کسی مخصوص علاقے، زبان اور کلچر کی مبالغہ آمیز ثنا خوانی اور دوسروں کی تحقیر و تذلیل نہایت غیر مستحسن اور قابلِ اعتراض تصور کی جائے گی۔

(۴) قومی کونسل نے نسلی بنیاد پر انسانوں کے درمیان تفریق و تقسیم کو قابلِ اعتراض گردانتے ہوئے کسی خاص نسل کی خوب صورتی یا بدصورتی اور اس کی نسلی خصوصیات کا تذکرہ بھی قومی یک جہتی کے منافی قرار دیا ہے:

" Any description which divides humanity into superior or inferior races, must be discarded. In the same category are descriptions which

associate beauty or ugliness and repulsiveness with a particular race and present racial purity as a virtue. Such descriptions and references should be eliminated.

(۵) قومی کونسل نے ایسے مواد کو بھی درسی کتابوں سے خارج کرنے کی ہدایت کی ہے جو اوہام پرستی اور ظلمت پرستی کو فروغ دے۔ اس کی بجائے ایسا مواد کتابوں میں ہو جو عقلیت پسندی (Rationalism)، سیکولر اور سائنسی طرزِ فکر کو بڑھاوا دے۔

"In fact the habit to accept age old beliefs and superstitions without questioning them perpetuates attitudes undesirable for national integration. Therefore, any material that tends to promote obscurantism and superstition should be eliminated from our school text books."

۶ درسی کتابوں میں جس طرح متعصبانہ، فرقہ وارانہ اور منافرت انگیز مواد سے قومی یک جہتی کی راہ میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے، اُسی طرح ایسے واقعات اور ایسی شخصیتوں کے تذکرے جن سے قومی یک جہتی اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے فروغ میں مدد مل سکتی ہے انہیں چھوڑ دینا بھی قومی یک جہتی کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے چنانچہ قومی کونسل نے ایسی فروگزاشتوں کو بھی قابلِ اعتراض گردانا ہے:

"*Inclusion of prejudicial material is one factor which comes into the way of national integration. Omission of material which could have been conducive to national integration can be another factor leading to similar results....... The process of intermingling and developing friendly relationship among members of different communities, casts and regions etc. has been going on since time immemorial. Omission of this fact is objectionable.*"

یعنی ہماری تاریخ میں مذہبی رواداری کی کئی مثالیں ملتی ہیں۔ مختلف فرقوں، ذاتوں اور علاقوں کے لوگوں کے درمیان دوستانہ روابط اور اخوت و بھائی چارگی کا یہ سلسلہ صدیوں سے جاری ہے۔ درسی کتابوں میں ایسے واقعات اور شخصیتوں کا تذکرہ نہ کرنا ایک فروگزاشت ہے جو قومی یک جہتی کے نقطۂ نظر سے قابلِ اعتراض ہے۔

قومی کونسل نے واقعات کے بیان، محاورات اور کہاوتوں کے استعمال میں بھی محتاط رہنے کا مشورہ دیا ہے کیوں کہ یہ کسی زبان کے بولنے والوں کے ادب اور کلچر کی ترجمانی کرتے ہیں۔ اس لیے ان کی نسلی، طبقاتی اور ذاتی تعصبات نیز توہمات کی بھی جھلک ان میں دکھائی دیتی ہے۔ کم عمر کے بچوں کی درسی کتابوں میں الفاظ، محاورے اور کہاوتوں کے انتخاب میں کافی احتیاط برتنے کی ضرورت ہے کیوں کہ اس عمر کے بچوں میں اچھے اور بُرے کو پرکھنے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ اس لیے قومی کونسل نے

(मलेच्छ) ، یَوَن (यवन) جن سے مراد ' مسلمان ' جو کہ باہر سے
ے ، جیسے الفاظ کے استعمال کو ممنوع قرار دیا ہے ۔ اسی طرح لفظ ' کافر ' کے
ں کو بھی قومی یک جہتی کے منافی قرار دیا ہے ۔ کونسل نے ' ہدایت نامے ' میں تحریر
ہے کہ :

" Use of these words for particular communities in the textbooks of lower classes certainly work against the promotion of the feeling of national integration and should be eliminated."

کسی ذات یا فرقے کے خلاف تحقیر آمیز بیان یا کسی تحقیر آمیز صفت
جوڑنا بھی قابلِ اعتراض ہے ۔ اس ضمن میں قومی کونسل نے مندرجہ ذیل مثالیں
ہیں :

راماین کے مصنف تلسی کے اس شعر کو :

ढोल गंवार शुद्र पशु नारी
सकल ताडना के अधिकारी

ی کے بارے میں یہ کہنا کہ : " چمار کہیں کا ! " یا یہ بیان کہ " رحیم کا باپ مسلمان
ے ہوئے بھی دیش بھکت تھا " قابلِ اعتراض اور قومی یک جہتی کے منافی ہے ۔

" Use of derograting remarks and adjectives for a particular community based on age old beliefs need to be eliminated from the school text books."

مہاراشٹر کی نصابی کتابوں پر ایک نظر :

NCERT کی ہدایات کی روشنی میں جب ہم نصابی کتابوں کا جائزہ لیتے ہیں تو ایسا نظر آتا ہے کہ ان ہدایتوں پر یا تو بہت کم عمل کیا گیا یا انہیں قابلِ اعتناء نہ سمجھا گیا۔ ان ہدایتوں کی باوجود آج بھی نصابی کتابوں میں قابلِ اعتراض اور قومی یک جہتی اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے منافی مواد موجود ہے۔ یہاں ہم ریاستِ مہاراشٹر کی پرائمری اور سیکنڈری اسکولوں میں رائج نصابی کتابوں سے چند مثالیں پیش کرتے ہیں :

(۱) ہندی کی نصابی کتابیں :

ریاست کی پرائمری اسکولوں کے لیے مہاراشٹر اسٹیٹ بیورو آف ٹیکسٹ بکس پروڈکشن اینڈ ریسرچ پونا نے جو "ادارۂ بال بھارتی" کے نام سے مشہور ہے، پہلی تا ساتویں جماعت کی لسانی اور غیر لسانی مضامین کی درسی کتابیں ترتیب دے کر انہیں شائع کیا ہے۔ اس وقت میرے سامنے پانچویں تا ساتویں کی "ہندی بھاشا" کی درسی کتابیں ہیں۔ چونکہ ریاستِ مہاراشٹر میں "درسیات" کو قومیا لیا گیا ہے، اس لیے اب تمام درسی کتابیں حکومت کے ماتحت ادارے ہی شائع کرتے ہیں اور وہی لازمی طور پر تمام مدارس میں پڑھائی جاتی ہیں۔ ادارہ بال بھارتی نہ صرف کتابیں تیار کرتا ہے بلکہ انہیں چھاپ کر فروخت بھی کرتا ہے۔ ریاستِ مہاراشٹر میں رہنے والے تمام باشندوں کو چاہے وہ ہندو ہوں یا مسلمان، سکھ، عیسائی، جین اور بودھ سبھی کے لیے ان درسی کتابوں کا پڑھنا لازمی ہے۔ چنانچہ ان درسی کتابوں کو مرتب کرتے وقت مختلف مذاہب کا احترام ضروری تھا۔ اور قومی کونسل برائے تعلیم و تحقیق و تربیت نے جو ہدایات دی تھیں، ان پر عمل کرنے کی سخت ضرورت تھی لیکن جب ان ہندی درسی کتابوں پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان میں ایک مخصوص فرقے کے لوگوں، اس کے کلچر، اس کے

مذہبی اور دیو مالائی کرداروں اور بادشاہوں کا زیادہ ذکر ہے۔ بہ مشکل دو تین اسباق
میں مسلمان یا عیسائی کردار ملتے ہیں ۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔ آپ بھی ملاحظہ کیجیے :

پانچویں جماعت کی کتاب "سُلبھ ہندی بھاشا" [1] کے پہلے ہی سبق میں
نمستے کرنے، بھجن کرنے اور گانا گانے، کی تعلیم دی گئی ہے۔ پھر تصویر کے ذریعے اس
ہندوانہ کلچر کو ذہن نشین کرایا گیا ہے۔

سبق نمبر ۲۵ میں ایلیفنٹا کے غاروں کی سیر کرائی گئی ہے۔ ان غاروں میں
ایک شیو مندر بھی ہے جس میں ہندوؤں کے دیوتا برہما، وشنو اور مہیش کی ایک
عظیم الشان ترمورتی ہے۔ اس کی تصویر بھی دی گئی ہے۔ یہ معلومات بھی دی گئی ہے کہ
شیو لنگ (اگر کوئی بچہ سوال کر بیٹھے کہ "لنگ" کیا ہوتا ہے تو شاید مرتبین کتاب بھی
بتاتے ہوئے شرمائیں گے) قریب دو میٹر اونچا ہے۔ پھر 'اردھ ناریشور' شیو پاروتی اور
ترطے راج کی مورتیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ غرض ہندوستانی کلچر اور بھارتیہ سنسکرتی
کے نام پر ہندو دیوی دیوتاؤں کے ناموں کو ذہن نشین کرایا گیا ہے۔ مشقی سوالات
میں بھی ان دیوی دیوتاؤں پر سوالات کرکے طلبہ کو اچھی طرح ذہن نشین کرانے کی کوشش کی گئی ہے۔

۲۷ ویں سبق میں مدراس میں منائے جانے والے ہندوؤں کے ایک تہوار
"پونگل" کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ اس موقع پر سورج دیوتا، ہوا دیوتا
اور سمندر دیوتا کی پوجا کی جاتی ہے اور چاول کی کھیر ان دیوتاؤں کی بھینٹ کی جاتی
ہے۔ تیسرے دن گائے، بیل، بھینس وغیرہ جانوروں کی پوجا کی جاتی ہے۔ سبق میں
جانوروں کی پوجا کی تصویر بھی دی گئی ہے۔

---

[1] یہ کتاب پہلی بار ۱۹۷۱ء میں شائع ہوئی تھی۔ یہ اس کا گیارھواں ایڈیشن ہے جو ۱۹۸۱ء
میں شائع ہوا ہے۔ یہ کتاب ان طلبہ کے لیے ہے جن کی مادری زبان ہندی نہیں ہے۔

۳۲ واں سبق ایک نظم ہے جس کا عنوان "کرشن اور گوپی" ہے۔ اس نظم
ایک گوپی، یشودھا سے شکایت کرتی ہے اور پھر کرشن اس کا جواب دیتا ہے۔ کر
یشودھا اور گوپیوں کی تصویریں بھی دی گئی ہیں۔

کتاب میں سوائے دو اسباق کے تمام کے کردار ایک مخصوص فرقے سے تع
رکھتے ہیں جیسے ابھے، شرد، اوما، سشما، رگھوناتھ، ایکناتھ، اکشے، شما
شریش، یگنیہ دیو، گیان دیو، موہن، سوہن، مینا، شنکر، جینتی لال، جانکی،
بھارتی بائی، رامیشور، بھولا، واسودیو وغیرہ۔

کتاب میں ایشور ودیا ساگر کی رحمدلی، چتوڑ کی رانی کی بہادری، باپو
ہر جنوں سے ہمدردی، بھارتی بائی کی گوا کی آزادی کے لیے شہادت اور گنوار
کی عقل مندی کے قصے ہیں۔ دوسرے فرقے کے کارہائے نمایاں کو بالکل نظرانداز
گیا ہے۔ دوسرے فرقے کے تہواروں اور عظیم قومی شخصیتوں کا ذکر تک نہیں ہے
نمبر۲ کا عنوان "عید" ضرور ہے مگر اس میں "پونگل تہوار" کی طرح "عید" کی حق
بیان نہیں کی گئی ہے، بس یونہی عید کا ذکر کر دیا گیا ہے۔ ذرا آپ بھی ملاحظہ کیجیے ک
کے بارے میں کیا کہا گیا ہے:

"سعیدہ گھر آئی۔ سعیدہ کے ساتھ رتن آئی۔
سعیدہ کا بھائی حمید آیا، رتن کا بھائی نتن بھی آیا۔
سعیدہ، رتن کی سکھی (سہیلی) بنی۔ نتن، حمید کا ساتھی بنا۔
رتن، سعیدہ، نتن، حمید۔
سپھل (کامیاب) رہی اب اِن کی عید۔" (ص۴)

اس سے طلبہ کو عید کے بارے میں کیا معلومات ملی ــــ کچھ بھی نہیں۔

اس میں ایک سبق "شیخ چلی" (۳۰ واں) بھی ہے جس میں اس
احمقانہ حرکتوں کا ذکر ہے۔

(۲) چھٹی جماعت[1] کی کتاب کا نام ہندی بھاشا ہے۔ اس کے پہلے ہی سبق میں جو تصویر دی گئی ہے وہ ہندو مذہب کے عین مطابق ہے۔ اس میں دکھایا گیا ہے کہ دو چھوٹے بچے اپنے دونوں ہاتھ جوڑے ہوئے دیوتا کی مورتی کے سامنے بیٹھے پرارتھنا کر رہے ہیں۔

سبق نمبر ۷ "ناریل کے پیڑ" کے بارے میں ہے لیکن اس میں ابتدا میں بتایا گیا ہے کہ جب پروہت بھگوان کی جگہ پر ناریل رکھ دیتا ہے تو رامو کو تعجب ہوتا ہے کہ آج تک پوجا میں ایسا نہیں ہوا۔ وہ اپنے پتاجی سے دریافت کرتا ہے کہ ناریل کو "بھگوان" کا درجہ کیوں دیا جاتا ہے؟ اس سوال کے جواب میں ناریل اور اس کے پیڑ کے بہت سے فائدے گنانے کے بعد آخر میں کہا گیا کہ ـــــ "اِس لیے ہمارے پرکھوں نے اسے بھگوان کا درجہ دیا ہوگا۔"

نویں سبق میں مارواڑ کے راجہ درگا داس راٹھور کے بچپن کے بہادرانہ کارنامے کا ذکر ہے۔

گیارہویں سبق میں کنیا کماری کی سیر کرائی گئی ہے۔ کنیا کماری کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے بتایا گیا کہ راجہ بھرت کو آٹھ لڑکے اور ایک لڑکی تھی۔ بھرت کے نام پر ہی ہمارے ملک کو بھارت کہا جاتا ہے۔ جب راجہ بھرت نے سنیاس لے لیا تو اپنی سلطنت کو نو علاقوں میں تقسیم کرکے ہر ایک کو ایک ایک علاقہ دے دیا۔ ملک کا جنوبی علاقہ ان کی بیٹی "کماری" کے حصے میں آیا تب سے اس کا نام "کنیا کماری" ہوا۔ پھر اس سبق میں مندروں اور مورتیوں کی خوب صورتی کا ذکر کیا گیا ہے۔

اِس کتاب میں پارسی لیڈی کاما اور ہومی بھابھا، سائنس کے جادوگر ایڈیسن،

---

[1] یہ کتاب پہلی بار ۱۹۷۰ء میں شائع ہوئی۔ یہ اس کا ۱۹۸۷ء کا جدید ایڈیشن ہے۔

چوڑی والے بابا اور ڈاکٹر ذاکر حسین پر بھی مضامین ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ سابقہ درسی کتاب کے مقابلے میں اس میں دوسرے فرقوں کو نمائندگی دی گئی ہے مگر زیادہ تر اسباق میں ایک خاص فرقے کے کردار مذہبی عقائد و روایات اور کلچر کا ذکر ہے۔

(۳) ساتویں جماعت کی ہندی بھاشا:[1]

اس کتاب کے سبق نمبر ۱۶ میں تُلسی داس جی کو رام سے کتنی محبت تھی، اُسے ڈرامے کی صورت میں دکھایا گیا ہے۔

صفحہ نمبر ۲۷ پر "چکر" (चक्र) کے عنوان سے ایک نظم دی گئی ہے۔ اس نظم میں "چکر" کی خدمت و عظمت کے گُن گائے گئے ہیں۔ تصویر میں شری کرشن کو دکھایا گیا ہے جن کے ہاتھ میں "سُدرشن چکر" ہے۔ گیارہ اشعار پر مشتمل اس نظم میں صرف ایک شعر میں شری کرشن کے سُدرشن چکر کا ذکر ہے، لیکن آرٹسٹ نے اسی بات کو زیادہ نمایاں انداز میں پیش کیا ہے۔

۲۵ واں سبق "رام لیلا" پر ہے۔ یہ تہوار شمالی بھارت میں بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔ اس دن رام چندر جی نے راون پر فتح حاصل کی تھی۔ اس سبق میں "رام لیلا" کے تہوار کو اتحاد اور قومیت کی علامت بتایا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ اس کے دیکھنے سے دشمنوں پر فتح پانے کی تحریک ملتی ہے نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بھائی بھائی، باپ بیٹے، شوہر بیوی اور آقا و غلام کے تعلقات کیسے ہونا چاہیے۔ سبق کے ذیل میں جو مشق دی گئی ہے اس میں پوچھا گیا ہے کہ "رام چندر کی زندگی کا کون سا واقعہ تمہیں سب سے زیادہ پسند ہے؟ کیوں؟ دس سطروں میں لکھیے۔"

سبق نمبر ۲۷ میں ہندوؤں کے متبرک مقام "پنڈھرپور" (مہاراشٹر) کے مہاں

---

[1] مطبوعہ ایڈیشن ۱۹۸۲ء یہ کتاب پہلی بار ۱۹۷۱ء میں شائع ہوئی تھی۔

شیو بھکت "نرہری سونار" کی داستان بیان کی گئی ہے۔ اس کہانی میں بتایا گیا ہے کہ نرہری سونار، شیو شنکر کا کٹر عقیدت مند تھا۔ شیو کے سوا کسی اور کو نہ مانتا تھا۔ تمام دیوتا ایک ہی بھگوان کے مختلف روپ ہوتے ہیں یہ بات اسے تسلیم نہ تھی۔ ایک دن دولت آباد سے ایک ساہوکار، وٹھل، (پنڈھرپور کے مشہور مندر کا دیوتا) کی منت پوری کرنے پنڈھرپور آیا اس نے نرہری سونار سے کہا کہ وہ وٹھل وٹھوبا کی مورتی پر چڑھانے کے لیے ایک خوب صورت زیور بنا دے۔ ساہوکار نے اس سے وٹھوبا کی کمر ناپ لینے کے لیے مندر چلنے کو کہا مگر نرہری سونار نے وہاں جانے سے صاف انکار کر دیا کیوں کہ وہ شیو شنکر کے سوا کسی دوسرے دیوتا کو نہیں مانتا تھا۔ آخر ساہوکار نے مندر جا کر ناپ لایا۔ سونار نے خوب صورت زیور تیار کر دیا۔ جب ساہوکار نے اسے پہنایا تو وہ بہت ڈھیلا لگا۔ اسے سونار کے پاس لا کر چست کرایا۔ پھر ساہوکار مندر گیا لیکن وہ اور زیادہ چست ہو گیا۔ اسے بڑا تعجب ہوا کہ پہلے ڈھیلا اور اب کمر میں آتا ہی نہیں۔ اس نے نرہری سونار سے مندر چلنے کی منت سماجت کی۔ مجبوراً وہ چلنے پر راضی ہوا لیکن آنکھ پر پٹی باندھے ہوئے۔ جب اس نے وٹھوبا کی کمر کو ٹٹولا تو اسے وہ شیو شنکر کی مورتی لگی۔ آنکھوں سے پٹی ہٹا کر دیکھا تو وہ وٹھوبا کی مورتی تھی۔ اس نے پھر آنکھوں پر پٹی باندھ لی۔ اب پھر ٹٹولا تو وہی شیو کی مورتی کا احساس ہوا۔ اسی وقت اس کے کانوں میں وٹھل کی آواز آئی:

" ارے شیو جی اور میں ایک ہی ہیں۔ اب آئندہ تو دیوتاؤں کے درمیان تفریق نہ کرنا۔"

نرہری کو بے حد افسوس ہوا۔ اس نے وٹھل کا نام لے کر زیور پہنایا تو وہ برابر بیٹھ گیا۔"

اس سبق میں دو مقامات پر "وٹھل" کی مورتیوں کی تصاویر ہیں۔

ندیوں کے بیان میں بھی ہندو دیومالا کی جھلک ملتی ہے۔ سبق نمبر ۲۸ میں گنگا کے بارے میں کہا گیا ہے کہ "گنگا میا (ماں) کا مقدس پانی جس جگہ سے سب سے

پہلے نکلتا ہے اس مقام کا نام گومکھ ہے ..... ہم لوگ اس مقدس زمین ..... "

ابتدائی درجات کی ان ہندی درسیات میں ہندو مذہب، ہندو روایات، مشرکانہ عقائد، دیومالائی تصورات کو نہایت خوش نما شکل میں ظاہر کیا گیا ہے اور اس انداز سے ان کا ذکر کیا گیا ہے گویا ان کے پڑھنے والے یہی عقیدہ رکھتے ہیں۔ گنگا کو پوِتر ماننا ہندوؤں کا عقیدہ ہے لیکن اسے اس طرح بیان کیا گیا ہے جیسے وہ ہر ہندوستانی کا عقیدہ ہے۔

ان کتابوں میں دوسرے فرقوں کے عقائد، مذہبی شخصیتوں، تاریخی کرداروں اخلاقی وسبق آموز واقعات اور تہواروں کو بہت کم (بلکہ نہ ہونے کے برابر) جگہ دی گئی ہے۔ ہندوستان کی جنگِ آزادی میں جن مسلمانوں نے عظیم قربانیاں دیں یا مسلم بادشاہوں کی رواداری کے جو واقعات تواریخ میں محفوظ ہیں انہیں کوئی جگہ نہیں دی گئی ہے ۔ یہ "فروگزاشت" جو کہ قصداً اور شعوری طور پر کی گئی ہے قومی یک جہتی اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کی راہ میں زبردست رکاوٹ ہے۔ میں نے اسے "شعوری" اس لیے کہا ہے کہ مذکورہ کتابوں کو شائع ہوئے ۲۶ برس کا عرصہ ہو چکا ہے، NCERT کی ہدایتوں کے باوجود اب تک ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ NCERT نے کتاب کی اشاعت سے پہلے واضح طور پر یہ ہدایت کی تھی کہ درسی کتاب میں کسی خاص فرقے، مذہب اور کلچر کا زیادہ تذکرہ نہ ہونا چاہیے۔ مبصرین کتاب سے کہا گیا تھا کہ وہ ایسے مواد کی نشان دہی کریں:

"Mention if the passages chosen and the descriptions in the book as a whole are specifically related to the life, culture and practices of a community or one religion only. For example the names of the imaginary characters are chosen from one community alone. But

it should not be inferred that festivals, customs, names etc. pertaining to each and every community should invariably find a place in a text book. The general approach to be followed in a text book should be to represent people and their social environment as they exist in real life situations. Any imbalance in the book from this point of view should be considered objectionable."

(Instructions for evaluating Language Text books from the standpoint of National Integration page 4)

ثانوی درجات کی ہندی کتابیں :

آٹھویں تا دسویں ثانوی درجات کی ہندی نصابی کتابیں مہاراشٹر اسٹیٹ بورڈ آف سیکنڈری اینڈ ہائر سیکنڈری ایجوکیشن نے شائع کی ہے۔ بورڈ نے دو قسم کی کتابیں شائع کی ہے :

(۱) کمار بھارتی ہندی، ان طلبہ کے لیے جن کی مادری زبان ہندی ہے، اور
(۲) ہندی گدیہ پدیہ سنگرہ (हिन्दी गद्य पद्य संग्रह)
ان طلبہ کے لیے جن کی مادری زبان ہندی نہیں ہے اور جو مشترکہ کورس (Composite Course) کی حیثیت سے پڑھنا چاہتے ہیں۔ مہاراشٹر کی اکثر اردو میڈیم ہائی اسکولوں

میں یہی کتاب رائج ہے۔ یہاں ہم اسی کتاب کا جائزہ پیش کر رہے ہیں۔

ثانوی درجات کی ہندی درسیات میں کسی مخصوص فرقے، اس کے مذہب، مذہبی شخصیتوں، دیوی دیوتاؤں، مشرکانہ عقائد و روایات اور دیو مالائی تصورات کا ذکر نہیں ہے ان کتابوں میں ہندی لٹریچر سے منتخبہ سبق آموز کہانیاں، مزاحیہ مضامین، ایڈونچر، مجاہدین آزادی، نامور کھلاڑی، سفرنامے وغیرہ شامل ہیں۔ لیکن آٹھویں تا دسویں جماعتوں کی تینوں درسی کتابوں میں راجپوتوں کی بہادری کی کہانیاں ہیں جو ڈراموں کی شکل میں پیش کی گئی ہیں۔ ان ڈراموں میں راجپوتوں کا مقابلہ مسلمانوں سے دکھا کر راجپوتوں کی وریتا اور ان کی بہادری اور ان کی حب الوطنی کو سراہا گیا ہے مسلمانوں کے بارے میں یہ تاثر دیا گیا ہے کہ وہ غیر ملکی حملہ آور تھے، ظالم و جابر تھے، لوٹ مار کرتے تھے، دولت کے لالچی تھے۔ جب طلبہ ان کہانیوں کو پڑھیں گے تو یقیناً ان کے دل میں مسلمانوں کے خلاف نفرت کے جذبات پیدا ہوں گے۔

ان میں سے دو[2] ڈرامے — (۱) "دودھا کا بلیدان" (آٹھویں جماعت ص ۱۷) اور (۲) "یہ دھول رنگ لائے گی" (نویں جماعت ص ۲۲)۔ کیشو پرساد سنگھ کے تحریر کردہ ہیں جن کے متعلق یہ مشہور ہے کہ وہ تاریخی حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے میں مہارت رکھتے ہیں اور ان کے اکثر تاریخی ڈرامے تخیل کی کرشمہ سازیاں ہیں۔

آٹھویں[1] جماعت کی کمپوزٹ ہندی کی درسی کتاب میں سبق نمبر ۴:

"دودھا کا بلیدان" میں بتایا گیا ہے کہ ہلدی گھاٹ میں مغلوں سے شکست کھانے کے بعد مہارانا پرتاپ اور ان کا خاندان جنگل میں پناہ گزیں ہے جہاں انہیں روٹی تک میسر نہیں بچے بھوک سے تڑپ رہے ہیں۔ مہارانا پرتاپ اپنی بے بسی پر آنسو بہا رہے ہیں۔ اس عالم

---

۱ پہلا ایڈیشن ۱۹۸۲ء

ے لسی میں رو رہا نامی بھیل بالک مغلوں کے ہاتھوں زخمی ہونے کے باوجود روٹیوں کا
حفاظت کرتا ہے اور مرجاتا ہے۔

سبق میں بتایا گیا ہے کہ ننھے بالک کی اپنے مادرِ وطن کے تحفظ کے لیے دی
گئی یہ عظیم الشان قربانی صدیوں تک لوگوں کو گرماتی رہے گی۔ یہ قربانی امر ہے اس لیے
اس کے سامنے سب کو سر جھکانا چاہیے۔

اس سبق کے پڑھنے سے یہ تاثر ملتا ہے کہ مغل (یعنی مسلمان) ظالم، جابر
اور بے رحم تھے۔ انہوں نے ایک معصوم بچے کو بھی اپنے ظلم کا نشانہ بنانے میں لس و پیش نہ
کیا۔ اس سے مغلوں کی بے رحمی اور وحشیانہ پن ظاہر ہوتا ہے۔

نویں جماعت کی درسی کتاب میں ڈراما "یہ ڈھول رنگ لائے گی"

اس میں مہارانا پرتاپ کی غیرت، حمیت اور خودداری کو دکھایا گیا ہے اور مغل بادشاہ اکبر کے
سپہ سالار مان سنگھ اور جودھابائی کی تذلیل و اہانت کی گئی ہے اور ان کی حمیت کو للکارا
گیا ہے۔ مرتبینِ کتاب کے مطابق :

> "اس ڈرامے میں راجپوتوں کی آن اور دیش بھکتی کی موثر انداز
> میں تصویر کشی کی گئی ہے۔"[۱]

ہندوستان میں تاریخ کے ساتھ بڑا مذاق ہو رہا ہے کہ ہر کوئی من مانے طریقے
سے تاریخی واقعات کو مسخ کر رہا ہے۔ کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ مغلوں میں سب سے اچھا کوئی
بادشاہ تھا تو وہ اکبر تھا۔ اکبر کو سیکولرزم کا بانی بتایا جاتا ہے۔ اس کے راجپوتوں اور
ہندوؤں سے خوش گوار تعلقات کی تعریف کی جاتی ہے۔ اسے تمام بادشاہوں میں سب سے
زیادہ" رواداراور انصاف پسند" بتایا جاتا ہے۔ لیکن مذکورہ ڈرامے میں وہی اکبر

---

[۱] تعارفی نوٹ ص ۲۲

اور اس کی فوج کو غیر ملکی حملہ آور اور ظالم بتایا گیا ہے اور مان سنگھ اور جودھا بائی کو بے غیرت اور وطن کا غدار دکھایا گیا ہے۔

ڈرامے کے آخر میں دکھایا گیا ہے کہ جب مان سنگھ اپنی بے عزتی برداشت نہیں کر پاتا ہے تو وہ رانا پرتاپ کو انتقام کی دھمکی دے کر چلا جاتا ہے۔ اس کے جانے کے بعد مہارانا پرتاپ حکم دیتا ہے کہ:

"مان سنگھ کے آنے سے یہ جگہ ناپاک ہوگئی ہے، اسے دھلوا دو۔"

دسویں جماعت[1] کی درسی کتاب میں بعنوان "تیمور کی ہار" ایک ڈراما ہے جسے رام کمار ورما نے لکھا ہے۔ یہ ڈراما تیمور کی زندگی کے ایک واقعہ پر مبنی ہے۔ اس ڈرامے میں تیمور لنگ کو لٹیرا اور ظالم بتایا گیا ہے جس سے گاؤں کے تمام ہندو اور مسلمان ڈرتے ہیں۔ جب گاؤں والوں کو پتہ چلتا ہے کہ "ترک" آرہے ہیں تو وہ گاؤں چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں۔

تیمور جس وقت اس گاؤں میں پہنچتا ہے تو اس کا سامنا ایک ننھے بالک بل کرن سے ہوتا ہے۔ اس کی بے خوفی، نڈرپن، بے باکی اور حوصلے کو دیکھ کر تیمور اپنی ہار مان لیتا ہے۔ اس ڈرامے میں جو مکالمات ہیں وہ مسلمانوں کے خلاف نفرت پیدا کرتے ہیں۔

ڈرامے کا ایک کردار کلیانی ہے جو بل کرن کی ماں ہے۔ ماں اپنے بیٹے کی سال گرہ کے دن ڈر اور خوف کا گانا گاتی ہے۔ جب بیٹا دریافت کرتا ہے تو اسے بتاتی ہے کہ:

"بہت دن ہوئے غزنی سے محمود غزنوی یہاں آیا تھا اس نے سومناتھ کا مندر توڑا تھا اور بہت سے انسانوں کا قتل کیا

---

[1] ایڈیشن ۱۹۸۴ء

تھا۔ پھر بہت سادھن نے کردہ یہاں سے چلا گیا۔"

اس کے بعد کا جو منظر ہے اس میں دکھایا گیا ہے کہ گاؤں میں بھگدڑ اور بھیانک شور مچ جاتا ہے۔ ہندو گھبرائے ہوئے کہتے ہیں: "ترک آگیا! ترک آگیا!! بھاگو بھاگو .... ترک آگیا۔"

ایک مسلمان، کلیانی سے کہتا ہے "بہن بھاگ چلو۔ جلدی جلدی ــــ وہ تیمور آگیا، میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے ... لوٹتے ہوئے آرہے ہیں وہ لوگ ...."

تیسرا ہندو آکر کہتا ہے "بہن کلیانی سب کچھ چھوڑ کر جلدی سے بھاگو تبھی جان بچے گی .... جنگل میں چھپ جاؤ نہیں تو تہہ خانے میں۔"

اس وقت بل کرن دودھ لانے سُشیاں کے گھر گیا ہوا ہوتا ہے۔ کلیانی تہہ خانے میں چھپ جاتی ہے۔ اس وقت تیمور کی فوج کا سردار ظفر اور سپاہی علی بیگ اور مبارک اس گھر میں داخل ہوتے ہیں۔ ظفر اپنے سپاہی مبارک سے کہتا ہے:

"مبارک! اس وقت آدمیوں کو قتل کرنا ہمارا مقصد نہیں ہے، ہم تو سونا چاندی لوٹنے آئے ہیں۔"

اس طرح ڈرامے میں تیمور اور اس کے سپاہیوں کو از حد حریص و لالچی دکھایا گیا ہے۔ تیمور جیسے ڈراما نگار نے 'غازی تیمور' لکھا ہے، وہ ننھے بل کرن سے تلوار کا دھاک دکھا کر دودھ چھین کر پی لیتا ہے۔ بل کرن چاقو سے لڑنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ اس کی بے خوفی کو دیکھ کر تیمور اس کی جان بخش دیتا ہے اور اس کے کہنے پر گاؤں چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔ پھر تیمور کے لنگڑے پن کا مضحکہ اڑایا گیا ہے۔ کیا ایسے ڈرامے قومی یک جہتی کو فروغ دے سکتے ہیں؟

انگریزی درسی کتب کا جائزہ:

انگریزی جو ایک غیر ملکی زبان ہے اس کی درسی کتابوں میں بھی ایک مخصوص فرقے کے کردار، روایاتی کہانیوں اور تاریخی شخصیتوں کا زیادہ تذکرہ ہے۔ دو تین اسباق

میں مسلم کردار اور شخصیتوں کا ذکر ملتا ہے۔

انگلش ریڈرز[1] برائے جماعت ہفتم میں خلیفہ ہارون الرشید کے انصاف پر مبنی کہانی The Barber of Bagdad دو حصّوں میں دی گئی ہے۔ علی بابا اور چالیس چور کی داستان تین حصّوں میں دی گئی ہے۔ بعض اسباق میں یاسمین اور احمد نام کے کردار بھی ملتے ہیں مگر بہ حیثیت مجموعی ان کتابوں میں "توازن" قائم نہیں رکھا گیا ہے۔

چھٹی[2] جماعت کی کتاب میں صفحہ ۵۰ پر "شیواجی" کے عنوان سے ایک سبق ہے۔ اس سبق سے یہ تاثر ملتا ہے کہ مہاراشٹر مسلمانوں کے عہدِ حکومت میں غلامی کی حالت میں تھا اور عوام کی حالت بے حد خراب تھی۔ وہ ناخوش تھے۔ شیواجی نے مہاراشٹر کو اغیار کی غلامی سے آزاد کیا۔

"In those days the people in Maharashtra were poor and unhappy. Most of them did not have enough food and clothing. Their ruler, the Sultan of Bijapur, lived far away and did not care for them."

" Shivaji had many enemies. The Moghul Emperor of Delhi and the

---

[1] English Readers Book Three : Std. VII - Reprint : 1987

[2] English Readers Book Two : Std. VI - Reprint : 1987

Sultan of Bijapur were very powerful."

ظاہر ہے ان اقتباسات کے پڑھنے سے طلبہ میں مسلمانوں کے خلاف نفرت کی آگ بھڑکے گی اور وہ بھی مسلمانوں کو اپنا دشمن سمجھنے لگیں گے۔ پھر یہ کہ مسلم عہد حکومت کی غلط تصویر پیش کی گئی ہے۔

شیواجی کی بہادری اور چالاکی کے متعلق ایک واقعہ نویں[۱] جماعت کی کتاب کے سبق نمبر ۱۶ The Great Escape (یعنی عظیم فرار) میں دیا گیا ہے۔ اس سبق میں بتایا گیا ہے کہ شیواجی اورنگ زیب کی قید سے کس طرح فرار ہوا؟ سبق میں اورنگ زیب کو دھوکے باز، ظالم اور غیر منصف بتایا گیا ہے اور اس طرح مسلمانوں اور مسلم بادشاہوں کے خلاف بالواسطہ طریقے سے نفرت پیدا کی گئی ہے۔ اس سبق کے چند اقتباسات ملاحظہ کیجیے:

"Shivaji soon realized that Aurangzeb wanted either to kill him secretly or to send him to a remote place in Afghanistan..... First he tried to apeal to Aurangzeb's sense of justice but failed to win his favour."

شیواجی کا تذکرہ یہیں ختم نہیں ہوا بلکہ پھر دسویں[۲] جماعت کی کتاب میں اس کے کارناموں کو دہرایا گیا۔ سبق نمبر ۵ Shivaji The G eat میں ذرا جذباتی انداز میں شیواجی کی زندگی اور شجاعت کے کارناموں کو بیان کیا گیا ہے:

---

[۱] English Reader- Std. IX - Reprint 1987

[۲] English Reader- Std. X

"A born revolutionary- Shivaji fought against every kind of aggression and took up arms ageist cruel rulers."

" He made up his mind to free his land from Mohammad Adil Shah of Bijapur. He fought many battles against the mighty kings of Delhi and Bijapur, unifying his people under the Bhagva Jhenda."

اور جب شیواجی کا جشنِ تاج پوشی منایا گیا تو دربار میں موجود سب لوگوں نے شیواجی مہاراج کی جے کا نعرہ لگاتے ہوئے "گو (گئے) برہمن پرتی پالک" کا نعرہ لگایا۔ اس سبق میں پہلی بار شیواجی کی رواداری کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ:

"شیواجی نے سب کو مذہبی آزادی دے رکھی تھی۔ سے کسی عقیدے سے نفرت نہیں تھی۔ اس نے رائے گڑھ میں اپنے محل کے مقابل ایک مسجد تعمیر کرائی تھی۔ وہ رام داس اور بابا یاقوت کو اپنا روحانی گرو مانتا تھا۔ ملا حیدر اس کا پرائیویٹ سکریٹری اور ابراہیم خان اور دولت خان اس کی فوج کے کمانڈر تھے۔"

پہلی بار شیواجی کی زندگی کے اس پہلو پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اگر سابقہ جماعتوں کی درسی کتابوں نیز تاریخ کی کتابوں میں اور نمایاں کر کے پیش کیا جاتا تو ریاستِ مہاراشٹر میں ہندو مسلم تعلقات کو مزید خوش گوار بنانے میں مدد ملتی اور اس سے فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور قومی یک جہتی کو فروغ حاصل ہوتا۔

غرض انگریزی کی درسیات میں بھی ایک مخصوص فرقے کے افراد ان

تہذیب اور ان کی تاریخ کو زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔ اس کے علاوہ ان کتابوں میں
ی لٹریچر اور تہذیب کو بھی بڑی حد تک نمائندگی دی گئی ہے جب کہ اُن کے کردار
حول طلبہ کے لیے اجنبی ہیں۔ قومی کونسل نے اس قسم کے موادِ سبق کو قومی یک جہتی
نقطۂ نظر سے قابلِ اعتراض گردانا ہے:

"However, Textbooks and Supplementary books in English language used in Indian school should as far as possible reflect the Indian Culture, the names of local characters, places, flora and fauna of India should generally be used in lessons included in English language textbooks ..... The material which alienates the students from our own culture and way of life should be considered objectionable. The same should be applicable for selections of literary works." ؎

زبان کی درسی کتابوں کو دیکھ کر یہ نتیجہ اخذ کرنا غلط نہ ہوگا کہ یہ کتابیں
ایک مخصوص فرقے کے طلبہ کو پیشِ نظر رکھ کر مرتب کی گئی ہیں۔ بالخصوص ابتدائی

؎ Instructions for evaluating Language textbooks ..... page 14.

درجات کی کتابیں تو اکثریتی فرقے کے خیالات، دیومالائی تصورات اور مذہبی عقائد کی ترجمان نظر آتی ہیں۔ مرتبین نے یہ نہیں سوچا کہ ان کتابوں کے پڑھنے والے ایک فرقے کے نہیں بلکہ تمام فرقوں کے طلبہ ہوتے ہیں۔

تاریخ کی نصابی کتابوں کا جائزہ

تاریخ ایک ایسا مضمون ہے جس کی اہمیت وافادیت سے کوئی عالم و مفکر انکار نہیں کر سکتا۔ اس مضمون میں ایسی زبردست قوت پنہاں ہے کہ اس کے ذریعے دلوں کو توڑا بھی جا سکتا ہے اور جوڑا بھی۔ تاریخ ماضی کے واقعات و تجربات کا آئینہ پیش کر کے انسانوں کو ان کے حال اور مستقبل کو بہتر اور روشن بنانے میں مدد کرتی ہے۔ اسلاف کے کارنامے سنا کر طلبہ میں حب الوطنی کے جذبات کو ابھار سکتی ہے۔ تاریخ انسانوں کو دانش مند بناتی ہے۔ اسے امن کی اہمیت اور جنگ کی تباہیوں سے واقف کراتی ہے۔ اس میں اعلیٰ وارفع مقاصد کے لیے جذبۂ ایثار و قربانی پیدا کرتی ہے۔ تاریخ کی مدد سے طلبہ میں انسانوں سے محبت، ہمدردی، رواداری اور وسیع النظری پیدا کی جا سکتی ہے۔

یہ امر نہایت افسوس ناک ہے کہ ہمارے ملک میں تاریخ سے تعمیر کی بجائے تخریب کا، دلوں کو جوڑنے کی بجائے توڑنے کا، مختلف فرقوں اور ذہنوں میں باہمی محبت و دوستی کی بجائے نفرت و دشمنی کا کام لیا جا رہا ہے۔ کسی بھی ریاست کی تاریخ کی درسی کتاب اٹھا کر دیکھ لیجیے، اس میں آپ کو دل آزار باتیں، ہندو مسلم آویزش، مسلم بادشاہوں کی کردار کشی، مسلمانوں سے نفرت کے واقعات اور بیانات ملیں گے۔ انگریزوں کے چلے جانے کے باوجود تاریخ کو تفریقی سیاست کا آلۂ کار بنانا ختم نہیں ہوا ہے۔ بقول سابق صدر جمہوریہ ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم:

"آپ یہ نہ سمجھیے گا کہ اس دور آزادی میں تاریخ کو تفریقی

سیاست کا آلۂ کار بنانا ختم ہو چکا ہے۔ صدیوں کے روگ برسوں
میں دور نہیں ہوتے ..... آج بھی یہ رجحان باقی ہے اور خاصا
قوی ہے۔ آج بھی یہ دکھانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ ہندوستان
میں ہندو و مسلم تہذیبوں میں کبھی میل نہیں ہوا، ہمیشہ ٹکر ہوتی رہی
اور آئندہ بھی ہوتی رہے گی جب تک ایک تہذیب دوسری تہذیب
میں ضم نہ ہو جائے۔" [1]

ملک میں فرقہ وارانہ منافرت، علاقہ پرستی، لسانی اور نسلی عصبیت کو
انے میں تاریخ کی نصابی کتابیں اہم اور موثر رول ادا کر رہی ہیں۔ اگر قومی یک جہتی
نافی مواد کو نصابی کتابوں سے جلد از جلد خارج نہ کیا گیا تو یہی تاریخ کی نصابی
یں ملک کی تباہی و بربادی کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتی ہیں۔

تاریخ کی کتابوں کا بنظرِ غائر جائزہ لینے پر یہ حقیقت ابھر کر سامنے
ی ہے کہ ہندوستان صرف ہندوؤں کا ملک ہے۔ ان کی تاریخ قومی تاریخ ہے،
کے بادشاہ ہی سچے دیش بھکت اور محبِ وطن ہیں۔ ان کی یادگاریں قومی
گاریں ہیں، ان کے آرٹ، ان کے فنون، ان کی تعمیرات ہندوستانی کہلانے کی
تحق ہیں، باقی جو بھی ہیں وہ غیر ملکی حملہ آور ہیں، باہر سے آئے ہیں، اس لیے وہ
دوستان کے سچے محبِ وطن نہیں ہو سکتے۔ ان کی زبان غیر ملکی ہے، ان کا کلچر غیر ملکی
ے۔ انہوں نے جتنے عرصے تک یہاں حکومت کی وہ عہدِ غلامی تھا اور جنہوں نے
ں غلامی سے ملک کو آزاد کرانے کی کوشش کی وہی سچے دیش بھکت ہیں۔

بقول نامور ماہرِ تعلیم ڈاکٹر سلامت اللہ:

"..... عام طور پر ان درسی کتابوں میں ایسے اسباق

---

[1] خطبۂ صدارت دار المصنفین جشنِ طلائی۔ بحوالہ یوک بھارتی (گیارہویں جماعت)

پائے جاتے ہیں۔ ..کا مدعا یہ ذہن نشین کرانا ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد کے وقت سے ۱۹۴۷ء تک غیر ملکی حکمرانی رہی اور اس وقت تک ہندوستان ایک غلام ملک تھا۔ اس سے بھی بدتر چیز یہ ہے کہ بعض مثالوں میں موادِ سبق اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ اس سے بعض فرقوں کے خلاف نفرت، شک و شبہ، دشمنی حتیٰ کہ انتقام جیسے گھٹیا جذبات مشتعل ہو سکتے ہیں۔" [۱]

مہاراشٹر میں مروجہ تاریخ کی درسیات پر ایک نظر:

آن جہانی پنڈت جواہر لال نہرو نے علاقائی زبانوں کے فروغ اور اُن علاقوں کی ہمہ جہتی ترقی کے خیال سے لسانی بنیاد پر ریاستوں کی از سرِ نو تنظیم کے لیے ایک کمیشن مقرر کیا تھا۔ ۱۹۵۶ء میں اس کمیشن کی سفارشات کی بنیاد پر موجودہ ریاستیں وجود میں آئیں۔ اس وقت پنڈت جی کو اندازہ نہ تھا کہ آگے چل کر ان ریاستوں میں علاقہ پرستی اور لسانی عصبیت اتنی طاقت حاصل کر لے گی کہ قومی اتحاد و یک جہتی خطرے میں پڑ جائے گی لیکن کمیشن نے صاف اور واضح الفاظ میں اس خطرے کی طرف اشارہ کر دیا تھا کیوں کہ اس نے اسکولوں میں رائج درسی کتابوں میں شامل اسباق کو دیکھ کر اس خطرے کو بھانپ لیا تھا۔ کمیشن نے تحریر کیا تھا کہ:

"...... بعض ریاستوں کے مدارس میں ایسے گیت نصابی کتابوں میں شامل کر دیے گئے ہیں جن میں علاقائی تصور کی ثنا خوانی کی گئی ہے۔ ادنیٰ جماعتوں میں تاریخ کی جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں ان سے اس نمایاں رجحان کا انکشاف ہوا ہے کہ غالب لسانی جماعتوں

---

[۱] تعلیم اور اس کا سماجی پس منظر۔ ص ۱۲۸

کی گزشتہ کامرانیوں کا ذکر مبالغہ آمیزی کے ساتھ کیا جائے۔" [1]

مہاراشٹر بھی ایک جدید ریاست ہے جو لسانی بنیاد پر ۱۹۶۰ء میں وجود میں آئی۔ ریاستِ مہاراشٹر کی اپنی ایک علاحدہ زبان، تاریخ اور کلچر ہے۔ اہلِ مہاراشٹر کو اپنی تاریخ، زبان اور کلچر پر بڑا ناز اور فخر ہے۔ ان میں "ہیرو ورشپ" کا جذبہ بدرجہ اتم پایا جاتا ہے۔ وہ اپنے ہیرو (شیواجی) کی شان میں کوئی ایسی بات جس سے ان کی عقیدت مجروح ہوتی ہو برداشت نہیں کرسکتے۔ مہاراشٹر میں شیواجی کا بے حد احترام ہے اس لیے یہاں کی تاریخ کی نصابی کتابوں میں شیواجی اور مراٹھوں کی تاریخ کو نمایاں طور پر پیش کیا گیا ہے۔ لیکن شیواجی کے کارناموں اور اس دور کے تاریخی واقعات کو مرتبین کتاب نے اس طرح پیش کیا ہے جس سے مسلمانوں کے خلاف نفرت، دشمنی اور انتقام کے جذبات پیدا ہوسکتے ہیں۔

ان کتابوں میں بعض تاریخی واقعات کو مسخ کرکے پیش کیا گیا ہے تو بعض واقعات اور بیانات ایسے تحریر کیے گئے ہیں جن کی صحت مشکوک ہے۔ مغلوں اور مراٹھوں کے سنگھرش کو ایسے انداز میں پیش کیا گیا ہے کہ اسے قصۂ پارینہ سمجھنے کی بجائے اس سے اسی کش مکش کو جاری رکھنے کی تحریک ملتی ہے۔ "قصۂ مہر و وفا" سنانے کی بجائے "قصۂ دارا و سکندر" سنانے کو ترجیح دی گئی ہے۔ مزید یہ کہ پوری کتاب میں متضاد قسم کے بیانات ملتے ہیں۔

چوتھی جماعت [2] میں تاریخ کی کتاب شیواجی کے حالاتِ زندگی اور کارناموں پر مشتمل ہے۔ یہ گزشتہ ۱۶ سال سے مراٹھی، ہندی، اردو، انگریزی، گجراتی، کنڑی اور سندھی میڈیم اسکولوں میں پڑھائی جارہی ہے۔ اس کتاب میں

---

[1] تعلیم اور اس کا سماجی پس منظر۔ ص ۱۷۸

[2] چھترپتی شیواجی (۱۹۸۶) پہلا ایڈیشن ۱۹۷۰ء میں شائع ہوا۔

اب تک کسی قسم کی ترمیم و تبدیلی نہیں ہوئی ہے۔ اس کتاب کو پڑھنے کے بعد یہی تاثر ملتا ہے کہ مسلمان غیر ملکی ہیں۔ مسلم بادشاہ ظالم و جابر تھے۔ وہ عوام کو لوٹتے تھے۔ ان میں مذہبی رواداری نہ تھی۔ ہندوؤں کے وہ سخت دشمن تھے۔ ہندوؤں کو زبردستی یا لالچ دے کر مسلمان بناتے تھے۔ ان کے عہد میں ہندوؤں کو پوجا پاٹ اور تہوار منانے کی آزادی نہ تھی۔ مسلمان بادشاہ مندروں کو توڑتے تھے۔ عوام پر ظلم و ستم ڈھاتے تھے۔ عوام معاشی بدحالی کا شکار تھے اور انہیں پیٹ بھر کھانا نہ ملتا تھا۔ مسلمانوں کا دورِ حکومت، عہدِ غلامی تھا ـــــ مذکورہ تاریخ کی کتاب کے مندرجہ ذیل اقتباسات کو پڑھ کر آپ خود ہی اندازہ کر سکتے ہیں۔

(۱) "شیواجی نے مہاراشٹر میں سوراج کی بنیاد رکھی۔ سوراج کے معنی ہیں اپنی حکومت۔ مہاراشٹر میں شیواجی سے ساڑھے تین سو سال پہلے سوراج نہیں تھا۔ مہاراشٹر کے بڑے حصے پر احمد نگر کے بادشاہ نظام شاہ اور بیجاپور کے حکمراں عادل شاہ کا قبضہ تھا . . . ان بادشاہوں میں فراخ دلی نہ تھی اور وہ رعایا پر ظلم ڈھاتے تھے ..... ملک میں خوش حالی نہ تھی .... لوگوں کو پوجا پاٹ کرنے اور تہوار منانے کی آزادی نہ تھی اور ان کو پیٹ بھر کھانا ملتا نہ تھا ــــ زندگی میں پریشانی اور مصیبت کے سوا کچھ نہ تھا۔ ہر طرف ظلم کا دَور دَورہ تھا۔" (صفحہ ۱) [1]

---

[1] احمد نگر اور بیجاپور کے مسلم بادشاہوں کے بارے میں ایک طرف یہ کہا جا رہا ہے اور دوسری طرف صفحہ ۹ پر یہ بیان بھی ہے:

"ہر مرہٹہ سردار ہمیشہ اپنی فوج رکھتا تھا اور جب ایسا کوئی سردار عادل شاہ کے پاس جاتا تو اسے آسانی کے ساتھ فوج میں

(۲) "شاہ جی کے دشمنوں (اشارہ مسلمانوں کی طرف) نے پونہ برباد کر ڈالا تھا۔ گھر اور مندر توڑ ڈالے تھے"... (ص ۱۵)

(۳) "ہر شخص کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کی آزادی ملے۔ ہر ایک شخص خوش حال زندگی گزار سکے۔ مرہٹی زبان کی قدر ہو۔ ان تمام باتوں کے لیے شیواجی نے طاقتور دشمنوں کا سامنا کر کے سوراج قائم کیا۔" (ص ۱۷)

(۴) "دوسروں کی غلامی ہم کب تک کریں گے؟ ہمارے چاروں طرف غیروں کی حکومت ہے.... ہم کب تک برداشت کرتے رہیں گے؟" (ص ۲۱)

(۵) "غیروں کی غلامی اب ہم برداشت نہیں کریں گے۔ آؤ! ہم اس مندر میں شیوجی کو گواہ مان کر قسم کھائیں کہ سوراج کے قیام کے لیے ہم اپنا سب کچھ نچھاور کر دیں گے۔" (ص ۲۲)

(۶) "بجاجی نائک نمبالکر شیواجی کا نسبتی بھائی تھا۔ وہ عادل شاہ کا ملازم تھا۔ بادشاہ نے اسے مسلمان بنا لیا تھا۔" (ص ۲۷)

(حاشیہ صفحہ ۵ کا)

نوکری مل جاتی۔ بادشاہ اس مرہٹہ سردار کو اعلیٰ فوجی خدمت دیتا اور کبھی کبھی جاگیر بھی دے دیتا تھا۔ ... بیجاپور اور احمد نگر کے بادشاہوں کے پاس ایسے کئی مرہٹہ سردار موجود تھے۔ ان میں سندکھیڑ کے جادھو (شیواجی کی ماں سندکھیڑ کے لکھوجی جادھو کی بیٹی تھی)، پھلٹن کے نمبالکر، مدھول کے گھورپڑے، جاولی کے مورے اور ایلورہ کے بھونسلے مشہور تھے۔"

پوری کتاب میں مسلمانوں کو 'غیر' اور 'غیروں' سے اور ان کے عہدِ حکومت کو 'غیروں کی غلامی' کے الفاظ سے یاد کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کا چھ سو سالہ دورِ حکومت' غلامی کا زمانہ تھا۔ ایسی صورت میں آپ ہی بتائیے کہ مسلمانوں کے تئیں دوسرے فرقوں میں محبت اور بھائی چارگی کے جذبات کس طرح اُبھارے جاسکتے ہیں؟ اس قسم کی تاریخ پڑھ کر تو مسلمانوں کے خلاف نفرت ہی پیدا ہوگی۔

اس کتاب میں مسلم بادشاہوں کو بالواسطہ راون اور کنس جیسا ظالم بتایا گیا ہے جنھیں ختم کر کے عوام کو خوش حال بنایا جاسکتا ہے:

"ماولے.... بادشاہوں کے ظلم اور زیادتی سے تنگ آگئے تھے، ان کی مدد کا خیال شیواجی کے دل میں پیدا ہوا۔ گھر آکر شیواجی اپنی ماں سے اس کا ذکر کرتے۔ جیجا بائی ان سے کہتیں "شیوبا! بھونسلہ خاندان کی بزرگ ہستی رام چندر جی تھے، جنھوں نے ظالم راون کو مار کر عوام کو سُکھی بنایا تھا۔ جادھو خاندان کے بزرگ شری کرشن نے پرجا کو خوش حال بنانے کے لیے ظالم کنس کو مار ڈالا تھا۔ شری رام و کرشن کے خاندان میں تمہارا جنم ہوا ہے۔ تم بھی ظالموں کو ختم کرسکتے ہو اور غریب اور معصوم لوگوں کو سُکھی بنا سکتے ہو۔" (ص ۱۶)

کتاب میں صفحہ نمبر ۲ پر ہندوؤں اور مسلمانوں کی لڑائی کا منظر دکھایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ سنت نام دیو، سنت گیانیشور، سنت ایکناتھ، سنت تکارام اور رام داس سوامی کے حالاتِ زندگی اور کارنامے مع تصاویر دیے گئے ہیں۔ شیواجی کے سنتوں میں بابا یعقوبؒ (یاقوت) کا بھی ذکر ملتا ہے لیکن کتاب میں ان کے حالاتِ زندگی نہیں دیے گئے ہیں۔ مالوجی بھونسلے کو شاہ شریف نامی بزرگ کی

---

[1] ص ۶۷

دُعا سے دو بیٹے ہوئے اور ان کے نام اس بزرگ کے نام پر شاہ جی اور شریف جی رکھے گئے، اس کا بھی کتاب میں کہیں تذکرہ نہیں ہے۔

پانچویں جماعت[1] کی تاریخ میں قدیم بھارت کی مختلف تہذیبوں کے ساتھ ساتھ ہندو مسلم بادشاہوں کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔

اس کتاب میں آریہ کے دیوتاؤں — سورج، اِندرا، درا گنی کی تصویریں بھی دی گئی ہیں۔ آریہ بھگوان سے جو دعائیں کرتے تھے ان میں سے ایک دعا یہ بھی تھی —

"ہمارے گھر گئے آئے۔ وہ خوشی خوشی ہمارے "گاؤ خانہ" میں رہے اور اسے خوب بچھڑے پیدا ہوں۔۔۔۔ اس دعا سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آریاؤں میں گائے کی کتنی اہمیت تھی۔" [2]

کتاب میں آریاؤں کے مذہب (یعنی ہندو مذہب)، جین اور بُدھ مذہب کے عقائد اور تعلیمات کا ذکر تو ملتا ہے لیکن اسلامی تعلیمات کا کہیں ذکر نہیں ہے، شاید اس لیے نہیں ہے کہ یہ ہندوستانی مذہب نہیں۔ مگر آریہ بھی تو ہندوستانی نہیں۔ اسی کتاب میں درج ہے کہ:

"تقریباً چار ہزار سال پہلے شمال مغربی دروں کے راستے باہر کے لوگ بھارت دیش میں آنے لگے۔۔۔۔ باہر سے آنے والے یہ لوگ آریہ تھے جو وسط ایشیا کے رہنے والے تھے۔" [3]

مذکورہ کتاب میں چندر گپت موریہ، اشوک اعظم، گوتم بدھ، ساکرنی

---

[1] اپنا بھارت (تاریخ کی پہلی کتاب) ایڈیشن ۱۹۸۶ء، پہلا ایڈیشن ۱۹۷۰ء میں شائع ہوا تھا۔ [2] ایضاً ص ۱۶ [3] ایضاً ص ۱۳

وکرمادتیہ، ہرش وردھن، پرتھوی راج چوہان، وجے نگر کے راجہ کرشن دیو رائے، دیوگری کے راجہ رام دیو رائے اور رانا پرتاپ کی بہادری، نیافنی، علم دوستی، سخاوت انصاف پسندی، رواداری، وسیع النظری، خودداری، فراخ دلی اور حب الوطنی کی بے حد تعریف و توصیف کی گئی ہے۔ " ان بادشاہوں نے مادرِ وطن کی شان بڑھائی اور شاندار روایات قائم کیں۔"

ان کے مقابلے میں محمود غزنوی، محمد غوری، علاؤالدین خلجی اور اورنگ زیب کو لالچی، مکار، فریبی، ظالم، دھوکے باز اور ہندو دشمن بنا کر پیش کیا گیا۔ صرف اکبر اور شاہ جہاں کی تعریف و توصیف کی گئی۔ اس کتاب کے چند اقتباسات ملاحظہ کیجیے:

• " وہ (محمود غزنوی) بہادر، بلند ہمت اور دولت کا لالچی تھا ۔۔۔۔ اس نے سومناتھ کے شاندار مندر کو برباد کر ڈالا اور مندر کے ان گنت ہیرے جواہرات اور دولت لے کر چلا گیا ۔۔۔۔۔ زندگی کے آخری لمحوں میں اس نے اپنی دولت کا انبار اپنے سامنے رکھوایا اور اسے دیکھتے ہوئے سانس لی۔" (ص ۶۶، ۶۷)

• " محمد غوری بہت موقع شناس تھا، اس نے پرتھوی راج کو پیغام بھیجا کہ " تم مذہب اسلام قبول کرو اور میری اطاعت منظور کر لو تو میں واپس چلا جاتا ہوں۔" (ص ۶۹)

• " دیوگری کی دولت کے قصے اس (علاؤالدین خلجی) نے سُنے تھے۔ اس نے آٹھ ہزار فوج اپنے ساتھ لی اور وندھیاچل پار کر کے دکن کی جانب بڑھا۔ اس نے یہ مشہور کر دیا کہ چچا سے اس کا جھگڑا ہو گیا ہے اس لیے دکن میں کہیں نوکری کرنے کا ارادہ ہے۔ اصل مقصد کی خبر کسی کو نہ ہونے دی ۔۔۔۔ علاؤالدین

خلجی نے دیوگری سے خوب دولت حاصل کی۔ دلّی واپس ہو کر اس نے اپنے چچا کو قتل کر ڈالا اور خود بادشاہ بن بیٹھا۔" (ص ۱۰۷)

مذکورہ کتاب میں سب سے زیادہ ہدفِ تنقید اورنگ زیب کو بنایا گیا ہے۔ اس کے کردار کو کچھ اس انداز سے پیش کیا گیا ہے کہ وہ ہندوؤں کا سخت دشمن محسوس ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی تصویر دیکھ کر طلبہ میں اورنگ زیب اور اس کے واسطے سے مسلمانوں سے سخت و شدید نفرت پیدا ہوگی۔ کتاب میں اس کا تعارف اس طرح کرایا گیا ہے کہ اسے پڑھ کر "اسلام" سے بھی نفرت پیدا ہو سکتی ہے۔

● ذیلی سرخی "پابندِ شریعت بادشاہ" کے تحت مذکور ہے کہ:

"اورنگ زیب پکّا سُنّی مسلمان تھا اور اسے اس پر بڑا فخر تھا.... اس کی زندگی شریعتِ اسلام کے عین مطابق تھی... اسلام اور سنّی جماعت کے اصولوں کی اشاعت کرنا اس کا مقصد تھا۔"

(ص ۹۶)

اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ جو مسلم بادشاہ اپنے مذہب میں کٹّر ہوتا ہے اس میں رواداری نہیں ہوتی ہے۔ وہ تنگ نظر اور متعصّب ہوتا ہے[1] اسی لیے آگے کہا گیا ہے کہ:

"اورنگ زیب نے اپنے مذہبی برتاؤ کی وجہ سے سلطنت میں رہنے والے ہندو، جاٹ، سکھ، سَتنامی لوگوں کا دل دکھایا تھا..... راجپوتوں کی طرح سکھوں نے بھی اس کی مذہبی پالیسی سے تنگ

---

[1] مگر کسی ہندو کا مذہب میں کٹّر ہونا بُری بات نہیں جیسا کہ پنڈت نہرو کہتے ہیں:

"شیواجی مہاراج ایک کٹّر ہندو تھے لیکن دوسرے مذہب کے لوگوں کا بھی بہت خیال رکھتے تھے۔ انہوں نے دوسرے مذاہب کی عبادت گاہوں کے لیے انعامات دیے۔" (چھترپتی شیواجی جوانت جیہارہ نس ایکے مقابل کی عبارت)

آ کراس کی کھلم کھلا مخالفت کی۔" (ص ۹۶)

مذکورہ کتاب میں جگہ جگہ یہ لکھا گیا ہے کہ اورنگ زیب نے فلاں کو مذہب اسلام قبول کرنے کی دعوت دی لیکن جب اس نے انکار کیا تو بادشاہ نے اسے قتل کر دیا۔ اس طرح یہ ثابت کیا گیا کہ اورنگ زیب ہندوؤں کا کٹر دشمن تھا اور وہ لوگوں کو زبردستی مسلمان بناتا تھا۔

• سکھوں کے نویں گرو تیغ بہادر کے تعلق سے کتاب میں مذکور ہے کہ :

"سکھوں کے تعلق سے اورنگ زیب کی مذہبی تنگ نظری ان سے دیکھی نہیں گئی۔ انہوں نے بادشاہ کی کھلی ہوئی مخالفت کی۔ بادشاہ نے انہیں گرفتار کیا اور مذہب اسلام قبول کرنے کی دعوت دی، تیغ بہادر نے انکار کر دیا۔ بادشاہ نے اسے دلی بلاکر قتل کر دیا۔"

(ص ۹۷)

• گرو گوبند سنگھ کے واقعہ کے بیان میں بھی اورنگ زیب کو فریبی بتایا گیا ہے :

"اب اورنگ زیب نے فریب دینا چاہا۔ اس نے انہیں ملاقات کے لیے بلوایا لیکن گرو گوبند سنگھ نے جواب بھیجا "تم جیسے فریبی کا بھروسہ کرنا ٹھیک نہیں۔ تم سے تلوار ہی سے بات چیت کرنا چاہیے۔ جو بھی تم پر بھروسہ کرے گا برباد ہو جائے گا۔ مجھے تمہارا رتی بھر بھروسہ نہیں۔" (ص ۹۹)

• جب راجہ سنبھاجی گرفتار ہوا تو بادشاہ نے ان سے کہا، "اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو تمہاری جان بخشی کی جائے گی"..... خود دار راجہ سنبھاجی نے یہ منظور نہیں کیا۔ اس لیے بادشاہ نے انہیں سخت تکلیفیں دے کر مار ڈالا۔" (ص ۱۰۳)

• اسی طرح اورنگ زیب کو ہندوؤں کا دشمن، بے رحم اور ظالم بادشاہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کے برخلاف ہمیں اورنگ زیب کی افواج میں ہندوؤں کی بڑی تعداد کا ہونا، ہندو رعایا کے ساتھ اس کا انصاف اور فراخ دلی، برہمن پجاریوں اور مندروں کو دیے گئے انعامات اور جاگیریں، ایسی کئی مثالیں تاریخ میں بکھری ملتی ہیں لیکن مسلمان بادشاہوں کی اس رواداری کو کبھی اجاگر نہیں کیا گیا۔ بلکہ اس ملک کے تمام مسلمانوں کے بارے میں طلبہ کو یہ ذہن نشین کرایا گیا کہ:

"..... آٹھویں صدی عیسوی میں مسلمان آئے۔ انہوں نے لگاتار حملے کیے۔ عرب، ترک، افغان اور مغل مسلمان یکے بعد دیگرے بھارت میں وارد ہوئے۔ کوئی دولت کی خاطر آیا تو کوئی مذہب کی اشاعت کے لیے۔ اس دیش کے رہنے والوں نے ان سے لڑائیاں لڑیں۔ باہر سے آنے والے ان مسلمانوں نے اپنی سلطنتیں قائم کیں اور یہیں رہنے لگے۔ پہلے انہوں نے یہاں کے لوگوں کو زبردستی مسلمان بنایا، لیکن بعد میں آہستہ آہستہ یہاں کی تہذیب میں گھل مل گئے۔"

(ص ۱۰۵)

چوتھی جماعت میں تو شیواجی کی جدوجہد کی پوری داستان بیان کی جا چکی تھی لیکن نصابی کمیٹی کو اس پر سمادھان (اطمینان) نہ ہوا اور اس نے پانچویں اور چھٹی جماعتوں میں، نہ صرف اسے دہرانا بلکہ پوری مرہٹہ سلطنت کی تاریخ بیان کرنا ضروری سمجھا، چنانچہ اس کتاب کے باب ۲۳ میں "سوراج کی لڑائی" کے عنوان سے شیواجی کی مغلوں کے خلاف جدوجہد آزادی کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔

چھٹی جماعت کی تاریخ[1]: اس کتاب میں مرہٹہ حکومت کی تاریخ

---

[1] اپنا بھارت (دوسرا حصہ) کا ایڈیشن [illegible]، پہلی بار ۱۹۷۱ء میں شائع ہوئی۔

ابتدا سے لے کر خاتمے تک بیان کی گئی ہے۔

کتاب کا سرِ ورق دیکھ کر ہی ہندوؤں اور مسلمانوں میں ایک دوسرے
محبت کی بجائے عداوت کے جذبات اُبھر سکتے ہیں۔ سرِ ورق پر دی گئی تصویر میں
فوجوں کو برسرِ پیکار دکھایا گیا ہے اور دونوں اپنی وضع قطع، پرچم اور رنگوں کی وجہ
صاف پہچانے جاتے ہیں۔ ایک فوجی گروہ اپنی وضع قطع اور بھگوے رنگ کے
کی وجہ سے واضح طور پر ہندو نظر آتا ہے، جب کہ دوسرا گروہ داڑھی اور سبز پرچم
سے مسلمان دکھائی دیتا ہے۔ شاید مرتبینِ کتاب یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس ملک میں
اور مسلمانوں میں ہمیشہ سنگھرش ہوتا رہا ان میں کبھی سنگم نہیں ہوا۔

اس کتاب میں جگہ جگہ مسلم حکمرانوں کو 'غیر' اور ان کی حکومت کو '
کی حکومت' کے الفاظ سے یاد کیا گیا ہے۔ مرہٹوں کی لڑائی کو 'سوراج کی لڑ
سوراج کا قیام'، 'سوراج کے لیے تیاری'، 'سوراج پر آئی آفت'، 'سوراج کے لیے جنگ
اور ہندوی سوراج جیسے الفاظ سے یاد کیا گیا ہے۔ سنبھاجی کے دورِ حکومت کو جن
آزادی کا پہلا دور اور راجا رام کے دور کو جنگِ آزادی کا دوسرا دور کہا گیا ہے
اس طرح یہ دکھایا گیا ہے کہ مہاراشٹر پر مسلمانوں کا دورِ حکومت، دورِ غلامی تھ
ایسی حالت میں مسلمانوں کے خلاف نفرت اور دشمنی کے جذبات ہی اُبھر سکتے ہیں مح
اور دوستی کے نہیں۔

اس کتاب میں تاریخی واقعات کے بیان میں احتیاط نہیں برتی گئی
بعض مقامات پر تو انتہائی جذباتی اندازِ بیان اختیار کیا گیا ہے جس سے ایک خا
فرقے کے خلاف مذہبی جذبات مشتعل ہو سکتے ہیں۔ مثلاً سینھ گڑھ کی لڑائی
کے وقت ماولوں کی پست ہمتی کو دیکھ کر سوریاجی مالسرے نے للکارا:

"ساتھیو! نامردوں کی طرح کہاں بھاگتے ہو؟ میں
نے قلعہ کا راستہ ہمیشہ کو کاٹ دیا ہے۔ بہادروں کی طرح لڑو،

اور دشمنوں سے بدلہ لو، بولو ہر ہر مہادیو۔"　　(ص ۲۷)

اس قسم کے مذہبی نعرے قومی یک جہتی کے سراسر منافی ہیں۔

مہاراشٹر کی تاریخی کتابوں میں طلبہ کو بار بار یہ ذہن نشین کرایا گیا ہے کہ مسلمانوں نے ہندوؤں کو زبردستی عہدوں اور دولت کا لالچ دے کر مسلمان بنایا۔ جن لوگوں نے ان کی بات کو نہیں مانا انہیں تکلیف دے دے کر مارا اور قتل کیا۔ اس سے پہلے گرو تیغ بہادر سنگھ کی مثال دی جا چکی ہے۔ مذکورہ کتاب میں سمبھاجی کے بارے میں بھی اسی طرح کا واقعہ بیان کیا گیا ہے:

"جب سمبھاجی کو گرفتار کر کے اورنگ زیب کے سامنے لایا گیا تو اس نے کہا — "اگر تم مسلمان ہو جاتے ہو تو تمہاری جان بخشی کی جائے گی"۔ سمبھاجی کو بڑا غصہ آیا اور اس نے دلیری کے ساتھ جواب دیا۔ "میری جان جائے مجھے پرواہ نہیں مگر اپنا عزیز دھرم نہیں چھوڑوں گا۔" اس جواب کو سننے کے بعد اورنگ زیب نے اسے مار ڈالنے کا حکم دیا۔ اس کے بموجب سمبھاجی کو بیدردی سے قتل کر دیا گیا۔"　　(ص ۴۴)

ساتویں جماعت کی تاریخ "اپنا بھارت" (تیسری کتاب)[1] — میں

انگریزوں کی ہندوستان میں آمد سے لے کر آزادی اور دیسی ریاستوں کے انضمام تک کے واقعات پیش کیے گئے ہیں۔ ہندوستان کی جنگِ آزادی میں تمام فرقوں نے حصہ لیا ہے اس بات کو ہمارے رہنما بار بار دُہراتے ہیں لیکن اس کتاب میں یہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ ملک کو آزاد کرانے میں مسلمانوں کا حصہ برائے

---

[1] ایڈیشن ۱۹۸۳ء۔ یہ کتاب پہلی بار ۱۹۷۱ء میں شائع ہوئی تھی۔

نام ہے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں بہادر شاہ ظفر نے جو عظیم قربانی دی ہے ا
بھی نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ بہادر شاہ ظفر کے بارے میں صرف اتنا ہی کہا گیا ہے کہ

"میرٹھ کے سپاہیوں نے بہادر شاہ کو بادشاہ بنایا اور
انگریزوں نے انہیں گرفتار کر کے قید کر لیا۔"

رانی لکشمی بائی، تاتیا ٹوپے اور نانا صاحب پیشوا کے کارہائے
نمایاں کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے جب کہ اودھ کی بیگم حضرت محل، جنرل بخت خا
(روہیل کھنڈ)، احمد اللہ مدراسی، اسیرانِ مالٹا وغیرہ مجاہدینِ آزادی کو یکسر فراموش
کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی، مولانا ابوالکلام آزاد، حکیم
اجمل خاں، ڈاکٹر مختار انصاری، ڈاکٹر ذاکر حسین، حسرت موہانی وغیرہ مجاہدینِ حریت
کی خدمات کو بھی نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ راجہ رام موہن رائے، سوامی دیانند سرسوتی،
سوامی وویکانند، جیوتی با پھولے وغیرہ سماجی مصلحین کے کارناموں کو تو نمایاں طور پر پیش
کیا گیا ہے لیکن عظیم ریفارمر سر سید احمد خان کا ذکر تک نہیں کیا گیا۔

حکومت "تحریکِ خلافت" کو بھی جنگِ آزادی کا ایک حصہ تسلیم
کر چکی ہے لیکن مذکورہ کتاب میں تحریکِ خلافت کو جنگِ آزادی سے الگ کر کے
لکھا گیا ہے کہ:

"تحریکِ خلافت کا تعلق مسلمانوں سے تھا۔ انگریزوں نے
خلیفہ کو تخت سے محروم کر دینا چاہا اس خبر سے ہندوستان کے مذہب
پرست مسلمانوں میں بے چینی پھیل گئی۔" (ص ۹۶)

جس طرح مسلم مجاہدینِ آزادی کو نظر انداز کیا گیا اسی طرح اُن اردو
اخبارات کو بھی نظر انداز کیا گیا جنہوں نے جنگِ آزادی میں اہم کردار ادا کیا تھا اور
جن کے ایڈیٹروں کو قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کرنا پڑی تھیں۔ آنگریزی
جماعت کی تاریخ [illegible] ۱۰ اپریل کو بیداری میں جن اخبارات نے حصہ لیا ان میں

انگریزی، بنگال، مراٹھی، گجراتی اور ہندی اخبارات کا تو تذکرہ ہے، لیکن الہلال، البلاغ ہمدرد، کامریڈ، تہذیب الاخلاق جیسے اردو اخبارات کا ذکر تک نہیں۔ اسی کتاب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی گئی تھی اور اہانت آمیز الفاظ استعمال کیے گئے تھے۔ مسلمانوں کے ریاست گیر احتجاج پر نہ صرف ان الفاظ کو خارج کیا گیا بلکہ "اسلام" سے متعلق پورے باب پر نظر ثانی کر کے اسے دوبارہ لکھا گیا اور ماہرین و علماء سے اس کی منظوری لی گئی۔

دیگر جماعتوں کی تاریخ، جغرافیہ اور زبانوں کی نصابی کتابوں میں سے مزید مخالف قومی یک جہتی مواد کی نشان دہی کی جا سکتی ہے۔ لیکن یہ کام صرف ایک فرد کا نہیں ہے۔ اس کام کو اساتذہ کی انجمنوں اور تعلیمی و تحقیقی اداروں نیز ان لوگوں کو انجام دینا چاہیے جنہیں اپنے ملک کا اتحاد، قومی یک جہتی اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی عزیز ہے۔

ماحصل: اس پوری بحث کا ماحصل یہی ہے کہ ملک میں بڑھتی ہوئی منافرت میں نصابی کتابیں موثر رول ادا کر رہی ہیں۔ افسوس ناک بات یہ ہے کہ یہ سب کتابیں حکومت کے خرچ سے اور حکومت کی نگرانی میں تیار اور شائع کی جا رہی ہیں۔ مزید یہ کہ مرکزی حکومت کی جانب سے بار بار یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ مخالف قومی یک جہتی مواد سے نصابی کتابوں کو پاک کر دیا جائے گا۔ ان کتابوں کی ایسی تطہیر کی جائے گی کہ کسی فرقے کے مذہبی جذبات مجروح نہ ہوں اور نہ کسی خاص فرقے کے خلاف نفرت کے جذبات ابھر سکیں۔

جب بھی فرقہ وارانہ فسادات کی لہر اٹھتی ہے، قومی یک جہتی کونسل کا اجلاس طلب کیا جاتا ہے اور ہر بار نصابی کتابوں میں درج مخالف قومی یک جہتی مواد پر بحث و مباحثہ ہوتا ہے۔ یقین دہانیاں کی جاتی ہیں۔ NCERT ہدایت نامے جاری کرتی ہے۔ ماہرین مختلف ریاستوں کی نصابی کتابوں کا جائزہ لے کر اپنی رپورٹیں

پیش کرتے ہیں اور ان کی روشنی میں ریاستوں کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ نصابی کتابوں کی اصلاح کریں۔ دیگر ریاستوں نے ان ہدایتوں پر عمل کیا یا نہیں اس کا مجھے کوئی علم نہیں لیکن ریاست مہاراشٹر کی جن نصابی کتابوں سے میں نے قابلِ اعتراض مواد کی نشان دہی کی ہے ان میں گزشتہ ۱۰ سال سے کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔

ایسے وقت جب کہ ملک معاشی، سیاسی، مذہبی اور لسانی بحران سے دوچار ہے، مذہب، تہذیب، زبان، علاقہ اور نسل کے نام پر علاحدگی پسندی کے رجحانات فروغ پا رہے ہیں۔ فرقہ وارانہ فسادات، دہشت گردی، قتل و غارت گری میں دن بہ دن اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ مختلف فرقوں کے درمیان نفرت کی خلیج بڑھتی جا رہی ہے جس کی وجہ سے قومی اتحاد اور ملک کی سالمیت کو زبردست خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔ یہ ایک زبردست چیلنج ہے جس کا ہم سب کو بہ حیثیت ہندوستانی مقابلہ کرنا ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ موجودہ نصابی کتابوں سے قومی یک جہتی اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے منافی مواد کو فوری طور پر خارج کر کے ایک صحت مند نصاب کی ترتیب دی جائے۔ یہ نصابی کتابیں ایسی ہوں کہ جنھیں پڑھ کر طلبہ کے دلوں میں حب الوطنی، انسانیت دوستی، اخوت، بھائی چارگی، محبت، ہمدردی، انصاف، رواداری اور صداقت و احترام کے جذبات بیدار ہوں۔

تاریخ کی کتابیں ترتیب دیتے وقت اس بات کا خیال رکھا جائے کہ حقائق مسخ نہ ہوں، من گھڑت واقعات نہ ہوں اور مواد اس انداز سے پیش کیا جائے کہ مختلف تہذیبی اور مذہبی فرقوں کے درمیان رنجش اور بدمزگی پیدا نہ ہو۔ پھر یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ:

"قومی یک جہتی کا مطلب یہ نہیں کہ اس ملک کی مختلف اکائیوں کو قومی دھارے میں ضم کر دیا جائے۔ ہندوستان کے مخصوص حالات کے پیشِ نظر قومی یک جہتی کے معنی یہ ہیں کہ یہاں جو مختلف

ولسانی اور مذہبی اکائیاں ہیں ان کو ایک اٹل تاریخی حقیقت
ثیت سے تسلیم کیا جائے اور ہر ایک کی تہذیبی اور مادی ترقی
رغ دیا جائے۔ صرف اسی طرح تمام لوگوں میں باہمی یگانگت کا
ں پیدا کرایا جا سکتا ہے۔ قومی یک جہتی کثرت میں وحدت کو ظاہر
ہے اس لیے نصاب اور درسیات میں ایسی تعلیم کا انتظام ہونا
و طلبہ میں مختلف تہذیبوں کو سمجھنے اور ان کی قدر کرنے کی قابلیت
سکے، کیوں کہ تنہا کسی ایک علاقے کے تہذیبی ورثے سے جذباتی
تگی رکھنا قومی یک جہتی کے لیے مفید نہیں۔ لیکن افسوس کہ اب
طن پر علاقے ہی کو فوقیت دی جاتی رہی ہے اور مختلف گروہ اور
ں کے لوگ صرف اپنی اپنی عظمت کی داستان ہی پر فخر کرنے
ر میں لگے ہیں۔" [1]

تاریخ، سماجی علوم اور زبان کی درسیات سے یہ بات جھلکنی چاہیے
ان کے مختلف فرقوں نے اس ملک کی تعمیر و ترقی اور بنانے سنوارنے
حصہ لیا ہے۔ انہوں نے جو بھی ذہنی اور مادی چیزیں عطا کی ہیں (Con-
ر وہ سب کی سب قومی ورثے (National Heritage)
ں۔ اگرچہ ماضی میں ان میں آپسی لڑائیاں بھی ہوئیں مگر یہ مذہبی لڑائیاں
تہ ان کا مقصد مذہب کی بالادستی قائم کرنا یا مذہب کی اشاعت کرنا
لیں اقتدار اور ہوسِ ملک گیری کی خاطر لڑی گئیں۔

قومی یک جہتی اور اتحاد کے لیے دلوں سے کدورت، تعصب

---

[1] تعلیم اور اس کا سماجی پس منظر۔ از ڈاکٹر سلامت اللہ
صفحہ ۱۷۷

تنگ نظری، نفرت اور عداوت کا دور ہونا بہت ضروری ہے۔ اگر درسی کتابوں
میں مسلم بادشاہوں اور مسلمانوں کے خلاف نفرت اور عداوت کے جذبات ابھارنے
والے واقعات بیان کیے جاتے رہے تو اس ملک میں فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور قومی
یک جہتی قائم نہ ہو سکے گی۔ اِس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ قومی یک جہتی کے
موافق اور صحت مند درسی کتابیں مرتب کی جائیں۔

(آموزگار، جلگاؤں: نومبر، دسمبر ۱۹۸۰ء) ●●

رت ڈوگرا
خلیل احمد نعمان

مندروں کی تعمیر کے لیے مسلمان حکمرانوں کے عطیات

حالیہ دنوں میں مسلمان حکمرانوں کے ہاتھوں قرون وسطیٰ کی تاریخ میں مندروں کے انہدام کی مثالیں دی جا رہی ہیں ان مثالوں میں سے چند مثالیں صداقت سے خالی نہیں جب کہ بعض مثالیں غلط اور جھوٹ ہیں صورتحال یہ ہے کہ ملک کے فرقہ پرست عناصر و افراد بہت حد تک مبالغہ آرائی سے صرف اس لئے کام لے رہے ہیں تاکہ فرقہ وارانہ احساسات کو ہوا دیں اور ہندو اور مسلمان بھائیوں کے درمیان تفریق و منافرت کی خلیج حائل کردیں یہ افراد و عناصر تاریخ کے صرف سیاہ اوراق کو پڑھتے ہیں یا پڑھنا چاہتے ہیں وہ تاریخ کی ان کتابوں کو پڑھنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے جن میں ایسی لاتعداد مثالیں موجود ہیں کہ مسلمان حکمرانوں نے ہندوؤں کے مندروں کا تحفظ کیا ہے۔ ان مندروں کو عطیات دیئے ہیں اور ہندوؤں کے قدیم مخطوطات کے تراجم کرائے ہیں یا ان مخطوطات کے تراجم میں مالی تعاون دیا ہے تاکہ ان مقدس مخطوطات کے مقدس الفاظ کی اشاعت دور دور تک ہو جائے اور ان کے قارئین کی تعداد میں اضافہ ہو۔ ایسے مسلمان حکمرانوں کی خدمات کو فراموش نہیں کیا جا سکتا ہے اور نہ فراموش کرنا چاہیے۔

ایسی تاریخی شہادتوں کی کمی نہیں ہے جن میں یہ دکھایا گیا ہے کہ مندروں کی بہت بڑی تعداد کو مسلمان بادشاہوں نے جاگیریں دی تھیں، مالی امداد دیئے تھے اور ان مندروں کے پجاریوں اور پروہتوں کے وظائف مقرر کئے تھے تاکہ وہ محفوظ رہیں۔

مثال کے طور پر ہمیں مغل بادشاہوں کے ان رویے اور انداز پر سنجیدگی سے نظر ڈالنی چاہیے جو انھوں نے ورنداین اور متھرا کے مندروں کے لیے کئے تھے۔ ہندوؤں کے یہ مندر اور تیرتھ استھان دہلی اور آگرہ سے بہت ہی قریب تھے جو مغل بادشاہوں کے مرکزی مقامات تھے اور جو ان کی راجدھانیاں تھیں۔

مغل شہنشاہ جلال الدین محمد اکبر، جہانگیر اور شاہجہاں کے دور سلطنت کے ایسے متعدد دستاویزات دستیاب ہوئے ہیں جن سے انکشاف ہوتا ہے کہ ان مغل تاجداروں کی مندروں کے بارے میں کیسی پالیسی تھی۔ یہ دستاویزات ورنداین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ میں موجود ہیں اور بعض دستاویزات ان مندروں میں اب بھی محفوظ ہیں جن کو ان مغل بادشاہوں نے عطیات اور

جاگیروں سے نوازا تھا۔ تاراپدا مکرجی اور عرفان حبیب نے ان مقالوں میں ان دستاویزات کے حوالے دیئے ہیں جو انہوں نے
۴۸ اور ۴۹ ویں انڈین ہسٹری کانگریس کے اجلاسوں میں پیش کئے تھے اور پڑھ کر سنائے تھے۔

عہد مغلیہ کے دستاویزات پر مبنی تاراپدا مکرجی اور عرفان حبیب کے مطالعہ اور جائزے کے بموجب شہنشاہ اکبر
مندروں کو دی جانے والی عطیات میں نہ صرف اضافہ کیا بلکہ اپنے فرمان مورخہ ۲۷ اگست ۱۵۹۸ء اور ۱۱ ستمبر ۱۵۹۸ء کے ذریعہ
متھرا کے تمام مندروں اور ان کے پروہتوں یا مہنتوں کو دی جانے والی تمام عطیات کی شیرازہ بندی کی جس کے بموجب مجموعی طور پر ایک ہزار
بیگہ آراضی ورنداون، متھرا اور ان کے مضافات کے ۲۵ مندروں کو دیئے گئے۔ شہنشاہ جہانگیر نے نہ صرف ان وظائف اور عطیات
کو جاری رکھا بلکہ اس میں اضافہ کیا۔ اور انھوں نے اکبر کے دیئے ہوئے ۳۵ مندروں میں ۲ مزید مندر بڑھائے۔ جو اکبر نے اپنے
مذکورہ بالا دو فرمانوں کے بموجب ۱۵۹۸ء میں دیئے تھے۔ اس کے علاوہ انھوں نے ۱۲۱ بیگہ اراضی مندر کے سیوکوں کے کنبوں کو دیئے
جہانگیر نے ۱۶۲۰ء میں ورنداون کے مندروں کو بچشم خود جا کر دیکھا۔

مندرجہ بالا دستاویزات سے یہ انکشاف بھی ہوتا ہے کہ مندروں کے پروہتوں یا مہنتوں کو اگر کوئی دشواری پیش آتی تو
تو وہ مغل بادشاہوں یا ان کے اعلیٰ عہدے داروں کے پاس اپنی فریادیں لے کر آتے تھے اور بادشاہ سلامت یا ان کے عہدے دار
عام طور پر ان کی دشواریاں دور کرنے کے اقدامات کرتے تھے اور ان کی پریشانی حل کر دیتے تھے۔

پانی دینا بند کر دیا گیا تھا، مندروں میں رکھے جانے والے مویشیوں پر ٹیکس عاید کر دیا گیا۔ مندر کے اردگرد کے درخت کاٹ دیئے گئے
مندروں کے مالیوں سے جبریہ کام لیا گیا۔ ان تمام باتوں کی شکایات پجاریوں یا مہنتوں یا مندروں سے وابستہ دوسرے لوگوں
نے مغل بادشاہوں یا دوسرے اعلیٰ افسروں کے گوش گذار کیں اور فوراً ہی ان تمام شکایات کا تدارک کیا گیا اور ان کے مسائل حل کیے گئے
یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مہنتوں نے بادشاہ یا کسی دوسرے اعلیٰ عہدے دار تک کوئی ایسی شکایت پہنچائی جس کی
کوئی خاص اہمیت نہیں ہوتی تھی تاہم اسے بھی نظر انداز نہیں کیا جاتا تھا اور فیصلہ شکایت کرنے والوں کے حق میں ہوتا تھا۔ ایسے
دستاویزات بھی دستیاب ہوئے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب ان مندروں کے مہنتوں یا دوسرے سنتوں کے درمیان مندر
کے سلسلے میں کوئی تنازعہ ہو جاتا تھا تو مغل بادشاہ یا ان کے مامور کردہ عہدے دار ہی مداخلت کر کے اس تنازعہ کو ختم کرتے تھے
اسی قسم کے ایک تنازعہ کی مثال والوور داس رادھا با اور کشن جیتن کے درمیان دستیاب دستاویزات میں سے ایک دستاویز میں ملتی
مزید برآں ایک نہایت ہی دلچسپ اور حیرت انگیز دستاویز سے یہ انکشاف ہوتا ہے کہ ورنداون کے موہن کے مندر
ایک شخص نے گھڑیال بجا کر پوجا کیا اور اسی طرح کے دوسرے پوجا پاٹ کے وقت کا اعلان کیا جاتا تھا۔ حکومت کے چند عہدے داروں
اس قسم کے گھڑیال بجانے سے

کی اجازت طلب کی۔ شاہجہاں نے ۲۹ نومبر ۱۶۴۴ء کے ایک فرمان کے ذریعہ گھڑیال بجانے کی اجازت دیتے ہوئے اس مندر میں وقت بتانے والے گھڑیال کو بجانے سے نہ روکا جائے۔ موجودہ اور آئندہ ہونے والے حکام یا عامل اس فرمان پر پیرا ہیں اور وقت بتانے والے گھڑیال کے استعمال کو نہ روکیں اور نہ کسی قسم کی مداخلت کریں۔ اور اس فرمان پر عمل کرنے میں نہ کریں۔ مندروں کے تحفظ و سلامتی اور دوسرے اخراجات کے لیے وظائف اور عطیات دینے کا سلسلہ اورنگ زیب کی حکومت دوران بھی جاری تھا چنانچہ ایسے دستاویزات دستیاب ہوئے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اورنگ زیب عالمگیر نے الٰہ آباد نسی، اجین، چترکوٹ کے مندروں کے علاوہ دوسرے مندروں کو وظائف دیئے اور مالی امداد کی جس کی پوری تفصیل ناتھ پانڈے نے دی ہے۔ وارانسی کے ایک مشہور مندر کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اورنگ زیب عالمگیر نے اس کو ڈھا دینے م دیا تھا۔ لیکن حال کی ایک شہادت سے انکشاف ہوتا ہے کہ اس مقدس مندر میں چند ناپسندیدہ عناصر نے اورنگ زیب کے گہرے ہندو دوست کی اہلیہ کے ساتھ نازیبا حرکتیں کی تھیں اور جب اورنگ زیب کو اس کا علم ہوا تو انھوں نے مندر کو مسمار کر نے کا حکم دیا تھا۔

ٹیپو سلطان مسلمان حکمرانوں میں ایک باوقار اور بہادر سلطان گزرا ہے جن کے بارے میں یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ ں نے متعدد مندروں کو جاگیریں عطا کی تھیں۔ جریدہ 'ینگ انڈیا' نے جس کی ادارت مہاتما گاندھی کرتے تھے یہ لکھا ہے کہ نے ہندو مندروں کو بڑی بڑی جاگیریں اور دوسری چیزیں یا سامان دیئے تھے، اور سری وینکٹ رمن، شری نواس اور شری ناتھ کے ناموں سے موسوم مندروں کو بھی جاگیریں عطا کی تھیں۔ سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ ٹیپو سلطان کے محلات کے حدود میں مندر واقع تھے وہ اب بھی اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ وہ کتنا فراخ دل بادشاہ تھا اور مذہبی تعصب سے اس کا دل کس قدر پاک و ف تھا کہ اس نے اپنے محلات کے حدود ہی میں مندروں کی تعمیر کی اجازت دیدی تھی اور ان کو جاگیریں عطا کی تھیں۔

اودھ کے نوابوں نے اجودھیا کے کئی مندروں کو جاگیریں دی تھیں اور ان کے تحفظ و بقا کے بھی انتظامات کیے تھے۔ ب صفدر جنگ کے دیوان نے اجودھیا میں کئی مندر تعمیر کرائے تھے اور کئی مندروں کی مرمت کرائی تھی۔ نواب صفدر جنگ نے ان اکھاڑہ کو ہنومان گڑھی مندر کی تعمیر کے لیے زمین دی تھی۔ آصف الدولہ کے دیوان نے اس مندر کی تعمیر میں مزید مالی امداد دی تھی۔

نواب واجد علی شاہ نے اس مندر کے سلسلے میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان ہونے والے تنازعہ میں ہندوؤں طرفداری اس لیے کی تھی کہ ان کی نظر میں انصاف کا تقاضا یہی تھا۔

شہنشاہ جلال الدین اکبر نے رامائن اور مہابھارت کے تراجم کے لیے ایک دارالترجمہ قائم کیا اور فارسی میں ان دونوں وں کے ترجمے کرائے۔

ساتویں صدی میں دکنی سلطنت کے شاہ عادل شاہ نے شہنشاہ اکبر کے نقش قدم پر چلتے ہو
قائم کیا اور اس کتب خانہ کی نگرانی کے لیے سنسکرت کے ایک اسکالر داما پنڈت کی تقرری کی۔ عادل شا
عادل شاہ نے جن کو غریبوں کا دوست کہا جاتا تھا اور جن کو ان کی عدل گستری غربا پروری اور منکسر المزاجی کی وج
کہا جاتا تھا، انھوں نے اپنی بیشتر نظموں میں ہندوؤں کی علم کی دیوی کے گیت گائے تھے۔ مزید برآں انھوں نے
کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔

۱۵ویں صدی کے دوران کشمیر میں شاہ زین العابدین نے اپنے پیش رو کی غلط پالیسیوں ک
والے اور اپنے اپنے گھروں کو خیرباد کہہ کر چلے جانے والے ہندوؤں کو واپس لانے کے لیے اپنے خصوصی ایلچی بھیجے
کی۔ فارسی زبان کے ساتھ ساتھ سنسکرت پر بھی ان کو عبور تھا۔ انھوں نے اپنشد کا فارسی میں ترجمہ کرایا او
میں آزادی اور دلچسپی کے ساتھ حصہ لیتے تھے اور کئی مندر بھی تعمیر کرائے تھے۔

بنگال میں سلطان ناظر شاہ اور سلطان حسین شاہ نام کے پٹھان بادشاہوں نے بھی مہابھارت اور ب
بنگالی زبان میں کرایا تھا۔ (قومی آواز ۲۶ نومبر ۱۹۹۲ء)

نصابی کتابیں

چند مشورے

حبیب اللہ اعظمی، لکھنؤ

جو کتابیں ابھی نصاب میں پڑھائی جارہی ہیں اگر ان کا سلسلہ جاری رہا تو ملک میں ایک بڑا انتشار پیدا ہو جائے گا
ں ماحول میں اس وقت کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ ہم اپنے ننھے بچوں کو Tender age تعلیم کس طرح کی دیں۔ آج
در پر یہ ہو رہا ہے کہ بچے کسی Individual کی زندگی کے بارے میں یا راجا مہاراجا کے بارے میں پڑھنے سے بھاگتے
یں اور سائنس کی طرف زیادہ رجحان ہے۔ تو آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم پڑھانے میں اس بات پر زیادہ زور دیں
Life of people کیا تھیں، کیا ہیں اور کم از کم سکنڈری level میں تو ان کی معاشی حالت بھی پیش کرنی
یے۔ دوسری چیز جو ہمیں کہنی ہے کہ History میں Distortion جو مذہب کے بارے میں، یا خلفائے راشدین
رے میں نظر آتی ہیں وہ بھی عجیب ہیں۔ انکی دو وجہیں ہیں ایک تو یہ کہ وہ اپنی کم جانکاری کی وجہ سے ایسا کر رہے ہیں یا دوسرا
ان بوجھ کر ایسا کر رہے ہیں۔ کیونکہ میرے کچھ ساتھی ایسے رہے ہیں کہ جنھوں نے حضرت محمدؐ کو کہا کہ وہ 'ریت دیوتا' ہیں تو
کے ذہن میں Prophet کے وہ معنی ہیں جو اسلام میں Prophet کے معنی نہیں۔ تو یہ ان کے نہ جاننے کی وجہ سے بھی
سکتا ہے۔ اس لیے Text Book Committies کو یا .N.C.E.R.T کو یا .S.C.E.R.T کو یہ چاہیے کہ جب
Prophet اسلام یا کسی بھی دھرم خواہ عیسائی کے بارے میں لکھتے ہیں تو اس کے جو ماہرین ہیں ان سے رجوع کریں یا ان کی
Advisory Board بنا کر اس چیز کی Screening کرائیں کہ وہ لوگ جو نصاب تیار کر رہے تھے اس میں کوئی
Factual mistak تو نہیں جا رہے ہیں جیسا کہ ہم نے اپنے پیپر میں اشارہ کیا تھا کہ Prophet کی والدہ کا نام، ان کے چچا
نام غلط دیا ہوا ہے۔ تو اس طرح کے جو Factual mistakes ہیں وہ نہیں آسکتے۔ تیسری چیز جو میں آپ کے سامنے رکھنا
ہتا ہوں بلکہ Challange ہے کہ ہندستان ایک Technical stage میں داخل ہونے جا رہا ہے جسے آپ کہتے
ں کہ Computer age میں جا رہا ہے۔ تو جہاں اس کی ترقی کے لیے Science کے میدان میں بہت نعرے لگ رہے
ہے ہیں یا کوششیں کی جارہی ہیں۔ اسی طرح Historians کے اوپر بھی یہ ذمہ داری عاید ہوتی ہے کہ اگر وہ تاریخ کی کتابوں
صحیح Prospectus میں نہیں پیش کرتے ہیں تو ملک کے برباد ہونے میں ان کی سب سے بڑی ذمہ داری ہوگی اور یہ
Science اور Computerisation سب بیکار ہوگا۔

ڈاکٹر وصی احمد، صدر شعبہ جغرافیہ، کامرس کالج، پٹنہ

میں صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ Histories میں جو Distortions ہیں اس کے اسباب کیا ہیں
اس سلسلے میں بہار میں جو ہم نے تجربہ کیا، کتابوں کو یکجا کر کے اس میں کیا کیا دشواریاں ملتی ہیں یہاں تک Sources کا تعلق
ہے اس میں History کو جو دیکھنے کا موقع ملا اس میں کچھ بنیادی خرابیاں ہیں کیونکہ مؤرخ عوام کی History لکھنے کی بجائے
بادشاہوں کی History لکھتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہم Composite culture کی بجائے ایک culture
کی بات کرتے ہیں۔ ہندی، ہندو، ہندستانی راشٹریہ کرتے ہیں جو یہ Composite culture ، back ground
میں چلا جاتا ہے تو اگر ایک History میں ہمارا Perspective ہو composite culture دینے کا جو کام
ملتا ہے تو اس سے دشواریاں پیدا ہوتی ہیں۔

اس ملک میں ۱۸۷ زبانیں بولنے والے اور ۲۲۵ ٹرائبس (Tribes) رہتے ہیں۔ لیکن یہ جو Variety
اس کی بجائے اسے آریا اور غیر آریا یا ورسز مسلم ایسا ہی کچھ پیش کرتے ہیں جس کی وجہ سے بنیادی طور پر ایک Angle پیدا
جاتا ہے کہ یہ ملک صرف آریاؤں کا ہے۔ اور ہم بھول جاتے ہیں کہ ہندستان کے ان تمام شمال، مشرقی علاقوں میں جہاں
Mongolides رہتے ہیں۔ اس ملک کے دکھنی علاقے میں Paris Ostrolides رہتے ہیں۔ اس کے درمیا
علاقے میں اودالی سے لیکر Chotanagpur تک دوسرے Tribes رہتے ہیں۔ اس طرح سے آپ دیکھیں گے
وہ National History کے بجائے ہم History Indo-gajetic Valley پر زیادہ Concentrate
کرتے ہیں۔ تو ہندستان کے جو مختلف علاقے ہیں اور خان صاحب نے یہ سوال کیا تھا لیکن اس کا ایک دوسرا پہلو یہ ہے
اگر ہم Regional History لکھیں گے تو صرف Regional تصویر سامنے آئے گی اور National تصویر
Indo-Creatic valley میں چلی جائے لیکن جب National History ہم لکھتے ہیں تو Back ground
تک ہم کیوں نہیں جاتے۔ ہمیں پورے علاقے کو Cover کرنا چاہئیے۔ اس طرح Bad issues ہوئے وہ صرف دو
Communities کے Battle project کے طور پر کیوں Concentrate کیے جاتے ہیں۔ آپ رانا پرتاپ
اور اکبر کی جو لڑائی ہے اس کا ذکر کرتے ہوئے یہ لکھ دیں کہ رانا پرتاپ کی فوج میں اکبر کی فوج سے زیادہ پٹھان تھے اور اکبر کی فوج
میں رانا پرتاپ کی فوج سے زیادہ راجپوت تھے تو آپ کے بچے کے ذہن میں یہ بات آجائیگی کہ یہ دو راجاؤں کے بیچ کی لڑائی
کسی ہندو مسلم کے بیچ کی لڑائی نہیں تھی۔ تو یہ جو Composition ہمارا ہوتا ہے وہ Conflict between two
communities میں بدل جاتا ہے جب کہ یہ Between two state powers conflict یا دو راجاؤں کا

Posser سامنے نہیں آتا۔ اس لیے کہ ہم ادھوری سچائی سے کام لیتے ہیں۔

ہمیں Communal harmony کے Angle کو کتابوں میں ضرور استعمال کرنا چاہیئے۔ میں اس کا طرفدار ہوں۔
آخری بات جو میں کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ stages پر بہت زیادہ نگاہ ہونی چاہیئے۔ کس Level کے Student
لیے ہم کتنی بات کہیں کہ وہ قبول کر سکے گا۔ یہ اس کے ذہن کی تعمیر میں اور ملک میں Contribute کرنے والا اچھا
شہری بنانے میں مفید ثابت ہوگا۔ اور اس کی سخت ضرورت ہے۔

بہار میں ہم لوگوں نے اس کا تجربہ کیا۔ وہ جو دشواریاں ہیں وہ میں آپ کے ساتھ Share کرنا چاہتا ہوں۔ بہار
میں ہم لوگوں نے کتابوں کا ایک Survey کیا survey کرنے کے بعد حکومت وقت کے پاس ایک وفد کی شکل میں ان
کتابوں کو لیکر گئے۔ دشواری اس میں دو باتوں کی آئی۔ پہلی تو یہ کہ کتابوں پر اب تک سرکار کا کوئی Control نہیں ہے۔ اسکول
Minoriti کے ہو سکتے ہیں، Private ہو سکتے ہیں، وہ آزاد ہیں کہ کسی بھی کتاب کو پڑھائیں اور یہ بات N.C.E.R.T.
تیار کردہ کتابوں کے لیے بھی ہوا اور State کے لیے بھی ہے۔

میرا مشورہ یہ ہوگا کہ ایک ایسا Legislation تیار ہونا چاہیئے جو اس پر نگاہ رکھے۔ نتیجہ اس کا صفر نکلا حکومت
نے کہا کہ صاحب ہمارے پاس ایسی کوئی قوت نہیں ہے کہ ہم ان کی کتابوں کو نکلنے سے روک دیں۔ تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ چوں کہ
Educatio ایک Concrete list میں ہے اس لیے مرکزی ہو یا صوبائی حکومت وہ ایک ایسا Legislation
لائے جس کے ذریعہ یہ پابندی ہو کہ نصاب تیار کرنے کے جو بھی ادارے ہیں وہ اس کی منظوری کے بغیر کسی طور بھی نصاب سے
ہٹائی جائیں۔ اس سے کسی حد تک اس کمی کو پورا کیا جا سکتا ہے۔ لیکن وہ کمی جو آپ نے دیکھا خواہ N.C.E.R.T. ہو،
S.C.E.R.T. ہو یا N.B.T.C. ہو۔ چونکہ ہمارے ذہن میں ایک ایسا نقشہ ہے کہ جس سے ایک Angle آجاتا ہے
یہاں جب تک قانون نہ بن جائے ہم N.C.E.R.T. کا سدھار (सुधार) نہیں کر سکتے، State کی کتابوں
کا سدھار نہیں کر سکتے اور بغیر اس قانون کے ہم ایسی کتابوں کو اسکول میں پڑھانے سے نہیں روک سکتے ہیں۔

اخلاق اثر، بھوپال:

ہم اس بات سے انکار نہیں کر سکتے کہ جو Early history ہے اس میں ہندو مسلم Factor تھا لیکن اس
میں صرف ہندو مسلم Factor نہیں تھا۔ اس کو اگر ہم Highlights کریں تو بہت سی باتیں صاف ہو جاتی ہیں۔ دوسری
بات یہ ہے کہ N.C.E.R.T. کی جو Text books ہیں وہ Ideal ہیں اور States سے کہا جائے کہ وہ اس
Fr پر ہی اپنی کتابیں تیار کریں۔

ڈاکٹر اپروانند، پٹنہ

مجھے صرف دو باتیں کہنی ہیں کہ کل سے جو اس پر بحث ہو رہی ہے اس سے یہ بات نکل کے آئی ج
دیش میں پچھلے چالیس برسوں میں یا اس کے پیچھے جو (सम्प्रदायिक दंगे) سمپردائیک دنگے اور
کہیں نہ کہیں ان کا कारण سمجھنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اور ان کی جڑ کو इतिहास میں
کی جا رہی ہے اور اس وجہ سے کہ جیسا شرما جی نے کہا کئی بار ہم اپنے Prejudice کے अनुसार
Medieval history تک لے अनुसार اپنی पुर्वग्रह کے अनुसार جڑ کو
Ancient history تک لے جاتے ہیں اور اپنے अनुसार History کو rperrate
یہ اس وجہ سے بھی ہوتا ہے کہ کئی بار اورنگ زیب کو آپ جیسا دیکھنا چاہتے ہیں ویسا لکھتے ہیں اگر اکبر کو اچ
تو اچھا لکھتے ہیں۔ اس پر جو باتیں ہو رہی ہیں۔ اسکول میں جو کتابیں پڑھائی جا رہی ہیں اور اس کے پیچ
tions آئے اس سے میں بہت सहमत ہوں کہ Education کو بالکل Enterprises
دیا گیا اور بالکل کھلی چھوٹ دے دی گئی ہے۔ آپ جیسے چاہیں اسکول کھولیں جیسی چاہیں کتابیں پڑھائی
اس بات کی بھی چھوٹ مل گئی ہے کہ جیسی چاہیں ویسی History لکھی جائیں۔ چونکہ یہ l History
ہمارے دیش کی History ہے اس لیے اسے جیسے چاہیں لکھنے کی چھوٹ کسی کو بھی نہیں دی جا سکتی۔
सुझाओ یہ ہے کہ धार्मिक आधार پر جو اسکول چلائے جا رہے ہیں اور आधार
राष्ट्रिय इतिहास لکھا جا رہا ہے چاہے Ancient period کا ہو یا eval period
Modern period کا ہو۔ اس پر روک لگایا جانا چاہیئے اور جیسے قانون کے سلسلے میں وسی صاحب نے
دیا۔ میرا Proposal یہ ہے کہ सरस्वति शिशु मंदिर جیسا اسکول جو بعض جماعت کی طرف
چلائے جا رہے ہیں تو ان اسکولوں پر پہلے پابندی عاید ہونی چاہیئے نہیں تو ایسی History writing
روک سکتے۔

جناب فرخ جلالی، علیگڑھ:

درسی کتابیں لکھنے والوں کی مجبوری یہ ہے کہ تاریخ کے ماہرین اردو سے ناواقف ہیں یا سیں فارسی کتا
سماج کے بارے میں N.C.E.R.T. یا دوسرے ادارے خود نہیں جانتے کہ ملک میں ہندو مسلمانوں
کام کیے ہیں انھیں نصاب میں شامل کیا جائے۔ درسی کتابیں ہر تیس سال کے بعد بدل دینی چاہئیں کیونکہ تر

بھی ہوتا رہتا ہے۔ مثال کے طور پر یہ کتاب دیکھ لیں۔ اورنگ زیب کی حکومت کے زوال کی ایک وجہ یہی تھی کہ اس کی حکومت میں ہندو مسلم کے بجائے اعلیٰ ذات کے ہندوؤں اور خود اس کے ننہیال کے ممتاز مل کے خاندان کے لوگ زیادہ تھے۔

Initial period میں یہ ہے کہ ہم باقاعدہ Buddhist period کو نہیں مانتے۔

ڈاکٹر ظہیر الدین ملک، علی گڑھ:

کل سے ابتک جو انتسابات اور Abstract ملک کے مختلف کونے سے سننے میں آئے ہیں، بہار، یوپی گجرات، مہاراشٹر، مدھیہ پردیش اور دوسری جگہوں سے اس سے سرکار کا ایک Common pattern of behavior اور ایک ہی طرح کا Common factor نظر آتا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس Pattern کے پیچھے کیا Moti vation ہے۔ یا ایک Motivate policy کے ماتحت یہ سب کچھ ہو رہا ہے یا Detoriation of facts یا History کے تحت سے ہو رہا ہے۔ اس کا پتہ چلانا ضروری ہے پھر یہ جو بات ہے کہ اس کی جو وجہ ہے وہ Commu nalism ہے اور بغیر Communalism کے یہ Pattern ممکن نہیں ہے۔ ایک صوبہ میں ہو سکتا ہے، دو صوبے کے اندر ہو جائے یہ بات ذہن میں آتی ہے، لیکن پورے ملک کے اندر ایک قوم کو ایک برادری کو اس صورت سے بدنام کرنا تاکہ یہ نفرت ختم نہ ہو اس صورت سے بچوں کے ذہن میں زہر ملایا جارہا ہے اس کی کوئی سیما ہوتی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اس میں یہ Socio Economic کا اثر ہے۔ مذہب اس کا کاٹ نہیں ہونا چاہیئے۔ جو History کو Distort کر کے پیش کر رہے ہیں ان کا مقصد ان کے مذہب کو بدلنا نہیں، اس مذہب کو ختم کرنا نہیں ہے بلکہ ان کی نفرت سے ان Socio Economic problem کو جو اپنے Fever میں چاہتی ہیں ان کو لانا ہے اور اس کی جو Basis ہے وہ اقتصادی ہے . Social basis ہے۔ اس Communalism کی Basis مذہب نہیں ہے۔ جہاں تک اس کا تعلق ہے کہ کتابوں میں ہم کیا لکھیں اور کیا پڑھایا جاتا ہے۔ میں تیس سال سے پڑھا رہا ہوں اور Examiner بھی رہا ہوں بس بہت معمولی مثال دوں گا۔ کشمیر کے اندر ایک یونی ورسٹی ہے سری نگر، اس کے History کے اساتذہ سے میری ملاقات ہے۔ میں جانتا ہوں کہ کس صورت سے وہ پڑھاتے ہیں بہت اچھے قابل لوگ ہیں اور وہ سمجھ رہے ہیں کہ کس طرح سے پڑھایا جائے وہی Ideas ہیں ان کے پڑھانے کا۔ وہاں اکثریت مسلمان لڑکے اور لڑکیوں کی ہے ان کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ Examiner کون ہوگا۔ لیکن جہاں کہیں بھی اورنگ زیب پر سوال دیا ہے وہاں اس کا جواب اسی جملے سے شروع کیا ہے کہ " اورنگ زیب نہایت کٹر سنی مسلمان ہندوؤں کا دشمن" وہ یہ لکھتے ہیں جس میں زیادہ تر تعداد مسلمانوں کی ہے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ Destortion of History اتنا Deep rooted ہوگیا ہے کہ پورے ملک کے اندر، ہر بچے کے اندر چاہے آپ

کسی طرح پڑھائیں لیکن وہ جیب نوٹس کے سہارے یا شاید اس لیے کہ Examiner خوش ہو جائے گا وہی لکھ دے گا
تو میری گذارش یہ تھی کہ ہم جو Historians ہیں ہم اپنے Jurisdiction کے اندر جہاں تک ہم سے ہو سکے
کام کریں لیکن وہاں اتنی کامیابی نہیں ہوگی جب تک کہ اس سے زہر جسکی Basis ، Socio Economic
ہے لیکن اس نے مذہب کا رنگ اختیار کر لیا اس کے طریقے کو اپنے بس میں نہیں کریں۔ وہ Leaders کے بس میں یہ بات
نہیں چاہتے ہیں کہ سب قومیں مل کر بیٹھیں ورنہ ان کی ذاتی مفاد پرستیوں میں آنچ آجائے گی۔ بلکہ یہ کہ سترہویں اور
اٹھارہویں صدی کا جو Indian Persian Litterature ہے انڈیا کا اس کے اندر Indian society
کا جو Study fiction ہے اس کی تقسیم مذہبی ہے اسے مسلمان Historians نے نہیں بنائی ہے بلکہ وہاں
افغان ، راجپوت اور بندیلا یعنی Racial Studyfication ، مسلم Students نے 16th and
17th Century میں کیا ہے۔ یا اسکے پہلے کی جانکاری مجھے نہیں ہے تو وہ لوگ بہت زیادہ سیکولر تھے اور اب
ملکانی نے جو Acts organisation کے Reader ہیں، Bi ju Patnaik نے جسے کرایا ہے وہ بھی اب
اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ پھر سے ہم Indians کو اٹھارہویں صدی کی طرف جانا چاہیے جیسے ہم لوگ پہلے رہتے ہیں۔

صدر جلسہ کے تاثرات

حضرات یہ بحث کافی طویل ہو چکی ہے اس لئے میں چاہوں گا کہ اپنی بات مختصر کر کے جلسے کو ختم کرنے کا اعلان
کر دیا جائے۔ تاریخ کے اساتذہ یہاں موجود ہیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ اسمیں سکھ بھی ہیں یا نہیں چلے جائیے
پیچھے میوزیم ہے اس میں بہت سی چیزیں ہیں۔ ممکن ہے ادھر اسمیں بہت سی چیزیں جوڑ دی گئی ہوں۔ ان میں کچھ oil
paintings ہیں جن میں ہندستانی حکمرانوں کے مسلم مظالم کی داستان بیان کی گئی ہیں اور جسطرح وہ تصاویر دکھائی
گئی ہیں جس طرح ان کی نمائش کی گئی ہے آپ سکھ نہیں بھی ہیں تو بھی آپ کا خون کھول جائے گا۔ میرا خون کھول گیا تھا۔ میرے
میری بیوی اور میرے بچے تھے میں اسے دیکھ کر آگے بڑھ گیا تاکہ وہ نہ دیکھ سکیں میں اسے پہلے دیکھ چکا تھا۔ ادھر کچھ نئی چیزیں
جڑی ہیں جو ادھر ہوئی ہیں۔

چلے جائیے متھرا، متھرا میں ایک مندر ہے۔ Sri Krishna Guest House کئی دنوں مجھے وہاں رہنے
کا اتفاق ہوا اور کئی دنوں تک میں نے اس مندر کو دیکھا۔ حالانکہ میں تاریخ کا آدمی نہیں ہوں میں نے صرف school
Level تک History پڑھی پھر اس کے بعد میں نے History نہیں پڑھی۔ وہاں جو ایک مندر تعمیر کیا جارہا ہے

ضرور تعمیر کیا جائے لیکن اس کے اندر جو ایک اسکول قائم ہو رہا ہے اور اس کا جو ایک مقصد ہے اس پر آپ لوگوں
اہ ہونی چاہیئے اور History کا جسطرح Distortion ہو رہا ہے صرف راستہ دکھا کر اس کی اصلاح ہنیں
۔ فضا میں زہر گھلا ہوا ہے اس مسموم فضا کو آپ کس طرح پاک وصاف کریں گے ہم نہیں جانتے۔ لیکن بہرحال آپ کا
بڑا حصہ ہے آپ سوچ سکتے ہیں۔ کچھ دنوں پہلے آپ کو یاد ہوگا کہ جب مشرقی پاکستان کا سقوط ہوا اس سے پہلے
قی پاکستان، بنگلہ دیش بننے سے پہلے کی بات کر رہا ہوں اور جب لڑائی چھڑی تو صرف بنگالی تھے جو اگرچہ مسلمان
لیکن انھیں ہم مسلمان نہیں مانتے تھے انھیں کافر کہتے تھے۔ سوچنے کی بات ہے کہ ہم کیا سوچتے ہیں۔ ہمارے سوچنے کا یہ
کیا ہے۔ تاریخ میں جائیں، نصابی کتابوں میں جان بوجھ کر ذکر کیا گیا ہے۔ دیوی درگا، پیغمبر، پیر کا ذکر ہے۔ اسے وہاں سے
ں دینا چاہیئے! لیکن کسی ہندو سے یہ کہئے کہ ہم اپنے پیر، فقیر کو جس طرح دیکھتے ہیں وہ اسی طرح دیکھے، اسی طرح برتے'
ل ہے۔ ابھی ایک صاحب اپنا پیپر پڑھ رہے تھے جب رسول کی بات آئی تو اٹھ گئے 'صلی اللہ علیہ وسلم نہیں پڑھا اور کہا
ہو گئی، کیوں چوک ہو گئی۔ لیکن وہی بات اگر شیر سنگھ کریں گے تو زبان زدنی قرار دیئے جائیں گے۔ یہ نہیں ہونا چاہیئے۔

ندازبدلیے۔

آپ اور ہم مسلمان ہیں۔ آپ لا اکراہ فی الدین کے ماننے والے ہیں۔ لیکن ہم کس طرح اہانت کرتے ہیں دوسرے
ہب والوں کی۔ وہ کسی نے ٹھیک ہی کہا ہے، کہنے کی نہیں ہوتیں، میں بھی نہیں کہوں گا۔ میں آپ سے معافی مانگتا ہوں'
پ تاریخ کے بڑے عالم لوگ ہیں اور میں نے آپ کے سامنے زبان کھولی ہے۔

••

Ibid.

Ibid

Mukhia Harbans, *"Perspective on Medieval History"*, Vikas Delhi. 1993 p.p. 33-45.

Arjun Deo; Ibid.

Arjun Deo, Ibid.

Basu Nilotpal *"Manipulating History, A crime against young minds.* People's Democracy 20. 6. 1993.

Ibid.

"Sponsored Communalisation of Education" New Age 28.2.1993

Panikkar K. N. *"Culture and Communalism"* p.p. 24-31, Social

Scientist No. 238-39. Vol. 21. 1993.

The People's Democracy - 20. 6. 93 and The New Age-21. 2. 93.

against the basic values that are given to us by the framers of the Indian Constitution. We have to be on guard against the misuse of history.

The people must take initiative and tell the government that it should not allow old and out-dated textbooks to continue. Different social and political organisations should see to it that new textbooks correctly reflect the values that are given to us by our freedom fighters and the basic principles enshrined in the new education policy of 1988

The new education policy wants to inculcate secular and humanistic values in the students. It wants the students to imbibe the basic ideals of Indian freedom movement and Indian Constitution. The students should understand the tradition of composite culture of India. They should believe in equality of men and women and the protection of ecology. It should develop the spirit of inquiry and scientific temper.

The educational policy clearly points out that while teaching history and civics to the students of class 5th to 8th, the students should be acquainted with the plural and composite nature of Indian culture. The student should be made to free himself from caste and communal prejudices, regional and parochial attitudes and all sorts of irrational thinking. He should adopt progressive and scientific attitude. The students should be told that for the establishment of a just and egalitarian society, social change is necessary. He should understand evolution and development of Indian history in the light of world history. Also the students should develop the capacity to understand the contemporary problems of the society through the historical perspective. The students should learn to develop critical and scientific attitude towards history.[19]

We must try to prevent the misuse of history textbooks to score political gains. We should not allow people to see our past in present and to rake up imaginary quarrels from the past. We should oppose the people who launch political movements to correct the so-called 'wrongs' in history. These movements come in the way of national integration and generate unnecessary conflicts between different people.

REFERENCES

1. Rudolph L and Rudolph S *"Cultural policy - the textbook policy and cultural identity."* p.p. 131-54 in Wilson A and Dalton D Integration in states of South Asia. Vikas, New Delhi. 1981.
2. Prasanna Kumar J Fundamentalism and National Integration.
3. (Unpublished Ph.D. thesis accepted by Dr. Ambedkar Marathwada University) p.p. 114-15.
4. Arjun Deo *"Distorting History to suit political ends."* ew Wave, 25. 2 1993.

tory should focus attention on the social forces at work. The chairman of the history subject committee, Dr Deshpande writes that[11] because of the Chief Minister's promise that not a word would be changed from the 25 years old book, the communal overtones remain. Incitement to violence is still there. All the work that was put in for the revised draft is lost for ever. We were all asked to surrender our copies to the government. The violent and communal history being dished out to 4th standard students in Maharashtra will not change since this is a matter of legislative action on the floor of the house. The government will find it difficult to go back."[18]

Infact the new portion on Shivaji was historically more sensible and accurate as it correctly sought to tell the students the true achievements of Shivaji and his greatness, instead of creating a myth out of history to divide the people. One can say that due to incitement by the newspapers, communal and parochial elements gained an upper hand. Simultaneously, the socialist and nationalist forces did not protest because they didn't want to lose votes.

This decision of the government has created many problems. To accommodate 76 pages of Shivaji, the government dropped the portion on Indian culture and included it in the textbook for 5th standard. Due to the arbitrary action of the government, the size of 5th standard has become unwieldy because now it consists of 4 sections and its size has increased by 20 pages. It now deals with story of freedom, the story of India's freedom movement, Indian culture and civics. The pages are curtailed and the book has lost its inner cohesion.

It is regrettable that the government pursued the policy of succumbing to the pressure of communal and chauvinistic forces. It is necessary that the 4th Standard book should be thoroughly revised and all the communal references in the text that harm the cause of national integration should be deleted.

IX

We have seen in the preceding pages how the ghost of Elliot and Dowson is still alive and kicking. We have not yet seen the history textbooks for remaining classes. But what is important is that we must free ourselves from the traditional historiography which lays emphasis on the personalities and gives more importance to political history. We must take into account social and economic aspects of history. We should not impose our modern concepts. Concerns and ideas on to the past because as historians we are committed to truth.

The BJP government in UP, Rajasthan, MP and Himachal Pradesh tried to rewrite history. The attempt was to communalise history and to strike at the very foundations of Indian nation state. These attempts went

1988 put forward ten basic principles that are to be inculcated in the students so that they can develop progressive attitude in their life. The students are asked to imbibe values like liberty, equality, fraternity, democracy and secularism. It wanted to promote the ideas and values that were passed on to us by leaders of our freedom movement.[15] The old book for 4th standard consisted of 92 pages and out of these 76 pages were devoted to Shivaji alone. In this book, Shivaji's life and career was depicted in communal perspective. And at times it even incited communal passion. It was decided to revise the syllabus for the 4th standard. It consisted of three sections. The first section dealt with Indian culture, its evolution, its multi-faceted character and its role in making India a nation. In the second section there was a discussion on Shivaji in the light of the new historical perspective. It consists of achievements and contribution of the saint poets of Maharashtra, development and organisation of the Swarajya of Shivaji, the consecration ceremony of Shivaji and its political significance. It was attempted to inculcate in the students, the spirit of unity and public welfare fostered by Shivaji.[16] The third section was devoted to civics. The Balbharati requested the subject committee on history to prepare a new textbook on the basis of this syllabus. The committee prepared the textbook, and the section dealing with Shivaji was drafted keeping in view the directives given by the government. As per the procedure of the board, once the text is ready, it goes out for a try-out session. For this session, 60 teachers from different parts of the state are invited. These teachers discuss the text thread-bare and give useful suggestions. During the try-out session of this book some portion of the text were leaked out by teachers sympathetic to Hindutva and a public campaign against the new book was launched.

The Saamna of Bombay and the Kesari of Pune took the lead and argued that the government of Maharashtra was trying to belittle the importance of Shivaji. They held that the board had reduced the biography of Shivaji by nearly 40 pages and Shivaji depicted in the new text is not inspiring to students as descriptions are placid. They held that history should be studied to learn from it and to repeat it to emulate it. The vicious campaign launched by these papers ultimately succeeded because the Sena MLAs raised this issue in the assembly. All MLAs of different political parties including that of the Left parties and the Janata Dal supported the argument of the Sena leaders that the government has belittled the importance of Shivaji. The unanimous opinion of the house unnerved the then Chief Minister of Maharashtra, Mr. Sudhakarrao Naik and instead of defending the policy of the government, he declared that the government would retain the old book and not a single word of it would be changed.[17]

Before the chief minister made this announcement, the education minister was trying to defend the policy on the floor of the house saying that the government was only trying to de-individualise history. That his-

4) After receiving Shivaji's message, Afzalkhan laughed and twirling his beard, he said "Oh! Very good! What is Shivaji before Afzalkhan! He has no courage to fight with me. I should go to Pratapgarh and crush him." (p. 34)

5) The Khan attempted to kill Shivaji with the help of a small sword *(Khanjar)* but Shivaji wasn't hurt because he wore an armour. He swiftly whipped out his *Bichva* and pierced it in the soft belly of the Khan. His intestines came out and he collapsed. Khan's assistant, Krishnaji Bhaskar came forward to help Khan but Shivaji slew his with a stroke of lancer. Sayyad Banda was about to attack Shivaji, but his assistant Jiva Mahale at once killed him. (p. 36- 37)

6) The consecration ceremony of Shivaji was described in great details but the constitutional and political significance of this ceremony was not pointed out.

7) Under the title 'Living source of inspiration' the picture of Goddess Tuljabhavani is depicted. This chapter is written to tell students what lessons they should draw from the life of Shivaji. The author writes that "protection of good people and extirpation of bad people" was the motto of Shivaji.(p. 75.76)

8) Shivaji never bent his knees before the foreign powers that were very powerful and supported by lakhs of soldiers (p. 76-77)

The author in the book has told the story of Shivaji with lot of devotion rather than objectivity, and instead of correctly creating historical awareness about the life and times of Shivaji, he encourages hero worship. He seeks to inculcate superstition, credulity and unscientific attitude about Shivaji who normally did not like credulity and blind faith in fate. The author tries to drive a wedge between the Hindus and Muslims by calling the Muslim rulers as 'foreigners'. We may have many reservations about some of these Muslim rulers as far as their oppressive regimes are concerned but it is difficult to call them foreigners because they were living on these lands since 400 years. The author implicitly accepts the two nation theory as the Hindu enemies are considered as the opposition from our own people, and the opposition from foreigners means the opposition from Muslim rulers of the country. As it is rightly pointed out we still have a medieval approach towards history. Instead of introducing a new value system, the book encourages communal and jingoistic interpretation of history that incites violence and parochialism.

VIII

The government of Maharashtra decided to revise syllabus which had been taught to the students since 1967-68. It was felt that new cultural values should be introduced through these books. New education policy of

For the third standard a book called 'The story of Man' is introduce It is a well written and beautifully produced book. It is based on the sy labus prepared by NCERT and it discusses the evolution of man from ston age to the age of agriculture. This book was well received and the youn boys liked it. But the communal elements did not like it and som newspapers in Maharashtra launched a vitriolic campaign against it. Th Kesari of Pune took the lead and the 'learned' executive editor of the Kesa didn't understand the difference between the story of man and the story c stone because he couldn't differentiate between the story of stone and th story of stone age. He seemed to be comfortable with the former. In hi editorial he further wrote "It is not the story of man but it is the story c monkey."

But this opposition was just the beginning of the movement launche by the Kesari to communalise Indian history at the behest of certain com munal elements in the country. The Kesari and other Hindu communal el ments launched their movement against new history textbook for the 4t standard which was greatly revised under the new syllabus.

VII

After the formation of linguistic states in India, every state tried t find out its local heroes and glorified them in order to secure the support c the masses. In the process, the political leaders gave a lot of encouragemer to parochial and sectarian forces. In Maharashtra, the life of Shivaji wa considered praise-worthy because he established his own independer state and gave inspiration to freedom fighters during India's freedor movement. Naturally, Shivaji occupied a prominent place in minds of th Marathi speaking people. 25 years ago a special book on Shivaji, Ra Shivchhatrapati was prescribed for the students of fourth standard. It wa written in a jingoistic language and gave encouragement to violence an war-mongering. It is in the general tenor of the books written for 5th to 7t standard.

Following statements clearly indicate the ideological position of th author:

1) Shivaji said "all states surrounding us are alien states and w should establish our own state. We should not live under the foreign rule (p.21-22)

2) Shivaji found a secret treasure at fort Torana and some of his fo lowers thought that Goddess Bhavani had blessed him. (p.27)

3) Shivaji faced challenge from both alien enemies and the enmit from his own people. Adilshahi, Siddi, Portugese and the Mughals wer the alien enemies and Nimbalkar, More and Ghorpade were enemies com ing from our own people (p. 29-30)

chapters deal with the *life* and times of Shivaji which is the summary of what is presented to the students in 4th standard. It was a history of kings, their battles and their conspiracies to capture political power. Attempt is always made to glorify tue past. For example, the author writes "The Hinduvi Swaraj established by Shivaji was people's state, it was based on justice and morality, welfare of the people the opposition to repression and restoration of peace. Protection of Hindu culture and Maharashtra dharma was the noble aim of the Swaraj."(p.11) Marathas were proud of Hindu religion but they pursued the policy of religious tolerance. The author still divides Indian history into Hindu and Muslim periods therefore, he writes After the battle of Panipat, both the Marathas and Mussalmans became weak.(p.72) He tries to show that while Hindus were not united, the Mussalmans were. But the fact of the matter was that both of them were divided because of political conflicts.In the third book of the series the history of modern India is discussed. The author of the book has criticised Mahatma Gandhi for his 'pro—Muslim' attitude. He writes "Gandhi didn't approve of hatred of Muslims. He was of the view that India should pay Rs. 55 crores to Pakistan (it was her share) and cooperate with her. But there were many people in India who didn't like the generosity of Mahatma Gandhi. The news of massacres in Pakistan and the prevailing atmosphere of fear convinced them that Gandhi's generosity was uncalled for. But due to insistence of Gandhi the government agreed to pay Rs. 55 crores to Pakistan." Subsequently Gandhi was shot by a lunatic. (p.139)

On the issue of giving the share of Rs. 55 crores to Pakistan, Gandhi's position was just and moral because after both the countries agreed to partition they had to fulfill the obligations that were binding on both the parties. It is wrong to call it 'uncalled for generosity'. Gandhi was vilified by the Hindu communal forces on this issue and unfortunately, the textbooks prepared by the Congress government backed it. Secondly, there was an elaborate and well planned conspiracy to assassinate Mahatma Gandhi and it was not a stray act of a lunatic. The investigation by the government of India had clearly proved this fact. Most of these textbooks represented backward historiography which neglected social economic and cultural aspects of history, and laid more stress on political history, especially the history of dynasties, monarchs and their internal struggles and conspiracies. They highlighted military conquests and battles. They failed to understand that religious cleavages formed only one aspect of history and should not be considered as the most important aspect.

VI

As I have written earlier all these books are now withdrawn and new history books are being written. These books are certainly better than the earlier books but the communal forces had begun a campaign of caulmny against them.

author is again trying to give religious colour to a political struggle b
tween different kings. Both Hindu and Muslim kings were supported
Muslims and Hindus. Some of the aggressors and their successors liv
here for a few hundred years and they became the inhabitants of this lan
In history, the entire Muslim community from Mohammad Bin Kasim
Hadirshah couldn't be considered as a homogeneous group or the attac
ing party. If we accept this proposition, we fail to understand the compl
social reality of Islam in India . As a result, we treat a Muslim as a foreign
and not a national of this country. Here we can clearly see how the hi
toriography of Dowson and Elliot could justify the concept of existence
two separate nations in India!

It is true that all Muslim rulers were not tolerant and enlightened.
fact, on the advise of bigots and fanatic Mullhas they commited atrociti
on Hindus. Further, preferential treatment was given to Muslim clerg
But this was not true about all Muslim rulers. In most of the cases they ha
to depend on their Hindu supporters because if the Sultan followed th
religious policy recommended by the clergy, due to hostility of the Hindu
his position became insecure and if he followed tolerant policy he couldn
pursue the religious policy advocated by the mullas. Therefore, normall
they had to steer the middle course as their identification with the Hindu
might encourage pretenders to the throne to use the Mullahs and Islam t
capture political power.

The fight against the aggressors was a continuous process and man
Muslim kings had to protect their kingdoms against the attacking Mon
gols, Turks, Iranians and Afghans. The Mongols, Tamurlane, Nadirsha
and Ahamadshah Abdali killed thousands of Indians both Hindus an
Muslims, and both Hindu and Muslim kings fought against foreign in
vasion. The internecine and imperialist wars among different states such a
Akbar's attack on Nizamshahi or Gondvan can't be called 'foreign' in
vasion. It is the pernicious tendency of this writer to depict the local politi
cal struggles as the 'national' struggles between Hindus and Muslims.

It is true that Akbar was a Mughal king who pursued the libera
religious policy. But it is difficult to agree with the opinion of the autho
that he was the only Mughal emperor to do so. Babur, Humayun, Jahangi
and Shah Jahan, by and large, pursued tolerant and liberal religious policy
Only Aurangzeb was a bigot who destroyed the foundations of Mugha
empire by persecuting Hindus and Sikhs. He imposed *Jezia* on the Hindus
Barring few exceptions like Sikandar Lodi, Pherozshah Tughlak and
Aurangzeb the Jezia was never imposed on Hindus and it was beyond the
capacity of any emperor to enforce it all over India. It was very obnoxiou
tax which was rightly disliked by the Hindus.

The second book in the series meant for 6th standard is 'Our India
and in this book entire history of the Marathas is incorporated. The first

(2) If Huns, Shakas and Kushans were aggressors then the Aryans were also aggressors. But it seems, the author identifies himself with the Aryans, and so he doesn't treat them as foreigners. Vikramaditya might have destroyed the Shaka kingdom but by that time, the Shakas were completely Indianised as the name of the king defeated by Vikramaditya was Rudrashimha. It is difficult to call these Shaka kings — foreigners — when they had been living in India for 300 years before Vikramaditya. There is no golden age in history because in ancient and medieval times, upper classes and castes maintained their power by suppressing the lower classes of society. The concepts of golden age is a myth and no age could be called the golden age as such.

(3) During the Gupta period there was no rivalry between Hindu religion and other religions, and so it wasn't necessary for the Guptas to be proud of their religion. Secondly, during that period there was no concept of unified Hindu religion. During that time the Shaiva or Vaishnava sects were more important.

(4) Mohammad Ghazni was primarily interested in plundering the riches of this country. When it suited him, he used religion as a weapon to gain legitimacy. He was supported by a large number of Hindu soldiers and there were some Muslim soldiers in the army of Anang Pal. It was primarily a political battle and it shouldn't be treated as a battle between two religions.

(5) Mohammad Ghuri was more interested in establishing his kingdom in India and Chauhan wanted to protect his own state. For both of them religion was secondary. The Turks were more interested in consolidation of their rule in Punjab and Delhi than in the spread of religion.

(6) It is wrong to glorify the Yadav kings because in their state prevailed religious intolerance and caste arrogance in the Hindu society. It was corrupted by religious rites and priestly deceit. It is difficult to accept this contention of the author, since contemporary Marathi sources like the "Leela Charitra" give a different version of the Yadav period.

(7) Both Rana Udaisingh and Rana Pratap were proud of their kingdom, and they showed admirable courage in fighting against the Mughals. But the struggle between the Mewar and the Mughals shouldn't be interpreted through religious perspective because Rana Sanga and Rana Pratap were solidly backed by Pathan soldiers. In the famous battle of Haldighati, Pratap was supported by the large Pathan army of Hakim Khan that bravely fought against the Mughals army led by Mansingh.

(8) The communal historians always viewed Indian history as the struggle between Hindu and Muslim religions. They held that Hindus continued to offer resistance to the Muslims and through the efforts of the Marathas, the Hindus succeeded in defeating the Muslims. Once again, the

(6) Rana Uday Singh of Shisodia clan was very proud of his Ksha[illegible] caste and Hindu religion. He fought against the emperor Akbar to p[illegible] his state and religion. (p.81) Rana Pratap also wanted to protect his s[illegible] and religion. (p 87)

(7) During that period Hindus had to pay the offensive tax ca[illegible] *Jezia*. Akbar abolished it. He was the only Mughal emperor who follo[illegible] the liberal religious policy.(p.84,86)

(8) Mahamud Ghazni and Ghuri attacked India but the Rajputs tr[illegible] to defend India. Allauddin established the rule of Delhi Sultanat in so[illegible] India. Shankar Deo Yadav sought to fight against it, but he failed. The gr[illegible] Vijay Nagar empire tried to defend the country for some time but t[illegible] glorious empire was destroyed by oppressive aggressors. The Marat[illegible] took up the cause of protection of independence of the country in th[illegible] hands.(p.100) This is the introduction to the chapter on Shivaji "The str[illegible] gle for Swaraj".

In the concluding chapter of the book the author writes, that since [illegible] century — Arabs,Turks, Afgans and Mughals came to India. Some of th[illegible] came for plunder and others came to spread their religion. They forci[illegible] converted a large number of Hindus to Islam, but slowly they got adjus[illegible] to India which became their motherland. But immediately, he writes "[illegible] have a long tradition of fighting against the aggressors. Pu[illegible] Chandragupta, Vikramaditya, Dahir Bappa Raval, Rana Pratap, Shiv[illegible] Durgavati, Tarabai and Chandbibi are some of the names. They sta[illegible] their life for the sake of the country. We have a tradition of such bra[illegible] heroes in our country. There lived great kings in our country. They thou[illegible] that king was the father of subjects. There were many generous kings [illegible] India who distributed all of their wealth from their treasury. Such is [illegible] glorious tradition of our motherland and for that purpose only we sho[illegible] pray to her by singing the national song 'Vande Mataram' with full de[illegible] tion." (p.100-108)

This book is a good example of communal historiography as [illegible] author tries to impose modern ideas and notions in the medieval histo[illegible] We can refute his statements in the light of new facts in the field of histo[illegible]

(1) It is difficult to say that Harappan culture represented Hindu c[illegible] ture. It was also wrong to argue that the idol of Unicorn man on the s[illegible] was that of Pashupati or to identify the mother worship with that of [illegible] worship of Shakti because Pashupati and Shakti concepts became popu[illegible] mainly, after the first century AD One can certainly say that perhaps [illegible] fertility rites go back to Harappan age but it can't be immediately ide[illegible] tified with full -fledged worship of Shakti that became popular only af[illegible] the first century AD.

e lessons to students in nationalism and patriotism against the gression. History textbooks from 4th standard to 7th standard eated with this feeling. Again the textbook writers were greatly by contemporary historiography and despite the best efforts, judices got reflected in the textbooks.

extbooks from 4th to 7th standard are under review, and now because a new syllabus has been introduced and new are being prepared. It seems that new history books are certainly the earlier books. The old books are reviewed here to show that ir communal nature and the secular protestations of the govern- e books have continued to soil the minds of young students for years. I shall now review 3 textbooks meant for 5th to 7th stand- hen I shall discuss the problem of new textbooks for the 4th

V

ne fifth standard students, a book 'Our India' was written. The f this book were communal and chauvinistic by nature. This red Indian history from the Harappa culture to the death of). While introducing the subject, the author says "We are one na- ive one national flag, one national aim and our cultural tradition our interest also one. This feeling of unity has been there since nes." (p.3) The book exhorts students to sacrifice everything in of nation and its glorious cultural tradition.

wing are some of the statements made in this book:

egarding Harppan culture see the idol of Pashupati. There are s head. Pashupati means Shiva. Shiva was their main god. They rship Goddess Shakti. (p.11)

ne age of the Gupta was the golden age in Indian history and 'ikramaditya was proud of Hindu religion and Hindu religion during his reign. (p.53)

ne king of Punjab Anang Pal was a proud Hindu and to protect and kingdom, he brought about the unity of all Rajputs against ous Mahamud Ghazni but he was defeated.(p66)

ithviraj Chavan fought against Shahbuddin Ghuri to protect his nd religion. Ghuri wanted to spread his religion and capture In- . (p.68-69)

ne Yadav kings were very religious and lovers of learning. The re very happy under the Yadav rule. (p.71-72)

Govalkar as a freedom fighter but the fact of the matter is, except Hedgewar, no RSS leader took part in the freedom movement.

(5) Hindus tried to protect their caste system. It maintained h standard of morality and purity of blood.[10]

(6) Prithviraj Chavan killed Mohamad Ghuri and his dead body on the feet of Prithviraj.[11]

The language of these books is very offensive and abusive. It is fu hatred. These books must have generated a lot of hatred against the M lims in north India. The RSS schools published a book 'Sankar Saura which had a picture of greater India with Goddess Shakti holding a saff flag in a hand and leaning on a Lion. In one of the boxes it is written t "We are Hindus and Hindustan is ours. We are its original inhabitants have been living here since the beginning". In the book 'Sankar Saura No.3 meant for fifth standard students, there is a lesson on the Karsev 30th October 1990. It narrates the martyrdom of the Kothari brothers in cause of the temple at Ayodhya.[12]

The textbooks prepared by Muslim communal bodies does the sa thing in reverse, as they condemn Akbar and glorify the achievement Aurangzeb. It lays emphasis on religious perspective and tries to un mine the progressive perspective.[13]

IV

The history textbooks in Maharashtra were prepared by Balbhara late sixties. In Maharashtra, the history of the Marathas and the lif Shivaji was presented to students in a distorted form. It is a well known that Shivaji and his successors in 18th century never pursued anti-Mus religious policy. But the communal Hindu historians termed the Mara history as the establishment of 'Hindu Pad Padshahi' and argued Sadashivrao Bhau went to Delhi in 1970 to enthrone Vishvasrao as emperor of India. It is a well-known fact that the Marathas fought the th battle of Panipat to protect the Mughal empire and they never wante replace the Mughal emperor with a Hindu king. When Mahadji Shi reinstated Shaha Alam to the throne, Shinde was awarded the titl Vakil-i- Mutlak. Shinde in turn presented it to Peshava Sawai Madhav who respectfully accepted it. Thus there was no concept of 'Hindu Padshahi' but the Marathi textbooks before 1960 declared that the Mara state was some sort of 'Hindu Pad Padshahi'.

The communal influences on the historiography in Maharashtra w very strong and when the new textbooks were being written for government sponsored Balbharati in the late sixties, these influen worked under the garb of nationalism. At that time, India fought two w against China and Pakistan and it was thought that history textbo

should be imposed on Hindus because no communalist believes in ceful co-existence.

Senior and respected historians like RC Majumdar couldn't transcend categories created by Elliot and Dowson. He wrote that in ancient times Hindu civilization reflected morning glory and noonday splendour d during the Muslim rule, there was the era of darkness and decline. He ld that establishment of British rule in India was merely exchange of one reign yoke for another.[8]

I have discussed this issue in detail because I am of the view that xtbook writers borrowed their basic approach from these historians.

Now history textbooks are under attack from parochial and sectarian ements. After the re-organisation of state on linguistic basis, different ate governments gave encouragement to the cult of local heroes. Hence hivaji in Maharashtra, Rajendra Chola in Tamilnadu, Krishna Deo Rai in ndhra Pradesh, Rana Pratap in Rajasthan, Lachit Badfukan in Assam and sorted Hindu kings in Karnataka and Orissa became the state heroes. It is ifficult to write anything critical about these heroes because now there is mbination of communalism and the castiest provincialism. Further, litical forces encourage chauvinistic interpretation of history to con- lidate their own position. Glorification of th past to the extent of absur- ty; anti-dating the events and finding of all ideas and philosophies in cient period; denying or ignoring the cultural-intellectual-scientific or hnological ideas received from other countries; and projection of edieval period of Indian history as an era of decadence, full of communal nflicts are the hallmark of communal historiography.[9]

III

When the BJP came to power in 1990 in UP, MP, Rajasthan and machal Pradesh, its government decided to change the history tbooks. It was an attempt to give communal colour to history. Following some of the examples of 'history' taught to the students, in these states.

(1) The Aryans didn't come from outside as they were original in- bitants of India.

(2) Delhi's Kutub Minar was actually built by Samudragupta and its ne was Vishnustambha.

(3) Whenever Arabs went they had a Sword in one hand and Koran in other, they destroyed temples, libraries and the women-folk were niliated. Mercy and justice were unknown to them, innumerable Hin- were made Mussalmans at the point of sword.

(4) A book on history has devoted 20 pages to the national movement, which 3 pages are written on Dr Hedgewar. Some of these extolled

they misrepresented Hindus to Muslims and vice-versa. The peaceful I
dian Mussalman, (descended beyond doubt from his Hindu ancesto
was dressed up in the garb of a foreign barbarian as a demolisher
temples and eater of beef and declared to be a military colonist where
lived for 30 to 40 centuries. They held that the Hindus were we
emaciated from excessive heat; fit for stratagem and spoil.[7]

The Hindu communal historians borrowed all of their theories fro
the garbled history of Elliot and Dowson. They viewed Indian mediev
history as a continuous struggle between Hindus and Muslims for 60
years in which the Muslims were constantly challenged by Hindus, un
the Marathas in the 18th century, put the final seal of Hindu victor
Sawarkar wrote a book called six golden pages in Indian history an
vilified even a liberal emperor like Akbar. The historians under the i
fluence of the RSS maintained that India was the original home of th
Aryans. They revised the chronology and maintained that Megasthen
was not working as the ambassador in Chandra Gupta Maurya's court bu
in the court of Chandra Gupta. Second of the Gupta dynasty! They wante
to push the age of Mauryas back by 1000 years ! According to them, th
golden age in Indian history existed in ancient India as it was the period o
great Hindu achievements. On the other hand; the Muslim period wa
depicted as a period of decadence. That is, 600 years of Muslim rule in Indi
was treated as a homogeneous unit and didn't take into consideration th
evolution of a composite Indian culture. They attributed crime an
violence committed by fanatical Muslim rulers to the common Mussal
man. They laid stress on political history which was selectively used to ad
vance the cause of Hindu communalism.

The Hindu Communalists have now decided to rewrite Indian his
tory. One retired engineer in Thane, Mr. Kulkarni has begun (a) project o
publishing a multi-volume Indian history. A first volume on 'Ad
Shankaracharya'.has been published. The general secretary of the Vishva
Hindu Parishad, Mr. Moropant Pingale has declared that the VHP wa
going to publish 86 volumes of History of India because the present day In
dian history is contaminated by British historians and the secularists.

Elliot and Dowson gave inspiration to Muslim communal historian
who wanted to establish the validity of two-nation theory and uphold th
cause of Muslim fanaticism. They held that before Muslims came to India
there existed no culture or civilization, and the Indians learnt true cultur
and civilization from Muslims. They didn't approve of cultural synthesi
between Islam and Hinduism and extolled the virtues of those Muslin
rulers who destroyed temples, broke idols and forcibly converted Hindus
They detested a liberal king like Akbar. The Ulema sought to exercise in
fluence through the politicisation of religion. They always insisted tha

volumes of work entitled 'History of India as told by her own historians, which included carefully selected sources of medieval Indian history Henri Elliot was foreign secretary to British government of India and Dowson was a Professor in staff college Sandhurst. Elliot was frank enough to admit that the purpose of this project was to divide people on communal lines. His books highlighted the permanent enmity between Hindus and Muslims as the latter demolished Hindu temples, deprived Hindus of their religious rights, forcibly converted and massacred them. Most of the Muslim rulers were depicted as drunken tyrants and religious fanatics. This was done to convince the Hindus of the comparative advantage of British rule in India. He sought to prove that there were two nation — Hindu and Muslim in India and that the Hindu nation was conquered by foreign Muslims. The Muslim tyranny lasted for 600 years. Hindus were enslaved by Muslims and they were freed by the Britishers.[4]

The historical accounts written by historians of court were normally written in an archaic style, which eulogised the ruler and attributed qualities that he seldom possessed. Some of them were bigots and to please the king and the clergy they normally described every Muslim king as the Ghazi, who waged *Jihad* against the *Kafirs* and destroyed their temples and broke their idols and converted a large number of Hindus to 'true' religion. But very few Muslim kings were as fanatic as shown by these texts. Elliot and Dowson chose these passages to show the newly educated Hindus and Muslims that their history was a period of continuous warfare and that no peaceful co-existence between them was possible. It is not surprising that Elliot and Dowson's historiography was immediately appropriated by both Hindus and Muslim communalists to establish separate identity of Hindus and Muslims.

The communalists used the history as the opium of the people. They built-up illusions of a great past. Prof Arjun Deo writes "The two antagonistic communal trends complemented each other, each finding in Aurangzeb a justification of his variety of communalism; the Hindu communalists by believing that Aurangzeb's fanaticism is the final proof of irreconcilability of Hindus and Muslims. The Muslim communalists found him to be the pious Muslim who in a way laid the foundation of Pakaistan.[5]

The nationalist historians tried to present an alternative to colonial and communal interpretation of history. However, they failed in their efforts because they laid stress on political and administrative history and drew their inspiration from the same source. Again their categories of analysis remained communal,[6] hence they could be easily appropriated by communal historians.

Prof Mohamad Habib exposed the evil effects of history of Elliot and Dowson and wrote that their doctrines were introduced to vitiate young minds of rising generations. The evils wrought was incalculable because

school curriculum for the last 15 years. It also covers the controversy abo
the 4th standard history textbooks on Shivaji.

I

The history textbooks in India are constantly attacked by commun
elements because through them they could impose their own version
history on the young students. Both Hindu and Muslim communal o
ganisations run their own schools and prepare their own textbooks whic
are highly communal and distorted. The Jansangh element in the Jana
party did the same thing after 1977 when they came to power in Rajastha
and M P[1]

National Integration Council realised the mischief played by th
textbooks and in its meeting held in 1981, the committee asked the govern
ment to review textbooks and impart proper training to teachers. It ex
horted the government to use modified textbooks in history and languag
after 1983-84.[2] By and large, this directive was not followed by stat
government.

It is very important that history textbooks should be written impa
tially because India is a multi-lingual and multi-religious country. There
a tendency in the society to interpret our present day problems in the ligh
of past history. History was used by the communal elements to divide th
people. Prejudice is so strong that consciously or otherwise, it seeps into so
cial consciousness and makes enemies of our own neighbours.

Indian history is studied through three perspectives- 1) the coloni
imperialist perspective, 2) the communal perspective and 3) nationali
perspective. The later two perspectives were also influenced by coloni
historiography.

II

After the establishment of British rule in India, the Britishers decide
to write a comprehensive history of India with a modern perspective. I
the process, they invented the concept of Aryan race and Dravidian rac
and gave birth to a racial theory of history. The famous utilitarian think
James S Mill was to write a history of India in 1817-18 without even visitin
India. It was written for the benefit of British administrative officers. H
divided Indian history into three phases - Hindu, Muslim and Britis
periods and painted Indian society in the darkest possible colour. Both Mi
and Macarulay wanted to sap the moral courage of Indians. Infact an earl
Indian nationalist, Vishnushastri Chiploonkar wrote in 1870s that it woul
take 100-125 years to show that both Mill and Macaurlay were dishonest.

This work of dishonesty was continued by Elliot and Dowson wh
gave the communal turn to Indian Historiography. They prepared

COMMUNALISM AND HISTORY TEXTBOOKS IN MAHARASHTRA

Dr Ashok Chousalkar

The history textbooks play a very important role in shaping the minds of the young students because if the textbooks are written through communal or sectarian perspective the students may develop sympathy for Communal parties that want to destroy the secular and democratic foundations of independent India. It is expected that the textbooks would inculcate the spirit of secularism and scientific temper in the minds of the students and prepare them for establishing modern and progressive society in India. It is our experience that the history textbooks play a very crucial role in creating communal consciousness.

In Maharashtra,at the outset, textbooks on history were prepared by private publishers and barring few exceptions, most of them were communal. At that time Indian historiography was also not that developed, and it was easy to propagate communal ideas in the guise of nationalism. But in 1966-67, the government of Maharashtra decided to take over the production of textbooks. And so the Maharashtra Board of Textbook Production and Research or Balbharati was established. This board prepares textbooks for the students upto 8th standard and the SSC board gets textbooks prepared for 9th and 10th standards. The NCERT gives general guidelines to the state government as far as syllabus and preparation of textbooks is concerned. Normally the school syllabus changes every ten years because it is necessary to accommodate latest trends in the field of knowledge in the textbooks. But in Maharashtra, the syllabus for primary and secondary schools has not been changed since the last 15 years. In 1977, the state government should have effected the change but it had no time to do this. As a result, the Maharashtra students had to endure textbooks prepared in the late sixties up to 1994. In 1995, the last of the textbooks will be withdrawn because since 1989 the government had introduced new syllabus and new textbooks are being produced.

The nature of this study is tentative in the sense that all new textbooks are not ready and the old textbooks are in the process of being phased out. Therefore, it is primarily based on the old textbooks that dominated the

One big black hole in Mughal history has been illuminated in December 1987 issue of Azad Academy Journal under the title "The Biography of Babur for the missing period of 1528 A.D." It has been shown by giving eye-witness account recorded by his own daughter Gulbadan Begam in Humayun Nama that after one year of the battle of Khanwa against Rana Sanga on 16 March 1527 A.D. She stayed with his Royal father for three months at Agra and then accompanied him to Dholpur and Fatehpur and back. Many more details about the use of human figure to decorate the covers of holy-Quran dated 1776 A.D. now kept in Salar Jung Museum, Hyderabad under No.119 are given in our Research paper "Mock Pillars of Black Stone used by Mir Baqi", which is lying with Institute of Objective Studies, New Dehi for publication. Some black-holes in Mughal history have been illumianted in the Secular Emperor Babur, Vol.ii, now in print with Lok-Geet-Parkashan. More black-holes will be exposed to sun light in Vol.iii of The Secular Emperor Babur. We will be grateful to scholars if they help us in any way in our difficult task.

**

Reference

1. Gemstones and Minerals - John Sinkandas - p.78-101.
2. A Treatise on Rocks-Rock-Weathering and Soils-George Perkin Merrill, 1906, p.159-182, p.205-207.
3. Practical Masonary-William R., Purchase 1898, p.6.

best sand for sawing stone is flint road grit, it is sawed by the attrition of the saw plate with the sand and water.[3]

Then we require the services of a Botanist to tell us that Santalum Album (Sandal wood) tree is a semi-parasitic shrub. Its roots penetrate the roots of plants, like Bomboo, sugarcane and palm to sack nutrition for this plant. It grows only in drier parts of Mysore, Coimbatore and Salem districts at an elevation of 2000-3000 feet. It hardly exceeds 10 meters in hight in a period of 40 years. It seldom exceeds one foot in diameter. This includes a white coloured sapwood all around which is 2 inches thick, but has no scent. This is soft wood and easily attacked by aunts. If we remove 2 inches sapwood all around, we are left with a sandal log 8 inches in diameter. This heart wood is yellow-brown in colour, very hard and close frained and full of sandalwood oil. No botanist has come forward to explain how a 12 inches wide sandal wood beam, alleged to have been used in Babari Masjid, Ayodhya could be carved out of sandal log with maximum 8 inches diameter. I will let you know the secret. The so-called sandal-wood beam used in Babari Masjid is not a sandal-wood beam at all. It is black-stone veneering. Black-stone beam, with fine sapwood of sandal pasted on three sides visible to pilgrims has been used. This is not the job of historian. But since no botanist was coming forward, we had to do this ourselves. This unknown feature of the architecture of Babur has created lot of misunderstanding.

The 2nd unknown feature of Architecture of Babur is the use of Mock-pillars. Misguided by their false appearance, Hindus cooked up their own stories about Kasauti Pillars. Muslims not knowing their real character, became defensive. No body ever tried to know that they are not pillars at all. But a mere visit to State Museum Lucknow and seeing mock-pillars bearing No.G-278 and G-279 kept in the basement will clear anybody's dobuts. The mock-pillars fitted against the wall in the 3 gates of the central hall of Babari Masjid really look like pillars [base 9 inches square and capital 7 inches square.] But when detached from the wall they look like a mere stone shaft with neck which is less than 2 inches thick, with 9" x $4\frac{1}{2}$" base and 7" x $3\frac{1}{2}$" capital with $1\frac{1}{2}$" thick neck. Hereby I am giving the photograph of these mock-pillars kept in Lucknow State Museum.

These mock-pillars have been certified by Museum authorities as decorated black stone pilasters, belonging to 12th C.A.D. Mock-pillars used in Babari Masjid, look exactly like these mock pillars. So they also do not belong to any period prior to 12th C.A.D.

BLACK-HOLES IN MUGHAL HISTORY

By
Mrs.Surindar Kaur
w/o Mr.Sher Singh

The efforts of the Khuda Bakhsh Library to collect rare manuscripts of Medieval Indian History to fill up the gaps in Indian History, are no dou commendable. But there are some black-holes in Mughal History which ca not be illuminated even with these rare manuscripts. I will rather say th are not concern of historians at all. So called Black-Kasauti Pillars used Babari Masjid, Ayodhya are a typical example.

To comment on Kasauti, we do not require a historian, but geologist's service. No geologist has come forward so far to tell the gullib public (both Hindus and Muslims) that Kasauti is not at all a rare stone. It available in abundance, $\frac{1}{3}$ of the Indian mountains are nothing but Kasau stone. Its geological name is Basalt.[1] The stone chips we use in concret roofs are nothing but Kasauti stone. But to test gold or silver on it, one has t apply a little bit of Ghee or oil on its surface to make the golden strea prominent. This is the trade secret which Indian goldsmiths do not wan public to know. They sel' ordinary stone by applying Ghee or oil on it surface as Kasauti at exhorbitant prices.

These Kasauti stones can be reduced to clayey powder by agents o rock-weathering, like heat and cold, water inside the Kasauti stone and freezing temperature and atmospheric effect.[2] The other trade-secret we do not know is that stone pillars can be sawn into two exact halves. Only one has to keep on pouring water mixed with fine sand over the saw-blade. The

...dia. (This chapter has been updated to cover the period up to Shri Sanjiva Reddy).

Most of the textbook authors seem to have little familiarity with historical writings other than a few textbooks. Each one of the textbook by such authors is a collection of borrowed ides and words from other textbooks. One can find a number of paragraphs which occur in a number of textbooks without almost any change in vocabulary. There are long quotations, mainly from Dr.Ishwari Prasad, Lane-Poole and V.A.Smith. In most textbooks there are often many mutually contradictory views quoted without any evalution or comment. Atleast a part of the reason for the kind of History they write is their almost total historical illiteracy as far as the historical writings of the past half a century are concerned. many state textbook agencies seem to have failed to involve seculer professional historians in the task of preparing textbooks.

The programme of textbook evalution which was initiated with a view to eliminating communalist and other biases from history textbooks has perhaps not been a great success. The main reason for this seems to have been in the choice of evaluators. The evaluators themselves need to be evaluated first.

Inspite of all this, during the past few years,there has been a definite trend towards improving the quality of history textbooks, particularly in removing more blatant communal distortions. However, this trend is not necessarily irreversible. It was not many Years ago that some textbooks were sought to be banned precisely on the ground that they reflected a non-communal view of Indian history. A number of 'cultural' and 'religious' organization have remained active in disseminating communalist view of history and obscurantism, communalism's naturalally. With the growing activities of obscurantists and fundamentalist and their claims of representing their repective religious communities, pressures are likely to be exerted on the educational agencies and the state to see that secular and objective histories are not prescribed for School children on the ground that they hurt the religious sentiments of the community. these pressures have always been there but there are grounds to believe that they may be intensified.

religion... it was the last desperate struggle for India's freedom and profoundly did the sacred impress the heart of the Indians that even Hin women sold their jewels, melted down their gold ornaments, and sent th contributions from a distance to furnish resources for this "holy war".

About Rana Pratap, he says, "But in spite of privations and suffering he never ceased to carry on the struggle for liberating his country ... Th story of his bravery, hero and untold sufferings for the cause of the countr has become almost proverbial..." About Shivaji, he says, "He conceived th noblest idea of liberating his 'country and religion' form foreign yoke, ar nobly did he carry it out by consecrating his whole life to the sacre cause...... His greatful countrymen have ever looked upon him 'as a incarnation of God' and even today no other name stirs the pulse of th mighty Hindu community from the Himalayas to Cape Comorin as that the great Maratha leader". **A New Textbook of History of India** says abo prithivi Raj Chauhan "his fate did not come to his help and the cricumtanc were against him, otherwise he would have saved his motherland from th foreign Yoke. Even as it is, the like of him are seldom born in India and are always proud of such great sons of India who laid down their lives f the sake of their country". the textbook entitled **Muslim Rule in Ind** describes the rise of Vijayanagar kingdom as the result of a 'freedo movement'.

Some textboks use the terminology of modren mass movements describing Indian developments. A textbook brougth out by the Harya Board of School Education, while referring to the religious policy of t Sultans, says, "It is for this reason that went on trying to gain their l independence."

Most of the books also blame 'Muslim Rule' for most of the evils the Hindu Society such as caste regidity, purdah system, child marraig etc. Most of the textbooks surveyed in this note pay little attention to t history of the freedom movement. However, it can be said that while so attention is paid to Muslim communalism, hardly any book refers to Hin communalism. Here again, Hindus and Muslims are referred to homogeneous entitles, each having its own interest and having little common other. The Muslim League is also generally presented as authentic representative of the Muslims.

A New Textbooks of History of India has a chapter entitled Fr Lord Curzon to President V.V.Giri, indicating an unbroken line of rulers

treated as the main and often the sole, determining factor. The entire period is sometimes treated as a dark period and mostly a period of conflicts between Hindus and Muslims. If the ruler is a Muslim, then 'Muslims' are the rulers and Hindus are the subjects. Every conflict and war between a Hindu and a Muslim ruler is presented as a conflict between Hindu and Muslim. Every act of a person is seen as the act of the religion of that person. The States whose rulers are Muslims are almost invariably described as being theocratic, as Islamic states, which are run almost exclusively for the purpose of converting people to Islam. Hindus and Muslims are presented as the two main categories, each reflecting a homogeneous entity without any differentiation. Hindu kings who resist the expansion of a 'Muslim' kingdom or empire or Hind chieftains who try to establish their independent kingdoms do not fight merely for their kingdom's independence but for the country's freedom and against foreign rule. Some textbooks even trace the partition of the country to the beginning of this period. The language used in many textbooks is often highly charged, almost as that of a participant in the events described. Some examples of such writings are given here.

A textbook entitled **New history of India** says about Mahmud: "Mahmud was a robber. He did not intend to set up his rule in India. He was very greedy. He was a true Muslim. He destroyed the temples and killed the Hindus". About Qut-buddin Aibak, this books says, "Aibak was fond of constructing new buildings. He constructed two mosques on the ruins of Hindu temples, which he himself destroyed"' (emphasis added)

About Timur's invasion, **A New Textbook of History of India** says, "From certain contemporary sources... we come to know that the chief aim of Timur 's invasion of India was not the thirst for conquest but to purify India from the unbelivers and to spread the Muslims faith". Further, it says, "As a result of Timur's invasion of India the bitterness between the Hindus and the Muslims greatly increased. Timur was very cruel to the Hindus. He looted them and murdered them in lakhs. On one single day he massacred as many as 100,000 Hindus at the very gate of Delhi. For all their destruction and ruin the Hindus blamed the Muslims and this led to strained relatons between them".

How the modren sense of nationalism is transferred to past conflicts may be seen from the following examples. R.C.Mazumdar, while describing the conflict between Mahmud of Ghazni and Anandpal, says, "...but the Indians were not insensible of the danger which threatened their country and

which is separated from northern India by the Vindhya and Satpura ran 'maintained its separate identity and did not play any important role in history of India'. According to this book, two 'quite different civilizati developed-one in Northern India and other in the Deccan. However, t separation is not without its uses. It says, "There is no doubt that t separation of the north and the south has sometimes led to separat tendencies but it has benefited us to. In times of danger it has served as 'Safety Zone' for the culture of the North. Whenever the Hindus we presented by the Muslim rulers in the north they slipped away to the Sou and saved their lives. The Hindus culture, literature and religion were th saved from extinction. All this was made possible only due to the existen of the Satpura and the Vindhya hills". It says that 'Rajputana always sto up as a torch- bearer of Indian freedom' because the 'Rajputs carved o their independent States (in Rajputana) which continued to flourish ev under the Muslim rule'. The book refers to the Gupta period as 'the Golde Age of Hinduism' and 'An Age of Hindu Imperialism' of which t 'Indians' especially the Hindus, will ever remain proud'. This book an another book entitled **Neelam History of Ancient and Medieval India** (question-answer book) blame Buddhism for many misfortunes of Indian According to the former, the people began to hate 'such a faith which ma them quite important' during the period after Ashoka. Later, in 712 A.D., was 'because of the treacherous act of some Sindhi Jats and Buddhists, wh went to the side of the enemy, the Indians were defeated'. According to th latter, "the concept of Ahimsa preached by Buddhism killed the marti spirit of the people especially of those who followed this religion there b making them so weak that they could not protect their own honour an freedom. As a result they suffered the bonds of slavery for sever centuries". Further on, it says, "Buddhism was also a factor in th emergence of new castes. When the Buddhist converts came back to the fol of Hinduism they formed themselves into distinct castes". It attributes th decline of the Guptas also to the effects of Buddhism because some of th later Guptas had adopted Buddhism. These books tend to treat Buddhism a a kind of aberration while the real glorious periods were those whe Hinduism was revised and it is of those periods of which Indians, especiall the Hindus', should be proud.

The period the presentation of which has suffered the most blatan communalist distortions is the medieval period, sometimes still referred to a the Muslim period. In most textbooks dealing with this period, religion i

large number of private institutions without ever being evaluated and even without being prescribed or recommended by an educational agency. They include a variety of 'cheap' books, though they are quite expensive, such as notes, keys and questions and answers which are used by those teachers and students even where educational agencies have prescribed a textbook. The general quality of most of the privately published textbooks may be seen from the report of an evaluation which was done sometime ago. Twelve private publishers' textbooks on Indian History which had been recommended by a Board of Secondary Education were evaluated and each one of them was found to be unsuitable as teaching-learning material.

An effort has been made in this note to indicate some of the communal distortions in history textbooks used in schools. The examples from some textbooks given in this regard merely illustrate the kinds of presentations which are still found in textbooks. Not all textbooks can be painted with the same brush but at the sametime the same paint can be seen on quite a few textbooks.

The periodization of Indian history into Hindu and Muslim periods is no longer commonly used though some continue to use it. R.C.Majumdar's A Brief History of India, first published in 1925 and revised in its 34th edition in 1977 continues to divide Indian history into the Hindu period, the Mohammadan period and the British period. The second volume of a three-volume history of India by V.D.Mahajan, which is used also by under-graduate students, is entitled 'Muslim Rule in India'. R.C.Majumdar concluded the portion on the ancient period with two chapters entitled 'The Last Days of Hindu Independence' and 'Hindu civilization during the Post Vedic Period'. Most other textbooks, even when they do not use terms like 'Hindu period', and 'Muslim period' basically follow the same framework. The ancient period is presented basically as a period of Hindu rule and medieval period as a period of Muslim rule. The first part of a two part book entitled **A New Textbook of History of India** starts its chapter on the Aryan with the following statement. "The history of India is generally regarded as the history of the Aryans in India". The very first chapter of this book which describes geographical features and historical sources gives the reader a clear idea of what this book has in store for him. It starts by blaming the north-western passes for having 'always been a cause of trouble for the Indian people' and holds the 'hot climate coupled with the immense wealth of this Indo-gangetic plain' responsible for converting 'the once martial races ... into lazy and easy-going people'. In further says that the Deccan

large number of historians during the four decades after independence an can be said that at the level of historical scholarship, generally speak these distortions have been corrected. This is, of course, not to suggest all historical scholarship in Independent India is free from writing histor a communalist framework. One series of voluminous volumes in the hist of India, for example, has consistently followed this framework an number of eminent scholars have associated themselves with the preparat of these volumes. But perhaps it would be true to say that the communa framework no longer occupies a dominant position.

Most people who go through the process of formal education le their history at school. The main, and in many cases the role, source historical knowledge for both students and teachers are the textbooks wl are recommended and/or prescribed by the educational authorities in States. Realizing the importance of history textbooks, efforts have b made during the past two or three decades to free history textbooks f communalist distortions. These efforts have been initiated by the Stat have had the support of the State except for a short period when the pro was sought to be reversed. The NCERT also has made consistent effor this regard. It has brought out textbooks, most of them written by emi historians, which have played some part in combating commun distortions. A programme of textbook evaluation also has been undert with a view to helping educational agencies in eliminating some of the r gross distortions from the instructional materials.

Most of the school textbooks upto the upper primary and in s States, up to the secondary level are brought out by State agencies thou large number are still brought out by private publishers. Some of the associated with the textbook industry such as profiteering, mal-practices intrigues, which had been pointed out by the Education Commission, been ended as a result of nationalization. But the general quality o textbooks, both private and nationalized, has not improved very greatly. programmes of evaluation of history textbooks undertaken by stage age have helped in eliminating some gross distortions but the progress achi in this regard even in the case of nationalized textbooks is not satisfactory. There have been cases in which a textbook has been f suitable after evaluation by the educational authorities in a state but after its contents have become an issue of communal controversy and book has to be withdrawn. In the case of books brought out by pr publishers, the situation is for worse. Many of these books are used

A Note on Communalism and History Textbooks

\rjun Dev
:.E.R.T.

Communalism was found to be the 'most serviceable' of the divisive
; by the imperialists. It was fostered and promoted to disrupt the
ıalist movement's mobilization of the people for freedom from foreign
nd for their common political economic and social interests as Indians.
mperialists rejected the existence of c.ı the emergence of an Indian
ı and asserted that the population of India basically comprised of
ous communities which were mutually exclusive and antagonistic to
another. Hindus and Muslims particularly, according to them,
sented two distinct civilizations and had interests which were mutually
ıpatible. The communal forces succeeded in partitioning the country
ı was accompanied by a communal holocaust. Independence has not
ished the strength of communalism which continues to pose a threat to
ıtegrity and unity of India and to the social progress of the Indian
e by weakening their unity for pursuing common political, economic
ocial goals.

A distorted view of India's history is a major component of the
ogy of communalism. Many scholars of Indian historiography have
the communalist distortion of Indian history to the works of a number
ly British historians of India, some of which were sponsored by the
ı Government in India, and to Indian historical writings some of which
nspired by certain aspects of Indian nationalism in its early phase. The
ss of the correction of these distortions initiated by nationalist
ians of the pre-independence period has been carried forward by a

religion is that Eternal Truth, that supreme Divine presence, that one li of which we are all children. The true light of the religion, will not give room to the false religious slogans of the demagogues, fanatics a communalists. Our students shall begin to seggregate the sacred spirit religion from the religio-political propoganda. Our text books of histo seem to have taken a vow to supply the students only the material of politic worth. The scheme of conquests and administration have been dealt wi passion. Not the true spirit of the religion has been magnified, nor t religiousness of the saints has been glofied. There is no illustration of t efforts of the Hindu saints and the Sufis for religio-cultural synthesis. Ho many students of history of secondary classes are told about the fact th Hazrat Nizamuddin Aulia was deadly against the forceful conversion a uttered under the spells of spiritual ecstasy : HAR QAUM RĀST RAH DEENĒ WA QIBLA GĀ HĒ ? How many books of school level ha exposed the truth that the Hindu Jogis had been an honourable guests the Sufi Khanqahs? Our children are told about Mahmud's plunder of t wealth of the temples but they are kept unknown to the truth that there we Hindus in his army - and were honourable citizens in Ghazni under his ru

All such historical truths should also be included into the text books history of Medieval India.

---

the previous fanatic rulers. But the author of Aina-i-Tarikh seems to have inclined to tarnish the image of Akbar. He is bearing the mask of Abdul Qadir Badauni Instead of singing in praise of Akbar, he presents him to be an ememy of Islam. Under the heading اسلام سے بغاوت اور دینِ الٰہی کا فتنہ (Rebellion against Islam), he writes:

"دین سے اس کی ساری عقیدت، بغاوت میں بدل گئی اور بعد میں تو وہ ایسا کھیل کھیلا کہ مذہب، اخلاق اور شرافت وانسانیت نے سر پٹک لیا۔ شیعیت کی طرف راغب ہوا تو متعہ کو جائز کرکے خود امام عادل بن بیٹھا اور سُنّی علما کو اور اکابرِ دین کو بے حد اذیتیں پہنچائیں ... ہندو مت کی طرف بڑھا تو وضع قطع اور طرزِ معاشرت ہندوانی اختیار کی ... مندر بنوا کر بُت پرستی کا باقاعدہ انتظام کیا۔ (Ibid., Vol.II, p.120)

He speaks of Dara Shikoh as follows :

اس کے عقائد اور اعمال کے باعث تینوں بھائی اور ذمہ دار علما اُسے مُرتد اور اسلام سے خارج شمار کرتے تھے۔ (Ibid., Vol.II, p.174)

Therefore, the above estimate of Akbar is enough to under-stand the worth of the text book. Though the book does not release deadly Venom of communalism, yet it may flare up the Muslim sentiments to recapture the lost days of the orthodox Muslim Rulers of India.

Suggestions:

All the history books of Medieval India for secondary classes need a revision. A standard text book should be prepared under the supervision of the historians whose integrity as a secular historian is not under question. The books should be presented in natural and regional languages but their subject matter should be the same. The private institution should not be allowed to impart education in their own way. Their management, staff, syllabus and the text books prescribed for the study should be under the control of the central board of education.

This is a realized feeling of mine, that the religion is the most effective motor for national integration. For our Marxist historians, the bread may be, and might have been ultima thule of each aspirant of worldly life. But the soul's food is the milk of love, which perennial source is the religion. The greatest tragedy of our times is that we know the least about God, but pleads most about Him. We fight each orther to shut the God in the four walls of a Mandir and Masjid, but never feels his presence in our hearts. I suggest, herewith, that a comparative study of all the major religions of India in brief to be included in the text books, for the unifying spirit of each

Under the heading بھگتی مت کے اثرات (the influence of Bhakti sect), th
author points out:

تمام مذاہب سچّے ہیں' اِس اُصول کی اشاعت نے سیدھا اور سچّا راستہ تلاش کرنے کی ضرورت کے احساس
کو گھٹا دیا' چنانچہ دینِ حق کی اشاعت میں اِس سے کافی رکاوٹ پیدا ہوئی۔ (Ibid., Vol.II, p.21)

Sikandar Lodi's personal character has been rendered by the author a
under:

تقویٰ اور پاکبازی میں سکندر اپنے باپ سے بھی آگے تھا۔ ارکانِ اسلام کی خود سختی سے پابندی
کرتا تھا اور دوسروں کو اُس کی ترغیب دیتا۔ (Ibid., Vol.II, p.47)

The author has left to write any thing about his religious attitud
towards the Hindus. Though he has given a very crushing weight to th
staunchness of the religious nature of Sikandar, but he has not mentione
about Sikandar's repulsive attitude towards keeping the beard (Abdulla
in his 'Tarikh-i-Daudi, folio 79-80 and Ahmad Yadgar in his 'Tarikh-i
Salatin-i-Afghan' p.62 refers to his discussion with Haji Abdul Waha
about the beard).

Afzal Husain's above book seems to have been a Twentieth centur
edition of Tabaqat-i-Nasiri and the ghost of minhajus Siraj seems to hav
been in the working with him. The almighty Allah is pleased to bless all th
muslim kings who assumed an imperial status. He says:

اللہ تعالیٰ نے اسے غیر معمولی سوجھ بوجھ دی تھی (Ibid., Vol.II, p.102)

اللہ تعالیٰ اُسے جزائے خیر دے (Ibid., Vol.II, p.103)

باری تعالیٰ نے اُسے سکندر جیسی صالح اولاد عطا فرمائی (Ibid., Vol.II, p.44)

But this observation should not be included into the review, becaus
the teaching of History in a traditional Madrasa is bound for such a
analysis.

The Mughal emperor Akbar's policy of religious tolerance towards th
Hindus and his sincere efforts to bring about a synthesis between Hinduisr
and Islam deserve an honourable place in the History of India. Akbar'
religious tolerance provides an ointment for the bleeding scars inflicted b

Government may be taken an examplary effort of writing history for national integration.

The Urdu Medium Schools

Though most of us have decently adjusted with the Public School Culture, nevertheless, many of us, still seem to have been obsessed by the 'Maktab Phobia'. Such persons think that all good can only be imparted to the students only through the maktab and Madrasa. These Maktab and Madrasa have their own system of management and education, therefore, they go on with their distinctive curriculum. But history is also one of the subject taught in these schools. In U.P. there are a number of Urdu Medium Schools.

The text book of history prescribed in such institutions is at our disposal for the review. The title of the book is Aina-i-Tarikh in two parts: The part first starts with the description of the aborgines and ends with the fall of the Tughlaq dynasty. The part second deals with the remaining dynasties of the Sultanat and Mughul Period. The books is written by Afzal Husain and published by the Maktaba-i-Islami, Delhi.

In the preface, the author has discussed about the various trends of History-writing and finally arrives at the following view point.

اگر ایک مسلمان صحیح اسلامی ذہنیت کے ساتھ تاریخ کا مطالعہ کرے تو اس کا فرض ہے کہ جہاں تک ممکن ہو وہ واقعات کو جیسے وہ فی الواقع گزرے ہیں بلا کسی تعصب کے جوں کا توں سامنے رکھے۔

(Ibid., Vol.I, p.5)

Let us now come to review some of its chapters and see how far and how much the author has been honest in writing history without prejudices. The author has taken full 5 pages to write about Alauddin Khalji's reign. His fiscal reforms and economic schemes are out of discussion, but two and a half pages have been filled with the conversation between Qazi Mughnis of Delhi and Alauddin Khalji. Even the chapter has been named as Alauddin Khalji Aur Qazi Mughnisuddin. Those who are aware of Ziauddin Barni's intention in quoting the conversation between the above two in his - Tarikh-i-Firuzshahi, may also guese the motif of the present author. The religious attitude of Firuzshah is presented as under:

وہ شریعت کا بہت پابند تھا اور اسلام کی اشاعت کا دل سے خواہاں تھا (Ibid., Vol.I, p.115)

अलाउददीन शासन के मामलों में धर्म के दखल को पसन्द नहीं करता था। (Ibid, p.50)

फीरोज़ का इस्लाम धर्म में अटूट विश्वास था परन्तु अन्य धर्म के लोगों के साथ उसका व्यवहार ठीक नहीं था। उसने अन्य धर्म के अनुयायीयों पर जज़िया कर लगाया। शिया मुसलमानों के साथ भी उसका व्यवहार ठीक नहीं था। (Ibid, p.57)

The author of the above has used the simple words - व्यवहार ठीक नहीं था। (the treatment was not good), which do not arouse a bitter feeling in the hearts of the students. Moreover, the truth is balance by a counter truth, that शिया मुसलमानों के साथ भी उसका व्यवहार ठीक नहीं था । But Jazya was concerned only with Hindus, therefore, the word , अन्य धर्म के लोगों के साथ (Other religions) need replacement of the word - Hindu. About Sikandar Lodi, the book says:

सिकन्दर लोदी अन्य धर्म के मानने वालों के साथ अच्छा व्यवहार नहीं करता था। उनके प्रति कठोरता का व्यवहार करता था और उनके पूजा पाठ पर उसने प्रतिबंध लगा दिया था। (Ibid, p.65)

The words like धार्मिक अत्याचार (Religious persecution) are absent, and this proves the secular approach of the authors. The shining example of the sober, just and judicious inter pretations is as under and that is related with Aurangzeb. The book refers:

वित्तीय कमी की पूर्ति के लिए हिन्दुओं पर जज़िया कर लगा दिया यधपि उसके समय में जज़िया कर की दर सल्तनतकाल के फीरोज़ तुगलक तथा सिकन्दर लोदी के समय से कम थी किन्तु कुछ मुगल अधिकारीयों ने कर की वसूली में अत्याचार किये उसके शासन काल की एक मुख्य विशेषता यह है कि जहाँ एक ओर मंदिर का विध्वंस हुआ वहीं कुछ स्थानों के ब्राहमणों तथा पुरोहितों को सम्राट द्वारा भुमि प्रदान की गई। कुछ धर्म परिवर्तन भी हुए किन्तु व्यक्तिगत धार्मिक स्वतंत्रता पर रोक नहीं लगाई गई।(Ibid, p.153-156)

If we compare the above estimate of the religious policy of Aurangzeb with the same estimate rendered by NCERT text book discussed under the category of English Medium Schools, we shall have to say that this Hindi Text book is more secular in its approach than that of the English Text Book. The Propounder of the above estimate seems to have been equipped with adequate knowledge of historical facts, and also with a grim sense of secularism. He deserves our thanks.

Thus, the text book prescribed in the Secondary Schools of U.P.

tna 1986). On the other, 'Aurangzeb himself declared it openly before ose who demanded some of the Hindu officials' expulsion from state vice, that 'Religion has no concern with secular business of state, and in tters of this kind bigotry should find no place.

But, above all, the text book under reference is free from distortion of orical truth. The book does not give an eulogical appraisals of the kings ny particular community.

Hindi Medium Schools:

Let our thanks with a note of commendation go to the government of U.P. for it has tried to bring uniformity in the syllabus of secondary classes. Almost all the Hindi Medium Schools, Whether of government or private, have prescribed the only text book for secondary classes, which title is - Hamara Itihas Aur Nagrik Jivan, Part II. The book is the publication of State Council of Educational Research and Training. The book is prepared by the board of selected authors under the direction of Dr.Guru Mauj Prasad. The Preface of the books reads the aim and object of the book as under:

समाज के विविध वर्गों में राष्ट्रीय एकीकरण एवं भावात्मक एकता का विकास करने में सहायता प्रदान करने के उद्धेश्य से उत्तर प्रदेश शासन ने यह निर्णय लिया है ..... कि ऐसी पुस्तक माला की संरचना की जाय जो देश के भावी नागरिकों को भारतीय समाज के क्रमिक विकास का सम्यक बोध कराने के साथ-साथ उन में लोकतान्त्रिक जीवन शैली सर्वधर्म समभाव तथा समाजवाद जैसे राष्ट्रीय आदर्शों के प्रति आस्था विकसित करने में सहायक हों ।

(With an object to develop the sense of national unity and emotional ntigrity in all different classes of society, the government of U.P. has ecided to construct a series of the books which are helpful not only to mpart the right knowledge of the gradual evolution of the Indian Society o the future citizens of the country, but also helpful in the development of he belief in the democratic pattern of life, respect for all the religions and he socialism)

The authors of the book have tried their level best to abide themselves ith the above declared aim and object. The facts have been narrated in lain words and the inference is deduced without personal prejudices. ome known realities have been described in frank and can did language. he following are the references of the evaluation of the character and eeds of the Muslim kings. The book refers:

The religion has not been spared by the author she says:

"Destroying temples had an other advantage. He (Mahmud) coul claim, as he did, that he had obtained religious merit by destroying imag (Ibid., p.34).

I am of opinion that Medieval Indian History Text Books can set th minds of the students at ablaze by an unwanted stress or exaggeration c the iconolastic deeds of the Muslim invaders, and on the religio persecutions rarely wrought by some kings. Firuz Shah Tughlaq, Sikand Lodi of the Sultanet period and Aurangzeb of the Mughal period have be the victims of the prejudices of historians. The Hindu minded historia have established them to be an avowed enemies of the Hindu ar Hinduism, where as, the Muslim historians have venerated them to th status of a Ghazi and honoured them as to be the champions, defende and the preservers of the religion of the Holy Prophet, Muhammad in th land of the infidels. But the book seems to have been devoid of any serio communal approach. If the truth of the historical events is noticed releasi some bitter feeling, an other truth as a sugar pill has been put to balan the effect. For example, the religious policy of Firuz Tughlaq begins wi the words:

He allowed the orthodox Ulema to influence state policy in certa matters. He was less tolerant not only of non-Muslims but also of tho Muslims who were not orthodox (Ibid., p.5).

But Sultans 'less tolerant attitude towards the non-Muslims' Balanced by his love for ancient Indian culture. The book records:

"Firuz was interested in the ancient culture of India. A number books in Sanskrit including some on religion and philosophy we translated into Persian and Arabic at his orders. (Ibid., p.53) But autho estimate of the religious policy of Aurangzeb. Needs our attention. T book speaks of him:

To make matters worse he was influenced by an orthodox-Musl group and he decided that he would rule in accordance with the laws Islam .... He became unpopular when he introduced Jazya (t poll tax on non-Muslims) What he did not realize is that the job of a ki is to rule efficiently and that religion should not be allowed to interfere wi the government. (Ibid., pp.140-141)

Undoubtedly the above referred sentences describe the truth, but o half-truth. The author must have also brought this fact to the knowledge the students, that Aurangzeb gave land grants to some of the temples a the Gurudwaras (See, B.N.Pande's Khuda Bakhsh Memorial Lectur

of history knows only the work of the steel of sword and the sagacity of soldiers who wielded it in the battle fields. But the historians whose brains are spun with the fogs of religious fanaticism take this the victory of one religion on the other. Really, Medieval India presents an encounter between two religions and cultures, but this encounter does not mean always an armed conflict. There has also been a process of assimilation, adjustment and synthesis. However, the communalists in guise of historians have an opportunity to paint the truth with the colour of fanaticism. The k of prejudices can very well be used both in the codemnation of moral truth and appreciation of indecent lies. A Hindu historian can interpret history with his Hindu mindedness and a Muslim historian with Muslim mindedness. The history of Medieval Muslim India can provide a heap of dry grass for the amber of communalism.

Thus, on one side we have small emotional children of secondary classes, and, on the other, the history of the most sensitive period.

I have classified the schools on the basis of the medium of instructions therein, not on the basis of their management. In U.P., there are English Medium, Hindi Medium and Urdu Medium schools. Let us, now, go through the text-books of Medieval Indian History prescribed for secondary classes.

The Text Books of English Medium Schools

The text book for class VIIth entitled as 'History And Civics' refers to the history of India from 800-1750. This book is prepared under the auspices of NCERT and the author is Romila Thaper. I do not feel it an exigency to comment on the historical approach of its author. She is one of the Pundits of enlightened historical thinking. The facts have been given in plain words and a reasonable approach has been caried out in their interpretation. The stress has been given on the economics of the period. In the chapter KINGDOMS OF THE NORTH A.D. 800-1200, the author writes:

"As a number of grantees increased, more and more land went into the hands of the grantees. Therefore, the total amount of revenue which came to the king decreased,......... The revenue was devided up between the feudatories and the king, so the king could not spend extra amounts on the army. This was one reason, why the kingdoms of the north could not defend themselves properly against the Turkish attacks. (Ibid., pp.36-37).

Text Books of Secondary Classes of U.P. Schools
- A Rèview

by

Dr.Om Parakash Gupta
Department Of History,
Govt. Raza P.G. College,
Rampur (U.P.)

A seminar on 'Distortion of History' with special reference to History Text Books of Secondary Class, is really worth appreciating, for the review shall certainly elucidate some truths of grave consideration.

Before starting with the review of the books, I would love to clarify my motive behind the above option for the particular classes and a distinctive period of history. I have taken up the books of the secondary classes only because of the 'age-factor'. The classes of secondary schools run from class VIth to VIIIth. Most of the students of these classes are of the age between 10 to 13 years. According to the theory of psychology, the students of this group of age are the sweet primes of the pre-puberal period. This is the most tender as well as serious stage in the development of personality. The qualities of friendship, sympathy, love and social adjustment develop at this stage. The qualities that a child learns at this stage help him throughout his life. This pre-puberal stage lies between childhood and adolescence. The children at this stage are, neither, mentally immature to believe the existence of the 'winged fairies' and the 'one eyed Cyclops', nor intellectually sharp to discern the truth out of the bundle of historical tricks. They live by their emotions and sentiments and not by logic and reason. Once they are haunted by the ghost of emotion, the exorcist of reason fails to correct their assertions. This is the stage where the integration of personality assumes its form, and this integration of personality is necessary for the adjustment with social environment.

Next, the choice of mine for the books of Medieval Indian History alone is also logical. As we know, the Medieval Indian History starts with the advent of the Turks in India and the final collapse of Hindu Rule. The Muse

ıanda Tirth and about 10 thousand satyagrihis" — Further, he was ıe with Pakistan and Kasam Rizvi's Razakar organisation committed trocities on the people of the state. He even spoke in terms of g Delhi. The Razekars started attacking villagers on the boarder the state. Atrocities on the People in the state increased"(p.76). Is ırprising that the authors of the text who are so thorough in giving of the one particular community's atrocities simply forgets to n the name of Gandhiji's killer. "On 30th January 1948, an extremist hot down Gandhiji: (p.74).

References

Report of the states Re-organization Commission Govt. of India Press, 1959. p.39.
Kousar J.Azam, political aspects of National Integration, Meenakshi Prakashan, 1981, p.293.
Report of the Emotional Integration Committee Govt. of India Press, 1961, p.131.
S.Gopal, 'The fear of History', Seminar, January 1978, p.72
NCERT-The Curriculum for the Ten year School-a framework,p.37.
Gusfield Joseph, quoted in Education and Politics in India ed. Rudolph & Rudolph - OUP - 1972, p.120.
Saxena N.C. : 'The Nature and Origin of Communal Riots in India' n 'Communal Riots in Post-Independence India, edited by Engineer, A.A., p.59.
Husain Shaheen: Communal Riots in the Post-Partition period in ndia - A study of some causes and remedial measures, in Communal Riots in Post-Independence India', edited by Engineer A.A., p.165.

****

Although there is a side heading on the "Khilafat Movement" wi two paragraphs.

The projection is more of a political bargaining between the Khilaf leaders and the Congress. "Both the parties reached an agreement to th effect that the Khilafat leaders should support the not-cooperatio movement and the Congress is return should extend its support to th khilafat Movement (p.27)".

2. The 'Exercises' does not carry any reference of the Khilaf Movement.

3. While discussing the phase of 'armed revolution', scores of Hind revolutionaries .... have been mentioned while gives the impression a if the revolution ws carried forward by only one community, only in th kakori conspiracy that name of Ashfaqullah Khan has been mentioned, tha too in passing.

4. (p.52) The authors have mentioned that the great revolution walked up the gallows shorting slogan like Inquilab Zindabad while th same authors, in other text books have repeatedly mentioned 'Vand Matram' as the slogans of the .... Needless to mention, Inquila Zindabad, a popular slogen in those times, speaks of its Urdu/Musli origin. Hence its mention is consciously awaited.

5. (p.68) Describing the Muslim League, Direct Action plan it say that this led to disturbed situation in Bengal and other provinces wher voilence, looting and arson took place on a large scale. These violen activities continued until the partition of the country.

6. And finally, when the date was fixed for the transfer of power, th authors try to give an impression that the "idea of Akhand Bharat recede in the background and partition was inevitable" (p.69).

7. An unnecessary reference to the neighbouring country (Pakistan is repeatedly made while describing the accession of Kashmir. Such reference may create unhealthy attitude towards our neighbours and careful of communal feelings among the vulnerable minds of students. "I view of the gravity of the situation, Indian soldiers were air borne t Srinagar. Pakistani soldiers and invaders numbered more than a lakh whil the number of Indian soldiers was only 16 thousand (p.75), the Indian arm tried to beat back Pakistan invaders right up to their borders (p.76).

8. Again the 'merger of Hyderabad story' carry unwanted referenc which can if played up while teaching, can create animosity again Muslims. For instance, "people of the state launched a movement unde the leadership of Swami Ramananda Tirtha. The Nizam arrested Swam

: chapters describing national awakening which led to the
nent of Indian National Congress, does not mention any
ion of Muslims, nor it mentions any association or movement of
;t Muslims which fought for India's independence. Its only a
eference, in one sentence about Badruddin Tyabji who presided
ession of Congress" (p.62).

: chapter on 'National Movement' is 'localized' centerring around
a Tilak.

okmanya, who organized Ganesh Utsaw and Shivaji Utsaw (these
nal festivals get historically legitimized here) did a tremendous
ucating the people. During the agitation against the partition of
vith the help of the fourfold programme of Swaraj, Swadeshi,
nd national education, he raised the discontent against the
nt to a very high pitch. He was rightly called the father of 'Indian
Out of six questions on the chapter two are on 'Tilak' and the
work given is, "get more information about the political work of
66). As if to balance the account, a passing reference is made;
Azad, Shaukat Ali and Mohammad Ali took part in the
t" (p.72). The two chapters are, therefore, more a glouring tribute
ather than an account of national struggle.

he seventies a controversy arouse regarding 'Vande Matram'.
chools had refused to sing it for religious reasons. But the text
ore with references of 'Vande Matram', 'Vande Matram' a poem
e Bengali poet, Bankim Chandra Chatterji, became the slogan of
nent' (p.66) .... "with this slogan on their lips people held meetings
e country" .... "government issued an order preventing the
of Vande Mataram. People broke the order and Vande Mataram
song that inspired the national movement" ..... "Many patriots,
le Mataram on their lips, climbed the gallows".

astonishing that the popular slogan 'Inquilab Zindabad' is just
oned.

ause, secret Revolutionary societies of Sawarkar (Abhinav
hamji Krishan Verma (India House in England) and Birendra
d Bhupendra Dutta's (Anushilan Samiti) is described without a
to the famous Reshmi Romal movement which had astounded
of its communication network.

ilarly, writing about 'open opposition' newspapers that are
l are: Yugantar, Samdhya, Vande Matram, Kesari, Kal. No Urdu
rs is mentioned.

The younger generation which have not experienced the traumat times of India's partition should be either left alone or be acquainted wi a balanced view point about the communal frenzy that occured on eith side. But the text book in question takes a partisan view and ve authorititively says. "There were Hindu-Muslim riots in many plac Hindus in Pakistan were massacred in large numbers. Lakhs of refuge came from Pakistan into India" and then to balance the earlier statemer it continues, "there were similar riots in India".

Std.VIIIth

Std. VIII text books carries an introduction to Islam and Proph Muhammad. But the writer, it seems is ignorant of the fundamentals Islam. It is stated, "his teaching went against Quraish" (p.10). His teachi was not only against the non-believers among the Quraish but it was agai all the Meccans. It further states, "the Sufis did not accept all that the Qur said. They spoke out openly of their disagreement". This is a blata distortion of Sufism. In fact, no Sufi worth his status, if he does not follo the injunctions of the Quran and traditions of the Prophet. Again, "t Hindu custom of greeting each other by the words of (Ram Ram) observed by the Muslims too" (p.20). This again is unthinkable unless t writer, by writing this is encouraging Muslim sectarian. And the strang of all is, "the differences between the Hindus and Muslims were the sa as those between the castes of Hindus" (p.20). Needless to add, that Hind and Muslims are two distinct groups with different cultures and traditic of their own. Castes on the other hand are endogamous groupings havi restrictions on mutual interactions. They can remain compartmentaliz grouping but Muslim and Hindu, for centuries have been interacting w each other, regardless of their caste status. Communal feelings can aroused either by projecting a particular group in an undesirable light by not projecting their due share in historical part. Unfortunately history text books indulge in both these 'tactics'. At one place they wo denigrate Muslim rulers while at other places they would simply ign Muslim's contribution. For instances, there is only one paragraph on Ti Sultan of Mysore (p.39) while Ranjitsingh, Mangal Pandey gets mo prominence. As regards uprising of 1857 there is one line about Bahad Shah, "the dethroned Mughal Emperor was crowned again" (p.52). In chapter on Religions, social and cultural Awakening only Sayyed Ahm Khan is mentioned. About him it is said, "to improve the status of wom he opposed polygamy and purdah' (p.68) Can anything be further fr truth?

aints: Gyameshwar, Chaitenya, Tulsidas, Kabir, Narsi Malita, ardas, Meerabi, Tukaram, Ramdas, Basashewar.

ireat Men: Swami Ramkrishna Pramahansa, Swami Vivekananda & eo Tagore.

ireat leaders: Dadabhai Naoroji, Lokmanya Tilak, Lajpat Rai, na Gandhi, Subhash Chandra Bose, Nehru.

ocial Reformers: Ishwarchand Vidyasagar, Jyoti Rao Phule (p.3)

xcept for Akbar, no other Muslim king, saint, great leader or social er is mentioned.

th

he Std. VI book deals with Maratha history. At the outset, readers oduced to 'Maharashtra Dharma'. Sant Ramdas, 'Bring together all athas and uphold 'maharashtra Dharma', he told the people. Thus it created among the people throughout the land a love for their e and their 'dharma'. The statements, is an indirect way, attempt to that Marathi language must be loved over all other languages and laharashtrian should be a staunch believer of 'dharma'.

he struggle for indepndence in 1857 is one again projected in a fashion. There has been no mention of common people's ation or of Mughal warriors but instead is just one paragraph it ends statement, 'the death of Tatya Tope ended the uprising of 1857'

th

nstead of objective interpretation of history, a biased view of history ately presented in the text books. And the ethnocutric attitude is y (loudly at times) indoctrinated that the whole purpose of history ted.

nce again Khilafat Movement is separated from the independence and is shown as an exclusive movement of Muslims. "This was a ent confined to Muslims and when the British decided to abolish lafat it produced great discontent among the religious minded Muslims. The reason for the Gandhiji's association with Khilafat ent was because it was anti- British and he linked it up with his own peration movement. Hakim Ajmal Khan, Maulana Shaukat Ali & a Mohammad Ali joined the Non-cooperation Movement for some 106). Such distortion of historical realities where association of leaders to national struggle is shown as on mere bargain or e, that too for some time, is simply ridiculous and speaks of the ommunal slant.

Prithviraj Chauhan (lesson 15), Krishnadevaraya of Vijaynagar (lesson 17), Rana Pratap (lesson 20) were brave, large hearted, secular, just and staunch nationalist. "They all resisted foreign aggression and played with their lives in doing so. (p.111)". "The great emperors Ashoka, Akbar (the only Muslim king who is revered by the writers) and Chhatrapati Shivaji Maharaja not only ruled the country but inspired the people with new thoughts and ideas (p.111).

Another theme which is played up is the idea of forcible conversion resorted to by the Muslim rulers, the avoidance of which could have lessened the anti-Muslim feelings. Aurangzeb, of course, is the main target 'He plotted to convert Ajit Singh, the son of Prithvi Singh, to Islam' (p.100) 'Aurangzeb arrested him (Teghbahadur) and asked him to embrace the Islam religion. But Guru Teghbahadur flatly refused to accept the Islam religion. Aurangzeb they killed him"(p.101). "The captured Sambhaji Raj was brought before the Emperor, Aurangzeb promised not to put an end to his life provided the embraced Islam. Sambhaji Raji, proud as he was refused Aurangzeb then tortured him to death"(p.106). "In the beginning they (Muslim invaders) forcibly converted many of the local people (p.109 but in due course they also absorbed local culture".

The repeated reference to one's proud adherence to religion furthe creates a kind of fanaticism in the minds of vulnerable readers. The Medieval wars in essence were the result of political conflicts and were no religious wars as they are made out to be. The reference to one's belief therefore, is unnecessary and it speaks of veiled communalism. For instance, 'Emperor Vikramaditya was proud to be a Hindu and a grea devotee of Vishnu' (p.56). 'Rana Pratap was very proud of his country and his religion' (p.91).

Again, the text book carries detailed exposition of aryan religion Jainism, Buddhism but Islam is not mentioned, may be due to the fact tha it is not essentially an 'Indian' religion. But as the book mentions, (p.13/14 even Aryans were not 'Indians' by birth. They too were outsiders. "Som four thousand years ago, new tribes from North-West started coming int India. They came through khyber pass .... These people were Aryans inhabitants of North-Eastern Europe". Hence we are not surprised whe Muslim 'outsiders' are not mentioned as contribution to the great tradition of this country. The names, according to the text, that should b remembered are:

Great kings : Ashoka, Akbar, Shivaji, Rana Pratap
Heroes: Rama, Krishna
Religious leaders: Mahavir, Buddha, Guru Nanak

find that despite all those efforts, text books appeard to be a veiled propaganda and does arouse communal feelings.

One must not forget that there are more than seven lakh Urdu medium students in Maharashtra who are reading the same in Urdu text. Besides, the same text is translated in Gujarati, Hindi, Sindhi and Kanada languages for the benefit of those language students. And these books are being used, in some classes, for almost 17 years. Shall we, then, conclude that the book has been whole heartedly accepted and no criticism is sent to the autnorities pointing out its communal bias. Or, a critical opinion has not yet been entertained. In either case, periodic evaluation is essential, that too, from the vernacular schools. It would also be desirable to include history teachers of various languages communities, if not as writers, at least on the board. Unless the composition of the board is changed to include minority's representation, its sincerity will always be doubted.

Std. Vth

Strangely enough, the standard Vth text book starts with ancient Aryan gods and goddesses. To ingrain in the minds of innocent readers, 'the Sun God', the 'Fire God' and the 'God Indra' are also printed besides various hymns. In fact one of the 'suktas' is about the Cows, "Let our cows come home, let them stay happily in our cattle sheds. Let them have many calves"

As projected in current manner, Muslim kings are shown as tyrants and oppressors: "During his first campaign Mahmud (of Gazni) had slaughtered thousand of innocent men and women .... He then plundered the vast treasures of the country and returned to Gazni with the loot and many elephants in his train .... He was very avaricious.(p.69) 'Aurangzeb was suspicious untrustworthy and crafty by nature .... His whole administration was partial in that it denied equal rights to his non-Muslim subjects'. And prior to this biased description Aurangzeb is described as 'a staunch follower of the Sunni sect of Islam. .... He said his prayers, fasted and performed namaz regularly according to injunctions of the Quran .... His aim in life was to spread Islam and particularly its Sunni branch. He believed that Allah had sent him to earth to propagate Islam' (p.99). The obvious derogatory reference to his personality can easily mislead the young readers to think that the Muslims are never broad-minded or secular. In fact a pious Muslim can be a worst human being, specially intolerant of other religions. On the other hand, kings like Chandragupta Maurya (Lesson 8), Ashoka (Lesson 9) (It would be difficult to come across another emperor who was so anxious about his people's happiness p.47) Satkarni (lesson 10), Harshavardhana (lesson 12),

contribution of communal writings of text books, although to a lesser extent as responsible for spreading communal consciousness. "School text book also unfortunately encourage anti-Muslim feelings by teaching and praisin the culture and values of the majority community".[7]

The enlightened section of population realize the importance of thi particular factor only when the harm is already inflicted and many innocent lines lost. The state governments, instead of striking at the root of th problem, routinely appoint an Enquiry Commission to simply pass the buc on to the Commission, findings of which are either never made public or announced when all is forgotton. It is in this context that history text book in particular need urgent revision. "Though the governments at the centr and the state have been repeatedly urged to have the text-books of India history rewritten with a view to promote communal harmony, mutu tolerance and national integration, very little seems to have been done i this regard and history books with biased and prejudiced version contin to poison the minds of younger generations. It is necessary that the rewritir of books of Indian history on the proper lines is done at the earliest an without any further delay, which would be a positive factor in promotir communal harmony and national integration and thus prevent religio bigotry and communal violence in the country".[8] But unless there is a stro political will accompanied by enlightened public opinion to reframe t syllabi in the positive direction, things would remain as they are. "Veri God does not alter the fortunes of a nation until they bring about a chan in their own situation" - Quran.

An Analysis:

History text-books in the state of Maharashtra have to undergo a ve close scrutiny. There is a board of studies consisting of eight membe (Bhosale, Saraf, Deo, Vakil, Hooda, Gaur, Ghugale & Thakur) who m be taking the policy decisions. Then, there is a committee of writers (Loh Hole, Atre) for primary classes and a committee of writers for Std. VIII X (Ahire, Sheory, Kachole, Vaisahanpayan) and a coordination (Kerulka to finalise the task.

The initial draft of the book is 'referred to several renown historians and experienced teachers of history for their opinio Simultaneously the lessons are "tried out" in classes and suggestions a opinions are invited. After all these stages are over then the book is fina sent for publication. Indeed, the efforts are laudable and it appears th every possible care is taken to avoid any derogatory reference, factu inaccuracies, and subjective biases. But when one goes through these boo (the present analysis is only of V to Xth Std. text books) one is pained

appreciation of different subcultures and the common bond that hold them together. It is here that text books in history can play a decisive role. By highlighting the common features of Indian communities, giving proper emphasis to minorities' issues and recreating a past that can be understood and not just memorized, Indian Historians can certainly rise above the sectarian level and create a qaulity text books. "History text books are not intended primarily to teach the child patriotism, loyalty, movality, mythology or whatever they are meant to teach the child history. Such virtues can be taught through other, preferably extra curricular, means".[4]

But what actually happens is that text books writing is either entrusted to the professorial writers of text books or to the 'chosen few' who can be relied upon in propagating 'his master's voice'. In either case their basic approach is undesirable. They sometimes fail to reach high academic standards - incorporating the latest contributions of historical research or their orientation is consciously or unconsciously biased and parochial. "The approach to the teaching of history should be objective and comparative, stressing the social, economic and cultural aspects against the background of political developments. Without suppressing historical facts, the trends towards synthesis and reconciliation should be emphasized. Conflicts and Tension need to be understood in a proper historical setting. The methods of presentation should help develop an appreciation of the national and cultural heritage".[5]

Such guidlines sound utopian because at the practical level communal virus eats up the spirit behind such lofty ideals. In most cases text book preparation have been taken over by the state-government machinery and in a highly politicized bureaucracy one could only be asking for moon if one expects the bureaucracy to deliver the desired goals. The Committee of writers and coordinators are part of the same system who are seized with the passion to promote their ideology, which is, in most cases, communally biased. These feelings are propagated year after year in the 'authenticated' version of history and "schools function not only as a homogenizer. It also serves to intensify political and group struggles".[6] The political socialization at family level serves to reinforce the myths, symbols, prejudices and stereotypes and in the absence of any healthy and integrationist political culture such negative feeling get ingrained in the minds of impressionable youth. These negative indoctrination, at times, bursts into destructive forces. Needless to say, communal propaganda that is blurted out from various plateforms also contribute to communal actions and reactions. The constant hammering of ethnocentric values results in treating the minorities as anti-Majority and in some instances, even anti-national. And various reports on communal riots blame the

politics. Goals of national education being vague and economic and political orientation being supreme, the education system has failed to achieve attitudinal integration. In fact what we find today is that in a highly charged atmosphere, revivalistic values are indectrinated through veiled propaganda and a constant exercise of reinterpretation of tradition is attempted at all levels. Under such circumstances, sub-cultural groups would obviously resist the onslaughts of dominant cultural group. And 'behind this resistance of the sub-culture there has been the operation of the instrumentalist philosophy of education whereby regional elite have sought to restrict elite mobility to their own advantage as also to control structural differentation and stratification, by restricting the upward mobility of minority groups. Linguistic and regional tensions are inherent in such a situation.[2]

Linguistic chavinism and narrow parochialism, in the last two decades have joined hands with relig.ous assertiveness. Consequently inter-religious animosity has seeped through the secular fabric of Indian society giving rise to communal disharmony and in extreme cases, to communal disturbances. Some political parties are exploiting the situation as a destructive force. Instead of discouraging such distruptive forces ruthlessly and eliminating them at all levels, our edutional plannes seem to be provinding them effective plateforms. A sincere effort in this direction was made by the Emotional Integration Committee which emphasized the study of moral principles and ethical dogmas of all religious at school, college and university levels. The Committee also proposed that comparative study of all religious and universal philosophy should form an integral programme of education, so that offences and misunderstandings about different religions may be submerged consistent with such spiritual heritage of the past. Besides, the text books and techniques of teaching should not mis-represent the facts, distort the ideas, create prejudices and hatred amongst the different communities of the region.

The Emotional Integration Committee concluded after a sample content analysis of text books: "There have been factual inaccuracies greater emphasis on local heroes and inaccurate and drab illustration Lessions on the removal of untouchability and other social problems have hereby been touched. Lessons connected with freedom movement are few nor is much space devoted to the heroes who took part in them. Lives of religious leaders and reformers are not included in some of the books training in citizenship receives scant attention, so do inter-regional understanding, communal harmony and social equality".[3]

National Integration and communal harmony, which is repeatedly emphasized, can be achieved only through a proper understanding and

the regime. Hitler, too, had his army of intellectuals who justified genocide for their master. Historians of that era proved Germans as the most superior of races and cradle of world civilization. Mussollini had also ordered the revision of Italian history to lend respect to his rule. In the early phase of communist societies distortions of events and personalities were officially ordered to suit the aspirations of new class.

Situation in our country is not much different except that the "method of madness" differs in our setup. The episode of Time capsule during Mrs.Gandhi's regime is still fresh in our memories. And Janata government's spending a considerable sum on digging up that capsule and getting it rewritten is also not yet forgotten. There have been cases of History text-books under attack which were written by eminent historians and published by NCERT and Indian Council of Historical Research. And all this censorship and governmental interference in academic matters, though direct or indirect means is a pointer to the policies of the ruling party.

It is unfortunate that a developing polity which should have given precedence to national perspective and a broad-based approach through its educational system, has been caught in regional and sectarian politics. Consequently 'national personality' which should have emerged out of the educational system is still a distant dream. Instead what we witness is a 'regional personality' emerging out of the educational system and the reasons for this is obvious. Our system under various political pressures has accepted the narrowness of regional realities and has given rise to regional loyalities and regional values thereby relegating the national goals to a secondary position.

Education, being in the State list, further encouraged regionalism and hence text books and their contents clearly manifest increasing regionalism at all levels. The regional and communal fervour went to such irrational limits that separate national anthems became the part of the school curriculum. The State Reorganisation Commission reported "Already in the school of some of the states, songs exalting the regional ideas have been introduced into text books. History books taught in lower classes have disclosed a marked tendency to exaggerate the past achievements of the dominant linguistic groups. These inevitable tendencies in language-based states will unavoidably weaken our sense of national unity".[1]

The sense of unity was weakened the day Indian states were organised on linguistic lines. The language-groups with the passage of time started asserting themselves and politicking on communal lines increased. Not surprisingly that the slogar of 'sones of soil' has become a part of regional

COMMUNALISM AND CURRICULUM

An Analysis of History Text Books in the State of Maharashtra Paper read at South Asian Regional Seminar on Indian History under the auspices of Khuda Bakhsh Oriental Public Library, Patna March 22-26, 1988

Prof.Syed Iqbal
Deptt. of Sociology,
Burhani College,
Bombay-400 010.

Curriculum planning is a formidable task involving not only responsibility towards the pupils but also a greater responsibility towards the society, for the curriculum, once planned, shapes and moulds generations. If the educational planners and syllabus framers fail in this task, one can predict the slow death of a society. This decaying process, ironically, begins at the ideational level and ends at disunity and fragmentation of a total group. Prejudices, biases, stereotypes and sectarian thinking replace objectivity and rational approach. Younger minds don't even get the inkling of the poisioning process. In fact they try to excel in their mastery of what is dished out to then. Teachers, even if they are conscientious, plead helplessness. Educational administrators, in order to pledge loyalty to their masters, turn indifferent to realities. Ultimately it is the ruling elite or a dominant ideology that takes the day, sacrificing all the norms of educational equality, democratic and secular principles and spirit of emotional integration.

History is replete with such examples. The moment a new regime comes to power it tries to consolidate its hold over all the aspects of society. The State turns a new patron which strongly wishes to dominate intellectual life. Once the intellectual and ideological aspect of society is 'tamed' then its rule automatically gets legitimized. Opposition in all forms is eliminated. Dissenting voices are throttled and the rule of law is replaced by the whims and fansies of the rulers. Surprisingly it gets its supporters from the intellectual elites who, for reasons of their own, whole-heartedly support

Indians were of the view that students are given education in Christian religion in these institutions and the aim of the government in imparting education was to only produce clerks who could manage the work of government offices. Therefore, students of the upper class did not think it proper to receive education in these institutions."

Most textbooks generally ignore significant devalopments is social economic and cultural history and these are hardly any references to the movements in the Indian states and to the Socio-economic content of the nationalist movement. The peasants and workers movement, the rise and growth of socialist ideas and movements, the international outlook of the nationalist movement, etc. are also generally ignored. The desciiption of the social and religious reform movements are also not based on more recent findings and interpretations.

The maps and illustrations; and the language and style also suffer from the same kinds of faults and weaknesses as those dealing with the ancient and medieval periods. There are many incomprehensible statements such as "The Indian acquired faith in Christ but not in the Western creed of christianity."

Conclusion

The statements from the textbooks which have been quoted above are historically inaccurate and false. they have been made out of ignorence or disregard of the historical work done during the past many decades. they also reflectan approach to the study of the past which is not only not conducive to an objective understanding of the past but also one which has been influenced by sectarian, casteist chauvinistic and other narrow prejudices. Instead of promoting national integration, such as approach only helps to foster narrow prejudices and obscurantism. The study of history, as most historians today see it, makes for a less narrow-minded personality and promotes a forward-looking outlook. This it does by promoting an awareness of the variety and diversity, as well as basic unity, in humanity and by showing that the world of man is not stationary but is subject to constant and continuous movement, charge and devlopment. However, for national integration which is related to it, it is necessary that types of history textbooks of which only a few examples have been given here do not find any place in the educational system.

****

treatment of communal trends, most textbooks given a tendentious presentation. While Muslim communalism generally receives some attention, Hindu Communalism is almost comletely ignored. In the description of Muslim communalism also, most books use the term 'Muslim' where the proper term to use should be 'some sections among Muslim' or 'Muslim Leangue'. For example, one textbook says "When Turkey joined the Great War on the side of Germany against England, Indian Muslims were faced with a dilemma. They were loyal to the English but they were loyal to the head of their faith also." An impression is created as though all Muslims were loyal to the British until Turkey's entry into the First World War.

The secular character of the Indian national movement is rarely emphasized in the textbooks. Some textbooks accuse the Congress of following a policy of appeasement towads the Muslim. For example, one textbook says, "The congress committed a serious mistake by accepting the Lucknow pact. By accepting this, the Congress Committee the principle of communal electorates in the error of accepting the Two-Nation Theory of the League. From there began the Congress policy of appeasement of the Muslims." Thus, according to this textbook the policy which Congress more or less pursued consistently throughout the freedom struggle of Hindu-Muslim unity was 'a policy of appeasement' and acceptance of the Two-Nation Theory.

Most textbooks also ignore the role of Muslims in the rebellion of 1857. One textbook, for example, refers to Bahadur Shah as an unwilling leader of the revolt of 1857 but does not make any refrence to any other Muslim leader or Muslim participation in general in the revolt.

The assessment of historical personalities is oftan coloured by religious prejudices. One textbook has the following about Tipu - "But he was a Bigot. He forcibly converted thousands of Hindus to Islam, illtreated the Brahmans, polluted their temples and violated the chastity of many women. It is only because of these atrocities that the Marathas turned against him."

The textbooks abound in inaccurate and confused statements on almost every important aspect of modern Indian History. About the introduction of English education, for example, one textbook says, "According to the decision of 1854, universities were established in the capital towns of three Presidencies. These universities examined students of institutions imparting education in medicino, law and engineering and awarded them B.A. and M.A. degrees. English was made the medium of instruction in all colleges.

Muslims. One textbook puts it bluntly thus: "Hindu civilization and Muslim civilization were antgonistic to each other."

The textbooks also abound in factual inaccuracies, mythical explanations and plain and simple absurdities. One textbook, presumably referring to Allauddin Khalji's conversation with Qazi Mughisuddin given in Barni's Tarikh Ferozshahi, says, 'He (Allauddin) himself writes...' as though Alauddin had written a book in which the quoted words occur. The same book refers to the permission to upper castes to have 'international' marriages, Whatever that might mean. Another textbook mentions some Devanagari inscriptions supposedly found on qutb Minar to prove that it was a Hindu structure. It says, 'Because of the devanagari inscriptions on this Minar and its decorative features and on many more grounds, some Indian scholors call it a Hindu Minar built by a Rajput King" (italics original), one textbook gives the impression as if jiziah was abolished by Akbar to please Brahmans and says. "The Brahmans were the philosophers and the intellectuals behind the movements in the country." (Most of the people behind most of the movements in mediveal india were non-Brahmans).

The maps and illustrations in most of the textbooks are generally not satisfactory. Some are purely imaginery and simply atrocious. One book, for example, has a crude line drawing which shows Muhammad Ghori being killed by Prithviraja Chauhan. The same book also contains another crude line drawing showing Alauddin Khilji looking at Padmire's image in the mirror.

Like the textbooks dealing with ancient Indian History, those dealing with the medieval period pay little attention to devlopments in the southern parts of the country.

Modern Indian History

The textbooks dealing with modern Indian History were found unsuitable as teaching materials for the same reasons as those dealing with the ancient and medieval periods. Most of them showed little aquaintance with the modern findings and approaches to the study of modern India. Only a few of the more common deficiences and distortions are being mentioned here.

The textbooks evaluated generally ignore devlopments in sourthern India, particularly during the struggle for freedom. The role of Muslims also is generally ignored except for brief refernces to a few individuals. In the

Hardly any testbook also refers to the fact that for a long time the high offices of the State were not open to all Muslims and were given only to the State were not open to all Muslims and were given only to the members of the Turkish nobility.

This lack of critical attitude is shown in the treatment of almost every other topic in the textbooks. Even Timur's invasion which finally put an end to the Tughlak dynasty is presented as basically motivated by the desire to spread Islam. One textbook says, "He was a staunch Muslim and by killing idol-worshipping hindus and and destroying temples and idols he wanted to earn the title of Ghazi." Even though Timur invaded the truncated Delhi Sultanat, the textbooks nowhere critically examine the so-called religious motives behind his invasion. Here, as else where in most of the books, terms such as 'Kattar Musalman' (staunch Muslim) and 'Kattar sunny Musalman' (staunch Sunni Muslim) are used as synonyms for 'intolerant Muslim.'

In the description of the war of succession among the sons of shah Jahan and of the policies followed by Aurangzeb not a single textbook gives a balanced treatment and shows any acquaintacne with the historical findings of the succession between the four sons was not a question of other books is on the same lines. Not a single textbook mentions that all the ulema did not support Aurangzeb, that while Dara was supported by 24 non-Muslim nobles Aurangzeb was supported by 21, that the Rajputs joined hands with aurangzeb against Dara after the first battle of the war and that during Aurangzeb's reign the number and proportion of non-Muslim in the nobility was higher than at any time before. The explanations which most textbooks give are not only simplistic and ill-informed but also reflect a sectarian and communalist distortion of history. The same is true for the description of the causes of the decline of the Mughal empire where all other causes political, economic and social are ignored and the sole cause of decline is soon in the religious policy of Aurangzeb. The Mughals 'attempts to annex the Daccan State also is generally presented primarily, and often solely, in terms of Shia-Sunni conflict.

The communalist and sectarian interpretations are reflected not only in the description of political events but in the treatment of almost every other aspect. Little attention is paid to the processes of intermingling and the growth of new cultural elements, emergence of popularreligious and social reform movements, rise and growth of a number of modern Indian languages and the first literatures in many Indian languages. On the contrary, the entire period is seen generally as one of basic hostility between the Hindus and the

extbook says, "Because of the influence of the social equality of Muslims, ow class Hindus had started adopting Islam. Therefore the bonds of the caste system became more rigid than before for the defence of Hindu religion." The practice of child marriage is also attributed to the "Islamic" state.

Hardly any of the textbooks evaluted critically examins the relationship between religion and the medvieval Indian state and differentiates between the formal aspects and historical reality. Almost all of them describe the nedieval India state as an Islamic state. "The State of Sultans in Delhi was in Islamic State and its basis was religion... Sultans ran the government according to the laws of Islam." Another textbook terms the Sultan at heorcratic in which "Every ruler owed his allegiance to the Khalifa." the author of another textbook who refers to the Sultan as an Islamic state, quotes another author's view that it was a theocracy and says, "In fact the Muslim ruler considered Himself not a ruler but also a person who had been sent by God to spread Islam. Hence he made all efforts to convert non-Muslims to Islam and for this he used all the power of the State. " He further quotes, approvingly, another author to say, "The goal of Islamic state in India was to convert entire population to Islam, to destory the religions of the country and by forcing the people to follow the religion of Muhammad to transform dar-ul-harab to dar-ul-Islam. " Another textbook, says that 'Muslim wanted to finish the Hindus." One book, after reporting that the Delhi Sultanat was a theocracy jumps to another absurdity by saying that Babur established a secular state. This statement is perhaps made in the interest of national integration. Hardly any textbook mentions, much less emphasises, that the Delhi Sultanat was a completely independent state and that the practice of receiving investiture by the Caliph and mentioning him on the coins and in the khutba was a formal act which was resorted to by the Sultans even when the Caliphate did not exist (for example, the Mongols killed the Abbasid Caliph in 1259 and destroyed the Caliphate. Many decades later Mohammad Tughlaq discovered on of his descendants in Egypt to obtain from him the investiture.) No book mentions that no Sultan permitted the Ulema to determine of influence the policy of the state. Similarly, Hindus are genrally mentioned as the 'ruled' and hardly any book refers to the fact that through out the period they not only controlled the trade but also constituted the bulk of the rural aristocracy. Similarly, most textbooks refer to 'Muslims' as being the rulers and no kind of social differentiation existing among the followers of Islam in India is shown.

In their description of Mahmud of Ghazni's invasions, most of the textbooks give highly exaggerated place to the religious aspect and religious motives. Most textbooks present Mahmud's invasions as having been motivated by the desire to spread and Islam. Some books give an impression that because of the destruction of idols by him, Mahmud was accepted as a religious leader. For example, one book says, "By destroying idols, he become a religious leader." The treatment of Muhammad Ghori's invasions is also generally in the same style. Hardly any textbook deals with the west and Central Asian developments which had such a close bearing on India. Most textbooks present the Islamic World as a monolithic entity under all-powerful caliphs. Developments such as the ascendancy of the Turks, the emergence of absolutist monarchies, the decline in the power of the Caliphs, the effects of Mongol invasions on West and Central Asia, have been almost totally ignored. Because of the lack of understanding of these developments, the primary, and in many cases the sole, element which is presented is the religious one, often accompanied by all the details of a horror story.

The entire period of medieval Indian history is presented as one of Muslims as rulers and Hindu as subjects. Some of them the period from the time of Prithviraja's death to 1857 as one of slavery. one book, for example, says, 'With the fall of Prithviraj India had to suffer under the strong chains of slavery,' The acts of the Sultans and of their soldiers and officers are generally presented as acts of the 'Muslim' and no distinction is made between the rulers, the solidiers, and the Muslim community. For example one book says, ".....But his (Gujarat ruler's) wife fell into the hands of Muslims and she was sent to the Sultan's harem. muslims also looted Somnath temple."

Many textbooks have blamed Indian climate for the defect of Indian rulers by the Turks. One book says, "Muslims were inhabitants of cold regions, Hence they were stronger and more powerful. Because of India's hot climate, soldiers here were less strong. The effects of climate had made them weak and lazy." another book finds India's hot climate as a cause for the decline of the Delhi Sultanat.

Many textbooks trace the rigidification of the caste system and various other evils to the 'Muslim' invasions. Some of the explanations appear to be rationalisations of caste rigidity. One textbook, for example, says, "....But Turkish invaders, instead of adopting Hindu religion and culture, had started destroying it. Because of this Brahmans who were specially honoured in the Rajput period made the rules of the caste system more rigid." "Another

he developments in the rest of the country. One book says, "Dravid culture nd civilization greatly flourished in the South and today the social thinking, ustoms and traditions, food habits, living style and languages of the people f this area are different. "There is no reference of the people of this region other parts of the country and that of other parts on this region in any pect of life.

Most of the textbooks abound in inacurate, carelessly worded or just surd statements. One book says, "It is said about Parikshit, the ruler of s area, that rivers of milk and honey flowed in his kingdom. He had rformed the aswamedha vajna. Kosala state was situated on the Ganga in present Awadh Pradesh." The same book also says, "The Gupta rulers nsolidated and further strengthened national unity through matrimonial ances also. In this way the entire country was politically united and ell-organized."

...Most of the books abound in horried printing errors. In one textbook rdly any name is correctly printing and the caption of a badly reproduced cture of Sanchi Stupa reads: Gandhi Ka Stupa.

The quality of maps and illustrations is generally poor. The maps are uthentic and prited. illustrations in some of the books are imaginary and ide in the extreme.

From the point of view of up-to-dateness of the historical approach and ormation and the required emphasis on social, economic and cultural aspects, not a single textbooks has been found to be satisfactory.

Medieval Indian History

Most of the textbooks evaluted give a grossly distorted version of medieval Indian history. They abound in unhistorical usages of terms, give a highly exaggerated role to religion, make no differentiation between the formal and the real, present simplistic explanations of complex historical phenomens and are totally uncritical in their presentation of historical events, developments and phenomena. Most of them present the history of medieval India solely in terms of Hindu-Muslim conflict. Little attention is paid to the processes of intermingling and cultural interaction and the emergence of a rich composite culture in the country. By projecting later communal and sectarian prejudices to the study of medieval Indian developments, they tend to foster those prejudices. Most of the textbooks show little acquaintance with historical researches of the past half country.

Even with regard to the description of different religions, most of t textbooks are full of errors and distortions. Most of the textbooks use t terms Aryan (Vedic) religion and Hinduism as interchangeable. With reg to other reliigions, there are statements which are carelessly word inaccurate and distortions. One book defines the Digambar sect thus "Tl wor ship nudo idols." 'Another textbook dealing with the teachings prophet Mohammed says, 'Mohammed Sahib was opposed to giv freedom and high status in society to women." While most of the textbo dealing with ancient India cover the period up to 800 and some even later period, hardly any textbook refers to christianity in India.

Some of the most imbalanced presentations are those relating foreign invasions. Here, the style is highly emotionally charged and description highly exaggerated. For example, one textbook describes Huns in India thus; 'The Huns were a cruel barbaric and fighting race Central Asia..... the Huns were cruel and oppressive. They took g pleasure in plundering, killing people and setting fire. Wherever they w they would plunder and kill people, and set fire to the splendid temp monasteries and buildings.... But the absorption of Huns in Indian soc led to the beginning of the decline of the moral life of Indians. The w effect of Hun invasions was that they caused great damage to Indian cult They killed many learned men and artists. They turned many big cities ruins and set fire to many monasteries, temples, monuments and m literary works. "The description of the Arab invasions of sind is simil charged with emotion. It is also communalist in interpretation, presenting conflict as basically a religious, and reflecting an attitude of hostilit islam. One book says, "Some traitor Buddhists and Jats went over tc enemy and in this same topic says, "...But the invaders could not estal the supremany of Islam in the face of the greatness of Hindu religion. ' the help of the sword, only a few weaklings became Muslims but ir entire Sind region the people expressed their contempt for Isla Barahmins kept up the Indian people and destroyed the influence of Isl It is surprising that hardly any of the textbooks evaluated refers to the contacts of India with Islam through the Arab traders on the western coa India.

Most textbooks also pay scant attention to the history of developn in southern parts of the country. Not a single textbook is satisfactory this point of view. Mutual influences between different parts of the countr in the growth of various aspects of culture are also ignored. Whatever notic

llustrates Rigvedic cultivation and threshing by two photographs of present ay agricultural operations. This book also refers to the existence of temples n the 5th century B.C. Many textbooks also use the terms Aryans, Hindu nd Vadic as synonyms. The terms 'Indian culture' and 'Hindu culture' are enerally used as interchangeable.

Not a single textbook evaluated gives a proper historical account of the Varna system, the conditions under which it evolved and the role it played in different periods of Indian history. Some textbooks uncritically quote the mythological version of the origin. Some others try to explain it in a way as though justifying it as a highly rational system. For example, one book says, "Division of people according to occupation was also the work of Aryans. They saw that no person his own could do the work of a soldier, a brahman, a vaishya and a sudra. Hence they divided society into four varnas. There our varnas were. This way becaused of division of labour all things were one in the proper way. This way work was done better than before and the roblem of livelihood was also solved." The practice of untouchability rely arouses the textbook authors abhorrence. Some of them give highly islead in explanations of its origin. One of the books mentions at thus: people (during Harash's period) generally ate wheat, barley, milk, curds d vegetables... Meat eaters were called untouchables or pariahs."

The treatment of India's cultural contacts with other coutries in the xtbooks give the impression that the culture of some other countries, as a sult of Indian influence, was a total imitation of Indian culture in which eir own traditions did not play any part. This kind of treatment not only mpers the pupil's understanding of the processes of the growth of differnt ltures but is also likely to create attitudes which are inimical to ernational understanding. Two examples of unhistorical tereatment of ations with other countries are being given here. One book, in its section aling with India's cultural contacts with Asian countries, says, "In this y we see that Greater India is one of the most beautiful creations of cient history. For about 1500 years indians taught the lesson of civilization the uncivilized races abroad. By giving them the knowledge of religion, guage, script, literature, social customs, thinking and manners,moral and ious arts, Indians made them civilized." Another book, in its section on lia and Afghanistan in a chapter dealing with India's cultural contacts h asian countries, all through tries to establish that Afghanistan was a part of India instead of showing that the two countries had a long period of cultural contacts and even common history.

understanding and objective study etc. Most of the textbooks were found be totally unsuitable as teaching materials. Only a few examples of su materials selected at random are being given below.

Ancient Indian History

The sections dealing with Indian pre-and proto-history are genral based on outdated information. Some books show total disregard of ev elementary facts and are full of absurd statements. One book, for exampl refers to the use of animals in ploughing in the Indian noolithic period. Th same book also states, "Indians made use of stop and Copper metals (si before anyone also." Much of the description in the section on the Harap culture is based purely on speculation. for example, it says "Women we respected highly in society. In social and equals." To, establish that th Harrappa culture was a Dravidian culture, this book hits upon a mo original, though absurd, explanation. The Harappa culture, this book says was a Dravidian culture because the doors of houses found in cities o harappa and Mohanjodaro are not very high while the Aryans were a ta people. Another book suggests as though Harappa culture and Gree civilization were contemporaries.

Most of the textbooks use the term 'Aryan' as a purely racial categor and even tend to glorify the idea of racial purity, sometimes bordering o raclialism. One textbook, for example, says, "Aryan race is considere among the famous superior and civilized races of the world... Most people i India, and Englishmen, Iranians, Germans, Spanoards, French etc. feel prid in considering themselves descendants of the Aryans. according to them pure blood of the Aryans flows intheir veins.

"......." Hardly any book refers to the correct usage of 'Aryan' as linguistic category denoting people(s) speaking languages of the Indo-European family of languages. One book in Hindi refers to this in a mistranslation as 'Hindu-Eropean' rather than the more commonly used term 'baropia! Hardly any book refers to the intermingling of peoples and 'races' in India or elsewhere, much less emphasize it. The description of the Vedic (Aryan) culture is generally unhistorical. One book claims that even today our dress same as that of the ancient Aryans. The same book, referring to and food is the/early Aryans, says, "Some people also this think that they knew the use of cannons and gunpowder." Another refers to the use of undergarments such as banians and shirts by the Rig Vedic Aryans. It also

alistic terms. What is needed is not to tailor history textbooks to suit ational integration by suppressing certain facts and exaggerating the mportance of others. Most of the historytextbooks continue to be tailored, ailored to suit certain prejudices, and narrow loyalties and interests. What is eeded is a presentation of authentic history in our textbooks, free from istortions. This would be clear from the following brief report.

Report of evaluation

The following report is based on an evaluation of twelve textbooks dealing with the history of India which were being used at the higher (Senior) Secondary stage during the years 1978 to 1982.

The teaching of history, as of other subjects, at the higher (Senior) Secondary stage, is envisaged as a discipline providing foundation for higher academic studies in the subject. This should not only be free from historical inaccuracies but shouid also reflect the current state of historical knowlegde. they should help develop an approach of objectivity to the study of the past and should be free from communal, parocnial, racial regional and other narrow prejudices. The textual material should include suitable illustrative materials and maps which are authentic. The language and style of presentation should be clear and unambiguous and should promote critical thinking and understanding of the processes of historical development.

For the work of evaluation, the guidelines provieded to the reviewers mentioned two broad considerations viz.i) to see that the presentation of the past is authentic and is free from myths and factual inaccuracies, and ii) to see that the presentation did not foster communal, casteist, regional and racial prejudices and attitudes. The guidelines made it clear that facts of history are not to be suppressed or tailored to suit the purpose of national integration.

The purpose was to free history textbooks from inaccurecies and distortions which may have vitiated their quality as resulted of inadequate knowledge and lack of familiarity with modern historical researches on the part of the authors, or by misconceptions and prejudices. The evalution reports have brought to light the extremely poor quality of most history textbooks. Most textbooks were found to be abounding in inaccuracies, gross distortions, communalist, casteist and even racialist presentation and inauthentic and even aesthetically horrid illustrative materials, usages of languages and styles of presentation unsuited to promoting clear

the 'Babus' the great virtues of the British rule. The study of the ancient period suffered from another kind of distortion, which perhaps helped fulfil a psychological need. D.P.Mukerji, in an essay on Indian historiography wrote, "when people want to acquire self-respect, they may adopt various means one of which is a trip to ancient times where food for self- respect is abundant. This resulted in glorification of the ancient past and acceptance of the theory of Indians as being primarily a spiritual people, that is a people lacking in socio-political interest and objective attitude. With an overriding bias for spiritual thoughts and tendency to be lost in subjective speculation. Another myth which charachterized much of writing on Indian culture emerged in its fully developed form in one particular region of India. Drawing attention to this, Professor H.K.Sherwani, in an address to the Indian History Congress, said, "we are apt to regard Indian culture to be monolithic, stagnant and unprogressive, centred from the days of Yore somewhere on the banks of the Ganga and the Jamuna in the Western, Central and Eastern part of what is now the Uttar Pradesh, and not only culture but religion and politics are made to hang around this rather circumscribed region.... This near sightedness has caused many a fallacy and a bickering both in the cultural and the political fields.... Those who belong to this school would much rather ignore the impact of history at least during the last one thousand years and more and to think that they are living in a self-created paradise where life is lived or should be lived as it was at the dawn of history,"

During recent years many historical writings have helped in rectifying the kinds of distortions mentioned above It has been rightly pointed out that 'the desciplne of history has been made more precise and more analytical'. Now evidence and fresh interpretations enable us to reassess the past in more realistic terms and proceed in new directions. Hitorians, too, have become, as it were, self-conscious, both about the nature of evidence and about the social and political function which historical writing has played in the past.'

The connection between national integration and history textbooks may be seen in the broad context of the objective of the study of history - to master and understand the past as the key to the understanding of the present - and the work of modern historians in correcting the distortions of the past and reassessment of the past in more realistic terms.

History textbooks, generally speaking, neither .reflect this basic objective of study of the past nor the work of modern historians in correctingthe distortions of the past and reassessment of the past in more

History Textbooks
and
National Integration

By
Dr.Arjun Dev
. N.C.E.R.T

E.H.Carr, defining the function of the historian, has stated that it is neither to love the past nor to emancipate himself from the past, but to master and understand it as the key to the understanding of the present. This understanding, more or less universally accepted, of their function has led historians to ractify the distortions which charachterized a large body of previous historical writings. From the time the first histories were written, the study of the past was used to sanctify institutions and to give validity to existing social system, beliefs and prejudices. Often historical writings were used for more sinister purpose. Gaetano Salvemini has remarked some where that most European professors of history deserved to be hanged for their crime of promoting national chauvinism, fascism, wars and ideas of racial superiority. Modern Indian historians have extensivly written on the distortions which characterized much of historical writings during the colonial period. In this context one may recall the Introduction to the 8 volume. 'History of India as told by its own historians' (1867-77) - which for a long time was the main source book for historians of medieval India. In his intorduction, Sri H.M.Elliot, then Foreign Secretary to the Government of India, wrote, They will make our native subjects more sensible of the immense advantages accruing to them under mildness and equity of our rule. If instruction was sought for from them we shold be spared the rash declarations respecting Mohamedan India, which are frequently made by persons not otherwise ignorant. Characters now renowned only for the splendour of their achivements, and a succession of victories, would, when we withdraw the veil of flattery and divest them of rhetorical flourishes, be set forth in a truer light and probably be held up to the execration of mankind. we should no longer hear bombastic babus, enjoying under our Government the highest degree of personal liberty and more political privileges than were over conceded to a conquered nation, rent about patriotism, and the degradation of their present position. "These volumes were frankly desingned to divide India on communal lines, besides teaching

Distortion of Indian History

Poisoning the Text Books

CONTENTS

Distortion of Indian History

Poisoning the Text Books

57. The Bankipur Ms. has left out the names of the mercha
The prefix Asa or Asad to Bhar has been taken by the writer's est
med friend, Dr. Z. A. Desai, to be substantially correct. Accordi
to him the name should be pronounced as Asa Abhir. He says th
Asa has been no uncommon name and the founder of Asawal, t
ancient site of modern Ahmadabad, is stated to be Asa of t
Bhil tribe. Abhir is a community in Gupat.

58. Elliot translates Dahhabh Mal' as ten lacs of rupee
The Azangarh Ms. has 'Dah Lakh Balotra'.

59. See my paper in Patna University Journal on Taj-ul Maasi

60. T. M. has Kola Rai-Ajmere and T. N. has Rai Ko
Pithaura' We do'nt know why the word Kola was used by all.

61. Tabarhind has been identified with Bhatinda. See Dr. Ha
bibullah's notes in F.M.R. The word Hajar, Hanjar, Janjar or Jaga
is without oots. Is it Jajner or Hajner of the North West

62. Isāmi also refers to 'the ingenious manner in which Mui
zuddin provided for the lack of elephants whose presence in the In
dian army frightened his horses" (F.M. R. G .D. by Habibullah p. 81
note 26).

63. This portion is missing in Azamgarh Ms.

64. The Azamgarh Ms. does not give this piece.

65. According to T. N. the fighting continued for one month
under the walls of Uchh, and on Tuesday, the 29th of Jamadi III
625 (Kay 1,228) the place capitulated. In the same month Malik
Nasiruddin Qubacha drowned himself near the fort of Bhakkar in
the water of Indus, having a few days before sent his son, Malik
Alauddin Bahram to wait upon Sultan Shamsuddin.

66. Dr. Habibullah has accepted the unconvincing sugges-
tions of one of his colleagues that Daulat Shah of Thomas' coin
was different from Balka, the accepted and acknowledged leader of
the refractory Khajli's of Bengal who ousted the former and invited
the imperial invasion of Bengal (F.M.R.P. 100, 169).

67. Everywhere the spelling in both the Mss. is Iltimish.

68. Amir Khusrau writes in Qiran-us-Saadain "Gird-i-Sarash
kard Muazzin cho ghast-Qāmatash az Masjid-i-Isa Guzasht; Mauz
nash Anja ke Iqāmat Kashid; Qāmat-i-Musazzin natawānid rasid"

69. Had Dr. Nizamuddin given some thought to this piece he
would not have described it as "an account of the Masjid-ii-Alfi
or the Mosque of 1,000 arches erected by Iltutmish in the old capital
of Delhi.

(Source : Patna University Journal,
Vol.21, No.1, 1966)

51. Awfi has professed to take the story from Utbi's work, but he has embellished it by additional matters concerning the advice of young Mahmud and the use of the miraculous fountain with curious natural properties. Alberuni and Abul Fazal had been quoted by Hodivala, (commentary 135). The former has referred to a well in a hill of Farghana in which, when a dirty thing was thrown, it began to rain, and also to a caverin in Tabaristan which if filled by filth, heaven became cloudy. Abul Fazal refers to a mountain between Kashmir and Tibbet in which if a flesh of animal fell there was heavy fall of snow and rains ensued.

52. The Hindu Shahiya kingdom of Waihind or Udhanpura which bordered on KashmirinN, Multan in S, and Lamghan in W was founded by Lallya (Keller of Alberuni), probably in the 9th century A. D. Kamalu, the third of the line, must have flourished sometime between 876 and 900 A. D. He was followed by Bhima' the father of the more famous Jaipal, whose reign may have begun probably in 965 and ended with his death, in 1002,

53. Both Azamgarh and Bankipur Mss. spell the word as Fardan or Farghan and do not support Hodivala's surmise about it being Farrukhan, a common title of Ispahbads of the time.

54. The Azamgah Ms. has Rai for Parshawar and his Brahmid, which is wrong None of the 2 Mss. has Marde or Marwazi which Hodivala would have us accept.

55. Khusru Shah succeeded his father, Bahram Shah in 552-1157, and having lost Ghazni to the Ghuzz, (who were already master of Khorasan), he fell upon Lahor where he died after of a reign of 7 years. His son, Khusru-Malik was constantly threatened by Muhammad bin Sam of Ghor who compelled him to. sue for peace. His son was carried off as a hostage when the Ghorid Chief attacked Lahor in 577-1181-2. 'Bud' and not' raft' is the correct word which occurs in Bankipur Ms. This is supported by both Minhaj and Farishta Farishta also refers to the fraud practised by the Ghorid Chief in sending back the Ghaznavid heir-apparent with splendid escort to show his apparent sincerity for cultivating friendly relations. When Khusru Malik advanced apart of the way to meet his son he was surrounded by the Ghorid force and found himself a prisoner Minhaj Siraj says that in 588-1178 the Ghorid Chief again advanced on Lahor, took it, and dethroned Khusru Malik, and carried him as a prisoner to Ghazni, and thence to a fort where he was thrown in 598-1207.

56. Mamlikat-i-Khurasan and NehaWand in the 2 Mss. did not belong to the Ghaznavids at this time.

the whole of these two pieces.

46. According to Elliot, the river mentioned here can be no other than Sindh or Panjnad and that Mahmud returned by a much more westerly course than he proposed in coming. Nizamuddin writes in Tabaqat-i-Akbari that when Mahmud resolves upon returning home from Somnath he learned that Parandeva, one of the greatest Rajas of Hindusthan, was preparing to intercept him. The Sultan not deeming it advisable at the time to contend with this chief, went towards Multan through Sindh. In this journey his men suffered much in some places from scarcity of water and in others from want of forage."

47. Bahram, the son of Alauddin Masud by the sister of Sultan Sanjar (Saljuqi) was a brother of Arsalan and not his uncle, as Minhaj Siraj tells us. The author of Tabaqat-i-Nasiri tells us that being defeated, Arsalan fled to Hindustan and fell into great distress and he expired in 511 (1117) after a reign of about 2 years. The Qasaid-i-Masood Saad Salman referred to by Hodivala give Wednesday, 6 th Shawwal, 509 or 23 February, 1116, as the date of his accession.

48. Elliot's manuscript followed by all, gives 511 but both Bankipur and Azamgarh manuscripts have 512. Isna is for. Ahada Ibn-ul-Athir says that Arsalan was expelled again from Ghazni and, killed in Jamadi II, 512, that is, more than three months earlier than the date of the first defeat mentioned by Awfi. The author of Khulasatul Akhbar (Khawand Mir) says that Arsalan fell into the hands of his brother who despatched him to the next world in 512.

49. The scribe of the Bankipur manuscript seems to have left out something which is supplied by the Azamgarh manuscript. Sultan Bahram returned to Ghazni with the army. Malik Arsalan who fled from before him was eventually captured in the hills of Ghazni and was sent to the next world. In neither of the 2 manuscripts before us is the mention of Arsalan's capture in the Shukran hills as given by Elliot

50. Other variation are Baghru, Nagru According to Hodivala the Buddhists referred to a spring called Nagharada or Naga-like or dragon fountain. It is said that snow and storm caused a panic in Jaypal's host the place was, according to Utbi, somewhere in the pass of Ghurrak (Kabul river) and. The site of the batte was between Ghaznir Far wan and Larmghan. The first battle with Jaipal near the miraculous fountain must have occurred in 327-982,3 which was the 14th of the 63 years life of Mahmud, who died in 421

i-kaghazi wa Surat-i-murghā-i-wa oqubat-i-Hayāt barāāi naqsh karda bud" while Azamgrh ms. adds "ke dar neki wa safa wa bayaz wa Sāyid-i-paiwast Miyan-i-baiza mi mānist".

39. See chapter 7, book No. 2.

40. Only a few of the 81 anecdotes on the Ghaznawids which have some bearing on Indian History have been considered in this paper. As Dr. Nizamuddin has pointed out, Awfi has mixed up two distinct works of Abul Fazal Mohammad Baihaqui and Abul Nasar al-Utbi and has mentioned the latter by name only in two of his anecdotes. He may have drawn upon the last portion of Baihaqui's work which is said to have originally consisted of 30 Volumes.

41. The Historian, Minhāj Sirāj, writes that before the birth of Mahmud in the night of Thursday, the 10th of Moharram (Ashura) 371, A. H. his father had dreamed about the rising of a tree from the fire-place so high as to over shadow the whole world. This was interpreted as the birth of his great son which 'coincided with the falling down of the idol of waihind which is within confines of Paishawer (Peshawer) on the river Sindh or Indus. waihind lay about 15 miles north of Atak. The Rai referred to in the text may have been Jaipal.

42. J. A S. B. XXI, P. 121.

43. Merutunga's work finished in Vs. 1361 or 1304 A. D. mentions Dinara, Tanka (gold), Daramma (silver) among the coins current in Gujrat. There is no doubt about the foreign origin of the first two, but it is difficult to say anything certain about the third which sounds like Darahim (plural of Darham or Dirham, a Silver coin of which from 20-25 at different times passed current for a Dinar which was a gold coin). In C. B. b. I. Awfi tells us about an unnamed Hindu Rai whose brother, a Govenor of Naharwala, had made counterfeit Dirham and circulated them in different parts of the country and had also attempted to poison the Raja (Rai)

44. The manuscript consulted by Thomas has 'Sad-bar- hazar' The Azamgarh and Bankipur manuscripts give as above. Elliot has 100,000,000 Dirhams.

45. Vide a similar story related by Alberuni and by Awfi (I.C. 120) with some variations about Kanak (Kanishka) called by Awfi as the king of Zabulistan (Siestan, Kabul and Ghazni) who was misuided and enticed into a waterless tract by the patriotic Indian W azir of his opponent, the Rai of Kannauj. Elliot has translated

on Gujarat. Medieval coinage of Gujrat and Rajasthan had much in common. But Dr. Desai is not quite certain about it.

30 The actual words in Bankipur Ms. are (Jāma-i-Tarraqou). The Azamgarh Ms. says "Khatib rā chahār cheez Bedād az Jāmaha-i-wa zarāif" (He gave the Khatib four things in the form of robes and ingenious things).

31. Elliot and Dawson have misread the word Malav as Bala. But the manuscripts before us gives clear indication of Malwa.

32. On the besis of the Epigraph referred to above Dr. Z. A. Desai has given the correct name of the builder as Said-b-Abu-Sharf-b-Shapur al Bammi indicating that he was a Persian by birth. Hence both Yamani and Tamuni are wrong.

33. In one of his Majlis, Hazrat Nizamuddin Aulia testified to the honest and business like dealings of the Gujrat traders in contrast to the higgling and haggling and exacting, extortionate attitude of the Lahori traders (FF). Marco Polo has also praised the honesty of the Gujrat trading community.

34. See Hodivala's observation in Elliot and Dawson's History No. II p. 68. Azamgarh Ms. has 'kurpal' Two other tales of the Chalukya period, one of the Rai and his brother, the Governor of Nahrwala who wanted to poison him and was punished, and another about the Indian Rai teaching a lessons to the king of Turkistan, who had asked him about a prescription of longevity have been left out.

35. Awfi has gone beyond the legendary tales and has told us about some Indian animals, their constitution and their pecularites, particularly of the elephants, and their innate spirit of vengience. When our Awfi was in Naharwala he heard from the prince of physicians, Shamsuddin Qaisar that the elephant of the Rai of Naharwala used to bother the inmates of a tailor's shop by thrusting its trunk into it. Once a tailor, pricked the trunk by his needle. The elephant harbouring malice again went to the shop, flooded it with water from its trunk, and spoiled all the cloths and garments stored therein. We are told that elephants felt afraid of cats, rats and hogs. The chapter on strange wild and ferocious animals and their habitat, as also those on birds and their peculiarities and on curious properties of Natural objects, stones and metals-form very interesting reading.

36. Awfi has frequently mentioned this book see Dr. Nizamuddin's notes on its origin and various, versions P. No. 72).

37. Dr. Nizamuddin has added Injil or Gospel which is missing in Bankipur Manuscript. (See his learned note on the five works of Mani P. 41.42.

38. The Bankipur Ms. has simply this "Durj-i-buzurg bar shakl-

the same feelings as modern Sharnathies. It is strange that a scholar of the eminence of Hodivala, accepting Elliot's reading of Tarsa for Parsayan should have taken pains to transfer the blame from the Zoroastrians to the Jainas. His comments in his Studies in I. M. F. and in J. C. O. VIII, 1926, are not convincing particularly because he does not seem to have had the Persian original of Awfi before him.

21. The earliest booklet that has come down to us is the short poem in Apabharamasha language by Abdul Rahman. It is named Sandesa Rasak.

22. Dr. A. K. Mazumdar writes in his book (Chalukiyas of Gujrat) "It was probably this Paramara pilferer of temples who destroyed the mosque and minarates as alleged by al Awfi, p. 147."

23. The writer's esteemed friend Dr. Z. A. Desai, has kindly sent the reprint of his very valuable and informative article entitled "*Muslims in the 13th century Gujrat as known from Arabic inscription*", and has also referred to the Annual Report of Indian Epigraphy, 1959-60, No. 95 which contains the text of the original inscription of Saad-b-Abu Sharf-al-Bammy who had constructed the mosque referred to by Awfi and is now preserved in Salwan Mohalla Mosque at Cambay in Kaira District. The date given is Moharram, 615-1218. This is the earliest extant Muslim epigraph in Gujrat which can be seen in Salwan Mosque. It belongs to the period when Bhima Dew, 1178-1240, ruled over Gujrat. It is in the time of Bhima that Subhadra or Subhata Verman, the Parmara ruler of Malwa, had invaded Gujrat in V.S. 1261-1234 A. D.

24. "Darin Shahr Tāifa-i-Mughān and "Jamaāt-i-Mughān Kāfirān rābarun dāshtand tā ba Musulmanān Harb kardand (Azamgarh Ms.) (Moghān-priests of fire worshippers).

25. The Bankipur, Azamgarh, and Kishunganj manuscripts have Pārsi or Pārsayān.

26. It might mean priest or elders of the Jainas who were powerful in Gujrat,

27. Other variations are Tarala, Nawala, Barala. The infamous Khusru Khan of the Khalji period belonged to the Baradau community as we learn from a couplet of Amir Khusru, but Baradau can not be Barala.

28. The Kishunganj Ms. has Sura or Saura and Bankipur Ms. spells it as Seoda. Dr. Z. A. Desai suggests that it might be Sheora, a term by which some of the Jainas were called in Gujrat.

29. Awfi has used this word in 3 places. Hodiwala has ignored it. Dr. Z. A. Desai thinks that it may have been the name of a coin minted at a place called Balotra which is situated in the Baramer District in the south-west Rajasthan, almost bordering

and valuable source of information available to us. Moreo the historical value of Jawami lies in the wealth of informati it furnishes us with about the social and cultural conditions, t modes of life of the various classes, high and low, their dre speech, manners and morals, in short the social life and t general condition of the time to which the various anecdo refer. There is no attempt at a gloss or distortion of facts.

14. In C. 15 B 4 he says that the normal period of a man's life, acc ding to astronomical and astrological calculations, does n exceed 120 years. Some say that longevity is due to heredi and there is also the influence of the planetary system and climate on man's existence.

15. Dr. Nizamuddin refers to it as a contemporary instai of monstrocity and says that the creature brought before Iltutm had the face of monkey and the mouth of a bear without t lower set of teeth and rest of the body like that of a human bei The word Monkey does not occur in the manuscripts consul by the present writer.

16. Al-Muntasir billah Abu Jafar-b-Az Zahir, the last but one the Abbasid caliphs (632-644).

17. It is for the biologists to say about the possibility or otherw regarding the impregnation of a human being and an animal a different genus.

18. Qutbnuma, (Persian,) or the 'mariners' compass was invent by the Chinese who had an instrument resembling a fish ma on mathematical principles. This was used by the Arabs in t first century A.H. for ascertaining the directions of the s Idrisi (549 or 1153) was the first Arab Geographer to mention in his book which has been referred to by Monsieur Leoban in h book on Arab civilisation. Maqrezi, in his Khitat-i-Misr (845-144 writes "the voyagers of Indian ocean, in dark nights when t star was not seen to be the guide for direction, used a th hollow or concave iron piece resembling a fish with somethi magnetic in its mouth. When thrown in the water, the fish turn towards the Antartic or south pole with its tale being towa the Arctic or the north pole (Gujarat ki Tamadduni Tarikh M. Abu Zafar Nadvi, Azamgarh 1962).

19. Awfi's account will, it is hoped, be read with great interest.

20. Several migrations took place at successive periods after the f exodus; 3 years since the first invasion, under caliph Omar first. The earliest immigration from Sanjan seems to have be in Cambay (Karaka's History of the Parsis P. I. 35).

The first comers in Khambhayat (probably in 1090) must have b

8. Awfi has frequently referred to, and drawn upon, this work which he had translated from Arabic into Persian.

9. Awfi has referred in Jawame to this which was probably a collection of Laudatory poems in praise of Ilututmish and his wazir, Junaidi, but it is now lost.

10. Dr. Nizamuddin has traced and commented upon 37 sources from which Awfi derived his anecdotes, specially those with uncertain titles, divergences and similarities of contents, slightly different versions of, or special emphasis laid on, certain points in the anecdotes to suit the chapter heading. These are very valuable and perhaps the best part of the Introduction.

11. In Fuad-ul-Fawad and Siyrul Auliya we are told that the Chisti saint wished several times to have the whole work translated for himself but owing to his straitened circumstances he could neither have a scribe nor the wherewithal for the task. Fortunately Hamid offered his services and began with one Dirham which the Saint could spare at the time for the paper. In course of time gratutious gifts came and the work was done to the great satisfaction of the saint.

12. Tarikh-i-Firoz Shahi. As regards Kabiruddin's fath-nama, this work has not come down to us.

13. Dr. Nizamuddin, while dilating on the merits of the voluminous and encyclopaedic work of Awfi points out its limitations also—"In his attempt to preserve the traditions of the past and communicate them faithfully he has ignored what passed around him and he abstained from giving contemporary history. Of first-hand material which would have been of immense value to us, there is practically nothing. Lack of dates in historical anecdotes is one of the serious defects of this collection. Besides this, the arbitrary arrangement of anecdotes and about the particular individuals in different chapters and under different headings without any chronological sequence or systematic design is a great hindrance to the utility of the work. In very few cases has al-Awfi challenged the authenticity of his materials. Hence some inconsistences and inaccuracies have crept into the anecdotes. While, on the whole, all this is true, there are many exceptions also. Many episodes extracted from the contemporary and authentic sources have undoubted foundations of facts." Historical anecdotes about the Umayyads and the Abbasids and some of the Ghaznawids have been furnished with dates, and he alone gives the exact chronology in regard to the final defeat deft and death of Qubacha. As regards the references to the contemporary events under the reign of Qubacha and Iltutmish, though meagre, they may be taken as an authentic

teachers see Dr. Nazamuddin's Introduction.

3. Lubab, Volume No. 2 P. 411. There is no definite eviden about the time he arrived in India. As regards conditions whi drove him from his homeland they were practically the sa which led to the migration of the historians, Hasan Nizami an Minhaj Siraj, the authors of Tajul Maasir and Tabaqt-i-Nasi respectively, and of so many others. In his preface to J. H Awfi has referred to the devastating activities of the Mongols i the Islamic lands and the comparative immunity enjoyed by thos who were in Indian regions.

4. Dr. Nizamuddin has quoted a long passage forming th subscription of a translated work, composed in 620, o Muhammad bin Umar b Muhammad Samarquandi, an intimat friend of Awfi; whom he met at Cambay. He was deputed by Qubacha as a newswriter of coastal regions of Gujrat and says, among other things, that "Qazi Imam Sadidul-Mulk-Waddin Wāiz-ul-Muluk-was-Salatin, Muhammad-Al-Awfi had taken his abode and had resided for some days at Kambayat (Combay) and I, the slave, had been his intimate friend." Dr. Hodiwala has justly critisised Dr. Nizamuddin's statement that Awfi was sent as Chief Judge at the behest of Qubacha to the recently acquired country of Gujrat and Naharwala as it was called and that Awfi was Judge of the place (Kambayat) in the province of Naharwala, a dependency of Malik Nasiruddin Qubacha on the irrefutable ground that Naharwa'a or Gujrat was an absolutely independent Hindu Kingdom up to 1298, and he has rightly pointed out that Awfi was sent as Chief Judge only to decide cases among the Musalmans who had resorted there for commerce and trade in the country which was still held firmly in the grasp of the Hindu kings. "His functions were like those of Consuls in our own time."

5. An event not recorded anywhere but mentioned by Awfi about the victory of the exalted Nasri standard against Badruddin Khokhar on the bank of the Jhelum (see infra).

6. In face of the numismatic evidence (see Thomas for the coins of the Balka) and Minhaj's silence about the parentage of the Bengal Usurpur, he can not be said to be either the son of or any near ralative of Husamuddin Iwaz as Raverty, Haigh and Nizamuddin would have us believe.

7. Awfi was also an adviser of Majdul Mulk Bahauddin Ali Ahmad Jamaji who had been a wazir of Tajuddin Yalduz in 612 and had espoused the cause of Qubacha against the claim of Iltutmish.

(Ke-tā). In double words when the second begins with the same letter as that at the end of the first, one of two such letters is dropped; e.g. 'Haijā' (Haich Jā) but 'Harroz' is everywhere written as Har-roz. Alif is always dropped in such words as 'Ibrāhim', 'Hārun', 'Isā' 'Mustafā', 'Wassalām', 'Alaihissalām', 'Abul Qāsim', 'Sulaimān'. Alif is also dropped from 'Azaishān', 'Ba, aishān' Ānast, 'Aqlimast', 'Kandar', (Ke-Andar). In old Ms., Hai (small or final) is as a rule found omitted in such compound words as 'Harche', Anj, Badinj' Darinj', the Jim standing for 'Che'. In our Ms. Ānje is more commonly used, but there are also 'Ānj', 'Darānj'. The letters 'Be' 'Jim' and 'Kāf' ' are written uniformly as in old Mss.; as 'Pe', 'Che', 'Ke' without dot, stroke or hook. 'Lākin', 'Kajun', 'Katu', 'Kaman', stand for 'Lā-Kin' and 'Kachun', 'Ke-tu, 'Ke-man'. Nabishtan is always written for Nawishtan, and we get 'Isfahsālar/for 'Sipahsālār'. Hamza is dropped over 'Ye' in such words as 'Ru-wai', 'Rehāyee', 'Su-wai', etc. 'Ān' occurs not only at the end of the names of the animal as 'Aspān'. Shutrān. 'Mishān', but also in other words as 'Dostgaan', 'Jolangān' 'Maulāgān',. We get also 'Ha' in 'Kasha' for persons. There is an uncommon use of oblique case 'Re' in several places. Except a few places where we get 'Hikāyat', there is more common use of 'Hikāyah'. 'Hayāt', is more frequently written with 'Wāve' instead of 'Te'. Hama is used for 'Mc' and there is much use of prefix 'bā' Āzarbāzgān is written for Āzarbāijan. 'Bawak', the Contracted form of 'buward' + 'Ke', has been used in a Rubai in chapter V Book I.

References

1. The author has mentioned himself in several places as Muhammad Awfi and has nowhere given his surname. Mustaufi, the author of Tarikh-i-Guzida, who came about a century after him called him Nuruddin and he has been followed by others, notably by Rieu, Elliot and Qazvini. But Muhammad Muin, in his book, published by Danish-i-Tehran, 1335, has discussed the questions of the name, parentage, antecedents, education and acquisitions, travels and itinerary, contemporaries and literary friends of Awfi in the light of Dr. Nizamuddin's thesis entitled Introduction to Jawāmiul Hikayat, published in London in 1929, in Gibbs Memorial series. The brief notice of Awfi given here is based on them and on the foreword of Qazvini toLubab-ul-Albab, edited by G. Browne.
2. Awfi has mentioned his ancester, Abdur Rahman b Awf, in C.14 b2. He has also referred to his grandfather without naming him whom he accompanied in a journey while he was still a child, and he gives the story of an Alawi Syed who had turned a new leaf in his life. He has also mentioned his first teacher, Ruknuddin Imamzada of Bukhara, who ran a Madrasa in Farchap. For other

textual content everywhere, its strikingly archaic forms and featu
in respect of spelling and other grammatical peculiarities, are such
to make it approach much nearer to any near-contemporary Ms. U
fortunately it is undated but the white thick stout paper, the b
cursive antique Naskh character, the fading ink, black, red and yello
the languisning gilt emblishments on each of the two opposite pa
of the last 3 Qisms, with the names of the book on the top and t
benedictory expressions on the prophet and his descendants at t
bottom, the gilded lettering and decorations mellowed by time fro
bright yellowish colour to brownish, and above all its archaic ortho
graphical peculiarities take this Ms. to the end of the 14th, or mo
properly to the beginning of the 15th century A. D. and to a lan
outside India, probably Iraq or Persia.

The large bound volume contains 466 folios, with 31 lines t
a page, and its size measuring is 12 X $8_{1}/^{2}$; $9_{1}/^{2}$ X $6_{1}/^{2}$. Folios I and
2 of the original Ms. were missing and have been replaced by ol
brownish and modern white paper written in different hands. Th
really antique Ms. begins with the table of contents, written alter
nately in a black red and yellow. and such alternation in it is t
be found throughout the whole Ms. which has been transcribed b
one and the same person. Unfortunately the scribe has been rathe
careless about dotting and diacritical marks and in regard to 'Marka
or bent part of the letter 'Kāf'. Maluk is written as Malul an
Halāk as Halāl, Tadāruk as Tadārul, Turkistan as Turlasan et
The scribe may have been a Persian of a time when Nastaliq ha
not come into vogue. Nastaliq character is said to have been invent
by Khawaja Ali Tabrizi, who was patronised by Tamarlane ar
flourished at the end of the 8th century A.H.

The orthographical and grammatical peculiarities of this M
are in accord with those found in the ancient Mss. especially the
transcribed outside India The Persians consider 'Dāl' 'Zāl' to
different sounds rather than two seperate letters. They usually wr
'Dāl' with a dot on it as 'Zāl'. In old Persian Mss., we get 'Z
for 'Dāl', when the letter preceding it is vocalised (Mutaharrik), a
when it is preceded by a long vowel as 'a' 'āā', 'Ū' 'Eg', Khozāwa
'Kheraz', 'Āyaz', 'Shawaz', 'Bāaz', 'Buz', Rawaz', etc. But when
preceding letter is quiescent (Sākin), it is written without dot
'Āyand', 'Budand', 'Shawand', 'Rawand', etc. This and some ot
archaic forms, given below, were prevalent till the and of the
century A. H. The old Persian Mss. were devoid of 'Keh' and
get therein 'Ki', and 'Kai', 'instead. In the Ms. before us there
consistent use of 'Ki', and 'Kai', for 'Kah', but the compound wo
such as 'Chunāke', 'Badānke', 'Ānke', Harke' etc. end in '*Kāf*' inst
of '*He*' (final or small). such 'Hai' is generally dropped with 'C
and 'Ke' when joined in compounds as 'Kachun' ('Ke-Chun') K

ky in his court remains in attendance like a Hindu serving
Darban' (gatekeeper). The minaret like a living creature is
ng in the presence of that king because it has the honour
forming his orders. It has been awarded its robe of honour.

VI

efore we conclude this first instalment of the paper on Awfi's
ental work, it would be worthwhile to notice, very briefly,
manuscripts which have been consulted. Of these, the two
re incomplete and without striking features need not detain
of them, recently acquired for Bankipur O. P. L., is written
ern good Nastaliq character, but it contains only some selective
s of the first Chapter of Book I. The Kishunganj (Purnea),
rowed last year from Mr. Akmal Yazdani is older, has the
ction of the work, but covers only the 12 Chapters of the
Of the two complete copies, the large-sized volume of
rh belonging to Darul Musannifin, kindly lent out two years
along with Dr. Nizamuddin's Introduction, by the writer's
d friend, Maulana Sabāhuddin Abdur Rahmān, comprises
os with 31 lines to a page. The colophon is devoid of the
transcription but it gives the name of the original owner.
l pieces including the introductory observations on Caliphate
mate of Chapter 5 of Book I are missing, though there is a
pagination provided by some one. Unfortunately an important
ncerning a current unrecorded event relating to Badruddin Tiry-
Khokhar which occurs in this portion is not available to us for
n. The Ms. appears to have been written in small legible Nastaliq
al scribes who may have distributed different portions amongst
ves for transcription. They all appear to have been well-read men
e mature in their profession The ink is losing its old bright-black
and the paper has become brittle. The manuscript is somewhat
d, but one with slight efforts can get what one wants from the
aten portions. The scribe or scribes appear to have left-out a
rds and expressions here and there. There are slight deviations
at are found in other texts, but the arrangement and the contents
ond, on the whole, with what are found in the good and old
r manuscript and the very many manuscripts which Dr.
ldin consulted. Barring a few places in which Bābs and Qisms
ew Hikayats are given in rubric, there is nothing in the major
of the Ms. except a little space in between to distinguish the
g from the succeeding anecdotes. As regards the substance
ants do not make much material change and are not such as
ct from the value of the Ms.

w we come to the catalogued Ms. of the Bankipur Khodabaksh
which is not only of very respectable antiquity but is also the
xtual representation of the ancient compilation. Its list of chapter
, the divisions and arrangements of the respective 100 anecdotes
bs in each of 4 Qisms, its fairly good, though not wholly correct

good faith in the principles of Islam, that the sound of the pr
call (Azan) should reach the ears of all the creatures, he fixed
size and the lofty height of the monument and, consequently
wise engineers, in accordance with the royal command, constru
Minar which was so to say an Alif " (الف) written on the
of the mosque. and the arches of the mosque were given a c
shape like that of a Noon (ن). and thus they are like Alif
Noon respectively, indicating 'Ān' (dignity). Who else possess
beauty that belongs to you ? Let the evil eye be at a distance
whatever you possess. I wonder how the great traditional sayi
the prophet emanates from the mouth that you possess, that is
the call for the prayer, 'God is great (Allah-o-Akbar)' comes out
your tongueless mouth and it reaches the ears of so many creat
You might say that the Minar has got the attributes of the 'M
qimān' (the righteous ones standing erect in prayer) who when
hear the remembrance (zikr) of their Friend (God) their hearts w
up as the Quran says that whenever the names, attributes and pr
of God are repeated, the heart begins to beat. Moreover, the sp
twist or coil (Paich) which is the heart of the Minar is evide
due to the fear or restlessness of the mind (Tāāb-t-zamir) (i.e.
twist in the heart of the Minar here refers to the spiral stairs lead
to the top) giving occasion for suspicion that the Minar has
the manner of the hypocrites for its exterior is erect and strai
while inwardly it is crooked (Kaz—has steep bands or curvatu
The Minar may be likened to a brook or rivulet which is continuou
flowing into waters of the benevolence of God's name and attribu
and the Canon Law of Mustafa remains the water of face-lustre th
from. (The Minar is compared with water so that Aufi could
that Islam received 'Ab-i-Ru' from it.) It has been constructed w
the help and under the patronage of and due to the exalted mag
nimity of the king of the world, the Khusraw of the age, wo
taker and law-giver till eternity. Inevitably the mercury pours fo
its eulogium on the king of the world from the sixth vault of
heaven (for the edifice constructed by the king). Verse:-

Praise be to the king, great as the first Mehdi and powe
as Alexander II who through the grace of God could erect suc
strong structure as will remain for ever like a strong fortres
Islam. He has constructed a Kāaba in India whose beauty is pra
perpetually with heart and soul by his friends (Like Ibrahim Kh
lullah). This heavenly prototype of Kaaba became a place
circumambulation of angels when by the grace of God the
became the builder of ths Kaaba. Its eye-brows are curved an
always dyed with (Vasma) so that the sky may kiss the threshold
its forehead. It is sitting cross-legged in a quartern form lik
king, with a golden crown on its head. Five times e
night and day, it plays the musical band at the palace
the (Divine) Sultan. The planet of Saturn on the 7th heaven and

establishment of the holy inmates of the world above and also Minaret which is higher than the vault of heaven. Quite in keeping the noble and lofty attainments of the king of the world, its dation is as sound as the Judgement of King, as spacious as pen (generous) hand, as noble and lofty as his disposition, and ight and illuminating as his face. Verse:-

"From whatever door the pilgrim enters the mosque, the Lord for him a hundred other doors."

The whole of the courtyard and the flooring of the mosque is of white marble and the arches also have been constructed of n such a manner as to baffle the imagination. The vault ven hides its face behind clouds and is filled with shame on it. Its courtyard is as beautiful as the face of a bride with ed eyebrows. Perpetual pleasures and comfort pledge their its porticos (Rawāq).

nd by its side, he constructed the Minār, the loftiness of eggars description. You might say that a lofty cypress has its head (has grown) in the flower garden and verily all are meant for God. The elegant edifice of the mosque is an f all the pious and the devout ones and the tower (Burj) ted in it is like a cypress tree from the top of which ned nightingales of the prayer hall sing at dawn the hymns glory of God and the loud chanting of God's name descend it which emanate from the priests of the fire worshippers). The tower has a lofty stature but is devoid of hands It is one which raises its head aloft but is hollow-hearted. interesting as 'Tehidil' refers to the interior of the Minar steps are made). It is vociferous (long tongued); it has one it many teeth. It is a rare structure for with all its loftiness, feet (base) and still it has a mouth (opening or door), so difficult for the pen to describe how it is standing on Even if it does not have any board or tablet, its base- ursi) is higher than the highest of heaven (Arsh). If it is ive then why are the rings in its ears, and if it is a free- why have the written documents (inscriptions) been put neck like an amulet (contract of servitude)? If it is not a why has a girdle been thrown round its waist, and if it then why has its auspicious crown (pinnacle) been covered shion of an inkpot? It has kept itself erect like a kulah- wearer) but it can reach its girdle buckled round the waist are attached the declarations of God's name. It is of high nd of lofty stature for it is constantly engaged (absorbed) ork of providing the call for prayers of God's creatures.

the triumphing judgement of the king suggested, due to his

country is like a barren woman and father's brothers and become antagonistic to one another for rank and position. W they were convinced that so long as General Abul Abbas was mischief would continue, they decided to follow the exampl Commander of the faithful, Jafar-al-Mansur, who owed muc Abu Muslim and overthrew him as in spite of his best serv his existence was found to be prejudicial to the interests of state. When they decided to dispose of Abul Abbas they called When he was standing before the throne a soldier getting the came from behind the general and with one stroke of his sw severed his head. I have heard from an elderly man that when wound was inflicted and the head was severed the general just raised his hands and drawn his dagger a little but he fell do His murder gave rest and peace to the country. His sons, howe were taken care of and brought up, and the services of his fa were not allowed to go in vain. There is no doubt that kings and sovereignty can notbe established without violent punishment.

Chapter 18, Book 4, which is devoted to monuments, opens w the remark that the best legacies which are handed down by ancient people are the grand and lofty buildings which perpetu their names and vestiges. After dilating on the utility of antiquit and giving brief accounts of the remarkable monuments erected Shaddad, Zulcarnain, Alexander, Naushervan, Persians and Egyptia Awfi gives an interesting information that along with the engine of Syria and Iraq those of Hindustan also helped Abu Jaf Mansur in laying the foundation of the famous city of Baghd which was begun in 145 A. H. and was almost completed in years by 150 A. H. with 3000 men working daily in its constructio More important than all this is the account of the mosque a the Minar begun by and named after Qutubuddin Aibak, b completed by Iltutmish in the old capital of Delhi. An attem has been made here to give the literal translation of the releva passage, embodying the impressions of the first and the onl contemporary writer of these remarkable historic edifices:-

"Praise be to God that in this last of the age the Creator of th worlds has extended His grace and guidance to the Sultan of Sultans the shadow of God on the world, the helper of the creatures o God, the protector of the laws of God, the supporter of the Caliph o God, Shamsuddunya waddin, the liberator of the realms of th world, the propagator of the words of God, the refuge-giver to the men of faith, the heir to the kingdom of Soloman, the lord of seal and signet, Abul Muzaffar-as-Sultan Iltutmish, May God make his helpers more powerful and respectable and double his authority and domination! In the imperial metropolis of Delhi which is a sort of Kaaba for the perambulation of the nobles, and the gentry and the source of the pure water of favour, he has constructed the mosque which is like

:oker (Khokhar) which is one of the leading victories
It so happened that when the imperial Nagri stand-
l at the propitious time of dawn with good fortune
ard both on the right and the left under the escort
tection with the view to effecting the liberation of the
ehi (Lobbi), the land of Kumar (Kubar) became full
with the hooks of swift-footed horses and through
the royal disposition became the envy of the black-
of the paradise and of the Tartary. Badruddin, the
was known to be possessed of plenty of wealth and
ibundant number of followers. But when he realised
had no way out but to disappear before the sun,
urse to flight and crossed over to the other side of
ver. The great king issued a Farman for building a
ats over the river so that the royal troops passed
ipposite bank (in pursuit of the fugitive). Badruddin
vished that after flight he would be beyond the reach
irmy, but when he heard that the bridge had been
order he lost his heart and exclaimed ! Verses: "I let
e down by cheeks. I made haste for running away,
was built and that bridge belonged (stood on) to the
is in my possession. But from the other side of the
is at last come out." Accordingly like Job he sought
of the king and the royal order was issued in his favour
llant attitude of the auspicious king. Besides wealth
swordsmen were declared to be ready to resign
his hands. It is thus that the great ones do their
ought to do and it is in this way that God manifests

'e very few contemporary or near contemporary events
wfi, one anecdote which is about the 3 sons of the
of Ghor may be given here. Awfi writes in Chap-
It has been related about the reign of Sultan
Waddin and Muizuddunya waddin that after the
ultan Saifuddin, the Commandar-in-Chief, Abul Abbas,
establish the power and authority of the 2 kings.
te came into being, due to his devoted efforts, and
nly established, then Abul Abbas wanted to keep
t rulers and as a screen for the usurpation of all
ngdom by himself so that he might do what he
e looked at the influence of their power and autho-
that they would try their utmost to preserve that
nd, therefore, he contacted their uncle; Fakhrud
He sent letters to him and to his sons and requested
When the kings got scent of these activities they
elderly people, and all said unanimously that a

prison by the Qazi. The owner of the slave girl wrote about the affair to the benign Sultan and disclosed everything. The king ordered that the price money of that slave girl should be paid out of the state treasury and that the scholar (Dānishmand) should be taken out of the prison. But for the sake of ending such iniquity an wickedness and preventing such fraud and deceit he ordered that the man should serve in the royal kitchen as a water-carrier for one year. That searcher after knowledge with leather bag hanging round his neck used to carry water. But only a week had elapsed when the auspicious sight of the Sultan fell on that theological lawyer (Faqih) and he ordered that he should be set at liberty and given a rich robe. That Faqih gained his ends and objects by virtue of the rewards of his (Sultan's) beneficence.

In Chapter V, book I Awfi after giving an account of the campaigns of Khalid-b-walid against Uballa in the reign of Ard Sher tells us of a historical event upon which historians are silent. The language is very confusing and the date and facts of the events recorded are not easily ascertainable. The Azamgarh Ms. does not have it as some pages including this portion are missing from it. The use of word 'Nāsri' shows that the campaign against Badruddin Khokhar was led by Qubacha at a time when Awfi was in his court and was writing the account of the Persian conquests by Khalid bin Walid in his book. Iltutmish fought with Qutbuddin Aibak and Shihabuddin in campaigns against the Khokhars in 602, but Awfi at that time was somewhere in Persia or Khorasan. Chronologically Rāyaāt (Banners)-i-Nāsri would fit in more with that of Prince Nasriduddin Mahmud to whom, according to the author of Tājul Maāsir, the Government of Lahor was committed in 614-1517. Was he the 'Wāris-i-Iqbāl' referred to by Awfi ? We do not know when the prince imperial was sent to Awadh from whence he marched with Malik Jani, the ousted governor of Bihar, against Husamuddin Iwaz of Bengal in 624-1227. As regards the name of the Khokhar Chief, Farishta and others tell us that many of the Khokhars had accepted Islam in the time of Muizzuddin Bin Sām. It is difficult to take Tirayābal in our Ms. as a distortion or misreading of Tirhiah, the name of a Trans-Indus tribe mentioned by Kamil Ibn-i-Asir and Farishta. Another difficulty lies in the two geographical names which occur in the Ms. We may, however, place our reading of the important piece before the readers for what it is worth.

As a proof of his assertion that God in every age has glorified the faith of Islam through the power and Majesty of the King, Awfi has related the following event:—

When the Jockey of the glorious stead of my pen was running at full speed at the time of writing this account on the plain of white paper and just when it had reached the doors of the gate of the Persian conquest (of Khalid-b-Walid) suddenly the auspicious heir (apparent) came in and gave the glad tidings of the

ing and killing him in 624-1226, but he suddenly fell ill and died after ruling in Lakhnauti for about a year and a half. This gave an opportunity to one described variously as Malik Ikhtiyaruddin Balka Khalji or Daulat Shah Balka to establish himself in Bengal as an independent ruler till he was defeated, captured, and decapitated by Iltutmish in the beginning of 628/Nov. 1230. But the identity of the man who had usurped the throne of Bengal for about 18 months has become an object of controversy and nobody has said clearly anything about the circumstances of Mahmud's death. Some say that Daulat Shah was the son or relation of Husamuddin Iwaz. According to Awfi the premature death of the Prince was due to Divine decree and it afforded an opportunity to Daulat Shah to forget all that he owed to him and his imperial father and he carved out an independent principality for himself in Bengal. Minhaj calls him at one place (Tabaqat-i-Nasiri, printed, p. 163) Ikhtiyaruddin Balka, and at another names him (p. 174) Balka Malik Khalji. In the list of Iltutmish's Maliks, Minhaj mentions him as Malik Kizil Khan Daulat Shah Khalji, Malik-i-Lakhnauti p. 177), and he says nowhere that he was a son of Iwaz. This is practically substantiated by Awfi who says that due to the favours of the imperial house he had risen from the lowest to the highest position and he was guilty of ingratitude when in defiance of the imperial authority he assumed independence in Gaur and Lakhnauti, caused the Khutba to be recited in his name, and even dared to face the imperial force. He must have risen to a high office in the service of Prince Nasiruddin Mahmud whose sudden death left a void which he filled up in Bengal, assuming the regal name and title on his coins as Alauddin Daulat Shah bin Maudud. but acknowledging the suzerainty of Iltutmish by retaining his name. That he was easily overthrown shows that the usurper had not gained the affection and support of the Amirs of Bengal with whom Iwaz had been so immensely popular. This Daulat Shah could not have been a son of Iwaz but a Delhi Amir and a former protege of the emperor or his eldest son who had imposed himself on the frustrated nobles of Bengal.

A less important affair, but an anecdote of contemporary interest, and based on his personal knowledge, has been given by Awfi in Chapter 9, Book I. After relating the story of Atābak Zangi, a king of Persia, and the patron of the celebrated Saadi Shirāzi, and the exemplary punishment he meted out to a certain penniless person who had obtained a slave girl by practising a ruse on the slave dealer and had been imprisoned by the order of the Qāzi, "the compiler, Muhammad Awfi" says that "a similar incident happened during the time of the generous hearted Sultan Qutbudduniya Waddin (Aibak)". There was a scholar who was called Sharaf and I, the author (Da'i) had seen him. He too had shown an inclination to practise such a deception. By such a stratagem he had posed himself to be the purchaser of a slave girl and allowed himself to be put in the

of Sultan Altemsh, (Iltutmish) who was without a compeer and was unrivalled. He was a fragrant flower in the garden of existence and like the flowers he had a very short duration of life. He obeyed the call of the most holy God. May God's blessing be yours I have seen such a freedom-loving generous-hearted prince whose ambitious programme remained unfulfilled. May the king of the world, saheb Qiran, together with that of his kingdom and conquests prove to be durable.! If a star falls down from the constellation of the kingdom, from the sphere many other stars will arise to replace it.

As for Daulat Shah, ingratitude and ambition for state and dominion moved and induced him to assume absolute and arbitrary powers.. Becoming despotic and aiming at perpetuity and power he made himself. master of the extensive dominion of Gaur and Lakhnauti. He thought that chieftainship is a facile affair working easily but he could not distinguish between 'be' and 'don't be; and failed to realise that leadership has many ills or evills. He raised the standard of oppression, lit the fire of sedition, caused the khutba to be read in his name, and appropriated to himself the title of the Sultan, unsheathed the sword of tyranny, and unjustly killed one thousand scholarly people for the sake of perpetuating his false authority and dominion. When the powerful and absolute monarch, the shadow of the mercy of the creator, resolved to put out that fire, he ordered his victorious army to proceed towards that side by land and sea and himself marched in that direction under the shade of the victorious canopy, and with the prospect of good fortune and success. When the royal standard arrived in that region that unlucky contemned person was seized with a despicable feeling and on account of the resources that he possessed which were the result of his despotism or insistence on the thing being done he became so proud and arrogant as to be ready to face him. But before the light of the rays of the sun of his Imperial Majesty, the Shadow of God, could fall on the ungrateful wretch, on account of the splendour of the swords of the servants of the state he fell like shadow on the dust and as soon as the lion-like soldiers of the victorious army made their move he became sleepy like a rabbit. The head of Daulat Shah fell like a polo ball and he perished on account of the good fortune (Daulat) of the king. Every heart which harbours evil designs against the king becomes despised and despaired of his head and life like Daulat Shah. The head on the body looks up for dominion and is deprived of the body and becomes the dust of the world. The victory which was an outstanding event of the time was also due to the problem-solving advice of Khawaja Jahan. the Dastur of Saheb Qiran.

Our standard historians tell us that Prince Nasiruddin Mahmud, the eldest son of Iltutmish and the governor of Awadh, overthrew the 14 years' rule of Ghiyasuddin or Husamuddin Iwaz Khalji by defea-

1st of Rabi I, 625, against Qubacha, having sent in advance his forces led by Izzuddin Sālāri and Nasiruddin Aitmar and subsequently despatched his Wazir al-Junaidi for the capture of the island fort of Bhakkar to which Qubacha had withdrawn, having already sent his treasure and forces from Uchch. We are not told how and within what time Iltutmish made himself master of Uchch. It was on the 10th of Rabi I that the Delhi forces reached Bhakkar. Soon preparations began to be made under the direction of the Wazir to assault the fort but it could not be delivered immediately. A part of the wazirs' forces sailed in large vessels, dropped down on water, and encamped on the plain dry land near Lohri (Rohri) river. The fortified enclosure of Bhakkar (Hisar) was encircled and the assault was successfully made on Monday, 2nd Jāmadi. I, 625,. Qubacha had been compelled to retire to the inner fort (Qila). It was a bloodless coup. Qubacha sent envoys to mediate and offered to send his treasure and also his son as a hostage. But his successful rival insisted on his personal surrender, Preferring death to dishonour he committed suicide by drowning in the night of Thursday, 19th Jamadi II, 625 or 26th May, 1228 i.e. 17 days after the first investment and about II days less than 4 months after the arrival of Iltutmish at Uchch.

Anothor event of historical importance given by Awfi in Ch. 19BK. 3 on the basis of what he learnt from those who were looked upon respectfully and revered above others and which happened during the reign of Iltutmish relates to the affairs of "the traitorous refractory rebel Daulat Shah, the mean-minded ungrateful Wretch". The account is as follows:- As the tailor of imperial favours had sewn the garment of upbringing and education (Tarbiat) longer than what his stature warranted, he raised the dust of mirth and enjoyment and as the royal benevolence had planted the sapling of benefits on the salty earth of mean disposition it did not bear any fruit except that of ungratefulness. As Firdausi Tusi-may God's mercy be upon him! has said" If you nourish the offspring of a lion, when it will have its sharp teeth, you will have to bear the consequences thereof. When after a time it's claws are grown it will attack its cherisher. "The black hearted black faced reprobate Daulat Shah. was puffed up with the noise of his breakable and ignoble prosperity which was due to his Majesty. On account of the distillation of the royal favours he rose from the lowest extremity of obscurity to the summit of approbation and from the lowest he attained the highest position and when he who at first was not accepted as worthy of maintaining even one horse became a hero and champion through the benevolent glance of the lord paramount, and he became possessed of/power and authority to issue -and enforce commands, the devil found a lodgement in his head. The sphere like Ad (ancient sinful Arab tribe) displayed its accustomed faithlessness and owing to its lack of manliness made the throne of the state empty of the incomparable personality of the prince. Imperial Malik-us-Sharq Nasir-ul-Haq Waddin, the son of the Sultan

did not remember the Quranic command "Donot indulge in your destruction with your own hands. "Early in the night of 19th of Jamadi II (26th May 1228) which was the last day of his life he came to the bank of the river and addressing the emperor in his imagination he uttered this verse:—"If your gain lies in harm to one like me-let all my marks and traces be effaced by the Time. I don't like that the hands like yours should be stained with the blood of one like me". So saying he cast himself in the water and put a period to his existence. The fire of his prosperity was extinguished without painful work of killing on account of the good fortune of his lordship, Nizamul Mulk. The whole of an extensive dominion came into the possession of the servants of His imperial Majesty.

During all this time I, the compiler of this collection, was lying besieged in that fortification. Sometime before this Malik Nasiruddin had set to me the task of collecting and compiling this Hikāyat (narrative anecdotes). But before the turrets could be strengthened the notched parapet of the citadel of Nasiri's life and fortune had been shaken and and had been brought down by the earthquake of dissolution, and this compilation remained disarranged and unsystematised. One night when I felt strongly inclined towards its completion the good fortune of Saheb Qiran and of the Asaf of the Soloman of the age dinned into my ears that there were many advantages in bringing this book to its final stage and form a survey of the deeds of those who have passed away. The events and occurrences relating to the events tend to produce confidence. Augmented experiences serve as a stock of trade and livelihood and give solace in griefs and afflictions and enliven and gladden the unhappy and the sorrowful ones. Through the hints given by that sun of the sky of dignity I gathered the scattered jewels of anecdotes and the pearls of traditions and knit them into a necklace. I made such a string of pearls as might suit or befit the excellent collar of Sultanul Wuzara Nizamul Mulk etc.

Before passing to other important topics it would be better to consider here very briefly the main facts and events which Awfi has given in a highly involved and verbose language. The destructive activities of the Mongols in Islamic lands during the Caliphate of an Nasir who died in 622 has been referred to here and also in Lubāb-ul-albāb. But Awfi does not say anything about the appearance of the Mongols in Upper Sindh and about Qubacha being besieged by them in Multan for more than a month in 621, nor does he refer to Iltutmish ousting his rival and Ham Zulf (Sārhu or wife's sister's husband) Qubacha from Lahore and compelling him to remain content for the time being with Multan, Uch and Sindh. Both of them did their best to afford protection to Muslim refugees fleeing from Mongol oppression. As regards the events leading to the fall of Qubacha we are told that Iltutmish made the move on

In an auspicious hour the fully epuipped choicest troops of Nizamul Mulk made their advance. Fifty boats filled with fully armed veteran warriors proceeded on the 10th of Rabi' 1,625, on that river and arrived at the entrance of the island fort of Bhakkar. They encamped on the bank of the Lohri (Rohri or Sakar river) which is on one side of Bhakkar. The Asafi Nizamul Mulki order was issued that experienced warriors should arrange all their boats in such a manner as to surround the fort from all sides like a circle. At that time owing to the intensive heat of the air the waters of the Panj-ab were in a tidal condition and the situation did not permit an immediate delivery of the assault. Both sides were, however, engaged in making their efforts on the shores of the Panj-ab the water whereof was agitated like the besieged inmates of the fort.

Early in the morning of Monday the 2nd of Jamadi 1,625, the boats were put in motion. By the orders of the excellent companion (Wazir) of Saheb Qiran the Maliks, Omrahs, and generals arranged their forces and the veteran warriors moved their boats towards the fortified enclosure (Hisar) the inmates whereof were taken aback and felt confounded on seeing their fury and impetuousity. The sailors carried their vessels near the plain on the edge of the fortified enclosure and the warriors dropping down on the waters set their foot on the dry land. When the men who had been deputed to guard the fortified enclosure saw such a daring venture they thought that their safety lay in flight, and surrendered. Malik Nasiruddin being thus outwitted and routed turned his face towards the inner fort (Qila) and entered it. The victorious troops immediately surrounded the Hisar and took it without doing any harm to or wounding a single person. His lordship Khawaja Jahan (Wazir) got into the Hisar and proclaimed a general amnesty for life and property of the Musulmans. Due to his good faith and perfect compassion the female part of the Muslim families remained completely immune from all mischiefs and none dared shed the blood of any of them. Thousands of men and women who had been besieged within the fortified enclosure and who felt grieved and were terrorstricken, apprehending wholesale massacre, imprisonment and plunder, and who even deserved exemplary punishment, were overjoyed on seeing this clemency, and they opened their lips in prayers for the perpetual prosperity of his lordship. They gave the name of 'Jan Bakhsh' (Life giver) to Khwaja Jahan.

When Malik Nasiruddin had retired with something like fifty of his chosen adherents to the Qila (inner fort) he sent some advocates and mediators to intercede for him. He wanted to make his wealth and his son as a shield against the arrow shot of death and consequently he sent out his son and treasure. But when the exalted command was issued that he should himself hasten to the presence he lost all selfconfidence and preferred death to life. He

rendered void and destitute of the ornaments of Friday prayers and the custom of reciting the Khutba, and so many thousands of populous regions have been made completely empty of their inhabitants the people of these regions are having their peaceful sleep in the cradle of comfort and are at ease on the carpet of peace and tranquillity. All this is due to the good management of Khawaja Jahan the Dastur of Saheb Qirān.

Although the manifold activities of the great Wazir are beyond description yet one of the great deeds worth mentioning is the conquest of the fort of Bhakkar which has no imaginable parallel.

The Divine decree had created a hill in the midst of the Panjab sea and human device had built a fort on the top of this hill to which there was no access except through boats. Big boulders of stone were lying here and there under water so that it was impossible for inexperienced sailors to ply their vessels in that direction. It was on the 1st of Rabi 1,625, that the king of the world.........
.........was moved by the just feeling of retaliation which is inherent in man and he resolved to blot out completely all the sources of mischiefs of Malik Nasiruddin Qubacha-May God pardon him!. He was determined to mete out to him a requital for all the breach of faith and agreement of which he had been guilty. On the 1st of Rabi I the imperial standard arrived and shed its lustrous justice on the confines of the realm of Uchch. Malik Nasiruddin Qubacha-may the mercy of God be for him! had already taken the precautionary measures and had sent away the whole of his troops and retinue, goods and household furniture in boats under the guard of experienced men. When the sun of imperial dignity cast its blazing rays on that region, Malik Nasiruddin like a shadow fell on the dust of helplessness and put his head on the water (found his position unstable). Boats were made to sail on the water of the five rivers-Panjab-and when he arrived at the island-fort of Bhakkar he took refuge in that strong place. He did not realise that firmness and stability of the fortress was of no avail before the might and splendour of Nizamul Mulk.

When Malik Nasiruddin took up his headquarters in the island-fort of Bhakkar, royal order was issued to Maliks and Amirs to pursue him and invest that fort from two sides of the Panjab. Malikul Umara Izzuddin Salari the Barbak proceeded at the head of his veteran warriors and on the side of Barsana (?) the great amir and commander Malikul Umara Nasiruddin Aitmar (Taimur) advanced with his forces and encamped in front of the valley of the hills. As there was no room or posibility of an open engagement or of mining or digging through the walls and yet the royal resolve was firmly bent on the liberation of that strong fort, command was issued to Khawaja Jahan, the Dastur of Saheb Qiran to turn his own attention and proceed himself towards that side.

of faith to be proper for him. God the most high made him suffer from retribution. By the sufficiently effective measures taken and firmness and constancy shown by Khawaja Jahan the Dastur (Wazir) of Saheb Qiran, Nizamul Mulk Muhammad Bin Abi Saad-al-Junaidi ....the fire of his prosperity was finally extinguished in the fort of Bhakkar and he cast himself in the depth of the water. The illustrious action of the lord of the world was recorded in the register of times."

Elsewhere, in Chap—14 BK. 3 he writes:—"As regards the things which have been witnessed (by me) during the illustrious reign, conducive to justice and benevolence, peace and equitable transactions of the world taking angelic Sultan Shamsuddunya Waddin Iltutmish the most important is the liberation of Bhakkar by his lordship, Khawaja Jahan Nizamul Mulk Qiwāmuddaulat Waddin Muhammad bin Abi Saad-al-Junaidi...—........When this happened and Malik Nasiruddin becoming panicky and terror-stricken let his kingdom be lost and laid waste and gave himself up to water, an account of which has been exhaustively given in the preface, a body of people were lying besieged in that fortification. A considerable amount of money and a large wealth belonging to the Nasiri treasury had come to their hands in the form of salaries to troops, gifts and gratuities. When their work came to a standstill and the fire of his (Nasiri) State and prosperity was put out those people felt greatly apprehensive that they might possibly be called upon to restore or refund their riches. But the favour of Khawaja Jahan did not allow him to take any such step and there was no room in his conscience for any such idea. All of them were treated kindly and humanely, and they were even granted robes on behalf of the generous-hearted Sahib Qirān.

The historical portion of the preface, shorn of its unnecessary verbiage is as follows:- May God be praised that He has placed all the affairs of the creations under the absolute control of the great Sultan .... Abul Mnzaffar Iltutmish, the supporter of the Commander of the faithful .... and has caused the shadow of his majesty to spread over those who are stricken with calamities. Due to the watchful Government, excellent administration of justice, and awe-inspiring majesty of this virtuous, religious minded Sultan, a large body of Mussalmans sought refuge in his court from the violent swords of the infidel Tātārs, the destroyers of realms and climes and the hellish tormentors of the servants of God. By the grace of God the protection and support of this Alexander-like sovereign has proved a barrier against the onrush of the mischievous Gogs. During this time when several of the populous realms of Islam have been laid waste and devastated by their sharp swords and so many thousands of mosques and pulpits have been

In Chap. 5 Bk I Awfi gives us a contemporary account relatin to the diplomatic relations of Sultan Iltutmish with the Abbasi Caliphate of Baghdad and his investiture in 626 by the then Caliph, A Mustansir Billah Abu Jafar bin Azzahir Billah Abu Mansur Muhammad There is a reference in it to the good points in the Caliph's character Mustansir, the 36th and the last but one Caliph, succeeded his father in 623, reigned for 7 years, and died in 640 He was a good ruler who set up many guest houses, madrasas, libraries etc. Awfi writes "When the caliphate became adorned by the commander of the Faithful, A Mustansir billah, and he had the authority to issue commands and prohibitions in the land of Islam, he ordered that all the charitable deeds which his father, Azzahir, had done during the period of his caliphate should be continued as before and even added to. An indication of his excessive elegance and magnificence lies in this that the most sacred and exalted God extended His grace to the king of the world, Sultan Shamsudunya Waddin Abul Muzaffar Iltutmish; the helper of the commander of the Faithful (may his kingdom be perpetuated) and he attached himself to him through the cord of loyalty and placed himself in the grip of his friendship. He sent gifts and presents to the exalted court of the Caliph. None of the Caliphs in history had shown such felicitious regards to the kings and none had sent so many rare things from Hindustan to Baghdad. Owing to this affinity, from the noble court of the caliph came standard, ring, a long Vest, a special turban, and saddled camels, Arabian horses and other robes of honour for the king, nobles and princes, and this remains the proud privilege of this royal family.

Besides the first hand account of the defeat and death of Nasiruddin Qubacha at the hands of the Wazir of Iltutmish which Awfi gives us in a highly ornate and inflated style in the preface, one very striking thing is his reference to his former patron in an uncomplimentary language, in Ch. 10 BK. 3, which has for its heading Condemnation of kufran-i-Niamat "(ungratefulness for past favours or benefits) and of those who were struck with misfortune owing to their own actions". He writes "Among the base qualities and despisable dispositions there is nothing worse than ingratitude for the favours received in the past. Whoever breaks his engagements becomes accursed in the eyes of the sacred and exalted creator. The example of Malik Nasiruddiu Qubacha-may God pardon his sins! furnished a test case of untrustworthiness for all the kings because several times he took solemn oaths and pledged himself heart and soul to serve and remain loyal to, and united in words and deeds with, the Sultan of the age, shamsuddunya Waddin Iltutmish, and he solemnly promised that the birds of his designs would never drink out of the reservoir of perfidy and the phoenix of his resolution could never resort to fraud and subterfuge. But, eventually, he did contrary to all these solemn asseverations and deemed breach

Bakr, the Nazim-ul-Juyush (administrator of troops) who was endowed with patience, modesty, and loyalty, was an inspirer of awe and fear, and was of very high lineage. When this representative of the great Sadr arrived in the place he realised that the Qazi would be a bad dispenser of (justice) and his accusations were nothing but falsehood and calumny, Imadul-Mulk said that in no case he would give the post of the Qazi to that man. He turned him back and sent him to Khwajah-i-Jahan (the wazir) who presented him before His Majesty and stated the whole case disclosing the falsehood committeed by Jamal Tarsā. The Firman was issued that the Qazi, along with his teacher, Jamāl Tarsā, should be mounted on the Shutrān-i-Ghurgin or Scabby camels, treated severely and Paraded throughout the bazars of Dehli, the capital city, and it should be noised abroad that whoever would be guilty of falsehood and misrepresentation would be similarly paraded in one or the other cities of Hindustan. This order was enforced. It was because of graceful favours and excellent management of Sahib Qiran, the solomon of the age, and Nizam-ul-Mulk Qiwamuddin, the wazir, that in their time, due to their justice, the calumniators and tale-bearers, who like double-tongued serpents poured the poison on others have been rendered like fish out of water and have drawn their head backward (feel abashed) like porcupine.

Another affair of a different nature has been recorded in chap. 24 BK. 2. "The compiler of this book is going to relate what has happened and what has come under his observation during the reign of the king of the world, Shamsuddunya Waddin Sultan of Sultans, Iltutmish... and that is this. When it was reported to his Majesty that Alam who held the office of Isfahsalari (Chief-command) and was a brother of Qazi-ul-Qazzat (Chief Justice) Saaduddin turned out a counterfeit coin and interfered with the currency system by his mixing measures, the king thought it advisable to order for a thorough enquiry and investigation of the whole affair. After a searching enquiry and investigation some seals of others were discovered from beneath the lining of a garment (Betana) worn by a man and this was placed before his Majesty. It took a good deal of time for the Wakils to investigate and bring out and show the seal so as to prove the perfidious action against him. At this the great noble Bahaul Mulk Muhammad bin Asaad, the heir of Imad (?) observed that for (seven) month in past that seal (Muhr) had been kept tied in the turban of the king of Islam, and at no hour, either during the coure of the journey, or when staying in the capital; it had been found missing, and none either of the gentry or the commonality knew anything about it.. Now all this time, till this severe search was made the reality of his transaction did not dawn upon the judgment of his Majesty As quite adequate proofs of his guilt had been found, whatever his Majesty considered proper to remedy the situation that was decreed".

which has come to my observation during this reign of justice and mercy—may it remain immune from decay and dissolution till the Day of Judgement! is this. A trickester had made a pious man the dupe of his trickery and deception. Continence and piety converted into prevarication and hypocrisy had become his perfidious profession. Imposture and stupidity had gained victory on honesty and wisdom and (false) oration and perfidy had got the upper hand over confidence (concealment of secrets) and trust. Gold had become copper and the Pārsa (Chaste and abstemious) had become 'Tarsā' (a pagan or guebre). One who had been called Jamal Pārsa for a long time began to be nicknamed as Jamal Tarsā. He became notorious as a practitioner of deception. He had made coquetry and calumny his profession. Giving out falsely that he had the things of Qazi Saaduddin in trust, that man who was an evil omen on the face of the earth, distributed Dirams (small coins) among the people although in fact he had none. Owing to the innate purity of mind and cleanness of opinion, the Sāhib Qirān (the lord of the auspicious conjunction, king Iltutmish) and his distinguished wazir, Nizam-ul-mulk 'Qiwamuddin (Junaidi), allowed the reverse of his fraud to become current and the attention of none was drawn towards his deceptive deeds. This continued till their penetrating wisdom and discerning and illuminating minds became aware of the dust of his enormous lies. However, the mischievous saucy fellow went on with his pursuit of cashing his hypocrisy in the market of truth, taking advantage of the tacit tolerance of the lords and masters. He gathered some comrades and fellow companions to help him in his nefarious pursuits. One such person was Qazi Muhammad Gurdezi who had held the office of the Qazi of Bayana for a long time, but at that time he had been dismissed and condemned. Being instigated by Jamal Tarsa, he came and put forward a petition in which he wrote, "Immense wealth belonging to Husamuddin Ghalabak is lying in trust with some people in Bayana and I am fully acquainted with that. If the post of the Qazi of that place is given back to me the ass-load (Kharwārhā) of gold would be deposited by me in the royal exchequer. Although such words were devoid of principles or scruples, but who could guess that an old poor wise man would stoop so low in his ambition for power and position as to take resort to lies. Yet the post of the Qazi was promised to him if his statement proved to be based on facts. But at the same time he said that a Shahna (a revenue officer) should be deputed to help him so that if the trustees did not voluntarily surrender the property he would use force to realise it from them. As Khawaja Jahan, the Dastur (Wazir) of Sahib Qiran, endowed with the gifts of perfect justice and benevolence, thought, because of his discerning vision and illuminating judgement, that if a Turk was commissioned with this task his daring intrepidity would not allow him to oppress any Musalman. So the great Sadar deputed to this business Imad-ul-Mulk Sharfuddin Abu

number of captives, elephants and other rich booties fell into the hands of the victor. According to Hasan Nizami, the city of Nahrawala" came under the enclosure of the Empire" and Ferishtah adds that a Muslim Governor was put in charge of the conquered country. Awfi's reference to Qutbuddin's successful expedition to Anhilwara is correct but he fails to mention that the victoy proved to be pyrrhic, a mere phase of a punitive expedition, and the Muslim occupation of the country was only temporary for the conquest was soon nullified by the restoration of the Hindu dynasty in Gujerat which lasted for a litile more than a century.

Muizzuddin Ghori has been mentioned by Awfi in two or three other Hikayats. In chapter 13, Book 1, he has told us about the tactics he employed which ensured his victory in the second battle of Tarain in A.D. 1193. He writes, "when the martyerd Sultan Muhammad Bin Sam (may God illumine his tomb) was about to fight for the second time against Kola between Jajneor Hajar and Tabarhind. He knew that the enemies while marshalling their forces for action kept the elephants before the horses which became nervous at their sight and this had been one of the causes of his defeat. When the opposite forces approached so near each other as to make the camp fire visible on either side the sultan ordered that all the wood either on his side or in front of the different tents should be set on fire and kept burning throughout the night (to cover their movements) so that its blazing flame might cause the enemies to imagine that to be the camping ground. He kept his whole army moving throughout the night. The infidels saw the fire and thought that the army was maintaining the gorund. At dawn, the next day, the Sultan suddenly charged the army of Kola from the rear and killed large number of his men. When pressed hard, Kola wanted to retreat, but he could not maintain his forces in order nor could he keep his elephants under control. The ranks of the enemy were broken; Kola was taken prisoner; and the Muslims gained a complete victory." Minhaj Siraj says that the Sultan had kept the main body of his army a few karoh (kos) in the rear and moved forward slowly. His light and unarmoured horsemen were grouped into four divisions of 10,000 each, and were directed to advance with their arrows from all sides. They were to feign retreat and march back quickly on their horses when the enemies made their onrush with the elephants, horses and foot soldiers. By such tactics the Muslim army harassed the forces of infidels, and defeated them.

V

More important than what Awfi derived from other sources, written or oral, are what he writes on the basis of his own personal knowledge and observation. In ones of the Hikayats he says, "One of the things relating to the extirpation of the adventurers and the chastisement and the torture of the talebearers and calumniators

fferent places. It was added that at that very time he had his property worth ten lakhs in Ghaznin and it was suggested that if the Sultan issued a Farman for the confiscation of the goods to the state, that might enable him to raise an army and replenish the state treasury. The Sultan wrote his answer on the back of the petition (Tauqi) that had Nahrwala fallen into his hands, the appropriation of Asa Abhir's wealth would have been lawful; but to seize his property in Ghaznin would be contrary to the dictatates of justice. Accordingly he did not have any concern with that property. His virtues met with its reward for it happened that two years afterwards the most generous king, Qutbuddunya Waddin (Aibak, may may the Almighty be merciful to him and pardon him! marched at the head of his army from Delhi, liberated that country by means of his resplendant sword, and punished the people thereof for their previous misdeeds so that the whole world leant and got the proof that the injury which the cause had once received was but a black spot on the face of his Majesty, the Sultan, to guard it from the effects of the evil eye. Praise be to God that today during the reign of the king of the world, the Sultan of Sultans, Shamsuddunya Waddin Iltutmishi helper of the Commander of the faithful and of the vizirate of Abul Maali Muhammad Ibn Abi Saad al Junaidi there is complete peace and tranquillity everywehre and the government and administration of justice of the Shahinshah and his Asif are such that wolf is happy in association with the lamb.

The reference here is perhaps to the invasion of Muizzuddin, better known as Shihābuddin Muhammad Ghori, in A.D. 1178. The author of Tabaqāt-i-Nasiri tells us that the Ghorid Sultan marched with an army towards Nahrawala by way of Uch and Multan but he was defeated and returned without accomplishing his propues. Awfi does not say anything about any retaliatory expedition undertaken by the Ghorid Sultan but he has created a difficulty by using the words "Bād as do saal '(after two years) in regard to what he considered to be a successful expedition led by Qutbuddin Aibak. It appears that the transcriber of the original manuscript of Awfi's book mistook" (Do) for (Nauzdah-19) for it was exactly 19 years after A. H. 574/A.D. 1178 when Muizzuddin Ghori had suffered his defeat at the hands of Mularaj II at Kaijadram at the foot of Mt. Abu that his lieutenant, Qutbuddin Aibak, being helped by a relieving force from Ghazni, marched towards Anhilapataka or Anhilwara in Safar A.H. 593 (January, A.D. 1197) to avenge the treacherous attack of the Taterans or Elliot's Mher or Mairs, supported by the Chalukyas a year earlier. Aibak marched from Ajmer, passed through Pali and Nadul which had already been deserted, and on Monday, the 14th of Rabi I, A.H. 593 (4th February, A.D. 1179) the army of Bhima II led by Rai Karan, Wallan, and Darabaras was completely defeated and a large

ful punished Tuman for his misdeeds. The moral ... to show the consequences of tale bearing and to impress upon the great and wealthy people not to place their confidence in low born and unworthy people so that they should not regret afterwards.

B. In chapter 13, Book I, Awfi gives us a historical information and tells us how Muizzuddin or Shihabuddin Ghori who was already firmly established in Ghaznin, the Ghaznavid capital, deprived Khusru Malik Tajud daula, the last representative of the Yamini dynasty, of Lahore and the Panjab by a strategem and the Ghaznavid empire was replaced by that of the Ghorids in 583-1187. He writes "At the time when the martyred Sultan, may God illumine his tomb! wanted to make Khusru Malik[55] his prisoner and take possession of Khorasan, the latter' son (Malik Shah) went to Ghaznin at which the Sultan felt (apparently) pleased and was gracious enough to allow him to return to Lahawar (Lahore). He conferred on him all the paraphernalia of royalty and also gave some horses and elephants for his service. He issued a Farman that they (his men) should follow the young son (of Khusru Malik), make him move slowly onward and stay where he stopped. When Khusru Malik learned this he stopped and thought that all this was due to his good-will (friendship) and a proof of his anxiety for peace and amity. He was awaiting the arrival of his sun and preparing himself for a reciprocity of action. The son of Khusru Malik had taken his departure from Ghaznin, but the latter had not covered much of the distance on the way when, one morning, Khusru Malik rose (from his sleep) and found forces arrayed on the other side of the river and he was taken aback. As he had not got the capacity to maintain his stand, he (unwillingly) surrendered himself to him. By this stratagem, the kingdom of Nihawand[56] passed without fatigue and exertion into his possession and sovereignty was transferred with such ease from one dynasty to another."

Chapter VII of Book I which tells us of the sense of justice and equity of Sultan Muizzuddin Muhammad Bin Sam of Ghor. who refrained from confiscating the wealth of Hindu in Ghaznin, is of some historical importance. It runs as follows:—At the time when the dawn of the sword of the martyred Sultan, the honour of the world and religion, Muhammad Bin Sam, had turned the day of the enemies of the faith into evening (of defeat) and he was resolved to effect the conquest of Nahrwala, he had to see bones of disappontment in the morsel (nawla) of his, conquests and having returned without achieving his purpose to his capital, he was engaged in furthering his resources to retrieve the disaster and avenge his defeat. One of the the sycophant courtiers (Sāiyyān) represented to him that in Nahrwala there resided a broker (Bayāyi) whom the inhabitants and the gentry of that locality called Asa Abhir. He always sent large consignment of goods for trading transactions through his agent to di

sely before the Amir. The Sultan without any investigation and remedial measures (Tadaruki) ordered Tuman to seize him (Abul Fazal). He imprisoned him and plundered his house.

When Abul Fazal had been removed from his office, Tuman got a wide and free field for his absolute control and domination. He conferred robes of honour on Khatib lut and sent him to Peshawar. Khatib lighted the fire of oppression and raised aloft the standard of his tyranny. He subjected the creatures of God to various expedients of spoliation. When Khawaja Hussain arrived at Peshawar so that he should restore the affairs of that side in order, the people came and complained to him against Khatib lut. The Khawaja admonished him but it was of no avail, for Khatib lut gave him replies which were very improper and disrespectful. Husain could not endure absusive and absurd language and to save his honour and reputation ordered him to be taken away from his presence. Speedily this news was transmitted to Tuman. He ran post-haste before Amir Abdur Rashid and represented that as Khatib lut knew that Husain had unlawfully exacted some money from the people the latter had thrown him into prison so that he might retain that money. When he made such accusations. Amir Abdur Rashid ordered him to go and bring the Superintendent of finances (Sabib-i-Diwan) to the Court. Tuman started that very night with 300 horse soldiers and showed the royal mandate to the Governor (Shahna) of Parshawar. He put Khawaja Husain under arrest and threw him into the prison from which Khatib Lut was brought out. Many good Musalmans were treated ignominiously. Soon after he returned to the Court taking with him Khawaja Husain. All sorts of humiliations were heaped upon him. Many of the attendants of Khawaja Husain accompanied him and people of all classes from Hindustan had joined his company. When they crossed Tudry or Budri (Nuhdari) pass, some soldiers arrived there and brought the news that Amir Abdur Rashid, owing to the domination of unworthy people over him, and the confusion that had occurred in his country had gone into the fort. The reprobate Tughril arrived in Ghazni, killed Abdur Rashid, and usurped the Kingdom. When that party got this intelligence, all, horse and foot came before Khawaja Hussain and said that circumstances had changed and had taken different complexion, and the victor had become the vanquished. They added that they were ready to obey his orders and he had to issue his command. Khawaja Husain said that the most important work of theirs was to remove the chains from his feet and put the same on those of Tuman. The soldier siezed Tuman, pulled him down, and set him on his foot and took off the chain from the feet of Khawaja Hussain and put the same on those of Tuman. The Khawaja mounted a horse and Khatib lut and all his attendents were made prisoners and were placed on the back of camel and were carried with utmost humiliation to Ghazni. God, the most glorious and power-

Abdur Rashid, a son of the celebrated Mahmud of Ghazna, having been imprisoned for many years contrived to escape and replace the boy king, Sultan Ali, in 440 or 1049 and was murdered after a reign of two years and a half by Tughril, his general. Minhaj Siraj says that Abdur Rashid lacked firmness and courage and, therefore, changes and reverses came upon the state. But he was very much interested in history and the historian, Baihaqi, comes into the picture in this account of Awfi which is as follows:

"It has been stated in Tarikh-i-Nasiri that during the time the throne of Ghazna was occupied by Amir Abdur Rashid, there was the son of a slave (Ghulam Bachcha) called Tuman who was a mean-spirited and low-minded person but was held in favour by the Amir who had promoted him to a high rank. He began to stretch his hands of command and sway over the country and as he was a man of no consequence, mean and ignoble, he began his efforts to extirpate the nobles and great men. He espoused the cause of Abu Suhail Rauzani and exalted him above and pitted him against the Khawaja of the court, the Wazir of the Kingdom, Abul Razzaq Ahmad Maimandi who was mulcted (fined and deprived of office). He favoured his own brother who was called Mobarak Barahi, and secured for him some jobs in the province (Wilayet) of Parshawer[66] (Peshawer). He encouraged and trained some tale-bearers and back-biters with the results that the market of wicked people, sycophants and calumniators, obtained great vogue. These people spread a plethora of false reports and the Kingdom was ruined. He brought the post-master of Village or towns (Barid-i-Daihaha) within the system of the farming of revenue (Muqāta) although before that nobody had given such assignment to such agents. Amongst the perfidious people there was one Khatib Lut who had become notorious for tale-bearing, back-biting and wickedness. He was also elevated and entrusted with the office of Superintendent of finance of the Kingdom, a job which had been performed with utmost economy and honesty by Khawaja Husain. After he (Husain) had held the office for three months he was ordered by the Sultan to proceed towards Hindustan so that having collected the revenue of those regions he should return to the court. Khawahja Abu Tahir (Husain) proceeded towards Hindustan but wherever he arrived he saw the agents (Gumashta) of Tuman who had oppressed the creatures of God and had brought the whole affair under his absolute control. He saw absolute confusion prevailing everywhere in affairs and offices. Khawaja prepared reports of the state of affairs and wrote about the same to the superintendent of Chancery (Diwan-i-Risalat). This office was held at that time by Shaikh Abul Fazal Baihaqi. When these several reports were placed before the Sultan, Abdur Rashid, he came down upon Tuman and chided him for all that his agents had done. Tuman became an enemy of Abul Fazal Baihaqi and accused him fal-

called Kamlua" by Alberuni and Kamlu by Awfi, who was unquestionably a contemporary of Amru bin lais, the second ruler of the Saffarid dynasty of Iraq- -Ajam who flourished between 265 and 267 A. H. 878-900 A.D. Described by Awfi as the Rai of Hindustan, and as the third of the Brahmanical series of Kabul kings by Alberuni, Kamlu whose original name may have been Kamulaka or Kamalaverdhana was succeeded by Bhima and he, by Jayapala, the antagonist of Sabuktagin and Mahmud (Hodiwala). The story of how he was outwitted by the Saffarid Governor of Zabulistan (a tract of country northeast and south east of Ghaznin) and was guilty of sacriligious activities is as follows: "It is said that Amru lais conferred the viceregal office of Zabulistan on Fardaan (or Fardaghan) and sent him there at the head of 400 horses. At that time a large place of worship of the Hindus was Saikawand and people from remote parts of Hindustan used to flock to that place to perform their pligrimage to the idols there. On his arrival in Zabulistan he led his army against Saikawand, captured it, broke the idols into pieces, and overthrew the idolators. He distributed some parts of the captured booty among his troops, sent the rest to Amru lais, wrote an account of the victory, and asked for reinforcements. The news of the fall of Saikawand reached Kamlu who was Rai of Hindustan. He collected a countless force of soldiers and marched towards Zabulistan. Fardaan heard of this army of Hind and he too enlisted the support of some Hindus who proceeded towards Hindustan and arrived in the camp of Kamlu. They told the Rai that after having captured Saik-wand Farddaan had despatched his men to different parts of the kingdom asking for additional troops for he knew that the Hindus would certainly form a united front against him; that as a result of this such a large army of the Muslims had collected around him that hardly any space in that land was left without it; that behined him was the army of Amru lais ready to advance; and that they had planned to decoy him and his army to a narrow pass or defile with a view to slaughtering them all. When Rai Kamlu got this report he stopped where he was and became slow and cautious in his movement. In the meanwhile, reinforcements arrived from Khorasan for Fardaan, so much so that it became impossible for the opposite party to cope with him. By this ingenious method he succeeded in achieving his purpose (I-12).

In chapter 19, book III, we get an annecdote based on the later volumes of Baihaqi's Tarikh-i-Daulat-i-Nasri, now perhaps lost, which tells us of Tuman, the upstart favourite of the Ghaznavid ruler, Abdur Rashid, whose mismanagement of the affairs of Peshawar led to the despatch of a high official for enquiry and investigation and resulted in the temporary dismissal and subsequent release of Tuman, his policy of terrorization, and his ultimate fall, owing to the murder of his patron, the Amir. Sultan Bahaud Daula

him on Wednesday, the 14th Shawwal, 512. Sultan Sanjar appointed Sultan Bahram Shah as his deputy in Ghaznin and Hindoostan, and having seated him on the throne returned to Bulkh. When Sultan Sanjar had returned, Malik Arsalan came back and Bahram Shah fled from Ghaznin and went towards Bulkh. When Sultan Sanjar was informed of this he sent his forces to recieve and restore Bahram and stabilise his position. (After doing this) the army returned to Bulkh. Also in this year Barqiyaruk Mohammad bin-Malik Shah died in Iraq and the country of Khurasan and the whole of Iraq were annexed by Sanjar.

In C-20-B4, while dealing with the chemical properties of natural objects Awfi has taken a portion of Utbi's account of an early struggle between Sabuktagin and Shahi King of Kabul (he was Jaipal.) He writes, "It has been recorded in Tarikh Daulat-e Yamini of Abu Nasr that when the king of Kabul intended to make war upon the Muslims, at the beginning of the career of Amir Nasiruddin Sabuktagin, and the latter turned his face towards Ghaznin, Sultan Mahmood was only fourteen years old. Amir Nasiruddin summoned the nobles of his army and consulted them as to what they should do. Amir Mahmood said" In my opinion the corect plan is to fall back before the army of the Rai and take a strong position somewhere in the midst of a mountain where we might be secure from their night attacks and sudden onrush. They would be unable to bypass us and we may baffle and harass them and render them powerless by our plundering raids. This counsel was approved of by all. Amir Nasiruddin advanced and encamped in the vicinity of Nagarwan[60] (Baqrwan). The king of Kabul marched thither with his countless army. Both the forces lay encamped there for a long time. One day a person came to the camp of Amir Nasiruddin and said that there was a spring in the mountain which had this property that if filth was cast in it, the wind became stormy and snow, rains, and cold followed to such an extent as to mak it impossible for anyone to endure that and stay there. So long as the filth remained in that spring,[61] cold and rains would last. Accordingly, he ordered that filth should be thrown in it. The sky became over cast with clouds and the weather became rainy and cold. The opposing forces were reduced to extremity and the army of Islam delivered an assault on, and threw down many of the enemies At last, being made helpless they sued for peace which the Musalmans agreed to on their own terms. Thus owing to such natural property of the spring the army of Islam became victorious and returned with success.

Among the tales of the Hindu and the Ghaznawid rulers which Elliot translated from Jawame a few appear to be of sufficient historical interest. One of these establishes the identity and also the approximate time of the Shahi Hindu king of Kabul

come his guides. They led him into a desert where there was neither water nor grass. The Sultan asked them as to what was the kind of that road and where was a habitation. They replied. "We have been sent by our Rai and he has given us a considerable amount of money so that we may bring you to this place. Now you have a great ocean before you and the army of Hind is behind you. We have done our business, now do whatever purpose you have in your view, for it is certain that not one single person of yours will escape in safety." In the meanwhile the Sultan suddenly saw some waterfowls (Murghabi) flying in the air and he said that wherever waterfowls are found there must be water and so saying he proceeded after them. At length they reached a village on the bank of a river but they did not get good drinking water. Thereupon he ordered that a suitable punishment should be inflicted on those two guides. They found an Alawi Syed residing in the village with his family. He was summoned and asked about the direction. He pleaded ignorance but added that there was an old man in another village and he might possibly be knowing the way. They Sultan ordered that the Alawi should be taken on a camel to that village near that old man. He called the old man and asked him as to where a ford could be found. The old man replied that he had never seen any one crossing the river excepting on one occasion when a body of men had crossed it but he did not know the actual spot from which they had crossed. He added that if he had the necessary strength he could go to the place and find out the passage. At the orders of the Sultan they provided him with a horse and placed a considerable sum of money before him. The old man led them to a certain spot on the bank of a river and said that so far as he knew that was the place from where that body of people had found the passage. The Sultan placing his trust in God sent some men into river, but nowhere did they find it fordable. The sultan being despondent at his sad plight but resigning himself to the will of his creator and uttering the name of God the Great and throwing himself upon His protection, urged his horse into the water of the river and crossed it. His whole army and all his attendants followed his example and got out safe and sound from the river. This was one of the marvellous deeds of the Sultan, and this evident proof of the treachery of the infidels became noised abroad.

There is a reference to India in another historical anecdote (C5-B-I) ' It has been related that when Sultan Masood bin Ibrahim died, Malik Arsalan, his son ascended the throne and resolved to kill Sultan Behram Shah, (b) his brother, the latter fled from before his brother with one attendant (Rikabdar) rider whose horse had an inverted shoeing. He went to Seistan and thence to Kirman and at last won the support of Sultan Sanjar. The latter espousing his cause marched upon Ghaznin against Malik Arsalan and defeated

emples and the scattering of the idol worshippers. Some
n of Hind (Hukama) exercised their ingenuity and devised
f deception). They brought forth a Dirham of full stan-
e and placed a suitable prize upon it. When some time
vay that coin obtained free circulation. People came from
ountries (Dar-i-Islam). purchased them, and carried them to
. When they (the schemers) saw that the people had be-
ustomed to the use of that currency and it had been
ablished they began by degrees to debase the standard. The
s continued to trade in silver, taking it to be a profitable
hout being aware of its depreciated value. From all parts
orld they brought silver and gold to Hind and the Muslims
n to the stratagem. When the evil went beyond limits and
ıla (Masud III 1049-1114) ascended the throne he consulted
es as to how he should remedy the confused situation. They
that all the debased silver coinage should be brought in the
asury and the legitimate ones should be released for the
s as compensation and exchange. Accordingly, he ordered
y should issue 100 millions (Sad bar sad hazar) of silver
m the treasury to the mint and expend the same on the
d compensation of the creatures of Almighty God. The fame
good action spread throughout the world."

Ch. 20 B. 4 Awfi tells us about a magnetic device to main
equilibrium invented by the Hindu idolators of Somnath
which kept the idol suspended in the air without any support
elated that when Sultan Mahmud (bin) Sabuktagin-may God
ercy on him! went on his expedition to somnath he saw an
nple with the idol suspended without any support or canopy
air. He called his learned and pious men and asked them
ain the secrets of this mysterious affair. They said, May your
emain in perpetuity! It is very simple and easy to explain
ndrous thing which the clever Hindus have invented, and that
They have built the four walls of the idol temple on the
t of the loadstone and the roofing thereof also rests on the
oadstone. That idol is made of magnetic oxide of iron. As
ifferent directions the loadstone with the properties of attrac-
e idol of iron are equidistant it stands suspended without
sible support in the air. If the king wishes the truth of this
on to become self-evident he may order that one of the walls
s temple be brought down and the loadstone fixed therein be
ed. As soon as the wall of the temple was pulled down, the
e or arrangement (Tazvir) was exposed.

There is another reference to a strategem (Makr) of the Hindus
nnection with the return from Somnath expedition by Mah-
of Ghazna in Chapter 12 Book I.' At the time the Sultan re-
d from Somnath, two Hindus came to him and offered to be-

of Waihind there was an idol temple, situated on the sea side, a
the idol in it was very much decorated. It fell down in the wa
along with the walls of the temple which had cracked and collaps
The Hindus of the locality felt greatly concerned and apprehensi
and they approached the Rai and said "On Rai' You have give
place in your presence (capital) to the Musalmans and have let th
preach their religion in our midst. It is their enchantment which h
caused this affair". The Rai withdrew his protection from the Mu
mans who were settled in a part of his realm. He summoned th
and threatningly told them" I had given you a place under my p
tection and justice, but you have begun to practise sorcery and ha
caused the idol temple to topple down". The Musalmans stood
hast at this accustion. A learned man amongst them ventured
address the Rai thus" Oh king you are a wise and just ruler.
are innocent of the charge that has been levelled against us for
cantation and necromancy are forbidden in our faith. If any Mus
man practises charm and enchantment he goes out of the fo
of Islam. Our faith is not so weak as to make us go out of t
fold because of the presence of idols or any such things. We co
tantly read the Holy book, the Quran, and repeat the names, att
butes and praises of God the Great with the result that no ma
or sorcery can have any influence on us." But the infideles w
agitated and insistent. The Rai consulted an astrologer who advis
him to leave the Musalman undisturbed for it was not an eart
but heavenly affair" He added that in a previous night a moth
gave birth to a son and the astrological calculations, based on conju
tion of planetes, indicate that the Rai's institution would suffer
his hands and might be he would conquer Hindustan and ruin
idol temples. But these Musalmans had not committed any crim
The Rai said that although what he had stated might be the ca
yet the those people would have to leave his country within the short
test possible time. He gave one weeks, time for this and threatened t
Musalmans with dire punishment if they did not carry out
orders. Accordingly, those Musalmans left for Ghazni and told Ami
Sabuktagin about the affairs of the temple. What had been predicte
actually happened some time after wards. Mahmud did demolish th
temple and infidelity was laid low.

There is an interesting story in Chapter 12 Book 1 which, to quot
Thomas" contributes an apposite historiotte on the currency of th
Ghaznavids "and furnishes "a traditionary comment on the depre
ciation of the monetary standard which led to an extensive deteriora
tion in the local standard. The passage also shows that the ghaznavi
rulers allowed the currency of privately minted coins in their domini
"It has been related that when Yamin-ud-daula (Mahmud 997-108
attained sovereignty and the effects of his Government spread throug
various countries and were felt on, and resulted in. the destruction

should be excused if things went wrong. All this was agreed to
Aristotle took him to his house, administered an anaesthetic
g. made him insensible, and cut off some of the cords of the head
h his knife. When he examined the whole of the skull he saw
worm whose legs had firmly held his brain. He wanted
extract these. Sartap was closely watching all this from
window. When the master was about to take out the penetrating thing
tap cautioned him" Oh master uptill now your treatment was
ite correct; but beware, if you try to pull it out from the back,
legs of that worm will tear up the brain memberane (parda-i-sar)
the treatment would not be useful. Aristotle said "I swear to
d that you are the Indian physician. Come on so that we moy
this work jointly. Sartap came down and told Aristotle "Oh mas-
Give order that a big sewing needle is heated on and placed
ainst the affected place so that due to the heat of the fire the millipede
ay draw out its legs and then you may separate it. Aristotle praised
m and was struck with wonder at his sharp observation. What he had
id came to happen. The Worm was brought out off his head and
e skull was set in its proper place and then treated with oint
ent till it was thoroughly healed up. The man was cured.
istotle showed great favours to Sartap or Sarbat and sent him
ck with due care and honour. Ch. 20 B.1.)

IV

There are many stories about the Ghaznavids and the Ghorids
) Besides the fable of Sabuktagin, the doe and the fawn and Mah-
ood's unique cases of justice about which we have read in our
hool books, Awfi tells us in chapter 21, book I, about the dream
f Amir subuktagin, at the time of the birth of his celebrated son.
ahmud of of Ghazna, the iconoclast, which coincided with the
ccidental fall of an idol temple near the sea." It has been related
Tarikh-i Nasiri that Amir Sabuktagin had seen a dream before
e birth of his son, Mahmud, that he had caught hold of three
awks, two of which he had let go while the third had been retai-
ed by him in his hands. He asked an interpreter of dreams to ex-
lain the meaning of the phantom and was told: "You were des-
ined by Providance to have three sons, only one of whom would
urvive you and conquer a whole world". Such a thing actually came
o pass, for before the birth of Mahmud his father had been blessed
with two sons, Husam, and Hasan who had both died. It was in
the night of Thursday, the 10th of Muharram, 361 (973), that Amir
Sabuktagin woke up from his dream. When he was pondering on
the possibilities of a son bringing great prosperity to him, the news
was brought by one of his attendants that God had gifted him with
a son. Sabuktagin was very glad at this and named the infant
Mahmud. One of the effects of such a birth was that in the Indian Town

The author refers to a book named 'Arāzur Riyāsat Fi Arāzus Siyāsat' as his source and says 'Mani appeared in China in the reign of Bahram, son of Hormuz. He was an expert painter and a wise geometrician, but he used to deceive the people with his subterfuges. He preached his bad religion among the people. The substance of his : . eches was what I have already said before. He said "the soul is a captive in the body of human beings; it is of the other world, but is held in bondage, and subjection in the body and is just like the bird in the cage. The bird always knocks at the bars of the cage and is after the opportunity offered by the opening of the door of the cage so that it may get release and fly away to its destination. Now it behoves men also to make such efforts so that the sooner the pure soul gets liberation from the impurity of the self and the body, the better. It is on these patterns that he practised deception upon God's creatures and used to say that dying was better than living and that this transient life was devoid of any basic element. He was taken to Bahram and the latter presented him before his courtiers. When he stood before the throne, the king asked him to speak out what he had to say. Mani made a similar mischiefmaking speech, at which Bahram said "what do you say? Is your life better than your death? He replied "the soul would be better with my death" The King said, I shall act according to your statement. As you prefer death to life, I have no he sitation in sending you to the hell. After that he ordered him to be hanged, and thus the mischief arising from him came to an end.

An interesting story derived from an unknown ancient source shows how an Indian physician collaborated with Aristotle in curing a man by surgical operation. It has been related that when the fame of the great philosopher physician, Aristotle, spread in all directions, from various countries people began to flock to him for guidance and benefit from him. There was, in India, an expert physician named sartap. He had specialized in medicine and had become greatly skilled in it. When he heard of the abundance of knowledge and the eminent position possessed by Aristotle he left Hindustan for Unan (Greece) and lived for a considerable time with him. But he never disclosed himself and always posed to be devoid of all branches of knowledge. He, however, kept a close watch on the Aristotelian method of treatment. It once happened that while a certain person was asleep, a Hazarpa (scolopendra or millipede) which is called Gosh khar entered his ears, became firmly fixed up in it, and made the life of the man a hell for him. Night and day he felt the torture and at length stated his condition before Aristotle. The latter said that the treatment was difficult and risky and there was a danger of his losing his life but if he was fully authorised by his heirs and friends to undertake the case he would take the precautionary measures so that he might be relieved of his troubles; but

practising a ruse he provided himself with food and clothes for one whole year in such a manner that nobody could know anything about it. He told his followers that he would go above to the Heavens for he had been called there by God, the most holy, and he would remain there for one year. He instructed them to assemble after the expiry of one year on a certan day near the mouth of a cavern with a led horse so that he might come again to teach them the canons and rituals of the faith. Then he suddenly disappeared in a cavern which had already been furnished with one years food. He had a casket of gems shiningly pure and white as a paper with fixed dried sides and arms of the size and resemblance of an egg. That gem (durj) reflected strange forms and figures. The form of every existence (life) and the torture and torments for deviation had been painted therein. He had perfected it during that one year. He came out of the cell just at the appointed time with that casket of gem in his hands and said that he had been commissioned by God to convey His Command and that the thing in his hand was the scripture. When the people saw that all felt helpless and had perforce to acknowledge his statements as true. They called it the Manichaean stone and it is still preserved in the royal treasury of the Chinese kings. Numerous people of China and Tibbet and some Hindustanis accepted his religion and in these regions his work proved to be successful, and he attained the object which he had in his view. But he was seized with a desire to return to his own homeland and his eagerness to see his home made him move in that direction. He thought that whatever he had gained in the land of Turkistan might befall his lot in other places as well. During his absence Ardshir had been the king of Persia, but he had died, and his sons had succeeded him, and they too had passed away. When Mani arrived in Ajam (Persia) and began to invite people to his faith, Bahram, son of Hormuz, called him and quesioned him as to what he was at and what was his soul like which was imprisoned in man's body and got a release on death. Bahram asked him whether according to his belief death was better than life and he replied that death led men to eternal life and that the transient earthly existence was full of desire and lust. Bahram said that he would act upon his words that death was better than life and would cause his soul to be liberated from his body. He added that he (Mani) had taken a solemn vow before his grandfather that he would never come back to that kingdom and, if he did that he would be liable for punishment. He then ordered him to be flayed alive. His skin filled with grass was kept hanging for a long time at his own inn and.... acquired the name of Bab-i-Mani'. It was known as such up to the borders of Nishapur.

There is another and a shorter notice of Mani in Chapter IV, Book I, in connection with the account of the kingship of Bahram. of the Sassanid dynasty of Iran.

including India (Kashmir and Tibet) which he visited and stayed in. Aw writes in chap. VIII of Book III" "one of the false prophets wa Mani who had a large following. He was a native of Babylonia an belonged to a village named Mardev. He had attained great perfec tions in the art of painting. That he was an expert in this art wa shown by the way he first made a circle of silken wire twent yards long. and then with a pen drew a (circular) line. When th compass was put upon and revolved round, it was found to be it exact replica, there being not a jot of difference between the two. He was a pupil of Qarun, the philosopher, and he was fully acquain ted with the doctrines of Tarsa (guebre), Mughans (worshipers of fire), Sanviyan (dualists). He made his appearance in the reign of Shapur Ardshir and claimed to be a prophet. He used to say that The Almighty creator had especially commissioned him with the task of imparting the knowledge of science and philosophy and teaching the need of good action and good conduct. Zardasht (Zoroaster was sent to the earth in the land of Ajam (Iran) during the reign of Gushtashp, and at another time Isa (Jesus) was sent to the Arabian land, Now he had been sent as a messenger to them "Light and darkness are eternal. It is forbidden to kill animals and to injure the Darwishes and animals. Poverty is bitter than wealth. Abstention from avarice and from sensual indulgence, and asceticism and renunciation of the world are virtuous deeds. There are times and seasons for affairs relating to the female part of the family. Hoarding is prohibited and must not be practised. One should not have more than what will suffice for one day's sustenance and garments for one year would do. To have more than one wife is prohibited and it is obligatory to pay Ushr (tenth ofthe property) in charity. He should pass one seventh of this life in fasting. One should travel constantly for preaching, for trading in goods and establishing fellowship and making more friends."

He wrote some books all of which began with the various letters of the alphabets. This included Shaburqân, Kanz-ul-Akhbār, Sifrul Jabābira, sifrul Isrār. He also claimed to be the Fariqlit whose coming was predicted by Jesus, may peace be on him ! and also that he was the commentator of all that was preached by Jesus. When Shapur got the information about him he ordered him to be exiled from his kingdom and threatened him with death if he stayed on. Mani went to India and visited Kashmir and Tibet. The people of Tibet and Turkistan accepted him. He made images in Hindustan by his art and artifices. He made people go astray from the right path. He travelled widely in the paths leading to China and in the mountainous regions but never stayed long in any place. During the course of his travels he happened to arrive at a hilly place at the foot of which was a very wide valley with flowing waters and the the ingress to it was very narrow. He chose that for his abode.

a meadow and his eyes fell on the body of a hog which was lying in a dying condition. Although the jackal was very hungry, yet he thought the hog might be the prey of a lion in the neighbour-hood and in case he made that hog his food the lion would devour him and, therefore, it was advisable for him not to take any hasty step. He wanted to see if there was any rival in the field. Shortly after this he saw a lion emerging from a corner and immediately going before the lion he showed great humility and submission and made a suitable speech. The lion asked the jackal as to whether there was any thing which might serve the purpose of his food. The jackal said 'which ever way you wend your stately steps food would come out of even a flint or would come like a rain from the sky. But your royal disposition' would not allow you to feel inclined towards all kinds of food. A dying hog is lying over there, but I know that the king of the beast would abstain from eating a corpse or taking one whom he has not himself thrown down and wounded. When the lion heard this pleasing talk he said that he would like to make an offer of the hog to Jackal and so saying he went away. The jackal thought that there might be another adversary and, therefore, he should not do any thing hurriedly. After waiting for some time the jackal's eyes fell on a panther (Yuz) who arrived there. He immediately rushed towards him and offered his services to him. The panther asked him as to whether there was any thing at hand which he might subsist upon. The jackal said that there was a hog which had been preyed upon by a lion. The latter had kept that hog in his charge and he was guarding it. The panther thought that the lion might be some where near. He felt afraid of the lion and abandoned the prey. After some time a monkey (Buzna) came there. Th e jackal saw him and found him week and helpless; he said to himself that no artifice or subterfuge is necessary to deceive such a creature. His sense of magnanimity and fortitude would not allow him to keep the monkey disappointed and deprived of a share. Accordingly, the jackal threw before the mon key a portion of the flesh of the hog and kept the rest for himself which he ate up. In this way he kept himself immune from the mi schiefs and malignancy of the lion and the harm or injury of the panther, and thus wisemen came to realise how one should lead ones life so that it may be passed with safety and in happiness.

III

One feels tempted to consider here two stories regarding Mani, the prophet of Dualism and of an Indian physician who was a con temporary of Aristotle. Awfi has given an interesting, detailed and informative account of Mani called Waiz-i-Zindiqa (preacher of Zindiqism or Dualism), the principles and doctrines of Manichacanism, Mani's mastery in the art of painting, the few books that he wrote some of which have come down to us, and to places and countries

that they have rested under my shade and have had sound slee through my generosity. "The serpent said to the man "I have already put before you two witnesses. Now surrender your body so that I may bite it. "The man said "If another says so I shall resign myself to the decree of God. "There was a fox near at hand The serpent asked the man to put the question to that fox. Before the question could be put the fox addressed the man "what are you talking about the—recompense of good and evils? What good have you done to this serpent? "The man said "the serpent was about to be burnt in the fire, but I brought it out of it". The fox said" you are a big man, why are you talking about what is opposed to truth! The serpant testified to the truth of the statement. The fox asked the serpent as to how the man could bring it out of the fire for it was a thing which appeared to be unbelievable. The man said "I tied my bag to the tip of my stick and extended the stick to a place where this serpent was lying and then brought it out in the bag". The fox asked him to give a demonstration for how could such a big serpent be contained in a bag. It added "open out your Tobra so that the serpent may enter it and then only the truth of your statement can be established, and I can give my decision". The serpent said" Whatever this fox says is true and it is out of kindness that it says so ". So saying the serpent entered the Tobra. The fox said to the man" Now that you find your enemy in your knot, dont give it time, otherwise you would suffer. The camel driver took th hint, firmly held the bag, and beat the serpent against the ground to death and thus got his release. The moral of this story is that it behoves every wiseman to be very cautious and prudent, never to enemy trust in the enemy, nor treat him as contemptible. He should put his leg on the head of his evil-wishers as soon as he saw the calamity to be impending so that after the enemy is overthrown he should lead a life of ease and happiness."

Another fable[33] of the lion, Jackal, hog, panther and monkey, taken from perhaps kalila Dimna[34], illustrating the truth of the dictum of a Brahmin as to how one can remain in safety, which occurs in chapter 25 book I, is as follows: One day a Brahmin, during the course of his discourse on the princ iples of wisdom observed that a wise man should do three things so that he may lead a safe and successful life. Firstly, we should behave with utmost civility and courtesy and offer his services to those who are possessed of force and power and violent temper. As regards the valorous ones he should observe all the rules of associations and good company by which one gains or profits. and those who are low or inferior should be allowed to have a share in the gifts so that the balance of benefits might remain with him. There is proof of the veracity of the statement. It is said that once a jackal was traversing

sumed by the fire. The Godfearing man had a kind heart and he thought that though the serpent was an enemy of man it was in a wretched condition and his sense of humanity dictated the need of helping it out of its predicament. He took his Tobra (the bag out of which animals eat their corn), tied it to a stick, and let it down so that the serpent should enter it. Then he drew back his stick, opened out the bag, and let out the serpent. It entered into a conversation with him and said "Though you have done this good to me I am going to bite you for I am a deadly enemy of man. The enmity between us is inherent in us. (Here is a gloss) The Quran itself says that to befriend an enemy is against prudence. I am determined to bite. Now you have to choose between the two alternatives: whom should I bite first, you or your camel The man said "After all I have been beneficient to you and you are giving me this requital." The serpent replied "Verily goodness is recompensed by wickedness This I have learnt from men, for it is the habit of the sons of Adam to do evil for the good deeds. If you wish that I should adduce proof and cite witness, in support of my contention, then look at this buffalo which is grasing at some distance and I shall ask her about the affair. "Both of them went near the buffalo. The man asked the buffalo if the requital of good was evil and she replied that it was so for it was the way of the human beings who did wicked deeds for good actions. She added "I had been under the control of a man for so many years and every year I gave birth to a calf. I used to fill their house with milk and butter and their household and marriage necessities were fulfilled by me. Now that I have become old and cannot produce any calf they have abandoned me and have ceased to take care of me. I began to graze in this desert and and being free and without any work for sometime I again put on flesh on my body. One day my enemy passed by me and seeing me fresh and fat he went to a butcher and brought him to me so that he may purchase me from him, kill me and sell my flesh. This is the recompense I have had from that man for so many services I rendered to him. Indeed it is the habit of the sons of Adam to turn evil for good." The serpent asked the man if he was satisfied with what he had heard. (Again the author becomes subjective) He said that Shariat (canon law) required a second witness. They saw a tree standing near by. The serpent put the same question to the tree which said that such was its own experience of men. It added I have been standing in this desert and people come to seek shelter under me from the heat of the sun. They take their rest under my shade and feel comforted. But one of them says that this green branch of the tree is good for me, another says that he would have planks of wood from me for they would be turned into beautiful doorways of his house. If they are chiefs they come and take whatever branches of mine they like and this causes pain and grief to me. None of them thinks

and power had passed into his hands he had experienced many ups and downs of fortune and passed many of his years in virtual begging, leading the life of an ascetic, and when he attained sovereignty he recognised its responsibilities. He spread the carpet of justice and equity and afforded a place of protection to his subjects under the shadow of his administration. One day he came out of the gate of Nahrwala on the back of an elephant, and while looking in different directions, his eyes fell on the wife of a washerman of ravishing beauty who was garbed in a red robe and was proceeding towards a jungle to wash the clothes. The Rai felt inspired with a feeling of love for, and union with, her. He felt enamoured of her and turned his elephant towards her wishing to trample her patience and chastity under the feet of the elephant of his passion. But he soon came to himself and giving way to his introspection he thought "O passion you are doing something what is wrong. Wish well and be of good action: good never comes to those who do ill. He then turned back his elephant, being filled with remorse at his first feelings. Assembling a body of the Brahmins he ordered them to collect fuel for he had decided to burn himself alive (in penance). The Brahmins asked him what sin he had coomitted. He disclosed the situation of his mind. The Brahmins said that they would burn him and allow his self destruction for he was a king possessing power to issue orders and enforce them; he could not restrain his passion, then he would force any one towards whom he felt inclined to do his bidding. and thus the female population would beeome subjected to the suspicion of producing illegitimate offeprings and, therefore, it was advisable that he should burn himself as a penance for his sins so as to gain an everlasting life. Wood was brought and a funeral pyre was made and lighted. When the Rai was about to throw himself on the burning faggot, the Brahmins prevented him from doing so and said "The work of expiation is done for the sin was of the mind, not of the body. We would have burnt you if the body had committed the sin But your mind has already been punished and purified by the fire of remorse. They removed the Rai from the pyre and in thanks-givings he ordered charities to be distributed.

There are many other Hikayats regarding Indian Kings and people which for the lack of something of a historical and cultural Significance have to pass over. But before concluding this section it appears worthwhile to give some specimens of the Indian stories gathered by Awfi. One story which illustrates moral principles and wherein, according to some Indian fashion, animals and plants are introduced as speakers, is as follows (chap. 15 bk. 2): It has been related in the book of the Indian philosophers that one day a camel driver was proceeding through a desert. He arrived at a place where a Caravan was encamped. They had lit a fire which was burning. He caught sight of a big serpent which was in the midst of the faggot and had no way to come out of the same and was about to be con-

father's registers of accounts in which he might have made mention of the transaction. The registers were brought forward but there was no mention therein of the money. The son observed "Had my father left anything with you on trust he would have put that down on record, but as he had made no mention of ths money I am not justified in taking it from you. "The trustee insisted on the son taking the money, but the latter persisted in his refusal to accept it. There was a growing tension in their respective contention. At last they agreed to refer the mattér to "Rai Jai Singh". The Rai said "I am of opinion that this amount should be spent on some work of lasting utility so that the real owner would reap the reward (sawab) of virtue and charity." Accordingly th "nine lakh reservoir of water" (hauz), the finest in the world, hitherto unsurpassed by all that the cleverest hand had executed or imagined, was built. It remains till this day and produces its beneficial effects."

A similar story illustrating the honesty of the Gujrati people and the wisdom and tact shown by their unnamed 'Rai' which Awfi got from some "Hindi work" says that a certain person who had discovered a treasure concealed under the walls of a newly purchased house insisted on it being taken by its former owner who professed ignorance about the money and refused to take it. They agreed to request the "Rai" to accept it and expend it on the affairs of the country (Masalih-i-Mulk). The Rai said "you are average citizens but are so scrupulous about a trust money. How can I, entrusted with the responsible duty of managing and adjusting the affairs of my subjects, and having the reins of authority and power in my hands, venture to have this money?" They said that he being their king was to settle the question in accordance with justice and equity. At the suggestion of tne Rai the daughter of the seller was married with the son of the purchaser and the treasure was allotted to them. The king would not suffer the skirt of his robes of equity and righteousness to be soiled by dirt of oppression and dishonesty.

There is an interesting anecdote of Alorbar or Gurpal[34], correctly identified by Hodivala with Kumarapala, who has been regarded by many as the greatest king of the Chalukya dynasty of Gujerat (A. D. 1143 A. D. 1173). He was a grand nephew and successor of Jayasimha siddharaja and followed the faith of the Jainas. Besides the biographical references in Awfi's Hikayat to the early wanderings of Kumarapala and the life of hardships, privations and austerities of an ascetic that he led and to his noble character and high sense of honour which are historically substantiated and borne out by the accounts left by so many contemporary Jaina scholars, we get here something for those who are interested in social history. It says "There was a Rai in Nahrwala named Gurpal who surpassed all other rulers of Hind for his noble character, sense of justice and wisdom. Before the reins of authority

mouth could gulp it down because of its salty, bitter taste, an they realised that it was sea water.

The Rai then told them that he could not trust any bod because the case involved differences in religion and, therefore, h had himself gone to Kambayat, had made enquiries, and was sati fied that the Muslims had been subjected to tyranny and oppressio "Why should in my country a group of people who lived unde the shadow of my protection suffer from such grief and sorrow. He then ordered that two chief men (Muqaddam) from the differe groups of infidels such as the Brahmanān, the Parsiūnān[26], the Mahans (?), the Navāla[27] (?), Saura (or seoda or sheoras)[28] and Mughar (fire-worshipping priests) who were concerned in the affair shoul be punished and one lakh of Balotras[29] was given to the Muslin so that they might construct afresh the mosque and the minare He also granted to the Khatib Chatr (parasols or canopies) of suc coloured[30] silken clothes as are preserved to this day and a exhibited on special I'd (festival) days. The minar and the Masjid we standing till the time of the invasion of Nahrwala by the army Malwa[31] when they were again destroyed. Afterwards sayeed B sharaf Yamani[32] reconstructed them (for the third time) at his ov expense and having erected four towers with golden cupolas public sed afresh the way of the Islamic faith in this land of infidelit These monuments of the faith, mosque and minaret-are still exta There is a strong expectation that very soon the royal standard the Sultan of Sultans................Shamsuddunya Waddin (Iltutmis would be moved in this direction, and the conquest of this regi and conversion of idol temples into mosques and sacred shrin would prove the truth of the Quranic text...........''Awfi's pio hope was not fulfilled for there is no reference to the invasion Gujerat by Iltutmish or his general. He had already completed h work a few years before A.H. 632=A.D. 1234 when Iltutmish invad Malwa, captured Bhilsa, and sacked Ujjain. He did not proce further.

Awfi seems to have been very much impressed by the stori of the excellent Chalukya ruler, Jaysingh (Siddharaja), which we still current in Gujrat a little less than a century after his deat for he figures in some other Hikayat-s also. One about the ni disposal of an unclaimed amount placed in deposit may be giv here because of its importance in social history, showing the hi standard of morality[33] of the Gujeratis of that time. Chapter 12 Book I says "In the city of Nahrwala one of the merchants Hind had deposited nine lakhs of Balotras with a soldier (sipa and died sometime after this. The trustee (Amin) sent for the son of t depositor of the amount and asked him to take from him the ni lakhs of Balotras which his father had left with him. The s replied that he knew nothing about it but he would consult

Awfi writes:- "I, Muhammad Awfi, the compiler of the book, am relating the story as I heard it when I happend to be at Kambayat (Cambay). It is a fine city situated on the seashore where a body of orthodox sunni Muslims of pure faith, and firm convictions and very hospitable, reside. There is a large number of poor or strangers there. It belongs to the chiefs of the dominion of Gujerat and Nahrwala. In that city reside not only a body of Muslims but also a group of the fire-worshippers. They (the Muslims) told me that during the reign of Jaysingh there was in the city a mosque and also a minaret from which the crier called the Faithful to prayers The group of fire (Mughān) worshippers instigated the infidels Kafirān to attack the Muslims, eighty of whom were put to the without any fault of their own. The mosque was burnt and the minaret was pulled down. The Muslims had a khatib (sermoniser) named Ali who managed to escape and fled to Nahrwala. None of of the domestics and the favourite courtiers of the Rai paid any heed to his grievance or showed any inclination to help him. Every one attempted to screen those of his religious persuasion (kesh). Eventually one day when the Rai set out for his hunting excursion, Khatib Ali sat down on the way behind a tree. When the Rai arrived there khatib Ali stood up and beseeched him on oath to stop his elephant and hear his complaint. He read out the Qasida (laudatory poem) which he had composed in Hindavi (Gujrati) wherein he had stated his case.

The Rai having heard the complaint of oppression placed Khatib Ali in charge of one of his chief attendants (Khawas) and ordered him to keep and look after him till the time he was summoned to his presence. The Rai then returned and told his chief minister that he should keep a strong grip on the affairs of the kingdom during the three days when he would not grant any audience and would like to remain undisturbed in his seclusion. When the night came, the Rai mounted a camel and covered the distance of 40 Farsang (a league) between Nahrwala and Kambayat. This he accomplished during one night and a day. Disguising himself as a merchant and with the sword slung across his shoulder, he entered the town of Kambayat, stopped for short times at different places in markets, made enquiries and heard from everyone that the Muslims had been oppressed and had been killed without any fault of theirs. Having ascertained the truth of the affair and caused a vessel to be fiilled up with the sea water he returned and arrived at Nahrwala on the third night of his departure from there. The next day he held his court which was attended by the Muqaddams. He directed Khatib Ali to relate his grievances. Whe he had stated his case, a body of infidels wanted to intimidate and falsify him. The Rai ordered his ewer-bearer to give them the waterpot so that they might drink water from it. No one who put that water into

of the just kings opens with the following observation, "It is known to the sages and wise ones that the duration, integrity and peace of the world are dependent on justice. Mustafa—may peace be upon him! has said that one hour of justice is better than sixty years of worship, for one hour of king's justice can ensure peace and security of the world and enable all the men to remain engaged in worship with complete composure of mind. The worship of the votary is for his own individual self while the king's justice is meant for all, the gentry, the commonalty, the worshipper and the sinner. God in the Quranic verses commands His creatures to do justice and benevolence and forbids them to do evil deed and men who know the reality have also said that the laws of religion and morality come under it. There is also a rational explanation. Had there been no protection of justice and equity, men possessed of might and majesty would have destroyed the weak and the helpless and weak ones and this would ultimately rebound to their own disadvantage and destruction. They have no independence and permanent means of subsistence of their own and they are themselves incapable of humble and lowly works and laborious occupations. But for the justice of kings and wazirs, the affairs of this country would soon go to wreck and ruin. Now I am going to relate some stories of just kings and the way they administered justice and truth.

The second story in the same Chapter about Jaysingh (Siddha ·aja), the famous Chalukya ruler of Gujerat (c. 1094-1143); is well worth translating in full for it throws valuable light on.

(a) the sense of justice and tolerant spirit of the Indian ruler,

(b) the settlement of the rancorous Parsi refugees[20] from Muslim-dominated Iran who exploited the vulgus mobile to wreak their vengeance upon the Arab colonists in Cambay, pursuing their peaceful avocation of trade,

(c) the cultivation of the regional[21] languages by these Muslims to such an extent as to compose poems therein,

(d) the punishment of some classes of local population concerned in the affair,

(e) a type of coinage used in Gujerat at that time

(f) the attack of the Parmaras of Malwa, led probably by Subhata Varman[22] (Subhata or Sohada) on Anhilapataka or Anhilwara in or abont V. S. 1261 or A.D. 1204, and the second sack and destruetion of the mosque and minarets of Cambay.

(g) the reconstruction and beautification of these sacred buildings by a local[23] Muslim as seen by our author three decades later and

(h) the author's expectation of an impending invasion and conquest of the region by Iltutmish.

insir.[14] It was said that the mother of the man had been away by a bear and he was a result of their cohabitation. fact recorded here does not appear to be impossible[17] for not en we find such stories of freaks of fortunes published in news-'s.

A point of capital importance found in Chapter 20 of the Books is the earliest reference in a work written by a Muslim ie famous Mariner's compass (Qutb Numa) We read "I, the piler of the book, was once voyaging on the sea when a heavy or storm suddenly burst out, dark clouds enveloped the atmos-e, and the waves became agitated and stormy. The inmates ie vessels were panic-stricken and raised a clamour. The pilot guided the vessel had lost the sense of direction but he pre-y brought out a fish-shaped[18] piece of iron hollowed or concave awwaf) and threw it on a waterful bowl (Tas). It was revolved it became still or firmly fixed in the direction of Qibla (South). ing the cue from it, the vessel was led in that direction. After when I made enquiries, seeking knowledge of the affair, I was that the loadstone (Sang-i-Miqnatis) possessed the property of ng as a magnet when it is pressed on the iron. When its ience is felt on the iron piece it comes to a standstill as soon the point of Qibla (night direction) is reached. I tested it and ind it to be so. God alone knows the mystery."

Awfi is the first and the only contemporary writer who gives very interesting description of what came to be called as the itb Minar[19] though he does not mention it as such and ascribes construction as well as that of the adjoining mosque (Quwwat-l Islam) to Iltutmish. We shall consider these later and also the 'ents af historical authenticity of which he was an eye-witness or id direct knowledge such as the chronological sequence and rcumstances involving the capture of the fort of Bhakkar and the ill and death of Sultan Nasiruddin Qubacha. Another thing which elps us in forming our judgement of Awfi's production is the bject he had always in his view of offering exhortation on ethical nd political wisdom. Most of his Hikayats (narrative anecdotes) re meant to illustrate either praiseworthy or blameable qualities, irtues and vices of men, especialy rulers, wazirs and others. Such raits as justice, forgiveness, clemency, modesty, sagacity and sound udgement are commended, while envy, malice, avarice, embezzle-nent, wiles and subterfuges are condemned. To begin with it would e worthwhile to consider only such Hikāyāts as have some bearing n Indian History.

II

Chapter VI Book I on the excellences of justice and accounts

Delhi, the imperial metropolis, such as Khawaja Sadr Nizami, the au of *Taj-ul-Maāsir*, Qazi Sadr-i-Jahan Minhaj Jauzjani, and Maul Sadiduddin (Sadruddin) Awfi, the respective compiers of *Tabaq Nasiri* and *Jawami'-ul-Hikayat* and Kabiruddin, son of Tajuddin Ir who, in the time of Alauddin, wrote his enchanting *Fathnamas*, wa preeminent person and a man of repute of the age and worthy confidence.

In assessing the value of *Jawami'* one has to turn one's vie seven conturies back when the Mongol holocaust was sweeping aw all that was the best in the Islamic lands, including works furnish materials for the historians, and realise the worth of the traditio anecdotes, detached narratives and miscellaneous notices culled fr historical works that had survived or were derived from oral inform tion and personal observations, Awfi was not a historian[13] nor ev a chronicler in the modern sense but he has preserved much that c be brought within the sphere of his researches by a careful stude of history who knows how to sift the real from the tradition Like many of his age, Awfi, was not devoid of supers titio and prejudices. and did not deny the validity of the supernatural powe of saints and what appears to be marvellous and miraculous to t But at times he wrote as if he was a rationalist in his selectio appraisal and comments. He and some other later foreign travelle have referred to the longevity[14] claimed by some Indians as result of some special medicines used by them. He tells us th the Indians claimed to prolong their lives by using some her or medicine and refers to the Chief of Jalandhar who had maintaine his health at the age of 250, but he adds that "It is not possib to live so long except by divine dispensation and no medicin can effect such prolongation." Relating the story of the Turkish chief requesting the Indian Raja to inform them of drugs which produce longevity, he tells us how the Indian 'Rai' moralised on the nee of justice and benevolence and said that wealth and power we faithless friends and life was but an uncertain companion, neith the one nor the other being permanent and enduring (IV. 15;I 1

In the chapter 14 books IV ("the Marvels of Creation") h tells us of a "wonderful occurrence of the age" which he himse witnessed in the time of Iltutmish." A woman brought her son th whole of whose body was full of hairs like that of a bear; hi lower jaw was devoid of teeth, his belly resembled that of bear,"[8] but the rest of his limbs was like that of a, man. As hi teeth were not in order, his mutterings were unintelligible and h used to dance and frolic. One of the strange things about hi was that he had begotten a daughter who had a form similar t his. "The sultan of the Sultans may his kingdom be perpetuated sent him to the court of the Caliph, the Commander of the Faithful

hem have certainly been amplified and embellished to make them re agreeable reading." Before considering the justifiability or rwise of these estimates, it is better to say a few words about i's poetical effusions. His peetical work, *Madaih-us Sultan*' posed on the lines of *Haqiqat-ul-ul-Haqiqat* of Sanā,i, containing llection of his Qasāids, or laudatory poems has now become ce. His well-known prose works are interspersed with numerous bic and Persian verses and poems such as *Qasidas*, *Rubais*, and it. One of his contemporaries, Muhammad Bin Umar Bin ammad Samarqandi, who transcribed his Persian translation of aj *Būd-as*-at. *Shiddat* has described him[9] as Waiz-ul-Mulk-was-in (Sermonizer of royalty), Munshi-un-Nazm Wan Nasr (a veteran r of poetry and prose), Malik-ul:Kalam (King of Discourses) Afzal-ul-Alim (the most excellent of learned men),

Now as regards *Jawāmi'-ul-Hikāyāt*, its popularity and its ical and literary importance, the first thing to consider is the large ier of the sources,[10] more than nine dozens, which the r mentions and claims to have drawn upon. Many of them longer available to us. While dealing with persons and places, and incidents, he uses the words "Ānche Mushāhida uftād" t has come to the view), "In Hikāyāt Shunidam" (I heard this . "Awarda and" (That which has been brought or carried). He s of things which he learnt, read or saw when he was in ay or Anhilwara, or other Indian towns. He was an eye-ss of what he says about the siege of Bhakkar and tells us he learnt at Delhi about the affairs of Daulat Shah Balka of Ben-t is not for nothing that his book has been always so popular, attracted the attention of the learned throughout the last centuries, has been translated in other languages, and has referred to, or even served as source-materials for, many wri-rom Hamdullah Mustaufi (A. H. 730) to Ferishta (A.H. 1015), om the author of *Tabaqat-i-Nasiri* (A. H. 650) to that of Haft (A. 1002) or *Zinat-ul- Majalis* (A. H. 1004) and *Tarikh-i-Nigaristan* . 957).

One of the earliest Indians who managed, with great difficulty, a complete copy of Awfi's *Jawami'* transcribed for himself e Chishti Sufi Saint, Shaikh Najibuddin Mutawakkil, the younger r and disciple of the celebrated Fariduddin Ganjshakar of Pak who died in A. H. 668 A.D. 1271. On wednesday[11] 23 an, A.H. 708/A.D. 1308, H. Nizamuddin Aulia told his audience Hamid Nassakhi did this job for the saint. The well-known historian, Ziauddin Barani, a contemporary of Hamdullah ufi who was the first to refer to Awfi's work in his book, -i-Guzida and Nuzht-ul-Qulub, considers Jawami' as one four reliable histories written in Delhi. He writes 'Everyone', four trustworthy, honoured, and illustrious historians of

informed person. He was a voracious reader, an eloque preacher, an erudite scholar, a poet, a prosodist, a calligraphist and prolific writer. It was under the patronage' of Ainul-Mul Fakhruddin Husain Sharaf-ul-Mulk Raziuddin Abu Bakr-Ashaari, th wazir of Nasiruddin Qubacha, that he wrote the first Biography an Anthology of Persian poets and named it *lub-ul-albab* which wa edited and published in two volumes .by Edward Browne. Aw writes in the preface that when after his wide travels, he found hi ambitions satisfied in the court of the king of the East and hi Wazir (Qubacha and Ashaari), it occurred to him that he shoul present the Wazir with a gift of abiding value in the form of a anthology of the Persian poets, past and present, and he dedica ted the work to him. Though Mạnaqib-us-Shuara of Abu Tahi Khātuni, noticed by Bland in J.R.A.S. (1891), was composed earli at the end of the eleventh century A. D. and Nizami Uruzi Samar quandi also produced his work, *Chahar Maqala* earlier, in or abou A.H. 550, they cannot bear favourable comparison with Awfi's wor as biographical anthology. It is the oldest work of the kind preserve to us and was probably completed in A. H. 617. Awfi's translation i Persian in 620 of the Arabic work entitled *Alfaraj Bādaz' Shidha* (Narration of Wonderful Cases of deliverance from distress composed in A. H. 384 by Qazi Abu Ali Al Mohsin bin Ali bin Muhammad bin Daud-ul-Tanukhi, was produced some two score and more years before the work of Husain bin Asad Husain Dihistani Muaiyyadi. This work has also been dedicated to Qubacha on whom he has poured forth his exordium and eulogium. Some extract thereof with notes have been given by Awfi in his most important work, *Jawāmi-ul'-Hikāyāt Wa Lawāmi'-ul-Riwāyāt* (compendium of anecdots and flashes of traditions). This voluminous work divided into 4 Qisms or books, each with 25 Bābs or chapters, and containing 21,13 Hikāyāts (narrations) which are taken from 93 acknowledged and many more unmentioned sources was also begun in the court and at the instance of Sultan Nasiruddin Qubacha. But before it could be completed, Qubacha, being defeated by the Wazir of Illutmish, was drowned in the Sindh river. The great Wazir, however, realized its worth and encouraged Awfi to resume and finish it and allowed him to dedicate it to him.

Elliot describes it as a Romance of History. Other European scholars have also shown a tendency of belittling its historical value Briggs would take it as more useful in commemorating the prevailing opinions of contemporaries than as a source of authenticity. Thomas says that "the author of *Jawāmi'-ul-Hikāyāt* is something better than a mere story teller and his residence at Delhi under Iltutmish gave him advantages in sifting Indian legends of no mean order. He says further, "Many of the stories which are here recorded of historical persons have no doubt a foundation of fact, but some

Qazi sadiduddin[1] Muhammad, better known by his patronymic, i, which was derived from his direct ancestor, Abdur Rahman Awf, one of the big ten of the Prophet's companions, and a iber of the Council of Six nominated by Caliph Umar I to choose successor, was a great scholar, a religious teacher, an effective cher, and a writer of repute of the thirteenth century A. D. He born[2] in Bokhara sometime between A. H. 567 A.H.=1172 and 572=D. 1176, and having lived and studied there for the twentyfive or thirty years of his life he embarked on his wide ls in search for further acquisition of knowledge and experience. visited numerous towns in Transoxiana, Central Asia, Persia. ianistan and India. One finds him in A.H. 597 in Samarqand e his maternal uncle, Majduddin Muhammad Bin Adnan. was ourt physician and scholar of the court of the reigning king. Sultan him Tamghaj, and was compiling for him a history of Turkish s. He was attached for a time in that year to the heir-apparent. at-uddin, who appointed him to Darul Insha, but he soon ned to Bukhara whence he went to Khawarizm. and then to asan, Nishapur, Nisa etc. From Shahr-i-Nau. between Astrabad Khawarizm, he went again to Khorasan which he had to leave good in A.H. 607 when the pagan Mongols burst upon the lim lands, ruining the flourishing cities of the Islamic lands of iara and Balkh, Khawarizm, Herat etc. Passing through Ghazni, eached Lahore[3] and was for a time in the company of such s and litterateurs as Hamiduddin Masud and Sharfuddin Ahmad iawandi. From Lahore he arrived in Sindh and took refuge, so many others, at the court of Sultan Nasiruddin Qubacha at at about or little before 617. He spent a considerable in India, and appears to have lived in such Indian towns Cambay[4] and Nahrawala about which he writes so much. He a lengthened stay in the court of Qubacha,[5] was besieged, ig with him, in the fort of Bhakkar in A. H. 625, and then red the services of his victor, Nizamul Mulk Junaidi. the ir of Iltutmish, whom he eulogises so much and so n. He was present in Delhi when Nasiruddin Mahmud, eldest son of the Emperor, marched on his successful dition against the rebellious chief of Lakhnauti (Bengal), Ikhtiya-lin Daulat[6] Shah bin Maudud Khalji alias Balka. This bened in A. H. 628-1230-31. Nothing is known about the and place of his death which might have occurred in or about -33.

Awfi was a widely travelled, much experienced and well-

About the author

Prof.Syed Hasan Askari (b. 1901), Khujwa, Siwan/Saran, graduated, 1922, from G.B.B. (now L.S.) College, Muzaffarpur, got his M.A. (in history) 1924, and B.L., 1925, from Patna University. Was Lecturer in History, Patna College, 1927, Asstt. Professor from 1934 to 1950 and Professor of History from 1950 to 1956. Was Associate Member of Indian Historical Records Commission. Member of Bihar Research Society's Council and was on the Editorial Board of the Medieval India Quarterly; served as Hon'y. Secretary of the Regional Records Survey and Hon'y. Joint Director of the K.P.Jaiswal Research Institute. In recognition of his valuable contribution to Medieval Indian History and Culture, he was conferred 'Honoriscausa' by Magadh University and Padma Shri by the President of India.

He has been one of the two most distinguished users of Khuda Bakhsh Manuscripts.

Collecting his scattered papers in homogeneous volumes and placing this, the fourth in the series, in your hands, is the least that Khuda Bakhsh Librarv could do to repay the indebtedness (گہر جانب ابر نیساں فرستم) May this humble tribute give the doyen of Indian History, the solace and satisfaction that the prophet does not go unrecognised in his own land before setting out on his final voyage.

The above lines were worth as preface to the 4th volumes of the series, when Prof.Askari was still alive. Now when the *fifth* volumes of this series is going to press, he is no more with us. He left us for his eternal abode on 28 November, 1990. May his soul rest in peace.

A.R.B.

About Jawami'ul-Hikayat & its Author

The author of *Jawami'ul-Hikayat*, **Awfi** (570-630), belonged to **Uzbekistan**, attached to the court of Amir of **Bukhara**. He wrote several other books of which the extant ones include the monumental Tazkira of poets called *Lubul Albab & Jawami'ul Hikayat* containing over a hundred chapters, out of which 77 have so far been published (till 1992). One sixth of the *Jawami'ul-Hikayat* has been translated into Urdu by famous poet Akhtar Shairani which was published by Anjuman Taraqi-e-Urdu in 1943.

Here is a detailed study of the monumental work *Jawami'ul Hikayat by the renowned historian Prof.S.H.Askari.*

A.R.B.

On Awfi's Jawami-ul Hikayat

by

Prof. S. H. Askari
(d.1990)

Khuda Bakhsh Library Journal

Khuda Bakhsh Oriental Public Library
Patna